تٰبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا

معارف القرآن

ترجمہ: حقیقت آگاہ معارف پناہ عارف باللہ حضرت شاہ عبدالقادر بن شاہ ولی اللہ دہلوی قدس اللہ اسرارہما

تفسیر: شیخ التفسیر مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

پنجم

تفسیر
شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ
۱۲۶۸ھ - ۱۳۳۹ھ
(سورۃ الفاتحۃ تا سورۃ النسآء)

تفسیر
حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ
۱۳۰۵ھ - ۱۳۶۹ھ
(سورۃ المآئدۃ تا سورۃ الناس)

مکتبہ حبیبیہ رشیدیہ

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا

معارف القرآن

ترجمہ: عارف باللہ حضرت شاہ عبد القادر بن شاہ ولی اللہ دہلوی قدس اللہ اسرارہما

تفسیر: شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ

موضح فرقان معروف بہ

تفسیر عثمانی

ترجمہ: شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ

تفسیر
شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ
۱۲۶۸ھ - ۱۳۳۹ھ
(سورۃ الفاتحۃ تا سورۃ النساء)

تفسیر
حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ
۱۳۰۵ھ - ۱۳۶۹ھ
(سورۃ المائدۃ تا سورۃ الناس)

(جلد پنجم)

پارہ ۱۶ تا ۱۹

سورۃ مریم تا سورۃ النمل

مکتبہ حبیبیہ رشیدیہ®

LG-29 ہادیہ حلیمیہ سنٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

042-37242117 - 0332-4377621

بسم اللہ والصلوٰۃ والسلام علی رسول اللہ

نام کتاب ——— معارف القرآن وتفسیر عثمانی

جلد ——— پنجم

سن اشاعت ——— محرم الحرام ۱۴۳۹ھ مطابق اکتوبر 2017ء

کمپوزنگ ———

ناشر ——— مکتبہ حبیبیہ رشیدیہ (رجسٹرڈ)

باہتمام ——— انیس احمد مظاہری

اسٹاکسٹ ——— مکتبۃ المظاہر، جامعہ احسان القرآن لاہور
0332-4377501

کاوش اللہ جل جلالہ وعم نوالہ کا احسان عظیم ہے کہ ہم تشنگانِ علومِ نبویہ کی خدمت میں تفسیر قرآن کی عظیم کتاب معارف القرآن وتفسیر عثمانی پیش کرنے کی سعادت حاصل کررہے ہیں۔ شب وروز کی محنتِ شاقہ اس کے ظہور پذیر ہونے میں کارفرما ہی اس عظیم کام کو بحسن وخوبی سرانجام دینے میں ہیئۃ العلماء کے معزز اراکین نے حتی المقدور سعی کی۔ اس نسخے کی تیاری زرکثیر خرچ کرکے کروائی گئی ہے اور بار بار پروف ریڈنگ کروائی گئی تاکہ اغلاط کا تناسب نہ ہونے کے برابر ہو، بہرکیف انسان خطا کا پتلا ہے اس کے ہاتھوں غلطی کا صدور ہر لحہ ممکن ہے، ہمیں امید ہے کہ آپ ہمیں حسبِ سابق اصلاح کی طرف گامزن کرتے رہیں گے۔

استدعا اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ہم نے اپنی طاقت اور بساط کے مطابق کتاب کی تصحیح میں حتی الامکان محنت وکوشش کی ہے اس کے باوجود اگر طالبانِ حدیثِ رسول وقرآن کو کسی مقام پر کوئی قابلِ تصحیح عبارت نظر آئے تو وہ ہمیں ضرور اطلاع فرمائیں، ہم ان کے شکرگزار ہوں گے اور اس غلطی کی درستگی کریں گے۔ آپ کے اس علمی تعاون کی بدولت ہی ہم اشاعتِ دین کے ساتھ ساتھ حفاظتِ دین کا فریضہ سرانجام دینے کے قابل ہوں گے۔

مکتبہ حبیبیہ رشیدیہ (رجسٹرڈ)

فہرست مضامین

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا ﴿۷۵﴾ قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَیْءٍۭ بَعْدَهَا

بولا میں نے تجھ کو نہ کہا تھا کہ تو نہ ٹھہر سکے گا میرے ساتھ ف۱ کہا اگر تجھ سے پوچھوں کوئی چیز

بولا، میں نے تجھ کو نہ کہا تھا ؟ تو نہ سکے گا میرے ساتھ ٹھہرنا۔ کہا، اگر تجھ سے پوچھوں کوئی چیز اس کے پیچھے،

فَلَا تُصٰحِبْنِیْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّیْ عُذْرًا ﴿۷۶﴾ فَانْطَلَقَا ٚ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَتَیَاۤ اَهْلَ قَرْیَةِ

اس کے بعد تو مجھ کو ساتھ نہ رکھیو تو اتار چکا میری طرف سے الزام ف۲ پھر دونوں چلے یہاں تک کہ جب پہنچے ایک گاؤں کے لوگوں تک

پھر مجھ کو ساتھ نہ رکھیو۔ تو اتار چکا میری طرف سے الزام۔ پھر دونوں چلے، یہاں تک کہ پہنچے ایک گاؤں کے لوگوں تک،

اسْتَطْعَمَاۤ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ یُّضَیِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِیْهَا جِدَارًا یُّرِیْدُ اَنْ یَّنْقَضَّ

کھانا چاہا وہاں کے لوگوں سے انہوں نے نہ مانا کہ ان کو مہمان رکھیں پھر پائی وہاں ایک دیوار جو گرا چاہتی تھی

کھانا چاہا وہاں کے لوگوں سے، وہ نہ مانے کہ ان کو مہمان رکھیں، پھر پائی اس میں ایک دیوار گرا چاہتی تھی،

فَاَقَامَهٗ ؕ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَیْهِ اَجْرًا ﴿۷۷﴾ قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَیْنِیْ وَبَیْنِكَ ۚ

اس کو سیدھا کردیا ف۳ بولا موسیٰ اگر تو چاہتا تو لے لیتا اس پر مزدوری ف۴ کہا اب جدائی ہے میرے اور تیرے بیچ

اس کو سیدھا کیا۔ بولا (موسیٰ) اگر تو چاہتا، لیتا اس پر مزدوری۔ کہا، اب جدائی ہے میرے تیرے بیچ۔

سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِیْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَیْهِ صَبْرًا ﴿۷۸﴾ اَمَّا السَّفِیْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِیْنَ

اب جتائے دیتا ہوں تجھ کو پھیر ان باتوں کا جن پر تو صبر نہ کرسکا ف۵ وہ جو کشتی تھی سو چند محتاجوں کی

اب جتاتا ہوں تجھ کو پھیر ان باتوں کا، جس پر تو نہ ٹھہر سکا۔ وہ جو کشتی تھی، سو تھی کتنے محتاجوں کی،

ف۱ کیونکہ ایسے حالات وواقعات دیکھنے میں آئیں گے جن پر تم خاموشی کے ساتھ صبر نہیں کرسکو گے۔ آخر وہی ہوا۔

ف۲ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اندازہ ہوگیا کہ حضرت خضر علیہ السلام کے تحیر خیز حالات وواقعات کا چپ چاپ مشاہدہ کرتے رہنا بہت ٹیڑھی کھیر ہے۔ اس لیے آخری بات کہہ دی کہ اس مرتبہ اگر سوال کروں تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیں ایسا کرنے میں آپ معذور ہوں گے اور میری طرف سے کوئی الزام آپ پر عائد نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ تین مرتبہ موقع دے کر آپ حجت تمام کرچکے۔

ف۳ یعنی ایک بستی میں پہنچ کر وہاں کے لوگوں سے ملے اور چاہا کہ بستی والے مہمان سمجھ کر کھانا کھلائیں۔ مگر یہ سعادت ان کی قسمت میں نہ تھی، انہوں نے موسیٰ علیہ السلام و خضر علیہ السلام جیسے مقربین کی مہمانی سے انکار کردیا۔ یہ معاملہ دیکھ کر چاہیے تھا کہ ایسے تنگ دل اور بے مروت لوگوں پر غصہ آتا، مگر حضرت خضر علیہ السلام نے غصہ کے بجائے ان پر احسان کیا۔ بستی میں ایک بڑی بھاری دیوار جھکی ہوئی تھی قریب تھا کہ زمین پر آرہے، لوگ اس کے نیچے گزرتے ہوئے خوف کھاتے تھے، حضرت خضر علیہ السلام نے ہاتھ لگا کر سیدھی کردی اور منہدم ہونے سے بچالیا۔

(تنبیہ) ﴿حَتّٰۤی اِذَاۤ اَتَیَاۤ اَهْلَ قَرْیَةِ﴾ میں اہل کا لفظ شاید اس لیے لائے کہ بستی میں ان کا آنا محض مرور وعبور کے طور پر نہ تھا، نہ یہ صورت تھی کہ باشندگان شہر سے علیحدہ کسی سرائے وغیرہ میں جا اترے ہوں، بلکہ قصد کرکے شہر والوں سے ملے۔ اور ﴿اسْتَطْعَمَاۤ اَهْلَهَا﴾ میں دوبارہ لفظ اہل کی تصریح ان کی مزید تقبیح کے لیے ہے یعنی جن سے مہمانی چاہی تھی وہ اہل قریہ تھے کوئی پردیسی مسافر نہ تھے جو یہ عذر کرسکیں کہ ہمارا گھر یہاں نہیں مہمانداری کیسے کریں۔

ف۴ یعنی بستی والوں نے مسافر کا حق نہ سمجھا کہ مہمانی کریں ان کی دیوار مفت بنا دینے کی کیا ضرورت تھی۔ اگر کچھ معاوضہ لے کر دیوار سیدھی کرتے تو ہمارے کھانے پینے کا کام چلتا اور ان تنگ دل بخیلوں کو ایک طرح کی تنبیہ ہوجاتی، شاید اپنی بداخلاقی اور بے مروتی پر شرماتے۔ .... =

يَعْمَلُونَ فِي الْبَحْرِ فَأَرَدْتُّ أَنْ أَعِيبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ

جو محنت کرتے تھے دریا میں ف۱ سو میں نے چاہا کہ اس میں عیب ڈال دوں اور ان کے پرے تھا ایک بادشاہ جو لے لیتا تھا ہر کشتی کو

محنت کرتے تھے دریا میں، سو میں نے چاہا کہ اس میں نقصان ڈالوں، اور ان کے پرے تھا ایک بادشاہ، لے لیتا ہر کشتی

غَصْبًا ﴿۷۹﴾ وَأَمَّا الْغُلَامُ فَكَانَ أَبَوَاهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِينَا أَنْ يُرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ﴿۸۰﴾

چھین کر ف۲ اور جو لڑکا تھا سو اس کے ماں باپ تھے ایمان والے پھر ہم کو اندیشہ ہوا کہ ان کو عاجز کر دے زبردستی اور کفر کر کر ف۳

چھین کر۔ اور جو لڑکا تھا، سو اس کے ماں باپ تھے ایمان پر، پھر ہم ڈرے کہ ان کو عاجز کرے، زبردستی اور کفر کر کر۔

فَأَرَدْنَآ أَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّأَقْرَبَ رُحْمًا ﴿۸۱﴾ وَأَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ

پھر ہم نے چاہا کہ بدلہ دے ان کو ان کا رب بہتر اس سے پاکیزگی میں اور نزدیک تر شفقت میں ف۴ اور وہ جو دیوار تھی سو

پھر ہم نے چاہا، کہ بدلہ دے ان کو ان کا رب، اس سے بہتر ستھرائی میں، اور لگاؤ رکھتا محبت میں۔ اور وہ جو دیوار تھی، سو

= ف۵ یعنی حسب وعدہ اب مجھ سے علیحدہ ہو جائیے، آپ کا نباہ میرے ساتھ نہیں ہو سکتا۔ لیکن جدا ہونے سے پہلے چاہتا ہوں کہ ان واقعات کے پوشیدہ اسرار کھول دوں۔ جن کے چکر میں پڑ کر آپ صبر وضبط کی شان قائم نہ رکھ سکے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ "اس مرتبہ موسیٰ علیہ السلام نے جان کر پوچھا رخصت ہونے کو سمجھ لیا کہ یہ علم میرے ڈھب کا نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا علم وہ تھا جس کی خلقت پیروی کرے تو ان کا بھلا ہو۔ حضرت خضر علیہ السلام کا علم وہ تھا کہ دوسروں سے اس کی پیروی بن نہ آدے۔"

ف۱ یعنی دریا میں محنت مزدوری کر کے پیٹ پالتے تھے۔

ف۲ یعنی جدھر کشتی جانے والی تھی اس طرف ایک ظالم بادشاہ جو اچھی کشتی دیکھتا چھین لیتا، یا بیگار میں پکڑ لیتا تھا میں نے چاہا کہ عیب دار کر دوں، تاکہ اس ظالم کی دستبرد سے محفوظ رہے اور ٹوٹی ہوئی خراب کشتی سمجھ کر کوئی تعرض نہ کرے۔ بعض آثار میں ہے کہ خطرہ کے مقام سے آگے نکل کر پھر حضرت خضر نے کشتی اپنے ہاتھ سے درست کر دی۔

ف۳ گو اصل فطرت سے ہر بچہ مسلمان پیدا ہوتا ہے مگر آگے چل کر خارجی اثرات سے بچپن ہی میں بعض کی بنیاد بری پڑ جاتی ہے جس کا پورا یقینی علم تو خدا تعالیٰ کو ہوتا ہے تاہم کچھ آثار اہل بصیرت کو بھی نظر آنے لگتے ہیں۔ اس لڑکے کی نسبت اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر علیہ السلام کو آگاہ فرما دیا کہ اس کی بنیاد بری پڑی تھی۔ بڑا ہوتا تو موذی اور بدراہ ہوتا اور ماں باپ کو بھی اپنے ساتھ لے ڈوبتا۔ وہ اس کی محبت میں کافر بن جاتے، اس طرح لڑکے کا مارا جانا والدین کے حق میں رحمت اور ان کی حفاظت کا ذریعہ بن گیا۔ خدا کو منظور تھا کہ اس کے ماں باپ ایمان پر قائم رہیں، حکمت الٰہیہ ہوئی کہ آنے والی رکاوٹ ان کی راہ سے دور کر دی جائے۔ حضرت خضر علیہ السلام کو حکم دیا کہ لڑکے کو قتل کر دو۔ انہوں نے خدا کی وحی پا کر امتثال امر کیا۔ اب یہ سوال کرنا کہ لڑکے کو پیدا ہی نہ کرتے یا کرتے تو اس کو اس قدر شریر نہ ہونے دیتے یا جہاں لاکھوں کافر دنیا میں موجود ہیں اس کے والدین کو بھی کافر بن جانے دیتے یا جن بچوں کی بنیاد ایسی پڑے کم از کم پیغمبروں کو ان سب کی فہرست دے کر قتل کرا دیا کرتے۔ ان باتوں کا اجمالی جواب تو یہ ہے ﴿لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ﴾ اور تفصیلی جواب کے لیے مسئلہ "خلق خیر وشر" پر مبسوط کلام کرنے کی ضرورت ہے جو ان مختصر فوائد میں سما نہیں سکتا۔ ہاں اتنا یاد رہے کہ دنیا میں ہر شخص سے جو اللہ کو "خالق الکل" اور "علیم" و "خبیر" مانتا ہو۔ تکوینیات کے متعلق اسی قسم کے ہزاروں سوالات کیے جا سکتے ہیں جن کا جواب کسی کے پاس بجز اعتراف عجز وقصور کے کچھ نہیں۔ یہاں خضر کے ذریعہ سے اسی کا ایک نمونہ دکھلانا تھا کہ خدا تعالیٰ کی حکمتوں اور مصالح تکوینیہ کا کوئی احاطہ نہیں کر سکتا۔ کبھی صورت واقعہ بظاہر دیکھنے میں خراب اور قبیح یا بے موقع معلوم ہوتی ہے۔ لیکن جسے واقعہ کی اندرونی گہرائیوں کا علم ہو وہ سمجھتا ہے کہ اس میں بہت سی حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ حضرت خضر علیہ السلام نے مسکینوں کی کشتی کا تختہ توڑ دیا، حالانکہ انہوں نے احسان کیا تھا کہ بلا اجرت دونوں کو سوار کر لیا۔ ایک کھیلتے ہوئے بچہ کو مار ڈالا جو بظاہر نہایت قبیح حرکت نظر آتی تھی۔ دیوار سیدھی کر کے اس بستی والوں پر احسان کیا جو نہایت بے مروتی سے پیش آئے تھے۔ اگر حضرت خضر علیہ السلام آخر میں اپنے ان افعال کی توجیہات بیان نہ کرتے تو ساری دنیا آج تک ورطہ حیرت میں پڑی رہتی، یا خضر علیہ السلام کو ہدف طعن وتشنیع بنائے رکھتی۔ (العیاذ باللہ) ان ہی مثالوں سے حق تعالیٰ کے افعال =

لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ

دو یتیم لڑکوں کی تھی اس شہر میں اور اس کے نیچے مال گڑا تھا ان کا اور ان کا باپ تھا نیک پھر چاہا

دو یتیم لڑکوں کی تھی، رہتے اس شہر میں، اور اس کے نیچے مال گڑا تھا ان کا، اور ان کا باپ تھا نیک۔ پھر چاہا

رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ

تیرے رب نے کہ وہ پہنچ جائیں اپنی جوانی کو اور نکالیں اپنا مال گڑا ہوا ف۱ مہربانی سے تیرے رب کی اور میں نے یہ نہیں کیا اپنے حکم سے ف۲

تیرے رب نے کہ وہ پہنچیں اپنے زور کو، اور نکالیں اپنا مال گڑا، مہربانی سے تیرے رب کی۔ اور میں نے یہ نہیں کیا اپنے حکم سے۔

اَمْرِيْ ۭ ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ۝۸۲ۭ

یہ ہے پھیر ان چیزوں کا جن پر تو صبر نہ کرسکا۔

یہ پھیر ہے ان چیزوں کا، جن پر تو نہ ٹھہر سکا۔

ع ۱۰

بقیہ قصہ موسیٰ علیہ السلام با خضر علیہ السلام

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ... الی ... ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا﴾

موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ خضر علیہ السلام نے یکایک ایک معصوم اور بے گناہ بچے کو مار ڈالا تو ان سے ضبط نہ ہوسکا۔ اور بے اختیار کہہ اٹھے۔ ﴿لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُّكْرًا﴾ (آپ علیہ السلام نے تو بڑی ہی بے جا اور ناپسندیدہ حرکت کی) تو حضرت خضر علیہ السلام نے جواب میں کہا۔ اے موسیٰ کیا میں نے تم سے پہلے ہی اول مصاحبت میں یہ نہیں کہہ دیا تھا کہ تم میرے ساتھ رہ کر ہرگز صبر نہیں کرسکو گے آخر وہی ہوا جو میں نے اول بار کہہ دیا تھا۔ چونکہ موسیٰ علیہ السلام کی یہ دوبارہ عہد شکنی تھی اس لیے حضرت خضر علیہ السلام نے اس مرتبہ مزید تنبیہ کے لیے لفظ لک اور بڑھا دیا یعنی تم ہی سے تو کہا تھا پھر کیوں بھول گئے۔

= اور ان کی حکمتوں کا اندازہ کرلو۔

ف۴ یعنی لڑکے کے مارے جانے سے اس کے والدین کا ایمان محفوظ ہوگیا اور جو صدمہ ان کو پہنچا حق تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس کی تلافی ایسی اولاد سے کردے جو اخلاقی پاکیزگی میں مقتول لڑکے سے بہتر ہو، ماں باپ اس پر شفقت کریں۔ وہ ماں باپ کے ساتھ محبت و تعظیم اور حسن سلوک سے پیش آئے۔ کہتے ہیں اس کے بعد خدا تعالیٰ نے نیک لڑکی دی جو ایک نبی سے منسوب ہوئی اور ایک نبی اس سے پیدا ہوئے جس سے ایک امت چلی۔

ف۱ یعنی اگر دیوار گر پڑتی تو یتیم بچوں کا جو مال وہاں گڑا ہوا تھا ظاہر ہوجاتا اور بدنیت لوگ اٹھا لیتے۔ بچوں کا باپ مرد صالح تھا اس کی نیکی کی رعایت سے حق تعالیٰ کا ارادہ ہوا کہ بچوں کے مال کی حفاظت کی جائے میں نے اس کے حکم سے دیوار سیدھی کردی کہ بچے جوان ہو کر باپ کا خزانہ پاسکیں۔ کہتے ہیں اس خزانہ میں دوسرے اموال کے علاوہ ایک سونے کی تختی تھی جس پر "محمد رسول اللہ" صلی اللہ علیہ وسلم لکھا ہوا تھا۔

ف۲ یعنی جو کام خدا کے حکم سے کرنا ضروری ہوا اس پر مزدوری لینا مقربین کا کام نہیں (تنبیہ) اس قصہ کے شروع میں حضرت خضر علیہ السلام کی نبوت و ولایت کے متعلق جو کچھ ہم لکھ چکے ہیں اس کو بیک نظر پھر مطالعہ کرلیا جائے۔ آگے ذوالقرنین کا قصہ آتا ہے۔ یہ بھی ان تین چیزوں میں سے تھا جن کی نسبت یہود کے مشورہ سے قریش نے سوالات کیے تھے۔ "روح" کے متعلق جواب سورۃ "بنی اسرائیل" میں گزر چکا۔ اصحاب کہف کا قصہ اسی سورۃ "کہف" میں آچکا۔ تیسری چیز آگے مذکور ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اندازہ ہو گیا کہ اس قسم کے تحیر خیز واقعات پر صبر کرنا اور خاموشی کے ساتھ ان کو دیکھتے رہنا بہت ٹیڑھی کھیر ہے اس لیے آخری بات کہہ دی خیر اب تو جانے دیجئے لیکن اگر اس مرتبہ کے بعد آپ سے کسی چیز کے متعلق سوال کروں تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھنا بیشک آپ میری طرف سے عذر کی حد اور انتہا کو پہنچ چکے ہیں آپ ایسا کرنے میں معذور ہوں گے اور میری طرف سے آپ کو کوئی الزام نہ ہوگا۔ کیونکہ تین مرتبہ موقع دینے سے حجت پوری ہو جائے گی۔ موسیٰ علیہ السلام کو خضر علیہ السلام کی بار بار مخالفت سے شرم آئی۔ اور ان کی ملامت سے ڈرے اس لیے ان سے یہ آخری بات کہہ ڈالی کہ اگر تیسری بار آپ سے پوچھوں تو آپ کو جدا کرنے کا اختیار ہے۔ مجھے آپ سے کوئی شکایت نہ ہوگی۔

پھر دونوں آگے روانہ ہوئے یہاں تک کہ ایک بستی والوں پر پہنچے اور ان سے ملے اور کہا کہ ہم مسافر ہیں اور تمہارے مہمان ہیں تو اس بستی والوں سے مہمان ہونے کی حیثیت سے کھانا طلب کیا سو بستی والوں نے ان کی مہمانی سے انکار کر دیا۔ صبر کیا اور بھوکے پڑے رہے۔ پھر انہوں نے بستی میں ایک دیوار پائی جو گرا چاہتی تھی۔ یعنی جھکی ہوئی تھی۔ گرنے کے قریب تھی پس خضر علیہ السلام نے ہاتھ کے اشارے سے اسکو سیدھا کر دیا۔

حدیث شریف میں ہے کہ خضر علیہ السلام نے ہاتھ کا اشارہ کیا اور وہ دیوار سیدھی ہو گئی۔ یہ خارق عادت امر ان کی کرامت تھی۔ موسیٰ علیہ السلام نے یہ حال دیکھ کر خضر علیہ السلام سے کہا کہ آپ نے ایسے سنگ دل اور بے مروت اور بخیل لوگوں کے ساتھ احسان کیا اور مفت ان کا کام کیا اور بلا معاوضہ ان کی دیوار سیدھی کر دی۔ آپ اگر چاہتے تو ان سے اجرت لے لیتے اور اس سے ہم کھانا کھا لیتے آپ نے ایسے بخیلوں اور تنگ دلوں سے جنہوں نے مہمان مسافر کا کوئی حق نہ سمجھا۔ اجرت کیوں نہ لے لی جس سے ہمارا کھانے پینے کا کام چل جاتا۔

حضرت خضر علیہ السلام نے کہا یہ میرے اور تمہارے درمیان جدائی کا وقت ہے تم نے خود کہہ دیا تھا کہ اگر میں پھر پوچھوں تو مجھے اپنے ساتھ نہ رکھنا۔ لہٰذا آپ حسب وعدہ مجھ سے علیحدہ ہو جائیے۔ آپ کا میرے ساتھ نباہ نہیں ہو سکتا لیکن جدا ہونے سے پہلے میں آپ کو ان چیزوں کی حقیقت سے خبردار کیے دیتا ہوں جن پر آپ صبر نہ کر سکے۔

حضرت شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ "اس مرتبہ موسیٰ علیہ السلام نے جان کر پوچھا رخصت ہونے کو۔ یہ سمجھ لیا کہ یہ علم میرے ڈھب کا نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا علم وہ تھا جس کی خلقت پیروی کرے تو اسکا بھلا ہو۔ حضرت خضر علیہ السلام کا علم وہ تھا کہ دوسروں سے اس کی پیروی بن نہ آئے" (موضح القرآن)

حضرت موسیٰ علیہ السلام سمجھ گئے کہ اللہ کے علوم کی کوئی حد نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کسی کو کوئی علم دیا اور کسی کو کوئی علم دیا اور اللہ کے بعضے بندے ملائکہ کی طرح ہیں جو کرتے ہیں وہ اللہ کے حکم سے کرتے ہیں اور ان کے افعال کے اسرار لوگوں کی سمجھ میں نہیں آسکتے۔ خضر علیہ السلام کا علم اس قسم کا تھا جو ملائکہ کو عطا ہوا اور موسیٰ علیہ السلام کا علم اس قسم کا تھا جو اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو عطا کیا اور ان کو اپنا خلیفہ اور مسجود ملائکہ بنایا۔ واللہ اعلم۔

بیان تاویلات واقعات مذکورہ

خضر علیہ السلام نے یہ ارادہ فرمایا کہ جدا ہونے سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کو اپنے ہر فعل کی مصلحت سے آگاہ کر دیں اور ان تمام

واقعات کی تاویلات بیان کر دیں جن پر موسیٰ علیہ السلام صبر نہ کر سکے اور جن کے ظاہر کو دیکھ کر آپ علیہ السلام نے ان کو برا جانا۔

بیان تاویل واقعۂ اول

وہ جو کشتی تھی وہ چند محتاجوں کی تھی جو سمندر میں کرایہ پر چلاتے تھے اور اس کے ذریعہ دریا میں محنت اور مزدوری کرتے تھے اور اسی پر ان کی گزران تھی۔ سو میں نے چاہا کہ اس کو عیب دار کر دوں تا کہ کوئی غاصب اس کو عیب دار سمجھ کر نہ چھینے اور عیب کو دیکھ کر اس پر دست اندازی نہ کرے اور ان لوگوں کے آگے ایک ظالم بادشاہ تھا جو ہر صحیح سالم کشتی کو زبردستی چھین لیتا تھا میں نے چاہا کہ اس کشتی کو عیب دار ہونے کی وجہ سے غصب نہ کر سکے اور یہ مساکین بعد میں تختہ لگا کر اس کشتی کو درست کر لیں گے۔

گر خضر در بحر کشتی را شکست　　　　صد درستی شکست خضر ہست

یہ باعث تھا میرے اس کشتی توڑنے کا جس پر آپ سے صبر نہ ہو سکا۔

بیان تاویل واقعۂ دوئم

اور وہ جو لڑکا تھا جس کو میں نے مار ڈالا تھا سو بات یہ ہے کہ اس کے ماں باپ ایماندار تھے اور اللہ کو ان کے ایمان کی حفاظت مقصود تھی اور یہ لڑکا اگر بڑا ہوتا تو کافر ہوتا اور ماں باپ کو اس سے غیر معمولی محبت تھی سو ہم کو اندیشہ ہوا کہ یہ لڑکا بڑا ہو کر اپنے ماں باپ کو سرکشی اور کفر میں گرفتار کر دے۔ یعنی جب بالغ ہو تو والدین کو بھی کفر پر مجبور کرے اور وہ اس کی خوبصورتی اور محبت کی وجہ سے اس سے جدا ہونا گوارا نہ کریں۔ اور کفر اختیار کر بیٹھیں اور ہلاکت دائمی میں گرفتار ہوں پس اس طرح لڑکے کا مارا جانا ان کے حق میں مصیبت بنا اور باطن میں اللہ تعالیٰ کی رحمت بنا۔ پس ہم نے ارادہ کیا کہ اس لڑکے کا قصہ تو تمام کر دیا جائے اور ان کا پروردگار اس نالائق اور بدبخت بیٹے کے بدلے میں ان کو ایسی اولاد دے خواہ لڑکا ہو یا لڑکی۔ جو از راہ پاکیزگی اس لڑکے سے بہتر ہو یعنی کفر اور شرک اور معصیت اور بداخلاقی اور بداعمالی سے پاک ہو اور ایمان اور توحید اور اخلاق فاضلہ سے آراستہ ہو اور از راہ شفقت و محبت والدین سے زیادہ قریب ہو۔ اور احسان اور صلہ رحمی کرنے والی ہو۔ چنانچہ اس لڑکے کے مارے جانے کے بعد ان دونوں نیک بختوں سے ایک لڑکی پیدا ہوئی اور ایک نبی سے بیاہی گئی اور اس کے بطن سے ایک نبی پیدا ہوئے جس سے اللہ تعالیٰ نے ایک امت کو ہدایت دی۔ اس طرح سے یہ نیک بخت لڑکی اس بدبخت لڑکے کا بدلہ ہو گئی۔ ہر بچہ ابتداءً اگرچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے مگر بعض مرتبہ خارجی اثرات کی وجہ سے بعض آدمیوں کی شروع سے ہی بنیاد بری پڑ جاتی ہے مگر اس کا علم سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو نہیں ہوتا۔ اس لڑکے کی بابت اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر علیہ السلام کو آگاہ کر دیا کہ اس بچہ کی افتاد اور بنیاد بری ہے بڑا ہو کر خود بھی گمراہ ہو گا اور ماں باپ کو بھی گمراہی میں مبتلا کرے گا اگر یہ زندہ رہا تو اس کے سبب اس کے ماں باپ ہلاک اور تباہ ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کو اس کے والدین کے ایمان کی حفاظت مقصود تھی۔ اس لیے ان کی راہ سے اس روڑہ کو نکال دیا گیا اور حضرت خضر علیہ السلام کا اس لڑکے کو قتل کرنا اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی وحی سے تھا۔

تاویل واقعۂ سوم

اور رہی وہ دیوار جس کو میں نے مفت سیدھا کر دیا وہ اس شہر کے دو یتیم بچوں کی تھی جن سے اجرت لینا مناسب نہ تھا اور اس دیوار کے نیچے ان دونوں کے واسطے ایک خزانہ گڑا ہوا تھا اگر وہ دیوار گر جاتی اور خزانہ ظاہر ہو جاتا تو لوگ اس خزانے کو لوٹ لے جاتے اور ان کو بسبب صغرسنی اور کمزوری کے کچھ نہ ملتا اور ان دونوں کا باپ ایک مرد صالح تھا خدا تعالیٰ کو اس کی نیکی کے صلہ میں اس کی اولاد کی حفاظت منظور تھی سو تیرے پروردگار نے یہ چاہا کہ یہ دونوں لڑکے اپنی قوت یعنی عقل اور بلوغ اور جوانی کو پہنچ جائیں اور اس وقت اپنا خزینہ اور دفینہ نکالیں از روئے مہربانی پروردگار نے مجھے اس دیوار کی اصلاح کا حکم دیا اور ایک اشارہ میں سیدھی ہوگئی۔ اس لیے میں نے اللہ کے حکم سے یہ دیوار مفت سیدھی کر دی اور میں نے کوئی کام اپنی رائے سے نہیں کیا بلکہ اللہ کے حکم سے کیا اور جو کام اللہ تعالیٰ کے حکم سے کیا جائے اس پر مزدوری نہیں لینی چاہیے۔

خاتمۂ کلام:...... جب خضر علیہ السلام نے تمام واقعات کی تاویلات بیان کر دیں تو اخیر میں یہ کہا لیجئے یہ ہے باطنی حقیقت ان چیزوں کی جن کے ظاہر کو دیکھ کر آپ میں صبر کی طاقت نہ رہی۔ آپ شریعت کے ظاہری احکام کی وجہ سے مجبور اور معذور تھے۔ شریعت میں اس قسم کے افعال کے جواز کی گنجائش نہیں ہوتی اور میں باطنی احکام کی وجہ سے مجبور اور معذور تھا۔ ﴿وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا﴾ اور حسب وعدہ میں نے آپ کو ان واقعات کے تاویلات سے آگاہ کر دیا چنانچہ اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام ان سے رخصت ہوئے۔

لطائف ومعارف

(۱) خضر علیہ السلام کا نام بلیا بن ملکان تھا اور کنیت ان کی ابو العباس تھی اور خَضِر بفتح خاء اور کسر ضاد ان کا لقب تھا۔ شاہی خاندان سے تھے دنیا کو ترک کیا اور زہد اور درویشی کی راہ اختیار کی۔ ظاہر میں ذوالقرنین کے وزیر تھے لیکن در پردہ فقیر اور درویش تھے اور خضر اس لیے ان کا نام ہو گیا کہ ایک صاف اور چٹیل زمین ان کے بیٹھنے سے سرسبز ہوگئی اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ خضر کو اس لیے خضر کہا گیا کہ جب وہ نماز پڑھتے تھے تو ان کے اردگرد کی زمین سرسبز ہو جاتی تھی اور بعض کہتے ہیں کہ ان کا نام "عابر" یا "خضرون" تھا اور صحیح اور راجح قول یہ ہے کہ ان کا نام بلیا بن ملکان تھا۔ (دیکھو فتح الباری: ۶/ ۳۰۹ حدیث الخضر مع موسیٰ علیہ السلام)

(۲) جمہور علماء کے نزدیک خضر علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کی نسل سے ہیں اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کے صلبی فرزند ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ خضر علیہ السلام منجملہ فرشتوں کے ایک فرشتہ تھے بنی آدم میں سے نہ تھے (مزید اقوال کی تفصیل کے لیے فتح الباری: ۶/ ۳۱۰، حدیث الخضر مع موسیٰ علیہ السلام دیکھیں)۔

یہ ناچیز کہتا ہے کہ حقیقت حال تو اللہ کو معلوم مگر خضر علیہ السلام کے جو افعال حق تعالیٰ نے ذکر فرمائے تو وہ ملائکہ مدبرات امر سے یعنی کارکنان قضاء وقدر سے ملتے جلتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ ملائکہ کرام کا علم اور قسم کا ہے اور انبیاء و مرسلین کا علم اور قسم کا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو یہ دکھلا دیا کہ ہمارے کچھ بندے ایسے بھی ہیں جو ملائکہ کی طرح ہمارے حکم کے مطابق کام

کرتے ہیں اور کسی کی سمجھ میں نہیں آتا کہ در پردہ کیا ماجرا ہے۔ خضر علیہ السلام اگرچہ نسل آدم سے ہوں مگر عجب نہیں کہ ان پر غلبہ شان ملکیت کا ہو اور اس طرح کے امور ان کے سپرد کیے گئے ہوں جس طرح کے امور ملائکہ کے سپرد کیے گئے اور عجب نہیں کہ اسی غلبہء ملکیت کی وجہ سے خضر علیہ السلام عام نظروں سے محجوب و مستور کر دیئے گئے ہوں جیسے عام لوگوں کو فرشتے نظر نہیں آتے اسی طرح حضرت خضر علیہ السلام بھی عام لوگوں کو نظر نہیں آتے۔ خضر علیہ السلام حقیقت کے اعتبار سے اگرچہ انسان ہوں مگر عملی طور پر نمونہء ملائکہ ہیں اور رجال غیب میں سے ہیں جو عام نظروں سے پوشیدہ ہیں۔

موسیٰ علیہ السلام کو خضر علیہ السلام کے پاس جانے کا حکم اس لیے ہوا کہ وہاں جا کر دیکھیں کہ خضر علیہ السلام کو جو علم دیا گیا ہے وہ دوسری قسم کا ہے تم اس سے واقف نہیں بلکہ وہ ایسا علم ہے جو بظاہر علوم نبوت اور علوم شریعت کے خلاف ہے اور تم اس کو دیکھ کر صبر نہ کر سکو گے بلا شبہ اے موسیٰ تم ہمارے رسول عظیم اور کلیم ہو اور بلا شبہ اس وقت تمام روئے زمین پر تمہارا ہی مرتبہ سب سے بلند ہے مگر اس بات کو ہر وقت مستحضر رکھو کہ تمہارا علم محیط نہیں تم ہمارے مقرب خاص بندے ہو۔ تمہیں خاص طور پر احتیاط لازم ہے مبادا تمہاری زبان سے کوئی لفظ ایسا نکل جائے کہ جس میں خلاف حقیقت کا کوئی ادنیٰ سا شائبہ یا واہمہ بھی نکل سکے۔ اللہ تعالیٰ کے دریائے علم کی کوئی حد اور انتہا نہیں جس کو جو علم ملا ہے وہ خدا کے دریائے بے پایاں کا ایک قطرہ ہے جب سوال کیا جائے کہ سب سے زیادہ علم والا کون ہے تو ادب کا تقاضا ہے کہ خدا کے علم محیط پر محوّل کر دیا جائے۔

(۳) علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ خضر علیہ السلام نبی ہیں یا ولی ہیں جمہور علماء کا قول ہے کہ وہ ولی تھے نبی نہ تھے اور علماء کرام کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ وہ نبی تھے پھر نا معلوم کہ وہ رسول تھے یا رسول نہ تھے صرف نبی تھے۔ علماء کا جو گروہ ان کی نبوت کا قائل ہے وہ حجت اور استدلال میں چند اُمور ذکر کرتا ہے۔

پہلی دلیل: ...... یہ کہ حق تعالیٰ خضر علیہ السلام کے حق میں فرماتے ہیں ﴿وَاٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا﴾ یعنی ہم نے ان کو اپنے پاس سے رحمت عطا کی اور رحمت سے نبوت مراد ہے جیسا کہ حق تعالیٰ کے اس قول، ﴿وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ﴾ میں رحمت سے نبوت مراد ہے۔

جواب: ...... نبوت بیشک اللہ کی رحمت ہے مگر ہر رحمت کا نبوت ہونا ضروری نہیں جس طرح نبوت اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے اسی طرح ہدایت اور ولایت بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔

دوسری دلیل: ...... قائلین نبوت دوسری دلیل پیش کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے خضر علیہ السلام کے حق میں یہ فرمایا ہے ﴿وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا﴾ اللہ تعالیٰ نے خود خضر علیہ السلام کو بلا واسطہء معلم کے تعلیم دی اور یہ شان نبی کی ہے۔

جواب: ...... علم لدنی اور الہام ربانی سے نبی ہونا لازم نہیں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ﴾ اس آیت میں موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کی طرف اللہ کی وحی اور الہام کا ذکر ہے مگر وہ نبیہ نہ تھیں اور علیٰ ھذا قرآن کریم میں حضرت مریم علیہا السلام سے فرشتوں کا کلام اور خطاب اور بشارت مذکور ہے مگر وہ نبیہ نہ تھیں بلکہ ولیہ اور صدیقہ تھیں۔

تیسری دلیل: ...... حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام سے درخواست کی حالانکہ نبی کو غیر نبی سے علم سیکھنے کی کوئی ضرورت نہیں اور غیر نبی کو نبی کے اتباع اور پیروی کی ضرورت ہے۔

جواب:...... نبی کو علوم نبوت اور علم ہدایت اور علوم شریعت میں غیر نبی کی تعلیم اور اس کے اتباع کی ضرورت نہیں مگر یہ جائز ہے کہ نبی ماسوائے علوم نبوت کے کوئی دوسرا علم غیر نبی سے حاصل کرے اور اس دوسرے علم میں اس کی پیروی کرے یہ نبوت کے منافی نہیں ہے جن علوم سے نبوت کو تعلق نہ ہو تو اگر نبی کو ان میں سے کسی علم کی ضرورت اور حاجت ہو تو وہ غیر نبی کے اتباع سے حل کر سکتا ہے اور حدیث جس میں خضر علیہ السلام کا واقعہ ہے اس کی مؤید ہے۔

(۴) نیز علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ خضر علیہ السلام ابھی تک زندہ ہیں یا مر چکے ہیں جمہور علماء شریعت کا مذہب یہ ہے کہ وہ زندہ ہیں اور قیامت تک زندہ رہیں گے۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے چشمۂ حیات سے پانی پیا ہے اور یہی وہ شخص ہیں جن کو دجال قتل کر کے زندہ کرے گا۔ اور ان کے بعد کسی کے قتل پر قادر نہ ہوگا قیامت کے قریب جب قرآن سینوں اور مصاحف سے اٹھا لیا جائے گا اس وقت ان کی وفات ہوگی اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ خضر علیہ السلام مر چکے ہیں بہرحال علماء میں اختلاف ہے کہ خضر علیہ السلام زندہ ہیں یا وفات پا چکے ہیں مگر صوفیائے کرام اور اولیائے عظام بلا اختلاف سب اسی پر متفق ہیں کہ خضر علیہ السلام زندہ ہیں۔

حافظ ابو عمرو بن صلاح رحمہ اللہ اور امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ خضر علیہ السلام ہم میں زندہ ہیں اور صوفیائے کرام اہل صلاح اور اہل معرفت کا اتفاق اسی پر ہے اور اہل صلاح اور اہل معرفت کے خضر کے دیدار اور ان کے ساتھ یکجا جمع ہونے کی اور ان سے سوال کرنے اور جواب پانے کی اور مقامات متبرکہ میں ان کی زیارت کی اس قدر کثرت سے حکایتیں ہیں کہ جو شمار سے باہر ہیں اور ایسی مشہور کہ ان کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ بہرحال جمہور علماء کرام اور عامۂ اہل صلاح و اولیائے عظام بالاتفاق حضرت خضر علیہ السلام کے زندہ ہونے کے قائل ہیں۔ صرف بعض محدثین نے اس کا انکار کیا ہے جن میں ابو یعلیٰ حنبلی اور قاضی ابو بکر بن عربی اور ابو بکر بن عیاش اور ابن جوزی اور ابن تیمیہ رحمہم اللہ ہیں۔ یہ حضرات کہتے ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام وفات پا چکے ہیں اگر وہ زندہ ہوتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں ضرور حاضر ہوتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جہاد کرتے حالانکہ یہ امر کہیں ثابت نہیں۔ نیز آیت ﴿وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ﴾ سے استدلال کرتے ہیں کہ کسی بشر کے لیے خلود اور دوام نہیں اور نیز بخاری کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے ایک ماہ قبل یہ ارشاد فرمایا لا یبقی ممن ھو علی وجه الارض الیٰ مائة سنة کہ جو لوگ اس وقت روئے زمین پر زندہ ہیں وہ سو سال کے بعد باقی نہ رہیں گے اور وفات کے قول کو امام بخاری رحمہ اللہ کی طرف بھی نسبت کرتے ہیں واللہ اعلم۔

مگر اہل علم پر مخفی نہیں کہ یہ استدلال نہایت ضعیف اور کمزور ہے یہ استدلال اگر صحیح ہو جائے تو اس سے تو ملائکہ اور جنات اور شیاطین سب کی وفات بھی ثابت ہو سکتی ہے بلکہ دجال کی موت بھی ثابت ہو سکتی ہے حالانکہ وہ بالاجماع زندہ ہے اور ایک جزیرہ میں محبوس ہے۔

جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ خضر علیہ السلام تمام آدمیوں میں سب سے زیادہ طویل العمر ہیں۔ انہوں نے چشمہ حیات سے پانی پیا ہے اور ولی کامل ہیں۔ معمر (طویل العمر) اور محجوب عن الابصار یعنی عام نگاہوں سے پوشیدہ ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے

ان کی ملاقات کا متعدد احادیث میں ذکر آیا ہے جن کا حافظ عسقلانی نے فتح الباری: ۶/ ۳۱۱ میں ذکر کیا۔ وہ روایتیں اگرچہ زیادہ مستند نہیں لیکن موضوع اور بے اصل بھی نہیں اور اس بارہ میں زیادہ مشہور، حدیث تعزیت ہے وہ یہ کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد ایک سفید ریش بزرگ حضور پر نور ﷺ کے جنازہ پر آئے اور روئے اور لوگوں کو صبر کی تلقین کی اور غائب ہوگئے ان کے جانے کے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے کہا کہ یہ خضر علیہ السلام تھے اور یہ حدیث مستدرک حاکم میں جابر بن عبداللہ اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ (دیکھو تحفۃ الذاکرین شرح حصن حصین للشوکانی ص ۲۶۱) اور بعض روایات میں اس طرح آیا ہے فقال ابوبکر و علی هذا الخضر (ابوبکر رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ نے کہا یہ خضر علیہ السلام ہیں) (دیکھو فتح الباری: ۶/ ۳۱۰، ذکر حدیث الخضر مع موسیٰ علیہما السلام)

اور کعب احبار رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ چار پیغمبر زندہ ہیں جو زمین والوں کے لیے امان ہیں ان چار میں سے دو زمین میں ہیں خضر علیہ السلام اور الیاس علیہ السلام۔ یہ دونوں نبی ہیں اور دونوں زندہ ہیں اور ہر سال موسم حج میں ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں۔ یہ دو نبی تو زمین میں ہیں اور دو نبی آسمان پر زندہ ہیں ادریس علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام۔ (دیکھو فتح الباری: ۶/ ۳۱۰ حدیث الخضر مع موسیٰ علیہما السلام) اور دیکھو تفسیر مظہری: ۶/ ۶۲ پر مجدد صاحب کا کلام نقل کیا ہے۔ جو لطیف ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ اکثر علما کا قول یہ ہے کہ خضر علیہ السلام ہمارے درمیان زندہ موجود ہیں اور صوفیائے کرام اور اولیائے عظام بلا اختلاف سب اسی پر متفق ہیں اور متفقہ طور پر حضرت خضر علیہ السلام سے اپنی ملاقاتوں کو بیان کرتے ہیں اور اولیائے کرام کی یہ حکایتیں حد تواتر کو پہنچی ہیں جو شمار سے باہر ہیں۔ (فتح الباری: ۶/ ۳۱۰)

اور یہ امر قطعی اور بدیہی اور مسلم ہے کہ اولیاء کرام اہل کشف اور اہل الہام ہیں اور بلا شبہ یہ گروہ صادقین اور سچوں کا گروہ ہے۔ اس گروہ صادقین کے متفقہ مشاہدات اور مکاشفات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

پھر یہ کہ خضر علیہ السلام کی حیات کا مسئلہ امور تشریعیہ سے نہیں بلکہ امور تکوینیہ اور اسرار کونیہ کی جنس سے ہے۔ حضرت استاد مولانا سید انور شاہ قدس اللہ سرہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ جب کسی مسئلہ میں علماء شریعت اور اولیائے طریقت کا اختلاف پاؤ تو یہ دیکھو کہ وہ مسئلہ امور تشریعیہ یعنی احکام شریعت سے متعلق ہے یا امور تکوینیہ یا اسرار کونیہ کے باب سے ہے، پس اگر وہ مسئلہ امور تشریعیہ یعنی حلال و حرام اور یجوز اور لایجوز سے متعلق ہو تو اس وقت علماء شریعت کے قول اور فتویٰ کو ترجیح دینا کیونکہ علماء شریعت کا گروہ احکام شریعت سے خوب آگاہ ہے اور اگر وہ مسئلہ امور تکوینیہ اور اسرار کونیہ سے متعلق ہو اور افعال مکلفین سے اس کا تعلق نہ ہو تو اس جگہ اولیائے طریقت اور اہل معرفت وارباب بصیرت کے قول کو ترجیح دینا کیونکہ یہ گروہ اہل کشف اور اہل الہام کا گروہ ہے اور بلا شبہ صادقین اور صالحین کا گروہ ہے۔ یہ گروہ جب اپنا کوئی مشاہدہ اور مکاشفہ بیان کرے تو عقلاً و نقلاً اس کو قبول کرنا ضروری ہے بخاری کی متعدد احادیث میں آیا ہے ارٰی رؤیاکم قد تواطئت علی العشر الاواخر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے خواب شب قدر کے بارہ میں عشرۂ اخیرہ پر متفق ہیں اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس امر پر عباد الصالحین کے خواب متفق ہو جائیں وہ ضرور حق ہوگا۔ حدیث شریف میں ہے کہ مومن کا خواب کاذب نہیں ہوتا اسی طرح جب اہل الہام اور اہل کشف کے مکاشفات اور مشاہدات کسی چیز پر متفق ہو جائیں تو وہ لامحالہ حق

ہوگی خاص کر جب علماء شریعت کا بھی وہی قول ہو کہ جس پر تمام صوفیاء اور اولیاء متفق ہوں تو اس کے قبول و تسلیم میں کوئی تردد ہی نہیں ہونا چاہیے اور حیات خضر علیہ السلام کا مسئلہ امور تکوینیہ میں سے ہے۔ لہٰذا اس بارہ میں اہل کشف اور اہل الہام کے قول کو ترجیح ہوگی۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

(۵) موسیٰ علیہ السلام اور یوشع بن نون جب مقام مجمع البحرین پہنچے تو دونوں مچھلی کو بھول گئے اور وہ بھنی ہوئی مچھلی خدا کی قدرت سے زندہ ہو کر دریا میں چلی گئی اور وہاں اس نے اپنے لیے سرنگ اور طاق بنا لیا۔ موسیٰ علیہ السلام کے یہ دو معجزے [1] ہوئے ایک تو بھنی ہوئی مچھلی کا زندہ ہو جانا اور دوسرا یہ کہ پانی کا منجمد ہو جانا اور مچھلی کے لیے ایک طاق کا بن جانا۔ مردہ کا زندہ ہو جانا اور پھر دریا میں خشک راہ کی طرح سرنگ بن جانا یہ سب آیات قدرت اور دلائل نبوت تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خضر علیہ السلام کے ملنے کی جگہ یہی نشانی بتلائی تھی کہ جہاں وہ ناشتہ کی مچھلی زندہ ہو جائے اور یہی ان کے ملنے کی جگہ ہے اس قسم کا معجزہ موسیٰ علیہ السلام کا سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ... الی قولہ تعالیٰ... فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ؕ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾

اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ ایک گائے ذبح کی جائے اور اس کے کسی ٹکڑے کو مقتول پر لگا دو وہ خود ہی زندہ ہو کر اپنے قاتل کا نام بتا دے گا۔

نیز حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عصا کا معجزہ عطا کیا گیا تھا جو زمین پر ڈالنے سے اژدہا بن جاتا تھا۔ یہ بھی ایک قسم کا احیاء موتی تھا بلکہ اس سے بڑھ کر تھا اور مچھلی کے زندہ ہو جانے کی نظیر آنحضرت ﷺ کے معجزات میں بھی موجود ہے کہ فتح خیبر کے بعد خیبر کی ایک یہودیہ نے آنحضرت ﷺ کی دعوت کی اور ایک بھنی ہوئی بکری لا کر آپ ﷺ کے سامنے رکھی جس میں زہر ملایا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے اس میں سے ایک دست کو لیا تو اس نے کہا یا رسول اللہ آپ مجھے نہ کھائیے مجھ میں زہر ملایا گیا ہے آنحضرت ﷺ کا یہ معجزہ مچھلی کے معجزے سے بڑھ کر ہے۔ وہ تو فقط زندہ ہو گئی اور اس بکری کے دست نے آپ ﷺ سے باتیں کیں اور دشمنوں نے جو زہر اس میں ملایا تھا اس سے آپ ﷺ کو آگاہ کر دیا اور علیٰ ہٰذا استون حنانہ کا رونا اور پتھروں کا آپ ﷺ کو سلام کرنا اور سنگریزوں کا تسبیح پڑھنا اور درختوں کا آپ ﷺ کے حکم سے رواں ہونا یہ ایک مردہ کے فقط زندہ ہو جانے سے بڑھ کر ہے کیوں کہ یہ جمادات زندہ ہو کر بول رہے ہیں اور آپ ﷺ کی نبوت کی شہادت دے رہے ہیں۔ امام بیہقی رحمہ اللہ نے دلائل نبوت میں سواد بن عمر رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اللہ نے جو معجزات آنحضرت ﷺ کو دیئے وہ کسی کو نہیں دیئے۔ سواد بن عمر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا اے امام! حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو مردوں کو باذن الٰہی زندہ کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو احیاء موتی کا معجزہ عطا فرمایا تھا (یعنی آپ ﷺ کو یہ معجزہ نہیں عطا کیا) اس پر امام شافعی رحمہ اللہ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے لیے خشک ستون کو زندہ کر دیا جس سے سہارا لگا کر

[1] قیل کان الحوت المشوی وحیاتہ بما ذکر معجزۃ موسیٰ او خضر علیہما السلام کذا فی شرح شیخ الاسلام زکریا الانصاری علی صحیح البخاری من کتاب العلم: ۱/۳۲۷۔ (وکذا فی شرح القسطلانی: ۱/۲۲۷)

آنحضرت ﷺ خطبہ پڑھا کرتے تھے جب منبر تیار ہوگیا تو وہ جو خشک ستون تھا بچوں کی طرح رویا جس کے رونے کی آواز تمام حاضرین جمعہ نے سنی یہ معجزہ اس سے بڑھ کر ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ خشک ستون کا آپ ﷺ کی مفارقت کے صدمہ سے رونا یہ اسکی کمال محبت کی دلیل ہے اور کمال معرفت کی دلیل ہے اور مچھلی کا سمندر میں راستہ بنالینا اور مچھلی کے چھونے سے پانی کا خشک اور منجمد ہوجانا اور اسی کے لیے مثل روشن دان کے بن جانا یہ معجزہ فلق البحر کے معجزہ کے مشابہ تھا کہ موسیٰ علیہ السلام جب رات کے وقت بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے نکلے تو سمندر میں ان کے لیے خشک راستے ہوگئے جیسا کہ قرآن کریم میں مذکور ہے، فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے دشمن کے مقابلہ میں ایک لشکر روانہ کیا جس پر علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کو سردار مقرر کیا راستہ میں شدید گرمی پہنچی اور سخت پیاس لگی۔ راوی کہتا ہے کہ علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو دو رکعت نماز پڑھائی اور ہاتھ اٹھا کر دعا کی آسمان پر کہیں ابر کا نام ونشان نہ تھا خدا کی قسم! ابھی ہاتھ نیچے نہ کیے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ٹھنڈی ہوا اور بادل بھیجا جس نے پانی انڈیل دیا اور پورا لشکر سیراب ہوگیا اور ہم نے اپنی مشکیں اور برتن سب بھر لیے پھر ہم دشمن کی طرف روانہ ہوئے راستہ میں ایک خلیج آگئی جس سے پار ہونا تقریباً ناممکن تھا۔ علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ نے کنارے پر کھڑے ہوکر یہ کلمات پڑھے یا علیّ۔ یا عظیم۔ یا حلیم۔ یا کریم۔ پھر کہا بسم اللہ پڑھ کر گزر دو اور پار ہوجاؤ۔ پس ہم بسم اللہ پڑھ کر روانہ ہوئے اور اپنی سواریوں کو خلیج میں ڈال دیا اور پار ہوگئے اور جانوروں کے کھر بھی پانی سے تر نہ ہوئے اور پہنچ کر دشمن پر حملہ کیا اور بحمد اللہ فتحیاب ہوئے اور دشمن کو قتل کیا اور گرفتار کیا۔ پھر لوٹ کر اسی خلیج پر پہنچے علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ نے پہلے کی طرح کیا اور ہم اسی طرح خلیج سے پار ہوکر خشکی پر آگئے اور پانی کی کوئی تری ہم کو نہیں لگی۔ خطیب رحمۃ اللہ علیہ ان روایات کو نقل کر کے لکھتے ہیں کہ اس قسم کی کرامات کے بارہ میں بکثرت احادیث آئی ہیں۔ (دیکھو تفسیر سراج منیر: ۲/ ۳۱۹)

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ ۭ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ﴿۸۳﴾ اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي

اور تجھ سے پوچھتے ہیں ذوالقرنین کو کہہ اب پڑھتا ہوں تمہارے آگے اس کا کچھ احوال ہم نے اس کو جمایا تھا

اور تجھ سے پوچھتے ہیں ذوالقرنین کو۔ کہہ، اب پڑھتا ہوں تمہارے آگے اس کا کچھ ذکر۔ ہم نے اس کو جمایا تھا

الْاَرْضِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ﴿۸۴﴾ فَاَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۸۵﴾ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ

ملک میں اور دیا تھا ہم نے اس کو ہر چیز کا سامان ف۱ پھر پیچھے پڑا ایک سامان کے ف۲ یہاں تک کہ جب پہنچا سورج ڈوبنے کی جگہ

ملک میں، اور دیا تھا ہر چیز کا اسباب۔ پھر پیچھے پڑا ایک اسباب کے۔ یہاں تک کہ جب پہنچا سورج

ف۱ اس بادشاہ کو "ذوالقرنین" اس لیے کہتے ہیں کہ دنیا کے دونوں کناروں (مشرق ومغرب) پر پھر گیا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ لقب اسکندر رومی کا ہے اور بعض کے نزدیک کوئی مقبول خدا پرست اور دیندار بادشاہ اس سے پہلے گزرا ہے۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں متعدد وجوہ ودلائل سے اسی دوسرے قول کو ترجیح دی ہے۔ مجموعہ روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ذوالقرنین، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معاصر تھا اور ان کی دعا کی برکت سے حق تعالیٰ نے خارق عادت سامان ووسائل عطا فرمائے تھے۔ جن کے ذریعہ سے اس کو مشرق ومغرب کے سفر اور محیر العقول فتوحات پر قدرت حاصل ہوئی۔ حضرت خضر علیہ السلام اس کے وزیر تھے، شاید اسی لیے قرآن نے خضر علیہ السلام کے قصہ کے ساتھ اس کا قصہ بیان فرمایا۔ قدیم شعرائے عرب نے اپنے اشعار میں "ذوالقرنین" کا نام بڑی عظمت سے لیا ہے اور اس کے عرب ہونے پر فخر کرتے رہے ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ذوالقرنین عہد تاریخی سے پہلے کا کوئی جلیل القدر عرب بادشاہ ہے۔ شاید =

وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَّوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ۬ؕ قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّاۤ اَنْ

پایا کہ وہ ڈوبتا ہے ایک دلدل کی ندی میں ف۱ اور پایا اس کے پاس لوگوں کو ہم نے کہا اے ذوالقرنین یا تو تو لوگوں کو تکلیف دے

ڈوبنے کی جگہ، پایا کہ وہ ڈوبتا ہے ایک دلدل کی ندی میں، اور پائے اس کے پاس ایک لوگ۔ ہم نے کہا، اے ذوالقرنین! یا لوگوں کو تکلیف دے،

تُعَذِّبَ وَاِمَّاۤ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا ﴿۸۶﴾ قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى

اور یا رکھ ان میں خوبی ف۲ بولا جو کوئی ہوگا بے انصاف سو ہم اس کو سزا دیں گے پھر لوٹ جائے گا اپنے

اور یا رکھ ان میں خوبی۔ بولا، جو کوئی ہوگا بے انصاف سو ہم اس کو مار دیں گے، پھر الٹا جاوے گا اپنے

رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ﴿۸۷﴾ وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ۨالْحُسْنٰى ۚ

رب کے پاس وہ عذاب دے گا اس کا برا عذاب اور جو کوئی یقین لایا اور کیا اس نے بھلا کام سو اس کا بدلہ بھلائی ہے

رب کے پاس، وہ مار دے گا اس کو بری مار۔ اور جو کوئی یقین لایا اور کیا بھلا کام، سو اس کو بدلے میں بھلائی ہے،

وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ﴿۸۸﴾ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۸۹﴾ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ

اور ہم حکم دیں گے اس کو اپنے کام میں آسانی ف۳ پھر لگا ایک سامان کے پیچھے ف۴ یہاں تک کہ جب پہنچا سورج نکلنے کی جگہ

اور ہم کہیں گے اس کو اپنے کام میں آسانی۔ پھر لگا ایک اسباب کے پیچھے۔ یہاں تک جب پہنچا سورج نکلنے کی جگہ،

= اسکندر کو بھی اسی کی ایک گونہ مشابہت سے ذوالقرنین کہنے لگے ہوں۔ حال میں یورپ کے ماہرین آثار قدیمہ نے قدیم سامی عربوں کی متعدد عظیم الشان سلطنتوں کا سراغ لگایا ہے جن کا تاریخی اوراق میں کوئی مفصل تذکرہ موجود نہیں، بلکہ بعض ممتاز و مشہور سلاطین کا نام تک کتب تاریخ میں نہیں ملتا۔ مثلاً بادشاہ "حمورابی" جو اغلباً حضرت ابراہیم کے عہد میں ہوا ہے اور جس کو کہا گیا ہے کہ دنیا کا سب سے پہلا مقنن تھا۔ اس کے قوانین منارہ بابل پر کندہ ملے ہیں۔ جن کا ترجمہ انگریزی میں شائع ہو گیا ہے۔ پرانے کتبات سے اس کی عجیب و غریب عظمت ثابت ہوتی ہے۔ بہرحال 'ذوالقرنین' ان ہی میں کا کوئی بادشاہ ہوگا۔

ف۲ یعنی سرانجام کرنے لگا ایک سفر کا۔

ف۱ یعنی یوں نظر آیا جیسے سمندر میں سفر کرنے والوں کو معلوم ہوتا ہے کہ سورج پانی میں سے نکل رہا ہے اور پانی ہی میں ڈوبتا ہے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "ذوالقرنین" کو شوق ہوا کہ دیکھے دنیا کی آبادی کہاں تک بسی ہے۔ سو مغرب کی طرف اس جگہ پہنچا کہ دلدل تھی، نہ گزر آدمی کا نہ کشتی کا۔ اللہ کے ملک کی حد نہ پا سکا۔"

ف۲ یعنی" ذوالقرنین" کو ان لوگوں پر ہم نے دونوں بات کی قدرت دی جیسا کہ ہر بادشاہ ہر حاکم کو نیک و بد کی قدرت ملتی ہے۔ چاہے خلق کو ستا کر بدنام ہو، چاہے عدل و انصاف اور نیکی اختیار کر کے اپنا ذکر خیر جاری رکھے یا یہ مطلب ہے کہ وہ لوگ کافر تھے ہم نے ذوالقرنین کو اختیار دیا کہ چاہے ان کو قتل کر دے یا پہلے اسلام کی طرف دعوت دے۔ ذوالقرنین نے دوسری شق اختیار کی۔

ف۳ یعنی آخرت میں بھلائی ملے گی اور دنیا میں ہم اس پر سختی نہ کریں گے۔ بلکہ اپنے کام کے لیے جب کوئی بات اس سے کہیں گے سہولت اور نرمی کی کہیں گے۔ فی الحقیقت جو بادشاہ عادل ہو اس کی یہ ہی راہ ہوتی ہے۔ بروں کو سزا دے اور بھلوں سے نرمی کرے۔ ذوالقرنین نے یہ ہی چال اختیار کی۔

ف۴ یعنی مغربی سفر سے فارغ ہو کر مشرقی سفر کا سامان درست کرنے لگا۔ قرآن و حدیث میں یہ تصریح نہیں کہ ذوالقرنین کے یہ سب سفر فتوحات اور ملک گیری کے لیے تھے ممکن ہے محض سیر و سیاحت کے طور پر ہوں، اثنائے سفر میں ان اقوام پر بھی گزر ہوا ہو جو اس کے زیر حکومت آ چکی تھیں اور بعض اقوام نے ایک طاقتور بادشاہ سمجھ کر ظالموں کے مقابلہ میں فریاد کی ہو جس کا ذوالقرنین نے اپنی غیر معمولی قوت سے سدباب کر دیا۔ جیسا کہ آگے "یاجوج ماجوج" کے قصہ میں آتا ہے۔ واللہ اعلم۔

وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰى قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا ۝٩٠ كَذٰلِكَ ۭ وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا

پایا اس کو کہ نکلتا ہے ایک قوم پر کہ نہیں بنا دیا ہم نے ان کے لیے آفتاب سے ورے کوئی حجاب ف۱ یونہی ہے اور ہمارے قابو میں آچکی ہے

پایا کہ وہ نکلتا ہے ایک لوگوں پر، کہ نہیں بنادی ہم نے ان کو اس سے ورے کچھ اوٹ۔ یوں ہی ہے! اور ہمارے قابو میں آچکی ہے

لَدَيْهِ خُبْرًا ۝٩١ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ۝٩٢ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ

اس کے پاس کی خبر ف۲ پھر لگا ایک سامان کے پیچھے ف۳ یہاں تک کہ جب پہنچا دو پہاڑوں کے بیچ پائے ان سے ورے ایسے لوگ

اس کے پاس کی خبر۔ پھر لگا ایک اسباب کے پیچھے۔ یہاں تک کہ جب پہنچا دو آڑ کے بیچ، پائے ان سے ورے ایک لوگ،

لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ۝٩٣ قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِي

جو لگتے نہیں کہ سمجھیں ایک بات ف۴ بولے اے ذوالقرنین یہ یاجوج و ماجوج دھوم اٹھاتے ہیں

لگتے نہیں کہ سمجھیں ایک بات۔ بولے اے ذوالقرنین! یہ یاجوج و ماجوج! دھوم اٹھاتے ہیں

الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰٓى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ۝٩٤ قَالَ مَا مَكَّنِّيْ

ملک میں سو تو کہے تو ہم مقرر کر دیں تیرے واسطے کچھ محصول اس شرط پر کہ بنا دے تو ہم میں ان میں ایک آڑ ف۵ بولا جو مقدور

ملک میں، سو کہے تو ہم ٹھہرا دیں تجھ کو کچھ محصول اس پر کہ بنا دے تو ہم میں ان میں ایک آڑ۔ بولا جو مقدور

ف۱ یعنی انتہائے مشرق میں ایک ایسی قوم دیکھی جن کو آفتاب کی شعاعیں بے روک ٹوک پہنچتی تھیں یہ لوگ وحشی جانگلو ہوں گے گھر بنانے اور چھت ڈالنے کا ان میں دستور نہ ہوگا جیسے اب بھی بہت سی خانہ بدوش وحشی اقوام میں رواج نہیں ہے۔

ف۲ یعنی ذوالقرنین کے سفر مشرق و مغرب کی جو کیفیت بیان کی گئی واقعہ میں اسی طرح ہے جو وسائل اس کے پاس تھے اور جو حالات وہاں پیش آئے ان سب پر ہمارا علم محیط ہے۔ تاریخ والے شاید اس جگہ کچھ اور کہتے ہوں گے اور فی الحقیقت اتنا ہے جو فرما دیا بعض مفسرین نے "کذلک" کا مطلب یہ لیا ہے کہ ذوالقرنین نے مغربی قوم کے متعلق جو روش اختیار کی تھی ویسی ہی اس مشرقی قوم کے ساتھ اختیار کی۔ واللہ اعلم۔

ف۳ یہ تیسرا سفر مشرق و مغرب کے سوا کسی تیسری جہت میں تھا مفسرین عموماً اس کو شمالی سفر کہتے ہیں قرآن و حدیث میں یہ تصریح نہیں۔

ف۴ یعنی ذوالقرنین اور اس کے ساتھیوں کی بولی وہ لوگ نہیں سمجھتے تھے۔ آگے جو گفتگو نقل کی گئی ہے غالباً کسی ترجمان کے ذریعہ سے ہوئی ہوگی۔ اور ترجمان کسی درمیانی قوم کا ہوگا جو دونوں کی زبان قدرے سمجھتا ہو۔

(تنبیہ) اس قوم اور "یاجوج ماجوج" کے ملک میں یہ دو پہاڑ حائل تھے جن پر چڑھائی ممکن نہ تھی البتہ دونوں پہاڑوں کے بیچ میں ایک درہ کھلا ہوا تھا اسی سے "یاجوج ماجوج" آتے اور ان لوگوں کو لوٹ مار کر چلے جاتے تھے۔

ف۵ ذوالقرنین کے غیر معمولی اسباب و وسائل اور قوت و حشمت کو دیکھ کر انھیں یہ خیال ہوا کہ ہماری تکالیف و مصائب کا سد باب اس سے ہو سکے گا۔ اس لیے گذارش کی کہ "یاجوج ماجوج" نے ہمارے ملک میں اودھم مچا رکھی ہے۔ یہاں آکر قتل و غارت اور لوٹ مار کرتے رہتے ہیں۔ آپ اگر ہمارے اور ان کے درمیان کوئی مضبوط روک تھام کر دیں جس سے ہماری حفاظت ہو جائے تو جو کچھ اس پر خرچ آئے ہم ادا کرنے کو تیار ہیں۔ چاہے آپ ٹیکس لگا کر ہم سے وصول کر لیں۔

(تنبیہ) "یاجوج ماجوج" کون ہیں؟ کس ملک میں رہتے ہیں؟ ذوالقرنین کی بنائی ہوئی سد (آہنی دیوار) کہاں ہے؟ یہ وہ سوالات ہیں جن کے متعلق مفسرین و مؤرخین کے اقوال مختلف رہے ہیں۔ میرا خیال یہ ہے (واللہ اعلم) کہ یاجوج ماجوج کی قوم عام انسانوں اور جنات کے درمیان ایک برزخی مخلوق ہے اور جیسا کہ کعب بن احبار نے فرمایا اور نووی نے فتاوی میں جمہور علماء سے نقل کیا ہے۔ ان کا سلسلۂ نسب باپ کی طرف سے آدم علیہ السلام پر منتہی ہوتا ہے مگر ماں کی طرف سے حوا تک نہیں پہنچتا گویا وہ عام آدمیوں کے محض باپ شریک بھائی ہوئے کیا عجب ہے کہ دجال اکبر جسے تمیم داری نے کسی جزیرہ میں =

فِيهِ رَبِّي خَيْرٌ فَأَعِينُونِي بِقُوَّةٍ أَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ﴿۹۵﴾ آتُونِي زُبَرَ الْحَدِيدِ ط

دیا مجھ کو میرے رب نے وہ بہتر ہے سو مدد کرو میری محنت میں بنادوں تمہارے ان کے بیچ ایک دیوار موٹی ف ۱ لادو مجھ کو تختے لوہے کے

دی مجھ کو میرے رب نے وہ بہتر ہے، سو مدد کرو میری محنت میں، بنادوں تمہارے اور ان کے بیچ ایک دھابا (اوٹ)۔ پکڑا دو مجھ کو تختے لوہے کے۔

حَتَّىٰ إِذَا سَاوَىٰ بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انفُخُوا ط حَتَّىٰ إِذَا جَعَلَهُ نَارًا لا قَالَ آتُونِي أُفْرِغْ

یہاں تک کہ جب برابر کر دیا دونوں پھانکوں تک پہاڑ کی کہا دھونکو یہاں تک کہ جب کر دیا اس کو آگ کہا لاؤ میرے پاس کہ ڈالوں

یہاں تک کہ جب برابر کر دیا دو پھانکوں تک پہاڑ کے، کہا، دھونکو۔ یہاں تک جب کر دیا اس کو آگ، کہا، لاؤ میرے پاس کہ ڈالوں

عَلَيْهِ قِطْرًا ﴿۹۶﴾ فَمَا اسْطَاعُوا أَن يَظْهَرُوهُ وَمَا اسْتَطَاعُوا لَهُ نَقْبًا ﴿۹۷﴾ قَالَ هَٰذَا رَحْمَةٌ

اس پر پگھلا ہوا تانبا ف ۲ پھر نہ چڑھ سکیں اس پر اور نہ کر سکیں اس میں سوراخ ف ۳ بولا یہ ایک مہربانی ہے

اس پر پگھلا تانبا۔ پھر نہ سکے کہ اس پر چڑھ آویں اور نہ سکے اس میں سوراخ کرنا۔ بولا یہ ایک مہر ہے

=مقید دیکھا تھا، اسی قوم میں کا ہو۔ جب حضرت مسیح علیہ السلام جو محض ایک آدم زاد خاتون (مریم صدیقہ) کے بطن سے بتوسط نفخہ ملکیہ پیدا ہوئے، نزول من السماء کے بعد دجال کو ہلاک کر دیں گے، اس وقت یہ قوم یاجوج ماجوج دنیا پر خروج کرے گی اور آخر کار حضرت مسیح کی دعاء سے غیر معمولی موت مرے گی۔ اس وقت یہ قوم کہاں ہے اور ذوالقرنین کی دیوار آہنی کس جگہ واقعہ ہے؟ سو جو شخص ان سب اوصاف کو پیش نظر رکھے گا جن کا ثبوت اس قوم اور دیوار آہنی کے متعلق قرآن کریم اور احادیث صحیحہ میں ملتا ہے، اس کو کہنا پڑے گا کہ جن قوموں، ملکوں اور دیواروں کا لوگوں نے رائے سے پتہ دیا ہے، یہ مجموعہ اوصاف ایک میں بھی پایا نہیں جاتا۔ لہٰذا وہ خیالات صحیح معلوم نہیں ہوتے۔ اور احادیث صحیحہ کا انکار یا نصوص کی تاویلات بعیدہ دین کے خلاف ہے۔ رہا مخالفین کا یہ شبہ کہ ہم نے تمام زمین کو چھان ڈالا مگر کہیں اس کا پتہ نہیں ملا۔ اور اسی شبہ کے جواب کے لیے ہمارے مؤلفین نے پتہ بتلانے کی کوشش کی ہے۔ اس کا صحیح جواب وہی ہے جو علامہ آلوسی بغدادی نے دیا ہے کہ ہم کو اس کا موقع معلوم نہیں اور ممکن ہے کہ ہمارے اور اس کے درمیان بڑے بڑے سمندر حائل ہوں اور یہ دعویٰ کرنا کہ ہم تمام خشکی وتری پر محیط ہو چکے ہیں، واجب التسلیم نہیں۔ عقلاً جائز ہے کہ جس طرح اب سے پانسو برس پہلے تک ہم کو چوتھے براعظم (امریکہ) کے وجود کا پتہ نہ چلا، اب بھی کوئی پانچواں براعظم ایسا موجود ہو جہاں تک ہم رسائی حاصل نہ کر سکے ہوں اور تھوڑے دنوں بعد ہم وہاں تک یا وہ لوگ ہم تک پہنچ سکیں۔ سمندری دیوار اعظم جو آسٹریلیا کے شمال مشرقی ساحل پر واقع ہے آجکل برطانوی سائنس دان ڈاکٹر سی ایم ینگ کے زیر ہدایات اس کی تحقیقات جاری ہے۔ یہ دیوار ہزار میل سے زیادہ لمبی اور بعض بعض مقامات پر بارہ بارہ میل تک چوڑی اور ہزار فٹ اونچی ہے۔ جس پر بیشمار مخلوق بستی ہے۔ جو مہم اس کام کے لیے روانہ ہوئی تھی حال میں اس نے اپنی یک سالہ تحقیقات ختم کی ہے۔ جس سے سمندر کے عجیب وغریب اسرار منکشف ہوتے ہیں اور انسان کو حیرت واستعجاب کی ایک نئی دنیا معلوم ہو رہی ہے۔ پھر کیسے دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ ہم کو خشکی وتری کی تمام مخلوق کے مکمل انکشافات حاصل ہو چکے ہیں۔ بہرحال مخبر صادق نے جس کا صدق دلائل قطعیہ سے ثابت ہے، جب اس دیوار کی مع اس کے اوصاف کے خبر دی تو ہم پر واجب ہے کہ تصدیق کریں اور ان واقعات کے منتظر رہیں جو مشککین ومنکرین کے علی الرغم پیش آ کر رہیں گے ستُبدی لک الایام ما کنت جاھلاً ویاتیک بالاخبار مالم تزوّد

ف ۱ یعنی مال میرے پاس بہت ہے مگر ہاتھ پاؤں سے ہمارے ساتھ تم بھی محنت کرو۔

ف ۲ اول لوہے کے بڑے بڑے تختوں کے اوپر نیچے تہیں جمائیں۔ جب ان کی بلندی دونوں پہاڑوں کی چوٹی تک پہنچ گئی، لوگوں کو حکم دیا کہ خوب آگ دھونکو۔ جب لوہا آگ کی طرح سرخ ہو کر تپنے لگا اس وقت پگھلا ہوا تانبا اوپر سے ڈالا جو لوہے کی درزوں میں بالکل پیوست ہو کر جم گیا اور سب مل کر پہاڑ سا بن گیا۔ یہ سب کام اس زمانہ میں بظاہر خارق عادت طریقہ سے انجام پائے ہوں گے جسے ذوالقرنین کی کرامت سمجھنا چاہیے۔ یا ممکن ہے اس وقت اس قسم کے آلات واسباب پائے جاتے ہوں جن کا ہمیں اب علم نہیں۔

ف ۳ یعنی حق تعالیٰ نے یاجوج ماجوج کو فی الحال یہ قدرت نہیں دی کی دیوار پھاند کر یا توڑ کر ادھر نکل آئیں۔

مِّنۡ رَّبِّيۡ ۚ فَاِذَا جَآءَ وَعۡدُ رَبِّيۡ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ وَكَانَ وَعۡدُ رَبِّيۡ حَقًّا ۝۹۸ وَتَرَكۡنَا بَعۡضَهُمۡ

میرے رب کی پھر جب آئے وعدہ میرے رب کا گرا دے اس کو ڈھا کر اور ہے وعدہ میرے رب کا سچا ف۱ اور چھوڑ دیں گے ہم خلق کو

میرے رب کی، پھر جب آوے وعدہ میرے رب کا، گرا دے اس کو ڈھا کر۔ اور ہے وعدہ میرے رب کا سچا۔ اور چھوڑ دیں گے ہم خلق کو

يَوۡمَئِذٍ يَّمُوۡجُ فِيۡ بَعۡضٍ وَّنُفِخَ فِي الصُّوۡرِ فَجَمَعۡنٰهُمۡ جَمۡعًا ۝۹۹ وَّعَرَضۡنَا جَهَنَّمَ يَوۡمَئِذٍ

اس دن ایک دوسرے میں گھستے اور پھونک ماریں گے صور میں پھر جمع کر لائیں گے ہم ان سب کو اور دکھلا دیں ہم دوزخ اس دن

اس دن ایک دوسرے میں دھنستے، اور پھونک مارے صور میں، پھر جمع کر لاویں ہم ان کو سارے۔ اور دکھا دیں ہم دوزخ اس دن

لِّلۡكٰفِرِيۡنَ عَرۡضَا ۝۱۰۰ الَّذِيۡنَ كَانَتۡ اَعۡيُنُهُمۡ فِيۡ غِطَآءٍ عَنۡ ذِكۡرِيۡ وَكَانُوۡا

کافروں کو سامنے ف۲ جن کی آنکھوں پر پردہ پڑا تھا میری یاد سے اور

کافروں کو سامنے۔ جن کی آنکھوں پر پردہ پڑا تھا میری یاد سے، اور

لَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ سَمۡعًا ۝۱۰۱ ع ۱۱ / ۱۹

نہ سن سکتے تھے ف۳

نہ سکتے تھے سننا۔

قصہ ذوالقرنین

بود شاہے در زمان پیش زیں
ملک دنیا بودش وہم ملک دیں

قَالَ اللهُ تَعَالٰی: ﴿وَيَسۡـَٔلُوۡنَكَ عَنۡ ذِي الۡقَرۡنَيۡنِ ... الی ... وَكَانُوۡا لَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ سَمۡعًا﴾

ربط:...... شروع سورت میں اصحاب کہف کا قصہ ذکر فرمایا جو قریش کے دوسرے سوال کا جواب تھا۔ اب اخیر سورت میں

ف۱ یعنی محض خدا کی مہربانی سے یہ روک قائم ہو گئی اور میعاد معین تک قائم رہے گی۔ احادیث صحیحہ سے معلوم ہوا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے نزول اور قتل دجال کے بعد قیامت کے قریب یاجوج ماجوج کے نکلنے کا وعدہ ہے اس وقت یہ روک ہٹا دی جائے گی۔ دیوار توڑ کر اتنی کثیر تعداد میں نکل پڑیں گے جس کا شمار اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ دنیا ان کے مقابلے میں عاجز ہو گی۔ حضرت مسیح کو حکم ہو گا کہ میرے خاص بندوں کو لے کر "طور" پر چلے جائیں۔ آخر حضرت مسیح علیہ السلام بارگاہ احدیت کی طرف دست دعا دراز کریں گے۔ اس کے بعد یاجوج ماجوج پر ایک غیبی وبا مسلط ہو گی۔ سب ایک دم مر جائیں گے۔ مزید تفصیل کتب حدیث باب "امارات الساعۃ" میں دیکھنی چاہیے۔

ف۲ یعنی یاجوج ماجوج سمندر کی موجوں کی طرح بیشمار تعداد میں ٹھاٹھیں مارتے ہوئے نکلیں گے۔ یا یہ مطلب ہے کہ شدت ہول واضطراب سے ساری مخلوق زلزلہ ہو جائے گی۔ جن وانس ایک دوسرے میں گھسنے لگیں گے پھر قیامت کا بگل ہو گا یعنی صور پھونکا جائے گا۔ اس کے بعد سب خدا کے سامنے میدان حشر میں اکٹھے کیے جائیں گے اور دوزخ کافروں کی آنکھوں کے سامنے ہو گا۔ شاید کافروں کی تخصیص اس لیے کی کہ اصل میں دوزخ ان ہی کے لیے تیار کیا گیا ہے اور ان کی آنکھوں پر دنیا میں پردہ پڑا ہوا تھا۔ اب وہ پردہ اٹھ گیا۔

ف۳ یعنی خود اپنی عقل کی آنکھ برابر نہ تھی کہ قدرت کے نشان دیکھ کر یقین لاتے اور خدا کو یاد کرتے۔ اور ضد سے کسی کی بات نہ سنی جو دوسرے کے سمجھائے سمجھ لیتے۔

ذوالقرنین کا قصہ ذکر فرماتے ہیں جو قریش کے تیسرے سوال کا جواب ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ذوالقرنین ایک عادل اور نیک دل بادشاہ تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے مشرق سے مغرب تک کی حکمرانی اور فرمانروائی عطا کی تھی اور روئے زمین کے تمام بادشاہ اس کے زیر فرمان تھے ظاہر میں وہ بادشاہ تھا مگر باطنی طور پر وہ اصحاب کہف سے زیادہ فقیر اور درویش تھا بادشاہت اور ولایت، امیری اور فقیری دونوں کا جامع تھا عجیب بادشاہ کہ اپنی نوع کا مجمع البحرین [1] تھا۔ جس میں ظاہری اور باطنی سلطنت کے دونوں دریا جمع تھے۔

علماء شریعت یہ کہتے ہیں کہ ذوالقرنین کو ذوالقرنین اس لیے کہا گیا کہ وہ دنیا کے دونوں کناروں (مشرق ومغرب) پر پہنچ گیا اور مشرق سے لیکر مغرب تک دنیا کا فرماں روا اور بادشاہ بنا اور اولیائے طریقت یہ کہتے ہیں کہ اس کو ذوالقرنین اس لیے کہا گیا کہ اس کو علم ظاہری اور علم باطنی دونوں عطا کیے گئے تھے۔ (فتح الباری: ۶/ ۲۷۲ وعمدۃ القاری: ۷/ ۳۲۷)

یہ ناچیز کہتا ہے۔ دونوں توجیہیں درست ہیں ظاہر کے اعتبار سے تو وجہ یہ ہے کہ وہ زمین کے دونوں کناروں پر پہنچ گیا اس لیے اس کو ذوالقرنین کہا گیا اور باطنی اور معنوی طور پر یہ وجہ بھی درست ہے کہ اس کو علم ظاہر اور باطن دونوں عطا ہوئے تھے اس لیے اس کو ذوالقرنین کہا گیا اور ہر ظاہر کے تحت ایک باطن ہوتا ہے اور یہ باطن اس ظاہر کے ماتحت ہوتا ہے اس لیے کہ ذوالقرنین اگرچہ ظاہر میں بادشاہ تھا مگر باطنی اور معنوی طور پر روئے زمین کو خانقاہ بنائے ہوئے تھا۔

اصحاب کہف، کافر وظالم فرماں روا سے بھاگ کر پہاڑ کی غار میں جا کر چھپے اور ذوالقرنین یا جوج ماجوج جیسے ظالموں اور مفسدوں کو پہاڑ کے پیچھے دھکیل کر آہنی دیوار قائم کر رہا تھا کہ کوئی کافر اور ظالم اور فتنہ پرداز ملک میں داخل ہو کر فتنہ وفساد برپا نہ کر سکے۔ اصحاب کہف کافروں اور ظالموں سے ڈر کر غار میں جا کر چھپے اور ذوالقرنین جیسا بادشاہ مشرق سے لے کر مغرب تک کافروں اور ظالموں کو دھمکاتا ہوا چلا گیا۔

ذوالقرنین کا یہ قصہ جس طرح اس کی سلطنت اور شان وشوکت کے بیان پر مشتمل ہے اسی طرح اس کی کرامتوں اور خارق عادت کارناموں کے بیان پر بھی مشتمل ہے جو اس کے ولی کامل ہونے کے دلائل ہیں بلکہ اس کے احوال اور اعمال پر نظر کرنے سے یہ خیال ہوتا ہے کہ شاید ذوالقرنین بھی خضر علیہ السلام کی طرح نمونۂ ملائکہ ہو جس میں شان مِلکیت بکسر اللام بمعنی بادشاہت اور شان مَلکیت بفتح لام بمعنی فرشتہ ہونے کی کچھ صفت اور شان اس میں ودیعت کر دی گئی ہو اور یہ خیال اس لیے ہوا کہ بعض علماء نے خضر علیہ السلام کی طرح ذوالقرنین کو بھی فرشتہ بتایا ہے اور صحیح یہ معلوم ہوتا ہے کہ ذوالقرنین فرشتہ تو نہ تھا بلکہ فرشتہ صفت انسان تھا جن کو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی قوت اور قدرت کا ایک نمونہ بنایا تھا۔

ذوالقرنین ابراہیم علیہ السلام کا ہم عصر تھا۔ ان پر ایمان لایا تھا ان کے صحابہ میں سے تھا۔ خانہ کعبہ کے سامنے ان سے ملا اور مصافحہ کیا اور دعا کی درخواست کی ان کی دعا کی برکت سے مشرق ومغرب کے سفر اس پر آسان ہو گیا اور خارق عادت اور محیر العقول فتوحات پر اس کو قدرت حاصل ہوئی اور خضر علیہ السلام اس کے وزیر باتدبیر یا امیر لشکر تھے اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کو

---

[1] گزشتہ قصہ کے ساتھ ربط اور مناسبت کی طرف اشارہ ہے کیونکہ قصہ میں یہ مذکور تھا، ﴿وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِفَتَاهُ لَا أَبْرَحُ حَتَّىٰ أَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ﴾ گویا ذوالقرنین بھی ایک قسم کا مجمع البحرین تھا۔

بادشاہت کے ساتھ علم وحکمت بھی عطا فرمائی اور ہیبت کا لباس پہنایا کہ تمام روئے زمین کے بادشاہ ان کے تابع تھے اور اس سے ڈرتے تھے۔ قریش نے یہود کی تلقین سے حضور پرنور ﷺ سے یہ سوال کیا تھا کہ وہ کون سا بادشاہ ہے جس نے مشرق و مغرب کا سفر کیا اور اس کا قصہ کیا ہے ان آیات میں ان کے سوال کے جواب میں ذوالقرنین کا قصہ بیان فرمایا کہ وہ ایک بادشاہ تھا اور مرد صالح تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے مشرق ومغرب کی حکومت اور خارق عادت شان وشوکت سے نوازا تھا اور ہر طرح کے ساز وسامان اس کے لیے مہیا کردیئے تھے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا﴾ جس طرح اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا کو مسخر کردیا تھا اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کے لیے اقطار ارض اور جوانب عالم کو مسخر کردیا تھا اور تمام راستوں کا علم اس کو عطا کردیا تھا۔ (عمدۃ القاری: ۷/ ۳۳۸ وزاد المیسر: ۵/ ۱۸۴)

روایت کیا گیا کہ چار آدمی تمام روئے زمین کے بادشاہ ہوئے جن میں سے دو مومن تھے اور دو کافر تھے دو مومن ذوالقرنین علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام تھے اور دو کافر بخت نصر اور نمرود تھے، اور پانچویں فرمانروا امام مہدی علیہ السلام ہیں جو اخیر زمانہ میں ظاہر ہوں گے اور تمام روئے زمین کے بادشاہ ہوں گے پہلے چار بادشاہ امم سابقہ میں سے تھے اور پانچویں بادشاہ امت محمدیہ ﷺ میں سے یعنی (امام مہدی علیہ السلام) ہوں گے۔ ﴿لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ﴾۔

اور یہ ذوالقرنین جس کا ذکر قرآن کریم میں ہے اور جس کو سکندر بھی کہا گیا ہے۔ یہ سکندر یونانی کے علاوہ دوسرا بادشاہ ہے اور سکندر یونانی سے دو ہزار سال قبل گزرا ہے اور جس نے یہ گمان کیا کہ یہ ذوالقرنین وہی سکندر یونانی تھا جس نے اسکندریہ کو تعمیر کیا۔ سو یہ گمان بالکل غلط ہے اس لیے کہ ذوالقرنین جس کا قصہ قرآن میں بیان ہوا وہ مرد مومن اور دیندار اور انصاف شعار بادشاہ تھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہم عصر تھا اور خضر علیہ السلام اس کے وزیر باتدبیر یا امیر لشکر تھے اور سکندر یونانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو ہزار سال بعد پیدا ہوا اور وہ کافر اور مشرک تھا اور ارسطاطالیس اس کا وزیر تھا اور وہ فقط بیت المقدس تک پہنچا تھا مشرق ومغرب تک نہ پہنچا تھا اور نہ اس نے یاجوج ماجوج کے روکنے کے لیے کوئی دیوار بنائی تھی اور حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں ذوالقرنین کا قصہ ذکر کیا ہے نہ کہ سکندر یونانی کا لہٰذا دونوں ایک کیسے ہوسکتے ہیں۔ (دیکھو عمدۃ القاری: ۷/ ۳۳۷ و فتح الباری: ۶/ ۲۷۰ وقسطلانی: ۷/ ۱۱۱ وتفسیر ابوداؤد) اور اس ذوالقرنین کا زمانہ سلطنت نمرود [1] کے بعد ہے (دیکھو روح البیان: ۵/ ۲۹۰ اور روح المعانی: ۶/ ۲۷)

یا یوں کہو کہ گزشتہ قصہ میں طلب علم کے لیے سفر کا بیان تھا اب اس قصہ میں انتظام مملکت اور قیام معدلت اور مغرورین و متکبرین اور مفسدین کی سرکوبی کے لیے سفر کا بیان ہے تاکہ معلوم ہوجائے کہ بادشاہ کامل وہ ہے جو خدا کے ماننے والوں کے ساتھ نرمی کرے اور ظالموں اور مفسدوں کو سزا دے۔

چنانچہ فرماتے ہیں اے نبی! قریش مکہ یہود کے کہنے سے امتحاناً آپ ﷺ سے ذوالقرنین کا حال پوچھتے ہیں کہ

[1] قال الآلوسی واستشکل کون ذی القرنین فی زمن ابراھیم علیہ السلام بان نمرود کان فی زمانہ ایضاً۔ ورایت فی بعض الکتب القول بان ذالقرنین ملک بعد نمرود وینحل بہ الاشکال کذا فی روح المعانی: ۱۶/ ۲۷۔ وقال الشیخ اسماعیل الحقی وکان ذوالقرنین بعد نمرود فی عہد ابراھیم علیہ السلام علی ما یاتی الخ۔ (کذا فی روح البیان: ۵/ ۲۹۰)

شاید آپ ﷺ کی نبوت میں قدح کرنے کا کوئی بہانہ مل جائے۔ آپ ﷺ ان کے جواب میں کہہ دیجیے کہ میں عنقریب تمہارے سامنے اس کا مختصر حال ذکر کروں گا اب آگے اس کا قصہ شروع ہوتا ہے وہ یہ کہ وہ ایک جلیل القدر بادشاہ تھا تحقیق ہم نے اس کو زمین میں بڑی قدرت اور غلبہ دیا تھا یعنی ہم نے اس کو اپنی رحمت اور عنایت سے روئے زمین کی حکومت عطا کی تھی۔ مشرق سے لے کر مغرب تک دنیا کو اس کے لیے مسخر کر دیا تھا۔ اور ہم نے اس کو وہ تمام اسباب و وسائل عطا کیے تھے جو حکمرانی اور ملکی فتوحات اور دشمنوں کی سرکوبی میں کام آسکیں۔ زاد المسیر: (۵/ ۱۸۴) میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کے لیے ابر کو مسخر کر دیا تھا کہ ابر پر سوار ہو کر جہاں چاہتا جاتا۔

جس طرح اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا تھا اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کے لیے بادل کو مسخر کر دیا تھا اور ہر قسم کے اسباب و وسائل اس کے لیے مہیا کر دیئے تھے اور زمین کی اطراف و جوانب اور اس کے راستوں کا علم بھی اسکو عطا کر دیا تھا (دیکھو عمدۃ القاری: ۷/ ۳۳۸) غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کو وہ تمام چیزیں عطا کیں جو سلطنت کے لیے درکار ہوتی ہیں اور ہم نے اس کو وہ تمام اسباب و وسائل عطا کیے تھے اور زمین کی تمام راہیں اس کے لیے آسان کر دیں کہ جہاں چاہے وہاں پہنچ سکے۔ مشرق سے مغرب تک کا سفر اس کے لیے آسان کر دیا گیا۔ اس زمانہ میں ریل اور ہوائی جہاز اور تار برقی عجیب عجیب چیزیں خدا کی قدرت سے انسان کے لیے مہیا ہو گئیں تو کیا عجب ہے کہ خدا تعالیٰ نے اپنے کسی مقبول بندے کے لیے اس سے بڑھ کر عجیب عجیب سامان مہیا کر دیئے ہوں جو کسی صنعت اور کاریگری کے محتاج نہ ہوں جیسے احادیث میں آیا ہے کہ اخیر زمانہ میں امام مہدی علیہ السلام تمام روئے زمین کے مالک اور فرماں روا ہوں گے بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ کسی کو تمام روئے زمین کا مالک بنا دے اور اس کے لیے اسباب و وسائل مہیا فرما دے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کے لیے ہر ضرورت کی چیز مہیا کر دی تھی۔ زمین اس کے لیے لپیٹ دی گئی تھی۔ دم کے دم میں ہزاروں میل طے کر لیتا تھا جو خدا امریکہ اور روس کے لیے سامان مہیا کر سکتا ہے وہ ذوالقرنین اور سلیمان علیہ السلام کے لیے بھی مہیا کر سکتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمادیا کہ ذوالقرنین نے اپنی عمر کے تین سفر کیے ایک مغرب کی طرف دوسرا مشرق کی طرف اور تیسرے سفر کی سمت اور جہت بیان نہیں کی ظاہراً یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سفر شمال کی جانب تھا آئندہ آیات میں ان تین سفروں کا بیان ہے۔

سفر اول

قَالَ تَعَالٰی: ﴿فَاَتْبَعَ سَبَبًا ۝ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ ... الی ... وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ۝﴾

پس جب حق تعالیٰ نے ذوالقرنین کے لیے ہر قسم کا سامان مہیا کر دیا جس سے وہ اپنے عزائم کو پورا کر سکے تو اس نے سفر شروع کیا۔ پہلا سفر اس کا یہ ہوا کہ اس نے بارادۂ فتوحات ملک مغرب کی راہ لی اور ایسا راستہ اختیار کیا کہ جو اسے مغرب تک پہنچا دے یہاں تک کہ جب سفر کرتے کرتے اور درمیانی ممالک کو فتح کرتے کرتے سورج ڈوبنے کی جگہ پہنچا۔ یعنی سمت مغرب میں منتہائے آبادی میں پہنچا جہاں آبادی ختم ہوتی تھی تو اس نے سورج کو سیاہ کیچڑ کے چشمے میں ڈوبتا ہوا پایا یعنی

ظاہر نظر میں اس کو ایسا دکھائی دیا جیسے سمندر کا مسافر غروب کے وقت یہ دیکھتا ہے آفتاب سمندر میں ڈوب رہا ہے حالانکہ آفتاب آسمان پر ہوتا ہے مگر سمندر میں ڈوبتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ اسی طرح ذوالقرنین نے اس جگہ پہنچ کر سورج کو اپنی نگاہ میں ایسا پایا کہ وہ کیچڑ کے سیاہ چشمہ میں ڈوب رہا ہے ورنہ عقلاً یہ کیسے ممکن ہے کہ آفتاب جیسا جسم عظیم جو زمین سے کئی ہزار گنا بڑا ہے اور زمین سے بہت بلند ہے وہ زمین کے ایک چشمہ میں ڈوب جائے۔ نیز آفتاب تو ہر وقت حرکت میں رہتا ہے آفاق پر سے گزرتا ہے کہیں اسکا طلوع ہوتا ہے اور کہیں اسکا غروب ہوتا ہے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ذوالقرنین جب ساحل غربی پر پہنچا تو وہ ایسی جگہ تھی کہ وہ دلدل اور کیچڑ تھی کسی آدمی کا وہاں گذر نہ تھا آگے زمین نہ تھی یہ جگہ زمین کا کنارہ تھی۔ آگے سوائے پانی کے کچھ نہ تھا اس لیے اس کو ایسا نظر آیا کہ سورج کیچڑ کے چشمہ میں ڈوب رہا ہے۔ اس وقت اس کی نگاہ میں سوائے کیچڑ اور دلدل کے کچھ نہ تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ﴿وَجَدَهَا تَغْرُبُ﴾ یعنی اپنی نگاہ میں سورج کو ایسا پایا اور یہ نہیں فرمایا کہ کانت تغرب۔ کہ سورج فی الواقع کیچڑ میں ڈوب رہا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ خبر نہیں دی کہ سورج فی الواقع کیچڑ میں ڈوب رہا تھا بلکہ یہ بتلایا کہ ذوالقرنین نے اس کو ایسا پایا۔ معاذ اللہ یہ مطلب ہرگز نہ تھا کہ سورج فی الواقع سیاہ کیچڑ میں گھس گیا تھا یا اس کے اندر اتر گیا تھا یا اس میں جا کر چھپ گیا تھا۔ کیچڑ کے ایک چشمہ میں اتنی گنجائش کہاں سے آئی کہ وہ آفتاب جیسے جرم عظیم کو اپنے اندر سما سکے آفتاب تو زمین سے بہت بلند ہے وہ زمین سے ملاصق اور ملا ہوا نہیں اور اس قدر بڑا ہے کہ زمین کے چشمہ میں نہیں آسکتا اور نہ اس میں اتر سکتا ہے۔

فائدہ:...... ایک قراءت میں عین حمئة کے بجائے عین حامیة آیا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ گرم چشمہ میں آفتاب کو غروب ہوتے ہوئے پایا اور اس کو ایسا نظر آیا کہ آفتاب گرم پانی کے چشمہ میں ڈوب رہا ہے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ واقع میں بھی ایسا ہی ہوا اور یہ دونوں قراءتیں معروف ہیں معنی کے اعتبار سے دونوں میں کوئی منافات نہیں۔ بہر حال مطلب یہ ہے کہ ذوالقرنین برابر چلتا رہا یہاں تک کہ جب خشکی کی حد ختم ہوگئی اور جہاں تک آدمی جا سکتا تھا وہاں تک ذوالقرنین پہنچ گیا تو اس جگہ پہنچ کر ذوالقرنین نے آفتاب کو سیاہ کیچڑ یا گرم پانی کے چشمہ میں ڈوبتے ہوئے پایا۔ اس کے بعد حق تعالیٰ نے اس سے آگے جانے کا ذکر نہیں فرمایا ظاہر تو یہ ہے کہ اس سے آگے نہیں گیا اور ممکن ہے کہ شاید آگے بھی گیا ہو واللہ اعلم۔ اور پھر اس جگہ جہاں پانی کی کیچڑ میں اس کو سورج ڈوبتا ہوا نظر آیا وہاں اس نے ایک قوم کو آباد پایا جو کافر تھی جیسا کہ اگلی آیت ﴿اَمَّا مَنْ ظَلَمَ﴾ الخ اس پر دلالت کرتی ہے تو ہم نے ذوالقرنین سے بطور الہام یا کسی نبی کے ذریعے یہ کہا اے ذوالقرنین تجھ کو اس کافر قوم کے بارہ میں اختیار ہے یا تو ان کافروں کو سزا دے یعنی ان کو کفر کی سزا میں قتل کرے یا قید کرے یا غلام بنا دے یا یہ کہ تو ان پر احسان کرے کہ فدیہ لے کر ان کو زندہ چھوڑ دے بہر حال تجھ کو اختیار ہے ان دو باتوں کے درمیان۔ ذوالقرنین نے عرض کیا کہ میں اول اس قوم کو ملت ابراہیمی کی دعوت دوں گا لیکن اس دعوت کے بعد جو شخص کفر اور شرک کر کے اپنی جان پر ظلم کرے گا سو عنقریب ہم یعنی میں اور میرے ارکان دولت اور حکام حکومت دنیا میں اس کو سزا دیں گے یعنی اس کو قتل کریں گے یہ سزا تو دنیا میں ہوگی پھر وہ مرنے کے بعد آخرت میں اپنے پروردگار کی طرف لوٹا دیا جائے گا پھر اللہ عزوجل اس کو دوزخ کی سزا دے گا اور میری دعوت کے بعد جو ایمان لے آئے گا اور نیک عمل کرے گا تو آخرت میں اس کو نیک بدلہ ملے گا۔ اور ہم

بھی دنیا میں اس کے ساتھ آسانی کا معاملہ کریں گے یعنی اس کو مشقت اور محنت میں نہ ڈالیں گے۔ بلکہ اس کے ساتھ رعایت اور نرمی کا معاملہ کریں گے اور جو میری دعوت سے روگردانی کرے گا وہ مستوجب سزا ہوگا۔ عادل فرماں روا کی یہی راہ ہے کہ بروں کو سزا دے اور بھلوں سے نرمی کرے۔

سفر دوم

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ۝ حَتّٰۗى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ ... الی ... بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا﴾

پھر اس سفر سے فارغ ہو کر اور مغربی ممالک کو فتح کر لینے کے بعد ایک دوسری راہ چلا یعنی مغرب الشمس سے مطلع الشمس کی راہ لی تاکہ مشرقی ممالک کو بھی فتح کرے اور ان کو دین حق کی دعوت دے اور جو اس سے سرتابی کرے اس کو ذلیل وخوار کرے پس برابر چلتا رہا۔ یہاں تک کہ جب مسافت قطع کر کے زمین کے اس مقام پر پہنچا جہاں اول طلوع آفتاب سے دھوپ پڑتی ہے۔ یعنی جہت مشرق میں منتہائے آبادی پر پہنچا تو اس نے آفتاب کو ایسی قوم پر طلوع ہوتے دیکھا جن کے لیے ہم نے سورج سے ورے کوئی پردہ اور بچاؤ نہیں رکھا تھا یعنی وہ لوگ جنگلی اور وحشی تھے۔ حیوانوں کی سی زندگی بسر کرتے تھے خیمے اور مکانات نہیں رکھتے تھے۔ کوئی ستر اور لباس نہیں رکھتے تھے۔ ننگے رہتے تھے ان کا لباس ہی آفتاب تھا گھر بنانا نہیں جانتے تھے کہ سورج کی دھوپ سے بچ سکیں۔ زیرزمین سرنگیں بنا رکھی تھیں۔ جب سورج طلوع ہوتا تو ان میں گھس جاتے۔ اور زوال کے بعد طلب معاش کے لیے غاروں سے باہر نکلتے اور الغرض ذوالقرنین کا قصہ اسی طرح ہے جو ہم نے بتلا دیا ہے اور باقی اس ذوالقرنین کے پاس جو لشکر اور ساز وسامان تھا ہم اس سے پورے باخبر ہیں ہمارا علم اس کو احاطہ کیے ہوئے ہے ہمارے سوا کسی کو کیا معلوم مطلب یہ ہے کہ فی الحقیقت واقعہ اتنا ہے جتنا ہم نے بتلا دیا باقی تاریخ والے اس کے سوا جو کہتے اور لکھتے ہیں وہ یقینی نہیں۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ذوالقرنین کو یہ شوق ہوا تھا کہ دیکھے دنیا کہاں تک بستی ہے مشرق اور مغرب تک پہنچا مگر اللہ تعالیٰ کے ملک کی حد نہ پا سکا۔ یہ سفر بھی تمام ہوا اس کے بعد ایک اور سفر کا بیان ہوتا ہے۔

سفر سوم

﴿ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ۝ حَتّٰۗى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ ... الی ... وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا﴾

ذکر تعمیر سد آہنی برائے انسداد خروج یاجوج وماجوج

پھر مشرق ومغرب کے سفر سے فارغ ہو کر مشرق ومغرب کے درمیان جنوب سے شمال کی طرف ایک تیسری راہ کے پیچھے ہولیا۔ یہاں تک کہ جب وہ چلتا چلتا دو پہاڑوں کے درمیان پہنچا جس کی پشت پر یاجوج ماجوج کی زمین تھی تو ان پہاڑوں کے پیچھے اس نے عجیب وغریب قوم پائی جو کم عقلی کی وجہ سے کسی بات کے سمجھنے کے قریب بھی نہ پہنچے تھے یعنی غیر زبان ہونے کی وجہ سے تو بات نہیں سمجھتے تھے اور وحشی اور کم عقل ہونے کی وجہ سے سمجھنے کے قریب بھی نہیں پہنچتے تھے ورنہ عاقل آدمی قرائن سے کچھ نہ کچھ سمجھ ہی لیتا ہے پھر غالباً انہوں نے کسی ترجمان کے ذریعہ سے یا اشاروں اور کنایوں کے ذریعے

سے ذوالقرنین سے عرض کیا اے شاہ ذوالقرنین بیشک یہ یاجوج ماجوج کی قوم جو اس درہ کے پیچھے رہتی ہے یہ بڑے ہی مفسد اور فتنہ پرداز لوگ ہیں جو زمین میں تباہی اور اودھم مچانے والے ہیں جن کا کام ہی لوٹ مار اور قتل وغارت ہے۔ مردم خور ہیں آدمیوں کو بھی کھا جاتے ہیں اور کھیتوں کو بھی ہضم کر جاتے ہیں۔ (زاد المسیر: ۵/۱۹۱)

مطلب یہ ہے کہ ظاہر میں وہ ہم جیسے انسان ہیں مگر درندگی میں وہ درندوں سے بڑھ کر ہیں ہم میں ان کے مقابلہ کی طاقت نہیں سو کیا آپ ہم کو اجازت دیں گے کہ ہم لوگ آپ کے لیے کچھ چندہ جمع کریں گے اس شرط پر کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایسی مضبوط اور مستحکم دیوار کھڑی کر دیں کہ جو ان کو ہماری طرف آنے سے روک دے۔ ذوالقرنین نے جواب دیا کہ میرے پروردگار نے مجھ کو دسترس عطا کی ہے وہ تمہارے اس چندہ سے کہیں بہتر ہے مجھے تمہارے مال کی ضرورت نہیں البتہ تم اپنی جسمانی اور عملی قوت سے میری مدد کرو جس طرح سلیمان علیہ السلام نے فرمایا تھا ﴿أَتُمِدُّونَنِ بِمَالٍ فَمَا آتَانِيَ اللَّهُ خَيْرٌ مِّمَّا آتَاكُم﴾ اسی طرح ذوالقرنین نے جواب دیا کہ میں تم سے مال نہیں چاہتا۔ ہاتھ پیر کے کام میں میری مدد کرو میں تم سے مالی امداد نہیں چاہتا بلکہ عملی امداد چاہتا ہوں تا کہ میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط دیوار کھڑی کر دوں جس سے ان کا راستہ بند ہو جائے اور پھر وہ تمہاری سرزمین میں نہ آ سکیں۔ انہوں نے کہا کہ آپ ہم سے کس قسم کی قوت واعانت چاہتے ہیں۔ ذوالقرنین نے کہا کہ مزدور اور عمدہ معمار اور سامان عمارت۔ انہوں نے کہا کہ وہ سامان عمارت کیا ہے۔ ذوالقرنین نے کہا کہ تم لوگ بجائے پتھروں کے میرے پاس لوہے کے ٹکڑے اور لوہے کی چادریں اور لوہے کی سلیں لاؤ جن کی قیمت ہم تم کو عطا کر دیں گے چنانچہ انہوں نے لوہے کی سلیں اور چادریں اور ٹکڑے لا کر حاضر کر دیے اور موٹی موٹی لکڑیاں بھی لا کر موجود کر دیں اور بجائے پتھروں کے لوہے کے ٹکڑوں کو چن دیا اور بیچ میں لکڑیاں اور کوئلے رکھ دیئے اس طرح پہاڑ کی چوٹی تک ان کو چن دیا۔ یہاں تک کہ جب ان دونوں پہاڑوں کے کناروں کا درمیانی خلا پر کر کے برابر کر دیا تو حکم دیا کہ اس میں آگ لگا کر پھونک مارو یعنی خوب دھونکو یہاں تک کہ جب دھونکتے دھونکتے ان لوہے کے ٹکڑوں کو آگ اور انگارہ بنا دیا تو کہا کہ میرے پاس پگھلا ہوا تانبا لاؤ تا کہ میں گرم لوہے پر اس کو بہا دوں تا کہ وہ اس کے درازوں میں گھس کر اس کو بالکل ہموار اور ایک شے بنا دے اور عجب نہیں کہ اس عظیم مقدار میں تانبے کا پگھلنا ذوالقرنین کی کرامت ہو جیسے داؤد علیہ السلام کے لیے اللہ تعالیٰ نے لوہے کو نرم کر دیا تھا کما قال تعالیٰ ﴿وَأَلَنَّا لَهُ الْحَدِيدَ﴾۔ اور سلیمان علیہ السلام کے لیے اللہ تعالیٰ نے پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ جاری کر دیا تھا کما قال اللہ تعالیٰ ﴿وَأَسَلْنَا لَهُ عَيْنَ الْقِطْرِ﴾۔ اسی طرح کیا عجب ہے کہ ذوالقرنین کے لیے بطور کرامت اور بطریق خرق عادت تانبے کو پگھلا دیا ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔

چنانچہ ان کے حکم کے مطابق وہ تانبا لایا گیا اور آلات کے ذریعے یا بطور کرامت اور خرق عادت اوپر سے اس پر چھوڑ دیا گیا۔ یہاں تک کہ وہ تانبا اس لوہے سے پیوست ہو گیا اور پہاڑ کی مانند ایک آہنی دیوار تیار ہو گئی جس کا طول وعرض خدا ہی کو معلوم ہے روئے زمین پر اب تک ایسی بلند اور چکنی دیوار نہیں بنی تھی۔ پھر چونکہ یہ دیوار نہایت بلند چکنی اور چوڑی اور مضبوط تھی اس لیے یاجوج وماجوج کے لیے یہ ممکن نہ ہوا کہ وہ اس دیوار پر چڑھ کر ادھر سے ادھر تک آ سکیں یا سیڑھی لگا کر اوپر چڑھ سکیں اور پھر اس سے دوسری جانب اتر سکیں اور وہ دیوار اس قدر سخت تھی کہ اس میں سوراخ بھی نہیں کر سکتے تھے۔

پس جب قیامت کے قریب خروج یاجوج و ماجوج کی بابت میرے پروردگار کا وعدہ آئے گا تو اس دیوار کو ریزہ ریزہ کر کے زمین کو ہموار کر دے گا یعنی اس سد آہنی کو یاجوج و ماجوج کی راہ سے ہٹا لے گا۔ اور اس روک کو ان سے ہٹا دے گا۔ اور میرے پروردگار کا وعدہ بالکل صحیح اور درست ہے یعنی میرے پروردگار کا یہ وعدہ ہے کہ یہ دیوار قیامت تک قائم رہے گی اور قیامت کے قریب یاجوج و ماجوج اس دیوار کو توڑ کر ایک دم آدمیوں پر ٹوٹ پڑیں گے اور دریا کے دریا پی کر خشک کر دیں گے اللہ تعالیٰ نے قیامت کے قریب خروج یاجوج و ماجوج کا جو وعدہ کیا ہے وہ حق ہے اور بلاشبہ ہونے والا ہے اور سد کو توڑ کر یاجوج و ماجوج کا نکلنا قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ ان شاء اللہ سورۂ انبیاء کے اخیر میں اس کا ذکر آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ یہ علامت قیامت کے قریب ظاہر ہوگی اور احادیث صحیحہ میں یاجوج و ماجوج کے خروج کو علامات قیامت میں سے قرار دیا گیا ہے اور یہ احادیث درجۂ تواتر کو پہنچی ہیں اور تمام صحابہ وتابعین کا اس پر اجماع ہے اور جس طرح قیامت پر ایمان لانا ضروری ہے اسی طرح علامات قیامت پر بھی ایمان لانا ضروری ہے اور جو بات قرآن کریم اور احادیث متواترہ اور اجماع صحابہ وتابعین سے ثابت ہو اس کا انکار بلاشبہ کفر ہے اور ایسی قطعیات میں تاویل کرنا الحاد اور زندقہ ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ ذوالقرنین نے لوگوں کی فرمائش پر ایک آہنی دیوار بنا دی قرآن اور حدیث سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ آہنی دیوار قیامت تک قائم رہے گی اور یاجوج و ماجوج اس کے پیچھے بند رہیں گے۔ قیامت کے قریب وہ دیوار ٹوٹ جائے گی تب وہ یاجوج و ماجوج وہاں سے نکلیں گے اور ان کا یہ نکلنا نزول عیسیٰ علیہ السلام اور خروج دجال کے بعد ہوگا۔ بالآخر یہ لوگ عیسیٰ علیہ السلام کی دعا سے غیر معمولی موت مریں گے۔ جس کی تفصیل احادیث میں ہے۔ اب رہا یہ امر کہ وہ ذوالقرنین کی بنائی ہوئی دیوار دنیا کے کس خطہ میں ہے اور وہ پہاڑ کہاں واقع ہے سو وہ خدا ہی کو معلوم ہے اور جس چیز کی خدا خبر دے اس پر ایمان لانا فرض ہے جس خدا نے زمین کو پیدا کیا ہے وہ اپنی مخلوق سے پورا باخبر ہے ہمارا حال تو یہ ہے کہ ہمیں اپنے مکان اور باغ کی خبر نہیں اور جن لوگوں نے دیوار ذوالقرنین کا مقام معین کیا ہے ان کے پاس کوئی دلیل نہیں محض ان کے خیالات اور تخمینے ہیں یا عیسائیوں یا یہودیوں کے لکھے ہوئے جغرافیے ہیں۔ خدا اور اس کے رسول ﷺ نے اس کے بارے میں کوئی تعین نہیں فرمایا جس سے یقینی طور پر اس دیوار کا مقام اور محل متعین کیا جا سکے اور ظن اور تخمینہ اہل عقل کے نزدیک تسلی بخش نہیں۔

﴿اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا﴾ (ذوالقرنین کا قصہ یہاں ختم ہوا)

اب آئندہ آیت میں دنیا کے فناء وزوال کا ذکر ہے کہ یہ دیوار قیامت کے قریب تک قائم رہے گی اور جب قیامت قریب ہوگی تو یہ دیوار ٹوٹ جائے گی اور اس کے پیچھے سے یاجوج و ماجوج نکل پڑیں گے۔

ایک شبہ:...... آج کل سائنس دان اور ماہرین انکشافات اور فضلائے جغرافیہ یہ شبہ پیش کرتے ہیں کہ ہم نے تمام زمین کو چھان ڈالا ہے مگر ہم کو کہیں اس دیوار کا پتا نہ ملا اور نہ کہیں یاجوج و ماجوج کا پتہ لگا۔

جواب:...... اس شبہ کے جواب میں ہمارے ان مصنفین نے جو مغربی علوم اور تحقیقات سے مرعوب ہیں اس دیوار کا پتہ بتلانے کی کوشش کی ہے اور اٹکل کے تیر چلائے ہیں مگر خود ان کو اپنے لکھے ہوئے پر یقین اور اطمینان نہیں لیکن اس شبہ بلکہ اس وسوسہ کا صحیح جواب وہ ہے جو علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں اور علامہ حسین جسر طرابلسی رحمۃ اللہ علیہ نے الحصون الحمیدیہ میں دیا

ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جس دیوار کی اور جس قوم کی حق تعالیٰ نے خبر دی ہے وہ صحیح اور درست ہے اور اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اسکی تصدیق فرض ہے مگر ہم کو اس دیوار کا موقع اور محل معلوم نہیں۔ بلاشبہ عقلاً یہ ممکن ہے کہ ہمارے اور انکے درمیان میں بڑے بڑے سمندر اور بڑے بڑے پہاڑ حائل ہوں اور فضلائے جغرافیہ کا یہ دعویٰ کہ ہم نے تمام زمین کو چھان ڈالا اور ہم برا اور بحر اور خشکی اور تری کا احاطہ کر چکے ہیں اور اب کوئی جگہ ہم سے بچی ہوئی نہیں رہی۔ سو یہ دعویٰ بلا دلیل ہے قابل تسلیم نہیں ساری زمین کو چھان ڈالنا اور دیکھ ڈالنا تو بڑی بات ہے ابھی تک پوری آباد زمین کو بھی نہیں دیکھا جا سکا زمین کا بہت سا حصہ ابھی ایسا باقی ہے جہاں تک ان کا قدم نہیں پہنچا ابھی تک اطراف زمین میں بہت سے پہاڑ اور وادیاں ایسی موجود ہیں کہ ان تک فضلاء جغرافیہ کی رسائی نہیں ہوئی خصوصاً شمال کی طرف برفانی پہاڑوں کے پیچھے اور منطقہ باردہ کی جانب ایسی زمین موجود ہے جہاں آج تک کوئی نہیں پہنچ سکا جیسا کہ خود اہل جغرافیہ کا بیان ہے پس ممکن ہے کہ انہیں اطراف میں یہ قومیں آباد ہوں۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سد ذوالقرنین شمال کی طرف ہے اور جو لوگ نقشہ زمین سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں سائبیریا کے بعد شمال کی طرف بہت سے برفانی پہاڑ ہیں جو بارہ مہینے برف سے ڈھکے رہتے ہیں اور اس زمانہ میں کوئی ان پر سے نہیں گزر سکتا اور ان پہاڑوں کے اس طرف زمین موجود ہے جو منتہائے عرض تک چلی گئی ہے پس یہ امر ممکن ہے کہ ان برفانی پہاڑوں کے نیچے کوئی پست زمین ہو اور پستی کی وجہ سے وہاں برف اتنا کم رہتا ہو کہ آدمی وہاں رہ سکے اور وہیں یاجوج و ماجوج کی قوم آباد ہو اور ہمارے اور ان کے درمیان بڑے بڑے برفانی پہاڑ اور سمندر حائل ہوں اور ممکن ہے کہ ذوالقرنین کے زمانہ میں یاجوج و ماجوج کی اس طرف آمد کے لیے کسی وادی سے کوئی راستہ ہو کہ وہ لوگ پہاڑوں کی طرف سے آکر آس پاس کی قوموں کو قتل و غارت کرتے ہوں اور یہ دیکھ کر ذوالقرنین نے اس وادی کا راستہ سد کے ذریعے بند کر دیا ہو اور پہاڑوں کی پرلی جانب ان کو دھکیل دیا ہو اور پھر اس سد کی وجہ سے ان کا ادھر آنا بند ہو گیا ہو پھر جب قیامت کا زمانہ قریب آئے گا تو ممکن ہے کہ جوی اور ارضی حوادث کی وجہ سے وہ برف پگھل جائے اور یاجوج و ماجوج کو سد ذوالقرنین کے توڑنے کا موقع مل جائے اور سد کو توڑ کر وہ قومیں اسی راستے یا کسی اور راستے سے دنیائے آبادی کی طرف نکل پڑیں اور یہاں آکر اودھم مچائیں اور فساد برپا کریں جیسا کہ آیات اور احادیث صحیحہ اور صریحہ سے ثابت ہے۔

بہرحال قرآن اور حدیث نے جس چیز کی خبر دی ہے وہ عقلاً اور عادتاً محال نہیں اور قدرت خداوندی کے تحت داخل ہیں۔ پس جو امور عقلاً ممکن اور جائز الوقوع ہوں اور نصوص شرعیہ سے ان کا وجود اور وقوع ثابت ہو ان کی تصدیق فرض اور لازم ہے اس لیے ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ قیامت کے قریب یاجوج و ماجوج سد ذوالقرنین کو توڑ کر نکلیں گے اور فضلاء جغرافیہ اور ماہرین اکتشافات کا یہ دعویٰ کہ ہم پوری زمین سے اچھی طرح واقف ہیں اور ہو چکے ہیں دعویٰ بلا دلیل ہے جو قابل تسلیم نہیں امریکہ اور روس کے متصل ہی ایسے جزیرے ملیں گے کہ جن کی ان ماہرین اکتشافات کو بالکل خبر نہیں یا پوری خبر نہیں اور دعویٰ یہ ہے کہ ہم نے زمین و آسمان کا چکر لگا لیا ہے اور ہم کونے کونے سے واقف ہو گئے ہیں زبان سے اس قسم کا دعویٰ کر دینا بہت آسان ہے لیکن ثابت کر دکھانا بہت مشکل ہے۔

سائنس کے تجربوں سے دن بدن یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ جن چیزوں کو ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، انکو بھی پورا

نہیں دیکھا تھا روزمرہ کا تجربہ بتلا رہا ہے کہ سائنس یہ کہتی ہے کہ ابھی تو نے دیکھا ہی کیا ہے ذرا اور آگے بڑھ آئندہ چل کر تجھ کو اپنی بار بار دیکھی ہوئی چیزوں کے وہ خواص اور آثار معلوم ہوں گے جو موجودہ علم اور تجربہ سے بالا اور کہیں بالا ہوں گے۔ غرض یہ کہ ہر فلسفی اور سائنس دان ہمہ دانی کا نعرہ لگاتا ہے اور قدم قدم پر جدید تجربہ اور جدید انکشاف ہمہ دانی کے دعویٰ پر ایک تازیانہ لگاتا ہے اور کہتا ہے کہ اے مدعی ہمہ دانی اس جدید انکشاف نے تجھ پر واضح کر دیا کہ تیرا گزشتہ دعویٰ غلط تھا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ قصۂ ذوالقرنین قطعاً ثابت ہے اس لیے کہ نزول قرآن کے وقت جو علماء توریت اور انجیل موجود تھے ان میں سے کسی نے اس کا انکار نہیں کیا تو ثابت ہوا کہ یہ قصہ متواترہ ہے قطعاً ثابت ہے۔ اس قصہ کے تواتر کے لیے فقط اتنی بات کافی ہے کہ علما اہل کتاب نے بطور امتحان آپ ﷺ سے اس قصہ کا سوال کیا اور علیٰ ہذا جس دیوار کی خدا تعالیٰ نے خبر دی ہے وہ بھی حق اور صدق ہے اگرچہ اس کا ہمیں موقع اور محل معلوم نہیں۔ اب اگر کوئی شخص محض اس بات پر انکار کرے کہ ہمیں اس دیوار کا علم نہیں یا ہماری سمجھ میں نہیں آتا تو وہ ایک جنگلی پہاڑی کی طرح ہے کہ جس نے کبھی ریل اور تار اور ٹیلیفون اور ہوائی جہاز نہ دیکھا ہو اور کوئی شخص اس کے سامنے ان چیزوں کا ذکر کرے اور وہ سن کر یہ کہے کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک گھنٹہ میں چالیس پچاس میل یا پانچ سو میل کی مسافت کیسے قطع ہو سکتی ہے یا ہزار یا دس ہزار میل پر ٹیلیفون سے کیسے باتیں ہو سکتی ہیں اس قسم کی باتیں اس کے غافل اور جاہل ہونے کی دلیل ہیں لیکن اس کی ان باتوں سے ٹیلیفون کا عدم ثابت نہیں ہو سکتا۔ کیا عقلاً یہ جائز نہیں کہ جس طرح آج سے پانچ سو برس پہلے ان سائنسدانوں کو دنیا کے چوتھے براعظم یعنی امریکہ کا پتا نہ چلا اور یہ طویل و عریض آبادی ان لوگوں سے مخفی اور پوشیدہ رہی اور فلاسفہ اور سائنسدان اس کے وجود سے واقف نہ ہوئے کیا اس طرح یہ ممکن نہیں کہ دنیا میں کوئی پانچواں براعظم موجود ہو جہاں یاجوج و ماجوج کے ٹڈی دل رہتے ہوں اور ہمارے اور ان کے درمیان سد ذوالقرنین کے علاوہ ایسے بر و بحر حائل ہوں کہ جہاں اب تک ہماری رسائی نہیں ہو سکی اکتشافات جدیدہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے جس کی وسعت کی کوئی حد نہیں اور روز بروز عجیب و غریب امور منکشف ہو رہے ہیں تو کیا عجب ہے کہ آئندہ چل کر اس دیوار کا اور قوم یاجوج و ماجوج کا انکشاف ہو جائے۔ خوب سمجھ لو کہ آسمان اور زمین کے خالق نے اور اس کی وحی سے اس کے برگزیدہ نبی برحق اور مخبر صادق ﷺ نے جس چیز کے وجود کی خبر دی ہے وہ بلاشبہ عقلاً ایک امر ممکن ہے اس پر ایمان لانا واجب اور لازم ہے اور خدا اور اسکے رسول ﷺ نے جس چیز کی خبر دی ہے وہ بلاشبہ حق اور صدق ہے۔ ضرور اپنے وقت پر ظاہر ہو گی اور محض اپنی لاعلمی اور ناواقفیت اور عدم وجدان اور عدم علم اور عدم معرفت کی بنا پر کسی چیز کے وجود سے انکار کرنا جہالت اور نادانی ہے اور اگر باوجود کامل تلاش کے مثلاً اگر کسی کو زید نہ ملے تو اس سے زید کا معدوم ہونا ثابت نہیں ہو سکتا۔

بہرحال مخبر صادق جس کا صدق دلائل قطعیہ سے ثابت ہے جب اس نے دیوار کے وجود کی خبر دی ہے تو ہم پر اس کی تصدیق واجب اور لازم ہے خواہ وہ چیز ملے یا نہ ملے جس خدا نے اس زمین کو پیدا کیا اور پھر ایک نیک بندہ ذوالقرنین کو پیدا کیا اور اپنی زمین پر اس کو فرماں روا بنایا تو کیا فضلاء جغرافیہ اور ماہرین اکتشافات، زمین کے بارے میں خدا سے زیادہ باخبر ہو گئے کہ جس زمین کو خدا نے پیدا کیا وہ تو ایک خطۂ زمین اور ایک قوم کے وجود کی خبر دے رہا ہے اور یہ فضلاء جغرافیہ نہایت ڈھٹائی سے اس کا انکار کر رہے ہیں اور اتنا نہیں سمجھتے کہ ایک انسان ضعیف البنیان کا کسی چیز کو نہ پانا اس بات کی دلیل نہیں ہو سکتی کہ یہ شے فی

الواقع موجود نہیں کسی چیز کا نہ پانا اس چیز کے عدم کی دلیل بلکہ نہ ملنے کی وجہ سے کسی چیز کے وجود کا انکار کر دینا جہالت اور کوتاہ نظری کی قطعی دلیل ہے۔

دیوار ذوالقرنین اور دنیا کی پانچ بڑی دیواروں کا ذکر

قرآن کریم نے دیوار ذوالقرنین کا ذکر کیا مگر اس کا موقع اور محل نہیں بتایا کہ وہ کس جگہ بنی تھی۔ مؤرخین اور جغرافیہ نویسوں نے تاریخی واقعات کے ذیل میں دنیا کی چند بڑی بڑی دیواروں کا ذکر کیا ہے اور اپنے خیالات اور گمان اور تخمینہ سے اس کو دیوار ذوالقرنین قرار دیا۔ مولانا عبدالحق صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مفسر تفسیر حقانی نے اپنی تفسیر میں اس پر مفصل کلام کیا ہے اور اس سلسلہ میں پانچ دیواروں کا ذکر کیا ہے جس کا خلاصہ ہم ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں جس کو تفصیل درکار ہو وہ اصل تفسیر حقانی کی مراجعت کرے۔

دیوار اول - دیوار چین

جس کو بقول مورخین فغفور چین نے حضرت مسیح بن مریم علیہ السلام سے تخمیناً دو سو پینتیس برس پہلے بنایا تھا جس کی لمبائی کا اندازہ بارہ سو میل سے پندرہ سو میل تک کیا گیا ہے جس کے پیچھے کچھ وحشی قومیں آباد تھیں جو چین کے ملک پر تاخت وتاراج کیا کرتی تھیں ان کو یاجوج وماجوج سے تعبیر کرتے تھے چونکہ یہ دیوار اینٹ اور پتھر کی بنی ہوئی ہے اور ایک کافر کی بنائی ہے جو حضرت مسیح بن مریم علیہ السلام سے دو سو پینتیس برس پہلے گزرا ہے اس لیے یہ دیوار سد ذوالقرنین نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ دیوار آہنی تھی نیز ذوالقرنین حضرت مسیح علیہ السلام سے دو ہزار برس پہلے گزرا ہے اور وہ مرد مومن تھا کافر نہ تھا اور فغفور باخدا اور موحد نہ تھا اس کو ذوالقرنین قرار دینا قطعاً غلط ہے۔

دیوار دوم - دیوار سمرقند

یعنی وہ دیوار جو سمرقند کے قریب ہے۔ یہ ایک مستحکم دیوار ہے جو لوہے کی چادروں اور اینٹوں سے بنائی گئی ہے نہایت مستحکم اور بلند ہے اور اس میں ایک دروازہ بھی ہے جس پر قفل لگا ہوا ہے۔ خلیفہ معتصم نے خواب میں اس دیوار کو ٹوٹا ہوا دیکھا تب اس کی تحقیق کے لیے پچاس آدمیوں کو روانہ کیا وہ اس دیوار کو دیکھ کر آئے اور آکر اسکا حال بیان کیا۔ یہ دیوار جبل الطی کا درہ بند کرنے کے لیے بنائی گئی تھی بعض لوگ اس دیوار کو سد ذوالقرنین کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس دیوار کو یمن کے کسی حمیری بادشاہ نے بنایا تھا۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ حمیری بادشاہ ذوالقرنین تھا اور تبع یمانی اس کی اولاد میں سے تھا جس پر اس کو فخر تھا لہٰذا بعض علماء کا خیال ہے کہ یہی دیوار ذوالقرنین ہے۔ واللہ اعلم۔

دیوار سوم - دیوار آذربائیجان

جو آذربائیجان کے سرے پر بحیرۂ طبرستان کے کنارہ جبل قبق کے گھاٹ کو بند کرنے کے لیے اور غیر قوموں کی آمد کو روکنے کے لیے بنائی گئی تھی۔ یہ دیوار آذربائیجان اور آرمینیہ کے دو پہاڑوں کے درمیان واقع ہے۔ یہ دیوار پتھر اور سیسے سے بنائی گئی ہے جس کی بلندی تین سو گز ہے اس دیوار کو نوشیرواں نے بنایا۔ یہ دیوار اب تک قائم ہے بعض علماء نے اسی دیوار کو سد

ذوالقرنین بتلایا ہے۔

دیوار چہارم - دیوار تبت

یہ دیوار تبت کے شمالی پہاڑوں کے درمیان واقع ہے یہ جگہ خراسان کا اخیر کنارہ ہے یہاں ایک کنارہ ہے جس سے ترک دھاوا کیا کرتے تھے فضل بن یحیٰی برمکی نے دروازہ لگا کر اسکو بند کر دیا۔ یہ دیوار بالاتفاق وہ دیوار نہیں جس کا ذکر قرآن کریم میں ہے کیونکہ یہ دیوار نزول قرآن کے بعد بنائی گئی۔

دیوار پنجم

دنیا کی پانچویں بڑی دیوار وہ ہے کہ جو بحیرہ روم کے مشرقی کنارہ پر ایشیائے کوچک کے جزائر میں سے کسی جزیرہ میں واقع ہے۔ یہ معلوم نہیں کہ یہ دیوار کب بنی اور اب تک قائم ہے یا نہیں۔ یہ دیوار بھی بالاتفاق وہ دیوار نہیں جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔

غرض یہ کہ یہ سب تاریخی قصے ہیں جو ہرگز قابل اعتماد واعتبار نہیں۔

بہرحال یہ دنیا کی پانچ مشہور دیواریں ہیں جن کا تاریخ اور جغرافیہ کی کتابوں میں ذکر ہے اور مصنفین نے اپنے اپنے خیال اور تخمینہ سے سد ذوالقرنین کے مصداق بتلانے کی بڑی کوشش کی ہے۔ کسی نے کسی دیوار کو اور کسی نے کسی دیوار کو۔ مگر سوائے اپنی خیالی قیاس آرائیوں کے دلیل کسی کے پاس نہیں۔ ہر ہر ایک نے اپنی اپنی کہی ہے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ جس سد (دیوار) کی قرآن عزیز نے خبر دی ہے قرآن اور حدیث میں اس کے کیا اوصاف ذکر کیے گئے ہیں تاکہ اس سے تعیین مصداق کا فیصلہ ہو سکے وہ اوصاف حسب ذیل ہیں۔

اول:...... اس سد (دیوار) کا بانی خدا تعالیٰ کا کوئی مقبول بندہ اور مرد صالح اور مرد مومن ہے جو ایمانداروں اور اعمال صالحہ کرنے والوں کو جزاء حسنیٰ کی بشارت سناتا ہے اور کافروں اور ظالموں کو عذاب خداوندی سے ڈراتا ہے۔

دوم:...... اس کا بانی ایسا جلیل القدر بادشاہ ہے جو مشرق سے لے کر مغرب تک کا فرماں روا ہے اور حکومت اور سلطنت کے تمام اسباب ظاہری اور باطنی منجانب اللہ اس کے لیے مہیا ہیں۔ کما قال تعالیٰ ﴿إِنَّا مَكَّنَّا لَهُ فِي الْأَرْضِ وَآتَيْنَاهُ مِن كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا﴾۔ مطلب یہ ہے کہ وہ فرمانروائے مشرق ومغرب ایسا سعادت مند ہے کہ تائید ربانی اور تمکین یزدانی اس کے ساتھ ہے اور فتح وکامرانی کا جھنڈا اس کے آگے آگے ہے۔ کسی میں اس کے مقابلہ کی تاب نہیں شاہان عالم اس کی عظمت وہیبت کے سامنے دم بخود ہیں۔

سوم:...... وہ دیوار آہنی ہے پگھلے ہوئے تانبے سے تیار ہوئی ہے اینٹ اور پتھر سے نہیں بنائی گئی۔

چہارم:...... یہ کہ اس دیوار کے دونوں سرے دو پہاڑوں سے ملے ہوئے ہیں اور وہ دیوار بہت بلند اور مستحکم ہے اور بطور خرق عادت اور بطریق کرامت تیار ہوئی ہے اس لیے کہ اتنی بلند دیوار جو از اول تا آخر لوہے کے ٹکڑوں سے بنائی گئی ہو اور اس میں اس طور سے آگ سلگائی گئی ہو کہ اس کے سب ٹکڑے آگ بن گئے ہوں اور پھر ان میں ہزاروں من بلکہ ہزاروں ٹن پگھلا ہوا

سیسہ ڈالا گیا ہو بظاہر یہ تمام امور اسباب ظاہری کے دائرہ سے باہر ہیں ایسی دھکتی ہوئی آگ کے قریب تو کوئی جاندار نہیں جاسکتا اور ایسی آگ میں پھونک مارنا اور پگھلے ہوئے تانبے کا اس پر ڈالنا ظاہر اسباب میں ممکن نہیں لہٰذا سوائے اس کے کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ عجیب وغریب دیوار اس نیک دل بادشاہ کی کرامت تھی یا اس نبی برحق کا معجزہ تھا جس کے ہاتھ پر ذوالقرنین نے بیعت کی تھی کہ جب اس قدر طویل وعریض لوہے کی دیوار آگ ہوجائے تو کسی میں یہ قدرت نہیں کہ اس کے پاس بھی جاسکے اور پاس جاکر اس میں پھونک مار سکے اور اس پر پگھلا ہوا تانبا ڈال سکے، یہ اللہ کی رحمت تھی کہ اس نے نافخین (پھونک مارنے والوں) کے ابدان واجسام کو اس شدید گرمی اور حرارت سے محفوظ رکھا اور انہوں نے اپنا کام کیا۔

پنجم: ...... یہ کہ یاجوج وماجوج اس آہنی دیوار کے پیچھے بند ہیں نہ وہ اس پر چڑھ سکتے ہیں نہ اس پر کوئی سیڑھی لگا کر ادھر سے ادھر اتر سکتے ہیں اور نہ اس میں کوئی سوراخ کرسکتے ہیں البتہ قیامت کے قریب زمانہ میں یہ لوگ اس دیوار میں نقب لگانے پر قادر ہوجائیں گے جیسا کہ احادیث میں آیا ہے۔

ششم: ...... یہ کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آں حضرت ﷺ کے وقت میں اس دیوار میں کچھ تھوڑا سا سوراخ ہوگیا ہے۔

ہفتم: ...... یہ کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ یاجوج وماجوج ہر روز اس دیوار کو چھیلتے ہیں اور پھر وہ دیوار بحکم الٰہی ویسی ہی ہوجاتی ہے۔ یعنی دبیز اور موٹی ہوجاتی ہے مگر قیامت کے قریب ایک روز وہ ان شاء اللہ کہہ کر اس دیوار کو چھیلیں گے تو ان شاء اللہ کی برکت سے اس میں وسیع سوراخ کھل جائے گا اور اگلے روز اس دیوار کو توڑ کر باہر نکل سکیں گے۔

ہشتم: ...... یہ کہ یاجوج وماجوج باوجود انسان ہونے کے عام انسانوں سے قوت میں بہت زیادہ ہیں اور عددی کثرت میں تو اس قدر زیادہ ہیں کہ ان میں اور عام بنی آدم میں وہ نسبت ہے جو ایک اور ہزار میں ہے اور سب کافر ہیں اور جہنمی ہیں۔

نہم: ...... یہ کہ ان کا خروج حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وقت میں ہوگا اور اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے خاص لوگوں کو کوہ طور پر لے جائیں گے اور باقی لوگ اپنے طور پر کسی قلعہ یا مکان میں محفوظ ہوجائیں گے۔

دہم: ...... یہ کہ یاجوج وماجوج حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا سے دفعۃً غیر معمولی موت مرجائیں گے ان کی گردنوں میں اللہ تعالیٰ ایک نغف (طاعونی کیڑا) پیدا فرمادیں گے جس سے وہ سب ہلاک ہوجائیں گے۔

یہ دس اوصاف ہیں جن میں سے اول کے پانچ اوصاف قرآن کریم میں مذکور ہیں اور اخیر کے پانچ اوصاف احادیث صحیحہ اور مشہورہ میں مذکور ہیں۔

پس جو شخص ان اوصاف کو ملحوظ اور پیش نظر رکھے گا تو اس کو معلوم ہوجائے گا کہ مؤرخین نے جن دیواروں کا پتہ بتایا ہے مجموعی طور پر یہ اوصاف کسی دیوار میں بھی نہیں پائے جاتے۔ پس مؤرخین نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ صحیح نہیں اور ان دیواروں میں سے کوئی دیوار، دیوار ذوالقرنین کا مصداق نہیں اور احادیث صحیحہ وصریحہ کا انکار گمراہی ہے اور ان میں تاویل کرنا الحاد ہے اور بے دینی ہے۔ لہٰذا یہی کہا جائے گا کہ جس دیوار کی خدا تعالیٰ نے خبر دی ہے اس کی صحیح اور واقعی جگہ اسی کو معلوم ہے ہم اس کی خبر پر یقین رکھتے ہیں اور اس کی تعیین کو اس کے علم کے حوالہ اور سپرد کرتے ہیں جیسا کہ ہم علامہ آلوسی رحمہ اللہ کا کلام روح المعانی سے نقل کرچکے ہیں۔

یاجوج ماجوج کون ہیں:......لوگوں نے اس میں کلام کیا ہے کہ یاجوج ماجوج کون لوگ ہیں۔ جمہور علماء تفسیر وحدیث کا قول یہ ہے کہ یاجوج وماجوج بنی نوع انسان کی دو قوموں یا دو قبیلوں کا نام ہے آدم علیہ السلام اور حوا علیہا السلام کی اولاد سے ہیں اور یافث بن نوح علیہ السلام کی نسل سے ہیں جو ترک کا جد اعلیٰ ہے اور ترک اس خاندان کی ایک شاخ ہے جو سد ذوالقرنین کے اس طرف ترک کر دیئے گئے تھے یعنی چھوڑ دیئے گئے تھے۔ گویا کہ لفظ ترک متروک سے مشتق ہے، اور یہ لوگ کافر ہیں اور دوزخی ہیں اور اس قدر کثیر اور بیشمار ہیں کہ ان میں اور اہل بہشت میں وہ نسبت ہے کہ جو ایک اور ہزار میں ہے۔ امم سابقہ ولاحقہ میں سے جس قدر افراد دوزخ میں جائیں گے ان تمام کے مقابلہ میں اکثریت یاجوج وماجوج کی ہوگی۔ بخاری کی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن آدم علیہ السلام کو حکم دیں گے کہ اپنی اولاد سے دوزخ کا لشکر جدا کیجیے عرض کریں گے کہ کس قدر۔ ارشاد ہوگا ہر ہزار سے ایک کم ہزار۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ یاجوج وماجوج آدم علیہ السلام کی اولاد سے تو ہیں مگر حوا کے پیٹ سے نہیں گویا کہ وہ عام آدمیوں کے محض باپ شریک بھائی ہیں۔ حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ بات سوائے کعب احبار رضی اللہ عنہ کے اور کسی سے منقول نہیں اور بعض کہتے ہیں کہ یاجوج وماجوج ترکوں کے دو قبیلے ہیں۔

صحیح قول یہ ہے کہ یاجوج وماجوج دو قومیں ہیں اور یافث بن نوح علیہ السلام کی اولاد سے ہیں جو بطن حواء سے پیدا ہوئی اور ان کے حالات اور صفات کے بارے میں جو آثار اور اخبار وارد ہوئے ہیں ان پر نظر کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یاجوج وماجوج اگرچہ نسل آدم سے ہیں اور ظاہری صورت اور شکل کے اعتبار سے آدمی اور انسان ہیں لیکن طبعی اور مزاجی کیفیت کے لحاظ سے وحشی درندہ اور حیوان ہیں اور افعال اور اعمال کے اعتبار سے جنات سے ملتے جلتے ہیں۔ گویا کہ قوم یاجوج وماجوج تمام انسانوں اور جنات کے درمیان ایک برزخی مخلوق ہے جو فتنہ اور فساد پھیلانے میں جنات کا نمونہ ہے عام انسان ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے اس لیے وہاں کے باشندوں نے ذوالقرنین سے درخواست کی کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان کوئی آہنی دیوار قائم کر دیں جس سے ان کا راستہ بند ہو جائے اور ہم ان کے شر سے محفوظ ہو جائیں چنانچہ ذوالقرنین نے ایک آہنی دیوار بنا کر ان کو پہاڑ کے پیچھے دھکیل دیا۔

قرآن کریم میں یاجوج وماجوج کا ذکر اجمالاً اور مختصراً آیا ہے اور احادیث میں کچھ تفصیل آئی ہے۔ بہرحال قرآن اور حدیث سے یہ امر قطعی طور پر ثابت ہے کہ یاجوج ذوالقرنین کی بنائی ہوئی آہنی دیوار کے پیچھے بند ہیں قیامت سے پہلے اس سے باہر نہیں آسکتے جس طرح دجال اکبر ایک جزیرہ میں محبوس اور مقید ہے اور اخیر زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانۂ نزول میں اس کا اپنے جزیرہ سے خروج ہوگا اسی طرح یاجوج وماجوج اس آہنی دیوار کے پیچھے محبوس ہیں ان کا خروج بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ہوگا۔ اس وقت یہ مفسد قوم دنیا پر خروج کرے گی اور دنیا میں اودھم مچائے گی بالآخر حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کی دعا سے دفعۃً غیر معمولی موت مر جائے گی اور اس شان اور صفت اور اس طاقت کی کوئی قوم اب تک ظاہر نہیں ہوئی اور نہ اب تک کسی کو اس قوم کا پتہ لگ سکا ہے۔ حسب وعدۂ خداوندی قیامت کے قریب اس قوم کا ظہور اور خروج ہوگا۔ خروج دجال کے بعد قوم یاجوج وماجوج کا خروج ہوگا۔ اور اس زمانہ کے بعض روشن خیال مصنف یہ خیال کرتے ہیں کہ یاجوج ماجوج سے چینی یا روسی یا دوسری وحشی قومیں مراد ہیں جو کہ منگولیا اور منچوریا یا کوریا کے قریب آباد ہیں یا وہ تاتاری اور

چنگیز لوگ مراد ہیں جنہوں نے خلافت بغداد کو درہم برہم کیا یا وہ وحشی قومیں مراد ہیں جو آرمینیہ کے پہاڑوں کے قریب رہتی ہیں۔ ان مصنفین کا خیال یہ ہے کہ پہلے زمانہ میں ان وحشی اور درندہ صفت قوموں کو یاجوج و ماجوج کہا جاتا ہے مگر اب وہ تعلیم یافتہ اور متمدن ہو گئے ہیں اور اب وہ یاجوج و ماجوج نہیں رہے اور نہ وہ اب کسی دیوار کے پیچھے بند ہیں وہ آہنی دیوار یا تو ختم ہو گئی ہے یا ان یاجوج و ماجوج نے اپنے خروج کے لیے کوئی دوسرا راستہ نکال لیا ہے اور باقاعدہ پاسپورٹ لے کر ہمارے ملکوں میں آ جا رہے ہیں۔ یہ سب خرافات ہے۔ قرآن و حدیث میں یاجوج و ماجوج کی جن صفات کا ذکر ہے وہ صفات ان قوموں پر منطبق نہیں ہوتیں۔

از روئے قرآن و حدیث یاجوج و ماجوج اس دیوار کے پیچھے بند ہیں وقت معین سے پہلے ہمارے ملکوں میں نہیں آ سکتے اور جو وحشی ہمارے ملکوں میں آتے جاتے ہیں وہ اصل میں یاجوج و ماجوج نہیں اور جو اصلی اور واقعی یاجوج و ماجوج ہیں وہ دیوار کے پیچھے بند ہیں اور یہ متمدنین جن کو یاجوج و ماجوج خیال کرتے ہیں وہ یہ یاجوج و ماجوج نہیں جن کی قرآن و حدیث میں خبر دی گئی ہے۔ تاتاریوں [1] اور وحشیوں کو یاجوج و ماجوج سمجھ لینا ایک خام خیال ہے جس کی کوئی سند نہیں۔

مرزائے قادیان کا ہذیان: ...... مرزائی یہ کہتے ہیں کہ یاجوج و ماجوج سے انگریز اور روس مراد ہیں اور جب ان کا خروج ہو چکا تو اس کے لیے مسیح کی آمد ضروری ہے اور وہ مسیح موعود مرزا غلام احمد قادیانی ہے تھوڑی دیر کے لیے اگر قادیان کے اس ہذیان اور دلخراش سماعت کو بادل ناخواستہ برداشت کر لیا جائے تو سوال یہ ہے کہ احادیث صحیحہ اور صریحہ سے یہ ثابت ہے کہ یاجوج و ماجوج حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا سے دفعتاً ہلاک ہو جائیں گے جس کی صورت یہ ہوگی کہ ان کی گردنوں میں دفعتاً کوئی طاعونی کیڑا نمودار ہوگا جس سے سب کے سب ہلاک ہو جائیں گے اور ایک ہی رات میں مر جائیں گے اور تمام دنیا متعفن اور بدبودار ہو جائے گی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ بڑی لمبی گردن والے پرندے بھیجے گا جو ان کی لاشوں کو اٹھا کر سمندر میں پھینک دیں گے اور بعد ازاں ایک بارش ہوگی جس سے زمین دھل جائے گی۔ یہ مضمون بیشمار حدیثوں سے ثابت ہے۔

مرزائی بتلائیں اگر یاجوج و ماجوج سے انگریز اور روس مراد ہیں اور مرزا صاحب مسیح موعود ہیں تو مرزا صاحب نے انگریز اور روس کے لیے کب بددعا کی اور کس شہر کے انگریز اور روسی لوگ مرزا صاحب کی بددعا سے ایک رات میں ہلاک ہوئے اور صبح ہوتے ہی سب کے سب مردہ پائے گئے اور کس مہینہ اور کس سال میں لمبی گردن والے پرندوں نے ان کی لاشوں کو کون سے سمندر میں لے جا کر ڈالا؟

مرزا قادیان تو یاجوج و ماجوج (عیسائی اقوام) کی عروج اور ترقی کے لیے دعا ہی کرتا ہوا مر گیا اور اپنے مریدوں کو ان کی وفاداری اور دعا کی وصیت کر گیا۔

کیا کسی حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ مسیح زماں اور مہدی دوراں یاجوج و ماجوج کے عروج اور بقاء کے لیے دعا

[1] علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ روح المعانی: ۱۶/ ۴۲ میں لکھتے ہیں: ويعلم مما تقدم ومما سياتي ان شاء الله تعالى بطلان مايزعمه بعض الناس من انهم التاتار الذين اكثروا الفساد في البلاد وقتلوا الاخيار والاشرار ولعمري ان ذلك الزعم من الضلالة بمكانٍ وان كان بين ياجوج وماجوج واولئك الكفرة مشابهة تامة لاتخفى على الواقفين على اخبار ما يكون وما كان ابطال مايزعمه بعض الناس من انهم التاتار۔ انتهى۔

کرے گا اور اپنی امت کو انکے لیے دعا کا حکم دے گا؟ نیز مرزا قادیان کے نزدیک دجال سے با اقبال قومیں مراد ہیں تو سوال یہ ہے کہ مرزائے قادیان جو مدعی مسیحیت ہے یہ بتلائے کہ اس نے با اقبال قوموں میں سے کس دجال کو قتل کیا؟ نزول مسیح کا اہم مقصد قتل دجال ہے۔ خود مرزا ازالۃ الاوہام صفحہ ۷ ۱۴ میں لکھتا ہے لکل دجال عیسیٰ (دیکھو افادۃ الافہام: ۲/۱۵۰) حیرت کا مقام کہ مرزا با اقبال قوموں کو دجال بتاتا ہے اور بجائے انکے مقابلہ اور مقاتلہ کے انکی دعا گوئی اور خوشامد میں مصروف ہے۔

تتمہ قصۂ ذوالقرنین

وذکر انہدام دیوار ذوالقرنین وخروج یاجوج وماجوج ونفخ صور

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ ... الی ... لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا﴾

ربط: ......گزشتہ آیات میں ذوالقرنین کا یہ قول نقل فرمایا تھا۔ ﴿هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ ۚ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّيْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ﴾ کہ یہ دیوار اللہ کی رحمت اور اس کی نعمت ہے عرصہ دراز تک باقی رہے گی مگر جب خروج یاجوج و ماجوج کے وعدے کا وقت آئے گا تو یہ دیوار ٹوٹ جائے گی اور یہ یاجوج و ماجوج کی قوم جو اب اس سد کے پیچھے بند ہے نکل پڑے گی۔

اب آئندہ آیات میں خروج یاجوج و ماجوج کے وعدہ کا وقت ذکر فرماتے ہیں کہ یہ وعدہ قیامت کے قریب پورا ہوگا اور اس کے چند روز بعد صور پھونک دیا جائے گا اور بساط عالم لپیٹ دی جائے گی۔

یا یوں کہو کہ گزشتہ آیات میں ذوالقرنین کا قول نقل کیا کہ یہ دیوار اگرچہ کتنی ہی مضبوط اور مستحکم کیوں نہ ہو مگر فنا سے کوئی چیز محفوظ نہیں رہ سکتی۔ اب اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ذوالقرنین نے جو کہا وہ ٹھیک کہا اور واقعی ایک روز ہم اس دیوار کو ریزہ ریزہ کردیں گے اور یاجوج و ماجوج کا بند کھول دیں گے اس روز جو حالت پیش آئے گی آئندہ آیت میں اس کا ذکر ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور جب اس آہنی دیوار کے انہدام اور یاجوج و ماجوج کے خروج کا وقت موعود آئے گا اور حسب وعدہ یہ مفسد قوم اس دیوار کو توڑ کر نکل پڑے گی تو اس روز ہم اس مفسد قوم کو ایسی حالت میں کر چھوڑیں گے کہ وہ کثرت ازدحام سے ایک دوسرے میں خلط ملط اور گڈمڈ ہو جائیں گے۔

یعنی اس دیوار کے منہدم ہوتے ہی اتنی کثیر تعداد میں نکل پڑیں گے کہ کثرت ازدحام کی وجہ سے ایک دوسرے میں گڈمڈ ہو جائیں گے اور ٹڈی دل کی طرح امڈ پڑیں گے اور ایک دوسرے میں گھس پڑیں گے۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ کی رحمت ہے کہ یہ دیوار بن گئی اور یہ روک قائم ہوگئی۔ اسی کی رحمت سے یہ دیوار اور روک ایک میعاد معین تک قائم رہے گی۔

البتہ قیامت کے قریب جب خروج یاجوج و ماجوج کے وعدہ کا وقت آئے گا تو یہ دیوار ٹوٹ جائے گی اور یہ روک ہٹا

دی جائے گی اور یاجوج وماجوج دنیا میں پھیل پڑیں گے اور خوب قتل وغارت کریں گے اور دنیا ان کے مقابلہ سے عاجز ہوگی۔

اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام بارگاہ خداوندی میں دست دعا دراز کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کو غیبی وباء سے ہلاک کر دے گا جس کی تفصیل احادیث میں آئی ہے اور ان کے اس تموج اور اضطراب کے بعد قیامت کا سامان شروع ہوگا۔

حتیٰ کہ اول بار صور پھونکا جائے گا جس سے سارا عالم فنا ہو جائے گا۔ پھر چالیس سال بعد دوبارہ صور پھونکا جائے گا جس سے سب زندہ ہو جائیں گے پھر ہم سب کو ایک ایک کر کے میدان حشر میں حساب وکتاب کے لیے جمع کریں گے کہ کوئی باقی نہ رہے گا اور اس روز حساب وکتاب اور فیصلہ سے پہلے دوزخ کو کافروں کے روبرو کر دیں گے۔ تا کہ داخل ہونے سے پہلے اس کو دیکھ لیں کہ وہ کیسی ہے اور جان لیں کہ یہی وہ جہنم ہے جس کو ہم دنیا میں جھٹلایا کرتے تھے اور اب ان کو اسی میں داخل ہونا ہے اور یہ کافر جن کی آنکھوں کے سامنے دوزخ کر دی جائے گی وہ لوگ ہیں کہ جن کی آنکھیں دنیا میں ہماری یاد سے پردہ میں تھیں یعنی ہماری آیات قدرت کے دیکھنے سے اندھے بنے ہوئے تھے کہ حق کو دیکھ نہیں سکتے تھے اور بہرے بھی بنے ہوئے تھے کہ بغض اور عداوت کی وجہ سے حق کو سن بھی نہ سکتے تھے اور ظاہر ہے کہ ایسا گروہ سوائے جہنم کے اور کس لائق ہے اور آیت میں آنکھ اور کان سے عقل کی آنکھ اور کان مراد ہیں اصل آنکھ اور کان دل کے ہیں اور سر کے آنکھ اور کان اس کے تابع ہیں۔

اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَاۗءَ ۭ اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ

اب کیا سمجھتے ہیں منکر کہ ٹھہرائیں میرے بندوں کو میرے سوا حمایتی ف۱ ہم نے تیار کیا ہے دوزخ کو

اب کیا سمجھے ہیں منکر؟ کہ ٹھہرا دیں میرے بندوں کو میرے سوا حمایتی۔ ہم نے رکھی ہے دوزخ

لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا ۝ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ۝ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي

کافروں کی مہمانی ف۲ تو کہہ ہم بتائیں تم کو کن کا کیا ہوا گیا بہت اکارت وہ لوگ جن کی کوشش بھٹکتی رہی

منکروں کی مہمانی۔ کہہ ہم بتادیں تم کو، کن کے کیے بہت اکارت؟ جن کی دوڑ بھٹک رہی ہے

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ۝ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ

دنیا کی زندگی میں اور وہ سمجھتے رہے کہ خوب بناتے ہیں کام ف۳ وہی ہیں جو منکر ہوئے اپنے رب کی نشانیوں

دنیا کی زندگی میں، اور وہ سمجھتے ہیں کہ خوب بناتے ہیں کام۔ وہی ہیں جو منکر ہوئے اپنے رب کی نشانیوں

ف۱ یعنی کیا منکرین یہ گمان کرتے ہیں کہ میرے خاص بندوں (مسیح، عزیر، روح القدس، فرشتوں) کو پرستش کر کے اپنی حمایت میں کھڑا کر لیں گے۔ ﴿كَلَّا ۭ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا﴾ (ہرگز نہیں! وہ خود تمہاری حرکات سے بیزاری کا اظہار فرمائیں گے اور تمہارے مقابل مدعی بن کر کھڑے ہوں گے)

ف۲ یعنی اس دھوکہ میں مت رہنا! وہاں تم کو کوئی نہیں پوچھے گا۔ ہاں ہم تمہاری مہمانی کریں گے۔ دوزخ کی آگ اور قسم قسم کے عذاب سے (اعاذنا اللہ منہا)

ف۳ یعنی قیامت کے دن سب سے زیادہ خسارہ میں وہ لوگ ہوں گے جن کی ساری دوڑ دھوپ دنیا کے لیے تھی آخرت کا کبھی خیال نہ آیا محض دنیا کی ترقیات اور مادی کامیابیوں کو بڑی معراج سمجھتے رہے (کذا یفہم من الموضح) یا یہ مطلب ہے کہ دنیاوی زندگی میں جو کام انہوں نے اپنے نزدیک اچھے سمجھ کر =

رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ۝١٠٥ ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ

سے اور اس کے ملنے سے ف۱ سو برباد گیا ان کا کیا ہوا پھر نہ کھڑی کریں گے ہم ان کے واسطے قیامت کے دن تول ف۲ یہ بدلہ ان کا ہے

سے اور اس کے ملنے سے، سو مٹ گئے ان کے کیے، پھر نہ کھڑی کریں گے ہم ان کے واسطے قیامت کے دن تول۔ یہ بدلہ ہے

جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا ۝١٠٦ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

دوزخ اس پر کہ منکر ہوئے اور ٹھہرایا میری باتوں اور میرے رسولوں کو ٹھٹھا ف۳ جو لوگ ایمان لائے ہیں اور کئے ہیں بھلے کام

ان کا دوزخ، اس پر کہ منکر ہوئے، اور ٹھہرائیں میری باتیں اور میرے رسول ٹھٹھا۔ جو لوگ یقین لائے ہیں اور کیے ہیں بھلے کام،

كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ۝١٠٧ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ۝١٠٨ قُلْ لَّوْ

ان کے واسطے ہے ٹھنڈی چھاؤں کے باغ مہمانی رہا کریں ان میں نہ چاہیں وہاں سے جگہ بدلنی ف۴ تو کہہ اگر

ان کو ہیں ٹھنڈی چھاؤں کے باغ، مہمانی۔ رہا کریں ان میں، نہ چاہیں وہاں سے جگہ بدلنی۔ تو کہہ، اگر

كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا

دریا سیاہی ہو کر لکھے میرے رب کی باتیں بیشک دریا خرچ ہو چکے ابھی نہ پوری ہوں میرے رب کی باتیں اور اگرچہ دوسرا بھی لائیں

دریا سیاہی ہو کہ لکھے میرے رب کی باتیں، بیشک دریا نبڑ چکے ابھی نہ نبڑیں میرے رب کی باتیں، اور اگر دوسرا بھی لا دیں

بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ۝١٠٩ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ

ہم ویسا ہی اس کی مدد کو ف۵ تو کہہ میں بھی ایک آدمی ہوں جیسے تم۔ حکم آتا ہے مجھ کو کہ معبود تمہارا ایک معبود ہے سو پھر جس کو

ہم ویسا اس کی مدد کو۔ تو کہہ میں بھی ایک آدمی ہوں جیسے تم، حکم آتا ہے مجھ کو کہ تمہارا صاحب ایک صاحب ہے۔ پھر جس کو

= کئے تھے خواہ واقع میں اچھے تھے یا نہیں وہ سب کفر کی نحوست سے وہاں بیکار ثابت ہوئے اور تمام محنت برباد گئی۔

ف۱ یعنی نہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کو مانا، نہ خیال کیا کہ کبھی اس کے سامنے حاضر ہونا ہے۔

ف۲ کافر کی حسنات مردہ ہیں اس ابدی زندگی میں کسی کام کی نہیں۔ اب محض کفریات وسیئات رہ گئیں۔ سو ایک پلہ کیا تلے تولنا تو موازنہ کیلئے تھا۔ موازنہ متقابل چیزوں میں ہوتا ہے۔ یہاں سیئات کے بالمقابل حسنہ کا وجود ہی نہیں۔ پھر تولنے کا کیا مطلب۔

ف۳ جو ٹھٹھا کرتے تھے اب اس کا مزہ چکھو۔

ف۴ یعنی ہمیشہ رہنے سے اکتائیں گے نہیں۔ ہر دم تازہ بتازہ نعمتیں ملیں گی۔ کبھی خواہش نہ کریں گے کہ ہم کو یہاں سے منتقل کر دیا جائے۔

ف۵ قریش نے یہود کے اشارہ سے روح، اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے متعلق سوال کیا تھا۔ سورۂ ہذا کی ابتداء میں "اصحاب کہف" کا اور آخر میں ذوالقرنین کا قصہ جہاں تک موضوع قرآن سے متعلق تھا۔ بیان فرمایا۔ اور روح کے متعلق سورۂ بنی اسرائیل میں فرما دیا۔ ﴿وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا﴾ اب خاتمہ سورۃ پر بتلاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے علم وحکمت کی باتیں بے انتہا ہیں۔ جو باتیں تمہارے ظرف واستعداد اور ضرورت کے لائق تھیں بتلائی گئیں۔ حق تعالیٰ کی معلومات میں سے اتنی بھی نہیں جتنا سمندر میں سے ایک قطرہ۔ فرض کرو اگر پورے سمندر کا پانی سیاہی بن جائے جس سے خدا کی باتیں لکھنی شروع کی جائیں۔ اس کے بعد دوسرا اور تیسرا ویسا ہی سمندر اس میں شامل کرتے رہو تو سمندر ختم ہو جائیں گے، پر خدا کی باتیں ختم نہ ہوں گی۔ یہیں سے سمجھ لو کہ قرآن اور دوسری کتب سماویہ کے ذریعہ سے خواہ کتنا ہی وسیع علم بڑی سے بڑی مقدار میں کسی کو دے دیا جائے، علم الٰہی کے سامنے وہ بھی قلیل ہے۔ گویا فی حد ذاتہ اسے کثیر کہہ سکیں۔

يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ﴿۱۱۰﴾ ع ۱۲

امید ہو ملنے کی اپنے رب سے سو وہ کرے کچھ کام نیک اور شریک نہ کرے اپنے رب کی بندگی میں کسی کو ف ا

امید ہو ملنے کی اپنے رب سے، سو کرے کچھ کام نیک، اور ساجھا نہ رکھے اپنے رب کی بندگی میں کسی کا۔

خاتمۂ سورت بر توحید و رسالت و تذکیر آخرت

قَالَ اللهُ تَعَالٰی: ﴿اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ... الی... وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا﴾

ربط:...... سورت کا آغاز توحید اور رسالت اور تذکیر آخرت سے ہوا تھا۔ اب سورت کو انہی تین مضامین پر ختم کرتے ہیں اور جن لوگوں نے از راہ تمرد و سرکشی، احکام خداوندی کے قبول کرنے سے اعراض کیا تھا ان پر تہدید فرماتے ہیں اور قرآن کریم کی حقانیت بیان فرماتے ہیں کہ وہ خدا کے بیشمار علوم پر مشتمل ہے اور اخیر میں ﴿قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ﴾ سے آنحضرت ﷺ کو حکم دیتے ہیں کہ آپ ﷺ لوگوں سے کہہ دیجیے کہ مجھے خدا نہ سمجھ لینا میں بھی تمہاری طرح ایک بشر ہوں خدا اور فرشتہ نہیں مگر خدا تعالیٰ کا رسول برحق ہوں۔ صاحب وحی ہوں احکام شریعت میں میری اطاعت کرو مگر خدا تعالیٰ کی عبادت اور بندگی میں ظاہراً اور باطناً ذرہ برابر کسی کو شریک نہ کرو اس لیے کہ اس کی قدرت بھی لامحدود ہے اور اسکا علم بھی غیر محدود ہے۔ سمندروں کی بھی ایک حد ہے مگر اللہ کے کلمات اور اس کے علوم کی کوئی حد نہیں اور بندہ کو جو علم دیا گیا ہے وہ نہایت ہی قلیل ہے۔ ﴿وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا﴾۔ لہٰذا کسی توریت اور انجیل کے عالم کو اپنے علم پر فخر کرنا اور ناز کرنا جائز نہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کیا پھر ان کافروں نے یہ گمان کیا ہے کہ مجھ کو چھوڑ کر میرے بندوں کو اپنا کارساز بنالیں مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں نے فرشتوں کو اور مسیح علیہ السلام اور عزیر علیہ السلام کو اپنا کارساز ٹھہرالیا ہے کیا ان کا گمان یہ ہے کہ انکو کچھ نفع پہنچائیں گے یا ان کی حمایت اور شفاعت کریں گے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ وہ قیامت کے دن تم سے بیزاری کا اظہار کریں گے۔ خوب سمجھ لیں کہ تحقیق ہم نے دوزخ کو کافروں کی مہمانی کے لیے تیار کیا ہے وہاں پہنچتے ہی طرح طرح کے عذاب سامنے رکھ دیے جائیں گے۔ آپ کہہ دیجیے کہ کیا میں تم کو خبر دوں ان لوگوں کی جو باعتبار اعمال کے خسارہ اور گھاٹے میں ہیں؟ وہ ایسے لوگ ہیں جن کی دنیاوی زندگی میں تمام کری کرائی محنت اور جدوجہد بیکار ہوگئی اور وہ یہ سمجھتے رہے کہ ہم اچھے کام کر رہے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ بہت سے کافر بہت سے اعمال اپنے گمان میں اچھے سمجھ کر کرتے رہے ہیں اور یہ سمجھتے رہے کہ ہم کو ہمارے ان اعمال کا

ف ا یعنی میں بھی تمہاری طرح بشر ہوں، خدا نہیں، جو خود بخود ذاتی طور پر تمام علوم و کمالات حاصل ہوں، ہاں اللہ تعالیٰ علوم حقہ اور معارف قدسیہ میری طرف وحی کرتا ہے جن میں اصل اصول علم توحید ہے۔ اسی کی طرف میں سب کو دعوت دیتا ہوں۔ جس کسی کو اللہ تعالیٰ سے ملنے کا شوق یا اس کے سامنے حاضر کیے جانے کا خوف ہو اسے چاہیے کہ کچھ بھلے کام شریعت کے موافق کر جائے اور اللہ تعالیٰ کی بندگی میں ظاہر او باطناً کسی کو کسی درجہ میں بھی شریک نہ کرے۔ یعنی شرک جلی کی طرح ریا وغیرہ شرک خفی سے بھی بچتا رہے۔ کیونکہ جس عبادت میں غیر اللہ کی شرکت ہو وہ عابد کے منہ پر ماری جائے گی۔ "اَللّٰھُمَّ اَعِذْنَا مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا" اس آیت میں اشارہ کر دیا کہ نبی کا علم بھی متناہی اور عطائی ہے، علم خداوندی کی طرح ذاتی اور غیر متناہی نہیں۔ تم سورۃ الکہف بفضل اللہ تعالیٰ ومنہ وللہ الحمد اولاً و آخراً۔

ثواب ملے گا۔ مگر ان کا یہ گمان غلط ہے کفر کی نحوست سے وہاں سب اعمال بے کار ثابت ہوں گے اور ان کی دنیاوی زندگی کی تمام کوشش اکارت جائے گی۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ان لوگوں نے اپنے پروردگار کی نشانیوں کا انکار کیا۔ یعنی دلائل توحید کا انکار کیا اور قیامت کے دن اپنے پروردگار کے سامنے پیش ہونے کا انکار کیا یعنی قیامت اور دار آخرت کا انکار کیا۔ اور اگر کچھ مانا بھی تو شریعت کی ہدایت اور منشاء کے مطابق نہ مانا۔ اور اپنے زعم اور خیال کے مطابق، آخرت کو مانا پس اس کفر کی وجہ سے ان کے تمام اعمال اکارت گئے یعنی جو کام ظاہر میں نیک معلوم ہوتے ہیں وہ سب حبط اور ضبط ہو جائیں گے۔ اور بالکل خالی ہاتھ رہ جائیں گے اور ایک دم امیدوں پر پانی پھر جائے گا۔ پس قیامت کے دن ہم ان کے نیک اعمال کے لیے کوئی وزن قائم نہیں کریں گے وزن قائم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن ان کے اعمال کی کوئی قدر و قیمت نہ ہوگی۔ بے جان اور بے روح ہوں گے اور اپنے اندر کوئی وزن نہ رکھیں گے اور جب وزن کے لیے لائے جائیں گے تو ان کا کچھ وزن نہ ہوگا اور جن اعمال کو وہ اپنے زعم میں نیک اور موجب ثواب سمجھتے تھے، وہ سب بے وزن ثابت ہوں گے۔ دنیا میں ان اعمال کی ظاہری صورت سے شبہ ہوتا تھا کہ ان اعمال میں کچھ وزن ہے لیکن قیامت کے دن حقیقت واضح ہو جائے گی کہ سب بے جان اور بے وزن ہیں میزان اعمال تو قیامت کے دن نیک و بد، مومن و کافر سب کے لیے قائم ہو جائے گی۔ مگر کافر جب اپنے اعمال کو لے کر آئیں گے اور ان کو تولا جائے گا تو ان میں کچھ بھی وزن نہ ہوگا۔ ایمان اور اخلاص سے خالی ہونے کی وجہ سے تمام اعمال مردہ اور بے جان ہوں گے۔ صحیحین میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن ایک بڑا موٹا تازہ آدمی (کافر) لایا جائیگا اور اسکو تولا جائیگا مگر وہ مچھر کے پر کے برابر بھی وزن نہ رکھتا ہوگا۔ یہ بیان کر کے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر تم رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کی تصدیق چاہتے ہو تو یہ آیت پڑھ لو۔ ﴿فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا﴾ مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن خود کافروں کا بھی کوئی وزن نہ ہوگا اور نہ ان کے اعمال میں کوئی وزن ہوگا۔ کیونکہ وہ اعمال ایمان سے خالی ہوں گے بدی کے پلہ میں ان کے کفریات اور سیئات کو رکھا جائے گا اور ان کے قائل کرنے کے لیے ان کے گمان کے مطابق جو ان کے نزدیک ان کی نیکیاں تھیں ان کو بھی نیکیوں کے پلہ میں رکھا جائے گا مگر ان میں کوئی وزن بھی نہ ہوگا۔ لہٰذا یہ پلہ ہلکا رہے گا اور کفر کا پلہ بھاری رہے گا بلکہ وہی رہے گا۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ وزن قائم نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اعمال کے تولے بغیر ہی انہیں جہنم میں جانے کا حکم دے دیا جائے گا اس لیے کہ اعمال کا تولنا اس لیے ہوتا ہے کہ نیکیوں اور بدیوں کی مقدار الگ الگ معلوم ہو جائے اور جن کے پاس سوائے کفریات اور سیئات کے کچھ نہ ہو تو تولنے کی کیا ضرورت ہے؟ ایسے لوگ تو بغیر وزن ہی کے دوزخ کے مستحق ہیں۔ اس تقدیر پر میزان اعمال صرف ایمانداروں کے لیے ہوگی مگر صحیح قول وہ ہے جو پہلے ذکر کیا گیا۔ اس لیے کہ اہلسنت والجماعت کا مذہب ہے کہ قیامت کے دن مومن اور کافر سب کے اعمال کا وزن ہوگا۔ جس سے مقصود عدل و انصاف کا ظاہر کرنا ہوگا اور لوگوں کی حجت اور معذرت کو قطع کرنا ہوگا۔ کافروں کے اعمال بھی میزان اعمال میں تولنے کے لیے رکھے جائیں گے مگر ان کا کوئی وزن اور ثقل نہ ہوگا۔ لقولہ تعالیٰ ﴿وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولٰٓئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوٓا أَنفُسَهُم فِي

جَهَنَّمُ خٰلِدُوْنَ﴾ الآیۃ۔ یعنی ان کے اعمال کا اکارت ہونا اور ان کا بے وزن ہونا یہ ان کی سزا ہے یعنی جہنم ان کا ٹھکانہ ہوگا۔ اس وجہ سے کہ انہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کا اور ہمارے رسولوں کا مذاق اڑایا لہٰذا اب اس کفر اور استہزاء کا مزہ چکھو۔ اب ان کے مقابلہ میں اہل ایمان اور اہل اخلاص کا حال بیان کرتے ہیں۔

تحقیق جو لوگ ہماری آیتوں اور ہمارے رسولوں پر ایمان لائے اور شریعت کے مطابق انہوں نے نیک کام کیے تو ان کی مہمانی کے لیے فردوس کے باغات ہوں گے جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے نہ کوئی ان کو نکالے گا اور نہ وہاں سے اکتا کر جگہ بدلنا چاہیں گے۔ بعض مرتبہ انسان ایک جگہ طویل قیام سے اکتا جاتا ہے ان لوگوں کو ہر دم تازہ نعمتیں ملیں گے اس لیے کبھی اس بات کی خواہش نہ کریں گے کہ ہم کو یہاں سے کسی دوسری جگہ منتقل کر دیا جائے۔

اب آئندہ آیات میں اللہ تعالیٰ کے علوم کا غیر محدود اور لامتناہی ہونا بیان کرتے ہیں۔ آپ ﷺ کہہ دیجیے اگر سمندر میرے پروردگار کے علم وحکمت کی باتوں کے لکھنے کے لیے روشنائی بن جائے جس سے خدا کی باتیں لکھنی شروع کی جائیں تو میرے پروردگار کی باتیں ختم ہونے سے پہلے سمندر کے سمندر ختم ہو جائیں مگر میرے پروردگار کی باتیں ختم نہ ہوں۔ یعنی خدا تعالیٰ کے کلمات حکمت لکھنے کے لیے سمندر بھی کافی نہیں۔ اگرچہ ہم ویسا ہی سمندر اور اس کی مدد کے لیے لے آدیں۔ سمندر کے سمندر ختم ہو جائیں گے مگر اللہ تعالیٰ کے کلمات ختم نہ ہوں گے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے کلمات حکمت غیر متناہی ہیں اور متناہی غیر متناہی کو نہیں لکھ سکتا۔

شان نزول:...... یہود نے ایک مرتبہ مسلمانوں سے کہا کہ تم قرآن میں پڑھتے ہو ﴿وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا﴾۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جس کو حکمت دی گئی تو اس کو خیر کثیر دی گئی۔ نیز تم یہ بھی پڑھتے ہو ﴿وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا﴾ یعنی تم کو جو علم دیا گیا وہ قلیل ہے۔ یہ دونوں باتیں جمع کیسے ہو سکتی ہیں کیونکہ آپ خود اس بات کے مقر ہیں کہ ہم کو توریت دی گئی جو کتاب حکمت ہے اور حکمت خیر کثیر ہے تو پھر یہ کیسے کہا گیا کہ تم کو بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور مطلب یہ ہے کہ توریت اگرچہ خیر کثیر ہے لیکن اللہ کے کلمات حکمت کے مقابلہ میں قلیل ہے تمام مخلوقات کا علم اللہ تعالیٰ کے دریائے علم کے سامنے ایک قطرہ ہے بلکہ یہ بھی نہیں اللہ کا علم قدیم اور غیر متناہی ہے اور مخلوق کا علم حادث اور متناہی ہے۔

علم ہا از بحر علمش قطرہ ایں چوں خورشید است و آنہا ذرہ
گر کسے در علم صد لقمان بود پیش علم کاملش ناداں بود

اور اے نبی آپ کہہ دیجیے کہ میں تم ہی جیسا آدمی ہوں فرشتہ نہیں اور غیب سے واقف نہیں البتہ اللہ کا نبی ہوں۔ اللہ کی وحی مجھ پر نازل ہوتی ہے اور تمہارے سوال پر جو میں نے اصحاب کہف اور ذوالقرنین کا قصہ بیان کیا سو اللہ نے مجھ کو بذریعہ وحی کے اس پر مطلع کیا۔ منجملہ دلائل نبوت۔ یہ بھی نبوت اور رسالت کی دلیل ہے لہٰذا تم مجھ پر ایمان لاؤ اور شرک سے توبہ کرو اللہ کی طرف سے میرے پاس یہ وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہے کوئی اس کا شریک نہیں جس طرح تم اس کے بندے ہو میں بھی اس کا بندہ ہوں۔ عبدیت اور بشریت میں ہمارے ساتھ شریک ہوں مگر نبوت اور رسالت کے اعتبار سے سب سے بلند اور برتر ہوں حتیٰ کہ جبرائیل علیہ السلام اور میکائیل علیہ السلام بھی میرے وزیر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو نبوت و رسالت کا

منصب عطا کیا ہے۔ ظاہری طور پر میں تمہاری طرح بشر ہوں اور مخلوق ہوں مگر باطنی طور پر متخلق با خلاق الٰہی ہوں اور اندازۂ بشری سے خارج ہوں۔ نصاریٰ کی طرح میری توصیف میں مبالغہ مت کرو کہ مقام نبوت کو مقام الوہیت کے ساتھ ملا دو۔ خدا خدا ہے میں اسکا بندہ ہوں لہٰذا تم صرف اس کو پوجو اور مجھ کو صرف اس کا نبی مانو میں تم کو اس کا حکم سناتا ہوں۔ سو جس شخص کو اپنے پروردگار سے ملنے کی توقع اور امید ہو اور اس کی رضا اور خوشنودی اس کو مقصود ہو تو اس کو چاہیے کہ خدا کے رسول ﷺ کی ہدایت اور اس کی شریعت کے مطابق کچھ نیک کام کرے جس سے صرف خدا تعالیٰ کی رضامندی مقصود ہو اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے اگرچہ وہ شرک کتنا ہی صغیر اور خفی کیوں نہ ہو۔ حتی الوسع ہر قسم کے شرک سے بچتا رہے۔ ظاہراً اور باطناً کسی درجہ میں بھی کسی کو اللہ کی عبادت میں شریک نہ کرے اور کوئی عمل کسی کو دکھانے اور سنانے کے لیے بناوٹ سے نہ کرے اس لیے کہ ریا چھوٹا شرک ہے اور عمل کو غارت اور تباہ کرنے والا ہے۔

کلید در دوزخ است آں نماز ‌ ‌ ‌ ‌ کہ در چشم مردم گذاری دراز

شرک کی دو قسمیں ہیں ایک شرک جلی اور ایک شرک خفی۔ شرک جلی یہ ہے کہ آدمی خدا تعالیٰ کی ذات اور صفات اور عبادت میں کسی کو شریک کرے اور شرک خفی یہ ہے کہ نمود اور شہرت کے لیے کام کرے اور بعض مرتبہ وہ شرک اس قدر خفی ہوتا ہے کہ اندھیری رات میں کوہ صفا پر چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ خفی ہوتا ہے اور جو کام خالص اللہ کے لیے ہو اور غیر اللہ کا اس میں شائبہ نہ ہو وہ اخلاص ہے۔

چیست اخلاص آنکہ از غیر خدا ‌ ‌ ‌ ‌ فرد آئی در خلاء و در ملا

حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں اور کیا خوب فرماتے ہیں:

عبادت باخلاص نیت نکواست ‌ ‌ ‌ ‌ وگرنہ چہ آید ز بے مغز پوست

چہ زنار مغ درمیانت چہ دلق ‌ ‌ ‌ ‌ کہ در پوشی از بہر پندار خلق

بروئے ریا خرقہ سہلست دوخت ‌ ‌ ‌ ‌ گرش باخدا درتوانی فروخت

اللھم انی اعوذ بک من ان اشرک بک شیئا وانا اعلم بہ واستغفرک ولا حول ولا قوۃ الا باللہ نعوذ باللہ من الریاء فی العمل ونعتصم بہ من وقوع الزلل آمین یا رب العلمین

الحمدللہ آج بتاریخ ۱۹ ذوالحجۃ الحرام ۱۳۸۹ھ، یوم پنجشنبہ قبل از مغرب سورۂ کہف کی تفسیر سے فراغت ہوئی۔

فللہ الحمد اولاً واخراً وظاھراً وباطناً وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین وعلینا معھم۔ یا ارحم الراحمین ویا اکرم الاکرمین۔

تفسیر سورۂ مریم (علیہا السلام)

یہ سورۃ مکی ہے اس میں اٹھانوے آیتیں اور چھ رکوع ہیں اور اس سورۃ کا نام سورۂ مریم ہے کیوں کہ اس سورۃ میں حضرت مریم صدیقہ علیہا السلام کا قصہ بسط اور تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔ اس لیے یہ سورت انہی کے نام سے مشہور ہوئی۔

ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب صحابہ ہجرت کر کے حبشہ گئے اور شاہ نجاشی رحمۃ اللہ علیہ سے ملے تو بادشاہ نے جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تمہارا رسول جو کچھ لایا ہے اس میں سے جو تمہارے پاس ہے مجھے کچھ سناؤ۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے اس سورت کی شروع کی آیتیں پڑھیں۔ نجاشی اس قدر رویا کہ اس کی ڈاڑھی تر ہوگئی اور اساقفہ یعنی علماء اہل کتاب اس قدر روئے کہ ان کے سامنے جو کتابیں تھیں وہ بھیگ گئیں۔ نجاشی نے کہا کہ یہ کلام اور وہ پیغام جو عیسیٰ علیہ السلام لے کر آئے تھے ایک ہی مشکوٰۃ کے نور ہیں۔ (رواہ احمد والبیہقی وابن حاتم)

نجاشی صدق دل سے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آیا اور جب اس کا انتقال ہوگیا تو حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی اور بعض روایات میں ہے کہ عرصہ تک اس کی قبر پر نور دیکھا گیا۔

فائدہ: متعلقہ بہ نماز جنازہ غائبانہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہیں یہ ثابت نہیں ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوائے نجاشی کے کسی کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھی ہو۔ سو یہ نجاشی کی خصوصیت ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ بطور معجزہ نجاشی کا جنازہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حاضر کر دیا گیا تھا۔ جیسا کہ عمران [1] بن حصین رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اس کی تصریح ہے۔ اسی وجہ سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ غائبانہ نماز جنازہ کے قائل نہیں۔ بعض فقہاء نے اس کی اجازت دی ہے۔

ربط:...... گزشتہ سورت میں عجیب واقعات کا ذکر تھا اس سورت میں بھی عجیب عجیب واقعات کا ذکر ہے۔ اس سورت میں سب سے پہلے زکریا علیہ السلام کی دعا اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت کا قصہ ذکر فرمایا۔ اس کے بعد دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے واقعات ذکر کیے جن سے توحید اور رسالت اور مبدأ اور معاد کا اثبات مقصود ہے اور یہ بتلانا ہے کہ دیکھو کہ خدا پرستوں پر دنیا میں کیسی کیسی رحمتیں اور کیسی کیسی نعمتیں مبذول ہوئیں اور کس طرح حق تعالیٰ نے اپنے مخلص اور وفادار بندوں کی دستگیری فرمائی اور آخرت کی نعمتیں تو وہم و گمان اور تصور سے بالا اور برتر ہیں۔ دیکھو کہ خدا کے مخلص بندے کیسے ہوتے ہیں ان کے نقش قدم پر چلو۔

۱۹ سُوْرَةُ مَرْيَمَ مَكِّيَّةٌ ۴۴ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اٰیاتھا ۹۹ رکوعاتھا ٦

كٓهٰيٰعٓصٓ ① ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ② اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ③ قَالَ رَبِّ

یہ مذکور ہے تیرے رب کی رحمت کا اپنے بندہ زکریا پر ف۱ جب پکارا اس نے اپنے رب کو چھپی آواز سے ف۲ بولا اے میرے رب

یہ مذکور ہے تیرے رب کی مہر کا اپنے بندے زکریا پر۔ جب پکارا اپنے رب کو چھپی پکار۔ بولا، اے رب

ف۱ حضرت زکریا علیہ السلام "بنی اسرائیل" کے جلیل القدر انبیاء میں سے ہیں۔ بخاری میں ہے کہ نجاری (بڑھئی) کا پیشہ کرتے تھے اور اپنے ہاتھ سے محنت کر کے =

[1] عن عمران بن حصین رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان اخاکم النجاشی توفی فقوموا صلوا علیہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصفوا خلفہ فکبر اربعا وھم لا یظنون الا ان جنازۃ بین یدیہ رواہ ابن حبان کذا فی نصب الرّایۃ وفی روایۃ فصلینا خلفہ ونحن لا نری الا ان الجنازۃ قدامنا۔ کذا فی فتح الباری: ۱۵۱/۳۔

اِنِّیۡ وَہَنَ الۡعَظۡمُ مِنِّیۡ وَاشۡتَعَلَ الرَّاۡسُ شَیۡبًا وَّلَمۡ اَکُنۡۢ بِدُعَآئِکَ رَبِّ شَقِیًّا ④ وَاِنِّیۡ

بوڑھی ہوگئیں میری ہڈیاں اور شعلہ نکلا سر سے بڑھاپے کا ف۱ اور تجھ سے مانگ کر اے رب میں کبھی محروم نہیں رہا ف۲ اور میں

میرے! بوڑھی ہوگئیں ہڈیاں اور ڈیگ نکلی سر سے بڑھاپے کی، اور تجھ سے مانگ کر اے رب! میں محروم نہیں رہا۔ اور میں

خِفۡتُ الۡمَوَالِیَ مِنۡ وَّرَآءِیۡ وَکَانَتِ امۡرَاَتِیۡ عَاقِرًا فَہَبۡ لِیۡ مِنۡ لَّدُنۡکَ وَلِیًّا ⑤ یَّرِثُنِیۡ

ڈرتا ہوں بھائی بندوں سے اپنے پیچھے ف۳ اور عورت میری بانجھ ہے سو بخش تو مجھ کو اپنے پاس سے ایک کام اٹھانے والا جو میری

ڈرتا ہوں بھائی بندوں سے اپنے پیچھے، اور عورت میری بانجھ ہے، سو بخش مجھ کو اپنے پاس سے ایک کام اٹھانے والا۔ جو میری

وَیَرِثُ مِنۡ اٰلِ یَعۡقُوۡبَ ٭ۖ وَاجۡعَلۡہُ رَبِّ رَضِیًّا ⑥ یٰزَکَرِیَّاۤ اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلٰمِۣ اسۡمُہٗ

جگہ بیٹھے اور یعقوب کی اولاد کی ف۴ اور کر اس کو اے رب من مانتا ف۵ اے زکریا ہم تجھ کو خوشخبری سناتے ہیں ایک لڑکے کی جس کا نام ہے

جگہ بیٹھے، اور یعقوب کی اولاد کے، اور کر اس کو، اے رب! من مانتا۔ اے زکریا! ہم تجھ کو خوشی سناویں ایک لڑکے کی جس کا نام

=کھاتے تھے۔ان کا قصہ پہلے سورۂ آل عمران میں گزر چکا۔وہاں کے فوائد ملاحظہ کر لیے جائیں۔

ف۲ کہتے ہیں رات کی تاریکی اور خلوت میں پست آواز سے دعاء کی، جیسا کہ دعاء کا اصل قاعدہ ہے۔ ﴿اُدۡعُوۡا رَبَّکُمۡ تَضَرُّعًا وَّخُفۡیَۃً﴾ (اعراف، رکوع ۷) ایسی دعاء ریا سے دور اور کمال اخلاص سے معمور ہوتی ہے۔شاید یہ بھی خیال ہو کہ بڑھاپے کی عمر میں بیٹا مانگتے تھے۔اگر نہ ملے تو سننے والے ہنسیں، اور ویسے بھی عموماً بڑھاپے میں آواز پست ہو جاتی ہے۔

ف۱ یعنی بظاہر موت کا وقت قریب ہے، سر کے بالوں میں بڑھاپے کی سفیدی چمک رہی ہے اور ہڈیاں تک سوکھنے لگیں۔

ف۲ یعنی آپ نے اپنے فضل و رحمت سے ہمیشہ میری دعائیں قبول کیں اور مخصوص مہربانیوں کا خوگر بنائے رکھا اس آخری وقت اور ضعف و پیرانہ سالی میں کیسے گمان کروں کہ میری دعاء رد کر کے مہربانی سے محروم رکھیں گے۔بعض مفسرین نے ﴿وَلَمۡ اَکُنۡۢ بِدُعَآئِکَ رَبِّ شَقِیًّا﴾ کے معنی یوں کیے ہیں کہ اے پروردگار آپ کی دعوت پر میں کبھی شقی ثابت نہیں ہوا یعنی جب آپ نے پکارا برابر امتثال امر اور طاعت و فرمانبرداری کی سعادت حاصل کی۔

ف۳ ان کے بھائی بند قرابت دار نااہل ہوں گے۔ڈر یہ ہوا کہ وہ لوگ ان کے بعد اپنی بداعمالیوں اور غلط کاریوں سے راہ نیک نہ بگاڑ دیں اور جو دینی و روحانی دولت یعقوب علیہ السلام کے گھرانے میں منتقل ہوتی ہوئی حضرت زکریا علیہ السلام تک پہنچی تھی اسے اپنی شرارت اور بدتمیزی سے ضائع نہ کر دیں۔

ف۴ یعنی میں بوڑھا ہوں، بیوی بانجھ ہے، ظاہری سامان اولاد ملنے کا کچھ نہیں لیکن تو اپنی لامحدود قدرت و رحمت سے اولاد عطا فرما جو دینی خدمات کو سنبھالے اور تیری مقدس امانت کا بوجھ اٹھا سکے۔میں اس ضعف و پیری میں کیا کر سکتا ہوں، جی یہ چاہتا ہے کہ کوئی بیٹا اس لائق ہو جو اپنے باپ دادوں کی پاک گدی پر بیٹھ سکے۔ان کے علم و حکمت کے خزانوں کا مالک اور کمالات نبوت کا وارث بنے۔

(تنبیہ) احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے مال میں وراثت جاری نہیں ہوتی۔ان کی وراثت دولت علم میں چلتی ہے۔خود شیعوں کی مستند کتاب "کافی کلینی" سے بھی "روح المعانی" میں اس مضمون کی روایات نقل کی ہیں۔لہٰذا متعین ہے کہ "یَرِثُنِیۡ وَیَرِثُ مِنۡ اٰلِ یَعۡقُوۡبَ" میں وراثت مالی مراد نہیں۔جس کی تائید خود لفظ "آل یعقوب" سے ہو رہی ہے۔کیونکہ ظاہر ہے تمام "آل یعقوب" کے اموال و املاک کا وارث تنہا حضرت زکریا علیہ السلام کا بیٹا کیسے ہو سکتا تھا بلکہ نفس وراثت کا ذکر ہی اس موقع پر ظاہر کرتا ہے کہ مالی وراثت مراد نہیں۔کیونکہ یہ تو تمام دنیا کے نزدیک مسلم ہے کہ بیٹا باپ کے مال کا وارث ہوتا ہے۔پھر دعاء میں اس کا ذکر کرنا محض بیکار تھا۔یہ خیال کرنا کہ حضرت زکریا علیہ السلام کو اپنے مال و دولت کی فکر تھی کہ کہیں میرے گھر سے نکل کر بنی اعمام اور دوسرے رشتہ داروں میں نہ پہنچ جائے، نہایت پست اور ادنیٰ خیال ہے۔انبیاء علیہم السلام کی شان یہ نہیں ہوتی کہ دنیا سے رخصت ہوتے وقت دنیا کی متاع حقیر کی فکر میں پڑ جائیں کہ ہائے یہ کہاں جائے گی اور کس کے پاس رہے گی۔اور لطف یہ ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام بڑے دولت مند بھی نہ تھے، بڑھئی کا کام کر کے محنت سے پیٹ پالتے تھے بھلا ان کو بڑھاپے میں کیا غم ہو سکتا تھا کہ چار پیسے رشتہ داروں کے ہاتھ نہ پڑ جائیں۔العیاذ باللہ۔

ف۵ یعنی ایسا لڑکا دیجئے جو اپنے اخلاق و اعمال کے لحاظ سے میری اور تیری اور اچھے لوگوں کی پسند کا ہو۔

يَحْيٰى ۙ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ۝۷ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِيْ

یحییٰ نہیں کیا ہم نے پہلے اس نام کا کوئی ف۱ بولا اے رب کہاں سے ہوگا مجھ کو لڑکا اور میری عورت

یحییٰ۔ نہیں کیا ہم نے پہلے اس نام کا کوئی۔ بولا، اے رب! کہاں سے ہوگا مجھ کو لڑکا اور میری عورت

عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ۝۸ قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّقَدْ

بانجھ ہے اور میں بوڑھا ہوگیا یہاں تک کہ اکڑ گیا ف۲ کہا یونہی ہوگا ف۳ فرمادیا تیرے رب نے وہ مجھ پر آسان ہے اور تجھ کو

بانجھ ہے، اور میں بوڑھا ہوگیا یہاں تک کہ اکڑ گیا۔ کہا یوں ہی! فرمایا تیرے رب نے، وہ مجھ پر آسان ہے، اور تجھ کو

خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْـًٔا ۝۹ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْ اٰيَةً ۭ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ

پیدا کیا میں نے پہلے سے اور نہ تھا تو کوئی چیز ف۴ بولا اے رب ٹھہرا دے میرے لیے کوئی نشانی فرمایا تیری نشانی یہ کہ بات نہ کرے تو

بنایا میں نے پہلے سے، اور تو نہ تھا کچھ چیز۔ بولا اے رب! ٹھہرا دے مجھ کو کچھ نشانی، فرمایا تیری نشانی یہ کہ بات نہ کرے تو

النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ۝۱۰ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا

لوگوں سے تین رات تک صحیح تندرست ف۵ پھر نکلا اپنے لوگوں کے پاس حجرہ سے تو اشارہ سے کہا ان کو کہ یاد کرو

لوگوں سے تین رات تک چنگا بھلا۔ پھر نکلا اپنے لوگوں پاس حجرے سے تو اشارت سے کہا ان کو، کہ یاد کرو

بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ۝۱۱ يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ۭ وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ۝۱۲ وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا

صبح اور شام ف۶ اے یحییٰ اٹھا لے کتاب زور سے ف۷ اور دیا ہم نے اس کو حکم کرنا لڑکپن میں ف۸ اور شوق دیا اپنی طرف سے

صبح و شام۔ اے یحییٰ اٹھا لے کتاب زور سے۔ اور دیا ہم نے اس کو حکم کرنا لڑکپن میں۔ اور شوق دیا اپنی طرف سے

ف۱ یعنی دعاء قبول ہوئی اور لڑکے کی بشارت پہنچی۔ جس کا نام (یحییٰ) قبل از ولادت حق تعالیٰ نے تجویز فرمادیا۔ نام بھی ایسا انوکھا جو ان سے پہلے کسی کا نہ رکھا گیا تھا۔ بعض سلف نے یہاں "سمی" کے معنیٰ "شبیہ" کے لیے ہیں۔ یعنی اس شان وصفت کا کوئی شخص ان سے پہلے نہیں ہوا تھا۔ شاید یہ مطلب ہو کہ بوڑھے مرد اور بانجھ عورت سے کوئی ایسا لڑکا اس وقت تک پیدا نہیں کیا گیا تھا۔ یا بعض خاص احوال وصفات (مثلاً رقت قلب اور غلبہ بکا وغیرہ) میں ان کی مثال پہلے نہ گزری ہوگی۔ واللہ اعلم۔

ف۲ آدمی کا قاعدہ ہے کہ جب غیر متوقع اور غیر معمولی خوشخبری سنے تو مزید طمانیت واستلذاذ کے لیے بار بار پوچھتا اور کھود کرید کیا کرتا ہے۔ اس تحقیق وتفحص سے لذت تازہ حاصل ہوتی اور بات خوب پکی ہوجاتی ہے یہ ہی منشاء حضرت زکریا علیہ السلام کے سوال کا تھا۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں" انوکھی چیز مانگتے تعجب نہ آیا۔ جب سنا کہ ملے گی تب تعجب کیا۔"

ف۳ تعجب کی کوئی بات نہیں۔ ان ہی حالات میں اولاد مل جائے گی اور مشیت ایزدی پوری ہوکر رہے گی۔

ف۴ یہ فرشتہ نے کہا۔ یعنی تمہارے نزدیک ظاہری اسباب کے اعتبار سے ایک چیز مشکل ہو تو خدا کے یہاں مشکل نہیں۔ اس کی قدرت عظیمہ کے سامنے سب آسان ہے۔ انسان اپنی ہستی ہی کو دیکھ لے۔ ایک زمانہ تھا کہ یہ کوئی چیز نہ تھی اس کا نام ونشان بھی کوئی نہ جانتا تھا۔ حق تعالیٰ اس کو پردہ عدم سے وجود میں لایا۔ پھر جو قادر مطلق لاشئ محض کو شئ بنادے کیا وہ بوڑھے مرد اور بانجھ عورت سے بچہ پیدا نہیں کرسکتا۔ اس پر تو بطریق اولیٰ قدرت ہونی چاہیے۔

ف۵ یعنی باوجود تندرست ہونے کے جب کامل تین رات دن لوگوں کے ساتھ زبان سے بات چیت نہ کرسکے اس وقت سمجھ لینا کہ حمل قرار پاگیا ہے۔ اس کے متعلق مفصل کلام "آل عمران" کے فوائد میں گزر چکا۔ ملاحظہ کرلیا جائے۔ ....=

وَزَكٰوةً ؕ وَكَانَ تَقِيًّا ﴿۱۳﴾ وَّبَرًّا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ﴿۱۴﴾ وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ

اور ستھرائی اور تھا پرہیزگار ف۱ اور نیکی کرنے والا اپنے ماں باپ سے اور نہ تھا زبردست خودسر ف۲ اور سلام ہے اس پر جس دن

اور ستھرائی، اور تھا پرہیزگار۔ اور نیکی کرتا اپنے ماں باپ سے، اور نہ تھا زبردست بےحکم۔ اور سلام ہے اس پر، جس دن

وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ﴿۱۵﴾ ع

پیدا ہوا اور جس دن مرے اور جس دن اٹھ کھڑا ہو زندہ ہو کر ف۳

پیدا ہوا اور جس دن مرے، اور جس دن اٹھ کھڑا ہو جی کر۔

قصۂ اول، حضرت زکریا و حضرت یحییٰ علیہما السلام

قَالَ تَعَالٰی: ﴿كٓهٰيٰعٓصٓ ﴿۱﴾ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ... الی ... وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا﴾

ربط:...... حضرت زکریا علیہ السلام انبیاء بنی اسرائیل میں سے ہیں۔ صحیح بخاری میں ہے کہ وہ نجار (یعنی بڑھئی) کا پیشہ کرتے تھے اور اپنے ہاتھ کی محنت سے کما کر کھاتے تھے۔ ان کے کوئی فرزند نہ تھا اور اعزا اور اقربا کی طرف سے یہ کھٹکا تھا کہ میرے بعد دین حق میں تغیر و تبدل کر ڈالیں گے۔ جیسا کہ بنی اسرائیل میں ہوتا رہا۔ اس لیے انہوں نے پچھلی رات میں نہایت عجز و زاری کے ساتھ ایک فرزند کی دعا مانگی کہ جو میرے بعد تیرے دین کی حفاظت کر سکے اور دعا کا آغاز اپنے ضعف اور ناتوانی سے کیا۔ ﴿رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ﴾ الخ اے میرے پروردگار میں بوڑھا ہو گیا ہوں ہڈیاں کمزور ہو گئیں اور سر کے بال سپید

= ف۶ یعنی جب وہ وقت آیا تو زبان گفتگو کرنے سے رک گئی۔ حجرہ سے باہر نکل کر لوگوں کو اشارہ سے کہا کہ صبح و شام اللہ کو یاد کرو۔ نمازیں پڑھو۔ تسبیح و تہلیل میں مشغول رہو۔ یہ کہنا یا تو حسب معمول سابق وعظ و نصیحت کے طور پر ہو گا یا نعمت الٰہیہ کی خوشی محسوس کر کے چاہا کہ دوسرے بھی ذکر و شکر میں ان کے شریک حال ہوں۔ کیونکہ جیسا "آل عمران" میں گزرا حضرت زکریا کو حکم تھا کہ ان تین دن میں خدا کو بہت کثرت سے یاد کریں۔ اور خاص تسبیح کا لفظ شاید اس لیے اختیار کیا ہو کہ اکثر عجیب و غریب سماں دیکھنے پر آدمی "سبحان اللہ" کہا کرتا ہے۔

ف۷ یعنی تورات اور دوسرے آسمانی صحیفوں کو جو تم پر یا دوسرے انبیاء پر نازل کیے گئے ہوں، خوب مضبوطی اور کوشش سے تھامے رکھو۔ ان کی تعلیمات پر خود عمل کرو اور دوسروں سے کراؤ۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "یعنی علم کتاب لوگوں کو سکھلانے لگا زور سے۔ یعنی باپ ضعیف تھے اور یہ جوان۔"

ف۸ یعنی لڑکپن ہی میں ان کو حق تعالیٰ نے فہم و دانش، علم و حکمت، فراست صادقہ، احکام کتاب اور آداب عبودیت و خدمت کی معرفت عطا فرما دی تھی لڑکوں نے ایک مرتبہ انہیں کھیلنے کو بلایا کہا ہم اس واسطے نہیں بنائے گئے۔ بہت سے علماء کے نزدیک اللہ تعالیٰ نے عام عادت کے خلاف ان کو لڑکپن ہی میں نبوت بھی عطا فرما دی۔ واللہ اعلم

ف۱ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو شوق و ذوق، رحمت و شفقت، رقت و نرم دلی، محبت اور محبوبیت عنایت فرمائی تھی، اور صاف ستھرا، پاکیزہ رو، پاکیزہ خو، مبارک و سعید متقی و پرہیزگار بنایا، حدیث میں ہے کہ یحییٰ نے نہ کبھی گناہ کیا نہ گناہ کا ارادہ کیا۔ خدا کے خوف سے روتے روتے رخساروں پر آنسوؤں کی نالیاں سی بن گئی تھیں۔ علیہ وعلی نبینا الصلوٰۃ والسلام۔

ف۲ یعنی متکبر، سرکش اور خودسر نہ تھا۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "یعنی آرزو کے لڑکے اکثر ایسے ہوا کرتے ہیں۔" وہ ویسا نہ تھا۔

ف۳ اللہ جو بندہ پر سلام بھیجے محض تشریف و عزت افزائی کے لیے ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اس پر کچھ گرفت نہیں۔ یہاں ﴿يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا﴾ سے غرض تعمیم اوقات و احوال ہے۔ یعنی ولادت سے لے کر موت تک اور موت سے قیامت تک کسی وقت اس پر خوردہ گیری نہیں۔ خدا کی پکڑ سے ہمیشہ مامون و مصئون ہے۔

ہو گئے وغیرہ وغیرہ۔ کیونکہ بارگاہ خداوندی میں ضعف اور لاچارگی کا اظہار اجابت دعا کا بہترین ذریعہ اور وسیلہ ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کٓھٰیٰعٓصٓ اللہ تعالیٰ کو ہی اس کے معنی معلوم ہیں۔ یہ تذکرہ ہے تیرے پروردگار کی خاص رحمت وعنایت کا اپنے خاص بندے زکریا پر جس وقت انہوں نے اپنے پروردگار کو آہستہ آواز کے ساتھ پکارا جو دردمندی اور نیازمندی اور اخلاص سے معمور تھی۔ اس وقت جو اللہ کی خاص رحمت اور عنایت ان پر مبذول ہوئی ان آیات میں اس کا ذکر فرماتے ہیں اور پست آواز سے دعا اس لیے فرمائی کہ دعا کا ادب یہی ہے کہ وہ پست آواز سے ہو۔

کما قال تعالیٰ ﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً﴾ کیونکہ خدا تعالیٰ کے ہاں جہر اور اخفاء سب برابر ہیں۔ کما قال تعالیٰ ﴿وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى﴾ اور شاید لوگوں سے اس دعا کا چھپانا مقصود ہو کہ لوگ یہ دعا سن کر مجھ کو احمق نہ بتلائیں کہ بڑھاپے میں کیا ہو گیا کہ اولاد کی دعا مانگ رہے ہیں اور وہ دعا یہ کی کہ اے میرے پروردگار بڑھاپے کی وجہ سے میری ہڈیاں کمزور اور سست ہو گئیں اور سر بڑھاپے کی وجہ سے آگ کی طرح چمک اٹھا اور میری یہ حالت اگرچہ اولاد کی دعا سے مانع ہے۔ مگر اے پروردگار آپ سے دعا مانگنے میں کبھی محروم اور بے بہرہ نہیں رہا۔ آپ کی یہ گزشتہ الطاف وعنایات باوجود ظاہری اسباب کے فقدان کے مجھے دعا پر آمادہ کرتی ہیں اور میری یہ دعا کسی دنیوی غرض کے لیے نہیں جس میں یہ امکان اور احتمال ہو کہ انبیاء اور اصفیاء کی جو دعا کسی دنیاوی غرض کے لیے ہو وہ بعض مرتبہ قبول نہیں ہوتی بلکہ میری یہ دعا خالص دینی غرض کے لیے ہے اور اس درخواست کی اصل وجہ یہ ہے کہ تحقیق میں اپنے مرنے کے بعد اپنے وارثوں اور رشتہ داروں سے ڈرتا ہوں کہ وہ دین کی حفاظت میں اور اس کے قائم رکھنے میں سستی کریں یا دنیا میں پھنس کر دین کو خراب کریں اور تیری مرضی کے مطابق دین کی خدمت نہ بجا لاسکیں۔ اے پروردگار تیرے دین کی خدمت اور حفاظت کا خیال مجھے اسی دعا پر آمادہ کر رہا ہے اور میری بیوی تو شروع جوانی ہی سے بانجھ ہے۔ اور اب تو اٹھانوے برس کی بڑھیا ہے۔ ظاہر اسباب میں اولاد کا کوئی امکان نظر نہیں آتا۔ پس اے پروردگار ایسی حالت میں تو آپ مجھ کو خاص اپنے پاس سے بلا اسباب عادیہ کے ایک ایسا وارث یعنی ایسا بیٹا عطا کر جو علم وحکمت میں میرا بھی وارث ہو اور مرنے کے بعد میرا قائم مقام ہو اور میرے طریقۂ ہدایت وارشاد کو جاری رکھ سکے۔ اور اولاد یعقوب کا بھی وارث ہو یعنی خاندان یعقوب کا سچا جانشین ہو اور تیرے دین کا پاسبان اور نگہبان ہو۔

مطلب یہ ہے کہ اے پروردگار ایسا فرزند عطا فرما جو میرے علم کا اور آبا واجداد کے علم کا وارث ہو اور اے پروردگار میرے اس فرزند کو مقبول اور پسندیدہ بنالے۔ جس سے تو بھی راضی ہو اور مخلوق بھی اس سے راضی ہو۔ یعنی ایسا فرزند عطا فرما کہ جو علم وحکمت کے ساتھ اخلاق فاضلہ اور اعمال صالحہ کے ساتھ بھی موصوف ہو تاکہ وہ تیرے نزدیک مقبول اور پسندیدہ ہو سکے۔ اور اولاد یعقوب کے لیے تو نے جس کرامت اور برکت کا وعدہ کیا ہے وہ اس کا وارث ہو سکے۔ اے پروردگار اہل دنیا کی طرح مطلق فرزند کا طلب گار نہیں بلکہ ایسے وارث کا آرزومند ہوں جو تیرے نزدیک پسندیدہ اور برگزیدہ ہو اور تیرے دین کی حفاظت کرے۔

شیعہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے ترکہ میں وراثت جاری ہوتی ہے مگر ان کا یہ استدلال

بالکل غلط ہے اس لیے کہ اس آیت میں مال کی وراثت مراد نہیں بلکہ علم وحکمت کی وراثت مراد ہے۔

۱- کیونکہ اس وقت یعقوب علیہ السلام کی اولاد لاکھوں کی تعداد میں موجود تھی۔ لہٰذا یہ کیسے ممکن ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کے ایک فرزند تن تنہا تمام اولاد یعقوب کے اموال واملاک کے وارث بن جائیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کو انتقال کیے ہوئے دو ہزار برس سے زیادہ گزر چکے تھے۔ کیا وہ مال اب بجنسہ غیر منقسم رکھا ہوا تھا۔

۲- نیز مال کی وراثت کی دعا کرنا فضول ہے ہر لڑکا اپنے باپ کے مال کا وارث ہوتا ہی ہے۔ لہٰذا یرثنی کہنا بے کار اور لغو ہوا۔ معلوم ہوا کہ مال کی وراثت مراد نہیں۔

۳- نیز زکریا علیہ السلام تو نجار تھے جیسا کہ حدیث میں صراحۃً مذکور ہے کہ وہ بڑھئی کا کام کرتے تھے۔ جس سے وہ محنت کر کے روزانہ اپنی قوت لایموت حاصل کرتے تھے۔ ان کے پاس کون سا مال و دولت رکھا تھا جس کی وہ فکر میں تھے کہ میرے بعد اس دولت کا کون وارث ہوگا۔ یہ فکر تو دنیاداروں کو ہوتی ہے کہ مرنے کے بعد میرے مال کا کیا ہوگا۔

۴- مال کے وارث ہونے کے لیے اللہ سے بیٹا مانگنا شان نبوت کے بالکل منافی ہے مالی وراثت کی فکر تو دنیا داروں کو ہوتی ہے کہ ہمارے مرنے کے بعد ہمارا مال و دولت فرزند کو مل جائے۔ اور ﴿وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ﴾ کمال بیقراری و بے تابی پر دلالت کرتا ہے کہ تولد فرزند کے لیے اس لیے بیتاب ہیں کہ بنی اعمام ان کے مال کے وارث نہ ہو جائیں۔ تو یہ شان تو دنیاداروں کی ہے نہ کہ انبیاء علیہم السلام کی۔

۵- نیز احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے مال میں میراث جاری نہیں ہوتی بلکہ انبیاء کرام علیہم السلام جو چھوڑتے ہیں وہ سب صدقہ اور وقف ہوتا ہے اور اس قسم کی روایت شیعوں کی کلینی میں بھی موجود ہے۔

پس معلوم ہوا کہ آیت میں میراث نبوت مراد ہے مال کی وراثت مراد نہیں جیسا کہ ﴿وَوَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ﴾ میں میراث سے میراث نبوت مراد ہے کہ جو داؤد علیہ السلام کی اولاد میں سے صرف سلیمان علیہ السلام کو ملی کیونکہ اگر میراث مالی مراد ہوتی تو تمام اولاد میں سے سلیمان علیہ السلام کی کیا خصوصیت تھی۔ نیز اس خبر دینے سے کوئی فائدہ نہ ہوتا اس لیے کہ تمام ملتوں اور شریعتوں میں یہ بات معلوم اور مقرر ہے کہ مال میں بیٹا باپ کا وارث ہوتا ہے۔ پس اگر وراثت مالی مراد ہوتی تو اس خبر دینے کی ضرورت نہ تھی اس کی خبر دینا لغو ہے اور کلام الٰہی لغو سے پاک ہے۔

وراثت انبیاء علیہم السلام کے مسئلہ کی تفصیل سورۂ نساء کے شروع میں گزر چکی ہے۔ وہاں دیکھ لی جائے اور لفظ وراثت اور میراث، مالی وراثت کے ساتھ مخصوص نہیں۔ کتاب وسنت میں میراث علمی پر بھی اس لفظ کا اطلاق بکثرت آیا ہے۔ جیسے آیت ﴿فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ﴾ اور آیت ﴿ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا﴾ میں وراثت علمی مراد ہے۔ وراثت کے اصل معنی قائم مقام اور متسلط ہونے کے ہیں اور اس کے لیے مال لازم نہیں جیسا کہ قرآن کریم میں ہے۔ ﴿نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَیْهَا﴾ ﴿وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ﴾ ﴿خَیْرُ الْوٰرِثِیْنَ﴾ اس آیت میں میراث مالی کا مراد لینا ناممکن ہے اور محال ہے بلکہ تسلط اور تصرف کے معنی مراد ہیں۔

حق جل شانہ کا یہ ارشاد ﴿ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا﴾ جس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے وارث بنایا

اپنی کتاب کا ان بندوں کو جن کو ہم نے چھانٹ لیا۔ اس جگہ وراثت مالی کا احتمال بھی نہیں ہوسکتا۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ ﴿فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ﴾ یہاں بھی وراثت کتاب سے علم کتاب کی وراثت مراد ہے۔ نیز اول میں بعد عبادنا کے۔ ﴿فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ﴾ الخ وارد ہے اور دوسری آیت میں بعد کتاب کے ﴿يَأْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى﴾ وارد ہوا ہے۔ سو ﴿فَمِنْهُمْ﴾ کی تفریع سے ظاہر ہے کہ عطائے کتاب کے بعد لوگ تین حال پر ہوگئے کوئی ظالم رہا اور کوئی مقتصد اور کوئی سابق بالخیر۔

سو یہ تفریع کتاب کی وراثت علمی پر ہے نہ کہ اوراق کتاب اور اس کی قیمت پر۔ شیعوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ لفظ وراثت دراصل وراثت مال کے لیے وضع ہوا ہے۔ بالکل غلط ہے۔ وراثت کا اطلاق وراثت علم اور وراثت منصب اور وراثت تولیت اور وراثت خلافت بمعنی قائم مقامی وتسلط سب پر شائع اور ذائع ہے۔ قال تعالیٰ ﴿وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا﴾ اس کتاب میں بنی اسرائیل کا قوم فرعون کا وارث ہونا یعنی ان کے ہلاک اور غرقابی کے بعد ان کا قائم مقام ہونا مراد ہے۔ مالی وراثت مراد نہیں، مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا اور علیٰ ہذا القیاس ﴿اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ﴾ یہاں وراثت ارضی سے ان کا قائم مقام بنانا مراد ہے اور ﴿تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا﴾ سو اس آیت میں جنت کی وراثت سے قائم مقام ہونے کے معنی مراد نہیں بلکہ اہل ایمان کو حاوی اور مسلط کردینے کے معنی مراد ہیں۔ اور حدیث العلماء ورثة الانبیاء شیعوں کے نزدیک بھی مسلم ہے اور ظاہر ہے کہ اس حدیث میں وراثت سے علم اور حکمت کی وراثت مراد ہے اور علیٰ ہذا وورث سلیمان داود میں علم ونبوت اور کمالات نفسانی کی وراثت مراد ہے۔

وراثت مالی مراد نہیں کیونکہ باجماع اہل تاریخ داؤد علیہ السلام کے انیس بیٹے تھے۔ سب کے سب باپ کے وارث ہوئے۔ سلیمان علیہ السلام کی کیا خصوصیت کہ جو خاص ان کی وراثت کا ذکر فرمایا۔ وہ وراثت علم ونبوت ہے جس میں ان کے دوسرے بھائی شریک نہ تھے۔

حق تعالیٰ نے بواسطہ فرشتہ کے فرمایا اے زکریا ہم نے تمہاری دعا قبول کی ہم تجھ کو ایک لڑکے کے پیدا ہونے کی بشارت دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہوگا۔ اس سے پہلے ہم نے کوئی ان کا ہمنام یا ہم صفت نہیں پیدا کیا۔ یعنی اس سے پہلے ہم نے یہ نام کسی کا نہیں رکھا یا یہ معنی ہیں کہ اس سے پہلے ہم نے اس صفت اور شان کا نہیں بنایا۔ مطلب یہ ہے کہ صفت عفت اور پاکدامنی اور نزاہت میں ان کا مثل نہیں بنایا یعنی ان کی طبیعت کو عورتوں کی طرف نفسانی اور طبعی میلان سے پاک کردیا۔

زکریا علیہ السلام نے جب یہ عظیم بشارت سنی تو فرط مسرت سے بطور تعجب عرض کیا اے میرے پروردگار میرے کہاں سے لڑکا پیدا ہوگا۔ کیا میں جوان بنادیا جاؤں گا یا اسی بڑھاپے کی حالت میں بچہ ہوگا؟

اور حق تعالیٰ کی طرف سے جب یہ عظیم بشارت ملی تو فرط مسرت سے مزید طمانیت کے لیے اور استلذاذ کے طور پر اس کے متعلق سوالات شروع کیے کہ کیسے ہوگا اور کس طرح ہوگا۔ اور میری عورت تو شروع ہی سے بانجھ ہے۔ اور میں بڑھاپے کی انتہا کو پہنچ چکا ہوں۔ معلوم نہیں کہ بحالت موجودہ کس طرح اولاد ہوگی۔

فرشتہ نے زکریا علیہ السلام کو جواب دیا کہ تعجب مت کرو۔ اسی طرح ہوگا۔ اور بحالت موجودہ تمہارے بیٹا ہوگا۔ تیرا پروردگار فرماتا ہے کہ یہ کام مجھ پر آسان اور تحقیق اس سے پہلے میں تجھ کو پیدا کر چکا ہوں اور تو اس سے پہلے کوئی چیز نہ تھا۔ پس جو خدا عدم محض سے پیدا کرنے پر قادر ہے اسے بڑھاپے میں لڑکا پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کو اختیار ہے کہ جس عمر میں چاہے اولاد عطا فرمادے۔ کسی خاص عمر میں اولاد کا پیدا ہونا مادہ اور طبیعت کا اقتضا نہیں۔ صرف اللہ کے ارادہ اور مشیت سے ہے وہ تو بغیر ماں باپ کے بھی پیدا کرنے پر قادر ہے۔ بوڑھے ماں باپ سے اولاد پیدا کرنا اسے کیا مشکل ہے۔

زکریا علیہ السلام کو جب اطمینان ہوگیا تو عرض کیا کہ اے میرے پروردگار اس وعدہ پر میرا دل مطمئن ہوگیا ہے۔ لیکن میرے لیے کوئی نشانی مقرر فرمادیجیے جو تیری بشارت کی آمد کی علامت ہو جسے معلوم ہو جائے کہ تیرے وعدہ کے ظہور کا وقت اب قریب آگیا ہے تاکہ تیرے شکر میں مشغول ہو جاؤں۔ فرمایا تیری نشانی یہ ہے کہ تو تین دن اور تین رات لوگوں سے بات نہ کر سکے گا۔ حالانکہ تو بھلا چنگا صحیح اور تندرست ہوگا۔ یعنی بات نہ کر سکنا کسی مرض اور عذر کی وجہ سے نہ ہوگا بلکہ وہ حمل اور ولادت کی علامت ہوگی۔ یعنی باوجودیکہ تو نہ گونگا ہوگا اور نہ تیری زبان میں نقص اور عیب ہوگا۔ تو بلا کسی مرض اور علت کے تین رات باوجودیکہ تو نہ گونگا ہوگا اور نہ تیری زبان میں کوئی نقص اور عیب ہوگا۔ تو بلا کسی مرض اور علت کے تین رات تک ایک لفظ بھی زبان سے نہ نکال سکے گا۔ تیری زبان بالکل بند ہو جائے گی اور تو لوگوں سے اشارے سے بات کر سکے گا۔ مگر باوجود اس کے اللہ کے ذکر پر تجھے قدرت ہوگی۔ اور یہ تیری عورت کے حمل کی نشانی ہوگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اللہ کے ذکر میں تو زکریا علیہ السلام کی زبان چلتی مگر جب لوگوں سے کچھ کہنا چاہتے تو بند ہو جاتی۔ تین دن اور تین رات برابر یہی کیفیت رہی جب لوگوں سے بات کرتے تو اشارہ سے بات کرتے تھے۔ جیسا کہ فرماتے ہیں۔

پس جب وہ وقت آیا تو زکریا علیہ السلام مسجد کی محراب سے اپنی قوم کے سامنے برآمد ہوئے اور زبان گفتگو سے رک گئی سمجھ گئے کہ بشارت کا وقت قریب آگیا۔ باہر لوگ منتظر تھے دیکھا کہ چہرہ متغیر ہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ اے نبی اللہ تم کو کیا ہوا۔ تو اس وقت اپنی قوم کو آہستہ اشارہ سے بتایا کہ صبح شام اللہ کی تسبیح پڑھا کرو۔ مطلب یہ ہے کہ حسب سابق اللہ کے ذکر اور اس کی عبادت میں مشغول رہو یا یہ مطلب ہے کہ اس جدید نعمت کے شکر میں مزید تسبیح وتحمید میں مشغول ہو جاؤ۔ میں بھی اللہ کی حمد وثناء میں مشغول ہوں سب کو چاہیے کہ میرے ساتھ مل کر اللہ کے ذکر میں مشغول ہوں۔

غرض یہ کہ ہم نے حسب وعدہ اور حسب بشارت زکریا علیہ السلام کو ایک فرزند عطا کیا۔ جس کا نام یحییٰ تھا۔ اور جب یحییٰ علیہ السلام پیدا ہوئے اور سن شعور کو پہنچے تو ہم نے ان سے کہا اے یحییٰ کتاب تورات کو مضبوطی کے ساتھ تھام لے۔ یعنی اس پر پوری طرح عمل کرنے کی کوشش کرو اور ہم نے اس کو لڑکپن ہی سے فہم ودانش اور علم اور فراست صادقہ اور معرفت کا ملہ دی تھی۔ چنانچہ ایک مرتبہ بچپن میں لڑکوں نے آپ کو کھیلنے کے لیے بلایا۔ تو آپ علیہ السلام نے یہ کہا کہ ہم کھیل کے لیے پیدا نہیں ہوئے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ "حکم" سے حلم اور وقار اور سکون کے مراد ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یحییٰ علیہ السلام کو ہم نے بچپن ہی سے علم وحکمت عطا کیا تھا تاکہ وہ احکام شریعت کو خوب سمجھ سکیں۔ یہ ایک صفت ہوئی۔ اور دوسری صفت یحییٰ علیہ السلام کو یہ عطا ہوئی کہ ہم نے اپنے

پاس سے ان کو شفقت اور نرم دلی عطا کی یعنی بڑے رقیق القلب تھے۔ لوگوں پر شفقت فرماتے اور جب نماز پڑھتے تو زار و قطار روتے اور تیسری صفت ان کو یہ عطا کی کہ ان کو پاکیزگی اور پاک دلی عطا کی۔ زکوٰۃ سے طہارت قلب مراد ہے کہ دل گناہوں کے میلان سے پاک ہو جائے اور بعض کہتے ہیں کہ زکوٰۃ سے عمل صالح مراد ہے۔ اور چوتھی صفت ان کی یہ تھی کہ وہ طبعی اور جبلی طور پر پرہیزگار تھے خوف خداوندی کبھی ان کے دل سے جدا نہ ہوتا تھا۔ اور پانچویں صفت ان کی یہ تھی کہ وہ اپنے والدین کے بڑے خدمت گزار تھے۔ اللہ پاک کی عبادت کے بعد والدین کی خدمت سے بڑھ کر کوئی طاعت نہیں۔ کما قال تعالیٰ ﴿وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا﴾ اور چھٹی صفت ان کی یہ تھی کہ وہ سرکش اور نافرمان نہ تھے۔ یعنی تکبر اور نافرمانی کے شائبہ سے بھی پاک تھے۔ اور ساتویں صفت جو ان کو عطا ہوئی وہ یہ تھی کہ ان پر اللہ کا سلام ہے۔ اور اس کی سلامتی ہے جس دن پیدا ہوا اور جس دن وہ مرے گا۔ اور جس دن اٹھایا جائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ اول تا آخر اللہ کی حفاظت میں محفوظ و مامون رہیں گے۔ اللہ کا سلام حضرت یحییٰ علیہ السلام کے طرفین حیات کو محیط ہے۔ جوان کی فضیلت کی خاص دلیل ہے۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام پر تین سلام ذکر فرمائے پہلا سلام تو سلام تربیت ہے اور دوسرا سلام، سلام عصمت ہے اور تیسرا سلام، سلام فضل و مشاہدہ ہے۔

تتمہ:...... یحییٰ علیہ السلام بالاتفاق شہید ہوئے۔ یہود نے ان کو قتل کیا اور زکریا علیہ السلام کی وفات کے بارے میں اختلاف ہے کہ آیا وہ طبعی موت سے مرے یا وہ بھی شہید ہوئے۔ وہب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت میں ہے کہ یہود نے جب یحییٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا تو زکریا علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوئے کہ ان کو بھی قتل کریں۔ زکریا علیہ السلام نے جب یہ دیکھا تو بھاگے۔ اور ایک درخت کے شگاف میں داخل ہو گئے۔ یہود نے آ کر اس درخت پر آرا چلا دیا اور درخت کے ساتھ ان کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ زکریا علیہ السلام نے صبر کیا اور اف تک نہ کی۔ (البدایہ والنہایہ: ۲/۵۱)

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ﴿۱۶﴾ فَاتَّخَذَتْ مِنْ

اور مذکور کر کتاب میں مریم کا جب جدا ہوئی اپنے لوگوں سے ایک شرقی مکان میں ف۱ پھر پکڑ لیا ان سے

اور مذکور کر کتاب میں مریم کا۔ جب کنارے ہوئی اپنے لوگوں سے ایک شرقی مکان میں۔ پھر پکڑ لیا ان سے

دُوْنِهِمْ حِجَابًا ۫ فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ﴿۱۷﴾ قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ

ورے ایک پردہ پھر بھیجا ہم نے اس کے پاس اپنا فرشتہ پھر بن کر آیا اس کے آگے آدمی پورا ف۲ بولی مجھ کو

ورے ایک پردہ۔ پھر بھیجا ہم نے اس پاس اپنا فرشتہ، پھر بن آیا اس کے آگے آدمی پورا۔ بولی مجھ کو

ف۱ یعنی غسل حیض کرنے کو۔ یہ ہی پہلا حیض تھا تیرہ برس کی عمر تھی یا پندرہ برس کی۔ شرم کے مارے مجمع سے الگ ہو کر ایک مکان میں چلی گئیں جو بیت المقدس سے مشرق کی طرف تھا اس لیے نصاریٰ نے مشرق کو اپنا قبلہ بنا لیا

ف۲ حضرت جبرائیل نوجوان خوبصورت مرد کی شکل میں پہنچے، جیسا کہ فرشتوں کی عادت ہے کہ عموماً خوش منظر صورتوں میں متمثل ہوتے ہیں۔ اور ممکن ہے یہاں حضرت مریم علیہا السلام کی انتہائی عفت و پاکبازی کا امتحان بھی مقصود ہو کہ ایسے زبردست دواعی و محرکات بھی اس کے جذبات عفاف و تقویٰ کو ادنیٰ ترین جنبش نہ دے سکے۔

بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ﴿۱۸﴾ قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ﴿۱۹﴾

رحمٰن کی پناہ تجھ سے اگر ہے تو ڈر رکھنے والا ف۱ بولا میں تو بھیجا ہوا ہوں تیرے رب کا کہ دے جاؤں تجھ کو ایک لڑکا ستھرا ف۲

رحمٰن کی پناہ تجھ سے، اگر تو ڈر رکھتا ہے۔ بولا، میں تو بھیجا ہوں تیرے رب کا۔ کہ دے جاؤں تجھ کو ایک لڑکا ستھرا۔

قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا ﴿۲۰﴾ قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ

بولی کہاں سے ہوگا میرے لڑکا اور چھوا نہیں مجھ کو آدمی نے اور میں بدکار کبھی نہیں تھی ف۳ بولا یونہی ہے فرما دیا

بولی کہاں سے ہوگا لڑکا، اور چھوا نہیں مجھ کو آدمی نے اور میں بدکار کبھی نہ تھی۔ بولا یونہی! فرمایا

رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ﴿۲۱﴾

تیرے رب نے وہ مجھ پر آسان ہے ف۴ اور اس کو ہم کیا چاہتے ہیں لوگوں کے لیے نشانی اور مہربانی اپنی طرف سے اور ہے یہ کام مقرر ہو چکا ف۵

تیرے رب نے، وہ مجھ پر آسان ہے۔ اور اس کو ہم کیا چاہیں لوگوں کی نشانی اور مہر ہماری طرف سے۔ اور ہے یہ کام ٹھہر چکا۔

فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ﴿۲۲﴾ فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ

پھر پیٹ میں لیا اس کو ف۶ پھر یکسو ہوئی اس کو لے کر ایک بعید مکان میں ف۷ پھر لے آیا اس کو درد زہ ایک کھجور کی جڑ میں بولی

پھر پیٹ میں لیا اس کو، پھر کنارے ہوئی اس کو لے کر ایک پرے مکان میں۔ پھر لے آیا اس کو جننے کا درد ایک کھجور کی جڑ میں۔ بولی،

ف۱ مریم نے اول وہلہ میں سمجھا کہ کوئی آدمی ہے۔ تنہائی میں دفعتاً ایک مرد کے سامنے آجانے سے قدرتی طور پر خوفزدہ ہوئیں اور اپنی حفاظت کی فکر کرنے لگیں۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ فرشتہ کے چہرہ پر تقویٰ وطہارت کے انوار چمکتے دیکھ کر اسی قدر کہنا کافی سمجھا کہ میں تیری طرف سے رحمان کی پناہ میں آتی ہوں۔ اگر تیرے دل میں خدا کا ڈر ہوگا (جیسا کہ پاک ونورانی چہرہ سے روشن تھا) تو میرے پاس سے چلا جائے گا اور مجھ سے کچھ تعرض نہ کرے گا۔

ف۲ یعنی گھبراؤ نہیں میری نسبت کوئی برا خیال آیا ہو تو دل سے نکال دو۔ میں آدمی نہیں، تیرے اس رب کا (جس کی تو پناہ ڈھونڈتی ہے) بھیجا ہوا فرشتہ ہوں۔ اس لیے آیا ہوں کہ خداوند قدوس کی طرف سے تجھ کو ایک پاکیزہ، صاف ستھرا اور مبارک ومسعود لڑکا عطا کروں۔ ﴿غُلٰمًا زَكِيًّا﴾ (پاکیزہ لڑکا) کہنے میں اشارہ ہوگیا کہ وہ حسب ونسب اور اخلاق وغیرہ کے اعتبار سے بالکل پاک وصاف ہوگا۔

ف۳ مریم علیہا السلام کے دل میں خدا نے یقین ڈال دیا کہ بیشک یہ فرشتہ ہے، مگر تعجب ہوا کہ جس عورت کا شوہر نہیں جو اس کو حلال طریقہ سے چھو سکتا، اور بدکار بھی نہیں کہ حرام طریقہ سے بچہ حاصل کرلے، اس کو بحالت راہنہ پاکیزہ اولاد کیونکر مل جائے گی، جیسا کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے اس سے کم عجیب بشارت پر سوال کیا تھا۔

ف۴ یہ وہی جواب ہے جو حضرت زکریا علیہ السلام کو دیا گیا تھا۔ گذشتہ رکوع میں دیکھ لیا جائے۔

ف۵ یعنی یہ کام ضرور ہو کر رہے گا، پہلے سے طے شدہ ہے، تخلف نہیں ہو سکتا۔ ہماری حکمت اسی کو مقتضی ہے کہ بدون مس بشر کے محض عورت کے وجود سے بچہ پیدا کیا جائے۔ اور وہ دیکھنے اور سننے والوں کے لیے ہماری قدرت عظیمہ کی ایک نشانی ہو کیونکہ تمام انسان مرد وعورت کے ملنے سے پیدا ہوتے ہیں۔ آدم علیہ السلام دونوں کے بدون پیدا ہوئے اور حوا کو صرف مرد کے وجود سے پیدا کیا گیا۔ چوتھی صورت یہ ہے کہ جو حضرت مسیح میں ظاہر ہوئی کہ مرد کے بدون صرف عورت کے وجود سے ان کا وجود ہوا۔ اس طرح پیدائش کی چاروں صورتیں واقع ہوگئیں۔ پس حضرت مسیح علیہ السلام کا وجود قدرت الٰہیہ کا ایک نشان اور حق تعالیٰ کی طرف سے دنیا کے لیے بڑی رحمت کا سامان ہے۔

ف۶ کہتے ہیں فرشتہ نے پھونک ماری حمل ٹھہر گیا۔ وفی البحر۔ "وَذَكَرُوْا اَنَّ جِبْرَءِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ نَفَخَ فِيْ جَيْبِ دِرْعِهَا اَوْفِيْهِ وَفِيْ كُمِّهَا۔ والظاهر ان المسند اليه لنفخ هو الله تعالیٰ لقوله فنفخنا (۱۸۱/۶) كما قال فی ادم ﴿وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ﴾ والله اعلم۔

ف۷ یعنی جب وضع حمل کا وقت قریب آیا شرم کے مارے سب سے علیحدہ ہو کر کسی بعید مکان میں چلی گئی۔ شاید وہ ہی جگہ ہو جسے "بیت اللحم" کہتے ہیں۔ یہ مقام "بیت المقدس" سے آٹھ میل ہے ذکرہ ابن کثیر عن وھب۔

يٰلَيْتَنِىْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ﴿۲۳﴾ فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِىْ قَدْ

کسی طرح میں مرچکتی اس سے پہلے اور ہوجاتی بھولی بسری ف۱ پس آواز دی اس کو اس کے نیچے سے کہ غمگین مت ہو

کسی طرح میں مرچکتی اس سے پہلے اور ہوجاتی بھولی بسری۔ پھر آواز دی اس کو اس کے نیچے سے کہ غم نہ کھا،

جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ﴿۲۴﴾ وَهُزِّىْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ﴿۲۵﴾

کر دیا تیرے رب نے تیرے نیچے ایک چشمہ اور ہلا اپنی طرف کھجور کی جڑ اس سے گریں گی تجھ پر پکی کھجوریں ف۲

کردیا تیرے رب نے تیرے نیچے ایک چشمہ۔ اور ہلا اپنی طرف سے کھجور کی جڑ، اس سے گریں گی تجھ پر پکی کھجوریں۔

فَكُلِىْ وَاشْرَبِىْ وَقَرِّىْ عَيْنًا ۚ فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوْلِىْٓ اِنِّىْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ

اب کھا اور پی اور آنکھ ٹھنڈی رکھ ف۳ پھر اگر تو دیکھے کوئی آدمی تو کہیو میں نے مانا ہے رحمٰن کا

اب کھا اور پی اور آنکھ ٹھنڈی رکھ۔ سو کبھی تو دیکھے کوئی آدمی، تو کہیو، میں نے مانا ہے رحمٰن کا

صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ﴿۲۶﴾ فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ۭ قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ

روزہ سو بات نہ کروں گی آج کسی آدمی سے ف۴ پھر لائی اس کو اپنے لوگوں کے پاس گود میں وہ اس کو کہنے لگے اے مریم تو نے کی

ایک روزہ، سو بات نہ کروں گی آج کسی آدمی سے۔ پھر لائی اس کو اپنے لوگوں پاس گود میں۔ بولے، اے مریم! تو نے کی

شَيْـًٔا فَرِيًّا ﴿۲۷﴾ يٰٓاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا ﴿۲۸﴾

یہ چیز طوفان کی ف۵ اے بہن ہارون کی نہ تھا تیرا باپ برا آدمی اور نہ تھی تیری ماں بدکار ف۶

یہ چیز طوفان۔ اے بہن ہارون کی! نہ تھا تیرا باپ برا آدمی اور نہ تھی تیری ماں بدکار۔

ف۱ یعنی دردِ زہ کی تکلیف سے ایک کھجور کی جڑ کا سہارا لینے کے لیے اس کے قریب جا پہنچی۔ اس وقت درد کی تکلیف، تنہائی و بیکسی، سامان ضرورت و راحت کا فقدان، اور سب سے بڑھ کر ایک مشہور پاکباز عفیفہ کو دینی حیثیت سے آئندہ بدنامی اور رسوائی کا تصور سخت بے چین کیے ہوئے تھا۔ حتیٰ کہ اسی کرب و اضطراب کے غلبہ میں کہہ اٹھی ﴿يٰلَيْتَنِىْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا﴾ (کاش میں اس وقت کے آنے سے پہلے ہی مرچکی ہوتی کہ دنیا میں میرا نام و نشان نہ رہتا اور کسی کو بھولے سے بھی یاد نہ آتی) شدت کرب و اضطراب میں گذشتہ بشارات بھی جو فرشتہ سے سنی تھیں یاد نہ آئیں۔

ف۲ وہ مقام جہاں حضرت مریم علیہا السلام کھجور کے نیچے تشریف رکھتی تھیں قدرے بلند تھا، اس کے نیچے سے پھر اسی فرشتہ کی آواز سنائی دی کہ غمگین و پریشان مت ہو، خدا کی قدرت سے ہر قسم کا ظاہری و باطنی اطمینان حاصل کر۔ نیچے کی طرف دیکھ، اللہ تعالیٰ نے کیسا چشمہ یا نہر جاری کر دی ہے۔ یہ تو پینے کے لیے ہوا، کھانے کے لیے اسی کھجور کو ہلاؤ، پکی اور تازہ کھجوریں ٹوٹ کر گریں گی۔ (تنبیہ) بعض سلف نے "سری" کے معنی "عظیم الشان سردار" کے لیے ہیں۔ یعنی خدا تعالیٰ تجھ سے ایک بڑا سردار پیدا کرنے والا ہے۔ جنہوں نے "سری" کے معنی چشمہ یا نہر کے لیے ظاہر یہ ہے کہ وہ چشمہ بطور خرق عادت نکالا گیا اور کھجوریں بھی خشک درخت پر بے موسم لگ گئیں۔ ان خوارق کا دیکھنا مریم کی تسکین و اطمینان اور تفریح کا سبب تھا۔ اور جیسا کہ مفسرین نے لکھا ہے اس حالت میں یہ چیزیں مریم علیہا السلام کے لیے مفید تھیں اور انہیں ضرورت بھی ہوگی۔

ف۳ یعنی تازہ کھجوریں کھا کر چشمہ کے پانی سے سیراب ہو، اور پاکیزہ بیٹے کو دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی کر، آگے کا غم نہ کھا، خدا تعالیٰ سب مشکلات کو دور کرنے والا ہے۔

ف۴ یعنی اگر کوئی آدمی سوال کرے تو اشارہ وغیرہ سے ظاہر کر دینا کہ میں روزہ سے ہوں۔ مزید گفتگو نہیں کر سکتی۔ ان کے دین میں یہ نیت درست تھی کہ نہ بولنے کا بھی روزہ رکھتے تھے۔ ہماری شریعت میں ایسی نیت درست نہیں۔ اور "کہیو میں نے مانا ہے" کا مطلب یہ ہے کہ روزہ کی نذر کر کے ایسا کہہ دینا۔ ﴿اِنْسِيًّا﴾ کی قید =

فَاَشَارَتْ اِلَیْهِ ؕ قَالُوْا کَیْفَ نُکَلِّمُ مَنْ کَانَ فِی الْمَهْدِ صَبِیًّا ﴿۲۹﴾ قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ ۟ؕ

پھر ہاتھ سے بتلایا اس لڑکے کو ف۱ بولے ہم کیونکر بات کریں اس شخص سے کہ وہ ہے گود میں لڑکا ف۲ وہ بولا میں بندہ ہوں اللہ کا

پھر ہاتھ سے بتایا اس لڑکے کو۔ بولے، ہم کیوں کر بات کریں اس شخص سے کہ وہ ہے گود میں لڑکا۔ وہ بولا، میں بندہ ہوں اللہ کا۔

اٰتٰىنِیَ الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا ﴿۳۰﴾ وَّجَعَلَنِیْ مُبٰرَکًا اَیْنَ مَا کُنْتُ ۪ وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوۃِ

مجھ کو اس نے کتاب دی ہے اور مجھ کو اس نے نبی کیا ف۳ اور بنایا مجھ کو برکت والا جس جگہ میں ہوں اور تاکید کی مجھ کو نماز کی

مجھ کو اس نے کتاب دی، اور مجھ کو نبی کیا۔ اور بنایا مجھ کو برکت والا، جس جگہ میں ہوں۔ اور تاکید کی مجھ کو نماز کی

وَالزَّکٰوۃِ مَا دُمْتُ حَیًّا ﴿۳۱﴾ ۖ وَّبَرًّۢا بِوَالِدَتِیْ ۫ وَلَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا ﴿۳۲﴾ وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ

اور زکوٰۃ کی جب تک میں رہوں زندہ ف۴ اور سلوک کرنے والا اپنی ماں سے ف۵ اور نہیں بنایا مجھ کو زبردست بدبخت ف۶ اور سلام ہے مجھ پر جس

اور زکوٰۃ کی جب تک میں رہوں جیتا۔ اور سلوک والا اپنی ماں سے، اور نہیں بنایا مجھ کو زبردست بدبخت۔ اور سلام ہے مجھ پر جس

= شاید اس لیے لگائی کہ فرشتہ سے بات کرنا منع نہ تھا۔

ف۵ یعنی جب بچہ کو گود میں اٹھائے ہوئے اپنی قوم کے سامنے آئی تو لوگ ششدر رہ گئے، کہنے لگے "مریم علیہا السلام تو نے غضب کر دیا، یہ بناوٹ کی چیز کہاں سے لے آئی۔ اس سے زیادہ جھوٹ طوفان کیا ہوگا کہ ایک لڑکی کنواری رہتے ہوئے دعویٰ کرے کہ میرے بچہ پیدا ہوا ہے۔"

ف۶ یعنی بدگمان ہو کر کہنے لگے کہ تیرے ماں باپ اور خاندان والے ہمیشہ سے نیک رہے ہیں، تجھ میں یہ بری خصلت کدھر سے آئی؟ بھلوں کی اولاد کا برا ہونا محل تعجب ہے۔

(تنبیہ) مریم علیہا السلام کو "اخت ہارون" اس لیے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کی نسل سے تھی۔ گویا "اُخت ہارون" سے مراد "اُخت قوم ہارون" ہوئی۔ جیسے ﴿وَاذْکُرْ اَخَا عَادٍ﴾ میں ہود علیہ السلام کو "عاد" کا بھائی کہا ہے۔ حالانکہ "عاد" ان کی قوم کے مورث اعلیٰ کا نام تھا۔ اور ممکن ہے "اُخت ہارون" کے ظاہری معنی لیے جائیں جیسا کہ بعض احادیث صحیحہ سے ظاہر ہوتا ہے یعنی مریم کے بھائی کا نام ہارون تھا۔ جیسے ہمارے زمانہ میں رواج ہے۔ اس وقت بھی لوگ انبیاء و صالحین کے ناموں پر نام رکھتے تھے۔ کہتے ہیں کہ مریم کا وہ بھائی ایک مرد صالح تھا۔ تو حاصل کلام یہ ہوا کہ تیرا باپ پاکباز تھا، ماں پارسا تھی، بھائی ایسا نیک ہے اوپر جا کر تیرا نسب ہارون علیہ السلام پر منتہی ہوتا ہے، پھر یہ حرکت تجھ سے کیونکر سرزد ہوئی۔

ف۱ یعنی مریم علیہا السلام نے ہاتھ سے بچہ کی طرف اشارہ کیا کہ خود اس سے دریافت کرو۔

ف۲ یعنی اس شرمناک حرکت پر یہ ستم ظریفی؟ کہ بچہ سے پوچھ لو۔ بھلا ایک گود کے بچہ سے، ہم کیسے سوال و جواب کر سکتے ہیں۔

(تنبیہ) ﴿مَنْ کَانَ فِی الْمَهْدِ صَبِیًّا﴾ میں "کَانَ" کا لفظ اس پر دلالت نہیں کرتا کہ تکلم کے وقت وہ صبی نہیں رہا تھا۔ قرآن میں بہت جگہ مثلاً ﴿وَکَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا﴾ یا ﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰۤی اِنَّهٗ کَانَ فَاحِشَةً﴾ یا ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِکْرٰی لِمَنْ کَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَی السَّمْعَ وَهُوَ شَهِیْدٌ﴾ میں کان کا استعمال ایسے مضمون کے لیے ہوا ہے جس کا سلسلہ زمانہ ماضی کے گزرنے کے ساتھ منقطع نہیں ہوا۔ اور یہاں ﴿مَنْ کَانَ فِی الْمَهْدِ صَبِیًّا﴾ سے تعبیر کرنے میں نکتہ یہ ہے کہ کہنے والوں نے نفی تکلم کو ایک ضابطہ کے رنگ میں پیش کیا۔ یعنی نہ صرف عیسیٰ بلکہ ہر اس شخص سے جو گود میں بچہ ہو کلام کرنا عادۃً محال ہے۔

ف۳ قوم کی طرف سے یہ ہی گفتگو ہو رہی تھی کہ خود مسیح علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے گویا کر دیا۔ آپ نے اس وقت جو کچھ فرمایا اس میں تمام غلط اور فاسد خیالات کا رد تھا جو آئندہ ان کی نسبت قائم ہونے والے تھے۔ "میں بندہ ہوں اللہ کا" یعنی خود اللہ یا اللہ کا بیٹا نہیں جیسا کہ اب نصاریٰ کا عقیدہ ہے، چنانچہ اسی عقیدہ کی تردید کے لیے پہلے حضرت مسیح کی ولادت وغیرہ کے تفصیلی حالات بیان فرمائے۔ اور "مجھ کو خدا نے نبی بنایا" یعنی مفتری اور کاذب نہیں جیسا کہ یہود گمان کرتے ہیں۔

(تنبیہ) سورۂ "آل عمران" اور "مائدہ" میں حضرت مسیح کے تکلم فی المهد کے متعلق کلام کیا جا چکا ہے۔ وہاں دیکھ لیا جائے۔ صحیح بخاری کی حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن تین بچوں کے مهد میں کلام کرنے کا ذکر فرمایا ہے ان میں ایک حضرت مسیح ابن مریم ہیں۔ آج جو لوگ قرآن و حدیث کے خلاف حضرت مسیح کے تکلم فی المهد کا انکار کرتے ہیں ان کے ہاتھ میں نصاریٰ کی کورانہ تقلید کے سوا کچھ نہیں۔ .... =

يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا ﴿۳۳﴾

دن میں پیدا ہوا اور جس دن مروں اور جس دن اٹھ کھڑا ہوں زندہ ہو کر ف۱

دن میں پیدا ہوا، اور جس دن مروں اور جس دن کھڑا ہوں جی کر۔

قصۂ دوم، حضرت عیسیٰ و مریم علیہما السلام

قال تعالیٰ: ﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ... الی ... وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا﴾

ربط:......حق تعالیٰ نے گزشتہ رکوع میں حضرت زکریا علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایا کہ بحالت پیری ایک پیر ناتواں اور ایک بانجھ اور بوڑھی بیوی سے بلاسبب ظاہری ایک مبارک فرزند یعنی یحییٰ علیہ السلام کا تولد ہوا۔ اب اس سے زیادہ عجیب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی

= ف۴ یعنی جب تک زندہ ہوں، جس وقت اور جس جگہ کے مناسب جس قسم کی صلوٰۃ و زکوٰۃ کا حکم ہو، اس کی شروط و حقوق کی رعایت کے ساتھ برابر ادا کرتا رہوں۔ جیسے دوسری جگہ مومنین کی نسبت فرمایا ﴿الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ﴾ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر آن اور ہر وقت نمازیں پڑھتے رہتے ہیں۔ بلکہ یہ مراد ہے کہ جس وقت جس طرح کی نماز کا حکم ہو ہمیشہ پابندی سے تعمیل حکم کرتے ہیں اور اس کی برکات و انوار ہمہ وقت ان کو محیط رہتی ہیں۔ کوئی شخص کہے کہ ہم جب تک زندہ ہیں۔ نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج وغیرہ کے مامور ہیں کیا اس کا مطلب یہ لیا جائے گا کہ ہر ایک مسلمان مامور ہے کہ ہر وقت نماز پڑھتا ہے، ہر وقت زکوٰۃ دیتا ہے (خواہ نصاب کا مالک ہو یا نہ ہو) ہر وقت روزے رکھتا ہے، ہر وقت حج کرتا ہے۔ حضرت مسیح کے متعلق بھی ﴿مَا دُمْتُ حَيًّا﴾ کا ایسا ہی مطلب سمجھنا چاہیے۔ یاد رہے کہ لفظ "صلوٰۃ" کچھ اصطلاحی نماز کے ساتھ مخصوص نہیں، قرآن نے ملائکہ اور بشر سے گزر کر تمام جہان کی طرف صلوٰۃ کی نسبت کی ہے۔ ﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ۭ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ﴾ اور یہ بھی بتلا دیا کہ ہر چیز کی تسبیح و صلوٰۃ کا حال اللہ ہی جانتا ہے کہ کس کی صلوٰۃ و تسبیح کس رنگ کی ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ کے معنی بھی اصل میں طہارت، نماز، برکت و مدح کے ہیں۔ جن میں سے ہر ایک معنی کا استعمال قرآن و حدیث میں اپنے اپنے موقع پر ہوا ہے۔ اسی رکوع میں حضرت مسیح کی نسبت "غُلٰمًا زَكِيًّا" کا لفظ گزر چکا جو زکوٰۃ سے مشتق ہے۔ اور یحییٰ علیہ السلام کو فرمایا ﴿وَحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً﴾ سورۂ کہف میں ہے ﴿خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا﴾ اسی طرح کے عام معنی یہاں بھی زکوٰۃ کے لیے جا سکتے ہیں۔ اور ممکن ہے ﴿وَاَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ﴾ سے اَوْصَانِيْ بِاَنْ اٰمُرَ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مراد ہو جیسے اسماعیل علیہ السلام کی نسبت فرمایا ﴿وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ﴾ پھر لفظ ﴿اَوْصٰنِيْ﴾ اپنے مدلول لغوی کے اعتبار سے اس کو مقتضی نہیں کہ وقت ایصاء ہی سے اس پر عمل درآمد شروع ہو جائے۔ نیز بہت ممکن ہے کہ ﴿مَا دُمْتُ حَيًّا﴾ سے یہ ہی زمینی حیات مراد لے لی جائے۔ جیسے ترمذی کی ایک حدیث میں ہے کہ جابر رضی اللہ عنہ کے والد کو اللہ نے شہادت کے بعد زندہ کر کے فرمایا کہ مجھ سے کچھ مانگ، اس نے کہا مجھے دوبارہ زندہ کر دیجئے کہ دوبارہ تیرے راستہ میں قتل کیا جاؤں۔ اس زندگی سے یقیناً زمینی زندگی مراد ہے ورنہ شہداء کے لیے نفس حیات کی قرآن میں اور خود اسی حدیث میں تصریح موجود ہے۔ یہ ہی مطلب حیات کا "لَوْ كَانَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى حَيَّيْنِ الخ" میں سمجھو۔ اگر بالفرض اس کا حدیث ہونا ثابت ہو جائے۔ "بالفرض" ہم نے اس لیے کہا کہ اس کی اسناد کا کتب حدیث میں کہیں پتہ نہیں۔ واللہ اعلم۔

ف۵ چونکہ باپ کوئی نہ تھا اس لیے صرف ماں کا نام لیا۔

ف۶ یہ سب جملے جو بصیغۂ ماضی لائے گئے بیشک اس کے معنی ماضی ہی کے لیے جائیں گے۔ لیکن اس طرح کہ مستقبل متیقن الوقوع کو گویا ماضی فرض کر لیا گیا۔ جیسے "اَتٰى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ" میں۔ اس طرح مسیح علیہ السلام نے بچپن میں ماضی کے صیغے استعمال کر کے متنبہ کر دیا کہ ان سب چیزوں کا آئندہ پایا جانا ایسا قطعی اور یقینی ہے کہ اسے یہ ہی سمجھنا چاہیے کہ گویا پائی جا چکی۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی اس خارق عادت گفتگو سے اور ان اوصاف و خصال سے جو بیان کیے نہایت بلاغت کے ساتھ اس ناپاک تہمت کا رد ہو گیا جو ان کی والدہ ماجدہ پر لگائی جاتی تھی۔ اول تو ایک بچہ کا بولنا، اور ایسا جامع و موثر کلام طبعاً دشمنوں کو خاموش کرنے والا تھا پھر جس ہستی میں ایسی پاکیزہ خصال پائی جائیں، ظاہر ہے۔ وہ العیاذ باللہ ولد الزنا کیسے ہو سکتی ہے جیسا کہ خود ان کے اقرار ﴿مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا﴾ سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ فروع کو اصول کے موافق دیکھنا چاہتے تھے۔

ف۱ اس جملہ کے ہم معنی جملہ پہلے حضرت یحییٰ کے ذکر میں گزر چکا۔ فرق اتنا ہے کہ وہاں خود حق تعالیٰ کی طرف سے کلام تھا۔ یہاں حق تعالیٰ نے مسیح کی زبان سے وہی بات فرمائی۔ نیز "سَلٰمٌ" اور "اَلسَّلٰمُ" کا فرق بھی قابل لحاظ ہے۔

ولادت کا قصہ بیان کرتے ہیں۔ اس لیے کہ بوڑھے مرد اور بانجھ عورت سے بچہ پیدا ہونا اگرچہ عجیب ہے۔ مگر والدین سے بچہ کا پیدا ہونا عادۃً قریب الی العقل ہے اور بغیر باپ کے محض ماں سے بچہ پیدا ہونا بہت ہی عجیب وغریب ہے جو اللہ کی کمال قدرت پر دلالت کرتا ہے کہ خدائے تعالیٰ بغیر باپ کے بھی بچہ پیدا کرنے پر قادر ہے۔ ولادت خواہ کسی طرح ہو وہ کسی مادہ اور طبیعت کے اقتضاء پر موقوف نہیں۔ صرف اللہ کے ارادہ اور مشیت پر موقوف ہے۔ مطلب یہ کہ خدائے تعالیٰ قادر مطلق ہے جس طرح چاہے پیدا کرے اور کوئی مولود معبود نہیں ہو سکتا۔ حق جل شانہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا قصہ یہود اور نصاریٰ دونوں ہی کی تردید اور اصلاح کے لیے بیان فرمایا اس لیے کہ یہود تو حضرت مسیح بن مریم علیہما السلام کو معاذ اللہ ولد الزنا بتاتے تھے اور نصاریٰ ان کو خدا یا خدا کا بیٹا بتلاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ولادت کی مفصل کیفیت بیان کی تا کہ خوب واضح ہو جائے کہ یہ مولود مسعود اللہ کی قدرت اور اس کی رحمت کی نشانی ہے۔ معاذ اللہ ولد الزنا نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس مولود مسعود کو خلاف عادت محض اپنی قدرت سے بغیر باپ کے پیدا فرمایا ہے۔ اور یہ معلوم ہو جائے کہ یہ مبارک مولود قدرت خداوندی کا ایک کرشمہ ہے معبود نہیں۔ چنانچہ اس مولود مسعود نے پیدا ہونے کے بعد جو پہلا کلام کیا سب سے پہلے اپنی عبدیت کا اقرار کیا۔

﴿قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللّٰهِ﴾ اور اس کے بعد اپنی صفات بیان کیں جن میں اپنی نبوت کا اور اپنی برکت کا اور اپنی عبادت کا یعنی نماز اور زکوٰۃ کا اور اپنی تواضع اور اطاعت کا اور خدا تعالیٰ کی طرف سے اپنے اوپر سلامتی کا ذکر فرمایا تا کہ سننے والے سن لیں کہ میں خدا کا بندہ ہوں اور جو لوگ مجھے بے باپ کے پیدا ہونے کی وجہ سے خدا کا بیٹا کہتے ہیں وہ سب غلط ہے۔ ولادت اور الوہیت کا جمع ہونا عقلاً محال ہے۔ بغیر باپ کے پیدا ہونا الوہیت اور ابنیت کی دلیل نہیں۔ بلکہ من جانب اللہ عزت اور کرامت کی دلیل ہے۔ اور پھر شیر خوارگی کی حالت میں اپنے معجزانہ کلام کو ﴿وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ أَمُوْتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا﴾ پر ختم فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو تمام تہمتوں اور عیبوں سے سلامتی عطا فرمائی ہے۔ یہی اس کی دلیل ہے کہ معاذ اللہ حضرت مسیح بن مریم علیہما السلام خدا نہیں کیونکہ خدا کو کسی کی سلامتی کی ضرورت نہیں۔ نیز خدا ولادت اور موت اور بعث سے پاک اور منزہ ہے۔ اور ان تین وقتوں کی تخصیص اس لیے فرمائی کہ یہ تین وقت انسان پر بہت سخت اور نازک ہیں۔ ان تین وقتوں میں انسان اللہ کی سلامتی کا بہت زیادہ محتاج ہوتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی آپ اس کتاب یعنی قرآن کے اس خاص حصہ یعنی اس سورت میں مریم کا قصہ لوگوں کو پڑھ کر سنائیے۔ جب وہ اپنے گھر والوں سے علیحدہ ہو کر ایک ایسے مکان میں جو مشرق کی جانب تھا۔ غسل کے لیے گئیں۔ سو اپنے اور ان کے درمیان ایک پردہ ڈال لیا تا کہ اس پردہ کی آڑ میں غسل کر سکیں اور کوئی اس پردہ کے اندر نہ آ سکے۔ پس جب غسل کر چکیں اور کپڑے پہن لیے تو اس وقت ہم نے اس کے پاس ایک اپنا فرشتہ یعنی جبریل امین علیہ السلام کو بھیجا۔ پس وہ پورا آدمی بن کر مریم کے سامنے نمودار ہوا۔ یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام ایک نہایت حسین وجمیل اور خوبصورت نوجوان کی صورت میں مریم علیہا السلام کے سامنے ظاہر ہوئے آدمی کی صورت میں اس لیے نظر آئے تا کہ مریم علیہا السلام ان کو دیکھ کر ڈریں نہیں اور ان کا کلام سنیں۔ اگر فرشتہ کی صورت میں نظر آتے تو مریم علیہا السلام ان کو دیکھ کر ڈر جاتیں اور بے ہوش ہو جاتیں۔ اور عجب نہیں کہ اس صورت میں مریم صدیقہ علیہا السلام

کی عفت اور پاک بازی کا امتحان بھی مقصود ہو غرض یہ کہ مریم علیہا السلام نے جب غسل خانے میں ایک اجنبی اور بیگانہ آدمی دیکھا اور گھبرا گئیں اور بولیں کہ میں تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں اگر تو مرد متقی ہے۔ تو میں تیرے شر سے پناہ مانگتی ہوں۔

مطلب یہ ہے کہ مریم علیہا السلام اس کو بشر سمجھ کر گھبرائیں اور خدا کا واسطہ دیا کہ سامنے سے ہٹ جائے تو اس وقت جبرئیل امین علیہ السلام نے اپنا فرشتہ ہونا ظاہر کیا۔ اور کہا کہ میں کوئی بشر اور آدمی نہیں اس سے تم ڈر رہی ہو۔ میں تو تیرے پروردگار کا فرستادہ (بھیجا ہوا) فرشتہ ہوں تا کہ تجھ کو خدا کے حکم سے پاک اور پاکیزہ لڑکا عطا کروں۔ مجھ سے ڈرنے اور پناہ مانگنے کی ضرورت نہیں۔ میں ایسا نہیں جیسا کہ تیرا گمان ہے۔

مریم علیہا السلام کو اس کی نورانی صورت سے القاء ربانی سے یہ یقین ہو گیا کہ بیشک یہ فرشتہ ہے مگر تعجب ہے کہ بغیر شوہر کے کیسے بچہ ہوگا اس لیے مریم علیہا السلام نے کہا میرے لڑکا کہاں سے ہوگا اور مجھ کو تو کسی آدمی نے ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ یعنی میرا کسی سے نکاح نہیں ہوا اور نہ تھی میں کبھی بدکار جبرئیل علیہ السلام نے کہا یونہی ہوگا۔ یعنی اللہ تعالیٰ تجھے بغیر باپ کے ہی لڑکا عطا کرے گا۔ تیرے پروردگار نے فرمایا ہے کہ وہ (یعنی بغیر باپ کے بیٹا عطا کرنا) مجھ پر آسان ہے۔

اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے۔ وہ اپنی تخلیق و تکوین میں آلات اور مواد اور اسباب کا محتاج نہیں۔ اسے بغیر باپ کے لڑکا پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔ اور ہم چاہتے ہیں کہ اس لڑکے کو لوگوں کے لیے اپنی قدرت کی نشانی بنا دیں۔ کہ اس کے حال کو دیکھ کر لوگ ہماری قدرت کو پہچانیں کہ اللہ تعالیٰ بغیر باپ کے لڑکا پیدا کرنے پر قادر ہے۔ اور ہم یہ چاہتے ہیں کہ اپنی جانب سے اسی بے باپ کے بچہ کو سامان رحمت بنائیں جو اس پر ایمان لائے وہ ہدایت پائے۔ اور قیامت کے دن شفاعت سے بہرہ یاب ہو۔ یہ فائدہ خاص مؤمنین کے لیے ہے اور ﴿اٰیَةً لِّلنَّاسِ﴾ یعنی قدرت کی نشانی ہونا یہ سب لوگوں کے واسطے ہے۔ اور اس بچہ کا بغیر باپ کے پیدا ہونا علم الٰہی میں طے شدہ امر ہے۔ حضرت مریم علیہا السلام فرشتے کی بات سے مطمئن ہو گئیں پھر اس گفتگو کے بعد جبریل امین علیہ السلام مریم علیہا السلام کے قریب آئے اور ان کے منہ میں یا گریبان میں پھونک ماری۔ پس اسی وقت مریم علیہا السلام حاملہ ہو گئیں۔ بعض کہتے ہیں کہ چھ سات مہینے حمل رہا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ قرار حمل اور ولادت سب ایک ہی ساعت میں واقع ہوئے۔

فرشتے عورت کو چھوتے نہیں۔ اس لیے جبریل امین علیہ السلام نے مریم علیہا السلام کے گریبان میں پھونک ماری جس سے وہ اسی وقت حاملہ ہو گئیں۔ قرآن کریم میں نفخ روح کا ذکر ہے۔ مگر اس کی کیفیت کا بیان نہیں۔ اس لیے بیان کیفیت سے سکوت اولیٰ ہے۔ پس جب وضع حمل کا وقت قریب آیا تو شرم کے مارے اس حمل کو لے کر کسی دور جگہ جنگل یا پہاڑ میں چلی گئیں۔ غالباً وہ جگہ بیت لحم ہے۔ یہ مقام بیت المقدس سے آٹھ میل کے فاصلہ پر ہے۔

بیت المقدس میں حضرت مریم علیہا السلام کی طرح ایک اور مرد صالح مسجد کی خدمت کیا کرتا تھا جس کا نام یوسف نجار تھا۔ اور وہ حضرت مریم علیہا السلام کا چچا زاد بھائی تھا۔ بڑا عابد و زاہد تھا۔ سب سے پہلے مریم علیہا السلام کے حمل کا حال یوسف نجار کو معلوم ہوا۔ دیکھ کر حیران اور ششدر رہ گیا کہ اس عفیفہ اور پاک دامن کو کیا ہوا۔ ایک طرف تو ان کی عفت و براءت و طہارت و نزاہت کا اور ان کی کرامتوں کا خیال آتا اور دوسری طرف آثار حمل کو دیکھتا تو متحیر ہوتا کہ آخر یہ ماجرا کیا

ہے۔ زبان سے چپ رہتا مگر اندر ہی اندر طرح طرح کے خیالات آتے بالآخر ایک دن حضرت مریم علیہا السلام سے تعریضاً اور کنایۃً یہ سوال کیا۔ اے مریم علیہا السلام تیرے بارے میں میرے دل میں خیال پیدا ہوا ہے میں نے اس کو بہت چھپانا چاہا مگر وہ مجھ پر غالب آیا میں اس کو تجھ پر ظاہر کر کے اپنے دل کو شفا دینا چاہتا ہوں۔ مریم علیہا السلام نے کہا، کہو وہ کیا خیال ہے۔

قال هل يكون قط شجر من غير حب وهل يكون زرع من غير بزر وهل يكون ولد من غير اب۔

یوسف نجار نے کہا اے مریم! کیا کوئی درخت بغیر گٹھلی کے اور کوئی کھیتی بغیر دانہ کے ہو سکتی ہے اور کیا کوئی فرزند بغیر باپ کے ہو سکتا ہے؟

مریم علیہا السلام اس تعریض اور کنایہ کو سمجھ گئیں اور کہا کہ ہاں کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ خدا نے جب پہلی کھیتی کو پیدا کیا تو بیج کے بغیر پیدا کیا۔ اور پہلے درخت کو اپنی قدرت سے بغیر پانی کے پیدا کیا۔ اس نے اپنی قدرت سے پانی کو درخت کی زندگی کا ذریعہ بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ پیدا کیا اور پھر ایک کو دوسرے کا سبب بنایا۔ کیا تیرا یہ اعتقاد ہے کہ حق تعالیٰ بغیر پانی کی مدد کے درخت اگانے پر قادر نہیں؟

یوسف نجار نے کہا میرا ہرگز یہ اعتقاد نہیں۔ میرا اعتقاد تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے جب وہ کسی کام کو کرنا چاہتا ہے تو صرف اتنا کہہ دیتا ہے کہ "ہو جا" سو وہ ہو جاتا ہے۔

مریم علیہا السلام نے کہا کیا تجھے معلوم نہیں کہ تخم اور دانہ کا اور کھیتی کا اور پانی کا اور بارش کا اور درخت کا ایک ہی خالق ہے اور وہ درخت اگانے میں کسی پانی اور دانہ کا محتاج نہیں۔ یوسف نجار نے کہا کیوں نہیں بیشک وہ قادر مطلق ہے۔

پھر مریم علیہا السلام نے کہا کیا تجھے یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اور اس کی عورت کو بغیر مرد کے اور بغیر عورت کے اور بغیر حمل کے پیدا کیا۔

حضرت مریم علیہا السلام کے یہ جوابات سن کر یوسف نجار کا دل مطمئن ہو گیا اور اس کے دل سے تمام شبہات دور ہو گئے اور سمجھ گیا کہ یہ کوئی امر غیبی ہے جو تہمت اور بدگمانی سے پاک ہے۔ بلکہ کرامت خداوندی ہے جس سے مریم علیہا السلام کو عزت دینی مقصود ہے۔ (دیکھو تفسیر کبیر للام الرازی: ۵/۵۴۶ و تفسیر ابن کثیر: ۳/۱۱۶ و تفسیر در منثور از سورۂ آل عمران: ۱۲/۲۴ و روح المعانی: ۱۶/۷۴)

پھر جب ولادت کا وقت قریب آیا تو دردِ زہ نے ان کو مضطر کیا اور مجبور کیا کہ وہ کھجور کے تنے سے آ کر سہارا لیں یہ درخت جنگل میں تھا اور بالکل خشک ہو گیا تھا۔ جب دردزہ شروع ہوا تو مریم علیہا السلام چار و ناچار ایک درخت خرما کے تنے سے سہارا لے کر بیٹھ گئیں۔ پریشانی کا عجیب عالم تھا ایک طرف تو بے سروسامانی اور دوسری طرف رسوائی اور بدنامی کا خیال اس لیے بولیں کہ کاش میں اس حالت سے پہلے ہی مر جاتی اور بھولی بھلائی ہو جاتی کہ کوئی میرا نام و نشان تک نہ جانتا۔ فضیحت اور رسوائی کے خوف سے مریم علیہا السلام نے موت کی تمنا کی۔ شرم اور عار کے خیال نے فرشتوں کی بشارت کو فراموش کر دیا۔ پس اس وقت فرشتے نے مریم علیہا السلام کو نیچے کی جانب سے آواز دی کہ تو غم نہ کر اور موت کی تمنا نہ کر تیرے پروردگار نے غیب

سے یکا یک تیرے نیچے ایک نہر جاری کردی ہے اور تیرے کھانے پینے کا سامان کردیا ہے۔ پینے کے لیے نہر جاری کردی اور کھانے کے لیے خشک درخت کو میوہ دار کردیا۔ پہلی مرتبہ جبریل علیہ السلام بشارت کے لیے آئے تو مریم علیہا السلام کے سامنے آئے اس وقت تسلی کے لیے آئے تو سامنے نہیں آئے بلکہ وادی کے نیچے سے آواز دی۔ مریم علیہا السلام اس وقت ایک ٹیلہ پر تھیں۔ اور نیچے جبریل علیہ السلام تھے۔ وہاں ایک خشک نہر تھی اللہ نے اپنی قدرت سے اس میں پانی جاری کردیا اور سوکھے درخت کو ہرا اور سرسبز کردیا۔ اسی دم اس پر پھل آ گئے اور حکم دیا اللہ تعالیٰ نے کہ اے مریم علیہا السلام اس کھجور کے تنے کو پکڑ کر اپنی طرف ہلا وہ تجھ پر پکی پکی تازہ کھجوریں گرائے گی۔ زچہ کے لیے سب سے زیادہ مفید تر کھجور ہے۔

اطبا نے لکھا ہے کہ عورت کے لیے ایام نفاس میں رطب تازہ کھجور سے بہتر کوئی غذا نہیں۔ الغرض جبریل علیہ السلام نے حضرت مریم علیہا السلام کی تسلی اور تسکین کے بعد یہ کہا۔ پس اے مریم علیہا السلام! تو اس پھل کو کھا اور اس پانی کو پی اور اس فرزند دلبند سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر جو خدا بلا اسباب ظاہری خشک زمین سے پانی اور خشک درخت سے میوہ پیدا کرسکتا ہے وہ بغیر باپ کے لڑکا پیدا کرنے پر بھی قادر ہے۔ حق تعالیٰ کی ان کرامتوں اور عنایتوں پر نظر کرو اور پریشانی اور غم دل سے نکال دو۔ یکا یک پانی کا جاری ہونا یہ تو پینے کا سامان ہوا اور خشک درخت سے یکدم تازہ کھجوروں کا گرنا یہ کھانے کا سامان ہوا۔ یہ تو لذت جسمانی ہوئی۔ اور چونکہ پانی اور پھل کا ظہور بطور خرق عادت ہوا۔ اس لیے یہ کرامت لذت روحانی کا سبب بنی۔

پس اے مریم علیہا السلام یہ تو تیری راحت کا سامان ہوا اور جس بدنامی سے تو ڈر رہی ہے اس کا انتظام یہ ہے کہ اگر تو اس کے بعد کسی آدمی کو دیکھے اور وہ تجھ سے تیرے بیٹے کا حال پوچھے کہ یہ لڑکا کہاں سے آیا تو تم زبان سے کچھ نہ بولنا بلکہ اشارہ سے یہ کہہ دینا کہ میں نے رحمن کے واسطے ایسے روزہ کی نذر کی ہے۔ جس میں کلام کی ممانعت ہے۔ سو اس وجہ سے میں آج کسی آدمی سے زبان سے بات نہیں کروں گی۔

بنی اسرائیل میں روزہ کی حالت میں بولنا منع تھا۔ ان لوگوں کا روزہ یہ تھا کہ کھانا اور پینا اور بات کرنا چھوڑ دیتے تھے۔ اس لیے ﴿فَقُوْلِیْٓ اِنِّیْ نَذَرْتُ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ زبان سے کچھ نہ کہنا بلکہ لوگوں کو اشارہ سے یہ بات سمجھا دینا۔ الخ

قول کبھی زبان سے ہوتا ہے اور کبھی اشارہ سے۔ غرض یہ کہ فرشتہ کے اس کلام سے حضرت مریم علیہا السلام کو تسلی ہوگئی اور عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ پھر جب مریم علیہا السلام کو ان بشارتوں اور کرامتوں سے سکون اور اطمینان ہوگیا تو مریم علیہا السلام اس بچہ کو اپنی گود میں اٹھائے ہوئے بیت اللحم سے چلیں اور اپنی قوم کے پاس اس کو لے کر آئیں تو قوم پر یہ بات بہت گراں گزری کہ جب مریم علیہا السلام کی کہیں شادی نہیں ہوئی تو یہ بچہ کہاں سے لائی سو کہنے لگے کہ اے مریم علیہا السلام یہ تو تو ایک عجیب اور انوکھی چیز لے کر آئی ہے۔ تیرے گھر والوں میں کبھی ایسا امر ہوا ہی نہ تھا۔ اس طرح بچہ کو برملا گود میں لے کر آنا بہت ہی شرم کا مقام ہے یہ تو کھلی بے باکی اور بے حیائی ہے۔ اے ہارون کی بہن تیرا باپ کوئی برا آدمی نہ تھا اور نہ تیری ماں بدکار تھی یہ اثر تجھ میں کہاں سے آیا۔ سچ بتا کہ کس کا ہے۔ مریم علیہا السلام کے باپ کا نام عمران تھا جو مسجد اقصیٰ کے امام تھے اور بڑے عابد و زاہد تھے اور ان کی ماں کا نام حنہ بنت فاقوذا تھا جن کا قصہ قرآن میں مذکور ہے۔ پس جب تیرے ماں باپ بھائی بدکار نہ تھے تو تو نے یہ نالائق حرکت کیسے کی۔ حدیث میں ہے کہ مریم علیہا السلام کے بھائی کا نام ہارون تھا۔ جن کا زہد اور عبادت بنی

اسرائیل میں ضرب المثل تھا۔ اور حضرت مریم علیہا السلام کا زہد اور عبادت بھی اپنے بھائی ہارون جیسا تھا۔ اس بناء پر ان کو اخت ہارون کہا گیا۔ اور ہارون نام حضرت ہارون پیغمبر علیہ السلام کے نام پر رکھا گیا تھا۔ بنی اسرائیل میں یہ دستور تھا کہ وہ اپنے بچوں کے نام پیغمبروں اور صالحین کے نام پر رکھتے تھے۔ جیسا کہ مسلمانوں میں ہزاروں آدمیوں کا نام محمد اور احمد رکھا گیا ہے۔ اور اگر بالفرض ہارون سے مراد برادر موسیٰ علیہ السلام ہی ہوں تو بھی محاورۂ عرب کے مطابق مریم علیہا السلام کو اخت ہارون کہنا درست ہے۔ کیونکہ مریم علیہا السلام حضرت ہارون کی نسل سے تھیں۔ جیسے تمیمی کو یا اخاتمیم اور ہمدانی کو یا اخا ھمدان کہتے ہیں اور قرآن کریم میں ہے، ﴿وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ﴾ اس طرح مریم علیہا السلام کو ﴿يٰٓاُخْتَ هٰرُوْنَ﴾ کہنا صحیح ہے۔

پس مریم علیہا السلام اپنی قوم کی طعن وتشنیع کی یہ باتیں سن کر حسب ہدایت خداوندی خاموش ہوگئیں اور کوئی جواب نہیں دیا بلکہ اس بچہ کی طرف اشارہ کردیا کہ جو کچھ کہنا ہو وہ اس سے کہو۔ یہ بچہ تمہیں جواب دے گا۔ تو وہ لوگ برہم ہو کر بولے کہ ہم اس بچہ سے کیسے بات کریں جو ابھی ماں کی گود میں بچہ ہی ہے۔ جب حضرت مریم علیہا السلام نے بچہ کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ تم اس بچہ سے پوچھ لو تو اور غضبناک ہوئے کہ بجائے شرم کے ہم سے تمسخر کرتی ہے اور کہتی ہے کہ اس شیر خوار بچہ سے پوچھ لو اور کہا [1] جاتا ہے کہ زکریا علیہ السلام کو جب یہ خبر معلوم ہوئی تو وہ بھی جھپٹے ہوئے آئے اور بچہ سے کہا کہ اگر تو من جانب اللہ مامور ہے تو اپنی حجت اور حقیقت بیان کر۔ عیسیٰ علیہ السلام نے دودھ پینا چھوڑ دیا اور ان کی طرف متوجہ ہوئے اور بول اٹھے اور کہا کہ میں بلاشبہ اللہ کا بندہ ہوں خدا اور خدا کا بیٹا نہیں۔ الغرض جب حضرت مریم علیہا السلام بچہ کو لے کر اپنی قوم میں آئیں تو بنی اسرائیل جمع ہو گئے اور حضرت مریم علیہا السلام پر طعن وتشنیع شروع کی اس وقت [2] حضرت عیسیٰ علیہ السلام ماں کا دودھ پی رہے تھے اسی وقت دودھ پینا چھوڑ دیا اور بائیں پہلو پر تکیہ لگا کر انگشت شہادت سے ان کی طرف اشارہ کیا اور جواب دینا شروع کیا اور کہا کہ تحقیق میں اللہ کا بندہ ہوں (تفسیر قرطبی: ۱۱/۱۰۲)

اور اپنی ذات کے لیے آٹھ صفتیں بیان فرمائیں جن میں تمام خیالات فاسدہ کا رد ہو گیا۔

پہلی صفت: عبدیت

﴿اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ﴾

یعنی میں اللہ کا خاص بندہ ہوں بطور خرق عادت کے بغیر باپ کے پیدا ہوا ہوں معاذ اللہ ولد الزنا نہیں اور نہ معاذ اللہ میں عین خدا ہوں اور نہ خدا مجھ میں حلول کیے ہوئے ہے۔ اس لیے کہ خالق معبود کا ایک جسم نومولود کے ساتھ متحد ہونا بداہۃ محال ہے اس لیے کہ معبود قدیم ہے اور جسم نومولود حادث ہے جو ابھی عدم سے وجود میں آیا ہے اور ظاہر ہے کہ قدیم نہ حادث

[1] قیل کان المستنطق لعیسیٰ زکریا (کذا فی البحر المحیط: ۶/۱۸۷)

وقال الرازی وقیل ان زکریا علیہ السلام اتاھا عند مناظرۃ الیھود ایاھا فقال لعیسی علیہ السلام انطق بحجتک ان کنت امرت بھا فقال عیسیٰ علیہ السلام عند ذلک ﴿اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ﴾ (تفسیر کبیر: ۵/۷۸۹)

[2] فقیل کان عیسیٰ علیہ السلام یرضع فلما سمع کلامھم ترک الرضاعۃ واقبل علیھم بوجھہ واتکأ علی یسارہ واشار الیہ بسبابتہ الیمنی وقال ﴿اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ﴾ (تفسیر قرطبی: ۱۱/۱۰۲)

کے ساتھ متحد ہوسکتا ہے اور نہ اس کا عین ہوسکتا ہے اور نہ اس میں حلول کرسکتا ہے۔

۱- کیونکہ محل۔ حال کو محیط ہوتا ہے۔ اور اپنے اندر اس کو سمو لیتا ہے۔

۲- نیز محل اور ظرف۔ حال اور مظروف سے مقدار میں زیادہ ہوتا ہے۔

۳- نیز حال، محل کا محتاج بھی ہوتا ہے اور اللہ ان سب باتوں سے پاک اور منزہ ہے۔

عقلاً یہ امر محال ہے کہ ایک جسم حادث اور متغیر، قدیم اور واجب الوجود کا محل اور ظرف بن سکے اور اس کو اپنے احاطہ میں لے سکے۔ یا اس کا جزء بن سکے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقصود اگرچہ اس کلام سے ماں سے تہمت دور کرنا تھا مگر عیسیٰ علیہ السلام نے سب سے پہلے خدا تعالیٰ سے تہمت کو دور کیا کہ کسی کو خدا کا شریک ٹھہرانا یا اس کے لیے اولاد تجویز کرنا یہ خدا تعالیٰ پر اتہام ہے۔ اور وہ اس تہمت سے پاک ہے۔ اسی طرح میری ماں کا حال ہے لوگ اس پر زنا کی تہمت لگا رہے ہیں مگر وہ اس سے بالکل پاک ہے۔ ایسا مبارک اور صاحب کمال بچہ کہیں زنا سے پیدا ہوسکتا ہے اور میری ولادت اس بات کی دلیل ہے کہ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ معاذ اللہ خود اللہ یا اللہ کا بیٹا نہیں۔ اس لیے کہ مولود معبود نہیں ہوسکتا لامحالہ عبد ہی ہوگا۔ اور اگر بقول نصاریٰ بطور فرض محال اس بات کو مان لیا جائے کہ ذات خداوندی کے ناسوت کا عیسیٰ علیہ السلام میں حلول جائز اور ممکن ہے تو پھر کلمۃ اللہ کا حلول اور دخول، زید اور ذات عمر میں بھی جائز ہونا چاہیے۔ سب کو معلوم ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام قدیم اور ازلی نہ تھے۔ بلکہ حادث تھے ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے۔ پس اگر ایک جسم حادث اور طفل مولود میں خداوند کا حلول اور دخول ممکن ہے تو پھر جسم فرعون میں اور جسم نمرود میں اور جسم گوسالہ میں معبود کا حلول کیوں محال ہے؟

اور دوسری صفت

یہ ہے کہ اللہ نے مجھ کو کتاب یعنی انجیل دی ہے۔ یعنی عنقریب اللہ تعالیٰ مجھ کو کتاب (انجیل) عطا کرے گا جو میری نبوت کی دلیل ہوگی اور نبوت الوہیت کے منافی ہے۔

اور تیسری صفت

یہ ہے کہ اللہ نے مجھ کو نبی بنایا ہے۔ یعنی اللہ نے ازل میں فیصلہ کر دیا ہے کہ وہ مجھ کو نبی بنائے گا۔ اور مجھ کو انجیل عطا کرے گا۔ اور چونکہ یہ فیصلہ قطعی ہے ضرور اپنے وقت پر واقع ہوگا۔ اس لیے اس آنے والے واقعہ کو بصیغۂ ماضی تعبیر کیا اور بعض کا قول یہ ہے کہ اسی وقت اللہ نے ان کو کتاب دے دی اور نبی کر دیا۔ مگر یہ قول غایت درجہ بعید ہے۔ صحیح مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ازل میں یہ حکم کر چکا ہے کہ آئندہ چل کر مجھ کو نبوت ملے گی اور مجھ پر انجیل نازل ہوگی۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں نبی تھا۔ حالانکہ آدم علیہ السلام ابھی روح اور جسد کے درمیان تھے۔

اور چوتھی صفت

یہ ہے ﴿وَّ جَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَیْنَ مَا كُنْتُ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھ کو برکت والا بنایا ہے جس جگہ بھی ہوں جہاں بھی

رہوں اور جاؤں خیر و برکت میرے ساتھ ہوگی اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ میں خدا کا مبارک بندہ ہوں۔

اور پانچویں صفت

یہ ہے ﴿وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَیًّا﴾ اللہ نے مجھ کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے۔ جب تک میں دنیا میں زندہ رہوں۔ اس لیے کہ آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد بندہ احکام شرعیہ کا مکلف نہیں رہتا البتہ قیامت کے قریب جب آسمان سے دوبارہ نازل ہوں گے تو پھر حسب دستور احکام شرعیہ کے مکلف ہوں گے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ نے مجھ کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے جو اس کے حکم کے مطابق اس کے مقررہ وقت پر ادا کی جائے گی اور ظاہر ہے کہ نماز اور زکوٰۃ اللہ کی عبادت ہے اور عبادت دلیل عبدیت کی ہے۔ اور عبدیت اور الوہیت کا جمع ہونا عقلاً محال ہے۔

اور چھٹی صفت یہ ہے

﴿وَّبَرًّا بِوَالِدَتِیْ﴾

اللہ تعالیٰ نے مجھ کو میری والدہ کا خدمت گذار بنایا ہے۔ اشارہ اس طرف ہے کہ میں بغیر باپ کے پیدا ہوا ہوں اور میری یہ والدہ عفیفہ اور طاہرہ اور مطہرہ ہے مجھ پر اس کی تعظیم و تکریم واجب ہے۔ بالفرض اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کوئی باپ ہوتے تو خدمت اور احسان میں والدہ کی تخصیص نہ ہوتی بلکہ باپ کا بھی ذکر ہوتا جیسا کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے قصہ میں فرمایا ﴿وَّبَرًّا بِوَالِدَیْهِ﴾ یعنی یحییٰ علیہ السلام اپنے والدین کے ساتھ نیکی کرنے والے تھے اور اپنی والدہ کی خدمت اور اطاعت دلیل عبدیت کی ہے۔

اور ساتویں صفت یہ ہے

﴿وَلَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا﴾

اللہ نے مجھ کو سرکش اور بدبخت نہیں بنایا کہ اللہ کا حکم نہ مانوں بلکہ متواضع اور نیک بخت بنایا۔ اس لیے کہ معصیت شقاوت کا سبب ہے۔ معلوم ہوا کہ جو شخص نماز نہیں پڑھتا یا زکوٰۃ نہیں دیتا اپنی ماں کا نافرمان ہے وہ متکبر اور بدبخت ہے اور متواضع اور نیک بخت ہونا یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بندے تھے۔

اور آٹھویں صفت یہ ہے

﴿وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَیَوْمَ اَمُوْتُ وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا﴾

سلامتی ہے مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میں مروں گا اور جس دن میں قبر سے زندہ اٹھایا جاؤں گا۔ یہ صفت بھی اس بات کی دلیل ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ نبی تھے کیونکہ خدا ولادت اور موت سے منزہ ہے اور کسی کی سلامتی اور حفاظت سے بے نیاز ہے۔

حدیث میں ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہونے کے چند سال بعد مدینہ منورہ میں وفات پائیں گے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس روضۂ اقدس میں مدفون ہوں گے۔ اور اللہ تعالیٰ کی قدرت سے وہاں ایک قبر کی جگہ خالی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ مجھ پر اللہ کی سلامتی ہے جس دن میں پیدا ہوا اس شیطان سے محفوظ رہا اور مرنے کے بعد سوال قبر وغیرہ سے محفوظ رہا اور قیامت کے دن قیامت کی ہول اور دہشت سے محفوظ رہوں گا۔ مجھے کہیں خوف وغم نہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ماں کی گود میں یہ خارق عادت کلام کیا اور اپنی خداداد خصال کمال کو نہایت بلاغت کے ساتھ بیان کیا۔

جب لوگوں نے ان کا یہ کلام سنا تو حیرت میں رہ گئے اور اس خارق عادت کلام کو سن کر لوگوں کو ان کی ماں کی براءت اور نزاہت معلوم ہوگئی اور اسی وجہ سے لوگوں نے مریم علیہا السلام پر زنا کی سزا قائم نہ کی اور مطمئن ہوگئے کہ یہ لڑکا معاذ اللہ ولد الزنا نہیں بلکہ قدرت خداوندی کی ایک نشانی ہے۔ اور خوب سمجھ گئے کہ یہ بچہ اور اس کی ماں ہر قسم کی تہمت سے پاک ہے۔ اس لیے کہ اول تو ایک نومولود بچہ کا خارق عادت طریقہ پر اس طرح گفتگو کرنا اور نہایت فصاحت اور بلاغت کے ساتھ ایسا مؤثر کلام کرنا جس سے دشمن حیران اور سر بگریباں رہ جائیں، اس بات کی دلیل ہے کہ یہ نومولود نہایت مبارک اور مسعود ہے اور یہ اور اس کی ماں ہر قسم کی تہمت سے پاک اور منزہ ہے۔ پھر یہ کہ جو مولود ایسی پاکیزہ خصال اور ایسی صفات کمال کے ساتھ موصوف ہو وہ کیسے ولد الزنا ہو سکتا ہے خصوصاً جبکہ خود ان کے اقرار ﴿مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا﴾ سے کہ فرع کو اصل کے مطابق دیکھنا چاہیے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ آخری کلام تھا یہ خارق عادت کلام سن کر لوگوں نے ان کی والدہ کی براءت معلوم کر لی اور خاموش ہو گئے اور عیسیٰ علیہ السلام بھی یہ کلام کر کے شیر خوار بچوں کی طرح خاموش ہو گئے پھر انہوں نے کوئی بات نہیں کی۔ یہاں تک کہ اس مدت کو پہنچے جس میں بچے عادتاً باتیں کیا کرتے ہیں اس کلام کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بولنا کہیں ثابت نہیں ورنہ ضرور نقل ہوتا۔ غرض یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام اس کلام کے بعد شیر خوار بچوں کی طرح خاموش ہو گئے اور جب تک بولنے کی عمر تک نہ پہنچے اس وقت تک نہ بولے۔ (دیکھو تفسیر [1] قرطبی: ۱۱/ ۱۰۳)

ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ﴿۳۴﴾ مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ

یہ ہے عیسیٰ مریم کا بیٹا سچی بات جس میں لوگ جھگڑتے ہیں ف ۱ اللہ ایسا نہیں کہ رکھے

یہ ہے عیسیٰ مریم کا بیٹا! سچی بات جس میں جھگڑتے ہیں۔ اللہ ایسا نہیں کہ رکھے

ف ۱ یعنی حضرت مسیح علیہ السلام کی شان وصفت یہ ہے جو اوپر بیان ہوئی۔ ایک سچی اور کھلی ہوئی بات میں لوگوں نے خواہ مخواہ جھگڑے ڈال لیے۔ اور طرح طرح =

[1] قال الامام القرطبی قد روی فی قصص هذه الاٰية عن ابن زيد وغيره انه لما سمعوا كلام عيسىٰ اذعنوا وقالوا ان هذا الامر عظيم وروی ان عيسىٰ عليه السلام انما تكلم فی طفوليته بهذه الاٰية ثم عاد الی حالة الاطفال حتی مشی علی عادة البشر الی ان بلغ مبلغ الصبيان فكان نطقه اظهار براءة امه لا انه كان ممن يعقل فی تلك الحالة وهو كما ينطق الله تعالیٰ الجوارح يوم القيامة ولم ينقل انه دام نطقه ولا انه كان يصلی وهو ابن يوم او شهر ولو كان يدوم نطقه وتسبيحه ووعظه وصلاته فی صغره من وقت الولادة لكان مثله مما لا ينكتم (۱۱/ ۱۰۳)

وقال السيوطی رحمه الله ثم امسك عيسیٰ عن الكلام حتی بلغ مبلغ الناس۔ (تفسير در منثور: ۴/ ۲۶۶)

واخرج ابن ابی شيبة وابن ابی حاتم وابن عساكر من طريق مجاهد عن ابن عباس رضی الله عنهما قال تكلم عيسیٰ عليه السلام بعد الاٰيات التی تكلم بها حتی بلغ مبلغ الصبيان۔ (تفسير در منثور: ۴/ ۲۷۱)

وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (۳۵) وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ

اولاد وہ پاک ذات ہے جب ٹھہرالیتا ہے کسی کام کا کرنا سو یہی کہتا ہے اس کو کہ ہو وہ ہو جاتا ہے ف۱ اور کہا بیشک اللہ ہے رب میرا اور رب تمہارا

اولاد، وہ پاک ذات ہے۔ جب ٹھہراتا ہے کچھ کام، یہی کہتا ہے اس کو کہ 'ہو' وہ ہوتا ہے۔ اور کہا، بیشک اللہ ہے رب میرا اور رب تمہارا،

فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ (۳۶) فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ

سو اس کی بندگی کرو یہ ہے راہ سیدھی پھر جدی جدی راہ اختیار کی فرقوں نے ان میں سے سو خرابی ہے

سو اس کی بندگی کرو، یہ ہے راہ سیدھی۔ پھر کئی راہ ہوگئے فرقے ان میں سے۔ سو خرابی ہے

لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ (۳۷) اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ ۙ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا لٰكِنِ

منکروں کو جس وقت دیکھیں گے ایک دن بڑا ف۲ کیا خوب سنتے اور دیکھتے ہوں گے جس دن آئیں گے ہمارے پاس پر

منکروں کو، جس وقت دیکھیں گے ایک دن بڑا۔ کیا سنتے دیکھتے ہوں گے جس دن آویں گے ہمارے پاس،

الظّٰلِمُوْنَ الْيَوْمَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (۳۸) وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ ۘ وَهُمْ فِيْ

بے انصاف آج کے دن صریح بہک رہے ہیں ف۳ اور ڈر سنا دے ان کو اس پچھتاوے کے دن کا جب فیصل ہو چکے گا کام ف۴ اور وہ

پر بے انصاف آج کے دن صریح بھٹکتے ہیں۔ اور ڈر سنادے ان کو اس پچھتاوے کے دن کا، جب فیصل ہو چکے گا کام، اور وہ

= کے اختلافات کھڑے کر دیے۔ کسی نے ان کو خدا بنا دیا کسی نے خدا کا بیٹا کسی نے کذاب ومفتری کہا کسی نے نسب وغیرہ پر طعن کیا۔ سچی بات وہ ہی ہے جو ظاہر کر دی گئی کہ خدا نہیں، خدا کے مقرب بندے ہیں۔ جھوٹے مفتری نہیں، سچے پیغمبر ہیں۔ ان کا حسب نسب سب سے پاک وصاف ہے۔ خدا نے ان کو "کلمۃ اللہ" فرمایا ہے اور ممکن ہے "قول الحق" کے معنی بھی یہاں "کلمۃ اللہ" کے ہوں۔

ف۱ جس کے ایک "کُنْ" (ہو جا) کہنے میں ہر چیز موجود ہو، اسے بیٹے پوتوں کی کیا ضرورت لاحق ہوگی۔ کیا (العیاذ باللہ) اولاد ضعیفی میں سہارا دے گی؟ یا مشکلات میں ہاتھ بٹائے گی؟ یا اس کے بعد نام چلائے گی؟ اور اگر شبہ ہو کہ عموماً آدمی ماں باپ سے پیدا ہوتا ہے۔ پھر حضرت مسیح علیہ السلام کا باپ کسے کہیں؟ اس کا جواب بھی اسی جملہ "کُنْ فَيَكُوْنُ" میں آ گیا۔ یعنی ایسے قادر مطلق کے لیے کیا مشکل ہے کہ ایک بچہ کو بن باپ پیدا کر دے۔ اگر عیسائی خدا کو باپ اور مریم کو ماں کہتے ہیں تو کیا (معاذ اللہ) دوسرے تعلقات زناشوئی کا بھی اقرار کریں گے؟ باپ مان کر بھی بہرحال تخلیق کا طریقہ وہ تو نہ ہوگا جو عموماً والدین میں ہوتا ہے۔ پھر بدون باپ کے پیدا ہونے میں کیا اشکال ہے۔

ف۲ یہ کس نے کہا؟ بعض کے نزدیک یہ حضرت مسیح علیہ السلام کا مقولہ ہے۔ گویا پیشتر حضرت مسیح کی جو گفتگو ﴿قَالَ اِنِّىْ عَبْدُ اللّٰهِ﴾ الخ سے نقل کی گئی تھی، یہ اس کا تکملہ ہوا۔ درمیان میں مخاطبین کی تنبیہ کے لیے ﴿ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ﴾ سے حق تعالیٰ کا کلام تھا۔ میرے نزدیک بہتر یہ ہے کہ اس کو ﴿وَاذْكُرْ فِى الْكِتٰبِ مَرْيَمَ﴾ الخ کے ساتھ لگایا جائے۔ یعنی (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کتاب میں مریم ومسیح کا حال سنا کر جو مذکور ہو چکا، کہہ دو کہ میرا اور تمہارا سب کا رب اللہ ہے۔ تنہا اسی کی بندگی کرو۔ بیٹے، پوتے مت بناؤ۔ سیدھی راہ توحید خالص کی ہے جس میں کچھ اینچ پینچ نہیں۔ سب انبیاء اسی کی طرف ہدایت کرتے آئے لیکن لوگوں نے بہت سے فرقے بنالیے اور جدی جدی راہیں نکال لیں۔ سو جو لوگ توحید کا انکار کر رہے ہیں، انھیں بڑے ہولناک دن (روز قیامت) کی تباہی سے خبردار رہنا چاہیے جو یقیناً پیش آنے والی ہے۔

ف۳ یعنی آج تو جبکہ سننا اور دیکھنا مفید تھا، بالکل اندھے، بہرے بنے ہوئے ہیں اور قیامت کے دن جب دیکھنا سننا کچھ فائدہ نہ دے گا، آنکھیں اور کان خوب کھل جائیں گے اس وقت وہ باتیں سنیں گے جن سے جگر پھٹ جائیں اور وہ منظر دیکھیں گے جس سے چہرے سیاہ ہو جائیں نعوذ باللہ منہ۔

ف۴ کافروں کو پچھتانے کے بہت مواقع پیش آئیں گے۔ آخری موقع وہ ہوگا جب موت کو مینڈھے کی صورت میں لا کر بہشت و دوزخ کے درمیان، سب کو دکھا کر ذبح کیا جائے گا اور ندا آئے گی کہ بہشتی بہشت میں اور دوزخی دوزخ میں ہمیشہ کے لیے رہ پڑے، اس کے بعد کسی کو موت آنے والی نہیں۔ اس وقت =

غَفْلَةٍ وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝٣٩ اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ۝٤٠ ع

بھول رہے ہیں اور وہ یقین نہیں لاتے ف۱ ہم وارث ہوں گے زمین کے اور جو کوئی ہے زمین پر اور وہ ہماری طرف پھر آئیں گے ف۲

بھول رہے ہیں اور یقین نہیں لاتے۔ ہم وارث ہوں گے زمین کے اور جو کوئی ہے زمین پر، اور ہماری طرف پھر آدین گے۔

قول مبرم وفیصلہ محکم

در بارۂ حقیقت عیسیٰ بن مریم صلی اللہ تعالیٰ علیٰ نبینا وعلیہما وبارک وسلم

قَالَ اللہُ تَعَالٰی : ﴿ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ... الی ... وَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ﴾

یہاں تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا قصہ تفصیل سے بیان فرمایا تا کہ اصل حقیقت واضح اور منکشف ہو جائے۔

اب آگے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہود اور نصاریٰ کے اختلاف کا فیصلہ فرماتے ہیں۔

چنانچہ فرماتے ہیں، یہ ہیں عیسیٰ پسر مریم جو فقط عورت سے بغیر باپ کے پیدا ہوئے ہیں۔ یہ فقط مریم علیہا السلام کے بیٹے ہیں ان کا کوئی باپ نہیں۔ ان کی صحیح شان اور صفت وہ ہے جو اوپر بیان ہوئی عیسیٰ بن مریم علیہما السلام وہ نہیں جن کو عیسائی خدا یا خدا کا بیٹا کہتے ہیں اور نہ وہ ولد الزنا ہیں جیسا کہ یہود کہتے ہیں۔ میں بالکل سچی بات ❶ بتلا رہا ہوں جس میں لوگ اختلاف کر رہے ہیں۔ یہود عیسیٰ علیہ السلام کو ولد الزنا اور جھوٹا اور جادوگر کہتے ہیں اور نصاریٰ میں کوئی ان کو اللہ اور کوئی ان کو ابن اللہ کہتا ہے مگر وہ حقیقت میں اللہ کا بندہ ہے اور اس کا نبی ہے اور روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہے۔ سچی اور حق بات یہ ہے جو بتلا دی گئی۔ اور اس کے سوا سب جھوٹ ہے۔ گزشتہ آیات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کو ثابت کیا اب آگے کی آیت میں نصاریٰ کے عقیدۂ ابنیت کا رد فرماتے ہیں۔ اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ اپنے لیے کوئی فرزند بنائے۔ اللہ اس سے پاک ہے اس لیے کہ یہ اس کے لیے نقص اور عیب ہے۔ خدا تعالیٰ سب حاجتوں اور خواہشوں سے پاک ہے اور بیٹا باپ کے ہم جنس ہوتا ہے اور خدا بے مثل اور بے چون وچگون ہے۔ اس کی شان تو یہ ہے کہ وہ جب کسی کام کو کرنا چاہتا ہے تو صرف اتنا کہہ دیتا ہے کہ ہو جا سو وہ کام ہو جاتا ہے۔ بھلا ایسے قادر مطلق کو بیٹے اور بیٹی کی کیا ضرورت ہے۔ اور اس کو بغیر باپ کے پیدا کرنا کیا مشکل ہے اور

= کافر بالکل ناامید ہو کر حسرت سے ہاتھ کاٹیں گے۔ لیکن اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔

ف۱ یعنی اس وقت انھیں یقین نہیں کہ واقعی ایسا دن آنے والا ہے وہ غفلت کے نشہ میں مخمور ہیں اور بڑی بھاری بھول میں پڑے ہیں۔ کاش اس وقت آنکھیں کھولتے اور اپنے نفع نقصان کو سمجھتے اس دن پچھتانے سے حسرت وافسوس کے سوا کچھ حاصل نہ ہو گا۔ "اَلْئٰنَ قَدْ نَدِمْتَ وَمَا يَنْفَعُ النَّدَمُ"

ف۲ یعنی کسی کا ملک یا ملک باقی نہ رہے گی۔ ہر چیز براہ راست مالک حقیقی کی طرف لوٹ جائے گی۔ وہی بلا واسطہ حاکم ومتصرف علی الاطلاق ہو گا۔ جس چیز میں جس طرح چاہے گا اپنی حکمت کے موافق تصرف کرے گا۔ دنیا کے جن سامانوں نے تم کو غفلت میں ڈال رکھا ہے سب کا ایک ہی وارث باقی رہ جائے گا۔ ملک وملک کے لمبے چوڑے دعوے رکھنے والے سب فنا کے گھاٹ اتار دیے جائیں گے۔

❶ ﴿قَوْلَ الْحَقِّ﴾ کے بارے میں دو قراءتیں ہیں عاصم اور ابن عامر کی قراءت میں ﴿قَوْلَ الْحَقِّ﴾ بفتح لام منصوب آیا ہے۔ ہم نے جو ترجمہ کیا ہے وہ قراءت نصب کے بنا پر کیا ہے۔ کما قال الزجاج ھو مصدر (ای مفعول مطلق) ای اقول قول الحق لن ما قبلہ یدل علیہ وقیل مدح وقیل اغراء۔ اور باقی قراء نے ﴿قَوْلُ الْحَقِّ﴾ کو بضم لام مرفوع پڑھا ہے اور تقدیر کلام یہ ہے ھذا الکلام قول الحق اس قراءت پر ترجمہ یہ ہو گا کہ یہ کلام حق ہے۔ (دیکھو تفسیر قرطبی: ۱۱/۱۰۵)

منجملہ [1] ان باتوں کے جو عیسیٰ علیہ السلام نے ماں کی گود میں لوگوں سے کہیں ایک بات یہ تھی کہ لوگوں کو اس بات کی خبر دی کہ تحقیق اللہ میرا پروردگار ہے اور تم سب کا پروردگار ہے پس تم سب اسی کی عبادت کرو۔ یہی سیدھی راہ ہے جو اس راہ پر چلے گا وہ ہدایت پائے گا۔ پس اس حقیقت حال کے واضح ہو جانے کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں جماعتیں آپس میں مختلف ہوگئیں۔ حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا صحیح حال ظاہر ہو چکا ہے جس میں اختلاف کی گنجائش نہیں اس لیے کہ شیر خوارگی کی حالت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خارق عادت کلام سے یہ بات واضح ہوگئی کہ وہ خدا کے برگزیدہ بندے اور رسول برحق تھے۔ معاذ اللہ خدا یا خدا کا بیٹا نہ تھے۔ خدا کا مولود اور شیر خوار ہونا عقلاً محال اور ناممکن ہے اور معاذ اللہ نہ وہ ولد الزنا تھے اور ان کی والدہ ماجدہ تہمت سے بالکل پاک اور بری تھیں مگر باوجود اس کے یہود تو یہ کہتے ہیں کہ وہ کاذب اور ساحر اور ولد الزنا تھا اور گہوارہ میں جو کلام کیا وہ سب جادو کا اثر تھا۔ اور دعویٰ نبوت کے بعد جس قدر معجزات دکھلائے وہ سب جادو تھے۔ اور نصاریٰ [2] میں بعض تو یہ کہتے ہیں کہ وہ خدا تھے اور بعض کہتے ہیں کہ وہ خدا کے فرزند تھے اور بعض نصاریٰ اہل اسلام کی طرح ان کو خدا کا بندہ اور رسول مانتے ہیں اور زیادہ تر نصاریٰ میں تین فرقے ہیں، نسطوریہ اور یعقوبیہ اور ملکانیہ۔

فرقۂ نسطوریہ تو حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کو خدا کا بیٹا بتاتا ہے کہ آسمان سے آیا تھا۔ باپ نے پھر اس کو پھر آسمان پر بلا لیا اور اوپر اٹھا لیا۔ اور فرقۂ یعقوبیہ یہ کہتا ہے کہ عیسیٰ بن مریم علیہما السلام اللہ تعالیٰ تھا بعینہٖ خدا آسمان سے اترا اور پھر آسمان پر چڑھ گیا۔ اور فرقہ ملکانیہ یہ کہتا ہے کہ مسیح بن مریم علیہما السلام تین خداؤں میں سے ایک خدا تھا اور نصاریٰ کا ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ عیسیٰ بن مریم علیہما السلام خدا کے بندے اور اس کے رسول برحق تھے۔ اور صحیح نصرانی اور عیسائی یہی فرقہ ہے۔ اور یہی قول حق ہے جس کی قرآن اور حدیث نے مسلمانوں کو ہدایت کی اور یہی تمام مسلمانوں کا اجماعی عقیدہ ہے اور نصاریٰ کا یہ فرقہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بندہ اور رسول برحق مانتا تھا۔ نصاریٰ کے تمام فرقوں میں یہی فرقہ حق پر تھا جو توحید کا قائل تھا۔ اور تثلیث کا منکر تھا۔

پس ہلاکت اور بربادی ہے ان کافروں پر جو اللہ پر افترا کرتے ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا بتاتے ہیں، سو ایسے کافروں کے لیے شدید عذاب ہے۔ بڑے دن کی حاضری کے وقت یعنی قیامت کے دن اور یہ کافر جو آج دنیا میں حق سے اندھے اور بہرے اور گونگے بنے ہوئے ہیں قیامت کے دن کیا ہی خوب سننے والے اور کیا ہی خوب دیکھنے والے ہوں گے۔ جس دن ہمارے پاس آئیں گے اس دن آنکھیں بھی کھل جائیں گی اور کان بھی خوب کھل جائیں گے۔ لیکن یہ ظالم لوگ آج تو گمراہی میں ہیں یعنی یہ کافر آج دنیا میں اندھے اور بہرے بنے ہوئے ہیں نہ حق کو سنتے ہیں نہ حق کو دیکھتے ہیں۔ مگر جب قیامت میں ہمارے سامنے آئیں گے تو اس وقت سننے والے اور خوب دیکھنے والے ہوں گے لیکن اس وقت کا سننا اور

[1] اشارہ اس طرف ہے کہ ﴿وَاِنَّ اللّٰہَ رَبِّیْ وَرَبُّکُمْ﴾ کا عطف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے گزشتہ قول ﴿اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ﴾ پر ہے اور یہ کلام یعنی ﴿وَاِنَّ اللّٰہَ رَبِّیْ وَرَبُّکُمْ﴾ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کلام کا تتمہ اور تکملہ ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اس جملہ کا تعلق واذکر فی الکتٰب مریم سے ہے اور مطلب یہ ہے کہ اے نبی کریم آپ ﷺ لوگوں کو مریم علیہا السلام کا حال سنا دیجئے اور یہ بتلا دیجئے کہ میرا اور تمہارا سب کا ایک ہی رب ہے۔ اسی کی بندگی کرو۔ (روح المعانی: ۱۶/ ۸۴)

[2] تفصیل کے لیے تفسیر ابن کثیر: ۳/ ۱۲۱ و تفسیر روح المعانی: ۱۶/ ۸۵ دیکھیں۔

دیکھنا کچھ فائدہ نہ دے گا۔ اور اے نبی آپ ﷺ ان کو حسرت کے دن سے ڈرایئے یعنی قیامت کے دن سے ڈرایئے جس روز نیک و بد سب ہی پچھتائیں گے اور حسرت میں مبتلا ہوں گے برے آدمی تو اپنی برائیوں پر حسرت کریں گے کہ ہم نے یہ برے کام کیوں کیے اور نیک لوگ اس بات پر حسرت کریں گے کہ ہم نے نیکیاں زیادہ کیوں نہ کیں۔ لہٰذا آپ ﷺ ان لوگوں کو اس حسرت کے دن سے ڈرایئے جب کہ موت کو سب کے سامنے ذبح کر کے اہل جنت اور اہل جہنم کے خلود اور دوام کا اخیر فیصلہ کر دیا جائے گا جیسا کہ حدیث میں ہے کہ موت کو چت کبرے مینڈھے کی شکل میں لا کر جنت اور جہنم کے درمیان میں ذبح کیا جائے گا۔ اور لوگ دیکھتے ہوں گے۔ اور فریقین یعنی اہل جنت اور اہل دوزخ کو خلود اور دوام کا حکم سنا دیا جائے گا۔ تاکہ اہل جنت کو معلوم ہو جائے کہ اب ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جنت میں خلود اور دوام ہے اور کفار کو معلوم ہو جائے کہ اب ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں خلود اور دوام ہے موت اور فنا نہیں۔ رواہ البخاری و مسلم و غیرھما۔ سنن ابن ماجہ اور صحیح ابن حبان میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب موت کے مینڈھے کو پل صراط پر کھڑا کر کے اہل جنت اور اہل دوزخ کو آواز دی جائے گی تو اہل جنت تو ڈرتے ڈرتے نظر اٹھا کر دیکھیں گے ان کو ڈر ہو گا کہ کہیں جنت سے نکلنے کا حکم تو نہیں ہو گا۔ اور اہل دوزخ خوش ہو کر دیکھیں گے کہ شاید ہم کو اس جگہ سے خروج اور رہائی کا حکم ہو جائے تو پھر سب کے سامنے موت ذبح کی جائے گی اور یہ اعلان کر دیا جائے گا۔ کلا هما خلود فيما تجدون لا موت فيه ابدا۔ ہر ایک اپنے ٹھکانہ میں ہمیشہ رہے گا کسی پر کبھی بھی موت نہ آئے گی۔ (فتح الباری: ۱۱/ ۳۶۲)

اور وہ لوگ آج دنیا میں غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور یہ لوگ یوم آخرت اور یوم حسرت پر یقین نہیں رکھتے۔ لیکن جب وہ دن سامنے آئے گا تو سوائے حسرت کے کچھ نظر نہ آئے گا۔

حضرت شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ لکھتے ہیں جب تک حشر کا دن ہے۔ مسلمان دوزخ سے نکل نکل کر بہشت میں جاویں گے۔ تب تک کافر بھی توقع میں ہوں گے۔ پھر موت کو مینڈھے کی صورت میں لا کر بہشت اور دوزخ کے بیچ سب کو دکھا کر ذبح کریں گے اور پکار دیں گے کہ بہشتی بہشت میں اور دوزخی دوزخ میں رہ پڑے ہمیشہ کو وہ دن ہے کہ کافر نا امید ہوں گے۔ (موضح القرآن)

مطلب یہ ہے کہ اب تک کافروں کو بھی امید تھی کہ شاید گنہگار مسلمانوں کی طرح ہم بھی کسی وقت دوزخ سے نکل جائیں گے لیکن جب موت کو لا کر سب کے سامنے ذبح کر دیا جائے گا تو اس وقت کافر بالکل نا امید ہو جائیں گے اور حسرت سے ہاتھ ملیں گے لیکن اب پچھتانے سے کیا فائدہ۔ وقت گزر چکا۔ جمہور مفسرین یہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں "یوم الحسرۃ" سے وہ وقت مراد ہے کہ جس وقت موت کو مینڈھے کی شکل میں لا کر سب کے سامنے ذبح کیا جائے گا۔ صحیحین میں ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن موت ایک کبود (چت کبرے) مینڈھے کی صورت میں لائی جائے گی۔ پھر دوزخ اور بہشت کے درمیان اس کو کھڑا کیا جائے گا۔ پھر ایک منادی یہ ندا کرے گا اے اہل جنت! اس کی یہ آواز سن کر جنتی اپنی گردن اور اپنا سر اوپر اٹھا کر دیکھیں گے۔ وہ کہے گا کہ تم اس کو پہچانتے ہو؟ جنتی جواب دیں گے ہاں یہ موت ہے اور وہ سب اسکو دیکھیں گے۔ یعنی خوب پہچان لیں گے کہ یہ موت ہے۔ پھر منادی ندا کرے گا کہ اے

اہل نار! یہ آواز سن کر دوزخی اپنی گردن اٹھا کر دیکھیں گے۔ وہ منادی کہے گا کہ تم اس کو پہچانتے ہو؟ وہ کہیں گے کہ ہاں یہ موت ہے اور وہ سب اس کو دیکھ لیں گے۔ پھر اس مینڈھے کو جنت اور دوزخ کے درمیان سب کے سامنے ذبح کر دیا جائے گا پھر منادی ندا کرے گا کہ اے اہل جنت! اب ہمیشہ ہمیشہ رہو کبھی تم کو موت نہیں اور اے دوزخیو! ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہو کبھی تم کو موت نہیں پھر آپ نے یہ آیت پڑھی۔

﴿وَأَنذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ إِذْ قُضِيَ الْأَمْرُ ۚ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ وَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ﴾۔

پھر آپ علیہ السلام نے اپنے دست مبارک سے دنیا کی طرف اشارہ فرمایا۔

اور یہی مضمون صحیحین میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں آیا ہے۔ اس وقت جنتیوں کو خوشی پر خوشی ہوگی اور دوزخیوں کو غم پر غم ہوگا۔

ترمذی کی روایت میں اتنا اور زیادہ ہے کہ اگر کوئی خوشی سے مرتا تو جنتی مرجاتے اور اگر کوئی غم سے مرتا تو دوزخی مرجاتے (مگر موت کے ذبح ہوجانے کے بعد تو کسی کو موت نہیں) اسی لیے ایک روایت میں ہے کہ موت کے ذبح ہوجانے کے بعد دوزخ اور جنت کے درمیان ایک پکارنے والا پکار کر یہ کہے گا:

یا اهل الجنة هو الخلود ابد الأبدین ویا اهل النار هوا الخلود ابدا الأبدین (تفسیر ابن کثیر: ۳/ ۱۲۲)

اے اہل جنت! اب ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خلود اور دوام ہے اور اے اہل دوزخ! اب ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دوزخ میں رہنا ہے۔

اہل ایمان ہمیشہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے۔ اب کبھی جنت سے نہ نکلیں گے۔ اور کافر ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔

غرض یہ کہ موت کے ذبح سے اہل جنت اور اہل نار کو یہ اطلاع دینی مقصود ہوگی کہ اب ہمیشہ ہمیشہ اسی میں رہنا ہے۔ اس ندا کو سن کر اہل جنت اس قدر خوش ہوں گے کہ اگر کوئی خوشی سے مرجاتا تو وہ مرجاتے اور اہل دوزخ غم اور حسرت سے ایسی چیخ ماریں گے کہ اگر کوئی چیخ سے مرجاتا تو مرجاتے۔

اس لیے تمام اہل سنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ کافر ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے کبھی بھی جہنم سے نہیں نکلیں گے جیسا کہ اسی مسئلہ کی تفصیل پارہ ہشتم میں ﴿النَّارُ مَثْوَاكُمْ خَالِدِينَ فِيهَا إِلَّا مَا شَاءَ﴾ کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔

نیز سورۂ ہود میں ﴿خَالِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ﴾ کی تفسیر میں بھی اسی مسئلہ کی تحقیق گزر چکی ہے۔

امام قرطبی رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں ان احادیث کو ذکر کر کے فرماتے ہیں:

و قد ذکرنا ذٰلك فی كتاب التذكرة و بينا ان الكفار مخلدون بهٰذه الاحاديث والأيات ردا على من قال ان صفة الغضب تنقطع و ان ابليس و من تبعه من الكفرة كفرعون وهامان وقارون واشباههم يدخلون الجنة (تفسير قرطبی: ۱۱/ ۱۰۹)

ہم نے تفصیل کے ساتھ اس قسم کی احادیث کو اپنی کتاب التذکرۃ بامور الآخرۃ میں ذکر کر دیا ہے۔

اور آیات اور احادیث سے یہ بات واضح کر دی ہے کہ کفار ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے اور ان آیات اور احادیث کو ہم نے ان لوگوں کے رد کے لیے ذکر کیا ہے جن کا یہ گمان ہے کہ حق تعالیٰ کی صفت غضب منقطع اور ختم ہو جائے گی اور ابلیس اور اس کی پیروی کرنے والے کافر جیسے فرعون اور ہامان اور قارون جیسے جہنم سے نکل کر جنت میں داخل ہو جائیں گے۔

حافظ عسقلانی شرح بخاری شریف :۱۱/ ۳۶۳ میں لکھتے ہیں:

قال القرطبی وفی هذه الاحاديث التصريح بان خلود اهل النار فيها لا الی غاية امد و اقامتهم فيها علی الدوام بلا موت و لا حياة نافعة ولا راحة كما قال تعالیٰ لا يقضیٰ عليهم فيموتوا و لا يخفف عنهم من عذابها و قال تعالیٰ كلما ارادوا ان يخرجوا منها اعدوا فيها فمن زعم انهم يخرجون منها و انها تبقی خالية او انها تفنی و تذول فهو خارج عن مقتضی ما جاء به الرسول واجمع عليه اهل السنة۔ (فتح الباری باب صفة الجنة والنار من كتاب الرقاق)

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان احادیث میں (یعنی ذبح موت کی احادیث میں) اس کی تصریح ہے کہ دوزخیوں کے عذاب کی کوئی حد اور انتہا نہیں کافر ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ بغیر موت کے اور بغیر نافع زندگی کے اور بغیر راحت و آرام کے جیسا کہ حق تعالیٰ نے قرآن میں خبر دی کہ کافروں پر کبھی موت نہیں آئے گی اور نہ وہ کبھی جہنم سے نکلیں گے۔ اور جس شخص نے یہ گمان کیا کہ دوزخی کچھ روز کے بعد دوزخ سے نکال لیے جائیں گے اور دوزخ خالی رہ جائے گی۔ یا یہ گمان کیا کہ دوزخ فنا ہو جائے گی تو ایسا گمان کرنے والا شخص اس شریعت کے دائرہ سے خارج ہے کہ جس کو محمد ﷺ لے کر آئے نیز یہ شخص اہل سنت والجماعت کے اجماعی عقیدہ سے باہر ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ جس دن موت ذبح کی جائے گی وہ دن کافروں کے حق میں انتہائی حسرت کا ہوگا اور مزید برآں حسرت کا ایک سبب یہ ہوگا کہ قیامت کے دن ہر نفس کو ایک گھر جنت کا اور ایک گھر جہنم کا دکھایا جائے گا اور پھر یہ کہا جائے گا کہ اے کافرو! اگر تم نیک عمل کرتے تو جنت کے اس گھر میں جاتے اور اے مسلمانو! اگر تم کفر کرتے تو دوزخ کے اس گھر میں جاتے۔ اللہ کا احسان ہوا کہ اس نے تم کو ایمان اور عمل صالح کی توفیق دی۔ یہ سن کر کافروں پر حسرت اور غم چھا جائے گا۔ یہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے جو وعظ میں فرمایا کرتے تھے۔ اب کافروں کے اس حسرت کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ تحقیق ہم ہی وارث ہوں گے، اس زمین کے اور جو اس پر آباد کیا ہے یعنی زمین کے جملہ ساکنین پر آخر ایک دن موت آنی ہے سب مر جائیں گے۔ کسی کا ملک اور کسی کی ملک باقی نہ رہے گی۔ اور صرف ہم اکیلے باقی رہ جائیں گے اور ہم ہی ان کے مال و متاع کے وارث ہوں گے۔ اور وہ آخرت میں ہماری طرف لوٹائے جائیں گے۔ پھر ہم ان کو ان کے

اعمال کے مطابق جزا دیں گے۔

لطائف ومعارف

۱-تمام اہل اسلام اور تمام عیسائی اس بات پر متفق ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے محض اللہ کی قدرت سے پیدا ہوئے اور یہود، یہ کہتے ہیں کہ وہ عام انسانوں کی طرح مرد اور عورت سے پیدا ہوئے تھے مگر ان کا تولد ناجائز تھا اور یہود ان کو معاذ اللہ ولد الزنا اور ولد الحرام بتاتے ہیں۔ اور ملحد اور زندیق اور مرزائی اور قادیانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بغیر باپ کے پیدا ہونے کے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ عام انسانوں کی طرح عیسیٰ علیہ السلام بھی مرد کے نطفہ سے پیدا ہوئے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت مریم علیہا السلام کا یوسف نجار سے نکاح تو ہو گیا تھا مگر رخصتی نہیں ہوئی تھی اور ایسی حالت میں میاں بیوی کا جمع ہونا شرعاً ممنوع نہ تھا۔ ایسے وقت میں اگر اولاد پیدا ہو تو وہ جائز اولاد متصور ہوگی۔ مگر خلاف رسم ہونے کی وجہ سے یہ بات معیوب اور موجب خجالت وندامت سمجھی جاتی تھی۔

حضرت مریم علیہا السلام پر یہودیوں کا اتہام اسی وجہ سے تھا۔ ورنہ یوسف نجار شرعاً مریم علیہا السلام کے شوہر تھے غرض یہ کہ ملاحدہ اور زنادقہ کے نزدیک حضرت مسیح علیہ السلام یوسف نجار کے بیٹے تھے اور بغیر باپ کے پیدا نہیں ہوئے تھے۔ اور دلیل یہ بیان کرتے ہیں کہ اناجیل مروجہ سے یہ ثابت ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کے ساتھ یوسف نجار کا تعلق زوجیت کا تھا اور اسی تعلق سے اور بھی ان سے اولاد ہوئی۔ اور یوسف نجار مریم صدیقہ علیہا السلام کے شرعی شوہر تھے جیسا کہ اناجیل اور کتاب الاعمال کے مقامات ذیل میں صاف لکھا ہے کہ یسوع، یوسف کا بیٹا ہے اور یوسف، مریم علیہا السلام کا شوہر ہے۔ دیکھو متی ۱/۱۶، لوقا ۲/۲۳ و ۲/۲۷ ۴۱/۲، متی ۵۵/۱۳، یوحنا ۶/۴۲، اعمال ۲/۳۱، ونامہ رومیاں ۱/۴۔

اس قسم کے نام نہاد مسلمان جو خوارق عادت کے منکر ہیں۔ وہ بغیر باپ کے تولد کے قائل نہیں وہ اپنے مزعومات اور خیالات کے لیے انجیل کا سہارا ڈھونڈتے ہیں۔

جواب: ...... یہ سب غلط ہے اور الحاد اور زندقہ ہے۔ قرآن کریم نے متعدد مواضع میں حضرت مسیح بن مریم علیہ السلام کی ولادت کے قصہ کو اس درجہ تفصیل اور وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ نہ اس میں کسی تاویل کی گنجائش ہے اور نہ کسی احتمال کی گنجائش ہے۔

آیات قرآنیہ سے بصراحت ووضاحت یہ امر واضح ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام بلا باپ کے پیدا ہوئے۔

۱-اس لیے کہ اس قصہ کا آغاز ﴿فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا﴾ سے ہوا جو دور تک چلا گیا۔ یہ تمام تفصیل اس بات کی صریح دلیل ہے کہ فرشتہ کی آمد محض اس لیے ہوئی تھی کہ وہ حضرت مریم علیہا السلام کو بلا سبب ظاہری من جانب اللہ ایک فرزند عطا کرے۔ یہ سن کر حضرت مریم علیہا السلام کو تعجب ہوا اور بولیں کہ ﴿لَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا﴾ یعنی میرا تو کسی مرد سے تعلق ہی نہیں نہ حلال کا اور نہ حرام کا نہ نکاح کا نہ زنا کا مجھے تو آج تک کسی مرد نے ہاتھ بھی نہیں لگایا پھر میرے بچہ کیسے ہوگا۔ فرشتہ نے جواب دیا کہ یوں ہی ہوگا یعنی بغیر باپ کے تجھ سے لڑکا پیدا ہوگا۔ بعد ازاں حضرت مریم

علیہا السلام کی تسلی کے لیے فرشتہ نے کہا کہ یہ بات تیرے پروردگار کے لیے کوئی مشکل نہیں تو مطمئن رہ، پس اگر واقع میں حضرت مریم علیہا السلام کا کوئی شرعی شوہر تھا تو ان کو اس قدر گھبرانے اور ڈرنے کی کیا ضرورت تھی۔ ورنہ منکوحہ عورت کو ولادت سے تہمت کا کیا ڈر۔

۲- نیز حضرت مریم علیہا السلام کے اضطراب میں فرشتہ کا یہ کہنا۔

﴿وَلِنَجْعَلَهٗۤ اٰيَةً لِّلنَّاسِ﴾ تا کہ ہم اس مولود مسعود کو اپنی قدرت کی نشانی بنادیں۔

اس امر پر صراحۃً دلالت کرتا ہے کہ تولد مسیح قدرت خداوندی کی ایک خاص نشانی ہوگی اور لفظ "آیت" صرف ایسے ہی موقع پر استعمال ہوتا ہے کہ جو چیز بطور خرق عادت بلا اسباب ظاہری ظہور میں آئے جیسے اصحاب کہف اور ناقہ صالح علیہ السلام پر لفظ آیت کا اطلاق کیا گیا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ یہ ولادت عجائب قدرت سے ہے۔ جن میں اسباب ظاہری کو دخل نہیں۔

۳- آیت ﴿اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ﴾ میں حضرت مسیح علیہ السلام کی بلا باپ ولادت کو حضرت آدم علیہ السلام کی ولادت کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح آدم علیہ السلام کا بغیر باپ کے پیدا ہونا دلیل ان کی الوہیت کی نہیں اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بغیر باپ کے پیدا ہونا الوہیت اور ابنیت کی دلیل نہیں۔ یہ آیت نصاریٰ کے اس خیال کے رد کرنے کے لیے نازل ہوئی کہ جو مسیح علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا ہونے کی وجہ سے خدا کا بیٹا سمجھتے تھے۔

اس کے علاوہ اس قصہ میں حضرت مریم علیہا السلام کی کرامتوں کا ذکر ہے۔ جیسے یکا یک ایک خشک کھجور کا پھل دار ہوجانا اور یکدم اس کے قریب پانی کا چشمہ ہوجانا اور حضرت مسیح علیہ السلام کا گہوارہ میں لوگوں سے خارق عادت طریقہ پر عجیب و غریب کلام کرنا وغیرہ وغیرہ۔ یہ تمام امور اس امر کی دلیل ہیں کہ یہ ولادت بطور خارق عادت بلا اسباب ظاہری قدرت خداوندی کا ایک کرشمہ تھی لوگ ان کرامتوں کو دیکھ کر مطمئن ہوگئے اور سمجھ گئے کہ ایسا مبارک مولود معاذ اللہ کبھی بھی ولد الزنا نہیں ہوسکتا۔ شیر خوار بچہ کی اس خارق عادت گفتگو نے تمام تہمتوں اور بدگمانیوں کا خاتمہ کردیا۔ اور بدزبانوں کی زبان بند کردی اور ملاحدہ اور زنادقہ نے جو ان صریح آیات میں تاویلات اور تحریفات کی ہیں اور اناجیل کا سہارا پکڑا ہے سو ان کی تردید کے لیے (اول) تو یہی کہہ دینا کافی ہے کہ اناجیل کا محرف ہونا قرآن اور حدیث اور اجماع امت سے اور علماء یہود و نصاریٰ کے اعتراف اور اقرار سے ثابت ہے۔ قرآن و حدیث کے مقابلہ میں محرف کتاب کو کیسے حجت میں پیش کیا جاسکتا ہے؟ (دوم) یہ کہ انجیل متی کے باب اول درس ۱۸ سے لے کر اخیر تک اس کی تصریح ہے کہ عیسیٰ بن مریم علیہما السلام ایک کنواری سے پیدا ہوئے جس کا ایک جملہ یہ ہے۔

جب اس کی ماں مریم کی منگنی یوسف کے ساتھ ہوئی تو ان کے اکٹھے ہونے سے پہلے وہ روح القدس سے حاملہ پائی گئیں۔

پھر انجیل لوقا کے باب اول درس ۲۶ سے لے کر ۳۸ تک یہی کلام چلا گیا ہے جس کے کئی جملوں میں قرآن کے موافق مریم علیہا السلام کا فرشتہ سے حمل ہونا اور مسیح کا بغیر باپ کے پیدا ہونا مذکور ہے اس میں یہ مذکور ہے کہ

"مریم علیہا السلام نے فرشتہ سے کہا یہ کیونکر ہوگا جس حال سے کہ مرد سے واقف بھی نہیں اور فرشتہ نے جواب میں

اس سے کہا کہ روح القدس تجھ پر نازل ہوگا۔ اور خدا کی قدرت تجھ پر سایہ ڈالے گی"۔

اور صحیفۂ یسعیاہ کے باب ۷ درس ۱۴ میں ہے۔

"ایک کنواری حاملہ ہوگی اور بیٹا جنے گی"

پھر نا معلوم کہ یہ ملاحدہ اور زنادقہ مسلمانوں جیسے نام رکھ کر کہاں سے زمین و آسمان کے قلابے ملاتے ہیں اور صریح آیات قرآنیہ کا انکار کرتے ہیں اور اس قسم کی ولادت کو خلاف سنت الٰہیہ کہہ کر محال بتلاتے ہیں۔ ان کو معلوم نہیں کہ اللہ کی سنت اور اس کا قانون انبیاء اور اولیاء کے ساتھ اور ہے اور عوام اور دشمنوں کے ساتھ اور ہے۔

۲- نیز آیات قرآنیہ کا از اول تا آخر تمام سیاق و سباق صراحۃً اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کا یہ کلام شیر خوارگی کی حالت میں تھا۔ اور ملاحدہ یہ کہتے ہیں کہ بارہ برس کی عمر میں تھا یا نبوت ملنے کے بعد تھا۔ ﴿كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ ۚ إِن يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا﴾۔

جس طرح لوگوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت میں اختلاف کیا اسی طرح لوگوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کی وفات کے بارے میں بھی اختلاف کیا۔

یہود بے بہود کہتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام صلیب پر چڑھائے گئے اور صلیب ہی پر مر گئے اور لعنتی ہوئے۔ اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام صلیب پر چڑھائے گئے اور صلیب پر مرے اور تین دن کے واسطے تمام انسانوں کے گناہوں کا عذاب اٹھایا تاکہ سب کے گناہوں کا کفارہ ہوں اور اس کے بعد وہ زندہ ہوئے اور جی اٹھے اور آسمان پر چلے گئے۔ اور اپنے باپ کے پاس جا بیٹھے اور تمام اہل اسلام یہ کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام صلیب پر نہیں چڑھائے گئے اور نہ وہ مقتول ہوئے اور نہ مصلوب ہوئے بلکہ اسی جسم عنصری کے ساتھ زندہ آسمان پر اٹھائے گئے اور جس جسم کو وہ قتل کرنا یا صلیب دینا چاہتے تھے اللہ نے اسی جسم کو زندہ اور صحیح سالم آسمان پر اٹھالیا۔ اور ایک شخص حضرت مسیح علیہ السلام کے مشابہ اور ہمشکل بنا دیا گیا اور وہ ان کی جگہ ان کے شبہ میں مصلوب ہوا بعض فرقے بھی اسی کے قائل ہیں۔ اور جو شخص حضرت مسیح علیہ السلام کی جگہ مصلوب ہوا بعض کہتے ہیں اس کا نام یہودا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ اس کا نام شمعون تھا۔ اس مسئلہ کی تفصیل سورۂ نساء کے اخیر میں گزر چکی ہے۔

۳- اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کو تو خاموشی کا حکم دیا اور حضرت مسیح علیہ السلام جو کلمۃ اللہ اور کلمۂ صدق تھے ان کو گویا کر دیا تاکہ اللہ کی الوہیت اور اپنی عبدیت اور ماں کی طہارت و نزاہت ایسے خارق عادت طریقہ سے ظہور میں آئے کہ کسی کو مجال انکار کی نہ رہے اور چونکہ اللہ پاک کے علم میں تھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں طرح طرح سے الفاظ کفریہ کہے جائیں گے، لہٰذا اول گویائی میں ان کی زبان سے وہ باتیں نکلوائیں جو ہمہ قسم کفر کے رد کے لیے کافی ہوں۔

۴- **حدیث ذبح موت:**...... امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ موت کو مینڈھے کی صورت میں لا کر ذبح کرنے میں اشارہ اس طرف ہے کہ یہ ان کا فدیہ اور بدل ہے۔ جیسے اسماعیل علیہ السلام کے فدیہ میں مینڈھا ذبح کیا گیا اور اس مینڈھے کے کبودی رنگ یا سیاہ اور سفید ہونے میں بہشتیوں اور دوزخیوں کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ سفیدی اہل جنت کا رنگ ہے اور سیاہی اہل

دوزخ کا رنگ ہے۔ اور حدیث میں موت کے مینڈھے کی صفت املح وارد ہوئی ہے اور املح وہ ہے کہ جس میں سیاہی اور سفیدی ملی ہوئی ہو۔ (دیکھو فتح الباری: ۱۱/ ۳۶۲، باب صفة الجنة والنار من کتاب الرقاق)

۵- امام قرطبی رحمہ اللہ نے بعض صوفیاء کرام سے نقل کیا ہے کہ اس موت کے مینڈھے کو یحییٰ بن زکریا علیہما السلام آنحضرت ﷺ کے سامنے ذبح کریں گے جس سے دوام حیات اور بقائے دائمی کی طرف اشارہ ہوگا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام ذبح کریں گے۔ (فتح الباری: ۱۱/ ۳۶۲)

۶- موت کے مینڈھے کے ذبح ہونے کے بعد ایک منادی ندا کرے گا۔ اے اہل جنت! اب تم کو موت نہیں۔ اور اے اہل دوزخ! اب تم کو موت نہیں۔ موت کے ذبح کے بعد یہ منادی اس لیے ہوگی کہ سب کو معلوم ہو جائے کہ موت اب مردہ اور معدوم اور فنا ہوگئی اس کے بعد موت پھر کبھی نہیں آئے گی اور ظاہر ہے کہ موت اور فنا کے ذبح ہو جانے کے بعد سوائے بقاء اور دوام کے اور کیا ہوگا۔ (فتح الباری: ۱۱/ ۳۶۲)

۷- موت کا مینڈھا ذبح ہونے کے بعد فریقین کے لیے یہ اعلان:

کلاهما خلود فیما تجدون لا موت فیه ابدا (فتح الباری: ۱۱/ ۳۶۲)

اس امر کی صریح دلیل ہے کہ جس طرح اہل ایمان کا جنت میں خلود ابدی ہوگا اسی طرح کافروں کا خلود ابدی ہوگا اور یہی تمام اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے، ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور ابن قیم رحمہ اللہ نے اس بارے میں جمہور کا خلاف کیا اور یہ گمان کیا کہ کفار چندروز کے بعد دوزخ سے نکال لیے جائیں گے۔ یہ بالکل غلط ہے اور سیرۃ النبی ﷺ کے مصنف نے بھی اس غلطی میں ابن تیمیہ کی تقلید کی اور علامہ شبلی رحمہ اللہ کو اور ان کے پیروؤں کو اپنی مزعوم درایت پر بڑا ناز ہے اور اہل ندوہ اپنے تفرد اور شذوذ کو تحقیق سمجھتے ہیں۔ نعوذ باللہ من سوء الفہم۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۬ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿۴۱﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ

اور مذکور کر کتاب میں ابراہیم کا ف۱ بیشک تھا وہ سچا نبی ف۲ جب کہا اپنے باپ کو اے باپ میرے کیوں پوجتا ہے

اور مذکور کر کتاب میں ابراہیم کا۔ بیشک تھا وہ سچا نبی۔ جب کہا اپنے باپ کو، اے باپ میرے! کیوں پوجتا ہے

ف۱ گزشتہ رکوع میں حضرت مسیح و مریم کا قصہ بیان فرما کر نصاریٰ کا رد کیا گیا تھا جو ایک آدمی کو خدا بنا رہے ہیں۔ اس رکوع میں مشرکین مکہ کو شرمانے کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ سنایا گیا ہے کہ انہوں نے اپنے باپ تک کو کس طرح شرک و بت پرستی سے روکا۔ اور آخر کار وطن و اقارب کو چھوڑ کر خدا کے واسطے ہجرت اختیار کی۔ مشرکین مکہ کا دعویٰ تھا کہ وہ ابراہیم کی اولاد ہیں اور اسی کے دین پر ہیں۔ انہیں بتلایا گیا کہ بت پرستی کے متعلق تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کا رویہ کیا رہا ہے۔ اگر آباؤ اجداد کی تقلید کرنا چاہتے ہو تو ایسے باپ کی تقلید کرو۔ اور مشرک باپ دادوں سے اسی طرح بیزار ہو جاؤ۔ جیسے ابراہیم علیہ السلام ہو گئے تھے۔

ف۲ "صدیق" کے معنی ہیں "بہت زیادہ سچ کہنے والا" جو اپنی بات کو عمل سے سچا کر دکھائے۔ یا وہ راستباز پاک طینت جس کے قلب میں سچائی کو قبول کرنے کی نہایت اعلیٰ و اکمل استعداد موجود ہو۔ جو بات خدا کی طرف سے پہنچے بلا توقف اس کے دل میں اتر جائے۔ شک و تردد کی گنجائش ہی نہ رہے۔ ابراہیم علیہ السلام ہر ایک معنی سے صدیق تھے اور چونکہ صدیقیت کے لیے نبوت لازم نہیں اس لیے آگے "صِدِّيْقًا" کے ساتھ "نَّبِيًّا" فرما کر نبوت کی تصریح کردی۔ یہیں سے معلوم ہوگیا کہ کذبات ثلاثہ کی حدیث اور "نَحْنُ اَحَقُّ بِالشَّكِّ مِنْ اِبْرَاهِيْمَ" وغیرہ روایات میں کذب و شک کے وہ معنی مراد نہیں جو سطح کلام سے مفہوم ہوتے ہیں۔

مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا ﴿٤٢﴾ يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ

اس کو جو نہ سنے اور نہ دیکھے اور نہ کام آئے تیرے کچھ ف۱ اے باپ میرے مجھ کو آئی ہے خبر ایک چیز کی

جو چیز نہ سنے نہ دیکھے، اور نہ کام آوے تیرے کچھ ؟ اے باپ میرے ! مجھ کو آئی ہے خبر ایک چیز کی

يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْٓ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ﴿٤٣﴾ يٰٓاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ

جو تجھ کو نہیں آئی سو میری راہ چل دکھلادوں تجھ کو راہ سیدھی ف۲ اے باپ میرے مت پوج شیطان کو بیشک شیطان ہے

جو تجھ کو نہیں آئی، سو میری راہ چل، سوجھا دوں تجھ کو راہ سیدھی۔ اے باپ میرے ! مت پوج شیطان کو۔ بیشک شیطان ہے

لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ﴿٤٤﴾ يٰٓاَبَتِ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ

رحمٰن کا نافرمان ف۳ اے باپ میرے ڈرتا ہوں کہیں آ لگے تجھ کو ایک آفت رحمٰن سے پھر تو ہوجائے شیطان کا

رحمٰن کا بےحکم۔ اے باپ میرے ! میں ڈرتا ہوں کہیں آ لگے تجھ کو ایک آفت رحمٰن سے، پھر تو ہوجاوے شیطان کا

وَلِيًّا ﴿٤٥﴾ قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ

ساتھی ف۴ وہ بولا کیا تو پھرا ہوا ہے میرے ٹھاکروں سے اے ابراہیم اگر تو باز نہ آئے گا تو تجھ کو سنگسار کروں گا اور دور ہوجا

ساتھی۔ وہ بولا، کیا تو پھرا ہوا ہے میرے ٹھاکروں سے، اے ابراہیم ! اگر تو نہ چھوڑے گا، تو تجھ کو پتھراؤ سے ماروں گا، اور مجھ سے دور جا

مَلِيًّا ﴿٤٦﴾ قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ﴿٤٧﴾ وَاَعْتَزِلُكُمْ

میرے پاس سے ایک مدت ف۵ کہا تیری سلامتی رہے ف۶ میں گناہ بخشواؤں گا تیرے اپنے رب سے بیشک وہ ہے مجھ پر مہربان ف۷ اور چھوڑتا ہوں

ایک مدت۔ کہا تیری سلامتی رہے۔ میں گناہ بخشواؤں گا تیرا اپنے رب سے۔ بیشک وہ ہے مجھ پر مہربان۔ اور کنارہ پکڑتا ہوں

ف۱ یعنی جو چیز دیکھتی سنتی ہو اور مشکلات میں کچھ کام آسکے مگر واجب الوجود نہ ہو، اس کی عبادت بھی جائز نہیں۔ چہ جائیکہ ایک پتھر کی بے جان مورتی جو نہ سنے نہ دیکھے نہ ہمارے کسی کام آئے، خود ہمارے ہاتھ کی تراشی ہوئی، اس کو معبود ٹھہرالینا کسی عاقل اور خوددار کا کام نہیں ہوسکتا۔

ف۲ یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھ کو توحید و معاد وغیرہ کا صحیح علم دیا اور حقائق شریعت سے آگاہ کیا ہے۔ اگر تم میری پیروی کرو گے تو سیدھی راہ پر لے چلوں گا جو رضائے حق تک پہنچانے والی ہے۔ اس کے سوا سب راستے ٹیڑھے ترچھے ہیں جن پر چل کر کوئی شخص نجات حاصل نہیں کرسکتا۔

ف۳ بتوں کو پوجنا شیطان کے اغواء سے ہوتا ہے اور شیطان اس حرکت کو دیکھ کر بہت خوش ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے بتوں کی پرستش گویا شیطان کی پرستش ہوئی اور نافرمان کی پرستش رحمان کی انتہائی نافرمانی ہے۔ شاید لفظ "عصیٰ" میں ادھر بھی توجہ دلائی ہو کہ شیطان کی پہلی نافرمانی کا اظہار اس وقت ہوا تھا جب تمہارے باپ آدم کے سامنے سربسجود ہونے کا حکم دے دیا گیا۔ لہٰذا اولاد آدم کے لیے ڈوب مرنے کا مقام ہے کہ رحمٰن کو چھوڑ کر اپنے اس قدیم ازلی دشمن کو معبود بنالیں۔

ف۴ یعنی رحمٰن کی رحمت عظیمہ تو چاہتی ہے کہ تمام بندوں پر شفقت و مہربانی ہو لیکن تیری بداعمالیوں کی شامت سے ڈر ہے کہ ایسے حلیم و مہربان خدا کو غصہ نہ آجائے اور تجھ پر کوئی سخت آفت نازل نہ کردے جس میں پھنس کر تو ہمیشہ کے لیے شیطان کا ساتھی بن جائے یعنی کفر و شرک کی مزاولت سے آئندہ ایمان و توبہ کی توفیق نصیب نہ ہو اور اولیاء الشیطان کے گروہ میں شامل کرکے دائمی عذاب میں دھکیل دیا جائے۔ عموماً مفسرین نے یہ ہی معنی لیے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "یعنی کفر کے وبال سے کچھ آفت آئے اور تو مدد مانگنے لگے شیطان سے یعنی بتوں سے، اکثر لوگ ایسے ہی وقت شرک کرتے ہیں۔" واللہ اعلم۔

ف۵ باپ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تقریر سن کر کہا "معلوم ہوتا ہے کہ تو ہمارے معبودوں سے بدعقیدہ ہے۔ بس اپنی بداعتقادی اور وعظ و نصیحت کو رہنے دے، ورنہ تجھ کو کچھ اور سننا پڑے گا بلکہ میرے ہاتھوں سنگسار ہونا پڑے گا۔ اگر اپنی خیر چاہتا ہے تو میرے پاس سے ایک مدت (عمر بھر) کے لیے دور ہوجا۔ =

وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّيْ ۖ عَسٰٓى اَلَّآ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّيْ شَقِيًّا ﴿۴۸﴾ فَلَمَّا

تم کو اور جن کو تم پوجتے ہو اللہ کے سوا اور میں بندگی کروں گا اپنے رب کی امید ہے کہ نہ رہوں گا اپنے رب کی بندگی کر کے محروم ف۱ پھر جب

تم سے اور جن کو تم پکارتے ہو اللہ کے سوا، اور پکاروں گا اپنے رب کو، امید ہے کہ نہ رہوں گا اپنے رب کو پکار کر محروم۔ پھر جب

اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۙ وَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ وَكُلًّا جَعَلْنَا

جدا ہوا ان سے اور جن کو وہ پوجتے تھے اللہ کے سوا بخشا ہم نے اس کو اسحٰق اور یعقوب اور دونوں کو

کنارے ہوا ان سے اور جن کو وہ پوجتے تھے اللہ کے سوا، بخشا ہم نے اس کو اسحٰق اور یعقوب۔ اور دونوں کو

نَبِيًّا ﴿۴۹﴾ وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ﴿۵۰﴾ ع

نبی کیا ف۲ اور دیا ہم نے ان کو اپنی رحمت سے اور کیا ان کے واسطے سچا بول اونچا ف۳

نبی کیا۔ اور دیا ہم نے ان کو اپنی مہر سے، اور رکھا ان کے واسطے سچا بول اونچا۔

قصۂ سوم، حضرت ابراہیم علیہ السلام

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ... الی ... وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا﴾

= میں تیری صورت دیکھنا نہیں چاہتا۔ اس سے پہلے کہ میں تجھ پر ہاتھ اٹھاؤں یہاں سے روانہ ہو جا۔"

ف۶ یہ رخصت یا متارکت کا سلام ہے۔ جیسے ہمارے محاورات میں ایسے موقع پر کہہ دیتے ہیں کہ "فلاں بات یوں ہے تو ہمارا سلام لو۔" دوسری جگہ فرمایا ﴿وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۡ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۡ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ﴾ (القصص، رکوع ۶) حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "معلوم ہوا اگر دین کی بات سے ماں باپ ناخوش ہوں اور گھر سے نکالنے لگیں اور بیٹا ماں باپ کو نرمی کی بات کہہ کر نکل جائے، وہ بیٹا عاق نہیں۔"

ف۷ امید ہے اپنی مہربانی سے میرے باپ کے گناہ معاف فرما دے گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے استغفار کا وعدہ ابتداءً کیا تھا۔ چنانچہ استغفار کرتے رہے جب اللہ کی مرضی نہ دیکھی تب موقوف کیا۔ یہ بحث سورۂ توبہ (براۃ) میں ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ﴾ الخ کے تحت میں گزر چکی ہے۔ ملاحظہ کر لی جائے۔

ف۱ یعنی میری نصیحت کا جب کوئی اثر تم پر نہیں، بلکہ الٹا مجھے دھمکیاں دیتے ہو، تو اب میں خود تمہاری بستی میں رہنا نہیں چاہتا۔ تم کو اور تمہارے جھوٹے معبودوں کو چھوڑ کر وطن سے ہجرت کرتا ہوں تاکہ یکسو ہو کر اطمینان سے خدائے واحد کی عبادت کر سکوں۔ حق تعالیٰ کے فضل و رحمت سے کامل امید ہے کہ اس کی بندگی کر کے میں محروم و ناکام نہیں رہوں گا۔ غربت و بیکسی میں جب اس کو پکاروں گا، ادھر سے ضرور اجابت ہوگی۔ میرا خدا پتھر کی مورتی نہیں کہ کتنا ہی چیخو چلاؤ سن ہی نہ سکے۔

ف۲ یعنی اللہ کی راہ میں ہجرت کی اور اپنوں سے دور پڑے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے بہتر اپنے دیے تاکہ غریب الوطنی کی وحشت دور ہو اور انس و سکون حاصل کریں۔ شاید یہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذکر اس لیے نہیں کیا کہ وہ ان کے پاس نہیں رہے۔ بچپن ہی میں جدا کر دیے گئے تھے۔ نیز ان کا مستقل تذکرہ آگے آنے والا ہے۔

(تنبیہ) حضرت اسحاق، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے اور حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے ہیں۔ ان ہی سے سلسلہ بنی اسرائیل کا چلا۔ جن میں سینکڑوں نبی ہوئے۔

ف۳ یعنی اپنی رحمت خاصہ سے ان کو بڑا حصہ عنایت فرمایا اور دنیا میں بول بالا کیا اور ہمیشہ کے لیے ان کا ذکر خیر جاری رکھا۔ چنانچہ تمام مذاہب و ملل ان کی تعظیم و توصیف کرتے ہیں اور امت محمدیہ دائماً اپنی نمازوں میں پڑھتی ہے۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ" فی الحقیقت یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاء "وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ" کی مقبولیت کا ثمرہ ہے۔

ربط:...... اس سورۃ کا یہ تیسرا قصہ ہے جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدا پرستی کا ذکر ہے کہ وہ کیسے خدا پرست تھے اور کس طرح انہوں نے اپنے باپ کو توحید کی دعوت دی اور کس طرح شرک اور بت پرستی کا بطلان ظاہر کیا اور اس دعوت اور تبلیغ میں اپنے باپ کے ادب اور احترام کو ملحوظ رکھا اور پھر کس طرح انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے باپ کو چھوڑا اور اپنے آبائی وطن سے ہجرت کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے درجے بلند کیے اور ان کو اولاد صالح عطا فرمائی اور تمام امتوں اور قوموں میں ان کا ذکر خیر جاری رکھا۔ علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے بحر میں لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک سو پچھتر برس زندہ رہے اور ان کے اور آدم علیہ السلام کے درمیان دو ہزار سال کا فاصلہ ہے اور ان کے اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان ایک ہزار برس کا فاصلہ ہے۔ نیز حضرت مریم علیہا السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں ان مشرکین کا رد فرمایا جو کسی زندہ عاقل کو خدا کا شریک ٹھہراتے تھے۔ اب ان آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ ذکر کر کے ان مشرکین کا رد فرماتے ہیں جو بے جان بتوں کو خدا کا شریک ٹھہراتے تھے اس قسم کے مشرک قیامت کے دن اپنی حماقت پر بہت ہی [1] زیادہ حسرت کریں گے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی ﷺ آپ اس کتاب یعنی قرآن میں لوگوں کے سامنے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ ذکر کیجیے کہ یہ عرب کے مشرک حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہونے پر فخر کرتے ہیں اور ان کے طریقہ کے خلاف شرک میں مبتلا ہیں۔ بیشک ابراہیم علیہ السلام نہایت راستباز تھے۔ صدق و راستی میں حد کمال کو پہنچے ہوئے تھے۔ صدق و راستی انکے جز جز میں پوری طرح سرایت کیے ہوئے تھی اور پیغمبر تھے خدا کی طرف سے خبر دینے والے تھے یا یہ معنی ہیں کہ وہ عالی قدر اور بلند مرتبہ تھے۔ مطلب یہ ہے کہ نبوت اور صدیقیت کے جامع تھے جب کہ انہوں نے اپنے باپ آزر سے جو بت پرست تھے، یہ کہا کہ اے میرے باپ کیوں پوجتا ہے اس چیز کو جو نہیں سنتی اور نہیں دیکھتی اور نہ کسی ضرورت میں تیری کفایت کر سکے۔ یعنی جس چیز میں یہ صلاحیت نہیں کہ تیری خدمت اور عبادت کر سکے اور نہ تیری فریاد سن سکے اور نہ کسی نفع اور ضرر میں تیری کفایت کر سکے تو ایسی چیز کی عبادت سے کیا فائدہ کہ جس سے نہ نفع کی امید ہو اور نہ ضرر کا ڈر ہو اور یہ باتیں انتہائی ذلت کی ہیں اور معبود کے لیے نہایت عظمت چاہیے لہٰذا جب یہ بت نہ دیکھتے ہیں، اور نہ سنتے ہیں اور نہ ان کو یہ تمیز کہ کون ان کی عبادت کرتا ہے اور کون نہیں کرتا اور نہ یہ کسی نفع اور ضرر کے مالک ہیں تو ان کی عبادت سے کیا فائدہ؟ ان بتوں سے تو ان کی عبادت کرنے والے ہی بہتر ہیں کہ جو سنتے بھی ہیں اور دیکھتے بھی ہیں ایسی ذلیل اور خوار اور بیکار چیز کو اپنا معبود بنانا انتہائی حماقت ہے۔

ایک بات تو یہ ہوئی دوسری بات حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کی فہمائش کے لیے یہ کہی اے میرے باپ بلا شبہ مجھے اللہ کی طرف سے وہ علم پہنچا ہے جو تیرے پاس نہیں آیا۔ لہٰذا غیر عالم کو چاہیے کہ وہ عالم کا اتباع کرے۔ پس آپ میرا اتباع کیجیے میں آپ کو سیدھی راہ بتلاؤں گا جو چلنے والے کو منزل مقصود پر پہنچا دے۔ اتباع کے معنی پیچھے پیچھے چلنے کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اے میرے باپ میرے پیچھے پیچھے چلو ان شاء اللہ تعالیٰ میں تم کو خدا تک پہنچا دوں گا۔ بحق پدری و بمقتضائے محبت فرزندی میں آپ سے کہتا ہوں کہ آپ میرا اتباع کیجیے۔ مجھے اللہ کی طرف سے جو علم پہنچا ہے اس میں غلطی کا احتمال نہیں تو ایسے علم صحیح والے کا اتباع تو عقلاً ضروری ہے۔

[1] گزشتہ آیت ﴿وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ﴾ کے ساتھ ربط کی طرف اشارہ ہے۔ ۱۲

تیسری بات یہ کہی اے میرے باپ تم شیطان کی عبادت نہ کرو۔ کیونکہ بتوں کی عبادت درحقیقت شیطان کی عبادت ہے کیونکہ بتوں میں یہ صلاحیت اور لیاقت نہیں کہ وہ اپنی عبادت کی دعوت دے سکیں اور انبیاء اور اولیاء تو صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کی دعوت دیتے چلے آئے۔ لہٰذا بتوں کی عبادت کا داعی سوائے شیطان کے کون ہوسکتا ہے۔ اور سب کو معلوم ہے کہ بلاشبہ شیطان اللہ کا انتہائی نافرمان ہے جس کو ارحم الراحمین نے اپنی رحمت سے ملعون اور مطرود کر دیا ہے۔ پس جو اس ملعون اور مطرود کی اتباع کرے گا اس کو بھی لعنت اور غضب سے حصہ ملے گا۔ خدا کا سب سے پہلا نافرمان یہی شیطان ہے جس نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔

چوتھی بات یہ کہی کہ اے میرے باپ بیشک میں ڈرتا ہوں کہ اگر تم اسی کفر و شرک کی حالت میں مر گئے تو تجھے رحمٰن کی طرف سے عذاب پہنچے گا۔ اور پھر تو دوزخ میں شیطان کا ساتھی بنے یعنی عذاب میں اس کا شریک بنے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام جب باپ کو نرمی اور تلطف کے ساتھ یہ نصیحت فرما چکے تو باپ نے اس کے برعکس درشتی سے یہ جواب دیا۔ اے ابراہیم علیہ السلام کیا تو میرے معبودوں سے منحرف اور برگشتہ ہے؟ اگر تو میرے معبودوں کو برا کہنے سے باز نہ آیا تو میں تجھ کو ضرور سنگسار کر دوں گا۔ اور ایک مدت دراز تک یعنی عمر بھر کے لیے تو مجھ سے دور ہو جا۔ تاکہ میں تیری شکل نہ دیکھوں۔ ورنہ میں تجھے مار ہی ڈالوں گا۔

ابراہیم علیہ السلام نے کہا اچھا تم پر سلام ہو۔ لیجیے میں جاتا ہوں اور تم سے رخصت ہوتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ تم کو ہر ظاہری اور باطنی آفت سے سلامتی عطا فرمائے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ سلام تحیۂ اکرام نہ تھا بلکہ سلام رحمت تھا اور باپ کے لیے دعا کو متضمن تھا۔ البتہ میں تیرے لیے اپنے پروردگار سے مغفرت مانگتا رہوں گا بلاشبہ وہ مجھ پر بڑا مہربان ہے۔ یعنی میں آپ سے جدا ہوتا ہوں اور اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ایمان کی توفیق دے جو ذریعہ مغفرت ہے۔ چلتے وقت باپ سے دعاء مغفرت کا وعدہ کیا۔ شاید باپ نرم پڑ جائے۔ ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ کے لیے دعاء مغفرت کرتے رہے۔ جب ان کے باپ کا خاتمہ کفر پر ہوگیا تو ان سے بیزار ہو گئے جیسا کہ سورۂ توبہ کے اخیر میں گزرا ﴿وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَاۤ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗۤ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ﴾ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پہلے سے علم نہ تھا کہ باپ کفر پر مرے گا ورنہ استغفار نہ کرتے۔ اور چھوڑ دوں گا میں تم سب کو یعنی باپ کو اور تمام خویش و اقارب کو اور سب اہل وطن کو اور چھوڑ دوں گا ان چیزوں کو یعنی ان بتوں کو جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو یعنی میں تم سب کو چھوڑ کر ملک شام کی طرف ہجرت کرتا ہوں اور صرف اپنے پروردگار کی عبادت کرتا رہوں گا۔ جو مجھے دیکھتا ہے اور میری دعا کو سنتا ہے۔

امید ہے کہ میں اپنے رب کے پکارنے میں محروم نہ رہوں گا۔ جیسا کہ تم اپنے بتوں کے پکارنے میں محروم اور ناکام ہو۔ پس جب ابراہیم علیہ السلام ان سے اور ان چیزوں سے جن کی وہ پرستش کرتے تھے علیحدہ ہو گئے اور سب کو چھوڑ دیا اور ملک شام کی طرف ہجرت کر گئے۔ تو ہم نے ان کو اسحاق جیسا بیٹا اور یعقوب جیسا پوتا بخشا۔ یعنی ان کو نیک اولاد عطا کی تاکہ ان کی وحشت دور ہو۔ خدا کیلئے خویش و اقارب کو چھوڑا اللہ تعالیٰ نے اس سے بہتر عطا کر دیا۔ ایمان کے بعد سب سے

زیادہ قابل قدر فرزند صالح ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔ ؎

ندارد پدر ہیچ بایستہ تر — زفرزند شائستہ شائستہ تر

اوران دونوں میں سے ہر ایک کو ہم نے نبی بنایا اوران تینوں کو ہم نے اپنی رحمت اور برکت سے خاص حصہ دیا۔ جوان کی پشت ہا پشت میں جاری وساری رہی۔ اوراس دنیا میں ہم نے ان کا نیک نام بلند کیا۔ کہ ہر کوئی ان کا ذکر۔ خیر اور بھلائی کے ساتھ کرتا ہے۔ اورتمام اہل ملت ودین ان کی مدح وثناء کرتے ہیں۔ لسان صدق سے ثناء مراد ہے۔ کیونکہ ثناء اورتعریف زبان سے ہوتی ہے اور بخشش ہاتھ سے ہوتی ہے اور درود میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور انکی اولاد کا ذکر یہ بھی لسان صدق میں داخل ہے۔ اوراس جملہ یعنی ﴿وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا﴾ میں اشارہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو یہ دعا مانگی تھی ﴿وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ﴾ وہ دعا قبول ہوئی شاید حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذکر اس جگہ اس لیے نہیں کیا کہ وہ اس سے پہلے عطا ہو چکے تھے۔ اور بحکم الٰہی ان کو اور انکی والدہ ہاجرۃ علیہا السلام کو خانہ کعبہ کے قریب لا کر چھوڑ گئے تھے اس جگہ اس اولاد کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو عزیز واقارب کو چھوڑنے کے صلہ میں عطا کی تھی اور حضرت اسماعیل علیہ السلام شروع ہی سے ان کے پاس نہیں رہے تھے۔ بچپن ہی میں ان سے جدا ہو گئے تھے۔ نیز حضرت اسماعیل علیہ السلام کا مستقل طور پر آئندہ ذکر آنے والا ہے۔

نکتہ:...... سلاطین اور ملوک کی اگر تعریف کی جائے تو اس تعریف سے لوگوں کی نظر میں سلاطین کا رتبہ بلند ہوتا ہے۔ بخلاف حضرت ابراہیم علیہ السلام کہ ان کی ثناء حسن سے ثنا کرنے والوں کا رتبہ بلند ہوگا کیونکہ ابراہیم علیہ السلام کی تعریف سرتاپا صدق اور حق ہوگی۔ اس لیے ان کی تعریف لوگوں کے حق میں موجب صد خیر وبرکت ہوگی۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰٓى ۡ اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿۵۱﴾ وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ

اور مذکور کر کتاب میں موسیٰ کا ف۱ بیشک وہ تھا چنا ہوا اور تھا رسول نبی ف۲ اور پکارا ہم نے اس کو داہنی طرف سے

اور مذکور کر کتاب میں موسیٰ کا۔ وہ تھا چنا ہوا اور تھا رسول نبی۔ اور پکارا ہم نے اس کو داہنی طرف سے

الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ﴿۵۲﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ﴿۵۳﴾

طور پہاڑ کی اور نزدیک بلایا اس کو بھید کہنے کو ف۳ اور بخشا ہم نے اس کو اپنی مہربانی سے بھائی اس کا ہارون نبی ف۴

طور پہاڑ کے، اور نزدیک بلایا اس کو بھید کہنے کو۔ اور بخشا ہم نے اس کو اپنی مہر سے بھائی اس کا ہارون نبی۔

ف۱ یعنی قرآن کریم میں جو حال موسیٰ علیہ السلام کا بیان کیا جا رہا ہے لوگوں کے سامنے ذکر کیجئے کیونکہ اسحاق ویعقوب علیہما السلام کی نسل سے اسرائیلی سلسلہ کے اولوالعزم پیغمبر اور مشرع اعظم ہوئے ہیں۔ اورجس طرح حضرت یحییٰ وعیسیٰ علیہما السلام کے تذکرہ میں خصوصیت کے ساتھ عیسائیوں کی اصلاح اور ابراہیم علیہ السلام کے ذکر میں مشرکین مکہ کو متنبہ کرنا مقصود تھا، حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام کے تذکرہ سے شاید "یہود" کو بتانا ہو کہ قرآن کس قدر کشادہ دلی سے ان کے مقتدائے اعظم کے واقعی کمالات ومحاسن کا اعلان کرتا ہے۔ یہود کو چاہیے کہ وہ بھی اپنے اس جلیل القدر پیغمبر کی صریح پیشین گوئی کے موافق اسمٰعیلی نبی (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی رسالت ونبوت کا کھلے دل سے اعتراف کریں شاید اسی لیے حضرت موسیٰ کے بعد روئے سخن حضرت اسماعیل کی طرف پھیر دیا گیا۔

ف۲ جس آدمی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئے وہ "نبی" ہے انبیاء میں سے جن کو خصوصی امتیاز حاصل ہو، یعنی مکذبین کے مقابلہ پر جداگانہ امت کی طرف مبعوث ہوں یا نئی کتاب اور مستقل شریعت رکھتے ہوں وہ "رسول نبی" یا "نبی رسول" کہلاتے ہیں۔ شرعیات میں جزئی تصرف مثلاً کسی عام کی تخصیص یا مطلق کی تقیید وغیرہ رسول کے ساتھ مخصوص نہیں عام انبیاء بھی کرسکتے ہیں۔ باقی غیر انبیاء پر رسول یا مرسل کا اطلاق جیسا کہ قرآن کے بعض مواضع میں پایا جاتا ہے وہ اس =

قصۂ چہارم، حضرت موسیٰ علیہ السلام

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰى... الى... اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا﴾

یہ چوتھا قصہ موسیٰ علیہ السلام کا ہے۔ خلیل اللہ کے قصے کے بعد کلیم اللہ کا قصہ ذکر فرماتے ہیں۔ اس قصہ میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی پانچ صفتیں ذکر فرمائیں۔

(۱) مخلص یعنی خدا کے منتخب اور برگزیدہ بندے تھے۔ (۲) رسول اور نبی تھے۔ (۳) ان سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا۔ (۴) ان کو اپنا مقرب بنایا۔ (۵) ان کی فرمائش سے ان کے بھائی ہارون علیہ السلام کو نبی بنایا۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

اور اے نبی اس کتاب یعنی قرآن میں موسیٰ علیہ السلام کا قصہ پڑھ کر لوگوں کو سنائیے۔ بیشک وہ خدا کے چیدہ اور برگزیدہ خالص اللہ کے لیے چنے ہوئے تھے۔ جن کی ذات وصفات میں اور اعمال ونیات میں غیر اللہ کا شائبہ بھی نہ تھا۔ اور تھے وہ رسول اور نبی۔ "رسول" کے معنی یہ ہیں کہ وہ فرستادۂ خداوندی تھے اور نبی کے معنی یہ ہیں کہ مخلوق کو احکام خداوندی سے آگاہ کرنے والے اور خبر دینے والے تھے۔ معتزلہ کے نزدیک ہر نبی رسول ہوتا ہے۔ ان کے نزدیک دونوں متلازم ہیں اور جمہور اہل سنت کے نزدیک نبی عام ہے اور رسول خاص ہے۔ رسول وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی خصوصی امتیاز حاصل ہو یعنی کوئی مستقل کتاب یا کوئی مستقل شریعت عطا ہوئی ہو یا مکذبین اور معاندین کے مقابلہ میں معجزات قاہرہ دے کر بھیجے گئے ہوں۔

اور "نبی" وہ ہے کہ جو اللہ کی طرف سے خبر دے گو اس کے ساتھ کوئی مستقل کتاب اور مستقل شریعت نہ ہو۔ بہر حال نبی عام ہے اور رسول خاص ہے۔ بظاہر مناسب یہ تھا کہ پہلے عام کو ذکر کرتے اور پھر خاص کو ذکر کرتے لیکن فاصلہ یعنی قافیہ کی رعایت سے خاص کو عام یعنی نبی پر مقدم کیا جیسا کہ طٰہٰ میں ﴿رَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى﴾ میں فاصلہ کی رعایت سے ہارون کو موسیٰ علیہ السلام پر مقدم کیا۔ اور ہم نے موسیٰ کو کوہ طور کے دائیں جانب سے آواز دی اور یہ نداء نداء رسالت تھی۔ جب موسیٰ علیہ السلام مدین سے مصر کو واپس آرہے تھے۔ اور ہم نے ان کو قریب کر لیا راز کی باتیں سنانے کے لیے۔ اور بلا واسطہ ان سے کلام کرنے کے لیے۔ زجاج رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ آیت میں قرب سے قرب مسافت اور قرب مکانی مراد نہیں بلکہ قرب منزلت اور قرب مرتبہ مراد

= معنی مصطلح کے اعتبار سے نہیں۔ وہاں دوسری حیثیات معتبر ہیں۔ واللہ اعلم۔

ف۳ یعنی موسیٰ علیہ السلام جب آگ کی چمک محسوس کر کے "طور" پہاڑ کی اس مبارک ومیمون جانب میں پہنچ گئے جو ان کے دائیں ہاتھ مغرب کی طرف واقع تھی۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کو پکارا اور ہم کلامی کا شرف بخشا۔ تفصیل سورۂ "طٰہٰ" میں آئے گی۔ کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام اس وقت ہر جہت اور ہر بن مو سے خدا کا کلام سن رہے تھے جو بدون توسط فرشتے کے ہو رہا تھا۔ اور روحانی طور پر اس قدر قرب وعلو حاصل تھا کہ غیبی قلموں کی آواز سنتے تھے جس سے تورات نقل کی جا رہی تھی۔ وحی کو "بھید" اس لیے فرمایا کہ اس وقت کوئی بشر استماع میں شریک نہ تھا۔ گو بعد میں اوروں کو بھی خبر کر دی گئی۔ واللہ اعلم۔

ف۴ یعنی ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ کے کام میں مددگار ہوئے جیسے کہ انہوں نے خود درخواست کی تھی۔ ﴿وَاَخِيْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْاً يُّصَدِّقُنِيْٓ﴾ (القصص، رکوع ۴) اور ﴿وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ هٰرُوْنَ اَخِي﴾ (طٰہٰ، رکوع ۲) حق تعالیٰ نے درخواست قبول فرمائی اور ہارون علیہ السلام کو نبی بنا کر ان کی اعانت وتقویت کے لیے دے دیا۔ ویسے عمر میں حضرت ہارون علیہ السلام بڑے تھے کہتے ہیں کہ دنیا میں کسی نے اپنے بھائی کے لیے اس سے بڑی شفاعت نہیں کی جو موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کے لیے کی تھی۔

ہے اور ہم نے اپنی رحمت اور مہربانی سے ان کے بھائی ہارون علیہ السلام کو نبی بنا کر عطا کیا۔ یعنی ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی یہ دعا ﴿وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ﴾ قبول کی اور ان کی دعا کے مطابق ان کے بھائی ہارون علیہ السلام کو نبی بنا دیا۔ پس اصل ہبہ اور اصل عطیہ نبوت ہارون علیہ السلام کا تھا کہ ان کی دعا سے ہارون علیہ السلام کو نبوت ملی نہ کہ ذات ہارون علیہ السلام کا کیونکہ ہارون علیہ السلام تو پہلے سے موجود تھے اور موسیٰ علیہ السلام سے عمر میں بڑے تھے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ ۡ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿۵۴﴾ وَكَانَ يَاْمُرُ

اور مذکور کر کتاب میں اسمٰعیل کا وہ تھا وعدہ کا سچا اور تھا رسول نبی ف۱ اور حکم کرتا تھا

اور مذکور کر کتاب میں اسمٰعیل کا۔ وہ تھا وعدے کا سچا اور تھا رسول نبی۔ اور حکم کرتا تھا

اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ۠ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ﴿۵۵﴾

اپنے گھر والوں کو نماز کا اور زکوٰۃ کا ف۲ اور تھا اپنے رب کے یہاں پسندیدہ ف۳

اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا۔ اور تھا اپنے رب کے ہاں پسند۔

قصۂ پنجم، حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ ... الى ... وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا﴾

حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اول فرزند ہیں اور عرب حجاز کے جد اعلیٰ ہیں اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ان کے صلب سے ہوا اور ان کی شریعت بھی مستقل تھی اور عشق اور فدائیت میں ان کی خاص شان ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے قصہ کو ان کے باپ کے قصہ کے ذیل میں ذکر نہیں فرمایا بلکہ جداگانہ طریقہ سے ان کا ذکر فرمایا اور اس سلسلہ میں ان کی چار صفتیں ذکر فرمائیں۔

ف۱ اس سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی فضیلت حضرت اسحاق علیہ السلام پر ظاہر ہوتی ہے کیونکہ ان کو صرف نبی فرمایا اور اسماعیل علیہ السلام کو رسول نبی کہا گیا ہے۔ صحیح مسلم میں حدیث ہے۔ "اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى مِنْ وُّلْدِ اِبْرَاهِيْمَ اِسْمَاعِيْلَ" (ابراہیم کی اولاد میں سے اللہ نے اسماعیل کو چن لیا) حضرت اسماعیل علیہ السلام عرب حجاز کے مورث اعلیٰ اور ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی اجداد میں سے ہیں جو ابراہیمی شریعت دے کر "بنی جرہم" کی طرف مبعوث ہوئے۔ ان کا صادق الوعد ہونا مشہور تھا۔ خدا سے یا بندوں سے جو وعدہ کیا پورا کر کے دکھلایا۔ ایک شخص سے وعدہ کیا کہ جب تک تو آئے میں اسی جگہ رہوں گا۔ کہتے ہیں وہ ایک برس نہ آیا، یہ وہیں رہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی منقول ہے کہ "قبل از بعثت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عبد اللہ بن ابی الحمساء نے کہا کہ آپ یہاں ٹھہریے میں ابھی آتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تین دن تک اسی جگہ رہے۔ جب وہ واپس آیا تو فرمایا کہ تو نے ہم کو تکلیف دی۔ میں حسب وعدہ تین دن سے یہیں ہوں۔" حضرت اسماعیل علیہ السلام کے وعدہ کی انتہائی سچائی اس وقت ظاہر ہوئی جب اپنے باپ ابراہیم سے کہا تھا۔ ﴿يٰاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۡ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ (صافات، رکوع ۳) اور اسی طرح کر کے دکھایا۔

ف۲ کیونکہ گھر والے قریب ہونے کی وجہ سے ہدایت کے اول مستحق ہیں، ان سے آگے کو سلسلہ چلتا ہے۔ اسی لیے دوسری جگہ فرمایا ﴿وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا﴾ (طٰہٰ، رکوع ۸) اور ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا﴾ (تحریم، رکوع ۱) خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہی ارشاد ہوا ﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾ (شعراء، رکوع ۱۱) بعض کہتے ہیں کہ یہاں "اهل" سے ان کی ساری قوم مراد ہے۔ چنانچہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مصحف میں "اَهْلَهٗ" کی جگہ "قَوْمَهٗ" تھا۔ واللہ اعلم۔

ف۳ یعنی دوسروں کو ہدایت کرنا اور خود اپنے اقوال و افعال میں پسندیدہ مستقیم الحال اور مرضی الخصال تھا۔

(۱) صادق الوعد تھے۔ (۲) رسول اور نبی تھے۔ (۳) اہل و عیال کو جانی اور مالی عبادت کا حکم دیتے تھے اصلاح کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے اہل و عیال اور اہل خانہ سے اس کا آغاز کرے۔ کما قال اللہ تعالیٰ ﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾ ﴿وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا﴾

(۴) وہ مرضیؔ یعنی خداوند تعالیٰ کے پسندیدہ تھے۔ یہ انتہائی مدح ہے کہ حق جل شانہ ان سے من کل الوجوہ راضی تھے اور وہ ہر اعتبار سے خدا کے پسندیدہ تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور ذکر کر وقرآن میں قصہ اسماعیل علیہ السلام کا تحقیق وہ وعدے کے بڑے سچے تھے۔ لوگوں سے جو وعدے کرتے اسے پورا کرتے۔ ایک شخص سے وعدہ کیا تھا کہ جب تک تو واپس آئے گا تو تیرے انتظار میں کھڑا رہوں گا۔ وہ شخص تین دن کے بعد واپس آیا آپ علیہ السلام برابر تین دن اسی جگہ کھڑے رہے سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ علیہ السلام نے اپنے باپ سے ذبح پر صبر کرنے کا وعدہ کیا۔ اس کو پورا کر کے دکھلایا اور تھے وہ رسول اور نبی۔ قبیلہ جرہم کی طرف مبعوث ہوئے تھے عجب نہیں کہ مناسک اور وادی غیر ذی زرع کے متعلق کچھ خاص احکام اور خاص شریعت دی گئی ہو جن سے وادی غیر ذی زرع کے رہنے والوں کو آگاہ اور خبردار کرتے ہوں۔ اور تھے اسماعیل کہ خاص طور پر حکم کرتے تھے اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا یعنی اول اپنے اہل عیال کو عبادت کا حکم کرتے تھے۔ کما قال اللہ تعالیٰ ﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾ ﴿قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا﴾ اور تھے اسماعیل علیہ السلام اپنے پروردگار کے نزدیک نہایت پسندیدہ قضاء الٰہی پر راضی تھے اور بلا میں صبر کرتے تھے۔ اور سخاوت میں کامل تھے اور وعدہ کے سچے تھے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ ۡاِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿۵۶﴾ وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ﴿۵۷﴾

اور مذکور کر کتاب میں ادریس کا وہ تھا سچا نبی ف۱ اور اٹھا لیا ہم نے اس کو ایک اونچے مکان پر ف۲

اور مذکور کر کتاب میں ادریس کا۔ وہ تھا سچا نبی۔ اور اٹھا لیا ہم نے اس کو ایک اونچے مکان پر۔

قصہ ششم، حضرت ادریس علیہ الصلوٰۃ والسلام

قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ ... الی ... وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا﴾

ربط: ...... یہ چھٹا قصہ حضرت ادریس علیہ السلام کا ہے جو حضرت آدم علیہ السلام کے پوتے اور حضرت نوح علیہ السلام کے جد امجد تھے۔ آپ علیہ السلام کا اصل نام اخنوخ ہے اور ادریس لقب ہے چونکہ آپ کتابوں کو بکثرت پڑھتے تھے اس لیے آپ کا یہ لقب ہوا۔ آپ علیہ السلام درزی کا کام کرتے تھے سب سے پہلے آپ علیہ السلام ہی نے کپڑا سیا ہے اور سلا ہوا کپڑا سب سے پہلے آپ ہی نے پہنا

ف۱ راجح یہ ہے کہ ادریس علیہ السلام حضرت آدم اور نوح علیہما السلام کے درمیانی زمانہ میں گزرے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ دنیا میں نجوم و حساب کا علم، قلم سے لکھنا، کپڑا سینا، ناپ تول کے آلات اور اسلحہ کا بنانا اول ان سے چلا۔ واللہ اعلم۔ شب معراج میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چوتھے آسمان پر ان سے ملاقات ہوئی۔

ف۲ یعنی قرب و عرفان کے بہت بلند مقام اور اونچی جگہ پر پہنچا۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت مسیح کی طرح وہ بھی زندہ آسمان پر اٹھائے گئے اور اب تک زندہ ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ آسمان پر لے جا کر روح قبض کی گئی۔ ان کے متعلق بہت سی اسرائیلیات مفسرین نے نقل کی ہیں۔ ابن کثیر نے ان پر تنقید کی ہے۔ واللہ اعلم۔

ہے۔ آپ سے پہلے لوگ حیوانات کی کھالیں پہنا کرتے تھے۔ کتابت اور قلم حساب اور ترازو، پیمانہ اور ہتھیار کے موجد بھی آپ علیہ السلام ہی ہیں۔

اس قصہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کی تین صفتیں ذکر فرمائیں۔ ایک صدیقیت، دوم نبوت، سوم رفعت مکانی۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی آپ ﷺ اس کتاب یعنی قرآن میں ادریس علیہ السلام کا ذکر پڑھ کر لوگوں کو سنایئے بلاشبہ وہ بڑے راست کردار تھے۔ سرتا پا صدق تھے کذب کا کہیں آس پاس گزر بھی نہ تھا۔ اور نبی تھے اللہ تعالیٰ نے ان پر تیس صحیفے نازل فرمائے تھے اور اٹھایا ہم نے ان کو بلند مکان پر یعنی آسمان پر۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ اور مجاہد سے مروی ہے کہ ادریس علیہ السلام عیسیٰ علیہ السلام کی طرح زندہ آسمان پر اٹھائے گئے اور اب وہ بھی آسمان میں زندہ ہیں۔ اور صحیحین میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے شب معراج میں ادریس علیہ السلام کو چوتھے آسمان پر دیکھا اور وہاں ان سے ملاقات کی۔ حضرت ادریس علیہ السلام کے رفع کے بارے میں مختلف روایتیں آئی ہیں مگر وہ سب اسرائیلیات ہیں۔ جن پر ابن کثیر رحمہ اللہ نے تنقید کی ہے اور بعض علماء کہتے ہیں کہ ﴿وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا﴾ میں رفعت مکانی مراد نہیں بلکہ رفعت مکانت یعنی علو مرتبہ کے معنی مراد ہیں۔ اور مطلب یہ ہے کہ ہم نے ان کو قرب اور معرفت کے بلند مقام پر پہنچایا۔ تیس صحیفے ان پر نازل کیے اور بہت سے علوم اور صنعتیں ان کے ہاتھ سے ایجاد ہوئیں۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ کی نسبت آیا ہے۔ ورفعنا لك ذكرك۔

جمہور علماء کے نزدیک صحیح اور مختار یہ ہے کہ آیت میں رفعت سے مکان حسی کی بلندی مراد ہے۔ بلندی مرتبہ مراد نہیں۔ کیونکہ ظاہر الفاظ قرآنی سے یہی متبادر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بلند مکان یعنی آسمان پر اٹھایا اور مرتبہ کی بلندی بھی اسی میں زیادہ ہے کہ ان کو آسمان پر اٹھایا گیا۔

امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مقام مدح کے یہی معنی مناسب ہیں۔ اس لیے کہ جو عظیم المرتبہ ہوتا ہے وہی آسمان پر اٹھایا جاتا ہے۔ (دیکھو تفسیر کبیر) اور امام ابن جریر رحمہ اللہ اور حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کا میلان بھی اسی معنی کی طرف ہے کہ آیت میں رفع سے مکان بلند یعنی آسمان کی طرف اٹھایا جانا مراد ہے۔ اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے بھی اپنے ترجمہ میں اسی معنی کو اختیار کیا۔

والله سبحانه وتعالىٰ اعلم وعلمه اتم واحكم

أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ ۙ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ

یہ وہ لوگ ہیں جن پر انعام کیا اللہ نے پیغمبروں میں آدم کی اولاد میں اور ان میں جن کو سوار کرلیا ہم نے

وہ لوگ ہیں جن پر نعمت دی اللہ نے پیغمبروں میں، آدم کی اولاد میں، اور ان میں جن کو لاد لیا ہم نے

نُوْحٍ ۡ وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْرَآءِيْلَ ۡ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا ۭ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ

نوح کے ساتھ اور ابراہیم کی اولاد میں اور اسرائیل کی ف ۱ اور ان میں جن کو ہم نے ہدایت کی اور پسند کیا ف ۲ جب ان کو سنائے آیتیں رحمٰن کی

نوح کے ساتھ، اور ابراہیم کی اولاد میں، اور اسرائیل کی، اور ان میں جن کو ہم نے سوجھ دی اور پسند کیا۔ جب ان کو سنائے آیتیں رحمٰن کی،

ف ۱ یعنی جن انبیاء کا ابتدائی سورت سے یہاں تک ذکر ہوا۔ اسی قسم کے لوگوں پر حق تعالیٰ نے اپنے انعامات کی بارش کی ہے۔ یہ سب آدم کی اولاد میں اور =

أُولَٰٓئِكَ الرَّحْمَٰنِ خَرُّوا سُجَّدًا وَبُكِيًّا ۩

گرتے ہیں سجدہ میں اور روتے ہوئے ف ۱

گرتے ہیں سجدے میں، اور روتے۔

ذکر وصف عام جنس انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام

کہ ہمہ اہل ہدایت واہل کرامت واہل نعمت واہل قرب ومنزلت بودند و

باایں ہمہ درخشوع وخضوع بانتہار سیدہ بودہ بودند

قال اللہ تعالیٰ: ﴿أُولَٰٓئِكَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ ... الی ... خَرُّوا سُجَّدًا وَبُكِيًّا﴾

ربط:...... شروع سورت سے یہاں تک خاص خاص انبیاء کے خاص خاص اوصاف بیان کیے گئے۔ اب تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا وصف عام بیان کرتے ہیں جو تمام انبیاء میں مشترک ہے۔ اور مقصود یہ ہے کہ جنس انبیاء کے تمام افراد اور تمام اشخاص خدائے تعالیٰ کے فرمانبردار اور برگزیدہ بندے تھے جن کو حق تعالیٰ نے اپنی خاص ہدایت اور خاص نعمت اور کرامت اور قرب منزلت سے سرفراز فرمایا۔ مگر باوجود اس قدر علو مقام اور رفعت شان کے غایت درجہ متواضع تھے اور عبودیت اور بندگی میں کامل تھے کہ خدا تعالیٰ کی آیتوں کو سن کر خشوع اور خضوع کے ساتھ سجدہ میں گر پڑتے تھے۔ اور زار و قطار روتے تھے۔ پس تم ان کے طریقے پر چلو اور اہل غفلت کے طریقہ پر نہ چلو چنانچہ فرماتے ہیں۔ یہ لوگ جن کا اس سورت میں زکریا علیہ السلام سے لے کر یہاں تک ذکر ہوا۔ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنا خاص انعام فرمایا وہ نبیین ہیں ان میں سے بعض صرف نسل آدم سے ہیں۔ جیسے ادریس علیہ السلام اور بعض ان لوگوں کی نسل سے ہیں جن کو ہم نے نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار کیا تھا۔ جیسے ابراہیم علیہ السلام کہ وہ سام بن نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں جو کشتی میں سوار تھے اور بعض ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔ جیسے اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب علیہ السلام اور بعض اسرائیل یعنی یعقوب علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔ جیسے موسیٰ وہارون وزکریا و یحییٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام اور یہ سب حضرات ان لوگوں میں سے تھے۔ اور جن کو ہم نے ہدایت دی اور جن کو ہم نے برگزیدہ بنایا۔ یہ حضرات ایسے برگزیدہ بندے تھے کہ جب ان پر رحمٰن کی آیتیں پڑھی جاتی تھیں تو خوف وخشیت اور غلبہ شوق ومحبت سے سجدہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے زمین پر گر جاتے تھے۔ سماع قرآن کے وقت رونا اور خشوع وخضوع مستحب ہے۔ یہ

= ادریس علیہ السلام کے سوا باقی سب ان کی اولاد بھی ہیں جنہیں نوح علیہ السلام کے ساتھ ہم نے کشتی پر سوار کیا تھا۔ اور بعض ابراہیم علیہ السلام کی ذریت میں ہیں۔ مثلاً اسحٰق، یعقوب، اسماعیل علیہم السلام اور بعض اسرائیل (یعقوب) علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔ مثلاً موسیٰ، ہارون، زکریا، یحییٰ، عیسیٰ علیہم السلام۔

ف ۲ یعنی طریق حق کی طرف ہدایت کی اور منصب نبوت ورسالت کے لیے پسند کرلیا۔

ف ۱ یعنی باوجود اس قدر علو مقام اور معراج کمال پر پہنچنے کے شان عبودیت وبندگی میں کامل ہیں۔ اللہ کا کلام سن کر اور اس کے مضامین سے متاثر ہو کر نہایت عاجزی اور خشوع کے ساتھ سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور اس کو یاد کر کے روتے ہیں۔ اسی لیے علماء کا اجماع ہے کہ اس آیت پر سجدہ کرنا چاہیے۔ تاکہ ان مقربین کے طرز عمل کو یاد کر کے ایک طرح کی مشابہت ان سے حاصل ہو جائے۔ روایات میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سورۂ مریم پڑھ کر سجدہ کیا اور فرمایا "ھذا السجود فاین البکی" (یہ تو سجدہ ہوا، آگے بکاء کہاں ہے) بعض مفسرین نے یہاں "آیات الرحمن" سے خاص آیات سجود اور "سجدًا" سے سجود تلاوت مراد لیا ہے۔ مگر ظاہر وہی ہے جو تقریر ہم پہلے کر چکے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ قرآن کی تلاوت کرو اور روؤ، اگر رونا نہ آئے تو (کم از کم) رونے کی صورت بنالو۔

آیت سجدہ کی ہے اس کے پڑھنے والے اور سننے والے پر سجدہ واجب ہے۔

فَخَلَفَ مِنۢ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوۡفَ يَلۡقَوۡنَ غَيًّا ﴿۵۹﴾

پھر ان کی جگہ آئے ناخلف کھو بیٹھے نماز اور پیچھے پڑ گئے مزوں کے سو آگے دیکھ لیں گے گمراہی کو ف۱

پھر ان کی جگہ آئے ناخلف، گنوائی نماز اور پیچھے پڑے مزوں کے، سو آگے ملے گی گمراہی۔

اِلَّا مَنۡ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدۡخُلُوۡنَ الۡجَنَّةَ وَلَا يُظۡلَمُوۡنَ شَيۡـًٔا ﴿۶۰﴾

مگر جس نے توبہ کی اور یقین لایا اور کی نیکی سو وہ لوگ جائیں گے بہشت میں اور ان کا حق ضائع نہ ہوگا کچھ ف۲

مگر جس نے توبہ کی اور یقین لایا اور کی نیکی، سو وہ لوگ جاویں گے بہشت میں، اور ان کا حق نہ رہے گا کچھ۔

جَنّٰتِ عَدۡنِ ۨالَّتِىۡ وَعَدَ الرَّحۡمٰنُ عِبَادَهٗ بِالۡغَيۡبِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ وَعۡدُهٗ مَاۡتِيًّا ﴿۶۱﴾ لَا يَسۡمَعُوۡنَ

باغوں میں بسنے کے جن کا وعدہ کیا ہے رحمٰن نے اپنی بندوں سے ان کے بن دیکھے، بیشک ہے اس کے وعدہ پر پہنچنا ف۳ نہ سنیں گے وہاں

باغوں میں بسنے کے، جن کا وعدہ دیا ہے رحمٰن نے اپنے بندوں کو، بن دیکھے۔ بیشک ہے اس کے وعدہ پر پہنچنا۔ نہ سنیں گے وہاں

فِيۡهَا لَغۡوًا اِلَّا سَلٰمًا ؕ وَلَهُمۡ رِزۡقُهُمۡ فِيۡهَا بُكۡرَةً وَّعَشِيًّا ﴿۶۲﴾ تِلۡكَ الۡجَنَّةُ الَّتِىۡ نُوۡرِثُ

بک بک سوائے سلام ف۴ اور ان کے لئے ہے ان کی روزی وہاں صبح اور شام ف۵ یہ وہ بہشت ہے جو میراث دیں گے

بک بک، سوا سلام۔ اور ان کو ہے ان کی روزی وہاں صبح اور شام۔ وہ بہشت ہے! جو میراث دیں گے

ف۱ وہ تو اگلوں کا حال تھا یہ پچھلوں کا ہے کہ دنیا کے مزوں اور نفسانی خواہشات میں پڑ کر خدا تعالیٰ کی عبادت سے غافل ہو گئے۔ نماز جو اہم العبادات ہے اسے ضائع کر دیا۔ بعض تو فرضیت ہی کے منکر ہو گئے۔ بعض نے فرض جانا مگر پڑھی نہیں۔ بعض نے پڑھی تو جماعت اور وقت وغیرہ شروط وحقوق کی رعایت نہ کی ان میں سے ہر ایک درجہ بدرجہ اپنی گمراہی کو دیکھ لے گا کہ کیسے خسارہ اور نقصان کا سبب بنتی ہے اور کس طرح کی بدترین سزا میں پھنساتی ہے۔ حتیٰ کہ ان میں سے بعض کو جہنم کی اس بدترین وادی میں دھکیلا جائے گا جس کا نام ہی "غی" ہے۔

ف۲ یعنی توبہ کا دروازہ ایسے مجرموں کے لیے بھی بند نہیں جو گناہ گار سچے دل سے توبہ کر کے ایمان و عمل صالح کا راستہ اختیار کر لے اور اپنا چال چلن درست رکھے بہشت کے دروازے اس کے لیے کھلے ہوئے ہیں۔ توبہ کے بعد جو نیک اعمال کرے گا سابق جرائم کی بنا پر اس کے اجر میں کچھ کمی نہیں کی جائے گی نہ کسی قسم کا حق ضائع ہوگا۔ حدیث میں ہے۔ "اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنۡبِ كَمَنۡ لَّا ذَنۡبَ لَهٗ" (گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے گویا اس نے گناہ کیا ہی نہ تھا) اَللّٰهُمَّ تُبۡ عَلَيۡنَا اِنَّكَ اَنۡتَ التَّوَّابُ الرَّحِيۡمُ

ف۳ جب یہ بندے ان دیکھی چیزوں پر پیغمبروں کے فرمانے سے ایمان لائے، بن دیکھے خدا کی عبادت کی، تو اللہ نے ان سے جنت کی ان دیکھی نعمتوں کا وعدہ فرما لیا۔ جو ضرور بالضرور پورا ہو کر رہے گا۔ کیونکہ خدا کے وعدے بالکل حتمی اور اٹل ہوتے ہیں۔

ف۴ یعنی جنت میں لغو و بیکار اور بیہودہ شور و شغب نہ ہوگا۔ ہاں فرشتوں اور مومنین کی طرف سے "سَلَامٌ عَلَيۡكَ" کی آوازیں بلند ہوں گی۔

ف۵ صبح و شام سے جنت کی صبح و شام مراد ہے۔ وہاں دنیا کی طرح طلوع و غروب نہ ہوگا جس سے رات دن اور صبح شام مقرر کی جائے۔ بلکہ خاص قسم کی انوار کا توارد وتنوع ہوگا۔ جس کے ذریعہ سے صبح و شام کی تحدید وتعیین کی جائے گی۔ حسب عادت ومعمول صبح و شام جنت کی روزی پہنچے گی۔ ایک منٹ کے لیے بھوک کی تکلیف نہیں ستائے گی۔ وہ روزی کیا ہوگی؟ اس کی کیفیت خدا ہی جانے۔ حدیث میں ہے۔ "يُسَبِّحُوۡنَ اللّٰهَ بُكۡرَةً وَّعَشِيًّا" (جنتی صبح و شام حق تعالیٰ کی تسبیح کہیں گے) گویا جسمانی غذا کے ساتھ روحانی غذا بھی ملتی رہے گی۔

مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ﴿۶۳﴾

ہم اپنے بندوں میں جو کوئی ہوگا پرہیزگار ف ۱

ہم اپنے بندوں میں، جو کوئی ہوگا پرہیزگار۔

ذکر حال و مآل اہل سعادت و اہل شقاوت

قال اللہ تعالیٰ: ﴿فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلٰوةَ... الی... مَنْ كَانَ تَقِيًّا﴾

ربط:......گزشتہ آیات میں سلف صالحین اور انبیاء کرام ﷺ کا ذکر تھا۔ جو سب دین حق پر تھے۔ اور خدا کے برگزیدہ بندے تھے۔ اب ان آیات میں پچھلوں اور ان ناخلف لوگوں کا حال اور مآل بیان کرتے ہیں کہ جنہوں نے انبیاء کرام ﷺ کے اتباع سے انحراف کیا اور دنیاوی شہوات اور لذات کے پیچھے ہو لیے۔ اور ہولناکیوں میں مبتلا ہو گئے اور نماز جیسی اہم العبادات کو ضائع کر دیا۔ سو ایسے لوگ حال اور مآل کے اعتبار سے تباہ و برباد ہوئے۔ البتہ جو لوگ اپنی جہالت اور ضلالت سے تائب ہوئے اور انبیاء کرام ﷺ پر ایمان لائے اور ان کے طریقہ پر چلے وہ اہل سعادت ہیں ان کو بارگاہ خداوندی سے انعام ملے گا۔ اس لیے اب ان آیات میں متبعین اور مبتدعین کے حال اور مآل کو اور ان کی سعادت اور شقاوت کو بیان کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ سعادت انبیاء کرام ﷺ کے اتباع میں ہے اور شقاوت ان کے اتباع سے اعراض و انحراف میں ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

پھر ان اہل سعادت کے بعد بعض کچھ ایسے ناخلف پیدا ہوئے جنہوں نے نماز کو ضائع کر دیا اور نفسانی خواہشوں کے پیچھے لگ گئے سو یہ لوگ عنقریب آخرت میں بدی اور خسارہ میں مبتلا ہوں گے یعنی عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ مگر جس نے توبہ کر لی اور ایمان لے آیا اور اچھے کام کیے سو ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان کے حق میں ذرہ برابر کمی نہیں کی جائے گی یعنی ان کے اعمال کی پوری پوری جزا ملے گی۔ باغات خلود اور دوام میں داخل ہوں گے۔ یعنی ہمیشہ رہنے کے باغوں میں داخل ہوں گے۔ برخلاف دنیاوی باغات کے کہ وہ فانی ہیں۔ یہ دائمی باغات ایسے ہیں جن کا رحمٰن نے غائبانہ وعدہ کیا ہے یعنی وہ باغ بندوں کی نظروں سے غائب ہیں کچھ شک نہیں کہ اس کا وعدہ اس کے دوستوں کو ضرور آ کر اور پہنچ کر رہے گا۔ ان باغوں میں سوائے سلام کے کوئی بیہودہ اور خراب بات نہیں سنیں گے۔ اللہ کا اور فرشتوں کا سلام سنیں گے۔ یا آپس کا سلام سنیں گے سلام سے وہ کلام مراد ہے جس سے سلامتی اور خوشی ظاہر ہو یعنی جنت میں عمدہ اور خوشگوار باتیں سنیں گے۔ اور رہا رزق تو ان باغوں میں ان کے لیے صبح و شام کا رزق موجود اور حاضر ہوگا۔ جنت میں صبح و شام نہیں مگر جتنی مقدار صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک ہے اتنی مقدار میں جنت میں ان کو رزق ملے گا۔ جیسے کہ دنیا میں ان کی عادت تھی ورنہ جنت میں دن رات نہیں وہاں ہر وقت نور ہی نور ہوگا۔ شاید وہ روشنی بدلتی رہے گی جس سے اوقات کا فرق معلوم ہوگا یا کوئی اور علامتیں ہوں گی جن

ف ۱ یعنی میراث آدم کی کہ اول ان کو بہشت ملی ہے۔ اور شاید لفظ میراث اس لیے اختیار فرمایا کہ اقسام تملیک میں یہ سب سے زیادہ اتم و احکم قسم ہے جس۔س نہ فسخ کا احتمال نہ لوٹائے جانے کا نہ ابطال د اقالہ کا۔

سے صبح وشام کی مقدار کو پہچانیں گے۔ جیسا کہ بعض آثار میں آیا ہے کہ پردے چھوڑنے اور دروازے بند کرنے سے رات کا وقت معلوم ہوگا اور پردے اٹھنے سے اور دروازوں کے کھلنے سے دن معلوم ہوگا۔ (دیکھو روح المعانی: ۱۶؍ ۱۰۳) واللہ اعلم۔

وہ بہشت جس کا ذکر ہم نے کیا ہے وہ ہے جس کا ہم وارث بنا دیں گے اپنے بندوں میں سے اس شخص کو جو پرہیزگار ہوگا۔ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حاصل کلام یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے زمانہ کے بعد ایسے لوگ پیدا ہوئے جو برخلاف سیرت انبیاء علیہم السلام کے تھے۔ اس سے اشارہ یہود و نصاریٰ کی طرف ہے جنہوں نے اپنے دین مبین میں تحریف و تبدیل کی۔ اور بداعمالیوں میں مبتلا ہوئے۔ ظاہر آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بوقت نزول سورۂ مریم مسلمانوں میں ایک جماعت ایسی موجود تھی جو اوصاف مذکورۂ آیت یعنی ایمان اور عمل صالح کے ساتھ موصوف تھی۔ اور شک نہیں کہ وہ جماعت مہاجرین اولین کی تھی۔ وھو المقصود۔ (ازالۃ الخفاء)

وَمَا نَتَنَزَّلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ ۖ لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذَٰلِكَ ۚ وَمَا كَانَ

اور ہم نہیں اترتے مگر حکم سے تیرے رب کے اسی کا ہے جو ہمارے آگے ہے اور جو ہمارے پیچھے اور جو اس کے بیچ میں ہے اور تیرا

اور ہم نہیں اترتے مگر حکم سے تیرے رب کے۔ اسی کا ہے، جو ہمارے آگے اور جو ہمارے پیچھے، اور جو اس کے بیچ۔ اور تیرا

رَبُّكَ نَسِيًّا ﴿٦٤﴾ رَّبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهِ ۚ هَلْ

رب نہیں ہے بھولنے والا ف۱ رب آسمانوں کا اور زمین کا اور جو ان کے بیچ ہے سو اسی کی بندگی کر اور قائم رہ اس کی بندگی پر ف۲ کسی کو

رب نہیں بھولنے والا۔ رب آسمانوں کا اور زمین کا اور جو ان کے بیچ ہے، سو اسی کی بندگی کر اور ٹھہرا رہ اس کی بندگی پر۔ کوئی

ف۱ ایک مرتبہ جبرائیل علیہ السلام کئی روز تک نہ آئے۔ آپ منقبض تھے۔ کفار نے کہنا شروع کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے رب نے خفا ہو کر چھوڑ دیا ہے۔ اس طعن سے آپ اور زیادہ دل گیر ہوئے۔ آخر جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے۔ آپ نے اتنے روز تک نہ آنے کا سبب پوچھا۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا "مَا يَمْنَعُكَ أَنْ تَزُورَنَا أَكْثَرَ مِمَّا تَزُورُنَا" (جتنا تم آتے ہو اس سے زیادہ کیوں نہیں آتے؟) اللہ تعالیٰ نے جبرائیل کو سکھلایا کہ جواب میں یوں کہو۔ ﴿وَمَا نَتَنَزَّلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ﴾ یہ کلام ہوا اللہ کا جبرائیل کی طرف سے۔ جیسا "إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ" میں ہم کو سکھلایا ہے۔ حاصل جواب یہ ہے کہ ہم خالص عبد مامور ہیں۔ بدون حکم الٰہی ایک پر نہیں ہلا سکتے۔ ہمارا چڑھنا اترنا سب اس کے حکم و اذن کے تابع ہے۔ وہ جس وقت اپنی حکمت کاملہ سے مناسب جانے ہم کو نیچے اترنے کا حکم دے۔ کیونکہ ہر زمانہ (ماضی، مستقبل، حال) اور ہر مکان (آسمان زمین اور ان کے درمیان) کا علم اسی کو ہے اور وہی ہر چیز کا مالک و قابض ہے۔ وہی جانتا ہے کہ فرشتوں کو پیغمبر کے پاس کس وقت بھیجنا چاہیے۔ مقرب ترین فرشتہ اور معظم ترین پیغمبر کو بھی یہ اختیار نہیں کہ جب چاہے کہیں چلا جائے یا کسی کو اپنے پاس بلالے خدا کا ہر کام برمحل اور بروقت ہے۔ بھول چوک یا نسیان و غفلت کی اس کی بارگاہ میں رسائی نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جبرائیل کا جلد یا بدیر آنا بھی اس کی حکمت و مصلحت کے تابع ہے۔ (تنبیہ اول) "ہمارے آگے پیچھے" کہا آسمان و زمین کو۔ اترتے ہوئے زمین آگے، آسمان پیچھے چڑھتے ہوئے وہ پیچھے یہ آگے۔ اور اگر "آگے پیچھے" سے تقدم و تاخر زمانی مراد ہو تو زمانہ مستقبل آگے آنے والا اور زمانہ ماضی پیچھے گزر چکا ہے اور زمانہ حال دونوں کے بیچ میں واقع ہے۔ (تنبیہ دوم) پہلے فرمایا تھا کہ جنت کے وارث اتقیاء (خدا سے ڈرنے والے پرہیزگار) ہیں۔ اس آیت میں بتلا دیا کہ خدا ماننے کے لائق وہی ذات ہو سکتی ہے جس کے قبضہ میں تمام زمان و مکان ہیں۔ اور جس کے حکم و اجازت کے بدون بڑے سے بڑا فرشتہ بھی پر نہیں ہلا سکتا۔ انسان کو چاہیے اگر وہ جنت کی میراث لینا چاہتا ہے کہ فرشتوں کی طرح حکم الٰہی کا مطیع و منقاد بن جائے اور ادھر بھی اشارہ ہو گیا کہ جو خدا اپنے مخلص بندوں کو یہاں نہیں بھولتا، وہاں بھی نہیں بھولے گا۔ ضرور جنت میں پہنچا کر چھوڑے گا۔ ہاں ہر چیز کا ایک وقت ہے جنت میں ہر ایک کا نزول بھی اپنے اپنے وقت پر ہوگا۔ اور جیسے یہاں پیغمبر کے پاس فرشتے حکم الٰہی کے موافق وقت معین پر آتے ہیں۔ جنت میں جنتیوں کی غذائے روحانی و جسمانی بھی صبح و شام اوقات مقررہ پر آئے گی۔

ف۲ یعنی کسی کے کہنے سننے کی پروا مت کر۔ اپنے دل کو خدا کی بندگی پر جمائے رکھ جو سارے جہان کا رب ہے اور سب سے نرالی صفات رکھتا ہے۔

تَعۡلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ﴿۶۵﴾

پہچانتا ہے تو اس کے نام کا ف ۱

پہچانتا ہے تو اس کے نام کا۔

ذکر احاطۂ علم وقدرت واثبات وحدانیت وبیان عبودیت ملائکہ برائے ترغیب عبادت وطاعت

قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمۡرِ رَبِّكَ ... الی ... هَلۡ تَعۡلَمُ لَهٗ سَمِيًّا﴾

ربط: ...... اوپر کی آیتوں میں انبیاء کرام کی عبودیت اور بندگی کو بیان فرمایا تھا۔ اب ان آیات میں ملائکہ کرام کی عبودیت اور بندگی کو بیان کرتے ہیں کہ فرشتے بھی اللہ کے حکم بردار بندے ہیں۔ ان کا آسمان سے زمین پر اترنا اللہ کے حکم کے تابع ہے۔ بخاری وغیرہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے کہا کہ تم ہمارے پاس جلد جلد کیوں نہیں آتے؟ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی کہ ہم خدا کے حکم سے نازل ہوتے ہیں اور آپ ﷺ ہمارے دیر سے آنے کا یہ سبب خیال نہ کریں کہ آپ ﷺ کا پروردگار آپ ﷺ کو بھول گیا ہے۔ خدا تعالیٰ بھول چوک اور نسیان اور غفلت سے پاک ہے اس کا علم اور اس کی قدرت تمام کائنات کو محیط ہے ہم اس کے حکم کے مطابق نازل ہوتے ہیں۔ تو جب فرشتے باوجود اس عظمت اور رفعت کے حکم الٰہی کے تابع ہیں۔ حکم الٰہی کے موافق وقت معین پر آتے ہیں تو ہم کو کیا ہوا کہ اس کی اطاعت نہ کریں (یا یوں کہو) کہ گزشتہ آیت میں جنت اور عالم قدس کا بیان تھا۔ اب اس آیت میں عالم قدس کے رہنے والوں اور وہاں کی خبریں لانے والے کا بیان ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

اور ہم یعنی فرشتے نہیں اترتے زمین پر مگر تیرے پروردگار کے حکم سے سب اسی کی ملک ہے جو ہمارے آگے ہے اور جو ہمارے پیچھے ہے اور جو ان کے درمیان ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہمارا زمین پر اترنا اور وقتاً فوقتاً آپ ﷺ کے پاس آنا اپنے اختیار سے نہیں۔ جب خدا حکم دیتا ہے تب ہی اترتے ہیں ہمارا ماضی اور حال اور استقبال اور دنیا اور آخرت جو کچھ بھی ہے وہ سب اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے اور تیرا پروردگار بھولنے والا نہیں وہ آپ ﷺ کے حال سے آگاہ ہے۔ وہ جب چاہتا ہے ہمیں آپ ﷺ کے پاس بھیجتا ہے ہمارا نزول اور عدم نزول سب اس کے علم اور حکم سے ہے اور اس کے علم اور حکم میں سہو اور نسیان کا احتمال نہیں وہ مربی اور مدبر ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور جو چیز ان کے درمیان میں ہے۔ پس جب تمام بلندی اور پستی اس کے قبضۂ قدرت اور دست تصرف میں ہے تو پھر وہاں سہو ونسیان کیسے ممکن ہے؟ پس جب اس کے مربی اور محسن ہونے کا اقتضاء یہ ہے تو تم اس کی عبادت کیا کرو اور اس کی بندگی میں لگے رہو اور اسکی عبادت پر جمے رہو۔ یعنی جب آپ ﷺ کو یہ معلوم ہو گیا کہ وہ پروردگار آپ ﷺ کو بھولا نہیں تو پھر اس پر صبر اور استقامت پر جمے رہیے اور وحی کی تاخیر سے اور کافروں کے طعن سے رنجیدہ اور غمگین نہ ہوئیے وہ آپ ﷺ کا رب ہے۔ جب مصلحت ہوتی ہے تب آپ ﷺ پر

ف ۱ اللہ کے نام اس کی صفات ہیں۔ یعنی کوئی ہے اس کی صفت کا؟ جس میں اس جیسی صفات موجود ہوں؟ جب کوئی نہیں تو بندگی کے لائق اور کون ہو سکتا ہے؟

وحی نازل کرتا ہے۔ وحی میں جو کبھی تاخیر ہوتی ہے وہ مصلحت کی بنا پر ہوتی ہے۔ سہو ونسیان کی بنا پر نہیں ہوتی۔ کیا تو خدا کا کوئی ہم نام اور ہم صفت جانتا ہے۔ یعنی کوئی اس کا مثل نہیں وہ ذات وصفات میں یکتا ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ صرف اسی کی عبادت میں لگے رہیے۔

نکتہ:...... اس آیت میں اول عبادت کا اور پھر اس پر صبر اور استقامت کا حکم دیا۔ اس لیے کہ یہاں دو درجہ ہیں۔ ایک درجہ تو عبدیت یعنی غلام بننے کا ہے اور دوسرا درجہ ہے عبودت اور غلامی پر قائم رہنے کا۔ مطلب یہ ہے کہ ایک مرتبہ نماز پڑھ لینا کافی نہیں بلکہ اس کی عبدیت اور عبادت پر مداومت ضروری ہے ایک لحہ کے لیے بھی جادۂ عبودیت سے قدم نہ ہٹاؤ۔ نیز اس آیت میں عبادت کے حکم سے پہلے ﴿رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ فرمایا یہ عبادت کے مقتضی کا بیان تھا کہ مربی اور محسن ہونا عبادت کو مقتضی ہے اور ﴿هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا﴾ میں رفع مانع کا بیان ہے۔ یعنی اگر کوئی اس کی مثل ہوتا تو یہ سوال ہو سکتا تھا کہ ہم اس دوسرے خدا کی کیوں نہ عبادت کریں۔ پس جب یہ مانع بھی موجود نہیں تو پھر اس کی عبادت سے کیوں اعراض کرتے ہو اور جب تم جانتے ہو کہ وہ بے مثل اور یکتا ہے تو اس کی عبادت پر جمے رہو۔

وَيَقُوْلُ الْاِنْسَانُ ءَاِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَيًّا ﴿۶۶﴾ اَوَلَا يَذْكُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ

اور کہتا ہے آدمی کیا جب میں مرجاؤں تو پھر نکلوں گا زندہ ہو کر ف۱ کیا یاد نہیں رکھتا آدمی کہ ہم نے اس کو بنایا

اور کہتا ہے آدمی، کیا جب میں مر گیا پھر نکلوں گا جی کر؟ کیا یاد نہیں رکھتا آدمی کہ ہم نے اس کو بنایا

مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْـًٔا ﴿۶۷﴾ فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيٰطِيْنَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ

پہلے سے اور وہ کچھ چیز نہ تھا ف۲ سو قسم ہے تیرے رب کی ہم گھیر بلائیں گے ان کو اور شیطانوں کو ف۳ پھر سامنے لائیں گے گرد

پہلے سے، اور وہ کچھ چیز نہ تھا؟ سو قسم ہے تیرے رب کی! ہم گھیر بلادیں گے ان کو اور شیطانوں کو، پھر سامنے لادیں گے گرد

جَهَنَّمَ جِثِيًّا ﴿۶۸﴾ ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا ﴿۶۹﴾ ثُمَّ

دوزخ کے گھٹنوں پر گرے ہوئے ف۴ پھر جدا کرلیں گے ہم ہر ایک فرقہ میں سے جونسا ان میں سے سخت رکھتا تھا رحمٰن سے اکڑ پھر

دوزخ کے گھٹنوں پر گرے۔ پھر جدا کریں گے ہم ہر فرقہ میں سے، جونسا ان میں سخت رکھتا تھا رحمٰن سے اکڑ۔ پھر

ف۱ گزشتہ رکوع میں نیکوں اور بدوں کا انجام بیان فرمایا تھا جو مرنے کے بعد ہوگا۔ جو لوگ مر کر زندہ ہونے کو محال یا مستبعد سمجھتے ہیں یہاں ان کے تبہات کا جواب دیا جاتا ہے۔ یعنی آدمی انکار و تعجب کی راہ سے کہتا ہے کہ مرگل کر جب ہماری ہڈیاں ریزہ ریزہ ہوگئیں اور مٹی میں مل کر مٹی بن گئے۔ کیا اس کے بعد پھر ہم قبروں سے زندہ کر کے نکالے جائیں گے۔ اور پردہ عدم سے نکل کر پھر منصہ وجود پر جلوہ گر ہوں گے۔

ف۲ یعنی آدمی ہو کر اتنی موٹی بات بھی نہیں سمجھتا کہ چند روز پہلے وہ کوئی چیز نہ تھا۔ حق تعالیٰ نے نابود سے بود کیا۔ کیا وہ ذات جو لاشیٔ کو شیٔ اور معدوم محض کو موجود کر دے، اس پر قادر نہیں کہ ایک چیز کو فنا کر کے دوبارہ پیدا کر سکے۔ آدمی کو اپنی پہلی ہستی کی کیفیت یاد نہیں رہی جو دوسری ہستی کا مذاق اڑاتا ہے ﴿وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ﴾ (الروم، رکوع ۳)

ف۳ یعنی یہ منکرین ان شیاطین کی معیت میں قیامت کے دن خدا کے سامنے حاضر کیے جائیں گے جو اغواء کر کے انھیں گمراہ کرتے تھے، ہر مجرم کا شیطان اس کے ساتھ پکڑا ہوا آئے گا۔

ف۴ یعنی مارے دہشت کے کھڑے سے گر پڑیں گے اور چین سے بیٹھ بھی نہ سکیں گے۔ یہ ہی ہوا گھٹنوں پر گرنا۔

لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِيْنَ هُمْ اَوْلٰى بِهَا صِلِيًّا ۝ وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ

ہم کو خوب معلوم ہے جو بہت قابل ہیں اس میں داخل ہونے کے ف۱ اور کوئی نہیں تم میں جو نہ پہنچے گا اس پر ہو چکا یہ وعدہ تیرے رب پر

ہم کو خوب معلوم ہیں جو بہت قابل ہیں اس میں پیٹھنے کے (پہنچنے)۔ اور کوئی نہیں تم میں، جو نہ پہنچے گا اس پر۔ ہو چکا تیرے رب پر

حَتْمًا مَّقْضِيًّا ۝ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا ۝ وَاِذَا تُتْلٰى

لازم مقرر پھر بچائیں گے ہم ان کو جو ڈرتے رہے اور چھوڑ دیں گے گناہ گاروں کو اس میں اوندھے گرے ہوئے ف۲ اور جب سنائے

ضرور مقرر۔ پھر بچاویں گے ہم ان کو جو ڈرتے رہے اور چھوڑ دیں گے گنہگاروں کو اسی میں اوندھے گرے۔ اور جب سنائے

عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ۙ اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا

ان کو ہماری آیتیں کھلی ہوئی کہتے ہیں جو لوگ کہ منکر ہیں ایمان والوں کو دونوں فرقوں میں کس کا مکان بہتر ہے

ان کو ہماری آیتیں کھلی، کہتے ہیں جو لوگ منکر ہیں ایمان والوں کو، دونوں فرقوں میں کس کا مکان بہتر ہے

وَّاَحْسَنُ نَدِيًّا ۝ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِءْيًا ۝ قُلْ مَنْ

اور کس کی اچھی لگتی ہے مجلس ف۳ اور کتنی ہلاک کر چکے ہم پہلے ان سے جماعتیں وہ ان سے بہتر تھے سامان میں اور نمود میں ف۴ تو کہہ

اور اچھی لگتی ہے مجلس۔ اور کتنی کھپا چکے ہم پہلے ان سے سنگتیں، وہ ان سے بہتر تھے اسباب میں اور نمود میں۔ تو کہہ،

ف۱ یعنی منکرین کے ہر فرقہ میں جو زیادہ بدمعاش، سرکش اور اکڑباز تھے، انھیں عام مجرموں سے علیحدہ کر لیا جائے گا۔ پھر ان میں بھی جو بہت زیادہ سزا کے لائق اور دوزخ کا حقدار ہوگا وہ خدا کے علم میں ہے اس کو دوسرے مجرموں سے پہلے آگ میں جھونکا جائے گا۔

ف۲ یعنی ہر نیک و بد، مجرم و برَی، اور مومن و کافر کے لیے حق تعالیٰ قسم کھا چکا اور فیصلہ کر چکا ہے کہ ضرور بالضرور دوزخ پر اس کا گزر ہوگا، کیونکہ جنت میں جانے کا راستہ ہی دوزخ کو گیا ہے جسے عام محاورات میں "پل صراط" کہتے ہیں، اس پر لامحالہ سب کا گزر ہوگا خدا سے ڈرنے والے مومنین اپنے اپنے درجہ کے موافق وہاں سے صحیح سلامت گزر جائیں گے اور گنہگار الجھ کر دوزخ میں گر پڑیں گے۔ (العیاذ باللہ) پھر کچھ مدت کے بعد اپنے اپنے عمل کے موافق، نیز انبیاء ملائکہ اور صالحین کی شفاعت سے، اور آخر میں براہ راست ارحم الراحمین کی مہربانی سے وہ سب گنہگار جنہوں نے سچے اعتقاد کے ساتھ کلمہ پڑھا تھا۔ دوزخ سے نکالے جائیں گے، صرف کافر باقی رہ جائیں گے اور دوزخ کی آگ میں ہر شخص کو داخل کیا جائے گا مگر صالحین پر وہ آگ بردوسلام بن جائے گی، وہ بے کھٹکے اس میں سے گزر جائیں گے۔ واللہ اعلم۔ امام فخرالدین رازی نے اپنی تفسیر میں اس دخول کی بہت سی حکمتیں بیان کی ہیں۔ فلیراجع۔

ف۳ یعنی کفار قرآن کی آیتیں سن کر جن میں ان کا برا انجام بتلایا گیا ہے ہنستے ہیں اور بطور استہزاء و تفاخر غریب مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ تمہارے زعم کے موافق آخرت میں جو کچھ پیش آئے گا دونوں فریق کی موجودہ حالت اور دنیاوی پوزیشن پر منطبق نہیں ہوتا۔ کیا آج ہمارے مکانات، فرنیچر، اور بودوباش کے سامان تم سے بہتر نہیں اور ہماری مجلس (یا سوسائٹی) تمہاری سوسائٹی سے معزز نہیں یقیناً ہم جو تمہارے نزدیک باطل پر ہیں، تم اہل حق سے زیادہ خوشحال اور جتھے والے ہیں۔ جو لوگ آج ہم سے خوف کھا کر کوہ صفا کی گھاٹی میں نظر بند ہوں، کیا گمان کیا جا سکتا ہے کہ کل وہ چھلانگ مار کر جنت میں جا پہنچیں گے؟ اور ہم دوزخ میں پڑے جلتے رہیں گے؟

ف۴ یہ ان کی بات کا جواب دیا کہ پہلے ایسی بہت قومیں گزر چکی ہیں جو دنیا کے ساز و سامان اور شان و نمود میں تم سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھیں۔ لیکن جب انہوں نے انبیاء کے مقابلہ میں سرکشی کی اور تکبر و تفاخر کو اپنا شعار بنا لیا، خدا تعالیٰ نے ان کی جڑ کاٹ دی اور دنیا کے نقشہ میں ان کا نشان بھی باقی نہ رہا۔ پس آدمی کو چاہیے کہ دنیا کی فانی ٹیپ ٹاپ اور عارضی بہار سے دھوکہ نہ کھائے۔ عموماً متکبر دولت مند ہی حق کو ٹھکرا کر نہنگ ہلاکت کا لقمہ بنا کرتے ہیں۔ مال اولاد یا دنیاوی خوشحالی مقبولیت اور حسن انجام کی دلیل نہیں۔

كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا ۚ حَتّٰٓى إِذَا رَأَوْا مَا يُوعَدُونَ إِمَّا الْعَذَابَ

جو رہا بھٹکتا سو چاہیے اس کو کھینچ لے جائے رحمٰن لمبا ف۱ یہاں تک کہ جب دیکھیں گے جو وعدہ ہوا تھا ان سے یا آفت

جو کوئی رہا بھٹکتا، سو چاہیئے اس کو کھینچ لے جاوے رحمٰن لمبا، یہاں تک کہ جب دیکھیں گے جو وعدہ پاتے ہیں یا آفت

وَإِمَّا السَّاعَةَ ۖ فَسَيَعْلَمُونَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّأَضْعَفُ جُنْدًا ۝ وَيَزِيدُ اللّٰهُ الَّذِينَ

اور یا قیامت سو تب معلوم کرلیں گے کس کا برا ہے مکان اور کس کی فوج کمزور ہے ف۲ اور بڑھاتا جاتا ہے اللہ

اور یا قیامت۔ سو تب معلوم کریں گے کس کا برا درجہ ہے اور کس کی فوج کمزور ہے۔ اور بڑھاتا جاوے اللہ

اهْتَدَوْا هُدًى ۖ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا ۝

سوجھنے والوں کو سوجھ ف۳ اور باقی رہنے والی نیکیاں بہتر رکھتی ہیں تیرے رب کے یہاں بدلہ اور بہتر پھرجانے کو جگہ ف۴

سوجھے ہوؤں کو سوجھ۔ اور رہنے والی نیکیاں بہتر رکھتی ہیں تیرے رب کے ہاں بدلہ، اور بہتر پھرجانے کو جگہ۔ بھلا تو نے دیکھا،

أَفَرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَأُوتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ۝ أَطَّلَعَ الْغَيْبَ أَمِ اتَّخَذَ

بھلا تو نے دیکھا اس کو جو منکر ہوا ہماری آیتوں سے اور کہا مجھ کو مل کر رہے گا مال اور اولاد ف۵ کیا جھانک آیا ہے غیب کو یا لے رکھا ہے

جو منکر ہوا ہماری آیتوں سے، اور کہا مجھ کو ملنا ہے مال اور اولاد۔ کیا جھانک آیا غیب کو یا لے رکھا ہے

عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ۝ كَلَّا ۚ سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ وَنَمُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ۝ وَّنَرِثُهُ

رحمٰن سے عہد ف۶ یہ نہیں ہم لکھ رکھیں گے جو وہ کہتا ہے اور بڑھاتے جائیں گے اس کو عذاب میں لمبا ف۷ اور ہم لے لیں گے

رحمٰن کے ہاں اقرار؟ یوں نہیں! ہم لکھ رکھیں گے جو کہتا ہے اور بڑھاتے جاویں گے اس کو عذاب میں لمبا۔ اور ہم لے لیں گے

ف۱ یعنی جو خود گمراہی میں جا پڑا اسے گمراہی میں جانے دے۔ کیونکہ دنیا جانچنے کی جگہ ہے۔ یہاں ہر ایک کو عمل کی فی الجملہ آزادی دی گئی ہے، خدا تعالیٰ کی عادت اور حکمت کا اقتضاء یہ ہے کہ جو اپنے کسب و ارادہ سے کوئی راستہ اختیار کرلے اس کو نیک و بد سے خبردار کردینے کے بعد اسی راستہ پر چلنے کے لیے ایک مدت تک آزاد چھوڑ دے۔ اسی لیے جو بدی کی راہ چل پڑا اس کے حق میں دنیا کی مرفہ الحالی اور درازی عمر وغیرہ تباہی کا پیش خیمہ سمجھنا چاہیے۔ نیک و بد یہاں رلے ملے ہیں آخرت میں پوری طرح جدا ہوں گے۔ اصلی بھلائی برائی وہاں ملے گی۔

ف۲ یعنی کفار مسلمانوں کو ذلیل و کمزور اور اپنے کو معزز و طاقتور سمجھتے ہیں۔ اپنے عالیشان محلات اور بڑی بڑی فوجوں اور جتھوں پر اتراتے ہیں۔ کیونکہ خدا نے ابھی ان کی باگ ڈھیلی چھوڑ رکھی ہے جس وقت گلا دبایا جائے گا خواہ دنیاوی عذاب کی صورت میں یا قیامت کے بعد، تب پتہ لگے گا کہ کس کا مکان برا ہے اور کس کی جمعیت کمزور ہے۔ اس موقع پر تمہارے سامان اور لشکر کچھ کام نہ آئیں گے۔

ف۳ یعنی جیسے گمراہوں کو گمراہی میں لمبا چھوڑ دیتا ہے، ان کے بالمقابل جو سوجھ بوجھ کی راہ ہدایت اختیار کرلیں ان کی سوجھ بوجھ اور فہم و بصیرت کو اور زیادہ تیز کردیتا ہے جس سے وہ حق تعالیٰ کی خوشنودی کے راستوں پر بگٹٹ اڑے چلے جاتے ہیں۔

ف۴ یعنی دنیا کی رونق رب کے ہاں کام کی نہیں۔ نیکیاں سب رہیں گی اور دنیا نہ رہے گی۔ آخرت میں ہر نیکی کا بہترین بدلہ اور بہترین انجام ملے گا۔

ف۵ یعنی کفر کے باوجود آپ نے یہ جرأت دیکھی، ایک کافر مالدار ایک مسلمان لوہار کو کہنے لگا تو مسلمانی سے منکر ہو تو تیری مزدوری دوں۔ اس نے کہا اگر تو مرے اور پھر جئے تو بھی میں منکر نہ ہوں۔ اس نے کہا اگر مر کر پھر جیوں گا تو یہ ہی مال و اولاد بھی ہوگا، تجھ کو مزدوری وہاں دے دوں گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ یعنی وہاں دولت ملتی ہے ایمان سے، کافر چاہے کہ یہاں کی دولت وہاں ملے، یا کفر کے باوجود اخروی عیش و تنعم کے مزے اڑائے یہ کبھی نہیں ہوسکتا۔ =

مَا يَقُولُ وَيَأْتِينَا فَرْدًا ﴿٨٠﴾

اس کے مرنے پر جو کچھ وہ بتلا رہا ہے اور آئے گا ہمارے پاس اکیلا ف۱

اس کے مرے پر جو بتاتا ہے، اور آوے گا ہم پاس اکیلا۔

اثبات معاد و بیان حال و مآل اہل طاعت و اہل معصیت

قَالَ اللهُ تَعَالىٰ : ﴿وَيَقُولُ الْإِنْسَانُ ءَإِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ أُخْرَجُ حَيًّا ... الى ... وَيَأْتِينَا فَرْدًا﴾

ربط:...... گزشتہ رکوع میں اہل طاعت اور اہل معصیت یعنی نیکوں اور بدوں کا انجام ذکر فرمایا کہ مرنے کے بعد ان کا یہ حال ہوگا۔ اب ان آیات میں ان لوگوں کے شبہات کا جواب دیا جاتا ہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کو محال یا مستبعد سمجھتے ہیں۔

اہل غفلت اور ارباب شہوت کا عموماً یہ طریقہ ہے کہ وہ حشر و نشر کے منکر ہوتے ہیں۔ اور تعجب سے کہتے ہیں کہ کیا جب ہم مر جائیں گے تو پھر دوبارہ زندہ ہوں گے؟ یہ لوگ دوبارہ زندہ ہونے کو محال اور خدا کی قدرت سے خارج سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ اس کا جواب دیتے ہیں کہ اس نادان انسان کو یہ بات یاد نہیں رہی کہ یہ پہلے نیست اور نابود تھا۔ ہم نے ہی اس کو پیدا کیا تو پھر ہم کو دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے؟ نیز گزشتہ آیات میں صبر اور عبادت کا حکم تھا۔ اب ان آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ صبر اور عبادت کا پھل قیامت کے دن ملے گا۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور جو آدمی حشر و نشر کا منکر ہے وہ بطور استہزاء و تکذیب یہ کہتا ہے کہ بھلا جب میں مر گیا تو پھر زندہ کر کے قبر سے نکالا جاؤں گا۔ یہ کہنے والا ابی بن خلف جمحی تھا۔ خدا تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ کیا یہ منکر حشر آدمی یہ نہیں سوچتا کہ ہم نے اس کو اول پیدا کیا اور کچھ بھی نہ تھا۔ یعنی عدم محض تھا۔ پس اس آدمی کو یہ خیال کرنا چاہیے تھا کہ جو خدا معدوم محض کے موجود کرنے پر قادر ہے کیا وہ پراگندہ اور ریزہ ریزہ شدہ چیز کو جمع کرنے پر قادر نہیں؟ جو ذات والا صفات نیست کو ہست اور ہست کو نیست کرنے پر قادر ہے وہ جمع اور تفریق پر بلا شبہ قادر ہے۔ علما نے لکھا ہے کہ اگر تمام مخلوق حشر کی دلیل لانے پر جمع ہو جائے تو اس سے بڑھ کر اور اس سے بہتر کوئی دلیل نہیں لا سکتا۔ سو قسم ہے تیرے پروردگار کی ہم قیامت کے دن ضرور ان مشرکوں کو زندہ کر کے میدان حشر میں جمع کریں گے جو حشر کے منکر تھے اور ان کے ساتھ ان شیاطین کو بھی جو دنیا میں ان کے ساتھ رہ کر ان کو بہکایا کرتے تھے۔ ہر ایک کافر کو اسی کے شیطان کے ساتھ ایک زنجیر میں جکڑ کر ساتھ

= ف۶ یعنی ایسے یقین و وثوق سے جو دعویٰ کر رہا ہے کیا غیب کی خبر پالی ہے؟ یا خدا سے کوئی وعدہ لے چکا ہے؟ ظاہر ہے کہ دونوں میں سے ایک بات بھی نہیں۔ ایک گندے کافر کی کیا بساط کہ وہ اس طرح کی غیبیات تک رسائی حاصل کرے؟ رہا خدا کا وعدہ، وہ ان لوگوں سے ہو سکتا ہے جنہوں نے اپنا عہد پورا کر کے "لا الٰہ الا اللہ" اور عمل صالح کی امانت خدا کے پاس رکھ دی ہے۔

ف۷ یعنی یہ قول بھی شامل مسل کر لیا جائے گا۔ اور مال و اولاد کی جگہ اس کی سزا بڑھا دی جائے گی۔

ف۱ "جو بتلا رہا ہے" یعنی مال اور اولاد۔ چنانچہ اس کافر کے دونوں بیٹے مسلمان ہوئے (کذافی الموضح) یا یہ مطلب ہے کہ یہ چیزیں اس سے الگ کر لی جائیں گی۔ قیامت میں اکیلا حاضر ہوگا نہ مال کام آئے گا نہ اولاد ساتھ دے گی۔

باندھ دیں گے۔ ہر مجرم کا شیطان اس کے ساتھ پکڑا ہوا آئے گا۔ جیسا کہ ارشاد ہے ﴿قَالَ قَرِیْنُهٗ رَبَّنَا مَآ اَطْغَیْتُهٗ﴾۔

پھر ہم ان سب کو جہنم کے گرداگرد گھٹنوں کے بل گھسٹتا ہوا حاضر کریں گے۔ پھر نکالیں گے ہر فرقہ میں سے جونسا ان میں کا دنیا میں اللہ تعالیٰ کا شدید سرکش تھا۔ تاکہ پہلے سب سے بڑے مجرم کو اور پھر اس کے بعد والے مجرم کو دوزخ میں داخل کیا جائے۔ کفار علی حسب المراتب دوزخ میں داخل ہوں گے، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر فرقہ سے اس شخص کو کھینچے گا جو ان میں زیادہ متمرد اور سرکش ہوگا۔ پھر جب وہ جمع ہو جائیں گے تو ان کو جہنم میں پھینک دے گا۔ اور جو جس طبقہ کے لائق ہوگا وہاں ڈال دیا جائے گا۔ پھر یہ نہیں کہ اس جدا کرنے میں ہم کو تحقیقات کی ضرورت پڑے کیونکہ البتہ تحقیق ہم خوب جاننے والے ہیں کہ ان میں دوزخ میں داخل کرنے کا سب سے زیادہ لائق اور سزاوار کون ہے۔ ہمیں خوب معلوم ہے کہ کون پہلے دوزخ میں ڈالنے کے قابل ہے گناہوں کی کمیت اور کیفیت کا تفصیل کے ساتھ علم اللہ ہی کو ہے۔ اس کو معلوم ہے کہ پہلے کس مجرم کو آگ میں ڈالا جائے گا۔

یہاں تک خاص کافر اور منکر حشر ونشر انسان کے بارے میں کلام تھا۔ اب آئندہ آیات میں عام انسانوں کو خطاب عام فرماتے ہیں جو مومن اور کافر سب کو شامل ہے غرض یہ کہ گزشتہ آیت میں خاص اس انسان کو خطاب تھا جو حشر ونشر کا منکر تھا۔ اب آئندہ آیت میں مطلق انسان کو خطاب فرماتے ہیں۔ اور اے بنی نوع انسان نہیں ہے تم میں سے کوئی انسان خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر نیکوکار ہو یا بدکار ہو مگر یہ کہ وہ دوزخ کے پاس پہنچنے والا اور اس پر سے ضرور گزرنے والا ہے لیکن جب مومن دوزخ پر سے گزریں گے تو آگ بجھ جائے گی اور ٹھنڈی ہو جائے گی۔

یہ دوزخ پر سے گزرنا حسب وعدہ بمقتضائے حکمت تیرے پروردگار پر لازم اور قطعی اور قضاء محکم ہے ضرور بالضرور اپنے وقت مقررہ پر واقع ہو کر رہے گا۔ مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ یہ قطعی فیصلہ کر چکا ہے کہ ہر شخص کو دوزخ کے اوپر سے یعنی پل صراط سے ضرور بالضرور گزرنا ہے جنت میں جانے کا راستہ یہی ہے اہل ایمان اور اہل تقویٰ اس پر سے صحیح وسالم گزر جائیں گے اور کافر سر اور گھٹنوں کے بل اس میں اوندھے جا گریں گے۔ اور گنہگار مسلمان بھی الجھ کر دوزخ میں گر پڑیں گے۔ لیکن کچھ مدت بعد اپنے اعمال صالحہ کی برکت سے اور انبیاء اور ملائکہ اور صالحین کی شفاعت سے دوزخ سے نکال لیے جائیں گے۔ پھر آخر میں براہ راست ارحم الراحمین اپنے دست رحمت سے ان گنہگاروں کو نکالے گا جنہوں نے سچے دل سے کلمہ پڑھا تھا اب اس کے بعد جہنم میں صرف کافر باقی رہ جائیں گے اور دوزخ کا منہ بند کر دیا جائے گا۔ جیسا کہ فرماتے ہیں پھر اس ورود اور مرور وعبور کے بعد ہم نجات دیں گے۔ ان لوگوں کو جو خدا سے ڈرتے تھے۔ یعنی ہم اہل تقویٰ کو بقدر تقویٰ نجات دیں گے اور ان کو بچا لیں گے۔ اور ان کو صحیح سالم نکال کر لے جائیں گے اور جو گناہوں کی وجہ سے دوزخ میں گر پڑا ہے اس کو بعد میں دوزخ سے نکال لیں گے۔ اور ظالموں کو ہم اس میں گھٹنوں کے بل پڑا ہوا چھوڑ دیں گے۔ اگر وہ ظالم کافر ومشرک ہے اور ظلم عظیم کا مرتکب ہے تو اس کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیں گے اور اگر گنہگار مسلمان ہے تو چند روز کے لیے چھوڑ دیں گے اور پھر اس کو نکال لیں گے۔

اکثر مفسرین کا قول یہ ہے کہ ﴿وَاِنْ مِّنْکُمْ﴾ کا خطاب عام ہے جس کے مخاطب سارے عالم کے لوگ ہیں جس

میں مومن اور کافر اور صالح سب ہی داخل ہیں اور ورود کے معنی عبور اور مرور کے ہیں یعنی کسی چیز کے پاس پہنچنے کے ہیں جیسا کہ قرآن کریم میں ہے ﴿وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ﴾ ﴿فَأَرْسَلُوا وَارِدَهُمْ فَأَدْلَىٰ دَلْوَهُ﴾ اور ورود سے پل صراط پر سے گزرنا مراد ہے اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ مومن اور کافر سب کو پل صراط پر سے ہو کر گزرنا ہے۔ جو جہنم کی پشت پر قائم کیا جائے گا۔ جنت میں جانے کا راستہ یہی پل صراط ہے۔ مومن تو اس پر سے صحیح وسالم گزر جائیں گے اور کافر اسی میں گر پڑیں گے جیسا کہ بعد والی آیت اس معنی پر دلالت کرتی ہے کہ ہم مومنوں کو بچالیں گے اور ظالموں کو اس میں گرادیں گے۔ اور پل صراط پر سے گزرنے کی رفتار بقدر اعمال ہوگی۔ کوئی مثل برق (بجلی) کے گزرے گا اور کوئی مثل تیز گھوڑے کے اور کوئی مثل شتر سوار کے اور کوئی مثل دوڑنے والے آدمی کے اور کوئی مثل معمولی رفتار کے۔

خلاصۂ مطلب یہ ہے کہ ورود سے عبور اور مرور کے معنی مراد ہیں۔ خدا تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا ہے کہ دوزخ کی پشت پر جو پل قائم کیا جائے گا تم سب کو اس پر سے گزرنا ہے۔ جنت میں جانے کا راستہ یہی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے دوزخ کی پشت کو جنت میں جانے کا راستہ بنایا ہے۔ اہل ایمان اور خدا سے ڈرنے والے اپنے اپنے درجہ اور مرتبہ کے موافق اس سے صحیح سالم گزر جائیں گے۔ اور گنہگار اور بدکار الجھ کر دوزخ میں گر پڑیں گے۔ پھر کچھ عرصے بعد گناہگار اہل ایمان انبیاء اور ملائکہ اور صالحین کی شفاعت سے دوزخ سے نکال لیے جائیں گے اور پھر اخیر میں براہ راست ارحم الرحمین کے دست رحمت سے وہ لوگ بھی دوزخ سے نکال لیے جائیں گے کہ جن میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا اور صرف کافر جہنم میں باقی رہ جائیں گے جو ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ ﴿وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ﴾۔

اور بعض مفسرین یہ کہتے ہیں کہ ﴿وَإِنْ مِّنْكُمْ﴾ کا خطاب خاص کفار کو ہے اور ورود کے معنی دخول کے ہیں کما قال اللہ تعالیٰ ﴿لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا﴾ اگر یہ بت معبود ہوتے تو جہنم میں داخل نہ ہوتے۔ وقال اللہ تعالیٰ ﴿يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَأَوْرَدَهُمُ النَّارَ ۖ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ﴾۔

اور جب ورود کے معنی دخول کے ہوں گے تو یہ دخول نار کفار کے لیے مخصوص ہوگا۔ حضرات انبیاء و مرسلین علیہم السلام اس حکم میں داخل نہ ہوں گے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى ۙ أُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ۝ لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا﴾ ﴿وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ﴾ ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ مومنین مخلصین جہنم سے دور اور بالکلیہ اس سے مامون اور محفوظ رہیں گے۔

اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آیت میں ورود سے دخول کے معنی مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ مومن اور کافر سب اس میں داخل ہوں گے اور جابر رضی اللہ عنہ نے اپنی انگلیاں دونوں کانوں کی طرف دراز کیں اور کہا کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ کوئی نیک و بد باقی نہ رہے گا مگر ضرور جہنم میں داخل ہوگا، مگر وہ آگ مومن کے حق میں بردوسلام ہو جائے گی جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام پر ہوگئی تھی۔ (اخرجه احمد والحكيم الترمذی والحاكم وصححه)

اور خدا تعالیٰ کی قدرت اور رحمت سے آگ کا کسی کے حق میں برد اور سلام ہو جانا کوئی محال نہیں اس لیے کہ احراق نار کا طبعی اور ذاتی اقتضاء نہیں بلکہ آگ کا کسی کو جلانا اللہ کے حکم کے تابع ہے۔ آخر جو فرشتے جہنم پر مقرر ہیں آگ ان کو نہیں

جلاتی اور موسیٰ علیہ السلام کے معجزات میں سے ایک معجزہ یہ تھا کہ ایک ہی پیالہ پانی کا قبطی کے حق میں خون ہو جاتا تھا اور وہی پیالہ سبطی یعنی اسرائیلی کے حق میں شیریں پانی ہو جاتا تھا نیز عقلاً یہ بھی ممکن ہے کہ جہنم کے وسیع علاقے میں کچھ حصے ایسے بھی ہوں جو آگ سے خالی ہوں اور مومن جہنم کا معائنہ کر کے صحیح سالم واپس آ جائیں۔ (تفسیر کبیر: ۵/ ۵۷۳)

خلاصۂ کلام یہ کہ اس آیت میں دو قول ہیں۔ ایک قول تو یہ ہے کہ ورود کے معنی دخول ہیں اور مطلب یہ ہے کہ سب لوگ مسلمان ہوں یا کافر دوزخ میں ضرور جائیں گے مگر اہل ایمان کے حق میں آتش دوزخ بردوسلام ہو جائے گی اور دوسرا قول یہ ہے کہ ورود کے معنی مرور اور عبور کے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ دوزخ کے اوپر سے مسلمان اور کافر سب گزریں گے پل صراط دوزخ کی پشت پر ہے سب کو اوپر سے گزرنا ہوگا۔ مسلمان تو پار ہو جائیں گے اور کافر کٹ کر دوزخ میں گریں گے۔

(اب رہا یہ سوال) کہ مومنین کے اس طرح دخول جہنم میں کیا حکمت ہے کہ آگ ان کے حق میں بردوسلام ہو جائے (سو جواب یہ ہے) کہ اس میں بہت سی حکمتیں ہیں۔

ایک یہ کہ اہل ایمان کے سرور اور فرحت میں اضافہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو ہولناک مقام سے خلاصی بخشی اور اس نعمت عظمیٰ پر اللہ کا شکر کریں۔

دوم یہ کہ کافروں کے غم اور حسرت میں اضافہ ہو کہ جن کو ہم نے دنیا میں ذلیل اور حقیر سمجھا تھا وہ تو آج عیش وعشرت میں ہیں اور ہم عذاب اور مصیبت میں گرفتار ہیں۔

سوم یہ کہ مسلمانوں کے دشمن ان کے روبرو فضیحت ہوں۔

چہارم یہ کہ کافروں کو معلوم ہو جائے کہ جس حشر ونشر کی ہم تکذیب کرتے تھے وہی حق نکلا۔

پنجم یہ کہ مسلمانوں کو جنت کی نعمت کی قدر معلوم ہو اور اس کی لذت محسوس ہو اس لیے کہ کسی نعمت کی قدر و قیمت مقابلہ سے ہوتی ہے وبضدھا تتبین الاشیاء (تفسیر کبیر: ۵/ ۵۷۳)

اور علماء تفسیر کے اس گروہ کے نزدیک جو ورود کو بمعنی دخول لیتے ہیں آیت ﴿اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ﴾ سے نفس جہنم سے بعد اور دوری مراد نہیں بلکہ اس کے عذاب سے دوری مراد ہے۔ برگزیدہ حضرات کے حق میں تھوڑی دیر کے لیے بطور معائنہ جہنم کے علاقہ میں داخل ہونا موجب رحمت وکرامت ہوگا۔ جیل خانہ میں مجرموں کا داخل ہونا اور نوع کا ہے اور حکام کا بطور معائنہ اس میں داخل ہونا یہ اور نوع کا ہے۔ دونوں دخول میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔

کفار کے ایک مغالطہ کا جواب: ...... گزشتہ آیات میں منکرین کے ذلت آمیز عذاب کا ذکر فرمایا کہ ان ظالموں کو ذلت و خواری کے ساتھ ہم اسی جہنم میں گرا دیں گے۔ یہ ظالم جب اس قسم کی آیتیں سنتے جن میں ان کے ذلت آمیز انجام کا ذکر ہوتا تو بطور استہزاء وتفاخر غریب مسلمانوں سے یہ کہتے کہ اگر بالفرض قیامت ہوئی تو ہم وہاں بھی تم سے اچھے رہیں گے جس طرح دنیا میں ہم تم سے مال و دولت اور عزت و وجاہت کے اعتبار سے بہتر ہیں ان آیات میں اللہ تعالیٰ ان کے اس مغالطہ کا جواب دیتے ہیں اور ان ظالموں کا حال یہ ہے کہ جب ان کے سامنے ہماری واضح اور روشن آیتیں پڑھی جاتی ہیں اور قیامت کے دلائل ان کے سامنے بیان کیے جاتے ہیں اور وہ ان کے جواب سے عاجز آ جاتے ہیں تو از راہ جہالت کافر، ایمانداروں سے

یہ کہتے ہیں کہ بتلاؤ تو سہی کہ ہم دونوں فریق میں سے کون سا فریق مرتبہ کے اعتبار سے بہتر ہے اور کونسا باعتبار مجلس کے عمدہ ہے منکرین حشر جب دلائل حشر کے جواب سے عاجز آتے تو یہ کہتے کہ بتلاؤ دنیا میں کون زیادہ معزز ہے اور کس کی مجلس اور سوسائٹی بہتر ہے اور کون عمدہ مکانات اور بنگلوں کا مالک ہے اور کون ٹھاٹھ سے زندگی گزار رہا ہے؟ پس جس طرح ہم یہاں راحت وعزت میں ہیں اور تم ذلت اور مصیبت میں اسی طرح ہم عالم آخرت میں معزز اور سربلند ہوں گے اور تم اسی طرح پستی میں ہوگے۔ اگر تم حق پر ہوتے اور ہم باطل پر ہوتے تو تمہارا حال ہم سے بہتر ہوتا۔ اللہ تعالیٰ آئندہ آیت میں اس بات کا جواب دیتے ہیں اور فرماتے ہیں اور یہ لوگ اس بات کو نہیں دیکھتے کہ ان کفار مکہ سے پہلے کتنی ہی امتیں اور جماعتیں ہلاک کر چکے ہیں۔ جو سامان زندگی یعنی مال ومتاع میں اور مال ودولت اور عزت وشوکت میں اور نمود اور منظر میں ان سے بہت تھے۔ جب انہوں نے انبیاء کے مقابلہ میں سرکشی کی تو اللہ نے ان کو تباہ اور برباد کر دیا۔ معلوم ہوا کہ دنیا کی چند روزہ خوشحالی اور مال ودولت کی فراوانی مقبولیت اور حسن انجام کی دلیل نہیں ورنہ اللہ تعالیٰ ان مغرور متکبر دولت مندوں اور عیش پرستوں کو دنیا میں تباہ وبرباد اور ذلیل وخوار نہ کرتا ان کا مال ومنال اور ان کی عزت ووجاہت ان کی ہلاکت اور ذلت کو دفع نہ کر سکی۔

ف:...... "اثاث" کے معنی ساز وسامان کے ہیں جو تمام اقسام کے اموال کو اور اونٹ اور گھوڑے اور حشم وخدم کو اور اسباب خانہ کو شامل ہے اور رئیاً کے معنی یہ ہیں کہ جو منظر اور ظاہری ہیئت میں خوبصورت ہو اور دیکھنے میں اچھی معلوم ہو جیسے آج کل بنگلوں کا سامان آرائش وزیبائش جسے قارون اور فرعون بھی دیکھ کر دنگ رہ جائے، ان کافروں کی نظر صرف دنیا پر تھی۔ اہل مکہ کو کچھ عزت ووجاہت ملی اور کچھ مال ودولت ملا مست ہوگئے اور اترانے لگے اور غریب اور نادار مسلمانوں کو حقیر سمجھنے لگے۔ اپنی فراخی اور مسلمانوں کی تنگدستی کو اس بات کی دلیل ٹھہرانے لگے کہ ہم حق پر ہیں اور مسلمان باطل پر ہیں۔ قریش مکہ کو یہ ہوش نہ آیا کہ نصاریٰ روم بھی ہمارے مخالف ہیں اور ایران کے مجوسی بھی ہمارے مخالف ہیں اور دونوں گروہ مال ودولت اور عزت ووجاہت میں مکہ کے بت پرستوں سے ہزار درجہ بڑھ کر تھے۔ تو کیا قریش مکہ کے نزدیک نصاریٰ اور مجوس کی یہ ہوش ربا مالداری ان کے حق ہونے کی دلیل ہوسکتی ہے؟

جواب دیگر:...... اب آئندہ آیت میں اسی شبہ کا دوسرا جواب دیتے ہیں اور اپنے نبی کو حکم دیتے ہیں کہ اے نبی آپ ﷺ ان کافروں سے یہ کہہ دیجیے کہ اللہ کی عادت یوں جاری ہے کہ جو شخص گمراہی میں غرق ہے سو[1] رحمٰن اس کو ڈھیل دیتا چلا جاتا ہے۔ خوب ڈھیل دینا۔ یعنی اس کو رحمٰن کی رحمت اور اس کے علم سے مہلت مل رہی ہے ورنہ اس کے جرم کا مقتضا یہ تھا کہ فوراً ہلاک کر دیا جاتا لیکن اللہ کا یہ طریقہ نہیں کہ گمراہوں کو فوراً پکڑ لے، وہ حلیم وکریم ہے۔ پکڑنے میں جلدی نہیں کرتا بلکہ اسکو طویل مہلت دیتا ہے اور اس کی رسی کو دراز کرتا ہے اور پے درپے اس کو نعمتیں پہنچاتا رہتا ہے تاکہ اس پر حجت پوری ہو جائے۔ کما قال تعالیٰ ﴿أَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَاءَكُمُ النَّذِيرُ﴾ وقال تعالیٰ ﴿إِنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ

[1] یہ ﴿فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا﴾ کا ترجمہ ہے۔ یہ صیغہ امر کا ہے مگر معنی اس کے خبر کے ہیں۔ معنی مرادی کے اعتبار سے ترجمہ کیا گیا اور لفظی ترجمہ یہ ہے کہ چاہیے کہ دراز کرے رحمٰن اس کے لیے خوب دراز کرنا۔ اور خبر کو بصیغۂ امر اس لیے تعبیر کیا گیا کہ اشارہ اس طرف ہے کہ بمقتضائے حکمت اس مہلت کا واقع ہونا ضروری ہے۔

﴿لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا﴾ یعنی ہم ان کو اس لیے مہلت دیتے ہیں کہ دل کھول کر کفر کریں اور دل کی حسرتیں نکال لیں اس لیے دنیا ان پر خوب کشادہ کر دی جاتی ہے یہاں تک کہ جب وہ اس چیز کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں جس کا اللہ کی طرف سے وعدہ[1] یا وعید کی گئی ہے۔ خواہ دنیاوی عذاب کو دیکھیں اور خواہ قیامت کو دیکھیں جو عذاب کی انواع و اقسام کا مجموعہ ہے۔ تو اس وقت ان پر حقیقت حال کھل جائے گی اور اس وقت جان لیں گے کہ کون بدتر ہے باعتبار جگہ اور ٹھکانہ کے یا باعتبار[2] مقام اور مرتبہ کے اور کس کے مددگاروں کی فوج کمزور ہے۔ یہ ان کے اس قول کا جواب ہے جو یہ کہتے تھے کہ دونوں فریقوں میں سے کس کے مکانات عمدہ اور کس کی مجلسیں شاندار ہیں اور کس کے یار و مددگار زوردار ہیں۔ وہاں ان کے لیے نہ کوئی ٹھکانہ ہوگا اور نہ کوئی یار و مددگار ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ اے نبی کریم آپ ﷺ ان گمراہوں سے جو اپنی مال و دولت کے نشہ میں مسلمانوں کو حقیر سمجھ رہے ہیں ان سے یہ کہہ دیجیے کہ اللہ تعالیٰ حلیم اور کریم ہے، سرکشوں کے پکڑنے میں جلدی نہیں کرتا بلکہ سنت اللہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل ضلالت کو مہلت دیتا ہے کہ اپنے غرور اور جہالت کی امنگیں پوری کر لیں جب ان کی سرکشی حد سے تجاوز کر جاتی ہے تو یکا یک ان کو دنیاوی یا اخروی عذاب میں پکڑتا ہے۔ اس وقت وہ جان لیتے ہیں کہ ذی عزت اور صاحب منزلت کون ہے اور کون ذلیل و خوار ہے۔ معلوم ہوا کہ حسب و نسب اور مال و دولت مدار فضیلت نہیں بلکہ عقائد حقہ اور اخلاق فاضلہ اور اعمال صالحہ مدار فضیلت ہیں۔ کافر دنیا میں غرور اور فخر سے یہ کہتا تھا ﴿اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَّاَحْسَنُ نَدِيًّا﴾ قیامت کے دن اس کو معلوم ہو جائے گا کہ کس کا مقام برا ہے اور کس کی مجلس بری ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حلم نے تم کو دھوکہ میں ڈال دیا ہے۔

ہین مشو مغرور بر حلم خدا دیر گیرد سخت گیرد مر ترا

خلاصۂ کلام:...... یہ کہ آیات بینات کی تلاوت سے گمراہوں کی گمراہی میں اضافہ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان آیات بینات سے راہ راست اختیار کرنے والوں کے لیے ہدایت بڑھاتا ہے۔ جس قدر آیات بینات کو سنتے ہیں اسی قدر ان کے ایمان اور ہدایت میں زیادتی ہوتی ہے۔ آیات بینات سے مومنین کے ایمان اور ایقان میں زیادتی ہوتی ہے اور کافروں کی گمراہی میں زیادتی ہوتی ہے۔

جواب دیگر:...... دلدادگان دنیا جو بطور تمسخر اور استہزاء غریب مسلمانوں سے یہ کہا کرتے تھے کہ جس طرح ہم دنیا میں باعتبار مال و دولت کے تم سے بہتر ہیں اسی طرح ہم آخرت میں بھی تم سے اچھے رہیں گے۔ ان کی اس بات کے دو جواب پہلے گزر گئے۔ اب آگے ایک اور جواب دیتے ہیں۔ اور باقی رہنے والی نیکیاں یعنی اعمال صالحہ اور اعتقادات حقہ تیرے پروردگار کے نزدیک باعتبار جزاء کے بھی بہتر ہیں اور باعتبار انجام اور ثمرہ کے بھی بہتر ہیں۔ "باقیات صالحات" سے وہ اعمال صالحہ مراد ہیں جو مرنے کے بعد انسان کے کام آویں۔ حدیث میں سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ ان کلمات کو باقیات صالحات فرمایا ہے۔ یہ محض مثال کے طور پر ہے ورنہ تمام اعمال صالحہ اس میں داخل ہیں۔ سورۂ کہف کے چھٹے رکوع میں اس کی تفسیر گزر چکی ہے اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ آخرت

[1] اس تردید میں اشارہ اس طرف ہے کہ جو عدون، وعدہ سے مشتق ہے یا وعید سے دونوں کی گنجائش ہے۔

[2] اشارہ اس طرف ہے کہ ﴿مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا﴾ میں دو احتمال ہیں کہ مکان سے جگہ اور ٹھکانہ کے معنی مراد ہوں یا مقام اور مرتبہ کے معنی مراد ہوں۔ واللہ اعلم

میں پہنچ کر معلوم ہوگا کہ عزت وراحت کا دارومدار باقیات صالحات پر ہے اور اصلی دولت اعمال صالحہ اور اعتقادات حقہ ہیں نہ کہ دنیاوی مال و دولت اور اس دار فانی کا ساز و سامان اور چند روزہ رونق۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوگا کہ ﴿خَيْرٌ مَّقَامًا وَّأَحْسَنُ نَدِيًّا﴾ کا بہترین مقام کس کو حاصل ہے۔ اہل ایمان کو یا اہل کفر کو مرنے کے بعد مال و اولاد کام نہ آئیں گے صرف باقی رہنے والی نیکیاں کام آئیں گی۔

منکرین حشر کے ایک اور تکبر اور تمسخر کا جواب:......گزشتہ آیات کی طرح ان آیات میں بھی منکرین بعث ونشر کے ایک تمسخر کا جواب دیتے ہیں۔ اول حق تعالیٰ نے کفار کے ایک قول کا ذکر کیا جو دنیا کی ظاہری رونق اور زینت پر فخر کرتے تھے اور اپنے مال و دولت اور قوت وشوکت اور کثرت اعوان وانصار پر اور عمدگی مکانات پر اتراتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا مسکت جواب دیا۔ اب پھر اسی قسم کے غرور وتکبر کا ایک قول نقل کرکے اس کا جواب دیتے ہیں۔ صحیح بخاری میں ہے کہ خباب بن ارت صحابی رضی اللہ عنہ آہنگری کا کام کرتے تھے جاہلیت کے زمانہ میں عاص بن وائل کافر نے ان سے ایک تلوار بنوائی جس کی قیمت اس کے ذمے قرض تھی۔ زمانہء اسلام میں خباب رضی اللہ عنہ نے اس سے اپنے قرض کا تقاضہ کیا اس نے کہا کہ جب تک تو محمد ﷺ کی نبوت کا انکار نہ کریگا اس وقت تک میں تیرا قرض نہیں دوں گا۔ خباب رضی اللہ عنہ نے کہا واللہ ہرگز ہرگز میں آپ ﷺ کی نبوت کا انکار نہیں کروں گا یہاں تک کہ تو مرے اور پھر دوبارہ زندہ کرکے اٹھایا جائے تو وہ بولا کہ جب میں مر کر زندہ ہوں گا تو وہاں بھی میرے پاس مال اور اولاد سب کچھ ہوگا جیسا کہ اب ہے۔ پس اسی وقت تیرا سارا قرض چکا دوں گا۔ جلدی کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اسی بدبخت کا قول نقل فرمایا اور اس کا جواب دیا جس کا حاصل یہ ہے کہ اس بدبخت کو کیونکر معلوم ہوا کہ وہاں بھی اس کو مال اور اولاد ملے گا؟ کیا یہ عالم الغیب ہے یا اس نے خدا سے اقرار کرلیا ہے؟ ہم اس کی یہ سب باتیں لکھ رہے ہیں۔ قیامت کے دن باز پرس کریں گے اور سزا دیں گے۔ چنانچہ فرماتے ہیں (اے نبی ﷺ) کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے کہ جس نے ہماری آیتوں کا انکار کیا اور بطور استہزاء و تمسخر یہ کہا کہ اگر بالفرض قیامت ہوئی تو وہاں بھی مجھ کو مال اور اولاد دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں۔ کیا یہ کافر غیب پر مطلع ہوگیا ہے کہ قیامت کے دن اس کو سب کچھ ملے گا؟ "اطلاع" کے معنی بلند مقام پر چڑھ کر کسی چیز کو جھانکنے کے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ کیا اس کافر نے بلند مقام سے جھانک لیا ہے کہ وہاں مجھ کو یہ ملے گا یا اس نے لوح محفوظ پر نظر ڈال کر دیکھ لیا ہے کہ میں ضرور بہشت میں داخل ہوں گا۔ اور وہاں پہنچ کر مجھ کو مال و اولاد ملے گی یا اللہ سے اس بات کا عہد لے لیا ہے کہ وہ قیامت کے دن اس کو مال اور اولاد دے گا۔ ہرگز نہیں یہ سب غلط ہے وہاں کچھ نہیں ملے گا۔ یہ کلمۂ زجر ہے یعنی جھڑکی ہے جھڑکنے اور ڈانٹنے کے لیے یہ لفظ مستعمل ہوتا ہے۔ اور یہ شخص جھوٹا اور بدکار ہے اور سخت گستاخ ہے ضرور ہم اس کا یہ گستاخانہ قول اس کے اعمال نامہ میں لکھ لیں گے اور قیامت کے دن اس گستاخانہ قول پر خاص طور پر سزا دیں گے۔ اور اس گستاخی و جرأت کی وجہ سے ہم اس کے لیے عذاب بڑھاتے چلے جائیں گے۔ اول تو کفر اور پھر یہ گستاخی اس لیے اس پر عذاب پر عذاب ہوگا۔ اور جس مال اور اولاد کا وہ ذکر کرتا ہے اس کے ہم وارث ہوں گے اس کے مرتے ہی وہ سب اس سے چھن جائے گا اور وہ قیامت کے دن ہمارے پاس تن تنہا آئے گا۔ نہ اس کے ساتھ اس کا مال ہوگا اور نہ اس کی اولاد ہوگی۔ قیامت کے دن کافر کو نہ مال کام آئے گا اور نہ اولاد ساتھ

دے گی بخلاف مسلمان کے کہ وہاں اس کو مال بھی کام آئے گا اور اولاد بھی کام آئے گی۔

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ﴿۸۱﴾ كَلَّا ۭ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ

اور پکڑ رکھا ہے لوگوں نے اللہ کے سوا اوروں کو معبود تاکہ وہ ہوں ان کے لیے مدد ف۱ ہرگز نہیں وہ منکر ہوں گے ان کی بندگی سے

اور پکڑا ہے لوگوں نے اللہ کے سوا اوروں کو پوجنا، کہ وہ ہوں ان کی مدد۔ یوں نہیں! وہ منکر ہوں گے ان کی بندگی سے

وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴿۸۲﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّآ اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا ﴿۸۳﴾

اور ہوجائیں گے ان کے مخالف ف۲ تو نے نہیں دیکھا کہ ہم نے چھوڑ رکھے ہیں شیطان منکروں پر اچھالتے ہیں ان کو ابھار کر

اور ہوجاویں گے ان کے مخالف۔ تو نے نہیں دیکھا، کہ ہم نے چھوڑ رکھے ہیں شیطان منکروں پر؟ اچھلتے ہیں ان کو ابھار کر۔

فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ﴿۸۴﴾ يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ﴿۸۵﴾

سو تو جلدی نہ کر ان پر ہم تو پوری کرتے ہیں ان کی گنتی ف۳ جس دن ہم اکٹھا کر لائیں گے پرہیزگاروں کو رحمٰن کے پاس مہمان بلائے ہوئے

سو تو جلدی نہ کر ان پر۔ ہم تو پوری کرتے ہیں ان کی گنتی۔ جس دن ہم اکٹھا کر لاویں گے پرہیزگاروں کو رحمٰن کے پاس مہمان بلائے۔

وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا ﴿۸۶﴾ لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ

اور ہانک لے جائیں گے گناہ گاروں کو دوزخ کی طرف پیاسے ف۴ نہیں اختیار رکھتے لوگ سفارش کا مگر جس نے لے لیا

اور ہانک لے جائیں گے گنہگاروں کو دوزخ کی طرف پیاسے۔ نہیں اختیار رکھتے لوگ سفارش کا، مگر جس نے لے لیا

الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿۸۷﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ﴿۸۸﴾ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْــــًٔا اِدًّا ﴿۸۹﴾ تَكَادُ

رحمٰن سے وعدہ ف۵ اور لوگ کہتے ہیں رحمٰن رکھتا ہے اولاد ف۶ بیشک تم آپھنسے ہو بھاری چیز میں ابھی

رحمٰن سے اقرار۔ اور لوگ کہتے ہیں، رحمٰن رکھتا ہے اولاد۔ تم آگئے ہو بھاری چیز میں۔ ابھی

ف۱ یعنی مال و اولاد سے بڑھ کر اپنے جھوٹے معبودوں کی مدد کے امیدوار ہیں کہ وہ ان کو خدا کے ہاں بڑے بڑے درجے دلائیں گے۔ حالانکہ ہرگز ایسا ہونے والا نہیں۔ محض سودائے خام ہے جو اپنے دماغوں میں پکا رہے ہیں۔

ف۲ یعنی وہ معبود مدد تو کیا کرتے، خود ان کی بندگی سے بیزار ہوں گے۔ اور ان کے مدمقابل ہو کر بجائے عزت بڑھانے کے اور زیادہ ذلت و رسوائی کا سبب بنیں گے۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا۔ ﴿وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَاۗءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ﴾ (الاحقاف، رکوع ۱)

ف۳ یعنی شیطان انہی بدبختوں کو گمراہی کا بڑھاوا دیتا اور انگلیوں پر نچاتا ہے جنہوں نے خود کفر و انکار کا شیوہ اختیار کر لیا۔ اگر ایسے اشقیاء شیطان کی تحریص و اغواء سے گمراہی میں لمبے جائیں تو جانے دیجئے، آپ ان کی سزا دہی میں جلدی نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی باگ ڈھیلی چھوڑ رکھی ہے تاکہ ان کی زندگی کے گنے ہوئے دن پورے ہو جائیں۔ ان کی ایک ایک سانس، ایک ایک لحہ اور ایک ایک عمل ہمارے یہاں گنا جا رہا ہے۔ ادنیٰ سے ادنیٰ حرکت بھی ہمارے احاطہ علمی اور دفاتر اعمال سے باہر نہیں ہو سکتی۔ تمام عمر کے اعمال ایک ایک کر کے ان کے سامنے رکھ دیئے جائیں گے۔

ف۴ جس طرح ڈھور ڈنگر پیاس کی حالت میں گھاٹ کی طرف جاتے ہیں۔ اسی طرح مجرموں کو دوزخ کے گھاٹ اتارا جائے گا۔

ف۵ یعنی جن کو اللہ تعالیٰ نے شفاعت کا وعدہ دیا مثلاً ملائکہ، انبیاء، صالحین وغیرہم، وہ ہی درجہ بدرجہ سفارش کریں گے، بدون اجازت کسی کو زبان ہلانے کی طاقت نہ ہوگی۔ اور سفارش بھی ان ہی لوگوں کی کر سکیں گے جن کے حق میں سفارش کیے جانے کا وعدہ دے چکے ہیں۔ کافروں کے لیے شفاعت نہ ہوگی۔

ف۶ بہت آدمیوں نے تو غیر اللہ کو معبود ہی ٹھہرا یا تھا، لیکن ایک جماعت وہ ہے جس نے خدا تعالیٰ کے لیے اولاد تجویز کی۔ مثلاً نصاریٰ نے مسیح علیہ السلام کو۔ =

السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿۹۰﴾ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ

آسمان پھٹ پڑیں اس بات سے اور ٹکڑے ہو زمین اور گر پڑیں پہاڑ ڈھے کر اس پر کہ پکارتے ہیں رحمٰن کے نام پر

آسمان پھٹ پڑیں اس بات سے اور ٹکڑے ہو زمین اور گر پڑیں پہاڑ ڈھے کر، اس پر کہ پکارتے ہیں رحمٰن کے نام پر

وَلَدًا ﴿۹۱﴾ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ﴿۹۲﴾ اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ

اولاد ف۱ اور نہیں پھبتا رحمٰن کو کہ رکھے اولاد ف۲ کوئی نہیں آسمانوں اور زمین میں جو

اولاد۔ اور نہیں بن آتا رحمٰن کو کہ رکھے اولاد۔ کوئی نہیں آسمان و زمین میں جو

اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ﴿۹۳﴾ لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ﴿۹۴﴾ وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

نہ آئے رحمٰن کا بندہ ہو کر ف۳ اس کے پاس ان کی شمار ہے اور گن رکھی ہے ان کی گنتی اور ہر ایک ان میں آئے گا اس کے سامنے قیامت کے دن

نہ آوے رحمٰن کا بندہ ہو کر۔ اس پاس ان کا شمار ہے اور گن رکھی ہے ان کی گنتی۔ اور ہر کوئی ان میں آوے گا اس پاس قیامت کے دن

فَرْدًا ﴿۹۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴿۹۶﴾ فَاِنَّمَا

اکیلا ف۴ البتہ جو یقین لائے ہیں اور کی ہیں انہوں نے نیکیاں ان کو دے گا رحمٰن محبت ف۵ سو

اکیلا۔ جو یقین لائے ہیں اور کی ہیں نیکیاں، ان کو دے گا رحمٰن محبت۔ سو

=بعض یہود نے عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہا اور بعض مشرکین عرب فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔ العیاذ باللہ۔

ف۱ یعنی یہ ایسی بھاری بات کہی گئی اور ایسا سخت گستاخانہ کلمہ منہ سے نکالا گیا جس کو سن کر اگر آسمان زمین اور پہاڑ مارے ہول کے پھٹ پڑیں اور ٹکڑیں ٹکڑے ہو جائیں تو کچھ بعید نہیں۔ اس گستاخی پر اگر غضب الٰہی بھڑک اٹھے تو عالم تہہ و بالا ہو جائے اور آسمان و زمین تک کے پرخچے اڑ جائیں۔ محض اس کا حلم مانع ہے کہ ان بیہودگیوں کو دیکھ کر دنیا کو ایک دم تباہ نہیں کرتا۔ جس خداوند قدوس کی توحید پر آسمان، زمین، پہاڑ، غرض ہر علوی و سفلی چیز شہادت دے رہی ہے، انسان کی یہ جسارت کہ اس کے لیے اولاد کی احتیاج ثابت کرنے لگے۔ العیاذ باللہ۔

ف۲ اس کی شان تقدیس و تنزیہہ اور کمال غنا کے منافی ہے کہ وہ کسی کو اولاد بنائے۔ نصاریٰ جس غرض کے لیے اولاد کے قائل ہوئے ہیں یعنی کفارہ کے مسئلہ، خدا تعالیٰ کو "رحمٰن" مان کر اس کی ضرورت نہیں رہتی۔

ف۳ یعنی سب خدا کی مخلوق اور اس کے بندے ہیں اور بندے ہی بن کر اس کے سامنے حاضر ہوں گے پھر بندہ بیٹا کیسے ہو سکتا ہے؟ اور جس کے سامنے سب محکوم و محتاج ہوں اسے بیٹا بنانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔

ف۴ یعنی ایک فرد بشر بھی اس کی بندگی سے باہر نہیں ہو سکتا۔ سب کو خدا کے سامنے جریدہ حاضر ہونا ہے اس وقت تمام تعلقات اور ساز و سامان علیحدہ کر لیے جائیں گے فرضی معبود اور بیٹے، پوتے کام نہ دیں گے۔

ف۵ یعنی ان کو اپنی محبت دے گا، یا خود ان سے محبت کرے گا، یا خلق کے دل میں ان کی محبت ڈالے گا۔ احادیث میں ہے کہ جب حق تعالیٰ کسی بندہ کو محبوب رکھتا ہے تو اول جبرائیل کو آگاہ کرتا ہے کہ میں فلاں بندہ سے محبت کرتا ہوں تو بھی کر، وہ آسمانوں میں اس کا اعلان کرتے ہیں۔ آسمانوں سے اترتی ہوئی اس کی محبت زمین پر پہنچ جاتی ہے اور زمین والوں میں اس بندہ کو حسن قبول حاصل ہوتا ہے۔ یعنی بے تعلق لوگ جن کا کوئی خاص نفع و ضرر اس کی ذات سے وابستہ نہ ہو، اس سے محبت کرنے لگتے ہیں اس قسم کے حسن قبول کی ابتداء مومنین صالحین اور خدا پرست لوگوں سے ہوتی ہے، ان کے قلوب میں اول اس کی محبت ڈالی جاتی ہے، بعدہ قبول عام حاصل ہو جاتا ہے۔ ورنہ ابتداء محض طبقہ عوام میں حسن قبول حاصل ہونا اور بعد میں بعض خدا پرست صالحین کا بھی کسی غلط فہمی وغیرہ سے اس کی طرف جھکنا مقبولیت عند اللہ کی دلیل نہیں، خوب سمجھ لو۔ ....=

يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ﴿٩٧﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ

ہم نے آسان کردیا یہ قرآن تیری زبان میں اسی واسطے کہ خوشخبری سنادے تو ڈرنے والوں کو اور ڈرادے جھگڑالو لوگوں کو ف۱ اور بہت ہلاک کر چکے ہم ان سے پہلے

ہم نے آسان کیا یہ قرآن تیری زبان میں، اس واسطے کہ خوشی سنادے تو ڈروالوں کو اور ڈرادے جھگڑالو لوگوں کو۔ اور کتنی کھپا چکے ہم ان سے پہلے

مِّنْ قَرْنٍ ؕ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ﴿٩٨﴾ ع۶

جماعتیں آہٹ پاتا ہے تو ان میں کسی کی یا سنتا ہے ان کی بھنک ف۲

سنگتیں، آہٹ پاتا ہے تو ان میں کسی کا یا سنتا ہے ان کی بھنک۔

ابطال عقیدۂ ابنیت

وبیان ضلال ووبال منکرین وحدانیت ومنکرین قیامت برائے تسلیۂ نبی اکرم ﷺ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً ... الی ... اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا﴾

ربط:...... شروع سورت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبودیت اور بلا باپ کے ان کی ولادت کا ذکر فرمایا تا کہ ان کی والدۂ ماجدہ کی عصمت ونزاہت ثابت ہوجائے اور یہود بے بہبود کا رد ہو جو حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کو ولد الزنا اور ساحر بتلاتے تھے اب ان آیات میں ان لوگوں کے زعم فاسد کا رد ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا بتاتے ہیں اور اس پر گھمنڈ کرتے ہیں۔

نیز گزشتہ آیت میں قیامت اور خدا پرستوں کا حال اور مآل بیان فرمایا۔ اب ان آیات میں ان لوگوں کی جہالت اور ضلالت اور سوء عاقبت کو بیان کرتے ہیں۔ جو مشرک ہیں اور خدائے تعالیٰ کے لیے اولاد تجویز کرتے ہیں جیسے نصاریٰ اور یہ بتلاتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے لیے اولاد تجویز کرنا ایسا جرم عظیم ہے کہ اندیشہ ہے کہ آسمان اور زمین نہ شق ہوجائیں اگر اللہ تعالیٰ کا حلم نہ ہوتا تو یہ گستاخ کبھی کے تباہ ہو چکے ہوتے۔

اور جب دنیا میں کفار اور مشرکین کی جہالت اور آخرت میں ان کی فضیحت بیان کر چکے تو سورت کو احوال مومنین صالحین پر ختم فرمایا اور یہ بتلایا کہ ایمان اور عمل صالح کی برکات میں سے ایک برکت یہ ہے کہ من جانب اللہ لوگوں کے دلوں میں مومن کی محبت ڈال دی جاتی ہے۔ جس سے وہ محبوب خلائق ہوجاتا ہے اور سورت کو ایک موعظت بلیغہ پر ختم فرمایا۔ یعنی

= (تنبیہ) یہ آیت مکی ہے اور مکہ میں جن مسلمانوں سے یہ وعدہ کیا گیا تھا، تھوڑے دنوں بعد اسی طرح پورا ہوا کہ دنیا حیرت زدہ ہوگئی۔ حق تعالیٰ نے ان کی وہ محبت والفت اپنے بندوں کے دلوں میں پیدا کردی جس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔

ف۱ یعنی قرآن کریم نہایت سہل وصاف زبان میں کھول کھول کر پرہیزگاروں کو بشارت سناتا اور جھگڑالو لوگوں کو بدکرداریوں کے خراب نتائج سے خبردار کرتا ہے۔

ف۲ یعنی کتنی ہی بدبخت قومیں اپنے جرائم کی پاداش میں ہلاک کی جا چکیں۔ جن کا نام ونشان صفحۂ ہستی سے مٹ گیا۔ آج ان کے پاؤں کی آہٹ یا ان کی لن ترانیوں کی ذرا سی بھنک بھی سنائی نہیں دیتی۔ پس جو لوگ اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے برسر مقابلہ ہو کر آیات اللہ کا انکار واستہزاء کررہے ہیں، وہ بے فکر نہ ہوں۔ ممکن ہے ان کو بھی کوئی ایسا ہی تباہ کن عذاب آگھیرے جو چشم زدن میں تہس نہس کرڈالے۔ تم سورۃ مریم بحسن توفیقہ ونصرہ فللہ الحمد والمنہ۔

﴿كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ﴾ پر سورت کو ختم فرمایا کہ یہ دنیا فانی اور آنی جانی ہے اپنے انجام کو سوچ لو۔ مال و دولت کے غرہ میں نہ رہو۔ اس سورت کو رحمت کے ذکر سے شروع فرمایا اور انذار اور ترہیب پر اس کو ختم فرمایا۔ یہ انداز کلام خاص طور پر موجب لطف ہے۔

نیز قریبی آیتوں میں ناخلف لوگوں کا حال اور مآل بیان فرمایا۔ اب ان آیات میں دوسرے ناخلف لوگوں کا حال بیان کرتے ہیں۔ جو خدا کے لیے بیٹا ثابت کرتے ہیں کہ یہ لوگ اپنے مال و دولت پر تو گھمنڈ کرتے ہیں اور اپنی جہالت اور ضلالت کو نہیں دیکھتے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور ان نادانوں نے بنا لیے اللہ کے سوا اور معبود جن کی یہ عبادت کرتے ہیں۔ تاکہ وہ معبودان کے لیے اللہ کے یہاں عزت اور نصرت کا سبب بنیں اور اللہ کے یہاں ان کی شفاعت کریں اور ان کی شفاعت کی بدولت خدا کے یہاں عزت پائیں۔ ہرگز نہیں یعنی کبھی ایسا نہیں ہوسکتا۔ یہ ان نادانوں کا محض سودائے خام ہے جو انہوں نے اپنے خیال سے گھڑ رکھا ہے کسی کو معبود بنانے سے کچھ نہیں ہوتا وہ معبود خود ان کے ہاتھوں کے بنائے ہوئے اور تراشے ہوئے ہیں۔ وہ ان کو کیا نفع پہنچائیں گے اور ان کو کیا عزت بخشیں گے؟ بلکہ قیامت کے دن یہی معبود خود ان کی عبادت کے منکر ہوجائیں گے۔ اور بجائے معین و مددگار ہونے کے ان کے مخالف اور دشمن ہوجائیں گے۔ اور ان کی بندگی سے اپنی براءت اور بیزاری کا اظہار کریں گے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بتوں کو گویائی عطا کردے گا اور وہ بت ان کی عبادت کے منکر ہوجائیں گے اور کہیں گے کہ ہم کو تو تمہاری عبادت کی خبر بھی نہیں جن کو اپنا دوست یار و مددگار سمجھتے تھے وہ مدد تو کیا کرتے الٹے ان کے دشمن ہوجائیں گے اور بجائے عزت بڑھانے کے ذلت اور رسوائی کا سبب بنیں گے۔ کما قال اللہ تعالیٰ ﴿وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗۤ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ۝ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ﴾ وقال اللہ تعالیٰ ﴿مَا كَانُوْۤا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ﴾ ﴿فَاَلْقَوْا اِلَيْهِمُ الْقَوْلَ اِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ﴾۔ پس جب یہ بت بھی ان سے بری اور بیزار ہوجائیں گے تو ان کی حسرت بہت ہی زیادہ ہوجائے گی۔ اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ ﴿سَيَكْفُرُوْنَ﴾ کی ضمیر عابدوں یعنی مشرکوں کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ جب کافر اور مشرک قیامت کے دن کفر اور شرک کے برے انجام کا مشاہدہ کریں گے تو اپنے شرک سے منکر ہوجائیں گے اور کہیں گے ﴿وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ﴾ یعنی خدا کی قسم ہم تو کبھی مشرک ہوئے ہی نہیں۔ اس ہولناک منظر کو دیکھ کر اپنے شرک سے مکر جائیں گے اور صریح جھوٹ بول جائیں گے کہ ہم نے تو تیری عبادت میں کسی کو شریک ہی نہیں کیا۔

اوپر کی آیتوں میں کافروں کی گمراہیوں کا اور آخرت میں ان کی رسوائیوں کا بیان ہوا۔ اب آئندہ آیات میں ان کی گمراہی کا سبب بیان کرتے ہیں کہ وہ تسلط شیاطین ہے کہ دنیا میں شیاطین ان پر مسلط تھے اور یہ لوگ ان کے اشاروں پر چل رہے تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ آپ نے دیکھا نہیں کہ ہم نے بتقاضائے حکمت اور بغرض ابتلاء و امتحان شیطانوں کو کافروں پر چھوڑ دیا ہے کہ وہ ان کو ہلاتے رہتے ہیں خوب ہلانا اور اچھالتے رہتے ہیں خوب اچھالنا اور اپنی انگلیوں پر نچاتے رہتے ہیں۔ خوب نچانا تاکہ اہل عقل ان کی گمراہی کا تماشہ دیکھیں۔

زجاج رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ "ارسال" کے معنی چھوڑ دینے کے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ جیسے کتا شکار پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اسی طرح ہم نے شیاطین کو کفار پر چھوڑ دیا ہے۔ انتھی کلامہ۔ یہ اس کی قضا وقدر ہے اور اس کی حکمت اور مصلحت ہے جس کو چاہے جس پر مسلط کردے۔

اور ﴿تَؤُزُّهُمْ أَزًّا﴾ کے معنی تحریک اور ازعاج کے ہیں یعنی ہلانے اور جنبش دینے اور برانگیختہ کرنے کے ہیں مطلب یہ ہے کہ شیطان کسی کو معصیت پر مجبور نہیں کرتا بلکہ برانگیختہ کرتا ہے۔ جیسے انبیاء کرام علیہم السلام اور انکے وارث کسی کو اللہ کی اطاعت پر مجبور نہیں کرتے بلکہ ایمان اور عمل صالح کی دعوت دیتے ہیں۔ اسی طرح شیاطین کسی کو کفر اور معصیت پر مجبور نہیں کرتے بلکہ اس کو کفر اور معصیت کی دعوت دیتے ہیں۔ جو عقل والے ہیں وہ انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت کو قبول کرتے ہیں اور جو شہوت پرست نفس کے بندے ہیں وہ شیطان کی دعوت کو قبول کرتے ہیں اور کھلم کھلا اللہ کی نافرمانی اور اس کے مقابلہ پر تل جاتے ہیں اور مستحق سزا کے ہوجاتے ہیں۔

پس اے نبی ﷺ آپ ان بدبختوں کے لیے عذاب اور سزا کی جلدی نہ کیجیے۔ ہم ان کے جرم سے غافل نہیں۔ ہم نے ان کی سزا کے لیے ایک وقت معین کر رکھا ہے۔ جز ایں نیست کہ ہم ان کی مدت کو شمار کر رہے ہیں شمار کرنا جب وہ شمار پوری ہوجائے گی اس وقت ان پر عذاب آئے گا۔ مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ ان کے عذاب میں جلدی نہ کیجیے ہم نے ان کو مہلت دے دی ہے اور ان کی باگ ڈور ڈھیلی چھوڑ دی ہے اور ان کے لیے ایک وقت مقرر کر دیا ہے اور ان کی میعاد کے دن ہم گن رہے ہیں جب وہ دن پورے ہوجائیں گے تو ضرور عذاب آئے گا اور کسی طرح نہیں ٹلے گا اور ان مجرموں کو سزا اس روز ملے گی کہ جس روز ہم پرہیزگاروں کو بارگاہِ رحمٰن کی طرف اعزاز واکرام کے ساتھ وفد بنا کر سواریوں پر لے جائیں گے۔ جیسے معزز وفود کو شہنشاہ کی بارگاہ میں سوار کر کے لے جاتے ہیں۔ اور مجرموں کو جانوروں کی طرح جہنم کی طرف پاپیادہ اور پیاسا ہنکا کر لے جائیں گے جس طرح پیاسے جانوروں کو گھاٹ کی طرف ہنکا کر لے جاتے ہیں۔ اسی طرح مجرموں کو پاپیادہ اور پیاسا ہنکا کر دوزخ کے گھاٹ لے جا کر اتار دیں گے۔

بیشمار روایات سے یہ امر ثابت ہے کہ متقین اعزاز واکرام کے سواریوں پر سوار کر کے جنت میں پہنچائے جائیں گے۔ اور مجرم لوگ پاپیادہ اور پیاسے جانوروں کی طرح ذلت اور خواری کے ساتھ دوزخ کی طرف ہنکائے جائیں گے۔ اور اس روز لوگ شفاعت کے مالک اور مختار نہ ہوں گے مگر جس نے رحمٰن سے کوئی پروانہ لیا۔ یعنی اس روز کوئی کسی کی سفارش نہیں کر سکے گا۔ مگر جس کو اللہ کی طرف سے شفاعت کی اجازت ہو جیسے انبیاء وصلحاء اور جن کے لیے اجازت ہو بغیر اس کی اجازت کے کوئی زبان نہیں ہلا سکے گا۔ اور سفارش انہی لوگوں کی کر سکیں گے جن کے لیے سفارش کی اجازت ہوگی جیسے مسلمان، اور کافروں کے لیے سفارش کی اجازت نہ ہوگی۔

یہاں تک اللہ تعالیٰ نے بت پرستوں کا رد فرمایا اب آگے ان لوگوں کا رد فرماتے ہیں جو خدا کے لیے اولاد تجویز کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور لوگ کہتے ہیں کہ رحمٰن نے اپنے لیے اولاد بنائی۔ یہود، حضرت عزیر علیہ السلام کو اور نصاریٰ، مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا اور مشرکین عرب فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس میں شک نہیں کہ تم

تینوں بڑی بھاری بات لائے ہو اور جرم عظیم کے مرتکب ہوئے ہو قریب ہے کہ تمہاری اس گستاخی سے آسمان پھٹ پڑیں اور ان کہنے والوں پر گر پڑیں اور زمین پھٹ جائے اور یہ اس میں دھنس جائیں اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر گر پڑیں اور وہ ریزے اڑ کر ان کو لگ جائیں۔ جس سے یہ ہلاک یا زخمی ہو جائیں اس لیے کہ ان لوگوں نے رحمٰن کے لیے اولاد ٹھہرائی ہے۔ یہ ایسی بات ہے کہ اگر اس سے سارا عالم تہہ و بالا ہو جائے تو کچھ تعجب کی بات نہیں۔ مگر وہ رحمٰن حلیم اور بردبار ہے۔ گستاخی اور نالائقی پر فوراً سزا نہیں دیتا۔ کما قال اللہ تعالیٰ ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ۚ وَلَىِٕنْ زَالَتَاۤ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا﴾ غرض یہ کہ یہ کلمہ نہایت درجہ خراب اور برا ہے اور جس سے اللہ کا غضب اور قہر جوش میں آ جاتا ہے اور زمین اور آسمان اس سے تھرا جاتے ہیں اور اندیشہ ہوتا ہے کہ دنیا تباہ نہ ہو جائے۔ رحمٰن کی شان کے شایان نہیں کہ وہ اولاد رکھے۔ بیٹا باپ کا شبیہ اور نظیر ہوتا ہے۔ اور کسی درجہ میں باپ کا مددگار بھی ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ شبیہ اور نظیر سے پاک ہے اور کسی کی مدد سے بے نیاز ہے جو کوئی بھی آسمانوں میں ہے اور اس کے روبرو ضرور بندہ اور غلام بن کر حاضر ہونے والا ہے تو اس کے بیٹا کیونکر ہو سکتا ہے۔ بیٹا اور غلام ہونے میں تو منافات ہے۔

البتہ تحقیق اللہ نے سب کو اپنے علم اور قدرت کے احاطہ میں گھیر رکھا ہے کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں اور ہر ایک ان میں قیامت کے دن اس کے پاس تنہا حاضر ہونے والا ہے۔ نہ اس کے پاس مال ہوگا اور نہ اولاد ہوگی۔ غرض یہ کہ کل عالم اس کے سامنے مجبور اور مقہور ہے اور عاجز اور لاچار ہے اور اس کے علم اور قدرت کے احاطہ میں گھرا ہوا ہے۔ پھر وہ خدا کا شریک یا اس کا فرزند کیسے ہو سکتا ہے۔

خاتمۂ سورت

مشتمل بر بشارت اہل ایمان وطاعت ونذارت اہل طغیان وخصومت وبودن آں از اعظم مقاصد نزول کتاب ہدایت واغراض بعثت

ربط:...... اوپر کی آیتوں میں متقین کے اعزاز و اکرام اور مجرمین کی ذلت وخواری کا ذکر تھا۔ اب اس سورت کو ابرار کی بشارت اور اشرار کی نذارت پر ختم فرماتے ہیں جو کہ تنزیل قرآن اور بعثت نبوی کا عظیم ترین مقصد ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے جو خدا تعالیٰ کے نزدیک محبوب اور پسندیدہ ہیں۔ سو اللہ تعالیٰ اخروی نعمتوں کے علاوہ دنیا ہی میں ان کو یہ نعمت عطا کرے گا۔ کہ نیک بندوں کے دل میں ان کی محبت ڈال دے گا۔ اور بدوں کے دل میں ان کی ہیبت ڈال دے گا۔ یعنی ایمان اور اعمال صالحہ کی وجہ سے وہ لوگوں کی نظر میں محبوب ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ بدوں سبب ظاہری لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت پیدا کر دیتے ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کافروں کے دل میں رعب ڈال دیتے ہیں۔ حضرت شاہ عبد القادر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ اللہ ان سے محبت کرے گا یا ان کے دل میں اپنی محبت پیدا کرے گا یا مخلوق کے دل میں ان کی محبت ڈال دے گا۔ (کذا فی موضح القرآن)

فائدہ:...... جاننا چاہیے کہ مقبولیت ومحبوبیت اور چیز ہے اور شہرت اور چیز ہے۔ دونوں میں بڑا فرق ہے۔ مقبولیت اور محبوبیت

کی ابتداء نیک بندوں اور خدا پرستوں سے ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے نیک بندوں کے دل میں اس کی محبت ڈال دیتے ہیں۔ پھر رفتہ رفتہ اس کو قبول عام ہو جاتا ہے باقی محض اخباری شہرت یا کسی غلط فہمی کی بنا پر عوام الناس کا کسی لیڈر کی طرف جھک جانا یہ مقبولیت عند اللہ کی دلیل نہیں۔ خوب سمجھ لو۔

پس اے نبی آپ ﷺ لوگوں کو یہ بشارت دیجیے۔ کیونکہ اس قرآن کو ہم نے آپ کی زبان پر اسی لیے آسان اور سہل کر دیا ہے کہ آپ ﷺ اس کے ذریعے بشارت سنائیں پرہیزگاروں کو جنہوں نے کفر اور شرک سے کنارہ کیا۔ اور ایمان لائے اور اعمال صالحہ کیے۔ اور تاکہ آپ ﷺ اس قرآن کے ذریعے جھگڑالو قوم کو ڈرائیں۔ جھگڑالو قوم سے مراد وہ لوگ ہیں جو حق اور اہل حق سے جھگڑتے ہیں اور باطل اور اہل باطل کا ساتھ دیتے ہیں۔ جن کو حق سے عداوت ہے اور حق سے عداوت اور نفرت ہی ہمہ اقسام کفر و معصیت کی جڑ ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ اللہ کے عذاب سے اس جھگڑالو قوم کو ڈرایئے اور یہ بتلا دیجیے کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی ہی جھگڑالو قوموں کو ہلاک کر دیا۔ جو حق سے نفرت اور عداوت رکھتے تھے اور اہل حق سے جھگڑتے تھے۔ کیا تو پاتا ہے اور دیکھتا ہے ان ہلاک ہونے والوں میں سے کسی کو یعنی کیا ان میں سے کوئی تجھے دکھائی دیتا ہے یا ان میں سے کسی کی سنک اور بھنک سنتا ہے۔ "رکز" کے معنی لغت میں آہستہ آواز کے ہیں۔ حاصل یہ کہ ان ہلاک شدگان میں تجھے کسی کا جسم نظر آتا ہے یا کسی کی آواز سنائی دیتی ہے؟ سب ہی ہلاک ہو گئے۔ کسی کا نام و نشان تک بھی باقی نہ رہا۔

لہٰذا عرب کے کافر اپنے انجام کو سوچ لیں اور پہلی قوموں کی تباہی اور بربادی سے عبرت پکڑیں اور برے انجام سے ڈریں اور آخرت کی فکر کریں اور قہر الٰہی سے ڈریں۔ اور اللہ کی عادت یہ ہے کہ نافرمانوں کو مہلت دیتا ہے اور پھر جب جکڑتا ہے تو چھوڑتا نہیں۔ یہ صفت اور حالت تو کفار کی تھی۔ مگر اب ہم دیکھ رہے ہیں کہ بہت سے مسلمانوں کا ظاہری اور عملی طور پر یہی حال ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری حالت پر رحم فرمائے اور ہم کو حسن اعمال کی توفیق دے اور ایمان پر ہمارا خاتمہ فرمائے۔ آمین یارب العٰلمین۔

الحمد للہ آج بتاریخ ۲۳ جمادی الثانی ۱۳۹۰ھ یوم چہار شنبہ بوقت آٹھ بجے سورۂ مریم کی تفسیر سے فراغت ہوئی۔

والحمد للہ رب العلمین وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین وعلینا معھم یا ارحم الراحمین۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفسیر سورۃ طٰہٰ

یہ سورۃ مکی ہے اس میں ایک سو پینتیس آیتیں اور آٹھ رکوع ہیں چونکہ اس سورت کے شروع میں طٰہٰ کا لفظ آیا ہے اس لیے یہ سورۃ اس نام سے موسوم ہوئی اور اس سورت کا ایک نام الکلیم بھی ہے۔

سورۂ مریم میں حق تعالیٰ نے متعدد انبیاء کرام علیہم السلام کے واقعات اور قصے ذکر فرمائے۔ بعض تفصیل کے ساتھ، جیسے

زکریا اور حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام کے قصے اور بعضے اجمال اور اختصار کے ساتھ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ اور باقی انبیاء کرام علیہم السلام کے قصوں کی طرف اجمالاً اشارہ فرمایا۔ کما قال اللہ تعالیٰ ﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ مِن ذُرِّيَّةِ آدَمَ﴾ الآیات۔ اب اس سورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کو تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں اور پھر اخیر سورت میں حضرت آدم علیہ السلام کے قصے کی قدرے تفصیل کرتے ہیں جن کا سورۃ مریم میں محض نام ذکر فرمایا ﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ مِن ذُرِّيَّةِ آدَمَ﴾ اور اس سورت کے بعد سورۃ انبیاء میں ان انبیاء کرام علیہم السلام کے قصے ذکر فرمائے جن کے قصے سورۂ مریم میں ذکر نہیں فرمائے تھے۔ جیسے حضرت نوح اور لوط اور داؤد اور سلیمان اور ایوب، الیسع اور ذوالکفل اور ذوالنون علیہم السلام کے قصے اور جن انبیاء کرام کے قصے سورۂ مریم میں ذکر ہو چکے تھے سورۂ انبیاء میں ان کی طرف اجمالا اشارہ فرمایا۔ جیسے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون اور حضرت اسماعیل علیہم السلام کے قصے اور سورۂ انبیاء میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کیا لیکن سورۂ انبیاء میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا صرف اتنا قصہ ذکر فرمایا جو قوم سے متعلق تھا اور جتنا قصہ ان کے باپ آزر سے متعلق تھا چونکہ اس کا ذکر سورۂ مریم میں ہو چکا تھا اس لیے سورۂ انبیاء میں اس کا ذکر نہیں فرمایا۔

۲۰ سُورَۃُ طٰہٰ مَکِّیَّۃٌ ۴۵ — بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ — ایاتہا ۱۳۶ رکوعاتہا ۸

طٰهٰ ① مَا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقَىٰ ② إِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَن يَخْشَىٰ ③ تَنزِيلًا مِّمَّنْ خَلَقَ

اس واسطے نہیں اتارا ہم نے تجھ پر قرآن کہ تو محنت میں پڑے مگر نصیحت کے واسطے اس کی جو ڈرتا ہے ف۱ اتارا ہوا ہے اس کا جس نے بنائی

اس واسطے نہیں اتارا ہم نے تجھ پر قرآن کہ تو محنت میں پڑے۔ مگر نصیحت کے واسطے جس کو ڈر ہے۔ اتارا ہے اس شخص کا جس نے بنائی

الْأَرْضَ وَالسَّمَاوَاتِ الْعُلَى ④ الرَّحْمَٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَىٰ ⑤ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا

زمین اور آسمان اونچے ف۲ وہ بڑا مہربان عرش پر قائم ہوا ف۳ اسی کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں اور

زمین اور آسمان اونچے۔ وہ بڑی مہر والا تخت کے اوپر قائم ہوا۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمان اور

ف۱ یعنی قرآن کریم اس لیے اتارا گیا ہے کہ جن کے دل نرم ہوں اور خدا سے ڈرتے ہوں، وہ اس کے بیانات سے نصیحت حاصل کریں اور روحانی فیوض و برکات سے محروم نہ رہیں۔ یہ غرض نہیں کہ قرآن نازل کر کے خواہ مخواہ تم کو کسی محنت شاقہ اور تکلیف شدت میں مبتلا کیا جائے۔ نہ وہ ایسی چیز ہے جس کا حامل و عامل کبھی محروم و ناکام رہے۔ آپ تکذیب کرنے والوں کی باتیں سن کر ملول اور تنگدل نہ ہوں۔ نہ ان کے پیچھے پڑ کر زیادہ تکلیف اٹھائیں۔ حق کا علمبردار ہی آخر کامیاب ہو کر رہے گا۔ آپ توسط کے ساتھ عبادت کرتے رہیئے۔ بعض روایات میں ہے کہ ابتداءً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شب کو نماز میں کھڑے ہو کر بہت زیادہ قرآن پڑھتے تھے۔ کفار آپ کی محنت و ریاضت دیکھ کر کہتے کہ قرآن کیا اترا بیچارے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سخت تکلیف اور محنت میں پڑ گئے، اس کا جواب ان آیات میں دیا گیا کہ نفی الحقیقت قرآن محنت و شقاء نہیں، رحمت و نور ہے، جس کو جتنا آسان ہو اسی قدر نشاط کے ساتھ پڑھنا چاہیے۔ ﴿فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ﴾۔

ف۲ اس لیے ضروری ہے کہ مخلوق نہایت خوشی کے ساتھ اس کو اپنے سر آنکھوں پر رکھے اور شہنشاہانہ احکام کی خلاف ورزی نہ کرے۔

ف۳ استواء علی العرش کا مفصل بیان سورۂ "اعراف" کے فوائد میں دیکھ لیا جائے۔ "عرش" کے متعلق نصوص سے اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ اس کے پائے ہیں اور خاص فرشتے اٹھانے والے ہیں اور آسمان کے اوپر قبہ کی طرح ہے۔ صاحب روح المعانی نے "عرش" اور "استواء علی العرش" پر اس آیت کے تحت میں نہایت مبسوط کلام کیا ہے۔ من شاء فلیراجعہ۔

فِي الْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى ⑥ وَإِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَإِنَّهُ يَعْلَمُ السِّرَّ

زمین میں اور ان دونوں کے درمیان اور نیچے گیلی زمین کے ف۱ اور اگر تو بات کہے پکار کر تو اس کو تو خبر ہے چھپی ہوئی بات کی

زمین میں ہے اور ان دونوں کے بیچ اور نیچے سیلی زمین کے۔ اور اگر تو بات کہے پکار کر، تو اس کو خبر ہے چھپے کی

وَأَخْفٰى ⑦ اَللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنٰى ⑧

اور اس سے بھی چھپی ہوئی کی ف۲ اللہ ہے جس کے سوا بندگی نہیں کسی کی اسی کے ہیں سب نام خاصے ف۳

اور اس سے چھپے کی۔ اللہ ہے جس کے سوا بندگی نہیں کسی کی۔ اس کے ہیں سب نام خاصے۔

تقریر رسالت و وحدانیت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿طٰهٰ ① مَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰى ... الى ... لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنٰى﴾

ربط: ......گزشتہ سورت کے ختم پر نزول قرآن کا ذکر تھا۔ ﴿فَإِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ﴾ الخ یعنی ہم نے قرآن آپ ﷺ کی زبان یعنی عربی میں اس لیے نازل کیا تا کہ آپ ﷺ کو متقین کی تبشیر اور معاندین کا انذاز آسان ہوجائے اب اس سورت کے شروع میں انزال قرآن کی حکمت بیان فرماتے ہیں کہ اس قرآن کے نازل کرنے سے ہمارا مقصود نصیحت اور موعظت اور بندوں کی ہدایت ہے کہ ان کو زمین اور آسمان کے پیدا کرنے والے کی معرفت حاصل ہو اور سمجھیں کہ لائق عبادت وہی معبود برحق ہے جس کی قدرت اور جس کا علم تمام کائنات کو محیط ہے۔

ابتداء میں جب آں حضرت ﷺ پر وحی کا نزول شروع ہوا تو آپ ﷺ نماز تہجد میں اس قدر طویل قیام فرماتے کہ قدم مبارک ورم کر جاتے۔ بدبخت کافروں کو جب یہ حال معلوم ہوا تو کہنے لگے کہ اس شخص پر قرآن نازل کیا یہ تو اور مشقت

ف۱ یعنی وہی ایک خدا بلا شرکت غیرے آسمانوں سے زمین تک اور زمین سے تحت الثریٰ تک تمام کائنات کا مالک و خالق ہے۔ اسی کی تدبیر و انتظام سے کل سلسلے قائم ہیں۔

(تنبیہ) آسمان و زمین کی درمیانی مخلوق سے یا تو کائنات جو مراد ہیں جو دائماً دونوں کے درمیان ہی رہتی ہیں۔ مثلاً ہوا، بادل وغیرہ اور یا وہ چیزیں بھی اس میں شامل ہوں جو اکثر ہوا میں پرواز کرتی ہیں جیسے پرند جانور اور "ثریٰ" (گیلی زمین) سے زمین کے نیچے کا طبقہ مراد ہے جو پانی کے قرب و اتصال کی وجہ سے تر رہتا ہے۔

ف۲ پہلے عموم قدرت و تصرف کا بیان تھا۔ اس آیت میں علم الٰہی کی وسعت کا تذکرہ ہے۔ یعنی جو بات زور سے پکار کر کہی جائے، وہ اس علام الغیوب سے کیونکر پوشیدہ رہ سکتی ہے۔ جس کو ہر کھلی چھپی بلکہ چھپی سے زیادہ چھپی ہوئی باتوں کی خبر ہے۔ جو بات تنہائی میں آہستہ کہی جائے، اور جو دل میں گزرے ابھی زبان تک نہ آئی ہو اور جو ابھی دل میں بھی نہیں گزری آئندہ گزرنے والی ہو، حق تعالیٰ کا علم ان سب کو محیط ہے۔ اسی لیے بلا ضرورت بہت زور سے چلا کر ذکر کرنے کو بھی علمائے شریعت نے منع کیا ہے۔ جن مواقع میں ذکر با آواز بلند منقول ہے یا بعض مصالح معتبرہ کی بناء پر تجربہ کاروں کے نزدیک نافع سمجھا گیا ہے، وہ عموم نہی سے مستثنیٰ ہوں گے۔

ف۳ آیات بالا میں جو صفات حق تعالیٰ کی بیان ہوئی ہیں۔ (یعنی اس کا خالق الکل، مالک علی الاطلاق، رحمٰن، قادر مطلق اور صاحب علم محیط ہونا) ان کا اقتضاء یہ ہے کہ الوہیت بھی تنہا اسی کا خاصہ ہو، بجز اس کے کسی دوسرے کے آگے سر عبودیت نہ جھکایا جائے۔ کیونکہ نہ صرف صفات مذکورہ بالا بلکہ کل عمدہ صفات اور اچھے نام اسی کی ذات منبع الکمالات کے لیے مخصوص ہیں۔ کوئی دوسری ہستی اس شان و صفت کی موجود نہیں جو معبود بن سکے۔ نہ ان صفتوں اور ناموں کے تعدد سے اس کی ذات میں تعدد آتا ہے۔ جیسا کہ بعض جہال عرب کا خیال تھا کہ مختلف ناموں سے خدا کو پکارنا دعوائے توحید کے مخالف ہے۔

میں پڑ گیا۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

﴿طٰهٰ﴾ واللہ اعلم بمرادہ بذالک اے نبی ہم نے آپ ﷺ پر قرآن اس لیے نازل نہیں کیا کہ آپ ایسی مشقت اور تعب میں پڑ جائیں لیکن یہ قرآن تو ہم نے اس شخص کی نصیحت کے لیے نازل کیا ہے جو خدا سے ڈرتا ہو۔ لہٰذا آپ ﷺ کسی کے کہنے سے رنجیدہ اور ملول نہ ہوں جس کی قسمت میں ڈرنا ہے وہ مانے گا۔ جس قدر آپ ﷺ کو آسان ہو اتنا پڑھ لیا کیجیے۔ ﴿فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ﴾ اور اس قدر تعب اور مشقت میں نہ پڑیے۔ مشرکین یہ خیال نہ کریں کہ اللہ نے آپ ﷺ پر کوئی مشقت اور تعب کی چیز نازل کی ہے بلکہ وہ ایک خیر کثیر اور کتاب حکمت اور موعظت ہے۔ اور مشعل ہدایت اور ابر رحمت اور سامان سعادت ہے۔ مطلب یہ کہ یہ قرآن رحمت کے لیے نازل کیا ہے نہ کہ زحمت کے لیے۔

یا یہ معنی ہیں کہ یہ قرآن ہم نے آپ ﷺ پر اس لیے نازل نہیں کیا کہ آپ ﷺ ان سرکشوں کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے رنج اور حسرت میں پڑ جائیں بلکہ اس لیے نازل کیا ہے کہ آپ ﷺ اس کے ذریعے ان کو نصیحت کریں اور ان منکرین اور معاندین کی باتوں سے ملول اور تنگ دل نہ ہوں۔ آپ ﷺ ان کو تبلیغ اور نصیحت کر چکے، اب ان کو اختیار ہے کہ چاہیں ایمان لائیں یا نہ لائیں۔ اور یہ مضمون اس قسم کا ہے جیسا کہ دوسری آیت میں ہے، ﴿فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا﴾ ﴿فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ﴾ ﴿وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ﴾۔

مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ ان کی دعوت اور نصیحت میں جس قدر مشقت اٹھا سکتے تھے وہ آپ ﷺ نے اٹھالی۔ آپ ﷺ ان کے رنج و غم میں اپنی جان ہلاک نہ کیجیے اور یہ قرآن آپ ﷺ پر اس ذات کی طرف سے نازل ہوا ہے جس نے زمین کو اور بلند آسمانوں کو پیدا کیا۔ وہ رحمٰن ہے جو عرش پر قائم اور جلوہ فرما ہے۔ بمقتضائے رحمانیت اس نے بندوں کی ہدایت اور اصلاح کے لیے آپ ﷺ پر یہ قرآن نازل کیا ہے اور آپ ﷺ کے قلب مبارک کو اس نور ہدایت کے لیے کوہ طور سے بڑھ کر مضبوط اور محکم بنایا ہے۔ ہر شخص کا دل ان انوار و تجلیات کو برداشت نہیں کر سکتا۔ استواء علی العرش کی مفصل تفسیر سورۃ اعراف میں گزر چکی ہے، وہاں دیکھ لی جائے۔ اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بلا مکان اور بلا جہت کے اور بلا حد اور بلا کیفیت کے عرش پر قائم ہے جو اس کی شان کے لائق ہے۔ عرش عظیم باری تعالیٰ کا جلوہ گاہ ہے۔ عرش اس کا مستقر اور جائے قرار نہیں اس لیے کہ وہ نہ مکان کا محتاج ہے اور نہ کسی تخت اور جہت کا محتاج ہے اور نہ عرش اس کو اٹھائے ہوئے ہے اور نہ تھامے ہوئے ہے بلکہ اللہ کی قدرت عرش عظیم کو تھامے اور اٹھائے ہوئے ہے۔ عرش اللہ تعالیٰ کا مخلوق اور پیدا کردہ ایک جسم ہے جو محدود اور متناہی ہے اور یہ ناممکن اور محال ہے کہ کوئی شے خالق کو اٹھا سکے اور تھام سکے۔ عرش اور مکان بنانے سے پہلے اللہ تعالیٰ جس شان سے تھا عرش اور مکان کے پیدا کرنے کے بعد بھی اسی شان سے ہے۔ معاذ اللہ خدا تعالیٰ کا کوئی جسم نہیں۔ جو کسی دوسرے جسم پر مستقر اور متمکن ہو سکے۔ نظم:

نے مکاں راہ یافت سویش نے زماں   نے بیاں دارد خبر زو نے عیاں
ایں ہمہ مخلوق حکم داور است   خالق عالم ز عالم برتر است

اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور جو کچھ گیلی مٹی کے نیچے ہے۔ یعنی جو چیز زمین کی تہہ میں ہے وہ بھی اس کی ملک ہے۔ گیلی مٹی ساتویں زمین کے نیچے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بلندی و پستی سب اسی کے قبضہ ءتصرف میں ہے اور سب پر اسکی نظر رحمت ہے۔

یہ تو اللہ کی قدرت ہوئی اور اللہ کے علم کی شان یہ ہے کہ اے مخاطب اگر تو کوئی بات پکار کر کہے تو اس کے سننے میں تو کیا شبہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے سننے میں کسی جہر کا اور کسی آواز کا محتاج نہیں۔ وہ تو ایسا ہے کہ اس کو پوشیدہ بات کا اور پوشیدہ سے زیادہ پوشیدہ بات کا بھی علم ہے یعنی اللہ تعالیٰ پر تو دل کے خطرات بھی پوشیدہ نہیں۔ "سر" کے معنی آہستہ اور پوشیدہ بات کے ہیں جو دوسروں سے چھپا کر کرے اور "اخفیٰ" وہ بات ہے جو اپنی دل میں رکھے اور کسی سے بھی ظاہر نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ تمام اچھے نام اور تمام عمدہ صفات اور کمالات اسی کے لیے ہیں۔ ربوبیت اور خالقیت اور رزاقیت اور مالکیت اور تمام صفات فاضلہ اسی کے لیے مخصوص ہیں۔ اور کسی میں یہ صفات نہیں پائی جاتیں۔ اور یہ قرآن اسی ذات مقدس کی نازل کردہ کتاب ہے کہ جو تمام چیزوں کی مالک ہے اور تمام ظاہر و باطن کی عالم ہے، اور تمام کائنات کی مربی ہے۔ پس جس پر ایسی مقدس اور مبارک کتاب نازل ہوگی وہ مشقت اور مصیبت میں نہیں پڑسکتا۔ اسی کتاب کو رحمٰن نے عرش عظیم سے نازل فرمایا ہے۔ اس کتاب کا نزول رحمت کی دلیل ہے نہ کہ زحمت اور مشقت کی علامت ہے۔

وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۝ اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ

اور پہنچی ہے تجھ کو بات موسیٰ کی ف۱ جب اس نے دیکھی ایک آگ تو کہا اپنے گھر والوں کو ٹھہرو میں نے دیکھی ہے ایک آگ شاید

اور پہنچی ہے تجھ کو بات موسیٰ کی؟ جب اس نے دیکھی ایک آگ تو کہا اپنے گھر والوں کو، ٹھہرو! میں نے دیکھی ہے ایک آگ، شاید

اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ۝ فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ يٰمُوْسٰى ۝ اِنِّيْٓ اَنَا

لے آؤں تمہارے پاس اس میں سے سلگا کر یا پاؤں آگ پر پہنچ کر رستہ کا پتہ پھر جب پہنچا آگ کے پاس آواز آئی اے موسیٰ ف۲ میں ہوں تیرا

لے آؤں تم پاس اس میں سے سلگا کر، یا پاؤں اس آگ پر راہ کا پتا۔ پھر جب پہنچا آگ پاس، آواز آئی اے موسیٰ! میں ہوں تیرا

ف۱ یہاں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بہت بسط و تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے تا کہ سامعین سمجھ جائیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف قرآن کی وحی بھیجنا کوئی انوکھی بات نہیں۔ جس طرح پیشتر موسیٰ علیہ السلام کو وحی مل چکی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ملی، جیسے موسیٰ علیہ السلام کی وحی توحید وغیرہ کی تعلیم پر مشتمل تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی میں بھی ان ہی اصول پر زور دیا گیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تبلیغ حق میں جو صعوبات و شدائد برداشت کیں، آپ کو بھی برداشت کرنی پڑیں گی اور جس طرح ان کو آخر کار کامیابی اور غلبہ نصیب ہوا اور دشمن مقہور و مخذول ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی یقیناً غالب و منصور ہوں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن تباہ و ذلیل کیے جائیں گے چونکہ سورت کا آغاز انزال قرآن کے ذکر سے کیا گیا تھا اس کے مناسب نبوت موسوی کے آغاز کا قصہ بیان فرماتے ہیں۔

ف۲ اس قصہ کے مختلف اجزاء سورۂ قصص، سورۂ طٰہٰ اور سورۂ اعراف میں سے جمع کیے جاسکتے ہیں۔ یہاں مدین سے مصر کی طرف واپسی کا واقعہ مذکور ہے۔ مدین میں حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نکاح ہوگیا تھا کئی سال وہاں مقیم رہنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مصر جانے کا ارادہ کیا، حاملہ بیوی ہمراہ تھی رات اندھیری تھی، سردی کا شباب تھا، بکریوں کا گلہ بھی ساتھ لے کر چلے تھے۔ اس حالت میں راستہ بھول گئے۔ بکریاں متفرق ہوگئیں اور بیوی کو دردزہ شروع ہوگیا۔ اندھیرے میں سخت پریشان تھے سردی میں تاپنے کے لیے آگ موجود نہ تھی چقماق مارنے سے بھی آگ نہ نکلی۔ =

رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ﴿۱۲﴾ وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا

رب سو اتار ڈال اپنی جوتیاں تو ہے پاک میدان طویٰ میں ف۱ اور میں نے تجھ کو پسند کیا ہے سو تو سنتا رہ جو

رب، سو اتار اپنی پاپوشیں، تو ہے پاک میدان طویٰ میں۔ اور میں نے تجھ کو پسند کیا، سو تو سنتا رہ جو

يُوْحٰى ﴿۱۳﴾ اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ ۙ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ﴿۱۴﴾ اِنَّ السَّاعَةَ

حکم ہو ف۲ میں جو ہوں اللہ ہوں کسی کی بندگی نہیں سوا میرے سو میری بندگی کر اور نماز قائم رکھ میری یادگاری کو ف۳ قیامت بیشک آنے والی ہے

حکم ہو۔ میں جو ہوں، میں اللہ ہوں، کسی کی بندگی نہیں سوا میرے، سو میری بندگی کر اور نماز کھڑی رکھ میری یاد کو۔ قیامت مقرر آنی ہے،

اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا تَسْعٰى ﴿۱۵﴾ فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا يُؤْمِنُ

میں مخفی رکھنا چاہتا ہوں اس کو ف۴ تاکہ بدلہ ملے ہر شخص کو جو اس نے کمایا ہے ف۵ سو کہیں تجھ کو نہ روک دے اس سے وہ شخص جو یقین نہیں رکھتا

میں چھپا رکھتا ہوں اس کو، کہ بدلہ ملے ہر جی کو جو وہ کماتا ہے۔ سو کہیں تجھ کو نہ روک دے اس سے، وہ جو یقین نہیں رکھتا

= ان مصائب کی تاریکیوں میں دفعتاً دور سے ایک آگ نظر آئی۔ وہ حقیقت میں دنیاوی آگ نہ تھی۔ اللہ کا نور جلال تھا یا حجاب ناری تھا (جس کا ذکر مسلم کی حدیث میں آیا ہے) موسیٰ علیہ السلام نے ظاہری آگ سمجھ کر گھر والوں سے کہا کہ تم یہیں ٹھہرو۔ میں جاتا ہوں شاید اس آگ کا ایک شعلہ لاسکوں، یا وہاں پہنچ کر کوئی راستہ کا پتہ بتلانے والا مل جائے۔ کہتے ہیں کہ اس پاک میدان میں پہنچ کر عجیب نظارہ دیکھا۔ ایک درخت میں زور شور سے آگ لگ رہی ہے۔ اور آگ جس قدر زور سے بھڑکتی ہے درخت اسی قدر زیادہ سرسبز ہو کر لہلہاتا ہے۔ اور جوں جوں درخت کی سرسبزی و شادابی بڑھتی ہے آگ کا اشتعال تیز ہوتا جاتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے آگ کے قریب جانے کا قصد کیا کہ درخت کی کوئی شاخ جل گرے تو اٹھالائیں لیکن جتنا وہ آگے سے نزدیک ہونا چاہتے آگ دور ہٹتی جاتی اور جب گھبرا کر ہٹنا چاہتے تو آگ تعاقب کرتی۔ اسی حیرت و دہشت کی حالت میں آواز آئی ﴿اِنِّیْٓ اَنَا رَبُّكَ﴾ الخ گویا وہ درخت بلاتشبیہ اس وقت غیبی ٹیلیفون کا کام دے رہا تھا۔ امام احمد نے وہب سے نقل کیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے جب "یاموسیٰ" سنا تو کئی بار "لبیک" کہا اور عرض کیا کہ میں تیری آواز سنتا ہوں اور آہٹ پاتا ہوں مگر یہ نہیں دیکھتا کہ تو کہاں ہے۔ آواز آئی "میں تیرے اوپر ہوں، تیرے ساتھ ہوں، تیرے سامنے ہوں، تیرے پیچھے ہوں، اور تیری جان سے زیادہ تجھ سے نزدیک ہوں۔" کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام ہر جہت سے اور اپنے ایک ایک بال سے اللہ کا کلام سنتے تھے۔

ف۱ "طویٰ" اس میدان کا نام ہے۔ شاید وہ میدان پہلے سے متبرک تھا یا اب ہوگیا۔ موسیٰ علیہ السلام کی جوتیاں ناپاک تھیں اس لیے اتروادی گئیں۔ باقی موزہ یا جوتا پاک ہو تو اس میں نماز پڑھ سکتے ہیں پورا مسئلہ فقہ میں دیکھنا چاہیے۔

ف۲ "پسند کیا ہے" یعنی تمام جہان میں سے نبوت و رسالت اور شرف مکالمہ کے لیے چھانٹ لیا۔ اس لیے آگے جو احکام دیئے جائیں انہیں غور و توجہ سے سنو۔

ف۳ اس میں خالص توحید اور ہر قسم کی بدنی و مالی عبادات کا حکم دیا۔ نماز چونکہ اہم العبادات تھی اس کا ذکر خصوصیت سے کیا گیا اور اس پر بھی متنبہ فرمادیا گیا کہ نماز سے مقصود اعظم خدا تعالیٰ کی یادگاری ہے۔ گویا نماز سے غافل ہونا خدا کی یاد سے غافل ہونا ہے اور ذکر اللہ (یاد خدا) کے متعلق دوسری جگہ فرمادیا۔ ﴿وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ﴾ یعنی کبھی بھول چوک ہو جائے تو جب یاد آجائے اسے یاد کرو۔ یہی حکم نماز کا ہے کہ وقت پر غفلت و نسیان ہو جائے تو یاد آنے پر قضا کرلے۔ "فَلْيُصَلِّهَا اِذَا ذَكَرَهَا"

ف۴ یعنی اس کے آنے کا وقت سب سے مخفی رکھنا چاہتا ہوں حتیٰ کہ اگر خود اپنے سے چھپانا ممکن ہوتا تو اپنے سے بھی مخفی رکھتا لیکن یہ ممکن ہی نہیں۔ وفیہ من المبالغة كما فی الحديث (وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ) وكما قال الشاعر غیرت از چشم برم روئے تو دیدن ندہم۔ گوش را نیز حدیث تو شنیدن ندہم۔ اور اگر بہت سی مصالح باعث اظہار نہ ہوتیں تو جتنا اجمالی اظہار کیا گیا یہ بھی نہ کیا جاتا۔

ف۵ یعنی قیامت کا آنا اس لیے ضروری ہے کہ ہر شخص کو اس کے نیک و بد کا بدلہ ملے اور مطیع و عاصی میں کوئی التباس و اشتباہ باقی نہ رہے یہ توحید و عبادت کے بعد عقیدہ معاد کی تعلیم ہوئی۔

بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰى ⑯

اس کا اور پیچھے پڑ رہا ہے اپنے مزوں کے پھر تو بھی پٹکا جائے ف ۱

اس کا اور پیچھے پڑا ہے اپنے مزوں کے، پھر تو پٹکا جاوے۔

تفصیل قصہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام

قَالَ اللهُ تَعَالٰى: ﴿وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ... الی ... وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰى﴾

ربط:......اوپر کی آیتوں میں اللہ کی توحید اور آنحضرت ﷺ کی نبوت و رسالت کا بیان تھا اب آگے موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بسط اور تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے مقابلہ میں کس طرح اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور وحدانیت کو ثابت کیا۔ اور دلیل نبوت یہی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام آگ لینے کے لیے گئے اللہ کے فضل سے ان کو نبوت مل گئی اور عصا اور ید بیضاء کا معجزہ عطا ہوا۔ اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے محمد رسول اللہ ﷺ کو نبوت عطا کر دے تو کیا بعید ہے۔

نیز اس قصہ کے بیان سے آں حضرت ﷺ کی تسلی بھی مقصود ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی طرح آپ ﷺ کو بھی دعوت اور تبلیغ میں طرح طرح کی مصیبتیں اور مشقتیں پیش آئیں گی۔ آپ ﷺ بھی ان کی طرح صبر کیجیے بالآخر اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو بھی موسیٰ علیہ السلام کی طرح غلبہ عطا فرمائے گا۔ اور فرعون کی طرح ان متکبرین کی ظاہری شان و شوکت سب خاک میں مل جائے گی۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

اور اے نبی ﷺ بھلا آپ کو موسیٰ علیہ السلام کی خبر بھی پہنچی ہے کہ کس طرح انہوں نے سختیوں پر صبر کیا۔ آپ ﷺ بھی تحمل شدائد میں ان کی اقتداء کیجیے۔ کیونکہ توریت میں آپ ﷺ کو موسیٰ علیہ السلام کے مانند کہا گیا ہے جس کو علماء بنی اسرائیل خوب جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی کے موسیٰ علیہ السلام کو اس بات سے آگاہ کیا تھا کہ "میں بنی اسرائیل کے بھائیوں (یعنی بنی اسمٰعیل) میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا پس اسی مماثلت اور مشابہت کے ثابت کرنے کے لیے قرآن کریم میں جابجا موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کیا گیا ہے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ آپ ﷺ بلاشبہ وہی نبی ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے تورات میں موسیٰ علیہ السلام کے مانند کہا ہے۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے مدین سے واپس ہوتے ہوئے راستہ میں ایک آگ دیکھی۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت شعیب علیہ السلام سے اپنے ماں باپ اور بھائی کو دیکھنے کے لیے مصر جانے کی اجازت چاہی تو شعیب علیہ السلام نے ان کو اجازت دے دی اور ان کی بیوی کو ان کے ساتھ روانہ کر دیا۔ سردی کا موسم تھا اور اندھیری رات تھی، راستہ بھول گئے۔ اسی پریشانی میں تھے کہ کوہ طور پر دور سے ایک آگ دیکھی تو اپنی بیوی سے جن کا نام صفور یا یا صفورہ تھا یا گھر والوں سے کہا، شاید بیوی کے علاوہ کوئی خادم وغیرہ بھی ساتھ ہو یہ کہا کہ تم یہیں ٹھہرو۔ میرے پیچھے پیچھے مت آنا۔ میں نے ایک آگ دیکھی ہے میں وہاں جاتا ہوں شاید میں تمہارے واسطے اس آگ میں سے ایک شعلہ لاؤں یا شاید پاؤں آگ کے پاس راستہ کا اتہ پتہ

ف ۱ نہ روک دے اس سے یعنی قیامت پر یقین رکھنے سے یا نماز سے۔ اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو بُرے کی صحبت سے منع کیا تو اور کوئی کس شمار میں ہے۔ کذا فی الموضح۔ غرض یہ ہے کہ دنیا پرست کافر کی چاپلوسی یا زیادہ نرمی اور مداہنت اختیار نہ کی جائے۔ ورنہ اندیشہ ہے کہ آدمی بلند مقام سے نیچے پٹک دیا جائے۔ العیاذ باللہ۔

یعنی شاید وہاں کوئی شخص ایسا مل جائے جو مجھے راستہ بتلادے۔ یہ اس وقت کا واقعہ ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام اپنی بیوی صفورا دختر شعیب علیہ السلام کو اپنے ساتھ لیے مدین سے مصر کو واپس آ رہے تھے۔ جاڑوں کا موسم اور رات کا وقت تھا۔ بیوی کو حمل تھا۔ آج کل میں بچہ پیدا ہونے والا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام راستہ بھول کر دوسرے راستہ پر پڑ گئے۔ کوہ طور کے قریب جا پہنچے۔ سردی کی وجہ سے بے قرار تھے یکا یک دور سے ایک آگ نظر آئی۔ حقیقت میں وہ آگ نہ تھی بلکہ وہ نور الٰہی تھا جو آگ کی صورت میں نظر آیا اور موسیٰ علیہ السلام اس کو آگ سمجھے۔

جمہور مفسرین کا قول یہ ہے کہ وہ دراصل نار نہ تھی بلکہ نور الٰہی کی ایک تجلی تھی۔ چونکہ موسیٰ علیہ السلام نار (آگ) کی تلاش میں نکلے تھے اور آگ ہی ان کا مطلوب اور مقصود تھا۔ اس لیے نور الٰہی بصورت نار متجلی اور نمودار ہوا۔ اور موسیٰ علیہ السلام اس نور الٰہی کو نار سمجھے اس لیے نور کو نار سے تعبیر کیا گیا۔ اور بعض علما یہ کہتے ہیں کہ وہ حقیقۃً آگ تھی اور بارگاہ خداوندی کے حجابات میں سے ایک حجاب تھی۔ جیسا کہ صحیح مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ من جملہ حجابات خداوندی۔ اللہ کا ایک حجاب آگ ہے۔ اگر اللہ اس حجاب کو اٹھالے تو اس بے چون وچگون وجہ (منہ) کے سبحات جلال یعنی انوار وتجلیات جہاں تک پہنچیں سب کو جلا کر بھسم کردیں۔ (رواہ مسلم)

نکتہ:......موسیٰ علیہ السلام کا اپنی اہلیہ اور اہل کو بلفظ ﴿امْكُثُوٓا﴾ بصیغۂ جمع مذکر خطاب کرنا بطریق تکریم تھا۔ جیسے ﴿رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ﴾ میں بصیغۂ جمع مذکر خطاب تکریم ہے۔ اور جیسے ﴿اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا﴾ میں ازواج مطہرات کو بصیغۂ جمع مذکر بغرض تکریم خطاب کیا گیا ہے۔

پھر جب موسیٰ علیہ السلام اس آگ کے پاس پہنچے تو من جانب اللہ آواز دی گئی اے موسیٰ علیہ السلام بلاشبہ میں تیرا رب ہوں جو تجھ سے کلام کر رہا ہوں اور دوسری آیت میں اس طرح آیا ہے ﴿نُوْدِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ يّٰمُوْسٰٓى اِنِّيْٓ اَنَا اللّٰهُ﴾ یعنی موسیٰ علیہ السلام جب اس مبارک وادی میں درخت کے قریب پہنچے تو یہ آواز سنی کہ اے موسیٰ! میں تیرا پروردگار ہوں گویا کہ یہ درخت بلاتشبیہ وتمثیل ایک غیبی ٹیلیفون تھا۔ جس میں سے یہ آواز سنائی دے رہی تھی۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے وہب رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے یہ آواز سنی یٰمُوْسٰی اے موسیٰ علیہ السلام تو فوراً لبیک کہا کئی بار یہ آواز سنی اور ہر بار یہی جواب دیا لبیک لیکن ان کو یہ معلوم نہ ہوا کہ پکارنے والا کون ہے اس لیے بولے کہ اے پکارنے والے میں آواز سنتا ہوں اور تیری جگہ نہیں دیکھتا کہ تو کہاں ہے اور کدھر ہے۔ پکارنے والے نے جواب دیا کہ میں تیرے اوپر اور تیرے ساتھ اور تیرے آگے اور تیرے پیچھے اور تیرے تجھ سے زیادہ قریب ہوں۔ موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ سنا تو جان لیا اور یقین کرلیا کہ یہ پکارنے والا اللہ عزوجل ہے کیونکہ یہ صفات مذکورہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی میں نہیں۔

نیز روایت کیا جاتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے یہ کلام جمیع جہات سے اور تمام اجزاء بدن نے سنا گویا کہ تمام اعضاء بدن کان ہی کان تھے۔ اس لیے بدیہی طور پر جان لیا کہ یہ شان اللہ کے کلام کی ہی ہوسکتی ہے۔ (دیکھو تفسیر کبیر: ۶/ ۱۳ وروح المعانی: ۱۶/ ۱۵۳)

پس چونکہ میں تیرا رب ہوں اور تجھ سے کلام کر رہا ہوں اس لیے ادب اور احترام کا تقاضا یہ ہے کہ تو اپنی دونوں

جوتیاں نکال دے کیونکہ تو ایک پاک وادی میں ہے جس کا نام طویٰ ہے۔ اس لیے سلف صالحین کا یہ طریقہ رہا ہے کہ برہنہ پا، خانہ کعبہ کا طواف کرتے تھے۔ تواضع اور ادب کا طریقہ یہی ہے کہ بادشاہوں کے فرش پر جوتے پہن کر نہیں جاتے اور بعض کہتے ہیں کہ وہ جوتیاں مردار گدھے کے چمڑے کی تھیں یا ان میں کوئی ناپاکی لگی ہوئی تھی۔ اس لیے ان کے نکالنے کا حکم ہوا۔ اس حکم کا منشا بھی وہی ادب اور احترام ہے۔ اور ظاہر یہی ہے کہ جوتیاں اتارنے کا حکم ادب اور احترام کی بنا پر دیا گیا ہے کہ مقامات متبرکہ ومقدسہ کا ادب یہی ہے کہ آدمی ننگے پاؤں ہوتا کہ وہاں کی مٹی کی برکت پاؤں کو پہنچے۔ جیسا کہ خانہ کعبہ کا ادب یہ ہے کہ اس میں برہنہ پا داخل ہو اور ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بشیر بن خصاصیہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ جوتے پہنے ہوئے قبروں کے درمیان سے گزر رہے ہیں تو آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اذا كنت في مثل هذا المكان فاخلع نعليك قال نخلعتها۔

اے بشیر جب تو ایسی جگہ میں ہو تو جوتے اتار دیا کر بشیر کہتے ہیں کہ میں نے فوراً جوتے اتار دیے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور سعید بن جبیر اور حسن بصری اور ابن جریج رحمہم اللہ سے بھی یہی منقول ہے کہ ادب اور تواضع کا تقاضا یہی ہے کہ دعا اور مناجات کے وقت جوتے اتار دینے چاہئیں۔ تفصیل کے لیے تفسیر قرطبی: ۱۱/ ۱۷۳ دیکھیں۔

عطائے خلعت نبوت ورسالت

یہ ابتداء وحی اور آغاز تکلیم خداوندی کا بیان تھا۔ اب آگے خلعت نبوت ورسالت کے عطا کیے جانے کا ذکر فرماتے ہیں۔ اور اے موسیٰ میں نے تجھ کو اپنی نبوت ورسالت کے لیے منتخب کیا اور تجھ کو اپنا برگزیدہ بنایا۔ جیسا کہ دوسری آیت میں ہے ﴿اِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِيْ وَبِكَلَامِيْ﴾ یعنی اے موسیٰ علیہ السلام میں نے تجھ کو اپنی رسالت اور کلام کے لیے چھانٹ لیا۔ غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اول موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا اور اسی وقت اور اسی مکان میں ان کو نبوت ورسالت کا خلعت عطا فرما دیا کہ ہم نے تم کو اپنا نبی اور رسول بنایا اور اس وقت ان کی عمر چالیس سال تھی۔ پس اے موسیٰ خوب غور سے سنو اس وحی کو جو تمہاری طرف کی جائے اس کے سننے کے لیے ہمہ تن گوش بن جاؤ۔ اور وحی یہ ہے کہ میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں، سو میری عبادت کرو اور میری یاد کے لیے نماز کو قائم ودائم رکھو۔ اس لیے کہ تحقیق قیامت اپنے مقرر وقت پر ضرور آنے والی ہے۔ اس دن عبادت گزاروں اور اطاعت شعاروں کو ان کی عبادت اور اطاعت کا اجر ملے گا، اس کے لیے تیار رہو۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ قیامت کے وقت کو تمام خلائق سے مخفی اور پوشیدہ رکھوں اور کسی کو اس پر مطلع نہ کروں۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو مر گیا اس کی قیامت قائم ہو گئی۔ موت "قیامت صغریٰ" ہے اللہ تعالیٰ نے اس کا وقت بھی پوشیدہ رکھا ہے اور قیامت قائم کرنے اور اس کے وقت کے پوشیدہ رکھنے میں حکمت یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کی سعی اور جدوجہد کا معاوضہ اور بدلہ وقت مقررہ پر مل جائے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اعمال کی جزا وسزا کے لیے ایک وقت مقرر فرمایا تا کہ لوگ اس دن کے لیے تیاری کر لیں مگر اس کا وقت کسی کو نہیں بتلایا۔ اس لیے کہ جب انسان کو اپنی موت کا یا قیامت کا وقت معلوم ہو جائے گا تو بے فکری کے ساتھ معاصی میں مشغول رہے گا اور سمجھے گا کہ جب موت کا وقت قریب آئے گا اس وقت توبہ کر لوں گا اور اس کو یہ

معلوم نہیں کہ توبہ بھی اس کے اختیار میں نہیں۔ جب بے باکی کے ساتھ معاصی کا ارتکاب کرے گا تو دل سیاہ ہوجائے گا اور ایمان اور عمل صالح سے متنفر ہوجائے گا تو توبہ کیسے کرے گا؟

پس تم قیامت کے لیے تیار رہو۔ مبادا تم کو قیامت کی تصدیق سے یا اس کے مراقبہ یا اس کی تیاری سے یا اس کے فکر سے وہ شخص باز نہ رکھے جو آخرت پر یقین نہیں رکھتا۔ اور اپنی نفسانی خواہشات کا پیرو بن گیا ہے جدھر اس کی نفسانی خواہش اس کو لے جاتی ہے ادھر دوڑا چلا جاتا ہے۔ پس مبادا اس شخص کی طرح تو بھی ہلاک ہوجائے۔ خطاب موسیٰ علیہ السلام کو ہے مگر مقصود سنانا اوروں کو ہے۔ یعنی ان کی راحت مراد ہے کہ قیامت سے غفلت اور بے فکری کا انجام ہلاکت اور بربادی ہے۔

نکتہ: ...... اسی آیت میں اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کو توحید کا حکم دیا۔ ﴿وَاِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا﴾۔ اس لیے بندوں پر اول واجب اور اول فرض اللہ کی معرفت اور اس کی توحید ہے۔ پھر اس کے بعد عبادت کا حکم دیا۔ ﴿فَاعْبُدْنِیْ﴾ فرمایا اس لیے کہ فاتعقیبیہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ توحید کے بعد اللہ کی عبادت فرض ہے اور تمام عبادتوں میں سب سے افضل عبادت نماز ہے جس کا ﴿وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ﴾ میں حکم دیا۔ اس کے بعد ﴿اِنَّ السَّاعَۃَ اٰتِیَۃٌ﴾ میں ایمان بالآخرۃ کا ذکر فرمایا اور سب سے آخر میں معاد کا ذکر فرمایا۔ آخرت کی تیاری کا حکم فرمایا اور آخرت سے غفلت اور بے فکری کی ممانعت فرمائی۔ ﴿فَلَا یَصُدَّنَّکَ عَنْھَا مَنْ لَّا یُؤْمِنُ بِھَا﴾ فرمایا اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بتلا دیا کہ شہوات نفسانی اور لذات دنیاوی کا اتباع موجب ہلاکت ہے۔ ﴿وَاتَّبَعَ ھَوٰىہُ فَتَرْدٰی﴾ اشارہ اس طرف ہے کہ ہوائے نفسانی کا اتباع تمام اخلاق رذیلہ کی جڑ ہے۔

وَمَا تِلْکَ بِیَمِیْنِکَ یٰمُوْسٰی ﴿۱۷﴾ قَالَ ھِیَ عَصَایَ ۚ اَتَوَکَّؤُا عَلَیْھَا وَاَھُشُّ بِھَا عَلٰی غَنَمِیْ

اور یہ کیا ہے تیرے داہنے ہاتھ میں اے موسیٰ ف۱ بولا یہ میری لاٹھی ہے اس پر ٹیک لگاتا ہوں اور پتے جھاڑتا ہوں اس سے اپنی بکریوں پر

اور یہ کیا ہے تیرے داہنے ہاتھ میں اے موسیٰ؟ بولا یہ میری لاٹھی ہے۔ اس پر ٹیکتا ہوں، اور پتے جھاڑتا ہوں اس سے، اپنی بکریوں پر،

وَلِیَ فِیْھَا مَاٰرِبُ اُخْرٰی ﴿۱۸﴾ قَالَ اَلْقِھَا یٰمُوْسٰی ﴿۱۹﴾ فَاَلْقٰىھَا فَاِذَا ھِیَ حَیَّۃٌ تَسْعٰی ﴿۲۰﴾ قَالَ

اور میرے اس میں چند کام ہیں اور بھی ف۲ فرمایا ڈال دے اس کو اے موسیٰ تو اس کو ڈال دیا پھر اسی وقت وہ تو سانپ ہوگیا دوڑتا ہوا ف۳ فرمایا

اور میرے اس میں کتنے کام ہیں اور۔ فرمایا، ڈال دے اس کو اے موسیٰ! تو اس کو ڈال دیا، پھر تب ہی وہ سانپ ہے دوڑتا۔ فرمایا

ف۱ یہاں سے منصب رسالت کی تمہید شروع ہوتی ہے۔ چونکہ معجزات دے کر فرعون کی طرف بھیجے جانے والے تھے اس لیے اولاً معجزہ عصا کا ذکر فرماتے ہیں۔ یہ سوال کہ تیرے ہاتھ میں کیا چیز ہے۔ اس غرض سے تھا کہ موسیٰ علیہ السلام اپنی لاٹھی کی حقیقت اور اس کے منافع کو خوب مستحضر کرلیں تاکہ جو خارق عادت چیز پیش آنے والی تھی اس کا معجزہ ہونا پوری طرح واضح مستحکم اور واقع فی النفس ہو۔ یعنی اس وقت خوب دیکھ بھال کر اور جانچ تول کر بتلاؤ تمہارے ہاتھ میں کیا چیز ہے؟ مبادا سانپ بن جانے پر وہم کرنے لگو کہ شاید میں غلطی سے ہاتھ میں لاٹھی نہ لایا ہوں کچھ اور لے آیا ہوں۔

ف۲ یعنی اس میں شبہ کیا ہے۔ وہ لاٹھی ہے جسے ہمیشہ ہاتھ میں رکھتا ہوں۔ اس پر ٹیک لگاتا ہوں۔ بکریوں کے لیے پتے جھاڑتا ہوں، دشمن کو اور موذی جانوروں کو دفع کرتا ہوں اور بہت سی ضرورتوں میں لاٹھی کا کام لیتا ہوں۔

ف۳ یعنی لاٹھی کا زمین پر ڈالنا تھا کہ لاٹھی کی جگہ ایک اژدہا نظر آیا جو پتلے سانپ کی طرح تیزی سے دوڑتا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام ناگہاں یہ انقلاب دیکھ کر بمقتضائے بشریت خوفزدہ ہوگئے۔

خُذْهَا وَلَا تَخَفْ سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى ﴿٢١﴾ وَاضْمُمْ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ تَخْرُجْ

پکڑلے اس کو اور مت ڈر ہم ابھی پھیر دیں گے اس کو پہلی حالت پر ف۱ اور ملا لے اپنا ہاتھ اپنی بغل سے کہ نکلے

پکڑ لے اس کو اور نہ ڈر۔ ہم پھیر دیں گے اس کو پہلے حال پر۔ اور لگا اپنے ہاتھ بازو سے کہ نکلے

بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ اٰيَةً اُخْرٰى ﴿٢٢﴾ لِنُرِيَكَ مِنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرٰى ﴿٢٣﴾ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ

سفید ہو کر بلا عیب ف۲ یہ نشانی دوسری تاکہ دکھاتے جائیں ہم تجھ کو اپنی نشانیاں بڑی ف۳ جا طرف فرعون کے

چٹا ہو کر، نہ کچھ بری طرح، ایک نشانی اور۔ کہ دکھاتے جاویں ہم تجھ کو اپنی نشانیاں بڑی۔ جا طرف فرعون کے،

اِنَّهٗ طَغٰى ﴿٢٤﴾ قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ﴿٢٥﴾ وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ ﴿٢٦﴾ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ

کہ اس نے بہت سر اٹھایا بولا اے رب کشادہ کر میرا سینہ ف۴ اور آسان کر میرا کام ف۵ اور کھول دے گرہ

اس نے سر اٹھایا۔ بولا، اے رب کشادہ کر میرا سینہ۔ اور آسان کر میرا کام۔ اور کھول گرہ

لِّسَانِيْ ﴿٢٧﴾ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ ﴿٢٨﴾ وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ ﴿٢٩﴾ هٰرُوْنَ اَخِي ﴿٣٠﴾ اشْدُدْ بِهٖٓ

میری زبان سے کہ سمجھیں میری بات ف۶ اور دے مجھ کو ایک کام بٹانے والا میرے گھر کا ہارون میرا بھائی ف۷ اس سے مضبوط کر

میری زبان سے۔ کہ بوجھیں میری بات۔ اور دے مجھ کو ایک کام بٹانے والا، میرے گھر کا۔ ہارون میرا بھائی۔ اس سے بندھا

اَزْرِيْ ﴿٣١﴾ وَاَشْرِكْهُ فِيْٓ اَمْرِيْ ﴿٣٢﴾ كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيْرًا ﴿٣٣﴾ وَّنَذْكُرَكَ كَثِيْرًا ﴿٣٤﴾ اِنَّكَ كُنْتَ

میری کمر اور شریک کر اس کو میرے کام میں ف۸ کہ تیری پاک ذات کا بیان کریں ہم بہت سا اور یاد کریں ہم تجھ کو بہت سا ف۹ تو تو ہے ہم کو

میری کمر۔ اور شریک کر اس کو میرے کام کا۔ کہ تیری پاک ذات کا بیان کریں ہم بہت سا۔ اور یاد کریں تجھ کو بہت سا۔ تو تو ہے ہم کو

ف۱ یعنی ہاتھ میں آ کر پھر لاٹھی ہو جائے گی۔ کہتے ہیں ابتداء میں موسیٰ علیہ السلام کو پکڑنے کی ہمت نہ ہوتی تھی آخر کپڑا ہاتھ میں لپیٹ کر پکڑنے لگے۔ فرشتہ نے کہا "موسیٰ کیا خدا اگر بچانا نہ چاہے تو یہ چیتھڑا تجھے بچا سکتا ہے؟ موسیٰ نے کہا" نہیں لیکن میں کمزور مخلوق ہوں، اور ضعف سے پیدا کیا گیا ہوں۔" پھر حضرت موسیٰ نے ہاتھ سے کپڑا ہٹا کر اژدھے کے منہ میں دے دیا۔ ہاتھ ڈالنا تھا کہ وہی لاٹھی ہاتھ میں دیکھی۔

ف۲ یعنی ہاتھ گریبان میں ڈال کر اور بغل سے ملا کر نکالو گے تو نہایت روشن سفید چمکتا ہوا نکلے گا۔ اور یہ سفیدی برص وغیرہ کی نہ ہوگی جو عیب سمجھی جائے۔

ف۳ یعنی عصا اور ید بیضا کے معجزے ان بڑی نشانیوں میں سے دو ہیں جن کا دکھلانا تم کو منظور ہے۔

ف۴ یعنی حلیم و بردبار اور حوصلہ مند بنا دے کہ خلاف طبع دیکھ کر جلد خفا نہ ہوں اور ادائے رسالت میں جو سختیاں پیش آئیں ان سے نہ گھبراؤں بلکہ کشادہ دلی اور خندہ پیشانی سے برداشت کروں۔

ف۵ یعنی ایسا سامان فراہم کر دے کہ یہ عظیم الشان کام آسان ہو جائے۔

ف۶ زبان لڑکپن میں جل گئی تھی (جس کا قصہ تفاسیر میں ہے) صاف نہ بول سکتے تھے۔ اس لیے یہ دعا کی۔

ف۷ یہ عمر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بڑے تھے۔

ف۸ یعنی دعوت و تبلیغ کے کام میں ایک دوسرے کا معین و مددگار ہوں۔

ف۹ یعنی دونوں مل کر دعوت و تبلیغ کے موقع پر بہت زور شور سے تیری پاکی اور کمالات بیان کریں اور مواضع دعوت سے قطع نظر جب ہر ایک کو دوسرے کی معیت سے تقویت قلب حاصل ہوگی، تو اپنی خلوتوں میں نشاط و طمانیت کے ساتھ تیرا ذکر بکثرت کر سکیں گے۔

بِنَا بَصِيْرًا ﴿۳۵﴾ قَالَ قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى ﴿۳۶﴾

خوب دیکھتا ف۱ فرمایا ملا تجھ کو تیرا سوال اے موسیٰ ف۲

خوب دیکھتا۔ فرمایا، ملا تجھ کو تیرا سوال اے موسیٰ۔

عطائے معجزات

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى ... الی ... قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں کلام خداوندی اور منصب نبوت و رسالت کے دیئے جانے کا ذکر تھا۔ جس سے موسیٰ علیہ السلام پر دہشت اور ہیبت طاری ہوگئی۔ اب آئندہ آیت میں موسیٰ علیہ السلام کی دہشت اور حیرت دور کرنے کے لیے عطائے معجزات کا ذکر فرماتے ہیں جو ان کی نبوت و رسالت کے دلائل اور براہین ہیں۔ اور موسیٰ علیہ السلام کے لیے باعث سکینت وطمانینت ہیں۔ ایک معجزہ عصا کا عطا فرمایا کہ اس کے ڈالنے سے ایک جماد حیوان بن جاتا تھا۔ اور دوسرا معجزہ ید بیضاء کا عطا کیا کہ جس سے ایک جسم کثیف ایک جسم لطیف اور نورانی بن جاتا تھا۔ نیز پہلی آیت میں تکلم وغیرہ کا جو قصہ ذکر فرمایا اس کا تعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ذات خاص سے تھا اور اس آیت میں جن دلائل نبوت اور براہین رسالت کا ذکر کیا ان کا تعلق امت اور عام خلائق سے ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

اور جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو خلعت نبوت و رسالت عطا فرما دیا تو یہ ارادہ فرمایا کہ ان کو ایسے معجزات عطا فرمائے جو اس زمانے کے مناسب حال ہوں اور وہ خارق عادت امور ان کی نبوت و رسالت کی دلیل و برہان ہوں۔ اس لیے عطائے معجزات کا آغاز سوال محبت وموانست سے فرمایا کہ مبادا دفعۃً ان خوارق عادات اور ان عجیب وغریب امور کو دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام گھبرا نہ جائیں اس لیے موسیٰ علیہ السلام کو مخاطب بنا کر یہ سوال کیا اے موسیٰ یہ تیرے دائیں ہاتھ میں کیا ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کو اس لاٹھی کا جو موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں تھی، سانپ بنانا منظور تھا۔ اس لیے خدائے تعالیٰ نے ان سے سوال کیا اور یہ سوال، سوال انبساط تھا کہ اے موسیٰ علیہ السلام یہ تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا ہے؟ تاکہ وہ اس کو اچھی طرح دیکھ بھال لیں اور ان کو اس کے لاٹھی ہونے میں کوئی شبہ نہ رہے اور دل سے رعب اور ہیبت جاتی رہے۔ پھر جب وہ سانپ بن جائے تو جان لیں کہ یہ معجزہ ہے اور کرشمۂ خداوندی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ یہ میرا عصا ہے جس پر کبھی میں سہارا لیتا ہوں اور کبھی اس کو درخت پر مار کر اپنی بکریوں کے لیے پتے جھاڑتا ہوں اور اس کے علاوہ اس میں اور بھی ضروریات کے منافع ہیں۔ حق جل شانہ نے موسیٰ علیہ السلام کے انس کے لیے سوال کیا ﴿وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى﴾ تاکہ وہ مانوس ہو جائیں اور ان کی ہیبت و دہشت دور ہو۔ اور خوب جان لیں کہ کلام کرنے والے حق جل شانہ ہیں اور اس استفہام اور سوال سے مقصود تنبیہ ہے کہ ہوشیار رہیں اور

ف۱ یعنی ہمارے تمام احوال کو خوب دیکھ رہا ہے اور جو دعاء میں کر رہا ہوں یہ بھی تجھے خوب معلوم ہے کہ اس کا قبول فرمانا ہمارے لیے کہاں تک مفید ہوگا۔ اگر تجھے ہمارے حال واستعداد کی پوری خبر نہ ہوتی تو نبوت و رسالت کے لیے ہم کو منتخب ہی کیوں کرتا اور ایسے سخت دشمن (فرعون) کی طرف کیوں بھیجتا۔ یقیناً جو کچھ آپ نے کیا خوب دیکھ بھال کر کیا ہے۔

ف۲ یعنی جو کچھ تم نے مانگا، خدا تعالیٰ کی طرف سے تم کو دیا گیا۔

دیئے جانے والے عجائب قدرت کو دیکھ کر گھبرائیں نہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں چار چیزیں ذکر کیں۔ تین چیزیں تو تفصیل کے ساتھ بیان کیں اور چوتھی چیز یعنی ﴿وَلِیَ فِیۡهَا مَاٰرِبُ اُخۡرٰی﴾ کو اجمالاً ذکر کیا۔ اصل جواب تو ﴿هِیَ عَصَایَ﴾ پر پورا ہوگیا تھا۔ لیکن اس شوق میں کہ اللہ رب العزت کے ساتھ کلام میں طول ہو جائے تو جواب میں طول دیا۔

پہلا معجزہ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ اچھا اپنے اس عصا کو زمین پر ڈال دو اور دیکھو کہ پردۂ غیب سے کیا چیز نمودار ہوتی ہے اور یہ عصا کس طرح معجزہ بن جاتا ہے۔ پس موسیٰ علیہ السلام نے اس عصا کو زمین پر ڈال دیا یکایک وہ ڈالتے ہی قدرت خداوندی سے ایک دوڑتا ہوا سانپ بن گیا۔ ابتداء میں وہ سانپ بنا بعد میں وہ اژدھا ہوگیا۔ جیسا کہ دوسری آیت میں ہے ﴿فَاِذَا هِیَ ثُعۡبَانٌ مُّبِیۡنٌ﴾ موسیٰ علیہ السلام پر چونکہ ابھی تک حقیقت حال منکشف نہ ہوئی تھی اس لیے یکایک اس ہولناک منظر کو دیکھ کر گھبرا گئے کہ دم کے دم میں ایک عصا سانپ اور اژدھا بن کر دوڑنے لگا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام ڈر کر بھاگے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز آئی کہ ڈرو مت تمہیں اس سے کوئی خطرہ نہیں۔ اور بطور لطف وعطوفت خدائے تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے یہ کہا۔ اے موسیٰ اس کو اپنے ہاتھ سے پکڑ لو اور اس کی ظاہری صورت سے تم کسی قسم کا کوئی خوف نہ کرو۔ ہم اس کو پہلی حالت کی طرف لوٹا دیں گے۔ یعنی جب تم اس کو پکڑو گے تو ہم اس کو اسی وقت پہلے کی طرح عصا کر دیں گے۔ عصا کی یہ ظاہری صورت تمہارے ڈرانے کے لیے نہیں بلکہ کسی اور کے لیے ہے۔

وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کے بدن پر (صوف) بالوں کا قمیص تھا۔ اپنے ہاتھ پر اس کو لپیٹا اس پر فرشتہ نے کہا کہ اے موسیٰ علیہ السلام اگر اللہ اس چیز کو جس سے تو ڈرتا ہے اس کی اجازت دے کہ وہ تیرے ڈنگ مارے تو کیا یہ تیرا صوف کا کرتہ اس کو دفع کر سکے گا؟ موسیٰ علیہ السلام نے کہا کچھ نہیں لیکن میں ضعیف ہوں اور ضعف سے پیدا ہوا ہوں۔ اس پر اپنا ہاتھ کھول دیا۔ پھر اس سانپ کے منہ پر رکھا تو اس کے داڑھوں اور دانتوں کی آواز سنی پھر اس کو پکڑا تو وہی عصا تھا جو ہمیشہ ہاتھ میں رہتا تھا۔

فائدہ:...... موسیٰ علیہ السلام کا یہ خوف طبعی اور بشری تھا۔ اس سے پہلے موسیٰ علیہ السلام نے کبھی ایسا حال مشاہدہ نہ کیا تھا۔ اس لیے ڈرے اور ان کا یہ خوف اس بات کی دلیل تھی کہ وہ ساحر اور جادوگر نہیں۔ اس لیے کہ ساحر اپنے سحر سے نہیں ڈرتا۔

نکتہ:...... شیخ جلال الدین محلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ معجزہ موسیٰ علیہ السلام کو اس لیے دکھلایا تاکہ جب یہ عصا فرعون کے روبرو سانپ اور اژدہا بن جائے تو موسیٰ علیہ السلام اسے دیکھ کر گھبرا نہ جائیں۔ یعنی ایسا نہ کریں کہ اس کو نہ پکڑیں تو مخلوق تباہ ہو جائے۔

دوسرا معجزہ

یہاں تک پہلے معجزہ یعنی معجزہ عصا کا ذکر تھا جو ان کی نبوت ورسالت کی ایک برہان تھی اب آئندہ آیت میں رسالت کی دوسری برہان عطا کیے جانے کا ذکر فرماتے ہیں۔ تاکہ پہلے معجزہ کے ساتھ مل کر آپ علیہ السلام کی نبوت ورسالت کے

دو گواہ ہو جائیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اے موسیٰ اپنے دائیں ہاتھ کو اپنی بغل یا بائیں بازو کے ساتھ ملا دو اور پھر اس کو نکالو تو وہ چاند کی طرح سفید ہو کر بلا کسی عیب کے نکل آئے گا۔ یعنی یہ سفیدی کسی مرض اور عیب کی بنا پر نہ ہوگی جیسا کہ برص ایک مرض ہے جس سے بدن پر سفید داغ پڑ جاتے ہیں یعنی جب وہ ہاتھ بغل میں سے نکلے گا تو سفید اور روشن ہوگا۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام جب بغل میں ہاتھ ڈال کر نکالتے تو وہ مثل آفتاب اور ماہتاب کے چمکتا ہوا نکلتا اور اے موسیٰ علیہ السلام ہم نے تم کو نبوت و رسالت کی یہ دوسری نشانی عطا[1] کی جو علاوہ معجزہ عصا کے ہے۔ جب ایک مرتبہ اپنا ہاتھ اپنی جیب میں ڈال کر بائیں بغل کے نیچے لے جاتے اور نکالتے تو مثل آفتاب و ماہتاب چمکتا ہوا نکلتا اور پھر جب اس کا اعادہ کرتے تو ہاتھ کا رنگ حسب سابق پہلے جیسا ہو جاتا اور یہ دو عظیم الشان نشانیاں ہم نے آپ علیہ السلام کو اس لئے عطا کیں تاکہ ہم تجھ کو اپنی بڑی نشانیوں میں سے بعض بڑی نشانیاں دکھلائیں۔ چنانچہ ہم نے آپ کو اپنی بڑی نشانیوں[2] میں سے اس وقت دو بڑی نشانیاں دکھلائیں۔ ایک عصا اور ایک ید بیضاء اور یہ دونوں نشانیاں آپ کی نبوت کی بڑی نشانیاں ہیں۔ لہٰذا فی الحال تم یہ نشانیاں لے کر فرعون کی طرف جاؤ تحقیق وہ حد سے گزر گیا ہے۔ اور ایسا سرکش اور مغرور ہو گیا ہے کہ خدائی کا دعویٰ کرتا ہے۔ جا کر اسے تبلیغ کرو اور توحید کی دعوت دو اور اگر وہ تمہاری نبوت و رسالت میں شبہ کرے تو اس کو اپنی نبوت کی یہ دو روشن نشانیاں دکھلاؤ اور میری عبادت کی طرف اس کو بلاؤ اور میرے عذاب سے اس کو ڈراؤ اور دلائل عقلیہ و نقلیہ سے اس کے طغیان اور سرکشی کو واضح کرو اس وقت روئے زمین پر فرعون سے بڑھ کر کوئی کافر نہ تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کو جب اللہ کا یہ حکم پہنچا تو ڈرے اور یہ خیال کیا کہ اس سرکش جبار اور ظالم کا مقابلہ تو بہت سخت ہے تو عرض کیا کہ اے پروردگار میرا سینہ کھول دیجئے کہ اس بوجھ کو اٹھا سکوں اور کوئی خوف تیرے حکم کی تبلیغ اور دعوت سے مجھے نہ روک سکے۔ اور میرا یہ کام تبلیغ و دعوت۔ میرے لیے آسان فرما دیجئے بغیر آپ کے تیسیر اور تاکید کے دشمنان حق سے مقابلہ اور مجادلہ بہت دشوار ہے اور میری زبان سے لکنت کی گرہ کھول دیجئے تاکہ لوگ میری بات سمجھ سکیں۔ موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں لکنت تھی۔ بچپن میں زبان جل گئی جس کی وجہ سے صاف نہیں بول سکتے تھے۔ گرہ سے یہی لکنت مراد ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ وہ لکنت پیدائشی تھی اور بعض کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ موسیٰ علیہ السلام نے لڑکپن میں آگ کی ایک چنگاری اپنے منہ میں ڈال لی تھی۔ جس کے سبب زبان میں لکنت آ گئی تھی اس لیے موسیٰ علیہ السلام نے لکنت کے کچھ دفع کرنے کی دعا کی تھی چنانچہ وہ کم ہو گئی تھی اگر وہ بالکل دفع ہونے کی دعا کرتے تو وہ بھی قبول ہو جاتی۔

موسیٰ علیہ السلام نے صرف اس قدر دعا مانگی کہ وہ لکنت اتنی شدید نہ رہے کہ جو بات کرنے میں رکاوٹ کا سبب بنے۔ موسیٰ علیہ السلام کو جب فرعون کے پاس جانے کا حکم ہوا تو موسیٰ علیہ السلام نے چند سوال کیے جن کے بغیر بار رسالت کا اٹھانا دشوار تھا۔

---

[1] اشارہ اس طرف ہے کہ ایۃً اُخریٰ فعل محذوف کا مفعول ہے جیسا کہ زجاج رحمہ اللہ سے منقول ہے قال الزجاج المعنی اتیناك ایة اُخری او نؤتیك لانه لما قال تخرج بیضاء من غیر سوء دلّ علی انه قد اتاه ایة اخری۔ (تفسیر قرطبی: ۱۱/۱۹۱)

[2] اس ترجمہ میں اشارہ ہے اس طرف کہ الکبریٰ، اٰیٰتنا کی صفت ہے اور مِنْ اٰیٰتِنَا کا مِنْ تبعیضیہ ہے بمعنی بعض ہے۔ جو لِنُرِیَكَ کا مفعول ثانی ہے اور اس آیت میں اور بھی وجوہ اعراب ہیں۔ (تفصیل کے لیے روح المعانی: ۱۶/ ۱۶۴ دیکھیں)

پہلا سوال یہ کیا کہ اے اللہ میرا سینہ کشادہ کردے تاکہ بار رسالت اٹھاسکوں۔ اور منکرین کے اعتراضات اور سوالات کا جواب دے سکوں یہ بات بدوں شرح صدر کے ممکن نہیں۔

دوسرا سوال تیسیر امر کا کیا یہ سوال نہایت ضروری تھا بدوں تیسیر الٰہی و تائید غیبی دشمنان خدا سے مقابلہ کرنا ممکن نہیں۔ بعد ازاں چونکہ تبلیغ و دعوت کے لیے فصاحت لسانی بھی ضروری ہے۔ اس لیے موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں تیسرا سوال یہ کیا کہ اے پروردگار میری زبان کھول دیجئے تاکہ لوگ میری بات کو سمجھ سکیں۔

چوتھی درخواست یہ کہ اے اللہ میرے کنبہ میں سے میرے بھائی ہارون علیہ السلام کو میرا وزیر بنا دیجئے۔ جو میرا بوجھ اٹھاسکے تاکہ وہ میرا شریک کار ہو کہ میری مدد کرسکے۔

ہارون علیہ السلام عمر میں موسیٰ علیہ السلام سے بڑے اور فصیح اللسان تھے۔ اور اس وقت بجز ہارون علیہ السلام کے کوئی اس منصب کا اہل نہ تھا اس لیے خصوصیت سے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کے لئے یہ درخواست کی کہ اے اللہ ہارون علیہ السلام کو میرا وزیر بنا دیجئے اور ان کے ذریعے میری کمر کو مضبوط کر دیجئے اور ان کو میرے اس کام یعنی نبوت و رسالت اور تبلیغ و دعوت میں میرا شریک کر دیجئے۔ تاکہ تبلیغ و دعوت کے کام میں مجھے ان سے مدد ملے۔ تاکہ ہم دونوں مل کر تیری پاکی بیان کریں اور کثرت سے تیرا ذکر کریں۔ کیونکہ تیری کامیابی کا ذریعہ ہے۔ اللہ کا ذکر مومن کا ہتھیار ہے ہم دونوں مل کر یہ ہتھیار چلائیں گے اور تیرے دشمن کا مقابلہ کریں گے اور مل کر کام کرنے سے ایک دوسرے کو تقویت پہنچے گی اور برکت اور نورانیت میں زیادتی ہوگی اور کفر کی ظلمت اس سے دور ہوگی یا مغلوب ہوگی۔

بلاشبہ تو ہم کو خوب دیکھنے والا ہے۔ یعنی تو خوب آگاہ ہے کہ ہم صرف تیری رضامندی چاہتے ہیں اور تو ہی داتا ہے کہ تبلیغ و دعوت میں ان چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ تیری درخواست منظور کی گئی۔ یعنی جو تو نے ہم سے مانگا وہ ہم نے تجھ کو دے دیا۔

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرَىٰ ﴿٣٧﴾ إِذْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّكَ مَا يُوحَىٰ ﴿٣٨﴾ أَنِ اقْذِفِيهِ فِي

اور احسان کیا تھا ہم نے تجھ پر ایک بار اور بھی ف ۱ جب حکم بھیجا ہم نے تری ماں کو جو آگے سناتے ہیں ف ۲ کہ ڈال اس کو

اور احسان کیا ہم نے تجھ پر ایک بار اور، جب حکم بھیجا ہم نے تیری ماں کو، جو آگے سناتے ہیں۔ کہ ڈال اس کو

التَّابُوتِ فَاقْذِفِيهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَأْخُذْهُ عَدُوٌّ لِي وَعَدُوٌّ لَهُ ۚ

صندوق میں پھر اس کو ڈال دے دریا میں پھر دریا اس کو لے ڈالے کنارے پر اٹھالے اس کو ایک دشمن میرا اور اس کا ف ۳

صندوق میں، پھر اس کو ڈال دے پانی میں، پھر پانی اس کو لے ڈالے کنارے پر، اٹھا لے اس کو ایک دشمن میرا اور اس کا۔

ف ۱ یعنی ہم تو پہلے ایک مرتبہ بے مانگے تجھ پر بڑا بھاری احسان کر چکے ہیں، پھر اب ایک مناسب چیز مانگنے پر کیوں نہ دیں گے۔

ف ۲ یعنی خواب میں یا بیداری میں بطور الہام کے یا اس زمانہ کے کسی نامعلوم الاسم نبی کی زبانی تیری ماں کو وہ حکم بھیجا۔ جس کا بھیجا جانا مناسب تھا (اس کی تفصیل آگے مذکور ہے۔ "أَنِ اقْذِفِيهِ" الخ)

(تنبیہ) لفظ "ایحاء" سے حضرت موسیٰ کی والدہ کا نبیہ ہونا ثابت نہیں ہوتا جیسا کہ تقریر بالا سے ظاہر ہے۔ نبی وہ ہے جس کی طرف احکام کی وحی آئے =

وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ ۚ وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ ﴿۳۹﴾ اِذْ تَمْشِيْٓ اُخْتُكَ فَتَقُوْلُ هَلْ

اور ڈال دی میں نے تجھ پر محبت اپنی طرف سے ف۱ اور تاکہ پرورش پائے تو میری آنکھ کے سامنے ف۲ جب چلنے لگی تیری بہن اور کہنے لگی میں بتاؤں

اور ڈل دی میں نے تجھ پر محبت اپنی طرف۔ اور تا تیار ہو تو میری آنکھ کے سامنے۔ جب چلنے لگی تمہاری بہن، اور کہنے لگی میں بتاؤں

اَدُلُّكُمْ عَلٰى مَنْ يَّكْفُلُهٗ ؕ فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓى اُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ؕ وَقَتَلْتَ

تم کو ایسا شخص جو اس کو پالے پھر پہنچا دیا ہم نے تجھ کو تیری ماں کے پاس کہ ٹھنڈی رہے اس کی آنکھ اور غم نہ کھائے ف۳ اور تو نے مار ڈالا

تم کو ایک شخص کہ اس کو پالے؟ پھر پہنچایا ہم نے تجھ کو تیری ماں پاس کہ ٹھنڈی رہے اس کی آنکھ اور غم نہ کھاوے۔ اور تو نے مار ڈالی

نَفْسًا فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ۫ فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ ۬ ثُمَّ

ایک شخص کو پھر بچا دیا ہم نے تجھ کو اس غم سے ف۴ اور جانچا ہم نے تجھ کو ایک ذرا جانچنا ف۵ پھر ٹھہرا رہا تو کئی برس مدین والوں میں پھر

ایک جان، پھر نکالا ہم نے تجھ کو اس غم سے اور جانچا تجھ کو ایک ذرہ جانچنا۔ پھر ٹھہرا تو کئی برس مدین والوں میں، پھر

= اور ان کی تبلیغ کا مامور ہو۔ یہاں یہ تعریف صادق نہیں آتی۔

ف۳ یعنی موسیٰ کو (جو اس وقت نوزائیدہ بچہ تھے) صندوق میں رکھ کر صندوق کو دریا میں چھوڑ دے، دریا کو ہمارا حکم ہے کہ اسے بحفاظت تمام ایک خاص کنارہ پر لگائے گا جہاں سے اس کو وہ شخص اٹھالے گا جو میرا بھی دشمن ہے اور اس بچہ کا بھی، واقعہ یہ ہے کہ فرعون اس سال نجومیوں کے کہنے سے بنی اسرائیل کے بیٹوں کو چن چن کر قتل کر رہا تھا۔ جب موسیٰ پیدا ہوئے ان کی والدہ کو خوف ہوا کہ فرعون کے سپاہی خبر پائیں گے تو بچہ کو مار ڈالیں گے اور والدین کو بھی ستائیں گے کہ ظاہر کیوں نہیں کیا۔ اس وقت حق تعالیٰ کی طرف سے یہ تدبیر الہام ہوئی۔ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے صندوق نہر میں ڈال دیا۔ دریا کی ایک شاخ فرعون کے باغ میں گزرتی تھی اس میں سے ہو کر صندوق کنارے جا لگا۔ فرعون کی بیوی حضرت آسیہ نے (جو نہایت پاکباز اسرائیلی خاتون تھی) بچہ کو اٹھا کر فرعون کے سامنے پیش کیا کہ آؤ ہم تم اسے بیٹا بنالیں۔ فرعون کو بھی دیکھ کر محبت آئی۔ گو اس نے بیٹا بنانے سے انکار کیا (جیسا کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے) مگر آسیہ کی خاطر اسے بیٹوں کی طرح پرورش کیا اور اس طرح حق تعالیٰ کی عجیب و غریب قدرت کا ظہور ہوا۔

(تنبیہ) فرعون کو خدا کا دشمن اس لیے کہا کہ وہ حق کا دشمن تھا اور خدا کے بالمقابل خدائی کا دعویٰ کرتا تھا اور موسیٰ کا دشمن اس لیے فرمایا کہ فی الحال تمام اسرائیلی بچوں کے ساتھ سخت دشمنی کر رہا تھا۔ اور آئندہ چل کر خاص موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ علانیہ دشمنی کا اظہار کرنے والا تھا۔

ف۱ یعنی ہم نے اپنی طرف سے اس وقت مخلوق کے دلوں میں تیری محبت ڈال دی کہ جو دیکھے محبت اور پیار کرے یا اپنی ایک خاص محبت تجھ پر ڈال دی کہ تو محبوب خدا بن گیا۔ پھر جس سے خدا محبت کرے بندے بھی محبت کرنے لگتے ہیں۔

ف۲ یعنی لوگوں کے دلوں میں تیری محبت ڈال دینا اس غرض سے تھا کہ ہماری نگرانی و حفاظت میں تیری پرورش کی جائے۔ ایسے سخت دشمن کے گھر میں تربیت پاتے ہوئے بھی کوئی تیرا بال بیکا نہ کر سکے۔

ف۳ پورا قصہ دوسری جگہ آئے گا۔ حضرت موسیٰ کی والدہ صندوق نہر میں چھوڑنے کے بعد بمقتضائے بشریت بہت غمگین اور پریشان تھیں کہ بچہ کا کیا حشر ہوا ہوگا، معلوم نہیں زندہ ہے یا جانوروں نے کھالیا۔ حضرت موسیٰ کی بہن کو کہا کہ خفیہ طور پر پتہ لگا۔ ادھر مشیت ایزدی سے یہ سامان ہوا کہ حضرت موسیٰ کسی عورت کا دودھ نہیں پیتے تھے۔ بہت سی انائیں بلائی گئیں، کامیابی نہ ہوئی۔ موسیٰ کی بہن جو تاک میں لگی ہوئی تھی بولی کہ میں ایک عورت کو لا سکتی ہوں، امید ہے کہ کسی طرح دودھ پلا کر بچہ کو پال سکے گی۔ حکم ہوا بلاؤ۔ وہ موسیٰ کی والدہ کو لے کر پہنچی۔ چھاتی سے لگاتے ہی بچہ نے دودھ پینا شروع کر دیا۔ فرعون کے گھر بڑی خوشیاں منائی جانے لگیں۔ موسیٰ کی والدہ نے کہا کہ میں یہاں نہیں رہ سکتی اجازت دو کہ اپنے گھر میں لے جاؤں اور پوری حفاظت و اہتمام سے بچہ کو پرورش کروں۔ آخر فرعون کی طرف سے بطور دایہ کے بچہ کی تربیت پر مامور ہو کر اپنے گھر لے آئیں اور شاہانہ اعزاز و اکرام کے ساتھ موسیٰ کی تربیت میں لگی رہیں۔

ف۴ یہ پورا قصہ سورۂ قصص میں آئے گا۔ خلاصہ یہ ہے کہ جوان ہونے کے بعد موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے ایک قبطی مارا گیا تھا، موسیٰ علیہ السلام ڈرے کہ دنیا میں پکڑا جاؤں گا اور آخرت میں بھی ماخوذ ہوں گا۔ دونوں قسم کی پریشانی سے خدا تعالیٰ نے نجات دی، اخروی پریشانی سے اس طرح کہ توبہ کی توفیق بخشی جو قبول =

جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى ﴿۴۰﴾ وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِىْ ﴿۴۱﴾ اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِىْ وَلَا

آیا تو تقدیر سے اے موسیٰ ف۱ اور بنایا میں نے تجھ کو خاص اپنے واسطے ف۲ جا، تو اور تیرا بھائی میری نشانیاں لے کر اور

آیا تو تقدیر سے یا موسیٰ۔ اور بنایا میں نے تجھ کو خاص اپنے واسطے۔ جا تو اور تیرا بھائی لے کر میری نشانیاں، اور

تَنِيَا فِىْ ذِكْرِىْ ﴿۴۲﴾ اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿۴۳﴾ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ

سستی نہ کریو میری یاد میں ف۳ جاؤ طرف فرعون کے اس نے بہت سر اٹھایا ف۴ سو کہو اس سے بات نرم شاید وہ سوچے یا

سستی نہ کرو میری یاد میں۔ جاؤ طرف فرعون کے اس نے سر اٹھایا۔ سو کہو اس سے بات نرم، شاید وہ سوچ کرے یا

يَخْشٰى ﴿۴۴﴾ قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ﴿۴۵﴾ قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِىْ

ڈرے ف۵ بولے اے رب ہمارے ہم ڈرتے ہیں کہ بھبک پڑے ہم پر یا جوش میں آ جائے ف۶ فرمایا نہ ڈرو میں ساتھ ہوں

ڈرے۔ بولے، اے رب ہمارے! ہم ڈرتے ہیں کہ بھبکے ہم پر یا جوش میں آوے۔ فرمایا، نہ ڈرو، میں ساتھ ہوں

= ہوگئی اور دنیاوی سے اس طرح کہ موسیٰ علیہ السلام کو مصر سے نکال کر مدین پہنچا دیا جہاں حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی سے ان کا نکاح ہوگیا۔ پورا قصہ دوسری جگہ آئے گا۔

ف۵ یعنی اللہ تعالیٰ نے تم کو کئی طرح جانچا۔ جس میں تم کھرے ثابت ہوئے۔

(تنبیہ) اس موقع پر مفسرین نے حدیث الفتون کے عنوان سے ایک نہایت طویل روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی نقل کی ہے جس کے متعلق حافظ ابن کثیر کے الفاظ یہ ہیں "وهو موقوف من كلام ابن عباس وليس فيه مرفوع الا قليل منه وكانه تلقاه ابن عباس رضي الله عنهما مما ابيح نقله من الاسرائيليات من كعب بن الاحبار وغيره والله اعلم وسمعت شيخنا الحافظ ابا الحجاج المزي يقول ذلك ايضا"

ف۱ یعنی اب مدین سے نکل کر راستہ بھولا اور تقدیر سے یہاں پہنچ گیا جس کا تجھے وہم دگمان بھی نہ تھا، سچ ہے خدا کی۔ دین کا موسیٰ سے پوچھیے احوال۔ کہ آگ لینے کو جائیں پیغمبری مل جائے

ف۲ یعنی اپنی وحی و رسالت کے لیے تیار کر کے اپنے خواص و مقربین میں داخل کیا اور جس طرح خود چاہا تیری پرورش کرائی۔

ف۳ یعنی جس کام کے لیے بنائے گئے ہو، وقت آ گیا ہے کہ اپنے بھائی ہارون کو ساتھ لے کر اس کے لیے نکل کھڑے ہو اور جو دلائل و معجزات تم کو دیے گئے ہیں ضرورت کے وقت ظاہر کرو۔ چونکہ موسیٰ علیہ السلام پیشتر دعا کرتے وقت کہہ چکے تھے ﴿كَیْ نُسَبِّحَكَ كَثِيْرًا وَّنَذْكُرَكَ كَثِيْرًا﴾ یہاں ﴿وَلَا تَنِيَا فِىْ ذِكْرِىْ﴾ کہہ کر وہ بات یاد دلادی۔ یعنی اللہ کے نام کی تبلیغ میں پوری مستعدی دکھلاؤ اور تمام احوال و اوقات میں عموماً اور دعوت تبلیغ کے وقت خصوصاً اللہ کو کثرت سے یاد کرو کہ اہل اللہ کے لیے کامیابی کا بڑا ذریعہ اور دشمن کے مقابلہ میں بہترین ہتھیار یہی ہے۔ حدیث میں ہے۔ "وان عبدي كل عبدي الذي يذكرني وهو مناجز قرنه"

ف۴ پہلے جانے کا حکم دیا تھا۔ اب مقام بتلا دیا کہ کہاں کس کے پاس جانا ہے اور یہ جملہ آگے آنے والے کلام کی تمہید ہے۔

ف۵ یعنی دعوت و تبلیغ وعظ و نصیحت کے وقت نرم، آسان، رقت انگیز اور بلند بات کہو۔ گو اس کے تمرد و طغیان کو دیکھتے ہوئے قبول کی امید نہیں۔ تاہم تم یہ خیال کر کے کہ ممکن ہے کہ وہ کچھ سوچ سمجھ کر نصیحت حاصل کرلے یا اللہ کے جلال و جبروت کو سن کر ڈر جائے اور فرمانبرداری کی طرف جھک پڑے، گفتگو نرمی سے کرو۔ اس سے داعی و مبلغین کے لیے بہت بڑا دستور العمل معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ دوسری جگہ صاف ارشاد ہے۔ ﴿اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ﴾ (نحل، رکوع ۱۶)۔

ف۶ یعنی اس کے ڈرنے کی امید تو بعد کو ہوگی، فی الحال اپنی بے سر و سامانی اور اس کے جاہ و جلال پر نظر کرتے ہوئے ڈرتے ہیں کہ وہ ہماری بات سننے کے لیے بھی آمادہ ہوتا ہے یا نہیں۔ ممکن ہے ہماری پوری بات سننے سے پہلے ہی وہ جھبک پڑے یا سننے کے بعد غصہ میں بپھر جائے اور تیری شان میں زیادہ گستاخی =

مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى ﴿۴۶﴾ فَاْتِيٰهُ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ

تمہارے سنتا ہوں اور دیکھتا ہوں ف۱ سو جاؤ اس کے پاس اور کہو ہم دونوں بھیجے ہوئے ہیں تیرے رب کے سو بھیج دے ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو

تمہارے، سنتا ہوں اور دیکھتا۔ سو جاؤ اس پاس، اور کہو، ہم دونوں بھیجے ہیں تیرے رب کے، سو چلا دے ہمارے ساتھ بنی اسرائیل۔

وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ؕ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ؕ وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ﴿۴۷﴾ اِنَّا قَدْ

اور مت ستا ان کو ف۲ ہم آئے ہیں تیرے پاس نشانی لے کر تیرے رب کی ف۳ اور سلامتی ہو اس کی جو مان لے راہ کی بات ہم کو

اور نہ ستا ان کو، ہم آئے ہیں تیرے پاس نشانی لے کر تیرے رب کی۔ اور سلامتی ہو اس کی جو مانے راہ کی بات۔ ہم کو

اُوْحِيَ اِلَيْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۴۸﴾ قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ﴿۴۹﴾ قَالَ

حکم ملا ہے کہ عذاب اس پر ہے جو جھٹلائے اور منہ پھیر لے ف۴ بولا پھر کون ہے رب تم دونوں کا اے موسیٰ ف۵ کہا

حکم ہوا ہے کہ عذاب اس پر ہے جو جھٹلائے اور منہ پھیرے۔ بولا، پھر کون ہے صاحب تم دونوں کا اے موسیٰ! کہا

رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ﴿۵۰﴾ قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ﴿۵۱﴾ قَالَ

رب ہمارا وہ ہے جس نے دی ہر چیز کو اس کی صورت پھر راہ سجھائی ف۶ بولا پھر کیا حقیقت ہے ان پہلی جماعتوں کی کہا

صاحب ہمارا وہ ہے جس نے دی ہر چیز کو اس کی صورت، پھر راہ سوجھائی۔ بولا پھر کیا حقیقت ہے ان پہلی سنگتوں کی؟ کہا،

= کرنے لگے۔ یا ہم پر دست درازی کرے جس سے اصل مقصد فوت ہو جائے۔

(تنبیہ) موسیٰ علیہ السلام کے اس خوف اور شرح صدر میں کچھ منافات نہیں۔ کاملین بلاء کے نزول سے پہلے ڈرتے ہیں اور استعاذہ کرتے ہیں لیکن جب آ پڑتی ہے اس وقت پورے حوصلہ اور کشادہ دلی سے اس کا مقابلہ کرتے ہیں۔

ف۱ یعنی جو باتیں تمہارے اور اس کے درمیان ہوں گی یا جو معاملات پیش آئیں گے وہ سب میں سنتا ہوں اور دیکھتا ہوں میں کسی وقت تم سے جدا نہیں، میری حمایت و نصرت تمہارے ساتھ ہے۔ گھبرانے اور فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔

ف۲ اس میں تین چیزوں کی طرف دعوت دی گئی۔ (۱) فرعون کا اور سب مخلوقات کا کوئی رب ہے جو رسول بھیجتا ہے (۲) ہم دونوں اس کے رسول ہیں لہٰذا ہماری اطاعت اور رب کی عبادت کرنی چاہیے۔ گویا اس جملہ میں اصل ایمان کی دعوت دی گئی اس کو "نازعات" میں اس طرح ادا کیا ہے۔ ﴿فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى﴾ آگے (۳) تیسری چیز وہ ہے جس کی اس وقت خاص ضرورت تھی۔ یعنی بنی اسرائیل کو فرعونیوں کی ذلت آمیز اور درد انگیز غلامی سے نجات دلانا۔ مطلب یہ ہے کہ اس شریف و نجیب الاصل خاندان پر ظلم و ستم مت توڑ اور ذلیل ترین غلامی سے آزادی دے کر ہمارے ساتھ کر دے۔ جہاں چاہیں آزادانہ زندگی بسر کریں۔

ف۳ یعنی ہمارا دعویٰ رسالت بے دلیل نہیں بلکہ اپنی صداقت پر خدائی نشان لے کر آئے ہیں۔

ف۴ یعنی جو ہماری بات مان کر سیدھی راہ چلے گا اس کے لیے دونوں جہان میں سلامتی ہے۔ اور جو تکذیب یا اعراض کرے گا اس کے لیے عذاب یقینی ہے۔ خواہ صرف آخرت میں یا دنیا میں بھی۔ اب تم اپنا انجام سوچ کر جو راستہ چاہو اختیار کر لو۔

ف۵ یعنی تم اپنے کو جس رب کا بھیجا ہوا بتلاتے ہو وہ رب کون ہے اور کیسا ہے (اس سوال سے مترشح ہوتا ہے کہ فرعون دہری عقیدہ کی طرف مائل ہوگا یا محض دق کرنے کے لیے ایسا سوال کیا ہو)

ف۶ یعنی ہر چیز کو اس کی استعداد کے موافق شکل صورت، قویٰ، خواص وغیرہ عنایت فرمائے۔ اور کمال حکمت سے جیسا بنانا چاہیے تھا بنایا۔ پھر مخلوقات میں سے ہر چیز کے وجود و بقا کے لیے جن سامانوں کی ضرورت تھی، مہیا کیے اور ہر چیز کو اپنی مادی ساخت اور روحانی قوتوں اور خارجی سامانوں سے کام لینے کی راہ =

عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى ﴿۵۲﴾ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ

ان کی خبر میرے رب کے پاس لکھی ہوئی ہے نہ بہکتا ہے میرا رب اور نہ بھولتا ہے ف۱ وہ ہے جس نے بنا دیا تمہارے واسطے زمین کو

ان کی خبر میرے رب کے پاس لکھی ہے۔ نہ بہکتا ہے میرا رب نہ بھولتا ہے۔ وہ ہے، جس نے بنادی تم کو زمین

مَهْدًا وَّسَلَكَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۭ فَاَخْرَجْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْ

بچھونا اور چلائیں تمہارے لئے اس میں راہیں ف۲ اور اتارا آسمان سے پانی پھر نکالی ہم نے اس سے طرح

بچھونا اور چلا دیں تم کو اس میں راہیں، اور اتارا آسمان سے پانی، پھر نکالا ہم نے اس سے بھانت

نَّبَاتٍ شَتّٰى ﴿۵۳﴾ كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ﴿۵۴﴾ مِنْهَا

طرح کی سبزی ف۳ کھاؤ اور چراؤ اپنے چوپایوں کو ف۴ البتہ اس میں نشانیاں ہیں عقل رکھنے والوں کو ف۵ اسی

بھانت سبزہ۔ کھاؤ اور چراؤ اپنے چوپایوں کو، البتہ اس میں پتے ہیں عقل رکھنے والوں کو۔ اس

خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ﴿۵۵﴾

زمین سے ہم نے تم کو بنایا اور اسی میں تم کو پھر پہنچا دیتے ہیں اور اسی سے نکالیں گے تم کو دوسری بار ف۶

زمین سے ہم نے تم کو بنایا، اور اسی میں تم کو پھر ڈالتے ہیں، اور اس سے نکالیں گے تم کو دوسری بار۔

تذکیر انعامات واحسانات

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً اُخْرٰى ... الی ... وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى﴾

= سجھائی۔ پھر ایسا محکم نظام دکھلا کر ہم کو بھی ہدایت کر دی کہ مصنوعات کے وجود سے صانع کے وجود پر کس طرح استدلال کرنا چاہیے فللہ الحمد والمنہ۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں۔ "یعنی کھانے پینے کو ہوش دیا۔ بچہ کو دودھ پینا وہ نہ سکھائے تو کوئی نہ سکھا سکے۔"

ف۱ یعنی اگر خدا تعالیٰ کے وجود پر ایسی روشن دلیلیں قائم ہو چکی ہیں اور جس چیز کی طرف تم بلاتے ہو، وہ حق ہے تو گزشتہ اقوام کے تفصیلی حالات تم کو ضرور معلوم ہونے چاہئیں یہ سب لایعنی اور دور دراز کا رقصے فرعون نے اس لیے چھیڑے کہ حضرت موسیٰ کے مضامین ہدایت کو ان فضول باتوں میں رلا دے۔ حضرت موسیٰ نے فرمادیا کہ پیغمبر کو تمام چیزوں کا تفصیلی علم ہونا ضروری نہیں، ہر قوم کے حالات کا تفصیلی علم حق تعالیٰ کو ہے جو بعض مخفی مصالح کی بناء پر کتاب (لوح محفوظ) میں ثبت بھی کر دیا گیا۔ اللہ کے علم سے نہ کوئی چیز ابتداءً غائب ہو سکتی ہے اور نہ علم میں آئی ہوئی چیز کو ایک سیکنڈ کے لیے بھول سکتا ہے۔ جو اعمال کسی قوم نے کسی وقت کیے ہیں سب کا ذرہ ذرہ حساب لکھا ہوا موجود ہے جو وقت پر پیش کر دیا جائے گا۔

ف۲ یعنی وادیوں دریاؤں اور پہاڑوں کے بیچ میں سے زمین پر راہیں نکال دیں جن پر چل کر ایک ملک سے دوسرے ملک میں پہنچ سکتے ہو۔

ف۳ یعنی پانی کے ذریعہ سے طرح طرح کی سبزیاں، غلے اور پھل پھول پیدا کر دیئے۔

ف۴ یعنی عمدہ غذائیں تم کھاتے ہو، جو تمہارے کام کی نہیں وہ اپنے مویشیوں کو کھلاتے ہو جن کی محنت سے ساری پیداوار حاصل ہوئی ہے۔

ف۵ یہ فرمایا ہے دہریوں کی آنکھ کھولنے کو یعنی اس کی تدبیریں اور قدرتیں دیکھو۔ اگر عقل ہے تو سمجھ لو گے کہ یہ مضبوط ومحکم انتظامات یوں ہی بخت واتفاق سے قائم نہیں ہو سکتے۔ گویا ان آیات میں وجود باری اور توحید کی طرف توجہ دلائی۔ آگے معاد کا ذکر ہے۔

ف۶ سب کے باپ آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کیے گئے۔ پھر جن غذاؤں سے آدمی کا بدن پرورش پاتا ہے وہ بھی مٹی سے نکلتی ہیں، مرنے کے بعد بھی عام آدمیوں کو جلد یا بدیر مٹی میں مل جانا ہے۔ اسی طرح حشر کے وقت بھی ان اجزاء کو جو مٹی میں مل گئے تھے دوبارہ جمع کر کے از سر نو پیدا کر دیا جائے گا اور جو قبروں میں مدفون تھے وہ ان سے باہر نکالے جائیں گے۔

ربط:...... یہاں سے حق تعالیٰ اپنے وہ انعامات اور احسانات موسیٰ علیہ السلام کو یاد دلاتے ہیں کہ جو نبوت سے پہلے ان پر کیے تھے تا کہ ان کا دل مضبوط ہو جائے اور سمجھ لیں کہ جب نبوت سے پہلے حق تعالیٰ نے مجھ پر اتنے احسانات کیے اور طرح طرح کے مصائب سے مجھ کو بچایا تو اب بدرجہ اولیٰ میری حفاظت فرمائیں گے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اے موسیٰ اس واقعہ سے پہلے بھی ہم آپ پر آپ کے بلا سوال اور بلا درخواست کے بار بار احسان کر چکے ہیں تو اب تجھے سوال اور درخواست کے بعد کیوں محروم کریں گے اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے آٹھ احسان ذکر فرمائے۔

پہلا احسان

جب کہ ہم نے تیری ماں کی طرف وحی بھیجی تھی جو اب تیری طرف بھیجی جاتی ہے جو اس لائق اور قابل ذکر ہے کہ آپ علیہ السلام کی طرف بھیجی جائے اور آپ کو سنائی جائے اور وحی سے وحی الہام مراد ہے۔ وحی نبوت مراد نہیں جیسا کہ واوحی ربك الى النحل میں وحی سے الہام مراد ہے اور وہ وحی یہ تھی کہ اس موسیٰ علیہ السلام کو جلادوں سے بچانے کے لیے صندوق میں لٹا کر اس صندوق کو دریائے نیل میں پھینک دے۔ پھر وہ دریا اس کو کنارہ پر لے جا کر ڈال دے۔ جس کی ایک شاخ فرعون کے محل تک پہنچتی ہے جب یہ صندوق وہاں پہنچ جائے تو اس کو ایسا شخص اٹھا لے گا جو میرا بھی دشمن ہے اور اس کا بھی دشمن ہے۔

جس کا واقعہ یہ ہے کہ فرعون نے خواب میں دیکھا کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو اس کو اور اس کی سلطنت کو غارت کرے گا۔ اس لیے بنی اسرائیل میں جو لڑکا پیدا ہوتا فرعون اس کو قتل کرا دیتا۔ جب موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو ان کی والدہ محترمہ کو (جن کا نام یوحانذ تھا)۔ خوف ہوا کہ فرعون کے سپاہی اگر خبر پاویں گے تو بچہ کو مار ڈالیں گے خدا تعالیٰ نے ان کو یہ الہام کیا کہ اس بچہ کو ایک صندوق میں لٹا کر اور اس کو مقفل کر کے دریائے نیل میں ڈال دے۔ ہم اس کو اپنے اور اس کے دشمن فرعون سے ملوائیں گے۔ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کو ایک صندوق میں رکھ دیا دریائے نیل میں ڈال دیا۔ دریائے نیل کی ایک شاخ فرعون کے باغ میں جاتی تھی وہ صندوق بہتا بہتا اس باغ میں پہنچ گیا۔ فرعون اپنی بیوی آسیہ سمیت نہر کے کنارے پر بیٹھا تھا۔ جب وہ صندوق اس کی نظر پر پڑا تو اس کو نکلوایا کھول کر دیکھا تو اس میں ایک خوبصورت لڑکا پایا۔ فرعون کو اور اس کی بیوی کو دونوں کو اس سے محبت ہو گئی بیٹا بنا کر اس کو پالا جس سے خدا کی قدرت اور اس کی غیبی حفاظت کا کرشمہ ظاہر ہوا۔

در بہ بست و دشمن اندر کانہ بود
قصہ فرعون زیں افسانہ بود

دوسرا احسان

اور اے موسیٰ علیہ السلام ایک احسان میں نے تجھ پر یہ کیا کہ اپنی جانب سے تجھ پر محبت ڈال دی جو تجھے دیکھے وہ تجھ پر ایسا فریفتہ ہو جائے کہ صبر بھی نہ کر سکے۔

تیسرا احسان

اور تا کہ تو میری آنکھ کے سامنے پرورش کیا جائے یعنی تا کہ تیری پرورش میری نگرانی اور نگہبانی میں ہو۔

چوتھا احسان

اس وقت کا ہے کہ جب تیری بہن مریم بنت عمران تیری تلاش میں تیرا حال معلوم کرنے کے لئے فرعون کے گھر چلی جارہی تھی پھر فرعون کے گھر پہنچ کر کہہ رہی تھی کہ کہو تو میں تم کو ایسی عورت بتلادوں جو اس بچہ کی پرورش کی کفیل ہوجائے۔

جب موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے بالہام خداوندی موسیٰ علیہ السلام کے صندوق کو دریا میں ڈال دیا تو بمقتضائے بشریت رنجیدہ اور غمگین ہوئیں کہ معلوم نہیں کہ بچہ کا کیا حشر ہوگا۔ ادھر یہ قصہ پیش آیا کہ وہ صندوق فرعون کے محل پر پہنچ گیا اور موسیٰ علیہ السلام اس میں سے نکال لئے گئے اور یہ قرار پایا کہ ان کو بیٹا بنالیا جائے تو حضرت آسیہ علیہا السلام کی توجہ سے دودھ پلانے کے لئے دائیوں کی تلاش شروع ہوئی۔ مگر موسیٰ علیہ السلام نے کسی کا دودھ نہ پیا۔ کما قال اللہ تعالیٰ ﴿وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ﴾ یعنی ہم نے تمام دودھ پلانے والیوں کو ان پر حرام کردیا۔ اب آسیہ علیہا السلام کو یہ فکر ہوئی کہ اب اس لڑکے کو کس طرح پالیں اور ادھر یہ ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کی بہن ان کی تلاش میں وہاں جا پہنچیں جن کو ان کی تلاش تھی۔ موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے جب یہ دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام کسی عورت کا پستان منہ میں نہیں لیتے تو اس وقت ان کی بہن بولیں کہ کیا میں تم کو ایسے گھرانے کا پتہ نہ بتلادو کہ جو اس کی پرورش کی کفالت بھی کریں اور اس کے خیر خواہ بھی ہوں۔ فرعون کے گھر والوں نے کہا کہ لاؤ موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے ان کی والدہ کو لے جاکر حاضر کردیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان کی پستان کو قبول کرلیا۔ فرعون کے گھر والے بہت خوش ہوئے۔ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے کہا کہ میں اپنا گھر چھوڑ کر یہاں نہیں رہ سکتی اگر آپ اجازت دیں تو اپنے گھر رہ کر دودھ پلاسکتی ہوں آسیہ نے اس کو منظور کرلیا اور کہا کہ اچھا کبھی کبھی لاکر مجھ کو دکھلا دیا کرو۔ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے اس کو مان لیا اور آسیہ علیہا السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کی گود میں دے دیا اور وہ ان کو اپنی گود میں لے کر وہاں سے چلیں۔

پس اس تدبیر سے ہم نے اے موسیٰ تم کو تمہاری ماں کی طرف لوٹا دیا۔ تا کہ تیرے دیدار سے اس کی آنکھ ٹھنڈی ہو۔ اور تیرے فراق سے غمگین نہ ہو اس طرح اولاد کو صندوق میں بند کرکے دریا میں ڈال دینا کوئی معمولی چیز نہیں جس پر صدمہ اور غم نہ ہو۔

پانچواں احسان

اور بڑے ہونے کے بعد ایک اور احسان کیا وہ یہ کہ تم نے ایک جان کو مار ڈالا۔ یعنی ایک قبطی کو جب وہ اسرائیلی کو مارتا تھا تم نے اس کے ایک گھونسا مارا جس سے وہ قبطی مرگیا پس ہم نے تم کو قصاص کے غم سے نجات دی اس طرح سے کہ تم کو مصر سے مدین پہنچا دیا۔

چھٹا احسان

اور طرح طرح سے تم کو قسم قسم کے فتنوں اور آزمائشوں میں ڈالا اور پھر سب سے تم کو خلاصی دی۔

ساتواں احسان

پھر جب تو قبطی کو قتل کرکے مصر سے مدین پہنچا تو کئی سال امن وامان کے ساتھ مدین والوں میں رہا "مدین"

---

❶ کذا فی روح المعانی: ۱۶/ ۱۷۰

شعیب علیہ السلام کا شہر ہے۔ مصر سے آٹھ منزل پر ہے۔ جب قصاص کے ڈر سے مدین بھاگے تو وہاں شعیب علیہ السلام کے پاس رہنا نصیب ہوا۔ شعیب علیہ السلام نے اس شرط پر کہ آٹھ یا دس سال تک ان کی بکریاں چرائیں۔ اپنی صاحبزادی صفوراء سے ان کا عقد کر دیا۔ پھر مصر واپس آئے۔ یہ سب حق تعالیٰ کا موسیٰ علیہ السلام پر انعام تھا۔

آٹھواں احسان

پھر اے موسیٰ تو اللہ کی تقدیر اور اس کے اندازہ کے مطابق جو اللہ نے مقرر کیا تھا۔ ایک میدان میں پہنچا وہاں ہم نے تجھ سے کلام کیا اور تجھ کو اپنی ذات کے لیے خاص کر لیا۔ یعنی تجھ کو نبوت و رسالت اور کلام اور وحی کے لیے منتخب کیا اور تجھ کو اپنا محب اور مخلص بنا لیا تا کہ تو میری مرضی کے مطابق میرا کام انجام دے۔ میں نے تجھ کو اپنے اور اپنی مخلوق کے درمیان اپنا سفیر اور ترجمان بنایا اور تجھ کو نشانات اور معجزات عطا کیے۔ لہٰذا تو اور تیرا بھائی میری نشانیاں لے کر فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس جاؤ اور ان کو دعوت و تبلیغ کرو اور میری یاد میں سستی نہ کرو۔ کسی وقت میری یاد سے غافل نہ ہو یعنی پوری مستعدی کے ساتھ تبلیغ کرو اور میری یاد میں سستی نہ کرو۔ تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ تحقیق وہ دعویٰ ربوبیت کر کے حد سے گزر گیا ہے۔ پھر تم دونوں اس سے نرمی سے بات کرو۔ اس کے ساتھ سختی کے ساتھ بات نہ کرو اور اس کے حق پرورش کی رعایت کرو۔ اور اس کی ظاہری بادشاہت کے ادب کو ملحوظ رکھو اور نرمی عموماً نصیحت میں مفید ہوتی ہے۔ اور سختی سے دل پر اثر نہیں ہوتا۔ شاید وہ نصیحت پکڑ لے یعنی ایمان لے آئے یا کم از کم عذاب الٰہی سے ڈر جائے۔ یہ دعوت و تبلیغ کے دستور العمل کی طرف اشارہ ہے کما قال اللہ تعالیٰ ﴿اُدۡعُ اِلٰى سَبِيۡلِ رَبِّكَ بِالۡحِكۡمَةِ وَالۡمَوۡعِظَةِ الۡحَسَنَةِ وَجَادِلۡهُمۡ بِالَّتِىۡ هِىَ اَحۡسَنُ﴾۔

نکتہ:...... خدا تعالیٰ کو قطعی طور پر معلوم تھا کہ فرعون ایمان نہیں لائے گا لفظ لعل جس کے معنی شاید کے ہیں وہ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کی نسبت سے ہے ان کو معلوم نہ تھا۔ ان کے اعتبار سے کلمہ امید فرمایا اور خدا تعالیٰ نے باوجود علم ازلی کے فرعون ایمان نہیں لائے گا۔ پھر اس کو دعوت دینا اتمام حجت کے لئے تھا کہ قیامت کے دن یہ عذر نہ کر سکے کہ میرے پاس کوئی رسول نہیں آیا۔

الغرض جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو فرعون کے پاس جانے کا حکم دیا تو دونوں نے عرض کیا کہ اے ہمارے پروردگار ہم اپنی بے سروسامانی کی وجہ سے اس بات سے ڈرتے ہیں کہ وہ تبلیغ و دعوت سے پہلے ہی عقوبت میں جلدی نہ کر بیٹھے کہ نہ تیرا پیغام سنا سکیں اور نہ کوئی معجزہ ہی دکھلا سکیں اس سے پہلے ہی وہ ہم کو ہلاک کر دے۔ یا تکلیف اور ایذا رسانی میں حد سے گزر جائے۔ حتیٰ کہ تیری بارگاہ میں گستاخی اور بے ادبی کر بیٹھے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم دونوں بالکل نہ ڈرو تحقیق میں تمہارے ساتھ ہوں۔ یعنی میری حفاظت اور نصرت تمہارے ساتھ ہے۔ میں تمہاری دعا سنتا ہوں۔ اور تمہارا حال دیکھتا ہوں۔ تم سے جدا اور غافل نہیں۔ تم بے فکر رہو کچھ غم نہ کرو۔ پس بے خوف و خطر اس کے پاس جاؤ پھر کہو کہ ہم تیرے پروردگار کے بھیجے ہوئے ہیں۔ اس کا پیغام اور حکم لے کر تیرے پاس آئے ہیں۔ پس اول تو ہم پر ایمان لا تا کہ تو اپنے

رب کے غضب سے محفوظ ہو جائے۔ پھر تو اپنے ظلم و ستم سے باز آ جا۔ اور بنی اسرائیل کو اپنی قید سے رہا کر کے ہمارے ساتھ بھیج دے تاکہ ہم ان کو ان کے آبائی وطن ملک شام میں لے جائیں۔ اور ان کو مت ستا۔ فرعون بنی اسرائیل سے مشقت اور ذلت کا کام لیتا۔ جیسے نہر کھودنا اور کوڑا کرکٹ ان سے اٹھوانا اور طرح طرح سے ان سے بیگار لینا جس کی وجہ صرف یہ تھی کہ یہ لوگ اس کی ربوبیت کو نہیں مانتے تھے اور دین ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب اور یوسف علیہم السلام پر قائم تھے۔ اس عداوت میں بنی اسرائیل کو طرح طرح سے تکلیفیں پہنچاتا اور ذلیل و خوار کرتا اس لیے موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا کہ تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے تاکہ ہم ارض مقدس میں واپس چلے جائیں جو ہمارے بزرگوں کے رہنے کی جگہ ہے۔

الغرض ہم دونوں تیرے پروردگار کے رسول ہیں جن کا بے چون و چرا اتباع تجھ پر واجب ہے پس اولاً تو ہم پر ایمان لا اور ہم کو پروردگار کا رسول برحق مان اور پھر بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے۔

تحقیق ہم اپنی نبوت و رسالت کے لیے تیرے پروردگار کے پاس سے ایک روشن نشان اور واضح برہان لے کر آئے ہیں۔ یعنی ایک معجزہ لے کر آئے ہیں۔ جس کے مقابلہ سے تو عاجز ہوگا اور یہ معجزہ ہمارے دعویٰ نبوت و رسالت کی نشانی ہوگی اور سلامتی ہے اس شخص پر کہ جس نے راہ ہدایت کی پیروی کی۔ یعنی جو ایمان لایا اور حق کا پیرو بنا اور صراط مستقیم پر چلا۔

تحقیق ہم پر ہمارے پروردگار کی طرف سے یہ وحی بھیجی گئی کہ عذاب ہے اس شخص پر جس نے حق کو جھٹلایا اور حق سے منہ موڑا۔ القصہ دونوں نے اللہ تعالیٰ کو پیغام پہنچا دیا۔

ربوبیت خداوندی پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کے ساتھ مکالمہ

پس یہ دونوں حضرات حسب حکم خداوندی فرعون کے پاس پہنچے اور اس کو حق تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا تو اس پر فرعون بولا اے موسیٰ تم دونوں بھائیوں کا رب کون ہے جس نے تم کو رسول بنا کر بھیجا ہے یعنی جب موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام حق تعالیٰ کا پیغام لے کر فرعون کے پاس گئے اور جا کر اس سے یہ کہا ﴿اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ﴾ یعنی ہم دونوں تیرے رب کے رسول اور فرستادہ ہیں۔ تو فرعون نے یہ سوال کیا۔ ﴿فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى﴾ یعنی اچھا تم دونوں یہ بتاؤ کہ تمہارا رب کون ہے جس کے تم فرستادہ اور پیغمبر ہو اور جس کے عذاب سے تم مجھ کو ڈراتے ہو۔ کیونکہ میں اپنے سوا کسی کو رب نہیں جانتا ﴿مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ﴾ فرعون خالق اور معبود کے وجود کا منکر تھا۔ اور یہ کہتا تھا کہ میں اپنے سوا کسی کو رب نہیں جانتا اور اے موسیٰ تیرا رب بھی میں ہی ہوں۔ تو نے میرے گھر میں پرورش پائی ہے۔

فرعون دہری عقیدہ کا تھا۔ منکر خدا تھا۔ سرے سے خالق اور صانع عالم کا قائل نہ تھا۔ اور یہ سمجھتا تھا کہ یہ کارخانہ عالم خودرو کارخانہ ہے۔ قدیم سے اسی طرح چل رہا ہے اور اسی طرح چلتا رہے گا۔ لوگ خود بخود پیدا ہوتے ہیں اور پھر مر کر گل سڑ جاتے ہیں اور ریزہ ریزہ ہو کر فنا ہو جاتے ہیں۔ سارے عالم کو خودرو گھاس کی طرح سمجھتا تھا کہ خود بخود موسم برسات میں اگا اور پھر چند روز بعد خشک ہو کر ختم ہو گیا۔

فرعون کا گمان یہ تھا کہ جو شخص جس خطہ زمین کا فرماں روا ہو گیا وہی اس کا رب ہے اس لیے از راہ تکبر و تجبر اپنی

الوہیت اور ربوبیت کا مدعی تھا اس لیے یہ بولا کہ میں اپنے سوا تمہارا کوئی رب نہیں جانتا پھر وہ کون رب ہے جس کا تم اپنے کو رسول بتاتے ہو۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی اس بات کا جواب دیا اور دلائل اور براہین سے وجود صانع کو ثابت کیا اور کہا کہ ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر شے کو اس کا وجود عطا کیا اور اس کو اس کی خاص صورت اور خاص شکل دی۔ جو اس کے علم ازل میں اس کی جنسی اور نوعی استعداد کے لائق اور مناسب تھی تاکہ ایک شئے دوسری شئے سے متمیز ہو سکے۔ پھر وجود عطا کرنے کے بعد ہر شئے کو اس کے اسباب بقاء کی طرف رہنمائی کی۔ ہر چیز پیدا ہوتے ہی بقا کا ذریعہ ڈھونڈنے لگتی ہے۔ مرغی کا بچہ زمین پر چونچ مارتا ہے اور انسان کا بچہ ماں کے پستان کو ڈھونڈھنے لگتا ہے۔ پیدا ہوتے ہی کھانے پینے کا ہوش آجاتا ہے۔ یہ ہوش کہاں سے آیا۔ اور کس نے سکھایا اور جانوروں کا تو یہ حال ہے کہ ہر جانور کو ابتداء پیدائش ہی سے یہ علم ہو جاتا ہے کہ جنگل کا کون سا گھاس اور کس درخت کے پتے میرے لیے مفید ہیں اور کون سے مضر ہیں۔ مفید کو کھاتا ہے اور مضر سے بچتا ہے۔ اور جب بیمار ہوتا ہے تو خود ہی مختلف قسم کے نباتات کھا کر اپنا علاج کر لیتا ہے حالانکہ جانور کسی میڈیکل کالج کا تعلیم یافتہ نہیں ہوتا۔ پس خدا وہ ہے کہ جو ہر چیز کو اس کا خاص وجود اور اس کو خاص صورت اور خاص شکل عطا کرے۔ پھر وجود عطا کرنے کے بعد اس کو اپنے منافع اور مضار القاء اور الہام کرے اور ظاہر ہے کہ فرعون نہ کسی کو وجود عطا کرنے پر قادر ہے اور نہ کسی کو خاص صورت اور خاص شکل دینے پر قادر ہے۔ فرعون موسیٰ علیہ السلام کا یہ جواب سرتاپا صدق وصواب سن کر ایسا ششدر و حیران اور مبہوت رہ گیا کہ کچھ بول ہی نہ سکا۔ اور نہ اس استدلال پر کوئی اعتراض کر سکا اس لیے اس وقت اس کو یہ سوجھا کہ بات کا رخ دوسری طرف پلٹ دیا جائے اس لیے اس نے رخ بدل کر یہ سوال کیا ﴿فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى﴾ جب تم یہ کہتے ہو کہ ﴿اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى﴾ تحقیق اللہ کا عذاب ہے ہر اس شخص پر جو حق کو جھٹلا دے اور اس سے منہ پھیر لے۔

لہٰذا اگر تم پیغمبر خدا ہو تو یہ بتلاؤ کہ پہلی امتوں کا کیا حال ہے جو مر چکی ہیں اور جنہوں نے پیغمبروں کی تکذیب کی اور ان کے روشن دلائل سے انحراف کیا وہ لوگ تو بت پرست تھے اور حشر ونشر اور جزاء وسزا کے منکر تھے اور ان باتوں کے قائل نہ تھے جن کی طرف تم دعوت دیتے ہو کیا وہ تمہارے ان دلائل سے غافل اور بے خبر تھے۔ تمہارے قول کے مطابق بتلاؤ کہ ان پر کیا عذاب آیا۔ اور بتلاؤ کہ ان کا حشر ونشر کس طرح ہوگا اور ان کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا۔ اور اب تو ان کی ہڈیوں کا بھی نام ونشان نہیں رہا۔ ان کا حشر کسی طرح ہوگا۔ اگر تم پیغمبر خدا ہو تو تم کو ان کی تفصیلی حالات معلوم ہونے چاہئیں۔ لہٰذا بتلاؤ کہ گزشتہ قومیں اب کس حال میں ہیں جنت میں ہیں یا دوزخ میں ہیں۔

فرعون نے یہ فضول اور لایعنی باتیں اس لیے چھیڑیں کہ اصل مسئلہ (وجود صانع) کو ادھر ادھر کی باتوں میں رلا دے۔

موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ گزشتہ امتوں کے اعمال اور احوال اور ان کے انجام اور مآل کا تفصیلی علم تو میرے پروردگار کے پاس ایک کتاب میں لکھا ہوا محفوظ ہے۔ جس میں ان کے کل اعمال وافعال درج ہیں قیامت کے دن ہر شخص کو خدا کے روبرو حاضر کیا جائے گا اور اس کے اعمال کے مطابق اس کو جزا ملے گی اور کتاب سے مراد یا تو لوح محفوظ ہے یا نامہ اعمال ہے اور پیغمبر کو تمام چیزوں کا علم تفصیلی ضروری نہیں۔ غیب کا علم اللہ کو ہے۔ مجھے تو صرف اتنی چیز کا علم ہوتا ہے جتنا کہ حق تعالیٰ مجھ کو بذریعہ وحی کے بتلا دے۔

مطلب یہ ہے کہ اجمالی طور پر تو میں نے پہلے ہی تجھ کو بتلا دیا تھا کہ جب گزشتہ امتوں نے پیغمبروں کی تکذیب کی ان پر دنیا میں عذاب آیا جیسا کہ میں نے پہلے ہی ﴿أَنَّ الْعَذَابَ عَلَىٰ مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ﴾ میں اجمالی طور پر اشارہ کر دیا تھا کہ وہ لوگ عذاب میں ہلاک ہوئے تم بھی اپنا انجام سوچ لو باقی یہ امر کہ امم سابقہ پر کیا کیا گزرا اور آئندہ قیامت کے دن ان کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا یہ منجملہ علم غیب کے ہے۔ اور غیب کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ اللہ ہی کو اس کی تفصیل معلوم ہے۔ اس کو نہ تو جانتا ہے اور نہ میں جانتا ہوں اور امم سابقہ کے احوال کے علم کو منصب نبوت و رسالت سے تعلق نہیں۔

پیغمبر کو گزشتہ قوموں کے احوال کا تفصیلی علم ضروری نہیں انبیاء غیب دان نہیں ہوتے۔ عالم الغیب صرف حق تعالیٰ ہے انبیاء کا کام دین اور شریعت کے احکام کو بتانا ہے۔ خدا تعالیٰ بذریعہ وحی کے جتنا اپنے نبی کو بتلا دیتا ہے اتنی بات سے وہ نبی بندوں کو آگاہ کر دیتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی جتنی حکمت اور مصلحت ہوتی ہے اتنی بات ظاہر کر دی جاتی ہے باقی پوشیدہ رکھی جاتی ہے۔ جن باتوں کا تو نے سوال کیا ہے ان کا منصب نبوت و رسالت سے تعلق نہیں۔ میرا کام ہدایت اور تبلیغ اور دعوت اور احکام شریعت کو بیان کرنا ہے۔ امم سابقہ کے احوال کی تفصیل میری بعثت کے اغراض اور مقاصد سے نہیں اور کسی نبی کا غیب کا نہ جاننا نبوت و رسالت میں قادح نہیں۔ نبوت نام ہے سرف پیغام رسانی کا پیغمبر کے ذمے صرف ہدایت اور بیان احکام ہے۔ پوشیدہ امور اور گزشتہ احوال کا بیان کرنا اس کے ذمہ نہیں۔ یہ تمام کلام امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کی تشریح اور تفصیل ہے (دیکھو تفسیر کبیر [1]: ۶/ ۴۹ اور دیکھو تفسیر روح المعانی: ۱۶/ ۱۸۴)

---

[1] قال الامام الرازی، واما قوله تعالیٰ ﴿قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُونِ الْأُولَىٰ﴾ فاعلم ان فی ارتباط هذا الکلام بما قبله وجوه۔ والاظهر ان فرعون لما قال ﴿فَمَن رَّبُّكُمَا يَا مُوسَىٰ﴾ فذکر موسیٰ علیه السلام دلیلا ظاهراً وبرهانا باهرا علی هذا المطلوب فقال ﴿رَبُّنَا الَّذِي أَعْطَىٰ كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَىٰ﴾ فخاف فرعون ان یزید فی تقریر تلک الحجة۔ فظهر للناس صدقه وفساد طریق فرعون فاراد ان یصرف عن ذٰلک الکلام وان یشغله بالحکایات فقال فما بال القرون الاولیٰ فلم یلتفت موسیٰ علیه السلام الیٰ ذلک بل قال ﴿عِلْمُهَا عِندَ رَبِّي فِي كِتَابٍ﴾ ولا یتعلق غرضی باحوالهم فلا اشتغل بها ثم عاد الی تتمیم کلامه الاول وایراد الدلائل الباهرة علی الوحدانیة فقال ﴿الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ مَهْدًا﴾ الاٰیات وهذا الوجه المعتمد فی صحة هذا النظم۔ انتهیٰ کلامه (تفسیر کبیر: ۶/ ۴۹)

قال الاٰلوسی رحمه الله لما شاهد اللعین ما نظمه علیه السلام فی سلک الجواب من البرهان النیر خاف ان یظهر للناس حقیة مقالاته علیه السلام وبطلان خرافات نفسه ظهوراً بینا اراد ان یصرفه علیه السلام عن سننه الی ما لا یعنیه من الامور التی لا تعلّق لها فی نفس الامر بالرسالة من الحکایات موهما ان لها تعلق بذٰلک ویشغله عما هو بصدده عسیٰ ان یظهر فیه نوع غفلة فیتسلق بذٰلک الی ان یدعی بین یدی قومه نوع معرفة فقال ﴿فَمَا بَالُ الْقُرُونِ الْأُولَىٰ﴾ والفاء لتفریع ما بعدها علی دعوی الرسالة اذا کنت رسولا فاخبرنی ما حال القرون الماضیة والامم الخالیة وماذا جری علیهم من الحوادث المفصلة۔ قال موسیٰ علیه السلام ﴿عِلْمُهَا عِندَ رَبِّي﴾ ای ان ذٰلک من الغیوب التی لا یعلمها الا الله تعالیٰ وانما انا عبد لا اعلم منها الا ما علمنیه من الامور المتعلقة بالرسالة والعلم باحوال القرون وما جری علیهم علی التفصیل مما لا ملابسة فیه بمنصب الرسالة کما زعمت۔ (روح المعانی: ۱۶/ ۱۸۴)

اور علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تمام تفسیر شیخ الاسلام ابوالسعود رحمۃ اللہ علیہ سے ماخوذ ہے۔ جیسا کہ علامہ آلوسی کی عادت ہے کہ ان کا زیادہ اعتماد شیخ الاسلام ابوالسعود کی تفسیر پر ہوتا ہے اور حکیم الامۃ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ بھی اپنی تفسیر میں تفسیر روح المعانی اور تفسیر ابوالسعود کے طریقہ پر چلتے ہیں۔ واللہ اعلم

تفسیر آیت مذکورہ بعنوان دیگر

موسیٰ علیہ السلام نے جب وجود صانع پر ایسے واضح اور روشن دلائل قائم کیے کہ جن کا جواب ممکن نہیں تو فرعون گھبرا گیا اور اس کو ڈر ہوا کہ میری قوم ان روشن دلائل کو سن کر موسیٰ علیہ السلام کی تصدیق نہ کر دے اور مجھے چھوڑ کر اس رب معبود کو طرف نہ جھک جائے کہ جس کی طرف موسیٰ علیہ السلام دعوت دے رہے ہیں اس لیے فرعون نے بات کاٹ کر لایعنی امور یعنی قصوں اور کہانیوں کا ذکر چھیڑ دیا جس کا نبوت و رسالت سے تعلق نہیں اور موسیٰ علیہ السلام کو دق کرنے کے لیے یہ سوال کیا کہ اچھا جو شخص تمہارے نزدیک تکذیب کرے وہ مستحق عذاب ہے تو بتلاؤ کہ پہلی قوموں کا کیا حال ہوا؟ جو تکذیب کرتے تھے۔ اس سوال میں فرعون کی ایک غرض یہ تھی کہ موسیٰ علیہ السلام صاف طور پر یہ کہہ دیں کہ وہ سب دوزخی تھے تو وہ لوگ مشتعل ہو جائیں اور موسیٰ علیہ السلام سے بگڑ جائیں کہ یہ شخص تو ہمارے آباؤ اجداد کو دوزخی بتلاتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان کے علم کو اللہ تعالیٰ کے حوالہ کر دیا جس سے اس کا مطلب حاصل نہ ہو سکا۔

غرض یہ کہ فرعون نے اس ڈر کے مارے کہ اس کی قوم موسیٰ علیہ السلام کی تقریر سراپا تنویر کی طرف نہ جھک پڑے اس لیے اس نے اس بات (یعنی مسئلہ الوہیت و ربوبیت) کو چھوڑ کر دوسری بات شروع کر دی اور اگلوں کا حال پوچھنا شروع کر دیا۔ فرعون بڑا ظالم اور متکبر اور جبار تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کی تقریر دلپذیر و دلگیر کو سن کر نہ تو ان کو قتل کیا اور نہ ان کو گرفتار کیا۔ بلکہ گھبرا کر مناظرہ اور بحث کی راہ سے ہٹ کر دوسری راہ اختیار کی اور سوال کیا کہ اگر تم پیغمبر خدا ہو تو پہلی قوموں کے تفصیلی حالات بتاؤ کہ جو انبیاء کے مکذب اور حشر و نشر کے منکر تھے ان کا کیا حال ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام کو دق کرنے کے لئے یہ سوال کیا تاکہ اپنی قوم پر یہ بات واضح کر دے کہ اس کے پاس بھی بڑا علم و معرفت ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے جواب دے دیا کہ علم غیب اللہ ہی کے ساتھ مخصوص ہے اور تمام چیزوں کا تفصیلی علم اللہ ہی کو ہے۔ پیغمبر کو تمام چیزوں کا تفصیلی علم ہونا نہ ضروری اور نہ منصب نبوت و رسالت سے اس کا کچھ تعلق ہے تو پھر کس لیے ان لایعنی باتوں کا مجھ سے سوال کرتا ہے۔ تجھ کو چاہئے کہ تو ان دوراز کار باتوں میں جانے کے بجائے ان دلائل اور براہین پر غور کرے جو میں نے تیرے سامنے بیان کی ہیں تاکہ تجھ پر خدا کی ربوبیت اور تیری عبدیت اور عاجزی اور درماندگی ظاہر ہو۔

خلاصہ کلام یہ کہ موسیٰ علیہ السلام نے گزشتہ قوموں کے اعمال اور ان کے انجام کے علم کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ایک کتاب (لوح محفوظ یا نامہ اعمال) ہے جس میں ان کے تمام اعمال محفوظ ہیں۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کو ان کے اعمال کے مطابق جزا دے گا۔ اور پھر فرمایا کہ میرا پروردگار ایسا علیم و خبیر ہے کہ اس کو لکھنے کی ضرورت نہیں اس لیے کہ میرا پروردگار نہ غلطی کرتا ہے اور نہ بھولتا ہے اس کا علم سہو و نسیان اور خطا اور غلطی سے پاک اور منزہ ہے۔ اس کو لکھنے کی ذرہ برابر ضرورت نہیں البتہ اتمام حجت کے لیے بندوں کے اعمال کو ایک کتاب میں محفوظ کر دیا ہے تاکہ کوئی مجرم انکار نہ کر سکے۔ غرض یہ کہ ان کی مثل دفتر خداوندی میں محفوظ ہے۔ وقت پر سزا کا حکم سنا دیا جائے گا۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم غلطی اور نسیان سے پاک اور منزہ ہے۔ بخلاف تیرے کہ تیرا علم سرتاپا غلط ہے اور

سہو اور نسیان کی آماجگاہ ہے اور پھر اس پر دعویٰ ربوبیت بھی ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے امم سابقہ کے مآل کو علم خداوندی کے حوالے اس لیے کیا کہ ابھی تک توریت نازل نہیں ہوئی تھی جس سے گزشتہ امم کا کچھ حال معلوم ہوتا ہے۔ توریت فرعون کی ہلاکت کے بعد نازل ہوئی۔ (دیکھو زاد المسیر: ۵ / ۲۹۲)

موسیٰ علیہ السلام کا اصل مقصد اثبات ربوبیت خداوندی تھا۔ جس پر ابتداء کلام میں دلائل قائم فرمائے۔ پھر جب فرعون نے اس بات کو رلانے کے لیے پہلی قوموں کا حال پوچھنا شروع کیا تو موسیٰ علیہ السلام نے اس کے جواب میں یہ ارشاد فرمایا۔

﴿عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّي فِي كِتٰبٍ﴾

سو، موسیٰ علیہ السلام نے اس جواب میں بھی اصل مدعا (اثبات الوہیت صانع) کی ایک اور دلیل کی طرف اشارہ فرمایا۔

وہ یہ کہ خدا تعالیٰ کے لیے ضروری ہے کہ وہ علام الغیوب ہو اور ایسا علیم وخبیر ہو کہ جس کے علم میں کسی غلطی اور سہو و نسیان کا امکان نہ ہو اور ظاہر ہے کہ یہ بات تجھ میں نہیں گزشتہ قوموں کا حال نہ میں جانتا ہوں اور نہ تو جانتا ہے۔ تیری لاعلمی اور جہالت تیرے سامنے ہے پھر کس بناء پر الوہیت اور ربوبیت کا دعویٰ کرتا ہے۔ جہالت اور ربوبیت کا اجتماع عقلاً محال ہے۔ میں تو خدا کا نبی اور رسول ہوں اور نبی کے لیے غیب دان ہونا ضروری نہیں اور تو تو مدعی ربوبیت ہے تیرے گئے علم غیب ضروری ہے اور ظاہر ہے کہ وہ تجھ میں نہیں پھر بتلا کس بنا پر تو نے ربوبیت کا دعویٰ کیا۔

اے مدعی ربوبیت تو اگر ذرا عقل سے کام لے تو سمجھ جائے کہ تو اس عالم کا رب نہیں ہو سکتا اس لئے کہ عالم کا یہ عجب و غریب کارخانہ اور محکم نظام خود بخود محض بخت و اتفاق سے یا مادہ اور ایتھر کی حرکت سے نہیں چل رہا ہے بلکہ کسی علیم و قدیر کے دست قدرت سے چل رہا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام اس جواب کے بعد پھر اصل مقصد یعنی اثبات الوہیت خداوندی کی طرف متوجہ ہوئے اور اوصاف خداوندی بیان کرنے شروع کیے جو اس کی ربوبیت کے دلائل ہیں۔ اور فرمایا کہ میرا رب جس نے مجھ کو تیری طرف پیغمبر بنا کر بھیجا ہے وہ رب ہے کہ جس نے تمہارے لیے زمین کو فرش بنایا تا کہ تم اس پر آرام کر سکو اور مزے کے ساتھ اس پر چل پھر سکو اور زمین عجیب فرش ہے کہ جو نہ لوہے کی مانند بہت سخت ہے کہ جس پر لیٹنے سے جسم کو تکلیف ہو اور نہ روئی اور گارے کی طرح نرم ہے جس میں پاؤں دھنسنے لگیں۔ اور اسی رب نے تمہارے چلنے کے لیے اس زمین میں راستے بنا دیئے تا کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ جا سکو اور اسی رب نے آسمان سے تمہارے لیے پانی اتارا تا کہ تم اس سے زندہ رہ سکو پھر ہم نے اس پانی کے ذریعے قسم قسم کے نباتات اگائے باوجودیکہ زمین ایک ہے اور پانی ایک ہے اور ہوا ایک ہے مگر ہر ایک کا مزہ اور رنگ اور بو مختلف ہے اور تم کو اجازت دی کہ ان میں سے خود بھی کھاؤ اور اپنے جانوروں کو بھی چراؤ یہ سب تمہاری حیات اور زندگی کا سامان ہوا پس جس رب نے مجھ کو رسول بنا کر بھیجا ہے وہ ایسا ہے اور ان صفتوں کے ساتھ موصوف ہے۔

بیشک ان چیزوں میں عقلمندوں کے لیے ہماری قدرت اور ربوبیت کی کتنی ہی نشانیاں ہیں۔

البتہ جو عقلیں نفسانی خواہشوں کی پیرو بن گئی ہیں وہ ان روشن دلائل سے اندھی اور بہری بنی ہوئی ہیں۔

ف:...... نُهیٰ جمع نُهْيَة کی ہے جیسے غرف جمع غرفة کی ہے۔ نہیة اس عقل کو کہتے ہیں جو انسان کو قبیح باتوں سے روکے۔

پس اے فرعون تو جو خدائی کا دعویٰ کرتا ہے تو بتلا کہ تجھ میں بھی ان صفات کا کوئی شمہ پایا جاتا ہے نہ تو نے زمین بنائی اور نہ آسمان بنایا۔ اور نہ تو خود بخود پیدا ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام نے جو دلائل قدرت اور براہین الوہیت پیش کیے وہ دہریوں کی آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہیں اگر عقل ہے تو سمجھ لیں گے کہ ہمارا معبود اور ہمارا پالنے والا سوائے اس خدا کے کوئی نہیں جس میں یہ صفات پائی جاتی ہیں۔

بیان مبدأ و معاد

موسیٰ علیہ السلام ان دلائل قدرت کے بیان کرنے کے بعد مبداء اور معاد کے بیان کی طرف متوجہ ہوئے کہ تم سب مٹی سے پیدا ہوئے جو تمہارا مبداء ہے اور پھر مر کو اسی کی طرف لوٹا دیئے جاؤ گے اور اسی میں رل مل جاؤ گے۔ اور پھر قیامت کے دن ہم تم کو اسی مٹی سے نکالیں گے۔

چنانچہ فرماتے ہیں اے لوگو! جس طرح زمین سے ہم نے نباتات کو پیدا کیا۔ اسی طرح ہم نے تم کو زمین سے پیدا کیا۔ انسان کے زمین سے پیدا ہونے کے معنی یہ ہیں کہ انسان کی پیدائش نطفہ سے ہے اور نطفہ خلاصہ ہے غذا کا اور غذا زمین سے پیدا ہوتی ہے اور ہمارے باپ آدم علیہ السلام ابتداء مٹی ہی سے پیدا ہوئے تھے۔ اور تمام افراد بشری آدم علیہ السلام کی پشت میں مضمر اور مستتر تھے۔

بہر حال انسان کی اصلیت مٹی ہے۔ اور پھر مرے پیچھے ہم تم کو زمین میں لوٹا دیں گے۔ یعنی تم زمین میں دفن کر دیئے جاؤ گے۔ اور اگر جلا دیئے گئے تو تمہاری راکھ مٹی میں ملا دی جائے گی۔ اور اسی زمین میں سے ہم تم کو دوبارہ قیامت کے دن حساب اور کتاب کے لیے نکالیں گے۔ لہٰذا تم کو چاہئے کہ زمین کا مراقبہ کیا کرو۔ زمین ہر وقت تمہاری نظروں کے سامنے ہے۔ اس میں غور کیا کرو کہ وہ تمہارا مبدأ اور منشاء ہے۔ تم اسی زمین سے پیدا ہوئے اور پھر مرنے کے بعد اسی زمین میں لوٹا دیئے جاؤ گے اور پھر قیامت کے دن اسی زمین سے تم نکالے جاؤ گے۔ اور تم کو تمہارے اعمال کی جزاء ملے گی۔ لہٰذا سوچ لو اور اس دن کے لئے کچھ ذخیرہ جمع کر لو اس زمین میں دلائل ربوبیت بھی ہیں اور دلائل قیامت بھی جس خدا نے پہلی بار تم کو مٹی سے پیدا کیا اور پھر مٹی ہی میں تم کو دفن کرا کے امانت رکھا وہی خدا پھر تم کو مٹی سے نکال سکتا ہے۔

وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى ﴿۵۶﴾ قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ

اور ہم نے فرعون کو دکھلا دیں اپنی سب نشانیاں پھر اس نے جھٹلایا اور نہ مانا ف۱ بولا کیا تو آیا ہے ہم کو نکالنے ہمارے ملک سے اپنے جادو کے زور سے

اور ہم نے دکھا دیں اپنی سب نشانیاں، پھر جھٹلایا اور نہ مانا۔ بولا، کیا تو آیا ہے ہم کو نکالنے ہمارے ملک سے، جادو کے زور سے،

يٰمُوْسٰى ﴿۵۷﴾ فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَآ

اے موسیٰ ف۲ سو ہم بھی لائیں گے تیرے مقابلہ میں ایک ایسا ہی جادو سو ٹھہرا لے ہمارے اور اپنے بیچ میں ایک وعدہ نہ ہم خلاف کریں اس کا اور نہ تو

اے موسیٰ! سو ہم بھی لاویں گے تجھ پر ایک ایسا جادو، سو ٹھہرا ہمارے اپنے بیچ ایک وعدہ، نہ تفاوت کریں اس سے ہم نہ تو

ف۱ یعنی جو آیات اس کو دکھلانا منظور تھیں، سب دکھلا دیں مثلاً القائے عصا اور ید بیضا وغیرہ مع اپنے متعلقات و تفاصیل کے۔ اس پر بھی بد بخت نہ مانا اور جحود و =

اَنۡتَ مَكَانًا سُوًى ﴿۵۸﴾ قَالَ مَوۡعِدُكُمۡ يَوۡمُ الزِّيۡنَةِ وَاَنۡ يُّحۡشَرَ النَّاسُ ضُحًى ﴿۵۹﴾ فَتَوَلّٰى

ایک میدان صاف میں ف۱ کہا وعدہ تمہارا ہے جشن کا دن اور یہ کہ جمع ہوں لوگ دن چڑھے ف۲ پھر الٹا

ایک میدان صاف میں۔ کہا وعدہ تمہارا ہے جشن کا دن، اور یہ کہ جمع کرے لوگوں کو دن چڑھے۔ پھر الٹا

فِرۡعَوۡنُ فَجَمَعَ كَيۡدَهٗ ثُمَّ اَتٰى ﴿۶۰﴾ قَالَ لَهُمۡ مُّوۡسٰى وَيۡلَكُمۡ لَا تَفۡتَرُوۡا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا

پھرا فرعون پھر جمع کیے اپنے سارے داؤ پھر آیا ف۳ کہا ان کو موسیٰ نے کم بختی تمہاری جھوٹ نہ بولو اللہ پر

پھرا فرعون، پھر اکٹھے کیے اپنے سارے داؤ، پھر آیا۔ کہا ان کو موسیٰ نے، کم بختی تمہاری ! جھوٹ نہ بولو اللہ پر،

فَيُسۡحِتَكُمۡ بِعَذَابٍ ۚ وَقَدۡ خَابَ مَنِ افۡتَرٰى ﴿۶۱﴾ فَتَنَازَعُوۡۤا اَمۡرَهُمۡ بَيۡنَهُمۡ وَاَسَرُّوا

پھر غارت کر دے تم کو کسی آفت سے اور مراد کو نہیں پہنچا جس نے جھوٹ باندھا ف۴ پھر جھگڑے اپنے کام پر آپس میں اور چھپ کر کیا

پھر کھپاوے تم کو کسی آفت سے۔ اور مراد کو نہیں پہنچا جس نے جھوٹ باندھا۔ پھر جھگڑے اپنے کام پر آپس میں اور چھپ کر کی

النَّجۡوٰى ﴿۶۲﴾ قَالُوۡۤا اِنۡ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيۡدٰنِ اَنۡ يُّخۡرِجٰكُمۡ مِّنۡ اَرۡضِكُمۡ بِسِحۡرِهِمَا

مشورہ ف۵ بولے مقرر یہ دونوں جادوگر ہیں چاہتے ہیں کہ نکال دیں تم کو تمہارے ملک سے اپنے جادو کے زور سے

مشورت۔ بولے، مقرر یہ دونوں جادوگر ہیں، چاہتے ہیں کہ نکال دیں تم کو تمہارے ملک سے اپنے جادو کے زور سے،

=تکذیب پر اڑا رہا۔

ف۲ فرعون نے یہ بات اپنی قوم "قبط" کو موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے نفرت اور اشتعال دلانے کے لیے کہی۔ یعنی موسیٰ علیہ السلام کی غرض یہ معلوم ہوتی ہے کہ جادو کے زور سے ہم کو نکال باہر کرے اور ساحرانہ ڈھونگ بنا کر عوام کی جمعیت اپنے ساتھ کر لے اور اس طرح قبطیوں کے تمام املاک و اموال پر قابض ہو جائے۔

ف۱ یعنی تو اس ارادہ میں کامیاب نہیں ہو سکتا ہمارے یہاں بھی بڑے بڑے ماہر جادوگر موجود ہیں۔ بہتر ہوگا کہ ان سے مقابلہ ہو جائے۔ پس جس دن اور جس جگہ مقابلہ کرنا چاہے تجھے اس کی تعیین کا اختیار دیا جاتا ہے۔ ضرورت اس کی ہے کہ جو وقت معین ہو جائے اس سے کوئی فریق گریز نہ کرے اور جگہ ایسی ہو جہاں فریقین کو آنے اور بیٹھنے میں یکساں سہولت حاصل ہو۔ نشست وغیرہ میں راعی و رعایا یا حاکم و محکوم اور بڑے چھوٹے کا کوئی سوال نہ ہو، ہر ایک فریق آزادی سے اپنی قوت کا مظاہرہ کر سکے اور میدان بھی کھلا، ہموار اور صاف ہو کہ تماشا دیکھنے والے سب بے تکلف مشاہدہ کر سکیں۔

ف۲ پیغمبروں کے کام میں کوئی تلبیس و تلمیع نہیں ہوتی، ان کا معاملہ کھلم کھلا صاف صاف ہوتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ بہتر ہے جو بڑا میلہ اور جشن تمہارے یہاں ہوتا ہے اسی روز جب دن چڑھ جائے اس وقت میدان مقابلہ قائم ہو۔ یعنی میلہ میں جہاں زیادہ سے زیادہ مخلوق جمع ہوگی اور دن کے اجالے میں یہ کام کیا جائے، تاکہ دیکھنے والے بکثرت ہوں اور روز روشن میں کسی کو اشتباہ والتباس نہ ہو۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ "دنگل میں مقابلہ کرنے سے دونوں کی غرض تھی۔ وہ چاہے کہ ان کو ہرا دے سب کے روبرو، یہ چاہیں کہ وہ ہارے۔ جشن کا دن سارے مصر کے شہروں میں مقرر تھا فرعون کی سالگرہ کا۔"

ف۳ یعنی یہ طے کر کے فرعون مجلس سے اٹھ گیا اور ساحروں کو جمع کرنے اور مہم کو کامیاب بنانے کے لیے ہر قسم کی تدبیریں اور داؤ گھات کرنے لگا۔ اور آخر کار مکمل تیاری کے بعد پوری طاقت کے ساتھ وقت معین پر میدان مقابلہ میں حاضر ہو گیا۔ ساحروں کی بڑی فوج اس کے ہمراہ تھی، انعام و اکرام کے وعدے ہو رہے تھے اور ہر طرح موسیٰ کو شکست دینے اور حق کو مغلوب کر لینے کی فکر تھی۔

ف۴ معلوم ہوتا ہے کہ اس مجمع میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہر شخص کو اس کے حسب حال نصیحت فرمائی۔ چونکہ جادوگر حق کا مقابلہ جادو سے کرنے والے تھے، ان کو تنبیہ کر دی کہ دیکھو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو۔ خدا کے نشانوں اور انبیاء کے معجزات کو سحر بتلانا اور بے حقیقت چیزوں کو ثابت شدہ حقائق کے مقابلہ میں پیش کرنا گویا اللہ پر جھوٹ باندھنا ہے۔ جھوٹ باندھنے والوں کا انجام کبھی اچھا نہیں ہوتا۔ بلکہ اندیشہ ہے کہ ایسے لوگوں پر کوئی آسمانی آفت آ پڑے۔ جو ان =

وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى ﴿٦٣﴾ فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ۚ وَقَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ

اور موقوف کرادیں تمہارے اچھے خاصے چلن کو ف۱ سو مقرر کرلو اپنی تدبیر پھر آؤ قطار باندھ کر اور جیت گیا آج جو

اور اٹھاویں تمہاری راہ خاصی۔ سو مقرر کرو اپنی تدبیر، پھر آؤ قطار باندھ کر۔ اور جیت گیا آج جو

مَنِ اسْتَعْلٰى ﴿٦٤﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى ﴿٦٥﴾ قَالَ بَلْ

غالب رہا ف۲ بولے اے موسیٰ یا تو تو ڈال اور یا ہم ہوں پہلے ڈالنے والے کہا نہیں

اوپر رہا۔ بولے، اے موسیٰ ! یا تو ڈال اور یا ہم ہوں پہلے ڈالنے والے۔ کہا، نہیں !

اَلْقُوْا ۚ فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ﴿٦٦﴾ فَاَوْجَسَ فِيْ

تم ڈالو ف۳ پھر تب ہی ان کی رسیاں اور لاٹھیاں اس کے خیال میں آئیں ان کے جادو سے کہ دوڑ رہی ہیں ف۴ پھر پانے لگا

تم ڈالو ! پھر تبھی ان کی رسیاں اور لاٹھیاں، اس کے خیال میں آتی ہیں جادو سے، کہ دوڑتی ہیں۔ پھر پانے لگا

نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى ﴿٦٧﴾ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ﴿٦٨﴾ وَاَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ

اپنے جی میں ڈر موسیٰ ف۵ ہم نے کہا تو مت ڈر مقرر تو ہی رہے گا غالب ف۶ اور ڈال جو تیرے داہنے ہاتھ میں ہے کہ نگل جائے

اپنے جی میں ڈر، موسیٰ۔ ہم نے کہا، تو نہ ڈر، مقرر تو ہی رہے گا اوپر۔ اور ڈال جو تیرے داہنے میں ہے، کہ نگل جاوے

مَا صَنَعُوْا ۭ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ ۭ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُ حَيْثُ اَتٰى ﴿٦٩﴾ فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ

جو کچھ انہوں نے بنایا ف۷ انکا بنایا ہوا تو فریب ہے جادوگر کا اور بھلا نہیں ہوتا جادوگر کا جہاں ہو ف۸ پھر گر پڑے جادوگر

انہوں نے بنایا۔ ان کا بنایا تو فریب ہے جادوگر کا، اور جادوگر نہیں کام لے نکلتا جہاں آوے۔ اور گر پڑے جادوگر

=کی بیخ و بنیاد تک نہ چھوڑے۔

ف۵ موسیٰ علیہ السلام کی تقریر نے ساحروں کی جماعت میں کھلبلی ڈال دی۔ آپس میں جھگڑنے لگے کہ اس شخص کو کیا سمجھا جائے۔ اس کی باتیں ساحروں جیسی معلوم نہیں ہوتیں۔ غرض باہم بحث و مناظرہ کرتے رہے اور سب سے الگ ہو کر انہوں نے مشورہ کیا۔ آخر اختلاف و نزاع کے بعد فرعون کے اثر سے متاثر ہو کر وہ کہا جو آگے مذکور ہے۔

ف۱ یعنی تمہارا جو دین اور رسوم پہلے سے چلی آتی ہیں ان کو مٹا کر اپنا دین اور طور و طریق رائج کر دیں اور جادو کے فن کو بھی جس سے ملک میں تمہاری عزت اور کمائی ہے، چاہتے ہیں کہ دونوں بھائی تم سے لے اڑیں اور تن تنہا خود اس پر قابض ہو جائیں۔

ف۲ یعنی موقع کی اہمیت کو سمجھو، وقت کو ہاتھ سے نہ جانے دو، پوری ہمت و قوت سے سب مل کر ان کے گرانے کی تدبیر کرو۔ اور دفعتاً ایسا متفقہ حملہ کر دو کہ پہلے ہی وار میں ان کے قدم اکھڑ جائیں کہ آج کا معرکہ فیصلہ کن معرکہ ہے، آج کی کامیابی دائمی کامیابی ہے۔ جو فریق آج غالب رہے گا وہ ہمیشہ کے لیے منصور و مفلح سمجھا جائے گا۔

ف۳ موسیٰ علیہ السلام نے نہایت بے پروائی سے جواب دیا کہ نہیں، تم پہلے اپنے حوصلے نکال لو اور اپنے کرتب دکھالو۔ تاکہ باطل کی زور آزمائی کے بعد حق کا غلبہ پوری طرح نمایاں ہو۔ یہ قصہ سورۂ اعراف میں گزر چکا وہاں کے فوائد ملاحظہ کر لیے جائیں۔

ف۴ یعنی ساحرین کی نظر بندی سے موسیٰ علیہ السلام کو یوں خیال ہونے لگا گویا رسیاں اور لاٹھیاں سانپوں کی طرح دوڑ رہی ہیں، اور واقعہ میں ایسا نہ تھا۔

ف۵ کہ جادوگروں کا یہ سوانگ دیکھ کر کہیں بیوقوف لوگ دھوکہ میں نہ پڑ جائیں اور سحر و معجزہ میں فرق نہ کر سکیں۔ ایسی صورت میں حق کا غلبہ واضح نہ ہوگا۔ خوف کا یہ مطلب آگے کے جواب سے ظاہر ہوتا ہے۔ =

سُجَّدًا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ ھٰرُوْنَ وَمُوْسٰی ﴿۷۰﴾ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۭ اِنَّهٗ

سجدہ میں بولے ہم یقین لائے رب پر ہارون اور موسیٰ کے ف۱ بولا فرعون تم نے اس کو مان لیا میں نے ابھی حکم نہ دیا تھا وہ ہی

سجدے میں، بولے، ہم یقین لائے رب پر ہارون اور موسیٰ کے۔ بولا فرعون، تم نے اس کو مان لیا، ابھی میں نے حکم نہ دیا تھا، وہی

لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ

تمہارا بڑا ہے جس نے تم کو سکھایا جادو ف۲ سو اب میں کٹواؤں گا تمہارے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں ف۳

تمہارا بڑا ہے جس نے سکھایا تم کو جادو۔ سو اب میں کٹواؤں گا تمہارے ہاتھ اور دوسرے پاؤں

وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ ۡ وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَآ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰى ﴿۷۱﴾ قَالُوْا لَنْ

اور سولی دوں گا تم کو کھجور کے تنا پر ف۴ اور جان لو گے ہم میں کس کا عذاب سخت ہے اور دیر تک رہنے والا ف۵ وہ بولے ہم

اور سولی دوں گا تم کو کھجور کے ڈھنڈ پر۔ اور جان لو گے ہم میں کس کی مار سخت ہے اور دیر تک رہتی۔ وہ بولے ہم

نُّؤْثِرَكَ عَلٰي مَا جَاۗءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِيْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ۭ اِنَّمَا تَقْضِيْ

تجھ کو زیادہ نہ سمجھیں گے اس چیز سے جو پہنچی ہم کو صاف دلیل اور اس سے جس نے ہم کو پیدا کیا سو تو کر گزر جو تجھ کو کرنا ہے تو یہی کرے گا

تجھ کو زیادہ نہ سمجھیں گے اس چیز سے جو پہنچی ہم کو صاف دلیل اور اس سے جن نے ہم کو بنایا، سو تو کر چک جو کرتا ہے۔ تو یہی کریگا

هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۷۲﴾ اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ

اس دنیا کی زندگی میں ہم یقین لائے ہیں اپنے رب پر تاکہ بخشے ہم کو ہمارے گناہ اور جو تو نے زبردستی کروایا ہم سے یہ

اس دنیا کی زندگی میں۔ ہم یقین لائے ہیں اپنے رب پر، تا بخشے ہم کو ہماری تقصیریں، اور جو تو نے کروایا ہم سے زور آوری یہ

= ف۶ یعنی ڈر کو دل سے نکال دو۔ اس قسم کے دسوسے مت لاؤ۔ اللہ تعالیٰ حق کو غالب اور سربلند رکھنے والا ہے۔

ف۷ یعنی اپنی لاٹھی زمین پر ڈال دو جوان کے بنائے ہوئے سوانگ کا ایک دم لقمہ کر جائے گی۔

ف۸ یعنی جادوگر کے ڈھکوسلے چاہے کہیں ہوں اور کسی حد تک پہنچ جائیں، حق کے مقابل کامیاب نہیں ہو سکتے نہ جادوگر کبھی فلاح پا سکتا ہے۔ اسی لیے حدیث میں ساحر کے قتل کا حکم دیا گیا ہے۔

ف۱ ساحرین فن کے جاننے والے تھے۔ اصول فن کے اعتبار سے فوراً سمجھ گئے کہ یہ سحر نہیں ہو سکتا یقیناً سحر سے اوپر کوئی اور حقیقت ہے، دل میں ایمان آیا اور سجدہ میں گر پڑے۔ یہ قصہ سورۂ اعراف میں گزر چکا۔

ف۲ یعنی ہم سے بے پوچھے ہی ایمان لے آئے۔ ہمارے فیصلہ کا بھی انتظار نہ کیا۔ معلوم ہو گیا کہ یہ تمہاری اور موسیٰ کی ملی بھگت ہے، جنگ زرگری کر کے عوام کو دھوکہ دینا چاہتے ہو جیسا کہ سورۂ اعراف میں گزرا۔

ف۳ یعنی داہنا ہاتھ بایاں پاؤں، یا بایاں ہاتھ داہنا پاؤں۔

ف۴ تاکہ تمہارا حال دیکھ کر سب عبرت حاصل کریں۔

ف۵ یعنی تم ایمان لا کر سمجھے ہو کہ ہم ہی ناجی ہیں اور دوسرے لوگ (یعنی فرعون اور اس کے ساتھی) سب ابدی عذاب میں مبتلا رہیں گے۔ سو ابھی تم کو معلوم ہوا چاہتا ہے کہ کس کا عذاب زیادہ سخت اور زیادہ دیر تک رہنے والا ہے۔

السِّحْرِ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۝ اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ۭ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا

جادو ف ۱ اور اللہ بہتر ہے اور سدا باقی رہنے والا ف ۲ بات یہی ہے کہ جو کوئی آیا اپنے رب کے پاس گناہ لے کر سو اس کے واسطے دوزخ ہے مرے اس میں

جادو۔ اور اللہ بہتر ہے اور دیر رہنے والا۔ مقرر ہے، جو کوئی آیا اپنے رب پاس گنہگار ہو کر، سو اس کے واسطے دوزخ ہے، نہ مرے اس میں

وَلَا يَحْيٰى ۝ وَمَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ۝

نہ جیے ف ۳ اور جو آیا اس کے پاس ایمان لے کر نیکیاں کر کے سو ان لوگوں کے لئے ہیں درجے بلند

نہ جیوے۔ اور جو آیا اس پاس ایمان سے کر کر نیکیاں، سو ان لوگوں کو ہیں درجے بلند۔

جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزٰۗؤُا مَنْ تَزَكّٰى ۝

باغ ہیں بسنے کے بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں ہمیشہ رہا کریں گے ان میں ف ۴ اور یہ بدلہ ہے اس کا جو پاک ہوا ف ۵

باغ ہیں بسنے کے، بہتی ان کے نیچے سے نہریں، رہا کریں گے ان میں۔ اور یہ بدلہ ہے اس کا جو پاک ہوا۔

ذکر مذاکرہ دیگر درمیان موسیٰ علیہ السلام و فرعون لعین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا ... الی ... وَذٰلِكَ جَزٰۗؤُا مَنْ تَزَكّٰى﴾

ربط: ...... گزشتہ آیات میں الوہیت و ربوبیت خداوندی کے بارے میں مذاکرہ کا ذکر تھا۔ اب ان آیات میں موسیٰ علیہ السلام اور فرعون علیہ اللعنہ کے درمیان ایک دوسرے مذاکرہ کا ذکر ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور البتہ تحقیق ہم نے فرعون کو الوہیت اور ربوبیت اور نبوت و رسالت اور حشر و نشر اور قیامت کے متعلق اپنی تمام نشانیاں دکھلا دیں۔ جن کو اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اور کسی عذر کی اس کے لیے گنجائش باقی نہ رہی اس لیے کہ حق اس کی آنکھوں کے سامنے آ گیا۔ پھر بھی اس نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا اور ان کو سحر اور جادو بتلایا اور ان کے ماننے سے انکار کر دیا۔ موسیٰ علیہ السلام بحکم خداوندی فرعون کے پاس گئے اور جن آیات بینات کا اس وقت دکھانا منظور تھا وہ سب اس کو دکھلا دیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے دلائل ربوبیت و وحدانیت بھی فرعون کے

ف ۱ یعنی ہم ایسے صاف دلائل کو تیری خاطر سے نہیں چھوڑ سکتے اور اپنے خالق حقیقی کی خوشنودی کے مقابلہ میں تیری کچھ پروا نہیں کر سکتے۔ اب جو تو کر سکتا ہے کر گزر۔ تیرا بڑا زور یہ ہی چل سکتا ہے کہ ہماری اس فانی زندگی کو ختم کر دے۔ سو کچھ مضائقہ نہیں، ہم پہلے ہی دار الفنا کے مقابلہ میں دار القرار کو اختیار کر چکے ہیں۔ ہم کو اب یہاں کے رنج و راحت کی فکر نہیں۔ تمنا صرف یہ ہے کہ ہمارا مالک ہم سے راضی ہو جائے اور ہمارے عام گناہوں کو خصوصاً اس گناہ کو جو تیری حکومت کے خوف سے زبردستی کرنا پڑا (یعنی حق کا مقابلہ جادو سے) معاف فرما دے۔ کہتے ہیں کہ جادوگر حضرت موسیٰ کے نشان دیکھ کر سمجھ گئے تھے کہ یہ جادو نہیں۔ مقابلہ نہ کرنا چاہیے، پھر فرعون کے ڈر سے کیا۔

ف ۲ یعنی جو انعام و اکرام تو ہم کو دیتا اس سے کہیں بہتر اور پائدار اجر مومنین کو خدا کے ہاں ملتا ہے۔

ف ۳ یعنی انسان کو چاہیے کہ اول آخرت کی فکر کرے۔ لوگوں کا مطیع بن کر خدا کا مجرم نہ بنے۔ اس کے مجرم کا ٹھکانہ بہت برا ہے۔ جس سے چھٹکارے کی کوئی صورت نہیں۔ دنیا کی تکلیفیں کتنی ہی شاق ہوں موت آ کر سب کو ختم کر دیتی ہے۔ لیکن کافر کو دوزخ میں موت بھی نہیں آئے گی جو تکالیف کا خاتمہ کر دے، اور جینا بھی جینے کی طرح کا نہ ہوگا، زندگی ایسی ہوگی کہ موت کو ہزار درجہ اس پر ترجیح دے گا، العیاذ باللہ۔

ف ۴ مجرمین کے بالمقابل یہ مطیعین کا انجام بیان فرما دیا۔

ف ۵ یعنی پاک ہوا گندے خیالات، فاسد عقائد، رذیل اخلاق، اور برے اعمال سے۔

سامنے بیان کر دیئے۔

کما قال اللہ تعالیٰ حکایۃ عنہ ﴿رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی﴾ الخ اپنی نبوت و رسالت کے اثبات کے لیے فرعون کو عصا اور ید بیضاء کا معجزہ دکھلا دیا۔ اور ﴿مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِیْهَا نُعِیْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰی﴾ سے حشر ونشر اور قیامت کا اثبات فرمایا مگر فرعون نے ان آیات بینات اور ان روشن دلائل کو بھی نہ مانا اور ان معجزات کو جادو بتایا اور بولا اے موسیٰ کیا تو ہمارے پاس اس لیے آیا ہے کہ اپنے جادو کے زور سے ہم کو ہمارے ملک سے نکال دے اور خود اس پر قابض ہو جائے تو ہم بھی تیرے مقابلہ میں ایسا ہی جادو لائیں گے اور تیرے جادو کا جادو سے مقابلہ کریں گے تاکہ لوگ جان لیں کہ یہ شخص پیغمبر نہیں جادوگر ہے۔ فرعون ملعون نے یہ بات ﴿اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ یٰمُوْسٰی﴾ اے موسیٰ علیہ السلام کیا تو اپنے جادو کے زور سے ہم کو ہمارے ملک اور وطن سے نکالنا چاہتا ہے اپنی قوم کو موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے نفرت اور اشتعال دلانے کے لئے کہی۔ کیونکہ جب قوم کے لوگ یہ سنیں گے تو ان کے دل میں یہ بات جم جائے گی کہ اگر ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی بات مان لی تو اس کا انجام یہ ہوگا کہ ہم کو اپنے گھر بار سے نکلنا پڑے گا۔ تو اس کی بات کو قبول نہ کریں گے اور نہ اس کے معجزوں میں غور وفکر کریں گے۔ اور یہ سمجھیں گے کہ جو کچھ موسیٰ علیہ السلام نے دکھایا ہے وہ بھی ایک قسم کا جادو ہے۔ فرعون ملعون کا یہ کلام اس بات کی دلیل ہے کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کو دیکھ کر غایت درجہ خوف زدہ ہوا اور یہ سمجھ گیا کہ یہ حق ہے جادو نہیں اور یہ وہی شخص ہے کہ جس کی پیش گوئی میں عرصہ سے سن رہا ہوں۔ کہ آل ابراہیم میں ایک شخص ہوگا جس کے ہاتھ پر میرے سلطنت کا خاتمہ ہوگا اور اسی ڈر کے مارے بنی اسرائیل کی اولاد کو قتل کرواتا تھا۔ اگر اس کو یقین نہ ہوتا تو ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی جادوگر محض جادو سے کسی سلطنت پر قبضہ نہیں کرسکتا۔ عصائے موسیٰ کی ہیبت نے اس کو ایسا بدحواس بنا دیا کہ اس کو موسیٰ علیہ السلام پر دست درازی کی جرأت نہ ہوئی۔

الغرض جب موسیٰ علیہ السلام بحکم خداوندی فرعون کے پاس گئے اور حق تعالیٰ کا پیغام پہنچایا اور عصا اور ید بیضا کا معجزہ اس کو دکھایا تو دل سے تو سمجھ گیا اور یقین کرلیا کہ یہ خدائے برحق کے نبی اور رسول ہیں۔ مگر نہ ماننے کا ایک بہانہ نکالا کہ تم جادوگر ہو اور یہ جو کچھ تم نے دکھایا ہے وہ سب سحر ہے پس ہم بھی اس سحر کے مقابلہ میں ایک اور سحر لائیں گے۔ اور تمہارا مقابلہ کریں گے۔

پس اس مقابلہ کے لیے ہمارے اور اپنے درمیان وعدے کے لئے کوئی مقام اور وقت معین کر لیجئے نہ ہم اس کے خلاف کریں اور نہ تم اس کے خلاف کرو۔ اور اس مقابلہ کے لئے درمیان شہر کوئی جگہ مقرر کرلیں جو شہر کے بیچوں بیچ ہو اور آنے والوں کے لیے ہر طرف سے مسافت برابر ہو تاکہ کسی طرف سے آنے والے کو دشواری نہ ہو یا یہ معنی ہیں کہ وہ میدان اور وہ زمین ہموار ہو جس میں سب برابر کھڑے ہو کر مقابلہ کو اچھی طرح سے دیکھ سکیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا تمہارے وعدہ کا وقت تمہاری عید کا دن ہے۔ جس دن لوگ آرائش وزیبائش کرتے ہیں موسیٰ علیہ السلام نے مقابلہ کے لیے عید کا دن اس لیے تجویز کیا کہ اس دن سب لوگ حاضر ہوں گے۔ تو حق مجمع عام کے روبرو ظاہر ہو جائے گا اور یہ کہ لوگ چاشت کے وقت یعنی دن چڑھے جمع کیے جائیں۔ جس وقت روشنی خوب ہوتی ہے یعنی ہمارا وعدہ عید کے دن چاشت کے وقت کا ہے تاکہ دن دہاڑے

سب کے سامنے حق واضح ہوجائے اور سارے جہان میں اس کی خبر پھیل جائے اور کوئی بات چھپی نہ رہے۔ پیغمبروں کے کام میں کوئی تلبیس اور ملمع کاری نہیں ہوتی۔ اس لیے دن چڑھے کا وقت مقرر کیا۔ تاکہ روز روشن میں کسی کو اشتباہ نہ رہے۔ نیز موسیٰ علیہ السلام کو اپنے غلبہ کا یقین کامل تھا اس لیے بے دھڑک یہ دن اور یہ وقت مقرر کیا۔

پس جب مقابلہ کے لیے مکان اور زمان اور وقت سب طے پا گیا۔ تو فرعون اپنے دربار سے واپس ہوا اور خلوت میں آکر مشورہ کیا کہ کس طرح مقابلہ کیا جائے۔ پھر اپنے مکر وفریب کا سامان جمع کرنا شروع کیا۔ پھر جب سامان کر چکا تو پوری طاقت اور پوری جمعیت کے ساتھ وقت معین پر میدان مقابلہ میں آیا۔ ساحروں کی بڑی فوج اس کے ہمراہ تھی۔ فرعون جب میدان میں آیا تو تخت شاہی پر بیٹھا۔ اور تمام ارکان دولت اس کے سامنے صف بستہ کھڑے ہو گئے اور تمام جادوگر بھی اس کے سامنے صف بستہ کھڑے ہو گئے اور فرعون ان کو طرح طرح کے انعامات کی امیدیں دلا رہا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جادوگروں کی تعداد چار سو تھی اور بعض کہتے ہیں کہ ستر ہزار تھی۔ واللہ اعلم

اور موسیٰ علیہ السلام اطمینان سے اپنے عصا پر تکیہ لگائے تشریف لائے اور ان کے بھائی ہارون علیہ السلام ان کے ہمراہ تھے۔

میدان مقابلہ میں موسیٰ علیہ السلام کا ساحروں کو ناصحانہ خطاب

جب حسب وعدہ سب میدان مقابلہ میں حاضر ہو گئے تو موسیٰ علیہ السلام نے ان جادوگروں سے یہ کہا کہ اے کمبختی کے مارو میرے معجزے کو جو خدا کی دی ہوئی نشانی ہے جادو قرار دے کر اللہ پر جھوٹ بہتان نہ باندھو کہ پھر وہ تم کو کسی آفت سے ہلاک کر ڈالے اور جڑ سے تم کو نیست ونابود کر دے اور تحقیق نامراد اور ناکام ہوا وہ شخص جس نے مخلوق پر افتراء کیا۔ چہ جائیکہ جو شخص اللہ پر افتراء کرے اور کیسے کامیاب ہو سکتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے بغرض اتمام حجت مقابلہ سے پہلے جادوگران کو سمجھایا۔ اور ان کو نصیحت کی کہ دیکھو اللہ پر افتراء نہ کرو۔ مفتری کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔

پس جب جادوگروں نے موسیٰ علیہ السلام کی زبان مبارک سے یہ کلمہ موعظت وحکمت سنا تو سن کر اپنے معاملہ میں مختلف ہو گئے اور آپس میں جھگڑنے لگے۔ کہ آیا اس مبارک چہرہ کا مقابلہ کرنا چاہئے یا نہیں کوئی کہتا کہ یہ بات جادوگروں کی سی نہیں اور یہ چہرہ بھی جادوگروں جیسا نہیں۔ اس شخص کے لب ولہجہ سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ یہ شخص اندر سے مطمئن ہے۔ خوف و ہراس کا نام ونشان بھی اس شخص کے آس پاس بھی کہیں نظر نہیں آتا اور بعض کہتے کہ یہ جادوگر ہے ہم اس پر غالب آجائیں گے۔ اور چھپ کر باہم مشورہ کرنے لگے۔ اور فرعون سے چھپا کر سرگوشیاں کرنے لگے کہ فرعون کے لوگوں میں سے کسی کو اس مشورہ کی خبر نہ ہو۔ بالآخر اس مشورہ میں یہ طے پایا کہ سب نے متفق ہو کر یہ کہا۔

۱- کہ بیشک یہ دونوں بھائی جادوگر ہیں۔

۲- اور یہ دونوں یہ چاہتے ہیں کہ اپنے جادو کے زور سے تم کو تمہارے ملک سے نکال دیں اور خود اس پر متصرف اور قابض ہو جائیں اور اس ملک کو اپنے تصرف میں لائیں۔

۳- اور یہ دونوں یہ چاہتے ہیں کہ تمہارے بہتر طریقہ کو مٹا دیں۔ اور اپنا طریقہ اس پر رائج کر دیں۔ "طریقہ"

سے دین اور مذہب مراد ہے کہ فرعون نے یہ کہا۔ ﴿اِنِّیْٓ اَخَافُ اَنْ یُّبَدِّلَ دِیْنَکُمْ﴾ مطلب یہ ہے کہ ان دونوں بھائیوں کا مقصد یہ ہے کہ سرزمین مصر سے تمہارا طریقہ اور مذہب اور تمہاری تہذیب اور تمدن ختم کر کے بنی اسرائیل کا طریقہ اور ان کا دین اور ان کی تہذیب وتمدن ملک میں رائج کریں۔ پس تم سب مل کر اور متفق ہو کر اپنی تدبیر کو پختہ کرلو اور پھر سب صف باندھ کر مقابلہ پر آؤ۔ تاکہ اس کے دل میں ہیبت ہو۔ اور سب پر تمہارا رعب پڑے اور ڈٹ کر موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کرو اور تحقیق آج فلاح کو پہنچا جو آج کامیاب ہوا۔ یعنی آج جس نے غلبہ پالیا جیت اسی کی ہے اور وہی اپنے مقصد میں کامیاب ہے ساحروں کی تعداد میں مختلف اقوال آئے ہیں بعض کہتے ہیں کہ ۹۰۰ (نوسو) تھے اور بعض کہتے ہیں کہ تین سو تھے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ بارہ ہزار تھے اور بعض کہتے ہیں کہ تیس ہزار تھے اور بعض کہتے ہیں کہ ستر ہزار تھے۔ (دیکھو تفسیر کبیر: ۶/۶۱)

پھر اس صف بندی کے بعد جادوگروں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا اے موسیٰ بتلایئے یا تو یہ ہو کہ آپ اپنا عصا پہلے زمین پر ڈالیں گے۔ اور یا ہم ہی پہلے ڈالنے والے بنیں یعنی دونوں باتوں کے درمیان آپ کو اختیار ہے۔ جیسی صورت چاہیں پسند کریں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا بلکہ پہلے تم ہی ڈالو مجھے کسی چیز کی پرواہ نہیں۔

چنانچہ پہلے انہوں نے اپنی لاٹھیاں رسیاں زمین پر ڈالدیں تو ڈالتے ہی ان کی رسیاں اور لاٹھیاں ان کے جادو کے زور سے موسیٰ علیہ السلام کی نظر میں ایسی دکھائی دینے لگیں جیسے سانپ دوڑ رہے ہوں۔ تمام لوگوں کو ایسا نظر آیا کہ ان کی لاٹھیاں اژدہا بنی ہوئی ہیں اور دوڑی چلی جا رہی ہیں اور سارا میدان ان سے بھرا ہوا ہے۔

پس اس منظر کو دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام نے اپنے دل میں کچھ خوف محسوس کیا۔ موسیٰ علیہ السلام چونکہ جادو کی حقیقت سے واقف نہ تھے اس لیے موسیٰ علیہ السلام نے اپنے دل میں کچھ ڈر محسوس کیا اور یہ خوف بمقتضائے جبلت بشری تھا یا اس وجہ سے تھا کہ مبادا لوگ اس ظاہری منظر کو دیکھ کر جادو کے فتنہ میں مبتلا ہو جائیں اور سحر اور معجزہ کا فرق ان پر ملتبس ہو جائے اور عجب نہیں کہ یہ بھی خیال کیا ہو کہ میرے پاس تو ایک ہی عصا ہے اور وہ ایک ہی سانپ بنے گا اور ان کے پاس تو بہت سی رسیاں اور لاٹھیاں ہیں جب وہ سب سارے سانپ بن جائیں گے تو بظاہر باطل حق پر غالب نظر آئے گا۔ اس لیے ڈرے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس وقت ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے کہہ دیا کہ تو کچھ بھی خوف نہ کر بلاشبہ تو ہی تن تنہا ان سب پر غالب رہے گا۔ معجزہ کے سامنے جادو اور شعبدہ کیا چیز ہے اور اے موسیٰ جو چیز بھی اس وقت تیرے دائیں ہاتھ میں ہے اس کو زمین پر ڈال دے اگرچہ وہ گھانس کا تنکا ہی کیوں نہ ہو۔ یعنی ان رسیوں اور لاٹھیوں کی پرواہ نہ کر جو کچھ تیرے داہنے ہاتھ میں ہے خواہ گھانس کا تنکا ہی کیوں نہ ہو اس کو زمین پر ڈال دے وہ ان کے تمام شعبدے کو نگل جائے گا۔ جو انہوں نے بنایا ہے۔ اور آپ کا ایک عصا ان ہزار ہا ہزار لاٹھیوں اور رسیوں کو نگل کر ڈکار بھی نہ لے گا تحقیق انہوں نے جو کچھ بنایا ہے وہ تو جادوگر کا حیلہ اور فریب ہے اور آپ نے جو کام کیا ہے وہ قدرت خداوندی کا ایک کرشمہ ہے اور ایک خیالی شعبدہ بھی کرشمہ قدرت پر غالب نہیں آسکتا اور جادوگر جہاں کہیں بھی آئے کامیاب نہیں ہوتا۔

پس موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا زمین پر ڈال دیا۔ فوراً وہ ایک بڑا اژدہا بن گیا اور ان عصاؤں اور رسیوں کے پیچھے ہوا

جو ساحروں نے ڈالی تھیں دم کے دم میں سب کو ایک ایک کر کے نگل گیا۔ اور کسی چیز کو باقی نہ چھوڑا۔ اور لوگ ڈر کے مارے بھاگ اٹھے۔ بعد ازاں موسیٰ علیہ السلام کا یہ عصا جو اژدھا بنا ہوا تھا۔ فرعون کی طرف متوجہ ہوا کہ فرعون کو نگل جائے تو فرعون چلا یا اور موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کی تو موسیٰ علیہ السلام نے اس کو پکڑ لیا پھر وہ پہلے ہی جیسا عصا ہو گیا۔ (دیکھو تفسیر کبیر: ۶/ ۶۰)

کہا جاتا ہے کہ اس واقعہ کے بعد ایک عرصہ تک فرعون اپنے محل سے باہر نہیں نکلا۔

ساری دنیا نے اس وقت حق اور باطل اور سحر اور معجزہ کا یہ معرکہ دیکھا اور جادوگر بھی سمجھ گئے کہ موسیٰ علیہ السلام نے جو کچھ دکھایا ہے وہ سحر نہیں بلکہ معجزہ نبوت اور کرشمہ قدرت ہے کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ پس جادوگروں کی اس وقت یہ حالت ہوئی کہ وہ اس کرشمہ غیبی کو دیکھ کر ایسے بے خود ہو گئے کہ گویا گردن پکڑ کر سجدہ میں ڈال دیئے گئے۔ ساحرین چونکہ فن سحر کے ماہر تھے اور اس کے اصول وفروع سے باخبر تھے اور سحر کی حقیقت سے واقف تھے اس لیے دیکھتے ہی یہ سمجھ گئے کہ یہ کرشمہ موسوی دائرہ سحر سے بالا اور برتر کوئی حقیقت ہے۔ یہ کرشمہ قدرت ہے اور موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر ایمان لے آئے اور بولے کہ ہم ایمان لے آئے ہارون اور موسیٰ کے پروردگار پر یعنی ہم اس رب پر ایمان لائے جو موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کا رب ہے اور جس کی قدرت سے یہ عصا اژدھا بنا اور ہماری ہزار ہا رسیوں اور لاٹھیوں کو ایک لقمہ بنا کر نگل گیا۔ سحر میں یہ طاقت نہیں کہ وہ ایک دم سے رسیوں اور تمام لاٹھیوں کو نگل جائے۔ جادوگروں نے جب یہ دیکھا کہ عصا موسیٰ علیہ السلام نے ان کے حِبال اور عِصِی میں سے ایک کو بھی نہیں چھوڑا۔ تو سمجھ گئے کہ یہ سحر نہیں بلکہ معجزہ ہے اور ایمان لے آئے اور سجدہ میں گر گئے اور ساحروں کا یہ سجدہ، سجدہ شکر تھا کہ اللہ نے ہم پر حق اور باطل اور سحر اور معجزہ کا فرق ظاہر فرما دیا۔

سبحان اللہ کیا عجب ماجرا ہے کہ انہی جادوگروں نے ابتداء میں موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ کے لئے اپنی رسیوں اور لاٹھیوں کو زمین پر ڈالا تھا۔ پھر جب حق واضح ہو گیا تو اپنے سروں کو زمین پر ڈال دیا اور یہ سجدہ، سجدہ شکر تھا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان کی توفیق عطا فرمائی۔

نکتہ:...... اور رب ہارون علیہ السلام و موسیٰ علیہ السلام میں ہارون علیہ السلام کو اس لیے مقدم کیا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام سے عمر میں بڑے تھے۔ یا اس وجہ سے کہ فرعون نے بچپن میں موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کی تھی تو رب موسیٰ علیہ السلام سے یہ وہم نہ ہو جائے کہ فرعون مراد ہے۔

عکرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرعون کے ملک میں نو سو جادوگر تھے۔ انہوں نے فرعون سے کہہ دیا تھا کہ اگر موسیٰ علیہ السلام درحقیقت جادوگر ہے تو ہم اس پر ضرور غالب آئیں گے کیونکہ فن سحر میں ہم سے زیادہ کوئی کامل اور ماہر نہیں اور اگر وہ پیغمبر ہوں گے تو ہم ان پر غالب نہ آسکیں گے۔

چنانچہ جب مقابلہ ہوا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا نے جادو کی ہستی مٹا کر رکھ دی تو ان سب کو آپ کی پیغمبری کا یقین ہو گیا۔ اور ایمان لے آئے فرعون نے یہ واقعہ دیکھ کر جادوگروں کو دھمکایا اور کہا کہ میری اجازت سے پہلے تم اس پر کیسے ایمان لے آئے۔ یعنی تم کو چاہیئے تھا کہ مجھ سے مشورہ کرتے۔ اور میرے حکم کے بعد ایمان لاتے۔ پھر اپنے لوگوں کو شبہ میں ڈالنے کی غرض سے یہ کہا۔ بیشک یہ شخص تمہارا بڑا ہے جس نے تم کو جادو سکھایا ہے اور تم سب اس کے شاگرد ہو اور دل سے اس کے ساتھ ہو اور اندرونی طور پر اس سے ملے ہوئے ہو۔ یہ سب تمہاری ملی بھگت ہے اور جنگ زرگری ہے تم نے اپنے استاد کی

شان بلند کرنے کے لیے ایسا کیا ہے۔ فرعون نے جب دیکھا کہ جس جادو کے بل بوتے پر وہ اچھل کود رہا تھا وہ دم کے دم میں معجزہ موسوی کا لقمہ بن گیا تو اب لوگوں کو بہکانا شروع کیا۔ ف

چو حجت نہ ماند جفا جوئے را
بہ پرخاش برہم کشد روئے را

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ فرعون کا صریح جھوٹ تھا لوگوں کو دھوکہ دینے اور شبہ میں ڈالنے کے لیے اس نے یہ جھوٹ بولا کہ تمہارا استاد ہے وہ خوب جانتا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام ان جادوگروں سے کبھی ملے بھی نہیں اور نہ ان کی ان سے کوئی جان پہچان ہے اور اگر موسیٰ علیہ السلام ان جادوگروں کے استاد ہوتے اور یہ ان کے شاگرد ہوتے تو سب کو معلوم ہوتا۔ استادی اور شاگردی کا تعلق لوگوں کو معلوم ہوتا ہے۔ فرعون نے جب یہ جھوٹ بولا تو سننے والے بھی جانتے اور سمجھتے تھے کہ یہ فرعون کا بہتان اور دردغ بے فروغ ہے۔ (دیکھو تفسیر کبیر: ۶/ ۶۴)

پھر اس جھوٹ کے بعد فرعون نے ان کو دھمکانا شروع کیا اور کہا۔ پس تم خوب سمجھ لو کہ میں ضرور بالضرور تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹ ڈالوں گا۔ یعنی داہنے ہاتھ اور بائیں پاؤں تا کہ تمہاری ہیئت اور صورت بگڑ جائے۔ اور پھر تم کو سولی دے کر کھجور کے تنوں پر لٹکوادوں گا۔ تا کہ لوگ تم کو دیکھ کر عبرت حاصل کریں اور تم یہ بھی جان لوگی کہ ہم دونوں میں یعنی مجھ میں اور رب موسیٰ علیہ السلام میں کس کا عذاب زیادہ سخت اور دیر پا ہے یعنی میں تم کو تمہارے ایمان لانے پر سزا دوں گا۔ اگر تم ایمان نہ لاتے تو موسیٰ علیہ السلام کے مطابق تم کو موسیٰ علیہ السلام کا خدا عذاب دیتا۔ اب تم کو معلوم ہو جائے گا کہ میرا عذاب زیادہ سخت ہے دیر پا ہے یا موسیٰ علیہ السلام کے خدا کا جس پر تم ایمان لائے ہو۔

ایک شبہ:...... امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر کوئی یہ سوال کرے کہ ابھی تو یہ گزر رہا ہے کہ فرعون موسیٰ علیہ السلام کے عصا سے جب وہ اژدہا ہو گیا اور وہ عصا فرعون کی طرف متوجہ ہوا تو فرعون چیخیں مارنے لگا اور موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کرنے لگا تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنے عصا کو پکڑا اور ہاتھ میں لیا پھر وہ بدستور پہلے ہی جیسا عصا ہو گیا تب فرعون کے ہوش وحواس درست ہوئے تو شبہ یہ ہے کہ پہلے تو فرعون کے خوف کا یہ حال تھا جو بیان ہوا اور اب یہ دلیری اور بہادری کہ سب کو ڈرا دھمکا رہا ہے۔ خوف و ہراس کے بعد یہ دلیری کہاں سے آئی۔

جواب:...... یہ ہے کہ وہ دل سے نہایت خوفزدہ تھا۔ مگر بے حیائی اور ڈھٹائی سے اپنی دلیری ظاہر کرتا تھا کہ اس کے بات بنی رہے اور ظالم اور بدکار لوگوں کا یہی طریقہ ہے کہ وہ اس قسم کی باتیں کیا کرتے ہیں۔ فرعون کا یہ کہنا کہ ﴿إِنَّهُ لَكَبِيرُكُمُ الَّذِي عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ﴾ یہ تمہارا استاد و بزرگوار ہے۔ جس نے تم کو جادو سکھایا اس کا یہ دروغ بے فروغ خود اس کے اندرونی نزنہ کی دلیل ہے۔ حالانکہ اس کو خوب معلوم تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کبھی بھی ان جادوگروں سے نہیں ملے اور نہ ان سے واقف ہیں۔ اور نہ ان کا ان سے کوئی تعلق ہے جو شخص اندر سے خوفزدہ ہوتا ہے وہ باہر سے ایسی ہی بے سروپا باتیں کیا کرتا ہے۔ جس کی حقیقت اکثر سے زیادہ کچھ نہیں ہوتی۔ (دیکھو تفسیر کبیر: ۶/ ۶۴)

مومنین صالحین کی طرف سے فرعون کی تہدید کا جواب

یہاں تک تو اللہ تعالیٰ نے فرعون کی تہدید کا اور دھمکیوں کا ذکر کیا۔ اب آگے مومنین صالحین کی طرف سے فرعون کی تہدید کا جواب ذکر فرماتے ہیں کہ فرعون کی ان دھمکیوں سے ان کے پائے ثبات میں کوئی تزلزل نہیں آیا۔ فرعون کی یہ دھمکیاں سن کر مومنین صالحین جواب میں یہ بولے کہ اے فرعون ہم تجھ کو ہرگز ترجیح نہ دیں گے۔ ان واضح دلائل کے مقابلہ میں جو ہم کو پہنچے ہیں اور نہ ہم تجھ کو اس ذات کے مقابلہ میں ترجیح دیں گے جس نے ہم کو پیدا کیا ہے۔ ہمارا رب وہ ہے جس نے پردہ عدم کو چاک کر کے ہم کو وجود عطا کیا ہے۔ ربوبیت کے لیے خالقیت شرط ہے جب تو ہمارا خالق نہیں تو ہمارا رب کیسے ہوسکتا ہے۔ پس تو جو کرنا چاہئے وہ کر گزر ہمیں تیرے ڈرانے دھمکانے کی کچھ پروا نہیں جز ایں نیست کہ تو اپنا حکم صرف اس دنیاوی زندگانی میں جاری کرسکتا ہے جو عنقریب زائل اور فنا ہونے والی ہے تو تیرا عذاب کچھ دیرپا نہیں۔ تیرا سارا زور اس دار فانی میں ہے۔ اور ہم دار البقا اور دار القرار کے شیدائی اور فدائی ہیں تو ہم کو کیا اس فانی اور مجازی عذاب سے ڈراتا ہے بس اب تو ہم اپنے اس پروردگار پر ایمان لا چکے ہیں جس نے ہم کو وجود عطا کیا اور زمین کو ہمارا فرش اور آسمان کو ہماری چھت بنایا۔ اور ہمارے لیے سامان رزق زمین سے اگایا۔ ساری عمر ہم نے اس کا کفر کیا اب ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں۔ تاکہ وہ پروردگار ہمارے پچھلے تمام گناہوں کو بخش دے اور خاص کر اس گناہ کا بخش دے جو تو نے ہم سے زبردستی کرایا۔ یعنی یہ جادو جو ہم نے موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں کیا۔ وہ تیرے زور دینے سے کیا ساحروں نے یہ سحر اگرچہ اپنے اختیار سے کیا لیکن چونکہ حکم شاہی سے کیا تو مجبور تھے اس لیے کہ حکم شاہی آدمی کو مجبور کر دیتا ہے۔ شخصی اور انفرادی دباؤ سے آدمی اتنا مجبور نہیں ہوتا جتنا کہ حکومت کے دباؤ سے مجبور ہو جاتا ہے۔ فرعون نے جب ساحروں کو موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ کے لیے کہا اور ان سے عصا کے اژدھا ہو جانے کا ذکر کیا تو جادوگروں نے یہ کہا کہ اچھا پہلے ہم کو موسیٰ علیہ السلام کو سوتا ہوا دکھا دو تاکہ ہم ان کو دیکھ کر معلوم کرلیں کہ بات کیا ہے تو فرعون نے جادوگروں کو ان کے دیکھنے کے لیے بھیجا جب جادوگر وہاں پہنچے تو دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام تو سو رہے ہیں اور وہ عصا سانپ کی صورت میں ان کا پہرہ دے رہا ہے اور ان کی پاسبانی اور نگہبانی کر رہا ہے۔ جادوگروں نے اس حالت کو دیکھ کر یہ شخص تو جادوگر نہیں کیونکہ ساحر جب سو جاتا ہے تو اس کا سحر اس وقت کام نہیں کرتا جادوگروں نے آکر یہ سارا ماجرا فرعون سے بیان کر دیا مگر فرعون نے نہ مانا اور کہا کہ تم لوگ بھی بیشمار اژدھے لاسکتے ہو وہ ایک اژدھا کیا تمہارا مقابلہ کرے گا۔ غرض یہ کہ فرعون نے جادوگروں کو موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ کرنے کے لیے مجبور کیا۔ (دیکھو تفسیر کبیر: ۶/ ۶۵ و تفسیر روح المعانی: ۱۶/ ۲۱۱)

اور ظاہر یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا حال دیکھنے کے لیے خاص خاص فن سحر کے ماہر ہی گئے ہوں گے نہ کہ سب۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ سب جادوگر دل سے موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ پر آمادہ نہ تھے۔ بہت سے فرعون کے جبر و اکراہ سے مقابلہ پر آئے اور جب علی الاعلان حق واضح ہوگیا۔ اور حق باطل کو نگل گیا تو فرعون کی پرواہ نہ کی اور اپنے خدائے عز و جل پر ایمان لے آئے اور اپنے گناہ کی معافی چاہی اور فرعون کی دھمکیوں کے جواب میں یہ کہا اور اللہ بہت بہتر ہے اور بہت باقی رہنے والا ہے۔ وہ قادر مطلق ہے اور اس کا ثواب اور عذاب دائمی ہے۔ اس کا انعام تیرے انعام سے بہتر ہے اور اس کا عذاب تیرے عذاب سے

زیادہ سخت اور زیادہ دیر پا ہے تو تو ایک گھورا اور متورا بھگوڑا آدمی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے عصا کو دیکھ کر تیرا پیشاب پاخانہ خطا ہوگیا۔ اور تو اپنے تخت سے بھاگ اٹھا۔ تجھے ربوبیت سے کیا واسطہ۔ اب آگے قرآن کریم میں اس کا ذکر نہیں کہ فرعون نے ان ایمان لانے والوں کو وہ سزا دی یا نہیں جس کی اس نے ان کو دھمکی دی تھی حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ظاہر یہ ہے کہ فرعون نے جوان کے قتل اور سولی کا عزم مصمم کیا تھا وہ کر گزرا۔ جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر سلف سے مروی ہے کہ یہ مقتولین صبح کے وقت جادوگر تھے اور شام کے وقت شہید تھے۔ (دیکھو تفسیر ❶ ابن کثیر: ۳/۱۵۹ اور دیکھو تفسیر کبیر ❷: ۶/۶۷)

پھر ان مومنین صالحین نے فرعون کے عذاب کے مقابلہ میں ایمان کو اختیار کرنے کی وجہ بیان کی۔ اس میں ذرا شک نہیں کہ جو شخص قیامت کے دن اپنے پروردگار کے سامنے مجرم اور باغی ہو کر حاضر ہوگا تو بلاشک اس کے لیے دوزخ کا دائمی عذاب ہے جس میں نہ وہ مرے گا اور نہ زندہ رہے گا وہاں اس کو کوئی راحت نصیب نہ ہوگی۔ ہمیشہ عذاب ہی میں رہے گا۔ ہم اس کے عذاب سے ڈر کر ایمان لائے ہیں جس کے مقابلہ میں تیرا عذاب ہیچ ہے اور جو شخص اس کے پاس ایمان والا ہو کر آئے گا جس نے ایمان کے ساتھ نیک عمل بھی کیے ہوں تو ایسے لوگوں کے لیے بلند درجے اور ہمیشہ رہنے کے باغات ہوں گے۔ جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور یہ جزا ہے اس شخص کی کہ جو کفر اور معصیت کی نجاستوں سے پاک صاف ہوا اور کفر اور معصیت کی نجاست سے پاک کرنے والی چیز ایمان اور عمل صالح ہے۔

وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى ۙ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۙ

اور ہم نے حکم بھیجا موسیٰ کو کہ لے نکل میرے بندوں کو رات سے پھر ڈال دے ان کے لئے سمندر میں رستہ سوکھا

اور ہم نے حکم بھیجا موسیٰ کو۔ کہ لے نکل میرے بندوں کو رات سے، پھر ڈال دے ان کو راہ سمندر میں سوکھی،

لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى ﴿۷۷﴾ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا

نہ خطرہ کر آ پکڑنے کا اور نہ ڈر ڈوبنے سے پھر پیچھا کیا ان کا فرعون نے اپنے لشکروں کو لے کر پھر ڈھانپ لیا انکو پانی نے جیسا کہ

نہ خطرہ تجھ کو آ پکڑنے کا نہ ڈر۔ پھر پیچھے لگا ان کے فرعون اپنا لشکر لے کر، کہ پھر گھیر لیا ان کو پانی نے، جیسا

غَشِيَهُمْ ﴿۷۸﴾ وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى ﴿۷۹﴾ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ

ڈھانپ لیا ف۱ اور بہکایا فرعون نے اپنی قوم کو اور نہ سمجھایا ف۲ اے اولاد اسرائیل چھڑا لیا ہم نے تم کو تمہارے

گھیر لیا۔ اور بہکایا فرعون نے اپنی قوم کو اور نہ سمجھایا۔ اے اولاد اسرائیل ! چھڑا دیا ہم نے تجھ کو تمہارے

ف۱ جب فرعونیوں نے میدان مقابلہ میں شکست کھائی، ساحرین مشرف بایمان ہو گئے۔ بنی اسرائیل کا پلہ بھاری ہونے لگا۔ اور موسیٰ علیہ السلام نے سالہا سال تک اللہ تعالیٰ کی آیات باہرہ دکھلا کر ہر طرح حجت تمام کر دی۔ اس پر بھی فرعون حق کو قبول کرنے اور بنی اسرائیل کو آزادی دینے پر آمادہ نہ ہوا۔ تب حق =

❶ قال الحافظ ابن كثير الظاهر ان فرعون لعنه الله صمم على ذلك وفعله بهم رحمة لهم من الله ولهذا قال ابن عباس وغيره من السلف اصبحوا سحرة وامسوا شهداء۔

❷ قال الامام الرازى اعلم انه ليس في القرآن ان فرعون فعل باولئك القوم المؤمنين ما اوعدهم به ولكن ثبت ذلك بالاخبار۔

عَدُوِّكُمْ وَوٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ⑧٠ كُلُوْا

دشمن سے اور وعدہ ٹھہرایا تم سے داہنی طرف پہاڑ کی اور اتارا تم پر من اور سلویٰ کھاؤ

دشمن سے، اور وعدہ رکھا تم سے داہنی طرف پہاڑ کے، اور اتارا تم پر من اور سلویٰ۔ کھاؤ

مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ ۚ وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ

ستھری چیزیں جو روزی دی ہم نے تم کو اور نہ کرو اس میں زیادتی ف۱ پھر تو اترے گا تم پر میرا غصہ اور جس پر اترا میرا

ستھری چیزیں جو روزی دی ہم نے تم کو، اور نہ کرو اس میں زیادتی، پھر اترے تم پر میرا غصہ۔ اور جس پر اترا میرا

غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى ⑧١ وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ⑧٢

غصہ سو وہ پٹکا گیا ف۲ اور میری بڑی بخشش ہے اس پر جو توبہ کرے اور یقین لائے اور کرے بھلا کام پھر راہ پر رہے ف۳

غصہ وہ پٹکا گیا۔ اور میری بڑی بخشش ہے اس پر جو توبہ کرے اور یقین لائے اور کرے بھلا کام پھر راہ پر رہے۔

=تعالیٰ نے حکم دیا کہ سب بنی اسرائیل کو ہمراہ لے کر رات کے وقت مصر سے ہجرت کر جاؤ تا کہ اس طرح بنی اسرائیل کی مظلومیت اور غلامی کا خاتمہ ہو۔ راستہ میں سمندر (بحر قلزم) حائل ہوگا لیکن تم جیسے اولو العزم پیغمبر کے راستہ میں سمندر کی موجیں حائل نہیں ہونی چاہئیں۔ ان ہی کے اندر سے اپنے لیے خشک راستہ نکال لو۔ جس سے گزرتے ہوئے نہ غرق ہونے کا اندیشہ کرو اور نہ اس بات کا کہ شاید دشمن پیچھے سے تعاقب کرتا ہوا آ پکڑے۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے اسی ہدایت کے موافق سمندر میں لاٹھی ماری جس سے پانی پھٹ کر راستہ نکل آیا۔ خدا نے ہوا کو حکم دیا کہ زمین کو فوراً خشک کر دے۔ چنانچہ آناً فاناً سمندر کے بیچ خشک راستہ تیار ہوگیا جس کے دونوں طرف پانی کے پہاڑ کھڑے ہوئے تھے ﴿فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ﴾ بنی اسرائیل اس پر سے بے تکلف گزر گئے۔ پیچھے سے فرعون اپنے عظیم الشان لشکر کو لیے تعاقب کرتا آ رہا تھا۔ خشک راستہ دیکھ کر ادھر ہی گھس پڑا۔ جس وقت بنی اسرائیل عبور کر گئے اور فرعونی لشکر راستہ کے بیچوں بیچ پہنچا، خدا تعالیٰ نے سمندر کو ہر طرف سے حکم دیا کہ ان سب کو اپنی آغوش میں لے لے۔ پھر کچھ نہ پوچھو کہ سمندر کی موجوں نے کس طرح ان سب کو ہمیشہ کے لیے ڈھانپ لیا۔

ف۲ یعنی دعوے تو زبان سے بہت کیا کرتا تھا۔ ﴿وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ﴾ لیکن اس نے اپنی قوم کو کیسا اچھا راستہ بتلایا۔ وہ ہی مثال سچی کر دی کہ "ہم تو ڈوبے ہیں صنم تم کو بھی لے ڈوبیں گے۔" جو حال دنیا میں ہوا تھا وہی آخرت میں ہوگا۔ یہاں سب کو لے کر سمندر میں ڈوبا تھا وہاں سب کو ساتھ لے کر جہنم میں گرے گا۔ ﴿يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ﴾ (ہود، رکوع ۹)

ف۱ یہ حق تعالیٰ بنی اسرائیل کو نصیحت فرماتے ہیں کہ دیکھو ہم نے تم پر کیسے کیسے احسان و انعام کیے، چاہیے کہ ان کا حق ادا کرو۔ کیا یہ تھوڑی بات ہے کہ ایسے سخت جابر و قاہر دشمن کے ہاتھوں سے تم کو نجات دی اور اس کو کیسے عبرتناک طریقہ سے تمہاری آنکھوں کے سامنے ہلاک کیا۔ پھر بتوسط حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تم سے وعدہ ٹھہرا کہ مصر سے شام کو جاتے ہوئے کوہ "طور" کا جو مبارک و میمون حصہ داہنے ہاتھ پڑتا ہے وہاں آؤ تم کو "تورات" عطا کی جائے گی۔ "تیہ" کے لق و دق میدان میں تمہارے کھانے کے لیے من و سلویٰ اتارا گیا (جس کا ذکر سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے) ان احسانات کا حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو حلال طیب لذیذ اور ستھری چیزیں عنایت فرمائیں ہیں انہیں شوق سے استعمال کرو۔ لیکن اس معاملہ میں حد سے نہ گزرو مثلاً ناشکری یا فضول خرچی کرنے لگو۔ یا اس فانی تنعم پر اترانے لگو۔ یا اس میں سے حقوق واجبہ ادا نہ کرو۔ یا اللہ کی دی ہوئی دولت معاصی میں خرچ کرنے لگو۔ یا جہاں اور جس وقت جوڑ کر رکھنے کی ممانعت ہے وہاں جوڑنے کے پیچھے پڑ جاؤ۔ غرض خدا کی نعمتوں کو طغیان و عصیان کا آلہ نہ بناؤ۔

ف۲ یعنی زیادتی کرو گے تو اللہ کا غضب تم پر نازل ہوگا اور ذلت و عذاب کے تاریک غاروں میں پٹک دیے جاؤ گے۔

ف۳ مغضوبین کے بالمقابل یہ مغفورین کا بیان ہوا یعنی کتنا ہی بڑا مجرم ہو اگر سچے دل سے تائب ہو کر ایمان و عمل صالح کا راستہ اختیار کر لے اور اسی پر موت تک مستقیم رہے تو اللہ کے یہاں بخشش اور رحمت کی کمی نہیں۔

بنی اسرائیل کا مصر سے خروج اور فرعون کا تعاقب اور اس کی غرقابی

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ ... الٰی ... ثُمَّ اهْتَدٰى﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں ساحرین کے ساتھ موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ کا ذکر تھا کہ کھلے میدان میں دن دہاڑے مقابلہ ہوا اور فرعونیوں کو شکست فاش ہوئی اور ساحرین مشرف باسلام ہوگئے تو بنی اسرائیل کا پلہ بھاری ہوگیا۔ اور فرعون ڈر گیا۔ اور موسیٰ علیہ السلام کی تبلیغ اور دعوت کا سلسلہ شروع ہوگیا چند ہی سال میں موسیٰ علیہ السلام کے متبعین کافی تعداد میں ہوگئے مگر چند روز کے بعد لوگوں نے پھر فرعون کو دعوائے الوہیت اور سابق ظلم وتشدد پر آمادہ کیا تو حسب سابق اس نے پھر وہی ظلم وستم شروع کردیا۔ اور بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کرنے لگا تاکہ لوگوں کے دلوں میں یہ شبہ پڑ جائے کہ وہ مولود جس کی نجومیوں نے خبر دی تھی وہ ابھی پیدا ہی نہیں ہوا۔ اس لیے فرعون نے پھر قتل کا بازار گرم کیا۔ اس پر بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے ان مظالم کی شکایت کی۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان کو صبر کا حکم دیا اور فرعون سے مطالبہ کیا کہ بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے تاکہ ہم سب ملک شام چلے جائیں اور فرعون کو متنبہ کرنے کے لیے طرح طرح کے نشانات دکھاتے رہے۔ جیسے طوفان اور جراد اور قمل اور ضفادع اور دم وغیرہ وغیرہ جن کا ذکر سورۂ اعراف میں گزر چکا ہے۔ فرعون جب کوئی نشان دیکھتا تو ڈر جاتا اور موسیٰ علیہ السلام سے اس کے رفع کے لیے درخواست کرتا اور بنی اسرائیل کو ان کے ساتھ بھیجنے کا وعدہ کرلیتا۔ مگر جب وہ مصیبت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے رفع ہوجاتی تو پھر مکر جاتا۔ بیس سال اسی حالت میں گزر گئے نہ ایمان لایا اور نہ بنی اسرائیل کو رہا کرنے پر آمادہ ہوا اور اس طویل وعریض مدت میں خدا تعالیٰ کی طرف سے جس قدر بھی نشانیاں دکھائی گئیں سب کی تکذیب کی۔

کما قال اللہ تعالیٰ ﴿وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى﴾

پس جب حق جل شانہ کی طرف سے حجت پوری ہوگئی اور جرم کا پیمانہ لبریز ہوگیا تو وقت آگیا کہ بنی اسرائیل کو فرعون کے پنجہ سے نجات دلائی جائے اور اس کے ان وحشیانہ مظالم کا انتقام لیا جائے اور اس کے غرق کا سامان کیا جائے تو موسیٰ علیہ السلام کو حکم آیا کہ تم بنی اسرائیل کو اپنے ہمراہ لے کر مصر سے ہجرت کر جاؤ تاکہ بنی اسرائیل کی مظلومیت کا خاتمہ ہو اور خدا کے ماننے والے اور نہ ماننے والے ایک دوسرے سے جدا اور ممتاز ہوجائیں اور خارق عادات طریقہ سے بنی اسرائیل کا دریا سے پار ہوجانا اور پھر ان کے بعد فرعون اور اس کے لشکر کا اس خارق عادت طریقہ سے بصد ہزار ذلت وخواری غرق ہوجانا کرشمہ قدرت اور معجزہ نبوت ہے چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ حکم ہوا کہ تم بنی اسرائیل کو اپنے ساتھ لے کر شام چلے جاؤ اور جب راستہ میں دریا پر پہنچو تو اس پر لاٹھی مار دینا اس سے دریا میں بارہ راستے بن جائیں گے اور درمیان میں دونوں طرف پانی کی دیواریں کھڑی ہوجائیں گی اور بنی اسرائیل کے بارہ خاندانوں میں کا ہر خاندان ایک ایک راستہ سے الگ الگ نکل جائے گا۔

چنانچہ موسیٰ علیہ السلام جب دریا کے کنارے پر پہنچے تو حسب حکم خداوندی دریا پر اپنی لاٹھی ماری تو فوراً دریا میں خشک راستے تیار ہوگئے اور دونوں طرف پہاڑ کی طرح پانی کی دیواریں کھڑی ہوگئیں۔

جب صبح ہوئی تو فرعون کو اور قوم قبط کو معلوم ہوا کہ اب شہر میں بنی اسرائیل میں سے کوئی نہیں فرعون کو جب یہ خبر ملی تو فوراً اپنا لشکر لے کر بنی اسرائیل کے تعاقب میں نکلا اور بنی اسرائیل کو دیکھا کہ دریا میں خشک راستوں سے گزر رہے ہیں۔ تو اس نے اپنے آدمیوں کو ان دریائی راستوں پر چلنے کا حکم دیا۔ اس عجیب وغریب منظر کو دیکھ کر فرعون کے خوشامدی بولے کہ یہ سب حضور فیض گنجور کا اقبال ہے۔

جب بنی اسرائیل دریا سے پار نکل گئے اور فرعون مع لشکر کے دریا کے بیچ پہنچ گیا تو بحکم خداوندی دریا کا پانی رواں ہوگیا۔ اور وہ بدبخت مع اپنی قوم کے غرق ہوگیا۔

ربط دیگر...... گزشتہ رکوع میں حق تعالیٰ نے خاص موسیٰ علیہ السلام پر اپنے انعامات اور احسانات کا ذکر فرمایا۔ ان آیات میں بنی اسرائیل پر اپنے انعامات کا ذکر فرماتے ہیں کہ کس طرح تمہارے دشمن کو تمہاری نظروں کے سامنے غرق کیا۔

ربط دیگر...... گزشتہ رکوع میں فرعون کے حال کو بیان کیا تھا۔ اب اس رکوع میں فرعون کے مآل اور انجام کو بیان فرماتے ہیں۔ تا کہ لوگ اس سے عبرت پکڑیں اور جان لیں کہ خدا تعالیٰ اگرچہ ظالم کو مہلت دیتا ہے مگر اس کو چھوڑتا نہیں۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور جب فرعون باوجودیکہ اس مقابلہ میں شکست کھا گیا مگر پھر بھی اپنے تکبر اور تجبر سے باز نہ آیا اور بنی اسرائیل کو طرح طرح کی ایذائیں پہنچاتا رہا تو البتہ تحقیق اس وقت ہم نے بنی اسرائیل کو فرعون کے پنجہ ظلم سے نجات دینے کے لیے موسیٰ علیہ السلام کی طرف یہ وحی بھیجی کہ ہمارے ان بندوں کو یعنی بنی اسرائیل کو راتوں رات مصر سے باہر لے کر نکل جاؤ اور دور چلے جاؤ چلتے چلتے تم کو راستہ میں دریا ملے گا۔ پس جب دریا پر پہنچو تو اس پر اپنا عصا مار کر بنی اسرائیل کے لیے خشک راستہ بنا دینا جس میں نہ پانی ہو اور نہ کیچڑ ہم نے دریا کو حکم دے دیا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام تجھ پر عصا مارے تو اس کے لیے خشک راستے بنا دینا۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے سمندر پر پہنچ کر اس پر اپنا عصا مارا اسی وقت اس میں بحکم خداوندی بارہ راستے بن گئے۔

﴿فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ﴾

چونکہ علم الٰہی میں یہ امر تھا کہ فرعون اپنا لشکر لے کر بنی اسرائیل کا تعاقب کرے گا اس لیے پہلے ہی فرما دیا کہ تم سیدھے چلے جانا نہ تو پکڑے جانے سے ڈرے گا اور نہ ڈوبنے کا خوف کرے گا۔ اس واسطے کہ ہم تجھ کو صحیح سالم سلامتی کے ساتھ پار کر دیں گے نہ تو تجھ کو ڈوبنے کا خوف ہوگا اور نہ یہ خوف ہوگا کہ پیچھے سے کوئی دشمن آ کر ہمیں پکڑ لے اس حکم کے مطابق موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو اپنے ساتھ لے کر راتوں رات مصر سے چل پڑے۔

پس جب صبح کو فرعون کو اور قبطیوں کو اس کی خبر ہوئی تو فرعون نے اپنے لشکر سمیت ان کا پیچھا کیا۔ اور دریا کے کنارے پہنچا تو دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام تو بنی اسرائیل کو لیکر دریا سے پار ہو چکے ہیں اور دریا میں خشک راستے بنے ہوئے ہیں۔ فرعون اپنے لشکر کو لے کر انہی راستوں پر ہولیا۔ پس جب تمام لشکر دریا[1] کے درمیان پہنچ گیا تو ڈھانپ لیا فرعون کو مع اس

[1] قال الامام الرازی الاولیٰ ان یقال انه امر مقدمة عسکرة بالدخول فدخلوا وما غرقوا فغلب علی ظنه السّلامة فلما دخل الکل اغرقوا۔ (تفسیر کبیر: ۶/۶۹)

کے لشکروں کے دریا کی موج سے اس چیز نے کہ جس نے ان سب کو ڈھانپ لیا۔ یعنی ایک بڑی موج نے ان سب کو اپنی آغوش میں لے لیا اور وہ موج ایسی عظیم اور ہولناک تھی کہ کوئی اس کی کنہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ مطلب یہ ہے کہ جب فرعون مع لشکر کے دریا کے اندر داخل ہوگیا۔ تو دریا کی ہولناک موج نے ان سب کو پکڑ لیا اور ہر طرف سے پانی آملا۔ اور سب غرق ہوگئے۔

اور فرعون نے اپنی قوم کو بے راہ کیا اور راہ راست پر نہ لگایا۔ یہ فرعون کے اس دعوے کا جواب ہے جو یہ کہتا تھا ﴿وَمَآ اَهۡدِيۡكُمۡ اِلَّا سَبِيۡلَ الرَّشَادِ﴾ میں تم کو سیدھا راستہ بتلاتا ہوں۔

یہاں تک اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو فرعون کے عبرتناک غرقابی کا ذکر فرمایا اب آئندہ آیات میں بنی اسرائیل پر اپنے دوسرے انعامات اور احسانات کا ذکر کرتے ہیں اس سلسلہ میں حق تعالیٰ نے دینی اور دنیوی احسانات کا ذکر فرمایا چنانچہ فرماتے ہیں اے بنی اسرائیل ہم نے تم کو تمہارے بڑے دشمن فرعون سے نجات دی سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے نجات کی نعمت کو بیان فرمایا۔ اس لیے کہ دفع ضرر کی نعمت سب سے مقدم ہے اور یہ نعمت دنیوی تھی اب اس کے بعد دینی نعمت کو بیان کرتے ہیں اور اے بنی اسرائیل ہم نے تم سے توریت دینے کے لیے طور کے داہنی جانب کا وعدہ کیا توریت کا عطا کرنا دینی نعمت ہے کیونکہ توریت نور ہے اور ہدایت ہے اور شریعت الٰہیہ ہے۔ جس پر عمل سے انسان گمراہی سے محفوظ رہتا ہے۔

پھر اس دینی نعمت کے بعد ایک دنیوی نعمت کا ذکر فرمایا اور وہ یہ ہے کہ ہم نے تم پر من وسلویٰ اتارا۔ من تو ایک حلوا تھا جو آسمان سے ان پر اترتا تھا۔ اور "سلوی" ایک پرندہ تھا جو ان پر گرتا تھا اور لذیذ تھا۔ بقدر حاجت اس میں سے لے لیتے تھے اور اگلے روز کے لیے ذخیرہ کرنے کی ممانعت تھی یہ ان پر اللہ کا دنیوی انعام تھا۔ اب آگے یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہماری ان نعمتوں کو عصیان اور طغیان کا سبب نہ بناؤ۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور ہم نے ان سے یہ کہا کہ ان پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تم کو دی ہیں اور اس کھانے میں حد شرعی سے تجاوز نہ کرو کہ پھر تم پر میرا غضب نازل ہو۔ حد سے بڑھنے سے ناشکری اور نافرمانی کرنا اور اس کا ذخیرہ کرنا مراد ہے اور جس پر میرا غضب نازل ہوا وہ بلندی سے پستی میں جاگرا اور ہلاک اور برباد ہوا۔ یعنی اوپر سے ہاویہ (قعر جہنم میں جاگرا) "ھوی" کے معنی اوپر سے نیچے گرنے کے ہیں۔

(ھذا کلہ من التفسیر الکبیر للامام الرازی رحمہ اللہ: ۶/ ۶۹-۷۰)

اور اس قہر وغضب کے ساتھ یہ بھی ہے کہ میں بلاشبہ بخشنے والا ہوں اس شخص کو جس نے پچھلے گناہوں سے توبہ کی اور ایمان لے آیا اور آئندہ کو نیک کام کیے پھر راہ ہدایت پر قائم رہا اور مضبوطی کے ساتھ اس پر جما رہا۔ یہاں تک کہ اسی پر مرگیا۔ یہ مقام استقامت ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ ﴿اِنَّ الَّذِيۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا﴾ غرض کہ اہتداء سے استمرار اور استقامت کے معنی مراد ہیں۔ (دیکھو تفسیر کبیر: ۶/ ۷۰)

اور راہ ہدایت سے صراط مستقیم مراد ہے جو نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طریقہ ہے اور یہ گروہ اہل سنت والجماعت کا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی سنت اور طریقہ اور جماعت صحابہ کے طریقہ پر قائم ہے۔

وَمَآ اَعۡجَلَكَ عَنۡ قَوۡمِكَ يٰمُوۡسٰى ۝ قَالَ هُمۡ اُولَاۤءِ عَلٰٓى اَثَرِىۡ وَعَجِلۡتُ اِلَيۡكَ رَبِّ

اور کیوں جلدی کی تو نے اپنی قوم سے اے موسیٰ بولا وہ یہ آ رہے ہیں میرے پیچھے اور میں جلدی آیا تیری طرف اے میرے رب

اور کیوں جلدی کی تو نے اپنی قوم سے اے موسیٰ! بولا وہ، یہ ہیں میرے پیچھے، اور میں جلدی آیا تیری طرف، اے رب!

لِتَرۡضٰى ۝ قَالَ فَاِنَّا قَدۡ فَتَنَّا قَوۡمَكَ مِنۡۢ بَعۡدِكَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِىُّ ۝ فَرَجَعَ مُوۡسٰٓى

تاکہ تو راضی ہو ف۱ فرمایا ہم نے تو بچلا دیا تیری قوم کو تیرے پیچھے اور بہکایا ان کو سامری نے ف۲ پھر الٹا پھرا موسیٰ

کہ تو راضی ہو۔ فرمایا، ہم نے تو بچلا دیا (آزمائش میں ڈالا) تیری قوم کو تیرے پیچھے اور بہکایا ان کو سامری نے۔ پھر الٹا پھرا موسیٰ

اِلٰى قَوۡمِهٖ غَضۡبَانَ اَسِفًا ۚ قَالَ يٰقَوۡمِ اَلَمۡ يَعِدۡكُمۡ رَبُّكُمۡ وَعۡدًا حَسَنًا ۚ اَفَطَالَ

اپنی قوم کے پاس غصہ میں بھرا پچتاتا ہوا کہا اے قوم کیا تم سے وعدہ نہ کیا تھا تمہارے رب نے اچھا وعدہ کیا طویل

اپنی قوم پاس، غصے بھرا پچتاتا۔ کہا، اے قوم! تم کو وعدہ نہ دیا تھا تمہارے رب نے اچھا وعدہ۔ کیا لمبی

عَلَيۡكُمُ الۡعَهۡدُ اَمۡ اَرَدۡتُّمۡ اَنۡ يَّحِلَّ عَلَيۡكُمۡ غَضَبٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ فَاَخۡلَفۡتُمۡ مَّوۡعِدِىۡ ۝

ہوگئی تم پر مدت یا چاہا تم نے کہ اترے تم پر غضب تمہارے رب کا اس لئے خلاف کیا تم نے میرا وعدہ ف۳

ہوگئی تم پر مدت؟ یا چاہا تم نے کہ اترے تم پر غضب تمہارے رب کا، اس سے خلاف کیا تم نے میرا وعدہ۔

قَالُوۡا مَاۤ اَخۡلَفۡنَا مَوۡعِدَكَ بِمَلۡكِنَا وَلٰكِنَّا حُمِّلۡنَاۤ اَوۡزَارًا مِّنۡ زِيۡنَةِ الۡقَوۡمِ فَقَذَفۡنٰهَا

بولے ہم نے خلاف نہیں کیا تیرا وعدہ اپنے اختیار سے ولیکن اٹھوایا ہم سے بھاری بوجھ قوم فرعون کے زیور کا سو ہم نے اس کو پھینک دیا

بولے، ہم نے خلاف نہیں کیا تیرا وعدہ اپنے اختیار سے، اور لیکن ہم کو کہا تھا کہ اٹھالیں کتنے بوجھ اس قوم کا گہنا، پھر ہم نے وہ پھینک دیئے،

ف۱ حضرت موسیٰ علیہ السلام حسب وعدہ نہایت اشتیاق کے ساتھ کوہ طور پر پہنچے۔ شاید قوم کے بعض نقباء کو بھی ہمراہ لے جانے کا حکم ہوگا وہ ذرا پیچھے رہ گئے۔ حضرت موسیٰ شوق میں آگے بڑھے چلے گئے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا موسیٰ! ایسی جلدی کیوں کی کہ قوم کو پیچھے چھوڑ آئے۔ عرض کیا کہ اے پروردگار! تیری خوشنودی کے لیے جلد حاضر ہوگیا۔ اور قوم بھی کچھ زیادہ دور نہیں یہ میرے پیچھے چلی آ رہی ہے۔ کذا فی التفاسیر ویحتمل غیر ذلك واللہ اعلم۔

ف۲ یعنی تم تو ادھر آئے اور ہم نے تیری قوم کو ایک سخت آزمائش میں ڈال دیا، جس کا سبب عالم اسباب میں سامری بنا ہے کیونکہ اس کے اغواء و اضلال سے بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام کی غیبت میں بچھڑا پوجنا شروع کر دیا تھا۔ جس کا قصہ سورۂ اعراف میں گزر چکا ہے۔

(تنبیہ) سامری کا نام بھی بعض کہتے ہیں موسیٰ تھا۔ بعض کے نزدیک یہ اسرائیلی تھا بعض کے نزدیک قبطی۔ بہرحال جمہور کی رائے یہ ہے کہ یہ شخص حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد کا منافق تھا اور منافقین کی طرح فریب اور چالبازی سے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی فکر میں رہتا تھا۔ ابن کثیر کی روایت کے موافق کتب اسرائیلیہ میں اس کا نام ہارون ہے۔

ف۳ یعنی میری اتباع میں تم کو دینی و دنیاوی ہر طرح کی بھلائی پہنچے گی۔ چنانچہ بہت سی عظیم الشان بھلائیاں ابھی ابھی تم اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہو اور جو باقی ہیں وہ بھی عنقریب ملنے والی ہیں۔ کیا اس وعدہ کو بہت زیادہ مدت گزر گئی تھی کہ تم پچھلے احسانات کو بھول گئے اور اگلے انعامات کا انتظار کرتے کرتے تھک گئے ہو؟ یا جان بوجھ کر تم نے مجھ سے وعدہ خلافی کی؟ اور دین توحید پر قائم نہ رہ کر خدا کا غضب مول لیا (کذا فسرہ ابن کثیر رحمہ اللہ) یا یہ مطلب لیا جائے کہ تم سے حق تعالیٰ نے تیس چالیس روز کا وعدہ کیا تھا کہ اتنی مدت موسیٰ علیہ السلام "طور" پر معتکف رہیں گے، تب تورات شریف ملے گی۔ تو کیا بہت زیادہ مدت گزر گئی کہ تم انتظار کرتے کرتے تھک گئے؟ اور گوسالہ پرستی اختیار کرلی، یا عمداً یہ حرکت کی ہے تاکہ غضب الٰہی کے مستحق بنو۔ اور ﴿اَخۡلَفۡتُمۡ مَّوۡعِدِىۡ﴾ سے مراد وہ وعدہ ہے جو بنی =

فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِيُّ ﴿۸۷﴾ فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ

پھر اس طرح ڈھالا سامری نے ف۱ پھر بنا نکالا ان کے واسطے ایک بچھڑا ایک دھڑ جس میں آواز گائے کی پھر کہنے لگے یہ معبود ہے تمہارا

پھر یہ نقشہ ڈالا سامری نے۔ پھر بنا نکالا ان کے واسطے ایک بچھڑا، ایک دھڑ، جس میں چلّانا گائے کا، پھر کہنے لگے یہ صاحب ہے تمہارا

وَاِلٰهُ مُوْسٰى ۬ فَنَسِيَ ﴿۸۸﴾ اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا ۬ وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا

اور معبود ہے موسیٰ کا سو وہ بھول گیا ف۲ بھلا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ وہ جواب تک نہیں دیتا ان کو کسی بات کا اور اختیار نہیں رکھتا ان کے برے کا

اور صاحب موسیٰ کا، سو وہ بھول گیا۔ بھلا یہ نہیں دیکھتے کہ وہ جواب نہیں دیتا ان کو کسی بات کا۔ اور اختیار نہیں رکھتا ان کے برے کا نہ

نَفْعًا ﴿۸۹﴾ وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ

اور بھلے کا ف۳ اور کہا تھا ان کو ہارون نے پہلے سے اے قوم بات یہی ہے کہ تم بہک گئے اس بچھڑے سے اور تمہارا رب تو رحمٰن ہے

بھلے کا۔ اور کہا ان کو ہارون نے پہلے سے، اے قوم! اور کچھ نہیں، تم کو بہکا دیا گیا ہے اس پر، اور تمہارا رب رحمٰن ہے،

فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ ﴿۹۰﴾ قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا

سو میری راہ چلو اور مانو بات میری ف۴ بولے ہم برابر اسی پر لگے بیٹھے رہیں گے جب تک لوٹ کر آئے ہمارے پاس

سو میری راہ چلو اور مانو بات میری۔ بولے ہم رہیں گے اسی پر لگے بیٹھے، جب تک پھر آوے ہم پر

مُوْسٰى ﴿۹۱﴾ قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ﴿۹۲﴾ اَلَّا تَتَّبِعَنِ ؕ اَفَعَصَيْتَ

موسیٰ ف۵ کہا موسیٰ نے اے ہارون کس چیز نے روکا تجھ کو جب دیکھا تھا تو نے کہ وہ بہک گئے کہ تو میرے پیچھے نہ آیا کیا تو نے رد کیا

موسیٰ۔ کہا موسیٰ نے، اے ہارون! تجھ کو کیا اٹکاؤ تھا جب دیکھا تو نے کہ وہ بہکے۔ تو میرے پیچھے نہ آیا۔ کیا تو نے رد کیا

= اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ آپ ہم کو خدا کی کتاب لا دیجئے ہم اسی پر عمل کیا کریں گے۔ اور آپ کے اتباع پر مستقیم رہیں گے۔

ف۱ یعنی ہم نے اپنے اختیار سے از خود ایسا نہیں کیا، یہ حرکت ہم سے سامری نے کرائی۔ صورت یہ ہوئی کہ قوم فرعون کے زیورات کا جو بوجھ ہم پر لدا ہوا تھا اور سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اسے کیا کریں۔ وہ ہم نے باہمی مشورہ کے بعد اپنے سے اتار پھینکا۔ اس کو آگ میں پگھلا کر سامری نے ڈھال لیا اور بچھڑے کی صورت بنا کر کھڑی کر دی۔ یہ قصہ سورۂ اعراف میں گزر چکا ہے وہاں اس کے فوائد دیکھ لیے جائیں۔

(تنبیہ) قوم فرعون کے یہ زیورات کس طرح بنی اسرائیل کے ہاتھ آئے تھے؟ یا ان سے مستعار لیے تھے۔ یا مال غنیمت کے طور پر ملے یا اور کوئی صورت ہوئی۔ اس میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ کوئی صورت بھی ہو۔ بنی اسرائیل ان کا استعمال اپنے لیے جائز نہیں سمجھتے تھے لیکن غضب ہے کہ اس کا بت بنا کر پوجنا جائز سمجھا۔

ف۲ یعنی موسیٰ سے بھول ہوئی کہ خدا تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کے لیے طور پر گئے۔ خدا تو یہاں موجود ہے۔ یعنی یہی بچھڑا العیاذ باللہ۔ شاید یہ قول ان میں سے سخت غالیوں کا ہوگا۔

ف۳ یعنی اندھوں کو اتنی موٹی بات بھی نہیں سوجھتی کہ جو مورتی نہ کسی سے بات کر سکے نہ کسی کو ادنیٰ ترین نفع نقصان پہنچانے کا اختیار رکھے، وہ معبود یا خدا کس طرح بن سکتی ہے۔

ف۴ یعنی حضرت ہارون نرمی سے زبانی فہمائش کر چکے تھے کہ جس بچھڑے پر تم مفتون ہو رہے ہو، وہ خدا نہیں ہو سکتا۔ تمہارا پروردگار اکیلا رحمٰن ہے۔ جس نے اب تک خیال کرو کس قدر رحمتوں کی بارش تم پر کی ہے۔ اسے چھوڑ کر کدھر جا رہے ہو۔ میں موسیٰ کا جانشین ہوں اور خود نبی ہوں اگر اپنا بھلا چاہتے ہو تو لازم ہے کہ تم میری راہ چلو اور میری بات مانو۔ سامری کے اغواء میں مت آؤ۔

ف۵ یعنی موسیٰ کے واپس آنے تک تو ہم اس سے ٹلتے نہیں ان کے آنے پر دیکھا جائے گا جو کچھ مناسب معلوم ہوگا کریں گے۔

اَمۡرِیۡ ﴿۹۳﴾ قَالَ یَبۡنَؤُمَّ لَا تَاۡخُذۡ بِلِحۡیَتِیۡ وَلَا بِرَاۡسِیۡ ۚ اِنِّیۡ خَشِیۡتُ اَنۡ تَقُوۡلَ فَرَّقۡتَ

میرا حکم ف۱ وہ بولا اے میری ماں کے جنے نہ پکڑ میری داڑھی اور نہ سر ف۲ میں ڈرا کہ تو کہے گا پھوٹ ڈال دی تو نے

میرا حکم ؟ وہ بولا، اے میری ماں کے جنے ! نہ پکڑ میری داڑھی اور نہ سر۔ میں ڈرا کہ تو کہے گا پھوٹ ڈال دی تو نے

بَیۡنَ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ وَلَمۡ تَرۡقُبۡ قَوۡلِیۡ ﴿۹۴﴾ قَالَ فَمَا خَطۡبُكَ یٰسَامِرِیُّ ﴿۹۵﴾ قَالَ بَصُرۡتُ بِمَا

بنی اسرائیل میں اور یاد نہ رکھی میری بات ف۳ کہا موسیٰ نے اب تیری کیا حقیقت ہے اے سامری ف۴ بولا میں نے دیکھ لیا جو

بنی اسرائیل میں، اور یاد نہ رکھی میری بات۔ کہا موسیٰ نے، اب تیری کیا حقیقت ہے، اے سامری ! بولا، میں نے دیکھ لیا، جو

لَمۡ یَبۡصُرُوۡا بِهٖ فَقَبَضۡتُ قَبۡضَةً مِّنۡ اَثَرِ الرَّسُوۡلِ فَنَبَذۡتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتۡ لِیۡ

اوروں نے نہ دیکھا پھر بھر لی میں نے ایک مٹھی پاؤں کے نیچے سے اس بھیجے ہوئے کے پھر میں نے وہی ڈال دی اور یہی صلاح دی مجھ کو

سب نے نہ دیکھا، پھر بھر لی میں نے ایک مٹھی پاؤں کے نیچے سے اس بھیجے ہوئے کے، پھر میں نے وہی ڈال دی اور یہی مصلحت دی مجھ کو

نَفۡسِیۡ ﴿۹۶﴾ قَالَ فَاذۡهَبۡ فَاِنَّ لَكَ فِی الۡحَیٰوةِ اَنۡ تَقُوۡلَ لَا مِسَاسَ ۪ وَاِنَّ لَكَ مَوۡعِدًا لَّنۡ

میرے جی نے ف۵ کہا موسیٰ نے دور ہو تیرے لئے زندگی بھر تو اتنی سزا ہے کہ کہا کرے مت چھیڑو ف۶ اور تیرے واسطے ایک وعدہ ہے وہ ہرگز تجھ سے

میرے جی نے۔ کہا موسیٰ نے چل ! تجھ کو زندگی میں، اتنا ہے کہ کہا کر، نہ چھیڑو۔ اور تجھ کو ایک وعدہ ہے وہ تجھ سے

ف۱ یعنی تم کو اپنا خلیفہ بنا کر اور حکم کر کے گیا تھا کہ میری غیبت میں ان کی اصلاح کرنا اور مفسدین کے راستہ پر نہ چلنا۔ پھر تم نے کیا اصلاح کی؟ کیوں اپنے موافقین کو ساتھ لے کر ان گوسالہ پرستوں کا سختی سے مقابلہ نہ کیا؟ اگر یہ نہ ہو سکتا تھا تو ان سے منقطع ہو کر میرے پاس کیوں نہیں چلے آئے؟ غرض تم نے ایسی صریح گمراہی کو دیکھ کر میرے طریق کار کی پیروی کیوں نہیں کی؟

ف۲ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرط جوش میں ہارون علیہ السلام کی داڑھی اور سر کے بال پکڑ لیے تھے۔ اس کی مفصل بحث سورۂ اعراف کے فوائد میں گزر چکی۔

ف۳ یعنی میری سمجھ میں یہی آیا کہ تمہارے آنے کا انتظار کرنا اس سے بہتر ہے کہ تمہارے پیچھے کوئی ایسا کام کروں جس سے بنی اسرائیل میں پھوٹ پڑ جائے۔ کیونکہ ظاہر ہے اگر مقابلہ یا انقطاع ہوتا تو کچھ لوگ میرے ساتھ ہوتے اور بہت سے مخالف رہتے۔ مجھے ڈر ہوا کہ تم آ کر یہ الزام نہ دو کہ میرا انتظار کیوں نہ کیا؟ اور قوم میں ایسا تفرقہ کیوں ڈال دیا۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ "چلتے وقت موسیٰ ہارون کو نصیحت کر گئے تھے کہ سب کو متفق رکھیو۔ اس لیے انہوں نے بچھڑا پوجنے والوں کا مقابلہ نہ کیا۔ زبان سے البتہ سمجھایا وہ نہ سمجھے" بلکہ ان کے قتل پر تیار ہونے لگے ﴿وَكَادُوۡا یَقۡتُلُوۡنَنِیۡ﴾

ف۴ ادھر سے فارغ ہو کر موسیٰ علیہ السلام نے سامری کو ڈانٹ پلائی اور فرمایا کہ اب تو اپنی حقیقت بیان کر۔ یہ حرکت تو نے کس وجہ سے کی؟ اور کیا اسباب پیش آئے کہ بنی اسرائیل تیری طرف جھک پڑے۔

ف۵ سامری نے کہا کہ مجھ کو ایک ایسی چیز نظر پڑی جو اوروں نے نہیں دیکھی تھی۔ یعنی خدا کے بھیجے ہوئے فرشتہ (جبرائیل) کو گھوڑے پر سوار دیکھا۔ شاید یہ اس وقت ہوا ہو جب بنی اسرائیل دریا میں گھسے اور پیچھے پیچھے فرعون کا لشکر گھسا اس حالت میں جبرائیل دونوں جماعتوں کے درمیان میں کھڑے ہو گئے تا کہ ایک کو دوسرے سے ملنے نہ دیں۔ بہرحال سامری نے کسی محسوس دلیل سے یا وجدان سے یا کسی قسم کے تعارف سابق کی بناء پر سمجھ لیا کہ یہ جبرائیل ہیں ان کے پاؤں یا ان کے گھوڑے کے پاؤں کے نیچے سے مٹھی بھر مٹی اٹھالی۔ وہی اب سونے کے بچھڑے میں ڈال دی۔ کیونکہ اس کے جی میں یہ بات آئی کہ روح القدس کی خاک پا میں یقیناً کوئی خاص تاثیر ہوگی۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ "سونا تھا کافروں کا مال لیا ہوا فریب سے، اس میں مٹی پڑی برکت کی، حق اور باطل مل کر ایک کرشمہ بن گیا کہ جاندار کی طرح کی روح اور آواز اس میں ہوگئی"۔ ایسی چیزوں سے بہت بچنا چاہیے۔ اسی سے بت پرستی بڑھتی ہے۔ (تنبیہ) آیت کی جو تفسیر اوپر بیان ہوئی، صحابہ و تابعین اور علمائے مفسرین سے یہی منقول ہے۔ بعض زائغین نے اس پر جو طعن کیے ہیں اور آیت کی دور از صواب تاویلیں کی ہیں، ان کا کافی جواب صاحب روح المعانی نے دیا ہے۔ یہاں اس قدر بسط کا موقع نہیں۔ من شاء فلیراجعہ۔ .... =

مُخْلَفَهٗ ۚ وَانْظُرْ اِلٰٓى اِلٰهِكَ الَّذِيْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا ۭ لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِي

خلاف نہ ہوگا ف۱ اور دیکھ اپنے معبود کو جس پر تمام دن تو معتکف رہتا تھا ہم اس کو جلا دیں گے پھر بکھیر دیں گے دریا میں

خلاف نہ ہوگا۔ اور دیکھ اپنے ٹھاکر کو جس پر سارے دن لگا بیٹھا تھا۔ ہم اس کو جلا دیں گے، پھر بکھیریں گے دریا

الْيَمِّ نَسْفًا ۞ اِنَّمَآ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۞

اڑا کر ف۲ تمہارا معبود تو وہی اللہ ہے جس کے سوا کسی کی بندگی نہیں سب چیز سما گئی ہے اس کے علم میں ف۳

میں اڑا کر۔ تمہارا صاحب وہی اللہ ہے جس کے سوا بندگی نہیں کسی کی۔ سب چیز سما گئی ہے اس کی خبر میں۔

موسیٰ علیہ السلام کی کوہ طور سے واپسی اور گوسالہ پرستی کا واقعہ

قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى ... الى ... وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا﴾

القصہ جب فرعون غرق ہوگیا(۱) تو بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے یہ استدعا کی کہ ہمارے لیے کوئی دستور ہدایت اور قانون شریعت چاہئے کہ ہم اس پر چلیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس بارے میں حق تعالیٰ سے درخواست کی، حق تعالیٰ نے توریت عطا کرنے کا وعدہ فرمایا کہ ہم تم کو ایسی کتاب عطا کریں گے۔ جس میں احکام شریعت جمع ہوں گے اور یہ حکم، یا کہ ستر علماء اپنے ہمراہ لے کر کوہ طور پر آئیں تا کہ وہ اس کرامت کا جلوہ دیکھیں۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی جگہ پر تو ہارون علیہ السلام کو چھوڑا اور ستر علماء کو لیکر کوہ طور کی طرف متوجہ ہوئے جب وہ کوہ طور کے قریب پہنچے تو موسیٰ علیہ السلام شدت شوق سے بے تاب ہو گئے اور ان سب سے پہلے سبقت کر کے گے پہنچ گئے اور ان کو یہ سمجھا گئے کہ تم پہاڑ پر آ جانا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے یہ سوال کیا۔

اور اے موسیٰ جلدی کر کے اپنی قوم سے پہلے آ جانے پر تم کو کس چیز نے آمادہ کیا تو عرض کیا کہ اے میرے

=ف۶ یعنی مجھے ہاتھ مت لگاؤ مجھ سے علیحدہ رہو، چونکہ اس نے بچھڑا کا ڈھونگ بنایا تھا حب جاہ وریاست سے کہ لوگ اس کے ساتھ ہوں اور سردار مانیں اس کے مناسب سزا ملی کہ کوئی پاس نہ پھٹکے، جو قریب جائے وہ خود دور رہنے کی ہدایت کر دے۔ اور دنیا میں بالکل ایک ذلیل، اچھوت اور وحشی جانور کی طرح زندگی گزارے۔

ف۱ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ "دنیا میں اس کو یہ ہی سزا ملی کہ لشکر بنی اسرائیل سے باہر الگ رہتا۔ اگر وہ کسی سے ملتا یا کوئی اس سے تو دونوں کو تپ چڑھتی، اسی لیے لوگوں کو دور دور کرتا۔ اور یہ جو فرمایا کہ ایک وعدہ ہے جو خلاف نہ ہوگا۔ شاید مراد عذاب آخرت ہے اور شاید دجال کا نکلنا، وہ بھی یہود میں سامری کے فساد کی تکمیل کرے گا۔ جیسے ہمارے پیغمبر مال بانٹتے ہیں، ایک شخص نے کہا انصاف سے بانٹو۔ فرمایا" اس کی جنس کے لوگ نکلیں گے" وہ خارجی نکلے کہ اپنے پیشواؤں پر لگے اعتراض پکڑنے، جو کوئی دین کے پیشواؤں پر طعن کرے ایسا ہی ہے۔"

ف۲ یعنی تیری سزا تو یہ ہوئی۔ اب تیرے جھوٹے معبود کی قلعی بھی کھولے دیتا ہوں۔ جس بچھڑے کو تو نے خدا بنایا اور دن بھر وہاں دل جمائے بیٹھا رہتا تھا، ابھی تیری آنکھوں کے سامنے توڑ پھوڑ کر اور جلا کر راکھ کر دوں گا۔ پھر راکھ کو دریا میں بہا دوں گا۔ تا کہ اس کے پجاریوں کو خوب واضح ہو جائے کہ وہ دوسروں کو تو کیا نفع نقصان پہنچا سکتا، خود اپنے وجود کی بھی حفاظت نہیں کر سکتا۔

ف۳ باطل کو مٹانے کے ساتھ ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام قوم کو حق کی طرف بلاتے جاتے ہیں یعنی بچھڑا تو کیا چیز ہے کوئی بڑی سے بڑی چیز بھی معبود نہیں بن سکتی، سچا معبود تو وہی ایک ہے جس کے سوا کسی کی بندگی عقلاً ونقلاً وفطرۃً روا نہیں اور جس کا لامحدود علم ذرہ ذرہ کو محیط ہے۔

---

(۱) مطلب یہ ہے کہ توریت فرعون کے غرق کے بعد عطا ہوئی۔ کما قال اللہ تعالیٰ ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى﴾۔ (دیکھو کتاب النبوات، ص: ۱۵۷)

پروردگار وہ میرے پیچھے ہی پیچھے آرہے ہیں کچھ زیادہ دور نہیں اور اے میرے پروردگار میں نے تیری طرف آنے میں اس لیے جلدی کی کہ تو مجھ سے اور زیادہ خوش ہو جائے۔ اس لیے میں تے بصد شوق و رغبت تیری طرف عجلت اور مسارعت کی تا کہ مزید تیرے قرب اور رضا اور کرامت کا سبب بنے اس عجلت اور سبقت سے میرا مقصود اپنی بڑائی نہیں بلکہ تیری مزید خوشنودی مقصود ہے اور نہ یہ عجلت۔ قوم سے غفلت اور بے اعتنائی کی بنا پر ہے۔ وہ سب میرے پیچھے پیچھے میرے نشان قدم پر چلے آرہے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ علیہ السلام! یہ خاص گروہ اگرچہ تمہارے پیچھے پیچھے تمہارے نشان قدم پر چلا آرہا ہے۔ مگر تمہاری وہ قوم جن پر تم ہارون علیہ السلام کو اپنا خلیفہ مقرر کر کے چھوڑ آئے ہو وہ تمہارے نشان قدم سے منحرف ہو گئی۔ حق جل شانہ کا اس سوال ﴿وَمَآ اَعْجَلَكَ﴾ سے مقصود ہی یہ تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کو اس فتنہ کی خبر دیں جو ان کی مفارقت کے بعد پیش آیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

پس تحقیق ہم نے تمہاری قوم کو تمہارے چلے آنے کے بعد فتنہ اور آزمائش میں ڈال دیا ہے۔ اور ظاہر اسباب میں سامری نے ان کو گمراہ کیا ہے۔ یعنی اصل فتنہ اور ابتلاء تو من جانب اللہ ہے اور گمراہی کا ظاہر سبب اور واسطہ سامری ہے کہ اس نے گوسالہ ایجاد کیا۔ اور بنی اسرائیل کو اس کی عبادت پر آمادہ کیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام طور پر جاتے وقت اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو اپنا جانشین کر گئے تھے اور یہ ہدایت فرما گئے تھے کہ ان کو توحید اور ہدایت پر قائم رکھنا۔ "سامری" موسیٰ علیہ السلام کی امت کا ایک منافق تھا ہر وقت مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی کوشش میں لگا رہتا تھا

موسیٰ علیہ السلام کے چلے جانے کے بعد اس نے چاندی سونے کا ایک بچھڑا ڈھال لیا۔ اور بنی اسرائیل سے کہا کہ یہ تمہارا معبود ہے بنی اسرائیل اس کو پوجنے لگے اور آزمائش میں پورے نہ اترے سوائے بارہ ہزار کے سب گوسالہ پرستی میں مبتلا ہو گئے۔

سامری کا نام موسیٰ بن ظفر تھا۔ اور بعض کہتے ہیں اس کا نام ہارون تھا۔

موسیٰ علیہ السلام کے جاتے ہی سارے بنی اسرائیل کے گمراہ کرنے کی فکر میں پڑ گیا تھا۔ بالآخر اس نے یہ فتنہ کھڑا کیا جس پر بنی اسرائیل مفتون ہو گئے۔

پس موسیٰ علیہ السلام اس فتنہ کی خبر سن کر چالیس دن کی مدت پوری کر کے توریت لینے کے بعد اس خبر وحشت اثر کی وجہ سے غصہ اور غم میں بھرے ہوئے اپنی قوم کی طرف لوٹے اور ان کو ڈانٹنے اور دھمکانے لگے۔ اور کہا اے میری قوم کیا تمہارے پروردگار نے تم سے ایک اچھا اور سچا وعدہ نہیں کیا تھا یعنی خدائے تعالیٰ نے مجھے کوہ طور پر بلا کر تمہارے لیے توریت اور شریعت عطا کرنے کا وعدہ کیا تھا جس میں تمہارے دین اور دنیا کی عزت اور شرافت اور کرامت تھی۔ اس کا انتظار کیوں نہ کیا۔ اور نہ میری واپسی کا انتظار کیا اور جلد بازی کر کے بچھڑے کو پوجنا شروع کر دیا۔ تو کیا اس عہد اور وعدہ کی مدت اتنی طویل اور دراز ہو گئی تھی کہ تم صبر نہ کر سکے۔ اللہ تعالیٰ نے توریت دینے کے لئے موسیٰ علیہ السلام سے تیس رات کا وعدہ کیا تھا۔ بعد میں دس رات کا اور اضافہ ہو گیا تو یہ لوگ کہنے لگے تھے اب تک کیوں نہیں آئے اور سامری کے کہنے سے بچھڑے کو پوجنا شروع کر دیا۔ اس پر موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھ سے کچھ ایسی تاخیر تو نہیں ہو گئی تھی جس سے تم بالکل ناامید ہو گئے یا تم نے یہ ارادہ کر لیا

کہ تمہارے رب کی طرف سے تم پر کوئی غضب نازل ہو۔ اس لیے تم نے اس بچھڑے کو پوجنا شروع کر دیا۔

مطلب یہ ہے کہ تمہاری گوسالہ پرستی کے دو ہی سبب ہو سکتے ہیں۔ یا تو یہ کہ میری مفارقت کا عرصہ طویل ہو گیا اور تم انتظار کرتے کرتے تھک گئے۔ اس لیے تم میرے عہد کو (جو میں نے تم سے خدا کی توحید پر قائم رہنے کا لیا تھا۔ اور تم نے مجھ سے اس کا وعدہ کیا تھا) وہ بھول گئے۔ اور یا تم نے یہ چاہا کہ تم کوئی ایسا فعل کرو جس کی وجہ سے تم پر خدا کا غضب نازل ہو اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں باتیں نہیں پس بتلاؤ کہ آخر اس گوسالہ پرستی کا کیا سبب ہے۔ پہلی بات کا نہ ہونا تو ظاہر ہے کہ مجھے تم سے جدا ہوئے صرف چالیس دن کا زمانہ گزرا ہے۔ کوئی طویل مدت نہیں گزری اور دوسری بات کا نہ ہونا بھی ظاہر ہے کہ جس کسی کو ذرہ برابر بھی سمجھ ہوگی۔ وہ کبھی بھی غضب الٰہی کا خواہشمند نہیں ہو سکتا۔ پس نتیجہ یہ نکلا کہ تم نے مجھ سے وعدہ خلافی کی۔ چلتے وقت تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ آپ علیہ السلام کے واپس آنے تک اللہ کی اطاعت پر قائم رہیں گے بتلاؤ وہ وعدہ کہاں گیا۔ گوسالہ پرست یہ عتاب سن کر نادم ہوئے اور گوسالہ پرستی سے الگ ہو گئے اور یہ ہیبت ناک عتاب سن کر ایسے عذر کرنے لگے جو قابل سماعت نہیں۔ کہنے لگے کہ ہم نے اپنی قدرت اور اختیار سے تیرے عہد اور وعدہ کا خلاف نہیں کیا۔ یعنی یہ حرکت ہم نے از خود نہیں کی بلکہ سامری نے ہم سے کرائی اگر ہم اپنے حال پر چھوڑ دیئے جاتے اور سامری یہ دام تزویر ہمارے سامنے نہ بچھاتا تو ہم کبھی آپ علیہ السلام کے خلاف نہ کرتے اس کمبخت نے ایسا جال بچھایا کہ ہم نہ اس کو روک سکے اور نہ اپنے کو روک سکے۔ ایسا ملمع کیا کہ ہم اپنے اختیار سے باہر ہو گئے اور چونکہ ہم بے عقل اور باؤلے تھے جیسا کہ آپ کو معلوم ہے اس لئے ہم اس شعبدہ کو دیکھ کر بے قابو ہو گئے اور اس فتنہ میں مبتلا ہو گئے ولیکن بات یہ ہوئی کہ ہم پر قوم فرعون کے زیوروں کے بوجھ لاد دیئے گئے تھے۔ اور کم عقلی کی وجہ سے ہماری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ہم ان کا کیا کریں۔

پس سامری کے کہنے سے ہم نے ان زیوروں کو آگ کے گڑھے میں ڈال دیا۔ بنی اسرائیل جب مصر سے نکلنے لگے تو انہوں نے یہ حیلہ بنایا کہ ہم اپنی عید میں جاتے ہیں اس حیلہ اور بہانہ سے نبی اسرائیل نے قبطیوں سے ان کے چاندی اور سونے کے زیورات مستعار (عاریت پر) لیے تا کہ ان کو یقین آ جائے کہ بنی اسرائیل کا مقصود فقط شادی اور عید ہی میں جانا ہے اور یہ حیلہ اس لیے کیا تھا کہ بغیر اس حیلہ کے فرعونی ان کو مصر سے نکلنے نہ دیتے۔ یہ مانگے ہوئے زیور بنی اسرائیل کے پاس موجود تھے۔ مگر چونکہ یہ زیورات ان کے لیے حلال نہ تھے اس لیے وہ ان کو اپنے او پر گناہ اور بوجھ سمجھتے تھے اور سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ ان کا کیا کیا جائے۔ سامری نے ہم کو یہ مشورہ دیا کہ ایک گڑھا سا کھود کر اس میں آگ جلائی جائے اور بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ وہ تمام زیورات جو تمہارے پاس ہیں ان سب کو آگ میں جلا دو تا کہ تم پر گناہ اور بوجھ نہ رہے اس لیے ہم نے ان زیورات کو سامری کے کہنے سے آگ کے گڑھے میں ڈال دیا۔ پھر جس طرح ہم نے ڈالا تھا اسی طرح سامری نے بھی جو اس کے پاس کے پاس تھا آگ میں ڈال دیا۔ پھر سامری نے ان کے لیے ان زیورات سے ایک دھڑ نکالا یعنی ایک جسم بے روح نکالا جس میں سے بچھڑے کی سی آواز آتی تھی۔

یعنی سامری نے ان زیورات کو آگ کے گڑھے میں ڈال کر بچھڑے کا ایک پتلہ بنا کر نکال لیا جس میں سے گائے کی آواز نکلتی تھی۔

مطلب یہ ہے کہ اس میں سوائے آواز کے اور کوئی صفت نہ تھی اس آواز کو سن کر یہ لوگ گمراہ ہوئے۔ پھر بعد ازاں سامری اور اس کے متبعین یہ کہنے لگے کہ اے بنی اسرائیل تمہارا اور موسیٰ کا معبود تو یہ ہے تم اس کی عبادت کرو۔ موسیٰ تو اپنے معبود کو بھول گئے اور اس کی تلاش میں کوہ طور پر چلے گئے اصل معبود تو ان کا یہ بچھڑا ہے جس میں ان کا معبود حقیقی حلول کر آیا ہے۔ ①

عجب نادان تھے کہ ایک شعبدہ باز کے کہنے سے یہ یقین کر لیا کہ خداوند قدوس کسی حیوان اور انسان میں حلول کر سکتا ہے۔ ہندوستان کے ہنومان بھی یہ سمجھتے ہیں کہ خداوند قدوس رامچندر اور کرشن اور گائے بیل کے جسم میں حلول کر سکتا ہے۔ ہندوؤں کے نزدیک کسی کو اوتار ماننے کا مطلب ہی یہ ہے کہ معاذ اللہ حق تعالیٰ اس میں حلول کر آیا ہے۔ بہر حال بنی اسرائیل نے ان زیورات کے استعمال کو اپنے لیے حلال نہ سمجھا جو قبطیوں سے مستعار لیے تھے۔ اس لیے گناہ سے بچنے کی صورت یہ نکالی کہ ان کو آگ کے گڑھے میں ڈال کر جلا دیا جائے۔ لیکن غضب یہ کیا کہ ان کا بت بنا کر پوجنا جائز سمجھا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ آئندہ آیات میں ان کی اس جہالت اور حماقت کو بیان کرتے ہیں۔ پس کیا وہ لوگ یہ نہیں دیکھتے تھے کہ وہ بچھڑا نہ ان کی کسی بات کا جواب دے سکتا ہے اور نہ ان کو وہ نقصان پہنچانے پر قادر ہے اور نہ نفع پہنچانے پر۔

مطلب یہ ہے کہ عجب احمق ہیں کہ صرف حیوان کی آواز پر ایمان لے آئے اور ایسے اندھے بنے کہ ان کو یہ نظر نہ آیا کہ یہ بچھڑا نہ تو بول سکتا ہے اور نہ نفع اور ضرر پر قدرت رکھتا ہے۔ یہ تو فرعون سے زیادہ عاجز ہے۔ یہ کیونکر معبود ہو سکتا ہے۔ اور یہ لوگ جیسے اندھے ہو گئے تھے۔ ویسے ہی بہرے بھی ہو گئے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام کی واپسی سے پہلے ہارون علیہ السلام نے ان کو بہت سمجھایا مگر ایسے بہرے بنے کہ ایک نہ سنی چنانچہ فرماتے ہیں۔

البتہ تحقیق ہارون علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کے طور پر سے لوٹنے سے پہلے ہی بنی اسرائیل سے کہہ دیا تھا۔ اے میری قوم اصل بات یہ ہے کہ تم اس گوسالہ کی وجہ سے آزمائش میں ڈال دیئے گئے ہو۔ یہ سب فتنہ اور ابتلا ہے اور سراسر گمراہی کا سامان ہے۔ اس بچھڑے کے پتلے کا معبود اور خدا ہونا محال اور ناممکن ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ تمہارا پروردگار خدائے رحمن ہے جس کی رحمت اور نعمت تمام عالم کو محیط ہے۔ اس کو اپنا معبود بناؤ پس اس رب رحمن کی عبادت میں تم میری پیروی کرو۔ اور میرا حکم مانو۔ وہ بولے جب تک موسیٰ ہمارے پاس نہ آئے تو ہم اسی پر جمے بیٹھے رہیں گے۔ یعنی جب تک موسیٰ علیہ السلام واپس نہ آجائے اس وقت تک ہم یہی کرتے رہیں گے۔ البتہ ان کے واپس آنے کے بعد دیکھا جائے گا جو اس وقت مناسب ہوگا وہ کر لیں گے۔ ہارون علیہ السلام نے بہت سمجھایا مگر کسی طرح نہ مانے بالآخر کنارہ کش ہو گئے۔ ہارون علیہ السلام نے اپنی قوم کو عجب طرح سے نصیحت فرمائی اول تو ان کو باطل پر متنبہ کیا اور کہا ﴿اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ﴾ یعنی یہ فتنہ ہے اس سے دور رہو دوم ان کو اللہ کی معرفت کی طرف متوجہ کیا اور کہا ﴿وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ﴾ یعنی تمہارا معبود وہ ہے جس کی رحمت تمام عالم کو محیط ہے۔ نہ کہ یہ بچھڑا۔ سوم ان کو نبوت کے اتباع کی دعوت دی ﴿فَاتَّبِعُوْنِیْ﴾۔ چہارم ان کو اتباع شریعت کی دعوت دی۔ اور یہ فرمایا

① قال الامام الرازی لعلهم کانوا من الحلولیة فجوزوا حلول الاله او حلول صفة من صفاته فی ذلك الجسم وان هذا فی غاية البعد۔ (تفسیر کبیر: ۷۵/۶)

﴿وَأَطِيعُوٓا۟ أَمْرِى﴾ ان لوگوں نے جواب دیا کہ ہم آپ کی نصیحت کو قبول کرلیں گے۔ جب تک موسیٰ علیہ السلام واپس نہ آئیں ہم اسی طریقہ پر قائم رہیں گے۔

جب موسیٰ علیہ السلام طور پر واپس آئے اور قوم کو بچھڑے کا طواف کرتے دیکھا تو غصہ میں بھر گئے اور اپنے داہنے ہاتھ سے حضرت ہارون علیہ السلام کے سر کے بال پکڑ لیے اور بائیں سے ڈاڑھی۔ اور کہا اے ہارون جب تو نے ان کو گمراہ ہوتے ہوئے دیکھا تو کون سا امر تجھ کو مانع ہوا کہ تو میری پیروی نہ کرے۔ یعنی تجھ کو چاہئے تھا ان اہل ضلال سے جہاد و قتال کرتا یا میرے پاس کوہ طور پر چلا آتا۔ پس تو نے میرے حکم کے خلاف کیا اور ان گمراہوں سے مقابلہ اور مقاتلہ نہ کیا۔

ہارون علیہ السلام نے کہا اے میری ماں کے بیٹے نہ میری ڈاڑھی پکڑ اور نہ میرا سر میں نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور نصیحت میں کوئی کوتاہی نہیں کی لیکن قوم نے مجھ کو ضعیف اور کمزور سمجھا اور قریب تھا کہ وہ مجھے قتل کر ڈالیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ ﴿قَالَ ابْنَ أُمَّ إِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُونِى وَكَادُوا۟ يَقْتُلُونَنِى﴾ تحقیق میں ان سے مقابلہ اور مقاتلہ بھی کرتا۔ لیکن مجھ کو ڈر یہ ہوا کہ آپ آکر یہ نہ کہیں کہ تو نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا اور میری بات کو یاد نہ رکھا۔ یا یہ معنی ہیں کہ میرے حکم کا انتظار نہ کیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے جب ہارون علیہ السلام پر عتاب فرمایا تو حضرت ہارون علیہ السلام نے نہایت محبت آمیز لہجہ میں اپنا بے خطا و بے قصور ہونا اس طرح بیان کیا کہ اے میرے بھائی آپ علیہ السلام کوہ طور پر جاتے وقت مجھے یہ نصیحت کر گئے تھے۔ ﴿اخْلُفْنِى فِى قَوْمِى وَأَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيلَ الْمُفْسِدِينَ﴾ یعنی اے ہارون علیہ السلام تم میری نیابت کرنا اور قوم کے کام کو درست رکھنا اور مفسدوں کی راہ پر نہ چلنا اور یہ نہیں فرمایا تھا کہ مفسدوں کا تلوار سے مقابلہ کرنا اور اصلاح نام ہے جماعت کی نرمی کے ساتھ نگہبانی کا اس لیے میں نے ان کو گوسالہ پرستی سے سختی کے ساتھ منع کیا۔ اور ہر چند اصلاح کی کوشش کی مگر شنوائی نہ ہوئی اور مجھ کو یہ ڈر ہوا کہ اگر میں ان کا مقابلہ کروں یا ان کے درمیان سے نکل جاؤں اور ان کو بالکل چھوڑ دوں تو ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں کچھ لوگ میرے ساتھ ہو جائیں گے۔ اور کچھ مجھ سے علیحدہ ہو جائیں گے۔ تو بنی اسرائیل میں تفرقہ پڑ جائے گا۔ اور عجب نہیں کہ یہ تفرقہ باہمی قتل و قتال اور جنگ و جدال کا سبب بنے اور خدا پرستوں اور گوسالہ پرستوں میں جنگ و جدال کی نوبت آئے اور پھر ان کو سنبھالنا دشوار ہو جائے اس لیے مجھے ڈر رہا کہ آپ علیہ السلام آکر مجھے یہ الزام نہ دیں کہ تو نے قوم میں تفرقہ کیوں ڈال دیا۔ اور میرا انتظار کیوں نہ کیا۔

شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"موسیٰ علیہ السلام چلتے وقت ہارون علیہ السلام کو نصیحت کر گئے تھے کہ سب کو متفق رکھیو۔ اس واسطے انہوں نے بچھڑا پوجنے والوں کا مقابلہ نہ کیا (فقط) زبان سے سمجھایا پر وہ نہ سمجھے"۔ (موضح القرآن)

ہارون علیہ السلام کے اس جواب سے موسیٰ علیہ السلام پر یہ بات واضح ہوگئی کہ ہارون علیہ السلام بے قصور اور بے گناہ ہیں۔ اس لیے ان کا عذر قبول کیا اور اپنے بھائی کے لئے دعائے مغفرت کی۔ بعد ازاں سامری کی طرف متوجہ ہو کر کہا پس کیا حال ہے تیرا اے سامری۔ یعنی تو نے یہ نامعقول حرکت کیوں کی۔ وہ بولا میں نے وہ چیز دیکھی جو اوروں نے نہیں دیکھی۔ سو میں نے فرستادہ خداوندی یعنی روح القدس کی سواری کے نقش قدم سے ایک مٹھی بھر خاک اٹھالی۔ پھر میں نے اس مشت خاک کو اس

قالب کے اندر ڈال دیا تو وہ زندہ ہو کر بولنے لگا اور اس میں یہ آواز پیدا ہو گئی۔ اسی طرح میرے جی نے یہ بات بنائی اور اس بارہ میں میں نے اپنی نفسانی خواہش کا اتباع کیا۔ اس کے سوا اور کوئی سبب نہیں۔

مطلب یہ ہے کہ سامری نے یہ جواب دیا کہ مجھ کو ایسی چیز نظر پڑی جو اوروں نے نہیں دیکھی۔ وہ یہ کہ جب بنی اسرائیل دریا میں گھسے اور پیچھے پیچھے فرعون مع اپنے لشکر کے ان کے تعاقب میں پہنچا تو اس حالت میں جبریل امین علیہ السلام دونوں جماعتوں کے درمیان کھڑے ہو گئے تا کہ ایک دوسرے سے ملنے نہ پائیں۔ اور جبریل امین علیہ السلام اس وقت فرس الحیواۃ پر سوار تھے۔ سامری نے اس وقت کسی دلیل سے یا کسی وجدان سے یا کسی قرینہ سے سمجھ لیا کہ یہ جبرائیل علیہ السلام ہیں۔ ان کے پاؤں کے نیچے سے یا ان کے گھوڑے کے پاؤں کے نیچے سے مٹھی بھر مٹی اٹھالی۔ اور یہ سمجھا کہ اس میں حیاۃ کا مادہ ہے اس لیے کہ جس مٹی پر جبریل علیہا السلام کے گھوڑے کا سم پڑتا تھا وہ سبزہ ہو جاتی تھی۔ اس لیے اس کے دل میں یہ آیا کہ یہ مشیت خاک جس چیز پر ڈال جائے گی وہ زندہ ہو جائے گی۔ اس بنا پر اس نے اول زیورات کو آگ میں ڈالا۔ جس سے وہ پگھل گئے پھر اس کے دل میں یہ بات آئی کہ اس پتلے پر وہ مشت خاک ڈال دے۔ مشت خاک کا ڈالنا تھا کہ اس پتلہ سے آواز نکلنے لگی۔ بنی اسرائیل اس کرشمہ کو دیکھ کر مفتون ہو گئے جمہور صحابہ کرام و تابعین سے آیت کی یہ تفسیر منقول ہے۔ (دیکھو تفسیر قرطبی: ۱۱/ ۲۳۴ و تفسیر ابن جریر: ۱۶/ ۱۴۷ و تفسیر کبیر: ۶/ ۹۷ و روح المعانی: ۶/ ۲۲۹)

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب فرعون بچوں کو قتل کراتا تھا تو سامری کی ماں اس کو غار میں چھپا کر ڈال آئی کہ ذبح سے محفوظ رہے اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام سے اس کی پرورش کرائی اس لیے سامری حضرت جبریل علیہ السلام کو اس صورت سے پہچانتا تھا۔

غرض یہ کہ سامری نے زیورات کو گلا کر بچھڑے کا قالب بنایا اور وہ مٹی اس میں ڈال دی تو وہ بولنے لگا۔

حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ سونا تو کافروں سے ملا ہوا مال تھا جو ان سے فریب سے لیا تھا۔ اس میں مٹی پڑی برکت کی تو حق اور باطل مل کر ایک کرشمہ بن گیا۔ کہ جاندار کی طرح روح اور آواز اس میں پیدا ہو گئی ایسی چیزوں سے بہت بچنا چاہئے اسی سے بت پرستی بڑھتی ہے۔ (کذافی موضح القرآن بتوضیح)

موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اچھا تیری سزا یہ ہے کہ تو دور ہو جا اور ہم میں سے نکل جا۔ پس اس دنیاوی زندگی میں تیرے قتل کا حکم تو نازل نہیں ہوا۔ البتہ اس دنیاوی زندگی میں تیری سزا یہ ہے کہ تو یہ کہتا پھرے "لا مساس" کہ مجھے ہاتھ نہ لگانا یعنی جس کو دیکھے تو اس سے تیرا یہ کلام ہو سو لا مساس نہ مجھے چھونا اور نہ میرے پاس آنا اور نہ میں تم کو چھوؤں گا۔ موسیٰ علیہ السلام نے سامری کو یہ سزا دی کہ بے اختیار وہ زندگی بھر اسی حال میں رہے۔ اس لیے نہ وہ کسی کو چھو سکتا تھا اور نہ اس کو کوئی اور اگر وہ کسی کو چھوتا یا کوئی اس کو چھوتا تو دونوں کو بخار چڑھ جاتا اور اگلے روز اسی وقت اترتا۔ اس کے بیوی بچے بھی اس کو ہاتھ نہیں لگا سکتے تھے۔ اور موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ اس سے خلط ملط نہ رکھیں اور نہ اس کے قریب جائیں۔ اور نہ اس سے بات کریں دنیا میں اس سے بڑھ کر وحشت ناک اور عبرت ناک سزا نہیں ہو سکتی یہ کلام موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے معجزہ تھا کہ دنیا میں اس کا یہ حال ہوا اب آخرت کی سزا کو بیان کرتے ہیں۔ اور اے سامری بلاشبہ تیرے لیے اس دنیاوی سزا کے علاوہ ایک

اور سزا کا وعدہ ہے۔ جو تجھ سے ہرگز خلاف نہ کیا جائے گا۔ اس سے آخرت کے عذاب کا وعدہ مراد ہے جس میں ہرگز خلاف نہ ہوگا اور وہ تجھ سے ہرگز نہ ٹلے گا۔ یہ تو تیری سزا ہوئی اب اپنے خود ساختہ معبود کا حال دیکھ اور اپنے اس معبود کی طرف ایک نظر اٹھا کر دیکھ جس کا تو معتکف اور مجاور بنا ہوا تھا۔ ہم ضرور اس کو آگ میں جلا دیں گے پھر ریزہ ریزہ کر کے اس کی راکھ کو دریا میں اڑا دیں گے کہ نہ اس کا عین باقی رہے گا اور نہ اثر وہ معبود نہیں ہوسکتی۔ جز ایں نیست تمہارا معبود صرف اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کا علم ہر چیز کو سمائے ہوئے ہے۔ کوئی ذرہ اس سے پوشیدہ نہیں یعنی خدا وہ ہے جس کا علم محیط اور غیر محدود ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ جو اس سورت میں ﴿هَلْ أَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى﴾ سے شروع ہوا وہ یہاں تک آ کر تمام ہوا اور یہ آیت اسی قصہ کا اخیر ہے۔

لطائف و معارف

سحر:...... سحر کے معنی لغت میں امر خفی اور پوشیدہ چیز کے ہیں اور اصطلاح میں اس عجیب وغریب شے کو کہتے ہیں کہ جس کی حقیقت اور کیفیت لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہو۔ معتزلہ اور متکلمین کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ سحر کی کوئی حقیقت واقعیہ نہیں بلکہ سحر ایک بے حقیقت ملمع کاری کا نام ہے جس کی واقع میں کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ امام ابو اسحاق اسفرائنی رحمہ اللہ اور ابوبکر رازی رحمہ اللہ کی یہی رائے ہے کہ سحر سے کسی شئے کی حقیقت و ماہیت نہیں بدل جاتی بلکہ خلاف واقعہ اس کی صورت متغیر ہوجاتی ہے۔

اور جمہور علماء کے نزدیک سحر محض تخییل اور نظر بندی کا نام نہیں بلکہ بسا اوقات واقع میں اس کی ایک حقیقت بھی ہوتی ہے جو باذن الٰہی بسا اوقات اثر بھی کرتی ہے۔ اور یہی صحیح ہے اور ظاہر قرآن اور حدیث اس پر دلالت کرتا ہے۔

امام رازی رحمہ اللہ تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں کہ سحر کے اقسام ہیں بعض میں شئ کی حقیقت ہی بدل جاتی ہے اور بعض میں حقیقت نہیں بدلتی۔ شعبدہ بازی بھی ایک قسم کا سحر ہے۔

اور آج کل جو مسمریزم نکلا ہے وہ یہی ایک قسم کا شعبدہ ہے جو قوت خیالیہ کا اثر ہے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ سحر محض خیال کا نام ہے اور واقع میں اس کی حقیقت نہیں ہوتی وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں۔ ﴿يُخَيَّلُ إِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ أَنَّهَا تَسْعٰى﴾۔

جواب یہ ہے کہ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ سحر کی تمام اقسام محض تخیل اور نظر بندی ہوں بلکہ جس سحر کی خدا تعالیٰ نے اس آیت میں خبر دی ہے وہ خیال بندی تھا کہ ان کی لاٹھیوں اور رسیوں کو دیکھ کر یہ خیال ہوتا کہ وہ دوڑ رہی ہیں۔ (تفصیل کے لیے فتح الباری: ۱۰ / ۱۸۴ دیکھیں)

معجزہ:...... معجزہ، اللہ کے اس فعل کو کہتے ہیں جو بلا کسی سبب کے نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہو اور دنیا اس کے مقابلہ سے اور اس کے مثل لانے سے عاجز ہو۔ معجزہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے۔ نبی کا فعل نہیں ہوتا۔ جسے دیکھ کر بالبداہت یہ یقین ہوجاتا ہے کہ یہ

امر منجانب اللہ ہے اور قدرت خداوندی کا کرشمہ ہے جو مادی اسباب اور علل سے بالاتر ہے اور برتر ہے اور سحر جادوگر کا ایک فعل ہوتا ہے جو اس کے ارادہ اور اختیار سے ظاہر ہوتا ہے نیز سحر ایک فن ہے جس کے اصول اور قواعد مدون ہیں جو اس فن کو سیکھ لے گا وہ جادو کر سکے گا۔ بخلاف معجزہ کے کہ وہ کوئی فن نہیں جو سیکھنے اور سکھانے سے حاصل ہو سکے۔ اور نہ وہ نبی کا کوئی اختیاری فعل ہے جس کو نبی اپنے ارادہ واختیار سے کر سکے۔

معجزہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے جو بلا کسی سبب کے نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اپنی سنت اور عام عادت کے خلاف بلا کسی سبب کے نبی کے ہاتھ پر اپنی قدرت کا کرشمہ ظاہر کرتے ہیں تاکہ وہ اس کی نبوت ورسالت کی دلیل ہو اور لوگ دیکھتے ہی اس کو یہ سمجھ لیں کہ یہ اللہ کا فعل ہے اور قدرت بشری کے دائرہ سے خارج ہے اس کو دیکھتے ہی بالبداہت نبی کی صداقت کا یقین حاصل ہو جاتا ہے۔

پس معجزہ اللہ کے قہر اور قدرت کا ایک نمونہ ہوتا ہے اس کے غلبہ اور رعب کے سامنے کسی کا پاؤں نہیں جمتا اور اختیار کی باگ ہاتھ سے چھوٹ جاتی ہے۔ عقل دلائل عقلیہ کا کچھ مقابلہ کر سکتی ہے مگر معجزہ کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

سحر اور معجزہ میں فرق:...... ۱- ہمارے اس گزشتہ بیان سے سحر اور معجزہ کا باہمی فرق واضح ہو گیا کہ سحر ایک فن ہے جو تعلیم و تعلم سے حاصل ہو سکتا ہے اور معجزہ اللہ کا فعل ہے جس میں کسی تعلیم و تعلم کو دخل نہیں۔

۲- نیز سحر اگرچہ ظاہر نظر میں بلا کسی سبب کے معلوم ہوتا ہے لیکن در پردہ اس کے اسباب خفیہ ہوتے ہیں۔ جو لوگوں کی نظر سے پوشیدہ ہوتے ہیں۔ بخلاف معجزہ کے کہ وہ بلا واسطہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے جس میں اسباب طبعیہ کو بالکل دخل نہیں ہوتا۔

نیز جادو ہمیشہ بدکار اور نکمے کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے اور معجزہ خدا کے برگزیدہ بندے کے ہاتھ سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس کی صورت اور چہرہ ہی سے یہ نظر آجاتا ہے کہ یہ کوئی خدا کا نیک کردار اور دنیا اور حرص اور طمع سے بری اور بیزار بندہ ہے۔

ے مرد حقانی کی پیشانی کا نور
کب چھپا رہتا ہے پیش ذی شعور

ے در دل ہر امی کز حق مزہ است
روئے دے آواز پیمبر معجز است

حکایت مشتمل بر بیان فرق درمیان سحر و معجزہ

عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی دفتر سوم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں دو جادوگروں کی ایک عجیب حکایت نقل کی ہے جس سے سحر اور معجزہ کا فرق واضح ہو جاتا ہے۔ اسلئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس حکایت کو ہدیۂ ناظرین کریں۔ خلاصہ حکایت یہ ہے۔

جب موسیٰ علیہ السلام فرعون کے پاس گئے اور اس کو دعوت دی کہ ہم دونوں بھائی یعنی موسیٰ اور ہارون علیہما الصلوٰۃ والسلام اللہ کے رسول ہیں تو ہم پر ایمان لا اور معجزہ عصا دکھایا تو فرعون بولا یہ تو جادو ہے۔ اور میرے ملک میں بھی بہت جادوگر ہیں ہم تیرے اس جادو کا جادو سے مقابلہ کریں گے۔ اس بنا پر فرعون نے اپنے ملک کے تمام جادوگروں کے جمع کرنے کا حکم دے دیا۔ تاکہ سب مل کر موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کریں۔ ملک مصر میں دو نوجوان جادوگری میں بہت مشہور تھے۔ ان کے پاس بادشاہ نے یہ پیغام دے کر ایک قاصد کو روانہ کیا کہ بادشاہ پر ایک مصیبت آپڑی ہے اس کے دفع کرنے کی کوئی تدبیر کرو۔ اور وہ مصیبت یہ ہے کہ میرے شہر میں دو فقیر (موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام) آگئے ہیں اور انہوں نے بادشاہ اور اس کے قلعہ پر حملہ اور ہلہ بول دیا ہے اور ان دونوں فقیروں کے پاس سوائے ایک عصا (لاٹھی) کے کچھ نہیں اور وہ عصا نہایت عجیب وغریب ہے جو ان کے حکم سے اژدہا بن جاتا ہے ان ہر دو فقیروں کے مقابلہ سے بادشاہ کا لشکر عاجز آگیا ہے۔ قاصد نے بادشاہ کا یہ پیغام پہنچایا اور یہ کہا کہ بادشاہ نے یہ کہا ہے کہ اگر تم اس مصیبت کے دفع کرنے میں کوئی تدبیر کرو تو تم کو اس صلہ میں بہت انعام ملے گا۔

یہ دونوں جادوگر اس پیغام کو سن کر اپنی ماں کے پاس آئے اور کہا کہ ہمیں ہمارے بابا کی قبر بتا تاکہ ہم اس کی روح سے کچھ ضروری بات دریافت کرسکیں ماں ان کو ان کے باپ کی قبر پر لے گئی وہاں ان دونوں نے فرعون کے نام کے تین روزے رکھے۔ بعد ازاں باپ سے کہا کہ اے بابا! بادشاہ کا ہمارے پاس یہ پیغام پہنچا ہے کہ ان دو درویشوں نے مجھ کو پریشان کر رکھا ہے اور سارے لشکر کے سامنے مجھ کو بے آبرو کر دیا ہے اور عجیب درویش ہیں کہ ان کے پاس سوائے عصا کے کوئی ہتھیار نہیں اور سارا شور وشر اسی لاٹھی میں ہے۔ اے بابا آپ سچوں کے ملک میں گئے ہیں اگرچہ بظاہر مٹی میں سوتے ہیں مگر وہاں کے حال سے واقف ہیں۔ آپ ہم کو ان درویشوں کی اصل حقیقت سے آگاہ فرمائیں اگر ان کا یہ عصا جادو ہے تو یہ بتلا دیجئے اور اگر کوئی کرشمہ ایزدی ہے تو یہ بتلا دیجئے تاکہ ہم بھی اسی خدا کے مطیع ہو جائیں اور کیمیا سے مل کر کیمیا بن جائیں ہم اس وقت ناامیدی کی حالت میں ہیں شاید کوئی امید نظر آجائے اور ہم ضلالت کی شب تاریک میں ہیں۔ شاید کوئی آفتاب ہدایت طلوع ہو کر آئے اور اس کی روشنی میں ہم کو راہ حق نظر آجائے۔

مردہ ساحر کا اپنے بیٹوں کو خواب میں جواب

آئندہ شب وہ مردہ جادوگر اپنے بیٹوں کو خواب میں نظر آیا اور ان کے سوال کا یہ جواب دیا کہ اے میرے بیٹو میں اس کام کی اصل حقیقت سے پورا آگاہ ہوں۔ مگر مجھ کو صاف طور پر کہنے کی اجازت نہیں۔ لیکن تم کو ایک نشان بتائے دیتا ہوں اس سے تم اصل حقیقت کا پتہ لگا لینا۔ وہ یہ کہ تم دونوں جاؤ اور ان دونوں درویشوں کی خواب گاہ کو تلاش کرو کہ وہ کہاں سوتے ہیں۔ جب موسیٰ علیہ السلام کو سوتا ہوا پاؤ تو اس کے عصا (لاٹھی) کے چرانے کی کوشش کرنا۔ پس اگر تم اس عصا کے چرانے میں کامیاب ہو گئے تو سمجھ لینا کہ یہ دونوں (موسیٰ اور ہارون علیہما السلام) جادوگر ہیں اور سحر اور جادو کا توڑ تو تمہارے لیے کوئی مشکل نہیں۔ کیونکہ تم بھی سحر میں کامل اور ماہر ہو۔

اور اگر تم اس عصا کو نہ چرا سکے تو سمجھ لینا کہ وہ کوئی طلسم اور شعبدہ نہیں اور یقین کر لینا کہ وہ دونوں اللہ کے فرستادہ اور

ہدایت یافتہ ہیں اور یہ ان کی نبوت کی قطعی نشانی ہے کہ سوناتو درکنار اگر ان کی وفات بھی ہو جائے تب بھی اللہ تعالیٰ ان کو بلند فرمائے گا اور وہ کبھی مغلوب نہ ہوں گے۔ بیٹا جاؤ یہ سچی نشانی ہے جو میں نے تم کو بتائی ہے۔ تم اسے دل پر نقش کرلو۔ دونوں بیٹے باپ کا یہ حکم سن کر موسیٰ علیہ السلام کی تلاش میں نکلے معلوم ہوا کہ ایک درخت کے نیچے پڑے سو رہے ہیں۔ اور عصا قریب ہی رکھا ہے دونوں نے اس موقع کو غنیمت جانا۔ اور عصا چرانے کے لیے آگے بڑھے یکایک عصا نے حرکت کی اور اژدھا بن کر ان پر حملہ کرنے لگا۔ یہ دیکھ کر دونوں بھاگ نکلے۔

مولانا بحر العلوم رحمۃ اللہ علیہ شرح مثنوی: ۳/۴۹۔۵۰ دفتر سوم میں فرماتے ہیں کہ مولانائے روم رحمۃ اللہ علیہ نے ان اشعار میں سحر اور معجزہ کے فرق کو واضح کیا ہے وہ یہ کہ سحر ساحر کی غفلت کی حالت میں باقی نہیں رہتا۔ بخلاف معجزہ کے کہ وہ رسول کی غفلت کی حالت میں بھی باقی رہتا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ سحر، ساحر کا فعل ہے اور اس کی توجہ اور ہمت پر موقوف ہے جب ساحر اپنے سحر سے غافل ہوا تو سحر اور اس کا اثر بھی ختم ہوا۔ جادوگر جب سوجاتا ہے تو اس کے جادو کا کوئی رہبر باقی نہیں رہتا۔ اس لیے وہ سحر معطل اور بے کار ہو جاتا ہے جیسا کہ چرواہا جب سو جاتا ہے تو بھیڑیا نڈر ہو جاتا ہے بخلاف معجزہ کے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے جس کو وہ محض اپنی قدرت سے نبی کے ہاتھ پر ظاہر کرتا ہے تاکہ اس کی صداقت کی نشانی بنے اللہ تعالیٰ خود اس کا محافظ و نگہبان ہوتا ہے۔ نبی کی غفلت اور عدم غفلت کو معجزہ کے بقا اور عدم بقاء میں کوئی دخل نہیں۔ عصا کا سانپ بن جانا اور اس کے مارنے سے دریائے نیل میں راستے پیدا ہو جانا یہ سب اللہ تعالیٰ کا فعل تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کو اس کا علم نہ تھا کہ کس طرح عصا مارنے سے دریا میں بارہ راستے بن جائیں گے۔ معجزہ بیشک نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے مگر اس کا ظہور اللہ کے ارادے اور اختیار سے ہوتا ہے نبی کے ارادہ اور اختیار کو اور اس کی طاقت بشریہ کو اس میں دخل نہیں ہوتا بلکہ بسا اوقات رسول کو اس کا علم بھی نہیں ہوتا۔

ایں سخن را نیست ہرگز اختتام
ختم کن واللہ اعلم بالسلام

اطلاع:...... سحر اور معجزہ کے فرق کو اس ناچیز نے اپنی کتاب علم الکلام اور اصول اسلام میں قدرے تفصیل کے ساتھ لکھ دیا ہے۔ حضرات اہل علم ان دونوں کتابوں کی مراجعت کریں، ان شاء اللہ تعالیٰ ما قلّ و دلّ کا مصداق پائیں گے۔ اور اگر اس ناچیز کو دعاء مغفرت سے نواز دیں تو زہے نصیب۔

كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ﴿۹۹﴾ مَنْ

یوں سناتے ہیں ہم تجھ کو ان کے احوال جو پہلے گزر چکے ف۱ اور ہم نے دی تجھ کو اپنے پاس سے پڑھنے کی کتاب ف۲ جو

یوں سناتے ہیں ہم تجھ کو احوال سے ان کے جو پہلے گزرے۔ اور ہم نے دیا تجھ کو اپنے پاس سے ایک پڑھنا۔ جو

ف۱ یعنی موسیٰ و فرعون کی طرح اور بہت سی گزشتہ اقوام کے واقعات ہم تجھ کو اور تیرے ذریعہ سے تمام دنیا کو سناتے رہتے ہیں جس میں بہت سے فوائد ہیں مثلاً علم کی توفیر، معجزات کی تکثیر، پیغمبر اور مسلمانوں کی تسلی، عقلمندوں کے لیے عبرت و تذکیر اور معاندین کے حق میں تہدید و ترہیب کا سامان ہوتا ہے۔

ف۲ یعنی قرآن کریم جو ان عبرت آموز واقعات و حقائق پر مشتمل ہے۔

اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا ۝۱۰۰ خٰلِدِيْنَ فِيْهِ ۭ وَسَاۗءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

کوئی منہ پھیر لے اس سے سو وہ اٹھائے گا دن قیامت کے ایک بوجھ سدا رہیں گے اس میں اور برا ہے ان پر قیامت میں

کوئی منہ پھیرے اس سے، سو اٹھاوے گا دن قیامت کے ایک بوجھ۔ پڑے رہیں گے اس میں۔ اور برا ہے ان پر قیامت میں

حِمْلًا ۝۱۰۱ يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَىِٕذٍ زُرْقًا ۝۱۰۲ يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ

وہ بوجھ اٹھانے کا ف۱ جس دن پھونکیں گے صور میں اور گھیر لائیں گے ہم گناہ گاروں کو اس دن نیلی آنکھیں ف۲ چپکے چپکے کہتے ہوں گے آپس میں

بوجھ اٹھانے کا۔ جس دن پھونکیں گے صور میں، اور گھیر لاویں گے ہم گنہگاروں کو اس دن نیلی آنکھیں۔ چپکے چپکے کہیں آپس میں

اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ۝۱۰۳ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ

تم نہیں رہے مگر دس دن ف۳ ہم کو خوب معلوم ہے جو کچھ کہتے ہیں ف۴ جب بولے گا ان میں اچھی راہ روش والا تم نہیں رہے

دیر نہیں ہوئی تم کو مگر دس دن۔ ہم کو خوب معلوم ہے جو کہتے ہیں، جب بولے گا ان میں اچھی راہ والا، تم کو دیر نہیں لگی

اِلَّا يَوْمًا ۝۱۰۴ ع ۱۵/۱۴

مگر ایک دن ف۵

مگر ایک دن۔

اثبات رسالت محمدیہ وتہدید معاندین وترہیب ازعذاب آخرت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَاۗءِ مَا قَدْ سَبَقَ ... الی ... اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا﴾

ربط: ...... یہاں تک موسیٰ علیہ السلام کا قصہ اور فرعون کا ماجرا ختم ہوا جو ازاول تا آخر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت ورسالت کی دلیل اور برہان تھا۔ اب ان آیات میں رسالت محمدیہ کا اثبات فرماتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ اے نبی ہم آپ ﷺ کو اس قرآن

ف۱ یعنی اعراض وتکذیب سے جو گناہوں کا بوجھ قیامت کے دن ان پر لادا جائے گا، کبھی ہلکا نہ ہوگا۔ ہمیشہ اس کے نیچے دبے رہیں گے پھر اس کا اٹھانا کوئی ہنسی کھیل نہیں جب اٹھائیں گے تو پتہ چلے گا کہ کیسے برے اور سخت بوجھ کے نیچے دبائے گئے ہیں۔

ف۲ یعنی محشر میں لائے جانے کے وقت اندھے ہوں گے۔ یا شاید یوں ہی آنکھیں نیلی ہوں بدنمائی کے واسطے، بہرحال اگر پہلے معنی لیے جائیں تو یہ ایک خاص وقت کا ذکر ہے۔ پھر آنکھیں کھول دی جائیں گی تاکہ دوزخ وغیرہ کو دیکھ سکیں۔ ﴿وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ﴾ الآیۃ (الکہف، رکوع ۷) ﴿اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ ۙ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا﴾ (مریم، رکوع ۷)

ف۳ یعنی آخرت کا طول اور وہاں کے ہولناک احوال کی شدت کو دیکھ کر دنیا میں یا قبر میں رہنا اتنا کم نظر آئے گا کہ گویا ہفتہ عشرہ سے زیادہ نہیں رہے۔ بڑی جلدی دنیا ختم ہوگئی۔ یہاں کے مزے اور لمبی چوڑی امیدیں سب بھول جائیں گے۔ بیہودہ عمر ضائع کرنے پر ندامت ہوگی۔ یا شاید معذرت کے طور پر ایسا کہیں گے۔ یعنی دنیا میں بہت ہی کم ٹھہرنا ہوا۔ موقع نہ ملا کہ آخرت کے لیے کچھ سامان کرے جیسے دوسری جگہ فرمایا ﴿وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ڏ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ﴾ الی آخرہ (روم، رکوع ۶)

ف۴ یعنی چپکے کہنا ہم سے نہیں چھپتا۔ وہ آپس میں جو سرگوشیاں کریں گے ہم کو خوب معلوم ہیں۔

ف۵ یعنی جو ان میں زیادہ عقلمند، صاحب الرائے اور ہوشیار ہوگا وہ کہے گا کہ یہاں دس دن بھی کہاں؟ صرف ایک ہی دن سمجھو۔ اس کو زیادہ عقلمند اور اچھی راہ روش والا اس لیے فرمایا کہ دنیا کے زوال وفنا اور آخرت کی بقاء ودوام اور شدت ہول کو اس نے دوسروں سے زیادہ سمجھا۔

میں گزشتہ زمانے کے حالات سے آگاہ کرتے ہیں تاکہ یہ آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کی اور اس قرآن کے من جانب اللہ ہونے کی دلیل ہو۔ اور آپ ﷺ کے لیے باعث تسلی ہو اور منکرین اور معاندین کے لیے موجب تہدید و عبرت ہو۔ اور لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ قرآن جو ہم نے آپ ﷺ کو عطا کیا ہے وہ آپ ﷺ کی نبوت اور صداقت کی دلیل ہے۔ جو لوگ اس قرآن سے اعراض کرتے ہیں قیامت کے دن ان کی آنکھیں کھل جائیں گی۔ گزشتہ آیات میں موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ عصا کا ذکر تھا۔ اب ان آیات میں آنحضرت ﷺ کے معجزہ قرآن کا ذکر فرماتے ہیں۔

عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قرآن بمنزلہ عصائے موسیٰ کے ہے کہ افعال کفریہ کو نگل جائے گا۔

اے رسول ما تو جادو نیستی
صادقی ہم فرقہ موسیٰ ستی

اے ہمارے رسول آپ ﷺ جادو نہیں بلکہ آپ ﷺ سچے ہیں اور موسیٰ علیہ السلام کے ہم فرقہ اور ہم مشرب ہیں

ہست قرآن مر ترا ہمچو عصا
کفر ہا را در کشد چوں اژدہا

یہ قرآن آپ ﷺ کے لئے عصاء موسیٰ علیہ السلام کی طرف ہے کفر کے تمام سانپوں کو نگل جائے گا۔

تو اگر در زیر خاکے خفتۂ
چوں عصائش داں تو آنچہ گفتۂ

اگر آپ ﷺ زیر خاک بھی خواب استراحت فرمائیں گے تو یہ قرآن عصائے موسیٰ علیہ السلام کی طرح آپ ﷺ کے دین کا پاسبان اور نگہبان ہوگا۔

آپ ﷺ موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہیں آپ کا آغاز اور انجام انہی کی طرح ہوگا۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی ﷺ جس طرح ہم نے آپ کے سامنے موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کیا۔ اسی طرح ہم آپ کے سامنے گزشتہ حوادث کی کچھ خبریں بیان کرتے ہیں۔ تاکہ آپ ﷺ کو تسلی ہو اور آپ کی امت کے لیے عبرت اور نصیحت ہو اور سمجھیں کہ گزشتہ پیغمبروں کے کافروں کے ساتھ خدا تعالیٰ کا کیا معاملہ رہا ہے۔ اور تحقیق ہم نے تجھ کو اپنے پاس سے ایک کتاب نصیحت و ہدایت دی ہے۔ جو شخص اس قرآن سے اعراض کرے گا۔ یعنی اس پر ایمان نہیں لائے گا اور اس کے مطابق عمل نہیں کرے گا۔ تو وہ قیامت کے دن بلاشبہ کفر اور معصیت کا بڑا بھاری بوجھ اٹھا کر لائے گا۔ درآنحالیکہ اس بوجھ کی سزا میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے جس سے کبھی چھٹکارا نہ ہوگا۔ اور وہ ان کے واسطے قیامت کے دن بہت ہی بڑا بوجھ ہوگا جو ان پر لدا ہوگا۔ اور قیامت کا دن وہ دن ہوگا۔ جس دن صور پھونکا جائے گا۔ جس سے مردے زندہ ہوں گے۔ اور ہم اس دن مجرموں کو یعنی کافروں کو جو اس قرآن کی تکذیب کرتے تھے میدان قیامت میں ایسی حالت میں جمع کریں گے کہ ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی۔

مطلب یہ ہے کہ اس دن مجرمین کی علامت یہ ہوگی کہ ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی اور چہرے سیاہ ہونگے اول اول ایسے بدصورت ہوں گے اور بعد میں اندھے ہو جائیں گے اور اس وقت اس قدر خوف زدہ ہوں گے کہ آپس میں چپکے چپکے

کہہ رہے ہوں گے کہ تم لوگ دنیا میں یا قبروں میں دس رات سے زیادہ نہیں رہے۔ "صور" ایک سینگ ہے جس میں پھونک مار کر لوگوں کو حشر کے لیے بلایا جائے گا۔ وہ دو دفعہ پھونکا جائے گا۔ پہلی دفعہ میں تمام دنیا فنا ہو جائے گی اور دوسری دفعہ پھونکنے سے تمام زندہ ہو جائیں گے۔ اور دونوں نفخوں کے درمیان ۴۰ سال کا فاصلہ ہوگا یہاں نفخہ سے مراد نفخہ دوم ہے۔ اس روز جب کافر زندہ کر کے قبروں سے اٹھائے جائیں گے تو ان کی آنکھیں نیلی اور منہ کالے ہوں گے۔ اور ان پر پیاس غالب ہوگی اور بدحواس ہوں گے۔ اور دنیا کے طویل وعریض قیام کو یہ خیال کریں گے کہ ہم دنیا میں صرف دس دن ٹھہرے ہیں۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں ہم خوب جانتے ہیں جو وہ کہیں گے جب ان میں کا بہتر طریق والا یعنی ان میں پوری عقل والا یہ کہے گا کہ نہیں ٹھہرے تم دنیا میں مگر ایک روز یعنی اگر ہم کو پہلے سے اس کا علم ہوتا تو اس فانی کو ترک کرتے اور اس باقی کو اختیار کرتے۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ﴿۱۰۵﴾ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ﴿۱۰۶﴾ لَّا تَرٰى

اور تجھ سے پوچھتے ہیں پہاڑوں کا حال سو تو کہہ ان کو بکھیر دے گا میرا رب اڑا کر پھر کر چھوڑے گا زمین کو صاف میدان نہ دیکھے گا تو

اور تجھ سے پوچھتے ہیں پہاڑوں کا حال، سو تو کہہ، ان کو بکھیر دے گا میرا رب اڑا کر۔ پھر کر چھوڑے گا زمین کو پٹپرا میدان۔ نہ دیکھے تو

فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا ﴿۱۰۷﴾ يَوْمَئِذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهٗ ۚ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ

اس میں موڑ اور نہ ٹیلا ف۱ اس دن پیچھے دوڑیں گے پکارنے والے کے ٹیڑھی نہیں جس کی بات ف۲ اور دب جائیں گی آوازیں

اس میں موڑ نہ ٹیلا۔ اس دن پیچھے دوڑیں گے پکارنے والے کے، ٹیڑھی نہیں جس کی بات۔ اور دب گئیں آوازیں

لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ﴿۱۰۸﴾ يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ

رحمٰن کے ڈر سے پھر تو نہ سنے گا مگر کھس کھسی آواز ف۳ اس دن کام نہ آئے گی سفارش مگر جس کو اجازت دی رحمٰن نے

رحمٰن کے ڈر سے، پھر نہ تو سنے کھس کھسی آواز۔ اس دن کام نہ آئے گی سفارش، مگر جس کا حکم دیا رحمٰن نے،

وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا ﴿۱۰۹﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ﴿۱۱۰﴾

اور پسند کی اس کی بات ف۴ وہ جانتا ہے جو کچھ ہے ان کے آگے اور پیچھے اور یہ قابو میں نہیں لاسکتے اس کو دریافت کر کے ف۵

اور پسند کی اس کی بات۔ وہ جانتا ہے جو ان کے آگے اور پیچھے، اور یہ قابو میں نہیں لاتے اس کو دریافت کر کر۔

ف۱ یعنی قیامت کے ذکر پر منکرین حشر استہزاء کہتے ہیں کہ ایسے ایسے سخت اور عظیم الشان پہاڑوں کا کیا حشر ہوگا؟ کیا یہ بھی ٹوٹ پھوٹ جائیں گے؟ اس کا جواب دیا کہ حق تعالیٰ کی لامحدود قدرت کے سامنے پہاڑوں کی کیا حقیقت ہے ان سب کو ذرا سی دیر میں کوٹ پیس کر ریت کے ذرات اور دھنی ہوئی روئی کی طرح ہوا میں اڑا دیا جائے گا اور زمین بالکل صاف وہموار کر دی جائے گی جس میں کچھ ایچ پیچ اور اونچ نیچ نہ رہے گی، پہاڑوں کی رکاوٹیں ایک دم میں صاف کر دی جائیں گی۔

ف۲ یعنی جدھر فرشتہ آواز دے گا یا جہاں بلائے جائیں گے سیدھے تیر کی طرح ادھر دوڑے جائیں گے۔ نہ بلانے والے کی بات ٹیڑھی ہوگی اور نہ دوڑنے والوں میں کچھ ٹیڑھا ترچھا پن رہے گا۔ کاش یہ لوگ دنیا میں اللہ کے داعی کی آواز پر اسی طرح سیدھے جھپٹتے تو وہاں کام آتا۔ پر یہاں اپنی بدبختی اور کج روی سے ہمیشہ ٹیڑھی چال چلتے رہے۔

ف۳ یعنی محشر کی طرف چلنے کی کھسکھساہٹ کے سوا اس وقت رحمٰن کے خوف وہیبت کے مارے کسی کی آواز نہ سنائی دے گی، اگر کوئی کچھ کہے گا بھی تو اس قدر آہستہ جیسے کانا پھوسی کرتے ہوں۔

=

وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ ؕ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ﴿۱۱۱﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ

اور رگڑتے ہیں منہ آگے اس جیتے ہمیشہ رہنے والے کے ف۱ اور خراب ہوا جس نے بوجھ اٹھایا ظلم کا ف۲ اور جو کوئی کرے کچھ

اور کرتے ہیں منہ آگے اس جیتے ہمیشہ رہتے کے۔ اور خراب ہوا جس نے بوجھ اٹھایا ظلم کا۔ اور جو کوئی عمل کرے کچھ

الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا ﴿۱۱۲﴾ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا

بھلائیاں اور وہ ایمان بھی رکھتا ہو سو اس کو ڈر نہیں بے انصافی کا اور نہ نقصان پہنچنے کا ف۳ اور اسی طرح اتارا ہم نے قرآن عربی زبان کا

بھلائیاں اور وہ یقین رکھتا ہو، سو اس کو ڈر نہیں بے انصافی کا اور نہ دبانے کا۔ اور اسی طرح اتارا ہم نے تجھ پر قرآن عربی زبان کا

وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ﴿۱۱۳﴾ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ

اور پھیر پھیر کر سنائی ہم نے اس میں ڈرانے کی باتیں تاکہ وہ پرہیز کریں یا ڈالے ان کے دل میں سوچ ف۴ سو بلند درجہ اللہ کا اس سچے

اور پھیر پھیر سنایا اس میں ڈر کا، شاید وہ بچ چلیں، یا ڈالے ان کے دل میں سوچ۔ سو بلند درجہ اللہ کا، اس سچے

الْحَقُّ ۚ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰۤى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۫ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ﴿۱۱۴﴾

بادشاہ کا ف۵ اور تو جلدی نہ کر قرآن کے لینے میں جب تک پورا نہ ہو چکے اس کا اترنا اور کہہ اے رب زیادہ کر میری سمجھ ف۶

بادشاہ کا، اور تو جلدی نہ کر قرآن لینے میں، جب تک پورا ہو چکے اس کا اترنا، اور کہہ، اے رب! مجھ کو بڑھتی دے بُوجھ۔

= ف۴ یعنی اس کی سفارش چلے گی جس کو خدا تعالیٰ کی طرف سے سفارش کی اجازت ملے۔ اس کا بولنا خدا کو پسند ہو اور بات ٹھکانے کی کہے اور ایسے شخص کی سفارش کرے جس کی بات (لا الٰہ الا اللہ) خدا کو پسند آ چکی ہے کافر کے حق میں کوئی سعی سفارش نہیں چلے گی۔

ف۵ یعنی خدا کا علم سب کو محیط ہے لیکن بندوں کا علم اس کو یا اس کی معلومات کو محیط نہیں۔ اس لیے وہ ہی اپنے علم محیط سے جانتا ہے کہ کس کو کس کے لیے شفاعت کا موقع دینا چاہیے۔

ف۱ یعنی اس روز بڑے بڑے سرکش متکبروں کے سر بھی علانیہ اسی حی وقیوم کے سامنے ذلیل قیدیوں کی طرح جھکے ہوں گے۔ جنہوں نے کبھی خدا کے آگے پیشانی نہ ٹیکی تھی اس وقت بڑی عاجزی سے گردن جھکائے چلے آئیں گے۔

ف۲ یعنی ظالم کا حال کچھ نہ پوچھو کیسا خراب ہوگا۔ ظلم کے لفظ میں شرک اور دوسرے معاصی بھی داخل ہیں۔ جیسے فرمایا ﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾ اور ﴿وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ﴾ الخ (آل عمران، رکوع ۱۴) ہر ایک ظالم کی خرابی اس کے درجہ ظلم کے موافق ہوگی۔

ف۳ بے انصافی یہ کہ کوئی نیکی ضائع کر دی جائے یا نا کردہ گناہ پکڑا جائے۔ اور نقصان پہنچانا یہ کہ استحقاق سے کم بدلہ دیا جائے۔

ف۴ یعنی جیسے یہاں محشر کے احوال اور نیک و بد کے نتائج صاف صاف سنا دیے۔ اسی طرح ہم نے پورا قرآن صاف زبان عربی میں نازل کیا تھا جو لوگ اس کے اولین مخاطب ہیں اس کو پڑھ کر خدا سے ڈریں۔ اور تقویٰ کی راہ اختیار کریں، اور اتنا نہ ہو تو کم از کم ان کے دلوں میں اپنے انجام کی طرف سے کچھ سوچ تو پیدا ہو جائے۔ ممکن ہے یہ ہی سوچ اور غور و فکر آگے بڑھتے بڑھتے ہدایت پر لے آئے اور ان کے ذریعہ سے دوسروں کو ہدایت ہو۔

ف۵ جس نے ایسا عظیم الشان قرآن اتارا، اور اپنی رعایا کو ایسی سچی اور کھری باتیں ان کے فائدہ کے لیے سنائیں۔

ف۶ یعنی جب قرآن ایسی مفید و عجیب چیز ہے تو جس طرح ہم اس کو بتدریج آہستہ آہستہ اتارتے ہیں، تم بھی اس کو جبرائیل سے لینے میں جلدی نہ کیا کرو۔ جس وقت فرشتہ وحی پڑھ کر سنائے، تم عجلت کر کے اس کے ساتھ ساتھ نہ پڑھو۔ ہم ذمہ لے چکے ہیں کہ قرآن تمہارے سینے سے نکلنے نہ پائے گا۔ پھر اس فکر میں کیوں پڑتے ہو کہ کہیں بھول نہ جاؤں اس فکر کے بجائے یوں دعا کیا کرو کہ اللہ تعالیٰ قرآن کی اور زیادہ سمجھ اور بیش از بیش علوم و معارف عطا فرمائے۔ دیکھو آدم نے ایک چیز میں بے موقع تعجیل کی تھی اس کا انجام کیا ہوا۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ" جبریل جب قرآن لاتے تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پڑھنے =

منکرین آخرت اور مکذبین رسالت کے ایک سوال کا جواب

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ ... الی ... وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں قیامت کا ذکر تھا اب ان آیات میں منکرین آخرت کے ایک سوال کا ذکر کرتے ہیں کہ منکرین آخرت بطور تمسخر آنحضرت ﷺ سے یہ پوچھتے تھے کہ اچھا اگر قیامت قائم ہوئی تو بتلاؤ کہ اس دن ان پہاڑوں کا کیا حال ہوگا۔ ان کے خیال میں پہاڑوں کا نیست و نابود ہونا ناممکن تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کے اس سوال کا جواب دیا کہ خداوند عالم ان کو خاک کر کے اڑا دے گا۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی یہ لوگ آپ سے قیامت کا حال سن کر بطور استہزا یہ دریافت کرتے ہیں کہ اگر بالفرض قیامت ہوئی تو اس دن پہاڑوں کی کیا حالت ہوگی اور اس دن یہ پہاڑ کہاں ہوں گے۔

پس اے نبی آپ ﷺ بے تامل ان کے جواب میں یہ کہہ دیجئے کہ میرا پروردگار اپنی قدرت کاملہ سے ان کو ریزہ ریزہ کر کے ہوا میں اڑا دے گا۔ اور ان کو پراگندہ کر دے گا پوری طرح پراگندہ کرنا یہ سوال قبیلہ ثقیف کے ایک شخص نے کیا تھا پھر ان پہاڑوں کے نیچے کی زمین کو صاف میدان بنا دے گا پس اے دیکھنے والے تو اس میں نہ کوئی کجی دیکھے گا اور نہ کوئی اونچائی یعنی ٹیلہ اس دن پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ اور ان کے نیچے کی زمین ایسی ہموار کر دی جائے گی کہ جس میں اونچائی اور نیچائی کا کوئی نام و نشان نہ رہے گا۔ اور وہ ایسی برابر کر دی جائے گی کہ اگر علم ریاضی و ہندسہ کے ماہرین بھی آلات ہندسہ سے اس کی جانچ پڑتال کریں تو وہ بھی برابری اور ہمواری کی شہادت دیں۔

مطلب یہ ہے کہ اس روز پہاڑ ریزہ ریزہ کر کے ہوا میں اڑا دیئے جائیں گے۔ اور زمین ایسی ہموار کر دی جائے گی کہ اس پر نہ کوئی ٹیلہ اور پہاڑ ہوگا جس پر کوئی مجرم چڑھ کر پناہ لے سکے۔ اور نہ کوئی غار ہوگا جس میں کوئی مجرم چھپ سکے۔ اس روز تمام لوگ خدائی پکارنے والے کی آواز کے پیچھے دوڑیں گے یہ پکارنے والے اسرافیل علیہ السلام ہوں گے۔ صخرۂ بیت المقدس پر کھڑے ہو کر آواز دیں گے۔

"اے پرانی اور بوسیدہ ہڈیو اور اے متفرق شدہ گوشت کے ٹکڑو خدائے رحمن کے سامنے پیش ہونے کے لیے حاضر ہو جاؤ تمہارے فیصلوں اور حساب کا وقت آپہنچا ہے"۔ اسرافیل علیہ السلام کی یہ آواز سن کر لوگ دوڑ پڑیں گے اور اپنی قبروں سے نکل کھڑے ہوں گے۔ اس آواز کے اتباع اور پیروی سے کسی کو کجی اور انحراف ممکن نہ ہوگا۔ اسی روز اس آواز پر سب سیدھے دوڑے چلے آئیں گے۔ دائیں بائیں نہ جھکیں گے۔ اگر دنیا کا ماجرا ہوتا تو انحراف ممکن تھا۔ لیکن آج اس آواز کی پیروی سے انحراف ممکن نہیں اور اس دن ہیبت کے مارے رحمن کے لیے تمام آوازیں پست ہوں گی سوائے پیروں کی آہستہ آواز کے کچھ نہ سن سکے گا۔ نہایت خاموشی کے ساتھ میدان حشر کی طرف جائیں گے۔ اس روز کسی کو کسی کی شفاعت نفع نہ دے گی مگر جس کو یا جس کے لئے رحمن نے شفاعت کی اجازت دی ہو اور پسند کیا ہو۔ شفاعت کے بارے میں اس کا بولنا اور بات کرنا تو اس روز

= کے ساتھ آپ بھی پڑھنے لگتے کہ بھول نہ جاؤں، اس کو پہلے منع فرمایا تھا سورۂ قیامۃ میں ﴿لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ﴾ اور تسلی کر دی تھی کہ اس کا یاد رکھوانا اور لوگوں تک پہنچوانا ہمارے ذمہ ہے۔ لیکن بندہ بشر ہے، شاید بھول گئے ہوں اس لیے پھر اس آیت سے تقید کیا اور بھولنے پر آگے مثل بیان فرمائی آدم کی۔"

اس کی سفارش چلے گی۔اور نفع دے گی۔ یا یہ معنی ہیں کہ اس دن شفاعت کسی کو نفع نہ دے گی مگر جس کے لیے اور جس کے واسطے رحمن نے اذن دیا اور جس کی بات سے اللہ راضی ہوا۔ بات سے مراد لا الہ الا اللہ کہنا ہے اور مطلب یہ ہے کہ جس نے دنیا میں لا الہ الا اللہ کہا یعنی ایمان لایا۔اور اسی پر مر گیا اگرچہ اس کے گناہ ہوں تو اس کو انبیاء اور ملائکہ کی شفاعت نفع دے گی۔

حاصل یہ کہ جو مسلمان ہو وہ لائق شفاعت ہے اگرچہ گنہگار ہو۔ کافر کے حق میں کوئی سعی اور سفارش نہیں چلے گی۔ شفاعت کے لیے شافع اور مشفوع لہ دونوں کا مسلمان ہونا شرط ہے اور شفاعت کے لیے اجازت کی ضرورت اس لیے ہوئی کہ شافع کو معصیت کا نہ مبداء معلوم ہے اور نہ منتہیٰ۔ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ان کے اگلے اور پچھلے احوال کو اس کا علم تمام خلائق کو محیط ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کون لائق شفاعت ہے اور کون نہیں اور جہنم میں داخل ہونے کے بعد کون نکالے جانے کے قابل ہے اور کون نہیں اور تمام مخلوقات علم کے اعتبار سے اللہ کا احاطہ نہیں کر سکتیں۔ کسی مخلوق میں یہ مجال نہیں کہ وہ کسی کے بارے میں لیاقت اور عدم لیاقت کا حکم لگا سکے۔ اس لیے اس روز بغیر اجازت خداوندی کے کوئی کسی کے لیے شفاعت نہیں کر سکے گا۔ اور اس دن تمام چہرے اس حی وقیوم کے سامنے پست اور ذلیل اور عاجزی کرنے والے ہوں گے۔ اس دن حکومت اور سلطنت صرف اللہ کی ہوگی۔ "حی" کے معنی ایسے زندہ کے ہیں کہ جو کبھی نہ مرے اور "قیوم" کے معنی جو ہر چیز کو قائم رکھنے والا اور تھامنے والا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ حشر کے دن سب کے چہرے خدائے عزوجل کے سامنے عاجز اور سرافگندہ ہوں گے۔ اور اس روز یہ چہرے دو قسم کے ہوں گے۔

قسم اول کافروں کے چہرے ایسے ہوں گے۔ جن کی بابت ارشاد فرماتے ہیں۔ اور تحقیق نامراد ہوا جس نے ظلم (یعنی کفر اور شرک) کا بوجھ اٹھایا۔ یعنی جو شخص کفر اور شرک کا بوجھ لے کر میدان حشر میں آیا وہ تو خراب اور برباد ہوا۔

اور قسم دوم مومنین کی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور جو شخص نیک کام کرے گا بشرطیکہ وہ مومن ہو تو وہ قیامت کے دن نہ ظلم اور زیادتی سے ڈرے گا اور نہ نقصان اور کمی سے ڈرے گا۔ ظلم اور زیادتی کے یہ معنی کہ اس کے گناہوں میں زیادتی اور اضافہ کر دیا جائے گا۔ اور نقصان کے معنی یہ ہیں کہ اس کی نیکیوں میں کمی کر دی جائے۔

مطلب یہ ہے کہ جو گناہ اس نے نہیں کیا ہے اس کا اس سے مؤاخذہ نہیں کیا جائے گا۔ اور جو نیکی اس نے کی ہے وہ ضائع نہیں کی جائے گی۔ ہر ایک ظالم کو بقدر اس کے ظلم کے سزا ملے گی۔ اور ہر مومن صالح کو بقدر اس کے ایمان کے اور عمل صالح کے جزا ملے گی۔

اور اے نبی جس طرح ہم نے ان آیات میں قیامت کے احوال اور اہوال کو آپ ﷺ کے سامنے بیان کیا ہے جو وعد اور وعید کو متضمن ہیں اسی طرح ہم نے اس سارے قرآن کو عربی زبان میں نازل کیا ہے۔ تاکہ اہل عرب اس کے اعجاز کو دیکھ کر اس کے وعد اور وعید پر ایمان لائیں اور سعادت ابدی حاصل کریں۔ اور ہم نے اس قرآن میں عذاب سے ڈرانے والی چیزوں کو مکرر سہ کرر بیان کیا ہے۔ تاکہ لوگ متقی اور پرہیزگار بن جائیں۔ یعنی تقویٰ کا ملکہ ان کے نفس میں راسخ ہو جائے یا کم از کم ان کے دلوں میں آخرت کی فکر پیدا کر دے۔ جو رفتہ رفتہ ان کو تقویٰ اور ہدایت کے مرتبہ تک پہنچا دے اور شاید آئندہ چل کر مسلمان ہو جائیں۔

"ذکر" کے معنی فکر اور عبرت اور نصیحت کے ہیں اور عبرت اور نصیحت ہدایت کی ابتداء ہے اور ورع اور تقویٰ اس کی

منتہا ہے پس اللہ جو بادشاہ حقیقی اور مالک برحق ہے اور وہ بلند اور برتر ہے۔ اس سے کہ وہ اپنے بندوں کی ہدایت کے لیے امر و نہی اور وعد اور وعید نازل نہ فرمائے اور اپنے مجرموں کو سزا اور اپنے وفاداروں کو انعام نہ دے۔ فرمانبرداروں اور نافرمانوں میں فرق کرنا بادشاہت کے لوازم میں سے ہے اس لیے اس بادشاہ برحق نے اپنے بندوں کی صلاح اور فلاح کے لیے اور ان کے دین و دنیا کی بہبودی کے لیے آپ ﷺ پر یہ کتاب ہدایت یعنی قرآن کریم نازل فرمائی تا کہ راہ ہدایت ایسی واضح ہو جائے کہ کسی کو اس میں شبہ کی گنجائش نہ رہے اور بندے اپنی صلاح اور فلاح سے باخبر ہو جائیں اور مجرمین پر اللہ کی حجت پوری ہو جائے۔ قرآن کے نازل کرنے کی غرض وغایت یہی ہے کہ لوگ اللہ کی عبادت کریں۔ اور اس کی معصیت سے بچیں اور ایسی کتاب ہدایت اور ایسے قانون شریعت کا نازل کرنا جو دین و دنیا کی صلاح اور فلاح کا کفیل ہو وہ بادشاہ برحق ہی کا کام ہے کہ جس کی سلطنت کو فنا اور زوال نہ ہو۔ لہٰذا تم کو چاہئے کہ اس بادشاہ برحق کے وعدہ پر مطمئن رہو اور اس کی وعید سے ڈرتے رہو کہ اگر ہم نے پیغمبر کی نافرمانی کی تو پہلی امتوں کی طرح ہم بھی تباہ ہو جائیں گے۔ خوب سمجھ لو کہ مالک حقیقی اور بادشاہ نے تم پر مہربانی کی کہ تمہاری صلاح اور فلاح کے لیے یہ قرآن نازل کیا۔

حق جل شانہ نے ان آیات میں یہ بیان کیا ہے کہ ہم اس قرآن میں وعد اور وعید کو مکرر سہ کرر اس لیے بیان کرتے ہیں کہ بنی آدم کی اصلاح اس پر موقوف ہے اب اسی مناسبت سے آئندہ آیات میں تبعاً واستطراداً کلام ربانی اور پیام یزدانی کا ادب بیان فرماتے ہیں کہ جب اللہ کا کلام نازل ہو تو اس کا ادب یہ ہے کہ اس کو سنا جائے اور سن کر اس کے معانی میں غور وفکر کیا جائے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی اس بادشاہ برحق نے بندوں کے ہدایت کے لیے یہ قرآن آپ ﷺ پر نازل کیا ہے تو جبریل امین علیہ السلام جب آپ ﷺ کے پاس قرآن کی وحی لے کر آیا کریں تو آپ وحی کے پورا ہونے سے پہلے قرآن کے پڑھنے میں جلدی نہ کیا کریں۔

جبرئیل امین علیہ السلام جب آپ ﷺ کے پاس قرآن کی وحی لے کر نازل ہوتے تو ابھی وحی پوری نازل نہ ہونے پاتی تھی کہ آپ ﷺ اثناء نزول ہی میں اس خوف سے کہ کہیں بھول نہ جائیں جبریل امین علیہ السلام کے ساتھ ساتھ جلدی جلدی پڑھتے اور اس کو دھراتے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کی ممانعت کر دی کہ جب تک وحی پوری نہ ہو جائے اور جبریل علیہ السلام اس کے پہنچانے سے فارغ نہ ہو جائے اس وقت تک آپ ﷺ نہ پڑھا کریں اور آپ کو تسلی کر دی کہ قرآن کا بتمام وکمال آپ ﷺ کے سینہ میں جمع کر دینا اور لفظ بلفظ اس کا محفوظ کر دینا یہ ہمارے ذمہ ہے جیسا کہ یہ حکم سورۂ قیامہ میں بھی آیا ہے۔ ﴿لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۝ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۝ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۝ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ﴾۔

اور اے نبی ﷺ آپ اس فکر میں نہ پڑیئے اور ہمارا فرشتہ جب آپ ﷺ کے سامنے ہماری وحی پڑھے تو آپ ﷺ اس کو خوب غور سے سنئے کیونکہ اللہ کے کلام کا حق استماع اور انصات ہے اور جب فرشتہ آپ ﷺ پر پڑھنے سے فارغ ہو جائے تو بجائے پڑھنے کے وحی پوری ہو جانے کے بعد آپ ﷺ یہ دعا مانگا کیجئے۔

اے میرے پروردگار اپنی طرف سے میرے علم اور فہم میں زیادتی کر تا کہ تیرے کلام کے معانی کو اور تیرے احکام کے اسرار اور حکم کو خوب سمجھوں کیونکہ قرآن کے ہر حرف کے نیچے بیشمار علوم ہیں اور جو وحی ہم آپ ﷺ پر نازل کر رہے ہیں

وہ تو ضرور بالضرور آپ ﷺ پر نازل ہو کر رہے گی۔ اور آپ ﷺ کے سینہ میں ضرور محفوظ ہو کر رہے گی۔ آپ ﷺ اس کی فکر نہ کیجئے زیادتی علم کے فکر کیجئے۔ نظم قرآن کے کلمات اور حروف محدود اور متناہی ہیں۔ اور اس کے علوم غیر محدود اور غیر متناہی ہیں اور علم کی زیادتی اور ترقی میں حفظ بھی آ گیا۔ کیونکہ زیادتی علم کی دعا ایسی جامع دعا ہے جو سب کو شامل ہے اس لیے کہ ظاہر ہے کہ معانی کا سمجھنا الفاظ کی یاد ہونے پر موقوف ہے۔ اس لیے زیادتی علم زیادتی حفظ کو بھی شامل ہے۔

سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا علم برابر زیادہ ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ نے وفات پائی۔ اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جب یہ آیت پڑھتے تو یہ دعا کرتے اللھم زدنی علما وایمانا ویقینا اے اللہ میرے علم میں اور میرے ایمان میں اور میرے یقین میں زیادتی فرما کہ ہر لحہ علم اور معرفت اور ایمان اور ایقان میں اضافہ اور ترقی ہوتی رہے اور ترمذی اور ابن ماجہ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ یہ دعا مانگا کرتے تھے۔ اللھم انفعنی بما علمتنی وعلمنی ماینفعنی وزدنی علما والحمدللہ علی کل حال اور ایک حدیث میں اس دعا کے اخیر میں اتنا لفظ اور زیادہ آیا ہے۔

واعوذ باللہ من حال اہل النار۔

وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴿۱۱۵﴾ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ

اور ہم نے تاکید کر دی تھی آدم کو اس سے پہلے پھر بھول گیا اور نہ پائی ہم نے اس میں کچھ ہمت ف۱ اور جب کہا ہم نے فرشتوں کو

اور ہم نے تقید کر دیا تھا آدم کو اس سے پہلے، پھر بھول گیا اور نہ پائی ہم نے اس میں کچھ ہمت۔ اور جب کہا ہم نے فرشتوں کو

اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى ﴿۱۱۶﴾ فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ

سجدہ کرو آدم کو تو سجدہ میں گر پڑے مگر نہ مانا ابلیس نے پھر کہہ دیا ہم نے اے آدم یہ دشمن تیرا ہے اور تیرے جوڑے کا

سجدہ کرو آدم کو، تو سجدے میں گر پڑے مگر ابلیس نے نہ مانا۔ پھر کہہ دیا ہم نے اے آدم! یہ دشمن ہے تیرا اور تیرے جوڑے کا،

فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ﴿۱۱۷﴾ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ﴿۱۱۸﴾ وَاَنَّكَ لَا

سو نکلوا نہ دے تم کو بہشت سے پھر تو پڑ جائے تکلیف میں ف۲ تجھ کو یہ ملا ہے کہ نہ بھوکا ہو تو اس میں اور نہ ننگا اور یہ کہ نہ

سو نکلوا نہ دے تم کو بہشت سے، پھر تو تکلیف میں پڑے گا۔ تجھ کو یہ ملا، کہ نہ بھوکا ہو تو اس میں اور نہ ننگا۔ اور یہ کہ نہ

تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى ﴿۱۱۹﴾ فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ

پیاس کھینچے تو اس میں اور نہ دھوپ ف۳ پھر جی میں ڈالا اس کے شیطان نے کہا اے آدم میں بتاؤں تجھ کو درخت

پیاس کھینچے تو اس میں نہ دھوپ۔ پھر جی میں ڈالا اس کے شیطان نے، کہا اے آدم! میں بتاؤں تجھ کو درخت

ف۱ وہ ہی جو دانہ کھالیا تھا۔ بھول گئے۔ یعنی قائم نہ رہے۔ آگے اس قصہ کی قدرے تفصیل ہے۔

ف۲ ظاہر ہے بہشت کا آرام دوسری جگہ کہاں مل سکتا ہے۔ آخر کھانے پہننے، رہنے سہنے کی تدبیریں کرنی پڑیں گی۔

ف۳ انسان کی یہ ہی بڑی ضرورتیں ہیں، کھانا، پینا، پہننا اور رہنے کے لیے مکان جس میں دھوپ بارش کو بچاؤ ہو۔ جنت میں اس طرح کی کوئی تکلیف نہیں۔ بہ =

الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ﴿۱۲۰﴾ فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا

سدا زندہ رہنے کا اور بادشاہی جو پرانی نہ ہو ف۱ پھر دونوں نے کھالیا اس میں سے پھر کھل گئیں ان پر ان کی بری چیزیں اور لگے گانٹھنے اپنے اوپر

سدا جینے کا، اور بادشاہی جو پرانی نہ ہو۔ پھر دونوں کھا گئے اس میں سے، پھر کھل گئیں ان پر ان کی بری چیزیں، اور لگے گانٹھنے اپنے اوپر

مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۫ وَعَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ﴿۱۲۱﴾ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ﴿۱۲۲﴾

پتے بہشت کے ف۲ اور حکم ٹالا آدم نے اپنے رب کا پھر راہ سے بہکا پھر نواز دیا اس کو اس کے رب نے پھر متوجہ ہوا اس پر اور راہ پر لایا ف۳

پتے بہشت کے، اور حکم ٹالا آدم نے اپنے رب کا، پھر راہ سے بہکا۔ پھر نوازا اس کو اس کے رب نے، پھر متوجہ ہوا اور راہ پر لایا۔

قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى ۙ فَمَنِ

فرمایا اترو یہاں سے دونوں اکٹھے رہو ایک دوسرے کے دشمن ف۴ پھر اگر پہنچے تم کو میری طرف سے ہدایت ف۵ پھر

فرمایا، اترو یہاں سے دونوں، اکٹھے رہو ایک دوسرے کے دشمن۔ پھر کبھی پہنچے تم کو میری طرف سے راہ کی خبر۔ پھر

اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ﴿۱۲۳﴾ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا

جو چلا میری بتلائی راہ پر سو نہ وہ بہکے گا اور نہ وہ تکلیف میں پڑے گا ف۶ اور جس نے منہ پھیرا میری یاد سے تو اس کو ملنی ہے گزران تنگی کی ف۷

جو چلا میری بتائی راہ پر، نہ وہ بہکے گا نہ وہ تکلیف میں پڑے گا۔ اور جس نے منہ پھیرا میری یاد سے تو اس کو ملنی ہے گزران تنگی کی،

= طرح راحت ہی راحت ہے۔ ع" بہشت آنجا کہ آزارے نباشد" یہاں راحت کا ذکر نہیں کیا۔ صرف تکلیفوں کی نفی کی شاید متنبہ کرنے کے لیے کہ یہاں سے نکلے تو ان سب چیزوں کی تکلیف اٹھاؤ گے۔

ف۱ یعنی ایسا درخت بتاؤں، جس کے کھانے سے کبھی موت نہ آئے اور لازوال بادشاہت ملے۔

ف۲ یہ سب قصہ سورۂ اعراف وغیرہ میں مفصل گزر چکا ہے۔ وہاں کے فوائد میں ہم اس کے اجزاء پر نہایت کافی وشافی کلام کر چکے ہیں۔

ف۳ یعنی جب حکم الٰہی کے امتثال میں غفلت وکوتاہی ہوئی تو اپنی شان کے موافق عزم واستقامت کی راہ پر ثابت قدم نہ رہے۔ اسی کو غوایت وعصیان سے تغلیظاً تعبیر فرمایا ہے بقاعدہ "حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُقَرَّبِيْنَ" اس کی بحث بھی پہلے گزر چکی۔ یعنی شیطان کا تسلط نہیں ہونے دیا، بلکہ فوراً توبہ کی توفیق بخشی، خلعت قبول سے نوازا، اور بیش از بیش مہربانی سے اس کی طرف متوجہ ہوا اور اپنی خوشنودی کے راستہ پر قائم کر دیا۔

ف۴ اگر یہ خطاب صرف آدم وحوا کو ہے تو یہ مراد ہوگی کہ ان کی اولاد آپس میں ایک دوسرے کی دشمن رہے گی۔ جیسا رفاقت کر کے گناہ کیا تھا۔ اس رفاقت کا بدلہ یہ ملا کہ اولاد آپس میں دشمن ہوئی اور اگر خطاب آدم وابلیس کو ہے تو یہ مطلب ہوگا کہ دونوں کی ذریت میں یہ دشمنی برابر قائم رہے گی۔ شیاطین ہمیشہ بنی آدم کو ضرر پہنچانے کی کوشش کریں گے۔

ف۵ یعنی نبیوں اور کتابوں کے ذریعہ سے۔

ف۶ یعنی نہ جنت کے راستہ سے بہکے گا نہ اس سے محروم ہو کر تکلیف اٹھائے گا۔ جس وطن اصلی سے نکل کر آیا تھا، بے کھٹکے پھر وہیں جا پہنچے گا۔

ف۷ جو آدمی اللہ کی یاد سے غافل ہو کر محض دنیا کی فانی زندگی ہی کو قبلۂ مقصود سمجھ بیٹھا ہے، اس کی گزران مکدر اور تنگ کر دی جاتی ہے گو دیکھنے میں اس کے پاس بہت کچھ مال و دولت اور سامان عیش وعشرت نظر آئیں۔ مگر اس کا دل قناعت وتوکل سے خالی ہونے کی بناء پر ہر وقت دنیا کی مزید حرص، ترقی کی فکر اور کمی کے اندیشہ میں بے آرام رہتا ہے۔ کسی وقت ننانوے کے پھیر سے قدم باہر نہیں نکلتا۔ موت کا یقین اور زوال دولت کے خطرات الگ سوہان روح رہتے ہیں۔ یورپ کے اکثر متنعمین کو دیکھ لیجیے کسی کو رات دن میں دو گھنٹے اور کسی خوش قسمت کو تین چار گھنٹے سونا نصیب ہوتا ہوگا۔ بڑے بڑے کروڑ پتی دنیا کے مخمصوں سے تنگ آ کر موت کو زندگی پر ترجیح دینے لگتے ہیں۔ اس نوع کی خودکشی کی بہت مثالیں پائی گئی ہیں۔ نصوص اور تجربہ اس پر شاہد ہیں کہ اس دنیا میں قلبی سکون اور =

وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ﴿۱۲۴﴾ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ﴿۱۲۵﴾ قَالَ

اور لائیں گے ہم اس کو دن قیامت کے اندھا ف۱ وہ کہے گا اے رب کیوں اٹھا لایا تو مجھ کو اندھا اور میں تو تھا دیکھنے والا ف۲ فرمایا

اور لاویں گے ہم اس کو دن قیامت کے اندھا۔ وہ کہے گا اے رب ! کیوں اٹھا لایا تو مجھ کو اندھا اور میں تو تھا دیکھتا۔ فرمایا،

كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى ﴿۱۲۶﴾ وَكَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ

نہیں پہنچی تھیں تجھ کو ہماری آیتیں پھر تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج تجھ کو بھلا دیں گے ف۳ اور اسی طرح بدلہ دیں گے ہم اس کو

یوں ہی پہنچیں تھیں تجھ کو ہماری آیتیں، پھر تو نے ان کو بھلا دیا، اور اسی طرح آج تجھ کو بھلا دیں گے۔ اور اسی طرح ہم بدلہ دیں گے اس کو

اَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْۢ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰى ﴿۱۲۷﴾

جو حد سے نکلا اور یقین نہ لایا اپنے رب کی باتوں پر ف۴ اور آخرت کا عذاب سخت ہے اور بہت باقی رہنے والا ف۵

جن نے ہاتھ چھوڑا اور یقین نہ لایا اپنے رب کی باتیں۔ اور پچھلے گھر کا عذاب سخت ہے اور بہت دیر رہتا۔

ذکر قصۂ سیدنا آدم علیہ السلام برائے تنبیہ معترضین مستکبرین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ ... الى ... وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰى﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں اعراض عن الذکر کی سزا اور اس کے برے انجام کا ذکر تھا اب حضرت آدم علیہ السلام کا اور شیطان کا قصہ ذکر کرتے ہیں تا کہ معلوم ہو جائے کہ اعراض اور استکبار کس درجہ قبیح چیز ہے نیز اس قصہ کے ذکر سے اولاد آدم کو تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ اولاد آدم کو چاہئے کہ اپنے اور اپنے باپ کے قدیمی دشمن سے ہشیار رہیں مبادا کہ غفلت سے اس کے دھوکہ میں آجائیں آدم علیہ السلام کا رتبہ بہت بلند تھا۔ اس لیے ان سے بھول چوک پر یہی مواخذہ ہوا۔

= حقیقی اطمینان کسی کو بدون یاد الٰہی کے حاصل نہیں ہو سکتا۔ ﴿اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ﴾ "لیکن" ع ذوق این بادہ ندانی بخدا تانہ چشی" بعض مفسرین نے "معیشةِ ضنك" کے معنی لیے ہیں وہ زندگی جس میں خیر داخل نہ ہو سکے۔ گویا خیر کو اپنے اندر لینے سے تنگ ہو گئی۔ ظاہر ہے کہ ایک کافر جو دنیا کے نشہ میں بدمست ہے اس کا سارا مال و دولت اور سامان عیش وتنعم آخر کار اس کے حق میں وبال بننے والا ہے۔ جس خوشحالی کا انجام چند روز کے بعد دائمی تباہی ہو۔ اسے خوشحالی کہنا کہاں زیبا ہے بعض مفسرین نے "مَعِيْشَةً ضَنْكًا" سے قبر کی برزخی زندگی مراد لی ہے۔ یعنی قیامت سے پہلے اس پر سخت تنگی کا ایک دور آئے گا جبکہ قبر کی زمین بھی اس پر تنگ کر دی جائے گی۔ "معیشة ضنك" کی تفسیر عذاب قبر سے بعض صحابہ نے کی ہے بلکہ بزار نے باسناد جید ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعا روایت کیا ہے۔ بہرحال "معیشةً ضنكًا" کے تحت میں یہ سب صورتیں داخل ہو سکتی ہیں۔ واللہ اعلم۔

ف۱ یعنی آنکھوں سے اندھا کر کے محشر کی طرف لایا جائے گا۔ اور دل کا بھی اندھا ہو گا کہ کسی حجت کی طرف راستہ نہ پائے گا۔ یہ ابتدائے حشر کا ذکر ہے پھر آنکھیں کھول دی جائیں گی۔ تاکہ دوزخ وغیرہ احوال محشر کا معائنہ کرے۔

ف۲ یعنی جو کافر دنیا میں ظاہری آنکھیں رکھتا تھا تعجب سے سوال کرے گا کہ آخر مجھ سے کیا قصور ہوا جو آنکھیں چھین لی گئیں۔

ف۳ یعنی دنیا میں ہماری آیات دیکھ سن کر یقین نہ لایا نہ ان پر عمل کیا۔ ایسا بھولا رہا کہ سب سنی ان سنی کر دی۔ آج اسی طرح تجھ کو بھلایا جا رہا ہے۔ جیسے وہاں اندھا بنا رہا تھا، یہاں اسی کے مناسب سزا ملنے اور اندھا کر کے اٹھائے جانے پر تعجب کیوں ہے۔

ف۴ یعنی اسی طرح ہر ایک مجرم کو اس کے مناسب حال سزا دی جائے گی۔

ف۵ اس لیے بڑی حماقت ہو گی کہ یہاں کی تکلیف سے گھبرائیں اور وہاں کے عذاب سے بچنے کی فکر نہ کریں۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں" یعنی یہ عذاب اندھا ہونے کا حشر میں ہے اور دوزخ میں اور زیادہ"

ع جن کے رتبے ہیں سوا، ان کے مشکل ہے سوا

اولاد آدم کو چاہئے کہ اگر کسی وقت شیطان کی تسویل اور تغریر سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو باپ کی طرح توبہ اور استغفار سے اس کی تلافی اور تدارک کریں شیطان کی طرح اپنے قصور کی تاویلیں نہ کریں۔

ربط دیگر:...... کہ گزشتہ آیت میں علم وحکمت کی زیادتی کی دعا کی تلقین تھی اب ان آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ علم کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ بدون تکبر کے علم کے موافق عمل بھی کیا جائے اس لیے آئندہ آیات میں حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ بیان فرماتے ہیں۔

کہ علم کی زیادتی نے آدم علیہ السلام کو مسجود ملائک بنایا اور تکبر نے ابلیس کو مردود اور ملعون بنایا چنانچہ فرماتے ہیں اور البتہ تحقیق ہم نے پہلے ہی سے آدم سے عہد لے لیا تھا کہ اس درخت سے نہ کھانا اور یہ بتلا دیا تھا کہ یہ شیطان تمہارا دشمن ہے۔ پس وہ ہمارے اس عہد کو بھول گئے اور شیطان کی قسم کھانے سے دھوکہ کھا گئے اور ہم نے ان میں پختگی نہ پائی۔ ابلیس کے وسوسہ سے ان کی طبیعت نرم پڑ گئی اور ان کا عزم سست پڑ گیا عہد کی پوری حفاظت نہ کر سکے اور دل اس پر مضبوط نہ رہا۔ اس لیے نسیان واقع ہوا۔ (یا یہ معنی ہیں کہ) اس بارے میں ہم نے آدم کا قصد اور ارادہ نہیں پایا۔ یعنی قصداً ان سے یہ صورت واقع نہیں ہوئی بلکہ خطاءً ایسا ہو گیا اور ان کا ارادہ خلاف حکم کرنے کا نہ تھا۔ بھول سے اور دھوکہ سے ایسا ہو گیا۔ "عزم" کے معنی لغت میں مضبوطی اور پختگی کے بھی آتے ہیں اور قصد وارادہ کے بھی آتے ہیں اس لئے آیت میں دونوں معنی درست ہیں اور یہ واقعہ اس وقت پیش آیا کہ جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ ہم نے آدم علیہ السلام کو اپنا خلیفہ بنایا ہے سو تم اس کے لیے سجدہ تعظیم و تکریم بجالاؤ تا کہ تمہارا یہ سجدہ تعظیمی و تکریمی اس کی علامت ہو کہ ہم خلیفہ خداوندی کی اطاعت اور تائید اور تقویت میں کوئی کمی نہ کریں گے سجدہ عبادت تو سوائے اللہ رب العزت کے کسی کے لیے ممکن نہیں۔ یہ سجدہ سجدۂ عبادت نہ تھا بلکہ سجدۂ تحیت تھا۔ جو انبیاء سابقین کی شریعتوں میں جائز رہا۔ اور خاتم الانبیاء کی شریعت میں منسوخ ہو گیا۔ جیسے بہن بھائی کا نکاح حضرت آدم علیہ السلام کی شریعت میں جائز تھا اور اب منسوخ ہو گیا۔

پس سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ تب ہم نے آدم علیہ السلام سے کہا بلا شبہ یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے۔ جیسا کہ تم نے اس کی عداوت اور حسد کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا اور ہم تمہاری ہی وجہ سے اس کو اپنی بارگاہ سے نکال رہے ہیں۔ پس تم اس سے ہوشیار رہنا۔ کہیں تم دونوں کو جنت سے نہ نکلوا دے یہ تمہارا دشمن ہے اور تمہارے جنت سے نکالنے کی فکر میں لگا ہوا ہے پس ایسا کام نہ کرنا جس سے جنت سے نکلنا پڑے۔ پھر تم دنیا کی مشقتوں میں پڑ جاؤ۔ اور بیوی بھی تمہارے ساتھ ہے۔ اس کا بوجھ بھی تم پر پڑے گا یعنی جنت سے تو دونوں ہی نکلو گے مگر ساری مشقت تم پر پڑ جائے گی۔ کیونکہ بیوی کی تمام ذمہ داری شوہر ہی پڑ ہوتی ہے اس آیت میں فتشقی سے آخرت کی شقاوت مراد نہیں بلکہ دنیا کا تعب اور اس کی مشقت مراد ہے۔ اس لیے کہ دنیاوی رزق یعنی بھوک اور پیاس کے دفعیہ کے لیے کاشت کاری اور آٹا پیسنا اور روٹی پکانا درکار ہے جو بغیر مشقت اور محنت کے ممکن نہیں اور یہاں آپ کو بلا مشقت اور بلا محنت اللہ کا رزق ملتا ہے۔ اس لیے کہ جنت میں تیرے لیے تمام نعمتیں اور راحتیں ہیں۔ جنت میں تو نہ کبھی بھوکا رہے اور نہ ننگا ہو سکتا ہے اور یہ کہ نہ تو

اس میں پیاسا ہو اور نہ دھوپ کی تکلیف اٹھاوے۔

غرض یہ کہ کھانے اور پینے اور غذا اور قیام اور طعام اور لباس کے سب آرام تجھ کو یہاں حاصل ہیں۔ اگر یہاں سے نکالا گیا تو دنیاوی رزق اور غذا کے حصول کے لیے تجھ کو بڑی مشقتیں اٹھانی پڑیں گی۔ پس شیطان نے ان کے دل میں وسوسہ ڈالا۔ چنانچہ ابلیس نے یہ کہا کہ اے آدم کیا میں تم کو ہمیشہ رہنے کا درخت نہ بتلا دوں کہ جو کوئی اس میں سے کھالیوے وہ کبھی نہ مرے اور کیا میں تم کو ایسی بادشاہت اور سلطنت نہ بتلا دوں کہ جو کبھی پرانی نہ ہو۔ یعنی جس کو کبھی زوال نہ ہو یعنی اگر تو اس درخت سے کھالے گا تو ہمیشہ زندہ رہے گا اور تیری سلطنت کبھی زائل نہ ہوگی۔ شیطان نے اس طرح سے حضرت آدم علیہ السلام کو دھوکہ دیا اور "شجرہ الخلد" کے نام سے ان کو فریب دیا اور جھوٹی قسم کھائی کہ خدا کی قسم اگر تم نے اس درخت سے کھالیا تو تم کو جنت کا دوام اور خلود حاصل ہوگا۔ جب شیطان نے خدا کی قسم کھا کر حضرت آدم علیہ السلام سے یہ کہا تو ان کو شبہ بھی نہ ہوا کہ خدا تعالیٰ کا نام لے کر کوئی جھوٹ بھی بول سکتا ہے۔

پس اس طرح اس کے بہکانے سے دونوں نے اس درخت سے کھالیا۔ جس کی ممانعت کی گئی تھی۔ اور جنت کے دائمی عیش وعشرت کے شوق ورغبت نے اس ممانعت کو بھلا دیا۔ پس اس کے کھاتے ہی دونوں کے ستر ایک دوسرے کے سامنے ظاہر ہو گئے۔ یعنی اس درخت کے کھاتے ہی بہشتی لباس تو اتر گیا اور دونوں ننگے ہو گئے اور گھبرا کر اپنے اوپر جنت کے درختوں کے پتے چپکانے لگے اور حیران رہ گئے کہ دم کے دم میں یہ کیا ہو گیا۔ اور اس طرح شیطان کے دھوکے میں آ کر آدم علیہ السلام شجرہ ممنوعہ کو شجرہ الخلد سمجھ بیٹھے اور بھولے سے اپنے پروردگار کی نافرمانی اور خلاف حکم کر بیٹھے۔ پس اس طرح وہ راہ صواب سے ہٹ گئے اور لغزش کھا گئے۔ قدم تو اٹھایا تھا خلود اور دوام کے لیے وہ پھسل کر دوسری طرف جا پڑا جس مقصد کے لیے کھایا تھا وہ پورا نہ ہوا اور بجائے خلود کے اور دوام کے جنت سے اترنا پڑا۔

(یا یہ معنی ہیں) کہ پس اس شجرہ ممنوعہ کے کھانے سے ان کی عیش مکدر ہو گئی اور جنت کا عیش وآرام سب ختم ہو گیا۔

(یا یہ معنی ہیں) کہ پس وہ اس درخت میں سے کھا کر اپنے مقصد میں ناکام ہو گئے۔ ان کا مقصد اس درخت کے کھانے سے یہ تھا کہ ان کو جنت کا خلود اور دائمی قیام حاصل ہو جائے۔ مگر اس درخت کے کھانے سے مقصد پورا نہ ہوا بلکہ جنت سے اترنا پڑا۔

جاننا چاہئے کہ "غوی" کے معنی جو غوایت سے مشتق ہے وہ کلام عرب میں مختلف معانی ہیں مستعمل ہوا ہے:

۱- غویٰ کے معنی لغت میں گمراہی اور راہ صواب سے بہک جانے کے بھی آتے ہیں۔

۲- اور غویٰ کے معنی عیش کے فاسد اور مکدر ہونے کے بھی آتے ہیں۔

قال ابن الجوزی فی قولہ تعالیٰ فغویٰ قولان (احدھما) ضل عن طریق الخلد حیث ارادہ من قبل المعصیۃ والثانی فسد علیہ عیشہ لان معنی الغی الفساد کذا فی زاد المسیر: ۳۲۹/۵

وھکذافی روح المعانی:۱۶/۲۴۷۔

۳-اور غوایت کے معنی خیبت اور ناکامی کے بھی آتے ہیں۔ چنانچہ شاعر کہتا ہے۔ ؎

فمن یلق خیرا یحمد الناس امرہ

ومن یغولایعدم علی الغی باعینا

جو شخص نیک کام کرے تو لوگوں کو اس کی تعریف کرتا ہوا پائے گا۔ اور جو کوئی اپنے مقصد میں ناکام ہو جائے تو ناکامی پر ملامت کرنے والے کو معدوم نہیں پائے گا۔

غرض یہ کہ لفظ غوایت تین معنوں میں مستعمل ہوتا ہے آیت میں ہر معنی کا مراد لینا صحیح ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ اور کوئی معنی بھی عصمت انبیاء کے خلاف نہیں۔ اور لفظ غویٰ سے پہلے جو لفظ عصیٰ حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق استعمال ہوا ہے۔ سو جاننا چاہئے کہ خود قرآن کریم میں اس کی تصریح ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا یہ فعل سہواً ونسیاناً تھا قصداً اور عمداً نہ تھا۔ کما قال اللہ تعالیٰ ﴿فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا﴾ جس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سہواً ونسیاناً بھول کر ایک کام خلاف حکم الٰہی کر بیٹھے۔ معاذ اللہ انہوں نے قصداً حکم الٰہی کی مخالفت نہیں کی۔ لہٰذا حضرت آدم علیہ السلام کی طرف عصیان کی نسبت محض ظاہر اور صورت کے اعتبار سے ہے ورنہ درحقیقت یہ فعل لغزش تھا معصیت نہ تھا کما قال اللہ تعالیٰ ﴿فَأَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ﴾ چونکہ انبیاء کرام علیہم السلام کا مقام بہت بلند ہے۔ اس لیے ان سے ذراسی بھول چوک پر ہی مواخذہ ہوتا ہے۔ ع

جن کے رتبے ہیں سوا ان کی مشکل ہے سوا

"معصیت" کے معنی لغت میں خلاف حکم کسی کام کرنے کے ہیں اور وہ کبھی عمداً اور قصداً ہوتا ہے اور اصل معصیت اور گناہ ایسا ہی فعل ہے جو قصداً ہو اور کبھی عمداً اور قصداً نہیں۔ یہ درحقیقت معصیت اور گناہ نہیں بلکہ غلطی اور لغزش ہے۔ اس کو صورۃ معصیت کہہ دیا جاتا ہے۔ یہاں آیت میں دوسرے معنی مراد ہیں۔

نکتہ:......ابن قتیبہ [1] (رحمۃ اللہ علیہ) کہتے ہیں کہ ﴿عَصٰى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى﴾ کہنا تو جائز ہے مگر آدم علیہ السلام کو عاصی اور غاوی کہنا جائز نہیں کیونکہ عاصی اور غاوی عرف میں اسی شخص کو کہا جا سکتا ہے کہ جو فعل معصیت کا عادی اور خوگر ہو گیا ہو مثلاً اگر کوئی شخص اپنے کپڑے کو خود ایک بار سی لے تو یہ کہنا صحیح ہے کہ خاط فلان ثوبہ فلاں شخص نے اپنا کپڑا سی لیا مگر اس کو خیاط (درزی) کہنا صحیح نہیں۔ جب تک وہ کپڑا سینے کو اپنا پیشہ نہ بنالے۔ اور لوگوں میں اس پیشے کے ساتھ معروف ومشہور نہ ہو جائے اور ظاہر ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے یہ فعل ساری عمر میں صرف ایک مرتبہ سرزد ہوا اور وہ بھی بھول سے ہوا قصداً وارادۃً نہیں کیا۔ اور جو شخص ساری عمر میں کوئی ایک کام غلطی اور بھول چوک سے کر گزرے تو اس کو عاصی اور غاوی نہیں کہا جا سکتا۔ عاصی اس وقت کہا جائے گا جب کوئی کام دیدہ ودانستہ حاکم کے حکم کے خلاف کرے اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام کی نسبت یہ کہنا تو جائز ہے کہ

[1] قال ابن قتیبۃ فنحن نقول فی حق آدم عصی وغوی کما قال اللہ تعالیٰ عزوجل ولا نقول آدم عاصٍ وغاوٍ کما تقول الرجل قطع ثوبہ وخاطہ قد قطعہ وخاطہ ولا نقول ھذا خیاط حتی یکون معاوداً لذلک الفعل المعروف بہ کذا فی زاد المیسر: ۵/۳۲۹۔ اور تفصیل کے لیے امام رازی رحمہ اللہ کی تفسیر کبیر: ۶/۱۹۱ دیکھئے۔

انہوں نے خدا کی نافرمانی کی مگر ان کو نافرمان کہنا کفر ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے جو لغزش ہوئی اور بھول چوک سے جو خطا صادر ہوئی اس کو محض ظاہری صورت کے اعتبار سے معصیت کہا گیا ورنہ درحقیقت وہ معصیت نہ تھی بلکہ درحقیقت وہ زلت ولغزش تھی۔ جس کے معنی بھول چوک اور غفلت سے قدم پھسل جانے کے ہیں کہ شیطان نے ان کو دھوکہ دے کر ان کا قدم پھسلا دیا جانا چاہتے تھے خلود و دوام کی راہ پر دشمن نے ان کو ایسا دھوکہ دیا کہ قدم دوسری طرف جا پڑا۔ کما قال اللہ تعالیٰ ﴿فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ﴾ نیز جل شانہ کے اس ارشاد ﴿فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى﴾ سے مفہوم ہوتا ہے کہ ﴿لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ﴾ کی نہی تحریم کے لیے نہ تھی کہ اس درخت سے کھانا قطعاً حرام ہے بلکہ بر بنائے شفقت ومرحمت تھی کہ اس درخت سے کھانے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم طرح طرح کی تعب اور مشقت میں مبتلا ہو جاؤ گے۔

بہرحال حضرت آدم علیہ السلام کی یہ لغزش معمولی اور حقیر تھی۔ مگر بساط قرب وجوار رحمت میں واقع ہونے کی وجہ سے بڑی ہوگئی اور اسی وجہ سے خطاب اور عتاب تمام تر آدم علیہ السلام کو کیا گیا۔ اور حضرت حوا کو اس میں شریک نہیں فرمایا اس لیے کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کے تابع تھیں۔ اور اسی وجہ سے عصیان اور غوایت کی نسبت صرف آدم علیہ السلام کی طرف کی گئی اور حضرت حوا علیہا السلام کو اس میں شریک نہیں کیا گیا۔

پھر جب آدم علیہ السلام نے بصد ہزار گریہ وزاری اور بصد ہزار ندامت وشرمساری اپنی لغزش سے توبہ اور معذرت کی تو ان کے رب نے ان کو نوازا اور پہلے سے زیادہ ان کو مقبول [1] اور پسندیدہ بنالیا۔ پھر اپنی خاص الخاص رحمت اور عنایت سے ان پر متوجہ ہوا اور کلمات توبہ کی ان کی تلقین فرمائی کما قال اللہ تعالیٰ ﴿فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ﴾۔ اور ان کی توبہ قبول کی اور ان کو راہ پر لایا یعنی لغزش کی وجہ سے جو قدم راہ سے ہٹا تھا اس کو راہ ہدایت پر ایسا ثابت اور مستقیم کر دیا کہ پھر مدۃ العمر شیطان ان کو کوئی دھوکہ اور فریب نہ دے سکا۔ لا یلدغ المومن من حجر مرتین یعنی مومن کامل شیطان کے سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا حضرت آدم علیہ السلام کو زندگی میں یہ پہلا موقع تھا اس سے پہلے ابلیس سے ان کو واسطہ نہ پڑا تھا۔ ناتجربہ کاری کی بنا پر اور اپنی صاف دلی کی بنا پر اس کے فریب میں آگئے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ یہ شخص خدا کی قسم کھا کر کہہ رہا ہے۔ ﴿وَقَاسَمَهُمَاۤ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ﴾ تو ان کو یہ شبہ بھی نہ ہوا کہ خدا کا نام لے کر کوئی جھوٹ بھی بول سکتا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کو (کذب) جھوٹ کے معنی تو معلوم تھے مگر انہوں نے اس سے قبل اپنی آنکھ سے کبھی جھوٹ اور جھوٹے کو نہیں دیکھا تھا اس لیے دھوکہ میں آگئے جب معلوم ہوگیا تو توبہ اور معذرت کی۔ اس کی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام خدا تعالیٰ کے اور زیادہ مقبول ہوگئے اور ان کی بے مثال گریہ وزاری اور ندامت وشرمساری نے اس بات کو ظاہر کر دیا کہ ان کے دل میں کس درجہ حق جل شانہ کی محبت اور عظمت سرایت کیے ہوئے ہے۔

الغرض حضرت آدم علیہ السلام تو توبہ اور معذرت کی وجہ سے پہلے سے زیادہ مقبول اور محبوب ہوگئے اور شیطان مردود کی امید پر پانی پھر گیا۔ اس مردود نے تو یہ سوچا تھا کہ میری طرح آدم علیہ السلام بھی تباہ ہو جائیں مگر اسکی یہ تمنا پوری نہ ہوئی۔ اس کی توقع کے خلاف حضرت آدم علیہ السلام کی عجز وزاری اور تذلل اور خاکساری ان کے مزید تقرب کا سبب بن گئی۔

---

[1] کما قال اللہ تعالیٰ ان اللہ یحب التوابین۔ توبہ بندہ کو اللہ کا محبوب بنا دیتی ہے جس درجہ کی توبہ ہوگی اسی درجہ کی محبوبیت ہوگی۔ واللہ اعلم

بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم دونوں میاں بیوی اکٹھے یہاں سے نیچے اترو بظاہر یہ خطاب خطاب عتاب تھا مگر درحقیقت خطاب تکمیل وتشریف تھا۔ تاکہ خلافت ارضی کا وعدہ پورا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا ہی اس لیے کیا تھا کہ روئے زمین کا ان کو خلیفہ بنایا جائے اس لیے ان کو بہشت سے زمین پر اترنے کا حکم دیا گیا تاکہ وہ منصب خلافت پر پہنچیں اور جو لغزش سہواً یا نسیاناً سرزد ہوئی تھی وہ توبہ اور استغفار سے معاف ہوگئی۔ یہاں اھْبِطَا بصیغہ تثنیہ آیا ہے اور یہ خطاب حضرت آدم علیہ السلام اور حوا علیہا السلام کو ہے اور سورۂ بقرہ و اعراف میں بلفظ جمع یعنی اھْبِطُوْا آیا ہے اور یہ خطاب آدم علیہ السلام اور حوا علیہا السلام اور ابلیس تینوں کو ہے یا خطاب فقط آدم علیہ السلام اور حوا علیہا السلام کو ہے اور صیغہ جمع اس لیے لایا گیا کہ ان دونوں کا وجود ان کی بیشمار ذریت پر مشتمل تھا۔

بہرحال حکم یہ ہوا کہ تم سب مع ابلیس کے جنت سے اترو۔ تم میں سے ایک دوسرے کا دشمن ہوگا۔ دشمنی اور عزت و وجاہت میں متفاوت ہوں گے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک دوسرے سے حسد کرے گا۔ اور باہم دشمنی ہوگی۔ اندر سے تمہاری شہوات اور نفسانی اغراض کو حسد اور عداوت پر آمادہ کریں گے۔ اور باہر سے یہ شیطان تم کو حسد اور عداوت کے داؤ پیچ بتلائے گا۔ اور دنیا میں خوب اودھم مچے گا۔ اور فتنہ اور فساد برپا ہوگا جس کا علاج سوائے آسمانی ہدایت کے اور حکم خداوندی کی پیروی کے کچھ نہ ہوگا۔ پس ایسی حالت میں جب کہ تم زمین پر ہوا گر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت کا سامان آوے یعنی کتاب اور رسول اور دلائل عقلیہ ونقلیہ، تو بصد ہزار شوق و رغبت اور بصد ہزار شکر و امتنان دوڑ کر اس کو لے لینا دنیا کے فتنہ وفساد سے بچنے کی صرف ایک یہی راہ ہے۔ سو جس نے میری ہدایت کی پیروی کی یعنی رسول کا حکم اور میری نازل کردہ کتاب پر عمل کیا تو وہ دنیا میں گمراہ نہ ہوگا۔ اور آخرت میں وہ رنج اور تکلیف نہیں اٹھائے گا اور کسی مشقت میں نہیں پڑے گا۔

اور جس نے میری نصیحت اور ہدایت سے منہ موڑا تو وہ دنیا اور آخرت دونوں میں خوار ہوا۔ دنیا میں تو اس طرح کہ تحقیق اس کی زندگی تنگ ہوگی۔ راحت اور سکون اور اطمینان سے خالی ہوگی۔ کافر کے دل پر حرص اور ترقی کا اس قدر غلبہ ہوتا ہے کہ دن رات ننانوے کے پھیر میں رہتا ہے اور دولت وعزت و وجاہت کے زوال کے خطرات ہر وقت اس کی نظروں کے سامنے رہتے ہیں بڑا ہی خوش قسمت ہے وہ دولت مند جس کو دن رات میں دو تین گھنٹے سونا نصیب ہو جائے جب راحت اور سکون ہی نصیب نہ ہوا تو دولت سے کیا فائدہ ہوا۔ ظاہر میں بیشمار دولت ہے۔ مگر قناعت کی دولت سے دل خالی ہے اور حیرانی اور پریشانی سے لبریز ہے۔ دن رات دفتروں کے چکروں میں اور رشوتوں اور خوشامدوں کی مصیبت میں مبتلا ہے کسی سے جھوٹ بول رہا ہے اور کسی کا جھوٹ سن رہا ہے لکھ پتی اور در بدر پھر رہا ہے لاکھوں چکر لگا چکا ہے۔ مگر ہنوز منزل مقصود دور ہے کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

اگر دنیا نہ باشد دردمندیم
دگر باشد بمہرش پائے بندیم

بلائے زیں جہاں آشوب ترنیست
کہ رنج خاطر است ار ہست ور نیست

دنیاوی زندگی میں قلبی سکون اور اطمینان بدون قناعت اور ذکر الٰہی حاصل نہیں ہوسکتا۔ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب ؎

اے قناعت تو نگرم گرداں
کز و رائی تو ہیچ نعمت نیست

یہ تو کافر کی دنیاوی زندگی کا حال ہوا اور کافر کی اخروی زندگی کا حال یہ ہے کہ قیامت کے دن ہم اس کو نابینا اٹھائیں گے۔ یعنی جب وہ قبر سے اٹھے گا تو اندھا ہوگا۔ اور گونگا اور بہرا بھی ہوگا۔

کما قال اللہ تعالیٰ ﴿وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا﴾۔

کافر جب قبر سے اٹھے گا اس وقت اندھا ہوگا۔ بعد میں اس کا اندھا پن دور کردیا جائے گا۔ اس وقت وہ کافر بولے گا۔ اے میرے پروردگار تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا حالانکہ میں تو دنیا میں بینا تھا۔ اللہ تعالیٰ جواب میں فرمائیں گے ہاں دنیا میں تو نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ تیرے پاس ہماری ہدایت کی نشانیاں پہنچیں جو خوب روشن اور واضح تھیں پس تو نے ان کو بھلا دیا۔ اور ان سے منہ پھیر لیا اور آنکھیں بند کرلیں اور باوجود بینائی کے تو ہماری آیات ہدایت اور دلائل قدرت کے دیکھنے سے اندھا بن گیا۔ اور اسی طرح آج تجھ سے تغافل برتا جائے گا۔ یعنی جس طرح تو نے ہماری آیتوں سے اعراض کیا اور ان سے اندھا بنا رہا اور ہم کو بھول گیا۔ اسی طرح ہم آج تیرے ساتھ وہی معاملہ کریں گے۔ جو نہ ہوتے ہوئے اور اندھے بنے ہوئے کے ساتھ ہونا چاہئے۔ اور جس طرح یہ سزا اس کے جرم کے مطابق دی گئی اسی طرح ہم ہر اس شخص کو اس کے عمل کے مناسب جزا دیں گے۔ جو حد سے گزر گیا اور اپنے پروردگار کی آیتوں پر ایمان نہیں لایا۔ تو دنیا میں تو اس کی سزا یہی ہے کہ اس کو "معیشت ضنک" یعنی تنگ زندگانی میں مبتلا کیا جائے اور عذاب مذکور کے بعد آخرت کا عذاب بہت ہی سخت ہے اور بہت باقی رہنے والا ہے۔ یعنی دائمی ہے جس کی کوئی انتہا ہی نہیں۔

نکتہ:...... ان آیات میں ذکر خداوندی سے اعراض کرنے والوں کے لیے اول دو عقوبتوں کے بعد عذاب آخرت کا ذکر فرمایا اور بتلا دیا کہ وہ عذاب کبھی زائل نہ ہوگا۔ دنیا کی تنگی تو زائل ہوسکتی ہے۔ مگر آخرت کی مصیبت کبھی نہیں ٹل سکتی اور دوزخ کا عذاب کبھی ختم نہیں ہوسکتا۔

لطائف و معارف

عصمت انبیا کے مسئلہ کی مفصل تحقیق سورۂ بقرہ کے شروع میں حضرت آدم علیہ السلام کے قصہ میں گزر چکی ہے۔

اب پھر مختصراً چند باتیں عرض کی جاتی ہیں۔

۱- اہل حق کا یہ اجماعی عقیدہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام خداوند ذوالجلال کی نافرمانی سے معصوم ہوتے ہیں۔ صغیرہ اور کبیرہ سے پاک اور منزہ ہوتے ہیں قصداً اور ارادۃً ان سے حق تعالیٰ کی نافرمانی ممکن نہیں۔

دلائل سورۂ بقرہ کی تفسیر میں گزر چکے ہیں۔

۲۔عصمت کے معنی یہ ہیں کہ ظاہر و باطن نفس اور شیطان کی مداخلت سے بالکلیہ پاک اور منزہ ہوں اور نفس اور شیطان ہی دونوں چیزیں مادۂ معصیت ہیں اور مادۂ معصیت سے پاک ہونے ہی کا نام عصمت ہے۔

ملائکہ بھی معصوم ہوتے ہیں مگر ان کی عصمت اضطراری ہوتی ہے کہ ان میں شر کا مادہ اور داعیہ ہی نہیں ہوتا۔ بخلاف انبیاء کرام علیہم السلام کے کہ ان کی عصمت اختیاری ہوتی ہے اس لیے کہ ان میں بمقتضائے بشریت مادہ نفسانیت ہوتا ہے مگر حفاظت ربانی اور تائید یزدانی ان کی محافظ اور نگہبان ہوتی ہے کہ مجال نہیں کہ مادہ معصیت ذرہ برابر ان کو جادہ اطاعت سے ہٹا سکے یا کوئی ایسی چیز ان سے سرزد ہو سکے جو کہ ان کے دامن عصمت کو آلودہ کر سکے۔ حق جل شانہ کی نظر عنایت اور فرشتوں کی محافظت ان کو اپنے احاطہ میں لیے ہوتی ہے اور ان کا قدم اس احاطہ سے باہر نہیں نکل سکتا۔

۳۔انبیاء کرام میں نفوس ہوتے ہیں مگر وہ نفوس قدسیہ ہوتے ہیں اور عصمت و نزاہت میں ملائکہ کے ہمرنگ ہوتے ہیں۔ انبیاء کرام علیہم السلام اگرچہ ظاہر میں بشر ہوتے ہیں مگر مزاج اور طبیعت کے اعتبار سے فرشتوں کے ساتھ متحد ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے انبیاء کرام علیہم السلام کسی مباح اور جائز امر کا ہوائے نفسانی کی بناء پر ارتکاب نہیں کرتے بلکہ مباح کے اباحت بیان کرنے کے لیے مباح اور امر جائز کا ارتکاب کرتے ہیں جو کہ عین تشریع ہے نبی پر جس طرح فرض کے فرضیت کا بیان کرنا فرض ہے اسی طرح مباح کی اباحت کا بیان کرنا بھی فرض ہے کیونکہ تبلیغ احکام نبی پر فرض ہے۔

بخلاف اولیاء کے کہ وہ بسا اوقات مباحات کو محض اپنی ہوا نفسانی کی بنا پر بھی کرتے ہیں اس لیے اہل سنت والجماعت کا اجماعی مسلک یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام معصوم ہیں اور اولیاء محفوظ ہیں۔ ہوائے نفس سے بالکلیہ پاک اور منزہ نہیں بخلاف نبی کے کہ وہ ہوائے نفس سے بالکل پاک اور منزہ ہوتا ہے۔ ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾ ﴿قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ﴾ معاذ اللہ انبیاء کرام علیہم السلام ہماری طرح اسیر حرص و شہوت نہیں ہوتے۔ ورنہ خدا تعالیٰ ہم پر ان کی بے چون و چرا اطاعت فرض نہ کرتا۔ اور نبی کریم ﷺ کو جو خلاصہ موجودات اور زبدہ کائنات ہیں ان کو انبیاء کرام علیہم السلام کی اقتداء کا حکم نہ دیتا اور یہ ارشاد نہ فرماتا۔ ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ﴾۔

(اطلاع) حضرت آدم علیہ السلام کے قصہ کے متعلق سورۂ اعراف کے شروع میں بھی بہت کچھ تفصیل کے ساتھ لکھ دیا ہے۔ اس لیے ناظرین کرام سورۂ بقرہ اور سورۂ اعراف دونوں جگہ حضرت آدم علیہ السلام کے قصہ کی تفسیر پر نظر ڈال لیں۔

اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

سو کیا ان کو سمجھ نہ آئی اس بات سے کہ کتنی غارت کر دیں ہم نے ان سے پہلے جماعتیں یہ لوگ پھرتے ہیں ان کی جگہوں میں ف۱ اس میں خوب

سو کیا سوجھ ان کو نہ آئی اس سے، کہ کتنی کھپا دیں ہم نے پہلے ان سے سنگتیں؟ یہ پھرتے ہیں ان کے گھروں میں۔ اس میں خوب

ف۱ یعنی آخرت میں جو سزا ملے گی اگر اس پر یقین نہیں آتا تو کیا تاریخی واقعات سے بھی سبق حاصل نہیں کرتے۔ ان ہی مکہ والوں کے آس پاس کتنی قومیں =

لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ﴿۱۲۸﴾ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى ﴿۱۲۹﴾ ع ۱۳/۱۶

نشانیاں ہیں عقل رکھنے والوں کو اور اگر نہ ہوتی ایک بات کہ نکل چکی تیرے رب کی طرف سے تو ضرور ہوجاتی مٹھ بھیڑ اور اگر نہ ہوتا وعدہ مقرر کیا گیا ف۱

پتے ہیں عقل رکھنے والوں کو۔ اور کبھی نہ ہوئی ایک بات، نکل گئی تیرے رب سے، تو مقرر ہوتی بھینٹ اور جو نہ ہوتا وعدہ ٹھہرا۔

فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ

سو تو سہتا رہ جو وہ کہیں ف۲ اور پڑھتا رہ خوبیاں اپنے رب کی سورج نکلنے سے پہلے اور غروب ہونے سے پہلے ف۳

سو تو سہتا رہ جو کہیں، اور پڑھتا رہ خوبیاں اپنے رب کی سورج نکلنے سے پہلے اور ڈوبنے سے پہلے۔

وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ﴿۱۳۰﴾ وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا

اور کچھ گھڑیوں میں رات کی پڑھا کر ف۴ اور دن کی حدوں پر ف۵ شاید تو راضی ہو ف۶ اور مت پسار اپنی آنکھیں اس چیز پر جو فائدہ اٹھانے

اور کچھ گھڑیوں میں رات کی پڑھا کر، اور دن کی حدوں پر، شاید تو راضی ہوگا۔ اور نہ پسار اپنی آنکھیں اس چیز پر جو برتنے کو دی

مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ

کو دی ہم نے ان طرح طرح کے لوگوں کو رونق دنیا کی زندگی کی ان کے جانچنے کو اور تیرے رب کی دی ہوئی روزی بہتر ہے

ہم نے ان بھانت بھانت لوگوں کو، رونق دنیا کے جیتے۔ ان کے جانچنے کو۔ اور تیرے رب کی دی روزی بہتر ہے

=اپنے کفر وطغیان کی بدولت تباہ کی جا چکی ہیں جن کے افسانے لوگوں کی زبان پر باقی ہیں اور جن میں سے بعض کے کھنڈرات پر ملک شام وغیرہ کا سفر کرتے ہوئے خود ان کا گزر بھی ہوتا ہے۔ جنہیں دیکھ کر ان غارت شدہ قوموں کی یاد تازہ ہو جانا چاہیے کہ کس طرح انہی مکانوں میں چلتے پھرتے ہلاک کر دیے گئے۔

ف۱ یعنی حق تعالیٰ کی رحمت غضب پر سابق ہے۔ اسی لیے مجرم کو دیر تک اصلاح کا موقع دیتے ہیں اور پوری طرح اتمام حجت کے بدون ہلاک نہیں کرتے۔ بلکہ اس امت کے متعلق تو یہ بھی فرما دیا ہے۔ ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ﴾ الخ اور اپنی خاص مہربانی سے عذاب عام مستأصل کو اس امت سے اٹھا لیا ہے۔ یہ بات ہے جو تیرے رب کی طرف سے نکل چکی اگر یہ نہ ہوتی اور ہر ایک مجرم قوم کے عذاب کا ایک خاص وقت مقرر نہ ہوتا تو لازمی طور پر ان کو عذاب آ گھیرتا۔ کیونکہ ان کا کفر و شرارت اسی کو مقتضی ہے کہ فوراً ہلاک کر دیے جائیں۔ صرف مصالح مذکورہ بالا مانع ہیں جن سے اس قدر توقف ہو رہا ہے۔ آخر قیامت میں عذاب عظیم کا مزا چکھنا پڑے گا۔ اور جب وقت آئے گا تو دنیا میں بھی اس گھمسان کا نمونہ دیکھ لیں گے۔ چنانچہ بدر میں مسلمانوں سے مڈبھیڑ ہوئی تو تھوڑا سا نمونہ دیکھ لیا۔

ف۲ یعنی عذاب اپنے وقت پر ہو کر رہے گا۔ تاخیر و امہال کو دیکھ کر یہ لوگ جو کچھ بکیں بکنے دو۔ آپ فی الحال ان کی باتوں کو سہتے رہیے اور صبر و سکون سے آخری نتیجہ کا انتظار کیجئے۔ ان کے کلمات کفر پر حد سے زیادہ مضطرب ہونے کی ضرورت نہیں۔

ف۳ یہ فجر اور عصر کی نمازیں ہوئیں۔ یعنی احمقوں اور شریروں کی باتوں پر دھیان نہ کرو۔ صبر و سکون کے ساتھ اپنے رب کی عبادت میں لگے رہو۔ کیونکہ خدا کی مدد صبر و صلوٰۃ دو چیزوں سے حاصل ہوتی ہے۔ ﴿وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ﴾

ف۴ اس میں مغرب و عشاء بلکہ بعض تفاسیر کے موافق نماز تہجد بھی داخل ہے۔

ف۵ یہ ظہر کی نماز ہوئی، کیونکہ اس وقت دن کے نصف اول اور نصف آخر کی حدیں ملتی ہیں۔ بلکہ صحاح و قاموس وغیرہ میں تصریح کی ہے کہ "طرف" طائفة من الشئی " یعنی کسی شئے کے حصہ کو کہتے ہیں۔ خاص حد اور کنارہ کے معنی نہیں اس صورت میں نہار کو جنس مان کر ہر دن کا ایک خاص حصہ مراد ہو سکتا ہے، جہاں دن کی تنصیف ہوتی ہے۔

ف۶ یعنی ایسا طرز عمل رکھو گے تو ہمیشہ دنیا و آخرت میں راضی رہو گے۔ اس عمل کا بڑا بھاری اجر ملے گا اور امت کی مدد ہوگی دنیا میں اور بخشش ہوگی آخرت میں آپ کی سفارش سے جسے دیکھ کر آپ خوش ہوں گے۔

وَّاَبْقٰى ﴿۱۳۱﴾ وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ؕ لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ؕ

اور بہت باقی رہنے والی ف۱ اور حکم کر اپنے گھر والوں کو نماز کا اور خود بھی قائم رہ اس پر ف۲ ہم نہیں مانگتے تجھ سے روزی ہم روزی دیتے ہیں تجھ کو

اور دیر رہنے والی۔ اور حکم کر اپنے گھر والوں کو نماز کا، اور آپ قائم رہ اس پر۔ ہم نہیں مانگتے تجھ سے روزی۔ ہم روزی دیتے ہیں تجھ کو۔

وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ﴿۱۳۲﴾ وَقَالُوْا لَوْلَا يَاْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِي

انجام بھلا ہے پرہیزگاری کا ف۳ اور لوگ کہتے ہیں یہ کیوں نہیں لے آتا ہمارے پاس کوئی نشانی اپنے رب سے ف۴ کیا پہنچ نہیں چکی ان کو

اور آخر بھلا ہے پرہیزگاری کا۔ اور لوگ کہتے ہیں، یہ کیوں نہیں لے آتا ہم پاس کوئی نشانی اپنے رب سے؟ کیا پہنچ نہیں چکی ان کو

الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ﴿۱۳۳﴾ وَلَوْ اَنَّاۤ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَاۤ اَرْسَلْتَ

نشانی اگلی کتابوں میں کی ف۵ اور اگر ہم ہلاک کر دیتے ان کو کسی آفت میں اس سے پہلے تو کہتے اے رب کیوں نہ بھیجا ہم تک

نشانی اگلی کتابوں میں کی۔ اور اگر ہم کھپا دیتے ان کو کسی آفت میں اس سے پہلے تو کہتے، اے رب کیوں نہ بھیجا ہم تک

ف۱ یعنی دنیا میں قسم قسم کے کافروں مثلاً یہود، نصاریٰ، مشرکین، مجوسی وغیرہ کو ہم نے عیش و تنعم کے جو سامان دیے ہیں ان کی طرف آپ کبھی آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھئے (جیسے اب تک نہیں دیکھا) یہ محض چندروزہ بہار ہے جس کے ذریعہ سے ہم ان کا امتحان کرتے ہیں کہ کون احسان مانتا ہے اور کون سرکشی کرتا ہے، جو عظیم الشان دولت حق تعالیٰ نے (اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کے لیے مقدر کی ہے مثلاً قرآن کریم، منصب رسالت، فتوحات عظیمہ، رفع ذکر اور آخرت کے اعلیٰ ترین مراتب اس کے سامنے ان فانی اور حقیر سامانوں کی کیا حقیقت ہے۔ آپ کے حصہ میں جو دولت آئی وہ ان کی دولتوں سے کہیں بہتر ہے اور بذات خود یا اپنے اثر کے اعتبار سے ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔ بہرحال آپ نہ ان کی تکذیب و اعراض سے مضطرب ہوں نہ ان کے ساز و سامان اور مال و دولت کی طرف نظر التفات اٹھائیں۔

ف۲ یعنی اپنے متعلقین اور اتباع کو بھی نماز کی تاکید فرماتے رہیے۔ حدیث میں آپ نے فرمایا کہ بچہ جب سات برس کا ہو جائے تو (عادت ڈالنے کے لیے) نماز پڑھواؤ۔ جب دس برس کا ہو تو مار کر پڑھاؤ۔

ف۳ دنیا میں مالک غلاموں سے روزی کمواتے ہیں۔ وہ مالک بندگی چاہتا ہے اور غلاموں کو روزی آپ دیتا ہے (کذافی الموضح) غرض ہماری نماز سے اس کا کچھ فائدہ نہیں، البتہ ہمارا فائدہ ہے کہ نماز کی برکت سے بے غائلہ روزی ملتی ہے ﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾ (طلاق، رکوع ۱) اسی لیے اگر فرض نماز اور کسب معاش میں تعارض ہو تو اللہ تعالیٰ اجازت نہیں دیتا کہ کسب معاش کے مقابلہ میں نماز ترک کر دو۔ نماز بہرحال ادا کرنی ہے۔ روزی پہنچانے والا وہ خدا ہے جس کی نماز پڑھتے ہیں۔ الحاصل کسب معاش کے ان ذرائع کا خدا تعالیٰ نے حکم نہیں دیا جو ادائے فرائض عبودیت میں مخل و مزاحم ہوں۔ انسان کو چاہیے کہ پرہیزگاری اختیار کرے۔ انجام کار دیکھ لے گا کہ خدا کس طرح اس کی مدد کرتا ہے۔

ف۴ یعنی کوئی ایسی کھلی نشانی کیوں نہیں دکھلاتے جس کے بعد ہم کو انکار کی گنجائش ہی نہ رہے۔ ورنہ اس روز روز کی تہدید و تخویف سے کیا فائدہ۔

ف۵ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں۔ "یعنی اگلی کتابوں میں خبر ہے رسول آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ یا یہ معنی کہ پہلے پیغمبروں کی نشانی کافی ہے۔ یہ پیغمبر بھی اصولاً ان ہی باتوں کی تقلید کرتا ہے کوئی انوکھی بات نہیں کہتا۔ یا یہ نشانی کہ اگلی کتابوں کے موافق واقعات بیان کرتا ہے۔" اور بہترین تفسیر میرے نزدیک وہ ہے جو ابن کثیر وغیرہ نے اختیار کی۔ یعنی یہ لوگ ہٹ دھرمی سے کہتے ہیں کہ کوئی نشانی کیوں نہیں لایا۔ کیا اور سینکڑوں نشانات کے علاوہ سب سے بڑا عظیم الشان یہ قرآن ان کے پاس نہیں آ چکا جو اگلی کتابوں کے ضروری مضامین کا محافظ اور ان کی صداقت کے لیے بطور حجت اور گواہ کے ہے اور جس کا اعجاز آفتاب سے زیادہ روشن ہے ﴿وَقَالُوْا لَوْلَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاِنَّمَاۤ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۞ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾ (عنکبوت، رکوع ۵)

اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى ۝ قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا ۚ

کسی کو پیغام دے کر کہ ہم چلتے تیری کتاب پر ذلیل اور رسوا ہونے سے پہلے تو کہہ ہر کوئی راہ دیکھتا ہے سو تم بھی راہ دیکھو

کسی کو پیغام لے کر، کہ ہم چلتے تیرے کلام پر، ذلیل اور رسوا ہونے سے پہلے۔ تو کہہ، ہر کوئی راہ دیکھتا ہے، سو تم راہ دیکھو۔

فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدٰى ۝ ع

آئندہ جان لوگے کون ہیں سیدھی راہ والے اور کس نے راہ پائی ف۱

آگے جان لوگے کون ہیں سیدھی راہ والے، اور کون سوجھے ہیں راہ۔

تہدید وتنبیہ اہل غفلت برعدم عبرت

از ہلاک امم سابقہ مع مشاہدۂ آثار ہلاکت در اثنائے سفر تجارت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ ... الى ... وَمَنِ اهْتَدٰى﴾

ربط: ...... گزشتہ آیات میں غافلین اور معرضین کی عقوبت کا ذکر تھا۔ کما قال اللہ تعالیٰ ﴿وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى﴾ الخ

اب ان آیات میں غافلین اور معرضین کو تہدید اور تنبیہ کی جاتی ہے کہ کیا تم کو اس بات سے عبرت نہیں ہوئی کہ تم سے پہلے کتنی بستیاں انبیاء سے سرکشی اور اعراض کرنے کی بنا پر تباہ و برباد کی جا چکی ہیں اور تم ملک شام جاتے ہوئے ان کے کھنڈروں پر گزرتے ہو جن کو دیکھ کر ان غارت شدہ قوموں کی ہلاکت اور بربادی کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ اگر تمہیں عقل ہے تو اس سے عبرت حاصل کرو کہ آیات خداوندی سے اعراض اور غفلت کا اور اس اسراف کا یعنی حد سے گزر جانے کا کیا انجام ہوتا ہے۔

نیز اس تہدید وتنبیہ سے آنحضرت ﷺ کی تسلی بھی مقصود ہے کہ آپ ﷺ ان معرضین اور غافلین کے اقوال و احوال سے رنجیدہ اور غمگین نہ ہوں۔

چنانچہ فرماتے ہیں پس کیا ان معرضین اور غافلین کو جو اپنے اعراض پر قائم اور مصر ہیں۔ اب تک اس بات نے ان کی رہنمائی نہیں کی کہ ہم ان سے پہلے کتنی امتیں ہلاک کر چکے ہیں جیسے قوم عاد اور قوم ثمود وغیرہ وغیرہ جن کے گھروں میں یہ چلتے پھرتے ہیں۔ یعنی قریش جب مکہ سے شام کو تجارت کے لیے جاتے ہیں تو اپنے سفر میں جاتے ہوئے قوم ثمود اور قوم عاد کی بستیوں سے گزرتے ہیں اور ان کے اجڑے کھنڈرات دیکھتے ہیں۔ کیا اس کو دیکھ کر بھی ہدایت نہیں پاتے کہ اپنے کفر اور تمرد

ف۱ یعنی ایسا عظیم الشان نشان دیکھنے کے بعد تو کہتے ہیں کہ کوئی نشان کیوں نہ لایا۔ اور فرض کرو ہم یہ نشان نہ دکھاتے، یعنی قرآن نازل نہ کرتے، بس انزال کتاب اور ارسال رسول سے پہلے ہی کفر و شرک کی سزا میں ان کو دھر گھسیٹتے، تو شور مچاتے کہ صاحب! سزا دینے سے بیشتر ہمارے پاس کوئی کتاب اور سمجھانے والا تو بھیجا تھا کہ ہم کو ذلت و رسوائی اٹھانے سے قبل آگاہ کر دیتا۔ پھر دیکھتے کہ ہم آپ کے کہنے پر کیسا چلتے۔ غرض قرآن نہ آتا تو یوں کہتے، اب آیا تو اسے چھوڑ کر دوسری من گھڑت نشانیوں کا مطالبہ کرنے لگے۔ ان کا مقصود ہدایت حاصل کرنا ہی نہیں۔ فضول حیلے بہانے تراشتے رہتے ہیں۔ سو خیر ان سے کہہ دو کہ ہم اور تم دونوں انتظار کرتے ہیں کہ عنقریب پردۂ غیب سے کیسا مستقبل سامنے آتا ہے۔ اس وقت سب حقیقت آشکارا ہو جائے گی کہ کس جماعت کا راستہ سیدھا ہے؟ اور کون اس راستہ پر ٹھیک چل رہا ہے؟ تم سورۃ طٰہٰ بتوفیقہ وعونہ فللہ الحمد اولاً وآخراً وعلیٰ نبیہ الصلوٰۃ والتسلیم وافراً متکاثراً۔

سے باز آجائیں۔ بلاشبہ اس میں عقلمندوں کے لیے نشانیاں ہیں کہ جو خدا اور اس کے رسول سے اعراض کرے اس کا انجام ایسا ہوتا ہے اور اے نبی یہ لوگ بڑے ہی سخت مجرم ہیں اگر تیرے پروردگار کی طرف سے ایک بات پہلے طے نہ ہو چکی ہوتی تو عذاب الٰہی آ کر فوراً ان کو چمٹ جاتا کلمہ سابقہ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قیام حجت سے پہلے کسی کو عذاب نہیں دیتا۔ اتمام حجت کے بعد عذاب نازل کرتے ہیں۔ اور علیٰ ہذا اگر علم الٰہی میں ان کے عذاب کی کوئی میعاد مقرر نہ ہوتی تب بھی ان پر فوراً عذاب آجاتا۔ مطلب یہ ہے ان پر عذاب نازل ہونے سے دو باتیں مانع ہیں ایک تو یہ اللہ تعالیٰ بدون اتمام حجت کے کسی کو عذاب نہیں دیتے اور دوسری بات یہ کہ مجرم قوم کے لیے عذاب کا ایک وقت مقرر ہے اگر اللہ کی طرف سے یہ دو باتیں نہ ہوتیں تو فوراً ناگہانی طور پر ان پر عذاب آجاتا۔ پس اے نبی آپ ﷺ ان مجرمین پر فی الحال عذاب نازل نہ ہونے سے رنجیدہ نہ ہوں۔ بلکہ ان کی رنجیدہ باتوں پر صبر کیجئے اور مقررہ میعاد اور آخری نتیجہ کا انتظار کیجئے اللہ تعالیٰ نے ان کے عذاب کے لیے ایک وقت مقرر کر دیا ہے جو اپنے وقت پر ظاہر ہوگا۔ لہٰذا آپ صبر کیجئے اور لیل و نہار اپنے رب کی حمد وثنا کے ساتھ اس کی تسبیح و تقدیس میں لگے رہیئے جس میں نماز بھی آگئی۔ طلوع آفتاب سے پہلے۔ یہ نماز فجر ہوئی اور غروب آفتاب سے پہلے یہ نماز عصر ہوئی اور رات کے اوقات میں بھی اللہ کی تسبیح وتحمید کیا کرو۔ یہ تہجد کی نماز ہوئی اور دن کے اطراف اور جوانب میں بھی اللہ کی حمد وثنا کیا کرو۔ امید ہے کہ قیامت کے دن آپ اس کے ثواب کو دیکھ کر خوش ہوں گے۔ اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ ومن اناء الیل سے نماز عشاء مراد ہے اور اطراف نہار سے نماز ظہر اور نماز مغرب مراد ہے۔ نماز ظہر اول دن کے طرف آخر میں ہے اور نماز مغرب کا دن کی طرف ہونا ظاہر ہے۔

خلاصہ کلام کہ آپ دن رات اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی تسبیح وتحمید میں لگے رہیئے اور اپنی توجہ معبود حقیقی کی طرف رکھئے اور اے نبی جن چیزوں سے ہم نے کافروں کے مختلف گروہوں کو بہرہ مند کیا ہے ان کی طرف بطریق رغبت و استحسان ہرگز اپنی آنکھوں کو دراز نہ کرنا وہ متاع قلیل اور فانی ہے۔ ہم نے ان کافروں ❶ کو دنیاوی زندگی کی رونق اور زیبائش کا سامان دیا ہے جو محض ایک رونق ہے اور چند روزہ آرائش و زیبائش ہے اللہ کے یہاں اس کی کوئی قدر و منزلت نہیں ہم نے ان کو یہ سامان رونق محض آزمانے کے لیے دیا ہے کہ دیکھیں کہ وہ شکر بجالاتے یا ناشکری کرتے ہیں۔ آپ ﷺ اس فانی اور چند روزہ رونق کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھئے اور تیرے پروردگار کا رزق اس فانی اور نمائشی رزق سے کہیں بہتر ہے اور بہت باقی رہنے والا ہے اللہ تعالیٰ نے دنیا میں آپ ﷺ کو نبوت و رسالت اور فتوحات عظیمہ سے مشرف کیا اور آخرت کی عزت و کرامت آپ ﷺ کے لیے ذخیرہ ہے۔ اللہ نے جو نعمت اور کرامت آپ ﷺ کو عطا کی ہے وہ اس مال و متاع سے کہیں بہتر ہے جو اس نے کفار کو دنیا میں دی ہے اور اے نبی ﷺ ہم نے کافروں کو دنیا میں جو نعمتیں دی ہیں وہ ان کے حق میں نعمت نہیں بلکہ فتنہ اور بلاء ہیں ان سے ان کی آزمائش مقصود ہے اور اے نبی اپنے متعلقین اور گھر والوں کو بھی نماز کا حکم دیجئے اور اس طرح اپنے گھر والوں کو آگ سے چھڑایئے کما قال اللہ تعالیٰ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ

❶ اس ترجمہ میں اشارہ اس طرف ہے کہ زھرۃ الحیوۃ الدنیا، متعنا یا اعطینا مقدر کا مفعول بہ ہے۔ تفصیل کے لیے روح المعانی دیکھیں۔

تَارًا﴾ اور خود بھی اس پر قائم اور دائم رہیے۔ حدیث میں ہے کہ جب بچہ سات برس کا ہو جائے تو اسکو (عادت ڈالنے کے لیے) نماز پڑھواؤ ہم تجھ سے کوئی روزی نہیں چاہتے۔ بلکہ ہم تجھ کو روزی دیتے ہیں۔ یعنی جب تو ٹھیک ٹھیک نماز ادا کرے گا۔ تو اللہ تجھ کو ایسی جگہ سے روزی دے گا جہاں سے تجھے وہم وگمان بھی نہ ہوگا۔

شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ دنیا میں مالک غلاموں سے روزی کماتے ہیں۔ وہ مالک "برحق" بندگی چاہتا ہے اور غلاموں کو روزی آپ دیتا ہے (موضح القرآن)

مطلب یہ ہے کہ نماز سے خدا کا فائدہ نہیں بلکہ بندوں کا فائدہ ہے کہ نماز کی برکت سے بے غل وغش اور بے غائلہ روزی ملتی ہے وہ مولائے برحق تمام عالم کے رزق کا کفیل اور ذمہ دار ہے اور اسی طرح دوسری جگہ ارشاد ہے ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ۝ مَآ أُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ أُرِيْدُ أَنْ يُّطْعِمُوْنِ۝ إِنَّ اللهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ﴾ اور نیک انجام اہل تقویٰ کے لیے ہے دنیا اور آخرت کی خوبیاں اور بھلائیاں تقویٰ سے حاصل ہوتی ہیں۔

یہاں تک معترضین اور غافلین کے کچھ اقوال وافعال اور ان کے کچھ احوال کا بیان ہوا۔ اب آگے پھر ان معترضین اور معاندین کے ایک قول کا ذکر فرماتے ہیں۔ وہ یہ ہے اور یہ معاندین یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ رسول ہمارے پاس اپنے پروردگار کی طرف سے ہمارے حسب منشاء اپنی نبوت کی کوئی نشانی لے کر کیوں نہیں آتا۔ یعنی جو معجزہ ہم طلب کرتے ہیں وہ معجزہ کیوں نہیں ظاہر کرتا۔ اللہ تعالیٰ جواب میں فرماتے ہیں کیا ان لوگوں کے پاس پہلی کتابوں کی واضح نشانی اور روشن دلیل نہیں آچکی۔

"صحف اولیٰ" سے توریت اور انجیل اور زبور اور باقی کتاب منزلہ مراد ہیں اور ان کتابوں میں آپ ﷺ کی نبوت کی بشارت موجود ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ ﴿النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْإِنْجِيْلِ﴾ ﴿أَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً أَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِيْٓ إِسْرَآءِيْلَ﴾ تو کیا یہ بات آپ ﷺ کی نبوت وصداقت کے لیے کافی نشانی نہیں کہ علماء بنی اسرائیل آپ ﷺ کے چہرہ کو دیکھ کر پہچان لیتے ہیں کہ یہ وہی نبی آخر الزمان ﷺ ہیں جن کی توریت اور انجیل اور زبور میں خبر دی گئی ہے۔ حاصل جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ کی نبوت کے لیے اگلی کتابوں میں آپ ﷺ کے ظہور کی بشارت کافی ہے جس کے بعد کسی معجزہ کی ضرورت نہیں۔

یا یہ معنی ہیں کہ کیا ان کے پاس قرآن عظیم نہیں پہنچا جو اگلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اور انبیاء سابقین اور اگلی امتوں کے حال بیان کرتا ہے اور علوم ہدایت پر مشتمل ہے اور عالم کے لیے رحمت اور نعمت ہے جس کی آیتیں دن رات ان پر تلاوت کی جاتی ہیں۔ اور اس کا اعجاز آفتاب سے زیادہ روشن ہے تو کیا یہ روشن نشانی آپ ﷺ کی نبوت ورسالت کے اثبات کے لیے کافی نہیں اس پر ایمان کیوں نہیں لاتے اور اگر ہم معاندین کو اس قرآن کے نازل کرنے سے پہلے یا اس رسول کے بھیجنے سے پہلے کسی عذاب سے ہلاک کر دیتے تو قیامت کے دن یہ کافر یہ کہتے کہ اے ہمارے پروردگار تو نے ہمارے پاس

کوئی رسول کیوں نہ بھیجا تو ہم ذلیل اور رسوا ہونے سے پہلے ہی تیری ہی آیتوں کا اتباع کر لیتے۔ اے نبی آپ ﷺ ان سے کہہ دیجئے کہ اب حیلہ اور بہانے کا وقت بھی ختم ہوا ہم میں سے ہر ایک انجام اور نتیجہ کا منتظر ہے پس تم چندے اسی کا انتظار کرو۔ سو عنقریب یعنی مرنے کے بعد یا قیامت کے دن جان لوگے کہ کون ہیں راہ راست پر چلنے والے اور کون ہے کہ جو منزل مقصود تک پہنچ گیا ہم یا تم واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

الحمد للہ

آج بتاریخ ۹ شعبان المعظم سنہ ۱۳۹۰ ہجری بروز یکشنبہ بوقت چاشت سورۂ طٰہٰ کی تفسیر سے فراغت ہوئی۔

فللہ الحمد اولا وآخرا۔

تفسیر سورۃ الانبیاء

اس سورت کا نام سورۃ الانبیاء ہے یہ سورت بالاجماع مکی ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ اس سورت میں سترہ پیغمبروں کا ذکر ہے کہ انہوں نے کس طرح حق کی تبلیغ کی اور اس کی دعوت دی اور کافروں نے کس طرح ان کو ایذائیں دیں اور انہوں نے کافروں کی ایذاؤں پر کس طرح صبر کیا۔ بالآخر اللہ نے ان کو کامیاب فرمایا اور ان کے دشمنوں کا کیا عبرت خیز انجام ہوا یہ سورت دلائل توحید اور دلائل رسالت اور دلائل قیامت پر مشتمل ہے جو دین اسلام کے بنیادی اصول ہیں اور انہی مضامین کے اثبات اور تحقیق کے لیے بعض انبیاء سابقین کے واقعات ذکر کیے ہیں اور اس سورت میں ایک سو بارہ آیتیں اور سات رکوع ہیں۔

(۲۱ سُوْرَةُ الْاَنْبِيَاۤءِ مَكِّيَّةٌ ۷۳) (بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ) (ایاتہا ۱۱۳ رکوعاتہا ۷)

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ① مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ

نزدیک آگیا لوگوں کے ان کے حساب کا وقت اور وہ بے خبر ٹلا رہے ہیں ف۱ کوئی نصیحت نہیں پہنچتی ان کو ان کے

نزدیک آ لگا لوگوں کو ان کے حساب کا وقت اور وہ بے خبر ٹلاتے ہیں۔ کوئی نصیحت نہیں پہنچتی ان کو ان کے

رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ ② لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاَسَرُّوا النَّجْوَى ۖ

رب سے نئی مگر اس کو سنتے ہیں کھیل میں لگے ہوئے کھیل میں پڑے ہیں دل ان کے ف۲ اور چھپا کر مصلحت کی

رب سے نئی، مگر اس کو سنتے ہیں کھیل میں لگے۔ کھیل میں پڑے ہیں دل ان کے، اور چھپکے مصلحت کی

الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖ هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ③ قٰلَ

بے انصافوں نے یہ شخص کون ہے ایک آدمی ہے تم ہی جیسا پھر کیوں پھنستے ہو اس کے جادو میں آنکھوں دیکھتے ف۳ اس نے کہا

بے انصافوں نے، یہ شخص کون ہے؟ ایک آدمی ہے تم ہی سا، پھر کیوں پڑے ہو جادو میں آنکھوں دیکھتے؟ اس نے کہا،

ف۱ یعنی حساب وکتاب اور مجازات کی گھڑی سر پر کھڑی ہے لیکن یہ لوگ (مشرکین وغیرہ) سخت غفلت و جہالت میں پھنسے ہوئے ہیں۔ کوئی تیاری قیامت کی جوابدہی کے لیے نہیں کرتے۔ اور جب آیات اللہ سنا کر خواب غفلت سے چونکائے جاتے ہیں تو نصیحت سن کر نہایت لاپرواہی کے ساتھ ٹلا دیتے ہیں۔ گویا کبھی ان کو خدا تعالیٰ کے حضور پیش ہونا اور حساب دینا ہی نہیں۔ سچ ہے "اَلنَّاسُ فِيْ غَفَلَاتِهِمْ وَرَحَى الْمَنِيَّةِ تَطْحَنُ"

ف۲ یعنی قرآن کی بڑی بیش قیمت نصیحتوں کو محض ایک کھیل تماشہ کی حیثیت سے سنتے ہیں جن میں اگر اخلاص کے ساتھ غور کرتے تو سب دین و دنیا درست ہو جاتی۔ لیکن جب دل ہی ادھر سے غافل ہیں اور کھیل تماشہ میں پڑے ہیں تو غور کرنے کی نوبت کہاں سے آئے۔

ف۳ جب نصیحت سنتے سنتے تنگ آ گئے تو چند بے انصافوں نے خفیہ میٹنگ کر کے قرآن اور پیغمبر کے متعلق کہنا شروع کیا کہ یہ پیغمبر تو ہمارے جیسے ایک آدمی ہیں، نہ فرشتہ ہیں نہ ہم سے زیادہ کوئی ظاہری امتیاز رکھتے ہیں۔ البتہ ان کو جادو آتا ہے۔ جو کلام پڑھ کر سناتے ہیں وہ ہو نہ ہو جادو کا کلام ہے۔ پھر تم کو کیا مصیبت نے گھیرا کہ آنکھوں دیکھتے ان کے جادو میں پھنستے ہو۔ لازم ہے کہ ان کے قریب نہ جاؤ۔ قرآن کو جادو شاید اس کی قوت تاثیر اور حیرت انگیز تصرف کو دیکھ کر کہا۔ اور خفیہ میٹنگ اس لیے کی کہ آئندہ حق کے خلاف جو تدابیر کرنے والے تھے یہ اس کی تمہید تھی۔ اور ظاہر ہے کہ ہوشیار دشمن اپنی معاندانہ کارروائیوں کو قبل از وقت طشت از بام کرنا پسند نہیں کرتا اندر ہی اندر آپس میں پروپیگنڈا کیا کرتا ہے۔

رَبِّيْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ ۡ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ

میرے رب کو خبر ہے بات کی آسمان میں ہو یا زمین میں اور وہ ہے سننے والا جاننے والا ف۱ اس کو چھوڑ کر کہتے ہیں بیہودہ

میرے رب کو خبر ہے بات کی، یا آسمان میں ہو یا زمین میں۔ اور وہ ہے سنتا جانتا۔ یہ چھوڑ کر کہتے ہیں، اڑتے

اَحْلَامٍۭ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ۚ فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ۝ مَآ اٰمَنَتْ

خواب ہیں، نہیں! جھوٹ باندھ لیا ہے نہیں! شعر کہتا ہے، پھر چاہیے لے آئے ہمارے پاس کوئی نشانی، جیسے پیغام لے کر آئے ہیں پہلے ف۲ نہیں مانا

خواب ہیں، نہیں، جھوٹ باندھ لیا ہے، نہیں، شعر کہتا ہے۔ پھر چاہیئے، لے آوے ہم پاس کوئی نشانی، جیسے پیغام لائے ہیں پہلے۔ نہیں مانا

قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ۚ اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ

ان سے پہلے کسی بستی نے جن کو غارت کر دیا ہم نے کیا اب یہ مان لیں گے ف۳ اور پیغام نہیں بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے مگر یہی مردوں کے ہاتھ وحی بھیجتے تھے

ان سے پہلے کسی بستی نے جو کھپائی ہم نے۔ اب کوئی یہ مانیں گے؟ اور پیغام نہیں بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے، مگر یہی مردوں کے ہاتھ، کہ حکم بھیجتے تھے

اِلَيْهِمْ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ

ہم ان کو سو پوچھ لو یاد رکھنے والوں سے اگر تم نہیں جانتے ف۴ اور نہیں بنائے تھے ہم نے ان کے ایسے بدن کہ وہ کھانا نہ کھائیں

ہم ان کو، سو پوچھو یاد رکھنے والوں سے، اگر تم نہیں جانتے۔ اور ایسے بدن نہ بنائے تھے وہ کہ کھانا نہ کھائیں،

ف۱ پیغمبر نے فرما دیا کہ تم کتنے ہی چھپا کر مشورے کرو، اللہ کو سب خبر ہے وہ تو آسمان و زمین کی ہر بات کو جانتا ہے پھر تمہارے راز اور سازشیں اس سے کہاں پوشیدہ رہ سکتی ہیں۔

ف۲ قرآن سن کر ضد اور ہٹ دھرمی سے ایسے بدحواس ہو جاتے تھے کہ کسی ایک رائے پر قرار نہ تھا، کبھی اسے جادو بتاتے، کبھی پریشان خوابیں کہتے، کبھی دعویٰ کرتے کہ آپ اپنے جی سے کچھ باتیں جھوٹ گھڑ لائے ہیں۔ جن کا نام قرآن رکھ دیا ہے۔ نہ صرف یہ ہی بلکہ آپ ایک عمدہ شاعر ہیں اور شاعروں کی طرح تخیل کی بلند پروازی سے کچھ مضامین موثر اور مسجع عبارت میں پیش کر دیتے ہیں۔ اگر واقع میں ایسا نہیں تو چاہیے کہ آپ کوئی ایسا کھلا معجزہ دکھلائیں جیسے معجزات پہلے پیغمبروں نے دکھلائے تھے۔ یہ کہنا بھی محض عناد سے دق کرنے کے لیے تھا۔ کیونکہ اول تو مکہ کے یہ جاہل مشرک پہلے پیغمبروں اور ان کے معجزات کو کیا جانتے تھے، دوسرے آپ کے بیسیوں کھلے کھلے نشان دیکھ چکے تھے جو انبیائے سابقین کے نشانات سے کسی طرح کم نہ تھے جن میں سب سے بڑھ کر یہی قرآن کا معجزہ تھا، وہ دل میں سمجھتے تھے کہ نہ یہ جادو کی مہمل عبارتیں ہیں، نہ بیہودہ خواب ہیں، نہ شاعری ہے۔ اسی لیے جب کوئی ایک بات چسپاں نہ ہوتی تو اسے چھوڑ کر دوسری بات کہنے لگتے تھے۔ ﴿اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا﴾ (فرقان، رکوع ۱)

ف۳ یعنی پہلی قوموں کو فرمائشی نشان دکھلائے گئے۔ وہ انہیں دیکھ کر بھی نہ مانے آخر سنت اللہ کے موافق ہلاک کیے گئے۔ اگر ان مشرکین مکہ کی فرمائشیں پوری کی جائیں تو ظاہر ہے یہ ماننے والے تو ہیں نہیں۔ لامحالہ حق تعالیٰ کی عام عادت کے موافق تباہ کیے جائیں گے اور ان کی بالکلیہ تباہی مقصود نہیں۔ بلکہ حکمت الٰہیہ فی الجملہ ان کے باقی رکھنے کو مقتضی ہے۔

ف۴ یہ ان کے قول ﴿هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ کا جواب ہوا۔ یعنی پہلے بھی جو پیغمبر آئے جن کی مانند نشانیاں دکھلانے کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کرتے ہو، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح بشر تھے فرشتے نہ تھے۔ اگر اتنی مشہور و مستفیض بات کی بھی اپنی جہالت کی وجہ سے تم کو خبر نہیں، تو خبر رکھنے والوں سے دریافت کر لو۔ آخر یہود و نصاریٰ اہل کتاب سے تمہارے تعلقات ہیں، اتنی موٹی بات ان سے ہی پوچھ لینا کہ پہلے زمانوں میں جو انبیاء و رسل تشریف لائے وہ بشر تھے یا آسمان کے فرشتے۔

الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ۝۸ ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَآءُ وَاَهْلَكْنَا

اور نہ تھے وہ ہمیشہ رہ جانے والے ف۱ پھر سچا کردیا ہم نے ان سے وعدہ سو بچا دیا ان کو اور جس کو ہم نے چاہا اور غارت کر دیا

اور نہ تھے وہ رہ جانے والے۔ پھر سچ کیا ہم نے ان سے وعدہ، پھر بچا دیا ان کو اور جس کو ہم نے چاہا، اور کھپا دیئے

الْمُسْرِفِيْنَ ۝۹ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۱۰ وَكَمْ قَصَمْنَا

حد سے نکلنے والوں کو ف۲ ہم نے اتاری ہے تمہاری طرف کتاب کہ اس میں تمہارا ذکر ہے کیا تم سمجھتے نہیں ف۳ اور کتنی پیس ڈالیں

ہاتھ چھوڑنے والے۔ ہم نے اتاری تم کو کتاب، کہ اس میں تمہارا نام ہے۔ کیا تم کو بوجھ نہیں۔ اور کتنی توڑ ماریں

مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ۝۱۱ فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ اِذَا هُمْ

ہم نے بستیاں جو تھیں گنہ گار اور اٹھا کھڑے کیے ان کے پیچھے اور لوگ ف۴ پھر جب آہٹ پائی انہوں نے ہماری آفت کی، تب لگے

ہم نے بستیاں جو تھی گنہگار، اور اٹھا کھڑے کئے ان کے پیچھے اور لوگ۔ پھر جب آہٹ پائی ہماری آفت کی، تبھی لگے

مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ ۝۱۲ لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ

وہاں سے ایڑ کرنے ایڑ مت کرو اور لوٹ جاؤ جہاں تم نے عیش کیا تھا اور اپنے گھروں میں شاید

وہاں سے ایڑ کرنے۔ ایڑ مت کرو، اور پھر جاؤ جہاں تم کو عیش ملا تھا، اور اپنے گھروں میں، شاید

تُسْـَٔلُوْنَ ۝۱۳ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝۱۴ فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ

کوئی تم کو پوچھے ف۵ کہنے لگے ہائے خرابی ہماری ہم تھے بیشک گنہگار پھر برابر یہی رہی ان کی فریاد یہاں تک کہ ڈھیر کر دیے گئے

کوئی تم کو پوچھے۔ کہنے لگے، اے خرابی ہماری! ہم تھے بیشک گنہگار۔ پھر یہی رہی ان کی پکار، جب تک ڈھیر کر دیئے

ف۱ یعنی بشری خصائص ان میں موجود تھیں، نہ فرشتوں کی طرح ان کا بدن ایسا تھا کہ کبھی کھانا نہ کھا سکتے نہ وہ خدا تھے کہ کبھی موت اور فنا نہ آئے ہمیشہ زندہ رہا کریں۔

ف۲ ان کا امتیاز دوسرے بندوں سے یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مخلوق کی ہدایت و اصلاح کے لیے کھڑے کیے گئے تھے خدا ان کی طرف وحی بھیجتا اور باوجود بے سروسامانی کے مخالفین کے مقابلہ میں ان کی حمایت و نصرت کے وعدے کرتا تھا چنانچہ اللہ نے اپنے وعدے سچے کر دکھائے۔ ان کو مع رفقاء کے محفوظ رکھا اور بڑے بڑے متکبر دشمن جو ان سے ٹکرائے تباہ و غارت کر دیئے گئے۔ بیشک محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی بشر ہیں۔ لیکن اسی نوع کے بشر ہیں جن کی اعانت و حمایت ساری دنیا کے مقابلہ میں کی جاتی ہے ان کے مخالفین کو چاہیے کہ اپنا انجام سوچ رکھیں اور پہلی قوموں کی مثالوں سے عبرت حاصل کریں۔ کہیں آخرت کے حساب سے پہلے دنیا ہی میں حساب شروع نہ کر دیا جائے۔

ف۳ یعنی قرآن کے ذریعہ سے تم کو ہر قسم کی نصیحت و فہمائش کر دی گئی اور سب برا بھلا انجام سمجھا دیا گیا۔ اگر کچھ بھی عقل ہوگی تو عذاب الٰہی سے اپنے کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرو گے اور قرآن کی قدر پہچانو گے جو فی الحقیقت تمہارے مجد و شرف کی ایک بڑی دستاویز ہے۔ کیونکہ تمہاری زبان میں اور تمہاری قوم کے ایک فرد کامل پر اترا اور دنیا میں تم کو شہرت دائمی عطا کی۔ اگر اپنے ایسے محسن کو نہ مانو گے تو دنیا میں ذلیل ہو گے اور آخرت کا عذاب الگ رہا آگے ان قوموں کا دنیاوی انجام بیان فرماتے ہیں جنہوں نے انبیاء سے دشمنی کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیے تھے۔

ف۴ یعنی یہ نہیں کہ ان کے نیست و نابود کر دینے سے اللہ کی زمین اجڑ گئی وہ گئے دوسروں کو ان کی جگہ بسا دیا گیا۔

ف۵ یعنی جب عذاب الٰہی سامنے آ گیا تو چاہا کہ وہاں سے نکل بھاگیں اور بھاگ کر جان بچالیں۔ اس وقت تکوینی طور پر کہا گیا کہ بھاگتے کہاں ہو، ٹھہرو، اور ادھر ہی واپس چلو جہاں عیش کیے تھے اور جہاں بہت سے سامان تنعم جمع کر رکھے تھے۔ شاید وہاں کوئی تم سے پوچھے کہ حضرت او مال و دولت اور زور و قوت کا نشہ =

حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ ﴿۱۵﴾

کاٹ کر بجھے پڑے ہوئے ف ا

کاٹ کر بجھے پڑے۔

خبر دادن رب العزت از قرب قیامت برائے تنبیہ اہل غفلت از محاسبۂ آخرت وتہدید منکرین نبوت وجواب دادن از اعتراضات بر آیات رسالت وآگاہیدن از انجام ظالمین امم سابقہ برائے عبرت ونصیحت

قَالَ اللهُ تَعَالٰى: ﴿اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ ... الى ... جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ﴾

ربط:...... گزشتہ سورت کے آخر میں ذکر خداوندی سے اعراض کرنے والوں اور آخرت سے غفلت برتنے والوں کی مذمت کا بیان تھا۔ ﴿وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى﴾ اور اس کے بعد کی آیت ﴿وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ﴾۔ میں دنیا کے سامان زیبائش وآرائش پر نظر کرنے کی ممانعت تھی کیونکہ دنیا کی رونق پر نظر کرنا فتنہ عظیم ہے اور آخرت سے غفلت کا سبب ہے اس لیے ان آیات میں قرب ساعت (یعنی قرب قیامت) کی خبر دیتے ہیں کہ خواب غفلت سے بیدار ہو جائیں اور آخرت کی فکر کریں۔ اور اس کے لیے کچھ تیاری کریں اور انبیاء کی ہدایت پر عمل کریں۔

نیز ان آیات میں منکرین نبوت کو تہدید اور ملامت کرتے ہیں اور ان کے اعتراضات کے جوابات دیتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ لوگوں کے لیے حساب کا وقت بہت قریب آلگا ہے یعنی قیامت بہت (۱) قریب آ گئی ہے کیونکہ نبی الساعۃ یعنی نبی آخر الزمان ﷺ مبعوث ہو گئے ہیں جن کا ظہور قیامت کی سب سے پہلی نشانی ہے حدیث میں ہے **بعثت انا والساعة کھاتین**۔ یعنی میں اور قیامت اسی طرح ساتھ بھیجے گئے ہیں جیسے یہ دو انگلیاں اور آپ ﷺ نے کلمہ کی انگلی اور بیچ کی انگلی کو ملایا۔ مطلب یہ تھا کہ میرے اور قیامت کے درمیان اتنا ہی فاصلہ رہے گا جتنا کہ ان دو انگلیوں میں ہے اور وہ ابھی تک غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اس کی کچھ تیاری نہیں کرتے۔ بلکہ اس سے منہ موڑے ہوئے ہیں اور اپنے اس اعراض (۲) پر قائم ہیں۔

= کیا ہوا؟ وہ سامان کدھر گئے؟ اور جو نعمتیں خدا نے دے رکھی تھیں ان کا شکر کہاں تک ادا کیا تھا؟ یا یہ کہ آپ بڑے آدمی تھے جن کی ہر موقع پر پوچھ ہوتی تھی، اب بھی وہیں چلیے۔ بھاگنے کی ضرورت نہیں تا کہ لوگ اپنے مہمات میں آپ سے مشورے کر سکیں اور آپ کی رائیں دریافت کر سکیں؟ (یہ سب باتیں تحکماً کہی گئی ہیں)

ف ا یعنی جب عذاب آنکھوں سے دیکھ لیا تب اپنے جرموں کا اعتراف کیا اور برابر یہ ہی چلاتے رہے کہ بیشک ہم ظالم اور مجرم ہیں۔ لیکن "اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت" یہ وقت قبول توبہ کا نہ تھا۔ اعتراف وندامت اس وقت سب بیکار چیزیں تھیں آخر اس طرح ختم کر دیئے گئے جیسے کھیتی ایک دم میں کاٹ کر ڈھیر کر دی جاتی ہے یا آگ میں جلتی ہوئی لکڑی بجھ کر راکھ رہ جاتی ہے۔ العیاذ باللہ۔

(۱) ترجمہ میں یہ لفظ یعنی "بہت" اس لیے بڑھایا گیا کہ اقترب کے معنی لغت میں زیادہ قریب ہونے کے ہیں۔ کما قال تعالیٰ ﴿اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ﴾ ﴿وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ﴾ لفظ اقترب میں بہ نسبت قرب کے زیادہ مبالغہ ہے۔

(۲) ﴿وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ﴾ چونکہ جملہ اسمیہ ہے جو بسا اوقات دوام اور استمرار کے بیان کے لیے مستعمل ہوتا ہے اس لیے یہ ترجمہ کیا گیا تا کہ دوام اور استمرار کی طرف اشارہ ہو جائے۔ منہ عفا اللہ عنہ۔

ابوالعتاہیہ کا شعر ہے۔

الناس فی غفلاتھم ورحیٰ المنیۃ تطحن

(یعنی لوگ اپنی غفلتوں میں پڑے ہوئے ہیں اور حالانکہ موت کی چکی چلی رہی ہے اور لوگوں کو پیس رہی ہے)

یہ آیت منکرین حشر کے بارے میں ہے مگر اب عام طور پر مسلمان بھی فکر آخرت سے غافل ہیں خاص کر اس جدید تعلیم اور مغربی تمدن نے تو آخرت کے ذکر اور فکر کو ایک مجنونانہ خیال قرار دے دیا ہے اور یہ غفلت اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ ان کے پاس ان کے پروردگار کی طرف سے کوئی جدید اور نئی نصیحت نہیں آتی جو ان کو خواب غفلت سے بیدار کرے مگر وہ اس کو ایسی لاپرواہی کے ساتھ سنتے ہیں گویا کہ کھیل میں لگے ہوئے ہیں حق تعالیٰ کی طرف سے ان کی نصیحت کے لیے ایک آیت کے بعد دوسری آیت آرہی ہے مگر وہ اس سے نصیحت نہیں پکڑتے۔ بہرحال ان کے دل اللہ کی یاد سے اور آخرت کی فکر سے بالکل غافل ہیں۔ ولیکن نبوت و رسالت کے مٹانے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں اور یہ ظالم لوگ آنحضرت ﷺ کے بارے میں آہستہ آہستہ اور چپکے چپکے ایسی سرگوشیوں میں لگے ہوئے ہیں کہ کسی کو خبر نہ ہو ایک دوسرے کے کان میں یہ کہتے ہیں کہ یہ شخص یعنی محمد رسول اللہ ﷺ سوائے اس کے کہ تم ہی جیسا ایک معمولی آدمی ہے جو تمہاری طرح کھاتا اور پیتا اور چلتا اور پھرتا رہتا ہے۔ بھلا آدمی اور بشر بھی کہیں نبی اور رسول ہوسکتا ہے۔ ایک مثل کا دوسرے مثل کی طرف رسول بنا کر بھیجنا ترجیح بلامرجح ہے، پس جب وہ تم جیسا بشر ہے تو تم کس لیے اس کے پاس جاتے ہو۔ اگر خدا کو نبی بھیجنا ہوتا تو فرشتہ کو نبی بنا کر بھیجتا اور یہ شخص تم کو جو کرشمے دکھاتا ہے وہ سب جادو ہے پس کیا تم جادو کے پاس آتے ہو حالانکہ تم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہو کہ یہ جادو ہے اور یہ شخص تم جیسا آدمی ہے کوئی فرشتہ نہیں۔ اول اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو ان کی ان کے جواب میں یہ کہا کہ میرا پروردگار آسمان اور زمین کی ہر بات کو خوب جانتا ہے۔ خواہ کیسے ہی چھپا کر کی جائے وہ تو ہر چیز کا سننے والا اور ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ اس سے تمہاری کوئی سرگوشی اور کوئی پوشیدہ بات مخفی نہیں وہ تمہارے مشوروں سے مجھے مطلع کر دیتا ہے اور ان ظالموں نے ان کو فقط جادوگر کہنے ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ انہوں نے یہ بھی کہا یہ قرآن پراگندہ اور پریشان خوابوں کا مجموعہ ہے یعنی قرآن شریف اللہ کا کلام نہیں بلکہ محمد ﷺ نے خواب میں جو خلط [1] ملط باتیں دیکھی ہیں یہ ان کا مجموعہ ہے پھر اس پر بھی قائم نہ رہے بلکہ کہنے لگے کہ یہ قرآن تو محمد نے اپنی طرف سے جھوٹ بنا لیا ہے جس کی واقع میں کوئی حقیقت نہیں یہ سب اس کے دل کی بنائی ہوئی باتیں ہیں جن کو اس نے اپنے جی سے بنالیا ہے۔ پھر خیال آیا کہ محمد ﷺ نے تو کبھی ساری عمر میں جھوٹ نہیں بولا تو کہنے لگے کہ یہ شخص جھوٹا تو نہیں بلکہ شاعر معلوم ہوتا ہے یہ سب مضامین اس کے شاعرانہ خیالات ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں۔ غرض یہ کہ لوگ حضور پرنور ﷺ کے بارے میں حیرت زدہ تھے۔ کبھی آپ ﷺ کو ساحر کہتے اور کبھی شاعر کہتے اور کبھی مفتری بتلاتے اور کبھی قرآن کو خواب و خیال بتلاتے کما قال تعالیٰ ﴿اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا﴾ غرض یہ کہ کفار کی یہ رنگ برنگ کی باتیں یا تو اس بات کی دلیل ہیں کہ یہ سب حیرت زدہ ہیں اور حقیقت سے بے خبر ہیں یا اس بات کی دلیل ہیں کہ حق تعالیٰ کو پہچان چکے ہیں مگر سینہ زوری سے اس کو دفعہ کرنا چاہتے ہیں اس

[1] یہ لفظ اضغاث کے اصل معنی کی طرف اشارہ ہے۔ کما قال تعالیٰ ﴿وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا﴾ منہ عفا اللہ عنہ۔

لیے ادھر ادھر کی واہی تباہی کر کے حق کو رلانا اور چھپانا چاہتے ہیں پھر اخیر میں یوں کہنے لگے کہ اچھا اگر ایسا نہیں جیسا کہ ہم کہتے ہیں بلکہ اللہ کے پاس سے رسول ہو کر آیا ہے تو اس شخص کو چاہئے کہ ہمارے پاس اپنی نبوت اور رسالت کی کوئی ایک نشانی لے آئے جیسی نشانیوں کے ساتھ پہلے بھیجے گئے تھے، جیسے حضرت صالح علیہ السلام اونٹنی لائے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام عصا اور ید بیضا لائے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کرتے تھے لہٰذا اگر آپ ﷺ بھی اس قسم کے معجزات ظاہر کر دیں گے تو ہم آپ ﷺ کو رسول مان لیں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئیں گے مشرکین عرب کا یہ سوال تعنت اور عناد پر مبنی تھا اور ان کی یہ درخواست اس لیے نہیں تھی کہ حسب فرمائش ان کو نشانی دکھلا دی جائے تو وہ ایمان لے آئیں گے کیونکہ اللہ پاک حضور پر نور ﷺ کو اس قدر نشانات دے چکا تھا کہ وہ ان کی ہدایت کے لیے کافی اور وافی تھے۔ انکار کے لیے نئے نئے بہانے نکالتے رہتے تھے یہ ضروری نہیں کہ سارے پیغمبروں کے نشانات ایک ہی قسم کے ہوں۔ اب آگے اللہ تعالیٰ ان کی ان باتوں کا جواب دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ان کفار قریش سے پہلے کوئی بستی والے اس قسم کے فرمائشی معجزات کو دیکھ کر ایمان نہیں لائے اور اس پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے ہم نے ان کو ہلاک کیا کہ منہ مانگے معجزات کو دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائے تو کیا مکہ کے یہ ہٹ دھرم ان معجزات کو دیکھ کر ایمان لے آئیں گے حالانکہ ان کا شبہ تو پھر بھی باقی رہے گا کہ بشر کا رسول ہونا محال ہے اگرچہ وہ کیسی نشانی نہ دکھادے یعنی یہ لوگ ضدی اور عنادی ہیں، ان کو خواہ کتنی ہی نشانیاں دکھلا دی جائیں یہ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے پس ان کو نشانیاں دکھلانا بے فائدہ ہے اب آگے ان کے اس خیال کو باطل فرماتے ہیں کہ بشر رسول نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور ہم نے آپ ﷺ سے پہلے کسی کو پیغمبر بنا کر نہیں بھیجا مگر جنس بشر سے مردوں کو نبی بنا کر بھیجا جن کی طرف ہم وحی نازل کرتے تھے، کبھی بھی فرشتہ کو رسول بنا کر اور نہ کسی عورت کو نبی بنا کر بھیجا، نبی ہمیشہ مرد ہوئے۔ پس اگر تم نہیں جانتے اور تم کو اس بارے میں شک ہے تو سابق علماء توریت وانجیل سے دریافت کر لو۔ جن میں ہمیشہ نبی ہوتے رہے وہ خوب جانتے ہیں کہ اللہ نے کبھی کسی فرشتہ کو نبی بنا کر نہیں بھیجا جب بھیجا تو بشر ہی کو بھیجا معلوم ہوا کہ بشریت نبوت کے منافی نہیں بلکہ اللہ کی نعمت ہے کہ تمہاری جنس میں سے رسول بھیجے تا کہ ہم جنس ہونے کی وجہ سے افادہ اور استفادہ میں سہولت ہو۔

ع بوئے جنسیت کند جذب صفات

مطلب یہ ہے کہ اے اہل مکہ مسلمانوں کی بات پر تو تم کو بھروسہ نہیں تو تم کو چاہئے کہ علماء اہل کتاب کی طرف رجوع کرو وہ نہ تو اس سے جاہل ہیں اور نہ اس کے منکر ہیں وہ رسولوں کے احوال سے واقف ہیں وہ تم کو حقیقت حال کی خبر دیں گے اور مشرکین اگرچہ توریت اور انجیل کو نہیں مانتے تھے لیکن انبیاء کا جنس بشر سے ہونا، جب نقل متواتر سے اور علماء کی متفقہ شہادت سے ان کے سامنے واضح ہو جائے گا تو عقلاً ان کے قبول کرنے پر مجبور ہوں گے کیونکہ مشرکین مکہ علماء توریت و انجیل کے علم وفضل کے معتقد تھے اور ان کی بات پر اعتماد کرتے تھے۔ آئندہ آیات میں پھر اسی شبہ کا دوسرے عنوان سے جواب دیتے ہیں کہ بشریت نبوت کے منافی نہیں، چنانچہ فرماتے ہیں اور ہم نے رسولوں کا ایسا جسم نہیں بنایا کہ وہ نہ کھاتے ہوں یعنی وہ فرشتہ نہیں تھے۔ جو کھانے اور پینے سے بے نیاز ہوتے۔ یہ کفار کے اس قول کا جواب ہے جو یہ کہتے تھے۔ ﴿مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ﴾ یعنی اس رسول کو کیا ہوا کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں

چلتا ہے خلاصہ جواب یہ ہے کہ گزشتہ رسول آدمی تھے اور کھانا کھایا کرتے تھے اور وہ دنیا میں ہمیشہ رہنے والے نہ تھے یعنی ہم نے پیغمبروں کو ایسا نہیں بنایا کہ انہیں موت ہی نہ آئے جس طرح اور لوگوں کو موت آتی ہے۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام کو بھی موت آتی ہے یہ اس بات کا جواب ہے کہ جو کفار آپ ﷺ کی موت کے منتظر تھے۔ ﴿نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ﴾ مطلب یہ ہے کہ دنیا میں کسی بشر کے لیے بقاء اور دوام نہیں اور موت سے کسی کو مفر نہیں ﴿وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ اَفَا۟ئِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ﴾۔

خلاصہ کلام:...... کہ خدا تعالیٰ نے جتنے بھی رسول بھیجے وہ سب بشر تھے ظاہری اور جسمانی حیثیت سے اگرچہ وہ عام انسانوں کے مشابہ تھے مگر باطنی اور روحانی طور پر وہ فرشتوں سے بھی بالا اور بلند تھے۔ سب آدمی تھے بندوں کی ہدایت کیلئے مبعوث ہوئے کوئی ان پر ایمان لایا اور کسی نے انکار اور کفر کیا اور فریقین میں مقابلہ ہوا۔ ابتداء میں کافروں کو غلبہ ہوا۔ پھر چند روز بعد ہم نے پیغمبروں سے نجات اور غلبہ اور فتح کا جو وعدہ کیا تھا وہ سچ کر دکھلایا۔ پس حسب وعدہ ہم نے ان کو اور جس کو چاہا نجات دی یعنی اہل ایمان کو بچایا جنہوں نے انبیاء کی پیروی کی ہم نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ ہم ان کو عذاب سے بچالیں گے اور ان کے دشمنوں کو ہلاک کردیں گے سو اس وعدہ کے مطابق ہم نے مومنین کو نجات دی اور کفر اور معصیت میں حد سے گزر جانے والوں یعنی کافروں اور مشرکوں کو دنیاوی عذاب سے ہلاک کیا، پس اے قریش مکہ ہوش میں آجاؤ اس قسم کا وعدہ ہم نے محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب سے کیا ہوا ہے بعد ازاں اللہ تعالیٰ قریش کو اپنی ایک خاص نعمت پر متنبہ فرماتے ہیں اور کہتے ہیں اے قریش مکہ البتہ تحقیق ہم نے تمہاری طرف ایک کتاب اتاری ہے جس میں تمہارے لیے نصیحت اور یاد دہانی ہے اور وہ کتاب مستطاب تم کو دین اور دنیا اور معاش اور معاد کی صلاح اور فلاح کی راہیں بتاتی ہے یا یہ معنی ہیں کہ اس میں تمہارے لیے شرف اور بزرگی ہے کہ تمہاری زبان میں اللہ نے کتاب ہدایت نازل کی مگر تم نے اس نعمت کی قدر نہ کی اور بجائے شکر کے اس کا کفر اور انکار کیا تو کیا تم سمجھتے نہیں کہ اپنے ظلم اور اسراف سے تائب ہوجاؤ اور اس کتاب ہدایت کو سر اور آنکھوں سے لگاؤ۔ جو تمہارے لیے کیمیائے سعادت ہے اور سمجھ جاؤ کہ ظلم اور اسراف یعنی حد سے گزر جانا قہر خداوندی کا سبب ہے تمہیں معلوم ہے کہ ہم نے کتنی بستیاں جو ظالم اور مسرف تھیں۔ اس ظلم اور اسراف کی سزا میں ان کو توڑ پھوڑ کر چورا چورا کردیا اور ایک ایک جوڑ کو دوسرے سے جدا کردیا۔ یعنی سب کو ہلاک کر ڈالا۔ اور ان کے بعد دوسری قوم کو آباد کردیا لہٰذا اگر تم بھی اپنے کفر اور ظلم اور بغض سے باز نہ آئے تو تمہاری بھی یہ گت بنے گی جو علت ان کی ہلاکت کی تھی وہ تم میں بھی موجود ہے یعنی وہی ظلم و اسراف اور خدا اب بھی ہلاک کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ پس جب ان ظالموں اور حد سے گزرنے والوں نے ہمارے عذاب کو آتے دیکھا تو یہ ظالم [1] فوراً ہی جانوروں کی طرح بے تحاشا اس بستی سے بھاگنے لگے حالانکہ یہ ظالم اور مسرف پہلے انبیاء علیہم السلام اور اہل ایمان پر آوازے کسا کرتے تھے جب عذاب الٰہی کو آتے دیکھا تو بھاگنے لگے تو گویا ان کے خیال میں یہ آیا کہ بھاگ کر عذاب الٰہی سے چھوٹ جائیں گے تو اس وقت بطور استہزاء اور بطرق مذاق اور ہنسی ان سے یہ کہا

[1] فوراً یہ لفظ اذا ھم کا ترجمہ ہے اور بے تحاشا بھاگنا اور دوڑنا یہ رکض کا ترجمہ ہے۔ رکض کے معنی لغت میں جانور کے بے تحاشا دوڑنے کے ہیں۔ منہ عفا اللہ عنہ۔

گیا کہ بھاگو نہیں اور اسی عیش وعشرت کی طرف لوٹو جس میں تم مست تھے اور اپنے مکانات اور محلوں کی طرف لوٹو جن میں تم رہتے تھے اور جہاں بیٹھ کر تم اتراتے تھے اور فخر کرتے تھے اور اپنے غلاموں اور خادمیوں کو حکم دیتے تھے اور غلام حاضر ہو کر کہتے تھے کہ حضور کیا حکم دیتے ہیں اب پھر اسی جگہ واپس چلے جاؤ شاید تم سے تمہارا حال پوچھا جائے یعنی تمہاری خیریت دریافت کی جائے یا حسب سابق تم سے مہمات امور میں کوئی مشورہ پوچھا جائے۔ یہ کہنے والے فرشتے تھے اور یہ پوچھنا بطور استہزاء اور تمسخر تھا کیونکہ پوچھتے تو اس وقت ہیں کہ جب کچھ شان بنی ہوئی ہو۔ بگڑے ہوئے اور خستہ حال کو کون پوچھتا ہے غرض یہ کہ جب فرشتوں نے ان سے یہ کہا کہ مت بھاگو تو اس وقت یہ ظالم یہ کہنے لگے کہ ہائے ہماری خرابی اور کم بختی تو کہاں [1] ہے اس وقت تو حاضر ہو جا یہ تیرے حاضر ہونے کا وقت ہے بیشک ہم لوگ ظالم اور قصوروار تھے کہ ہم نے رسول کو جھٹلایا اور ان کے قتل اور ایذاء کے درپے ہوئے، ان لوگوں نے جب عذاب دیکھا تو اپنے گناہ کا اقرار کیا اور نادم ہوئے مگر اس وقت کی ندامت بے فائدہ تھی۔ تاریخ نکل جانے کے بعد سماعت نہیں ہوسکتی۔ ان لوگوں نے ﴿یٰوَیۡلَنَاۤ اِنَّا کُنَّا ظٰلِمِیۡنَ﴾ کا نعرہ بلند کیا اور یہ خیال کیا شاید یہ نعرہ نجات کا سبب بن جائے پس مسلسل ان کی یہی پکار رہی یہاں تک کہ ہم نے ان کو جڑ سے کٹے ہوئے گھاس کی طرح بجھے ہوئے اور مرجھائے ہوئے کر چھوڑا۔ یعنی سب مر گئے اور ٹھنڈے ہو گئے کہ حس و حرکت نہ رہی اور ان کی آتش ظلم بالکل خاموش ہوگئی اور شعلہ حیات بجھ گیا۔

وَمَا خَلَقۡنَا السَّمَآءَ وَالۡاَرۡضَ وَمَا بَیۡنَہُمَا لٰعِبِیۡنَ ﴿۱۶﴾ لَوۡ اَرَدۡنَاۤ اَنۡ نَّتَّخِذَ لَہۡوًا لَّاتَّخَذۡنٰہُ

اور ہم نے نہیں بنایا آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے بیچ میں ہے کھیلتے ہوئے ف۱ اگر ہم چاہتے کہ بنالیں کچھ کھلونا تو بنا لیتے ہم اپنے

اور ہم نے نہیں بنایا آسمان اور زمین اور جو ان کے بیچ ہے، کھیلتے۔ اگر ہم چاہتے کہ بنالیں کچھ کھلونا، تو بنا لیتے ہم اپنے

مِنۡ لَّدُنَّاۤ ٭ۖ اِنۡ کُنَّا فٰعِلِیۡنَ ﴿۱۷﴾ بَلۡ نَقۡذِفُ بِالۡحَقِّ عَلَی الۡبَاطِلِ فَیَدۡمَغُہٗ فَاِذَا ہُوَ زَاہِقٌ ؕ

پاس سے اگر ہم کو کرنا ہوتا یوں نہیں پر ہم پھینک مارتے ہیں سچ کو جھوٹ پر پھر وہ اس کا سر پھوڑ ڈالتا ہے پھر وہ جاتا رہتا ہے

پاس سے، اگر ہم کو کرنا ہوتا۔ پھر یوں نہیں، پر ہم پھینک مارتے ہیں سچ کو جھوٹ، پھر وہ اس کا سر پھوڑتا ہے، پھر تب وہ سٹک جاتا ہے۔

وَلَکُمُ الۡوَیۡلُ مِمَّا تَصِفُوۡنَ ﴿۱۸﴾ وَلَہٗ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَمَنۡ عِنۡدَہٗ لَا

اور تمہارے لیے خرابی ہے ان باتوں سے جو تم بتلاتے ہو ف۲ اور اسی کا ہے جو کوئی ہے آسمان اور زمین میں ف۳ اور جو اس کے نزدیک رہتے ہیں

اور تم کو خرابی ہے ان باتوں سے جو بتاتے ہو۔ اور اسی کا ہے جو کوئی ہے آسمان و زمین میں۔ اور جو اس کے نزدیک رہتے ہیں،

ف۱ یعنی جس میں کوئی معتد بہ حکمت اور غرض صحیح نہ ہو۔ اس لیے عقلمند کو چاہیے کہ آفرینش عالم کی غرض کو سمجھے اور دنیا کو محض کھیل تماشا سمجھ کر انجام سے غافل نہ ہو، بلکہ خوب سمجھ لے کہ دنیا آخرت کے لیے پیدا کی گئی ہے۔ ہر نیک و بد کی جزا ملنا اور ذرہ ذرہ کا حساب ہونا ہے۔

ف۲ یعنی اگر ایسے لہو ولعب کے کام بالفرض ہماری شان کے لائق ہوتے اور ہم ارادہ بھی کرتے کہ یوں ہی کوئی مشغلہ اور کھیل تماشا بنا کر کھڑا کر دیں تو یہ چیز ہم بذات خود اپنی قدرت سے کر گزرتے۔ تمہاری دار و گیر اور پکڑ دھکڑ سے اس کو کچھ سروکار نہ ہوتا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ دنیا محض کھیل تماشا نہیں بلکہ میدان کارزار ہے۔ جہاں حق و باطل کی جنگ ہوتی ہے۔ حق حملہ آور ہو کر باطل کا سر کچل ڈالتا ہے۔ اسی سے تم اپنی مشرکانہ اور سفیہانہ باتوں کا انجام سمجھ لو کہ حق و صداقت کا گولا=

[1] یہ تمام یا ویلنا کی تفسیر ہے، "یا" حرف ندا ہے اور "ویل" منادی ہے۔ منہ عفا اللہ عنہ۔

يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُونَ ⑲ يُسَبِّحُونَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُونَ ⑳

سرکشی نہیں کرتے اس کی عبادت سے اور نہیں کرتے کاہلی یاد کرتے ہیں رات اور دن نہیں تھکتے ف۱

بڑائی نہیں کرتے اس کی عبادت سے اور نہیں کرتے کاہلی۔ یاد کرتے ہیں رات اور دن، نہیں تھکتے۔

اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ ㉑ لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ

کیا ٹھہرائے ہیں انہوں نے اور معبود زمین میں کے کہ وہ جلا اٹھائیں گے ان کو ف۲ اگر ہوتے ان دونوں میں اور معبود سوائے اللہ کے

کیا ٹھہرائے انہوں نے اور صاحب زمین میں کے وہ اٹھا کھڑا کریں گے۔ اگر ہوتے ان دونوں میں اور حاکم، سوا اللہ کے،

فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ㉒ لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ ㉓ اَمِ

تو دونوں خراب ہو جاتے ف۳ سو پاک ہے اللہ عرش کا مالک ان باتوں سے جو یہ بتلاتے ہیں ف۴ اس سے پوچھا نہ جائے گا جو

دونوں خراب ہوتے، سو پاک ہے اللہ، تخت کا صاحب، ان باتوں سے جو بتاتے ہیں۔ اس سے پوچھا نہ جاوے جو وہ کرے، اور ان سے پوچھا جاوے۔ کیا

= جب پوری قوت سے تم پر گرے گا اس وقت کیسی خرابی اور بربادی تمہارے لیے ہوگی۔ اور کون سی طاقت بچانے آئے گی۔

(تنبیہ) لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا الیٰ آخرہ کی تقریر کئی طرح کی گئی ہے۔ ہمارے نزدیک سباق ولحاق کے اعتبار سے جو معنی زیادہ قریب اور صاف تھے وہ اختیار کیے ہیں۔ اور مِنْ لَّدُنَّآ اور اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ کی قیود کے فوائد کی طرف لطیف اشارے کر دیے ہیں۔ واللہ اعلم۔

ف۳ پھر وہ تباہ کرنا چاہے تو کون بچا سکتا ہے اور کہاں پناہ مل سکتی ہے۔

ف۱ یعنی فرشتے باوجود مقربین بارگاہ ہونے کے ذرا شیخی نہیں کرتے۔ اپنے پروردگار کی بندگی اور غلامی کو فخر سمجھتے ہیں، وظائف عبودیت کے ادا کرنے میں کبھی سستی یا کاہلی کو راہ نہیں دیتے۔ شب و روز اس کی تسبیح اور یاد میں لگے رہتے ہیں۔ نہ جھکتے ہیں نہ اکتاتے ہیں۔ بلکہ تسبیح و ذکر ہی ان کی غذا ہے۔ جس طرح ہم ہر وقت سانس لیتے ہیں اور دوسرے کام بھی کرتے رہتے ہیں، یہی کیفیت ان کی تسبیح و ذکر کی سمجھو۔ وہ کسی کام پر مامور ہوں، کسی خدمت کو بجا لا رہے ہوں ایک منٹ ادھر سے غافل نہیں ہوتے جب معصوم و مقرب فرشتوں کا یہ حال ہے تو خطا کار انسان کو کہیں زیادہ اپنے رب کی طرف جھکنے کی ضرورت ہے۔

ف۲ یعنی آسمان والے فرشتے تو اس کی بندگی سے کتراتے نہیں بلکہ ہمہ وقت اس کی یاد اور بندگی میں مشتغل رہتے ہیں، پھر کیا زمین میں کچھ ایسی ہستیاں ہیں جن کو خدا کے بالمقابل معبود ٹھہرایا جا سکتا ہے؟ اور جب خدا ان کے پجاریوں کو اپنے عذاب سے مار ڈالے تو وہ ان کو پھر جلا اٹھائیں یا ہلاکت سے بچا لیں؟ ہرگز نہیں۔

ف۳ تعدد آلہہ کے ابطال پر یہ نہایت پختہ اور واضح دلیل ہے جو قرآن کریم نے اپنے مخصوص انداز میں پیش کی۔ اس کو یوں سمجھو کہ عبادت نام ہے کامل تذلل کا۔ اور کامل تذلل صرف اسی ذات کے سامنے اختیار کیا جا سکتا ہے جو اپنی ذات و صفات میں ہر طرح کامل ہو، اسی کو ہم "اللہ" یا "خدا" کہتے ہیں۔ ضروری ہے کہ خدا کی ذات ہر قسم کے عیوب و نقائص سے پاک ہو، نہ وہ کسی حیثیت سے ناقص ہو نہ بیکار، نہ عاجز ہو نہ مغلوب، نہ کسی دوسرے سے دبے نہ کوئی اس کے کام میں روک ٹوک کر سکے۔ اب اگر فرض کیجئے آسمان و زمین میں دو خدا ہوں تو دونوں اسی شان کے ہوں گے، اس وقت دیکھنا یہ ہے کہ عالم کی تخلیق اور علویات و سفلیات کی تدبیر دونوں کے کلی اتفاق سے ہوتی ہے یا گاہ بگاہ باہم اختلاف بھی ہو جاتا ہے اتفاق کی صورت میں دو احتمال ہیں۔ یا تو اکیلے ایک سے کام نہیں چل سکتا تھا اس لیے دونوں نے مل کر انتظام کیا تو معلوم ہوا کہ دونوں میں سے ایک بھی کامل قدرت والا نہیں اور اگر تنہا ایک سارے عالم کا کامل طور پر انجام کر سکتا تھا تو دوسرا بیکار ٹھہرا حالانکہ خدا کا وجود اسی لیے ماننا پڑا ہے کہ اس کے مانے بدون چارہ ہی نہیں ہو سکتا اور اگر اختلاف کی صورت فرض کریں تو لامحالہ مقابلہ میں ایک مغلوب ہو کر اپنے ارادہ اور تجویز کو چھوڑ بیٹھے گا۔ وہ خدا نہ رہا۔ اور یا دونوں بالکل مساوی و متوازی طاقت سے ایک دوسرے کے خلاف اپنے ارادہ اور تجویز کو عمل میں لانا چاہیں گے۔ اول تو (معاذ اللہ) خداؤں کی اس رسہ کشی میں سرے سے کوئی چیز موجود ہی نہ ہو سکے گی اور موجود چیز پر زور آزمائی ہونے لگی تو اس کشمکش میں ٹوٹ پھوٹ کر برابر ہو جائے گی۔ یہاں سے یہ نتیجہ نکلا کہ اگر آسمان و زمین میں دو خدا ہوتے تو آسمان و زمین کا یہ نظام کبھی کا درہم برہم ہو جاتا۔ ورنہ ایک خدا کا بیکار یا ناقص و عاجز ہونا لازم آتا ہے جو خلاف مفروض ہے۔ .... =

اتَّخَذُوا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ۚ هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِيَ وَذِكْرُ مَنْ

وہ کرے اوران سے پوچھا جائے ف۱ کیا ٹھہرائے ہیں انہوں نے اس سے ورے اور معبود تو کہہ لاؤ اپنی سند ف۲ یہی بات ہے میرے ساتھ والوں کی اور یہی

پکڑے ہیں انہوں نے اس سے ورے اور صاحب؟ تو کہہ، لاؤ اپنی سند، یہی بات ہے میرے ساتھ والوں کی اور مجھ سے پہلوں کی۔ کوئی نہیں،

قَبْلِيْ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۙ الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ

بات ہے مجھ سے پہلوں کی، کوئی نہیں، پر وہ بہت لوگ نہیں سمجھتے سچی بات سو ٹلا رہے ہیں ف۳ اور نہیں بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے

پر وہ بہت لوگ نہیں سمجھتے سچی بات، پھر ٹلاتے ہیں۔ اور نہیں بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے

مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴿۲۵﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا

کوئی رسول مگر اس کو یہی حکم بھیجا کہ بات یوں ہے کہ کسی کی بندگی نہیں سوائے میرے سو میری بندگی کرو ف۴ اور کہتے ہیں رحمٰن نے کر لیا کسی کو بیٹا

کوئی رسول، مگر اس کو یہی حکم بھیجا کہ بات یوں ہے، کسی کی بندگی نہیں سوا میرے، سو میری بندگی کرو۔ اور کہتے ہیں رحمٰن نے کر لیا کوئی بیٹا۔

سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ يَعْلَمُ مَا

وہ ہرگز اس لائق نہیں ف۵ لیکن وہ بندے ہیں جن کو عزت دی ہے اس سے بڑھ کر نہیں بول سکتے اور وہ اسی کے حکم پر کام کرتے ہیں ف۶ اس کو معلوم ہے جو

وہ اس لائق نہیں، لیکن وہ بندے ہیں جن کو عزت دی۔ اس سے بڑھ کر نہیں بول سکتے، اور اسی کے حکم پر کام کرتے ہیں۔ اس کو معلوم ہے جو

=ف۴ جو عرش (تخت شاہی) کا اکیلا مالک ہے، اس کے ملک میں شرکت کی گنجائش ہی نہیں۔ دو خود مختار بادشاہ جب ایک اقلیم میں نہیں سما سکتے جن کی خود مختاری بھی محض مجازی ہے تو دو مختار کل اور قادر مطلق خدا ایک قلمرو میں کیسے شریک ہو سکتے ہیں۔

ف۱ یعنی "خدا" تو اس ہستی کا نام ہے جو قادر مطلق ہے۔ جو قادر مطلق اور مختار کل ہو اس کی قدرت و مشیت کو روکنا تو کجا کوئی پوچھ پاچھ بھی نہیں کر سکتا کہ آپ نے فلاں کام اس طرح کیوں کیا۔ ہاں اس کو حق ہے کہ وہ ہر شخص سے مواخذہ اور باز پرس کر سکتا ہے۔

ف۲ پہلے توحید پر دلیل عقلی قائم کی گئی تھی۔ اب مشرکین سے ان کے دعوے پر دلیل صحیح کا مطالبہ ہے یعنی خدا کے سوا جو معبود تم نے تجویز کیے ہیں ان کا اثبات کس دلیل عقلی یا نقلی سے ہوا۔ اگر موجود ہو تو پیش کرو۔ ظاہر ہے ان کے پاس بجز اوہام و ظنون اور باپ دادوں کی کورانہ تقلید کے کیا رکھا تھا۔ شرک کی تائید میں نہ کوئی دلیل عقلی مل سکتی ہے، نہ نقلی جسے پیش کر سکتے۔ کذا قال المفسرون۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ پہلے ان معبودوں کو فرمایا تھا کہ جن کو خدا کے برابر کوئی سمجھے کہ ایسے وہ حاکم ہوتے تو جہان خراب ہو جاتا۔ اب ان کا ذکر فرماتے ہیں جو خدا تعالیٰ کے نیچے چھوٹے چھوٹے خدا بطور نائبین اور ماتحت حکام کے ٹھہراتے ہیں۔ سو ان کو مالک کی سند چاہیے۔ سند بغیر نائب کیونکر بن سکتے ہیں۔ اگر سند ہے تو پیش کرو۔

ف۳ یعنی میری امت اور پہلی خدا پرست امتوں کی یہی ایک بات ہے کہ اس رب العرش کے سوا کوئی دوسرا خدا نہیں جس کی عقلی دلیل پہلے بیان ہو چکی۔ تم اگر ملل سماویہ کے اس اجماعی عقیدہ کے خلاف کوئی دلیل رکھتے ہو تو پیش کرو۔ میرا دعویٰ یہ ہے کہ یہ امت اور پہلی امتیں اس امت کی کتاب (قرآن کریم) اور پہلی امتوں کی آسمانی کتابیں تورات، انجیل وغیرہ) سب اس میں دعوائے توحید پر متفق رہی ہیں۔ چنانچہ آج بھی باوجود بیشمار تحریفات کے پہلی کتابوں کی ورق گردانی کرو تو توحید کا اعلان اور شرک کا رد صاف صاف پاؤ گے مگر یہ جاہل اس بات کو کیا سمجھیں، اگر سمجھ ہوتی تو حق بات کو سن کر ہرگز نہ ٹلاتے۔

ف۴ یعنی تمام انبیاء و مرسلین کا اجماع عقیدہ توحید پر رہا ہے کسی پیغمبر نے کبھی ایک حرف اس کے خلاف نہیں کہا۔ ہمیشہ یہی تلقین کرتے آئے کہ ایک خدا کے سوا کسی کی بندگی نہیں تو جس طرح عقلی اور فطری دلائل سے توحید کا ثبوت ملتا ہے اور شرک کا رد ہوتا ہے۔ ایسے ہی نقلی حیثیت سے انبیاء علیہم السلام کا اجماع دعوائے توحید کی حقیقت پر قطعی دلیل ہے۔

ف۵ عرب کے بعض قبائل ملائکۃ اللہ کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے، سو بتلا دیا کہ یہ خدا کی شان رفیع کے لائق نہیں کہ بیٹے بیٹیاں بنائے۔ اسی میں نصاریٰ کا رد بھی ہو گیا =

بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ

ان کے آگے ہے اور پیچھے ف۱ اور وہ سفارش نہیں کرتے مگر اس کی جس سے اللہ راضی ہو ف۲ اور وہ اس کی ہیبت سے

ان کے آگے اور پیچھے، اور وہ سفارش نہیں کرتے، مگر اس کی جس سے وہ راضی ہو، اور وہ اس کی ہیبت سے

مُشْفِقُوْنَ ۝۲۸ وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي

ڈرتے ہیں ف۳ اور جو کوئی ان میں کہے کہ میری بندگی ہے اس سے ورے، سو اس کو ہم بدلہ دیں گے دوزخ یونہی ہم بدلہ دیتے ہیں

ڈرتے ہیں۔ اور جو کوئی ان میں کہے، کہ میری بندگی ہے اس سے ورے، سو اس کو ہم بدلہ دیں دوزخ۔ یوں ہی ہم بدلہ دیتے ہیں

الظّٰلِمِيْنَ ۝۲۹ ع ۲

بے انصافوں کو ف۴

بے انصافوں کو۔

بیان توحید وابطال شرک

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ... الی ... كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ﴾

ربط:...... ابتداء سورت سے لیکر یہاں تک کا مضمون تحقیق نبوت و رسالت سے متعلق تھا، اب آئندہ آیات میں توحید کا اثبات اور شرک کا ابطال فرماتے ہیں اور حکم دیتے ہیں کہ آسمان و زمین کی پیدائش میں غور و فکر کرو تا کہ تم کو اللہ کی معرفت حاصل ہو عالم علوی اور عالم سفلی کی تمام چیزیں اللہ کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں۔

(یا یوں کہو) کہ گزشتہ آیات میں کفار کی غفلت اور اعراض اور ان کے لہو و لعب کو بیان کیا اب آگے یہ بیان کرتے ہیں کہ عالم کی پیدائش کھیل تماشہ نہیں بلکہ حق اور باطل میں فرق کرنے کے لیے یہ عالم پیدا کیا گیا ہے کہ کوئی شخص یہ خیال نہ کرے کہ وہ دنیا میں آزاد ہے جو چاہے کرے نہ عذاب ہے اور نہ ثواب ہے اور نہ کوئی دارو گیر اور پکڑ دھکڑ ہے۔ ﴿اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ

= جو حضرت مسیح علیہ السلام کو "ابن اللہ" کہتے ہیں نیز یہود کے اس فرقہ کا بھی جو حضرت عزیر کو خدا کا بیٹا کہتا تھا۔

ف۶ یعنی جن برگزیدہ ہستیوں کو تم خدا کی اولاد بتلاتے ہو وہ اولاد نہیں۔ ہاں اس کے معزز بندے ہیں اور باوجود انتہائی معزز و مقرب ہونے کے ان کے ادب واطاعت کا حال یہ ہے کہ جب تک اللہ کی مرضی اور اجازت نہ پائیں اس کے سامنے خود آگے بڑھ کر لب نہیں ہلا سکتے اور نہ کوئی کام اس کے حکم کے بدون کر سکتے ہیں۔ گویا کمال عبودیت و بندگی ہی ان کا طغرائے امتیاز ہے۔

ف۱ حق تعالیٰ کا علم ان کے تمام ظاہری و باطنی احوال کو محیط ہے۔ ان کی کوئی حرکت اور کوئی قول و فعل اس سے پوشیدہ نہیں، چنانچہ وہ مقرب بندے اسی حقیقت کو سمجھ کر ہمہ وقت اپنے احوال کا مراقبہ کرتے رہتے ہیں کہ کوئی حالت اس کی مرضی کے خلاف نہ ہو۔

ف۲ یعنی اس کی مرضی معلوم کیے بدون کسی کی سفارش بھی نہیں کرتے چونکہ مومنین موحدین سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے اس لیے ان کے حق میں دنیا و آخرت میں استغفار کرنا ان کا وظیفہ ہے۔

ف۳ پھر ان کو خدا کیسے کہا جا سکتا ہے۔ جب خدا نہیں تو خدا کے بیٹے یا بیٹیاں بھی نہیں بن سکتے۔ کیونکہ صحیح اولاد جنس والدین سے ہونی چاہیے۔

ف۴ یعنی جن کو تم خدا کی اولاد یا خدا بنا رہے ہو اگر بفرض محال ان میں سے کوئی اپنی نسبت (معاذ اللہ) ایسی بات کہہ گزرے تو وہی دوزخ کی سزا جو حد سے گزرنے والے ظالموں کو ملتی ہے ہم ان کو بھی دیں گے۔ ہمارے لامحدود اقتدار و جبروت سے وہ بھی باہر نہیں جا سکتے، پھر بھلا خدا کیسے ہو سکتے ہیں۔

سُدًى﴾۔ تم کو چاہئے کہ آسمان اور زمین کی پیدائش کو کھیل اور تماشہ نہ سمجھو بلکہ اس کے عجائب وغرائب میں نظر اور فکر سے کام لو اور گزشتہ بستیوں کو جو ہلاک اور برباد کیا گیا اس کی وجہ بھی یہی تھی کہ انہوں نے دنیا کو کھیل اور تماشہ سمجھا اور جس غرض کے لیے دنیا پیدا کی گئی اس سے غفلت اور اعراض برتا۔ اور آسمان وزمین کے عجائب میں غور وفکر سے اس کے صانع اور خالق کا پتہ نہ لگایا اور انبیاء ورسل نے جب ان کو خبردار کیا تو ان کی تکذیب کی۔ حق تعالیٰ نے اس تکذیب کی پاداش میں ان پر عذاب نازل کیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور ان کے درمیان کی چیزوں کو کھیل اور تماشہ کے لیے اور دل بہلانے کے لیے نہیں پیدا کیا۔ گزشتہ بستی والوں کی طرح کوئی نادان یہ گمان نہ کرے کہ یہ سارا عالم کھیل اور تماشا ہے اور انسان دنیا میں کھیل تماشہ کے لیے اور مزے اڑانے کے لیے پیدا ہوا ہے۔ جیسا کہ بہت آزاد منشوں کا خیال ہے کہ انسان طبعاً آزاد پیدا ہوا ہے جو اس کا جی چاہئے کرے۔ انسان مرنے کے بعد نیست ونابود ہو جاتا ہے۔ مرنے کے بعد نہ ثواب نہ عقاب ہے سو یہ گمان بالکل غلط ہے بلکہ انسان خدا کا بندہ ہے اور اس کا پیدا کیا ہوا ہے۔ بندہ کا خدا سے آزاد ہو جانا ناممکن اور محال ہے خدا نے بندہ کو اس لیے پیدا کیا کہ وہ آسمان اور زمین کی عجائب صنعت میں غور وفکر سے اس کے خالق کی معرفت حاصل کرے اور عالم کی اس ظاہری آرائش اور رونق سے دھوکہ نہ کھائے اور خوب سمجھ لے کہ اس عالم کی پیدائش عبث اور بے فائدہ نہیں بلکہ اظہار قدرت کے لئے اور کمال حکمت ومصلحت پر مبنی ہے۔

نبگر بچشم فکر کہ از عرش تافرش | درہیچ ذرہ نیست کہ سرے عجیب نیست

اور معرفت صانع کے بعد اپنے خالق اور پروردگار کی عبادت اور اطاعت کریں اور یقین کریں کہ یہ دنیا آخرت کے لیے پیدا کی گئی ہے وہاں پہنچ کر بندہ کو ہر نیک وبد کی جزا وسزا ملتی ہے اور ذرہ ذرہ کا حساب دینا ہے جیسا کہ دوسری آیت میں ارشاد ہے ﴿وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ۚ ذَٰلِكَ ظَنُّ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ یعنی کافروں کا گمان یہ ہے کہ اس عالم کی پیدائش عبث اور بے فائدہ ہے اور مرنے کے بعد حساب کتاب کچھ نہیں۔ گزشتہ امتیں اسی خیال باطل میں مبتلا تھیں کہ یہ دنیا محض کھیل اور تماشہ ہے اور جزاء وسزا کوئی چیز نہیں۔ اس لیے سب کے سب تہہ وبالا کر دیئے گئے تاکہ مجرموں اور منکروں کو اس طرح سزا دی جائے اور اگر ہم کھیل اور تماشہ بنانے کا ارادہ کرتے جس کے دیکھنے سے آدمی کا دل خوش ہوتا ہے جیسے بیوی اور اولاد تو یہ چیزیں ہم اپنے پاس سے بنا لیتے جو ہماری شان کے لائق ہوتیں کیونکہ ہمارے پاس کی چیزیں جسمانی آلائشوں سے بالکل پاک اور منزہ ہیں جیسے ملائکہ جن کو ہم نے خالص نور سے پیدا کیا ہے اگر ہم ایسا کرنے والے ہوتے تو ے پاس کیا کمی تھی مگر ہم تو اس سے منزہ ہیں۔ ہم کو بیوی بچوں کی کوئی احتیاج نہیں اور نہ یہ چیزیں ہماری شان کے لائق ہیں ۔ لیے ہم نے اس کو نہیں چاہا۔ اس آیت میں نصاریٰ اور یہود اور مشرکین کے رد کی طرف اشارہ ہے کہ جو خداوند پاک کی طرف پسر اور دختر اور جورو کی نسبت کرتے ہیں اور فرزندیت اور زوجیت کے دونوں قول باہم متلازم ہیں۔ کما قال تعالیٰ ﴿لَوْ أَرَادَ اللَّهُ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا لَاصْطَفَىٰ مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۚ سُبْحَانَهُ ۖ هُوَ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾ یعنی اگر اللہ تعالیٰ فرزند بنانا چاہتا تو اپنی مخلوقات میں جس کو چاہتا چھانٹ لیتا مگر بارگاہ الٰہی اس سے مقدس ہے ﴿سُبْحَانَهُ أَنْ يَكُونَ لَهُ وَلَدٌ﴾۔ اور اگر بفرض محال ہم بنا ہی لیتے تو وہ ہماری بنائی ہوئی چیز ہوتی اور مخلوق اور حادث ہوتی۔ خدا اور معبود تو نہ ہوتی۔ کما قال تعالیٰ ﴿لَوْ أَرَادَ اللَّهُ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا لَاصْطَفَىٰ مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۚ سُبْحَانَهُ ۖ هُوَ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾۔ غرض یہ آسمان وزمین کے بنانے سے ہمارا

مقصود کھیل اور تماشہ نہیں۔ ہماری ذات لہو ولعب سے پاک اور منزہ ہے بلکہ اصل بات یہ ہے کہ ہمارا ارادہ یہ ہے کہ ہم اوپر سے حق کو باطل پر پھینک مارتے ہیں پھر وہ حق اس باطل کا دماغ اور بھیجہ پلپلا کر دیتا ہے۔ پس وہ باطل ناگہاں بے جان ہو جاتا ہے اور اس کا سارا دم ختم ہو جاتا ہے مطلب یہ ہے کہ یہ دنیا کھیل اور تماشہ نہیں بلکہ میدان کارزار ہے۔ حق باطل پر حملہ آور ہوتا ہے اور اس کا سر کچل ڈالتا ہے جس سے وہ باطل جانبر نہیں ہوتا اور حق میں دین کی تمام باتیں اور باطل میں کفر وشرک اور معصیت کی تمام باتیں داخل ہیں۔ جن وانس کی پیدائش سے مقصود خالق کی بندگی ہے اور اے باطل پرستو تمہارے لیے کم بختی اور بربادی ہے ان باتوں کی وجہ سے جو تم خدا کے اوصاف بیان کرتے ہو۔ یعنی تم لوگ جو خدا تعالیٰ کے لیے بیٹا اور بیٹیاں تجویز کرتے ہو یہ سب تمہارا افتراء ہے اور تمہاری ہلاکت اور بربادی کا سامان ہے۔ اب آگے یہ بتلاتے ہیں کہ آسمان وزمین کی تمام چیزیں اللہ ہی کی ملک ہیں۔ اور سب اس کی عبودیت اور بندگی میں لگی ہوئی ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اللہ ہی کی ملکیت ہے جو کوئی آدمی یا جن یا فرشتہ وغیرہ وغیرہ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اس کی مخلوق اور مملوک ہے اور خاص کر جو فرشتے اس کے پاس ہیں اور پروردگار الٰہی کے مقرب ہیں اور جن کو تم پوجتے ہو ان کی شان تو یہ ہے کہ وہ ذرہ برابر اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے اور نہ کبھی اس کی عبادت سے تھکتے ہیں۔ دن رات اس کی تسبیح اور تقدیس میں لگے رہتے ہیں کبھی سست نہیں پڑتے۔ یعنی ان کی تسبیح و تقدیس مسلسل اور متواتر ہے۔ بیچ میں وقفہ نہیں کیونکہ تسبیح ان کے بمنزلہ سانس کے ہے معلوم ہوا کہ فرشتوں کو معبود بنانا حماقت ہے اس آیت میں آسمان کی چیزوں کے معبود بنانے کو باطل فرمایا۔ اب آئندہ آیت میں زمین کی چیزوں کو معبود بنانے کا ابطال فرماتے ہیں کیا ان بت پرستوں نے زمین کی چیزوں میں سے یعنی اینٹ اور پتھر میں سے معبود بنالیے ہیں کیا یہ بت مردوں کو زندہ کر سکتے ہیں یعنی معبود تو وہ ہے کہ جو جلانے اور پیدا کرنے پر قادر ہو اور ایسا تو صرف اللہ ہی ہے لہٰذا بتوں کو معبود ٹھہرانا کمال حماقت ہے کہ ان نادانوں نے سفلیات کو اور ایسی چیزوں کو جو پیدا کرنے پر ذرہ برابر قادر نہیں ان کو خدا کا ہمسر ٹھہرالیا اور جب تمہارے یہ خود ساختہ بت تمہارے اعتقاد میں مردوں کو زندہ کرنے پر قادر نہیں، ان کو خدا ٹھہرانا پرلے درجے کی بے وقوفی ہے غرض یہ کہ اس آیت میں مشرکین کی جہالت اور حماقت بیان فرمائی۔ اب آئندہ آیت میں متعدد معبود ہونے کے بطلان پر ایک دلیل عقلی اور برہان قطعی قائم کرتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ تعدد الٰہ قطعاً باطل ہے اور دلیل یہ ہے کہ اگر آسمان وزمین میں چند خدا ان کے مدبر اور ❶ ان میں متصرف ہوتے اور سب کے سب فی الحقیقت صفات الوہیت کے ساتھ بوجہ الکمال والتمام موصوف ہوتے اور کمال قدرت واختیار کے ساتھ ان کے مدبر اور ان میں متصرف ہوتے تو بلاشبہ دونوں خراب اور برباد ہو جاتے۔ یعنی ❷ عالم کا جو نظام دکھائی دیتا ہے وہ سب درہم برہم ہو جاتا اور طلوع وغروب اور دن اور رات اور گرمی اور سردی اور بادلوں کا برسنا اور زمین سے پیداوار کا ہونا وغیرہ وغیرہ یہ سارا نظام۔ لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ آسمان اور زمین اپنی اپنی جگہ قائم ہیں اور چاند اور سورج اپنے اپنے وقت پر نکلتے اور ڈوبتے ہیں اور دن رات آرہے ہیں اور جارہے ہیں اور آسمان سے پانی کا برسنا اور زمین سے روئیدگی حسب دستور جاری ہے غرض یہ سارا خانۂ عالم ایک ہی طریقہ اور ایک ہی وتیرہ پر چل رہا ہے۔ معلوم ہوا کہ تمام عالم کا مدبر اور متصرف

❶ اشارہ اس طرف ہے کہ فیھما کی ظرفیت باعتبار تدبر اور تصرف کے ہے نہ کہ باعتبار استقرار اور تمکن کے۔ (دیکھو روح المعانی: ۱۷/ ۲۲)

❷ کذا فی شرح المسایرۃ لابن الھمام وحواشیھا، ص: ۴۵ وفی کتاب الانصاف للباقلانی، ص: ۳۴

صرف ایک ہی خدا ہے جس کے حکم سے یہ سارا کارخانہ چل رہا ہے کسی دوسرے کے ارادہ اور تصرف کو ذرہ برابر اس میں دخل نہیں پس اگر اللہ کے سوا آسمان و زمین کی تخلیق اور تدبیر میں اور چند خدا شریک ہوتے تو باہمی اختلاف اور کشمکش کی وجہ سے آسمان و زمین کا نظام درہم برہم ہو جاتا کیونکہ جس وقت حاکم متعدد ہوں تو لامحالہ رایوں میں تمانع اور تنازع یعنی باہم اختلاف پیش آئیگا جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ نظام مملکت تباہ اور خراب ہوگا۔

اسی طرح اگر عالم کے خالق اور مدبر دو خدا ہوتے تو آسمان و زمین کا تمام نظام درہم برہم ہو جاتا و لیکن آسمان و زمین کا قیام اور انکا نظام باحسن وجوہ سب کے سامنے ہے تو نتیجہ یہ نکلا کہ دو الٰہ (دو خدا) کا وجود باطل ہے پس اگر ذرا بھی سمجھ ہے تو دنیا کے نظم و نسق کو دیکھ کر اس کی وحدانیت کے قائل ہو جائیں۔

عارف جامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

گر خدا بودے از یکے افزوں   کے بماندے جہاں بدیں قانوں

در فیض وجود بستہ شدے   تار و پود بقا گسستہ شدے

ہمہ عالم عدم شدے باہم   بلکہ بیرون نیا مدے زعدم

داند آں کش ز عقل باشد بہر   کہ دو شہ راچو جا شود یک شہر

سلک جمعیت از نظام افتد   رخنہ درکار خاص و عام افتد

اور عقلاً یہ بات محال ہے کہ دو خدا ایک ہی تدبیر پر بالکلیہ اور بہمہ وجوہ متفق ہو جائیں اور ایک دوسرے خدا کی کسی وقت کسی امر میں ذرہ برابر بھی مخالفت نہ کرے اس لیے کہ جب وہ خدا ہونگے اور دونوں مستقل خدا ہوں گے تو لامحالہ ہر ایک کی صفات اور ہر ایک کا علم اور قدرت اور ارادہ اور اختیار بھی دوسرے خدا کی صفات اور اس کے علم اور قدرت اور ارادہ اور اختیار سے مختلف اور جدا ہوگا اس لئے کہ صفات، ذوات کے تابع ہوتی ہیں جب ذوات متعدد اور مختلف ہیں تو لامحالہ صفات بھی مختلف ہوں گی۔ عقلاً یہ بات محال ہے کہ ذوات تو مختلف ہوں اور صفات خداوندی چونکہ لازم ذات ہیں اور ازلی اور ابدی اور قدیم ہیں جن میں کسی قسم کے تغیر اور تبدل کا امکان نہیں تو لامحالہ جب دو خدا ہونگے اور ان کے علم اور ارادے بھی ضرور مختلف ہونگے اور انکا اختلاف بھی ذاتی ہوگا جس میں تغیر و تبدل کا کوئی امکان نہ ہوگا تو لامحالہ ان کے افعال بھی مختلف ہونگے اور نظام عالم بھی مختلف ہوگا ہر جزئی دوسری جزئی سے مختلف ہوگی۔ پس جب ہر خدا کی تدبیر اور اس کا تصرف دوسرے خدا کی تدبیر اور تصرف سے مختلف ہوگا تو کارخانہ عالم ضرور درہم برہم ہوگا۔ پس ثابت ہوا کہ اللہ کے سوا جنس خدا کا موجود ہونا محال ہے یعنی کسی اور خدا کا ہونا محال ہے۔ کہ جس کے ماننے سے یہ محال اور خرابی لازم آتی ہے عقلاً یہ بات محال ہے کہ یہ کہا جائے کہ دو درزیوں میں سے ہر ایک درزی نے بعینہٖ اس ایک کرتہ کو سیا ہے یا بعینہٖ ایک ہی طعام کو دو شخصوں میں سے ہر ایک نے بعینہٖ یہ طعام کھایا ہے۔ دو مؤثر تام القدرۃ اور مستقل الاختیار کے دو مستقل قدرتوں سے ایک ہی کا اثر نمودار ہونا عقلاً محال ہے یہ آیت حق جل شانہ کی توحید کی ایک دلیل عقلی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر آسمان اور زمین میں اللہ کے سوا کوئی خدا ہوتے تو جس طرح مختلف بادشاہوں کے ایوان میں تمانع اور تنازع یعنی باہم اختلاف اور تزاحم ہوتا ہے اور ہر ایک اپنی رائے کا نفاذ چاہتا ہے تو اسی طرح

اگر آسمان وزمین کے چند خدا ہوتے تو ان چند خداؤں کی خدائی میں بھی ضرور اختلاف اور تزاحم ہوتا۔ اور ہر ایک اپنا ہتھیار اور حکم چلانا چاہتا اس لیے کہ خدائی کے لیے انتہائی کبریائی اور قہر اور غلبہ اور فوقیت لازم ہے جس میں برابری اور ہمسری کی ذرہ برابر گنجائش نہیں۔ دو خداؤں میں صلح واتفاق کا کوئی امکان نہیں۔ دنیا ہی دیکھ لو کہ برابر کے دو مستقل اور با اختیار حاکموں میں تنازع اور تمانع یعنی باہم اختلاف اور تزاحم کا واقع ہونا ایک لازمی امر ہے اور تخالف اور تزاحم کے لیے فساد اور خرابی لازم ہے خاص کر جبکہ ہر ایک صاحب قدرت ہو پس اگر خدا تعالیٰ کے سوا چند خدا ہوں جو اس عالم کے کاموں کی تدبیر کریں تو ہر خدا اپنی اپنی رائے اور اختیار کو پورا پورا جاری اور نافذ کرنا چاہے گا اس لیے کہ قدرت کاملہ اور اختیار کاملہ کا ہونا ضروری ہے کہ اپنی قدرت اور اختیار سے جو چاہے نافذ کر سکے۔ اور سب پر قاہر اور غالب رہے اور کسی کو مجال دم زدنی نہ ہو۔

پس چند خداؤں کی موجودگی میں باہم اختلاف اور جنگ کا ہونا لازم ہے اور دو خداؤں کی جنگ کا نتیجہ ظاہر ہے کہ جب دو خداؤں میں جنگ ہونے لگے اور خدائی میں رسہ کشی ہونے لگے تو لامحالہ آسمان وزمین تباہ وبرباد ہو جائیں گی اور اگر ایجاد عالم سے پہلے ہی دونوں خداؤں کے ارادوں میں اختلاف ہو جاتا کہ ایک خدا عالم پیدا کرنا چاہتا اور دوسرا یہ چاہتا کہ پیدا نہ ہو تو پھر سرے سے عالم کے وجود میں آنے سے پہلے ہی دو خداؤں کے ارادوں میں ٹکر اور رسہ کشی ہوگی تو ایسی صورت میں کوئی چیز وجود ہی میں نہیں آسکتی اور اگر موجودہ چیز پر دو خدا زور آزمائی کرنے لگیں تو اس کشمکش میں وہ چیز ٹوٹ پھوٹ کر برابر ہو جائے گی۔

خلاصہ کلام یہ کہ آسمان اور زمین تباہ اور برباد ہو جاتے یا سرے سے وجود ہی میں نہ آتے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ آسمان وزمین دونوں موجود ہیں اور اپنے نظام پر قائم ہیں اور آسمان اور زمین کے نظام میں کوئی فساد اور خلل نظر نہیں آتا آفتاب اور ماہتاب کا طلوع اور غروب اور دلیل ونہار کی آمد ورفت اور آسمان سے بارشوں کا برسنا اور زمین سے پھلوں اور غلوں کا پیدا ہونا ابتداء آفرینش عالم سے بدستور ایک ہی طریقے پر جاری ہے سر مو اس میں کوئی فرق نہیں معلوم ہوا کہ یہ کارخانہ عالم ایک ہی خدا کی تدبیر اور تصرف سے چل رہا ہے کوئی دوسرا خدا نہیں جو تدبیر عالم میں اس کا شریک اور سہیم ہو اور وہ صرف ایک ہے حق جل شانہ نے اس آیت میں اثبات توحید اور تعدد الٰہ کے ابطال پر جو دلیل ذکر فرمائی ہے وہ دلیل عقلی بھی ہے منطقی پیرایہ میں اس کی تعبیر یہ ہے کہ اثبات مدعیٰ کے لیے ایک صغریٰ چاہئے اور ایک کبریٰ چاہئے کہ دونوں مقدموں کے ملانے سے نتیجہ نکل سکے۔ سو اس دلیل کا صغریٰ یہ ہے کہ تعدد الٰہ مستلزم فساد عالم ہے اور کبریٰ یہ ہے کہ فساد عالم منتفی ہے پس نتیجہ یہ نکلا کہ تعدد الٰہ باطل اور منتفی ہے اور جب خدا کا متعدد ہونا باطل ٹھہرا تو خدا کی وحدانیت ثابت ہوگئی۔

اصطلاح علماء میں یہ دلیل۔ "برہان تمانع" کے نام سے مشہور ہے اور تمانع کے معنی تزاحم اور تنازع اور تخالف کے ہیں۔ لہٰذا اس دلیل کو دلیل تزاحم اور دلیل تنازع اور دلیل تخالف بھی کہہ سکتے ہیں کیونکہ یہ الفاظ تقریباً مترادف ہیں۔ علامہ تفتازانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں جس حجت اور برہان کا ذکر ہے وہ اقناعی ہے اور شرط اور جزاء کے درمیان لزوم عادی ہے عقلی اور قطعی نہیں جیسا کہ بولتے ہیں کہ دو بادشاہ ایک اقلیم میں نہیں سماتے اور دو تلواریں ایک نیام میں نہیں سما سکتیں اور امام غزالی رحمہ اللہ اور امام رازی رحمہ اللہ اور دیگر حضرات متکلمین کی رائے یہ ہے کہ یہ برھان قطعی ہے حضرات اہل علم اس برہان

کے قطعی یا اقناعی ہونے کی تفصیل کے لئے۔

اتحاف شرح احیاء العلوم: ۲/ ۱۲۷۔ ۱۳۵ کی مراجعت کریں۔

حق جل شانہ نے اس دلیل کو اس آیت میں مختصراً اور مجملاً ذکر فرمایا ہے امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر حضرات متکلمین نے جو اس دلیل کی تقریر فرمائی ہے ہم اس کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ ہدیہ ناظرین کرتے ہیں تا کہ معلوم ہو کہ آیت کریمہ کے چند الفاظ کے تحت علم اور استدلال کا دریا کیسا موجزن ہے۔

دلیل تمانع کی پہلی تقریر

خداوند عالم ایک ہے کوئی اس کا شریک اور سہیم نہیں اس لیے کہ دو خداؤں کے وجود کا قائل ہونا محال کو مستلزم ہے اور جو چیز محال کو مستلزم ہو وہ خود محال ہے لہٰذا دو خداؤں کا وجود قطعاً محال اور ناممکن ہے دلیل کا اصل یہ ہے کہ اگر دو خدا فرض کیے جائیں اور دونوں صفات الوہیت کے ساتھ علی وجہ الکمال موصوف ہوں تو ضروری ہے۔

۱- کہ ہر ایک خدا قادر مطلق ہو اور اس کی قدرت تمام کائنات کو محیط ہو اور جملہ مقدورات پر قادر ہو کوئی ذرہ اس کی قدرت سے باہر نہ ہو اور اس کے سوا جو کچھ ہے سب اس کے قبضہ قدرت میں مسخر اور مقہور نہ ہو بلکہ اس کی قدرت غیر محدود اور غیر متناہی ہو۔

۲- اور خدا کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ ہر قسم کے عیب و نقص سے پاک ہو۔

۳- اور سب سے اعلیٰ اور بالا اور برتر ہو یکتا اور بے مثال اور بے نظیر ہو۔

۴- اور غنی مطلق ہو یعنی جمیع ماسوا سے مستغنی اور بے نیاز ہو۔

۵- اور عجز اور لاچارگی اور مجبوری کے شائبہ سے بھی پاک اور منزہ ہو بغیر ان صفات کمالیہ کے خدائی ناممکن اور محال ہے ورنہ پھر بندوں نے کیا قصور کیا کہ وہ خدا نہ بن سکیں۔

پس اول تو یہ صفات الوہیت ہی وحدانیت کی دلیل ہیں اس لیے کہ سب سے اعلیٰ اور بالا اور سب سے برتر ہونا اور اور اس کی قدرت کا غیر متناہی ہونا اور کسی کا اس سے بڑھ کر نہ ہونا ایک ہی ذات میں منحصر ہے اگر کوئی دوسرا اس کے برابر کا ہوا تو یہ خدا سب سے اعلیٰ اور بالا نہ رہے گا اور جو دوسرا اس کے برابر کا ہوگا تو وہ اس کے قبضہ قدرت میں مسخر نہ ہوگا تو وہ پہلا خدا قاہر مطلق اور قادر مطلق نہ رہے گا اور اگر بایں ہمہ پھر بھی کوئی تعدد الٰہہ یعنی چند خداؤں کے وجود کا قائل ہوتا ہے تو ہم یہ کہیں گے کہ اگر آسمان و زمین میں دو یا دو سے زیادہ خدا ہیں تو لامحالہ دونوں اسی شان کے ہوں گے جو خدا کے لیے ضروری ہے ورنہ خدا نہ ہونگے۔ تو اب دیکھنا یہ ہے کہ اس عالم علوی اور عالم سفلی کی تخلیق اور اس کی تدبیر اور اس کا انتظام دونوں خداؤں کے کلی اتفاق سے چل رہا ہے یا کبھی کبھی اختلاف بھی پیش آجاتا ہے جو صورت بھی لی جائے محال لازم آئیگا۔ اتفاق کی دو صورتیں ہیں۔ ایک صورت تو یہ ہے کہ یہ عالم دونوں خداؤں کی مجموعی قوتوں اور اجتماعی قوتوں اور اجتماعی قدرتوں سے پیدا ہوا ہے یا دوسری صورت اتفاق کی یہ ہے کہ دونوں خداؤں میں سے ہر خدا مستقلاً اس عالم کا خالق اور موجد ہے پس اگر اتفاق کی پہلی

صورت لی جائے اور یہ کہا جائے کہ یہ دونوں خداؤں کے اتفاق سے دونوں کی مجموعی قوتوں سے کارخانہ عالم کا کام چل رہا ہے تو اس صورت میں یہ محال لازم آئیگا کہ دونوں میں سے کوئی بھی مستقل خدا نہ رہے گا بلکہ دونوں یا تینوں کا مجموعہ مل کر خدا ہوگا۔ علیحدہ علیحدہ کوئی بھی خدا نہ ہوگا بلکہ ایک کمیٹی مل کر خدا بنے گی اس لیے کہ اس صورت کا حاصل تو یہ ہوگا کہ ایک خدا سے کام نہیں چل سکتا تھا، اس لیے دونوں خداؤں نے مل کر عالم کا انتظام کیا پس جب کسی خدا کا بھی تنہا عالم کے انتظام پر قدرت نہ ہوئی بلکہ انتظام کے لیے دوسری قوت اور قدرت کی محتاج ہوا تو معلوم ہوا کہ اس کی قدرت ناقص ہے اور جس کی قدرت ناقص ہو اور انتظام میں دوسری قوت کا محتاج ہو تو وہ خدا نہیں ہوسکتا مثلاً اگر دو قوتیں مل کر کسی پتھر کے لڑھکانے کا سبب بنیں تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ان میں سے ہر شخص کی انفرادی قوت اس پتھر کے لڑھکانے کے لیے کافی نہیں بلکہ دونوں کے مجتمع ہونے کی ضرورت ہے تو ایسی صورت میں ہر ایک کی قوت ناتمام اور ناکافی ہوگی اور دوسری قوت کی محتاج ہوگی کہ اس کے ساتھ مل کر پتھر کو لڑھکا سکے۔ تو اگر دو خداؤں میں بھی یہی صورت فرض کی جائے تو لازم آئیگا کہ دونوں خداؤں میں سے کوئی بھی خدا نہ رہے اس لیے کہ ہر ایک قرار پائے گا تو اس صورت میں خدا کا مرکب ہونا لازم آئے گا اور خدا کا مرکب ہونا محال ہے کیونکہ جو چیز مرکب ہوتی ہے وہ حادث اور ممکن ہوتی ہے اور خدا کا واجب الوجود ہونا عقلاً ضروری ہے۔

اتفاق کی دوسری صورت: ......اور دو خداؤں میں اتفاق کی دوسری صورت یہ ہے کہ ہر خدا مستقل خدا ہے اور اپنی ایجاد اور تاثیر میں مستقل ہے اور دونوں یا تینوں خدا کسی ایک ارادہ پر سب متفق ہیں اور دونوں یا تینوں خداؤں کے ارادہ سے یہ عالم وجود میں آیا ہے اور ہر خدا کی قدرت اور تاثیر کو مستقلاً اس کے وجود میں دخل ہے تو یہ صورت بھی محال ہے اس لیے کہ اس صورت میں یہ خرابی لازم آئے گی کہ ایک مقدور پر دو مستقل قدرتیں طاری اور وارد ہوجائیں اور ایک شئے واحد دو علتین مستقلتین کی معلول بن جائے اور عقلاً یہ امر محال ہے کہ ایک شیء کی دو علتیں تامہ ہوں ایک علت تامہ کے بعد دوسری علت تامہ فالتو ہے اور ایک قدرت کاملہ کے بعد دوسری قدرت کاملہ بیکار ہے ایک مقدور کا دو مستقل قادروں سے وقوع اور حصول عقلاً محال ہے اسی طرح سمجھو ایک عالم کی دو علت تامہ اور دو خالق مستقل بالتاثیر نہیں ہوسکتے۔ جب ایک شئی ایک خالق مستقل کی ایجاد اور تاثیر سے وجود میں آگئی تو یہ امر محال ہے کہ اب وہی شئی بعینہٖ دوسرے خالق کی ایجاد اور تاثیر سے وجود میں آئے جو شئی ایک خدا کے ارادہ سے وجود میں آگئی اور آچکی تو دوسرا خدا اس کو کیسے موجود کرے گا موجود، کو موجود کرنا تحصیل حاصل ہے۔ ایجاد تو معدوم چیز کی ہوتی ہے۔ موجود کی ایجاد تحصیل حاصل ہے جو بلاشبہ محال ہے اور اگر بفرض محال یہ مان لیا جائے کہ یہ عالم دو یا تین خداؤں کی ایجاد اور تاثیر سے وجود میں آیا ہے اور ہر خدا اپنی ایجاد اور تاثیر میں مستقل ہے تو لازم آئے گا کہ عالم دو وجود کے ساتھ موصوف ہو کیونکہ ایجاد کے معنی وجود کے عطا کرنے کے ہیں۔ پس اگر یہ عالم دو خداؤں کی ایجاد سے وجود میں آیا ہے اور ہر خدا نے اپنے پاس سے اس کو وجود عطا کیا ہے تو لامحالہ اس عالم کے پاس دو وجود ہونے چاہئیں حالانکہ ہم دیکھتے ہیں یہ عالم صرف ایک ہی وجود کے ساتھ موصوف اور موجود ہے اور یہ امر یعنی عالم کا ایک وجود کے ساتھ موجود ہونا بدیہی اور مسلم ہے۔ دنیا میں کوئی عاقل عالم کے لیے دو وجود یا تین وجود کا قائل نہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ اس عالم کو ایک ہی خدا کی طرف سے وجود عطا ہوا ہے اور اس کا موجد یعنی معطی وجود ایک خدا ہے ورنہ اگر اس کو دو خدا کی طرف سے وجود ملتا تو اس کے پاس دو وجود

ہوتے مثلاً اگر کسی شخص کو دو آدمی علیحدہ علیحدہ ایک روپیہ دیں تو اس کے پاس دو روپے ہونے چاہئیں۔ عقلاً یہ بات سمجھ میں نہیں آسکتی کہ ایک فقیر کو دو آدمیوں نے علیحدہ علیحدہ روپیہ دیا لیکن وہ دو روپے جب اس کی جیب میں پہنچے تو ایک روپیہ بن گئے۔ اسی طرح اگر اس عالم کے دو خالق اور دو موجد ہوں اور ہر خالق اس کو وجود عطا کرتا تو اس کے پاس دو وجود ہوتے اور یہ عالم دو وجود کے ساتھ موصوف ہوتا لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ عالم کی ہر چیز ایک ہی وجود کے ساتھ موصوف ہے اور ایک ہی وجود کے ساتھ موجود ہے، دو وجود کے ساتھ موجود نہیں آخر وہ دوسرے خدا کا عطاء کردہ وجود کہاں چلا گیا، لہٰذا معلوم ہوا کہ اس عالم کو ایک ہی خدا کی طرف سے وجود ملا ہے دو خداؤں کی طرف سے نہیں ملا۔ پس ثابت ہو گیا کہ اس عالم کا خالق اور موجد ایک ہی خدا ہے جس نے اس عالم کو وجود کا یہ خلعت عطا کیا ہے۔

اختلاف کی صورت

اگر دو خداؤں میں تنازع اور تمانع یعنی اختلاف کی صورت فرض کریں کہ ان دو معبودوں میں کبھی کبھی اختلاف بھی ہو جاتا ہے تو لامحالہ اختلاف کی صورت میں دونوں میں مقابلہ ہوگا۔ ایک خدا کچھ چاہے گا اور دوسرا اس کے خلاف چاہے گا۔ ایک خدا کسی شئے کا ہونا چاہے گا اور دوسرا اس کا نہ ہونا چاہے گا تو یہ صورت خدائی میں رسہ کشی اور زور آزمائی کی ہوگی۔ دونوں طرف کے خداؤں میں مقابلہ ہے اور ہر ایک کی قدرت کامل ہے پس جب دو خداؤں میں اختلاف اور مقابلہ ہوگا تو عقلاً تین ہی صورتیں ممکن ہیں۔

پہلی صورت:...... پہلی صورت یہ ہے کہ مقابلہ میں دونوں برابر ہوں اور دونوں کا چاہا پورا ہو جائے یعنی دونوں خداؤں کی مراد پوری ہو تو اس صورت میں اجتماع نقیضین لازم آئیگا اور یہ محال ہے اس لیے کہ ایک ہی وقت زید کا پیدا ہونا یا نہ پیدا ہونا یا ایک ہی وقت میں زید کا حرکت کرنا یا نہ کرنا پورا ہو جائے یہ تو اجتماع نقیضین ہے جو بالاتفاق عقلاً محال ہے یہ کیسے ممکن ہے کہ وقت واحد میں زید زندہ بھی ہو جائے اور اسی وقت مر بھی جائے اور ایک ہی وقت میں زید متحرک بھی ہو اور ساکن بھی ہو۔

دوسری صورت:...... اور دوسری صورت یہ ہے کہ مقابلہ میں ایک خدا کا چاہا تو پورا ہوا۔ اور دوسرے خدا کا چاہا پورا نہ ہوا تو اس صورت میں ایک خدا تو اپنے ارادہ میں غالب آیا اور دوسرا مغلوب ہوا۔ سو جو مغلوب ہوا وہ خدا نہیں ہو سکتا اس لیے کہ جو مغلوب ہوا وہ عاجز ہوا۔ اور عاجز خدا اور واجب الوجود نہیں ہو سکتا۔ خدا وہ ہے کہ جو ظاہر اور غالب ہو لہٰذا اگر مقابلہ میں دو خداؤں میں سے ایک خدا کی مراد پوری ہوگی تو وہ تو قادر اور ظاہر ہوا اور جس خدا کی مراد پوری نہ ہوئی وہ عاجز اور مغلوب اور مقہور ٹھہرا بہر حال مقابلہ کی اس صورت میں خدا ایک رہا دوسرا خدا نہ رہا۔

تیسری صورت:...... اور دو خداؤں میں مقابلہ کی تیسری صورت یہ ہے کہ اختلاف اور تزاحم کی صورت میں کسی خدا کی بھی مراد پوری نہ ہو تو اس صورت میں اول تو ارتفاع نقیضین لازم آئیگا جو باتفاق عقلاء محال ہے، دوم یہ کہ دونوں خداؤں میں سے کوئی خدا نہ رہے گا۔ اس لیے کہ دونوں اپنے ارادوں میں عاجز ہیں پس ثابت ہوا کہ دو یا چند معبود ماننے کی صورت میں محال لازم آتا ہے تو ثابت ہو گیا کہ عالم علوی اور سفلی سب کا خدا ایک ہی ہے اب بحمدہ تعالیٰ ہماری اس تقریر سے یہ شبہ دور ہو گیا کہ

جولوگ یہ کہتے ہیں کہ ممکن ہے کہ آسمان وزمین میں کئی خدا ہوں اور سب باہم متفق ہوں اور کارخانۂ عالم سب کے اتفاق سے چل رہا ہو جیسا کہ جمہوری سلطنتوں میں ایسا ہوجاتا ہے تو ایسی صورت میں نظام عالم میں کوئی فساد لازم نہ آئیگا تو ہماری تقریر سے اس وسوسہ کا جواب ہو گیا الوہیت میں جمہوریت نہیں چلتی الوہیت میں یہ صورت ناممکن اور محال ہے کہ ایک ہی چیز پر دو مستقل اور کامل قدرتیں جمع ہوں اور یہ کہا جائے کہ یہ چیز دو قدرتوں کے مجموعہ سے وجود میں آتی ہے اس کا مطلب تو یہ ہوگا کہ ایک خدا کی انفرادی قدرت اس شئے کے وجود کے لیے کافی نہیں۔ جب تک دونوں قدرتیں جمع نہ ہوجائیں، اس وقت تک یہ شئے موجود نہیں ہوسکتی اور جب کسی شئے کے وجود کے لیے دو خدا کی قدرتوں کا جمع ہونا ضروری ہوا تو اس کا مطلب تو یہ نکلا کہ ہر خدا کی قدرت الگ الگ ناقص اور ناتمام ہے اور تنہا ایک خدا اس چیز کے پیدا کرنے پر قادر نہیں تو پھر دونوں میں سے کوئی بھی خدا نہ رہا بلکہ دونوں کا مجموعہ مل کر خدا ہوا اور اگر یہ کہو کہ ایک خدا کی قدرت اس چیز کے موجود کرنے کے لئے کافی ہے تو اس صورت میں دوسرے خدا کی قدرت بے کار ہوجائے گی اور دوسرا خدا خدا نہ رہے گا، اس لیے کہ وہ خدا ہی کیا ہوا کہ جس کی قدرت کے بغیر کوئی چیز پیدا ہوسکے، یہ بارگاہ الوہیت ہے کوئی کارخانہ صنعت وحرفت تو نہیں کہ جو دو آدمیوں کی شرکت سے چل سکے۔

بہر حال اگر دو قادر مطلق کسی ارادہ پر متفق بھی ہوجائیں تو اس اتفاق میں وہ مجبور نہیں اور نہ ان پر یہ امر واجب اور لازم ہے کہ وہ آپس میں ضرور متفق رہیں ورنہ ہر ایک کا عاجز اور مجبور ہونا لازم آئیگا اور کوئی بھی خدا نہ رہے گا۔ ایک خدا پر دوسرے خدا کی موافقت واجب نہیں وہ اگر چاہے تو دوسرے کے خلاف بھی کرسکتا ہے۔ ایک خدا دوسرے خدا کے ساتھ اتفاق کرنے پر مجبور نہیں، اگر وہ اس اتفاق پر مجبور ہوجائے تو اس کا فعل اضطراری ہوگا نہ کہ اختیاری حالانکہ قدرت میں اختیار شرط ہے خدا وہ ہے جو قادر مطلق ہو اور کسی امر پر مجبور نہ ہو اور ظاہر ہے کہ اختلاف کی صورت میں ایک ہی خدا رہ سکتا ہے دوسرا خدا نہیں رہ سکتا اور اگر بفرض محال تھوڑی دیر کے لیے مان لیا جائے کہ عقلاً یہ جائز ہے کہ دو خداؤں میں اختلاف نہ ہو تو لامحالہ اس کی دو ہی صورتیں ہوسکتی ہیں ایک تو یہ کہ ایک خدا دوسرے خدا سے کہے کہ تو وہی ارادہ کر جو میں کرتا ہوں خلاف ارادہ نہ کرنا تو اس صورت میں دوسرا خدا پہلے خدا کی طرف سے مامور ہوگیا اور مامور اور محکوم خدا نہیں ہوسکتا۔

اور دوسری صورت یہ ہے کہ ایک خدا دوسرے خدا کے خلاو ارادہ کرنے پر قادر ہی نہ ہو تو یہ عجز اور مجبوری ہے اور عاجز اور مجبوز خدا نہیں ہوسکتا۔ یا دونوں خداؤں میں سے کوئی خدا بھی دوسرے کے خلاف ارادہ کرنے پر قادر نہ ہو تو اس صورت میں دونوں کا عاجز ہونا لازم آئیگا اور دونوں میں سے کوئی بھی خدا نہ رہے گا (دیکھو کتاب الانصاف للامام الباقلانی، ص: ۳۴)

برہان تمانع کی دوسری تقریر

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ نے تمانع کی تقریر اور تعبیر اس طرح فرمائی ہے کہ اگر آسمان وزمین میں چند خدا ہوں تو دو حال سے خالی نہیں کہ وہ یا تو باہم متفق ہونگے یا باہم مختلف ہونگے۔

پہلی صورت: ...... یعنی اگر وہ چند خدا باہم متفق ہوں تو لازم آئے گا کہ ایک ہی چیز پر متعدد قدرتیں جمع ہو جائیں اور ایک شئے دو قدرتوں سے وجود میں آئے اور عقلاً یہ بات محال ہے کہ ایک شئے چند مستقل قدرتوں سے وجود میں آئے اور چند کامل اور مستقل مؤثروں کا ایک ہی اثر ہو اس لئے جب ایک مستقل قدرت اس شئے کے وجود کے لیے کافی ہے تو دوسری اور تیسری مستقل قدرت بیکار ہے پس مثلاً اگر دو خدا ہوں اور دونوں کی قدرت مستقل بالتاثیر ہو اور حدوث عالم کے لیے ہر خدا کی قدرت کافی ہو تو پھر یہ کہنا کہ وہ عالم دو خداؤں کی دو مستقل اور کامل قدرتوں سے موجود اور حادث ہوا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ایک معلول دو مستقل علتوں سے اور ایک مقدور دو مستقل قدرتوں سے وجود میں آیا ہے اور یہ امر بلاشبہ بالکل باطل اور مہمل ہے اس لیے کہ ایک معلول پر دو علتوں کا توارد باتفاق عقلاء محال ہے۔ ایک شئے کی دو علت تامہ نہیں ہو سکتی کیونکہ علت تامہ کے معنی یہ ہیں کہ اس کے پائے جانے کے بعد فوراً بلا کسی انتظار کے معلول وجود میں آجائے پس جب معلول ایک علت تامہ اور قدرت کاملہ سے وجود میں آگیا تو دوسری علت اور قدرت بیکار ہوئی اور جو چیز بیکار ہے وہ علت تامہ نہیں ہو سکتی۔

پس معلوم ہوا کہ حدوث عالم کے لیے ایک خداوند قدیر کا ارادہ کافی ہے اور دوسرے خدا کا ارادہ بیکار ہے اور جو بیکار ہے وہ خدا نہیں ہو سکتا۔ حضرات اہل علم اگر منطقی پیرایہ میں اس کی تعبیر کرنا چاہیں تو اس طرح کر لیں کہ خداوند قدوس (یعنی اس کا ارادہ) حدوث عالم کی علت تامہ ہے اور علت تامہ متعدد نہیں ہو سکتی پس ثابت ہوا کہ خدا متعدد نہیں ہو سکتے۔

بالفاظ دیگر دلیل کے لیے ایک صغریٰ چاہئے اور ایک کبریٰ اور پھر نتیجہ صغریٰ تو یہ ہے کہ خداوند قدوس (یعنی اس کا ارادہ) حدوث عالم کی علت تامہ ہے اور کبریٰ یہ ہے کہ علت تامہ ہمیشہ ایک ہی ہوتی ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ خدائے برحق ایک ہی ہو سکتا ہے۔

دوسری صورت: ...... یہ ہے کہ دو خدا باہم مختلف ہوں پس اگر چند خدا ہوں اور ان میں باہم اختلاف ہو تو نظام عالم درہم برہم ہوئے گا (جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے) اور اگر تخلیق و تکوین عالم سے پہلے ہی دو خداؤں کے ارادوں میں اختلاف ہو جائے تو سرے سے عالم کا وجود میں آنا ہی ناممکن ہو جائے اور یہ دونوں باتیں بالکل باطل ہیں نظام عالم باحسن وجوہ موجود ہے تو معلوم ہوا کہ تعدد الٰہ (یعنی چند خداؤں کا وجود) باطل اور محال ہے اور ظاہر ہے کہ جب چند خداؤں میں اختلاف ہوگا تو لامحالہ ایک کا اپنے ارادہ میں عاجز اور ناکام ہونا لازم آئے گا اور عجز اور ناکامی خدائی کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی۔

یہ تمام کلام قاضی بیضاوی رحمہ اللہ کی شرح اور تفصیل ہے حضرات اہل علم حاشیۂ شہاب خفاجی علی تفسیر البیضاوی: ۶/۲۴۸ اور حاشیہ ابن التجید اور حاشیہ تنوی علی التفسیر البیضاوی: ۵/۲۱۲ دیکھیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ چند معبودوں کا ہونا عقلاً محال ہے اس لیے کہ چند معبود اگرچہ واجب الوجود ہونے میں شریک ہونگے لیکن صفات اور افعال کے اعتبار سے لامحالہ ایک دوسرے سے مختلف اور جدا اور ممتاز ہونگے کیونکہ تعدد اور اثنینیت کے لیے باہم تمایز ضروری ہے ورنہ پھر دو، دو نہ رہیں گے بلکہ ایک ہو جائیں گے اور جب چند معبود صفات اور افعال میں ارادہ اور اختیار میں مختلف ہونگے اور اس باہمی تنازع اور تخالف کی وجہ سے یا تو عالم [1] سرے سے وجود ہی میں نہ آئیگا یا اس کا نظام

[1] اشارہ اس طرف ہے کہ لفسدتا میں فساد سے دو معنی مراد ہو سکتے ہیں یا تو فساد سے خراب ہونے اور بگڑنے کے معنی مراد لیے جائیں یا فساد سے عدم =

درہم برہم ہوجائیگا کیونکہ دو قادر مطلق کا ہر فعل اور ہر ارادہ میں اور ہر مصنوع اور مخلوق میں بالکل متفق ہونا اور کسی قسم کا دونوں میں اختلاف نہ ہونا عقلاً محال ہے۔ اور دو فرمانروا اور ارکان دولت بعض مرتبہ انتظامی امور میں اتفاق کرتے ہیں سو وہ انکا اتفاق، اختلاف سے بچنے کے لیے ہوتا ہے اور بدرجہ مجبوری ہوتا ہے کہ وقتی ضرورت ان کو اتفاق پر مجبور کر دیتی ہے جس سے ان کا عجز ثابت ہوتا ہے گویا بالفاظ دیگر اپنے عجز پر پردہ ڈالنے کے لیے بنا بر مصلحت آپس میں سمجھوتہ کر لیتے ہیں کہ دونوں کی عزت اور آبرو اس اتفاق میں ہے۔ سو یہ امر بارگاہ الوہیت میں ناممکن اور محال ہے، مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ) کے ممبروں میں ایسا اتفاق ممکن ہے۔ مگر دو خداؤں میں ایسا اتفاق بلاشبہ محال ہے کہ ضرورت اور مصلحت کی بناء پر موافقت دونوں کے عاجز اور مضطر ہونے کی دلیل ہے اور خدا اس سے پاک اور منزہ ہے۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ جل شانہ کا یہ ارشاد ﴿لَوۡ كَانَ فِيهِمَآ ءَالِهَةٌ إِلَّا ٱللَّهُ لَفَسَدَتَا﴾ ایسا ہی ہے جیسا کہ دوسری جگہ حق تعالیٰ کا یہ ارشاد وارد ہوا ہے ﴿وَمَا كَانَ مَعَهُۥ مِنۡ إِلَٰهٍۚ إِذٗا لَّذَهَبَ كُلُّ إِلَٰهِۭ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعۡضُهُمۡ عَلَىٰ بَعۡضٖ﴾ (سورۂ مؤمنون) ان دونوں آیتوں کا مضمون ایک ہے اور اسی طرح ایک تیسری آیت ﴿إِذٗا لَّٱبۡتَغَوۡاْ إِلَىٰ ذِي ٱلۡعَرۡشِ سَبِيلٗا﴾ کا مضمون بھی تقریباً یہی ہے اس لیے بمناسبت مقام مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ مومنون کی آیت میں جس دلیل کی طرف اشارہ کیا گیا ہے مختصراً اس کی بھی تقریر کر دی جائے۔

قال اللہ تعالیٰ ﴿وَمَا كَانَ مَعَهُۥ مِنۡ إِلَٰهٍۚ إِذٗا لَّذَهَبَ كُلُّ إِلَٰهِۭ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعۡضُهُمۡ عَلَىٰ بَعۡضٖ﴾

یہ سورۂ مومنون کی آیت ہے حق جل شانہ نے اس آیت میں توحید کی دو دلیلیں بیان فرمائیں (اول) تو یہ ﴿وَمَا كَانَ مَعَهُۥ مِنۡ إِلَٰهٍۚ إِذٗا لَّذَهَبَ كُلُّ إِلَٰهِۭ بِمَا خَلَقَ﴾۔ یعنی اگر خدا تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا خدا ہوتا تو لامحالہ ہر خدا کی مخلوق دوسرے خدا کی مخلوق سے جدا ہوتی کیونکہ جب صانع دو ہیں اور الگ الگ ہیں تو ان کی صنعت اور کاریگری بھی علیحدہ علیحدہ ہونی چاہئے تاکہ معلوم ہو کہ یہ کس خدا کی مخلوق ہے

دوسری دلیل یہ ہے ﴿وَلَعَلَا بَعۡضُهُمۡ عَلَىٰ بَعۡضٖ﴾۔ یعنی اگر کئی خدا ہوتے تو ایک دوسرے پر چڑھائی کر بیٹھتا، کیوں کہ خدائی تو کمال کبریائی اور کمال علو اور قہر اور غلبہ اور استقلال کو مقتضی ہے، دو خداؤں میں صلح کا کوئی امکان نہیں۔

حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ سارا عالم متحد ہے اور ایک دوسرے سے مربوط ہے اور ایک خالق کی مخلوق دوسرے خالق کی مخلوق سے جدا اور ممتاز نہیں کہ دیکھ کر کہا جاسکتا کہ یہ چیز فلانے خدا کی پیدا کی ہوئی ہے اور یہ چیز فلانے خدا کی۔ جیسے کسی چیز پر کارخانہ کی مہر دیکھ کر معلوم کر لیتے ہیں کہ یہ چیز فلانے کارخانہ کی بنی ہوئی ہے۔

پس جب خالق دو ہیں تو ان کی مخلوق بھی الگ الگ ہونی چاہئے جب فاعل دو ہیں تو ان کے مفعول بھی جدا جدا ہونے چاہئیں اور ہر مخلوق پر کوئی علامت اور نشان ہونا چاہئے جس سے معلوم ہوجائے کہ یہ فلاں کی مخلوق ہے۔ توحید کی ایک

= وجود کے معنی مراد لیے جائیں یعنی عالم سرے سے پیدا ہی نہ ہوتا جیسا کہ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، والمراد بالفساد البطلان والاضمحلال اوعدم التکون۔ (روح المعانی: ۱۷/۲۳۔۲۴)

دلیل تو یہ ہوئی اور دوسری دلیل یہ ہے ﴿وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ یعنی جب خدا دو ہوں گے اور دونوں قادر مطلق اور قاہر مطلق ہونگے تو لامحالہ ایک دوسرے پر چڑھائی کریں گے۔ پس جو مقابلہ میں غالب آجائے گا وہی خدا ہوگا اور اگر مقابلہ میں دونوں برابر رہے تو تب کوئی بھی خدا نہ رہے گا اس لیے کہ برابر سرابر رہنے کا مطلب یہ ہے کہ ایک خدا دوسرے خدا کا پورا مقابلہ نہیں کرسکا جو دلیل ہے کمزوری اور لاچاری کی اور کمزوری اور مجبوری اور لاچاری خدائی کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتی۔ (دیکھو منہاج السنۃ لابن تیمیہ: ۲/ ۶۸۔ ۷۳)

توحید اور اسلام

مذہب اسلام کی ایک خاص خصوصیت یہ ہے کہ اس کی بنیاد دلائل عقلیہ اور فطریہ پر قائم ہے۔ اسلام کے اصول مسلمہ میں ایک اصل توحید ہے جو اسلام کی اصل اول اور رکن رکین ہے اور دوسری اصل نبوت ورسالت ہے اور تیسری اصل قیامت وآخرت ہے اسلام کے دیگر اصول کی طرح۔ توحید بھی بیشمار دلائل عقلیہ سے ثابت ہے جن میں ذرہ برابر شک اور شبہ کی گنجائش نہیں۔

اسلام نے جس قسم کی توحید پیش کی ہے اہل اسلام جس قدر بھی اس پر فخر کریں اور شکر کریں سب بجا اور درست ہے اجمالی طور پر اگرچہ ہر مذہب میں توحید کا اقرار پایا جاتا ہے مگر وہ شرک کی نجاستوں سے آلودہ ہے۔

عیسائی تین خدا مانتے ہیں اس گروہ کے نزدیک خدائی مثلث ہے اور مجوس دو خدا کے قائل ہیں۔ آدھی مخلوق ایک خدا کی اور آدھی ایک خدا کی گویا کہ ہر خدا میں نصفا نصف خدائی کی کمی رہی۔ اور ہندو کم از کم تین خدا کے قائل ہیں۔ برھما، بشن، مہادیو، اوتاروں کی تو کوئی انتہا نہیں جو ان کے نزدیک اوصاف خداوندی کے ساتھ موصوف ہیں۔ توحید کامل اسلام نے پیش کی کہ جس طرح خدا کی ذات میں کوئی شریک نہیں اسی طرح اس کی صفات میں بھی کوئی اس کا شریک نہیں۔ قرآن اور حدیث دلائل توحید سے بھرا پڑا ہے منجملہ بیشمار دلائل توحید کے ایک دلیل تمانع بھی ہے جو آیت مذکورہ بالا یعنی ﴿لَوْ كَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا﴾ میں مذکور ہے اور جس کی تقریر ناظرین کے سامنے آچکی ہے امید ہے کہ ناظرین کو قرآن کی اس برہان کی معقولیت اور قطعیت کا اندازہ ہوگیا ہوگا۔ اب میں نصاریٰ سے سوال کرتا ہوں کہ آپ لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ خدا تین ہیں ایک باپ یعنی خدا تعالیٰ، دوسرا بیٹا یعنی مسیح علیہ السلام، تیسرا روح القدس اور یہ تینوں آپ کے نزدیک غیر مخلوق اور ازلی اور ابدی اور قادر مطلق ہیں۔ (دیکھو دعائے عمیم) اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپ کے نزدیک خدائے مجسم ہیں (پس مشرق و مغرب کے پادریوں سے میرا سوال یہ ہے) کہ کیا آپ اپنے اس عقیدہ تثلیث پر کوئی عقلی دلیل دنیا کے سامنے پیش کرسکتے ہیں۔ آپ حضرات یہ کہتے ہیں کہ خدا تین ہیں اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ تینوں ایک ہیں اور کبھی کہتے ہیں کہ تین ایک میں اور ایک تین میں۔

﴿هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾۔ اے پادریو! اگر تم دعوائے تثلیث میں سچے ہو تو اپنی دلیل لاؤ۔ ان شاء اللہ تعالیٰ قسم ہے خدائے وحدہ لاشریک کی کہ نہیں لاسکتے! نہیں لاسکتے! نہیں لاسکتے! اور علیٰ ہذا اگر ہندوستان کے سارے

ہنومان اور بھارت کے سارے پنڈت جمع ہو جائیں تو وہ اپنے عقیدہ پر کوئی عقلی دلیل نہیں لا سکتے۔ یہ مذہب اسلام کا طغرائے امتیاز ہے کہ وہ اپنے مسائل کو عقل اور فطری دلائل سے ثابت کرتا ہے۔

دلیل توحید

توحید کی یہ روشن دلیل جو اس آیت میں ذکر کی گئی اور جو برہان تمانع کے نام سے مشہور ہے وہ ناظرین کرام نے پڑھ لی اب ہم مزید اطمینان اور مزید عرفان کے لیے اور چند دلائل توحید ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔

دلیل (۱)......: امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ خداوند ذوالجلال واحد ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، یعنی کوئی اس کے ہم پلہ اور ہم رتبہ نہیں۔ چنانچہ آفتاب کو اس معنی کر واحد کہہ سکتے ہیں۔ کہ وہ روشنی میں یکتا ہے اور جو چیز کسی کمال میں یکتا ہو اس پر واحد کا لفظ بولا جا سکتا ہے

دلیل (۲):......اسی طرح جب خدا کو واحد کہا جائے تو اس کے یہ معنی ہونگے کہ وہ صفات کمال اور سمات جلال و جمال میں یکتا ہے کوئی دوسری چیز اس کے ساتھ شریک نہیں۔

پس اگر اس کا کوئی شریک ہو تو تین احتمال ہیں: (۱) یا تو وہ جملہ صفات کمال میں ہر اعتبار سے اور ہر طرح سے اس کا مساوی یعنی اس کے برابر اور ہمسر اور اس کا ہم پلہ ہوگا۔ (۲) یا اس سے اعلیٰ اور بالا اور برتر ہوگا۔ (۳) یا اس سے کم ہوگا اور تینوں باتیں باطل ہیں پہلی شق تو اس لیے باطل ہے کہ جن دو چیزوں پر لفظ دو کا بولا جائے ان کا باہم متغایر ہونا ضروری ہے ورنہ دو کہنا جائز نہ ہوگا کیونکہ تغایر کے لیے باہمی تمایز ضروری ہے۔

پس خدا کا شریک تمام صفات اور سمات میں من کل الوجوہ یعنی ہر اعتبار اور ہر لحاظ سے خدا کے مماثل اور مساوی اور برابر ہوا تو دونوں میں امتیاز کیسے ہوگا۔ اور بغیر امتیاز کے تغایر ممکن نہیں لہٰذا دوسرے کو خدا کہنا غلط ہوگا۔ اور جب اثنینیت (دوئی) ختم ہوئی تو وحدت اور وحدانیت لازم آگئی اور دوسری شق اس لیے باطل ہے کہ خدا کا شریک خدا سے اس لیے اعلیٰ نہیں ہو سکتا کہ خدا اسی کو کہا جاتا ہے کہ جو جملہ کمالات میں اپنے کل ماسوا سے فائق اور اعلیٰ اور بالا ہو۔ کسی صفت میں بھی کسی موجود سے بھی کم یا اس کے مساوی نہ ہو پس جس کا نام آپ خدا کا شریک رکھتے ہیں حقیقت میں خدا وہی ہے جس کو آپ خدا بتاتے ہیں وہ خدا نہیں اس لیے کہ اس پر خدا کی تعریف صادق نہیں آتی، دونوں میں جو اعلیٰ اور بالا اور برتر ہوگا وہی خدا ہوگا اور جو کمتر اور ناقص ہوگا وہ خدا نہیں ہوگا اور تیسری شق اس لیے باطل ہے کہ جو شریک اس سے کم ہوگا وہ اس کا شریک نہیں کہلا سکتا تو اس صورت میں خدا ایک ہی رہے گا۔ (دیکھو کتاب الاقتصاد للامام الغزالی رحمہ اللہ)

دلیل (۳):......امام شہرستانی رحمہ اللہ دلیل تمانع کی تقریر کے بعد فرماتے ہیں۔

نیز اگر دو خدا ہونگے تو لامحالہ دونوں برابر کے ہونگے اور ہر ایک دوسرے سے من کل الوجوہ یعنی ہر اعتبار سے مستغنی اور بے نیاز ہوگا تو دونوں میں سے کوئی بھی خدا نہ ہوگا اس لیے کہ خدا وہ ہے کہ جو سب سے بے نیاز ہو اور اس کے سوا کوئی بھی اس سے بے نیاز نہ ہو بلکہ سب اس کے محتاج ہوں گے۔ کما قال تعالیٰ ﴿وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ﴾۔

نیز اگر دو خدا فرض کئے جائیں تو وہ دونوں یا تو صفات ذاتیہ میں متفق اور متحد ہوں گے یا مختلف ہوں گے اگر متفق ہوئے تو دونوں میں امتیاز اور باہمی فرق کیسے ہوگا اور اگر مختلف ہوئے تو جو خدا صفات کمال کے ساتھ متصف ہوگا تو وہ خدا نہ ہوگا اس لیے کہ جب ایک خدا تو کمال قدرت کے ساتھ موصوف ہوا تو دوسرا خدا جو اس کے مخالف ہے وہ لامحالہ کمال علم اور کمال قدرت سے عاری ہوگا تو وہ خدا کیسے ہوگا۔

دلیل (۴):...... نیز ایک خدا کا وجود تو دلائل عقلیہ قطعیہ سے ثابت ہے اور دوسرے خدا کا وجود محض فرض ذہنی اور احتمال عقلی کے درجہ میں ہے جس پر کوئی دلیل نہیں اور جو چیز فرض ذہنی کے درجہ میں ہو وہ خدا نہیں ہوسکتی۔ (دیکھو نہایۃ الاقدام، ص:۹۰۔۱۰۰)

دلیل (۵):...... نیز تمام ممکنات وجود سے قبل حالت عدم میں تھیں پس اگر دو خدا اور دو خالق مانے جائیں تو یہ بتلایا جائے کہ کون سے خدا نے اس ممکن کے وجود کو اس کے عدم پر ترجیح دی ایک صانع اور خالق اور ایک واجب الوجود کا وجود ماننا تو لازمی ہے کہ جس نے ممکن کو وجود عطا کیا اب دوسرے خدا واجب الوجود کے اثبات کے لیے کوئی دلیل چاہیے اس لیے کہ ترجیح بلا مرجح عقلاً محال ہے۔

دلیل (۶):...... نیز اثبات صانع کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے افعال وآثار قدرت سے استدلال کیا جائے پس اگر وہ خدائے برحق مانے جائیں تو ہر خدا کے لیے علیحدہ علیحدہ دلیل چاہیے کہ یہ کہا جاسکے کہ یہ نشانات قدرت وصنعت فلاں صانع کے وجود کی دلیل ہیں اور یہ نشانات قدرت فلاں صانع کے وجود کی دلیل ہیں۔ (نہایۃ الاقدام ص ۹۳)

دلیل (۷):...... نیز عقلاً یہ امر ممکن نہیں کہ یہ کہا جائے کہ دو خداؤں میں سے بعض چیزوں کو ایک خدا نے پیدا کیا اور بعض چیزوں کو دوسرے خدا نے پیدا کیا کیونکہ اس صورت میں دونوں کا ناقص ہونا لازم آئے گا کہ خدائی دونوں کے درمیان میں نصفا نصف ہے آدھے کا یہ مالک ہے اور آدھے کا دوسرا مالک ہے پوری ملکیت اور پوری مالکیت کسی کو بھی حاصل نہیں اور اگر بالفرض ساری خدائی ایک ہی خدا کو دی جائے تو اس کی ملکیت اور مالکیت میں زیادتی اور اضافہ ہوجائیگا اور ظاہر ہے کہ کمی اور زیادتی مخلوق کی ملکیت میں ہوتی ہے۔ خدا کی مالکیت تو ازل سے ابد تک کامل ہی رہتی ہے۔ اس میں کمی زیادتی نہیں ہوتی۔

دلیل (۸):...... نیز اگر ایجاد عالم کے لیے ایک خدا کافی نہیں تو پھر دو اور تین بھی کافی نہیں ہوں گے حسب ضرورت خداؤں میں اضافہ ہوتا رہے گا۔

یہاں تک توحید کی آٹھ دلیلیں ہوئیں اور ان کے علاوہ ایک دلیل۔ دلیل تمانع تھی جس کا ذکر آیت مذکورہ میں تھا اور ایک دلیل سورۂ مومنون کی آیت تھی جس کی مختصر تقریر اور تفسیر ہم نے بیان کی یعنی آیت ﴿وَمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾۔ اس طرح یہاں تک توحید کی دس دلیلوں کا بیان ہوگیا فتلك عشرة كاملة۔

امام رازی قدس اللہ سرہ نے اس آیت یعنی ﴿لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا﴾ کی تفسیر میں توحید کی چودہ دلیلیں عقلی ذکر کی ہیں اور نقلی دلائل اس کے علاوہ ہیں حضرات اہل علم اصل تفسیر کی مراجعت کریں۔ (تفسیر

کبیر: ۱۰۵/۶، ۱۰۸)

اور اس ناچیز نے اپنی تالیف مسمی بہ علم الکلام میں توحید باری تعالیٰ کی دس عقلی دلیلیں ذکر کی ہیں وہاں دیکھ لی جائیں۔

ایں سخن رانیست ہرگز اختتام
ختم کن واللہ اعلم بالسلام

فائدہ علمیہ ونحویہ

متعلقہ بہ آیت ﴿لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا﴾۔

بحمدہ تعالیٰ برہان توحید کی تقریر ایسی صاف اور واضح کر دی گئی کہ جو اہل اسلام کی تسلی اور تشفی کے لیے کافی ہے اب ہم خالص اہل علم کے لیے ایک علمی اور نحوی فائدہ ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔

آیت ہذا یعنی ﴿لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ﴾ میں جو لفظ الا واقع ہے یہ عام طور پر استثناء کے لیے آتا ہے اور گاہ بگاہ بمعنی غیر بھی آتا ہے جو درحقیقت معنی وصفی کے لیے وضع ہوا ہے۔ سیبویہ اور کسائی اور اخفش اور زجاج اور جمہور ائمہ نحویہ کہتے ہیں کہ کلمہ الا اس آیت میں استثناء کے لیے نہیں بلکہ بمعنی غیر ہے جو اللہ کی صفت ہے اور اسی وجہ سے لفظ باعتبار اعراب کے مرفوع ہے نہ کہ منصوب کیونکہ یہ صفت ہے مرفوع کی لہٰذا یہ بھی مرفوع ہوگا اگر بجائے لفظ الا کے لفظ غیر ہوتا تو وہ بلاشبہ مرفوع ہوتا تو لفظ غیر کا اعراب الا کے بعد والے کلمہ پر جاری ہوا جیسا کہ کسی شاعر کا قول ہے۔

وکل اخ مفارقہ اخوہ لعمر ابیك الا الفرقدان

یعنی قسم ہے تیرے باپ کی عمر کی۔ ہر بھائی سوائے فرقدین کے اپنے بھائی سے جدا ہونے والا ہے "فرقدان" دو ستاروں کا نام ہے جو قطب کے قریب ہیں۔ سو اس شعر میں الا بمعنی غیر ہے جو کل اخ کی صفت ہے جو اسی وجہ سے مرفوع ہے یعنی فرقدان آیا ہے اور اگر استثناء کے لیے ہوتا تو الا الفرقدین منصوب ہوتا۔

اسی طرح آیت میں لفظ الا اگر استثناء کے لیے ہوتا تو لفظ اللہ منصوب ہوتا مگر آیت میں بجائے نصب کے رفع آیا ہے اور آیت میں لفظ الا کو استثناء کے لیے لینا اور لفظ اللہ کو منصوب پڑھنا دو وجہ سے ناجائز ہے ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس آیت میں معنوی فساد لازم آتا ہے مثلاً اگر یہ کہا جائے کہ لو جاء نی القوم الا زیدا لقتلتھم۔ تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر قوم میرے پاس ایسی حالت میں آتی کہ زید ان سے مستثنیٰ ہوتا تو میں ساری قوم کو قتل کر دیتا جس کا بطور مفہوم یہ مطلب ہے کہ اگر زید قوم کے ہمراہ ہوتا تو پھر میں قوم کو قتل نہ کرتا اسی طرح اگر آیت ہذا میں لفظ الا استثناء کیلئے ہوتا اور لفظ اللہ منصوب ہوتا تو آیت کے یہ معنی ہوتے کہ اگر آسمان وزمین میں ایسے چند خدا جن سے اللہ مستثنیٰ ہوتا تو دونوں خراب ہو جاتے تو اس سے بطریق مفہوم یہ مطلب نکلتا ہے کہ اگر آسمان وزمین میں ایسے چند خدا ہوتے کہ اللہ بھی ان کے ساتھ ہوتا تو آسمان وزمین خراب نہ ہوتے، کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ استثناء اس حکم کی قید ہوتا ہے جو مستثنیٰ سے متعلق ہوتا ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ تعدد الٰہ کی صورت میں فساد عالم کا حکم اس قید کے ساتھ مقید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان الٰہ سے مستثنیٰ اور خارج ہو ورنہ نہیں۔ حالانکہ یہ معنی باطل

اور غلط ہیں اس لیے کہ تعدد الٰہ کی صورت میں آسمان وزمین کا فساد ہر حال میں لازم ہے خواہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہو یا نہ ہو تعدد الٰہ کی صورت میں فساد عالم لازم ہے خواہ اللہ تعالیٰ ان میں داخل ہو یا ان سے خارج یا مستثنیٰ ہو اور اگر لفظ الا بمعنی غیر لیا جائے تو پھر یہ خرابی لازم نہ آئے گی اور یہ ہوگا کہ اگر اللہ کے سوا آسمان اور زمین میں چند خدا ہوتے تو آسمان وزمین دونوں تباہ و برباد ہو جاتے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ "الھة" نکرہ ہے اور جمع جب نکرہ ہو تو محققین کے نزدیک اس سے استثناء جائز نہیں اس لیے کہ جمع منکر میں ایسا عموم نہیں کہ اگر استثناء نہ ہو تو مستثنیٰ اس میں داخل ہو جائے، یہ فائدہ علمیہ ہم نے خاص مدرسین تفسیر کے لیے لکھ دیا ہے عام ناظرین کو اس کی ضرورت نہیں۔ حضرات اہل علم حاشیہ شیخ زادہ [1] علی تفسیر البیضاوی: ۳/۳۴۵ دیکھیں۔

اور یہی مضمون البحر المحیط [2] لابی حیان ص ۳۰۵ میں ہے جس میں استثناء کے علاوہ بدلیت پر بھی کلام کیا ہے حضرات مدرسین اس کی مراجعت کریں۔

حق جل شانہ نے گزشتہ آیت میں توحید کی ایک عقلی اور قطعی دلیل بیان فرمائی۔ اب آئندہ آیت میں اپنی تسبیح وتنزیہہ کو بیان فرماتے ہیں کہ وہ خدائے وحدہ لاشریک لہ تو شرک کے شائبہ اور واہمہ سے بھی پاک اور منزہ ہے۔ پس اللہ جو عرش کا مالک ہے وہ ان باتوں سے پاک اور منزہ ہے جو مشرک اس کی شان میں کہتے ہیں یعنی نہ اس کا کوئی شریک ہے اور نہ وہ اولاد رکھتا ہے اس کی عظمت وجلال اور کبریائی کی تو یہ شان ہے کہ اس کے کسی کام کے متعلق بطور باز پرس یا بطور احتجاج سوال بھی نہیں کیا جا سکتا کہ یہ کام کیوں نہیں کیا وہ مالک مطلق اور حاکم مطلق ہے وہ جو کرے حق ہے اس سے پوچھا نہیں جا سکتا۔

[1] قال اھل النحو فی قوله تعالیٰ ﴿اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا﴾ الا ھھنا بمعنی غیر صفة للنکرة قبلھا الا انه لما تعذر الاعراب جعل ما استحقته من الرفع علی ما بعدھا والمعنی لو کان یتولاھما ویدبر امرھما الھة شتی غیر الواحد الذی فطرھما لفسدتا ولا یجوز ان تکون الاستثناء وانا لو حملناھا علی الاستشناء لکان المعنی لو کان فیھما الھة مستثنی منھم اللہ لفسدتا وھذا یوجب بطریق المفھوم انه لو کان فیھما الھة معھم اللہ لا یحصل الفساد وذلك باطل لانه لو کان فیھما اٰلِھة سوآء کان اللہ معھم اولم یکن معھم فالفساد لازم ولما بطل محلھا علی الاستثناء. ثبت ما ذکرنا وھو ان المعنی لو کان فی السماء والارض الھة غیر اللہ لخربتا وھلك من فیھا بوجود التمانع من الالھة فان کان کل امر صدر عن اثنین فصاعدا لا یبقی علی نظام واحد وانما تعذر الاستثناء لان الاستثناء قید للحکم المتعلق بالمستثنی منه فیکون الشرط کون الھة فیھما تعین ان لا تکون معه تعالیٰ فیکون الفساد لازما لکون الالھة فیھما دونه تعالیٰ الوجه الثانی لتعذر الاستثناء عدم شمول ما قبلھا لما بعدھا فان ما قبلھا جمع منکر والجمع اذا کان نکرة لا یستثنی منه عند جماعة من المحققین اذ لا عموم له بحیث یدخل فیه المستثنی لولا الاستثناء انتھی کلامه ملخصا حاشیة شیخزادہ علی تفسیر البیضاوی: ۳/۳۴۵۔

[2] ولا یجوز النصب علی الاستثناء لوجھین احدھما انه فاسد فی المعنی وذلك انك اذا قلت لو جآءنی القوم الا زیدا لقتلتھم کان معناه ان القتل امتنع لکون زید مع القوم فلو نصب فی الآیة لکان المعنی فساد السمٰوات والارض امتنع لوجود اللہ مع الالھة وفی ذلك اثبات الالٰه مع اللہ واذا رفعت علی الوصف لا یلزم مثل ذلك لان المعنی لو کان فیھما غیر اللہ لفسدتا والوجه الثانی ان الھة ھنا نکرة والجمع اذا کان نکرة لم یستثن منه عند جماعة من المحققین لانه لا عموم له بحیث یدخل المستثنی لولا الاستثناء ولا یجوز ان یکون بدلا لان المعنی یصیر الی قولك لو کان فیھما اللہ لفسدتا الا تری انك لو قلت ما جاءنی قومك الا زیدا علی البدل لکان المعنی جاءنی زید وحده وقیل یمتنع البدل لان ما قبله ایجابا کذا فی البحر المحیط: ۶/۳۰۵۔

غلام کی مجال نہیں کہ وہ اپنے مالک سے باز پرس کر سکے اور بندے سب پوچھے جاتے ہیں۔ سب اس کے مخلوق اور مملوک بندے ہیں، قیامت کے دن بندوں سے سوال ہوگا کہ یہ کیوں کیا اور وہ کیوں کیا اور ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق جزاء سزا ملے گی، کیونکہ سب اس کے مملوک اور بندے ہیں سب پر مالک اور آقا کے حکم کی بجا آوری فرض اور لازم ہے اور جس سے سوال اور باز پرس ہو سکے وہ خدا نہیں ہو سکتا۔

قال اللہ تعالیٰ ﴿فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾۔

پس جب کوئی اس کی عظمت میں شریک نہیں تو پھر الوہیت اور معبودیت میں کون اس کا شریک ہو سکتا ہے کیا خدا کی اس بے مثال عظمت وجلال معلوم کر لینے کے بعد بھی ان لوگوں نے اللہ کے سوا ایسے معبود ٹھہرائے ہیں جو اس کی مخلوق ہیں اور اس سے کمتر ہیں۔ یہ ان کی صریح غلطی ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اگر بالفرض ہوتا تو یہ عالم کبھی کا تباہ اور برباد ہو جاتا اور اس کا نظام درہم برہم ہو جاتا۔

آپ ﷺ ان منکرین توحید سے کہہ دیجئے کہ اچھا تم اپنی دلیل لاؤ کہ خدا کے سوا اور بھی خدا ہو سکتے ہیں۔ ہم نے توحید کو دلیل عقلی سے تو پہلی آیت ﴿لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا﴾۔ میں ثابت کر دیا۔ رہی دلیل نقلی تو وہ یہ ہے کہ یہی بات یعنی توحید میرے ساتھ والوں کی ہے اور یہی بات ہے مجھ سے پچھلے والوں کی کہ اس رب العرش کے سوا کوئی رب نہیں یعنی قرآن اور توریت اور انجیل اور دیگر صحف انبیا سب اس پر شاہد ہیں کہ اللہ وحدہ لاشریک لہ ہے کسی کتاب میں اللہ کا شریک ہونا نہیں ملتا۔ ہر کتاب میں توحید کا حکم اور شرک کی ممانعت موجود ہے پھر تم نے حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا یا خدا کا بیٹا کیسے بنا لیا پھر ان میں اکثر آدمی حق اور باطل میں تمیز نہیں کرتے پس اس لیے وہ حق سے روگرداں اور منہ موڑے ہوئے ہیں اور اے نبی ﷺ ان کو یہ معلوم نہیں کہ ہم نے آپ ﷺ سے پہلے دنیا میں کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس کی طرف یہی وحی بھیجتے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں سو تم میری ہی عبادت اور بندگی کرو۔ مطلب یہ کہ توحید تمام شریعتوں کا متفق علیہ مسئلہ ہے اور ان نادانوں میں سے بعض نے یہ بھی کہا کہ رحمن نے اپنے لیے اولاد بنائی ہے کوئی کہتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت عزیز علیہ السلام خدا تعالیٰ کے فرزند ہیں اور کوئی کہتا ہے کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں سب غلط ہے اللہ اس بات سے پاک اور منزہ ہے بلکہ جن کے حق میں ان کا یہ گمان ہے وہ سب اللہ کے معزز اور محترم بندے ہیں جن کو اللہ نے عزت وکرامت بخشی مسلسل لیل ونہار ان کی عبادت اور ہر لحمہ ولحظہ ان کی تسبیح وتقدیس اس کی دلیل ہے کہ وہ اللہ کے بندے ہیں معاذ اللہ اس کی اولاد نہیں۔ اور ایک دلیل ان کی عبدیت کی یہ ہے کہ وہ آداب عبودیت میں اس درجہ غرق ہیں کہ کسی بات میں اللہ پر سبقت نہیں کرتے یعنی بغیر اس کی اجازت کے کوئی حرف زبان سے نہیں نکالتے اس کے حکم کے منتظر رہتے ہیں اور وہ اللہ ہی کے حکم سے کام کرتے ہیں پس جب ان کی عبدیت اور اطاعت کا یہ حال ہے تو ان کو شریک ٹھہرانا بالکل بے سود ہے مطلب یہ ہے کہ کفار اپنے دل سے یہ امید نکال دیں کہ فرشتے ان کی شفاعت کریں گے۔ فرشتے بغیر اذن الٰہی کے ہرگز شفاعت نہیں کر سکتے۔ فرشتے کسی قول وفعل میں حکم الٰہی سے سبقت نہیں کرتے ملائکہ میں یہ طاقت نہیں کہ از خود اپنی طرف سے کوئی بات کر سکیں یا اپنے ارادہ سے کوئی فعل کر سکیں کیونکہ وہ جانتے [1] ہیں کہ علم

[1] کما فی روح المعانی حیث قال فلا یزالون یراقبون احوالهم حیث انهم یعلمون ذلك (روح المعانی: ۲۱/۱۷)

الٰہی ان کو محیط ہے۔ خدا خوب جانتا ہے جو ان کے آگے ہے اور ان کے پیچھے ہے یعنی خدا تعالیٰ کو ان کے گزشتہ اور آئندہ کے سب اعمال اور احوال معلوم ہیں۔ کما فی قولہ تعالیٰ ﴿وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا﴾۔

اور اسی وجہ سے ان کے ادب کی یہ کیفیت ہے کہ وہ کسی کیلئے سفارش نہیں کرتے مگر اس شخص کے لیے کہ جس کے لیے خدا پسند کرے یعنی جو مومن ہو اور لا الہ الا اللہ کا قائل ہو اور خدا کی وحدانیت کا مقر ہو۔ فرشتے دنیا میں بھی اہل ایمان ہی کی شفاعت کرتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ گناہ گار مسلمانوں کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں اور وہ فرشتے ہر وقت خدا کے خوف سے اور اس کے قہر اور جلال سے کانپتے اور تھرّاتے رہتے ہیں۔ خدا کی عظمت ہر وقت ان کی نظروں کے سامنے ہے اور اگر بالفرض کوئی ان میں یہ کہے کہ اللہ کے سوا میں معبود ہوں۔ مجھ کو پوجو تو ایسے کو ہم جہنم کی سزا دیں گے اور ہم ظالموں کو ایسی سزا دیا کرتے ہیں یعنی جو خدائی کا دعویٰ کرے اس کی سزا جہنم ہے اور فرشتے اور انبیاء ان باتوں سے پاک اور منزہ ہیں جو مشرکین ان کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ یہ سب اللہ کے مطیع اور فرمانبردار بندے ہیں اور ہر لحظہ اس سے لرزاں اور ترساں رہتے ہیں اس کے سامنے بول بھی نہیں سکتے۔ پھر کس بناء پر تم نے ان کو خدا کی اولاد ٹھہرایا۔ فرشتے اور انبیاء علیہم السلام سب خدا کے بندے ہیں۔ معاذ اللہ اس کی اولاد نہیں۔

اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ۭ وَجَعَلْنَا مِنَ

اور کیا نہیں دیکھا ان منکروں نے کہ آسمان اور زمین منہ بند تھے پھر ہم نے ان کو کھول دیا ف۱ اور بنائی ہم نے

اور کیا نہیں دیکھا ان منکروں نے کہ آسمان اور زمین منہ بند تھے پھر ہم نے ان کو کھولا۔ اور بنائی ہم نے

الْمَاۗءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۭ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَجَعَلْنَا فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِهِمْ ۠

پانی سے ہر ایک چیز جس میں جان ہے ف۲ پھر کیا یقین نہیں کرتے ف۳ اور رکھ دیے ہم نے زمین میں بھاری بوجھ کبھی ان کو لے کر جھک پڑے ف۴

پانی سے، جس چیز میں جی ہے۔ پھر کیا یقین نہیں کرتے؟ اور رکھے ہم نے زمین میں بوجھ، کبھی ان کو لے کر جھک پڑے،

ف۱ "رتق" کے اصل معنے ملنے اور ایک دوسرے میں گھسنے کے ہیں۔ ابتداءً زمین و آسمان دونوں ظلمت عدم میں ایک دوسرے سے غیر متمیز پڑے تھے پھر وجود کے ابتدائی مراحل میں دونوں خلط ملط رہے، بعدہ، قدرت کے ہاتھ نے دونوں کو ایک دوسرے سے جدا کیا۔ اس تمیز کے بعد ہر ایک کے طبقات الگ الگ بنے، اس پر بھی منہ بند تھے، نہ آسمان سے بارش ہوتی تھی نہ زمین سے روئیدگی، آخر خدا تعالیٰ نے بنی نوع انسان کے فائدہ کے لیے دونوں کے منہ کھول دیے، اوپر سے پانی کا دہانہ کھلا، نیچے سے زمین کے مسام کھل گئے۔ اسی زمین میں سے حق تعالیٰ نے نہریں اور کانیں اور طرح طرح کے سبزے لگالے، آسمان کو کتنے بیشمار ستاروں سے مزین کر دیا جن میں سے ہر ایک کا گھر جدا اور چال جدی رکھی۔

ف۲ یعنی عموماً جاندار چیزیں جو تم کو نظر آتی ہیں بالواسطہ پانی سے بنائی گئیں۔ پانی ہی ان کا مادہ ہے الا کوئی ایسی مخلوق جس کی نسبت ثابت ہو جائے کہ اس کی پیدائش میں پانی کو دخل نہیں وہ مستثنیٰ ہوگی۔ تاہم للاکثر حکم الکل کے اعتبار سے یہ کلیہ صادق رہے گا۔

ف۳ یعنی قدرت کے ایسے کھلے نشان اور محکم انتظامات کو دیکھ کر بھی کیا لوگوں کو خدا کے وجود اور اس کی وحدانیت پر یقین نہیں آتا۔

ف۴ اس کی تقریر سورۂ نحل میں گزر چکی۔

وَجَعَلْنَا فِيْهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ۝۳۱ وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ۚ

اور رکھیں اس میں کشادہ راہیں تاکہ وہ راہ پائیں ف۱ اور بنایا ہم نے آسمان کو چھت محفوظ ف۲ اور وہ آسمان کی نشانیوں کو دھیان میں نہیں لاتے ف۳

اور رکھیں اس میں کشادہ راہیں، شاید وہ راہ پاویں۔ اور بنایا ہم نے آسمان کو چھت بچاؤ کی،

وَّهُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ ۝۳۲ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ كُلٌّ

اور وہ ہی ہے جس نے بنائے رات اور دن اور سورج اور چاند ف۴ سب اپنے اپنے

اور وہ اس کے نمونے دھیان میں نہیں لاتے۔ اور وہی ہے جس نے بنائے رات اور دن اور سورج اور چاند، سب

فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ۝۳۳

گھر میں پھرتے ہیں ف۵

ایک ایک گھر میں پھرتے ہیں۔

بیان دلائل قدرت برائے اثبات وحدانیت

قَالَ اللهُ تَعَالٰی: ﴿اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا ...الی... كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ﴾

ربط: ...... گزشتہ آیت میں تخلیق عالم اور دلیل توحید کا ذکر تھا اور اس سے پہلے اس بات کا ذکر تھا کہ ہم نے اس عالم کو عبث اور باطل اور بیکار اور بے فائدہ نہیں بنایا بلکہ انواع واقسام کے صنائع اور بدائع سے مملو پیدا کیا تاکہ نظر کرنے والوں کے لیے تبصرہ اور عبرت پکڑنے والوں کے لیے تذکرہ ہو جائیں اور جس سے بندوں کے امور معاش اور معاد منتظم ہوں اور ان کو دیکھ کر ان کے خالق اور مدبر کو پہچانیں اور اس کے واحد قہار ہونے پر استدلال کریں۔ اب آئندہ آیات میں کچھ اور دلائل قدرت و حکمت بیان کرتے ہیں جو وجود صانع پر بھی دلالت کرتے ہیں اور اس کی وحدانیت پر بھی دلالت کرتے ہیں کہ تمام کائنات اس کے دست قدرت میں مقہور اور مجبور اور مسخر ہیں، عرش سے فرش تک سارا کارخانہ اسی کا پیدا کیا ہوا ہے اور اس کے ارادے اور مشیت سے چل رہا ہے مشرکین کو چاہئے کہ خدا کی ان نشانیوں میں غور وفکر کریں اور دیکھیں کہ ان کی تخلیق وتدبیر میں کوئی شریک اور ساجھی نہیں۔ پھر عقلاً یہ کیسے روا ہے کہ اس کے ساتھ دوسرے کو پوجا جاوے اور اس کے ساتھ دوسرے کو عبادت میں شریک کیا جائے اس ذیل میں حق تعالیٰ نے چھ قسم کے دلائل ذکر فرمائے۔

ف۱ یعنی ایک ملک کے لوگ دوسرے ملک والوں سے مل سکیں۔ اگر پہاڑ ایسے ڈھب پر پڑتے کہ راہیں بند ہو جائیں تو یہ بات کہاں ہوتی (کذا فی الموضح) ان ہی کشادہ راہوں کو دیکھ کر انسان حق تعالیٰ کی قدرت وحکمت اور توحید کی طرف راہ پا سکتا ہے۔

ف۲ یعنی نہ گرے نہ ٹوٹے پھوٹے نہ بدلی جائے اور شیاطین کے استراق سمع سے بھی محفوظ ہے۔ اور چھت اس لیے کہا کہ دیکھنے میں چھت کی طرح معلوم ہوتی ہے۔

ف۳ کہ کیسی مضبوط ومحکم اور وسیع وبلند چھت اتنی مدت سے بدون ستون اور کھمبے کے کھڑی ہے۔ ذرا سا رنگ وروغن اور پلاسٹر بھی نہیں جھڑتا۔

ف۴ یہاں ہی آسمانی نشانیوں کی قدرے تفصیل ہوئی۔

ف۵ یعنی سورج چاند ملکہ ہر ایک اپنے مدار پر دائرہ چکر کھاتا ہے۔ ﴿يَسْبَحُوْنَ﴾ کے لفظ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سیارات اللہ کے حکم سے بذات خود چلتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

قسم اول

کیا ان کافروں نے جو اللہ کی وحدانیت کے منکر ہیں اور غیروں کو اس کی عبادت میں شریک کرتے ہیں۔ چشم بصیرت ونظر عبرت سے یہ نہیں دیکھا اور یہ نہیں سمجھا کہ تحقیق آسمان وزمین ابتداء میں دونوں باہم متصل اور متلاصق تھے یعنی ایک دوسرے سے چپٹے ہوئے اور چپکے ہوئے ایک ہی بند چیز تھے پھر ہم نے ان کو کھولا اور ایک کو دوسرے سے جدا کیا جس سے آسمان الگ ہوگیا اور زمین الگ ہوئی۔ آسمان کو بلند کیا اور زمین کو پست کیا اور ہوا کے ذریعے دونوں میں فصل کر دیا۔ پھر آسمان کو سات اور زمین کو سات کر دیا۔ دونوں کے منہ بند تھے اللہ نے اپنی قدرت سے دونوں کے منہ کھول دیئے آسمان سے پانی برسایا اور زمین سے نباتات اگائے اور نہریں اور چشمے جاری کیے ابتداء میں آسمان اور زمین کے منہ بند تھے نہ آسمان سے بارش ہوتی تھی اور نہ زمین سے روئیدگی، اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے بندوں کے فائدے کے لیے دونوں کے منہ کھول دیئے۔ آسمان سے پانی برسنے لگا اور زمین سے قسم قسم کی غذائیں اور پھل اگنے لگے اور نہریں اور چشمے جاری ہوگئے کیا کافروں نے خدا تعالیٰ کے اس کرشمہ قدرت میں غور نہیں کیا کہ کرشمہ قدرت میں کوئی اس کا شریک اور سہیم نہیں پھر اس کی عبادت اور بندگی میں دوسروں کو کیوں شریک کرتے ہیں۔ آیت کی یہ تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سعید بن جبیر اور حسن بصری اور قتادہ رحمہم اللہ سے منقول ہے اور اسی کو امام رازی رحمہ اللہ نے اختیار کیا ہے۔ (دیکھو تفسیر کبیر: ۶/ ۱۱۴)

ابو مسلم اصفہانی رحمہ اللہ سے یہ منقول ہے کہ "رتق" سے حالت عدم مراد ہے اور "فتق" سے حالت ایجاد مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ کیا مشرکین کو یہ معلوم نہیں کہ آسمان وزمین ایک وقت میں معدوم تھے جن میں باہم کوئی امتیاز نہ تھا پھر ہم نے ان کو پیدا کر کے ان میں امتیاز قائم کیا جب سب حالت عدم میں تھے اس وقت ان میں باہم کوئی امتیاز نہ تھا اور جب اللہ تعالیٰ نے ان کو وجود عطاء کر دیا تب ایک چیز دوسری چیز سے متمیز ہوئی۔ (دیکھو تفسیر کبیر: ۶/ ۱۱۴ و روح المعانی: ۱۷/ ۳۲)

اب اس قول کی بنا پر آیت کا یہ مطلب ہوگا کہ کیا ان کافروں کو معلوم نہیں کہ آسمان وزمین پہلے معدوم تھے ہم نے اپنی قدرت سے ان کو وجود عطاء کیا تو جب مشرکین خدا کو خالق اور موجد مانتے ہیں تو پھر اس کے ساتھ دوسروں کو عبادت میں کیوں شریک کرتے ہیں۔

مگر محققین اور جمہور علماء تفسیر کے نزدیک صحیح قول وہی ہے جو ہم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سعید ابن جبیر اور حسن بصری اور قتادہ رحمہم اللہ سے نقل کیا۔

سوال:...... رہا یہ سوال کہ مشرکین نے آسمان وزمین کی رتق اور فتق کو کب دیکھا جس پر ان کو ملامت کی گئی اور کہا گیا ﴿اَوَلَمْ یَرَ الَّذِیْنَ﴾ الخ کیا ان لوگوں نے دیکھا نہیں اور خود حق تعالیٰ کا ارشاد ہے، ﴿مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾۔

جواب:...... یہ ہے کہ آیت میں چشم سر سے دیکھنا مراد نہیں بلکہ چشم بصیرت اور نظر عبرت سے دیکھنا مراد ہے کہ اگر یہ لوگ غور وفکر کریں تو معلوم ہو جائیگا کہ آسمان وزمین کے منہ پہلے بند تھے بعد میں کھولے گئے کیونکہ بہ دلالت عقل یہ بات واضح ہے کہ یہ تمام اجسام علویہ اور سفلیہ سب حادث ہیں اور ان کے احوال اور کیفیات بھی سب حادث ہیں۔ آسمان سے بارش کا برسنا اور

زمین سے وقتاً فوقتاً قسم قسم کے نباتات کا اگنا یہ بھی حادث ہے ان چیزوں کا حدوث آنکھوں کے مشاہدہ سے ثابت ہے اور ظاہر ہے کہ ہر حادث کے لیے کوئی مبتدأ اور منتہا چاہئے جس پر تمام اسباب وعلل کی انتہا ہوتی ہو اور ہر حادث کی منتہا واجب الوجود ہے جو ان محدثات کا محدث اور موجد ہے (دیکھو تفسیر کبیر للامام الرازی ۶/۱۴۴ و حاشیہ قنوی علی التفسیر البیضاوی: ۵/۲۱۷)

یہ ناچیز عرض کرتا ہے کہ آسمان وزمین کا جسم متصل ہونا ظاہر ہے اور وقتاً فوقتاً آسمان سے پانی کا برسنا اور زمین سے وقتاً فوقتاً روئیدگی کا ہونا یہ بھی سب کی نظروں کے سامنے ہے اور عقل وفطرت کا تقاضہ یہ ہے کہ جب کسی جسم متصل سے کوئی چیز کبھی کبھی نکلتی دکھائی دے تو دیکھنے والا سمجھ لیتا ہے کہ اس جسم متصل کا منہ اب بند تھا جب منہ کھلا تو مشک میں سے یا ٹنکی میں سے پانی نکلنے لگا اور صندوق کا منہ بند تھا، جب منہ کھلا تو اس میں سے قسم قسم کے کپڑے نکلنے لگے یہی حال آسمان اور زمین کا سمجھو، کفار نے اگرچہ آسمان وزمین کے رتق اور فتق کو نہیں دیکھا مگر آسمان سے بارش کا ہونا اور زمین سے نباتات کا اگنا تو دیکھا ہے اسی کو دیکھ کر سمجھ سکتے ہیں کہ آسمان سے بارش کا ہونا اور زمین سے نباتات کا اگنا خود بخود نہیں بلکہ در پردہ کوئی دست قدرت کارفرما ہے کہ وہ جب اور جتنا اور جس وقت چاہتا ہے اس وقت اتنا ہی پانی آسمان سے برستا ہے اور یہی حال روئیدگی کا ہے بلکہ ہر سال موسم سرما و گرما میں جب بارش کے آنے میں دیر ہوتی ہے تو یہ کافر آسمان کی طرف دیکھتے ہیں۔ تو دیکھتے ہیں کہ آسمان کا منہ بند ہے جب اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے آسمان کا منہ کھولتا اور بارش برساتا ہے تو زمین کا بھی منہ کھل جاتا ہے اور قسم قسم کا سبزہ اگنے لگتا ہے، ہر سال اس منظر کا مشاہدہ ہوتا ہے پھر بھی یہ کافر خدا کی قدرت پر ایمان نہیں لاتے۔

قسم دوم

اور کیا ان لوگوں کو معلوم نہیں کہ اس رتق اور فتق کے بعد اس جہان کی ہر زندہ چیز ہم نے پانی سے پیدا کی ہر جاندار چیز بلا واسطہ پانی سے پیدا ہوئی اور زندگی اور حیات کے لیے پانی کی محتاج ہے گویا کہ ہر چیز کا مادہ حیات پانی ہی ہے جیسا کہ دوسری آیات میں ہے۔ ﴿وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ﴾ اور ﴿وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ﴾۔

اور مسند احمد میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ کل شیء خلق من ماء ہر شئے پانی سے پیدا ہوتی ہے۔

اس بناء پر کہا جا سکتا ہے کہ فرشتے اگرچہ نور سے پیدا ہوئے اور جن نار سے اور آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا ہوئے لیکن اصل مادہ حیات سب کا پانی ہے اور ﴿وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ﴾ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ پانی عرش سے پہلے پیدا ہوا۔ واللہ اعلم

تو کیا یہ لوگ ہماری اس قدرت کو دیکھ کر ایمان نہیں لاتے اور قادر مختار کی وحدانیت کے قائل نہیں ہوتے۔

فائدہ:...... گزشتہ آیت میں یہ بیان فرمایا تھا کہ آسمان وزمین کے منہ بند تھے اور دونوں ایک چیز تھے، ہم نے آسمان کا منہ کھولا تو اس سے پانی برسا اور زمین کا منہ کھولا تو اس سے نہریں اور چشمے جاری ہوئے اور قسم قسم کے نباتات اگے اس لیے اس آیت میں حق تعالیٰ نے پانی کے متعلق اپنی قدرت کی نشانی کو بیان کیا کہ ہر جاندار کی اصل پانی ہے اور تمام کرہ زمین پانی سے گھرا ہوا ہے اور پانی ہی تمام زمین کے اندر بھرا ہوا ہے۔ عرش بھی پانی پر قائم ہے اور زمین بھی پانی پر قائم ہے اس لیے فرمایا

کہ ہم نے ہر زندہ چیز کو پانی سے پیدا کیا۔

قسم سوم

اور بنائے ہم نے زمین میں محکم اور مضبوط پہاڑ بھاری بوجھ والے جو زمین پر خوب جمے ہوئے ہیں تا کہ زمین لوگوں کو لیکر ہلنے نہ لگے یعنی ہم نے اپنی قدرت سے زمین پر مضبوط پہاڑ قائم کر دیئے تا کہ زمین جم جائے اور ٹھہر جائے اور لوگ اس پر قرار پکڑ سکیں۔ پوری زمین پانی میں ڈوبی ہوئی ہے، صرف چوتھائی زمین کھلی ہوئی ہے اس ربع مسکون کے باشندے آسمان اور چاند سورج کا مشاہدہ کر سکتے ہیں

قسم چہارم

اور ہم نے اپنی قدرت سے زمین میں یا پہاڑوں میں کشادہ راستے بنا دیئے تا کہ لوگ اپنی معاشی ضروریات کے لیے منزل مقصود تک راہ پا سکیں اور ایک جگہ سے دوسری جگہ جا سکیں جیسا کہ سورۂ نوح میں ہے ﴿لِّتَسۡلُكُوا۟ مِنۡهَا سُبُلًا فِجَاجًا﴾۔ یا یہ معنی ہے کہ نظر و فکر کر کے اللہ کی وحدانیت تک پہنچ سکیں اور ہدایت حاصل کر سکیں۔

قسم پنجم

اور ہم نے اپنی قدرت سے زمین کو اس عالم کے لیے فرش بنایا اور پھر آسمان کو اس زمین پر ایک محفوظ چھت بنایا جو باوجود بے ستون ہونے کے گرنے سے اور خراب ہونے سے محفوظ ہے کما قال تعالیٰ ﴿وَيُمۡسِكُ السَّمَآءَ اَنۡ تَقَعَ عَلَى الۡاَرۡضِ اِلَّا بِاِذۡنِهٖ﴾ وقال تعالیٰ ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُمۡسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ اَنۡ تَزُوۡلَا﴾۔

خدا کی بنائی ہوئی چھت ٹوٹنے اور پھوٹنے اور گرنے سے محفوظ اور شیاطین کے استراق سے بھی محفوظ ہے وہاں تک شیاطین کی رسائی نہیں۔ کما قال تعالیٰ ﴿وَحِفۡظًا مِّنۡ كُلِّ شَيۡطٰنٍ مَّارِدٍ﴾ ﴿وَحَفِظۡنٰهَا مِنۡ كُلِّ شَيۡطٰنٍ رَّجِيۡمٍ﴾

اور یہ مشرکین اس آسمانی چھت کی نشانیوں سے بھی منہ موڑے ہوئے ہیں جیسے شمس و قمر اور کواکب اور نجوم اور ان کی حرکات اور ان کے طلوع و غروب میں یہ لوگ نظر نہیں کرتے۔

قسم ششم

اور اسی خدا نے پیدا کیا رات کو اور دن کو تا کہ رات میں سکون اور راحت پاویں اور دن میں روزی کماویں اور پیدا کیا آفتاب کو جو دن کی نشانی ہے اور پیدا کیا چاند کو جو رات کی نشانی ہے ہر ایک ان میں سے اپنے اپنے فلک میں تیرتے اور سیر کرتے ہیں اور ان میں سے ہر چیز کا وجود اور اس کی ہیئت اور اس کی حرکت اور سکون سب خدا کی قدرت اور اس کی وحدانیت کی دلیل ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر اپنی وحدانیت کی چھ دلیلیں ذکر کی ہیں اور ہر دلیل کے تحت صدہا دلیلیں مستور ہیں۔ کفار اگر ذرا غور کریں تو ان پر اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور وحدانیت روز روشن کی طرح روشن ہو جائے۔

ایک شبہ:...... اس زمانہ کے ملاحدہ کا اعتقاد یہ ہے کہ آسمان کوئی چیز نہیں بلکہ یہ خلا بے انتہا ہے جس کی دوری کی کوئی حد نہیں اور دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ ہم کو دوربین سے کچھ نظر نہیں آتا۔

جواب:...... یہ دلیل بالکل مہمل ہے۔ کسی چیز کا دوربین وغیرہ سے نظر نہ آنا یہ اس چیز کے نہ ہونے کی دلیل نہیں ہوسکتا۔ نیز ازروئے نصوص شریعت آسمان زمین سے پانچ سو سال کی مسافت پر ہے اور وہ بالکل صاف شفاف جسم ہے موجودہ دوربین میں تو یہ قوت نہیں کہ اتنی دور کی چیز کو دریافت کرسکیں۔ البتہ آسمان کا پانی میں عکس نظر آنا یہ اس کے جسم ہونے پر دلالت کرتا ہے کیونکہ پانی میں عکس جسم ہی کا نظر آسکتا ہے، محض ظلمت اور تاریکی کا کوئی عکس نہیں ہوتا اور تمام کتب سماویہ اور تمام انبیاء آسمانوں کے وجود پر متفق ہیں۔ اور ان لوگوں کا یہ کہنا کہ یہ خلاء بے انتہا ہے تو سوال یہ ہے کہ کیا غیر متناہی چیز کا وجود عقلاً ممکن بھی ہے یا نہیں اور سطح زمین سے بے انتہاء دوری موجود بھی ہے یا نہیں کیا عقلاً یہ ممکن نہیں کہ جس بعد اور دوری کو آپ نے اپنے تصور فکر کی وجہ سے غیر محدود سمجھ رکھا ہے وہ محدود اور متناہی ہو اور اس کے بعد کوئی جسم صاف شفاف موجود ہو جو آپ کو اب تک نظر نہیں آسکا۔ جیسا کہ دوربین کی ایجاد سے پہلے بہت سی چیزیں لوگوں کو نظر نہیں آتی تھیں جو اب نظر آنے لگی ہیں غرض یہ کہ کسی چیز کا کسی وقت کسی کو نظر نہ آنا یہ اس چیز کے نہ ہونے کی دلیل نہیں ہوسکتا۔

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ؕ اَفَا۟ئِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ﴿۳۴﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ

اور نہیں دیا ہم نے تجھ سے پہلے کسی آدمی کو ہمیشہ کے لیے زندہ رہنا پھر کیا اگر تو مرگیا تو وہ رہ جائیں گے ہر جی کو چکھنی ہے

اور نہیں دیا ہم نے تجھ سے پہلے کسی آدمی کو ہمیشہ جینا۔ پھر کیا اگر تو مرگیا تو وہ رہ جاویں گے۔ ہر جی کو چکھنی ہے

الْمَوْتِ ؕ وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ؕ وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۳۵﴾

موت ف۱ اور ہم تم کو جانچتے ہیں برائی سے اور بھلائی سے آزمانے کو ف۲ اور ہماری طرف پھر کر آجاؤ گے ف۳

موت۔ اور ہم تم کو جانچتے ہیں برائی سے اور بھلائی سے، آزمانے کو۔ اور ہماری طرف پھر آؤ گے۔

بیان فناء عالم ورجوع ہمہ بسوئے خلاق عالم وجواب از شماتت اعدا بموت سرور عالم سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ... الی... وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ﴾

ف۱ یعنی جس طرح مذکورہ بالا مخلوقات کا وجود حق تعالیٰ کی ایجاد سے ہوا۔ تمام انسانوں کی زندگی بھی اسی کی عطا کردہ ہے جس وقت چاہے گا چھین لے گا۔ موت ہر ایک پر ثابت کردے گی کہ تمہاری ہستی تمہارے قبضہ میں نہیں۔ چند روز کی چہل پہل تھی جو ختم ہوئی۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ "کافر حضور کی باتیں سن کر کہتے تھے کہ یہ ساری دھوم محض اس شخص کے دم تک ہے یہ دنیا سے رخصت ہوئے پھر کچھ نہیں" اس سے اگر ان کی غرض یہ تھی کہ موت آنا نبوت کے منافی ہے تو اس کا جواب دیا۔ ﴿وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ﴾ یعنی انبیاء ومرسلین میں سے کون ایسا ہے جس پر کبھی موت طاری نہ ہو ہمیشہ زندہ رہے۔ اور اگر محض آپ کی موت کے تصور سے اپنا دل ٹھنڈا کرنا ہی مقصود تھا تو اس کا جواب ﴿اَفَا۟ئِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ﴾ میں دے دیا۔ یعنی خوشی کاہے کی؟ کیا آپ کا انتقال ہو جائے تو تم کبھی نہیں مرو گے قیامت کے بوریے سمیٹو گے؟ جب تم کو بھی آگے پیچھے مرنا ہے تو پیغمبر کی وفات پر خوش ہونے کا کیا موقع ہے۔ اس راستہ سے تو سب کو گزرنا ہے کون ہے جس کو کبھی موت کا مزہ چکھنا نہیں پڑے گا گویا توحید اور دلائل قدرت بیان کرنے کے بعد اس آیت میں مسئلہ نبوت کی طرف روئے سخن پھیر دیا گیا۔

ف۲ یعنی دنیا میں سختی، نرمی، تندرستی، بیماری، تنگی، فراخی اور مصیبت وعیش وغیرہ مختلف احوال بھیج کر تم کو جانچا جاتا ہے تاکہ کھرا کھوٹا الگ ہو جائے اور علانیہ ظاہر ہو جائے کہ کون سختی پر صبر اور نعمتوں پر شکر ادا کرتا ہے اور کتنے لوگ ہیں جو مایوسی یا شکوہ شکایت اور ناشکری کے مرض میں مبتلا ہیں۔

ف۳ جہاں تمہارے صبر وشکر اور ہر نیک وبد عمل کا پھل دیا جائے گا۔

ربط: ...... گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے دلائل قدرت کے ذیل میں چھ قسم کی نعمتوں کا ذکر فرمایا۔ جو تمام دنیوی نعمتوں کی اصل اور جڑ ہیں اب ان آیات میں یہ بتاتے ہیں کہ یہ دنیا دار فنا ہے دار البقا نہیں یہ پوری دنیا اور اس کی تمام چیزیں فانی ہیں اس دنیا کے عجائب وغرائب اور اس کی آرائش وزیبائش پر مفتون نہ ہو جانا۔ حق تعالیٰ نے ان چیزوں کو آزمائش اور امتحان کے لیے پیدا کیا ہے فنا اور موت ہر چیز کے لیے لازم ہے مرنے کے بعد تم کو خیر وشر کا بدلہ دیا جائے گا کوئی شخص ایسا نہیں کہ جس کو موت نہ آوے۔ ہر شخص کو مرنا ہے اور اپنے خالق کی طرف لوٹنا ہے، اپنے انجام کو سوچ لو۔

شان نزول: ...... اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ کفار یہ کہتے تھے۔ ﴿نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ﴾۔ یعنی ہم محمد ﷺ کے لیے حادثہ موت کا انتظار کر رہے ہیں۔

مطلب یہ تھا کہ کفار حضور پر نور ﷺ کی باتیں سن کر یہ کہتے تھے کہ یہ ساری دھوم دھام اس شخص کے دم تک ہے جب یہ مر جائیں گے تو یہ دھوم دھام سب جاتی رہے گی گویا کہ آپ کی موت پر خوش تھے ان کی شماتت کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی گویا دلائل قدرت بیان کرنے کے بعد روئے سخن مسئلہ نبوت کی طرف پھیر دیا گیا۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی ہم نے آپ ﷺ سے پہلے دنیا میں کسی بشر کو ہمیشگی نہیں دی۔ خواہ ولی ہو یا نبی دنیا میں بقاء اور دوام کسی کے لیے نہیں۔ پس اگر تو مر جائے تو کیا یہ لوگ آپ کے بعد ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ کافر آپ کی موت کے منتظر تھے اور خوشیاں منا رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دنیا میں دوام اور بقا ہم نے کسی کو بھی نہیں دیا جو پیدا ہوا ہے وہ ضرور مرے گا۔ ہر شخص اپنے اپنے وقت پر موت کا مزہ چکھنے والا ہے۔ خضر علیہ السلام ہوں یا عیسیٰ علیہ السلام ہوں قیامت سے پہلے وہ بھی مرنے والے ہیں۔

ہر کہ آمد بجہاں اہل فنا خواہد بود
آنکہ پائندہ باقی است خدا خواہد بود

اور اے لوگو ہم تم کو اس دنیا میں برائی اور بھلائی کے ساتھ بطریق امتحان تم کو آزما رہے ہیں بھلائی سے مراد امیری اور عزت وراحت اور صحت وعافیت اور ہر قسم کا عیش وآرام ہے اور برائی سے مراد سختی اور بیماری اور افلاس ہے برائی اور بھلائی میں پھنسا کر بندوں کے صبر وشکر کا امتحان لیا جاتا ہے، اور انجام تم سب کا یہ ہے کہ مرنے کے بعد ہمارے پاس لوٹائے جاؤ گے اور ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق جزا دیں گے۔ لہٰذا تم کو چاہئے کہ اس چندروزہ زندگی کی بجائے مرنے کے بعد کی زندگی کی زیادہ فکر کرو۔

وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِيْ يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ ۚ

اور جہاں تجھ کو دیکھا منکروں نے تو کوئی کام نہیں ان کو تجھ سے مگر ٹھٹھا کرنا کیا یہی شخص ہے جو نام لیتا ہے تمہارے معبودوں کا

اور جہاں تجھ کو دیکھا منکروں نے اور کام نہیں تجھ سے مگر ٹھٹھے میں پکڑنا۔ کیا یہی شخص ہے کہ نام لیتا ہے تمہارے ٹھاکروں کا،

وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۞ خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ؕ سَاُورِيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَلَا

اور وہ رحمٰن کے نام سے منکر ہیں ف۱ بنا ہے آدمی جلدی کا اب دکھلاتا ہے تم کو اپنی نشانیاں، سو مجھ سے

اور وہ رحمٰن کے نام سے منکر ہیں۔ بنا ہے آدمی شتابی کا۔ اب دکھاتا ہوں تم کو اپنے نمونے، سو مجھ سے

ف۱ یعنی انجام سے بالکل بے فکر ہو کر یہ لوگ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ہنسی اڑاتے ہیں اور ان سے ٹھٹھا کرتے ہیں۔ چنانچہ استہزاء وتحقیر سے کہتے ہیں ﴿اَهٰذَا﴾ =

تَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿۳۷﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۸﴾ لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ

جلدی مت کرو ف۱ اور کہتے ہیں کب ہوگا یہ وعدہ اگر تم سچے ہو ف۲ اگر جان لیں یہ

جلدی مت کرو۔ اور کہتے ہیں کب ہوگا یہ وعدہ، اگر تم سچے ہو؟۔ کبھی جانیں یہ

كَفَرُوْا حِيْنَ لَا يَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۳۹﴾

منکر اس وقت کو کہ نہ روک سکیں گے اپنے منہ سے آگ اور نہ اپنی پیٹھ سے اور نہ ان کو مدد پہنچے گی

منکر اس وقت کو، کہ نہ روک سکیں گے اپنے منہ سے آگ، اور نہ اپنی پیٹھ سے، اور نہ ان کو مدد پہنچے گی۔

بَلْ تَاْتِيْهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۴۰﴾ وَلَقَدِ

کچھ نہیں وہ آئے گی ان پر ناگہاں پھر ان کے ہوش کھو دے گی پھر نہ پھیر سکیں گے اس کو اور نہ ان کو فرصت ملے گی ف۳ اور

کوئی نہیں وہ آوے گی ان پر بے خبر، پھر ان کے ہوش کھو دے گی، پھر نہ سکیں گے کہ اس کو پھیر دیں اور نہ ان کو فرصت ملے گی۔ اور

اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۴۱﴾ ع ۳

ٹھٹھے ہو چکے ہیں رسولوں سے تجھ سے پہلے پھر الٹ پڑی ٹھٹھا کرنے والوں پر ان میں سے وہ چیز جس کا ٹھٹھا کرتے تھے ف۴

ٹھٹھے ہو چکے ہیں کتنے رسولوں سے تجھ سے پہلے، پھر الٹ پڑی ٹھٹھا کرنے والوں پر ان میں سے، جس چیز کا ٹھٹھا کرتے تھے۔

قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ۭ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۲﴾

تو کہہ کون نگہبانی کرتا ہے تمہاری رات میں اور دن میں رحمٰن سے ف۵ کوئی نہیں وہ اپنے رب کے ذکر سے منہ پھیرتے ہیں ف۶

تو کہہ، کون چوکی دیتا ہے تمہاری رات میں اور دن میں رحمٰن سے؟ کوئی نہیں، وہ اپنے رب کے ذکر سے ٹال کرتے ہیں۔

= ﴿اَلَّذِیْ یَذْکُرُ اٰلِهَتَکُمْ﴾ کیا یہی شخص ہے جو تمہارے معبودوں کا برائی سے ذکر کرتا ہے۔ انہیں شرم نہیں آتی کہ خود حقیقی معبود کے ذکر اور "رحمٰن" کے نام تک سے چڑتے ہیں، اس کی سچی کتاب کے منکر ہیں، اور جھوٹے معبودوں کی برائی سن کر چیں بجبیں ہوتے ہیں۔ اندریں صورت ہنسی کے قابل ان کی حالت ہوئی یا فریق مقابل کی؟

ف۱ شاید کفار کے سفیہانہ استہزاء و تمسخر کو سن کر بعضوں کا جی چاہا ہوگا کہ ان بے حیاؤں پر فوراً عذاب آ جائے تو اچھا ہو، اور خود کفار بھی بطور استہزاء جلدی مچایا کرتے تھے کہ اگر واقعی ہم تمہارے نزدیک مستحق عذاب ہیں تو وہ عذاب فوراً کیوں نہیں لے آتے۔ دونوں کو بتلایا کہ انسان بڑا جلد باز ہے گویا اس کے خمیر میں جلدی پڑی ہے، چاہیے کہ تھوڑا سا صبر کرو عنقریب میں اپنے قہر و انتقام کی نشانیاں تم کو دکھلا دوں گا۔

ف۲ یعنی کہتے رہتے ہو کہ قیامت آئے گی اور سب کافر ہمیشہ کے لیے دوزخ میں جلیں گے آخر یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر سچے ہو تو قیامت اور جہنم کو ابھی کیوں نہیں بلا لیتے۔

ف۳ یعنی اگر ان پر حقیقت منکشف ہو جائے اور اس ہولناک گھڑی کو ٹھیک ٹھیک سمجھ لیں تو کبھی ایسی درخواست نہ کریں۔ یہ باتیں اس وقت بے فکری میں سوجھ رہی ہیں، جب وہ وقت سامنے آ جائے گا کہ آگے پیچھے ہر طرف سے آگ گھیرے ہوگی تو نہ کسی طرف سے اس کو دفع کر سکیں گے، نہ کہیں سے مدد پہنچے گی، نہ مہلت ملے گی، نہ پہلے سے اس کا کامل اندازہ ہوگا۔ اس کے اچانک سامنے آ جانے سے ہوش باختہ ہو جائیں گے تب پتہ چلے گا کہ جس چیز کی ہنسی کرتے تھے وہ حقیقت ثابتہ تھی۔

ف۴ یعنی جس چیز سے ٹھٹھا کرتے تھے اس کی سزا نے گھیر لیا اور ان کی ہنسی ان پر ہی الٹ دی گئی۔

ف۵ یعنی رحمٰن کے غصہ اور عذاب سے تمہاری حفاظت کرنے والا دوسرا کون ہے، محض اس کی رحمت واسعہ ہے جو فوراً عذاب نازل نہیں کرتا لیکن ایسے رحمت والے حلیم و بردبار کے غصہ سے ڈرنا بھی بہت چاہیے نعوذ باللہ من غضب الحلیم۔ =

اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا ؕ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مِّنَّا

یا ان کے واسطے کوئی معبود ہیں کہ ان کو بچاتے ہیں ہمارے سوا وہ اپنی بھی مدد نہیں کرسکتے اور نہ ان کی ہماری طرف سے

یا ان کے کوئی ٹھاکر ہیں، کہ ان کو بچاتے ہیں ہمارے سوا ؟ وہ اپنی مدد نہیں کرسکتے اور نہ ان کو ہماری طرف سے

يُصْحَبُوْنَ ﴿۴۳﴾ بَلْ مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ؕ اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِي

رفاقت ہو ف۱ کوئی نہیں پر ہم نے عیش دیا ان کو اور ان کے باپ دادوں کو یہاں تک کہ بڑھ گئی ان پر زندگی ف۲ پھر کیا نہیں دیکھتے کہ ہم چلے آتے ہیں

رفاقت۔ کوئی نہیں، پر ہم نے برتوایا ان کو اور ان کے باپ دادوں کو، یہاں تک کہ بڑھ پڑا ان پر جینا۔ پھر کیا نہیں دیکھتے کہ ہم چلے آتے ہیں

الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾ قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ ۖ وَلَا

زمین کو گھٹاتے اس کے کناروں سے اب کیا وہ جیتنے والے ہیں ف۳ تو کہہ میں جو تم کو ڈراتا ہوں سو حکم کے موافق اور

زمین کو گھٹاتے اس کے کناروں سے ؟ اب کیا یہ جیتنے والے ہیں۔ تو کہہ، میں جو تم کو ڈر سناتا ہوں سو حکم کے موافق، اور

يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ

سنتے نہیں بہرے پکارنے کو جب کوئی ان کو ڈر کی بات سنائے ف۴ اور کہیں پہنچ جائے ان تک ایک بھاپ تیرے رب کے

سنتے نہیں بہرے پکار کو، جب کوئی ان کو ڈر سناوے۔ اور کبھی پہنچے ان کو ایک بھاپ تیرے رب کی

=ف۶ یعنی رحمان کی حفاظت کا ان کو احساس و اعتراف نہیں۔ عیش و تنعم اور پر امن زندگی نے پروردگار حقیقی کی یاد سے غافل کر رکھا ہے۔ اسی لیے جب اس کی طرف سے کوئی نصیحت کی جاتی ہے تو منہ پھیر لیتے ہیں کہ یہ یہاں کی باتیں شروع کر دیں۔

ف۱ یعنی کیا اپنے فرضی معبودوں کی نسبت خیال ہے کہ وہ ان کی حفاظت کرتے ہیں؟ اور موقع آنے پر خدا تعالیٰ کے غضب سے بچالیں گے؟ سو وہ مسکین ان کی مدد اور حفاظت تو در کنار خود اپنے وجود کی حفاظت بھی نہیں کرسکتے، اگر ان کو کوئی توڑنے پھوڑنے لگے یا کچھ چیز ان کے پاس سے چھین کر لے جائے تو اتنی قدرت نہیں کہ مدافعانہ تحفظ کے لیے خود ہاتھ پاؤں ہلا سکیں یا اپنے بچاؤ کی خاطر ہماری امداد و رفاقت حاصل کریں۔

ف۲ یعنی رحمان کی کلاءت و حفاظت اور بتوں کا عجز وبے چارگی ایسی چیز نہیں جس کو یہ لوگ سمجھ نہ سکیں۔ بات یہ ہے کہ پشت ہا پشت سے یہ لوگ بے فکری کی زندگی گزار رہے ہیں۔ کوئی جھٹکا عذاب الٰہی کا نہیں لگا۔ اس پر مغرور ہو گئے اور غفلت کے نشہ میں چور ہو کر حق تعالیٰ کا پیغام اور پیغمبروں کی نصیحت قبول کرنے سے منہ موڑ لیا۔

ف۳ یعنی عرب کے ملک میں اسلام پھیلنے لگا ہے اور کفر گھٹنے لگا۔ آہستہ آہستہ وہاں کی زمین کافروں پر تنگ ہوتی جارہی ہے۔ ان کی حکومتیں اور سرداریاں ٹوٹتی جارہی ہیں۔ کیا ایسے کھلے ہوئے آثار و قرائن دیکھ کر بھی انہیں اپنا انجام نظر نہیں آتا۔ اور کیا ان مشاہدات کے باوجود وہ اسی کے امیدوار ہیں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں پر ہم غالب ہوں گے۔ اگر چشم عبرت ہے تو چاہیے کہ عقل سے کام لیں اور قرائن واحوال سے مستقبل کا اندازہ کریں۔ کیا ان کو معلوم نہیں کہ ان کے گردوپیش کی بستیاں انبیاء کی تکذیب و عداوت کی سزا میں تباہ کی جاچکی ہیں اور ہمیشہ آخر کار خدا کے وفاداروں کا مشن کامیاب رہا ہے۔ پھر سید المرسلین اور مومنین کاملین کے مقابلہ میں غالب آنے کی ان کو کیا توقع ہو سکتی ہے۔ ﴿وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ﴾ (احقاف، رکوع ۴)

(تنبیہ) اس مضمون کی آیت سورۂ رعد کے آخر میں گزر چکی وہاں کے فوائد ملاحظہ کیے جائیں۔

ف۴ یعنی ہمارا کام وحی الٰہی کے موافق نصیحت سنا دینا اور انجام سے آگاہ کر دینا ہے۔ دل کے بہرے اگر اس پکار کو نہ سنیں تو ہمارا قصور نہیں۔ وہ خود اپنے بہرے پن کا خمیازہ بھگتیں گے۔

لَيَقُوْلُنَّ يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ

عذاب کی تو ضرور کہنے لگیں ہائے کم بختی ہماری بیشک ہم تھے گنہ گار ف۱ اور رکھیں گے ہم ترازوئیں انصاف کی قیامت کے دن پھر ظلم نہ ہوگا

آفت کی، تو مقرر کہنے لگیں، اے خرابی ہماری! بیشک ہم تھے گنہگار۔ اور رکھیں گے ہم ترازوئیں انصاف کی قیامت کے دن، پھر ظلم نہ ہوگا

نَفْسٌ شَيْـًٔا ۭ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ۭ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ﴿۴۷﴾

کسی جی پر ایک ذرہ اور اگر ہوگا برابر رائی کے دانہ کے تو ہم لے آئیں گے اس کو ف۲ اور ہم کافی ہیں حساب کرنے کو ف۳

کسی جی پر ایک ذرہ۔ اور اگر ہوگا برابر رائی کے دانے کے، وہ ہم لے آدیں گے۔ اور ہم بس ہیں حساب کرنے کو۔

بیان انجام استہزاء وتمسخر بارگاہ رسالت وتہدید عذاب آخرت

قَالَ اللہُ تَعَالٰی: ﴿وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ... الٰی ... وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ﴾

ربط: ...... گزشتہ آیت میں آنحضرت ﷺ کے انتقال پر شماتت کرنے والوں کا جواب تھا اب ان آیات میں ان لوگوں کے انجام بد کو بیان کرتے ہیں جو آنحضرت ﷺ کے ساتھ مسخرہ پن کرتے تھے اور قیامت کا مذاق اڑاتے تھے کہ قیامت کب آئے گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ دفعتاً آجائے گی اور اس وقت ان کو اپنے استہزاء اور تمسخر کا مزہ معلوم ہو جائے گا۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور ان عاشقان دنیا اور منکرین آخرت کی حالت یہ ہے کہ یہ کافر جب آپ کو دیکھتے ہیں تو بس آپ ﷺ کو ٹھٹھا اور مذاق ہی بنا لیتے ہیں، یہ بھی ابتلاء الٰہی ہے کہ رسول کو دیکھ کر جو کہ عین رحمت ہے تمسخر کرتے ہیں اور بعض بعض سے یہ کہتے ہیں کہ کیا یہی وہ شخص ہے جو تمہارے معبودوں کا برائی کے ساتھ نام لیتا ہے اور ان کو اندھا اور بہرہ اور گونگا بتلاتا ہے اپنے فرضی معبودوں کے ساتھ تو ان نادانوں کا یہ حال ہے اور معبود برحق کے ساتھ انکا یہ حال ہے کہ رحمن کے نام سے منکر ہیں۔ کفار رحمن کے نام سے چڑتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم تو سوائے مسیلمہ یمامہ کے کسی کو رحمن نہیں جانتے غرض یہ کہ ان نادانوں کا عجیب حال تھا کہ رسول خدا کو دیکھتے تو انکا مذاق اڑاتے اور کہتے کہ کیا خدا نے اسی شخص کو ہماری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے اور یہ شخص تو ہمارے معبودوں کا برائی کے ساتھ نام لیتا ہے ہمیں ڈر ہے کہ اس شخص کی باتیں ہماری قوم کو گمراہ نہ کر دیں۔ اپنے بتوں پر ناز کرتے اور رحمن کے نام سے چڑتے ہیں جن کی حالت یہ ہو وہ قابل تمسخر اور استہزاء ہیں نہ کہ رسول برحق اور انسان جلد بازی سے پیدا کیا گیا ہے یعنی یہ عجلت اور جلد بازی اس کی فطرت میں داخل ہے اس لیے وہ ہر بات

ف۱ یعنی یہ لوگ جو بہرے بنے ہوئے ہیں، صرف اس وقت تک ہے کہ ذرا ڈر سے کھٹکھٹائے نہ جائیں۔ اگر عذاب الٰہی کی ذراسی بھنک کان میں پڑ گئی یا خدا کے قہر وانتقام کی ادنیٰ بھاپ بھی ان کو چھو گئی تو آنکھ کان سب کھل جائیں گے اس وقت بدحواس ہو کر چلائیں گے کہ بیشک ہم بڑے بھاری مجرم تھے جو ایسی کم بختی آئی۔

ف۲ یعنی رائی کے دانہ کے برابر کسی کا عمل ہوگا وہ بھی میزان میں تلے گا، ادھر ادھر ضائع نہ ہوگا نہ کسی پر ظلم وزیادتی کی جائے گی۔ رتی رتی کا حساب برابر کر دیا جائے گا۔ (تنبیہ) "موازین" "میزان" کی جمع ہے شاید بہت سی ترازوئیں ہوں یا ایک ہی ہو مگر مختلف اعمال وعمال کے اعتبار سے کئی قرار دے دی گئیں واللہ اعلم۔ وزن اعمال اور میزان کے متعلق سورۂ "اعراف" میں کلام کیا جا چکا ہے اسے دیکھ لیا جائے۔

ف۳ یعنی ہمارا حساب آخری اور فیصلہ کن ہوگا جس کے بعد کوئی دوسرا حساب نہیں۔ نہ ہم کو ساری مخلوق کا حساب لینے میں کسی مددگار کی ضرورت ہے۔ آگے بتلایا کہ انذار وتخویف کا سلسلہ پہلے سے چلا آتا ہے۔ آج جن باتوں سے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ڈراتے ہیں انبیائے سابقین بھی ان سے ڈراتے چلے آئے ہیں۔

کو جلد چاہتا ہے اور انجام پر غور نہیں کرتا اس لیے یہ مسخرے عذاب الٰہی میں بھی جلدی ہی چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے جواب میں فرماتے ہیں۔ عنقریب میں تم کو اپنے قہر کی نشانیاں دکھلاؤں گا سو تم جلدی مت کرو۔ مشرکین آنحضرت ﷺ سے جلدی عذاب مانگتے تھے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اللہ اپنے نافرمانوں کو فوراً عذاب میں نہیں پکڑتا بلکہ ان کو مہلت دیتا ہے پھر جب پکڑتا ہے تو چھوڑتا نہیں۔ عذاب وقت سے پہلے آتا نہیں اور آنے کے بعد ٹلتا نہیں اور یہ لوگ جب عذاب الٰہی کی دھمکی سنتے ہیں تو کہتے ہیں کہ عذاب کا یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم اس عذاب کے وعدے میں سچے ہو اللہ تعالیٰ ان کے جواب میں فرماتے ہیں اگر یہ جلد باز کافر اس ہولناک وقت کو جان لیں کہ جب وہ نہ اپنے چہروں سے عذاب کو روک سکیں گے اور نہ اپنی پیٹھ کی طرف سے آنے والے عذاب کو دفع کر سکیں گے اور نہ ان کو اس وقت کوئی مدد پہنچ سکے گی۔ سو یہ کافر اگر ایسے عذاب کو جان لیں تو اس کے مانگنے میں جلدی نہ کریں اور نہ کہیں ﴿مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾۔ لیکن خوب سمجھ لیں کہ اللہ کا قہر اور عذاب ان سے پوشیدہ رکھا گیا ہے ان کی فرمائش کے مطابق اطلاع کر کے نازل نہ ہوگا۔ بلکہ اس عذاب اور مصیبت کی ساعت اور وہ قیامت جس کو وہ پوچھتے رہتے ہیں کہ کب آئے گی۔ اچانک ان پر آپہنچے گی۔ اور پھر ان کو مبہوت اور حیران بنا دے گی۔ اور ان کے ہوش کھو دے گی۔ پھر اس کے دفع کرنے کی طاقت نہ رکھیں گے اور نہ مہلت دیئے جائیں۔ کیونکہ وقت مہلت کا بھی گزر چکا ہے اور اے نبی ﷺ ان کے استہزا اور تمسخر سے رنجیدہ اور ملول نہ ہوں آپ سے پہلے کتنے ہی رسولوں کے ساتھ تمسخر کیا گیا پس بالآخر ان لوگوں کو جو رسولوں کے ساتھ تمسخر کرتے تھے اس عذاب نے آگھیرا جس کے ساتھ وہ ٹھٹھا کرتے تھے۔ ان کافروں کا یہی ہوتا ہے پس اے نبی آپ تسلی رکھئے گزشتہ پیغمبروں کے ساتھ استہزا اور تمسخر کرنے والوں پر اللہ کا عذاب اچانک آیا پہلے سے ان کو وقت نہیں بتلایا گیا۔

ان آیات میں کفار کی عجلت اور جہالت کو بیان کیا کہ خدا تعالیٰ کی عظمت اور جلال سے ناواقف ہیں۔ اب آئندہ آیات میں پھر اللہ تعالیٰ اپنی کمال قدرت اور کمال رحمت کا ذکر کرتے ہیں کہ وہ ارحم الراحمین دن رات اپنے بندوں کی حفاظت کرتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اے نبی آپ ان کافروں سے جو رحمٰن کے اور اس کی رحمت کے منکر ہیں اور آپ ﷺ کے ساتھ ٹھٹھا کرتے ہیں یہ کہہ دیجئے کہ وہ کون ہے جو رات اور دن میں خدا کی عقوبت اور مصیبت اور طرح طرح کی بلاؤں سے تمہاری حفاظت کرتا ہے سوائے رحمٰن کے کوئی نہیں اس کی رحمت کی بنا پر تم اس کے ناگہانی عذاب سے بچے ہوئے ہو۔ حق تو یہ تھا کہ اس رحمٰن ورحیم کی رحمت کے قائل ہو جاتے مگر اب بھی قائل نہ ہوئے بلکہ اب بھی بدستور اپنے پروردگار کی یاد سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔ چاہئے تو یہ تھا کہ شکر گزار بنتے۔ شکر تو کیا کرتے الٹے اس کی یاد سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔ اب آگے ان سے دریافت کرتے ہیں کیا ان کے پاس ہمارے سوا اور معبود ہیں جو ان کو ہمارے عذاب سے بچا لیں گے وہ بیچارے تو اپنی بھی حفاظت نہیں کر سکتے۔ دوسرے کی کیسے کر سکتے ہیں اور نہ ہمارے مقابلہ میں کوئی انکا ساتھ دے سکتا ہے یعنی ان کا کوئی ساتھی نہیں جو مصیبت کے وقت میں انکا ساتھ دے اور اب تک جو لوگ عذاب سے بچے ہوئے ہیں، اس کی وجہ یہ نہیں کہ ان کے معبود ان کی حفاظت کر رہے ہیں بلکہ اصل وجہ اس کی یہ ہے کہ ہم نے ان کو اور ان کے آباؤ اجداد کو دنیا سے خوب بہرہ مند کیا اور ان کو نعمت اور مہلت دی یہاں تک کہ ان کی عمریں دراز ہو گئیں سو وہ مغرور ہو گئے اور سمجھ بیٹھے کہ ہم ہمیشہ اسی عیش و

عشرت میں رہیں گے اور یہ نہ سمجھے کہ دنیا کی عیش وعشرت کر دوام اور بقا نہیں ہے۔

مغرور مشو کہ دم بہ دم دست اجل برہم زند ایں بنا کز افزاشتہ اند

اللہ کی حلیمی اور مہلت سے یہ لوگ دھوکے میں پڑ گئے اور عذاب کا انکار کر بیٹھے۔ کیا انکا گمان یہ ہے کہ وہ ہمیشہ ایسی حالت میں رہیں گے اور شتر بے مہار کی طرح چھٹے پھریں گے اور خدا کی طرف سے کوئی پکڑ نہ ہوگی۔ پس کیا مغرورین دیکھ نہیں رہے کہ ہم زمین کفر کو یعنی دار الحرب کو ہر چہار طرف سے گھٹاتے اور کم کرتے چلے آ رہے ہیں۔ پس کیا یہ لوگ اس توقع اور گمان میں ہیں کہ یہ اسلام پر غالب آ جائیں گے یعنی دن بدن کافروں کا زور گھٹتا جا رہا ہے اور ان کے ملک اور شہر مسلمانوں کے قبضے میں آ رہے ہیں اور مسلمانوں کا ملک دن بدن بڑھتا چلا جا رہا ہے کیا ان لوگوں کو اس بات سے عبرت اور تنبیہ نہیں ہوتی کہ اپنے کفر سے رجوع کریں اور سمجھیں کہ یہ سب غیبی امداد ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بے سروسامان بندوں کی یعنی اہل ایمان کی غیب سے مدد کر رہا ہے پس جب کفار مسلمانوں کے ساتھ یہ تائید غیبی اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں تو ان کو چاہئے کہ اپنے دل سے اپنے غلبہ کا خیال نکال دیں۔

یا یہ معنی ہیں کہ دن بدن اسلام پھیلتا جاتا ہے اور مسلمان بڑھتے جاتے ہیں اور کفر گھٹتا جا رہا ہے کیا اس مشاہدہ کے بعد بھی انکا گمان ہے کہ وہ غالب آ جائیں گے۔

پہلی تفسیر پر یہ شبہ وارد ہوسکتا ہے کہ یہ سورت بالاتفاق مکی ہے اور مسلمانوں کا غلبہ اور فتوحات وہ جہاد کے بعد کا واقعہ ہے۔ اور جہاد مدینہ منورہ میں شروع ہوا اسلئے کہ زمین کا کفار کے قبضہ سے نکل کر تھوڑا تھوڑا مسلمانوں کے ہاتھ میں آنا یہ بات مکہ مکرمہ میں نہ تھی اس لیے بعض علماء نے یہ جواب دیا ہے کہ اس سورت میں سے یہ آیت مکی ہونے سے مستثنیٰ ہے جیسا کہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اتقان میں ذکر کیا ہے اور بعض علماء نے یہ کہا کہ یہ سورت مکی ہے اور اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ دن بدن لوگ اسلام میں داخل ہو رہے ہیں اور زمین سے کفر کم ہوتا جا رہا ہے اور یہ بات ہجرت اور جہاد سے پہلے ہی ظہور میں آ چکی تھی ہجرت سے پہلے مکہ اور مدینہ کے اطراف اور نواحی میں اسلام پھیل چکا تھا۔ آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ تم اپنے مال و دولت کے غرہ میں نہ رہو۔ جز ایں نیست کہ میں اللہ کے حکم کے موافق تم کو عذاب سے ڈراتا ہوں۔ عذاب کا نازل کرنا میرے اختیار میں نہیں۔ میرا کام تو ڈرانے کا ہے تم اپنے انجام کو سوچ لو لیکن یہ بہرے ڈرانے والے کی پکار کو سنتے نہیں جب کبھی بھی یہ بہرے عذاب الٰہی سے ڈرائے جاتے ہیں یعنی یہ کافر حق کی طرف سے ایسے بہرے ہوگئے کہ کتنا ہی ان کو ڈرایا جائے سنتے ہی نہیں بڑے بہادر اور دلیر بنے ہوئے ہیں اور ان کی بہادری کا یہ حال ہے کہ اگر ان کو تیرے پروردگار کے عذاب کی ایک ادنیٰ سی بھاپ بھی پہنچ جائے اور عذاب کی ذراسی ہوا بھی لگ جائے تو ضرور بالضرور یہی کہیں گے کہ ہائے ہماری کمبختی بلاشبہ ہم ظالم تھے۔ یعنی پہلے تو بڑے بہادر بنے ہوئے تھے اور عذاب کی جلدی مچا رہے تھے مگر جب عذاب کا ذرا سا جھونکا بھی لگے گا تو ساری بہادری ختم ہو جائے گی اور اپنے قصور کا اعتراف کریں گے اور یہ اگرچہ ظالم ہیں مگر ہماری طرف سے ان پر ذرہ برابر ظلم نہ ہوگا۔ ہم قیامت کے دن عدل وانصاف کی ترازو قائم کریں گے اور عدل وانصاف کے ساتھ لوگوں کے اعمال کا فیصلہ کریں گے جس کی نیکیاں بدیوں پر غالب ہونگی وہ نجات پائے گا۔ اور جس کی بدیاں نیکیوں پر غالب ہوں گی اسے ذلیل و

خوار کر کے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ سو کسی جان پر ذرا برابر ظلم نہیں کیا جائے گا اور اگر کسی کا کوئی عمل نیکی یا بدی رائی کے دانے کے برابر بھی ہوگا۔ اگرچہ وہ پتھر کے اندر ہو یا آسمان و زمین میں ہو تو ہم اسکو وہاں لا کر سب کے سامنے حاضر کر دیں گے اور ہم کافی ہیں حساب کرنے کو ہمیں کسی ترازو کی حاجت نہیں ہم سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں۔ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک شخص نے خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا تو یہ فرمایا

حاسبونا فدققوا ثم منوا فاعتقوا

هكذا سمة الملوك بالمماليك يرفقوا

یعنی انہوں نے ہم سے حساب لیا پس ذرہ ذرہ کا حساب لیا۔ پھر احسان کر کے آزاد کر دیا۔ اسی طرح بادشاہوں کی عادت ایسی ہی ہوتی ہے کہ اپنے غلاموں پر نرمی کیا کرتے ہیں۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۸﴾ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ

اور ہم نے دی تھی موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو فیصلے چکانے والی کتاب اور روشنی اور نصیحت ڈرنے والوں کو ف۱ جو ڈرتے ہیں

اور ہم نے دی تھی موسیٰ اور ہارون کو چکوتی اور روشنی اور نصیحت ڈر والوں کو۔ جو ڈرتے ہیں

رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ ۚ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ

اپنے رب سے بن دیکھے اور وہ قیامت کا خطرہ رکھتے ہیں ف۲ اور یہ ایک نصیحت ہے برکت کی جو ہم نے اتاری سو کیا تم اس کو

اپنے رب سے بن دیکھے، اور وہ قیامت کا خطرہ رکھتے ہیں۔ اور یہ ایک نصیحت ہے برکت کی، جو ہم نے اتاری۔ سو کیا تم اس کو

مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۰﴾ ع

نہیں مانتے ف۳

نہیں مانتے؟

تفصیل احوال انبیاء سابقین صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین

برائے اثبات توحید و رسالت و قیامت

یہاں تک اللہ تعالیٰ نے زیادہ تر توحید اور رسالت کے متعلق اور پھر منکرین نبوت و آخرت کے دنیاوی اور اخروی عذاب کے متعلق مضامین بیان فرمائے اب انہی مضامین کی تائید کے لیے چند انبیاء سابقین کے احوال کی کچھ تفصیل بیان

ف۱ یعنی تورات شریف جو حق و باطل، ہدایت و ضلالت اور حلال و حرام کے فیصلے چکانے والی اور جہل و غفلت کی اندھیریوں میں روشنی پہنچانے والی اور خدا سے ڈرنے والوں کو نصیحت سنانے والی کتاب تھی۔

ف۲ قیامت کا خطرہ بھی اسی لیے رکھتے ہیں کہ ان کے دل میں خدا کا ڈر ہے۔ ہر وقت دل میں کھٹکا لگا رہتا ہے کہ دیکھئے وہاں کیا صورت پیش آئے گی۔ کہیں العیاذ باللہ حق تعالیٰ کی ناراضی اور عذاب کے مورد نہ بن جائیں۔ ظاہر ہے ایسے ہی لوگ نصیحت سے منتفع ہوتے ہیں۔

ف۳ یعنی ایک نصیحت کی کتاب یہ قرآن تمہارے سامنے موجود ہے جس کا جلیل القدر عظیم النفع اور کثیر الخیر ہونا تورات سے بھی زیادہ روشن ہے۔ کیا ایسی واضح اور روشن کتاب کے تم منکر ہوتے ہو جہاں انکار کی گنجائش ہی نہیں۔

فرماتے ہیں اس سلسلہ میں حق تعالیٰ نے دس قصے بیان فرمائے۔

(۱) قصہ موسیٰ و ہارون علیہما الصلوٰۃ والسلام

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی : ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ... الی... اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ﴾

اور البتہ تحقیق ہم نے آپ ﷺ سے قبل موسیٰ اور ہارون کو ایسی چیز عطاء کی جو حق اور باطل میں فرق کرنے والی اور ایک کو دوسرے سے جدا کرنے والی تھی، مراد اس سے توریت ہے جو حق اور باطل اور حلال وحرام کے فرق کو واضح کرنے والی تھی اور ان کو روشنی عطاء کی۔ یعنی ان کو ایک روشن کتاب عطاء کی جس سے تاریکیوں میں راستہ نظر آئے اور پرہیزگاروں کے لیے وعظ ونصیحت کی چیز عطاء کی۔ یہ تینوں صفتیں توریت کی ہیں جو حق اور باطل کا فیصلہ کرتی تھی۔ اور مشعل ہدایت تھی جس سے دل میں نور پیدا ہوتا تھا اور وعظ ونصیحت تھی۔ ایسے پرہیزگاروں کے لیے جن کا وصف یہ ہے کہ جو اپنے پروردگار سے بغیر دیکھے ڈرتے ہیں اور خاص طور پر وہ قیامت سے لرزاں اور ترساں رہتے ہیں اور توریت کے بعد یہ قرآن جو تمہارے پاس ہے یہ بھی ایک عظیم برکت والی نصیحت ہے جس کو ہم نے مقام عظمت وجلال سے اتارا ہے اور جو انوار وبرکات میں تمام کتب سماویہ سے بڑھ کر ہے۔ سو کیا اے اہل مکہ تم اس مشعل ہدایت سراپا نور وبرکت کی نورانیت اور برکت کے منکر ہو۔ اور اس کی نورانیت اور خیر وبرکت کو دیکھ کر یہ نہیں سمجھتے کہ یہ کتاب اللہ نے اتاری ہے۔ آنحضرت ﷺ نے خود اس کتاب کو نہیں بنالیا۔ اس مبارک کتاب کی خیر وبرکت اور نورانیت اس کے دل میں پہنچتی ہے جو اپنے پروردگار سے ڈرتا ہو اور قیامت سے لرزتا ہو۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ﴿۵۱﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا

اور آگے دی تھی ہم نے ابراہیم کو اس کی نیک راہ ف۱ اور ہم رکھتے ہیں اس کی خبر ف۲ جب کہا اس نے اپنے باپ کو اور اپنی قوم کو

اور آگے دی تھی ہم نے ابراہیم کو اس کی نیک راہ، اور ہم رکھتے ہیں اس کی خبر۔ جب کہا اس نے اپنے باپ کو اور اپنی قوم کو،

هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ﴿۵۲﴾ قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ﴿۵۳﴾ قَالَ لَقَدْ

یہ کیسی مورتیں ہیں جن پر تم مجاور بنے بیٹھے ہو ف۳ بولے ہم نے پایا اپنے باپ دادوں کو انہی کی پوجا کرتے ف۴ بولا

یہ کیا مورتیں ہیں جن پر تم لگے بیٹھے ہو؟ بولے، ہم نے پایا اپنے باپ دادوں کو انہیں کو پوجتے۔ بولا،

ف۱ یعنی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت موسیٰ و ہارون علیہما الصلوٰۃ والسلام سے پیشتر ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو اس کی اعلیٰ قابلیت وشان کے مناسب رشد وہدایت دی تھی، بلکہ جوانی سے پہلے ہی بچپن میں اسے نیک راہ پر ڈال دیا تھا جو ایسے اولوالعزم انبیاء کے شایان شان ہو۔

ف۲ یعنی اس کی استعداد واہلیت اور کمالات علمیہ کی پوری خبر ہم ہی رکھتے ہیں۔ اسی لیے جو رشد وہدیٰ اس کے حسب حال تھی ہم نے عطا کر دی۔

ف۳ یعنی ذرا ان کی اصلیت اور حقیقت تو بیان کرو۔ آخر پتھر کی خود تراشیدہ مورتیاں خدا کسی طرح بن گئیں۔

ف۴ یعنی عقل وفطرت اور نقل معتبر کی کوئی شہادت ہماری تائید میں نہیں ہے نہ سہی لیکن بڑی بھاری دلیل بت پرستی کے حق وصواب ہونے کی یہ ہے کہ اوپر سے ہمارے باپ دادا ان ہی کی پوجا کرتے چلے آئے ہیں۔ پھر ہم اپنے بڑوں کا طریقہ کیسے چھوڑ دیں۔

كُنتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ﴿۵۴﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ

مقرر رہے تم اور تمہارے باپ دادے صریح گمراہی میں ف۱ بولے تو ہمارے پاس لایا ہے سچی بات یا تو

مقرر رہے ہو تم اور تمہارے باپ دادے صریح غلطی میں۔ بولے، تو ہم پاس لایا ہے سچی بات، یا تو

اللّٰعِبِیْنَ﴿۵۵﴾ قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِیْ فَطَرَهُنَّ ۖ وَاَنَا عَلٰی ذٰلِكُمْ

کھلاڑیاں کرتا ہے ف۲ بولا نہیں رب تمہارا وہی ہے رب آسمان اور زمین کا جس نے ان کو بنایا اور میں اسی بات کا

کھلاڑیاں کرتا ہے۔ بولا، نہیں پر رب تمہارا وہی ہے، رب آسمان اور زمین کا، جس نے ان کو بنایا، اور میں اسی بات کا

مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ﴿۵۶﴾ وَتَاللّٰهِ لَاَكِیْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِیْنَ﴿۵۷﴾ فَجَعَلَهُمْ

قائل ہوں ف۳ اور قسم اللہ کی میں علاج کروں گا تمہارے بتوں کا جب تم جا چکو گے پیٹھ پھیر کر ف۴ پھر کر ڈالا

قائل ہوں۔ اور قسم اللہ کی ! میں علاج کروں گا تمہارے بتوں کا، جب تم جا چکو گے پیٹھ پھیر کر۔ پھر کر ڈالا

جُذٰذًا اِلَّا كَبِیْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَیْهِ یَرْجِعُوْنَ﴿۵۸﴾ قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ

ان کو ٹکڑے ٹکڑے مگر ایک بڑا ان کا کہ شاید اس کی طرف رجوع کریں ف۵ کہنے لگے کس نے کیا یہ کام ہمارے معبودوں کے ساتھ وہ تو کوئی

ان کو ٹکڑے، مگر ایک بڑا ان کا، کہ شاید اس پاس پھر آویں۔ کہنے لگے، کس نے کیا یہ کام ہمارے ٹھاکروں سے ؟ وہ کوئی

الظّٰلِمِیْنَ﴿۵۹﴾ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًی یَّذْكُرُهُمْ یُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِیْمُ﴿۶۰﴾ قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓی

بے انصاف ہے ف۶ وہ بولے ہم نے سنا ہے ایک جوان بتوں کو کچھ کہا کرتا ہے، اس کو کہتے ہیں ابراہیم ف۷ وہ بولے اس کو لے آؤ

بے انصاف ہے۔ وہ بولے، ہم نے سنا ہے ایک جوان ان کو کچھ کہتا، اس کو پکارتے ہیں ابراہیم۔ وہ بولے، اس کو لے آؤ

ف۱ یعنی اس دلیل سے تمہاری حقانیت اور عقلمندی ثابت نہ ہوئی۔ ہاں یہ ثابت ہوا کہ تمہارے باپ دادا بھی تمہاری طرح گمراہ اور بیوقوف تھے جن کی کورانہ تقلید میں تم تباہ ہو رہے ہو۔

ف۲ تمام قوم کے عقیدہ کے خلاف ابراہیم علیہ السلام کی ایسی سخت گفتگو سن کر ان میں اضطراب پیدا ہو گیا کہنے لگے کیا سچ مچ تیرا خیال اور عقیدہ یہی ہے یا محض ہنسی اور دل لگی کرتا ہے۔

ف۳ یعنی میرا عقیدہ یہی ہے اور پورے یقین وبصیرت سے اس کی شہادت دیتا ہوں کہ میرا تمہارا سب کا رب وہی ایک خدا ہے جس نے آسمان زمین پیدا کیے اور ان کی دیکھ بھال رکھی۔ کوئی دوسری چیز اس کی خدائی میں شریک نہیں ہو سکتی۔

ف۴ یہ بات ذرا آہستہ کہی کہ بعض نے سنی، بہتوں نے نہ سنی، جنہوں نے سنی اس کی کچھ پروا نہ کی، کیونکہ وہ سمجھ رہے تھے کہ تنہا ایک نوجوان ساری قوم کے معبودوں کا کیا بگاڑ سکتا ہے۔

ف۵ جب وہ لوگ شہر سے باہر ایک میلہ میں گئے تب ابراہیم علیہ السلام نے بت خانہ میں جا کر بتوں کو توڑ ڈالا۔ صرف ایک بت کو باقی رہنے دیا جو باعتبار جثہ کے یا تعظیم وتکریم کے ان کے نزدیک سب سے بڑا تھا، اور جس کلہاڑی سے توڑا تھا وہ اس بڑے کے گلے میں لٹکا دی، تاکہ وہ لوگ جب واپس آ کر یہ صورت حال دیکھیں تو قدرتی طور پر ان کا خیال اس بڑے بت کی طرف ہو یا الزاماً اس کی طرف رجوع کرایا جا سکے۔

ف۶ یعنی یہ گستاخی اور بے ادبی کی حرکت ہمارے معبودوں کے ساتھ کس نے کی یقیناً جس نے یہ کام کیا بڑا ظالم اور شریر ہے (استغفر اللہ) یہ شاید ان لوگوں نے کہا ہوگا جن کے کان تک ﴿وَتَاللّٰهِ لَاَكِیْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ﴾ کی آواز نہ پہنچی تھی۔

اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ﴿۶۲﴾

لوگوں کے سامنے شاید وہ دیکھیں ف۱ بولے کیا تو نے کیا ہے یہ ہمارے معبودوں کے ساتھ اے ابراہیم

لوگوں کے سامنے، شاید وہ دیکھیں۔ بولے، کیا تو نے کیا ہے یہ ہمارے ٹھاکروں پر اے ابراہیم!

قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۳﴾ فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ

بولا نہیں پر یہ کیا ہے ان کے اس بڑے نے سو ان سے پوچھ لو اگر وہ بولتے ہیں ف۲ پھر سوچے اپنے جی میں

بولا نہیں، پر یہ کیا ان کے اس بڑے نے سو اس سے پوچھ لو اگر وہ بولتے ہیں۔ پھر سوچے اپنے جی میں،

فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾ ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ ۚ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ

پھر بولے لوگو! تم ہی بےانصاف ہو ف۳ پھر اوندھے ہوگئے سر جھکا کر ف۴ تو تو جانتا ہے جیسا

پھر بولے، لوگو! تم ہی بےانصاف ہو۔ پھر اوندھے ہو رہے سر ڈال کر تو تو جانتا ہے جیسا

يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۵﴾ قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ﴿۶۶﴾ اُفٍّ

یہ بولتے ہیں ف۵ بولا کیا پھر تم پوجتے ہو اللہ سے ورے ایسے کو جو تمہارا کچھ بھلا کرے نہ برا بیزار ہوں

یہ بولتے ہیں۔ بولا، کیا پھر تم پوجتے ہو اللہ سے ورے ایسے کو، کہ تمہارا کچھ بھلا کرے نہ برا؟ بیزار ہوں

= ف یہ کہنے والے وہ لوگ ہوں گے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جملے سن چکے تھے۔ یعنی وہی ایک شخص ہے جو ہمارے معبودوں کا ذکر برائی سے کیا کرتا ہے، یقیناً یہ کام اسی نے کیا ہوگا۔

ف۱ یعنی اس کو بلا کر برملا مجمع عام میں بیان لیا جائے۔ تاکہ معاملہ کو سب لوگ دیکھ کر خود اس کی باتیں سن کر گواہ رہیں کہ جو سزا اس کو قوم کی طرف سے دی جائے گی بیشک وہ اس کا مستحق تھا۔ یہ تو ان کی غرض تھی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقصود بھی یہی ہوگا کہ مجمع عام میں ان کو موقع ملے کہ مشرکین کو عاجز و مبہوت کریں اور علیٰ رؤس الاشہاد غلبہ حق کا اظہار ہو۔

ف۲ یعنی مجھ سے دریافت کرنے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ یہ فرض کرلیا جائے کہ اس بڑے گرو گھنٹال نے جو صحیح سالم کھڑا ہے اور توڑنے کا آلہ بھی اس کے پاس موجود ہے، یہ کام کیا ہوگا۔ لیجیے بحث و تحقیق کے وقت بطور الزام و تبکیت میں یہ دعویٰ کیے لیتا ہوں کہ بڑے بت نے سب چھوٹوں کو توڑ ڈالا۔ اب آپ کے پاس کیا دلیل ہے کہ ایسا نہیں ہوا۔ کیا دنیا میں ایسا ہوتا نہیں کہ بڑے سانپ چھوٹے سانپوں کو، بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو نگل جاتی ہے۔ اور بڑے بادشاہ چھوٹی سلطنتوں کو تباہ کر ڈالتے ہیں، اس لیے بہترین صورت میرے تمہارے درمیان فیصلہ کی یہ ہے کہ تم خود اپنے ان معبودوں ہی سے دریافت کرلو کہ یہ ماجرا کس طرح ہوا۔ اگر یہ کچھ بول سکتے ہیں تو کیا ایسے اہم معاملہ میں بول کر میرے جھوٹ سچ کا فیصلہ نہ کر دیں گے؟

(تنبیہ) ہماری تقریر سے ظاہر ہوگیا کہ ﴿بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا﴾ کہنا خلاف واقعہ خبر دینے کے طور پر نہ تھا جسے حقیقۃً جھوٹ کہا جائے بلکہ ان کی تمیق و تجہیل کے لیے ایک فرضی احتمال کو بصورت دعویٰ لے کر بطور تعریض و الزام کلام کیا گیا تھا جیسا کہ عموماً بحث و مناظرہ میں ہوتا ہے اس کو جھوٹ نہیں کہہ سکتے۔ ہاں بظاہر صورت جھوٹ کی معلوم ہوتی ہے اسی لیے بعض احادیث میں اس پر لفظ کذب کا اطلاق صورۃً کیا گیا ہے۔ مفسرین نے اس کی توجیہ میں اور بھی کئی بیان کیے ہیں۔ مگر ہمارے نزدیک یہی تقریر زیادہ صاف بےتکلف اور اقرب الی الروایات ہے۔ واللہ اعلم۔

ف۳ یعنی سمجھے کہ بیکار پتھر پوجنے سے کیا حاصل یا یہ مطلب ہو کہ تم نے خود اپنے اوپر ظلم کیا کہ باوجود ابراہیم علیہ السلام کی دھمکی سننے کے یوں ہی لاپروائی سے بت خانہ کھلا چھوڑ کر چلے گئے اپنے معبودوں کی حفاظت کا کوئی سامان کر کے نہ گئے کذا قال ابن کثیر۔

ف۴ یعنی شرمندگی سے آنکھ نہیں ملا سکے تھے۔

ف۵ یعنی جان بوجھ کر ہم سے ایسی ناممکن بات کا مطالبہ کیوں کرتا ہے کہیں پتھر بھی بولے ہیں؟

لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۶۷ قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ

میں تم سے اور جن کو تم پوجتے ہو اللہ کے سوائے کیا تم کو سمجھ نہیں ف۱ بولے اس کو جلاؤ اور مدد کرو اپنے معبودوں کی

میں تم سے اور جن کو تم پوجتے ہو اللہ کے سوا۔ کیا تم کو بوجھ نہیں؟ بولے، اس کو جلاؤ اور مدد کرو اپنے ٹھاکروں کی،

اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ۝۶۸ قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ۝۶۹ وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا

اگر کچھ کرتے ہو ف۲ ہم نے کہا اے آگ ٹھنڈک ہوجا اور آرام ابراہیم پر ف۳ اور چاہنے لگے اس کا برا

اگر کچھ کرتے ہو۔ ہم نے کہا اے آگ! ٹھنڈک ہوجا اور آرام، ابراہیم پر۔ اور چاہنے لگے اس کا برا،

فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ۝۷۰ وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ۝۷۱

پھر انہی کو ہم نے ڈالا نقصان میں ف۴ اور بچا نکالا ہم نے اس کو اور لوط کو اس زمین کی طرف جس میں برکت رکھی ہے ہم نے جہاں کے واسطے ف۵

پھر انہی کو ہم نے ڈالا نقصان میں۔ اور بچا نکالا ہم نے اسکو اور لوط کو، اس زمین کی طرف جس میں برکت رکھی ہم نے جہان کے واسطے۔

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ ؕ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً ؕ وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ۝۷۲ وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً

اور بخشا ہم نے اس کو اسحٰق اور یعقوب دیا انعام میں ف۶ اور سب کو نیک بخت کیا ف۷ اور ان کو کیا ہم نے

اور بخشا ہم نے اس کو اسحٰق، اور یعقوب دیا انعام میں، اور سب کو نیک بخت کیا۔ اور ان کو کیا ہم نے

ف۱ یعنی پھر تم کو ڈوب مرجانا چاہیے کہ جو مورتی ایک لفظ نہ بول سکے، کسی آڑے وقت کام نہ آسکے، ذرہ برابر نفع ونقصان اس کے اختیار میں نہ ہو، اسے خدائی کا درجہ دے رکھا ہے، کیا اتنی موٹی بات بھی تم نہیں سمجھ سکتے۔

ف۲ یعنی بحث ومناظرہ میں تو اس سے جیت نہیں سکتے۔ اب صرف ایک ہی صورت ہے کہ (جو معبود ہماری بلکہ خود اپنی مدد نہیں کرسکتے) ہم ان کی مدد کریں اور ان کے دشمن کو سخت ترین سزا دیں۔ اگر ایسا نہ کرسکے تو ہم نے کچھ کام نہ کیا۔ چنانچہ اس مشورہ کے موافق حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں جلانے کی سزا تجویز ہوئی۔ گویا جس طرح ابراہیم علیہ السلام نے بت توڑ کر ان کے دل جلائے تھے، یہ ان کو آگ میں جلا ڈالیں۔ آخر ظالموں نے جمع ہو کر نہایت اہتمام اور بے رحمی کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سخت بھڑکتی ہوئی آگ کی نذر کردیا۔

ف۳ یعنی تکویناً آگ کو حکم ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام پر ٹھنڈی ہوجا۔ لیکن اس قدر ٹھنڈی نہیں کہ برودت سے تکلیف پہنچنے لگے۔ ایسی معتدل ٹھنڈی ہو جو جسم وجان کو خوشگوار معلوم ہونے لگے۔

(تنبیہ) آگ کا ابراہیم علیہ السلام پر ٹھنڈا ہوجانا ان کا معجزہ تھا۔ معجزہ کی حقیقت یہ ہی ہے کہ حق تعالیٰ اپنی عام عادت کے خلاف سبب عادی کو مسبب سے یا مسبب کو سبب سے جدا کردے، یہاں احراق کا سبب (آگ) موجود تھی، مگر مسبب اس پر مرتب نہ ہوا، معجزہ وغیرہ کے متعلق مفصل کلام ہم نے ایک مستقل تحریر میں کیا ہے جو رسالہ "القاسم" کے کئی نمبروں میں چھپ چکی۔ فلیراجع۔

ف۴ یعنی ابراہیم علیہ السلام کا برا چاہتے تھے، لیکن خود ناکامی، ذلت اور خسارہ میں پڑ گئے حق کی صداقت برملا ظاہر ہوئی اور اللہ کا کلمہ بلند ہوا۔ قال فی البحر المحیط "قد اکثر الناس فی حکایته ماجریٰ لابراهیم علیه السلام۔ والذی صح هو ما ذکره الله تعالیٰ من انه علیه السلام القی فی النار فجعلها الله علیه برداً وسلماً"

ف۵ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مع حضرت لوط علیہ السلام کے صحیح سالم ملک شام میں لے گئے جہاں بہت سی ظاہری وباطنی برکات ودیعت کی گئی ہیں۔

ف۶ یعنی بڑھاپے میں بیٹا مانگا تھا، ہم نے پوتا بھی دے دیا۔ یعنی یعقوب علیہ السلام۔

ف۷ یعنی ابراہیم، لوط، اسحاق، یعقوب علیہم السلام اعلیٰ درجہ کے نیک بندوں میں ہیں۔ کیونکہ سب نبی ہوئے اور انبیاء سے بڑھ کر نیکی کس میں ہوسکتی ہے۔

يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَكَانُوْا

پیشوا راہ بتلاتے تھے ہمارے حکم سے ف ۱ اور کہلا بھیجا ہم نے ان کو کرنا نیکیوں کا اور قائم رکھنی نماز اور دینی زکوٰۃ ف ۲ اور وہ تھے

پیشوا، راہ بتاتے ہمارے حکم سے، اور کہہ بھیجا ان کو کرنا نیکیوں کا، اور کھڑی رکھنی نماز اور دینی زکوٰۃ۔ اور وہ تھے

لَنَا عٰبِدِيْنَ ۚ

ہماری بندگی میں لگے ہوئے ف ۳

ہماری بندگی میں لگے۔

(۲) قصہ حضرت ابراہیم علیہ السلام

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ... الی... وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ﴾

یہ دوسرا قصہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے جو اہل عرب اور اہل کتاب کے مسلّم بزرگ ہیں اور ابتداء عمر سے توحید کے دلدادہ اور شرک اور بت پرستی کے دشمن تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اولوالعزم پیغمبروں میں سے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور البتہ تحقیق ہم نے ابراہیم کو موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام سے پہلے یا محمد رسول اللہ ﷺ سے پہلے خاص ہدایت اور خاص صلاحیت عطا کی تھی۔ جو ان کی شان کے لائق تھے اور ہم ان کی ہدایت اور صلاحیت سے واقف اور باخبر تھے ہم ہی نے ان کو مکارم اخلاق اور محاسن اعمال کا منبع اور مخزن بنایا تھا یا یہ معنی ہیں کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو نبی ہونے سے پہلے ہی حق کی معرفت عطا کردی تھی یا ان کے بالغ ہونے سے پہلے ہی ہم نے ان کو خاص اور کامل رشد عطاء کی تھی ہم ان کی صلاحیت اور اہلیت سے باخبر تھے کیونکہ ان کے وجود کی طرح ان کی صلاحیت بھی ہماری عطا کردہ تھی اور اس کا ظہور اس وقت ہوا۔ جبکہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے کہا کہ یہ مورتیں کیا ہیں جن کے تم معتکف اور مجاور بنے ہوئے ہو اور جن کی عبادت پر تم جمے بیٹھے ہو وہ بولے ہم نے اپنے باپ دادوں کو انہی کی پوجا کرنے والا پایا لہٰذا ہم ان کی تقلید کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا کہ بیشک تم اور تمہارے باپ دادا کھلی گمراہی میں پڑے رہے ان کا یہ عمل کسی حجت اور برہان کی بنا پر نہ تھا بلکہ محض ان کے نفس کی خواہش تھی اور ایسی کھلی گمراہی تھی جو کسی عاقل پر مخفی نہیں ہوسکتی وہ تعجب سے بولے کیا تو حقیقت میں کوئی حق بات لے کر آیا ہے یا تو دل لگی کرنے والوں میں سے ہے ہمارے ساتھ دل لگی کرتا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا بلکہ تم کھیل اور دل لگی کر رہے ہو۔ حق اور حقیقت یہ ہے کہ تمہارا رب وہ ہے جس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا اور اس بات پر تمام ملائکہ اور تمام مخلوق الٰہی شاہد اور گواہ ہے اور میں بھی منجملہ شاہدوں کے ایک شاہد ہوں اور میں اس امر واضح پر دلیل اور برہان بھی قائم کرسکتا ہوں اور میں اس کو خوب جانتا ہوں اور اس پر یقین رکھتا ہوں اور آہستہ سے کہا کہ خدا کی قسم میں تمہارے ان

ف ۱ یعنی ایسے کامل تھے کہ دوسروں کی تکمیل بھی کرتے تھے۔

ف ۲ یعنی ان کی طرف وحی بھیجی جس میں ان امور کی تاکید تھی۔ یہ ان کا کمال عملی ہوا۔

ف ۳ یعنی شب و روز ہماری بندگی میں لگے رہتے تھے کسی دوسری طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے تھے۔ یہ ہی انبیاء کی شان ہوتی ہے کہ ان کا ہر کام خدا کی بندگی کا پہلو لیے ہوتا ہے۔ یہ عملی کمال ہوا۔

بتوں کی خوب گت بناؤں گا۔ جب تم پشت پھیر کر ان بتوں کے پاس سے کہیں چلے جاؤ گے۔ یعنی جب تم عید میں چلے جاؤ گے تو میں تمہارے بتوں کا علاج کروں گا یعنی تمہارے بتوں کو توڑ ڈالوں گا جس سے انکا عاجز اور درماندہ ہونا تمہارے مشاہدہ میں آجائے گا۔ پس جب وہ لوگ اپنی عید میں جانے لگے تو ابراہیم علیہ السلام مرض کا عذر کر کے پیچھے رہ گئے اور کہا کہ میں بیمار ہوں کسی نے کیا خوب کہا ہے:

اگر تماشائے عید طلبند خلیل وار بدیشاں بگو کہ بیمارم

جب وہ چلے گئے تو ابراہیم علیہ السلام ان کے بت خانہ میں داخل ہوئے تو دیکھا ایک بڑا بت رکھا ہوا ہے اور اس کے دونوں جانب چھوٹے چھوٹے بت ہیں اور ان کے سامنے کھانا رکھا ہوا ہے تو ابراہیم علیہ السلام نے بطور استہزا ان سے خطاب کیا ﴿اَلَا تَاْكُلُوْنَ﴾ تم کھاتے کیوں نہیں۔ بعد ازاں کہا ﴿مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ﴾ تم کو کیا ہوا کہ بولتے نہیں۔ بعد ازاں ایک تبر سے ان کو توڑنا شروع کر دیا کما قال تعالیٰ ﴿فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ﴾۔ اور سوائے ایک بت کے جو سب سے بڑا تھا سب کو توڑ ڈالا اور کلہاڑا اس بڑے بت کی گردن پر رکھ دیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ پس کر دیا ابراہیم علیہ السلام نے ان بتوں کو ٹکڑے مگر ان کے بڑے بت کو نہ توڑا اور کلہاڑا اس کی گردن میں لٹکا دیا۔ شاید وہ مشرکین اپنے اس بڑے بت کی طرف رجوع کریں جیسا کہ انکا طریقہ ہے کہ وہ مشکلات میں بتوں کی طرف رجوع کرتے ہیں اور آ کر اس سے پوچھیں کہ ان چھوٹے بتوں کو کس نے توڑا۔ ابراہیم علیہ السلام کی غرض ان کو الزام دینا تھا کہ جن کو تم نے معبود بنا رکھا ہے وہ ایسے عاجز اور لاچار ہیں کہ اپنی حفاظت بھی نہیں کر سکتے اور اس بڑے بت نے بھی چھوٹے بتوں کی کوئی مدد نہ کی اور عجب نہیں کہ بڑے بت کی گردن میں کلہاڑا لٹکانے سے اشارہ اس طرف ہو کہ اس منظر کو دیکھ کر لوگ خیال کریں کہ اس بڑے بت کو غیرت آئی کہ میرے ساتھ ان چھوٹے بتوں کی کیوں پرستش کی جاتی ہے۔ اس لیے غیرت کی بناء پر اس نے ان سب کو ہلاک کر دیا۔

خلاصہ کلام یہ کہ ﴿لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ﴾ میں الیہ کی ضمیر ﴿كَبِيْرًا لَّهُمْ﴾ (یعنی بڑے بت) کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ شاید عید سے واپسی کے بعد اس بڑے بت کی طرف رجوع کریں۔ جس طرح کہ وہ حل مشکلات میں اس کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اس منظر کو دیکھ کر اس سے یہ کہیں کہ ان بتوں کو کیا ہوا کہ سب کے سب ٹوٹے پھوٹے پڑے ہیں اور تجھے کیا ہوا کہ تو صحیح سالم ویسا ہی ہے اور یہ کیسا تیشہ ہے جو تیری گردن میں لٹکا ہوا ہے یہ دیکھ کر جان لیں گے کہ یہ بت کسی بھلائی اور برائی کے مالک نہیں یہ تو ایسے عاجز ہیں کہ اپنے سے بھی ضرر کو دفع نہیں کر سکتے۔ یہ کیسے معبود ہو سکتے ہیں۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ الیہ کی ضمیر ابراہیم علیہ السلام کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ شاید وہ لوگ واپسی کے بعد ابراہیم علیہ السلام کی طرف رجوع کریں۔ کیونکہ وہ بتوں کی عداوت میں مشہور تھے۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ الیہ کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ شاید وہ اپنے بتوں کی عاجزی اور لاچاری اور ان کی ذلت وخواری کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف رجوع کریں، غرض یہ کہ اس بحث ومناظرہ میں دو طریقے اختیار کیے ایک قولی اور ایک فعلی۔ اول زبان سے ان کے بتوں کی بے بسی ثابت کی۔ جب وہ اس سے قائل نہ ہوئے تو زبانی حجت سے گزر کر فعل سے بتوں کی بے بسی ثابت کی کہ وہ اپنی حفاظت اور مدافعت سے بھی عاجز ہیں اس طرح قول اور

فعل دونوں طریق سے ان پر حجت قائم کر دی۔

پس جب وہ لوگ اپنی عید سے واپس آئے اور بت خانے میں داخل ہوئے تو انہوں نے اپنے بتوں کا حال دیکھا بولے کس نے ایسا کیا ہمارے بتوں کے ساتھ وہ شخص جس نے ایسا کام کیا بیشک وہ ظلم کرنے والوں میں سے ہے۔ بعض نے کہا کہ ہم نے ایک نوجوان کو سنا ہے کہ وہ انکا تذکرہ برائی کے ساتھ کرتا رہتا ہے اس کا نام ابراہیم علیہ السلام بتلایا جاتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کام اس نے کیا ہے یہ کام اس کے سوا کون کر سکتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب مشرکین سے گفتگو کی تھی تو اس وقت ان کی زبان سے یہ لفظ نکلا تھا۔ ﴿تَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ﴾ الخ میں تمہارے ساتھ ایک چال چلوں گا تو جس شخص نے یہ لفظ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان سے سنا تھا اس نے یہ کہا کہ میرا گمان یہ ہے کہ یہ کام اس نوجوان کا ہے کہ بتوں کا برائی کے ساتھ ذکر کرتا تھا۔ جب یہ خبر نمرود اور اس کے ارکان دولت کو پہنچی تو بولے کہ پھر تو اس کو لے آؤ۔ لوگوں کی آنکھوں کے سامنے تا کہ لوگ گواہی دیں کہ بتوں کو توڑنے والا یہی شخص ہے یا یہ معنی ہیں کہ اس کو لوگوں کے سامنے لاؤ تا کہ اس کو دیکھیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی یہی چاہتے تھے کہ مجمع میں اس پر گفتگو ہو تا کہ ان لوگوں کی جہالت اور بے عقلی ظاہر ہو کہ جوان بتوں کی عبادت کرتے ہیں۔ چنانچہ ابراہیم علیہ السلام حاضر کیے گئے اس وقت ان لوگوں نے کہا کہ اے ابراہیم کیا تو نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ کام کیا ہے، ابراہیم علیہ السلام نے جواب میں کہا بلکہ اس کام کو ان کے اس بڑے نے کیا ہے جو صحیح سالم کھڑا ہے اور تیشہ (کلہاڑا) اپنی گردن میں لٹکائے ہوئے ہے جو توڑنے کا آلہ ہے۔ شاید اس کو اس بات پر غصہ اور غیرت آئی ہو کہ تم اس بڑے کے ساتھ اور اس کے سامنے ان چھوٹوں کو کیوں پوجتے ہو اس لیے اس نے ان کو توڑ دیا۔ کیا جب اس بڑے بت کا معبود ہونا ممکن ہے تو کیا یہ ممکن نہیں کہ یہ کام بھی اس نے ہی کیا ہو اور اگر تمہیں یہ شبہ ہے کہ یہ کام میں نے کیا ہے سو تم ان چھوٹے بتوں ہی سے پوچھ لو اگر یہ بول سکتے ہیں یہ خود ہی بتلا دیں گے کہ یہ کام کس نے کیا ہے۔ تمہارے اعتقاد میں جب یہ بت تمہاری حاجت روائی کر سکتے ہیں تو لامحالہ تمہارے سوال کا جواب بھی دے سکیں گے۔ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کی مراد یہ تھی کہ جو اس درجہ عاجز ہے کہ بولنے پر بھی قادر نہیں تو اس کو معبود بنانا حماقت ہے۔ کیونکہ جو بولنے سے بھی عاجز ہے اور جس مکان میں یہ واقعہ پیش آیا اس کے علم سے بھی قاصر ہے تو وہ معبود کیونکر ہو سکتا ہے۔ بتوں کو توڑنے والے بلاشبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے لیکن ﴿بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ﴾ کہہ کر توڑنے کا حوالہ بڑے بت پر جو کیا تو وہ بطور جد (حقیقت) نہ تھا بلکہ بطور استہزا و تمسخر تھا۔ جس سے مقصود ان کی تحمیق و تجہیل تھی کیونکہ صورت حال ایسی تھی کہ یہ فعل (بتوں کا توڑنا) حضرت خلیل اللہ علیہ السلام اور بڑے بت کے درمیان دائر تھا جس میں سے ایک بلاشبہ عاجز تھا یعنی بت اور ایک بلاشبہ قادر تھا یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام۔ اور عقلاء کے نزدیک یہ قاعدہ مسلم ہے کہ جو فعل عاجز اور قادر کے درمیان دائر ہو یعنی ایک تو اس فعل پر قادر ہو اور دوسرا اس فعل سے عاجز ہو قادر کو چھوڑ کر عاجز کی طرف اس فعل کی نسبت کی جائے تو عاجز کے ساتھ تمسخر اور استہزاء ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یقین تھا کہ احتمال کے درجہ میں بھی کافروں کو یہ خیال نہیں آئے گا کہ اس بڑے بت نے ان چھوٹے بتوں کو توڑ کر کلہاڑا اپنی گردن پر لٹکا لیا ہے۔ محض استہزا کے طور ان سے یہ کہا۔ ہے، یہ ایسا ہے جیسے کسی اعجاز رقم یعنی خوشنما تحریر کی کتابت کی نسبت کسی جاہل اور ان پڑھ کی طرف کر دی جائے اور اس ان پڑھ سے کہا جائے کہ یہ اعجاز رقم کتابت آپ ہی نے فرمائی ہے تو بلاشبہ یہ اس جاہل کے ساتھ استہزا ہوگا اور یہ مطلب ہرگز ہرگز نہ ہوگا کہ فی

الحقیقت اس کندہ ناتراش نے یہ خوشنما تحریر لکھی ہے بلکہ یہ ایک قسم کا طنز ہوگا اگر کسی جاہل کو یہ کہا جائے کہ تو بڑا عالم ہے تو کسی عاقل کے نزدیک یہ جھوٹ شمار نہ ہوگا غرض یہ کہ اس قول ﴿بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ﴾ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقصود کسی واقعہ کی خبر دینا نہ تھا کہ اس کو کذب کہا جا سکے بلکہ بطور کنایہ ان کی تحمیق و تجہیل مقصود تھی۔ دیکھو تفسیر کبیر، ص: ۱۲۹ و حاشیہ شہاب خفاجی علی تفسیر البیضاوی، ص: ۱۶۱ اور حضرات اہل علم اس مقام پر حاشیہ شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی: ۳/ ۵۵ ضرور دیکھیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ نہیں کہا کہ میں نے بت نہیں توڑے یا میں نہیں جانتا کہ کس نے یہ بت توڑے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کے توڑنے اور پھوڑنے کے متعلق صراحتاً نہ اقرار کیا اور نہ انکار کیا بلکہ ایسی بات کہی جس سے خود ظاہر ہو گیا کہ توڑنے والا کون ہے جیسے ایک کوٹھری میں فقط ایک شخص بیٹھا ہے اس نے زید کو پکارا زید نے متوجہ ہو کر وہاں آ کر پوچھا کہ اس کوٹھری میں سے مجھے کس نے پکارا۔ اس نے جواب دیا کہ دیوار نے تو صاف مطلب یہ ہے کہ میں نے پکارا، اس لیے کہ اس کوٹھری میں میرے سوا کوئی پکارنے والا نہیں اور دیوار پکار نہیں سکتی۔ تو مطلب یہ ہوگا کہ میں نے پکارا ہے۔ اسی طرح ابراہیم علیہ السلام کو یہ کلام بطور اخبار نہ تھا بلکہ طریق تعریض و توریہ ان کے الزام اور تحمیق و تجہیل کے لیے تھا اور اس کے بعد کا جملہ ﴿فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ﴾۔ اسی تجہیل کی تتمیم و تکمیل کے لیے تھا کہ یہ بت اگر بول سکتے ہیں تو یہ کام بھی کر سکتے ہیں اور ظاہر ہے کہ ان کا بولنا تو محال ہے تو معلوم ہوا کہ انکا یہ کام کرنا بھی محال ہے اور تم ہی نادان ہو کہ ایسی ذات کو معبود بنائے ہوئے ہو کہ جو بولنے پر بھی قادر نہیں۔ خلاصہ کلام یہ کہ ابراہیم علیہ السلام کا یہ فرمانا یعنی توڑنے کو بڑے بت کی طرف نسبت کرنا بطور تعلیق بالمحال تھا جس سے مقصود ان کی تبکیت اور توبیخ اور تنبیہ تھی معاذ اللہ یہ کسی واقعہ کی خبر نہ تھی جو کذب (جھوٹ) میں داخل ہو سکے۔ اور بعض احادیث میں جو اس پر کذب کا اطلاق آتا ہے تو وہ محض ظاہری صورت کے اعتبار سے ہے نہ کہ حقیقت کے اعتبار سے اور مقصود محض الزام اور اتمام حجت ہے۔ (دیکھو تفسیر بیضاوی و حاشیہ شیخ زادہ: ۳/ ۳۵۵)

علامہ نسفی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں کیا خوب فرماتے ہیں فان من لا یدفع عن نفسه الفأس کیف یدفع عن عابدیه البأس۔ (تحقیق جو ذات اپنے سر سے کلہاڑے کو دفع نہ کر سکے وہ اپنے پرستاروں کی بلا اور مصیبت کو کیسے دفع کر سکتی ہے)۔ غرض یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ جواب لاجواب سن کر سب خاموش رہ گئے۔ تب انہوں نے اپنی عقلوں کی طرف رجوع کیا اور جہالت اور حماقت پر متنبہ ہو کر شرمندہ ہوئے پھر آپس میں بولے کہ بیشک تم ہی ظالم ہو تم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور جہالت اور حماقت پر متنبہ ہو کر شرمندہ ہوئے پھر آپس میں بولے کہ بیشک تم ہی ظالم ہو تم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا کہ ایک عاجز کو اپنا معبود بنایا۔ ابتداء میں مشرکین نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تو ظالم بتلایا تھا جب ذرا ہوش آیا تو خود اپنے کو ظالم بتلایا اور جبراً و قہراً حق ان کی زبان پر جاری ہو گیا اور سمجھ گئے کہ بتوں کی عبادت کرنا ظلم ہے اور ان کا توڑنا ظلم نہیں پھر وہ خجالت اور ندامت سے سرنگوں ہو گئے یعنی شرمندگی سے سر جھکا لیے اور حیرت میں پڑ گئے اور بولے اے ابراہیم تو تو جانتا ہے کہ یہ بولتے نہیں پھر ہم ان سے کس طرح پوچھیں اور تم ہم سے کیوں کہتا ہے کہ ان سے پوچھو۔ اس طرح سے خود اپنی حیرت کا اقرار کر لیا۔ پس جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس حجت اور اس جواب سے لاجواب ہو گئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ کیا پھر اس اقرار اور اعتراف کے بعد بھی تم اللہ کے سوا ایسی چیز کی پرستش کرتے ہو کہ اگر تم اس کی عبادت کرو تو وہ تم

کو نفع نہ پہنچا سکے اور اگر تم اس کی عبادت نہ کرو تو وہ تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکے ایسی بیکار چیزوں کی کیوں پرستش کرتے ہو۔ تف ہے تم پر اور اس چیز پر جس کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو یعنی تم اور تمہارے معبود سب ذلیل اور حقیر ہیں تو کیا تم عقل نہیں رکھتے جو اتنا بھی سمجھ سکو کہ ایسی عاجز اور لاچار چیز کو معبود بنانا صریح حماقت اور جہالت ہے جو چیز توڑی اور پھوڑی جاسکتی ہے وہ معبود کیسے ہوسکتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کی جہالت اور حماقت سے گھبرا کر ان کو تف کہا کہ میں ایسے بیوقوفوں سے بری اور بیزار ہوں کہ جو باوجود حق واضح ہوجانے کے اور عذر قطع ہوجانے کے بھی اپنی جہالت پر جمے ہوئے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس تقریر دل پذیر کا جب کوئی جواب نہ بن آیا تو بمقتضائے اس قول کے۔

چو حجت نماند جفاجوئے را پیر خاش برہم کشند روئے را

تو پرخاش اور بیکار و آزار پر اتر آئے تو آپس میں کہنے لگے کہ اس کو آگ میں جلا دو جو سب سے زیادہ ہولناک عذاب اور سزا ہے اور اپنے معبودوں کی مدد کرو اگر کچھ کر سکتے ہو یعنی اپنے معبودوں کی مدد کی صرف یہ صورت ہے کہ اسے آگ میں جلا دو بغیر اس کے ناممکن ہے جب تک یہ زندہ رہے گا برابر تمہارے معبودوں کو برا کہتا رہے گا۔ اور ان کی بے حرمتی کرتا رہے گا۔ چونکہ ابراہیم علیہ السلام لوگوں کو آتش دوزخ سے ڈراتے تھے اس لیے نمرود نے یہ رائے دی کہ اس شخص کو آگ میں ڈال کر جلا دیا جائے۔ جب نمرود اور اس کی قوم نے ابراہیم علیہ السلام کے جلانے پر اتفاق کرلیا اور ایک ہولناک آگ کا سامان کرکے ابراہیم علیہ السلام کو اس آگ میں ڈال دیا اور اس وقت ہم نے آگ کو حکم دیا کہ اے آگ تو ابراہیم پر ٹھنڈک اور سلامتی ہو جا کہ ابراہیم علیہ السلام کو اس سے کوئی تکلیف نہ ہو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوگیا اور ان کا مقصود تو حاصل نہ ہوا بلکہ اسکے برعکس حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مزید حقانیت ظاہر ہوگئی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اگر خدا تعالیٰ بردًا کے ساتھ سلامًا کا لفظ نہ فرماتے تو وہ آگ اس قدر ٹھنڈی ہوجاتی کہ ابراہیم علیہ السلام اس کی برودت سے مرجاتے یا ٹھٹھر جاتے اور اگر "علیٰ ابراھیم" (علیہ السلام) کا لفظ نہ فرماتے تو دنیا کی ساری آگیں ٹھنڈی ہوجاتیں، مطلب یہ ہوا کہ اللہ نے آگ کو حکم دیا کہ تو ابراہیم علیہ السلام کے حق میں ٹھنڈی ہوجا مگر تیری برودت ایسی معتدل اور خوشگوار ہو کہ ابراہیم علیہ السلام کی راحت کا سبب بنے۔ چنانچہ اللہ کے حکم سے ایسا ہی ہوگیا اور کعب احبار رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آگ نے ابراہیم علیہ السلام کے صرف بند جلائے اور اس کے سوا کوئی ایذاء نہیں پہنچی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے آگ کی روشنی باقی رکھی حرارت کو مبدل بہ برودت کردیا جیسے دوزخ کے مہتمم اور منتظم فرشتہ کو دوزخ کی حرارت محسوس نہیں ہوتی۔ اور شتر مرغ گرم لوہے کا ٹکڑا نگل جاتا ہے اور اس کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی اور سمندل ایک جانور ہے جو آگ میں رہتا ہے اور آگ ہی اس کی زندگی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آگ کو اپنے خلیل علیہ السلام کے لیے بردوسلام بنا دیا (دیکھو تفسیر غرائب القرآن: ۱۷/۳۵ برحاشیہ ابن جریر اور دیکھو تفسیر کبیر: ۶/۱۳۱)

اور ان لوگوں نے ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ فریب اور مکر کرنا چاہا اور ان کو جلانا چاہا پس ہم نے انہی کو ہرزیاں کار سے زیادہ تر زیاں کار کردیا کہ ان کی ساری سعی بیکار گئی اور سب خسارہ اٹھانے والوں سے بڑھ کر ان کو خسارہ اٹھانے والا کردیا اس طرح آگ کا ابراہیم علیہ السلام کے حق میں بردوسلام ہوجانا ابراہیم علیہ السلام کا معجزہ ہوا جو ان کے لیے موجب صد عزت و کرامت اور سبب صد نعمت ہوا اور کافروں کے لیے موجب صد ذلت و اہانت ہوا۔ اور معجزہ کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بلا سبب عادی

کے اپنی قدرت واختیار سے اپنے کسی برگزیدہ بندہ کی تائید وتقویت کے لیے کوئی ایسا امر ظاہر فرمائے کہ سارا عالم اس کے مثل لانے سے اوراس کے مقابلہ سے عاجز ہو۔ من جانب اللہ یہ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عزت وکرامت کا سامان ہوا کہ آگ ان کے حق میں گلزار بن گئی اور نمرود کی ذلت اور اہانت کا یہ سامان ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی قوم پر ایک نہایت حقیر جانور مچھر کو مسلط کیا کہ نمرود کے دماغ میں ایک مچھر گھس گیا جو کسی تدبیر سے نہ نکل سکا یہاں تک کہ نمرود اسی میں ہلاک ہو گیا اور مچھروں نے کافروں کے گوشت کھائے اوران کے خون چوس لیے۔ (دیکھو [1] تفسیر قرطبی: ۱۱/ ۳۰۵)

ذکر ہجرت سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام

اور بعد ازاں ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو اوران کے برادرزادہ لوط علیہ السلام کو کافروں سے نجات دی اوران سے بچا کر اس زمین کی طرف پہنچا دیا جس میں ہم نے جہان والوں کے لیے برکت رکھی ہے مراد اس ارض مبارکہ سے زمین شام ہے۔ ابراہیم علیہ السلام عراق میں رہتے تھے جہاں نمرود رہتا تھا۔ ابراہیم علیہ السلام نے عراق سے شام کی طرف ہجرت فرمائی اوران کے ساتھ اور چند آدمیوں نے بھی ہجرت کی جو ان پر ایمان لے آئے تھے جن میں حضرت لوط علیہ السلام بھی تھے جو ساری قوم کے خلاف ابراہیم السلام پر ایمان لے آئے تھے۔ ﴿فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ﴾۔ اور آپ علیہ السلام کی بی بی سارہ بھی آپ علیہ السلام کے ہمراہ تھیں۔ اول جا کر حران میں ٹھہرے پھر کچھ عرصہ بعد وہاں سے مصر چلے گئے پھر وہاں سے شام آئے اور فلسطین کے علاقہ میں اقامت اختیار کی۔ اور لوط علیہ السلام نے مؤتفکہ میں رہنا اختیار کیا۔ خدا تعالیٰ نے ان کو اس علاقہ کا نبی بنا دیا۔ غرض یہ کہ ان حضرات نے بحکم الٰہی ملک شام کی طرف ہجرت فرمائی اور پھر ہجرت کے بعد ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو ان کی درخواست کے مطابق بیٹا اسحاق دیا اور یعقوب پوتا بطور نفل اور زیادہ دیا یعنی پوتا بغیر درخواست کے بے مانگے دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کل عمر ایک سو پینتالیس برس کی ہوئی۔ اول اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑھاپے میں اسحاق بیٹا عطاء کیا اور پھر اسحاق علیہ السلام کا بیٹا یعقوب علیہ السلام پیدا ہوا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی زندگی میں پوتے کو بھی دیکھا اور پوتے کو نافلة فرمایا اس لیے کہ نافلة کے معنی زیادہ کے ہیں۔ پوتا چونکہ بیٹے پر زیادہ ہے اس لیے اس کو نافلة کہا یا یہ کہ ابراہیم علیہ السلام نے اللہ سے سوال صرف فرزند کا کیا تھا۔ سو اللہ نے ان کی دعا قبول کی اوران کو اسحاق علیہ السلام فرزند عطا کیا اور یعقوب علیہ السلام بغیر سوال کے زیادہ ملے۔ اس لیے ان کو نافلة سے تعبیر کیا اوران سب کو یعنی باپ اور بیٹے پوتے سب کو نیک بخت بنایا اور ہم نے ان کو مخلوق کے لیے پیشوا بنایا کہ وہ لوگوں کو ہمارے حکم کے مطابق راہ بتائیں اور ہم نے ان کی طرف نیک کاموں کے کرنے کی عموماً اور نماز قائم کرنے کی اور زکوٰۃ دینے کی خصوصاً وحی بھیجی۔ نیک کاموں میں نماز اور زکوٰۃ کی تخصیص اس لیے فرمائی کہ عبادات بدنیہ میں نماز سب سے افضل ہے اور عبادات مالیہ میں زکوٰۃ سب سے

[1] قال الامام القرطبی قولہ تعالیٰ ﴿وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا﴾ ای اراد نمرود واصحابہ ان یمکروا بہ جعلناھم الاخسرین فی اعمالھم ورددنا مکرھم علیھم بتسلیط اضعف خلقنا قال ابن عباس رضی اللہ عنھما سلّط اللہ علیھم اضعف خلقہ البعوض فما وح نمرود حتی رای عظام اصحابہ وخیلہ تلوح اکلت لحومھم وشربت دمائم ووقعت واحدۃ فی منخرہ فلم تزل تأکل الیٰ ان وصلت دماغہ وکان اکرم الناس علیہ الذی یضرب راسہ بموزیہ من حدید فاقام بھذا نحوا من اربعمائۃ۔ (تفسیر قرطبی: ۱۱/۳۰۵)

افضل ہے اور یہ سب خالص ہماری عبادت کرنے والے اور ہمارے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں کرتے تھے۔

خلاصہ کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام پر طرح طرح سے احسان فرمائے۔ اول تو یہ کہ بچپن ہی سے ان کو رشد و ہدایت سے نوازا۔ دوم یہ کہ ظالم و جابر کے مقابلہ میں ان کو غلبہ عطا کیا۔ سوم یہ کہ ان کو بابرکت زمین کی طرف ہجرت کرائی۔ چہارم یہ کہ ان کو اولاد صالح عطاء کی۔ پنجم یہ کہ اولاد کو بھی مقتدا اور پیشوائے عالم بنایا۔ وذلك فضل الله يؤتيه من يشاء۔

لطائف و معارف

۱- ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ﴾ کی تفسیر میں ایک قول یہ ہے کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو انکا رشد پہلے ہی سے دیدیا تھا، یعنی صغرسنی میں ان کو حق کی معرفت اور الہام اور حجت عطا کردی تھی یہ اس امر کی دلیل ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اگرچہ نبوت سے پہلے نبی نہیں ہوتے مگر صاحب الہام و معرفت ضرور ہوتے ہیں۔

۲- مشرکین نے جب اپنی عید سے واپس آکر دیکھا کہ بت ٹوٹے پڑے ہیں تو ابراہیم علیہ السلام سے پوچھا کہ کیا یہ کام تو نے کیا ہے تو ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا ﴿بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ﴾ بلکہ اس کام کو ان کے بڑے نے کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس واقعہ کے متعلق صحیح بخاری وغیرہ میں ایک حدیث آئی ہے اس کا مطلب سمجھ لینا چاہئے وہ حدیث یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سوائے تین مرتبہ کے کبھی جھوٹ نہیں بولا ایک تو اس وقت کہ جب ان کی قوم نے دریافت کیا کہ ان بتوں کو کس نے توڑا تو ابراہیم علیہ السلام نے کہا ﴿بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ﴾۔ یعنی ان کے بڑے نے توڑا، دوسرے اس وقت جبکہ ان کی قوم نے ان کو اپنے ساتھ عید میں چلنے کو کہا تو انہوں نے کہا۔ ﴿اِنِّيْ سَقِيْمٌ﴾۔ یعنی میں بیمار ہوں، تیسرے اس وقت کہ جب مصر کے ایک ظالم بادشاہ نے ان کی بی بی سارہ کو گرفتار کیا تو انہوں نے یہ کہا ھذہ اختی یہ میری بہن ہے۔ اس حدیث میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بظاہر جھوٹ بولنا مذکور ہوا حالانکہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام تو قطعی طور پر معصوم ہوتے ہیں اسی خیال کی بناء پر بعض لوگوں نے اس حدیث کی صحت سے انکار کردیا مگر یہ صحیح نہیں۔ اس لیے کہ یہ حدیث صحیح بخاری میں سے اور حدیث کی بیشمار معتبر اور مستند کتابوں میں اسانید صحیحہ اور جیدہ سے مذکور ہے جس کی صحت میں آج تک کسی امام حدیث نے کلام نہیں کیا اور نہ کلام کی گنجائش ہے۔

بلکہ اس حدیث میں کذب (جھوٹ) سے تعریض اور کنایہ مراد ہے یعنی ایسی ذومعنی بات کہنا کہ جو حقیقت اور واقع کے اعتبار سے تو صحیح ہو اور واقع کے مطابق ہو اور ظاہری معنی اور سرسری مطلب کے لحاظ سے سننے والا ایسے معنی سمجھے کہ اس کی سمجھ کے اعتبار سے خلاف واقع ہوں، حضرات انبیاء کی زبان مبارک سے جو کلمہ نکلتا ہے وہ فی الحقیقت ہرگز خلاف واقع نہیں ہوتا البتہ مخاطب اور سامع کے فہم اور ادراک کے لحاظ سے کبھی خلاف واقع ہوتا ہے "توریہ" کے معنی اخفاء یعنی چھپانے کے ہیں۔ متکلم نے کسی مصلحت کی بنا پر حقیقت حال کے چھپانے کے لئے ایسا لفظ بولا جس کو متعدد پہلو تھے، سامع اپنے قصور فہم کی وجہ سے اس کو پوری طرح نہ سمجھ سکا۔ سامع کی نظر اس کلام کے ظاہری پہلو پر گئی اور متکلم کی نظر اس کے خفی اور پوشیدہ پہلو پر تھی سو یہ توریہ ہے۔ جھوٹ نہیں چونکہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا مرتبہ بہت بلند ہے اس لیے یہ امر بھی ان کی شان بلند کے مناسب

نہیں کہ ان کے کلام میں کوئی پہلو خلاف توقع نکل سکے۔ توریہ اور کنایہ اگرچہ بربنائے مصلحت وضرورت جائز ہے مگر درجۂ رخصت میں، مقام عزیمت یہ ہے کہ بلا کسی توریہ اور کنایہ کے امرحق کو صراحۃً واضح کیا جائے اور کھول کر صاف صاف بیان کیا جائے کما قال اللہ تعالیٰ ﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ﴾۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس مقام پر چونکہ بجائے عزیمت کے رخصت کی طرف تنزل فرمایا۔ سو یہ تنزل ان کے مقام جلیل سے کئی درجہ نازل تھا اس لیے قیامت کے دن حضرت ابراہیم علیہ السلام شفاعت سے پہلوتہی فرمائیں گے اور اپنے ان کنائی الفاظ کو ذریعہ معذرت بنائیں گے۔

ان تین باتوں میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کوئی بات بھی خلاف واقع نہ تھی البتہ ایک دینی اور شرعی ضرورت کی بناء پر تعریض اور کنایہ کے باب سے تھی مگر ان کی شان رفیع اور مقام بلند کے لحاظ سے ایسی تعریض بھی ان جیسی جلیل القدر ہستی کے حق میں کذب کا حکم رکھتی ہے۔ حسنات الابرار سیئات المقربین عقلاً وشرعاً یہ امر مسلم ہے کہ تعریض اور توریہ کذب نہیں اور وہ فی حد ذاتہ جائز ہے نہ عصمت کے منافی ہے اور نہ نبوت کے منافی ہے۔ بعض مرتبہ خود حق تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کو اس کی اجازت دی ہے۔ ﴿اَیَّتُهَا الْعِیْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ﴾۔

دوم یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ تینوں باتیں محض دینی مصلحت کے لیے اور خالص اللہ کے لیے تھیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ کہنا ﴿بَلْ فَعَلَهٗ كَبِیْرُهُمْ﴾ اور ﴿اِنِّیْ سَقِیْمٌ﴾ کہنا یہ دو باتیں کہ جن میں ذرہ برابر بھی اپنا ذاتی نفع نہیں۔ البتہ تیسری بات ھذہ اختی یہ میری بہن ہے اس میں من وجہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنا ذاتی نفع بھی تھا مگر ہر جگہ دینی مصلحت مدنظر تھی۔ اس وجہ سے حدیث میں ہے کل ذلك فی ذات اللہ اپنی ذاتی غرض اور دنیوی مصلحت مدنظر نہ تھی جیسا کہ ایک روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں۔ ما منها کذبة الا ما حل بها عن دین اللہ یعنی ابراہیم علیہ السلام کا ہر کذب (تعریض) محض اللہ کے دین کی حمایت اور مدافعت کے لئے تھا اپنے ذاتی فائدہ اور غرض کے لیے نہ تھا۔

سوم یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ کلمات تعریض اور الفاظ توریہ ایسی شدت اور مصیبت کے وقت میں دینی ضرورت کے لیے استعمال فرمائے کہ ایسی حالت میں صریح کذب کا استعمال فقط جائز ہی نہیں رہتا بلکہ بسا اوقات واجب ہو جاتا ہے ظالم کے ظلم دفع کرنے کے لیے صریح کذب بھی جائز ہے اور کنایہ اور توریہ اور تعریض کے جواز میں تو کسی کو کلام نہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان سے جو الفاظ نکلے وہ سب درست تھے مگر بایں ہمہ ان کے مقام بلند نے اس کو بھی محسوس فرمایا اور دل میں بھی محجوب ہوئے اس لیے قیامت کے دن جو لوگ آپ علیہ السلام کے پاس شفاعت کی درخواست لے کر جائیں گے تو ان تین باتوں کو شفاعت سے عذر کے لئے ذکر فرمائیں گے۔

حضرت حق جل شانہ کا ابراہیم علیہ السلام کے اس قول ﴿رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰى﴾ کے جواب میں یہ فرمانا: ﴿اَوَلَمْ تُؤْمِنْ﴾ یہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے علوشان کی دلیل ہے کہ ان کے اس سوال کو عدم ایمان سے تعبیر کیا گیا۔ اسی طرح ابراہیم علیہ السلام کے ان تعریض اور کنائی الفاظ پر کذب کا اطلاق ان کے علوشان کی دلیل ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ جن احادیث میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق تین باتوں میں کذب کی نسبت کی گئی ہے سو یہ اطلاق محض ظاہر اور صورت کے اعتبار سے کیا گیا ہے اور لم یکذب الا فی ثلاث میں الا استثناء منقطع کے لیے ہے جس کا

مطلب یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام تو صدیق معظم اور صدق مجسم تھے ان کی زبان سے کبھی کوئی کذب نکلا ہی نہیں۔ مگر ساری عمر میں تین باتیں ان کی زبان سے ایسی نکلیں کہ مخاطب نے سن کر ان سے جو سمجھا وہ خلاف واقع تھا۔ مخاطب کے اعتبار سے ان الفاظ کی صورت جھوٹ کی سی تھی واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

۳- وہ لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حجت اور برہان سے جب لاجواب ہو گئے تو جھنجھلا کر یہ طے کیا کہ ان کو آگ میں ڈال کر جلا دیا جائے سو انہوں نے ایک بلند اور بند مکان میں بیشمار ایندھن جمع کیا اور اس پر تیل چھڑک کر اس میں آگ لگا دی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی گردن میں طوق اور ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پیروں میں بیڑیاں ڈال کر منجنیق کے ذریعے ان کو آگ میں پھینک دیا گیا۔ فرشتوں نے عرض کیا اے پروردگار آپ کا دوست آگ میں ڈالا جارہا ہے۔ ہمیں اجازت دیجئے کہ اس کی مدد کریں خدا تعالیٰ نے فرمایا وہ میرا دوست ہے اگر تم سے کوئی مدد چاہے تو میری طرف سے اجازت ہے کہ وہ اس کی مدد کرے۔ چنانچہ جبریل امین علیہ السلام ان کے پاس پہنچے اور پوچھا کہ تم کو کچھ حاجت ہے فرمایا کہ تمہاری تو مجھے حاجت نہیں اور اللہ کو میرے حال کا علم ہے وہ میرے لیے کافی ہے وہ میرا رب ہے میرے سوال سے پہلے میرا حال جانتا ہے وہ میرے لیے کافی ہے اور اس کا میرے حال کو جاننا میرے سوال کرنے سے کافی ہے اور ﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾ پڑھا۔ اللہ کے حکم سے تمام آگ اسی وقت برد وسلام بن گئی اور آگ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بدن سے طوق اور بیڑیاں اور ہتھکڑی تو جلا دی مگر ابراہیم علیہ السلام کے جسم کو آنچ تک نہ پہنچی۔ کہا جاتا ہے کہ سات دن تک ابراہیم علیہ السلام اس آگ کے مقام میں رہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بیان ہے کہ جیسا عیش مجھے اس آگ میں نصیب ہوا ایسا عیش عمر بھر میں کبھی نصیب نہیں ہوا۔ ایک فرشتہ ان کی تسلی کے لیے ان کے پاس آبیٹھا اور جبریل علیہ السلام جنت سے حریر کا ایک قمیص اور ایک فرش لائے اس قمیص کو ابراہیم علیہ السلام کو پہنا دیا اور اس فرش کو بچھا دیا اور ان کے پاس بیٹھ کر باتیں کرنے لگے اور کہا اے ابراہیم علیہ السلام تیرا پروردگار فرماتا ہے کہ کیا تجھے یہ بات معلوم نہیں کہ آگ میرے دوستوں کو نقصان نہیں پہنچاتی۔

پھر نمرود نے اپنے محل پر چڑھ کر ابراہیم علیہ السلام کو جھانکا تو دیکھا کہ ابراہیم علیہ السلام ایک گلزار اور سبزہ زار میں بیٹھے ہیں۔ اور آتش کدہ ان کے لیے گلستان اور بوستان بنا ہوا ہے اور ان کے پاس ایک فرشتہ بیٹھا ہوا ہے اور ان کے چاروں طرف وہ آگ لکڑیوں کے انبار کو جلا رہی ہے اور ابراہیم علیہ السلام درمیان میں نہایت اطمینان سے بیٹھے ہوئے ہیں، یہ دیکھ کر نمرود نے ابراہیم علیہ السلام کو آواز دی کہ کیا تم اس آگ سے باہر نکل سکتے ہو جواب دیا کہ ہاں اور کھڑے ہو گئے اور آگ میں چلنے لگے حتی کہ اس سے باہر نکل آئے اور نمرود اور اس کے ارکان دولت نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا استقبال کیا اور یہ کہا کہ اے ابراہیم علیہ السلام تیرا سحر (جادو) بہت ہی عجیب ہے جو آگ پر بھی چل گیا۔ نمرود یہ دیکھ کر سمجھ گیا کہ اس شخص کا مقابلہ ممکن نہیں اور ابراہیم علیہ السلام کا پیچھا چھوڑ دیا اس طرح اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو کامیاب فرمایا اور دشمنوں کی تمام کوششوں کو ناکام بنایا اور ادھر نمرود کے دماغ میں ایک مچھر گھس گیا جس نے اس کو ہلاک کیا۔

بقدر ضرورت مختصراً ہم نے یہ قصہ ذکر کر دیا باقی آثار کی تفصیل اگر درکار ہے تو تفسیر در منثور: ۴/۳۲۱ اور تفسیر روح المعانی: ۱۷/۶۱ اور البدایہ والنہایہ: ۱/۱۴۵ اور تفسیر روح البیان: ۵/۴۶۸ دیکھیں۔

ان میں سے بہت سی روایتیں اسرائیلیات بھی ہیں مگر قرآن و حدیث کے معارض نہیں، اس لیے حسب ارشاد نبوی ﷺ حدثوا عن بنی اسرائیل ولا حرج ان پر انکار بھی نہیں کیا جاسکتا۔

۴- اس طرح آگ کا بردوسلام ہو جانا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معجزہ تھا اور یہ امر کوئی محال نہیں۔ تمام کائنات عالم حق تعالیٰ کے تصرف میں ہے اندرونی طور پر ان پر حکم نافذ کرتا ہے کہ یہ کرو اور یہ نہ کرو جس طرح ہمارے اعضاء ہمارے احکام سے سرتابی نہیں کرسکتے۔ باطنی طور پر نفس ناطقہ اعضاء کو جو حکم دیتا ہے اس کے مطابق اعضاء حرکت کرتے ہیں۔ اسی طرح بسائط اور مرکبات اللہ کے اندرونی حکم سے سرتابی نہیں کرسکتے۔ اللہ تعالیٰ نے معدہ کے اندر ایک خاص حرارت اور آتشی مادہ رکھا ہے جو کھانے کو ہضم کرتا ہے اور اس کو پکاتا ہے اور گلا دیتا ہے کہ آگ پر پکی ہوئی چیز بھی ویسی نہیں گلتی۔ اور معدہ اس چیز کو ایسا گلا دیتا ہے کہ اس کا نام و نشان بھی نہیں رہتا جیسا کہ بول و براز سے ظاہر ہے۔ انسان گوشت، روٹی وغیرہ کھاتا ہے مگر یہ امتیاز نہیں ہوتا کہ یہ فضلہ کس چیز کا ہے۔ معدہ میں پہنچ کر غذا کی صورت نوعیہ اور صورت شخصیہ سب ختم ہو جاتی ہے اور معدہ کی حرارت بلا کی حرارت ہے گوشت تو کیا ریت اور کنکر بھی وہاں جا کر پس جاتے ہیں۔ جیسا کہ پرندوں کے پیخال سے ظاہر ہے جن کی غذا کنکر وغیرہ ہے۔ غرض یہ کہ معدہ میں اس بلا کی حرارت ہے کہ سخت سے سخت غذا کو گلا کر اور باریک کر کے نکالتی ہے مگر انتڑیوں اور بدن کے پٹھوں کو نہیں جلاتی، معدہ کی حرارت عجب الخلقت حرارت ہے کہ کسی چیز کو جلاتی ہے اور کسی چیز کو نہیں۔ پس جس خالق آتش نے معدہ کی آگ کو بدن کی انتڑیوں اور بدن کے پٹھوں کو جلانے سے روک دیا اسی خالق نے آتش نمرود کو ابراہیم علیہ السلام کے جلانے سے روک دیا۔ بہرحال آگ اللہ کی مخلوق ہے اور اسی کے حکم کے تابع ہے جس کے جلانے کا حکم ہوتا ہے اس کو جلاتی ہے اور جس کی حفاظت کا حکم ہوتا ہے اس کی حفاظت کرتی ہے جیسا کہ آتش معدہ میں آپ نے اس کا مشاہدہ کرلیا۔

حکایت:...... عارف رومی رحمہ اللہ نے مثنوی میں ایک حکایت نقل کی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک بت پرست بادشاہ تھا لوگوں کو بت پرستی پر مجبور کرتا تھا۔ اس نے ایک آگ جلائی اور اس کے پاس ایک بت رکھا اور کہا کہ جو اس بت کو سجدہ کریگا وہ آگ سے نجات پائے گا اسی اثناء میں ایک بچہ والی عورت لائی گئی اور اس سے کہا گیا اس بت کو سجدہ کر۔ وہ عورت مومنہ تھی اس نے بت کو سجدہ کرنے سے انکار کیا۔ اس عورت کی گود میں ایک بچہ تھا وہ اس سے چھین کر آگ میں ڈال دیا گیا کہ شاید عورت اپنے بچے کی جان بچانے کے لئے بت کو سجدہ کرے پھر بھی اس نے سجدہ نہ کیا اور بچہ آگ میں ڈال دیا گیا۔ ماں بیتاب ہوگئی۔ یکایک اس آگ میں سے بچے نے آواز دی اے ماں تم بھی یہاں آجاؤ یہ تو عشرت کدہ ہے یہاں تو خدا کی رحمت جلوہ گر ہو رہی ہے۔ اندر آکر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اسرار کا جلوہ دیکھو۔ جنہوں نے نمرود کی آگ میں گلاب اور چنبیلی کے پھول پائے تھے میں تجھے حق مادری کا واسطہ دیتا ہوں اندر آجا یہاں تو شہنشاہ حقیقی کا خوان کرم بچھا ہوا ہے۔ اور اے مسلمانو! تم سب اندر آجاؤ اور پروانہ کرو جس طرح ہو اس آگ میں کود پڑو اور ماں اپنے بچہ کا یہ کلام سن کر فوراً آگ میں کود پڑی اور آگ میں کودنے کے بعد اس عورت نے بھی چلا چلا کر یہی کہنا شروع کیا کہ اے مسلمانو تم بھی اسی باغ میں آجاؤ یہ سنتے ہی لوگ ذوق وشوق کے ساتھ آگ میں کودنے لگے۔ نوبت بایں جارسید کو جو سپاہی پہرہ پر مقرر تھے، وہ لوگوں کو منع کرنے لگے، بادشاہ یہ منظر دیکھ کر پشیمان ہوا اور حیران رہ گیا اور وہ چاہتا تھا کہ لوگوں کو آگ سے ڈرا کر ایمان سے برگشتہ کرے لیکن تقدیر الٰہی نے اس کی تدبیر

کو بالکل الٹ دیا یہ دیکھ کر بادشاہ کو جوش آ گیا اور آگ سے خطاب اور عتاب شروع کیا۔

چنانچہ عارف رومی قدس سرہ السامی فرماتے ہیں۔

عتاب کردن جھود آتش را کہ چرا نمی سوزی و جواب او

کافر بادشاہ کا آگ کو عتاب کرنا کہ تو کیوں نہیں جلاتی اور آگ کا جواب

رو بآتش کرد شہ کا ے تندخو آں جہاں سوز طبیعی خوت کو

بادشاہ غیظ و غضب میں بھرا ہوا آگ سے مخاطب ہو کر بولا اے تندخو تیری طبعی عادت اور مزاجی خاصیت یعنی جلانے والی خصلت کہاں چلی گئی۔

چوں نمی سوزی چہ شد خاصیت یاز بخت ماد گرشد نیست

تو جلاتی کیوں نہیں۔ تیری طبیعی خاصیت کہاں چلی گئی یا ہماری بدقسمتی سے تیری نیت یعنی تیری حقیقت اور اصل ماہیت ہی بدل گئی ہے اور کیا تو آگ نہ رہی۔

می نہ بخشائی تو بر آتش پرست آنکہ نہ پرستد ترا او چوں پرست

اے آگ تو تو اپنے پرستش کرنے والوں پر بھی رحم نہیں کرتی۔ پس جو شخص تیری پرستش نہیں کرتا وہ تیرے جلانے سے کیونکر بچ گیا۔

ہرگز ای آتش تو صابر نیستی چوں نسوزی چیست قادر نیستی

اے آگ تو کسی حال میں بھی صابر نہیں کہ جلانے سے صبر کرے پھر کیا وجہ ہے کہ تو نہیں جلاتی۔ کیا تو جلانے پر قادر نہیں رہی۔

چشم بنداست اے عجیب یا ہوش بند چوں نسوز اند چنیں شعلہ بلند

اے آگ بڑے تعجب کی بات ہے اور عجب قصہ ہے یہ کیا نظر بندی ہے یا ہوش بندی ہے کہ اتنا بلند شعلہ جلاتا کیوں نہیں۔

جادوئے کردت کسے یا سیمیا ست یا خلاف طبع تواز بخت ما است

اے آگ کیا تجھ پر کسی نے جادو کر دیا ہے یا کوئی طلسم اور شعبدہ ہے یا ہماری بدقسمتی سے تیرے مقتضائے طبعیت کے خلاف یہ کام ہو رہا ہے۔

جواب دادن آتش بادشاہ جھود را بامر بادشاہِ حقیقی

بادشاہ حقیقی (حق تعالیٰ) کے حکم سے بادشاہ مجازی کو آگ کا جواب دینا

گفت آتش من ہانم آتشم اندر آتا بہ بینی تابشم

آگ نے (بحکم خداوندی) جواب دیا کہ میں وہی آگ ہوں۔ میری حقیقت اور ماہیت میں کوئی تغیر نہیں ہوا۔ تو اندر آتا کہ تجھ کو میری تپش نظر آئے اور میری حرارت کا مزہ چکھے۔

طبع من دیگر نگشت وعنصرم تیغ حقم ہم بدستوری برم

میری طبعیت اور میری اصل نہیں بدلی۔ میں حق کی تلوار ہوں اسکی اجازت سے کاٹتی ہوں جس طرح تلوار اپنے چلنے اور کاٹنے میں مستقل نہیں بلکہ شمشیرزن کے ارادہ اور اختیار کے تابع ہے اسی طرح میں جلانے میں مستقل نہیں کہ بلاحق تعالی کی اجازت کے کسی کو جلاسکوں۔

بر در خرگہ سگان ترکمان چاپلوسی کردہ پیش مہمان

تم نے دیکھا ہوگا کہ ترکمان کے دروازہ پر کتا بیٹھا رہتا ہے جب کوئی مہمان آتا ہے تو وہ کتا مہمان کے آگے خوشامد کرنے لگتا ہے اور دم ہلانے لگتا ہے۔

در بخرگہ بگزرد بیگانہ او حملہ بیند از سگاں شیرانہ او

اور اگر کتا خیمہ کے پاس سے کوئی بیگانہ آدمی گزرتا ہوا دیکھتا ہے تو شیر کی طرح اس پر حملہ کرتا ہے۔

من زسگ کم نیستم در بندگی کم زتر کی نیست حق در زندگی

آگ نے کہا کہ میں بندگی اور فرمانبرداری میں کتے سے کم نہیں اور خداوندحی وقوم زندہ ہونے میں ترکی سے کم نہیں۔ دور تک اسی طرح سلسلہ کلام چلا گیا ہے حاصل یہ ہے کہ تمام اسباب اور مسببات بالذات اور بالطبع کسی چیز میں مؤثر نہیں اسباب کے سببیت اور اشیا کی خاصیت سب اس کے حکم کے تابع ہے۔

لیکن سبب را آں سبب آورد پیش بےسبب کے شد سبب ہرگز زخو یش

ایں سبب رآاں سبب عامل کند باز گاہے بے پر وعاطل کند

یہ دنیا عالم اسباب ہے۔ ان اسباب ظاہرہ کو اسی نے سبب بنایا ہے کوئی سبب خود بخود سبب نہیں بن گیا وہ قادر مطلق ہے جس نے سبب بنایا ہے وہ جب چاہتا ہے سبب کو کارگر بناتا ہے اور جب چاہتا ہے اس کو بے اثر اور بیکار بنا دیتا ہے جس طرح ان اسباب حادثہ کا وجود اس کے اختیار میں ہے اسی طرح ان اسباب کی تاثیر اور ان کی خاصیتیں بھی اس کے اختیار میں ہیں۔ حضرات اہل علم تفصیل کے لیے مثنوی مولانا روم ص ۷۰ دفتر اول دیکھیں۔

بادو خاک و آب و آتش بندہ اند بامن و تو مردہ باحق زندہ

حق جل شانہ کے اس قول ﴿ یٰنَارُ كُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا ﴾ میں یہ مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آگ سے خطاب فرمایا کہ تو ابراہیم علیہ السلام کے حق میں برد اور سلام ہوجا۔ اور نوح علیہ السلام کے واقعہ میں اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین کو حکم دیا کہ ﴿ یٰۤاَرْضُ ابْلَعِیْ مَآءَكِ وَ یٰسَمَآءُ اَقْلِعِیْ ﴾ اور داؤد علیہ السلام کے قصہ میں پہاڑوں اور پرندوں کو حکم دیا ﴿ یٰجِبَالُ اَوِّبِیْ مَعَهٗ وَ الطَّیْرَ ﴾ معلوم ہوا کہ یہ سب چیزیں زندہ ہیں اللہ کے حکم کو سنتی اور سمجھتی ہیں اور اسی پر چلتی ہیں آخر موسیٰ علیہ السلام کا عصا ایک لکڑی ہی تو تھا۔ مگر ہر لکڑی میں یہ خاصیت نہیں کہ وہ اژدہا بن کر سانپوں کو نگل جائے اگر بالفرض والتقدیر عصاء موسیٰ اب کہیں سے مل جائے اور بالفرض والتقدیر کسی طرح یہ بھی معلوم ہوجائے کہ یہ وہی عصا ہے تب بھی وہ آثار نمودار نہ ہوں گے جو موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے ظاہر ہوتے تھے۔ لہٰذا عقل کا تقاضا یہ ہے کہ طبعیت اور فطرت اور مادہ اور نیچر کے چکر میں نہ پڑے۔ خدا تعالیٰ نے جو خبر دی

ہے اس کو بے چون و چرا مان لے، تم کتنے ہی بڑے فلسفی اور سائنسدان ہو جاؤ۔ پوری حقیقت اور پوری ماہیت تمہیں ایک چیز کی بھی معلوم نہیں۔ کچھ ظاہری چیزوں کی شد بد ہوگئی ہے جس نے تم کو مغرور بنا دیا ہے، اللہ تم پر رحم کرے۔

جواب دیگر:...... اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ آگ کا طبعی خاصہ جلانے کا ہے تو کیا عقلاً یہ ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جسم کی حفاظت کے لیے کوئی ایسا سامان پیدا کردیں کہ آگ اثر نہ کرسکے۔ جیسے آج کل ایسی چیزیں ایجاد ہوئیں ہیں وہ جسم کو آگ کے شعلوں سے محفوظ رکھ سکتی ہیں۔ جن کو فائر پروف کہا جاتا ہے تو کیا خدا کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ اپنے خلیل کے جسم کی حفاظت کے لیے کوئی سامان پیدا کردے۔ محمد بن اسحاق راوی ہیں کہ جب ابراہیم علیہ السلام آگ میں ڈالے گئے تو جبرئیل امین علیہ السلام جنت سے حریر کا ایک قمیص اور ایک فرش لے کر آئے اس قمیص کو تو ابراہیم علیہ السلام کو پہنا دیا اور اس فرش کو ان کے نیچے بچھا دیا (دیکھو روح المعانی: ۱۷/ ۶۳) تو کیا یہ ممکن نہیں کہ جنت کا یہ حریری قمیص اور حریری فرش اللہ کے حکم سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ سے محفوظ رکھنے کے لیے فائر پروف کا کام دے سکے۔

۵- ایک کرامت:...... یہ تو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معجزہ تھا بعض مرتبہ حق جل شانہ کسی مقبول بندہ کو اپنے نبی کے معجزہ کا کوئی نمونہ عطا فرما دیتے ہیں۔ جو اس کی کرامت ہوتی ہے اور وہ کرامت جو ولی کے ہاتھ ہوتی ہے وہ کمیت اور کیفیت کے لحاظ سے معجزہ سے کمتر اور فروتر ہوتی ہے۔ علما اور اولیا چونکہ انبیا کے وارث ہوتے ہیں، اس لیے اتباع شریعت کی برکت سے نبی کے طفیل میں بحق وارثت کبھی کبھی کوئی کرامت عطا ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ خطیب رحمہ اللہ نے فوائد میں لکھا ہے کہ جو واقعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ پیش آیا اسی قسم کا ایک واقعہ (بطور نمونہ) ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض متبعین یعنی بعض صحابہ کے ساتھ پیش آیا اور وہ حضرت ابو مسلم خولانی رضی اللہ عنہ ہیں کہ اسود عنسی نے جب نبوت کا دعویٰ کیا۔ تو ابو مسلم رضی اللہ عنہ کو بلایا کہ کیا تو گواہی دیتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں آپ نے فرمایا میں نہیں سنتا یعنی میں نہیں گواہی دیتا۔ اس پر اسود عنسی نے حکم دیا کہ آگ جلائی جائے۔ چنانچہ آگ جلائی گئی اور اس میں ابو مسلم کو ڈال دیا گیا۔ پھر اس کو خبر دی گئی کہ وہ اس میں کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں۔ یہ سن کو اسود عنسی خوف زدہ ہو گیا وہ آگ آپ پر بردوسلام بنا دی گئی۔ پھر ابو مسلم رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مدینہ آئے اور ابو بکر رضی اللہ عنہ خلیفہ تھے۔ جب مدینہ پہنچ کر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے تو اس وقت وہاں ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پہلو میں عمر رضی اللہ عنہ بھی بیٹھے تھے۔ ابو مسلم رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر فاروق اعظم کھڑے ہو گئے اور مرحبا کہہ کر ان کو اپنے اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کے درمیان بٹھلایا اور کہا کہ الحمد للہ کہ جس نے موت سے پہلے محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں ایسا شخص دکھلا دیا جس کے ساتھ وہ معاملہ کیا گیا جو ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے ساتھ کیا گیا تھا۔

وَلُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا وَّنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ ۭ اِنَّهُمْ

اور لوط کو دیا ہم نے حکم اور سمجھ ف۱ اور بچا نکالا اس کو اس بستی سے جو کرتے تھے گندے کام وہ

اور لوط کو دیا ہم نے حکم اور سمجھ، اور بچا نکالا اس کو اس شہر سے، جو کرتے تھے گندے کام۔ وہ

ف۱ یعنی حکمت و حکومت اور علم و فہم جو انبیا کی شان کے لائق ہو۔

كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَ ﴿۷۴﴾ وَاَدْخَلْنٰهُ فِيْ رَحْمَتِنَا ۭ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۷۵﴾

تھے لوگ بڑے نافرمان ف۱ اور اس کو لے لیا ہم نے اپنی رحمت میں وہ ہے نیک بختوں میں ف۲

تھے لوگ برے بےحکم۔ اور اس کو لے لیا ہم نے اپنی مہر میں۔ وہ ہے نیک بختوں میں۔

(۳) قصۂ حضرت لوط علیہ السلام

قَالَ تَعَالٰى: ﴿وَلُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ... الى ... اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾

یہ تیسرا قصہ لوط علیہ السلام کا ہے جو ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے اور اللہ کے عباد صالحین اور عابدین میں سے تھے اور لوط علیہ السلام کو ہم نے علم وحکمت عطاء کی یعنی ان کو نبوت عطاء کی۔ اور ہم نے ان کو اس بستی سے نجات دی۔ جہاں کے باشندے نہایت خبیث اور گندے کام کرتے تھے وہ بستی سدوم تھی جن افعال خبیثہ اور شنیعہ کے یہ لوگ عادی تھے ان میں سب سے زیادہ ❶ گندہ فعل لواطت تھا اور اس کے علاوہ اور بھی برے افعال کے خوگر تھے مثلاً رہزنی اور کبوتر بازی اور گانا بجانا اور شراب خوری اور ڈاڑھی کٹانا اور مونچھیں بڑھانا اور سیٹی بجانا اور تالیاں بجانا اور ریشمی کپڑے پہننا وغیرہ وغیرہ۔ کچھ شک نہیں کہ وہ بڑے ہی بدذات اور بدکار تھے حدود اطاعت سے باہر ہو چکے تھے اور ہم نے لوط علیہ السلام کو ان بدذاتوں سے نکال کر اپنی رحمت میں داخل کیا بیشک وہ بڑے نیک بختوں میں تھا اس لیے ہم نے اس کو فاسقین میں سے نکال کر صالحین میں داخل کر دیا۔

وَنُوْحًا اِذْ نَادٰى مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۷۶﴾

اور نوح کو جب اس نے پکارا اس سے پہلے ف۳ پھر قبول کرلی ہم نے اس کی دعا سو بچا دیا اس کو اور اس کے گھر والوں کو بڑی گھبراہٹ سے

اور نوح کو، جب اس نے پکار اس سے پہلے، پھر سن لی ہم نے اس کی پکار اور بچا دیا اس کو اور اس کے گھر کو، بڑی گھبراہٹ سے۔

وَنَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فَاَغْرَقْنٰهُمْ

اور مدد کی اس کی ان لوگوں پر جو جھٹلاتے تھے ہماری آیتیں وہ تھے برے لوگ پھر ڈبا دیا ہم نے

اور مدد کی اس کی ان لوگوں پر جو جھٹلاتے تھے ہماری آیتیں۔ وہ تھے برے لوگ، پھر ڈبایا ہم نے

ف۱ بستی سے مراد "سدوم" اور اس کے ملحقات ہیں۔ وہاں کے لوگ خلاف فطرت افعال کے مرتکب اور بہت سے گندے کاموں میں مبتلا تھے۔ ان کا قصہ پہلے کئی جگہ گزر چکا۔

ف۲ یعنی جب لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب بھیجا تو لوط علیہ السلام اور اس کے ساتھیوں کو ہم نے اپنی مہربانی اور رحمت کی چادر میں ڈھانپ لیا۔ تاکہ نیکوں کا اور بدوں کا انجام الگ الگ ظاہر ہو جائے۔

ف۳ یعنی ابراہیم علیہ السلام اور لوط سے پہلے۔

❶ فقد اخرج اسحاق بن بشر والخطيب وابن عساكر عن الحسن (مرسلا) قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم عشر خصال عملتها قوم لوط بها اهلكوا اتيان الرجل بعضهم بعضها۔ ورميهم بالجلاهق والخذف ولعبهم بالحمام وضرب الدفوف وشرب الخمور وقص اللحية وطول الشارب والصفر والتصفيق ولباس الحرير وتزيدها امتى بخصلة اتيان النساء بعضهن بعضا۔ (روح المعانی: ۶۲/۱۷)

اَجْمَعِیْنَ ﴿۷۷﴾

ان سب کو ف۱

ان سب کو۔

(۴) قصۂ نوح علیہ السلام

قَالَ اللہُ تَعَالٰی: ﴿وَنُوْحًا اِذْ نَادٰی مِنْ قَبْلُ... الی... فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِیْنَ﴾

چوتھا قصہ نوح علیہ السلام کا بیان فرماتے ہیں اور اے نبی ﷺ نوح علیہ السلام کا قصہ ذکر کیجئے جب کہ انہوں نے ان انبیا سے پہلے اپنے پروردگار کو فریاد کے لیے پکارا اور اللہ سے دعا کی۔ ﴿اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ﴾ ﴿رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ دَیَّارًا﴾۔ اے پروردگار میں مغلوب اور عاجز ہوں تو میرا بدلہ لے لے۔ اور روئے زمین پر کافروں میں سے کوئی بسنے والا باقی نہ چھوڑ۔ پس ہم نے ان کی دعا قبول کی اور اس کو اور اس کے کنبہ والوں کو ڈوبنے کی بڑی مصیبت سے نجات دی اور ہم نے اس کی اس قوم کے مقابلہ میں مدد کی جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا، بلاشبہ وہ بہت ہی برے لوگ تھے پس ہم نے ان سب کو غرق کر دیا۔ کوئی نہیں بچا۔ طوفان کے عام اور خاص ہونے کی بحث سورۂ ہود میں گزر چکی۔

وَدَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ اِذْ یَحْکُمٰنِ فِی الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِیْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ

اور داؤد اور سلیمان کو جب لگے فیصلہ کرنے کھیتی کا جھگڑا جب روند گئیں اس کو رات میں ایک قوم کی بکریاں، اور سامنے تھا ہمارے

اور داؤد اور سلیمان کو، جب لگے فیصلہ کرنے کھیتی کا جھگڑا، جب روند گئیں اس کو رات میں بکریاں ایک لوگوں کی، اور روبرو تھا ہمارے

شٰهِدِیْنَ ﴿۷۸﴾ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَیْمٰنَ ۚ وَكُلًّا اٰتَیْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا ۙ وَّسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ

ان کا فیصلہ پھر سمجھا دیا ہم نے وہ فیصلہ سلیمان کو اور دونوں کو دیا تھا ہم نے حکم اور سمجھ ف۲ اور تابع کیے ہم نے داؤد کے ساتھ پہاڑ،

ان کا فیصلہ۔ پھر سمجھا دیا ہم نے وہ فیصلہ سلیمان کو۔ اور دونوں کو دیا تھا ہم نے حکم اور سمجھ، اور تابع کئے ہم نے داؤد کے ساتھ پہاڑ،

ف۱ نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو برس تک قوم کو سمجھاتے رہے اتنی طویل مدت میں سخت زہرہ گداز سختیاں اٹھائیں۔ آخر دعا کی ﴿اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ﴾ (قمر، رکوع ۱) اور ﴿رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ دَیَّارًا﴾ (نوح، رکوع ۲) حق تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی۔ کافروں کو طوفان سے غرق کر دیا اور نوح علیہ السلام کو مع ہمراہیوں کے طوفان کی گھبراہٹ اور کفار کی ایذا دہی سے بچالیا۔ ان کا مفصل قصہ پہلے گزر چکا۔

ف۲ حضرت داؤد علیہ السلام اللہ کے پیغمبر تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام ان کے صاحبزادے ہیں، اور خود نبی ہیں دونوں کو اللہ تعالیٰ نے حکومت، قوت فیصلہ اور علم و حکمت عنایت فرمائے تھے۔ حضرت سلیمان بچپن ہی میں اس قدر غیر معمولی سمجھ کی باتیں کرتے تھے کہ سننے والے حیران رہ جائیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں ایک مقدمہ پیش ہوا کہ ایک شخص کے کھیت میں رات کے وقت دوسرے لوگوں کی بکریاں آگھسیں کھیتی کا نقصان ہوا، حضرت داؤد علیہ السلام نے یہ دیکھ کر کہ بکریوں کی قیمت اس مالیت کے برابر ہے جس کا کھیت والے نے نقصان اٹھایا تھا، یہ فیصلہ کیا کہ بکریاں کھیتی والے کو دے دی جائیں۔ حضرت سلیمان نے فرمایا کہ میرے نزدیک کھیتی والا بکریاں اپنے پاس رکھے اور دودھ پیے اور بکریوں والے کھیت کی آبپاشی اور تردد کریں جب کھیتی جیسی تھی ویسی ہو جائے تو بکریاں لوٹا دیں اور کھیتی لے لیں اس میں دونوں کا نقصان نہ ہوگا۔ حضرت داؤد نے بھی یہ فیصلہ سن کر تحسین فرمائی اور اپنے اجتہاد سے رجوع کیا۔ گویا اصول فقہ کی اصطلاح میں سلیمان علیہ السلام کے استحسان کو اپنے قیاس کے مقابلہ میں قبول فرمالیا۔ باپ بیٹے دونوں نے جو فیصلہ شرکائے مقدمہ کے حق میں کیا وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے تھا اور دونوں ہی کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے فیصلہ کرنے کی قوت اور سمجھ عنایت کی تھی۔ لیکن اصل گر کی بات اس نے سلیمان علیہ السلام کو =

يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ؕ وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۷۹﴾ وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ

تسبیح پڑھا کرتے اور اڑتے جانور ف۱ اور یہ سب کچھ ہم نے کیا ف۲ اور اس کو سکھلایا ہم نے بنانا ایک تمہارا لباس کہ بچاؤ ہو تم کو تمہاری

پڑھا کرتے تھے اور اڑتے جانور۔ اور ہم نے یہ کیا تھا۔ اور اس کو سکھایا ہم نے بنانا ایک تمہارا پہناوا، کہ بچاؤ ہو تم کو تمہاری

بَاْسِكُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖۤ اِلَى الْاَرْضِ

لڑائی میں ف۳ سو کچھ تم شکر کرتے ہو ف۴ اور سلیمان کے تابع کی ہوا زور سے چلنے والی کہ چلتی اس کے حکم سے اس زمین کی طرف

لڑائی سے۔ سو کچھ تم شکر کرتے ہو۔ اور سلیمان کے تابع کی باؤ جھپکے کی، چلتی اس کے حکم سے زمین کی طرف

الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ

جہاں برکت دی ہے ہم نے ف۵ اور ہم کو سب چیز کی خبر ہے ف۶ اور تابع کیے کتنے شیطان جو غوطہ لگاتے اس کے واسطے

جہاں برکت دی ہم نے۔ اور ہم کو سب چیز کی خبر ہے۔ اور تابع کئے گئے شیطان، جو غوطہ لگاتے اس کے واسطے،

وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ ﴿۸۲﴾ ۙ

اور بہت سے کام بناتے اس کے سوا ف۷ اور ہم نے ان کو تھام رکھا تھا ف۸

اور کچھ کام بناتے اس کے سوا۔ اور ہم تھے ان کو تھام رہے۔

= سمجھا دی وہ اس نتیجہ پر پہنچے جو اللہ کے نزدیک اصلح واصوب تھا، اور جسے آخرکار داؤد علیہ السلام نے بھی قبول کیا۔ اس واقعہ سے ظاہر ہوا کہ انبیاء علیہم السلام بادشاہ ہو کر بھی مخلوق کے چھوٹے چھوٹے معاملات کی طرف اسی قدر توجہ فرماتے ہیں جیسے بڑے مہم کاموں کی طرف۔

ف۱ حضرت داؤد علیہ السلام بے انتہا خوش آواز تھے اس پر پیغمبرانہ تاثیر، حالت یہ ہوتی تھی کہ جب جوش میں آکر زبور پڑھتے یا خدا کی تسبیح وتحمید کرتے تو پہاڑ اور پرند جانور بھی ان کے ساتھ آواز سے تسبیح پڑھنے لگتے تھے۔

ف۲ یعنی تعجب نہ کرو کہ پتھر اور جانور کیسے بولتے اور تسبیح پڑھتے ہوں گے یہ سب کچھ ہمارا کیا ہوا تھا، بھلا ہماری لامحدود وقدرت کے لحاظ سے یہ باتیں کیا مستبعد سمجھی جا سکتی ہیں۔

ف۳ حق تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھ میں لوہا موم کر دیا تھا۔ اسے موڑ کر نہایت ہلکی مضبوط، جدید قسم کی زرہیں تیار کرتے تھے جو لڑائی میں کام دیں۔

ف۴ یعنی تمہارے فائدہ کے لیے ہم نے داؤد علیہ السلام کے ذریعہ سے ایسی عجیب صنعت نکال دی، سو چوکہ تم اس قسم کی نعمتوں کا کچھ شکر ادا کرتے ہو۔

ف۵ حضرت سلیمان علیہ السلام نے دعاء کی تھی ﴿رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ﴾ (ص، رکوع ۳) اللہ تعالیٰ نے ہوا اور جن ان کے لیے مسخر کر دیے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک تخت تیار کرایا تھا جس پر مع اعیان دولت بیٹھ جاتے اور ضروری سامان بھی بار کر لیا جاتا، پھر ہوا آتی، زور سے اس کو زمین سے اٹھاتی، پھر اوپر جا کر نرم ہوا ان کی ضرورت کے مناسب چلتی جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا۔ ﴿رُخَآءً حَيْثُ اَصَابَ﴾ (ص، رکوع ۳) یمن سے شام کو اور شام سے یمن کو مہینہ کی راہ، دوپہر میں پہنچا دیتی۔ تعجب ہے کہ آج عجیب وغریب ہوائی جہازوں کے زمانہ میں بہت سے زائغین اس قسم کے واقعات کا انکار کرتے ہیں۔ کیا یورپ جو کام اسٹیم اور الیکٹرک سے کر سکتا ہے خدا تعالیٰ ایک پیغمبر کی خاطر اپنی قدرت سے نہیں کر سکتا۔

ف۶ کہ کس کو کس قسم کا امتیاز دینا مناسب ہے، اور ہوا وغیرہ عناصر سے کس طرح کام لیا جا سکتا ہے۔

ف۷ شیاطین سے مراد سرکش جن ہیں، ان سے حضرت سلیمان علیہ السلام دریا میں غوطہ لگواتے تاکہ موتی اور جواہر اس کی تہہ میں سے نکالیں اور عمارات میں بھاری کام کرواتے اور حوض کے برابر تانبے کے لگن اور بڑی عظیم الشان دیگیں جو اپنی جگہ سے ہل نہ سکیں بنوا کر اٹھواتے تھے اور سخت سخت کام ان سے لیتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جس قسم کے حیرت انگیز کام اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے مادی قوتوں سے کرائے ہیں اس وقت مخفی اور روحی قوتوں سے کرائے جاتے تھے۔

ف۸ یعنی ہم نے اپنے اقتدار کامل سے ان شیاطین کو سلیمان کی قید میں اس طرح تھام رکھا تھا کہ جو چاہتے ان سے بیگار لیتے تھے۔ اور وہ کوئی ضرر سلیمان علیہ السلام کو نہیں پہنچا سکتے تھے۔ ورنہ آدمی کی کیا بساط ہے کہ ایسی مخلوق کو اپنے قبضہ میں لے کر اور زنجیروں میں جکڑ کر رکھ چھوڑے ﴿وَاٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ﴾ (ص، رکوع ۳)

(۵) قصہ داؤد وسلیمان علیہما السلام

قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَدَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ إِذْ يَحْكُمَانِ فِي الْحَرْثِ۔ الی۔ وَكُنَّا لَهُمْ حَافِظِينَ﴾

یہ پانچواں قصہ حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام کا ہے جو ابراہیم علیہ السلام کی نسل میں سے ہیں اور باوجود بادشاہت اور فرمانروائی کے خدا پرست تھے اور غایت درجہ کے عادل اور منصف تھے۔ امیری اور فقیری اور شاہی اور درویشی دونوں کے جامع تھے۔ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت داؤد و سلیمان علیہما السلام کی بادشاہت کا نمونہ تھی داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام نبی تھے اور اللہ کے خلیفہ تھے اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نبی نہ تھے، مگر اعلیٰ درجہ کے ولی تھے اور خاتم الانبیاء ﷺ کے خلیفہ تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور داؤد اور سلیمان علیہما السلام کا قصہ بیان کیجئے جبکہ وہ دونوں کھیتی کے مقدمہ میں فیصلہ کر رہے تھے۔ جبکہ رات کے وقت اس کھیت میں کچھ لوگوں کی بکریاں چر گئی تھی اور ہم ان کے فیصلہ کے وقت موجود تھے، ہمارے روبرو یہ فیصلہ ہوا۔ صورت یہ ہوئی کہ ایک شخص کی بکریوں نے ایک شخص کا کھیت بالکل چر لیا۔ فریقین اپنا مقدمہ لیکر فیصلہ کرانے کے لیے حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس آئے۔ کھیت والے نے کہا کہ اس شخص کی بکریاں رات کو میرا سارا کھیت چر گئیں اور اس میں نال تک نہ چھوڑی، حضرت داؤد علیہ السلام نے حال سن کر حساب کیا تو معلوم ہوا کہ کل بکریوں کی قیمت کھیت کی قیمت کے برابر ہے لہٰذا آپ علیہ السلام نے حکم دیا کہ یہ بکریاں سب کھیت والے کو دے دی جائیں کیونکہ کھیت کے نقصان اور بکریوں کی قیمت برابر تھی، وہ یہ فیصلہ سن کر وہاں سے چل دیئے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو جب اس فیصلہ کا علم ہوا تو کہا کہ اگر میں فیصلہ کرتا تو یہ فیصلہ نہ کرتا۔ میں دوسری طرح فیصلہ کرتا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا میرے نزدیک فیصلہ کی بہتر صورت یہ ہے کہ بکریاں تو کھیت والے کو دے دی جائیں کہ وہ ان کے دودھ اور نسل سے فائدہ اٹھائے اور بکریوں والے کھیت کی آبپاشی اور تردد کریں یہاں تک کہ جب سال آئندہ اس کا کھیت پھر اس حالت پر آجائے کہ جس دن وہ کھایا گیا تھا تو بکریوں والا اس کا کھیت اس کے حوالے کر دے اور اپنی بکریاں اس سے واپس لے لے۔ اس میں دونوں کا فائدہ ہے نقصان کسی کا نہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو جب اس فیصلہ کا علم ہوا تو اس فیصلے کو بہت پسند کیا اور اپنے فیصلہ سے رجوع فرمایا۔ چنانچہ فرماتے ہیں پس ہم نے فیصلہ کا یہ طریقہ سلیمان علیہ السلام کو سمجھا دیا کہ جو دونوں فریق کے حق میں مفید ہو گیا اور ہر ایک کو یعنی باپ اور بیٹے کو ہم نے علم و حکمت عطا کیا ہر ایک نے اپنے علم کے مطابق فیصلہ کیا دونوں فیصلے حق تھے دونوں کا مقصد یہ تھا کہ اس نقصان کا تاوان اور ضمان دلایا جائے۔ داؤد علیہ السلام نے ضمان کی یہ صورت اختیار فرمائی کہ بکریوں کی ملک ان کے مالک سے زائل کر کے کھیت والے کی ملک کر دیں اور سلیمان علیہ السلام نے کسی کی ملک زائل نہیں کی بلکہ بکریوں کے منفعت سے اس کے نقصان کی تلافی کر دی کہ اتنی مدت تک بکریوں کی منفعت کھیت والے کے لیے حلال کر دی جب تک وہ کھیت اپنی اصلی حالت پر نہ آجائے کھیت والا بکریوں کے چر جانے کی وجہ سے اپنے کھیت کی منفعت سے محروم ہو گیا تھا۔ اس کی تلافی کے لیے ایک مدت تک بکریاں اس کے حوالہ کر دی گئیں کہ اس سے منتفع ہوتا ہے بدون اس کے کہ بکریوں کی ملک ان کے مالک سے زائل ہو نقصان کی تلافی منفعت سے فرما دی۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے بکریاں کھیت والے کو دینے کا فیصلہ اس لیے فرمایا کہ ان کی شریعت میں یہ حکم تھا کہ جو چوری

کرے تو اس کو غلام بنالیا جائے، اس کے مطابق یہ حکم دیا۔ ﴿قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِيْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ﴾۔ اور سلیمان علیہ السلام نے دوسرا فیصلہ کیا۔ جس میں دونوں کا نقصان نہ ہو حضرت داؤد کا یہ فیصلہ ظاہری قیاس کے مطابق تھا کہ رات کا وقت تھا بکریوں کی حفاظت اور ان کو بند رکھنا بکریوں کے مالک کا ذمہ تھا اگر وہ بکریوں کی پوری نگرانی رکھتا تو بکریاں باہر نکل کر کسی کا کھیت خراب نہ کرتیں پس جب بکریوں کے مالک نے بکریوں کی نگہداشت میں کوتاہی کی اور اس کوتاہی کی وجہ سے دوسرے کا کھیت خراب ہوا۔ تو داؤد علیہ السلام نے اس نقصان کے ضمان اور تاوان میں بکریاں کھیت والے کو دے دیں اور کھیت والے کو ان بکریوں کا مالک بنادیا۔ کیونکہ کھیت کے نقصان اور بکریوں کی قیمت برابر تھی اس قسم کے فیصلہ کو اصطلاح فقہاء میں قیاس جلی کہتے ہیں اور سلیمان علیہ السلام نے جو فیصلہ فرمایا اس میں ملکیت ہر ایک کی بحالہ برقرار رکھی۔ کھیتی کے نقصان کی تلافی بکریوں کے منافع سے کردی اس قسم کے قیاس کو اصطلاح فقہاء میں استحسان کہتے ہیں۔ پس جس طرح حضرت داؤد علیہ السلام نے سلیمان علیہ السلام کا فیصلہ سن کر اپنے فیصلہ سے رجوع کیا اسی طرح فقہاء حنفیہ فرماتے ہیں کہ قیاس جلی کے مقابلہ میں قیاس استحسان کی طرف رجوع کرنا اولیٰ اور احسن ہے فیصلے دونوں ہی حق تھے مگر سلیمان علیہ السلام کا فیصلہ زیادہ بہتر تھا وہ ایک قسم کی صلح تھی اور فریقین اس پر راضی تھے اللہ تعالیٰ نے دونوں کے علم و حکمت کی تعریف کی اور اس مسئلہ اور اس فیصلہ میں سلیمان علیہ السلام کی خاص طور پر مدح فرمائی کہ ہم نے ان کو اس مسئلہ میں اپنی خاص تفہیم غیبی سے نوازا۔ سلیمان علیہ السلام اس وقت کمسن تھے۔ دس گیارہ سال کی عمر تھی۔ بوڑھے باپ کی موجودگی میں کمسن لڑکے کی زبان سے ایسے علم کا ظاہر ہونا وہ درحقیقت منجانب اللہ باپ کے لیے بشارت تھی کہ یہ سمجھ دار بیٹا جب تمہارے بعد تمہارا خلیفہ اور جانشین ہوگا تو ایسے فیصلے کرے گا۔

زکریا علیہ السلام کو یہی خوف تھا کہ میرے بعد نہ معلوم میرا جانشین کیسا ہوگا اس لیے دعا مانگی ﴿وَاِنِّيْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَّرَآءِيْ وَكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۙ يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا﴾ اور عجب نہیں کہ سلیمان علیہ السلام کا یہ حکیمانہ فیصلہ باپ کی فیض صحبت اور ان کے نور نبوت اور نور خلافت کا عکس اور پرتو ہو لخت جگر باپ کا جزء ہوتا ہے اور جزء کل کے مغایر نہیں ہوتا۔ پہلا فیصلہ کُل کی زبان سے صادر ہوا۔ دوسرا فیصلہ جزء کی زبان سے ظاہر ہوا۔ بظاہر صورت مختلف ہے مگر حقیقت ایک ہے۔

ذکر بعض معجزات و کرامات حضرت داؤد و حضرت سلیمان علیہما السلام

حق جل شانہ نے ان آیات میں حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو علم و حکمت کے عطاء کرنے کا ذکر فرمایا۔ اور یہ نعمت اور کرامت دونوں میں مشترک تھی اب آئندہ آیات میں ان بعض معجزات اور کرامات خاصہ کا ذکر فرماتے ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر ان دو پیغمبروں کو عطاء کیے چنانچہ فرماتے ہیں اور ہم نے علم و حکمت کے علاوہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ پہاڑوں کو مسخر کردیا تھا کہ وہ بھی داؤد علیہ السلام کے ساتھ تسبیح پڑھتے تھے اور پرندوں کو بھی مسخر کردیا تھا کہ وہ بھی ان کے ساتھ آواز سے تسبیح کرتے تھے داؤد علیہ السلام بے انتہاء خوش آواز تھے اور یہ خوش آوازی بھی ان کا ایک معجزہ تھا۔ داؤد علیہ السلام جب زبور پڑھتے تھے تو ان کے ساتھ شجر اور حجر اور پہاڑ اور پرند سب آواز کے ساتھ تسبیح کرنے لگتے اور یہ ان کا معجزہ

تھا۔ اور یہ کوئی تعجب کی بات نہ تھی ہم ہی یہ کام کرنے والے تھے پہاڑوں اور پرندوں کی تسخیر اور تسبیح یہ سب ہمارا ہی کام ہے ہماری قدرت کے اعتبار سے کوئی عجیب چیز نہیں اس سے معلوم ہوا کہ معجزہ نبی کا فعل نہیں بلکہ اللہ کا فعل ہے اور وہی اس کا فاعل ہے اللہ اپنے کسی مقبول بندے کے ہاتھ پر پیدا کر دیتا ہے اور ہم نے داؤد کو تمہارے لیے ایک قسم کا لباس یعنی زرہ بنانے کی صنعت سکھلائی تا کہ وہ لباس لڑائی میں تمہارا بچاؤ اور حفاظت کر سکے اور اسکی وجہ سے تم دشمن کی زد اور اس کے وار سے محفوظ رہ سکو۔

داؤد علیہ السلام سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے زرہ کو حلقہ اور کڑیوں کے ساتھ بنایا۔ خدا تعالیٰ نے لوہے کو ان کے لیے نرم کر دیا۔ بغیر آگ کے لوہا ان کے ہاتھ میں موم کی طرح نرم ہو جاتا تھا۔ اور وہ اس سے زرہ بنالیا کرتے تھے کما قال اللہ تعالیٰ ﴿وَ اَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ﴾۔ داؤد علیہ السلام سے پہلے زرہ تختیوں کی شکل میں ہوتی تھی، حلقے اور کڑیاں اس میں نہ تھیں تسبیح جبال وطیر کی طرح یہ بھی داؤد علیہ السلام کا معجزہ تھا پس کیا تم اس نعمت کا شکر کرو گے۔ اسی طرح زرہ سازی کی یہ صنعت اللہ کی نعمت ہے اور پھر اس کے نبی کا فیض ہے جو آج تک جاری ہے۔ تم کو چاہئے کہ اس کا شکر کرو۔ اب آگے سلیمان علیہ السلام کے معجزات کا ذکر فرماتے ہیں اور ہم نے زور سے چلنے والی ہوا کو سلیمان علیہ السلام کے لیے مسخر کر دیا کہ وہ ان کے حکم کے مطابق اس زمین کی طرف جاتی تھی جہاں ہم نے برکت رکھی تھی یعنی ملک شام کی طرف۔ اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا تھا۔ ہوا ان کے تابع تھی۔ زور سے چلنے کا حکم دیتے تو زور سے چلتی اور تیز ہو جاتی اور نرم چلنے کا حکم دیتے تو نرم ہو جاتی وہ ہوا سلیمان علیہ السلام کو اور ان کے اصحاب کو یمن سے شام اور شام سے یمن پہنچا دیتی جیسا کہ دوسری جگہ ہے۔ ﴿تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَيْثُ اَصَابَ﴾ اور برکت والی زمین سے سرزمین شام مراد ہے اور یہ سلیمان علیہ السلام کا معجزہ ہے اگر بندہ اپنی طاقت سے ہوائی جہاز بنا سکتا ہے تو کیا خدا کو یہ قدرت نہیں کہ وہ اپنے مقبول بندہ کے لیے اس کے تخت ہی کو ہوائی جہاز بنا دے اور بلا سبب ظاہری کے ہوا کو اس کے لئے مسخر کر دے کہ اس کے حکم کے تابع ہو جائے اور ہم ہر چیز کے جاننے والے ہیں یعنی ہم کو یہ معلوم تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اس نعمت و کرامت کے اہل ہیں اور یہ بھی معلوم تھا کہ وہ اس نعمت و کرامت کے ملنے کے بعد مغرور نہ ہونگے بلکہ ان کی تواضع اور فروتنی میں اور اضافہ ہوگا۔

غرض یہ کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کا ایک معجزہ یعنی معجزہ تسخیر ہوا ذکر فرمایا اب آئندہ آیت میں ان کے دوسرے معجزہ یعنی تسخیر جن کے معجزہ کا ذکر فرماتے ہیں اور ہم نے جنات کی جماعت میں سے سلیمان علیہ السلام کے لیے ان شیاطین کو مسخر کر دیا کہ جو ان کے واسطے دریا میں غوطہ لگاتے ہیں اور اس کی تہہ سے جواہرات نکال کر لاتے ہیں اور اس غواصی کے علاوہ بھی ان کے بہت سے کام کرتے ہیں اور کاموں سے مراد نفیس عمارتیں بنانا اور عجیب عجیب صنعتوں کا ایجاد کرنا یہ سب کام جنات کیا کرتے تھے۔ اور ہم ان کے نگہبان اور نگران تھے، کسی کی مجال نہ تھی کہ سلیمان علیہ السلام کے حکم سے باہر ہو سکے نہ کوئی مطالبہ تھا اور نہ کوئی ہڑتال تھی اور نہ کسی کی تنخواہ تھی۔ ملک کے تمام کارخانے انہی جنات اور شیاطین کی محنت اور خدمت سے چل رہے تھے حکم سلیمان علیہ السلام کا چل رہا تھا اور یہ سب کے سب ان کے فرمانبردار اور غلام تھے اور بلا تنخواہ کے کام کر رہے تھے۔ یہ خدا تعالیٰ کی عطا فرمودہ شخصی بادشاہت تھی کوئی جمہوری اور قومی حکومت نہ تھی۔ سارے ملک میں سلیمان علیہ السلام کی آمریت تھی۔ ﴿تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ﴾ لیکن سلیمان علیہ السلام کی یہ آمریت خداوند احکم الحاکمین کی شہنشاہی کا آئینہ تھی۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام کا تخت لکڑی کا تھا اور اس کے گرد ایک تختہ تھا جس پر ضروری اشیا رکھی جاتی تھیں۔ سلیمان علیہ السلام کے ساتھ دیگر ارکان دولت بھی بیٹھتے اور ضروری سامان مثلاً گھوڑے اور خیمے اور فرش بھی جس قدر چاہتے ساتھ رکھ لیتے اور پرند اوپر سے آکر سایہ کر لیتے اور ہوا کو حکم ہوتا کہ چلے جدھر چاہتے۔ وہاں لیکر رواں ہو جاتی اور جہاں چاہتے وہاں اترتے کما قال تعالیٰ ﴿فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ رُخَاءً حَيْثُ أَصَابَ﴾ اور فرمایا ﴿غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَرَوَاحُهَا شَهْرٌ﴾۔

یہ معجزہ ہوا کا تھا اور دوسرا معجزہ شیاطین کا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے شیاطین اور جنات کو سلیمان علیہ السلام کے قبضہ میں مسخر اور مقہور کر دیا تھا جس سے وہ چاہتے کام لیتے۔ نہ کوئی بھاگ سکتا تھا اور نہ سرکشی کر سکتا تھا۔ کما قال تعالیٰ ﴿مُقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ﴾ (دیکھو تفسیر ابن کثیر: ۳/ ۱۸۷)

وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَسَّنِىَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۸۳﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ

اور ایوب کو جس وقت پکارا اس نے اپنے رب کو کہ مجھ پر پڑی ہے تکلیف اور تو ہے سب رحم والوں سے رحم والا پھر ہم نے سن لی اس کی

اور ایوب کو، جس وقت پکارا اپنے رب کو، کہ مجھ کو پڑی ہے تکلیف اور تو ہے سب رحم والوں سے رحم والا۔ پھر ہم نے سن لی اس کی

فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرٰى

فریاد سو دور کر دی جو اس پر تھی تکلیف اور عطا کیے اس کو اس کے گھر والے اور اتنے ہی اور ان کے ساتھ ف۱ رحمت اپنی طرف سے اور نصیحت

پکار اور اٹھا دی جو اس پر تھی تکلیف، اور دیئے اس کو اس کے گھر والے، اور ان کے برابر ساتھ ان کے اپنے پاس کی مہر سے اور نصیحت

لِلْعٰبِدِيْنَ ﴿۸۴﴾

بندگی کرنے والوں کو ف۲

بندگی والوں کو۔

(۶) قصہ ایوب علیہ السلام

قَالَ اللہُ تَعَالٰی: ﴿وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَسَّنِىَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ... الی ... وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ﴾

ف۱ حضرت ایوب علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے دنیا میں سب طرح آسودہ رکھا تھا، کھیت، مواشی، لونڈی، غلام، اولاد صالح اور عورت مرضی کے موافق عطا کی تھی۔ حضرت ایوب علیہ السلام بڑے شکرگزار بندے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو آزمائش میں ڈالا، کھیت جل گئے، مویشی مر گئے، اور اولاد اکٹھی دب مری، دوست آشنا الگ ہو گئے، بدن میں آبلے پڑ کر کیڑے پڑ گئے ایک بیوی رفیق رہی، آخر وہ بیچاری بھی اکتانے لگتی۔ مگر حضرت ایوب علیہ السلام جیسے نعمت میں شاکر تھے ویسے ہی بلا میں صابر رہے۔ جب تکلیف و اذیت اور دشمنوں کی شماتت حد سے گزر گئی۔ بلکہ دوست بھی کہنے لگے کہ یقیناً ایوب علیہ السلام نے کوئی ایسا سخت گناہ کیا ہے جس کی سزا ایسی ہی سخت ہو سکتی تھی تب دعا کی ﴿اَنِّىْ مَسَّنِىَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ﴾ رب کو پکارنا تھا کہ دریائے رحمت امنڈ پڑا۔ اللہ تعالیٰ نے مری ہوئی اولاد سے دگنی اولاد دی، زمین سے چشمہ نکالا۔ اسی سے پانی پی کر اور نہا کر تندرست ہوئے۔ بدن کا سارا روگ جاتا رہا۔ اور جیسا کہ حدیث میں ہے سونے کی ٹڈیاں برسائیں۔ غرض سب طرح درست کر دیا۔

ف۲ یعنی ایوب علیہ السلام پر یہ مہربانی ہوئی اور تمام بندگی کرنے والوں کے لیے ایک نصیحت اور یادگار قائم ہو گئی کہ جب کسی بندے پر دنیا میں برا وقت آئے تو ایوب علیہ السلام کی طرح صبر و استقلال دکھلانا اور صرف اپنے پروردگار سے فریاد کرنا چاہیے۔ حق تعالیٰ اس پر نظر عنایت فرمائے گا۔ اور محض ایسے ابتلاء کو دیکھ کر کسی شخص کی نسبت یہ گمان نہیں کرنا چاہیے کہ وہ اللہ کے یہاں مبغوض ہے۔

یہ چھٹا قصہ ایوب علیہ السلام کا ہے جو طرح طرح کی مصائب سے آزمائے گئے اور بے مثال صبر فرمایا۔ ان کا صبر خود ایک مستقل معجزہ تھا حضرت ایوب علیہ السلام بڑے خوشحال پیغمبر تھے اللہ تعالیٰ نے طرح طرح سے آسودہ کر رکھا تھا۔ باغ اور کھیت اور مویشی اور مال و دولت اور اولاد صالح اور مرضی کے مطابق عورت وغیرہ وغیرہ دے رکھی تھیں۔ اس خوشحال میں وہ خدا کے شکر گزار بندے تھے پھر خدا تعالیٰ نے ان کو مصیبت سے آزمانا چاہا۔ مال اور اولاد اور باغ اور کھیت سب فنا ہو گئے اولاد مرگئی اور دوست آشنا سب الگ ہو گئے۔ صرف ایک بیوی رفیق رہ گئی اور اخیر میں وہ بھی کچھ گھبرا سی گئی مگر ایوب علیہ السلام جس طرح نعمت میں خدا کے شکر گزار رہے اسی طرح وہ بلا میں بھی صابر رہے نہ زبان سے کوئی حرف شکایت اور نہ دل میں شکایت کا کوئی خطرہ گزرا، جب بیماری حد سے گزر گئی تب اللہ تعالیٰ سے دعا کی، اللہ نے ان کی دعا قبول کی۔ اور ان کو صحت اور عافیت عطا کی۔ اور جو اولاد دب کر مرگئی تھی اس کو بھی دوبارہ زندہ کر دیا اور اتنی ہی اولاد اور عطا کر دی اور اپنے فضل سے ان کی پھر وہی خوشحالی کی حالت کر دی بلکہ اس سے بہتر۔

ان اب آیات میں ایوب علیہ السلام کا قصہ ذکر کرتے ہیں تاکہ صابروں اور شاکروں کے لیے عبرت ہو چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی ہمارے صابر بندہ ایوب کا قصہ ذکر کرو جبکہ ان کو اللہ کی طرف سے جان اور مال اور اولاد میں ہر طرف سے بلا پہنچی، حتیٰ کہ جسم کو کوئی حصہ بھی زخموں سے محفوظ نہ رہا۔ بقول بعض اٹھارہ برس اسی تکلیف میں گزارے اور حیاو شرم کے مارے حق تعالیٰ سے اپنی عافیت اور تندرستی کی دعا بھی نہ کی کہ سالہا سال حق تعالیٰ کی نعمتوں میں گزارے ہیں جب تک اتنی مدت تک اس کی بلاؤں پر صبر نہ کرلوں اس وقت تک کس منہ سے مانگوں حتیٰ کہ اگر بدن کے زخم سے کسی وقت کوئی کیڑا گر جاتا تو اس کو اٹھا کر پھر اسی جگہ رکھ دیتے اور کہتے کہ یہ میرے پروردگار کی بھیجی ہوئی بلا ہے اے بلا تو میرے بدن کو اچھی طرح کھا۔ یہ کمال رضاء بقضاء اور صبر بہ بلاء ہے کہ یہ تکلیف انتہاء کو پہنچی ہوئی ہے مگر حال یہ ہے کہ "ایلام دوست بہ از انعام دوست" بالآخر ایوب نے اپنے رب کو پکارا اور یہ دعا کی کہ اے پروردگار تحقیق مجھ کو تکلیف پہنچی ہے اور تو سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے جو تیری شان ارحم الراحمین کا اقتضاء ہو وہ کر گزر ایوب علیہ السلام نے اپنا سوال تو پیش کر دیا لیکن درخواست کو ظاہر نہ کیا۔ حق تعالیٰ کی غایت رحمت کا ذکر کیا اور اپنی عاجزی اور لاچاری ظاہر کی اور خاموش ہو گئے مطلب یہ تھا کہ میں تیری بارگاہ رحمت میں کیا عرض کروں۔ عرض کرتے ہوئے بھی شرم آتی ہے آپ ارحم الراحمین ہیں اور یہ میری بیماری اور لاچاری آپ کے سامنے ہے جو چاہیں کریں میں آپ کا بندہ ہوں لیکن آپ کی رحمت کا محتاج ہوں پس انکا یہ کہنا تھا کہ ان کی دعا قبول کی سو جو تکلیف اور بیماری ان کو لاحق تھی وہ یک لخت ہم نے دور کر دی اور ہم نے ان کو بعینہ ان کے اہل و عیال عطاء کر دیے یعنی ان کو زندہ کر دیا اور اتنے ہی اور ان کے ساتھ دے دیے، یعنی جو اولاد مرگئی تھی اس کو ہم نے زندہ کر دیا۔ اور اتنی ہی اولاد اس کے بعد پیدا کر دی جو گزشتہ اولاد کے برابر تھی، ایوب علیہ السلام نے جب اپنے رب کو پکارا تو دریائے رحمت جوش میں آگیا اور آواز آئی۔ اے ایوب علیہ السلام اپنا پاؤں زمین پر مار۔ ایک چشمہ نمودار ہوا۔ اس سے ایوب علیہ السلام نے غسل کیا۔ اس سے ان کی تمام بیماری یک لخت جاتی رہی اور خوبصورت بدن نکل آیا۔ بیوی یہ دیکھ کر حیران رہ گئی۔ ایوب علیہ السلام نے کہا میں وہی ایوب ہوں، اللہ تعالیٰ نے مجھ پر رحم کیا۔ اور مجھ پر میرا مال اور اہل و عیال سب واپس کر دیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ جو کچھ ہم

نے ایوب کے ساتھ کیا وہ اپنی خاص رحمت اور مہربانی سے کیا تا کہ معلوم ہو جائے کہ ارحم الراحمین کی رحمت اور عنایت ایک ہوتی ہے اور تا کہ عبادت گزاروں کے لیے نصیحت اور عبرت ہو کہ صبر ایسا ہوتا ہے۔ لوگوں کو چاہئے کہ صبر اور شکر میں حضرت ایوب علیہ السلام کی اقتداء کریں۔

اس واقعہ میں ایوب علیہ السلام کو چار ابتلا پیش آئے (۱) مال جاتا رہا (۲) اولاد مرگئی (۳) بدن بیماری سے پھٹ گیا (۴) سوائے بیوی کے سب نے چھوڑ دیا اور شماتت کرنے لگے کہ ایوب علیہ السلام نے کوئی ایسا سخت گناہ کیا ہے جس کی سزا ایسی سخت ملی ہے۔ ایوب علیہ السلام نے اس ابتلاء اور بلا پر صبر کیا۔ اول تو دعا پر بھی راضی نہ تھے حیا اور شرم کی وجہ سے صحت کی دعا بھی نہ کرتے تھے بالآخر بیوی کے اصرار سے اپنی صحت کے لیے دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے قبول کی۔ اللہ تعالیٰ نے صحت اور تندرستی بھی عطا کی اور جو اولاد مرگئی تھی اس کو دوبارہ زندہ کردیا چونکہ جو اولاد اکٹھی ہی دب کر مرگئی بظاہر وہ موت اجل نہ تھی۔ بلکہ موت ابتلاء و آزمائش تھی اس لیے ان بنی اسرائیل کی طرح دوبارہ زندہ کردی گئی جن کو طاعون سے بھاگنے کی وجہ سے ہلاک کردیا گیا جیسا کہ سورۂ بقرہ میں گزرا۔ ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْيَاهُمْ﴾ بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام کو پہلے کی طرح مال و دولت بھی عطا کردیا جس قدر مال انکا جاتا رہا تھا اسی قدر اللہ نے پھر ان کو دے دیا بلکہ اس سے زائد۔

صحیح بخاری میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایوب علیہ السلام ایک دن غسل فرما رہے تھے کہ اوپر سے سونے کی ٹڈیاں برسنے لگیں۔ ایوب علیہ السلام ان کو اپنے کپڑے میں جمع کرنے لگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ایوب کیا میں نے تجھ کو اس چیز سے غنی نہیں کیا کہ جس کو تو دیکھتا ہے۔ عرض کیا کیوں نہیں تیری برکت سے غنا نہیں۔ مطلب یہ تھا کہ میرا سونے کی ٹڈیوں کی طرف رغبت کرنا دنیاوی غنا حاصل کرنے کے لئے نہیں ہے بلکہ اس لیے ہے کہ سونے کی ٹڈیاں تیری طرف سے بلا سبب ظاہری کے برس رہی ہیں اور یہ تیری طرف سے بلاشبہ برکت ہیں اور بندہ کتنا ہی مالدار ہو جائے مگر خدا کی برکت سے غنی اور بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ خدا تعالیٰ سے طلب زیادت قناعت کے منافی نہیں البتہ غیر اللہ سے سوال قناعت کے منافی ہے۔

وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِدْرِيْسَ وَذَا الْكِفْلِ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَاَدْخَلْنٰهُمْ فِيْ رَحْمَتِنَا ؕ

اور اسمٰعیل اور ادریس اور ذوالکفل کو یہ سب ہیں صبر والے ف۱ اور لے لیا ہم نے ان کو اپنی رحمت میں

اور اسمٰعیل اور ادریس اور ذوالکفل کو۔ یہ سب ہیں سہارنے والے۔ اور لے لیا ہم نے ان کو اپنی مہر میں۔

اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۶﴾

وہ ہیں نیک بختوں میں

وہ ہیں نیک بختوں میں۔

ف۱ یعنی ان سب نیک بندوں کو یاد کرو۔ اسماعیل اور ادریس علیہما السلام کا ذکر پہلے سورۂ "مریم" میں گزر چکا۔ ذوالکفل کی نسبت اختلاف ہے کہ نبی تھے جیسا کہ انبیاء کے ذیل میں تذکرہ فرمانے سے ظاہر ہوتا ہے یا محض ایک مرد صالح تھے۔ کہتے ہیں کہ ایک شخص کے ضامن ہو کر کئی برس قید رہے اور للہ یہ محنت اٹھائی۔
(تنبیہ) مسند امام احمد اور جامع ترمذی میں ایک شخص کا قصہ آتا ہے جو پہلے سخت بدکار اور فاسق و فاجر تھا، بعدہ، تائب ہوا، اللہ تعالیٰ نے اس کی =

(۷) قصہ حضرت اسمٰعیل وادریس وذوالکفل علیہم السلام

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِدْرِيْسَ وَذَا الْكِفْلِ ... الى ... اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں حضرت ایوب علیہ السلام کے صبر کا قصہ بیان فرمایا۔ اب یہ ساتواں قصہ ان تین حضرات کا ہے جو اپنے زمانہ میں صبر اور تحمل میں بے مثال تھے اس قصہ سے اور گزشتہ قصہ سے آنحضرت ﷺ کی تسلی مقصود ہے اور اے نبی ﷺ اسمٰعیل اور ادریس اور ذوالکفل علیہم السلام کا ذکر کیجئے۔ ان میں سے ہر ایک صابرین میں سے تھا اور ہم نے ان کو اپنی خاص الخاص رحمت میں داخل کر لیا تھا اور یہ لوگ بلاشبہ صلاح میں کامل تھے ان کی صلاحیت میں کسی قسم کا نقص اور کدورت کا شائبہ نہ تھا۔

ان تینوں پیغمبروں نے بڑی بڑی تکالیف اور آزمائشوں پر صبر کیا۔ اسمٰعیل علیہ السلام نے ذبح کی تکلیف پر صبر کیا اور خدا کے لیے جان دینے پر راضی ہو گئے اور ابتداءً جو مکہ میں قیام کیا۔ اس میں بھی بڑی مشقتیں برداشت کیں۔ اور ادریس علیہ السلام کی عبادت کا قصہ سورۂ مریم میں گزر چکا ہے کہ وہ ترک طعام و شراب کی وجہ سے فرشتوں کے ساتھ ملحق ہو گئے تھے اور ذوالکفل علیہ السلام بقول اکثر محققین نبی تھے اور ظاہر قرآن سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ نبی تھے اور ان کو ذوالکفل علیہ السلام کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ قوم میں عدل و انصاف کے کفیل تھے اور دن میں روزہ رکھتے اور شب میں تہجد کے کفیل تھے اور بعض کہتے ہیں کہ انہوں نے فقیروں اور مسکینوں کی پرورش کی کفالت اپنے ذمہ لی تھی۔ (واللہ اعلم)

بہر حال جمہور علماء کے نزدیک ذوالکفل علیہ السلام نبی صالح تھے اور بعض کہتے ہیں کہ وہ نبی نہ تھے بلکہ ایک مرد صالح تھے علماء محققین کے نزدیک پہلا ہی قول صحیح ہے۔

وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ

اور مچھلی والے کو جب چلا گیا غصہ ہو کر ف۱ پھر سمجھا کہ ہم نہ پکڑ سکیں گے اس کو ف۲ پھر پکارا ان اندھیروں میں ف۳ کہ کوئی حاکم نہیں

اور مچھلی والے کو جب چلا گیا غصہ سے لڑ کر، پھر سمجھا کہ ہم نہ پکڑ سکیں گے، پھر پکارا ان اندھیروں میں، کہ کوئی حاکم نہیں

= مغفرت کی بشارت اسی دنیا میں لوگوں کو سنا دی، اس کا نام حدیث میں "کفل" آیا ہے۔ بظاہر یہ وہ "ذوالکفل" نہیں جس کا ذکر قرآن کریم نے کیا۔ واللہ اعلم۔ ہمارے زمانے کے بعض مصنفین کا خیال ہے کہ "ذوالکفل" وہی ہیں جن کو "حزقیل" کہا جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

ف۱ "مچھلی والا" فرمایا حضرت یونس علیہ السلام کو۔ ان کا مختصر قصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو شہر نینویٰ کی طرف (جو موصل کے مضافات میں سے ہے) مبعوث فرمایا تھا۔ یونس علیہ السلام نے ان کو بت پرستی سے روکا اور حق کی طرف بلایا۔ وہ ماننے والے کہاں تھے، روز بروز ان کا عناد و تمرد ترقی کرتا رہا۔ آخر بددعا کی اور قوم کی حرکات سے خفا ہو کر غصہ میں بھرے ہوئے شہر سے نکل گئے حکم الٰہی کا انتظار نہ کیا اور وعدہ کر گئے کہ تین دن کے بعد تم پر عذاب آئے گا ان کے نکل جانے کے بعد قوم کو یقین ہوا کہ نبی کی بددعا خالی نہیں جائے گی کچھ آثار بھی عذاب کے دیکھے ہوں گے۔ گھبرا کر سب لوگ بچوں اور جانوروں سمیت باہر جنگل میں چلے گئے اور ماؤں کو بچوں سے جدا کر دیا۔ میدان میں پہنچ کر سب نے رونا چلانا شروع کیا، بچے اور مائیں، آدمی اور جانور سب شور مچا رہے تھے، کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی، تمام بستی والوں نے سچے دل سے توبہ کی، بت توڑ ڈالے۔ خدا تعالیٰ کی اطاعت کا عہد باندھا اور حضرت یونس علیہ السلام کو تلاش کرنے لگے کہ ملیں تو ان کے ارشاد پر کاربند ہوں۔ حق تعالیٰ نے آنے والا عذاب ان پر سے اٹھا لیا۔ ﴿فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ﴾ (یونس، رکوع ۱) ادھر یونس علیہ السلام بستی سے نکل کر ایک جماعت کے ساتھ کشتی پر سوار ہوئے وہ کشتی غرق ہونے لگی۔ کشتی والوں نے بوجھ ہلکا کرنے کے لیے ارادہ کیا کہ ایک آدمی کو نیچے پھینک دیا جائے (یا اپنے مفروضات کے موافق یہ سمجھے کہ کشتی میں کوئی غلام مولا سے بھاگا ہوا ہے) بہر حال اس آدمی کی تعیین کے لیے قرعہ ڈالا۔ وہ یونس علیہ السلام کے نام نکلا۔ دو تین مرتبہ قرعہ اندازی کی ہر =

اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۞ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ۭ

سوائے تیرے تو بےعیب ہے میں تھا گنہگاروں سے ف۱ پھر سن لی ہم نے اس کی فریاد، اور بچا دیا اس کو اس گھٹنے سے،

سوا تیرے، تو بےعیب ہے، میں تھا گنہگاروں سے۔ پھر سن لی ہم نے اس کی پکار اور بچا دیا اس گھٹنے سے۔

وَكَذٰلِكَ نُـْۨجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۞

اور یونہی ہم بچا دیتے ہیں ایمان والوں کو ف۲

اور یوں ہی ہم بچا دیتے ہیں ایمان والوں کو۔

(۸) قصہ یونس علیہ السلام

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا ... الى ... وَكَذٰلِكَ نُـْۨجِي الْمُؤْمِنِيْنَ﴾

یہ آٹھواں قصہ یونس علیہ السلام کا ہے جن کو ذوالنون کہا جاتا ہے۔ "نون" کے معنی مچھلی کے ہیں کیونکہ مچھلی نے ان کو لقمہ کرلیا تھا اس لیے انکا لقب ذوالنون ہوا یعنی مچھلی والے۔ وہ اپنی قوم سے خفا ہو کر چلے گئے تھے، جب دیکھا کہ قوم کفر اور سرکشی پر تلی ہوئی ہے تو یونس علیہ السلام سے صبر نہ ہوسکا اس لیے ناخوش ہو کر ان کے درمیان سے نکل گئے اور یہ ایک قسم کی ہجرت تھی کہ کافروں کے ایمان سے ناامید ہوئے تو ناراض ہو کر ان کے درمیان سے نکل گئے اور انکا یہ غصہ اپنی وجہ سے نہ تھا۔ بلکہ خدائے عزوجل کی نافرمانی کی وجہ سے تھا اور یہ غصہ اگرچہ حق اور درست تھا، مگر چونکہ ان کا بستی سے نکل جانا بدون حکم الٰہی کے تھا اس لیے ان پر عتاب آیا کہ ان کو چاہئے تھا کہ اس بارے میں وحی اور حکم الٰہی کا انتظار کرتے اس طرح سے گھبرا کر ایک دم

= دفعہ یونس علیہ السلام کے نام پر نکلتا رہا۔ یہ دیکھ کر یونس علیہ السلام دریا میں کود پڑے۔ فوراً ایک مچھلی آ کر نگل گئی۔ اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو حکم دیا کہ یونس علیہ السلام کو اپنے پیٹ میں رکھ، اس کا ایک بال بیکا نہ ہو۔ یہ تیری روزی نہیں بلکہ تیرا پیٹ ہم نے اس کا قید خانہ بنایا ہے۔ اس کو اپنے اندر حفاظت سے رکھنا۔ اس وقت یونس علیہ السلام نے اللہ کو پکارا۔ ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ اپنی خطا کا اعتراف کیا کہ بیشک میں نے جلدی کی کہ تیرے حکم کا انتظار کیے بدون بستی والوں کو چھوڑ کر نکل کھڑا ہوا۔ گو یونس علیہ السلام کی یہ غلطی اجتہادی تھی جو امت کے حق میں معاف ہے، مگر انبیا کی تربیت وتہذیب دوسرے لوگوں سے ممتاز ہوتی ہے۔ جس معاملہ میں وحی آنے کی امید ہو، بدون انتظار کیے قوم کو چھوڑ کر چلا جانا ایک نبی کی شان کے لائق نہ تھا۔ اسی مناسب بات پر داروگیر شروع ہوگئی۔ آخر توبہ کے بعد نجات ملی مچھلی نے کنارہ پر آ کر اگل دیا۔ اور اس بستی کی طرف صحیح سالم واپس کیے گئے۔

ف۲ یعنی یہ خیال کرلیا کہ ہم اس حرکت پر کوئی داروگیر نہ کریں گے، یا اسی طرح نکل کر بھاگا جیسے کوئی یوں سمجھ کر جائے کہ اب ہم اس کو پکڑ کر واپس نہیں لاسکیں گے۔ گویا بستی سے نکل کر ہماری قدرت سے ہی نکل گیا۔ یہ مطلب نہیں کہ معاذ اللہ یونس علیہ السلام فی الواقع ایسا سمجھتے تھے۔ ایسا خیال تو ایک ادنیٰ مومن بھی نہیں کرسکتا بلکہ غرض یہ ہے کہ صورت حال ایسی تھی جس سے یوں منتزع ہوسکتا تھا۔ حق تعالیٰ کی عادت ہے کہ وہ کاملین کی ادنیٰ ترین لغزش کو بہت سخت پیرایہ میں ادا کرتا ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے کئی جگہ لکھ چکے ہیں اور اس سے کاملین کی تنقیص نہیں ہوتی۔ بلکہ جلالت شان ظاہر ہوتی ہے کہ اتنے بڑے ہو کر ایسی چھوٹی سی فروگزاشت بھی کیوں کرتے ہیں۔

ف۳ یعنی دریا کی گہرائی، مچھلی کے پیٹ اور شب تاریک کے اندھیروں میں۔

ف۱ یعنی میری خطا کو معاف فرمائیے بیشک مجھ سے غلطی ہوئی۔

ف۲ یعنی یونس علیہ السلام کے ساتھ مخصوص نہیں، جو ایماندار لوگ ہم کو اسی طرح پکاریں گے ہم ان کو بلاؤں سے نجات دیں گے۔ احادیث میں اس دعا کی بہت فضیلت آئی ہے۔ اور امت نے شدائد ونوائب میں ہمیشہ اس کو مجرب پایا ہے۔

سے نکل کھڑا ہونا ان کی شایان شان نہ تھا بمقتضائے بشریت گھبرا کر نکل گئے یہ ان کی اجتہادی خطا تھی جوامت کے حق میں معاف ہے جب یونس علیہ السلام نے اپنے رب کو پکارا۔ ﴿لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنۡتَ سُبۡحٰنَكَ ۖ اِنِّىۡ كُنۡتُ مِنَ الظّٰلِمِيۡنَ﴾۔ اور اپنی خطا کا اعتراف کیا تو مچھلی کو حکم ہوا کہ کنارہ پر آ کر اگل دے۔ اس نے کنارے پر آ کر اگل دیا۔ صحیح سالم پھر اپنی سابق بستی کی طرف واپس آ گئے جس سے ناراض ہو کر نکلے تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور بیان کیجئے آپ ﷺ ان سے مچھلی والے نبی کا قصہ جب کہ وہ اپنی قوم سے ایمان نہ لانے کی وجہ سے ناخوش اور غضب ناک ہو کر بستی سے چلے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے یونس بن متی علیہ السلام کو شہر نینویٰ کے لوگوں کی طرف بھیجا جو موصل کے شہروں میں سے ایک شہر ہے، یونس علیہ السلام نے ان کو اللہ کی طرف دعوت دی اور سمجھایا مگر انہوں نے نہ مانا اور اپنے کفر پر اڑے رہے۔ یونس علیہ السلام غصہ میں آ کر ان کے درمیان سے نکل گئے اور اس نکلنے میں وحی خداوندی اور حکم الٰہی کا انتظار نہ کیا اور ان سے یہ وعدہ کر کے چلے گئے کہ تین دن کے بعد تم پر عذاب آئے گا۔ نبی جھوٹ نہیں بولتا۔ جب آثار عذاب کے شروع ہوئے تو گھبرا کر سب بستی سے باہر چلے گئے اور گریہ وزاری کی۔ اور سچے دل سے توبہ کی۔ عذاب ٹل گیا۔ بعد ازاں حضرت یونس علیہ السلام کی تلاش میں نکلے۔ ادھر یونس علیہ السلام کی موجوں نے کشتی کو آگھیرا۔ سب کو غرق کا خوف لاحق ہوا۔ کشتی والوں نے بوجھ ہلکا کرنے کے لیے ارادہ کیا کہ ایک آدمی کو نیچے پھینک دیا جائے اس آدمی کے تعین کے لیے قرعہ اندازی ہوئی اور دو تین مرتبہ ہوئی ہر مرتبہ قرعہ حضرت یونس علیہ السلام کے نام پر نکلتا رہا۔ کما قال تعالیٰ ﴿فَكَانَ مِنَ الۡمُدۡحَضِيۡنَ﴾۔ یونس علیہ السلام سمجھ گئے کہ وہ بھاگا ہوا غلام میں ہی ہوں جو اپنے آقائے برحق کے بغیر اجازت کے بستی سے نکل آیا۔ یہ دیکھ کر یونس علیہ السلام خود دریا میں کود پڑے۔ فوراً ایک بڑی مچھلی نے آپ علیہ السلام کا لقمہ بنالیا۔ اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو حکم دیا کہ ہمارے اس بندہ کی اپنے پیٹ میں حفاظت کرنا۔ یہ بندہ تیری روزی اور تیرا رزق نہیں بلکہ تیرے پیٹ کو ہم نے چندروز کے لیے اس کا قید خانہ یا حفاظت خانہ یا عبادت خانہ بنایا ہے۔ فقط چندروز کے لیے اس کو نظر بند کرنا مقصود ہے اس کے گوشت و پوست میں سے کھانے کی تجھ کو اجازت نہیں ہمارا بندہ بغیر ہمارے حکم کے اپنی قوم سے ناراض ہو کر نکل گیا ہے اگرچہ اس کا یہ غصہ ہماری ہی وجہ سے ہے لیکن اس کو چاہئے تھا کہ ہمارے حکم کا انتظار کرتا۔ بہرحال یونس علیہ السلام ان کو چھوڑ کر نکل گئے، ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد اور ضحاک اور قتادہ اور حسن بصری رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ اس آیت میں لن نقدر علیہ کے معنی لن نضیق علیہ کے ہیں یعنی یونس علیہ السلام نے یہ گمان کیا کہ ہم ان کی تنگی اور آزمائش میں نہیں ڈالیں گے اور ان پر کوئی سختی نہیں کریں گے معاذ اللہ یہ معنی نہیں کہ یونس علیہ السلام نے یہ گمان کیا کہ معاذ اللہ خدا تعالیٰ ان پر قادر نہ ہوگا اور یہی قول جمہور مفسرین کا ہے اور اسی کو امام ابن جریر رحمہ اللہ نے اختیار فرمایا۔

یونس علیہ السلام کا یہ گمان اللہ کی رحمت اور عنایت کی بنا پر بطور ناز تھا جیسے کوئی غلام اپنے آقا کے لطف و کرم کی بنا پر بطور ناز کوئی کام بغیر حکم کے بھی کر گزرتا ہے اور قدر بمعنی ضیق لغت عرب میں اور قرآن کریم میں بکثرت آیا ہے۔ کما قال تعالیٰ ﴿وَمَنۡ قُدِرَ عَلَيۡهِ رِزۡقُهٗ فَلۡيُنۡفِقۡ مِمَّاۤ اٰتٰٮهُ اللّٰهُ﴾ ﴿يَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ يَّشَآءُ وَيَقۡدِرُ﴾ (ای یوسع ویضیق) ﴿وَاَمَّاۤ اِذَا مَا ابۡتَلٰٮهُ فَقَدَرَ عَلَيۡهِ رِزۡقَهٗ﴾ یعنی ضیق)۔

اور بعض مفسرین نے لن نقدر کو قدرت سے مشتق مانا ہے اور مطلب یہ ہے کہ انہوں نے یہ گمان کیا کہ ہم ان کے

پکڑنے پر قادر نہ ہوں گے۔ اس تفسیر پر اشکال یہ ہے کہ ایسا عقیدہ اور گمان تو ادنیٰ مسلمان بھی نہیں کرسکتا چہ جائیکہ خدا تعالیٰ کا نبی یہ گمان کرے جواب یہ ہے کہ یونس علیہ السلام نے حقیقۃً یہ گمان نہیں کیا تھا کہ خدا تعالیٰ ان کے پکڑنے پر قادر نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان کا اس طرح بلا انتظار وحی کے نکل کر چلا جانا گویا اس شخص کے حال کے مشابہ ہے کہ جس کا یہ گمان ہو کہ گویا اب ہم اس کو دوبارہ پکڑ کر واپس نہیں لاسکیں گے۔ چونکہ یونس علیہ السلام حق تعالیٰ کے پیغمبر تھے ان کی شان رفیع کے مناسب نہ تھا کہ اس طرح چلے جائیں اس لیے بطور شکوہ محبت حق تعالیٰ نے اپنے محبانہ عتاب کو ان لفظوں کے ساتھ تعبیر کیا تا کہ ہمیشہ کے لیے ہوشیار ہو جائیں۔

پس جب خدا کے حکم سے ان کو ایک مچھلی نگل گئی اور وہ اس کے شکم کی تاریکیوں میں گھر گئے تو یونس علیہ السلام نے ان تاریکیوں میں اللہ کو اس طرح پکارا۔ اے پروردگار تیرے سوا کوئی معبود نہیں جو پناہ دے سکے تو ہر عیب سے پاک ہے میں بیشک تیرے قصور والوں میں سے ہوں کہ بغیر تیرے حکم کے اپنی قوم سے نکل گیا۔ پس ہم نے ان کی دعا قبول کی اور اس غم سے ان کو نجات دی۔ چنانچہ مچھلی نے سمندر کے کنارہ پر آکر ان کو اگل دیا۔ اور اللہ کی امانت صحیح سالم واپس کردی۔ یونس علیہ السلام صحیح سالم اپنی سابق بستی کی طرف واپس آئے۔ بعض کہتے ہیں کہ یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں چالیس دن رہے اور بعض کہتے ہیں کہ سات روز رہے اور حضرت یونس علیہ السلام کا شکم ماہی سے نکلنا ایسا ہوا جیسا کہ معصوم بچہ شکم مادر سے صحیح سالم نکلتا ہے اور جس طرح شکم مادر بچہ کی تربیت گاہ اور حفاظت گاہ ہوتا ہے، اسی طرح وہ شکم ماہی حکم الٰہی یونس علیہ السلام کی حفاظت گاہ اور تربیت گاہ تھی۔ یونس علیہ السلام جب شکم ماہی سے نکلے تو گویا ایسے تھے کہ جیسا بچہ ماں کے پیٹ سے نکلتا ہے تو وہ فطرتاً معصوم اور گناہوں کے دھبوں سے بھی پاک وصاف ہوتا ہے اور جس طرح ہم نے یونس علیہ السلام کو اس غم سے نجات دی اسی طرح ہم ایمان والوں کو غم سے نجات دیتے ہیں کہ جو مومن بندہ اپنی کرب اور تکلیف میں ہماری طرف رجوع کرے اور ہم سے استغاثہ کرے ہم اس کو یوں ہی نجات دیتے ہیں۔ جیسے ہم نے یونس علیہ السلام کو غم سے نجات دی۔ حدیث میں ہے کہ جو بندہ پریشانی کے وقت میں ﴿لَآ إِلٰهَ إِلَّآ أَنتَ سُبْحٰنَكَ إِنِّي كُنتُ مِنَ الظّٰلِمِينَ﴾ پڑھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو پریشانی سے نجات دیتا ہے۔

فائدہ (۱): ...... حضرت یونس علیہ السلام کا ﴿إِنِّي كُنتُ مِنَ الظّٰلِمِينَ﴾ فرمانا اور اپنی طرف ظلم کی نسبت کرنا ایسا ہی تھا جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے قصہ میں ہے ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَآ أَنفُسَنَا﴾۔ اور "ظلم" کے معنی نقصان اور کمی کے ہیں جس کے مراتب اور درجات میں ایک ظلم عظیم ہوتا ہے اور ایک ظلم ذرہ برابر بھی ہوتا ہے۔

فائدہ (۲): ...... اور حدیث میں جو آیا ہے کہ مجھ کو یونس بن متی علیہ السلام پر فضیلت نہ دو۔ سو اس کی مراد یہ ہے کہ ایسی فضیلت نہ دو کہ جو ان کی تنقیص کا باعث بنے کیونکہ ان کے حق میں التقام حوت کا جو واقعہ پیش آیا وہ ظاہر میں اگرچہ عتاب تھا مگر درحقیقت وہ معراج نزولی تھی۔ مچھلی کے پیٹ میں اور سمندر کی تاریکیوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی عظمت اور جلال کا ان کو مشاہدہ کرادیا لیکن یہ مشاہدہ باطنی تھا اور برنگ تنبیہ وعتاب تھا اور شب معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو مشاہدہ ہوا وہ مشاہدہ دیدار ظاہری طور پر تھا اور مکالمہ الٰہی کے ساتھ مقرون تھا۔ اور قرب کا اعلیٰ ترین مقام تھا۔ اور واقعہ معراج از اول تا آخر معراج عروجی تھا جس سے مقصود اعزاز واکرام تھا وہ مقام سید الانبیاء والمرسلین اور اکرم الاولین والآخرین کے لیے مخصوص تھا وہاں تک کسی کی رسائی نہیں۔

وَزَكَرِيَّآ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿۸۹﴾ فَاسْتَجَبْنَا

اور زکریا کو جب پکارا اس نے اپنے رب کو، اے رب نہ چھوڑ مجھ کو اکیلا ف۱ اور تو ہے سب سے بہتر وارث ف۲ پھر ہم نے سن لی

اور زکریا نے جب پکارا اپنے رب کو، اے رب! نہ چھوڑ مجھ کو اکیلا، اور تو ہے سب سے بہتر وارث۔ پھر ہم نے سن لی

لَهٗ ۫ وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ

اس کی دعا اور بخشا اس کو یحییٰ اور اچھا کردیا اس کی عورت کو ف۳ وہ لوگ دوڑتے تھے بھلائیوں پر

اس کی پکار اور بخشا اس کو یحییٰ اور چنگی کردی اس کی عورت۔ وہ لوگ دوڑتے تھے بھلائیوں پر

وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ۭ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ﴿۹۰﴾

اور پکارتے تھے ہم کو توقع سے اور ڈر سے اور تھے ہمارے آگے عاجز ف۴

اور پکارتے تھے ہم کو توقع سے اور ڈر سے۔ اور تھے ہمارے آگے دبے۔

(۹) قصۂ زکریا علیہ السلام

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَزَكَرِيَّآ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ ... الی ... وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ﴾

ربط:...... ان آیات میں نواں قصہ حضرت زکریا علیہ السلام اور یحییٰ علیہ السلام کا ذکر کرتے ہیں جس سے آنحضرت ﷺ کی خاطر عاطر کی تسلی مقصود ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی زکریا علیہ السلام کا قصہ ذکر کیجئے جبکہ اس نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ اے میرے پروردگار مجھ کو تنہا یعنی لاوارث اور بے اولاد نہ چھوڑ اور تو سب وارثوں سے بہتر وارث ہے یعنی ظاہری وارث سب فنا ہوجائیں گے صرف ایک تو ہی باقی رہے گا۔ پس ہم نے ان کی دعا قبول کی اور ان کو یحییٰ بیٹا بخشا اور ان کی بی بی کی جو کہ بانجھ تھیں ان کی اصلاح کردی یعنی ان کے بانجھ پن کو دور کرکے بچہ جننے کے قابل بنادیا یا یہ معنی ہیں کہ ان کی بیوی کی بدخلق کو خوش خلقی سے بدل دیا۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی بیوی بدزبان تھیں۔ مفصل قصہ سورۂ مریم اور سورۂ آل عمران میں گزر چکا ہے۔

یہ تمام انبیا جن کا اس سورت میں ذکر ہوا نیک کاموں میں دوڑتے تھے اور امید وبیم اور خوف ورجا اور رغبت اور خوف سے ہم کو پکارتے تھے اور ہمارے سامنے نیازمندی اور عاجزی کرنے والے تھے۔ پس جس کو اللہ کی رحمت میں داخل ہونے کی طمع ہو تو اس کو چاہیے کہ رغبت اور رہبت کے ساتھ اپنے پروردگار سے دعا کیا کرے نیازمندی کو اختیار کرے ناز کو چھوڑ دے۔

ف۱ یعنی اولاد دے جو میرے بعد قوم کی خدمت کرسکے اور میری تعلیم کو پھیلائے جیسا کہ سورۂ "مریم" کے فوائد میں لکھا جاچکا ہے۔

ف۲ وارث طلب کررہے تھے ﴿يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ﴾ (مریم، رکوع ۱) اسی کے مناسب نام سے اللہ کو یاد کیا۔

ف۳ یعنی بانجھ عورت کو ولادت کے قابل کردیا۔

ف۴ بعض متصوفین کہا کرتے ہیں کہ جو کوئی اللہ کو پکارے توقع سے یا ڈر سے وہ اصلی محب نہیں۔ یہاں سے ان کی غلطی ظاہر ہوئی۔ انبیاء سے بڑھ کر خدا کا محب کون ہوسکتا ہے۔

وَالَّتِیْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِیْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰیَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۹۱﴾

اور وہ عورت جس نے قابو میں رکھی اپنی شہوت ف۱ پھر پھونک دی ہم نے اس عورت میں اپنی روح ف۲ اور کیا اس کو اور اس کے بیٹے کو نشانی جہان والوں کے واسطے ف۳

اور وہ عورت جس نے قید میں رکھی اپنی شہوت، پھر پھونک دی ہم نے اس عورت میں اپنی روح، اور کیا اس کو اور اس کے بیٹے کو نمونہ جہان والوں کو۔

(۱۰) قصۂ حضرت عیسیٰ و مریم علیہما السلام

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَالَّتِیْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا ... الی ... وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰیَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ﴾

یہ دسواں قصہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام کا ہے جس پر انبیاء کے قصوں کو ختم فرمایا اور اس سے پہلے حضرت زکریا علیہ السلام کا قصہ مذکور ہوا۔ ان دونوں قصوں میں غایت درجہ مناسبت ہے کہ وہاں بوڑھے مرد اور بوڑھی اور بانجھ عورت سے بچہ پیدا ہونے کا ذکر ہے اور یہاں کنواری سے بغیر شوہر کے لڑکا پیدا ہونے کا ذکر ہے جو اس سے زیادہ عجیب ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی اس عورت کا واقعہ ذکر کیجئے جس نے اپنی ناموس کی پوری اور کامل طور پر حفاظت کی تو ہم نے اس عورت کے گریبان میں جبرائیل علیہ السلام کے واسطہ سے اپنی ایک خاص روح پھونک دی جس سے اس کو بغیر شوہر ہی کے حمل رہ گیا اور اس حمل سے خدا کا ایک برگزیدہ نبی جناب مسیح علیہ السلام پیدا ہوا اور ہم نے مریم کو اور اس کے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام کو جہان والوں کے لیے اپنے کمال قدرت کی ایک نشانی بنایا جس سے سب عقل والوں کو معلوم ہو گیا کہ خدا تعالیٰ بغیر باپ کے صرف عورت کے بطن سے لڑکا پیدا کرنے پر قادر ہے۔ مفصل قصہ سورۂ مریم اور سورۂ آل عمران میں گزر چکا ہے۔

اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ﴿۹۲﴾ وَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَیْنَهُمْ ط

یہ لوگ ہیں تمہارے دین کے سب ایک دین پر اور میں ہوں رب تمہارا سو میری بندگی کرو ف۴ اور ٹکڑے ٹکڑے بانٹ لیا لوگوں نے آپس میں اپنا کام ف۵

یہ لوگ ہیں تمہارے دین کے، سب ایک دین پر۔ اور میں ہوں رب تمہارا، سو میری بندگی کرو۔ اور ٹکڑے ٹکڑے بانٹ لیا لوگوں نے آپس میں اپنا کام۔

ع ۱۸ كُلٌّ اِلَیْنَا رٰجِعُوْنَ ﴿۹۳﴾ فَمَنْ یَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْیِهٖ ۚ وَاِنَّا

سب ہمارے پاس پھر آئیں گے ف۶ سو جو کوئی کرے کچھ نیک کام اور وہ رکھتا ہو ایمان سو اکارت نہ کریں گے اس کی سعی کو اور ہم اس

سب ہمارے پاس پھر آویں گے۔ سو جو کوئی کرے نیک کام اور وہ یقین رکھتا ہو، سو اکارت نہ کریں گے اس کی دوڑ، اور ہم اس

ف۱ یعنی حلال و حرام دونوں طریقوں سے محفوظ تھی۔

ف۲ یعنی عیسیٰ علیہ السلام کو جو "روح اللہ" کے لقب سے ملقب ہیں اس کے پیٹ میں پرورش کیا۔

ف۳ ان کا "نشانی" ہونا سورۂ آل عمران اور سورۂ مریم میں بیان ہو چکا ہے۔

ف۴ یعنی خدا بھی ایک اور تمہارا اصل دین بھی ایک ہے۔ تمام انبیاء اصول میں متحد ہوتے ہیں جو ایک کی تعلیم ہے وہ ہی دوسروں کی ہے۔ رہا فروع کا اختلاف وہ زمان و مکان کے اختلاف کی وجہ سے عین مصلحت و حکمت ہے۔ اختلاف مذموم وہ ہے جو اصول میں ہو، پس لازم ہے کہ سب مل کر خدا کی بندگی کریں اور جن اصول میں تمام انبیاء متفق رہے ہیں ان کو متحد ہو طاقت سے پکڑیں۔

ف۵ ہم نے تو اصول کے اعتبار سے ایک دین دیا تھا، لوگوں نے خود اختلاف ڈال کر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر لیے اور آپس میں پھوٹ ڈال دی۔

ف۶ یعنی ہمارے پاس آ کر تمام اختلافات کا فیصلہ ہو جائے گا جب ہر ایک کو اس کے کیے کی جزا ملے گی۔ آگے اس جزا کی تفصیل ہے۔

لَهٗ كٰتِبُوْنَ ﴿۹۴﴾

کو لکھ لیتے ہیں ف۱

کو لکھتے ہیں۔

بیان اجماع انبیا کرام بر توحید خداوند انام

قَالَ اللہُ تَعَالٰی: ﴿اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ... الی ... وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ﴾

ربط:...... یہاں تک حضرت انبیا کرام علیہم السلام کے قصص کا بیان ہوا چونکہ یہ سب حضرات توحید کے داعی تھے اس لیے اخیر میں بطور نتیجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ تمام انبیا کرام توحید پر متفق رہے اس بارے میں کسی کا اختلاف نہیں۔ لہٰذا تم کو چاہئے کہ توحید کے بارے میں اختلاف نہ کرو اور صرف خدائے وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کرو چنانچہ فرماتے ہیں اے مخاطبین یہی توحید تمہاری ملت ہے درآنحالیکہ وہ ملت واحدہ ہے جس پر تمام انبیا گزرے اس میں کسی کا کچھ اختلاف نہیں توحید پر تمام انبیا کا اتفاق ہے اور میں تمہارا پروردگار ہوں پس تم سب میری ہی عبادت کرو۔ لوگوں کو چاہئے تھا کہ سب طریقہ توحید پر چلتے جو تمام انبیا علیہم السلام کا طریقہ ہے ولیکن یہود ونصاری اپنے دین کے بارے میں متفرق ومختلف ہوگئے اور انہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کرلیا اور ایک دوسرے پر لعنت کرنے لگے اور آخرت سے منہ موڑ کر دنیا کی زندگی پر بھروسہ کر بیٹھے۔ سب ہماری طرف لوٹنے والے ہیں ہم ان کو ان کے اعمال کی سزا دیں گے پس جو شخص نیک عمل کرے بشرطیکہ وہ ایمان اور یقین رکھتا ہو تو اس کی کوشش کی ناقدری نہیں کی جائے گی بلکہ اس کی سعی مشکور ہوگی اور البتہ تحقیق ہم اس کے اعمال کو لکھتے جاتے ہیں۔ ہمارے حکم سے کراماً کاتبین اس کے اعمال کو صحیفہ اعمال میں ثبت کرتے ہیں۔

وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَاۤ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۹۵﴾ حَتّٰۤى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ

اور مقرر ہو چکا ہر بستی پر جس کو غارت کردیا ہم نے کہ وہ پھر کر نہیں آئیں گے ف۲ یہاں تک کہ جب کھول دیے جائیں یاجوج و ماجوج

اور مقرر ہو رہا ہے ہر بستی پر جس کو ہم نے کھپا دیا، کہ وہ نہیں پھرتے۔ یہاں تک کہ جب کھول دیں یاجوج و ماجوج کو،

وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ

اور وہ ہر اوچان سے پھسلتے چلے آئیں ف۳ اور نزدیک آلگے سچا وعدہ پھر اس دم اوپر لگی رہ جائیں منکروں کی آنکھیں

اور وہ ہر اچان (اونچی جگہ) سے پھیلتے آویں۔ اور نزدیک پہنچے سچا وعدہ پھر تبھی اوپر لگ رہیں منکروں کی آنکھیں۔

ف۱ یعنی کسی کی محنت اکارت نہ جائے گی۔ نیکی کا میٹھا پھل مومن کو مل کر رہے گا۔ کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ نیکی بھی ضائع نہ ہوگی ہر چھوٹا بڑا عمل ہم اس کے اعمال نامہ میں ثبت کردیتے ہیں جو قیامت کے دن کھول دیے جائیں گے۔

ف۲ پہلے نجات پانے والے مومنین کا ذکر تھا اس کے بالمقابل اس آیت میں ہلاک ہونے والے کافروں کا مذکور ہے یعنی جن کے لیے ہلاک اور غارت ہونا مقدر ہو چکا وہ کبھی اپنے کفر وعصیان کو چھوڑ کر اور توبہ کر کے خدا کی طرف رجوع ہونے والے نہیں۔ نہ وہ کبھی دنیا میں اس غرض سے واپس کیے جاسکتے ہیں کہ دوبارہ یہاں آکر گزشتہ زندگی کی تقصیرات کی تلافی کرلیں۔ پھر ان کو نجات وفلاح کی توقع کدھر سے ہو سکتی ہے۔ ان کے لیے تو صرف ایک ہی وقت ہے جب وہ دوبارہ زندہ ہو کر خدا کی طرف رجوع کریں گے اور اپنی زیادتیوں کے معترف ہو کر پشیماں ہوں گے۔ مگر اس وقت پشیمانی کچھ کام نہ آئے گی وہ وقت =

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ يٰوَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا بَلْ كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝۹۷ اِنَّكُمْ وَمَا

ہائے کم بختی ہماری ہم بے خبر رہے اس سے ف۱ نہیں، پر ہم تھے گناہ گار ف۲ تم اور جو کچھ

اے خرابی ہماری! ہم بے خبر رہے اس سے نہیں پر ہم تھے گنہگار۔ تم، اور جو کچھ

تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ۭ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ۝۹۸ لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَاۗءِ اٰلِهَةً مَّا

تم پوجتے ہو اللہ کے سوائے ایندھن ہے دوزخ کا تم کو اس پر پہنچنا ہے ف۳ اگر ہوتے یہ بت معبود تو نہ پہنچتے

پوجتے ہو اللہ کے سوا، جھونکنا ہے دوزخ میں۔ تم کو اس پر پہنچنا ہے۔ اگر ہوتے یہ لوگ ٹھاکر نہ پہنچتے

وَرَدُوْهَا ۭ وَكُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۹۹ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّهُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ ۝۱۰۰ اِنَّ الَّذِيْنَ

اس پر اور سارے اس میں سدا پڑے رہیں گے ف۴ ان کو وہاں چلانا ہے اور وہ اس میں کچھ نہ سنیں گے ف۵ جن کے لیے

اس پر۔ اور سارے اس میں پڑے رہیں گے۔ ان کو وہاں چلّانا ہے، اور وہ اس میں بات نہیں سنتے۔ جن کو

=قیامت کا ہے، جس کے مبادی قریبہ میں سے ہے خروج "یاجوج و ماجوج" آگے اس کو بیان فرماتے ہیں۔

ف۳ یعنی قیامت کے قریب نزول عیسیٰ علیہ السلام کے بعد سد ذوالقرنین توڑ کر "یاجوج ماجوج" کا لشکر ٹوٹ پڑے گا۔ یہ لوگ اپنی کثرت و ازدحام کی وجہ سے تمام بلندی و پستی پر چھا جائیں گے۔ جدھر دیکھو ان ہی کا ہجوم نظر آئے گا۔ ان کا بے پناہ سیلاب ایسی شدت اور تیز رفتار سے آئے گا کہ کوئی انسانی طاقت روک نہ سکے گی۔ یہ معلوم ہوگا کہ ہر ایک ٹیلہ اور پہاڑ سے ان کی فوجیں پھسلتی اور لڑھکتی چلی آ رہی ہیں۔ سورۂ "کہف" کے آخر میں اس قوم کے متعلق ہم جو کچھ لکھ چکے ہیں اس کا ایک مرتبہ مطالعہ کر لیا جائے۔

ف۱ یعنی جزاء و سزا کا وعدہ جب نزدیک آ لگے گا اس وقت منکروں کی آنکھیں مارے شدت ہول کے پھٹی رہ جائیں گی اور اپنی غفلت پر دست حسرت ملیں گے کہ افسوس آج کے دن ہم کیسے بے خبر رہے جو ایسی کم بختی آئی۔ کاش ہم دنیا میں اس آفت سے بچنے کی فکر کرتے۔

ف۲ یعنی بے خبری بھی کیسے کہیں، آخر انبیاء علیہم السلام نے کھول کھول کر آگاہ کر دیا تھا۔ لیکن ہم نے خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کیا کہ ان کا کہنا نہ مانا اور برابر شرارتوں اور گناہوں پر اصرار کرتے رہے۔

ف۳ یہ خطاب مشرکین مکہ کو ہے جو بت پوجتے تھے، یعنی تم اور تمہارے یہ معبود سب دوزخ کا ایندھن بنیں گے ﴿وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ﴾ (بقرہ، رکوع ۳) اس کے معنی یہ نہیں کہ اصنام (بت) معذب ہوں گے۔ بلکہ غرض یہ ہے کہ بت پرستوں پر حجت زیادہ لازم ہو۔ جیسا کہ آگے فرمایا ﴿لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَاۗءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا﴾ اور ان کی حسرت بڑھے اور حماقت زیادہ واضح ہو کہ جن سے خیر کی توقع رکھتے تھے وہ آج خود اپنے کو نہ بچا سکے پھر ہماری حفاظت کیا کر سکتے ہیں۔

(تنبیہ) "وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ" سے مراد یہاں صرف اصنام ہیں۔ کیونکہ خطاب ان ہی کے پرستاروں سے ہے۔ لیکن اگر "ما" کو عام رکھا جائے تو "بشرط عدم المانع" کی قید معتبر ہوگی یعنی جن فرضی معبودوں میں کوئی مانع دخول نار سے نہ ہو وہ اپنے عابدین کے ساتھ دوزخ کا ایندھن بنائے جائیں گے۔ مثلاً شیاطین و اصنام۔ باقی حضرت مسیح و عزیر اور ملائکۃ اللہ جن کو بہت لوگوں نے معبود ٹھہرا لیا۔ ان حضرات کی مقبولیت و وجاہت مانع ہے کہ (معاذ اللہ) اس عموم میں شامل رکھے جائیں۔ اسی لیے آگے تصریحاً فرما دیا ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى ۙ اُولٰۗىِٕكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ﴾

ف۴ یعنی سب عابد و معبود ہمیشہ دوزخ میں پڑے رہیں گے۔

ف۵ یعنی شدت ہول اور عذاب کی سخت تکلیف اور اپنے چلانے کے شور سے کچھ سنائی نہ دے گا۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ایک وقت آئے گا جب ہر دوزخی کو ایک لوہے کے صندوق میں بند کر کے اوپر میخیں ٹھونک دی جائیں گی۔ اور جہنم کی تہہ میں چھوڑ دیئے جائیں گے۔ شاید کچھ نہ سن سکنا اس وقت کا حال ہو۔

سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا ۚ وَهُمْ

پہلے سے ٹھہر چکی ہماری طرف سے نیکی وہ اس سے دور رہیں گے ف۱ نہیں سنیں گے اس کی آہٹ اور وہ

آگے ٹھہر چکی ہمارے طرف سے نیکی۔ وہ اس سے دور رہیں گے۔ نہیں سنتے اس کی آہٹ۔ اور وہ

فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَتَتَلَقّٰهُمُ

اپنے جی کے مزوں میں سدا رہیں گے ف۲ نہ غم ہوگا ان کو اس بڑی گھبراہٹ میں ف۳ اور لینے آئیں گے

اپنے جی کے مزوں میں سدا رہیں۔ نہ غم ہوگا ان کو اس بڑی گھبراہٹ میں، اور لینے آویں گے

الْمَلٰٓئِكَةُ ۭ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ

ان کو فرشتے آج دن تمہارا ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا ف۴ جس دن ہم لپیٹ لیویں آسمان کو جیسے لپیٹتے ہیں طومار میں

ان کو فرشتے۔ آج دن تمہارا ہے جس کا تم سے وعدہ تھا۔ جس دن ہم لپیٹ لیں آسمان کو جیسے لپیٹتے ہیں طومار میں

لِلْكُتُبِ ۭ كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ۭ وَعْدًا عَلَيْنَا ۭ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۱۰۴﴾

کاغذ ف۵ جیسا سرے سے بنایا تھا ہم نے پہلی بار، پھر اس کو دوہرائیں گے، وعدہ ضرور ہو چکا ہے ہم پر، ہم کو پورا کرنا ہے ف۶

کاغذ۔ جیسا سرے سے بنایا پہلی بار، پھر اس کو دہرا دیں گے۔ وعدہ ضرور ہوچکا ہے ہم پر، ہم کو کرنا۔

بیان قرب قیامت وخروج یاجوج ماجوج وفناء عالم وبیان ذلت وخواری اہل غفلت وبیان عزت وکرامت اہل سعادت

قَالَ اللهُ تَعَالٰى: ﴿وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ... الى ... اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں توحید اور رسالت کا بیان تھا اب آگے معاد اور قرب [1] قیامت کو بیان کرتے ہیں کہ اس دنیا کا

ف۱ یعنی ایک بار پل صراط پر سے گزر کر پھر ہمیشہ دور رہیں گے اور اس پر سے گزرتے ہوئے بھی دوزخ کی تکلیف والم سے قطعاً دوری ہوگی۔

ف۲ جنتیوں کو دوزخ سے اس قدر بعد ہوگا کہ اس کی آہٹ تک محسوس نہ کریں گے اور نہایت عیش وآرام کے ساتھ ہمیشہ جنت کے مزے لوٹیں گے۔

ف۳ یعنی اس دن جب خلقت کو سخت گھبراہٹ ہوگی اللہ تعالیٰ ان کو رنج وغم سے محفوظ رکھے گا۔

ف۴ یعنی قبروں سے اٹھنے یا جنت میں داخل ہونے کے وقت فرشتے ان کا استقبال کریں گے اور کہیں گے کہ جس دائمی مسرت وراحت کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا آج اس کے پورا ہونے کا وقت آگیا ہے۔

ف۵ یعنی جب قیامت آئے گی تو آسمانوں کی صفیں لپیٹ دی جائیں گی جس طرح دستاویز کا لکھا ہوا کاغذ لپیٹ کر رکھ دیا جاتا ہے ﴿وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ﴾ بعض روایات میں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک کاتب کا نام "سجل" بتلایا گیا ہے، اس کو حفاظ حدیث کی ایک جماعت نے ضعیف بلکہ موضوع قرار دیا ہے کما صرح ابن کثیر فلا یعتبر بتخریج ابی داؤد والنسائی فی سننهما۔

ف۶ یعنی جیسی سہولت سے دنیا کو پہلی بار پیدا کیا تھا اسی طرح دوبارہ پیدا کر دی جائے گی۔ یہ حتمی وعدہ ہے جو یقیناً پورا ہو کر رہے گا۔

[1] ﴿اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ﴾ کے ساتھ ربط کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ ﴿وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ﴾ اس بارہ میں صریح وہی لفظ ہے جو شروع سورت میں تھا۔

ایک وقت معین ہے اس کے بعد فنا کر دی جائیگی اور اس فنا کی ابتدائی علامت خروج یاجوج وماجوج ہے اس کے بعد وہ وعدہ بہت قریب آ لگے گا۔ منجملہ علامات قیامت حضرت عیسیٰ علیہا السلام کا آسمان سے نازل ہونا اور دجال کو قتل کرنا ہے۔ دجال کے قتل ہو جانے کے بعد یاجوج ماجوج کا خروج ہو گا جن کی تعداد کی کوئی حد نہیں۔ فی الحال یہ لوگ اس وقت اس آہنی دیوار کے پیچھے محصور ہیں جس کو ذوالقرنین نے بنایا تھا کہ مخلوق خدا ان کے فتنہ سے محفوظ رہے۔ قیامت کے قریب وہ دیوار اور درہ کھل جائیگا اور یہ مفسد قوم وہاں سے ٹڈی دل کی طرح نکل پڑے گی۔ اور ہر طرف پھیل جائے گی۔ کما قال اللہ تعالیٰ ﴿حَتّٰٓی اِذَا فُتِحَتْ یَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَھُمْ مِّنْ کُلِّ حَدَبٍ یَّنْسِلُوْنَ ۝ وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ﴾۔ اور اس وقت قیامت کا سچا وعدہ قریب آ پہنچے گا۔ اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام اہل ایمان کو ہمراہ لیکر کوہ طور پر پناہ لیں گے۔ باقی لوگ اپنے طور پر کسی قلعہ یا مکان میں محفوظ ہو جائیں گے بعد ازاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام جناب باری میں یاجوج ماجوج کی ہلاکت کی دعا کریں گے۔ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا سے ان کی گردنوں میں ایک طاعونی گلٹی پیدا کر دے گا جس سے سب کے سب ایک دم مر جائیں گے۔

حق جل شانہ نے ان آیات میں اس خوف و دہشت کو بیان کیا ہے جو قیامت کے قریب پیش آئے گی۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور جس بستی والوں کو ہم نے عذاب یا موت کے ذریعے ہلاک کر دیا تو اس بستی والوں کے لیے یہ بات محال اور ناممکن ہے کہ وہ دوبارہ زندہ ہو کر ہماری طرف نہ لوٹیں یعنی یہ نہیں ہو سکتا کہ مرنے والے ہماری طرف نہ لوٹیں اور ہمارے حضور میں حساب و کتاب کے لیے حاضر نہ ہوں کفار کا یہ خیال کہ مر مرا کر خاک میں مل جائیں گے اور نیست و نابود ہو جائیں گے سو ان کا یہ خیال بالکل غلط ہے ایک روز ضرور ہماری طرف واپس لائے جائیں گے۔ اور قیامت قائم ہو گی اور ان کا حساب و کتاب ہو گا پس یہ جملہ درحقیقت گزشتہ جملہ ﴿کُلٌّ اِلَیْنَا رٰجِعُوْنَ ۝ فَمَنْ یَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَھُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا کُفْرَانَ لِسَعْیِهٖ ۚ وَاِنَّا لَهٗ کٰتِبُوْنَ﴾ کے مضمون کی تاکید ہے جس سے منکرین حشر اور منکرین قیامت اور منکرین رجوع الی اللہ کا رد مقصود ہے۔

آیت ہذا کی تفسیر میں دوسرا قول

اور بعض علماء تفسیر یہ کہتے ہیں کہ ﴿لَا یَرْجِعُوْنَ﴾ میں لا زائدہ ہے اور رجوع [1] سے رجوع بجانب دنیا مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ جو لوگ ہلاک ہو چکے اور مر چکے انکا تدارک مافات اور اپنے اعمال کی درستی کے لیے دنیا میں دوبارہ واپس آنا ناممکن اور محال ہے ایک مرتبہ جب دنیا سے رخصت ہو گئے تو اس دار العمل سے چلے جانے کے بعد دوبارہ اس دار العمل کی طرف رجوع ممکن نہیں کہ دوبارہ واپس آ کر پھر ایمان لا سکیں اور عمل صالح کر سکیں اور اس طرح اپنی برائیوں کا کفارہ کر سکیں تو یہ بات محال اور ناممکن ہے جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ ﴿فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ تَوْصِیَةً وَّلَآ اِلٰٓی اَھْلِھِمْ یَرْجِعُوْنَ﴾ اس قول کی بناء پر ﴿لَا یَرْجِعُوْنَ﴾ میں حرف لا زائد ہے اور پہلے قول کی بناء پر حرف "لا" اصلی ہے زائد نہیں۔ البتہ اگر مرنے کے بعد کسی نبی کی دعاء سے کوئی مردہ زندہ ہو جائے تو یہ محال نہیں جیسا کہ سورۂ بقرہ میں ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ وَھُمْ

[1] حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے اپنے ترجمہ میں اسی قول کو اختیار فرمایا۔ چنانچہ فرماتے ہیں، ومحال است چیز یکہ کردیم ورا آنکہ باز گردد۔ یعنی بسوئے دنیا۔ ۱۲ فتح الرحمن۔

﴿أُلُوفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ ۖ فَقَالَ لَهُمُ اللَّهُ مُوتُوا ثُمَّ أَحْيَاهُمْ﴾ کی تفسیر میں بنی اسرائیل کے دوبارہ زندہ ہونے کا قصہ گزرا اور پارہ سوم کے شروع میں حضرت ارمیاہ یا حضرت عزیز کا سو سال کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا قصہ گزر چکا ہے۔

بہرحال کسی مردہ کی قدرت اور اختیار میں یہ نہیں کہ وہ مر کر دوبارہ دنیا میں واپس آسکے لیکن حق تعالیٰ کی قدرت سے باہر نہیں کہ وہ کسی حکمت اور مصلحت کی بناء پر کسی مردہ کو دوبارہ زندہ کر سکے جس خدا نے اس کو پہلی مرتبہ دنیا میں زندگی عطا کی وہ اگر چاہے تو اس مردہ کو پھر دوبارہ زندہ کر سکتا ہے۔

تیسرا قول

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ جس کو ہم نے کفر اور گمراہی میں مبتلا کر کے ہلاک کر دیا اور کفر کی مہر اس کے دل پر لگا دی اس کا اپنے کفر سے لوٹنا محال اور ناممکن ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ ہلاکت اور فنا کے بعد دونوں باتیں ناممکن اور محال ہیں مرنے کے بعد دنیا کی طرف لوٹنا بھی ممکن نہیں اور یہ بھی ممکن نہیں کہ لوٹ کر ہمارے پاس نہ آئیں اب آگے اس کی انتہا [1] بتاتے ہیں کہ رجوع الی الدنیا یا عدم رجوع بسوئے خالق ان پر کب تک حرام اور ممنوع رہے گا یعنی جب تک اس کا وقت نہ آجائے اور وہ وقت قیامت اور اس کی علامتوں کا ظہور ہے اور مطلب یہ ہے کہ یہ ہالکین (ہلاک ہونے والے) برابر اپنی ہلاکت اور بربادی اور فنا پر مستمر رہیں گے اور اسی کفر و شرک کی حالت پر قائم رہیں گے یہاں تک کہ جب علامت قیامات کا ظہور شروع ہو جائے اور یاجوج و ماجوج کھول دیئے جائیں یعنی وہ دیوارِ ذوالقرنین جس کے پیچھے اس وقت یاجوج و ماجوج بند ہیں وہ ٹوٹ جائے اور یاجوج و ماجوج کی بندش کھل جائے جو قیامت کی شروع نشانیوں میں سے ہے اور پھر وہ یاجوج و ماجوج اپنی کثرت کی وجہ سے ٹڈی دل کی طرح ہر بلندی سے دوڑتے چلے آویں اور ہر طرف پھیل جاویں اور بلاد کو روند ڈالیں اور جس پر گزریں اس کو تباہ کر دیں جب یہ وقت موعود آجائے گا اس وقت یہ لوگ ہماری طرف واپس آئیں گے اور ہماری طرف رجوع (واپسی) کا وقت یاجوج و ماجوج کے خروج کے بعد شروع ہوگا جو قیامت کی نشانی ہے مطلب یہ ہے کہ ہلاکت اور فنا کے بعد جب قیامت قائم ہوگی تب یہ لوگ ہماری طرف رجوع کریں گے اور دنیا کی طرف لوٹنے کا امکان بالکلیہ ختم ہو جائے گا اور علامات قیامت کے مشاہدہ کے بعد کفر اور شرک سے رجوع (لوٹنا) یعنی اس سے توبہ کرنا بھی ممکن نہ رہے گا۔

اور خروج یاجوج و ماجوج کے بعد قیامت اور رجوع اور بعث کا سچا وعدہ قریب آجائے گا یعنی خروج یاجوج و ماجوج کے بعد قیامت قریب آجائیگی۔ اس کے بعد قیامت کے قائم ہونے میں کچھ دیر نہ ہوگی چنانچہ حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اگر کوئی شخص خروج یاجوج و ماجوج کے بعد کوئی بچھیرا پالے گا تو اس پر سوار نہ ہو سکے گا کہ قیامت آجائے گی۔ پس ناگاہ اس وقت قصہ [2] یہ ہوگا کہ خوف اور دہشت کی وجہ سے کافروں کی نگاہیں کھلی کی کھلی اور پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی اور حسرت سے

---

[1] اس کلام سے ﴿حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ﴾ میں جو لفظ حتیٰ مذکور ہے اس کی غایت اور نہایت بیان کرنے کے لیے یہ سطریں لکھی ہیں تاکہ اہل علم معلوم کریں کہ حتیٰ کس چیز کی غایت ہے یعنی حرمت رجوع کی غایت ہے۔ ۱۲ منہ عفا اللہ عنہ

[2] اشارہ اس طرف ہے کہ ﴿فَاِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ﴾ میں ھی کی ضمیر ضمیر قصہ ہے۔ ۱۲

یہ کہیں گے کہ ہائے ہماری کم بختی اور بربادی کہ ہم دنیا میں اس قیامت سے اور خدا کی طرف رجوع سے اور حساب و کتاب کے لیے حضوری سے غفلت میں پڑے ہوئے تھے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہم غافل اور بے خبر نہ تھے اس لیے کہ انبیا اور ان کے وارثوں نے ہم کو بار بار قیامت سے ڈرادیا تھا اور خوب غفلت سے ہم کو جگا دیا تھا اور اول روز سے ہی ہم کو اس ہولناک واقعہ سے واقف کر دیا تھا۔ لہٰذا ہمارا قیامت کو جھٹلانا غفلت اور بے خبری کی بنا پر نہ تھا بلکہ عناد اور تکبر کی بنا پر تھا اور حقیقت یہ ہے کہ ہم بلاشبہ ظالم تھے جان بوجھ کر ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا انبیا علیہم السلام نے تو ہم کو بیدار اور ہوشیار کر دیا تھا ہم نے خود ہی دیدہ و دانستہ حق کی تکذیب کی غرض یہ کہ جو لوگ اللہ کی طرف رجوع کے قائل نہ تھے وہ قیامت کو دیکھ کر رجوع اور بعث کے قائل ہو جائیں گے مگر اس وقت کا قائل ہونا اور مجبور ہو کر اپنے ظلم اور جرم کا اقرار کرنا ان کو سودمند نہ ہوگا اس لیے کہ اب فیصلہ کا وقت سر پر آ پہنچا یہ کام تو دنیا میں کرنے کا تھا اور وہ اب ختم ہو چکی اور وہ فیصلہ یہ ہوگا کہ مشرکین مع اپنے معبودوں کے جہنم کا ایندھن بنا دیئے جائیں گے اور اہل ایمان مورد اعزاز و اکرام اور محل احسان و انعام ہوں گے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ اے مشرکو! تحقیق تمہارا فیصلہ اب یہ ہے کہ تم اور تمہارے معبود جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو سب دوزخ کا ایندھن ہیں تم دونوں فریق عابد اور معبود جہنم کے لئے حاضر ہونے والے اور اس میں داخل ہونے والے ہیں اگر یہ بت اور یہ مورتیں واقعی میں خدا ہوتے تو جہنم میں داخل نہ ہوتے اور یہ ذلت اور خواری ان کو لاحق نہ ہوتی کہ جہنم کا ایندھن بنتے بت تو بہر حال پتھر ہیں وہ تو ایندھن بنانے کے لائق ہیں لیکن جو پتھروں کو پوجتا ہو وہ پتھر سے بھی زیادہ پتھر ہے وہ اسی قابل ہے کہ پتھر کے ساتھ اس کو بھی دوزخ کا ایندھن بنا دیا جائے۔ جاننا چاہیے کہ بتوں کا جہنم میں جانا اس لیے نہیں کہ ان کو عذاب دیا جائے بلکہ اس لیے ہوگا کہ مشرکین پر حجت قائم ہو جائے کہ یہ بت لائق معبودیت نہیں ورنہ آگ میں کیوں جھونکے جاتے۔ اور اس قدر عاجز ہیں کہ آگ میں سے نکل بھی نہیں سکتے۔ اور ہر واحد یعنی عابد اور معبود دونوں ہی جہنم میں ہمیشہ رہیں گے کبھی اس سے نکلنا نہ ہوگا اور ان مشرکین کے لیے جہنم میں چیخنا اور چلانا اور لمبا سانس ہوگا جس سے دم نکلنے لگتا ہے اور وہاں شور و غل کی وجہ سے کچھ نہیں سن سکیں گے۔ یا اس وجہ سے کہ وہاں جا کر بہرے ہو جائیں گے جیسے دنیا میں حق کے سننے سے بہرے تھے۔ یہ تو اہل شقاوت کا حال ہوا۔ اب آگے اہل سعادت کا ذکر کرتے ہیں۔ تحقیق جن لوگوں کے لیے ہماری طرف سے بھلائی یعنی سعادت ازلی سابق اور مقدر ہو چکی ہے اور جنت کا حکم ان کے لئے صادر ہو چکا ہے وہ جہنم سے اس قدر دور رکھے جائیں گے کہ جہنم کی آہٹ اور آواز کو بھی نہیں سنیں گے یعنی جہنم میں کافروں کے اجسام جلائے جائیں گے ان کے جلنے اور جلانے کی آواز بھی ان کے کان میں نہیں آوے گی کیونکہ وہ آواز مکروہ ہوگی اور جس عیش کو ان کا جی چاہے گا اس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے یہ تو اہل سعادت کی نعمت اور راحت اور لذت کا بیان ہوا۔ اب آگے یہ بتلاتے ہیں کہ وہ ہر قسم کی پریشانی اور گھبراہٹ سے مامون اور محفوظ ہوں گے ان کو قیامت کے دن بڑی گھبراہٹ بھی غم میں نہیں ڈالے گی اور جب ان سعدا کو فزع اکبر (سخت گھبراہٹ) سے غم اور پریشانی نہ ہوگی تو اور چیزوں سے بدرجہ اولیٰ پریشانی نہ ہوگی۔ جس دن تمام عالم حیرانی اور پریشانی میں مبتلا ہوگا اس دن یہ اہل سعادت فزع اکبر سے محفوظ ہوں گے۔ اور قبروں سے نکلتے اور اٹھتے وقت فرشتے ان کا استقبال کریں گے اور ان کو بشارت اور مبارک باد دیں گے اور کہیں گے یہ تمہارا وہ دن ہے۔ جس کا تم سے دنیا میں وعدہ کیا

جاتا تھا کہ تم کو دار آخرت میں یہ نعمتیں اور کرامتیں ملیں گی سو یہ دن وہی ہے جس میں تمہارے پروردگار نے تم سے بقا کا وعدہ کیا تھا یہ روز وصال ہے جس کے بعد فراق نہیں یہ کشف نقاب کا دن ہے جس کے بعد نہ کوئی حجاب ہے اور نہ کوئی عتاب ہے۔

نیک مرداں را نعیم اندر نعیم عشقبازاں رالقا اندر لقا

حصۂ آنہا وصال حور عین بہرۂ اینہا جمال کبریا

اب اس کے بعد قیامت کے دن آسمانوں کے فنا ہونے کا ذکر فرماتے ہیں یاد کرو اس دن کو کہ جب ہم نفخۂ اولیٰ یعنی پہلی بار صور پھونکنے کے وقت آسمانوں کو اس طرح لپیٹ دیں گے جیسے طومار میں مختلف کاغذ لپیٹ دیتے ہیں "طومار" عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی دفتر اور لمبے کاغذ کے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ جس طرح دستاویز کا لمبا کاغذ لپیٹ کر رکھ دیا جاتا ہے اسی طرح ہم آسمانوں کو لپیٹ کر رکھ دیں گے اس سے تم ہماری قدرت اور عظمت کا اندازہ لگالو جس طرح ہم نے اول بار مخلوق کو بلا کسی اصل اور مادہ کے پیدا کیا اسی طرح ہم دوبارہ پیدا کر دیں گے ہم نے دوبارہ پیدا کرنے کا وعدہ اپنے ذمہ لیا ہوا ہے ہم اپنے وعدہ کو ضرور پورا کرنے والے ہیں یا یہ معنی ہیں کہ اللہ نے اپنے نیک بندوں سے جو ثواب کا وعدہ کیا ہے۔ وہ بہت پختہ وعدہ ہے اور اس وعدہ کی پہلی علامت نبی آخر الزمان ﷺ کا ظہور اور اس کی بعثت ہے سو وہ ظاہر ہو چکی جیسا کہ ﴿اقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ﴾۔ میں اس کا ذکر ہوا اس لیے اب آئندہ آیات میں نبی آخر الزمان ﷺ کی امت کے ظہور اور غلبہ کی بشارت دیتے ہیں یعنی آئندہ آیت ﴿وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ﴾ میں اسی کا ذکر ہے۔

لطائف ومعارف

(۱) آیت مذکورہ ﴿وَحَرَامٌ عَلَىٰ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا أَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُونَ﴾ کی تفسیر میں مفسرین کے کئی قول ہیں۔

پہلا قول: ...... یہ ہے کہ جس بستی کو ہم نے تباہ و برباد کر دیا موت کے ذریعہ اس کو ہلاک کر دیا تو یہ ناممکن ہے کہ وہ حساب و کتاب کے لیے محشر کی طرف رجوع نہ کریں اس آیت سے منکرین حشر کا رد کرنا مقصود ہے جو یہ کہتے ہیں کہ حشر و نشر کوئی چیز نہیں۔ مرنے کے بعد آدمی زمین میں مل کر خاک ہو جاتا ہے اور نیست و نابود ہو جاتا ہے اس قول کی بناء پر حرف لا آیت میں اصلی ہے زائد نہیں اور رجوع سے محشر کی طرف رجوع کرنا مراد ہے۔

دوسرا قول: ...... یہ ہے کہ جس بستی کو ہم نے کفر و شرک سے ہلاک کر دیا اور ان کی گمراہی کا قطعی حکم کر دیا ان کا کفر سے اسلام کی طرف لوٹنا ناممکن اور محال ہے۔

تیسرا قول: ...... یہ ہے کہ رجوع سے رجوع الی الدنیا مراد ہے اور حرف "لا"۔ آیت میں زائد ہے اور مطلب یہ ہے کہ مرنے کے بعد دنیا میں دوبارہ ان کا لوٹ کر آنا ناممکن ہے۔

مرزائے قادیان کا ایک استدلال: ...... مرزائے قادیان اور اس کے متبعین اپنی مطلب براری اور لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے سرسری طور پر اس تیسرے قول کو ذکر کرتے ہیں۔ مرزائے قادیان نے اول تو یہ دعویٰ کیا کہ عیسیٰ علیہ السلام مر چکے ہیں اور

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع اور نزول کے بارے میں جو آیات اور احادیث متواترہ وارد ہوئی ہیں ان میں طرح طرح سے تحریف کی۔ اور اس میں بڑا زور لگایا لیکن مرزا صاحب بڑے ہوشیار اور عیار تھے۔ اب ان کو یہ خوف لاحق ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی وفات تسلیم کرنے کے بعد بھی یہ احتمال رہ جاتا ہے کہ ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ ان کو دوبارہ زندہ کر کے آسمان سے زمین پر بھیج دے تو مرزا صاحب کی مسیحیت ختم ہو جائے اس لیے یہ دعویٰ کیا کہ مرنے کے بعد کسی کا زندہ ہونا ناممکن اور محال ہے اور اس آیت ﴿حَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ﴾ سے استدلال کیا کہ مرنے کے بعد زندہ ہو کر دوبارہ دنیا میں آنا ناممکن ہے چنانچہ مرزا صاحب ازالۃ الاوہام ص ۵۶۵ میں لکھتے ہیں۔

"اس میں شک نہیں کہ اس بات کے ثابت ہونے کے بعد کہ درحقیقت مسیح بن مریم علیہ السلام اسرائیلی نبی فوت ہو گیا ہے ہر ایک مسلمان کو ماننا پڑے گا کہ فوت شدہ نبی ہرگز دنیا میں دوبارہ آنہیں سکتا کیونکہ قرآن اور حدیث دونوں بالاتفاق اس بات پر شاہد ہیں کہ جو شخص مر گیا پھر دنیا میں ہرگز نہیں آئیگا اور قرآن کریم ﴿اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ﴾ کہہ کر ہمیشہ کے لیے ان کو رخصت کرتا ہے" انتہیٰ

جواب:...... مرزائے قادیان کا یہ استدلال کرنا "مردہ کا دوبارہ زندہ ہونا" قطعاً غلط ہے ہم نے بتلا دیا کہ اس آیت کی تفسیر میں کئی قول ہیں اگر آیت میں رجوع سے رجوع الی اللہ مراد لیا جائے جیسا کہ پہلے قول میں ذکر ہوا تو آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ جن بستی والوں کو ہم نے ہلاک کر دیا ان کے لیے یہ بات حرام اور ممنوع ہے کہ وہ قیامت کے دن حساب و کتاب کے لیے ہماری طرف نہ لوٹیں ہم ان کے اعمال لکھ رہے ہیں اگر وہ مر بھی جائیں تو ہماری طرف انکا لوٹنا اور ہماری حضوری میں حاضر ہونا ضروری ہے اس روز ان کو ان کے اعمال کا بدلہ دیا جائیگا اور آیت کے یہ معنی۔ آیت کے بقیہ الفاظ ﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ ۚ وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ﴾ کے ساتھ غایت درجہ مربوط ہیں پس اگر آیت کے یہ معنی لیے جائیں تو مرزائے قادیان کے دعوے کے ساتھ اس آیت کا کوئی تعلق نہیں اس لیے کہ اس آیت میں محشر کی طرف رجوع کرنے کا بیان ہے مرنے کے بعد دنیا میں دوبارہ رجوع کا کوئی بیان نہیں اور اگر آیت میں رجوع سے دنیا کی طرف رجوع اور دوبارہ آنا مراد لیا جائے تب بھی مرزا صاحب کے لیے ذرہ برابر مفید نہیں اس لیے کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ آدمی بےبس اور عاجز ہے یہ بات اس کی قدرت میں نہیں کہ مرنے کے بعد خود زندہ ہو کر دوبارہ دنیا میں آسکے تاکہ اپنی گزشتہ برائیوں کا کفارہ کر سکے اور زمانہ ماضی کی تقصیرات کی تلافی کر سکے۔ یہ بات آدمی کی قدرت میں نہیں جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ ﴿فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ تَوْصِيَةً وَّلَآ اِلٰٓى اَهْلِهِمْ يَرْجِعُوْنَ﴾ مطلب یہ ہے کہ خود بخود زندہ ہو کر اپنے اہل و عیال کی طرف رجوع نہیں کر سکتا۔

معاذ اللہ معاذ اللہ یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اگر خدا بھی کسی کو زندہ کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے، قرآن کریم میں متعدد مواضع میں اسی دار دنیا میں مردوں کا دوبارہ زندہ کرنا مذکور ہے اس سلسلہ میں ذیل میں چند واقعات پیش خدمت ہیں۔

پہلا واقعہ:...... مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ میں ہے۔ ﴿فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا﴾۔ ابراہیم علیہ السلام نے جب اللہ تعالیٰ سے درخواست کی۔ ﴿رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ

تُحۡیِ الۡمَوۡتٰی﴾۔ اے میرے پروردگار مجھ کو دکھلا دیجئے کہ آپ مردوں کو کیونکر زندہ کریں گے تاکہ مجھ کو عین الیقین حاصل ہوجائے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا کہ چار پرندوں کے ٹکڑے کرکے پہاڑوں پر رکھ دو۔ وہ زندہ ہوکر دوڑتے ہوئے تمہارے پاس چلے آویں گے۔ چنانچہ چاروں پرندوں کی بوٹیاں پہاڑوں پر رکھی گئیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پکارنے پر وہ زندہ ہوکر آ گئے اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کی اور چاروں پرندوں کا زندہ ہونا ان کو دکھلا یا حق جل شانہ کا یہ ارشاد ﴿فَخُذۡ اَرۡبَعَةً مِّنَ الطَّیۡرِ﴾ الخ فاء تفریعیہ کے ساتھ آیا ہے جو ﴿رَبِّ اَرِنِیۡ کَیۡفَ تُحۡیِ الۡمَوۡتٰی﴾ پر متفرع ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی دعا قبول ہوئی اور ان کو حکم ہوا کہ چار پرندے ذبح کریں اور پھر ان کے دوبارہ زندہ ہونے کا مشاہدہ کرلیں مگر مرزائے قادیان کہتا ہے کہ نہ کوئی پرندہ زندہ ہوا اور نہ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کی کوئی دعا قبول ہوئی بلکہ دعا پر ان کو یہ حکم ہوا کہ مسمریزم کے ذریعہ پرندوں کو اپنی طرف کھینچ لو تو معلوم ہوجائے گا کہ مردے اس طرح زندہ ہوتے ہیں۔ مرزا صاحب کے قول کی بنا پر حضرت ابراہیم علیہ السلام عتاب کے مستحق تھے کہ تم نے یہ دعا کیسے مانگی۔ مردوں کا دنیا میں دوبارہ زندہ ہونا ممکن نہیں۔

دوسرا واقعہ:...... اور اسی طرح قرآن کریم میں حضرت عزیر علیہ السلام کا قصہ مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو موت دی اور اس کی سواری کا گدھا بھی مرگیا۔ سوسال اسی حالت میں پڑے رہے اور ان کا کھانا اور پینا بغیر کسی تغیر کے سب اسی طرح ان کے پاس رکھا رہا سوسال کے بعد وہ زندہ ہوئے اور ان کا گدھا جو مرچکا تھا اس کی بوسیدہ ہڈیاں اپنی حالت پر دھری تھیں وہ بھی ان کے روبرو زندہ ہوا۔ اور اپنی آنکھوں سے اپنی مردہ سواری کا زندہ ہونا دیکھ لیا اور کرشمہ قدرت کا مشاہدہ کیا۔ کما قال اللہ تعالیٰ ﴿اَوۡ کَالَّذِیۡ مَرَّ عَلٰی قَرۡیَةٍ وَّهِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰی عُرُوۡشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰی یُحۡیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعۡدَ مَوۡتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ قَالَ کَمۡ لَبِثۡتَ ؕ قَالَ لَبِثۡتُ یَوۡمًا اَوۡ بَعۡضَ یَوۡمٍ ؕ قَالَ بَلۡ لَّبِثۡتَ مِائَةَ عَامٍ فَانۡظُرۡ اِلٰی طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمۡ یَتَسَنَّهۡ ۚ وَانۡظُرۡ اِلٰی حِمَارِكَ وَلِنَجۡعَلَكَ اٰیَةً لِّلنَّاسِ وَانۡظُرۡ اِلَی الۡعِظَامِ کَیۡفَ نُنۡشِزُهَا ثُمَّ نَکۡسُوۡهَا لَحۡمًا ؕ فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعۡلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ﴾۔ غرض یہ کہ حضرت عزیر علیہ السلام سوسال کے بعد زندہ کئے گئے اور لوگوں کے لیے خدا کی قدرت کی نشانی بنے۔ کما قال اللہ تعالیٰ ﴿وَلِنَجۡعَلَكَ اٰیَةً لِّلنَّاسِ﴾۔ تفسیر درمنثور میں حضرت علی اور ابن عباس اور کعب اور حسن اور وہب رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ عزیر علیہ السلام حقیقۃً مرگئے تھے اور ملک الموت نے ان کی روح قبض کی تھی اور سوسال کے بعد ان کی آنکھوں میں جان آئی جس سے وہ بوسیدہ ہڈیوں کو دیکھ رہے تھے بعد ازاں وہ گدھا جو ان کے سامنے مردہ پڑا تھا وہ ان کے روبرو زندہ کیا گیا۔ بعض دیدہ دلیر مرزائی تو یہ کہتے ہیں کہ یہ سارا واقعہ خواب و خیال تھا خواب میں ایسا دیکھا تھا اور سورۂ بقرہ میں پہلی امت کا واقعہ مذکور ہے کہ کئی ہزار شخص موت کے ڈر سے اپنے وطن سے بھاگ گئے۔ ایک منزل پر پہنچ کر بحکم الٰہی سب مرگئے۔ پھر سات دن بعد پیغمبر علیہ السلام کی دعا سے زندہ ہوگئے۔ کما قال اللہ تعالیٰ ﴿اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ خَرَجُوۡا مِنۡ دِیَارِهِمۡ وَهُمۡ اُلُوۡفٌ حَذَرَ الۡمَوۡتِ ۪ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوۡتُوۡا ۟ ثُمَّ اَحۡیَاهُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوۡ فَضۡلٍ عَلَی النَّاسِ﴾۔

حق جل شانہ نے قرآن کریم میں مردوں کے دوبارہ زندہ ہونے کے واقعات منکرین حشر کی تردید کے لیے ذکر

فرمائے ہیں۔ تاکہ معلوم کریں کہ مردوں کو زندہ کرنا خدا تعالیٰ کی قدرت سے خارج نہیں اور یقین کرلیں کہ خدا نے جو قیامت قائم ہونے کی خبر دی ہے وہ حق ہے۔ خدا تعالیٰ قادر مطلق ہے جب چاہے زندہ کرے اور جب چاہے کسی کو موت دے اور بندے عاجز اور بے بس ہیں۔ بندوں میں یہ طاقت نہیں کہ مرنے کے بعد وہ خود لوٹ کر دنیا میں دوبارہ آسکیں۔ البتہ خداوند ذوالجلال جس کو دوبارہ دنیا میں لانا چاہیں تو لا سکتے ہیں۔ اور خداوند تعالیٰ کے نزدیک قیامت کے وقت اور قیامت سے پہلے کسی کو زندہ کرنا یکساں ہے لہٰذا تم احیاء موتی کو محال سمجھ کر قیامت کا انکار نہ کرو ہم ہر طرح سے قادر ہیں نہ کوئی زندہ ہماری قدرت سے خارج ہوسکتا ہے اور نہ کوئی مردہ۔ ہم جس زندہ کو مردہ کریں تو وہ از خود زندہ نہیں ہوسکتا اور جس مردہ کو زندہ کرنا چاہیں تو اس کی مجال نہیں کہ ہمارے ارادہ اور مشیت سے سرتابی کرسکے۔ مرنے کے بعد بندہ از خود دنیا کی طرف دوبارہ نہیں لوٹ سکتا البتہ اگر خدا تعالیٰ چاہے تو وہ مردہ کو دوبارہ دنیا کی طرف لوٹا سکتا ہے۔

حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں چند مردوں کے زندہ کرنے کا حال بیان فرمایا اور عقل بھی یہی کہتی ہے کہ خدا تعالیٰ قادر مطلق ہے اور یہ امر جس کی خدا تعالیٰ نے خبر دی ہے وہ اس کی قدرت سے خارج نہیں۔ ان سب سے اپنی قدرت کا اظہار مقصود ہے کہ جو چیز تمہیں محال دکھائی دیتی ہے ہم نے اپنی قدرت سے واقع کردیا۔ مگر مرزا اور مرزائی احیاء موتی کو محال سمجھتے ہیں اور جن آیات میں مردوں کے دوبارہ زندہ ہونے کا حال مذکور ہے طرح طرح سے ان کی تاویلیں کرتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ جن آیات میں موت کا لفظ آیا ہے اس کے معنی بیہوشی یا نیند کے ہیں اور احیا کے معنی جگانے اور ہوش میں لانے کے ہیں اور کبھی کہتے ہیں کہ وہ مسمریزمی عمل تھا۔ سبحان اللہ کیا خوب تاویل ہے کیا کوئی ادنیٰ عقل والا یہ کہہ سکتا ہے کہ حق جل شانہ نے سورۂ بقرہ میں جن ہزاروں لوگوں کے گھر سے بھاگ جانے اور مرجانے کا اور پھر ان کے زندہ ہونے کا واقعہ ذکر کیا ہے۔ کیا وہ نیند اور بیہوشی سے بھاگے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے اول سلا دیا اور پھر ان کو جگا دیا اور اللہ تعالیٰ نے ان پر بڑا ہی فضل فرمایا کہ ان کو نیند سے جگا دیا معلوم نہیں کہ نیند ایسی کیا مصیبت کی چیز تھی کہ ڈر سے ہزاروں آدمی گھر بار چھوڑ کر بھاگ اٹھے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو جگا دیا یا بیہوش کرنے کے بعد ان کو ہوش دے دیا اور کیا عزیر علیہ السلام کا واقعہ بھی خواب ہی کا واقعہ تھا کہ وہ سو سال تک پڑے سوتے رہے اور ان کے پاس ان کی سواری کا گدھا بھی سوتا رہا۔ اللہ نے سو سال کے بعد دونوں کو خواب سے بیدار کیا۔

تیسرا واقعہ:...... حق جل شانہ نے قرآن کریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے احیاء اموات کے معجزہ کو کئی جگہ بیان فرمایا اور ان کے احیاء اموات کے واقعات احادیث سے بھی ثابت ہیں مگر مرزا صاحب کی رائے یہ ہے کہ ان میں سے کوئی واقعہ صحیح نہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حقیقتاً کسی مردہ کو زندہ نہیں کیا وہ دراصل قریب الموت آدمی تھے۔ مسمریزم کے عمل سے چند منٹ کے لیے ان میں گرمی پہنچا دیتے تھے۔ اور وہ حرکت کرنے لگتے تھے۔

جس کا مطلب یہ ہوا کہ نعوذ باللہ عیسیٰ علیہ السلام ایک معمولی جادوگر تھے جو مسمریزم میں مشاق تھے اور قریب الموت بیماروں کو مسمریزم سے حرکت دے دیتے تھے جس سے دنیا کو دھوکہ دینا مقصود تھا کہ لوگ یہ دیکھ کر ان کے معتقد ہوجائیں کہ یہ مردوں کو زندہ کرتے ہیں۔ اور طرفہ یہ کہ خدا تعالیٰ نے بھی ان کے مسمریزمی عمل کو بطور مدح اور منقبت قرآن میں بیان کیا اور ان کے معجزات میں اس کا ذکر کیا اور ایسے الفاظ میں اس کو بیان کیا کہ لوگ سمجھیں کہ احیاء اموات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا

اور باذن اللہ کہہ کر اور اسکو محکم کر دیا کہ یہ سب ہمارے حکم سے تھا۔

مرزا صاحب کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام نے فی الواقع کسی مردہ کو زندہ نہیں کیا بلکہ یہ سب مسمریزمی عمل تھا جو میری نزدیک قابل نفرت ہے اگر میرے نزدیک یہ عمل قابل نفرت نہ ہوتا تو میں ان اعجوبہ نمائیوں میں مسیح بن مریم علیہما السلام سے کم نہ رہتا۔ سب کو معلوم ہے کہ مسمریزم کا عمل سو برس سے ایجاد ہوا ہے مگر مرزا صاحب یہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں جو عیسیٰ علیہ السلام کے احیاء اموات کا ذکر ہے وہ سب مسمریزمی تحریک تھی۔

اے مسلمانو! جس خدا نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو احیاء موتی کا معجزہ عطاء کیا کہ وہ خدا کے حکم سے مردے زندہ کرتے تھے تو کیا اس خدا کو یہ قدرت نہیں کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کو دوبارہ زندہ کر کے پھر دنیا میں بھیج دے اور مرزا صاحب دیکھتے ہی رہ جائیں۔

اے مسلمانو! کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی بیبا کانہ تحریف ہوسکتی ہے کہ اس قسم کی بیبا کی صریح آیات قرآنیہ کا انکار نہیں مرزا صاحب کو مسیح موعود بننے کا بہت شوق تھا لیکن اس کے لوازم اور آثار سے بالکل عاری اور خالی تھے اس لیے مرزا صاحب کو ڈر ہوا کہ دعوائے مسیحیت کے ساتھ احیاء موتی اور ابراء اکمہ اور ابرص کا معجزہ بھی چاہئے اس لیے سرے سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے احیاء موتی کے معجزہ کا انکار کر دیا اور کہہ دیا کہ وہ معجزہ نہ تھا بلکہ مسمریزمی عمل تھا اور میں اسے قابل نفرت سمجھتا ہوں اس طرح اپنی جان بچائی۔

چوتھا واقعہ:...... ایک واقعہ احیائے موتی کا قرآن کریم میں یہ مذکور ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ایک شخص مارا گیا جس کا قاتل معلوم نہ تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ کا حکم یہ ہے کہ تم ایک گائے ذبح کر کے اس کا ایک ٹکڑا اس مردہ پر مارو تو وہ زندہ ہو کر خود اپنے قاتل کا نام بتادے گا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور وہ مقتول زندہ ہو گیا اور اس نے اپنے قاتل کا نام بتلا دیا۔

یہ واقعہ سورۂ بقرہ کی اس آیت ﴿وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا﴾ الخ میں مذکور ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ اور موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کا حال ظاہر فرمایا اور اسی وجہ سے اس قصہ کے ختم پر یہ فرمایا ﴿كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾۔ مگر مرزائے قادیان کہتا ہے کہ یہ نہ تو قدرت خداوندی کا کرشمہ تھا اور نہ موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا اور بوٹی لگانے سے کوئی مردہ زندہ نہیں ہوا تھا بلکہ معمولی بات تھی کہ مسمریزم کے عمل سے مردہ کو حرکت ہو گئی تھی۔ معاذ اللہ معاذ اللہ۔ پس اگر یہ معمولی حرکت تھی تو قاتل کا نام کیسے معلوم ہوا اور کس نے بتلایا اور یہ مسمریزم کس نے سکھایا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام نے قاتل کو بلا کر مسمریزم کا طریقہ سمجھا دیا تھا یہ تو قاتل کے معلوم کرنے کا بڑا عمدہ طریقہ ہے جس سے پولیس کو قاتل کے گرفتار کرنے میں بڑی مدد مل سکتی ہے مرزا صاحب اگر یہ نسخہ گورنمنٹ برطانیہ کو بتادیتے تو بڑا انعام ملتا۔

پانچواں قصہ:...... اور موسیٰ علیہ السلام ہی کے ایک دوسرے قصہ میں ہے۔ ﴿وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾۔ یعنی یاد کرو اے بنی اسرائیل جب تمہارے بڑوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا۔ اے موسیٰ علیہ السلام ہم تیری بات کا ہرگز یقین نہ کریں گے جب تک کھلم کھلا ظاہری طور پر اپنی آنکھوں سے خدا کو نہ دیکھ لیں اس پر بجلی نے تم کو آ پکڑا اور ہلاک کر دیا اور تم دیکھ رہے تھے پھر

موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے مرے پیچھے ہم نے تم کو دوبارہ زندہ کیا شاید کہ تم شکر کرو کہ اللہ نے تم کو دوبارہ زندگی بخشی اور تفسیر درمنثور میں ہے کہ وہ ستر آدمی تھے جن کو موسیٰ علیہ السلام اپنے ساتھ کوہ طور پر کلام الٰہی سننے کے لیے لے گئے تھے وہ سب مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہوئے۔

چھٹا واقعہ:...... ایوب علیہ السلام اللہ کے برگزیدہ نبی تھے اور نہایت خوشحال تھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ابتلا پیش آیا کہ مال و دولت سب جاتا رہا اور اولاد دب کر مرگئی اور خود طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا ہوئے بالآخر جب اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو صحت اور عافیت عطا کی اور مری ہوئی اولاد کو دوبارہ زندہ کر دیا۔ کما قال اللہ تعالیٰ ﴿وَّاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا﴾ عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے اس آیت کی تفسیر میں مروی ہے کہ جو اولاد ان کی مرگئی تھی بعینہٖ وہ دوبارہ زندہ کردی گئی۔ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ظاہر قرآن سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ بعینہٖ زندہ کردیئے گئے۔ (دیکھو تفسیر قرطبی: ۱۱/۳۲۶)

کیا مرزا صاحب کے نزدیک یہ سارا مسمریزم تھا اور کیا اس زمانہ میں مسمریزم موجود اور شائع تھا جس کو لوگ استعمال کرتے تھے سب کو معلوم ہے کہ اب سے سو سال پہلے مسمریزم کا کہیں وجود ہی نہ تھا غرض یہ کہ مرزا اور مرزائیوں نے قرآن کریم کو ایک کھلونا بنا رکھا ہے جو زبان پر آیا وہ کہہ دیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے چار پرندوں کے زندہ ہونے کو مسمریزمی قوت بتلا دیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جو معجزات قرآن کریم میں مذکور ہیں ان کو بھی مسمریزمی عمل قرار دے دیا اور یہ امر سب کو معلوم ہے کہ عمل مسمریزم یقینی طور پر سحر ہے تو مرزا صاحب کی تاویلوں کا مطلب یہ کہ انبیا اولوالعزم سب ساحر اور جادوگر تھے مسمریزم کے عمل سے لوگوں کو عجائبات دکھلا کر مسخر کر لیتے تھے۔ تو اس لحاظ سے مسمریزم کا عمل کرنے والوں کو انبیا کہنا بھی جائز ہونا چاہیئے مرزا صاحب کے نزدیک احیاء موتیٰ وغیرہ جیسے معجزات کو ماننا تو مشرکانہ خیال ہے اور مسمریزم جیسے اعمال سحر کو ماننا یہ موحدانہ خیال ہے مرزا صاحب کو نبوت کا دعویٰ ہے اور معجزات کا ظہور ان سے محال ہے اس لیے وہ انبیاء کے معجزات کے دشمن بنے ہوئے ہیں اور ان کی توہین کے درپے ہیں۔ ﴿كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۭ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا﴾۔

خلاصۂ کلام یہ کہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان چند واقعات کا ذکر فرمایا کہ جن میں مردوں کا دوبارہ دنیا میں زندہ کرنا ذکر فرمایا جس سے مقصود اظہار قدرت ہے کہ اللہ تعالیٰ اسی طرح قیامت کے روز مردوں کے زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔ پس اگر مرزا اور مرزائیوں کے نزدیک اجتماع نقیضین اور ارتفاع نقیضین کی طرح احیاء موتیٰ عقلاً محال اور ناممکن ہے تو پھر قیامت کا بھی کھل کر انکار کردیں کیونکہ قیامت نام ہی احیاء موتیٰ کا ہے جو تاویل احیاء اموات کی ان آیات میں کی ہے۔ وہی تاویل قیامت کی آیات میں بھی ہوسکتی ہے حالانکہ قرآن کریم میں "یحی الموتی اور احیاهم"۔ وغیرہ وغیرہ اس قسم کے الفاظ صراحۃً مذکور ہیں اور ان آیات کے علاوہ متعدد احادیث سے بطور معجزہ احیاء اموات ثابت ہے تفصیل کے لیے زرقانی شرح مواہب اور نسیم الریاض شرح شفائے عیاض دیکھیں۔

بلکہ بطریق کرامت اولیاء اللہ سے بھی احیاء اموات ثابت ہے مگر یہ روایتیں تاریخی ہیں اور کتب معتبرہ میں مذکور ہیں

اوران کا انکار بھی نہیں کیا جاسکتا بہر حال مرزائے قادیان کے تکذیب اور تردید کے لیے کافی اور وافی ہیں اور مرزا اور مرزائی اس بارے میں ایک حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں وہ حدیث یہ ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے شہید ہو جانے کے بعد اللہ تعالیٰ سے یہ درخواست کی کہ مجھ کو پھر دنیا میں رجوع کی اجازت ہوتا کہ دنیا میں جا کر دوبارہ تیری راہ میں جہاد اور قتال کروں اور پھر تیری راہ میں مارا جاؤں اور شہادت حاصل کروں اس پر ارشاد ہوا۔ انی قضیت انھم لا یرجعون اور ایک روایت میں ہے قد سبق القول منی انھم لا یرجعون یعنی میں پہلے یہ فیصلہ کر چکا ہوں کہ مرنے کے بعد لوگ دوبارہ دنیا کی طرف نہ لوٹیں گے۔

جواب:...... یہ ہے کہ اس کا مطلب وہی ہے کہ جو پہلے بیان کر چکے کہ اگر کوئی شخص دنیا میں دوبارہ آنے کی آرزو کرے کہ دنیا میں دوبارہ آ کر اعمال صالحہ کر سکوں اور درجات عالیہ کے حصول کا سامان کر سکوں تو یہ آرزو پوری نہ ہوگی۔ بارگاہ خداوندی کا عام قانون اور عام قاعدہ یہی ہے اسی بناء پر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی درخواست منظور نہ ہوئی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ خدا تعالیٰ کو یہ قدرت بھی نہیں کر وبطور خرق عادت کسی مردہ کو زندہ کر سکے، خاص کر جب کہ خدا نے خود اپنے کلام میں خبر دے دی ہے کہ ہم نے بہت سے مردوں کو دنیا میں دوبارہ زندہ کیا تا کہ منکرین حشر کو معلوم ہو جائے کہ اسی طرح خدائے تعالیٰ قیامت میں مردوں کو زندہ کرنے پر قادر ہے۔

مرزائیوں سے ایک سوال

بالفرض اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ عیسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں اور یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ مرنے کے بعد ان کا دوبارہ زندہ ہو کر دنیا میں آنا محال اور ناممکن ہے تو سوال یہ ہے کہ آپ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت اور حیات سے کیا بحث۔ مرزا صاحب اپنی مسیحیت کے مدعی ہیں ان کو چاہئے کہ اپنی مسیحیت کو دلائل سے ثابت کریں کسی نبی کے وفات پا جانے سے مرزا صاحب کی یا کسی اور کی مسیحیت یا نبوت کیسے ثابت ہو سکتی ہے۔ یہ تو سب کو معلوم ہے کہ مرزا صاحب کو بھی اس کا اقرار ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات سنہ ۱۳۰۰ھ میں نہیں کہ یہ کہا جا سکے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مرتے ہی مرزا صاحب ان کے خلیفہ اور جانشین ہو گئے بلکہ اس سے اٹھارہ سو سال پہلے ہو چکی ہے تو اب مرزا صاحب بتلائیں کہ وہ کسی دلیل سے حضرت عیسیٰ کے خلیفہ اور جانشین بنے اور یہ بتلائیں کہ یہ امر کس دلیل سے ثابت ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے رفع یا وفات کے اٹھارہ سو سال بعد قادیان میں انکا خلیفہ اور جانشین پیدا ہوگا اور یہ بتلائیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کے مرنے کے بعد دوسرے "عیسیٰ" کے نکلنے تک اس قدر مدت کیوں درکار ہے ان تمام باتوں کو دلائل سے ثابت کریں اور میں دعویٰ کے ساتھ کہتا ہوں کہ ساری امت مرزائیہ مر بھی جائے تب بھی ان باتوں کو ثابت نہیں کر سکتی۔ غرض یہ کہ جب مرزا صاحب مدعی عیسویت ہیں تو اپنے دعوائے عیسویت کو مع شرائط اور لوازم کے ثابت کرنا ان کے ذمہ ہے ہمیں کوئی ضرورت نہیں کہ ہم حیات عیسیٰ علیہ السلام کے مسئلہ پر گفتگو کریں۔ ہمارے نزدیک یہ مسئلہ قرآن اور حدیث اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ آپ اپنی عیسویت کے دلائل پیش کریں۔

"عیسیٰ" نتواں گشت بتصدیق خرے چند (ع)

(۲)

﴿حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ﴾

یاجوج وماجوج کے کھلنے سے اس دیوار ذوالقرنین کا کھلنا مراد ہے جس کے پیچھے وہ بند ہیں یاجوج وماجوج کا خروج حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول اور دجال کے قتل کے بعد ہوگا اور یاجوج وماجوج نسل آدم علیہ السلام سے دو قومیں ہیں جن کی تعداد کی کوئی حد نہیں یہ لوگ یافث بن نوح علیہ السلام کی نسل سے ہیں اور یافث بن نوح علیہ السلام ترک کے جد اعلیٰ ہیں اور ترک انہی میں کی ایک شاخ ہیں جو سد ذوالقرنین کے پیچھے متروک یعنی چھوڑ دیئے گئے تھے اس لیے ان کو ترک کہتے ہیں تفصیل سورۂ کہف کے اخیر میں ذوالقرنین کے قصہ میں گزر چکی ہے اور خروج یاجوج وماجوج کا ذکر بہت سی احادیث میں آیا ہے جن میں چار حدیثیں بہت مفصل ہیں جن کو حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے وہاں دیکھ لی جائیں۔

خلاصہ انکا یہ ہے کہ اول شام اور عراق کے درمیان سے دجال خروج کرے گا اور فتنہ برپا کرے گا پھر عیسیٰ علیہ السلام جامع مسجد دمشق کے مشرقی منارہ پر آسمان سے نازل ہوں گے اور دجال کو اپنے نیزہ سے ماریں گے بعد ازاں دیوار ذوالقرنین کے ٹوٹ جانے سے یاجوج وماجوج نکل پڑیں گے اور کثرت کی وجہ سے ہر طرف پھیل جائیں گے چشموں اور نہروں کا پانی پی جائیں گے لوگ اپنے مکانات اور قلعوں اور تہہ خانوں میں محصور ومستور ہوجائیں گے اور اپنے مواشی کو بھی ساتھ لے جائیں گے جب بظاہر کوئی آدمی باہر نظر نہ آئے گا تو یاجوج وماجوج میں سے کوئی کہنے والا کہے گا کہ زمین والوں سے تو ہم نے فراغت پائی اب آسمان والے رہ گئے ایک آدمی اپنا تیر آسمان کی طرف چلائے گا۔ اللہ کی طرف سے ان کو فتنہ میں مبتلا کرنے کے لیے وہ تیر اوپر سے خون میں ڈوبا ہوا واپس آئے گا۔ وہ سمجھیں گے کہ ہم نے آسمان والوں کا بھی کام تمام کردیا اس طرح سے یاجوج وماجوج ہر طرف پھیل جائیں گے اور لوگوں میں ان کے مقابلہ کی طاقت نہ ہوگی تو اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل ہوگی کہ آپ علیہ السلام میرے بندوں کو لے کر کوہ طور پر چلے جائیں پھر عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے اصحاب اللہ کی طرف رجوع کریں گے اور دعا مانگیں گے اللہ تعالیٰ ان کی دعا سے یاجوج وماجوج کی گردنوں میں ایک طاعونی کیڑا پیدا کردیں گے جس سے وہ سب ایک ہی رات میں مرجائیں گے اور ان کی عفونت اور بدبو کی وجہ سے زمین پر کھڑا ہونا مشکل ہوجائے گا تو عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے اصحاب اللہ کی طرف رجوع کریں گے اور دعا مانگیں گے تو اللہ تعالیٰ آسمان سے ایسے پرندے نازل کرے گا جن کی گردنیں بختی اونٹوں کی طرح لمبی ہوں گے وہ ان لاشوں کو اٹھا کر جہاں خدا تعالیٰ چاہے لے جا کر پھینک دیں گے پھر اللہ تعالیٰ آسمان سے ایک عظیم اور عام بارش نازل کرے گا جو چالیس دن تک برابر برستی رہے گی اس بارش سے زمین دھل جائیگی اور کھیتوں اور باغوں کی پیداوار کی کوئی حد نہ رہے گی اور جانور اس قدر فربہ ہوجائیں گے کہ ایک بکری کا دودھ ایک خاندان کے لیے کافی ہوگا بعد ازاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام خانہ کعبہ کا حج کریں گے اور حج اور عمرہ کے بعد مدینہ منورہ جائیں گے اور وہیں انتقال فرمائیں گے اور مسلمان ان کی نماز جنازہ پڑھیں گے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں مدفون ہونگے بعد ازاں کچھ عرصہ تک لوگ اسی فراخی اور خوش حالی میں ہونگے کہ اللہ تعالیٰ ایک پاکیزہ ہوا بھیجے گا جس سے ہر ایک مومن بندہ کی روح قبض ہوجائے گی اور زمین پر صرف بدکار لوگ رہ جائیں گے جو گدھوں کی طرح

عورتوں سے کھلم کھلا جفتی کریں گے اور یہ لوگ بدترین خلائق ہوں گے باوجود یکہ صورت انسانی ہوگی مگر گدھوں کی طرح بے عقل اور بے حیا اور بے شرم ہونگے اور انہی پر قیامت قائم ہوگی۔

(۳)

﴿اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ﴾

اس آیت میں ﴿وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ میں صرف اصنام (بت) مراد ہیں کیونکہ خطاب بت پرستوں ہی سے ہے لیکن اگر کلمہ ﴿مَا﴾ کو عام رکھا جائے تو پھر اس میں شرط عدم المانع کے قید معتبر ہوگی۔ یعنی عابدوں کے ساتھ معبودوں کے جہنم کا ایندھن ہونے کا حکم اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ بشرطیکہ ان فرضی معبودوں میں کوئی امر مانع دخول نار سے نہ ہو۔ جیسے انبیاء اور ملائکہ اور حضرت مسیح اور حضرت عزیر علیہما السلام جن کو بہت سے لوگوں نے معبود ٹھہرالیا ہے ان حضرات کی مقبولیت اور وجاہت اس امر سے مانع ہے کہ وہ اس حکم میں شریک ہوں جیسا کہ آئندہ آیت ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ﴾ میں اس کی تصریح فرمادی اور بتلادیا کہ خدا کے وہ مقبول اور برگزیدہ بندے جو سعادت ازلی سے بہرہ یاب ہو چکے ہیں اگرچہ کافروں نے ان کو معبود بنالیا وہ اس حکم میں داخل نہیں شیاطین اور اصنام اپنے عابدین کے ساتھ جہنم کا ایندھن بنیں گے اور خدا کے یہ مقبول بندے جہنم سے بہت دور رہیں گے کیونکہ یہ حضرات لوگوں کو خدائے وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کا حکم دیتے اور کفر اور شرک سے نہایت سختی کے ساتھ منع کرتے تھے یہ حضرات تو کفر اور شرک سے بری اور بیزار اور اس نے منع کرنیوالے تھے، ان کو دوزخ سے کیا واسطہ ان کے لیے تو وہم وگمان سے بڑھ کر نعمتیں اور کرامتیں ہوں گی۔ بالفرض اگر کوئی انبیاء اور ملائکہ کو معبود بنا بھی لے تو ان کے معبود بنانے سے کچھ نہیں ہوتا۔ یہ حضرات اپنے عابدوں کے ساتھ ہرگز جہنم میں نہیں جائیں گے ان کے لئے ہماری طرف سے پہلے ہی سے سعادت اور عزت اور کرامت کا حکم صادر ہو چکا ہے۔

ان مشرکین کے اصل معبود تو شیاطین ہیں جن کے اغواء سے انہوں نے کفر اور شرک کیا وہ اپنے عابدین کے ساتھ جہنم کا ایندھن بنیں گے اور عذاب میں مبتلا ہونگے۔

اور بت اور پتھر کی مورتیں تو بے قصور ہیں۔ ان پر جہنم کا عذاب نہیں بلکہ وہ بحکم خداوندی کافروں کے لیے عذاب ہوں گے اور یہ بت اور پتھر کافروں کو عذاب دینے کے لیے جہنم میں ڈالے جائیں گے تاکہ کافروں پر غم اور حسرت کا اضافہ ہو کہ ان کی پرستش کی وجہ سے جہنم میں داخل ہوئے۔ شجر اور حجر لکڑی اور پتھر پر نہ کوئی عذاب ہے اور نہ کوئی ثواب ان کا جہنم میں ڈالا جانا کافروں کی توبیخ اور تبکیت کے لیے ہوگا جیسا کہ ایک صحیح حدیث میں آیا ہے کہ چاند اور سورج کو بھی لپیٹ کر جہنم میں ڈالا جائے گا چاند اور سورج کا جہنم میں ڈالا جانا بطور عذاب کے نہ ہوگا بلکہ چاند اور سورج کے پرستاروں کی تحقیر و تذلیل کے لئے ہوگا۔

(۴)

﴿يَوْمَ نَطْوِى السَّمَآءَ﴾

جس دن ہم آسمانوں کو لپیٹ دیں گے۔

اور دوسری جگہ یہ ارشاد فرمایا ﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ﴾ اس آیت میں جو ﴿قَبْضَتُهٗ﴾ مٹھی، اور یمین کا ذکر آیا ہے سو فرقہ مجسمہ اور مشبہہ کے نزدیک اس سے عضو معروف مراد ہے اور تمام اہل سنت والجماعت کا اس پر اتفاق ہے کہ آیت میں قبضہ اور یمین سے عضو اور جارحہ کے معنی مراد نہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ جسمانیت اور مشابہت سے پاک اور منزہ ہے بلکہ اس سے کمال قدرت کا اظہار مقصود ہے کہ یہ اجسام عظیمہ یعنی آسمان و زمین اللہ کے سامنے ایسے حقیر اور صغیر ہیں جیسے ہماری مٹھی میں کوئی چیز ہو تو ظاہر ہے کہ وہ ایک معمولی اور حقیر ہوگی۔

(۵)

﴿كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ﴾

علماء محققین کے نزدیک سجل کے معنی صحیفہ اور طومار کے ہیں اور اسی معنی کو امام ابن جریر رحمہ اللہ نے اختیار کیا۔ اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ سجل ایک فرشتہ ہے جو نامہ ہائے اعمال پر مقرر ہے جب کوئی بندہ مرجاتا ہے تو اس کا نامہ اعمال سجل کے پاس آجاتا ہے اور وہ اس کو تہہ کر کے قیامت کے لیے رکھ لیتا ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ سجل ایک کاتب وحی کا نام ہے جو آنحضرت ﷺ کی وحی کی کتابت کیا کرتا تھا یہ دونوں قول ضعیف ہیں اس بارے میں جو روایتیں آئی ہیں وہ موضوع ہیں یا قریب بہ موضوع ہیں نیز تشبیہ سے مقصود تفہیم ہوتی ہے اور یہ جب ہوتا ہے کہ جب کسی معروف شئے کے ساتھ تشبیہ دی جائے جیسے عام طور پر لوگ جانتے ہوں اور صحابہ کرام میں کوئی شخص سجل کے نام سے معروف و مشہور نہ تھا۔ کاتبین وحی سب کے سب معروف و مشہور تھے ان میں سے کسی کا بھی نام سجل نہ تھا اور نہ کسی فرشتہ کا نام سجل ہونا ثابت ہے لہٰذا صحیح قول یہ ہے کہ سجل سے صحیفہ اور طومار کے معنی مراد ہیں جیسا کہ ابن عباس اور مجاہد اور قتادہ وغیرہم رضی اللہ عنہم سے منقول ہے۔

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

اور ہم نے لکھ دیا ہے زبور میں نصیحت کے پیچھے کہ آخر زمین پر مالک ہوں گے میرے نیک بندے ف۱

ہم نے لکھ دیا ہے زبور میں نصیحت کے پیچھے، کہ آخر زمین پر مالک ہوں گے میرے نیک بندے۔

ف۱ کامل وفادار بندوں سے حق تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ان کو دنیا و آخرت کی کامیابی اور اس زمین اور جنت کی زمین کا وارث بنائے گا چنانچہ فرمایا۔ ﴿اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۗ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ (اعراف، رکوع ۱۵) اور ﴿اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ﴾ (مومن، رکوع ۶) اور ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ﴾ (نور، رکوع ۷) یہ ایسا حتمی اور قطعی وعدہ ہے جس کی خبر اس نے اپنی کتب شرعیہ اور کتب قدریہ میں دی۔ "لوح محفوظ" اور "ام الکتاب" میں یہ وعدہ درج کیا اور انبیاء علیہم السلام کی زبانی بار بار اعلان کرایا۔ داؤد علیہ السلام کی کتاب "زبور" ۳۷۔۲۹ میں ہے کہ صادق زمین کے وارث ہوں گے۔" چنانچہ اس امت میں کے کامل وفادار اور صادق بندے مدت دراز تک زمین کے وارث رہے، شرق و غرب میں انہوں نے آسمانی بادشاہت قائم کی، عدل و انصاف کے جھنڈے گاڑ دیئے۔ دین حق کا ڈنکا چار دانگ عالم میں بجا دیا۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشین گوئی ان کے ہاتھوں پر پوری ہوئی۔ "اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى زَوٰى لِيَ الْاَرْضَ فَرَاَيْتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا وَاِنَّ اُمَّتِيْ سَيَبْلُغُ مُلْكُهَا مَا زُوِيَ لِيْ مِنْهَا" اور اسی قسم کی دوسری پیشین گوئی امام مہدی علیہ السلام اور حضرت مسیح علیہ السلام کے زمانہ میں پوری ہو کر رہے گی۔

بشارت وراثت زمین برائے عباد صالحین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ﴾

ربط: ...... گزشتہ آیت یعنی ﴿إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنَىٰ﴾ میں آنحضرت ﷺ پر ایمان لانے والوں کو اخروی بشارت (خوشخبری) کا ذکر تھا اب اس آیت میں ایک عظیم دنیوی بشارت کا ذکر فرماتے ہیں یعنی بادشاہت اور وراثت زمین کی خوشخبری کا ذکر ہے کہ ہم عنقریب دنیا میں اپنے نیک بندوں کو یعنی صحابہ کرام کو زمین کا وارث بنائیں گے اور زمین کی حکومت اور سلطنت اور زمین پر غلبہ اور اقتدار اعلیٰ ان کو عطاء کریں گے جس سے اشارہ خلافت راشدہ کی طرف ہے اور وہ بھی اس عنوان سے کہ اس بشارت (خوشخبری) کو ہم اگلی کتابوں میں لکھ چکے ہیں اور ہماری بارگاہ سے صحابہ کے لیے وراثت زمین کا حکم جاری ہو چکا ہے اور یہ ہمارا ایسا حتمی اور قطعی وعدہ ہے کہ جس کی رجسٹری ہو چکی ہے اور تمام انبیاء کے صحیفوں میں اس کا اندراج ہو چکا ہے کہ عنقریب قیصر و کسریٰ کی سلطنت صحابہ کرام ﷺ کے قبضہ میں آئے گی۔ پھر اس بشارت کے بعد یہ فرمایا ﴿إِنَّ فِي هَٰذَا لَبَلَاغًا لِقَوْمٍ عَابِدِينَ﴾۔ یعنی اس خوشخبری میں عبادت گزاروں کے لیے ایک عجیب اطلاع ہے جس سے مقصود اتمام حجت ہے کہ اہل اعراض اور اہل غفلت پر اللہ کی حجت پوری ہوگئی کہ نبی آخر الزمان مبعوث ہونگے اور یہ کتاب ہدایت نازل کردی گئی جو کافی اور شافی ہے اور اللہ کا یہ حتمی وعدہ ہے کہ اس نبی آخر الزمان ﷺ کے صحابہ زمین شام اور زمین ایران کے وارث ہونگے اور زمین پر غالب ہونگے۔

پھر اخیر میں فرمایا ﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ﴾۔ یعنی ہم نے نبی آخر الزمان ﷺ کو تمام عالم کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے کہ آپ ﷺ کے اتباع کی برکت سے دینی اور دنیوی دونوں قسم کی نعمتیں اور سعادتیں ملیں گی اور جس گروہ کو یہ دونوں قسم کی نعمتیں اور دونوں قسم کی سعادتیں ملیں گی وہ عباد صالحین کے لقب سے ملقب ہونگے۔ اور جب ولایت اور بادشاہت دونوں ایک کمبل اور ایک گدڑی میں جمع ہو جائیں تو اسی کا نام خلافت راشدہ ہے اور جب فرمانروائے سلطنت خدا کا نیک بندہ اور ولی بھی ہو تو وہ خلیفہ راشد ہے جو ظاہر کے اعتبار سے امیر سلطنت اور باطن کے اعتبار سے شیخ طریقت ہے۔

ربط دیگر: ...... کہ گزشتہ آیت ﴿كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ ۚ وَعْدًا عَلَيْنَا ۚ إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ﴾ میں یہ فرمایا تھا کہ پہلی بار کی طرح دوبارہ مخلوق کو پیدا کرنے کا وعدہ ہمارے ذمہ ہے اب آئندہ آیت میں یہ فرماتے ہیں کہ وعدہ قیامت کی علامتوں کا ظہور شروع ہو گیا کہ نبی آخر الزمان ﷺ مبعوث ہو گئے اور آخری امت بھی ظاہر ہو گئی پس سمجھ لو کہ قیامت قریب ہو گئی لہٰذا غفلت اور اعراض سے باز آجاؤ اور اس نبی آخر الزمان ﷺ سے ہمارا یہ حتمی وعدہ ہے کہ اس کے صحابہ زمین پر غالب ہوں گے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور البتہ تحقیق ہم نے توریت کے بعد لوح محفوظ کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام کی زبور میں یا انبیا سابقین کے صحیفوں اور نوشتوں میں لکھ دیا ہے کہ معمورہ زمین کے یا سرزمین شام اور ایران کے وارث میرے خاص نیک بندے ہونگے یعنی زمین کے بادشاہ اور فرمانروا ہونگے اور باوجود بادشاہت اور سلطنت کے صلاح اور تقویٰ کے لباس سے آراستہ ہونگے اس آیت میں جس وراثت ارضیہ کی بشارت دی گئی اس سے خلافت راشدہ کی طرف اشارہ ہے جس کو بصیغۂ خبر بیان کیا

گیا اور یہ بتلا دیا کہ یہ پیشین گوئی ایسی قطعی اور حتمی ہے کہ اس کو خدائی قبالہ اور دستاویز سمجھو کہ جس کی تمام انبیاء کے صحیفوں میں رجسٹری ہو چکی ہے اور سب جگہ اس کا اندراج ہو چکا ہے جس میں شک اور شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔

اور بشارت اور یہ خوشخبری قرآن کریم کی متعدد آیتوں میں مذکور ہے منجملہ ان کے ایک آیت استخلاف ہے۔ ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ﴾ اور حق جل شانہ کا یہ ارشاد ﴿ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ﴾ بھی اسی مضمون کی دوسری تعبیر ہے۔

زبور:...... اس آیت میں زبور سے یا تو حضرت داؤد علیہ السلام کی کتاب مراد لی جائے یا آسمانی صحیفے اور نوشتے مراد لیے جائیں جو اللہ تعالیٰ نے انبیاء و سابقین علیہم السلام پر اتارے کیونکہ لفظ زبور کے معنیٰ از روئے لغت نوشتہ یعنی لکھی ہوئی چیز کے ہیں اس آیت میں دونوں معنی بن سکتے ہیں۔

ذکر:...... ذکر کے معنی لغت میں نصیحت کے ہیں اور اس جگہ ذکر سے توریت کے معنی مراد ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ ذکر سے لوح محفوظ کے معنی مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ توریت کے بعد ہم نے زبور میں یہ لکھ دیا ہے کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہونگے۔

الارض (زمین):...... ارض کے معنی زمین کے ہیں اس بارے میں مفسرین کے چار قول ہیں **(قول اول)** یہ کہ زمین سے ملک شام کی زمین مراد ہے۔ **(قول دوم)** یہ کہ زمین سے روم اور ایران کی زمین مراد ہے۔ **(قول سوم)** یہ کہ ارض سے معمورہ ارض مراد ہے۔ **(قول چہارم)** یہ کہ زمین سے جنت کی زمین مراد ہے۔

صحیح اور راجح قول، قول اول اور قول دوم ہے اور تیسرے قول کا مراد لینا بھی صحیح ہے اور مطلب یہ ہے کہ شام اور ایران کی زمینیں فتح ہونگی اور دنیا کی جو دو بڑی سلطنتیں ہیں یعنی ایران اور روم وہ اسلام کے زیر نگین آئیں گی اور تمام معمورہ ارض پر اسلام کو اقتدار اعلیٰ حاصل ہوگا اور قول چہارم نہایت بعید ہے۔ اور سیاق و سباق کے خلاف ہے۔ بہر حال آیت میں زمین سے دنیا کی زمین مراد ہے اور یہ تمام زمینیں یعنی شام اور ایران کی زمین حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں مفتوح ہوئیں۔ لہٰذا روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ ان دونوں حضرات کی خلافت خدا کے اس وعدہ کے مطابق تھی اور وہ اور ان کے رفقا بلاشبہ عباد صالحین تھے۔

بہرصورت آیت میں اسلام کے ظہور اور غلبہ کی طرف اشارہ ہے اور مخالفین کے لیے تہدید ہے کہ یہ نہ سمجھنا کہ اسلام مٹ جائیگا اور اگر آیت میں "الارض" سے ارض مقدسہ مراد ہو تو اہل کتاب کو تہدید ہوگی کہ تمہارا قبلہ عنقریب مسلمانوں کے زیر نگین آئیگا اور وہ اس کے مالک اور وارث ہونگے اور عنقریب قیصرِ روم کی سلطنت ملک شام سے ختم ہو جائے گی اور مسلمان اس پر قابض ہو جائیں گے۔

اور یہ زمینیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مسلمانوں کے قبضہ میں آئیں جو ان کی حسن تدبیر سے فتح ہوئیں معلوم ہوا کہ خلفاء راشدین بلاشبہ عباد صالحین کا مصداق تھے۔ جن کی خلافت قرآن سے پہلے توریت اور زبور

میں لکھی جا چکی تھی۔

چنانچہ یہ مضمون اب بھی موجودہ بائبل کے زبور ۳۷ میں مذکور ہے چند آیتیں ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔

۹۔ لیکن جن کو خداوند کی آس ہے ملک کے وارث ہونگے۔

۱۱۔ جو حلیم ہیں ملک کے وارث ہونگے جن کو وہ برکت دیتا ہے وہ زمین کے وارث ہونگے۔ دیکھو مجموعہ بائبل، ص: ۵۴۸ از زبور۔

اور توریت میں ابھی اس زمین کی وراثت کی تصریح موجود ہے چنانچہ توریت کتاب پیدائش باب ۱۷ درس ۸ میں ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے یہ وعدہ فرمایا کہ میں تجھ کو اور تیری نسل کو کنعان کا تمام ملک دوں گا۔ (الخ) کنعان کے ملک سے زمین شام مراد ہے دیکھو باب ۱۷ از اول تا آخر جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سراپا نور کی بشارت پر مشتمل ہے۔

شیعہ کیا کہتے ہیں؟

اس آیت کی تفسیر میں علماء شیعہ یہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں نزول عیسیٰ بن مریم علیہما السلام اور ظہور مہدی علیہ السلام کی طرف اشارہ ہے کیونکہ ماقبل میں حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم علیہما السلام کا قصہ مذکور ہے اور قیامت کا بھی ذکر ہے اس لیے ارض سے تمام روئے زمین مراد ہے جس پر امام مہدی علیہ السلام کے زمانہ میں قبضہ ہوگا۔

اہلسنت والجماعت کہتے ہیں

کہ یہ قول قطعاً صحیح نہیں ہے اس لیے کہ اس آیت سے مقصود صحابہ کو خوشخبری سنانا ہے اور ظاہر ہے کہ صحابہ کو ایسی چیز کی خوشخبری سنانا جس کا ظہور قیامت کے قریب ہو اور اس چیز میں سے ان کو کچھ نہ ملے۔ یہ خوشخبری نہیں بلکہ ایک قسم کا مذاق ہے جس سے اللہ تعالیٰ پاک اور منزہ ہے۔ نیز اس آیت میں جو لفظ ﴿عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ﴾ کا مذکور ہے جس کے لفظی معنی نیک بندوں کے ہیں اس سے باجماع مفسرین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مراد ہیں جو اس بشارت کے اولین مصداق ہیں جن کے ہاتھوں پر شام اور ایران فتح ہوا اور حسب وعدہ الٰہی وہ اس کی زمینوں کے وارث ہوئے اور تمام معمورہ ارض پر ان کو اقتدار اعلیٰ حاصل ہوا۔

بہرحال اس آیت میں خلافت راشدہ کی بشارت اور خوشخبری دی گئی ہے اس لیے کہ کلام کی ابتداء ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ﴾ سے ہوئی اور خلافت راشدہ کی بشارت پر کلام کی انتہا ہوئی اور یہ بشارت اور یہ خوشخبری قرآن کریم کی متعدد آیتوں میں مذکور ہے اور یہ بھی مذکور ہے کہ اس دینی اور دنیوی سعادت کا تذکرہ اور شہرہ گزشتہ آسمانی کتابوں میں بھی ہو چکا تھا جیسا کہ سورۂ اعراف میں گزرا کہ ایک مرتبہ موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں اپنی امت کے لیے یہ دعا کہ واکتب لنا فی ھذہ الدنیا حسنۃ وفی الاخرۃ حسنۃ تو بارگاہ الٰہی سے یہ جواب ملا کہ اس انعام دنیوی اور اخروی کا ظہور نبی آخر الزمان کے پیروؤں کے لیے لکھا جا چکا ہے۔ ﴿فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ... الی قولہ... اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ﴾ تفصیل کے لئے سورۂ اعراف کو دیکھیں۔

نیز اس آیت میں یعنی ﴿وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ﴾

میں جس وعدہ کا ذکر فرمایا ہے یہی وعدہ آیت استخلاف یعنی آیت ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ﴾ میں صراحت و وضاحت کے ساتھ مذکور ہے جس کا بیان ان شاء اللہ تعالیٰ سورۂ نور کی تفسیر میں آئے گا۔

اور علیٰ ہذا سورۂ فتح کی آیت ﴿ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ، وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ﴾ میں بھی اسی مضمون کو بیان کیا گیا ہے۔

اور بخاری اور مسلم کی حدیثوں میں واضح الفاظ کے ساتھ صحابہ کرام کے لیے یہ بشارت مذکور ہے کہ تم قیصر و کسریٰ کے خزانوں کو فتح کرو گے۔ اور ان کو باہم تقسیم کرو گے اور ان کو خدا کی راہ میں خرچ کرو گے۔

(اطلاع) اس بارے میں جو تاریخی روایات اور واقعات منقول ہیں وہ شمار سے باہر ہیں اگر ان کی تفصیل درکار ہو تو ازالۃ الخفاء مؤلفہ حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ کی مراجعت کریں۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی صاحب قدس سرہٗ اپنے ایک وعظ میں فرماتے ہیں کہ اس آیت یعنی ﴿وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ﴾ میں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ اس کی وجہ کیا ہے کہ کفار زمین کے کیوں مالک ہوئے، اس لیے کہ یہ قضیہ دائمہ مطلقہ نہیں، بلکہ محض ایک قضیہ مطلقہ عامہ ہے کہ ایک زمانہ میں خدا کے نیک بندے زمین کے وارث ہوں گے۔

یہ نہیں کہا گیا کہ وارث ہمیشہ ہمیشہ نیک بندے ہی ہوا کریں گے اور کافر کبھی وارث نہ ہوں گے اور اطلاق کے صدق کے لیے ایک مرتبہ کا وقوع کافی ہے چنانچہ بحمد اللہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم روئے زمین کے مالک بن چکے ہیں زمانہ عروج اسلام میں کوئی سلطنت مسلمانوں کے مقابلہ کی تاب نہ رکھتی تھی اور اگر آیت میں زمین سے جنت کی زمین مراد ہو تو پھر کوئی اشکال ہی نہیں اس لئے کہ ظاہر ہے کہ جنت کی زمین کے وارث نیک بندے ہی ہو سکتے ہیں۔ (واللہ اعلم)۔ (کذا فی النعم المرغوبہ ص ۶۳ وعظ نمبر ۲۹ از سلسلۂ تبلیغ)

یہ ناچیز کہتا ہے کہ قرآن کریم میں جہاں کہیں بھی مسلمانوں سے غلبہ و فتح اور نصرت کا وعدہ کیا گیا ہر جگہ ایمان اور عمل صالح کی قید اور شرط مذکور ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ ﴿وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ اور اس آیت میں ﴿عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ﴾ کا لفظ مذکور ہے اور آئندہ سورت یعنی سورۂ حج میں آنے والی آیت میں ﴿وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ﴾ میں ﴿اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ کے شرائط اور قیود مذکور ہیں اور آئندہ سورۂ نور میں جو آیت استخلاف آنے والی ہے اس میں بھی ایمان اور عمل صالح کی قید مذکور ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي

الْاَرْضِ﴾۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جس سلطنت کا وعدہ فرمایا ہے وہ اہل ایمان اور صالحین سے فرمایا ہے۔

اب اس زمانہ میں اسلامی سلطنتوں پر جو زوال اور اختلال کے بادل منڈلا رہے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ارکان دولت محض زبان سے رعایا کے خوف سے اسلام کا نام لے لیتے ہیں ورنہ در پردہ ایمان اور عمل صالح سے کورے ہیں۔ محض نام کے مسلمان ہیں اور اندرونی طور پر دشمنان اسلام کے نمک خوار اور حاشیہ بردار بنے ہوئے ہیں اور ظاہری طور پر دشمنان اسلام کے ہمرنگ بنے ہوئے ہیں کھانا اور پہننا اور اٹھنا اور بولنا اور لکھنا پڑھنا سب انگریزی وغیرہ وغیرہ۔ اسلام اور مسلمانوں سے ان لوگوں کو کوئی ہمدردی نہیں اس قسم کے نام کے مسلمانوں سے اللہ تعالیٰ نے خلافت ارضیہ اور زمین کی وراثت کا کوئی وعدہ نہیں فرمایا۔ بحمدہ تعالیٰ آج بھی روئے زمین پر مسلمانوں کی بہت سی سلطنتیں ہیں اور مال و دولت سے مالا مال ہیں مگر اسلام کے رنگ سے خالی ہیں اگر خلفائے راشدین کے طریقہ پر چلیں تو پھر وہی عروج حاصل ہوسکتا ہے اللہ کا وعدہ اپنی جگہ پر برحق اور صدق ہے سارا قصور ہمارا ہی ہے۔

ہنوز آں ابر رحمت درفشاں است
خم و خمخانہ بامہر و نشاں است

حق جل شانہ کا ارشاد ہے ﴿وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْۤ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ﴾ اے بندو تم میرے عہد کو پورا کرو میں تمہارے عہد کو پورا کروں گا۔

اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰۤى

اس میں مطلب کو پہنچتے ہیں لوگ بندگی والے ف۱ اور تجھ کو جو ہم نے بھیجا سو مہربانی کر جہان کے لوگوں پر ف۲ تو کہہ مجھ کو تو حکم

اس میں مطلب کو پہنچتے ہیں ایک لوگ بندگی والے۔ اور تجھ کو جو ہم نے بھیجا، سو مہر کر کر جہان کے لوگوں پر۔ تو کہہ، مجھ کو تو حکم

ف۱ یعنی اس قسم کی بشارات سن کر خدائے واحد کی بندگی کرنے والے اپنے مطلب کو پہنچتے ہیں، یا اس قرآن کریم میں جو ایسی عظیم بشارات و ہدایت پر مشتمل ہے بندگی کرنے والوں کے لیے کافی منفعت اور کامیابی ہے۔

ف۲ یعنی آپ تو سارے جہان کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ اگر کوئی بدبخت اس رحمت عامہ سے خود ہی منتفع نہ ہو تو یہ اس کا قصور ہے۔ آفتاب عالمتاب سے روشنی اور گرمی کا فیض ہر طرف پہنچتا ہے لیکن کوئی شخص اگر اپنے اوپر تمام دروازے اور سوراخ بند کر لے تو یہ اس کی دیوانگی ہوگی۔ آفتاب کے عموم فیض میں کوئی کلام نہیں ہوسکتا اور یہاں تو رحمۃ للعالمین کا حلقہ فیض اس قدر وسیع ہے کہ جو محروم القسمت مستفید ہونا نہ چاہے اس کو بھی کسی نہ کسی درجہ میں بے اختیار رحمت کا حصہ پہنچ جاتا ہے۔ چنانچہ دنیا میں علوم نبوت اور تہذیب و انسانیت کے اصول کی عام اشاعت سے ہر مسلم و کافر اپنے اپنے مذاق کے موافق فائدہ اٹھاتا ہے۔ نیز حق تعالیٰ نے وعدہ فرمالیا ہے کہ پہلی امتوں کے برخلاف اس امت کے کافروں کو عام و مستاصل عذاب سے محفوظ رکھا جائے گا۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عام اخلاق کے علاوہ جن کافروں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم جہاد کرتے تھے وہ بھی مجموعہ عالم کے لیے سراسر رحمت تھا کیونکہ اس کے ذریعہ سے اس رحمت کبریٰ کی حفاظت ہوتی تھی جس کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم حامل بن کر آئے تھا اور بہت سے اندھے جو آنکھیں بنوانے سے بھاگتے تھے اس سلسلہ میں ان کی آنکھوں میں بھی خواہ مخواہ ایمان کی روشنی پہنچ جاتی تھی، ایک حدیث میں ہے "وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَاُقَتِّلَنَّهُمْ وَلَاُصَلِّبَنَّهُمْ وَلَاُهْدِيَنَّهُمْ وَهُمْ كَارِهُوْنَ اِنِّيْ رَحْمَةٌ بَعَثَنِيَ اللّٰهُ وَلَا يَتَوَفَّانِيْ حَتّٰى يُظْهِرَ اللّٰهُ دِيْنَهٗ" (ابن کثیر) ان الفاظ سے آپ کے "رحمۃ للعالمین" ہونے کا مطلب زیادہ وسعت کے ساتھ سمجھ میں آسکتا ہے۔

اِلَیَّ اَنَّمَاۤ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰی

یہی آیا ہے کہ معبود تمہارا ایک معبود ہے پھر کیا ہو تم حکم برداری کرنے والے ف۱ پھر اگر وہ منہ موڑیں تو تو کہہ دے میں نے خبر دی تم کو

یہی آتا ہے کہ صاحب تمہارا ایک صاحب ہے۔ پھر ہو تم حکم برداری کرتے پھر اگر منہ موڑیں تو تو کہہ، میں نے خبر کر دی تم کو

سَوَآءٍ ؕ وَاِنْ اَدْرِیْۤ اَقَرِیْبٌ اَمْ بَعِیْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ اِنَّهٗ یَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ

دونوں طرف برابر ف۲ اور میں نہیں جانتا نزدیک ہے یا دور ہے جو تم سے وعدہ ہوا ف۳ وہ رب جانتا ہے جو بات پکار کر کرو

دونوں طرف برابر۔ اور میں نہیں جانتا، نزدیک ہے یا دور ہے جو تم کو وعدہ ملتا ہے۔ وہ رب جانتا ہے پکار کی بات

وَیَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ وَاِنْ اَدْرِیْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ ﴿۱۱۱﴾ قٰلَ رَبِّ

اور جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو ف۴ اور میں نہیں جانتا شاید تاخیر میں تم کو جانچنا ہے اور فائدہ دینا ہے ایک وقت تک ف۵ رسول نے کہا اے رب

اور جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو۔ اور میں نہیں جانتا، شاید اس میں تم کو جانچنا ہے، اور برتوانا (فائدہ پہنچانا) ایک وقت تک۔ رسول نے کہا اے رب!

احْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰی مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ ع

فیصلہ کر انصاف کا ف۶ اور رب ہمارا رحمٰن ہے اسی سے مدد مانگتے ہیں ان باتوں پر جو تم بتلاتے ہو ف۷

فیصلہ کر انصاف کا۔ اور رب ہمارا رحمٰن ہے، اسی سے مدد مانگتے ہیں، ان باتوں پر جو تم بتاتے ہو۔

خاتمۂ سورت بر اتمام حجت

بہ تنزیل کتاب ہدایت و بعثت رسول رحمت علیہ الصلوٰۃ والسلام

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿اِنَّ فِیْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِیْنَ ... الی ... وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰی مَا تَصِفُوْنَ﴾

ف۱ یہ رسالت کے ساتھ توحید کا بیان ہوا۔ یعنی جو رحمت عظیمہ لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں اس کا لب لباب توحید کامل ہے اور یہ ایسا صاف وواضح مضمون ہے جس کے قبول کرنے میں آدمی کو کچھ پس وپیش نہ ہونا چاہیے۔ پس کیا تم حکم ماننے اور حق کے سامنے گردن ڈال دینے کے لیے تیار ہو؟ اگر ہو تو فبہا ونعمت، ورنہ میں تبلیغ کر کے بری الذمہ ہو چکا۔ تم اپنا انجام سوچ لو۔

ف۲ یعنی اس قدر اتمام حجت کے بعد بھی نہ مانو، تو میں تم کو خبر کر چکا کہ اب میں تم سے بیزار اور تم مجھ سے علیحدہ، تمہارا عمل تمہارے ساتھ اور میرا عمل میرے ساتھ۔ ہر ایک کا جو نتیجہ ہو گا سامنے آ جائے گا حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں" دونوں طرف برابر یعنی ابھی تم دونوں بات کر سکتے ہو (قبول کر دیا رد کرد) ایک طرف کا زور نہیں آیا۔"

ف۳ یعنی تمہارے نہ ماننے پر جو عذاب کا وعدہ ہے وقوع تو اس کا ضرور بالضرور ہو کر رہے گا۔ لیکن میں یہ نہیں جانتا کہ جلد ہو گا یا بدیر۔

ف۴ وہی ہر ایک کھلی چھپی بات کو جانتا ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ کس بات کی کیا جزا ملنی چاہیے اور کب ملنی چاہیے۔

ف۵ یعنی تاخیر عذاب میں ممکن ہے تم کو جانچنا ہو کہ اس مدت میں کچھ سمجھ لو اور شرارتوں سے باز آ جاؤ۔ یا محض ڈھیل دینا ہو کہ ایک مدت تک دنیا میں پھنس کر شقاوت کا پیمانہ پوری طرح لبریز کر لو۔

ف۶ یعنی جیسے ہر معاملہ کا فیصلہ انصاف کے ساتھ کرنا آپ کی شان ہے، اسی کے موافق میرے اور میری قوم کے درمیان جلدی فیصلہ فرما دیجئے۔

ف۷ یعنی اسی سے ہم فیصلہ چاہتے ہیں اور کافروں کی خرافات کے مقابلہ میں اسی سے مدد مانگتے ہیں۔ اسی طرح کی دعا انبیا علیہم السلام کیا کرتے تھے ﴿رَبَّنَا افْتَحْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَیْرُ الْفٰتِحِیْنَ﴾ (اعراف، رکوع ۱۱) کیونکہ اصل میں نہیں۔ اور سیاق ہونے کا مقتضیٰ ہے۔ انہیں اپنی حقانیت و صداقت اور حق تعالیٰ کے عدل وانصاف پر پورا وثوق واعتماد ہوتا تھا۔ تم سورۃ الانبیاء وللہ الحمد والمنۃ۔

ربط:...... یہ سورت کا خاتمہ ہے جس میں یہ بتلاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری ہدایت کے لیے یہ قرآن نازل کیا اور ایسے نبی کو تمہارے لئے مبعوث کیا جو تمام جہانوں کے لیے رحمت ہے جس کے اتباع کی برکت سے تم کو دینی اور دنیوی نعمت اور سعادت اور زمین کی وراثت اور بادشاہت میسر آئی۔ اللہ نے تم پر حجت پوری کر دی۔ نبی کے ذمہ صرف تبلیغ ہے سو وہ آپ کر چکے اب رہ گیا کہ قیامت اور حساب و کتاب کا وقت کب آئے گا جس کے متعلق یہ اہل غفلت اور معترضین آپ ﷺ سے سوال کرتے ہیں تو کہہ دیجئے کہ مجھے اس کا علم نہیں کہ وعدہ حساب و کتاب قریب ہے یا بعید ہے، خدا ہی اس کو خوب جانتا ہے میں تو صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ شاید عذاب کی تاخیر تمہارے لیے آزمائش اور چند روزہ تمتع اور مہلت ہو۔ (واللہ اعلم)

شروع سورت میں بھی قرب قیامت اور حساب آخرت کا ذکر تھا اور سورت کے اخیر میں بھی یہی مضمون ذکر فرمایا اور اسی مضمون پر سورت کو ختم فرمایا۔ اس طرح خاتمۂ سورت کو ابتداء سورت کے ساتھ غایت درجہ مناسبت ہو گئی۔

چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق اس قرآن میں جو محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا جو وعدہ اور وعید اور حکمت و موعظت پر مشتمل ہے۔ عبادت گزاروں کے لیے کفایت ہے کہ اس کے ذریعہ دینی اور دنیوی سعادت حاصل کر سکتے ہیں اور یہ قرآن مسافران آخرت کے لیے کافی اور شافی زادراہ ہے جو منزل مقصود تک پہنچانے کے لیے کافی ہے عابدین سے وہ لوگ مراد ہیں جن کا مقصود زندگی ہی بندگی اور اطاعت ہے۔

اور جس طرح ہم نے اس قرآن کو ہدایت اور رحمت کے لیے نازل کیا ہے اسی طرح اے نبی ہم نے تجھ کو بھیجا ہے تو دنیا جہان کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے کہ آپ ﷺ نے خدا کا راستہ بتلایا اور حلال و حرام کی تفصیل کی اور اخلاق کاملہ اور آداب فاضلہ کی تعلیم کی اور آپ ﷺ کے اتباع کی برکت سے آپ ﷺ کی امت کو وراثت زمین اور فرمانروائی کا پروانہ ملا اور آپ کی برکت سے خسف اور مسخ اور قذف کا عذاب استیصال اٹھا لیا گیا۔ جو گزشتہ امتوں پر دنیا میں نازل ہوا اور اس وجہ سے حدیث میں آیا ہے انما انا رحمة مهداة یعنی جز ایں نیست کہ میں تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدیۂ رحمت ہوں اور قیامت کے دن آنحضرت ﷺ کی شفاعت کبریٰ اور خاص کر گناہ گاران امت کے لیے آپ کی شفاعت یہ بھی اس رحمت عامہ کا ایک فرد ہے۔

نظم

عاصیان پر گنہ در دامن آخر فرماں
دست در دامان تو داندو جان در آستیں
ناامید از مغفرت بانصرتت نتواں شدن
چوں توئی در ہر دو عالم رحمت للعالمین

اے نبی آپ ان مشرکین سے کہہ دیجئے کہ میری طرف تو بس یہی وحی نازل کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود صرف ایک ہی معبود ہے میری بعثت کا مقصد اول بھی توحید ہے۔

پس کیا تم اس کا حکم مانتے ہو یعنی توحید اور اخلاص کی جو وحی میری طرف آتی ہو اس کو مانو پھر اگر وہ اس کے ماننے

سے منہ موڑیں تو کہہ دیجئے کہ میں نے تم کو صاف طور پر خبردار کر دیا ہے کہ اس کے جاننے میں ہم اور تم سب برابر ہوئے۔ واضح طور پر سب کو اس کی اطلاع دے دی گئی۔

اور میں نہیں جانتا کہ جو وعدہ تم سے کیا جاتا ہے اس کا وقوع قریب ہے یا کچھ دور ہے اور وعدہ سے قیامت اور حشر کا وعدہ مراد ہے یا اسلام اور مسلمانوں کے غلبہ کا وعدہ مراد ہے۔

بیشک اللہ خوب جانتا ہے آشکارا بات کو۔ اور اس بات کو بھی خوب جانتا ہے جو تم سینوں میں چھپاتے ہو اس کو تمہارا چھپا اور کھلا حال سب معلوم ہے۔

اور میں نہیں جانتا شاید اس وعدہ کی تاخیر تمہارے لیے آزمائش ہو اور شاید تمہارے لیے ایک وقت معین تک مہلت ہو کہ ممکن ہے کہ تم اس مہلت سے کچھ فائدہ اٹھا لو کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو فوراً نہیں پکڑا۔ بہرحال اللہ ہی کو معلوم ہے کہ اس تاخیر میں کیا مصلحت ہے بعد ازاں رسول نے بحکم خداوندی یہ دعا کی کہ اے میرے پروردگار میرے اور میرے جھٹلانے والوں کے درمیان انصاف سے فیصلہ کر دیجئے یعنی حق کو باطل پر اور صادق کو کاذب پر فتح اور غلبہ دیکر فیصلہ کر دیجئے جیسا کہ حق تعالیٰ نے انبیا کی یہ دعا نقل کی ہے۔ ﴿رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَأَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ﴾ ۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ دعا قبول فرمائی چنانچہ حق تعالیٰ نے بدر کے دن فیصلہ کر دیا اور ہمارا پروردگار بڑا مہربان ہے جس سے مدد چاہی جاتی ہے ان باتوں کے مقابلے میں جو تم کہتے ہو جیسا کہ وہ کہتے تھے کہ اگر یہ دین حق ہے تو ہم پر عذاب کیوں نہیں آتا وہ کہتے تھے کہ اسلام تو عنقریب ختم ہو جائے گا اور کبھی کہتے کہ یہ شخص تو ساحر ہے یا شاعر ہے یا مجنون ہے۔ کفار کی اس قسم کی باتوں کے بارے میں آنحضرت ﷺ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتے تھے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی مدد فرمائی اور اپنی رحمت اور عنایت سے آپ ﷺ کو غلبہ عطا فرمایا۔

مراد خویش زدرگاہ بادشاہی خواہ کہ ہیچ کس نشود ناامید زاں درگاہ

الحمد للہ بوقت نماز صبح ۱۰ ذی الحجۃ الحرام یوم یکشنبہ سنہ ۱۳۹۰ھ سورۂ انبیا کی تفسیر سے فراغت پائی۔

فللّٰہ الحمد اولا و آخرا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تفسیر سورۃ الحج

سورۂ حج مدنی ہے مدینہ میں نازل ہوئی مگر چار آیتیں مکی ہیں ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ﴾ سے لے کر ﴿عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيْمٍ﴾ تک چونکہ اس سورت میں حج کا احکام کا ذکر ہے۔ لہٰذا یہ سورت الحج کے نام سے مشہور ہوئی اس میں اٹھہتر آیتیں اور دس رکوع ہیں اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ سورت مکی ہے مگر چھ آیتیں ﴿هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ﴾ سے ﴿صِرَاطِ الْحَمِيْدِ﴾ تک مدنی ہیں اور امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جمہور علما کے نزدیک یہ سورت مختلط ہے بعض آیتیں اس کی مکی ہیں اور بعض مدنی ہیں اور یہی قول صحیح اور راجح ہے۔

مسند احمد اور سنن ابی داؤد و ترمذی میں عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سورۂ حج کو دوسری سورتوں پر اس لیے فضیلت دی گئی کہ اس میں دو سجدے ہیں۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند قوی نہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے یہی منقول ہے کہ اس سورت میں دو سجدے ہیں اور عبداللہ بن مبارک اور امام شافعی اور امام احمد اور اسحاق بن راہویہ رحمہم اللہ کا بھی یہی مذہب ہے اور بعض صحابہ اس طرف گئے ہیں کہ اس سورت میں صرف ایک ہی سجدہ ہے یعنی صرف پہلا سجدہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور سفیان ثوری رحمہ اللہ اور علماء کوفہ کا مذہب بھی یہی ہے کہ اس سورت میں ایک سجدہ ہے صرف پہلا سجدہ۔ تفصیل کے لیے شرح بخاری اور ہدایہ دیکھیں۔

(۲۲ سُوْرَۃُ الْحَجِّ مَدَنِیَّۃٌ ۱۰۳) (بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ) (ایاتها ۷۹ رکوعاتها ۱۰)

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ① يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ

لوگو ڈرو اپنے رب سے بیشک بھونچال قیامت کا ایک بڑی چیز ہے جس دن اس کو دیکھو گے بھول جائے گی

لوگو! ڈرو اپنے رب سے۔ بیشک بھونچال قیامت کا ایک بڑی چیز ہے۔ جس دن اس کو دیکھو گے، بھول جاوے گی

كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا

ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پلائے کو، اور ڈال دے گی ہر پیٹ والی اپنا پیٹ اور تو دیکھے لوگوں پر نشہ اور ان پر

ہر دودھ پلانے والی اپنے پلائے کو، اور ڈال دے گی ہر پیٹ والی اپنا پیٹ، اور تو دیکھے لوگوں پر نشہ، اور ان پر

هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ②

نشہ نہیں پر آفت اللہ کی سخت ہے ف ۱

نشہ نہیں پر آفت اللہ کی سخت ہے۔

آغاز سورت بحکم تقوی کہ آں بہترین زاد آخرت است و تخویف از زلزلہ قیامت کہ ذکر آں غفلت است

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ... الی ... وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ﴾

ف ۱ قیامت کے عظیم الشان زلزلے (بھونچال) دو ہیں۔ ایک عین قیام قیامت کے وقت یا نفخہ ثانیہ کے بعد دوسرا قیامت سے کچھ پیشتر جو علامات قیامت میں سے ہے۔ اگر یہاں دوسرا مراد ہو تو آیت اپنے ظاہر معنی پر رہے گی اور پہلا مراد ہو تو دونوں احتمال ہیں، حقیقۃً زلزلہ آئے اور دودھ پلانے والی یا حاملہ عورتیں اپنی اسی ہیئت پر محشور ہوں۔ یا زلزلہ سے مراد وہاں کے اہوال و شدائد ہوں اور ﴿يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ﴾ الخ کو تمثیل پر حمل کیا جائے یعنی اس قدر گھبراہٹ اور سختی ہوگی کہ اگر دودھ پلانے والی عورتیں موجود ہوں تو مارے گھبراہٹ اور شدت ہول کے اپنے بچوں کو بھول جائیں اور حاملہ عورتوں کے حمل ساقط ہو جائیں۔ اس وقت لوگ اس قدر مدہوش ہوں گے کہ دیکھنے والا شراب کے نشہ کا گمان کرے حالانکہ وہاں نشہ کا کیا کام۔ خدا کے عذاب کا تصور اور اہوال و شدائد کی سختی ہوش گم کر دے گی۔

(تنبیہ) اگر یہ گھبراہٹ سب کو عام ہو تو ﴿لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ﴾ میں نفی باعتبار اکثر احوال کے اور یہاں اثبات باعتبار ساعت قلیلہ کے لیا جائے گا اور اگر آیت حاضرہ اکثر ناس کے حق میں ہو سب کے حق میں نہ ہو تو سرے سے اشکال ہی نہیں۔

ربط:...... پہلی سورت یعنی سورۃ الانبیا کا آغاز بھی قیامت کے حساب وکتاب سے ہوا تھا۔ اس سورت کا آغاز بھی قیامت کے ہولناک زلزلہ سے فرمایا اور سب سے پہلے تقویٰ کا حکم دیا۔ اس لیے کہ تقویٰ بہترین توشہ آخرت ہے کما قال تعالیٰ ﴿وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى﴾ نیز تقویٰ تمام انبیا کرام کی متفقہ وصیت ہے کما قال تعالیٰ ﴿وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا﴾۔

اور چونکہ تقویٰ اور خوف خداوندی پر سب سے زیادہ برانگیختہ کرنے والی چیز قیامت کے ہولناک احوال اور راہوال ہیں۔ اس لیے سورت کا آغاز قیامت کے احوال اور اہوال سے فرمایا اور سب سے پہلے اپنے سے ڈرنے کا حکم دیا اور اس کے بعد قیامت کے ہولناک واقعات کا بیان شروع کیا کہ اس دن ایک سخت زلزلہ آئے گا تاکہ اس سے حفاظت کی تیاری کرو اور جان لو کہ سخت وقت میں انسان کو تقویٰ ہی کام دے گا۔ چنانچہ فرماتے ہیں اے لوگو اپنے پروردگار سے ڈرو [1] اور اس کی نافرمانی سے بچو مبادا اس کی ناشکری میں مبتلا ہو کر اس کے قہر کے مستحق بنو۔ بیشک قیامت کا بھونچال بڑی سخت چیز ہے۔ جس سے دنیا میں تہلکہ اور کہرام مچ جائے گا عجیب وغریب حادثہ ہوگا جس سے بڑھ کر کوئی حادثہ نہیں اور ایسی ہلچل ہوگی کہ جس سے بڑھ کر کوئی ہلچل نہیں اور جس کے ادراک سے عقلیں قاصر ہیں۔ "زلزلہ" کے معنی لغت میں شدید اور ہولناک حرکت کے ہیں جو زَلّ کی تضعیف ہے اور زَلّ کے معنی قدم پھسل جانے کے ہیں جس روز تم اس زلزلہ کو دیکھو گے تو اس روز یہ حال ہوگا کہ ہول کے مارے ہر دودھ پلانے والی اپنے اس [2] بچہ سے غافل ہو جائے گی جس کو وہ دودھ پلا رہی ہے اس سے بڑھ کر کیا آفت اور مصیبت ہوگی کہ ماں اپنے شیرخوار بچہ کو بھول جائے اور شدت ہول کی وجہ سے ہر حمل والی عورت حمل کی مدت پوری ہونے سے پہلے ہی اپنے حمل کو ڈال دے گی یعنی ڈر کے مارے حمل ساقط ہو جائیگا اور دیکھے گا تو اس دن لوگوں کو کمال دہشت کی وجہ سے نشہ میں مست ہوا۔ حالانکہ حقیقت میں وہ نشہ والے نہ ہوں گے ولیکن اللہ کا عذاب سخت ہے اس کی ہول اور دہشت کی وجہ سے مست اور مدہوش نظر آئیں گے لیکن حقیقت میں وہ مست نہ ہونگے ان کی بدحواسی کو دیکھنے والا خیال کریگا کہ یہ نشہ پیئے ہوئے ہیں۔ مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ زلزلہ جس کا اس آیت میں ذکر ہے وہ کب ہوگا۔

زلزلہ مذکورہ میں مفسرین کے اقوال

قول اول:...... یہ زلزلہ دنیا میں ہوگا اور یہ زلزلہ قیامت کی نشانیوں میں سے ہے اخیر زمانہ میں قیامت کے قریب ظہور ہوگا اور اس کے بعد آفتاب مغرب سے طلوع کریگا یعنی قیامت قائم ہونے سے پہلے زمین زلزلہ میں لائی جائیگی کما قال اللہ تعالیٰ ﴿اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۝ وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا﴾ ﴿وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ۝ فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ﴾ الآیۃ ﴿اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا ۝ وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ۝ فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْبَثًّا﴾ اور اس قول کے قائلین کی دلیل یہ ہے کہ قیامت کے دن نہ کوئی مرضعہ ہوگی اور نہ کوئی حاملہ ہوگی معلوم ہوا کہ یہ واقعہ

[1] اشارہ اس طرف ہے کہ تقویٰ کے دو معنی ہیں: (۱) ڈرنے کے اور (۲) بچنے کے۔ آیت میں ہر معنی کا مراد لینا درست ہے۔

[2] اشارہ اس طرف ہے کہ ﴿عَمَّآ اَرْضَعَتْ﴾ میں "ما" موصولہ ہے بمعنی الذی یا بمعنی مَنْ جس سے مراد بچہ ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ﴿عَمَّآ اَرْضَعَتْ﴾ میں لفظ ما مصدریہ ہو یعنی عن ارضاعها۔ ۱۲

دنیا سے متعلق اور یہ زلزلہ اخیر عمر دنیا میں روز قیامت سے پہلے ہوگا اور زلزلہ کی اضافت قیامت کی طرف اس لیے ہے کہ اس کے قریب ہوگا جسے اشراط الساعت کہتے ہیں۔

قول دوم:...... یہ زلزلہ قیامت کے دن نفخۂ اولیٰ کے ساتھ ہوگا جس دن صور پھونکا جائیگا اس دن زمین کانپ اٹھے گی اور جیسے کشتی موجوں میں ہلنے لگتی ہے اس طرح زمین ہلنے لگے گی۔ کما قال اللہ تعالیٰ ﴿يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۝ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ﴾۔

قول سوم:...... یہ زلزلہ اس وقت ہوگا کہ جب لوگ نفخۂ ثانیہ کے بعد اپنی قبروں سے اٹھ کر میدان حشر کی طرف روانہ ہوں گے حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے اور اس بارہ میں چند احادیث ذکر کی ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ زلزلہ قیام قیامت اور قبروں سے اٹھنے کے بعد ہوگا۔

امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آیت قرآنی میں اس زلزلہ کے وقت کی کوئی تصریح نہیں۔ لہٰذا نظم قرآنی میں سب کی گنجائش موجود ہے۔ (دیکھو تفسیر کبیر)

قول چہارم:...... یہ ہے کہ آیت میں زلزلہ سے روز قیامت کے اہوال اور دہشت ناک احوال مراد ہوں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ﴿مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوا﴾ اور حدیث میں ہے۔ اللھم اھزمھم وزلزلھم (دیکھو تفسیر قرطبی: ۱۲ / ۴)

پس اگر اس آیت میں قیام قیامت سے پہلے دنیا میں زمین کا زلزلہ مراد ہو تو یہ آیت اپنی حقیقت پر محمول ہوگی کہ جس وقت یہ زلزلہ آئیگا تو اس وقت حقیقتاً ایسا ہوگا کہ حاملہ عورتوں کا حمل ساقط ہو جائے گا اور دودھ پلانے والی دودھ پلانے سے غافل ہو جائے گی۔

اور اگر عین قیام قیامت کے وقت یا قیام قیامت کے بعد کا زلزلہ مراد ہو تو دو احتمال ہیں ایک تو یہ کہ حقیقۃً ایسا ہی ہوگا کہ جو عورتیں دودھ پلانے کی حالت میں مری ہیں یا حمل کی حالت میں مری ہیں وہ قیامت کے دن اس حالت میں زندہ کی جائیں گی اور بچہ کو دودھ پلاتی ہوئی قبروں سے اٹھیں گی اور قیامت کے دن ان کی یہ حالت ہوگی اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس کلام کو تمثیل اور تصویر پر محمول کیا جائے کہ اگر حاملہ عورتیں اس حالت کو دیکھیں تو ان کے حمل گر جائیں۔ مقصود اس روز کی ہول و دہشت کی تصویر بیان کرنا ہے حقیقی معنی مراد نہیں اور مقصود یہ ہے کہ روز قیامت سخت ہولناک ہے تقویٰ اور پرہیزگاری اختیار کرو تاکہ اس دن کی شدت سے محفوظ رہو اور اس بارہ میں بکثرت احادیث وارد ہوئی ہیں۔ جن میں روز قیامت کے اہوال اور احوال کو بیان کیا گیا ہے چنانچہ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں تھے۔ (یعنی غزوہ بنی المصطلق میں تھے) کہ اثناء سفر میں رات کے وقت یہ دو آیتیں نازل ہوئیں۔ ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ ۚ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ ... تا ... وَلَٰكِنَّ عَذَابَ اللَّهِ شَدِيدٌ﴾ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو جمع کر کے یہ آیتیں پڑھ کر سنائیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم ان کو سن کر اس قدر روئے کہ اس رات سے زیادہ کبھی نہیں روئے تھے اور ایسے غمگین اور متفکر ہوئے کہ نہ کھانا پکایا اور نہ خیمے لگائے اور نہ سواریاں باندھیں۔ جب صحابہ آپ کے گرد جمع ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ یہ کونسا دن ہے۔ یہ وہ دن ہے کہ

جب اللہ تعالیٰ آدم علیہ السلام کو پکارے گا تو آدم علیہ السلام عرض کریں گے کہ اے پروردگار حاضر ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تیرا پروردگار تجھ کو حکم دیتا ہے کہ اپنی اولاد میں سے دوزخ کا لشکر نکال جو دوزخ کی طرف بھیجے جائیں گے۔ آدم علیہ السلام عرض کریں گے کہ اے میرے پروردگار اس کی مقدار اور اندازہ کیا ہے اور اس لشکر کی تعداد کتنی ہے حکم ہوگا ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے۔ اس وقت حاملہ عورتیں کے حمل گر پڑیں گے اور بچے بوڑھے ہو جائیں گے اور لوگ نشہ میں معلوم ہوں گے حالانکہ وہ نشہ میں نہ ہوں گے لیکن اللہ کا عذاب سخت ہوگا۔ یہ سن کو صحابہ رضی اللہ عنہم کے چہرہ غم کے مارے متغیر ہو گئے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ ایک ہم سے کون کون ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم کو یاجوج و ماجوج سے وہ نسبت ہے جو ایک کو نو سو ننانوے سے ہے اور تمہاری نسبت پہلی امتوں کے ساتھ ایسی ہے جیسے سفید بیل کے جسم میں سیاہ بال ہو یا سیاہ بیل کے جسم میں سفید بال ہو اور فرمایا کہ میں امید کرتا ہوں کہ تم جنتیوں میں چہارم حصہ ہو گے۔ یہ سن کر ہم نے خوشی سے تکبیر کہی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلکہ میں امید کرتا ہوں کہ تم جنتیوں میں ایک تہائی ہو گے۔ ہم نے خوشی سے تکبیر کہی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم جنتیوں میں نصف ہو گے۔ ہم نے تکبیر کہی۔ اس حدیث کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب التفسیر میں ذکر کیا ہے۔ دیکھو تفسیر ابن کثیر: ۳/ ۲۰۴۔

اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک تو یہ کہ زلزلہ قیامت کے دن ہوگا۔ دوم یہ کہ یہ دونوں آیتیں غزوہ بنی المصطلق سے واپسی میں نازل ہوئیں معلوم ہوا کہ یہ آیتیں مدنی ہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ۝ كُتِبَ عَلَيْهِ

اور بعضے لوگ وہ ہیں جو جھگڑتے ہیں اللہ کی بات میں بے خبری سے ف۱ اور پیروی کرتا ہے ہر شیطان سرکش کی ف۲ جس کے حق میں لکھ دیا گیا ہے

اور بعضا شخص ہے جو جھگڑتا ہے اللہ کی بات میں بن خبر، اور ساتھ پکڑتا ہے ہر شیطان بے حکم کا۔ جس کی قسمت میں لکھا ہے

اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ وَيَهْدِيْهِ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ۝ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ

کہ جو کوئی اس کا رفیق ہو سو وہ اس کو بہکائے اور لے جائے عذاب میں دوزخ کے ف۳ اے لوگو اگر تم کو دھوکا ہے جی

جو کوئی رفیق ہو، سو وہ اس کو بہکاوے اور لے جاوے عذاب میں دوزخ کے۔ لوگو! اگر تم کو دھوکہ (شک) ہے جی

رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ

اٹھنے میں تو ہم نے تم کو بنایا ف۴ مٹی سے پھر قطرہ سے ف۵ پھر جمے ہوئے خون سے پھر گوشت کی بوٹی نقشہ بنی ہوئی سے

اٹھنے میں، تو ہم نے تم کو بنایا مٹی سے، پھر بوند سے، پھر پھٹکی سے، پھر بوٹی سے، نقشہ بنی اور بن

ف۱ یعنی اللہ تعالیٰ جن باتوں کی خبر دیتا ہے ان میں یہ لوگ جھگڑتے اور کج بحثیاں کرتے ہیں اور جہل و بے خبری سے عجیب احمقانہ شبہات پھیلاتے ہیں۔ چنانچہ قیامت، بعث بعد الموت اور جزاء وسزا وغیرہ پر ان کا بڑا اعتراض یہ ہے کہ جب آدمی مر کر گل سڑ گیا اور ہڈیاں تک ریزہ ریزہ ہو گئیں تو یہ کیسے سمجھ میں آئے کہ وہ پھر زندہ ہو کر اپنی اصلی حالت پر لوٹ آئے گا۔

ف۲ یعنی جن یا آدمیوں میں کا جو شیطان اس کو اپنی طرف بلائے یہ فوراً اسی کے پیچھے چل پڑتا ہے گویا گمراہ ہونے کی ایسی کامل استعداد رکھتا ہے کہ کوئی شیطان کسی طرف پکارے یہ اس پر لبیک کہنے کے لیے تیار رہتا ہے۔

ف۳ یعنی شیطان مرید کے متعلق یہ طے شدہ امر ہے کہ جو اس کی رفاقت اور پیروی کرے وہ اپنے ساتھ اسے بھی لے ڈوبتا ہے اور گمراہ کر کے دوزخ سے ورے =

مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ؕ وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى

اور بدون نقشہ بنی ہوئی سے ف۱ اس واسطے کہ تم کو کھول کر سنا دیں ف۲ اور ٹھہرا رکھتے ہیں ہم پیٹ میں جو کچھ چاہیں ایک وقت معین تک ف۳

نقشہ بنی، اس واسطے کہ تم کو کھول سناویں۔ اور ٹھہرا رکھتے ہیں ہم پیٹ میں جو کچھ چاہیں ایک ٹھہرے وعدہ تک،

ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى

پھر تم کو نکالتے ہیں لڑکا پھر جب تک کہ پہنچو اپنی جوانی کے زور کو اور کوئی تم میں سے قبضہ کرلیا جاتا ہے اور کوئی تم میں سے پھر چلایا

پھر تم کو نکالتے ہیں لڑکا، پھر جب تک پہنچو اپنی جوانی کے زور کو، اور کوئی تم میں پورا بھر لیا، اور کوئی تم میں چلایا

اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا ؕ وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا

جاتا ہے نکمی عمر تک تاکہ سمجھنے کے پیچھے کچھ نہ سمجھنے لگے ف۴ اور تو دیکھتا ہے زمین خراب پڑی ہوئی، پھر جہاں ہم نے اتارا

نکمی عمر تک، تا سمجھ کے پیچھے کچھ نہ سمجھنے لگے۔ اور تو دیکھتا ہے زمین میں دبی پڑی، پھر جہاں ہم نے اتارا

عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ⑤ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ

اس پر پانی تازی ہوگئی اور ابھری اور اگائیں ہر قسم قسم رونق کی چیزیں ف۵ یہ سب کچھ اس واسطے کہ اللہ وہی ہے محقق

اس پر پانی، تازی ہوئی اور ابھری، اور اگائیں ہر بھانت بھانت رونق کی چیزیں۔ یہ اس واسطے کہ اللہ وہی ہے تحقیق،

=نہیں چھوڑتا۔

ف۴ یعنی اگر یہ دھوکا لگ رہا ہے کہ ریزہ ریزہ ہوکر دوبارہ کیسے جی اٹھیں گے تو خود اپنی پیدائش میں غور کرو کس طرح ہوئی ہے۔

ف۵ یعنی اول تمہارے باپ آدم کو مٹی سے، پھر تم کو قطرہ منی سے بنایا، یا یہ مطلب ہے کہ مٹی سے غذا نکالی جس سے کئی منزلیں طے ہوکر نطفہ بنا، پھر نطفہ سے کئی درجے طے کرکے تمہاری تشکیل و تخلیق ہوئی۔

ف۱ یعنی نطفہ سے جما ہوا خون اور خون سے گوشت کا لوتھڑا بنتا ہے۔ جس پر ایک وقت آتا ہے کہ آدمی کا پورا نقشہ (ہاتھ، پاؤں، آنکھ، ناک وغیرہ) بنا دیا جاتا ہے۔ اور ایک وقت ہوتا ہے کہ ابھی تک نہیں بنایا گیا۔ یا یہ مطلب ہے کہ بعض کی پیدائش مکمل کردی جاتی ہے اور بعض یونہی ناقص صورت میں گر جاتا ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ بعض بے عیب ہوتا ہے، بعض عیب دار۔

ف۲ کہ خود تمہاری اصل کیا تھی اور کتنے روز گزرنے کے بعد آدمی بنے ہو۔ اسی کو سمجھ کر بہت سے حقائق کا انکشاف ہوسکتا ہے۔ اور بعث بعد الموت کا امکان بھی سمجھ میں آسکتا ہے۔

ف۳ یعنی جتنی مدت جس کو رحم مادر میں ٹھہرانا مناسب ہوتا ہے ٹھہراتے ہیں۔ کم از کم چھ مہینے اور زیادہ سے زیادہ دو برس یا چار برس علی اختلاف الاقوال۔

ف۴ یعنی جس طرح اندر رہ کر بہت سے مدارج طے کیے ہیں، باہر آکر بھی تدریجاً بہت منازل میں سے گزرنا پڑتا ہے۔ ایک بچپن کا زمانہ ہے جب آدمی بالکل کمزور و ناتواں ہوتا ہے اور اس کی تمام قوتیں چھپی رہتی ہیں۔ پھر ایک وقت آتا ہے کہ کامن (پوشیدہ) قوتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ جسمانی حیثیت سے ہر چیز کمال شباب کو پہنچ جاتی ہے۔ پھر بعض تو جوانی ہی میں مرجاتے ہیں اور بعض اس عمر کو پہنچتے ہیں جہاں پہنچ کر آدمی کے اعضاء و قویٰ جواب دے دیتے ہیں، وہ سمجھدار بننے کے بعد ناسمجھ اور کارآمد ہونے کے بعد نکما ہوجاتا ہے۔ یاد کی ہوئی چیزیں بھول جاتا ہے اور جانی ہوئی چیزوں کو کچھ نہیں جانتا۔ گویا بوڑھا ہوکر پھر بچہ بن جاتا ہے۔

ف۵ یعنی زمین مردہ پڑی تھی، رحمت کا پانی پڑتے ہی جی اٹھی اور تر و تازہ ہوکر لہلہانے لگی۔ قسم قسم کے خوش منظر، فرحت بخش اور نشاط افزا پودے قدرت نے اگا دیے۔

وَاَنَّهٗ يُحۡىِ الۡمَوۡتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ۙ﴿۶﴾ وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيۡبَ فِيۡهَا ۙ وَاَنَّ

اور وہ جلاتا ہے مردوں کو اور وہ ہر چیز کرسکتا ہے اور یہ کہ قیامت آنی ہے اس میں دھوکا نہیں اور یہ کہ

اور وہ جلاتا ہے مردے اور وہ ہر چیز کرسکتا ہے۔ اور یہ کہ قیامت آنی ہے، اس میں دھوکا نہیں۔ اور یہ کہ

اللّٰهَ يَبۡعَثُ مَنۡ فِى الۡقُبُوۡرِ ﴿۷﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يُّجَادِلُ فِى اللّٰهِ بِغَيۡرِ عِلۡمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا

اللہ اٹھائے گا قبروں میں پڑے ہوؤں کو ف۱ اور بعضا شخص وہ ہے جو جھگڑتا ہے اللہ کی بات میں بغیر جانے اور بغیر دلیل اور بدون

اللہ اٹھاوے گا قبر میں پڑوں کو۔ اور بعضا شخص ہے جو جھگڑتا ہے اللہ کی بات میں بن خبر اور بن سوجھ اور بن

كِتٰبٍ مُّنِيۡرٍ ۙ﴿۸﴾ ثَانِىَ عِطۡفِهٖ لِيُضِلَّ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ؕ لَهٗ فِى الدُّنۡيَا خِزۡىٌ وَّنُذِيۡقُهٗ يَوۡمَ

روشن کتاب کے ف۲ اپنی کروٹ موڑ کر ف۳ تاکہ بہکائے اللہ کی راہ سے اس کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور چکھائیں گے ہم اس کو

کتاب چمکتی۔ اپنی کروٹ موڑ کر کہ بہکاوے اللہ کی راہ سے۔ اس کو دنیا میں رسوائی ہے، اور چکھاویں گے ہم اس کو

الۡقِيٰمَةِ عَذَابَ الۡحَرِيۡقِ ﴿۹﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتۡ يَدٰكَ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيۡسَ بِظَلَّامٍ لِّلۡعَبِيۡدِ ﴿۱۰﴾ ع

قیامت کے دن جلن کی مار ف۴ یہ اس کی وجہ سے جو آگے بھیج چکے تیرے دو ہاتھ اور اس وجہ سے کہ اللہ نہیں ظلم کرتا بندوں پر ف۵

قیامت کے دن جلن کی مار۔ یہ اس پر ہے جو آگے بھیج چکے تیرے دو ہاتھ، اور یہ کہ اللہ ظلم نہیں کرتا بندوں پر۔

ف۱ انسان کی پیدائش اور کھیتی کی مثالوں سے جو اوپر مذکور ہوئیں چند باتیں ثابت ہوتی ہیں۔ (۱) یہ کہ یقیناً اور بالتحقیق اللہ موجود ہے ورنہ ایسی منظم متقن اور حکیمانہ صنعتیں کہاں سے ظاہر ہوئیں۔ (۲) یہ کہ خدا تعالیٰ مردہ اور بے جان چیزوں کو زندہ اور جان دار بنا دیتا ہے۔ چنانچہ مشت خاک یا قطرہ آب سے انسان بنا دینا اور افتادہ زمین میں روح نباتی پھونک دینا اس پر شاہد ہے، پھر دوبارہ پیدا کر دینا اس کو کیا مشکل ہے (۳) یہ کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اگر ہر چیز اس کی قدرت کے نیچے نہ ہوتی تو ہرگز یہ کام نہیں کرسکتا تھا۔ (۴) یہ کہ قیامت ضرور آنی چاہیے اور اس زندگی کے بعد کوئی دوسری زندگی ضرور ملنی چاہیے کیونکہ اتنے بڑے انتظامات یوں ہی لغو اور بیکار نہیں ہو سکتے۔ جس حکیم مطلق اور قادر علی الاطلاق نے اپنی حکمت بالغہ اور قدرت کاملہ سے انسان کو ایسی عجیب وغریب صفت کے ساتھ پیدا کیا، کیا خیال کیا جاسکتا ہے کہ اس نے اس کی زندگی بیکار بنائی ہوگی؟ ہرگز نہیں یقیناً انسان کی یہ محدود زندگی جس میں سعادت وشقاوت نیکی بدی اور رنج و راحت باہم مخلوط رہتے ہیں اور امتحان وانتقام کی صورتیں ایک دوسرے سے مکمل اور نمایاں طور پر متمیز نہیں ہوتیں، اس کو مقتضی ہے کہ کوئی دوسری زندگی ہو۔ جہاں سعید وشقی، مجرم ووفادار صاف طور پر الگ الگ ہوں اور ہر ایک اس مقام پر پہنچایا جائے جہاں پہنچنے کے لیے بنایا گیا ہے اور جس کی استعداد اپنے اندر رکھتا ہے۔ مادی حیثیت سے منی کے جن اجزا میں نطفہ بننے کی استعداد تھی ان سے نطفہ بنا اسی طرح نطفہ کی پوشیدہ قوتیں علقہ میں، علقہ کی مضغہ میں، مضغہ کی طفل میں آئیں اور جوانی کے وقت ان کا پورا ظہور ہوا۔ یا زمین کی پوشیدہ قوتیں بارش کا چھینٹا پڑنے سے ظہور پذیر ہوئیں۔ اسی طرح ضروری ہے کہ انسان میں سعادت و شقاوت کی جو روحانی قوتیں ودیعت کی گئیں یا نیکی اور بدی میں پھولنے پھلنے کی جو زبردست استعداد رکھی ہے وہ اپنے پورے شباب کو پہنچ اور کامل ترین اشکال وصورتیں ظاہر ہوں۔ اس کا نام بعث بعد الموت ہے جو دنیا کی زندگی کا موجودہ دور ختم کرنے کے بعد وقوع پذیر ہوگا۔

ف۲ یعنی ایسے واضح دلائل وشواہد سننے کے بعد بھی بعض کج رو اور ضدی لوگ اللہ کی باتوں میں یوں ہی بے سند جھگڑے کرتے رہتے ہیں۔ ان کے پاس نہ کوئی علم ضروری ہے، نہ دلیل عقلی، نہ دلیل سمعی محض اوہام وظنون کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔

ف۳ یعنی اعراض وتکبر کے ساتھ۔

ف۴ یعنی جو شخص بدون حجت ودلیل محض عناد سے خدا کی باتوں میں جھگڑتا ہے اور غرض یہ ہو کہ دوسرے لوگوں کو ایمان ویقین کی راہ سے ہٹا دے اس کو دنیا میں خدا تعالیٰ ذلیل کرے گا اور آخرت کا عذاب رہا سو الگ۔

ف۵ یعنی جب سزا دیں گے تو کہا جائے گا کہ خدا کی طرف سے کسی پر ظلم وزیادتی نہیں۔ تیرے ہاتھوں کی کرتوت ہے۔ جس کا مزہ آج چکھ رہا ہے۔

اثبات حشر ونشر وابطال شبہات مجادلین ومنکرین قیامت

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی : ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یُّجَادِلُ فِی اللّٰہِ بِغَیْرِ عِلْمٍ ... الی ... وَاَنَّ اللّٰہَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ﴾

ربط: ...... گزشتہ آیات میں تقویٰ کی تاکید اور قیامت کے بعض احوال اور اہوال کا ذکر فرمایا اب ان آیات میں ان لوگوں کی مذمت کرتے ہیں جو قیامت کے منکر ہیں اور قیامت اور قرآن کے بارے میں جہالت سے بغیر علم اور بغیر دلیل کے جھگڑا کرتے ہیں۔ بعد ازاں حشر ونشر کا اثبات اور منکرین قیامت کے شبہات کا ابطال فرماتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور لوگوں میں بعض ایسے بھی ہیں کہ جو اللہ کے بارہ میں یعنی اس کی شان میں اور اس کی قدرت میں بدون کسی علم کے جھگڑتے ہیں یہ نضر بن حارث کا حال ہے کہ جو آنحضرت ﷺ سے کبھی کتاب الٰہی کے بارہ میں کہتا ﴿اِنْ ھٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ﴾۔ کہ یہ قرآن تو اگلوں کا افسانہ ہے اور کبھی توحید کے بارہ میں جھگڑتا اور کہتا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور کبھی اللہ کی قدرت کے بارہ میں جھگڑتا اور کہتا کہ جب انسان مر کر اور گل سڑ کر مٹی ہو گیا تو پھر کیسے زندہ ہوگا اور ایسے شخص کے پاس دلیل کوئی نہیں صرف شیطان سرکش کی پیروی کرتا ہے۔ شیطان اس کے دل میں دسوسے ڈالتا ہے اور بے دلیل اس کو مان لیتا ہے اور انبیاء دلائل عقلیہ وبراہین قطعیہ بیان کرتے ہیں تو ان میں بے دلیل جھگڑا لگاتا ہے اور شیطان کی پیروی کرتا ہے جس کی نسبت قضائے الٰہی میں یہ لکھا جا چکا ہے کہ جو شخص شیطان کو دوست بنائے گا تو شیطان اس کو ضرور گمراہ کرے گا۔ اور عذاب دوزخ کی راہ پر اس کو لگا دے گا۔ غرض یہ کہ اس نادان کا گمان یہ تھا کہ قیامت اور حشر ونشر سب محال ہے اس لیے آئندہ آیات میں اثبات معاد کی دو دلیں بیان فرماتے ہیں۔

دلیل اول

اے لوگو اگر مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کے بارے میں تم شک اور تردد میں پڑے ہوئے ہو اور دوبارہ زندہ ہونے کو ناممکن اور محال سمجھتے ہو تو حق تعالیٰ کی دلیل قدرت میں ذرا غور کر لو اور پہلے اپنے حال پر نظر کرو۔ تحقیق ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا یعنی تمہاری اصل خلقت مٹی سے ہے اس لیے کہ آدم علیہ السلام جو سب کی اصل ہیں وہ مٹی سے پیدا ہوئے پھر پیدائش آدم علیہ السلام کے بعد جب سلسلہ توالد وتناسل جاری ہوا تو مرتبہ دوم میں ہم نے تم کو نطفہ سے۔ پھر مرتبہ سوم میں جمے ہوئے خون سے۔ پھر مرتبہ چہارم میں ایسے پارہ گوشت سے کہ کبھی اس کی پوری صورت بن جاتی ہے جس میں کوئی عیب اور نقصان نہیں رہتا اور کبھی پوری صورت نہیں بنتی جو ایام پورا ہونے سے پہلے ہی گر جاتا ہے۔ پس ہم نے تم کو اس ترتیب وتدریج کے ساتھ پیدا کیا تاکہ ہم تم پر اپنی کمال قدرت ظاہر کریں کہ تم پہلی بار کی خلقت سے دوسری بار کی خلقت کو سمجھ سکو۔ کہ جو چیز پہلی بار تغیر اور تکون کو قبول کر سکتی ہے وہ دوسری بار بھی اسے قبول کر سکتی ہے اور جان لو کہ یہ سب قادر مطلق کی صنعت اور کاریگری ہے کسی مادہ اور طبیعت کا اقتضا نہیں۔ اور پھر ایک مدت مقررہ تک جس کو چاہتے ہیں رحم مادر میں ٹھہرائے رکھتے ہیں اس کو وقت سے پہلے گرنے نہیں دیتے اور جس کو ٹھہرانا نہیں چاہتے اس کو گرا دیتے ہیں پھر اس مدت معینہ کے بعد تم کو بچہ بنا کر ماں کے پیٹ سے نکالتے ہیں۔ پھر ہم تم کو پالتے ہیں تاکہ تم اپنی کمال قدرت کو پہنچ جاؤ یعنی جوانی کو پہنچ جاؤ اور تم میں

سے بعض وہ ہے جو بڑا ہونے سے پہلے ہی مرجاتا ہے اور کوئی تم میں سے نکمی عمر کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے تا کہ جاننے پہچاننے کے بعد انجان اور بے خبر بن جائے یعنی ہوش وحواس میں فتور آجائے اور جیسا بچپن میں قلیل العلم اور قلیل الفہم تھا ویسا ہی پھر ہوجائے اور جاننے کے بعد کچھ نہ جانے پس جو خدا ایک انسان پر اس قدر مختلف حالتیں طاری کرسکتا ہے اور اخیر میں انتہا کے بعد پھر ابتدا کی طرف لوٹا سکتا ہے تو کیا وہ گلی سڑی ہڈیوں کو دوبارہ پیدا نہیں کرسکتا۔

یہ بعث بعد الموت کی ایک دلیل ہوئی اب آئندہ آیت میں دوسری دلیل بیان کرتے ہیں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ مردہ زمین کو زندہ اور تروتازہ کرنے پر قادر ہے۔ اسی طرح وہ مردوں کو زندہ کرنے پر بھی قدرت رکھتا ہے۔

دوسری دلیل

اور اگر ان منکرین قیامت کا یہ گمان ہے کہ انسان کی پیدائش میں جس قدر تغیرات اور انقلابات پیش آتے ہیں وہ سب شکم مادر میں ہیں شکم قبر میں یہ تغیرات اور انقلابات نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اے مخاطب تو زمین کو مردہ کی طرح خشک اور بے رونق دیکھتا ہے کہ عرصہ تک بجھی ہوئی آگ کی طرح خشک پڑی رہتی ہے جس میں سبزہ کا کہیں نام ونشان نہیں ہوتا۔ اس طرح قبر میں مردہ بھی خشک پڑا رہتا ہے پھر جب کچھ عرصہ بعد ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو اس خشک زمین کی قوت نامیہ جوش میں آجاتی ہے اور سبزہ سے لہلہانے لگتی ہے اور پھولنے لگتی ہے۔ اور ولادت حمل کی طرح خروج نباتات کے آثار ظاہر ہونے لگتے ہیں گویا کہ زمانہ ولادت قریب آگیا ہے اور پھر باذن الٰہی ہر قسم کے تروتازہ اور خوش نما چیز اگاتی ہے جس طرح بطن مادر سے ایک خوشنما بچہ نمودار ہوتا ہے پس جو خدا اس طرح مردہ زمین کے زندہ کرنے پر قادر ہے تو کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ مردوں کے اجزاء متفرقہ کو جمع کر کے پھر اسی حال پر لے آئے جس پر وہ پہلے تھا کیا یہ تخم شجر نطفہ کے مشابہ نہیں کہ جب یہ تخم زمین میں ڈال دیا جاتا ہے تو گل سڑ کر ریزہ ریزہ ہوجاتا ہے اور پھر بعد چندے خوشنما ہو کر زمین سے نکل آتا ہے جس طرح نطفہ سے بچہ پیدا ہونے کے لیے ایک وقت مقرر ہے اسی طرح تخم ریزی کے بعد روئیدگی کے لیے بھی ایک وقت مقرر ہے۔

یہاں تک دونوں دلیلیں ختم ہوئیں اب آئندہ آیت میں ان دونوں دلیلوں کا نتیجہ ذکر فرماتے ہیں۔ اور وہ پانچ باتیں ہیں۔

(اول) یہ سب جو ابتداء خلقت انسان سے احیاء زمین تک ہوا۔ اس کی وجہ اور سبب یہ ہے کہ تم جان لو کہ اللہ جو ہے وہی حق ہے یعنی خدائے برحق وہ ہے کہ جس کی قدرت کاملہ سے یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔

(دوم) اور یہ کہ تحقیق وہی مردوں کو زندہ کرتا ہے جیسا کہ نطفہ کو اور مردہ زمین کو زندہ کرنا۔ تمہاری نظروں کے سامنے ہے جو اس بات کے دلیل ہے کہ موت اور حیات اس کے قبضہ قدرت میں ہے۔

(سوم) اور یہ کہ وہ بلاشبہ ہر چیز پر قادر ہے اس کی قدرت مردہ زمین کے ساتھ مخصوص نہیں وہ تمام ممکنات پر قادر ہے۔

(چہارم) اور یہ کہ بلاشبہ قیامت آنیوالی ہے یعنی اس زندگی کے بعد دوسری آنے والی ہے جس میں کچھ شک نہیں۔
(پنجم) اور یہ کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو زندہ کر کے اٹھائے گا جو قبروں میں مدفون ہیں اور اس دوبارہ زندہ ہونے کا نام بعث بعد الموت ہے غرض یہ کہ ان دلائل سے بخوبی یہ ثابت ہوگیا کہ قیامت کا آنا حق ہے ضرور آئیگی اس کے آنے میں ذرا شک نہیں اور باوجود ان دلائل واضحہ کے لوگوں میں سے وہ شخص بھی ہے کہ جو اللہ کی قدرت قاہرہ اور حکومت باہرہ میں بغیر علم کے اور بغیر ہدایت کے اور بغیر روشن کتاب کے جھگڑتا ہے یعنی بعض ایسے کج فہم اور ضدی اور عنادی ہیں کہ ان واضح اور روشن دلائل سننے کے بعد بھی اللہ کی باتوں میں جھگڑتے ہیں۔ نہ ان کے پاس علم اور عقل ہے اور نہ کوئی ہدایت اور عقلی دلیل ہے اور نہ کوئی نقلی دلیل ہے کہ جو آسمانی کتاب سے پیش کر سکے اور اس کج رو اور بے عقل کی حالت یہ ہے کہ متکبر اور مغرور ہے اپنی گردن اور شانہ کو موڑ کر جھگڑتا ہے جیسا کہ متکبروں کا طریقہ ہے کہ شانہ اور گردن کو موڑ کر گفتگو کیا کرتے ہیں اور غرض اس کی یہ ہے کہ اس قسم کی بے سروپا باتوں سے لوگوں کو اللہ کی راہ سے ہٹا دے۔ جیسے خود گمراہ ہے اسی طرح دوسروں کو بھی گمراہ کرنا چاہتا ہے۔ ایسے شخص کے لیے دنیا میں رسوائی ہے۔ دنیا کی ذلت وخواری اس کے تکبر اور غرور کی سزا ہے کیونکہ اس کا اکبر ہم اور مبلغ علم یہی دنیا تھی اس لیے اس دنیا میں اس کو ذلیل کیا اور قیامت کے دن ہم اس کو جلتی آگ کا عذاب چکھائیں گے اور اس وقت ہم اس سے یہ کہیں گے کہ یہ عذاب تیرے ان اعمال کی سزا ہے جن کو تیرے ہاتھ آگے بھیج چکے ہیں اور اس وجہ سے کہ اللہ بندوں پر بالکل ظلم کرنے والا نہیں۔ بغیر جرم کے کسی کو سزا نہیں دیتے اور مغرور اور متکبر مجرم کو بغیر سزا دیئے نہیں چھوڑتے یہ آیت بھی نضر بن حارث کے بارے میں ہے۔ بدر کے دن وہ مارا گیا اور کنوئیں میں ڈال دیا گیا۔ یہ دنیا کی رسوائی تھی اور آخرت کی رسوائی اس کے علاوہ ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّعۡبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرۡفٍ ۚ فَاِنۡ اَصَابَهٗ خَيۡرُ ۨاطۡمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنۡ اَصَابَتۡهُ

اور بعضا شخص وہ ہے کہ بندگی کرتا ہے اللہ کی کنارے پر پھر اگر پہنچی اس کو بھلائی تو قائم ہوگیا اس عبادت پر، اور اگر پہنچ گئی اس کو

اور بعضا شخص ہے کہ بندگی کرتا ہے اللہ کی کنارے پر۔ پھر اگر مل گئی اس کو بھلائی، چین پکڑا اس پر۔ اور اگر مل گئی ان کو

فِتۡنَةُ ۨانۡقَلَبَ عَلٰى وَجۡهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةَ ‌ؕ ذٰ لِكَ هُوَ الۡخُسۡرَانُ الۡمُبِيۡنُ ﴿۱۱﴾

جانچ پھر گیا الٹا اپنے منہ پر گنوائی دنیا اور آخرت یہی ہے ٹوٹا صریح ف۱

جانچ (آزمائش) پھر گیا الٹا اپنے منہ پر۔ گنوائی دنیا اور آخرت۔ یہی ہے ٹوٹا صریح۔

يَدۡعُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنۡفَعُهٗ ‌ؕ ذٰ لِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الۡبَعِيۡدُ ﴿۱۲﴾ يَدۡعُوۡا

پکارتا ہے اللہ کے سوائے ایسی چیز کو کہ نہ اس کا نقصان کرے اور نہ اس کا فائدہ کرے، یہی ہے دور جا پڑنا گمراہ ہو کر ف۲ پکارے جاتا ہے

پکارتا ہے اللہ کے سوا ایسی چیز کہ اس کا برا نہیں کرتی اور ایسی کہ اس کا بھلا نہیں کرتی۔ یہی ہے دور پڑنا بھول کر۔ پکارے جاتا ہے

ف۱ یعنی بعض آدمی محض دنیا کی غرض سے دین کو اختیار کرتا ہے اور اس کا دل مذبذب رہتا ہے۔ اگر دین میں داخل ہو کر دنیا کی بھلائی دیکھے، بظاہر بندگی پر قائم رہے اور تکلیف پائے تو چھوڑ دے۔ ادھر دنیا گئی ادھر دین گیا۔ کنارے پر کھڑا ہے۔ یعنی دل ابھی اس طرف ہے نہ اس طرف، جیسا کوئی مکان کے کنارے کھڑا ہو =

لَمَنْ ضَرُّهٗٓ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ؕ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ⑬

اس کو جس کا ضرر پہلے پہنچے نفع سے ف۱ بیشک برا دوست ہے اور برا رفیق ف۲

البتہ جس کا ضرر پہلے پہنچے نفع سے۔ بیشک برا دوست ہے اور برا رفیق۔

مذمت مذبذبین ومترددین در بارۂ دین متین

قَالَ اللهُ تَعَالٰی: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ... الی ... وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ﴾

ربط: ...... گزشتہ آیات میں منکرین اور مجادلین کی مذمت تھی۔ جو کھلم کھلا اور صریح طور پر قیامت کے منکر تھے۔ اب ان آیات میں مذبذبین اور مترددین کی مذمت بیان کرتے ہیں جو محض دنیاوی طمع پر اسلام لے آئے ہیں مگر ان کے دل میں ابھی تک تردد باقی ہے ابن عباس ؓ سے مروی ہے کہ مدینہ میں کچھ لوگ آتے اور اسلام لے آتے پس اگر انہیں وہاں مال اور اولاد کی ترقی معلوم ہوتی تو کہتے دین اسلام اچھا دین ہے اور اگر کچھ اس کے خلاف ہوتا تو کہتے کہ اسلام کچھ اچھا دین نہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں متزلزل اور متذبذب لوگوں کا حال بیان کیا کہ ایسے لوگ دنیا وآخرت دونوں میں زیاں کار ہیں۔ ان لوگوں کے نزدیک حقانیت کا معیار دنیاوی منفعت ہے پس جو اسلام محض دنیوی منفعت پر مبنی ہو وہ اسلام شریعت میں معتبر نہیں اس لیے آئندہ آیات میں اہل شک اور اہل نفاق کا حال بیان کرتے ہیں اور لوگوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے کہ اللہ کی بندگی اس طرح کرتا ہے کہ گویا ایک کنارہ پر کھڑا ہے یعنی دل جما کر اللہ کی عبادت نہیں کرتا۔ شک اور تردد میں پڑا ہوا ہے۔ اللہ کے وعدہ اور وعید کا اس کو یقین نہیں سو اگر اس کو کوئی دنیاوی بھلائی پہنچ گئی۔ جیسے صحت اور مالداری تو اس خیر اور بھلائی کی وجہ سے اس کو دین پر کچھ اطمینان ہو جاتا ہے اور اگر اس کو کوئی دنیاوی تکلیف پہنچ گئی جیسے بیماری اور تنگدستی۔ تو پھر الٹا اپنے منہ پر پلٹ جاتا ہے، یعنی دین اسلام سے مرتد ہو جاتا ہے تو ایسے شخص کا انجام یہ ہے کہ اس نے دنیا بھی گنوائی اور آخرت بھی گنوائی۔ یہی تو کھلا ہوا خسارہ اور نقصان ہے کہ دنیا بھی گئی اور دین بھی گیا۔ دنیا کا خسارہ تو یہ ہوا کہ مراد کو نہ پہنچا اور آخرت کا خسارہ یہ ہوا کہ سارے اعمال نیست و نابود ہو گئے یہ اس شخص کی حماقت ہے کہ اس نے دین اسلام کو دنیاوی فوائد حاصل کرنے کے لیے اختیار کیا۔ دنیا کا نفع و نقصان ہر حال میں انسان کے ساتھ لگا ہوا ہے باطل کے اتباع سے دنیا کے نقصان سے محفوظ نہیں ہو جاتا۔ یہ مرتد یا مشرک اللہ کے سوا ایسے معبود کو پکارتا یا پوجتا ہے کہ اگر وہ اس کو نہ پوجے تو وہ اس کو

= جب چاہے نکل بھاگے۔

ف۲ یعنی خدا کی بندگی چھوڑی، دنیا کی بھلائی نہ ملنے کی وجہ سے اب پکارتا ہے ان چیزوں کو جن کے اختیار میں نہ ذرہ برابر بھلائی ہے نہ برائی۔ کیا خدا نے جو چیز نہیں دی تھی وہ پتھروں سے حاصل کرے گا؟ اس سے بڑھ کر کھلی حماقت کیا ہوگی۔

ف۱ یعنی بتوں سے نفع کی تو امید موہوم ہے (بت پرستوں کے زعم کے موافق) لیکن ان کو پوجنے کا جو ضرر ہے وہ قطعی اور یقینی ہے اس لیے فائدہ کا سوال تو بعد کو دیکھا جائے گا نقصان ابھی ہاتھوں ہاتھ پہنچ گیا۔

ف۲ جب قیامت میں بت پرستی کے نتائج سامنے آئیں گے تو بت پرست بھی یہ کہیں گے "لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ" یعنی جن سے بڑی امداد و رفاقت کی توقع تھی وہ بہت ہی برے رفیق اور مددگار ثابت ہوئے کہ نفع تو کیا پہنچاتے الٹا ان کے سبب سے نقصان پہنچ گیا۔

مہر کی تجھ سے توقع تھی ستمگر نکلا   موم سمجھا تھا ترے دل کو سو پتھر نکلا

نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اور اگر اس کی عبادت کرے تو اس کو نفع نہیں پہنچا سکتا۔ یہی تو پرلے درجے کی گمراہی ہے جو راہ حق سے بہت دور ہے ایک عاقل بالغ آدمی کا ایسی چیز سے روزی اور مدد مانگنا کہ جو نہ سن سکے اور نہ بول سکے پرلے درجے کی بیوقوفی ہے۔ یہ نادان ایسی چیز کو پکارتا ہے جس کا نقصان بہ نسبت اس کے خیالی نفع کے بہت زیادہ قریب ہے۔ آخرت کا ضرر تو بعد میں ہوگا۔ بت پرستی کا جو ضرر پیش آیا وہ اس کے سامنے ہے کہ ایک بے جان چیز کے پوجنے کی وجہ سے دنیا میں احمق اور نادان ٹھہرا اور البتہ تحقیق ایسا کارساز بھی بہت برا اور ایسا رفیق بھی بہت برا۔ جو کہ کسی کام نہ آوے۔ "مولیٰ" سے مراد بت ہے جس کو وہ اللہ کے سوا پکارتا ہے اور "عشیر" سے اس کا دوست اور یار و مددگار ہے جو شب و روز اس کے ساتھ خلط ملط رکھتا ہے اور اس کو کفر و شرک پر آمادہ کرتا ہے خدا تعالیٰ تک پہنچنے کا ذریعہ ایمان اور اعمال صالحہ ہیں جیسا کہ آئندہ آیت میں اس کا ذکر ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۚ إِنَّ

اللہ داخل کرے گا ان کو جو ایمان لائے اور کیں بھلائیاں باغوں میں بہتی ہیں نیچے ان کے نہریں ف۱

اللہ داخل کرے گا ان کو جو یقین لائے اور کیں بھلائیاں، باغوں میں بہتی نیچے ان کے نہریں۔

اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ ﴿١٤﴾ مَنْ كَانَ يَظُنُّ أَنْ لَنْ يَنْصُرَهُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ

اللہ کرتا ہے جو چاہے ف۲ جس کو یہ خیال ہو کہ ہرگز نہ مدد کرے گا اس کی اللہ دنیا میں اور آخرت میں تو تان لے

اللہ کرتا ہے جو چاہے۔ جس کو یہ خیال ہو کہ ہرگز مدد نہ کرے گا اس کو اللہ دنیا میں اور آخرت میں، تو تانے

بِسَبَبٍ إِلَى السَّمَاءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهُ مَا يَغِيظُ ﴿١٥﴾ وَكَذَٰلِكَ

ایک رسی آسمان کو پھر کاٹ ڈالے اب دیکھے کچھ جاتا رہا اس کی اس تدبیر سے اس کا غصہ ف۳ اور یوں

ایک رسی آسمان کو، پھر کاٹ دے، اب دیکھے، کیا گیا اس تدبیر سے اس کے جی کا غصہ۔ اور یوں

ف۱ منکرین مجادلین اور مذبذبین کے بعد یہاں مومنین مخلصین کا انجام نیک بیان فرمایا۔

ف۲ جس کو مناسب جانے سزا دے اور جس پر چاہے انعام فرمائے۔ اس کا کوئی ہاتھ پکڑنے والا نہیں۔

ف۳ "لَنْ يَنْصُرَهُ" میں ضمیر مفعول نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے جن کا تصور قرآن پڑھنے والے کے ذہن میں گویا ہمہ وقت موجود رہتا ہے۔ کیونکہ آپ ہی قرآن کے اولین مخاطب ہیں۔ گویا مومنین کا انجام ذکر کرنے کے بعد یہ انکے پیغمبر کے مستقبل کا بیان ہوا۔ حاصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ اپنے رسول سے دنیاوی اور اخروی فتح و نصرت کے جو وعدے کر چکا ہے وہ ضرور پورے ہو کر رہیں گے، خواہ کفار و حاسدین کتنا ہی غیظ کھائیں اور نصرت ربانی کے روکنے کی کیسی ہی تدبیریں کر لیں، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت و کامیابی کسی طرح رک نہیں سکتی یقیناً آ کر رہے گی۔ اگر ان کفار و حاسدین کو اس پر زیادہ غصہ ہے اور سمجھتے ہیں کہ ہم کسی کوشش سے خدا کی مشیت کو روک سکیں گے تو اپنی انتہائی کوشش صرف کر کے دیکھ لیں، حتی کہ ایک رسی اوپر چھت میں لٹکا کر گلے میں ڈال لیں اور خود پھانسی لے کر غیظ سے مر جائیں، یا ہو سکتا ہو تو آسمان میں رسی تان کر اوپر چڑھیں اور وہاں سے آسمانی امداد کو منقطع کر آئیں، پھر دیکھیں کہ ان تدبیروں سے وہ چیز آنی بند ہو جاتی ہے۔ جس پر انھیں اس قدر غصہ اور پیچ و تاب ہے۔ اکثر مفسرین نے آیت کی تفسیر اسی طرح کی ہے لیکن حضرت شاہ صاحب نے آیت کو ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَعْبُدُ اللَّهَ عَلَىٰ حَرْفٍ﴾ الخ کے مضمون سے مربوط کر کے نہایت لطیف تقریر فرمائی ہے۔ ان کے نزدیک ﴿مَنْ كَانَ يَظُنُّ أَنْ لَنْ يَنْصُرَهُ﴾ میں ضمیر مفعول "مَن" کی طرف لوٹتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دنیا کی تکلیف میں جو کوئی خدا سے ناامید ہو کر اس کی بندگی چھوڑ دے اور جھوٹی چیزیں پوجنے لگے وہ اپنے دل کے ٹھہرانے کو یہ قیاس کرلے جیسے ایک شخص اونچی لٹکتی رسی سے لٹک رہا ہے، اگر چڑھ نہیں سکتا توقع تو ہے کہ کسی اوپر کھینچے تو چڑھ جائے۔ جب رسی توڑ دی تو کیا توقع رہی، کیا خدا کی رحمت سے ناامید ہو کر کامیابی حاصل کر سکے گا؟ گویا "رسی" کہا اللہ کی امید کو، اس =

اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ ⑯

اتارا ہم نے یہ قرآن کھلی باتیں اور یہ ہے کہ اللہ سجھا دیتا ہے جس کو چاہے ف۱

اتارا ہم نے یہ قرآن، کھلی باتیں، اور یہ ہے کہ اللہ سوجھ دیتا ہے جس کو چاہے۔

بیان فلاح اہل ایمان وخیبت وخسران دشمنان بدسگالان

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ... الی ... وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ﴾

ربط:......گزشتہ آیات میں ان لوگوں کا حال بیان کیا جو ایمان اور اسلام میں متذبذب اور متزلزل تھے اب ان آیات میں ان ایمانداروں کا حال ذکر کرتے ہیں جو ایمان پر جمے ہوئے ہیں اور اعمال صالحہ پر ثابت قدم ہیں۔ حق جل شانہ نے ان آیات میں اول تو ایسے مومنین مخلصین کی فلاح اور کامیابی کا ذکر کیا اور اس کے بعد دشمنان اسلام کی ناکامی اور نامرادی کو بیان کیا کہ ان مجادلین فی الدین اور ان منافقین کا گمان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ محمد رسول اللہ ﷺ کی دنیا اور آخرت میں کوئی مدد نہیں کرے گا اور چند روز میں دین اسلام ختم ہو جائیگا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کا یہ گمان غلط ہے، ان کے دل میں اسلام کا غیظ وغضب بھرا ہوا ہے وہ جتنی چاہیں تدبیریں کرلیں مگر خوب سمجھ لیں کہ ان کا مقصد کبھی پورا نہ ہوگا۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ بیشک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو صدق دل سے ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے ایسے باغوں میں داخل کریگا کہ جن کے مکانوں اور درختوں کے نیچے نہریں جاری ہوں گی بیشک اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے دوستوں کو عزت اور کرامت اور فتح ونصرت سے نوازتا ہے اور مرتدین و منافقین کو ذلیل وخوار کرتا ہے جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ اللہ اپنے رسول کی دنیا و آخرت میں مدد نہیں کریگا یعنی دنیا میں اس کو دشمنوں کے مقابلہ میں غلبہ نہیں دیگا اور آخرت میں اس کے درجے بلند نہیں کریگا تو جس شخص کا یہ خیال ہو تو اس کو چاہئے کہ ایک رسی کے ذریعے آسمان تک پہنچ جائے پھر وہاں پہنچ کر آپ کی مدد کو قطع کردے اگر وہ اس پر قادر ہے کیونکہ آسمانی مدد کو روکنا بغیر آسمان پر پہنچے ہوئے ممکن نہیں لہٰذا اس کو چاہئے کہ کسی ذریعہ سے آسمان پر چڑھے اور وہاں پہنچ کر آپ کی نصرت اور مدد کو قطع کر دے کیونکہ دنیاوی وسائل تو آپ کے پاس موجود نہیں۔ آپ کو جو نصرت پہنچ رہی ہے وہ آسمان ہی سے پہنچ رہی ہے تو اگر اس سے یہ ممکن ہے اور یہ اس پر قادر ہے تو آسمان پر جا کر اس کو قطع کردے پھر دیکھے کہ اس کی یہ تدبیر اس کے سینہ کے غیظ وغضب کو دور کرتی ہے یا نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ غیظ وغضب سے جو چاہے تدبیر کرلو مگر کوئی حیلہ اور تدبیر آسمانی مدد کو نہیں روک سکتی۔ پس جب یہ امر ناممکن ہے تو پھر اس غیظ وغضب سے کیا فائدہ۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ ﴿اِلَى السَّمَآءِ﴾ میں سے لفظ سماء سے آسمان کے معنی مراد نہیں بلکہ چھت کے معنی مراد ہیں۔ کلام عرب میں سماء کا اطلاق چھت پر بھی آتا ہے۔ کل ما علا فھو سماء۔ جو شئے تیرے اوپر ہے وہ تیرا آسمان ہے اور مطلب یہ ہے کہ جس کو آنحضرت ﷺ کی نصرت اور غلبہ کی وجہ سے غصہ اور غیظ وغضب ہے تو اس کو چاہئے کہ اپنے گھر

= کاکاٹ دینا ناامید ہو جانا اور آسمان سے مراد بلندی ہے۔ واللہ اعلم۔

ف۱ یعنی کیسی صاف صاف مثالیں اور کھلی باتیں ہیں۔ مگر سمجھتا وہی ہے جسے خدا سمجھ دے۔

کی چھت میں ایک رسی باندھ لے پھر اس رسی میں پھندا لگا کر اپنا گلا گھونٹ لے اور رسی کو توڑ دے یہاں تک کہ مرجائے پھر دیکھے کہ اس تدبر سے اس کا غصہ فرو ہوتا ہے یا نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جس کو آنحضرت ﷺ کی فتح ونصرت پر غصہ آتا ہو اس کو چاہئے کہ غصہ کے مارے اپنا گلا گھونٹ لے یہاں تک کہ مرجائے اور جان لے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی مدد کرنے والا ہے اس کا غصہ اس کو کوئی نفع نہیں دے گا اور اپنا گلا گھونٹنے کا نام لیکر اس لیے کہا کہ حاسد کی آخری تدبیر یہی ہے کہ وہ غصہ میں آکر اپنا گلا گھونٹ لے اور اس تعبیر میں آپ ﷺ کے حاسدوں کے ساتھ استہزا اور تمسخر مقصود ہے کہ تم خواہ کتنا ہی غصہ کرو۔ مگر تم سوائے گلا گھونٹنے کے اور کچھ نہیں کرسکتے جو چاہے کرلو۔ تمہارا مقصد کسی حال میں پورا نہ ہوگا کما قال اللہ تعالیٰ ﴿قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ﴾۔

اکثر مفسرین نے آیت کی تفسیر اس طرح کی ہے جو ہم نے ذکر کی ہے لیکن حضرت شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ نے اس آیت کی دوسری طرف تفسیر فرمائی جو نہایت لطیف ہے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اس آیت کو ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ﴾۔ کے ساتھ مربوط اور متعلق قرار دیکر فرمایا کہ ﴿مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ﴾ میں ضمیر مفعول ''من'' کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ جو شخص دنیا کی مصائب اور تکالیف سے گھبرا کر اللہ سے امید قطع کر کے اس کی بندگی چھوڑ دے اور جھوٹی چیزوں کو پوجنے لگے اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص اونچی لٹکتی رسی سے لٹک رہا ہے اگر او پر چڑھ نہیں سکتا تو یہ توقع تو ہے کہ اگر رسی کوئی اوپر کو کھینچے تو یہ اوپر چڑھ جائے لیکن جب رسی ہی توڑ دی تو پھر کیا توقع رہی گویا کہ آسمان سے بلندی اور بارگاہ خداوندی کی طرف اشارہ ہے اور رسی پکڑنے سے اللہ سے امید رکھنا مراد ہے اور رسی قطع کردینے سے خدا کی رحمت سے ناامید ہوجانا مراد ہے۔ لہٰذا انسان کو چاہئے کہ ایک کنارہ پر کھڑا ہو کر عبادت کرنے والا بنے، اور دنیاوی پریشانیوں سے گھبرا کر خدا سے امید کی رسی کو نہ کاٹ ڈالے اور خداوند آسمان سے امید قطع کر کے غیر اللہ کی پوجا نہ کرے۔

اور ایسا ہی اتارا ہم نے یہ قرآن واضح اور روشن آیتیں جن میں کوئی خفاء اور ابہام نہیں جو شخص ان میں غور کرے اس پر صاف صاف حق واضح ہوجائے اور حقیقت یہ ہے کہ تحقیق اللہ ہی ہدایت دیتا ہے جس کو چاہے۔ مطلب یہ ہے کہ دلائل خواہ کتنے ہی واضح اور روشن کیوں نہ ہوں مگر ہدایت اللہ ہی کے قبضہ میں ہے جسے وہ سمجھ دے وہی سمجھتا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـِٕيْنَ وَالنَّصٰرٰى وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا ۖ

جو لوگ مسلمان ہیں اور جو یہود ہیں اور صابئین اور نصاریٰ اور مجوس ف۱ اور شرک کرتے ہیں

جو لوگ مسلمان ہیں، اور جو یہود ہیں، اور صابئین اور نصاریٰ، اور مجوس اور جو شرک کرتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ⑰ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ

مقرر اللہ فیصلہ کرے گا ان میں قیامت کے دن اللہ کے سامنے ہے ہر چیز ف۲ تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ کو

اللہ فیصلہ کریگا ان میں قیامت کے دن۔ اللہ کے سامنے ہے ہر چیز۔ تو نے نہ دیکھا کہ اللہ کو

ف۱ مجوس آگ پوجتے ہیں اور دو خالق مانتے ہیں ایک خیر کا خالق جس کا نام ''یزدان'' ہے دوسرا شر کا جس کو ''اہرمن'' کہتے ہیں اور کسی نبی کا نام بھی لیتے ہیں۔=

يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ

سجدہ کرتا ہے جو کوئی آسمان میں ہے اور جو کوئی زمین میں ہے اور سورج اور چاند اور تارے اور پہاڑ

سجدہ کرتے ہیں جو کوئی آسمان میں ہے اور جو کوئی زمین میں ہے، اور سورج اور چاند اور تارے اور پہاڑ

وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ؕ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ؕ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ

اور درخت اور جانور اور بہت آدمی ف۱ اور بہت ہیں کہ ان پر ٹھہر چکا عذاب ف۲ اور جس کو اللہ ذلیل کرے

اور درخت، اور جانور اور بہت آدمی۔ اور بہت ہیں کہ ان پر ٹھہر چکا عذاب۔ جس کو اللہ ذلیل کرے،

فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ۩ ⑱ هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ

اسے کوئی نہیں عزت دینے والا اللہ کرتا ہے جو چاہے ف۳ یہ دو مدعی ہیں جھگڑے ہیں

اسے کوئی نہیں عزت دینے والا۔ اللہ کرتا ہے جو چاہے۔ یہ دو مدعی ہیں جھگڑے ہیں

رَبِّهِمْ ز فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ ؕ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ

اپنے رب پر ف۴ سو جو منکر ہوئے ان کے واسطے بیونتے ہیں کپڑے آگ کے ف۵ ڈالتے ہیں ان کے سر پر

اپنے رب پر۔ سو جو منکر ہوئے ان کے واسطے بیونتے (کاٹے) ہیں کپڑے آگ کے۔ ڈالتے ہیں ان کے سر پر

= معلوم نہیں یہ پیچھے بگڑے ہیں یا سرے سے غلط ہیں۔ شہرستانی نے "ملل ونحل" میں ان کے مذہب پر جو کلام کیا ہے اسے دیکھا جائے" صابئین" وغیرہ کا ذکر پہلے گزر چکا۔

ف۲ یعنی تمام مذاہب وفرق کے نزاعات کا عملی اور دوٹوک فیصلہ حق تعالیٰ کی بارگاہ سے قیامت کے دن ہوگا۔ سب جدا کر کے اپنے اپنے ٹھکانے پر پہنچا دیئے جائیں گے۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ کون کس مقام یا کس سزا کا مستحق ہے۔

ف۱ ایک سجدہ ہے جس میں آسمان وزمین کی ہر ایک مخلوق شامل ہے وہ یہ کہ اللہ کی قدرت کے آگے تکوینا سب مطیع ومنقاد اور عاجز وبے بس ہیں خواہی نخواہی سب کو اس کے سامنے گردن ڈالنا اور سر جھکانا پڑتا ہے۔ دوسرا سجدہ ہے ہر چیز کا جدا۔ وہ یہ کہ جس چیز کو جس کام کے لیے بنایا اس کام میں لگے، یہ بہت آدمی کرتے ہیں بہت نہیں کرتے۔ مگر آدمیوں کو چھوڑ کر اور ساری خلقت کرتی ہے۔ بناء علیہ اِنَّ اللّٰهَ یَسْجُدُ لَہٗ، الخ میں ہر چیز کا اپنی شان کے لائق سجدہ مراد ہوگا یا "مَنْ فِی الْاَرْضِ" کے بعد دوسرا "یَسْجُدُ" مقدر نکالا جائے گا۔

(تنبیہ) پہلی آیت سے ربط یہ ہوا کہ مختلف مذاہب کے لوگ آپس میں اختلاف رکھتے ہیں حالانکہ دوسری تمام مخلوق خدا کی مطیع ومنقاد ہے۔ انسان جو ساری مخلوق سے زائد عاقل ہے، چاہیے تھا کہ اس کے کل افراد اوروں سے زیادہ متفق ہوتے۔

ف۲ یعنی سجدہ سے انکار واعراض کرنے کی بدولت عذاب کے مستحق ہوئے۔

ف۳ یعنی خدا تعالیٰ جس کو اس کی شامت اعمال سے ذلیل کرنا چاہے اسے ذلت کے گڑھے سے نکال کر عزت کے مقام پر کون پہنچا سکتا ہے؟

ف۴ یعنی پہلے ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـِٕيْنَ﴾ الیٰ آخرہ میں جن فرقوں کا ذکر ہوا ان سب کو حق وباطل پر ہونے کی حیثیت سے دو فریق کہہ سکتے ہیں۔ ایک مومنین کا گروہ جو اپنے رب کی سب باتوں کو من وعن تسلیم کرتا اور اس کے احکام کے آگے سربسجود رہتا ہے۔ دوسرے کفار کا مجمع جس میں یہود، نصاریٰ، مجوس، مشرکین، صابئین وغیرہ ہم سب شامل ہیں۔ جو ربانی ہدایات کو قبول نہیں کرتے اور اس کی اطاعت کے لیے سر نہیں جھکاتے، یہ دونوں فریق دعاوی میں، بحث ومناظرہ میں اور جہاد وقتال کے مواقع میں بھی ایک دوسرے کے مدمقابل رہتے ہیں۔ جیسا کہ "بدر" کے میدان مبارزہ میں حضرت علی، حضرت حمزہ اور عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہم تین کافروں (عتبہ ابن ربیعہ، شیبہ ابن ربیعہ اور ولید بن عتبہ) کے مقابلہ پر نکلے تھے، آگے دونوں فریق کا انجام بتلاتے ہیں۔ =

الْحَمِیْمُ ۞ یُصْهَرُ بِهٖ مَا فِیْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ ۞ وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِیْدٍ ۞ كُلَّمَآ

جلتا پانی، گل کر نکل جاتا ہے اس سے جو کچھ ان کے پیٹ میں ہے اور کھال بھی اور ان کے واسطے ہتھوڑے ہیں لوہے کے ف۱ جب

جلتا پانی۔ نچڑتا ہے اس سے جو ان کے پیٹ میں ہے اور کھال بھی۔ اور ان کے واسطے موگریاں ہیں لوہے کی۔ جس بار

اَرَادُوْٓا اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِیْدُوْا فِیْهَا ۚ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ ۞ اِنَّ اللّٰهَ

چاہیں کہ نکل پڑیں دوزخ سے گھٹنے کے مارے، پھر ڈال دیے جائیں اس کے اندر اور چکھتے رہو جلنے کا عذاب ف۲ بیشک اللہ

چاہا کہ نکل پڑیں اس سے گھٹنے کے مارے، پھر ڈال دیے اندر۔ اور چکھتے رہو جلن کی مار۔ اللہ

یُدْخِلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ یُحَلَّوْنَ فِیْهَا

داخل کرے گا ان کو جو یقین لائے اور کیں بھلائیاں باغوں میں بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں گہنا پہنائیں گے

داخل کریگا ان کو جو یقین لائے اور کیں بھلائیاں، باغوں میں، بہتی ان کے نیچے نہریں، گہنا پہناویں گے

مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۭ وَلِبَاسُهُمْ فِیْهَا حَرِیْرٌ ۞ وَهُدُوْٓا اِلَى الطَّیِّبِ مِنَ

ان کو وہاں کنگن سونے کے اور موتی ف۳ اور ان کی پوشاک ہے وہاں ریشم کی ف۴ اور راہ پائی انہوں نے ستھری

ان کو وہاں کنگن سونے کے، اور موتی، اور ان کی پوشاک ہے وہاں ریشم کی۔ اور راہ پائی انہوں نے ستھری

الْقَوْلِ ۚ وَهُدُوْٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِیْدِ ۞

بات کی ف۵ اور پائی اس تعریفوں والے کی راہ ف۶

بات کی۔ اور راہ پائی اس خوبیوں سراہے کی۔

= ف۵ یعنی جس طرح لباس آدمی کے بدن کو ڈھانپ لیتا ہے۔ جہنم کی آگ اسی طرح ان کو محیط ہوگی۔ یا کسی ایسی چیز کے کپڑے پہنائے جائیں گے جو آگ کی گرمی سے بہت سخت اور بہت جلد تپنے والے ہوں۔

ف۱ دوزخیوں کے سر ہتھوڑے سے کچل کر کھولتا ہوا پانی اوپر سے ڈالا جائے گا جو دماغ کے راستہ سے پیٹ میں پہنچے گا جس سے سب انتڑی اوجھڑی کٹ کٹ کر نکل پڑے گی اور بدن کی بالائی سطح کو جب پانی مس کرے گا تو بدن کا چمڑا گل کر گر پڑے گا۔ پھر اصلی حالت کی طرف لوٹائے جائیں گے اور بار بار یہی عمل ہوتا رہے گا۔ ﴿كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَیْرَهَا لِیَذُوْقُوا الْعَذَابَ﴾ (نساء، رکوع ۸) اللّٰھم اعذنا من غضبك وعذابك۔

ف۲ یعنی دوزخ میں گھٹ گھٹ کر چاہیں گے کہ کہیں کو نکل بھاگیں، آگ کے شعلے ان کو اوپر کی طرف اٹھائیں گے پھر فرشتے آہنی گرز مار کر نیچے دھکیل دیں گے اور کہا جائے گا کہ دائمی عذاب کا مزہ چکھتے رہو جس سے نکلنا کبھی نصیب نہ ہوگا۔ العیاذ باللہ۔

ف۳ یعنی بڑی آرائش اور زیب و زینت سے رہیں گے اور ہر ایک عنوان سے تجمل و تنعم کا اظہار ہوگا۔

ف۴ پہلے ﴿قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِیَابٌ مِّنْ نَّارٍ﴾ میں دوزخیوں کا لباس مذکور ہوا تھا، اس کے بالمقابل یہاں جنتیوں کا پہناوا بیان فرماتے ہیں کہ ان کی پوشاک ریشم کی ہوگی۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "یہ جو فرمایا کہ وہاں گہنا اور وہاں پوشاک۔ معلوم ہوا یہ دونوں (چیزیں مردوں کے لیے) یہاں نہیں۔ اور گہنوں میں سے کنگن اس واسطے کہ غلام کی خدمت پسند آتی ہے تو کڑے ہاتھ میں ڈالتے ہیں۔"

(تنبیہ) احادیث میں ہے کہ جو مرد یہاں ریشم کا لباس پہنے گا آخرت میں نہیں پہنے گا اگر وہ پہننے والا کافر ہے تب تو ظاہر ہے کہ وہ جنت میں داخل =

بیان فیصلہ اختلاف ملل و امم در روز قیامت

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی : ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ ھَادُوْا ... الی ... اِلٰی صِرَاطِ الْحَمِیْدِ﴾

ربط :...... گزشتہ آیت میں کفار کا دین اسلام اور اہل ایمان کے ساتھ اختلاف کا ذکر تھا اب ان آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ دین کے بارہ میں لوگ مختلف ہیں۔ ہر شخص اپنے کو حق اور ہدایت پر بتلاتا ہے اس اختلاف کا عملی فیصلہ قیامت کے دن ہوگا اس دن اہل حق کو عزت اور کرامت حاصل ہوگی اور اہل باطل کو ذلت اور اہانت ملے گی اور اس دن معلوم ہوجائیگا کہ عزت وذلت کی مالک کون ذات ہے کہ جس کو تمام آسمان اور زمین کی چیزیں آفتاب و ماہتاب اور شجر و حجر سب سجدہ کرتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق جو لوگ قرآن کریم کی آیات بینات پر ایمان لائے اور دین اسلام میں داخل ہوئے یعنی مسلمان ہوئے اور جو لوگ یہودی ہوئے اور ستارہ پرست لوگ جو کواکب اور نجوم کی تاثیر کے معتقد ہیں اور تغیرات عالم کو انہیں کی طرف منسوب کرتے ہیں اور نصاریٰ اور مجوس یعنی آتش پرست جو آگ کو پوجتے ہیں اور دو خدا مانتے ہیں۔ خالق خیر کو "یزدان" کہتے ہیں اور خالق شر کو "اہرمن" کہتے ہیں اور وہ لوگ جو مشرک ہیں یعنی بت پرست ہیں۔ کل چھ اہل ادیان ہیں ان میں سے صرف ایک دین والے یعنی مسلمان جن کا مذہب اسلام ہے وہ حق پر ہیں اور ان کا دین اللہ کا دین ہے اور باقی پانچوں باطل پر ہیں اور انکا دین شیطان کا دین ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان سب کے درمیان عملی طور پر فیصلہ کردے گا کہ مسلمانوں کو جنت میں داخل کردے گا اور کافروں کو دوزخ میں بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر مطلع ہے اس سے کسی کا عمل مخفی نہیں۔ سب کو ان کے اعمال کے مطابق جزا دے گا۔

عام طور پر دنیا میں چھ فریق ہیں (۱) اہل ایمان جن کو ﴿الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ سے تعبیر کیا یہود (سوم) نصاریٰ۔ (چہارم) مجوسی یعنی آتش پرست (پنجم) مشرکین یعنی بت پرست۔ یہ سب مشہور ہیں۔ (ششم) صابئین۔ ان کے بارے میں اختلاف ہے کہ اس فرقہ کا کیا مذہب ہے۔

صابئین کے بارے میں تین قول

پہلا قول:...... امام شہرستانی رحمۃ اللہ علیہ ملل ونحل میں فرماتے ہیں کہ یہ کواکب پرستوں کا گروہ ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں تھا کواکب اور نجوم کی تعظیم ان کا مذہب تھا بعض یہ کہتے ہیں کہ اس عالم کی تدبیر انہی کواکب کے سپرد ہے اور بعض سرے

= ہی نہ ہوگا کہ جنتیوں کا لباس پہنے۔ ہاں اگر مومن ہے تو شاید کچھ مدت تک اس لباس سے محروم رکھا جائے پھر ابد الآباد تک پہنتا رہے اور اس لا متناہی مدت کے مقابلہ میں یہ قلیل زمانہ غیر معتد بہ سمجھا جائے۔

ف۵ دنیا میں بھی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہا، قرآن پڑھا، خدا کی تسبیح وتحمید کی اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کیا اور آخرت میں بھی کہ فرشتے ہر طرف سے سلام کریں گے اور جنتی آپس میں ایک دوسرے سے ستھری باتیں کرتے ہوں گے بک بک جھک جھک نہ ہوگی اور نعمائے جنت پر شکر خداوندی بجا لائیں گے۔ مثلاً کہیں گے "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَہٗ وَاَوْرَثَنَا الْجَنَّۃَ" سورۂ فاطر میں ہے ﴿یُحَلَّوْنَ فِیْھَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَھَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۚ وَلِبَاسُھُمْ فِیْھَا حَرِیْرٌ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْٓ اَذْھَبَ عَنَّا الْحَزَنَ﴾ الآیۃ اس سے آیت حاضرہ کی تفسیر ہوتی ہے۔ نبہ علیہ فی الروح۔

ف۶ یعنی اللہ کی راہ پائی جس کا نام اسلام ہے یہ راہ خود بھی حمید ہے اور راہ والا بھی حمید ہے۔ یا راہ پائی اس جگہ کی جہاں پہنچ کر آدمی کو خدا تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا ہوتا ہے۔

سے قادر مختار کے منکر تھے اور تغیرات عالم کو انہی کی طرف منسوب کرتے تھے اور ان کی اصلاح اور ہدایت کے لیے ابراہیم علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے یہ فرقہ صابئین نہ کسی ملت اور مذہب کا قائل تھا اور نہ پیغمبر اور پیغمبری کا قائل تھا اس فرقہ کے مقابل فرقہ کا نام حنفاء تھا جو ابراہیم علیہ السلام حنیف کے ماننے والے تھے۔

دوسرا قول:...... صابئین ایک قوم ہے جو فرشتوں کو پوجتی ہے اور قبلہ کی طرف نماز پڑھتی ہے اور زبور پڑھتی ہے اور صابئین اہل کتاب میں کا ایک فرقہ ہے۔

تیسرا قول:...... صابئین ایک قوم ہے جو مجوس اور نصاریٰ کے درمیان ہے اور ان کا کوئی دین نہیں اور نہ ان کی کوئی شریعت ہے اور نہ کسی ملت کی جانب منسوب ہیں اور نہ کسی پیغمبر پر ایمان رکھتے ہیں۔ انہی مختلف اقوال کی بنا پر فقہاء میں اختلاف ہے کہ ان کا ذبیحہ حلال ہے یا حرام اور ان کی عورتوں سے نکاح جائز ہے یا ناجائز۔ جن فقہاء کے نزدیک صابئین اہل کتاب میں کا کوئی فرقہ ہے تو ان کے نزدیک ان کا ذبیحہ حلال ہے اور ان کی عورتوں سے نکاح جائز ہے اور جن فقہاء کے نزدیک یہ بے دین فرقہ ہے ان کے نزدیک انکا ذبیحہ حلال نہیں اور نہ ان کی عورتوں سے نکاح جائز ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ یہ چھ دین ہیں جن میں سے پانچ دین شیطان کے ہیں اور ایک دین رحمان کا ہے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ادیان مختلفہ کا فیصلہ فرمائیں گے۔ اہل ایمان اور اہل اسلام کو جنت میں داخل کریں گے۔ اور ان کے سوا سب کافروں کو خواہ وہ یہودی ہوں یا نصرانی یا مجوسی یا صابی یا مشرک سب کو جہنم میں داخل کریں گے اور یہ فیصلہ علم کی بناء پر ہوگا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ہر قول و فعل پر شہید ہے کوئی شئے اس سے غائب نہیں اور ان چھ فرقوں کے علاوہ ایک ساتواں فرقہ اور بھی ہے جو فرقۂ دہریہ کے نام سے مشہور ہے کہ جو خدا کا منکر ہے اور حوادث عالم کو زمانہ کی طرف منسوب کرتا ہے دنیا کا گمراہ ترین فرقہ یہی ہے اسکا ذکر سورۂ جاثیہ کی اس آیت میں آیا ہے ﴿وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ﴾۔ اس کی تفصیل اپنے موقع پر آئے گی۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال علم کو بیان فرمایا۔ ان آئندہ آیات میں اپنی کمال قدرت اور کمال عظمت اور کمال حکومت و سلطنت کو بیان کرتے ہیں کہ کوئی شئے اس کے احاطۂ تسخیر اور دائرۂ سلطنت سے خارج نہیں چنانچہ فرماتے ہیں اے مخاطب کیا تو نے اس پر نظر نہیں کی اور عقل کی آنکھ سے یہ نہیں دیکھا کہ اللہ ہی کو سجدہ کرتا ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے اور بہت سے آدمی ہر ایک اپنی اپنی حالت کے مطابق اللہ کو سجدہ کرتا ہے، ایک سجدہ تو یہ ہے کہ جس میں زمین و آسمان سب شامل ہیں وہ یہ کہ تکوینی طور پر اللہ کی قدرت کے سامنے بے بس ہیں اور اس کے حکم کے سامنے سرافگندہ ہیں اور اس عام سجدہ کے علاوہ ایک اور سجدہ ہے جو ہر چیز کا الگ الگ اور جدا جدا ہے وہ یہ کہ جس چیز کو جس کام کیلئے بنا دیا وہ اسی کام میں لگی ہوئی ہے۔ سب اس کے حکم کے تبع اور فرمانبردار ہیں لیکن بہت سے لوگوں نے اس کے سجدہ سے اعراض اور انحراف کیا۔ اصل وجہ اس کی یہ ہے کہ قضاء و قدر میں ان پر عذاب کا حکم جاری ہو چکا ہے اللہ کا ارادہ انکو ذلیل کرنے کا ہے اور جس کو اللہ ذلیل کرے اسکو کوئی عزت دینے والا نہیں بیشک اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے وہ عزت اور ذلت کا مالک ہے جس کو چاہے عزت دے اور جس کو چاہے ذلت دے۔ زمین کو یہ حق نہیں کہ

حق تعالیٰ سے سوال کر سکے کہ میں نے کیا قصور کیا جو مجھ کو پست بنایا اور آسمان نے کیا خدمت انجام دی کہ اس کے صلہ میں اس کو بلندی عطاء ہوئی۔

مسئلہ:...... یہ آیت سجدہ کی ہے اس کے پڑھنے اور سننے والے پر سجدہ واجب ہے۔

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل حق اور اہل باطل کے فیصلہ کا ذکر فرمایا اور تفصیل کے ساتھ اہل باطل کی انواع و اقسام کو بیان فرمایا لیکن یہ تمام فرقے جن کا اوپر کی آیت میں ذکر ہوا حق اور باطل ہونے کی حیثیت سے دو فریق ہیں۔ اس لیے فرماتے ہیں یہ دونوں یعنی مومن اور کافر اور اہل اطاعت اور اہل معصیت دو جھگڑنے والے فریق ہیں۔ ایک فریق مسلمانوں کا ہے اور دوسرا فریق کافروں کا ہے جس میں یہود اور نصاریٰ اور مجوسی اور صابئین اور مشرکین سب داخل ہیں اس لیے کہ ہمہ اقسام کفر ملت واحد ہیں۔ ہدایت ربانی اور کتاب آسمانی کے نہ قبول کرنے میں سب شریک ہیں اور ایک ہیں۔ غرض یہ کہ یہ دو فریق ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کے بارے میں جھگڑا کیا۔ مسلمانوں نے اللہ کے دین کو قبول کیا اور باقی پانچ مذکورہ فرقوں نے یعنی یہود اور نصاریٰ اور مجوسی اور صابئین اور مشرکین نے دین اسلام قبول کرنے سے انکار کیا۔ اور باہم جنگ وجدل اور قتل وقتال کا سلسلہ شروع ہوا جس کا آغاز معرکہ بدر سے ہوا۔ چنانچہ بدر کے میدان میں حضرت علی اور حضرت حمزہ اور حضرت عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہم، عتبہ اور شیبہ اور ربیعہ کے مقابلہ پر نکلے۔ اللہ نے مسلمانوں کو عزت دی اور کافروں کا ذلیل کیا۔ اب آگے دونوں فریق کے اخروی انجام کو بتلاتے ہیں۔ سو جن لوگوں نے کفر کیا سو اول تو ان کے لیے ان کے جثہ کے مطابق آگ کے کپڑے قطع کیے جائیں گے یعنی حقیقتاً آگ کا لباس ہوگا جو ان کی مصیبت کا سامان اور ان متکبرین کی ذلت کا نشان ہوگا اور دوم ان کے سروں کے اوپر سے کھولتا ہوا پانی ڈالا جائیگا جس سے ان کے پیٹوں کی انتڑیاں اور بدن کی کھالیں پگھل جائیں گی اور پھر ان کو ویسا ہی کر دیا جائیگا جیسے پہلے تھے۔ ﴿كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ﴾ اور سوم ان کے مارنے کے لیے لوہے کے بڑے بھاری گرز ہوں گے جو ان کے سروں پر مارے جائیں گے اور کبھی اس مصیبت سے ان کو نجات نہ ہوگی۔ چنانچہ جب کبھی شدت غم کی وجہ سے اس آگ سے باہر نکلنا چاہیں گے تو پھر اس میں لوٹا دیئے جائیں گے اور فرشتے ان سے کہیں گے کہ جلنے کے عذاب کا مزہ چکھو جس کی تم دنیا میں تکذیب کیا کرتے تھے۔

یہاں تک اللہ تعالیٰ نے ایک فریق مخاصم یعنی فریق کفار کا حال بیان فرمایا اب آئندہ آیات میں دوسرے فریق مخاصم یعنی فریق مومنین کا حال بیان فرماتے ہیں کہ یہ لوگ آخرت میں غایت درجہ ناز و نعمت اور عیش و عشرت میں ہوں گے اس آیت میں اہل ایمان کی چار نعمتوں کا ذکر فرمایا، چنانچہ فرماتے ہیں۔

(۱) تحقیق اللہ تعالیٰ داخل فرمائے گا ان بندوں کو جو ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسول پر اور نیک کام کیے ایسے باغوں میں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہاں ان کو سونے کے اور موتیوں کے کنگن پہنائے جائیں گے۔ امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جنت میں مومن کو تین قسم کے کنگن پہنائے جائیں گے ایک کنگن سونے کا اور ایک چاندی کا اور ایک موتی کا۔ سونے اور موتی کے کنگن کا ذکر تو اس آیت میں ہے اور چاندی کے کنگن کا دوسری آیت میں ہے۔ ﴿وَحُلُّوْٓا اَسَاوِرَ مِنْ

﴿فِضَّةٍ﴾۔ اور ان کا لباس وہاں ریشمین ہوگا۔ اہل جہنم کے ثیاب النار کے مقابلہ میں ان کا لباس حریری ہوگا۔ ﴿عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّاِسْتَبْرَقٌ ۫ وَّحُلُّوْٓا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ﴾ اور ان کو دنیا میں پاکیزہ قول کی طرف ہدایت کی گئی اور خدائے ستودہ کے راستے کی طرف ان کو ہدایت کی گئی۔ پاکیزہ قول سے کلمہ توحید یعنی لا الہ الا اللہ مراد ہے اور "صراط حمید" سے صراط مستقیم اور دین اسلام مراد ہے اس کے صلہ میں آج ان کو یہ نعمتیں اور کرامتیں مل رہی ہیں اور بعض علما یہ کہتے ہیں کہ پاکیزہ قول سے جنت میں اللہ کی حمد وثناء اور اس کی تسبیح وتقدیس کرنا مراد ہے اور صراط حمید سے طریق جنت مراد ہے۔ اور سیاق کلام کا اقتضا یہ ہے کہ گزشتہ آیات کی طرح ان دونوں آیتوں میں اخروی ہدایت مراد لی جائے کہ اہل جنت، جنت میں داخل ہونے کے بعد یہ کہیں گے۔ ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ﴾ اور الحمد للہ الذی اذھب عنا الحزن اور ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا﴾۔ اور فرشتے ان پر داخل ہوں گے اور ان کو سلام کریں گے۔ ﴿وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۝ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ﴾۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِيْ جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ

جو لوگ منکر ہوئے اور روکتے ہیں اللہ کی راہ سے اور مسجد حرام سے جو ہم نے بنائی سب لوگوں کے واسطے

جو لوگ منکر ہوئے اور روکتے ہیں اللہ کی راہ سے اور ادب والی مسجد سے، جو ہم نے بنائی سب لوگوں کے واسطے

سَوَآءَ ۨ الْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ ۭ وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍۢ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۲۵ ع ۱۰

برابر ہے اس میں رہنے والا اور باہر سے آنے والا ف۱ اور جو اس میں چاہے ٹیڑھی راہ شرارت سے اسے ہم چکھائیں گے ایک عذاب دردناک ف۲

برابر ہے اس میں لگا رہنے والا اور باہر کا۔ اور جو اس میں چاہے ٹیڑھی راہ شرارت سے اسے ہم چکھاویں گے ایک دکھ کی مار۔

وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْـًٔا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ

اور جب ٹھیک کر دی ہم نے ابراہیم کو جگہ اس گھر کی ف۳ کہ شریک نہ کرنا میرے ساتھ کسی کو ف۴ اور پاک رکھ میرا گھر طواف کرنے والوں کے واسطے

اور جب ٹھیک کر دیا ہم نے، ابراہیم کا ٹھکانا اس گھر کا، کہ شریک نہ کر میرے ساتھ کسی کو اور پاک رکھ میرا گھر طواف کرنے والوں کے لئے،

ف۱ پہلے ﴿هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا﴾ الخ میں مومنین اور کفار کے اختصام (جھگڑے) کا ذکر تھا۔ اس اختصام کی بعض صورتوں کو یہاں بیان فرمایا ہے۔ یعنی ایک وہ لوگ ہیں جو خود گمراہ ہونے کے ساتھ دوسروں سے مزاحم ہوتے ہیں۔ چاہتے ہیں کہ کوئی شخص اللہ کے راستہ پر نہ چلے۔ حتیٰ کہ جو مسلمان اپنے پیغمبر کی معیت میں عمرہ ادا کرنے کے لیے مکہ معظمہ جا رہے تھے ان کا راستہ روک دیا۔ حالانکہ مسجد حرام (یا حرم شریف کا وہ حصہ جس سے لوگوں کی عبادات ومناسک کا تعلق ہے) سب کے لیے یکساں ہے۔ جہاں مقیم ومسافر اور شہری و پردیسی کو ٹھہرنے اور عبادت کرنے کے مساویانہ حقوق حاصل ہیں۔ ہاں وہاں سے نکالے جانے کے قابل اگر ہیں تو وہ لوگ جو شرک اور شرارتیں کر کے اس بقعہ مبارکہ کی بے تعظیمی کرتے ہیں۔

(تنبیہ) بیوت مکہ کی ملکیت اور بیع وشراء وغیرہ کا مسئلہ ایک مستقل مسئلہ ہے جس کی کافی تفصیل روح المعانی وغیرہ میں کی گئی ہے۔ یہاں اس کے بیان کا موقع نہیں۔

ف۲ یعنی جو شخص حرم شریف میں جان بوجھ کر بالارادہ بے دینی اور شرارت کی کوئی بات کرے گا اس کو اس سے زیادہ سخت سزا دی جائے گی جو دوسری جگہ ایسا کام کرنے پر ملتی ہے۔ اسی سے ان کا حال معلوم کر لو جو ظلم وشرارت سے مومنین کو یہاں آنے سے روکتے ہیں۔

ف۳ کہتے ہیں کعبہ شریف کی جگہ پہلے سے بزرگ تھی۔ پھر مدتوں کے بعد نشان نہ رہا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا کہ بیت اللہ تعمیر کرو۔ اس معظم جگہ کا =

وَالْقَآئِمِیْنَ وَالرُّکَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۲۶﴾ وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْکَ رِجَالًا وَّعَلٰی کُلِّ ضَامِرٍ

اور کھڑے رہنے والوں کے اور رکوع وسجدہ والوں کے ف۱ اور پکار دے لوگوں میں حج کے واسطے کہ آئیں تیری طرف پیروں چل کر اور سوار ہو کر دبلے

اور کھڑے رہنے والوں کے لیے اور رکوع وسجدہ والوں کے لئے۔ اور پکار دے لوگوں میں حج کے واسطے کہ آویں تیری طرف پاؤں چلتے اور سوار ہو کر دبلے

یَّاْتِیْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ ﴿۲۷﴾ لِّیَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَیَذْکُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِیْٓ اَیَّامٍ

دبلے اونٹوں پر چلے آئیں راہوں دور سے ف۲ تاکہ پہنچیں اپنے فائدے کی جگہوں پر ف۳ اور پڑھیں اللہ کا نام کئی دن

دبلے اونٹوں پر، چلے آتے راہوں دور سے۔ کہ پہنچیں اپنے بھلے کی جگہوں پر، اور پڑھیں اللہ کا نام کئی دن

مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰی مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِیْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ فَکُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ

جو معلوم ہیں ذبح پر چوپایوں مواشی کے جو اللہ نے دیے ہیں ان کو ف۴ سو کھاؤ اس میں سے اور کھلاؤ برے حال کے

جو معلوم ہیں، ذبح پر چوپایوں مواشی کے، جو اس نے دیئے ہیں ان کو، سو کھاؤ اس میں سے، اور کھلاؤ برے حال

الْفَقِیْرَ ﴿۲۸﴾ ثُمَّ لْیَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْیُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَلْیَطَّوَّفُوْا بِالْبَیْتِ الْعَتِیْقِ ﴿۲۹﴾

محتاج کو ف۵ پھر چاہیے کہ ختم کردیں اپنا میل کچیل اور پوری کریں اپنی منتیں اور طواف کریں اس قدیم گھر کا ف۶

محتاج کو۔ پھر چاہئے نبیڑیں اپنا میل کچیل اور پوری کریں اپنی منتیں اور طواف کریں اس قدیم گھر کا۔

=نشان دکھلایا گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے اسماعیل کو ساتھ لے کر خانہ کعبہ تعمیر کیا۔

(تنبیہ) "مسجد حرام" کا ذکر پہلے آیا تھا اس کی مناسبت سے کعبہ کی بنا کا حال اور اس کے متعلق بعض احکام دور تک بیان کیے گئے ہیں۔

ف۴ یعنی اس گھر کی بنیاد خالص توحید پر رکھو، کوئی شخص یہاں آ کر اللہ کی عبادت کے سوا کوئی مشرکانہ رسوم نہ بجالائے۔ کفار مکہ نے اس پر ایسا عمل کیا کہ وہاں تین سو ساٹھ بت لا کر کھڑے کر دیئے۔ العیاذ باللہ جن کی گندگی سے ہمیشہ کے لیے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کے گھر کو پاک کیا۔ فللّٰہ الحمد والمنہ۔

ف۱ یعنی خالص ان ہی لوگوں کے لیے رہے اور سب سے پاک کیا جائے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں" پہلی امتوں میں رکوع نہ تھا یہ خاص اسی امت محمدیہ کی نماز میں ہے۔ تو خبر دی کہ آگے لوگ ہوں گے اس کے آباد کرنے والے" وفیہ نظر فتامل"

ف۲ جب کعبہ تعمیر ہو گیا تو ایک پہاڑ پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پکارا کہ لوگو! تم پر اللہ نے حج فرض کیا ہے حج کو آؤ۔ حق تعالیٰ نے یہ آواز ہر طرف ہر ایک روح کو پہنچا دی (بلاتشبیہ جیسے آجکل ہم امریکہ یا ہندوستان میں بیٹھ کر لندن کی آوازیں سن لیتے ہیں) جس کے لیے حج مقدر تھا اس کی روح نے لبیک کہا۔ وہی شوق کی دبی ہوئی چنگاری ہے کہ ہزاروں آدمی پاپیادہ تکلیفیں اٹھاتے ہوئے حاضر ہوتے ہیں اور بہت سے اتنی دور سے سوار ہو کر آتے ہیں کہ چلتے چلتے اونٹنیاں تھک جاتی اور دبلی ہو جاتی ہیں، بلکہ عموماً حاجیوں کو عمدہ سانڈنیاں کہاں ملتی ہیں ان ہی سوکھے دبلے اونٹوں پر منزلیں قطع کرتے ہیں۔ یہ گویا اس دعا کی مقبولیت کا اثر ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کی تھی ﴿فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْٓ اِلَیْهِمْ﴾ (ابراہیم، رکوع ۶)۔

ف۳ اصل مقصد تو دینی و اخروی فوائد کی تحصیل ہے مثلاً حج وعمرہ اور دوسری عبادات کے ذریعہ حق تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنا اور روحانی ترقیات کے بلند مقامات پر فائز ہونا لیکن اس عظیم الشان اجتماع کے ضمن میں بہت سے سیاسی، تمدنی اور اقتصادی فوائد بھی حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ کما لا یخفی۔

ف۴ "ایام معلومات" سے بعض کے نزدیک ذی الحجہ کا پہلا عشرہ اور بعض کے نزدیک تین دن قربانی کے مراد ہیں۔ بہر حال ان ایام میں ذکر اللہ کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ اسی ذکر کے تحت میں خصوصیت کے ساتھ یہ بھی داخل ہے کہ قربانی کے جانوروں کو ذبح کرتے ہوئے اللہ کا نام لیا جائے اور بِسْمِ اللّٰهِ اللّٰهُ اَکْبَرُ کہا جائے۔ ان دنوں میں بہترین عمل یہی ہے اللہ کے نام پر ذبح کرنا۔

ف۵ بعض کفار کا خیال تھا کہ قربانی کا گوشت خود قربانی کرنے والے کو نہ کھانا چاہیے۔ اس کی اصلاح فرما دی کہ شوق سے کھاؤ، دوستوں کو دو اور مصیبت زدہ محتاجوں کو کھلاؤ۔

=

ذٰلِكَ ۗ وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۭ وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا

یہ سن چکے اور جو کوئی بڑائی رکھے اللہ کی حرمتوں کی سو وہ بہتر ہے اس کے لیے اپنے رب کے پاس ف۱ اور حلال ہیں تم کو چوپائے ف۲ مگر جو تم کو

یہ سن چکے، اور جو کوئی بڑائی رکھے اللہ کے ادب کی، سو وہ بہتر ہے اس کو اپنے رب کے پاس۔ اور حلال ہیں تم کو چوپائے، مگر جو تم کو

يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ۝ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ

سناتے ہیں ف۳ سو بچتے رہو بتوں کی گندگی سے ف۴ اور بچتے رہو جھوٹی بات سے ف۵ ایک اللہ کی طرف کے ہو کر

سناتے ہیں، سو بچتے رہو بتوں کی گندگی سے اور بچتے رہو جھوٹی بات سے۔ ایک اللہ کی طرف کے ہو کر،

غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ۭ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ

نہ کہ اس کے ساتھ شریک بنا کر ف۶ اور جس نے شریک بنایا اللہ کا، سو جیسے گر پڑا آسمان سے پھر اچکتے ہیں اس کو

نہ اس کے ساتھ ساجھی بنا کر۔ اور جس نے شریک بنایا اللہ کا، سو جیسے گر پڑا آسمان سے، پھر اوچکتے ہیں اس کو

=ف۶ جہاں سے لبیک شروع کرتے ہیں حجامت نہیں بنواتے، ناخن نہیں لیتے، بالوں میں تیل نہیں ڈالتے، بدن پر میل اور گرد وغبار چڑھ جاتا ہے زیادہ مل دل کر غسل نہیں کرتے۔ ایک عجیب عاشقانہ ومستانہ حالت ہوتی ہے، اب دسویں تاریخ کو سب قصے تمام کرتے ہیں، حجامت بنوا کر غسل کر کے سلے ہوئے کپڑے پہن کر طواف زیارت کو جاتے ہیں، جس کو ذبح کرنا ہو پہلے ذبح کر لیتا ہے۔ اور اپنی منتیں پوری کرنے سے یہ مراد ہے کہ اپنی مرادوں کے واسطے جو منتیں مانی ہوں ادا کریں۔ اصل منت اللہ کی ہے اور کسی کی نہیں۔ بعض کے نزدیک "نذور" کے لفظ سے مناسک حج یا واجبات حج مراد ہیں۔ اور یہی اقرب معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

(تنبیہ) "عتیق" کے معنی قدیم پرانے کے ہیں، اور بعض کے نزدیک "بیت عتیق" اس لیے کہا کہ اس گھر کو برباد کرنے کی غرض سے جو طاقت اٹھے گی حق تعالیٰ اس کو کامیاب نہ ہونے دے گا۔ تا آنکہ خود اس کا اٹھا لینا منظور ہو۔

ف۱ یعنی حرام چیزوں کو بھاری سمجھ کر چھوڑ دینا یا اللہ نے جن چیزوں کو محترم قرار دیا ہے ان کا ادب وتعظیم قائم رکھنا بڑی خوبی اور نیکی کی بات ہے جس کا انجام نہایت اچھا ہوگا۔ محترم چیزوں میں قربانی کا جانور، بیت اللہ، صفا مروہ، منیٰ، عرفات، مسجدیں، قرآن، بلکہ تمام احکام الٰہیہ آ جاتے ہیں۔ خصوصیت سے یہاں مسجد حرام اور ہدی کے جانور کی تعظیم پر زور دینا ہے کہ خدائے واحد کے پرستاروں کو وہاں آنے سے نہ روکیں نہ قربانی کے آئے ہوئے جانوروں کو واپس جانے پر مجبور کریں بلکہ قیمتی اور موٹے تازے جانور قربان کریں۔

ف۲ یعنی ان کے ذبح کرنے کا حکم تعظیم حرمات اللہ کے خلاف نہیں۔ کیونکہ جس مالک نے ایک چیز کی حرمت بتلائی تھی اسی کی اجازت سے اور اسی کے نام پر وہ قربان کی جاتی ہے۔

ف۳ یعنی جن جانوروں کا حرام ہونا وقتاً فوقتاً تم کو سنایا جاتا رہا ہے جیسا کہ سورۂ "انعام" میں تفصیلاً گزر چکا وہ حلال نہیں۔

ف۴ یعنی جانور اللہ کی مخلوق ومملوک ہیں، اس کی اجازت سے اسی کے نام پر ذبح کیے جا سکتے ہیں اور اسی کے کعبہ کی نیاز ہو سکتے ہیں، جو جانور کسی بت یا دیوی دیوتا کے استھان پر ذبح کیا گیا وہ مردار ہوا۔ ایسی شرکیات اور گندے کاموں سے بچنا ضروری ہے۔

ف۵ جھوٹی بات زبان سے نکالنا، جھوٹی شہادت دینا، اللہ کے پیدا کیے ہوئے جانور کو غیر اللہ کے نامزد کر کے ذبح کرنا، کسی چیز کو بلا دلیل شرعی حلال وحرام کہنا، سب "قَوْلَ الزُّوْرِ" میں داخل ہے۔ "قَوْلَ الزُّوْرِ" کی برائی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ حق تعالیٰ نے اس کو یہاں شرک کے ساتھ ذکر فرمایا ہے اور دوسری جگہ ارشاد ہوا۔ "وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ" (اعراف، رکوع ۴) احادیث میں بڑی تاکید وتشدید سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو منع فرمایا ہے۔

ف۶ یعنی ہر طرف سے ہٹ کر ایک اللہ کے ہو کر رہو۔ تمہارے تمام اعمال ونیات بالکلیہ بلا شرکت غیرے خالص خدا کے لیے ہونے چاہئیں۔

بِهِ الرِّيحُ فِي مَكَانٍ سَحِيقٍ ﴿٣١﴾ ذَٰلِكَ وَمَن يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِن تَقْوَى

اڑنے والے مردار خور، یا جا ڈالا اس کو ہوا نے کسی دوسرے مکان میں ف۱ یہ سن چکے اور جو کوئی ادب رکھے اللہ کے نام لگی چیزوں کا، سو وہ دل کی

اڑتے جانور، یا لے ڈالا اس کو باؤ نے کسی دور مکان میں۔ یہ سن چکے! اور جو کوئی ادب رکھے اللہ کے نام لگی چیزوں کا، سو وہ دل کی

الْقُلُوبِ ﴿٣٢﴾ لَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَا إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ ﴿٣٣﴾

پرہیزگاری کی بات ہے ف۲ تمہارے واسطے چوپایوں میں فائدے ہیں ایک مقرر وعدہ تک پھر ان کو پہنچنا اس قدیم گھر تک ف۳

پرہیزگاری سے ہے۔ تم کو چوپایوں میں فائدے ہیں ایک ٹھہرے وعدہ تک، پھر ان کو پہنچنا اس قدیم گھر تک۔

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ ۗ

اور ہر امت کے واسطے ہم نے مقرر کر دی ہے قربانی کہ یاد کریں اللہ کے نام ذبح پر چوپایوں کے جو ان کو (اللہ نے دیے)

اور ہر فرقے کو ہم نے ٹھہرا دی ہے قربانی، کہ یاد کریں نام اللہ کا ذبح پر چوپایوں کے جو ان کو دیئے۔

فَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ فَلَهُ أَسْلِمُوا ۗ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِينَ ﴿٣٤﴾ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ

سو اللہ تمہارا ایک اللہ ہے سو اسی کے حکم میں رہو ف۴ اور بشارت سنا دے عاجزی کرنے والوں کو ف۵ وہ کہ جب نام لیجیے اللہ کا ڈر جائیں

سو اللہ تمہارا ایک اللہ ہے سو اس کے حکم میں رہو۔ اور خوشی سنا عاجزی کرنے والوں کو۔ وہ کہ جب نام لیجئے اللہ کا، ڈر جاویں

ف۱ یہ شرک کی مثال بیان فرمائی، خلاصہ یہ ہے کہ توحید نہایت اعلیٰ اور بلند مقام ہے۔ اس کو چھوڑ کر جب آدمی کسی مخلوق کے سامنے جھکتا ہے تو خود اپنے کو ذلیل کرتا اور آسمان توحید کی بلندی سے پستی کی طرف گراتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس قدر اونچے سے گر کر زندہ بچ نہیں سکتا۔ اب یا تو اہواء و افکار ردیہ کے مردار خور جانور چاروں طرف سے اس کی بوٹیاں نوچ کر کھائیں گے یا شیطان لعین ایک تیز ہوا کے جھکڑ کی طرح اس کو اڑا لے جائے گا اور ایسے گہرے کھڈ میں پھینکے گا جہاں کوئی ہڈی پسلی نظر نہ آئے۔ یا یوں کہو کہ مثال میں دو قسم کے مشرکوں کا الگ الگ حال بیان ہوا ہے۔ جو مشرک اپنے شرک میں پوری طرح پکا نہیں مذبذب ہے کبھی ایک طرف جھک جاتا ہے کبھی دوسری طرف، وہ "فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ" کا، اور جو مشرک اپنے شرک میں پوری طرح پکا اٹل ہو، وہ "تَهْوِي بِهِ الرِّيحُ فِي مَكَانٍ سَحِيقٍ" کا مصداق ہے یا تَخْطَفُهُ الطَّيْرُ سے مراد لوگوں کے ہاتھوں مارا جانا اور تَهْوِي بِهِ الرِّيحُ فِي مَكَانٍ سَحِيقٍ سے طبعی موت مرنا مراد ہو، اکثر مفسرین نے وجہ تشبیہ کے بیان میں اسی طرح کے احتمالات ذکر کیے ہیں۔ لیکن حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "کہ جس کی نیت ایک اللہ پر ہے وہ قائم ہے اور جہاں نیت بہت طرف گئی وہ سب اس کو (پریشان کر کے) راہ میں سے اچک لیں گی۔ یا سب سے منکر ہو کر دہری ہو جائے گا۔"

ف۲ یعنی شعائر اللہ کی تعظیم شرک میں داخل نہیں۔ جس کے دل میں پرہیزگاری کا مضمون اور خدائے واحد کا ڈر ہو گا وہ اس کے نام لگی چیزوں کا ادب ضرور کرے گا۔ یہ ادب کرنا شرک نہیں بلکہ عین توحید کے آثار میں سے ہے کہ خدا کا عاشق ہر اس چیز کی قدر کرتا ہے جو بالخصوص اس کی طرف منسوب ہو جائے۔

ف۳ قدیم گھر بیت اللہ شریف ہے اور یہاں شاید توسعاً سارا حرم مراد ہو، یعنی اونٹ، گائے، بکری وغیرہ سے تم بہت فوائد حاصل کر سکتے ہو۔ مثلاً سواری کرو، دودھ پیو، نسل چلاؤ، اون وغیرہ کو کام میں لاؤ، مگر یہ اس وقت کہ ان کو ہدی نہ بناؤ۔ "ہدی" بننے کے بعد اس قسم کا انتفاع (بدون شدید ترین ضرورت کے) نہیں کر سکتے۔ اب تو اس کا عظیم الشان اخروی فائدہ یہی ہے کہ کعبہ کے پاس لے جا کر خدا تعالیٰ کے نام پر قربان کر دو۔

ف۴ یعنی اللہ کی نیاز کے طور پر مواشی قربان کرنا ہر دین سماوی میں عبادت قرار دی گئی ہے۔ اگر یہ عبادت غیر اللہ کی نیاز کے طور پر کرو گے تو شرک ہو جائے گا جس سے بہت پرہیز کرنا چاہیے۔ موحد کا کام یہ ہے کہ قربانی اکیلے اسی خدا کے لیے کرے جس کے نام پر قربان کرنے کا تمام شرائع میں حکم رہا ہے۔ اس کے حکم سے باہر نہ ہو۔

ف۵ یعنی ان لوگوں کو رضائے الٰہی کی بشارت سنا دیجئے جو صرف اسی ایک خدا کا حکم مانتے ہیں اسی کے سامنے جھکتے ہیں اسی پر ان کا دل جمتا ہے اور اسی کے جلال و جبروت سے ڈرتے رہتے ہیں۔

قُلُوۡبُهُمۡ وَالصّٰبِرِيۡنَ عَلٰى مَاۤ اَصَابَهُمۡ وَالۡمُقِيۡمِى الصَّلٰوةِ ۙ وَمِمَّا رَزَقۡنٰهُمۡ يُنۡفِقُوۡنَ ۝۳۵

ان کے دل اور سہنے والے اس کو جو ان پر پڑے ف۱ اور قائم رکھنے والے نماز کے اور ہمارا دیا ہوا کچھ خرچ کرتے رہتے ہیں ف۲

ان کے دل، اور سہنے والے جو ان پر پڑے، اور کھڑی رکھنے والے نماز کے، اور ہمارا دیا کچھ خرچ کرتے ہیں۔

وَالۡبُدۡنَ جَعَلۡنٰهَا لَـكُمۡ مِّنۡ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَـكُمۡ فِيۡهَا خَيۡرٌ ‌ۖ فَاذۡكُرُوا اسۡمَ اللّٰهِ عَلَيۡهَا

اور کعبہ کے چڑھانے کے اونٹ ٹھہرائے ہیں ہم نے تمہارے واسطے نشانی اللہ کے نام کی تمہارے واسطے اس میں بھلائی سو پڑھو ان پر نام اللہ کا

اور کعبے کے چڑھانے کے اونٹ، ٹھہرائے ہیں ہم نے تمہارے واسطے نشانی اللہ کے نام کی، تمہارا اس میں بھلا ہے۔ سو پڑھو ان پر نام اللہ کا

صَوَآفَّ ‌ۚ فَاِذَا وَجَبَتۡ جُنُوۡبُهَا فَكُلُوۡا مِنۡهَا وَاَطۡعِمُوا الۡقَانِعَ وَالۡمُعۡتَـرَّ‌ ؕ كَذٰلِكَ

قطار باندھ کر پھر جب گر پڑے ان کی کروٹ، تو کھاؤ اس میں سے ف۳ اور کھلاؤ صبر سے بیٹھے کو اور بے قراری کرتے کو ف۴ اسی طرح

قطار باندھ کر۔ پھر جب گر پڑے ان کی کروٹ تو کھاؤ اس میں سے اور کھلاؤ صبر سے بیٹھے کو، اور بیقراری کرتے کو۔ اسی طرح

سَخَّرۡنٰهَا لَـكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ ۝۳۶ لَنۡ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوۡمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰـكِنۡ يَّنَالُهُ

تمہارے بس میں کر دیا ہم نے ان جانوروں کو تا کہ تم احسان مانو ف۵ اللہ کو نہیں پہنچتا ان کا گوشت اور نہ ان کا لہو لیکن اس کو پہنچتا ہے

تمہارے بس میں دیئے ہم نے وہ جانور، شاید تم احسان مانو۔ اللہ کو نہیں پہنچتے ان کے گوشت اور نہ لہو، لیکن اس کو پہنچتا ہے

التَّقۡوٰى مِنۡكُمۡ‌ ؕ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَـكُمۡ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰٮكُمۡ‌ ؕ وَبَشِّرِ

تمہارے دل کا ادب ف۶ اسی طرح ان کو بس میں کر دیا تمہارے کہ اللہ کی بڑائی پڑھو اس بات پر کہ تم کو راہ سجھائی اور بشارت سنا دے

تمہارے دل کا ادب۔ اسی طرح ان کو بس میں دیا تمہارے کہ اللہ کی بڑائی پڑھو اس پر کہ تم کو راہ سجھائی۔ اور خوشی سنا

ف۱ یعنی مصائب وشدائد کو صبر واستقلال سے برداشت کریں، کوئی سختی اٹھا کر راہ حق سے قدم نہ ڈگمگائے۔

ف۲ بیت اللہ تک پہنچنے میں بہت مصائب وشدائد پیش آتے ہیں، سفر میں اکثر نمازوں کے فوت ہونے یا قضا ہو جانے کا اندیشہ ہوتا ہے، مال بھی خرچ کرنا پڑتا ہے، شاید اسی مناسبت سے ان اوصاف وخصال کا یہاں ذکر فرمایا۔

ف۳ پہلے مطلق شعائر اللہ کی تعظیم کا حکم تھا۔ اب تصریحاً بتلا دیا کہ اونٹ وغیرہ قربانی کے جانور بھی شعائر اللہ میں سے ہیں۔ جن کی ذوات میں اور جن کو ادب کے ساتھ قربانی کرنے میں تمہارے لیے بہت سی دنیاوی واخروی بھلائیاں ہیں تو عام ضابطہ کے موافق چاہیے کہ اللہ کا نام پاک لے کر ان کو ذبح کرو۔ بالخصوص اونٹ کے ذبح کا بہترین طریقہ نحر ہے کہ اس کو قبلہ رخ کھڑا کر کے اور ایک ہاتھ داہنا یا بایاں باندھ کر سینہ پر زخم لگائیں جب سارا خون نکل چکا وہ گر پڑا تب ٹکڑے کر کے استعمال کریں اور بہت اونٹ ہوں تو قطار باندھ کر کھڑا کریں۔

ف۴ یہ محتاج کی دو قسمیں بتلائیں۔ ایک جو صبر سے بیٹھا ہے، سوال نہیں کرتا تھوڑا مل جائے تو اسی پر قناعت کرتا ہے دوسرا جو بے قرار ہو کر سوال کرتا پھرتا ہے کچھ مل جائے تب بھی قرار نہیں۔

ف۵ یعنی ایسے بڑے بڑے جانور جو تم سے جثہ میں اور قوت میں کہیں زیادہ ہیں، تمہارے قبضہ میں کر دیے کہ تم ان سے طرح طرح کی خدمات لیتے ہو اور کیسی آسانی سے ذبح کر لیتے ہو۔ یہ خدا تعالیٰ کا بڑا احسان ہے جس کا شکر ادا کرنا چاہیے نہ یہ کہ شرک کر کے الٹی ناشکری کرو۔

ف۶ اس میں قربانی کا اصل فلسفہ بیان فرمایا۔ یعنی جانور کو ذبح کر کے محض گوشت کھانے کھلانے یا اس کا خون گرانے سے تم اللہ کی رضا کبھی حاصل نہیں کر سکتے۔ نہ گوشت اور خون اٹھ کر اس کی بارگاہ تک پہنچتا ہے اس کے یہاں تو تمہارے دل کا تقویٰ اور ادب پہنچتا ہے کہ کیسی خوش دلی اور جوش محبت کے ساتھ ایک قیمتی =

الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۸﴾

نیکی والوں کو ف۱ اللہ دشمنوں کو ہٹا دے گا ایمان والوں سے ف۲ اللہ کو خوش نہیں آتا کوئی دغا باز ناشکر ف۳

احسان کرنے والوں کو۔ اللہ دشمنوں کو ہٹا دے گا ایمان والوں سے۔ اللہ کو خوش نہیں آتا کوئی دغا باز ناشکر۔

مذمت کفارِ لئام بر مزاحمت اہل اسلام وزیارت مسجد حرام
وبیان بعض احکام متعلقۂ آں مقامِ واجب الاحترام

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ... الی ... اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ﴾

ربط:...... اوپر کی آیتوں میں فریق کفار کی خصومیت اور جدال اور اضلال کا ذکر تھا کہ کفار مکہ اہل اسلام کی عداوت اور خصومیت پر تلے ہوئے ہیں اب ان آیات میں ان کی دوسری قسم کی خصومت اور جدال کا ذکر کرتے ہیں کہ یہ لوگ مسلمانوں کو مسجد حرام میں جانے سے روکتے ہیں اور ان کو حج اور عمرہ کے ارکان ادا نہیں کرنے دیتے، حالانکہ دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ اس بیت حرام یعنی خانہ کعبہ کے اولیا یعنی متولی ہم ہیں کما قال تعالیٰ ﴿اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ﴾۔ اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں کہ یہ کافر اور مشرک تو کبھی بھی اس کے متولی نہ تھے اس کے اولیا یعنی متولی تو فقط متقی لوگ ہیں پس اس مناسبت سے آئندہ آیات میں مسجد حرام کا ذکر فرماتے ہیں اور اس مقدس مقام کی فضیلت اور ان ایام کی برکت اور حج اور عمرہ اور قربانی کے کچھ احکام بیان کرتے ہیں کہ یہ مقدس عبادت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے برابر چلی آرہی ہے مگر کفار قریش اس عبادت میں مانع اور مزاحم ہیں اور اپنے افعال شرکیہ سے باز نہیں آتے حالانکہ خانہ کعبہ کی بنیاد ہی خالص توحید پر رکھی گئی ہے کہ اس گھر میں خالص اللہ کی عبادت کی جائے اور رسوم شرکیہ سے اس گھر کو پاک رکھا جائے۔ چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق جن لوگوں نے کفر کیا اور

= اور نفیس چیز اس کی اجازت سے اس کے نام پر اس کے بیت کے پاس لے جا کر قربان کی۔ گویا اس قربانی کے ذریعہ سے ظاہر کر دیا کہ ہم خود بھی تیری راہ میں اسی طرح قربان ہونے کے لیے تیار ہیں۔ بس یہ ہی وہ تقویٰ ہے جس کا ذکر ﴿وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ﴾ میں کیا گیا تھا۔ اور بس کی بدولت خدا کا عاشق اپنے محبوب حقیقی کی خوشنودی حاصل کر سکتا ہے۔

ف۱ یعنی "بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُمَّ لَكَ وَمِنْكَ" کہہ کر ذبح کرو اور اللہ کا شکر ادا کرو کہ اس نے اپنی محبت وعبودیت کے اظہار کی کیسی اچھی راہ سجھا دی، اور ایک جانور کی قربانی کو گویا خود تمہاری جان قربان کرنے کے قائم مقام بنا دیا۔

ف۲ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ الخ میں ان کفار کا ذکر تھا جو مسلمانوں کو حرم شریف کی زیارت اور حج وعمرہ وغیرہ سے روکتے تھے درمیان میں مسجد حرام اور اس کے متعلقات کی تعظیم وادب کے احکام بیان فرمائے۔ اب پھر مضمون سابق کی طرف عود کیا گیا ہے۔ یعنی مسلمان مطمئن رہیں اللہ تعالیٰ عنقریب دشمنوں سے ان کا راستہ صاف کر دے گا۔ مسجد حرام تک پہنچنے اور اس کے متعلق احکام کی تعمیل کرنے میں کوئی مخالفانہ رکاوٹ باقی نہ رہے گی۔ بے خوف وخطر حج وعمرہ ادا کریں گے۔ گویا "وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ" میں جو بشارت دینے کا امر تھا اس کا ایک فرد یہ خوشخبری ہوئی۔

ف۳ یعنی دغاباز ناشکر گزاروں کو اگر ایک خاص میعاد تک مہلت دی جائے تو یہ مت خیال کرو کہ وہ اللہ تعالیٰ کو خوش آتے ہیں۔ یہ مہلت بعض مصالح اور حکمتوں کی بنا پر ہے۔ آخری انجام یہ ہی ہوتا ہے کہ اہل حق غالب ہوں اور باطل پرستوں کو راستہ سے چھانٹ دیا جائے۔

سلام [1] اور اہل اسلام کی عداوت اور خصومیت پر اس درجہ تلے ہوئے ہیں کہ وہ فقط اپنے کفر اور شرک اور اپنی گمراہی پر قانع نہیں بلکہ شدت اختصام اور جذبۂ انتقام کی بناء پر اہل اسلام کی ہدایت میں مزاحم بنے ہوئے ہیں اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے یعنی دین اسلام اور طریق حق سے اور مسجد حرام کی زیارت اور حاضری سے روکتے ہیں کہ اس مسجد میں جا کر کوئی خالص اللہ کی عبادت نہ کر سکے اور اس مسجد کی صفت یہ ہے کہ ہم نے سب لوگوں کے لیے اس کو قبلہ اور معبد بنایا ہے کہ اس میں مقیم یعنی مکہ کا متوطن اور باشندہ اور باہر سے آنے والا برابر ہے مقیم اور مسافر اور شہری اور پردیسی سب کو ٹھہرنے اور عبادت کرنے کے مساویانہ حقوق حاصل ہیں ہر ایک وہاں جا کر عبادت کر سکتا ہے کسی کو روکنے کا حق حاصل نہیں اس میں سب کا حق مساوی ہے۔

اس آیت میں حق تعالیٰ نے مسجد حرام کے بارے میں شہری اور بیرونی کو برابر قرار دیا ہے۔ علما کا اس میں اختلاف ہے کہ کس چیز میں مساوات اور برابری مراد ہے۔

﴿سَوَآءَ ۨ الْعَاكِفُ﴾ میں اقوال

قول اول:...... امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عبادت اور مناسک حج کی ادائیگی میں برابری مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ مسجد حرام کی حاضری اور وہاں آ کر عبادت کرنے میں شہری اور بیرونی سب برابر ہیں کسی شہری کو یہ حق نہیں کہ وہ کسی بیرونی کو مسجد حرام میں عبادت کرنے سے روک سکے۔

قول دوم:...... اور ابن عباس رضی اللہ عنہما اور صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ کی ایک جماعت یہ فرماتے ہیں کہ مسجد حرام سے تمام مکہ اور سر زمین حرم مراد ہے کیونکہ حدیبیہ کے دن مشرکین مکہ نے آپ کو اور آپ ﷺ کے صحابہ کو حرم میں داخل ہونے سے روکا تھا اور ﴿سَوَآءَ ۨ الْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ﴾۔ میں مساوات سے مکہ میں قیام اور سکونت اور نزول کے بارے میں مساوات اور برابری مراد ہے مکہ کی زمینوں اور مکانات میں مقیم لوگوں کا اور باہر سے آنے والوں کا سب کا حق یکساں ہے۔ اور ان حضرات کے نزدیک مکہ کی زمین کسی کی ملک نہیں اور وہاں کے مکانات کا کرایہ لینا جائز نہیں اور یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی ایک دلیل تو یہ آیت ہے اور دوسری دلیل یہ ہے کہ امام محمد رحمہ اللہ نے کتاب الآثار میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی سند سے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ اللہ نے مکہ کو حرم قرار دیا پس اس کی اراضی کی بیع اور اس کا ثمن کھانا حرام کیا اور تیسری دلیل وہ ہے کہ جو علقمہ تابعی رحمہ اللہ سے مرسلاً مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے وفات پائی اور عمر رضی اللہ عنہ نے وفات پائی اور نہیں پکارا جاتا تھا مکہ کی زمینوں کو مگر "سوائب" جس کو جہاں ضرورت ہوتی تھی وہ ٹھہر جاتا تھا۔ (رواہ ابن ماجہ) اور سوائب کے معنی وقف عام اور غیر مملوک کے ہیں اور ایک روایت میں عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا نام اور زیادہ ہے کہ ان کے زمانہ میں بھی مکہ کی زمینیں سوائب کے نام سے پکاری جاتی تھیں کوئی اپنی ملک کا دعویٰ نہیں کرتا تھا۔ (دیکھو تفسیر قرطبی: ۱۲/ ۳۳ و تفسیر ابن کثیر: ۳/ ۲۱۴)

---

[1] اس کلام میں اشارہ اس طرف ہے کہ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ کی خبر محذوف ہے اور جملہ ﴿وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ خبر محذوف پر معطوف ہے اس آیت کے اعراب میں کلام بہت طویل ہے حضرات مدرسین البحر المحیط اور حواشی بیضاوی اور روح المعانی: ۱۷/ ۱۲۵ کی مراجعت کریں۔ واللہ اعلم

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اراضی مکہ وہاں کے باشندوں کی ملک ہیں ان کو بیع وشراء کا اور اپنے مکانات کا کرایہ پر دینا جائز ہے اور اس پر چند حجتیں قائم فرمائیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے مہاجرین کے حق میں فرمایا ہے۔ ﴿الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ﴾۔ (اپنے گھروں سے نکالے گئے) اس آیت میں گھروں کی اضافت ان کی طرف فرمائی معلوم ہوا کہ گھر ان کے مملوک تھے۔

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن فرمایا جو شخص ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے گھر میں داخل ہوا وہ امن سے ہے اور جس شخص نے اپنے گھر کا دروازہ بند کرلیا وہ بھی امن سے ہے۔ معلوم ہوا کہ وہ گھر اس کی ملک ہے۔

(۳) صحیحین میں اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اسامہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ کل کو مکہ میں اپنے مکان میں اتریں گے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا عقیل علیہ السلام نے ہمارے لیے کوئی مکان چھوڑا ہے اور بات یہ تھی کہ جب ابوطالب کا انتقال ہوا تو عقیل اس وقت کفر پر تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اسلام پر تھے تو ابوطالب کی میراث عقیل کو پہنچی کیونکہ مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوتا اور ظاہر ہے کہ میراث اسی چیز میں جاری ہوتی ہے جس کا میت مالک ہو

(۴) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مکہ میں قید خانہ کے لیے ایک مکان خرید فرمایا اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس پر کوئی انکار نہیں کیا اور ظاہر ہے کہ غیر مالک ہی مالک سے خریداری کرتا ہے تاکہ مالک بن جائے۔

لیکن ان دلائل کے جواب میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ دیار کی نسبت سے یہ لازم نہیں کہ یہ اضافت ملک ہو۔ ممکن ہے کہ یہ اضافت باعتبار سکونت اور عمارت کے ہو کہ وہ عمارت تو بہر حال ان ہی کی ملک تھی۔ علاوہ ازیں زمانہ اسلام سے پہلے ان مکانات کو اپنی املاک جانتے تھے اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مذہب ہے کہ مکہ کی زمینوں کی بیع اور مکانوں کو کرایہ جائز ہے۔ ہدایہ کی کتاب الکراہیۃ میں ہے کہ بیوت مکہ کی عمارت فروخت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ولیکن زمین سمیت عمارت کا فروخت کرنا مکروہ ہے۔ یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ زمین کے فروخت کرنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت میں یہ قول بھی منقول ہوا ہے کہ مکہ کی زمینوں کی بیع اور مکانات کا کرایہ جائز ہے اور کتب فتاویٰ میں یہ بھی آیا ہے کہ اب فتویٰ اسی قول پر ہے۔ دیکھو روح المعانی: ۱۷/۱۲۶ اور تفصیل کے لیے ہدایہ کی کتاب الکراہیۃ دیکھیں اور مزید تفصیل کے لیے شروح ہدایہ اور شروح بخاری دیکھیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ جب تم کو معلوم ہوگیا کہ مسجد حرام کی یہ شان ہے اور اس درجہ اس کا احترام واجب ہے اور لوگوں کو مسجد حرام سے روکنا سراسر ظلم اور زیادتی ہے تو جو شخص مسجد حرام میں ظلم اور زیادتی کے ساتھ کج روی اور راہ حق سے عدول اور انحراف کا ارادہ بھی کرے تو ایسے ظالم کو ہم دردناک عذاب چکھائیں گے۔ "الحاد" سے دین سے عدول اور انحراف اور مسجد حرام کی بے حرمتی مراد ہے اور ظلم کے معنی زیادتی اور ستمگاری کے ہیں یہاں بظلم سے عمداً اور قصداً اور دیدہ و دانستہ حرم میں الحاد کا ارادہ کرنے کے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ حرم محترم میں الحاد اور بے دینی کا ارادہ سخت ترین اور شدید ترین جرم ہے جو اس پاک مقام میں الحاد کا ارادہ کرے اگرچہ اس کو نہ کرے تو اس پر دردناک عذاب ہوگا۔ اسی وجہ سے اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ

حرم محترم میں گناہ کا ارادہ کرنے سے بھی آدمی عذاب کا مستحق ہو جاتا ہے اگر چہ اسکا ارتکاب نہ کرے اور حدود حرم سے باہر جب تک گناہ کا ارتکاب نہ کرے اس وقت تک محض ارادہ اور خیال پر وہ عذاب کا مستحق نہیں ہوتا

ان آیات میں مسجد حرام سے روکنے کو ظلم قرار دیا اور حرام میں الحاد اور بے دینی کے ارادہ پر وعید فرمائی اب آئندہ آیات میں اس مقام محترم میں ظلم عظیم یعنی شرک کونے پر وعید اور تہدید فرماتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ اس محترم مقام کی ابتدا اور بنیاد ہی توحید اور خالص اللہ کی عبادت سے ہوئی چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی یاد کرو اس وقت کو جبکہ ہم نے خانہ کعبہ کی جگہ ابراہیم کے لئے ٹھکانا بنادیا اور خانہ کعبہ بنانے کے لیے جگہ معین اور مقرر کردی اور بذریعہ وحی کے ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو یہ حکم دیا کہ عبادت کے لیے اس جگہ کعبہ بناؤ اور یہ حکم دیا کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو اور میرے اس گھر کو کفر اور شرک کی نجاستوں اور پلیدیوں سے پاک رکھو طواف کرنے والوں کے لیے اور نماز میں کھڑے ہونے والوں کے لیے اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لیے اور ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو یہ بھی حکم دیا کہ لوگوں میں حج کے لیے پکار دو کہ اللہ کا گھر تیار ہو گیا اور اس کا حج فرض ہے ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے پروردگار میری آواز لوگوں کو کیسے پہنچے گی۔ حکم ہوا کہ تمہارے ذمہ صرف پکار دینا ہے۔ پہنچانا ہمارا کام ہے۔ چنانچہ ابراہیم علیہ السلام جبل ابوقبیس پر کھڑے ہوئے اور پکارا اے لوگو! تمہارے پروردگار نے ایک گھر بنایا ہے اور تم پر اس کی زیارت فرض کی ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ آواز تمام اقطار زمین تک پہنچ گئی اور قیامت تک پیدا ہونے والوں نے اس آواز کو سنا جس کے مقدر میں اللہ نے حج لکھ دیا تھا اس نے لبیک کہا۔ غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ اے لوگو! تم پر اللہ نے اپنی گھر کا حج فرض کیا ہے پس تمہارے اس اعلان کے بعد لوگ آئیں گے تیرے پاس یا پیادہ اور بعضے سوار ہو کر دبلے دبلے اور کمزور اونٹوں پر۔ چلی آئیں گی یہ سواریاں ہر دور دراز راہ سے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حج کے لیے مکہ جانا گویا کہ ابراہیم علیہ السلام کے پاس جانا ہے اور ان کی زیارت کرنا ہے اور وہ لوگ اس لیے آئیں گے تاکہ اپنے دینی اور دنیاوی فائدوں پر حاضر ہوں اور وہاں پہنچ کر دنیا و آخرت کے منافع حاصل کریں، دنیا کی تجارت بھی کریں اور آخرت کی بھی تجارت کریں اور منافع حاصل کریں اور اس لیے آویں تاکہ مقررہ دنوں میں ان چوپایوں پر جو اللہ نے ان کو دیئے ہیں یعنی اونٹ اور گائے اور بکری اور بھیڑ پر ان کے ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیں "ایام معلومات" سے بعض مفسرین رحمہم اللہ کے نزدیک عشرہ ذی الحج مراد ہے اور فقہاء کہتے ہیں کہ ایام نحر یعنی ایام قربانی مراد ہیں۔ دسویں اور گیارہویں اور بارہویں ذی الحج مراد ہے۔ کفار بتوں کے نام پر قربانی کرتے تھے اور خود اس میں سے کچھ نہ کھاتے تھے اللہ نے حکم دیا کہ ذبح کے وقت اللہ کا نام لو پھر اس قربانی کے گوشت سے تم خود بھی کھاؤ اور عاجز اور درماندہ فقیر کو بھی اس میں سے کھلاؤ۔ تمام علماء کا اجماع ہے کہ اپنی قربانی کے گوشت سے کچھ کھانا اور کھلانا مستحب ہے واجب نہیں اور علیٰ ہذا یہ بھی ضروری نہیں کہ اس میں سے فقیر ہی کو کھلائے بلکہ غنی کو بھی کھلانا جائز ہے پھر قربانی کے بعد اپنے بدن کا میل کچیل دور کریں یعنی احرام کھول ڈالیں اور سر کے بال منڈوائیں اور ناخن ترشوائیں اور بغلوں کے بال صاف کرائیں اور مونچھیں کتروائیں اس کے لئے دسویں ذی الحج مقرر ہے۔ ہدی ذبح کرنے کے بعد ان میلوں کو دور کریں اور احرام سے باہر ہو جائیں اور اپنی نذریں پوری کریں اللہ کے لیے جو منتیں مانی

ہوں وہ پوری کریں اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ نذور سے مناسک حج اور واجبات حج مراد ہے جب سے احرام شروع ہوا تھا اور لبیک اللھم لبیک کہا تھا اس وقت سے بالوں کا کٹوانا اور ناخنوں کا ترشوانا ممنوع ہو گیا تھا۔ اس مدت میں بدن پر میل کچیل چڑھ گیا تھا۔ جب دسویں تاریخ ذی الحجہ کو قربانی کر کے احرام ختم ہوا تو حکم ہوا کہ اب حجامت بنواؤ اور بدن کا میل کچیل دور کرو۔ اور غسل کرو اور خوشبو لگاؤ اور اپنی منتیں پوری کرو اور پھر قربانی کے بعد انہی ایام معلومات میں اس قدیم گھر کا یعنی خانہ کعبہ کا طواف کریں۔ اس طواف کو طواف زیارت اور طواف افاضہ بھی کہتے ہیں جو فرض ہے اور رمی جمار اور قربانی اور حلق کے بعد دسویں ذی الحجہ کو ہوتا ہے۔

فائدہ (۱):...... جاننا چاہئے کہ طواف تین ہیں۔ اول طواف قدوم جب آدمی مکہ میں داخل ہو کر طواف کرے وہ طواف قدوم ہے۔ دوم طواف زیارت جس کو طواف افاضہ بھی کہتے ہیں اس آیت میں جس طواف کا حکم مذکور ہے وہ یہی طواف زیارت ہے جو دسویں تاریخ ذی الحجہ کو رمی جمار اور سر منڈوانے کے بعد ہوتا ہے اور یہ طواف فرض ہے۔ سوم طواف وداع ہے جو مکہ سے رخصت ہوتے وقت کیا جائے یہ طواف واجب ہے۔

فائدہ (۲):...... اس آیت میں خانہ کعبہ کو بیت عتیق کہا گیا۔ عتیق کے معنی قدیم کے بھی آتے ہیں اور آزاد کے بھی آتے ہیں پس بعض کہتے ہیں کہ اس کو بیت عتیق اس لیے کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ظالموں کے ہاتھوں سے آزاد رکھا ہے کوئی جبار اس پر غالب نہیں آیا۔

اور بعض کہتے ہیں کہ یہ سب سے پہلا معبد ہے جو اللہ کی عبادت کے لیے بنایا گیا یہ وجہ قرآن کریم کی اس آیت ﴿اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ﴾ سے ماخوذ ہے۔

یہ حکم [1] تو تم سن چکے اور اداء مناسک اور احترام کعبہ کے متعلق بات پوری ہوئی اور اب دیگر احکام کے متعلق دوسری بات سنو کہ جو شخص اللہ کی محترم چیزوں کی تعظیم اور ادب اور احترام کو ملحوظ رکھے اور ان کی بے حرمتی نہ کرے تو یہ تعظیم اور ادب اس کے پروردگار کے یہاں اس کے لیے بہتر ہے یعنی جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے محترم اور قابل ادب قرار دیا ہے۔ ان کے ادب اور تعظیم کو ملحوظ رکھنا بڑی خوبی کی بات ہے اور اس کا انجام بہت خوب ہے۔

﴿حُرُمٰتِ اللّٰہِ﴾ کا لفظی ترجمہ تو یہ ہے کہ جو چیزیں اللہ کے نزدیک قابل احترام اور قابل تعظیم ہیں جو بظاہر تمام احکام الٰہیہ کو شامل ہے مگر اس مقام پر خصوصیت سے مسجد حرام اور قربانی اور صفا اور مروہ اور منیٰ اور عرفات اس قسم کے مناسک حج اور شعائر اسلام مراد ہیں کہ ان کی تعظیم اور احترام کو ملحوظ رکھے اور جس طرح حق تعالیٰ نے ان کے بارے میں حکم دیا ہے اسی طرح ان کو بجالائے۔

اور اے مسلمانو! تمہارے کھانے کے لیے حالت احرام میں اور بلد حرام میں چوپائے اونٹ، گائے، بکری، بھیڑ حلال کر دیئے گئے سوائے ان چیزوں کے جن کی حرمت تم کو دیگر آیات قرآنیہ میں پڑھ کر سنائی جاتی ہے جیسے سورۃ مائدہ

[1] یہ کلمہ ذٰلک کا ترجمہ ہے یہ لفظ دو کلاموں میں فصل کے لیے بولا جاتا ہے یا ایک ہی کلام کے دو طرفوں میں فصل کرنے کے لیے لایا جاتا ہے اور اسی طرح کبھی لفظ ذٰلک کے بجائے لفظ ھذا لایا جاتا ہے۔ (روح المعانی: ۱۷/ ۱۴۴)

اور سورۂ انعام میں ان محرمات کا ذکر ہے سو وہ چیزیں تمہارے لیے کسی حال میں حلال نہیں جیسے مردار اور دم مسفوح اور خنزیر اور بتوں کے نام پر ذبح کیا ہوا، یہ چیزیں قطعاً حرام ہیں پس تم بتوں کی گندگی سے بچو یعنی بتوں کی بندگی اور ان کے نام پر ذبح کرنے کو چھوڑ دو۔ یہ سب گندے افعال ہیں اور تلبیہ میں لبیک اللھم لبیک کے ساتھ الا شریکا ھو لك تملکه وماملك کہنے سے بھی بچو۔ یہ گندہ قول ہے اور جھوٹی بات سے احتراز کرو خدا کا شریک قرار دینا اور جھوٹی گواہی دونوں برابر ہیں۔ شرک بھی تو آخر ایک قسم کا جھوٹ ہے اور زجاج رحمہ اللہ وغیرہ سے منقول ہے کہ قول زور سے مشرکین کا یہ قول مراد ہے۔ ھذا حلال و ھذا حرام کہ یہ چیز حلال ہے اور یہ چیز حرام ہے۔ یہ سب اللہ پر افتراء اور جھوٹ باندھنا ہے۔ پس اے مسلمانو! تم بتوں کی پلیدی سے اور جھوٹ بولنے سے احتراز کرو۔ سب سے ہٹ کر اور بچ کر خدا کی طرف جھک جانے والے اور اس کے ساتھ شرک نہ کرنے والے ہو جاؤ۔ اخلاص اور توحید آدمی کو نجات دیتا ہے اور کفر اور شرک آدمی کو ہلاک کر کے چھوڑتا ہے اور جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا وہ ایسا ہو گیا کہ گویا آسمان سے گر پڑا۔ پھر پرند اس کو اچک لے گئے یا ہوا نے اس کو کسی دور دراز مکان میں لے جا کر پھینک دیا۔ تو ایسا شخص کبھی سلامت نہیں رہ سکتا اور اس قدر بلندی سے گرنے کے بعد زندہ نہیں بچ سکتا۔ اسی طرح جس نے شرک کیا وہ آسمان توحید کی بلندی سے شرک کی پستی کی طرف گرا اور مردار خور پرندوں کی طرح نفسانی خواہشوں نے اس کی بوٹیاں نوچ لیں یا وسوسہ شیطانی کی تند اور تیز ہوا نے اس کو لے جا کر کسی وادی ضلالت میں پھینک دیا جس سے اس کی تمام ہڈیاں اور پسلیاں الگ الگ ہو گئیں۔ حاصل کلام یہ کہ شرک کرنے والا اس طرح ہلاک ہوتا ہے کہ پھر نجات کی کوئی امید باقی نہیں رہتی۔ (دیکھو تفسیر کبیر: ۶/ ۱۸۲)

یہ بات تو ختم ہوئی اب دوسری بات سنو اور وہ دوسری بات یہ ہے کہ جو شخص اللہ کی یادگاروں یعنی اس کے دین کی نشانیوں، علامتوں اور اس کی نامزد چیزوں کی تعظیم کرے گا تو اس میں شک نہیں کہ شعائر اللہ کی تعظیم دلوں کی پرہیزگاری سے پیدا ہوتی ہے قلب میں جس درجہ کا تقویٰ اور خدا تعالیٰ کی عظمت ہو گی اسی درجہ کی تعظیم اس سے سرزد ہو گی۔ تقویٰ اور فجور کا اصل منشا اور منبع قلوب ہیں اور اعضاء ظاہری ان کے آثار کے مظہر ہیں۔ اندر کا اثر ان اعضاء پر ظاہر ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ شعائر اللہ کی تعظیم شرک نہیں بلکہ تقویٰ کی علامت ہے اور آثار توحید میں سے ہے اس لیے کہ عاشق کی شان یہ ہے کہ جو چیز اس کے محبوب کی طرف منسوب ہو یا اس کی نامزد ہو یا اس کے دین کی نشانی ہو۔ دل و جان سے اس کی تعظیم کرے۔

شعائر:...... جمع شعیرۃ یا شعارۃ کی ہے جس کے معنی علامت اور نشانی کے ہیں اس جگہ شعائر اللہ سے مناسک حج اور قربانی کے جانور مراد ہیں جیسا کہ آئندہ آیت سے مفہوم ہوتا ہے اور تمہارے لیے ان جانوروں میں جن کو تم نے اللہ کے لیے نامزد کر دیا ہے جیسے قربانی کے جانور۔ ان میں تمہارے لیے ایک وقت مقررہ تک بہت سے فائدے ہیں کہ بحالت ضرورت یا بحالت اضطرار ان پر سواری کرنا بھی جائز ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک قربانی کے جانور پر بحالت ضرورت سواری جائز ہے اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اضطرار اور غایت درجہ کی مجبوری کی حالت میں جائز ہے ورنہ نہیں۔ (تفصیل کے لیے شروح بخاری دیکھیں) البتہ قربانی کے بعد ان کے گوشت اور کھال سے نفع اٹھانا جائز ہے۔

پھر ان ہدایا یعنی قربانی کے جانوروں کی حلال ہونے کی جگہ قدیم گھر کے قریب ہے یعنی منیٰ اور حدود حرم کے اندر

اس کو خدا کے نام پر ذبح کیا جائے۔ حدود حرم سے باہر ذبح جائز نہیں باقی مسائل جو ان آیات سے ماخوذ ہیں وہ کتب فقہ میں دیکھے جائیں۔

اور آپ ﷺ سے پہلے ہم نے ہر امت کے لیے قربانی کا طریقہ اور مکان معین اور مقرر کیا تھا تا کہ ان چوپایوں پر جو اللہ نے ان کو دیئے ہیں۔ ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیں اللہ کے نام پر قربانی کرنے کا حکم تمام شریعتوں میں رہا ہے کہ ذبح کرتے وقت اس خدائے وحدہ لاشریک لہ کا نام لیں جس نے یہ نعمت عطاء کی۔ خدا کے سوا کسی کے نام پر ذبح کرنا اور اس کی نذر و نیاز کرنا یہ ہر ملت میں شرک رہا ہے پس سمجھ لو کہ تمہارا معبود حقیقی ایک ہی خدا ہے۔ سو تم اپنے آپ کو اسی ایک خدا کے حوالہ اور سپرد کر دو خالص اسی کی اطاعت کرو اور اسی کی اطاعت پر جمے رہو۔ اور اے نبی خوشخبری سنا دیجئے۔ اللہ کے سامنے پست ① ہونے والوں اور اس کے احکام کے سامنے گردن جھکانے والوں کو اور اس کے سامنے خجل اور شرمندہ ہونے والوں کو اور بندگی میں عاجزی اور فروتنی کرنے والوں کو جن کے دل خدا کی عظمت سے اس درجہ لبریز ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں اور دوسری صفت ان کی یہ ہے کہ وہ مصیبتوں پر صبر کرنے والے ہیں یعنی مصیبت کے وقت ان کے قدم استقامت میں کوئی تزلزل نہیں آتا اور تیسری صفت ان کی یہ ہے کہ وہ نماز کو قائم رکھنے والے ہیں۔ نماز ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اور چوتھی صفت ان کی یہ ہے کہ ہمارے دیئے ہوئے میں سے کچھ ہماری راہ میں خرچ کرتے ہیں یعنی مال کا کچھ حصہ ہمارے نام پر قربان کرتے ہیں تا کہ اللہ کا تقرب حاصل ہو۔

اور قرب الٰہی کے حصول کا قریب ترین ذریعہ ایام حج میں جانور کی قربانی ہے اس لیے کہ ہم نے قربانی کے جانوروں کو یعنی اونٹ اور گائے کو اور اسی طرح بھیڑ بکری کو تمہارے لیے اللہ کے دین کی نشانیوں اور علامتوں میں سے بنا دیا ہے۔ جن کے ذبح کرنے میں تمہارے لیے دنیا اور آخرت کی بھلائی ہے ان دنوں میں خدا کے لیے قربانی اور اس کے لیے خون بہانے سے بہتر اور بڑھ کر کوئی عمل نہیں پس تم کو ان کے ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لو۔ خدا کے سوا اور کسی کا نام نہ لو۔ درآنحالیکہ وہ قطار باندھے کھڑے ہوں یا یہ معنی ہوں کہ وہ اپنے تین پاؤں پر کھڑے ہوں۔ اونٹ اسی طرح ذبح کیے جاتے ہیں اور یہی سنت ہے پس تم ان جانوروں کو اس طرح خالص اللہ کا نام لیکر اللہ کے لیے قربان کرو پھر جب ان کے پہلو زمین پر گر جائیں اور ان کی جان نکل جائے اور ٹھنڈے ہو جائیں تو تم خود بھی اس میں سے کھاؤ اور قناعت کرنے والے فقیر کو جو سوال نہیں کرتا اور سوال کرنے والے کو جو اپنی خواہش لیکر تمہارے سامنے آئے اس کو بھی اس میں سے کھلاؤ اور کھلانے سے گوشت دینا مراد ہے۔ "قانع" سے وہ درویش مراد ہے جو صبر و قناعت کے ساتھ اپنے گھر میں بیٹھا ہے اور سوال نہیں کرتا اور "معتر" سے وہ محتاج مراد ہے جو تمہارے سامنے آئے اور ادب کے ساتھ تم سے سوال کرے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ "قانع" وہ ہے کہ جو تیری طرف جھکے اور سوال کرے اور "معتر" وہ ہے کہ جو چاپلوسی کے ساتھ تیرے سامنے آئے اور سوال نہ کرے بعض کہتے ہیں کہ قانع سے طامع مراد ہے کہ جو طمع کرے اور معتر وہ ہے کہ جو قربانی کے وقت موجود ہو خواہ تو انگر ہو یا فقیر ہو،

① خبت کے معنی اصل میں پست زمین کے ہیں اور مخبت اس کو کہتے ہیں کہ جو پستی میں ہو جائے مخبتین کے اصل معنی کی طرف اشارہ کرنے کے لیے ہم نے یہ ترجمہ کیا۔ (واللہ اعلم)

مطلب یہ ہے کہ مبارک گوشت میں سے خود بھی کھاؤ اور دوستوں اور فقیروں کو بھی کھلاؤ۔ اور یہ حکم استحبابی ہے وجوبی نہیں۔ اگر سب صدقہ کر دے تو یہ بھی جائز ہے اور اگر سب اپنی ہی لیے رکھ لے تو یہ بھی جائز ہے۔ بہتر یہ ہے کہ تہائی صدقہ کر دے اور تہائی اقارب اور احباب کو ہدیہ کر دے اور تہائی اپنے لیے رکھ لے۔ اسی طرح ہم نے ان جانوروں کو تمہارے لیے مسخر کر دیا کہ اتنے عظیم الجثہ بڑے بڑے جانور تمہارے قبضہ میں کر دیئے کہ تم ان کو پکڑتے اور باندھتے ہو اور اللہ کے نام پر ذبح کرتے ہو تاکہ تم ہمارا احسان مانو اور شکر کرو مگر بجائے شکر کے شرک اور ناشکری کرنے لگے۔ تم کو چاہئے کہ جس طرح یہ جانور تمہارے سامنے گردن جھکائے ہوئے ہیں اسی طرح تم بھی خدا کے سامنے گردن ڈال دو۔ ان جانوروں کو جو اللہ کا عطیہ ہیں ان کو خالص اللہ کے نام پر ذبح کرو، کسی غیر کا نام اس میں شریک نہ کرو اور قربانی میں مشرکوں کا طریقہ نہ اختیار کرو۔ عرب کے لوگ زمانہ جاہلیت میں جو قربانی کرتے تھے تو اس کا خون بتوں پر چھڑکتے تھے اور کعبہ کی دیواروں پر بھی ملتے تھے، اس کے بارے میں آئندہ آیت میں نازل ہوا کہ ہرگز نہیں پہنچتے اللہ کو قربانی کے گوشت اور ان کے خون لیکن پہنچتا ہے اس کو تمہارے دل کا تقویٰ اور ادب کہ تم نے کس جذبہ محبت و اخلاص سے ایک قیمتی چیز خالص اس کے نام پر قربان کی اور شرک سے بچے۔ پس تمہارا یہ اخلاص اور تقویٰ یعنی شرک سے پرہیزگاری اور جذبہ جاں نثاری قبولیت کا سبب بنا اور پھر جب تم نے اس گوشت کو محتاجوں کی حاجت رفع کرنے کے لیے محض خدا کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے خرچ کیا تو بارگاہ خداوندی میں تمہاری یہ چیز قبول ہوئی ورنہ اس کی ذات والا صفات اس سے بالا اور برتر ہے کہ اس کی بارگاہ میں جانوروں کا گوشت اور خون پہنچے۔ خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ نے اسی طرح ان جانوروں کو تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے تاکہ تم اس بات پر اللہ کی عظمت اور اللہ کی کبریائی کو بیان کرو کہ تم کو اللہ نے اپنے قرب اور رضا کے حصول کے لیے قربانی کی ہدایت اور توفیق دی اور جہالت اور جاہلیت کے مشرکانہ رسموں سے تم کو آگاہ کیا اور اے نبی ان اخلاص سے قربانی کرنے والوں کو ہمارے قرب و رضا اور قبولیت کی بشارت سنا دیجئے اور بتلا دیجئے کہ خدا کی طرف جو چیز پہنچتی ہے وہ تمہارا تقویٰ اور اخلاص ہے اور اس مضمون کو اللہ تعالیٰ نے ﴿وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ پر ختم فرمایا۔ اشارہ اس طرف ہے کہ احسان یعنی اخلاص اور صدق نیت تمام اعمال صالحہ کی روح ہے۔

تتمہ کلام سابق (یعنی اہل ایمان کی طرف سے مدافعت)

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ﴾

بلاشبہ اللہ تعالیٰ دفع کرے گا اہل ایمان سے کافروں کے شر اور ضرر کو اور ان کے فتنوں کو کہ عنقریب ایسا وقت آئے گا کہ کفار اہل اسلام کو مسجد حرام سے نہیں روک سکیں گے۔ بیشک اللہ تعالیٰ کسی دغاباز کفر کرنے والے کو پسند نہیں کرتے یعنی جو لوگ کفر اور شرک کرتے ہیں اور مسلمانوں کے ساتھ دغابازی کرتے ہیں اور طرح طرح سے ان کو ستاتے ہیں اور مسجد حرام کی زیارت سے ان کو روکتے ہیں یہ لوگ اللہ کے نزدیک مبغوض ہیں محبوب نہیں۔ اس آیت میں مسلمانوں کے لیے بطور پیشین گوئی ایک تسلی آمیز وعدہ ہے اور کفار کے لیے وعید ہے اسلئے کہ اس آیت میں اہل ایمان کی حمایت اور دشمنوں کی مدافعت کی خبر

دی جا رہی ہے یہ کلام شروع کلام کا تتمہ ہے آغاز کلام اس آیت سے ہوا تھا۔ ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾۔ یعنی کفار قریش مسلمانوں کو مسجد حرام کی زیارت سے روکتے ہیں اب آخر میں اہل اسلام کو تسلی فرماتے ہیں کہ تم ان احکام مذکورہ کو سن کر یہ خیال نہ کرنا کہ ہمیشہ غلبہ انہی کفار مانعین کا رہے گا۔ عنقریب ایک وقت آنے والا ہے کہ مسلمان بے خوف وخطر حج وعمرہ کیا کریں گے اور اللہ تعالیٰ ان کافروں کو مسلمانوں کے راستے سے ہٹا دے گا اے مسلمانو! تم فی الحال کافروں کے غلبہ سے یہ نہ سمجھنا کہ یہ کفار اللہ کے نزدیک محبوب ہیں بلکہ اللہ کے نزدیک مبغوض اور معتوب ہیں کیونکہ سرتاپا کفر اور خیانت ہیں، ایسے کیسے محبوب ہوسکتے ہیں اللہ تعالیٰ نے حکمتوں اور مصلحتوں کی بنا پر ان کو مہلت دے رکھی ہے گھبراؤ نہیں عنقریب راستہ بالکل صاف ہوجائے گا اور اللہ اہل اسلام کی مدد کریگا اور ان کو کافروں پر غلبہ عطا فرمائے گا جیسا کہ اس کا وعدہ ہے ﴿اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾۔ پس یہ آیت غلبہ اسلام کی بشارت ہے اور گزشتہ آیت ﴿وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِیْنَ﴾ کا تتمہ اور تکملہ ہے واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ ۙ﴿۳۹﴾ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا

حکم ہوا ان لوگوں کو جن سے کافر لڑتے ہیں اس واسطے کہ ان پر ظلم ہوا ف۱ اور اللہ ان کی مدد کرنے پر قادر ہے ف۲ وہ لوگ جن کو نکالا

حکم ہوا ان کو جن سے لوگ لڑتے ہیں اس واسطے کہ ان پر ظلم ہوا۔ اور اللہ ان کی مدد کرنے پر قادر ہے۔ وہ جن کو نکالا

مِنْ دِیَارِهِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّاۤ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ؕ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ

ان کے گھروں سے اور دعویٰ کچھ نہیں سوائے اس کے کہ وہ کہتے ہیں ہمارا رب اللہ ہے ف۳ اور اگر نہ ہٹایا کرتا اللہ لوگوں کو

ان کے گھروں سے، اور کچھ دعویٰ نہیں سوا اس کے کہ وہ کہتے ہیں ہمارا رب اللہ ہے۔ اور اگر نہ ہٹایا کرتا اللہ لوگوں کو،

بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِیَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ یُذْكَرُ فِیْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِیْرًا ؕ

ایک کو دوسرے سے تو ڈھائے جاتے تکیے اور مدرسے اور عبادت خانے اور مسجدیں جن میں نام پڑھا جاتا ہے اللہ کا بہت

ایک کو ایک سے، تو ڈھائے جاتے تکئے اور مدرسے اور عبادت خانے اور مسجدیں، جن میں نام پڑھا جاتا ہے اللہ کا بہت،

ف۱ جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تھے۔ حکم تھا کہ کفار کی سختیوں پر مسلمان صبر کریں اور ہاتھ روکے رکھیں۔ چنانچہ انہوں نے کامل تیرہ سال تک سخت رہرہ گداز مظالم کے مقابلہ میں بے مثال صبر واستقامت کا مظاہرہ کیا۔ جب مدینہ "دارالاسلام" بن گیا اور مسلمانوں کی قلیل سی جمعیت ایک مستقل مرکز پر جمع ہوگئی تو مظلوم مسلمانوں کو جن سے کفار برابر لڑتے رہتے تھے اجازت ہوئی بلکہ حکم ہوا کہ ظالموں کے مقابلہ پر تلوار اٹھائیں۔ اور اپنی جماعت اور مذہب کی حفاظت کریں۔ اسی قسم کی کئی آیتیں اسی زمانہ میں نازل ہوئی ہیں۔

ف۲ یعنی اپنی قلت اور بے سروسامانی سے نہ گھبرائیں۔ اللہ تعالیٰ مٹھی بھر فاقہ مستوں کو دنیا کی فوجوں اور سلطنتوں پر غالب کرسکتا ہے۔ فی الحقیقت یہ ایک شہنشاہانہ طرز میں مسلمانوں کی نصرت وامداد کا وعدہ تھا۔ جیسے دنیا میں بادشاہ اور بڑے لوگ وعدہ کے موقع پر اپنی شان وقار واستغناء دکھلانے کے لیے کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہاں تمہارا افلاں کام ہم کرسکتے ہیں۔ شاید یہ عنوان اس لیے اختیار کیا جاتا ہے کہ مخاطب سمجھ لے کہ ہم ایسا کرنے میں کسی سے مجبور نہیں ہیں جو کچھ کریں گے اپنی قدرت واختیار سے کریں گے۔

ف۳ یعنی مسلمان مہاجرین جو اپنے گھروں سے نکالے گئے ان کا کوئی جرم نہ تھا نہ ان پر کسی کا کوئی دعویٰ تھا۔ بجز اس کے کہ وہ اکیلے ایک خدا کو اپنا رب کیوں کہتے ہیں۔ اینٹ پتھروں کو کیوں نہیں پوجتے۔ گویا ان پر سب سے بڑا اور سنگین الزام اگر لگایا جاسکتا ہے تو یہی کہ ہر طرف سے ٹوٹ کر ایک خدا کے کیوں ہو رہے۔

وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝۴۰ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ

اور اللہ مقرر مدد کرے گا اس کی جو مدد کرے گا اس کی بیشک اللہ زبردست ہے زور والا ف۱ وہ لوگ کہ اگر ہم ان کو قدرت دیں ملک میں

اور اللہ مقرر مدد کرے گا اس کو جو مدد کرے گا اس کی۔ بیشک اللہ زبردست ہے زور والا۔ وہ کہ اگر ہم ان کو مقدور دیں ملک میں،

اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ

تو وہ قائم رکھیں نماز اور دیں زکوٰۃ اور حکم کریں بھلے کام کا اور منع کریں برائی سے ف۲ اور اللہ کے اختیار میں ہے آخر

کھڑی کریں نماز اور دیں زکوٰۃ، اور حکم کریں بھلے کام کا اور منع کریں برے سے۔ اور اللہ کے اختیار ہے آخر

الْاُمُوْرِ ۝۴۱

ہر کام کا ف۳

ہر کام کا۔

اجازت جہاد و وعدۂ نصرت و تمکین بر اعدائے دین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی : ﴿اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ... الی ... وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں اس بات کا ذکر تھا کہ کفار مسلمانوں کو ایک اللہ کی عبادت پر مارتے تھے اور طرح طرح کی

ف۱ یعنی اگر کسی وقت اور کسی حالت میں بھی ایک جماعت کو دوسری سے لڑنے بھڑنے کی اجازت نہ ہو تو یہ اللہ تعالیٰ کے قانون فطرت کی سخت خلاف ورزی ہوگی۔ اس نے دنیا کا نظام ہی ایسا رکھا ہے کہ ہر چیز یا ہر شخص یا ہر جماعت دوسری چیز یا شخص یا ہر جماعت کے مقابلہ میں اپنی ہستی برقرار رکھنے کے لیے جنگ کرتی رہے اگر ایسا نہ ہوتا اور نیکی کو اللہ تعالیٰ اپنی حمایت میں لے کر بدی کے مقابلہ میں کھڑا نہ کرتا تو نیکی کا نشان زمین پر باقی نہ رہتا۔ بددین اور شریر لوگ جن کی ہر زمانہ میں کثرت رہی ہے تمام مقدس مقامات اور یادگاریں ہمیشہ کے لیے صفحۂ ہستی سے مٹا دیتے۔ کوئی عبادت گاہ، تکیہ، خانقاہ، مسجد، مدرسہ محفوظ نہ رہ سکتا۔ بناء علیہ ضروری ہوا کہ بدی کی طاقتیں خواہ کتنی ہی مجتمع ہو جائیں قدرت کی طرف سے ایک وقت آئے جب نیکی کے مقدس ہاتھوں سے بدی کے حملوں کی مدافعت کرائی جائے۔ اور حق تعالیٰ اپنے دین کی مدد کرنے والوں کی خود مدد فرما کر ان کو دشمنان حق وصداقت پر غالب کرے بلاشبہ وہ ایسا قوی اور زبردست ہے کہ اس کی اعانت و امداد کے بعد ضعیف سے ضعیف چیز بڑی بڑی طاقتور ہستیوں کو شکست دے سکتی ہے۔ بہر حال اس وقت مسلمانوں کو ظالم کافروں کے مقابلہ میں جہاد و قتال کی اجازت دینا اسی قانون قدرت کے ماتحت تھا اور یہ وہ عام قانون ہے جس کا انکار کوئی عقلمند نہیں کر سکتا۔ اگر مدافعت و حفاظت کا یہ قانون نہ ہوتا تو اپنے اپنے زمانہ میں نہ عیسائی راہبوں کے صومعے (کوٹھڑے) قائم رہتے نہ نصاریٰ کے گرجے، نہ یہود کے عبادت خانے نہ مسلمانوں کی وہ مسجدیں جن میں اللہ کا ذکر بڑی کثرت سے ہوتا ہے۔ یہ سب عبادت گاہیں گرا کر اور ڈھا کر برابر کر دی جاتیں۔ پس اس عام قانون کے ماتحت کوئی وجہ نہیں کہ مسلمانوں کو ایک وقت مناسب پر اپنے دشمنوں سے لڑنے کی اجازت نہ دی جائے۔

ف۲ یہ ان ہی مسلمانوں کا بیان ہے جن پر ظلم ہوئے اور جن کو گھروں سے نکالا گیا۔ یعنی خدا ان کی مدد کیوں نہ کرے گا جب کہ وہ ایسی قوم ہے کہ اگر ہم اسے زمین کی سلطنت دے دیں تب بھی خدا سے غافل نہ ہوں۔ بذات خود بدنی و مالی نیکیوں میں لگے رہیں۔ اور دوسروں کو بھی اسی راہ پر ڈالنے کی کوشش کریں۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے ان کو زمین کی حکومت عطاء کی اور جو پیشین گوئی کی تھی حرف بحرف سچی ہوئی۔ فللّٰه الحمد علیٰ ذالك۔ اس آیت سے صحابہ رضی اللہ عنہم خصوصاً مہاجرین اور ان میں اخص خصوص کے طور پر حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی حقانیت اور مقبولیت و منقبت ثابت ہوئی۔

ف۳ یعنی گو آج مسلمان کمزور اور کافر غالب و قوی نظر آتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے کہ آخر کار انھیں منصور و غالب کر دے۔ یا یہ مطلب کہ یہ امت خدا کا دین قائم کرے گی ایک مدت تک آخر اللہ ہی جانے کیا ہوگا۔

ایذائیں دیتے تھے یہاں تک کہ کفار نے مکہ سے مسلمانوں کو نکال دیا۔ مسلمان کافروں کی ایذاؤں سے تنگ آکر کافروں سے لڑنے کی اجازت مانگتے تھے کہ ہم بھی انکا مقابلہ کریں اور ان سے لڑیں اللہ تعالیٰ نے اجازت نہ دی۔ اور صبر اور توکل کا حکم دیتے تھے، یہاں تک کہ باطنی جہاد کی منزلیں طے ہوگئیں اور نفوس ایسے پاک اور مقدس ہوگئے کہ ہمرنگ ملائکہ ہوگئے اور ادھر کفار نا ہنجار کی ستم رانی انتہاء کو پہنچ گئی تب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تسلی دی۔ ﴿وَإِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ﴾ کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے کفار کی مضرت کو دور کرے گا اور کافروں کے شر کو مسلمانوں سے دفع کریگا اور یہ بات جہاد سے حاصل ہوتی ہے اس لیے اجازت دی جاتی ہے کہ خدا کے شکر گزار بندے خدا کے کفر کرنے والوں اور خیانت اور دغا بازی کرنے والوں کی سرکوبی کے لیے کھڑے ہو جائیں۔ سب سے پہلی آیت [1] جو جہاد فی سبیل اللہ کی اجازت کے بارے میں نازل ہوئی وہ یہ آیت ہے۔ اجازت دی گئی مسلمانوں کو جن کے ساتھ مشرکین قتال کرتے ہیں کہ کافروں سے جہاد و قتال کریں اور یہ جہاد و قتال کی اجازت اس لیے دی گئی کہ وہ مظلوم ہیں کافروں نے ان پر ظلم کیا ہے اور تحقیق اللہ تعالیٰ ان بے سروسامان مظلومین کی مدد کرنے پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ صحابہ کو جہاد کی اجازت اس لیے دی گئی کہ یہ لوگ مظلوم ہیں اور مظلوم کا ظالم کے ظلم کا مقابلہ تمام مذاہب میں نہ صرف جائز ہے بلکہ واجب اور لازم ہے اور حق کو باطل کی سرکوبی کا ہر وقت حق حاصل ہے حتیٰ کہ اگر حق مصلحت سمجھے قبل اس کے کہ باطل سر اٹھائے۔ سر اٹھانے سے پہلے ہی اس کا سر کچل دیا جائے تو یہ بھی عین حق ہے اور کمال تدبر و دانائی ہے اور انتظار میں رہنا کہ جب باطل مجھ پر حملہ آور ہو تو اس کی مدافعت کرونگا تو یہ کم عقلی ہے اور مسلمان چونکہ بے سروسامان تھے اور تعداد میں بھی بہت قلیل تھے۔ اس لیے ان کی تسلی کے لیے فرمایا کہ اے مسلمانو! تم جہاد و قتال کی اجازت سے گھبرانا نہیں ﴿وَإِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرٌ﴾۔ بیشک اللہ تعالیٰ تمہاری مدد پر قادر ہے اگرچہ تمہاری تعداد قلیل ہے مگر تم اپنی قلت اور دشمن کی قوت اور کثرت پر نظر نہ کرو۔ ہماری قدرت پر نظر رکھو یہ کلام مسلمانوں کے لیے عجیب عنوان سے فتح کی بشارت ہے اور کافروں کے لیے تہدید ہے یہ ایسا ہے جیسا کہ بادشاہ کمال مہربانی کی حالت میں اپنے وفاداروں سے یہ کہے کہ کیا ہم تمہارے سرفراز کرنے پر قدرت نہیں رکھتے اور غصہ کی حالت میں باغیوں سے یہ کہے کہ کیا ہم تمہارے تباہ اور برباد کرنے پر قادر نہیں۔ یہ مختصر سا کلام صریح وعدہ اور وعیدہ سے بدرجہ زیادہ بلیغ ہے۔ والکنایۃ ابلغ من التصریح۔ اب آگے یہ بتلاتے ہیں کہ کون لوگ تھے جن کو کافروں سے جہاد و قتال کی اجازت دی گئی اور ان کی فتح و نصرت کا وعدہ کیا گیا سو یہ لوگ وہ مومنین صادقین تھے کہ جو بدون کسی وجہ کے ناحق اور بلاقصور اپنے گھروں سے نکالے گئے۔ کوئی کام ان سے ایسا سرزد نہیں ہوا تھا کہ جو ان کے نکالنے کا سبب بنتا۔ مگر محض اس کہنے کی وجہ سے کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے ان کو ان کے گھروں سے نکالا گیا اس عنوان میں کافروں کے ساتھ عجیب تہکم اور استہزا ہے کہ یہ لوگ عجیب نادان ہیں کہ اول تو مسلمانوں کو اس کے گھروں سے بغیر کسی قصور کے اور دوسرا یہ کہ توحید کو کہ جو تعظیم و توقیر کا سبب تھی اس کو جرم اور گناہ قرار دیکر موحدین کے ساتھ مجرمین کا سا معاملہ کیا اور ان کے اخراج کے درپے ہوئے مسلمانوں کا اگر کوئی

[1] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد اور عروہ بن زبیر اسلم اور مقاتل بن حیان اور قتادہ رحمہم اللہ وغیرہم سے منقول ہے کہ یہ پہلی آیت ہے کہ جو جہاد کے بارہ میں نازل ہوئی۔ (تفسیر ابن کثیر: ۳/۲۲۵)

کوئی جرم اور گناہ تھا تو صرف یہ تھا کہ وہ یہ کہتے تھے کہ ہمارا پروردگار ایک اللہ ہے مطلب یہ ہے کہ مشرکین کے نزدیک توحید ایسا بڑا گناہ تھا جس کی بناء پر مسلمانوں کو ان کے گھروں سے نکال دیا۔ کما قال اللہ تعالیٰ ﴿يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ﴾ ﴿وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ﴾ ﴿هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ﴾ ﴿وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا﴾۔ حالانکہ توحید خداوندی عقلاً اخراج کا سبب نہیں ہو سکتی۔ خدا پرستی جرم نہیں البتہ بت پرستی اور صلیب پرستی عقلاً جرم ہے پس یہ پہلی آیت ہے کہ جو جہاد کی اجازت کے بارہ میں نازل ہوئی۔ اور اللہ نے جو نصرت کا وعدہ فرمایا تھا وہ پورا کر دیا کہ مہاجرین اور انصار کو قیصر و کسریٰ کے تخت کا مالک بنا دیا اور ﴿الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ﴾ میں مہاجرین کے محب صادق ہونے کی طرف اشارہ ہے کہ ان لوگوں نے ہماری محبت میں اپنے گھروں سے نکلنا اور اپنے خویش و اقارب سے جدا ہونا گوارا کیا مگر ہمارے دین کو چھوڑنا گوارا نہ کیا۔ جاننا چاہئے کہ اس وعدہ میں اگرچہ تمام صحابہ کرام شریک ہیں مگر آیت کا سیاق و سباق بتلا رہا ہے کہ اس آیت میں نصرت اور تمکین فی الارض کا جو وعدہ ہے وہ اولاً مہاجرین اولین سے ہے اس لیے کہ ﴿الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ﴾ کا مصداق مہاجرین اولین ہیں۔ اور اسی وجہ سے حدیث میں ہے۔ الایمة بعدی من قریش یعنی میرے بعد میرے خلیفہ مہاجرین میں سے ہونگے۔ اس لیے کہ ﴿الَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ﴾ کی ضمیر ﴿الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ﴾ کی طرف راجع ہے جس کا مصداق بلا کسی شبہ کے مہاجرین ہیں۔ اب آئندہ آیت میں اجازت جہاد کا دوسرا سبب بیان فرماتے ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ شریر اور بدکاروں کو ایمانداروں اور نیک کاروں کے ذریعہ دفع نہ کرتا اور ان کے شر اور فساد کو نہ دور کرتا تو زمین میں فساد برپا ہو جاتا اور راہبوں کے بہت سے خلوت خانے اور نصاریٰ کے کلیسے اور یہود کے کنیسے اور مسلمانوں کی مسجدیں جن میں کثرت سے اللہ کا نام لیا جاتا ہے سب منہدم اور مسمار کر دیئے جاتے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اجازت جہاد کا دوسرا سبب بیان فرمایا۔ یعنی جس طرح مظلوم کے لیے ظالم کے ظلم کی مدافعت اجازت جہاد کا سبب بنی۔ اسی طرح اجازت جہاد کا ایک سبب ایک دینی مصلحت بھی ہے وہ یہ کہ اللہ کی حکمت اس امر کی مقتضی ہے کہ ہر زمانہ میں دین حق انبیاء کرام اور ان کے نائبوں کے ہاتھ غالب ہوتا رہے۔ اگر جہاد کی اجازت نہ ہوتی تو تمام کارخانۂ ملت و مذہب درہم برہم ہو جاتا حتیٰ کہ ہر مذہب کے عبادت خانے اور درویشوں کے خلوت خانے ویران ہو جاتے جیسا کہ دوسری آیت میں ہے۔ ﴿وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ۭ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ﴾

یہاں تک اللہ تعالیٰ نے جہاد کی اجازت اور مشروعیت کا سبب بیان فرمایا اور مجاہدین سے نصرت کا وعدہ فرمایا اب آئندہ آیات میں شرائط نصرت کی طرف اشارہ فرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ضرور بالضرور اس کی مدد کرے گا جو اس کے دین کی مدد کریگا یعنی خدا کی طرف سے مدد جب آتی ہے کہ جب وہ شخص بھی دین کی مدد کا ارادہ کرے اور دل و جان سے کمر ہمت کلمۂ الٰہی کے بلند کرنے کے لیے باندھ لے۔ بغیر اس کے وعدۂ نصرت کا مستحق نہیں ہوتا۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ﴾۔ اے ایمان والو اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو گے تو اللہ تم کو فتح و نصرت دیگا اور تمہارے قدم جما دیگا اور فرمایا ﴿اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ﴾ اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو کوئی تم پر غالب نہیں

آ سکتا۔ بیشک اللہ تعالیٰ قوت اور عزت والا ہے دم کے دم میں جس کو چاہے عزت دے اور جس کو چاہے ذلیل وخوار کرے۔ خدا جس کی مدد کرے وہ مظفر ومنصور ہے اور خدا جس کی مدد نہ کرے وہ ذلیل وخوار ہے۔ قال اللہ تعالیٰ ﴿وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ﴾ یعنی اگر خدا تمہاری مدد نہ کرے تو پھر اس کے بعد کون ہے جو تمہاری مدد کرے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ۝ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ﴾ یعنی بارگاہ خداوندی میں یہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ مرسلین مظفر ومنصور ہوں گے اور خدا کا لشکر غالب ہوگا حق جل شانہ نے اس آیت میں قسم کھا کر آنحضرت ﷺ کے صحابہ کے لیے جس فتح ونصرت کا وعدہ فرمایا تھا وہ پورا ہوا اور دنیا نے اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ مہاجرین وانصار جو بے سروسامان اور فقیر اور درویش تھے ٹوٹے پھوٹے ہتھیاروں سے بڑی شان وشوکت والی سلطنتوں پر حملہ آور ہوئے اور ان پر فتحیاب ہوئے۔ صحابہ کرام حسب ارشاد خداوندی ﴿وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ﴾۔ خدا تعالیٰ کا لشکر تھے، باوجود بے سروسامانی ساز وسامان والوں کے لشکر پر غالب آئے اب آگے یہ بتلاتے ہیں کہ یہ بے سروسامان درویش فتح اور غلبہ کے بعد جب برسر حکومت اور برسر اقتدار آجائیں گے تو ان کا کیا حال ہوگا تو فرماتے ہیں کہ یہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم ان بے سروسامانوں کو جو چند روز پہلے اپنے گھروں سے نکالے گئے تھے۔ زمین میں تمکین یعنی حکومت اور اقتدار عطا کریں تو یہ وہ لوگ ہیں کہ قوت اور غلبہ اور حکومت اور اقتدار ملنے کے بعد بھی ہم سے غافل نہ ہوں گے بلکہ نماز کو قائم کریں گے اور زکوۃ ادا کریں گے یعنی بذات خود نیک ہوں گے اور دوسروں کو بھی اس راہ پر ڈالنے کی کوشش کریں گے کہ دوسروں کو ہر بھلے کام کا حکم دیں گے اور ہر بری بات سے ان کو منع کریں گے اور اللہ ہی کے لیے ہے یعنی اسی کے ہاتھ میں ہے ہر کام کا انجام وہ سوائے اس کے کسی کو معلوم نہیں کہ امت محمدیہ کے حکمران کب تک ان صفات مذکورہ کے ساتھ متصف رہیں گے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

فائدہ:...... اس آیت کو آیت تمکین کہتے ہیں جس میں صحابہ کرام ؓ اور درویشان اسلام سے تمکین فی الارض کا وعدہ فرمایا۔ اس آیت میں خلافت راشدہ کی طرف اشارہ ہے جس کی حقیقت ایسی تمکین فی الارض ہے جس کے ساتھ اقامت صلوۃ اور ایتاء الزکوۃ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی ہو یعنی حکومت کے ساتھ ولایت بھی ہو حق جل شانہ نے اس آیت میں جو اہل تمکین کے اوصاف بیان فرمائے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ جن کو جہاد کی اجازت دی گئی عنقریب ان کو روئے زمین کی حکومت اور سلطنت عطا ہوگی اور یہ لوگ سلطنت ملنے کے بعد دین کے قائم کرنے والے ہونگے پس یہ آیت خلفائے اربعہ کی خلافت کی صحت اور حقانیت کی دلیل ہے کہ چاروں مہاجرین اولین میں سے تھے اللہ تعالیٰ نے اس وعدہ کے بموجب ان کو زمین کی تمکین عطاء فرمائی اور چاروں ان صفات مذکورہ کے ساتھ علی وجہ الکمال موصوف تھے یہ آیت چاروں خلیفہ کی خلافت کے حق ہونے کی دلیل ہے اس سے بڑھ کر انسان کی کیا خوبی ہے کہ فرمانروا ہو اور ان چاروں صفتوں کا جامع ہو بادشاہ بھی ہو اور ولی بھی ہو۔ امیر سلطنت بھی ہو اور شیخ طریقت بھی ہو۔ امیری اور فقیری ایک کمبل میں جمع ہوں۔ جاننا چاہیے کہ خلافت راشدہ کے دو جز ہیں ایک تمکین فی الارض یعنی حکومت اور سلطنت اور دوسرا اقامت دین یعنی قانون شریعت کا اجراء اور نفاذ جو انبیا کرام ﷺ کی بعثت اور اسلامی حکومت کا اولین مقصد ہے۔ اصل مقصود دین ہے اور حکومت اس کی خادم ہے اس لیے حق تعالیٰ نے تمکین فی الارض کے بعد جو اصحاب تمکین کے اوصاف بیان کیے ان میں پہلا وصف یہ بیان فرمایا۔ ﴿وَاَقَامُوا

﴿الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ﴾ اس جملہ میں تمام شعائر اسلامیہ کے قائم کرنے کی طرف اشارہ ہے اور اس کے بعد امر بالمعروف میں تمام علوم دینیہ کے احیاء کی طرف اشارہ ہے اور نھوا عن المنکر میں کافروں سے جہاد اور جزیہ لینے کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ کفر سے بڑھ کر کوئی منکر اور کوئی بدتر شئے نہیں اور مسلمانوں پر حدود اور تعزیرات قائم کرنے کو بھی یہ لفظ شامل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ سلطنت ملنے کے بعد خود بھی احکام شریعت کے پابند ہونگے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ذریعہ دوسروں کو بھی شریعت کا پابند بنائیں گے اور اخیر میں ﴿وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ﴾ فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ انجام کی خبر اللہ ہی کو ہے تم کو خبر نہیں کہ اس جہاد کا کیا اثر ہوگا اور کیسے عجیب وغریب ثمرات و برکات اس پر مرتب ہوں گے نیز اشارہ اس طرف بھی ہے کہ درمیانی احوال اور وقتی شکست پر نظر نہ کرنا۔ انجام پر نظر رکھنا۔ ﴿وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ وکذلك تکون العاقبة للرسل۔ جیسے مریض کی حالتیں بدلتی رہتی ہیں مگر انجام اس کا صحت ہے۔ بہر حال یہ تمکین فی الارض اللہ کا وعدہ ہے جو عرش سے نازل ہوا ہے لہٰذا یہ ناممکن ہے کہ یہ وعدہ پورا نہ ہو اور یہ بھی ناممکن ہے کہ اس خدائی وعدہ کو کوئی غصب کرے اللہ تعالیٰ نے اس کے ایفاء کو اپنے ذمہ لیا ہے جو خلفائے راشدین کے ہاتھ پر پورا ہوا۔ وعدۂ خداوندی میں نہ مخالفت کا امکان ہے اور نہ مخاصمت کا اور نہ تسلط اور تغلب کا اور نہ غصب کا اور نہ خیانت کا۔

نکتہ:...... سورۂ حج کی اس آیت کو آیت تمکین کہتے ہیں اور سورۂ نور کی آیت یعنی ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ﴾ اس کو آیت استخلاف کہتے ہیں مقصود دونوں کا ایک ہے اگرچہ عبارت مختلف ہے۔ ﴿لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ﴾ اور ﴿اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ﴾ اور ﴿وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ﴾ اور ﴿اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ سب کا مفہوم ایک ہے اور ﴿وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا﴾ اور ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ ﴿وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ﴾ کا مفہوم ایک ہے۔ ایک مضمون کو مختلف عبارتوں سے اس لیے بیان کیا گیا ہے کہ ایک عبارت سے دوسری عبارت کا مضمون نص اور محکم ہو جائے۔ غرض یہ کہ دونوں آیتیں حقیقت میں ایک ہیں اور عبارت میں مختلف ہیں اور دونوں خلفائے راشدین کی خلافت پر دلالت کرتی ہیں کیونکہ یہ خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے جس کا پورا ہونا ضروری ہے یہ ناممکن ہے کہ اللہ وعدہ کرے اور پورا نہ کرے۔ ﴿فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ﴾ ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ﴾ الخ اور نہ کسی جبار و قہار میں یہ طاقت ہے کہ خدا کے وعدہ کو پورا نہ ہونے دے یا اسے اپنے لیے غصب کرے۔ اس آیت میں حق تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ مہاجرین اولین کو تمکین دین عطا فرمائیں گے اور ان کے ہاتھوں پر دین حق قائم ہوگا۔ آیت میں اگرچہ ان اشخاص کے ناموں کی تصریح نہ تھی لیکن جب خلفائے راشدین کے ہاتھوں سے تمکین دین اور اعلاء کلمۃ اللہ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ظہور ہو گیا تو حقیقت سے پردہ اٹھ گیا اور سب نے جان لیا بلکہ دیکھ لیا کہ وہ شخص کون کون ہیں کہ جن کے ہاتھ پر اللہ نے ان وعدوں کے ظہور کو مقدر فرمایا تھا جب استخلاف فی الارض اور تمکین فی الارض کا قرعہ خلفائے راشدین کے نام پر نکلا تو متعین ہو گیا کہ آیت میں یہی اشخاص مراد ہیں۔ جیسے واقعہ خیبر میں جب آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا کہ کل میں جھنڈا ایسے شخص کے ہاتھ میں دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہوگا اور اللہ اور رسول اس کو دوست رکھتے ہوں گے، لوگوں کو معلوم نہ تھا کہ کون اس دولت اور عزت سے سرفراز ہوگا۔ جب

دوسرے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جھنڈا عنایت ہوا تو سب کو معلوم ہو گیا کہ وہ مرد موصوف حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ ہیں اسی طرح ان آیات کے نزول کے وقت لوگوں کو معلوم نہ تھا کہ کن اشخاص کے سروں پر استخلاف اور تمکین فی الارض کا تاج رکھا جائیگا اور کار پرداز ان قضاء وقدر اس تمکین دین میں کسی کے معین اور مددگار ہونگے۔ پس جب تمکین دین کا ظہور خلفاء کے ہاتھ پر ہوا تو متعین ہو گیا کہ اللہ کے علم میں یہی اشخاص مراد تھے۔ (ازالۃ الخفاء)

وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّثَمُوْدُ ﴿۴۲﴾ وَقَوْمُ اِبْرٰهِيْمَ وَقَوْمُ

اور اگر تجھ کو جھٹلائیں تو ان سے پہلے جھٹلا چکی ہے نوح کی قوم اور عاد اور ثمود اور ابراہیم کی قوم اور

اور اگر تجھ کو جھٹلاویں، تو ان سے پہلے جھٹلا چکے ہیں نوح کی قوم اور عاد اور ثمود۔ اور ابراہیم کی قوم اور

لُوْطٍ ﴿۴۳﴾ وَّاَصْحٰبُ مَدْيَنَ ۚ وَكُذِّبَ مُوْسٰى فَاَمْلَيْتُ لِلْكٰفِرِيْنَ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۚ فَكَيْفَ

لوط کی قوم اور مدین کے لوگ ف۱ اور موسیٰ کو جھٹلایا ف۲ پھر میں نے ڈھیل دی منکروں کو پھر پکڑ لیا ان کو تو کیسا ہوا

لوط کی قوم۔ اور مدین کے لوگ۔ اور موسیٰ کو جھٹلایا، پھر میں نے ڈھیل دی منکروں کو، پھر ان کو پکڑا۔ تو کیسے ہوا

كَانَ نَكِيْرِ ﴿۴۴﴾ فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَبِئْرٍ

میرا انکار ف۳ سو کتنی بستیاں ہم نے غارت کر ڈالیں اور وہ گناہ گار تھیں اب وہ گری پڑی ہیں اپنی چھتوں پر ف۴ اور کتنے کنوئیں

میرا انکار؟ سو کئی بستیاں ہم نے کھپا دیں، اور وہ گنہگار تھیں، اب وہ ڈھے پڑی ہیں اپنی چھتوں پر، اور کتنے کنوئیں

مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ ﴿۴۵﴾ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ

نکمے پڑے اور کتنے محل گچکاری کے ف۵ کیا سیر نہیں کی ملک کی جو ان کے دل ہوتے جن سے سمجھتے یا

نکمے پڑے اور کتنے محل گچ گیری کے۔ کیا پھرے نہیں ملک میں، جو ان کو دل ہوتے جن سے بوجھتے، یا

اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي

کان ہوتے جن سے سنتے ف۶ سو کچھ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں پر اندھے ہو جاتے ہیں دل جو

کان ہوتے جن سے سنتے؟ سو کچھ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں، پر اندھے ہوتے ہیں دل جو

ف۱ جن کی طرف حضرت شعیب علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے۔

ف۲ یعنی مصر کے قبطیوں نے۔

ف۳ یعنی مسلمانوں کے غلبہ ونصرت کے جو وعدے کیے جا رہے ہیں، کفار اپنی موجودہ کثرت وقوت کو دیکھتے ہوئے ان کی تکذیب نہ کریں، یہ خدا کی ڈھیل ہے۔ پہلی قوموں نے بھی خدا کی چند روزہ ڈھیل سے دھوکہ کھا کر اپنے پیغمبروں کو جھٹلایا تھا۔ آخر جب پکڑے گئے تو دیکھ لو ان کا حشر کیسا ہوا۔ اور خدا نے اپنے عذاب سے ڈرا کر ان کی شرارتوں پر جو انکار فرمایا تھا وہ کس طرح سامنے آ گیا۔ اگلی آیت میں اسی کی تفصیل ہے۔

ف۴ یعنی بنیادیں ہلنے سے اول چھتیں گر پڑیں پھر دیواریں اور سارا مکان گر کر چھت کے ڈھیر پر آ رہا۔ یہ ان کے تہ و بالا ہونے کا نقشہ کھینچا ہے۔

ف۵ یعنی کنوئیں جن پر پانی کھینچنے والوں کی بھیڑ رہتی تھی۔ آج ان میں کوئی ڈول پھانسنے والا نہ رہا۔ اور بڑے بڑے پختہ، بلند عالیشان، قلعی چونے کے محل ویران کھنڈر بن کر رہ گئے۔ جن میں کوئی بسنے والا نہیں۔ =

الصُّدُوْرِ ﴿۴۶﴾ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ؕ وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ

سینوں میں ہیں ف۱ اور تجھ سے جلدی مانگتے ہیں عذاب اور اللہ ہرگز نہ ٹالے گا اپنا وعدہ ف۲ اور ایک دن تیرے رب کے یہاں

سینوں میں ہیں۔ اور تجھ سے جلدی مانگتے ہیں عذاب، اور اللہ ہرگز نہ ٹالے گا اپنا وعدہ۔ اور ایک دن تیرے رب کے ہاں

كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ﴿۴۷﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا ۚ

ہزار برس کے برابر ہوتا ہے جو تم گنتے ہو ف۳ اور کتنی بستیاں ہیں کہ میں نے ان کو ڈھیل دی اور وہ گناہ گار تھیں پھر میں نے ان کو پکڑا

ہزار برس کے برابر ہے جو تم گنتے ہو۔ اور کئی بستیاں ہیں کہ میں نے ان کو ڈھیل دی، اور وہ گنہگار تھیں، پھر ان کو پکڑا،

وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُ ﴿۴۸﴾ قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَاۤ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۴۹﴾ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا ع ۱۰ / ۱۲

اور میری طرف پھر کر آنا ہے ف۴ تو کہہ اے لوگوں میں تو ڈر سنا دینے والا ہوں تم کو کھول کر ف۵ سو جو لوگ یقین لائے اور کیں

اور میری طرف پھر آنا ہے۔ تو کہہ، لوگو! میں تو ڈر سنانے والا ہوں تم کو کھول کر۔ سو جو یقین لائے، اور کیں

الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۵۰﴾ وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْۤ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ

بھلائیاں ان کے گناہ بخش دیتے ہیں اور ان کو روزی ہے عزت کی ف۶ اور جو دوڑے ہماری آیتوں کے ہرانے کو وہی ہیں

بھلائیاں، ان کے گناہ بخشنے ہیں، اور روزی عزت کی۔ اور جو دوڑے ہماری آیتوں کو ہراتے، وہ ہیں

اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۵۱﴾

دوزخ کے رہنے والے۔

لوگ دوزخ کے۔

= ف۶ یعنی ان تباہ شدہ مقامات کے کھنڈر دیکھ کر کبھی غور وفکر نہ کیا، ورنہ ان کو سچی بات کی سمجھ آ جاتی اور کان کھل جاتے۔

ف۱ یعنی آنکھوں سے دیکھ کر اگر دل سے غور نہ کیا تو وہ نہ دیکھنے کے برابر ہے۔ گو اس کی ظاہری آنکھیں کھلی ہوں پر دل کی آنکھیں اندھی ہیں۔ اور حقیقت میں زیادہ خطرناک اندھا پن وہی ہے جس میں دل اندھے ہو جائیں۔ (العیاذ باللہ)

ف۲ یعنی عذاب اپنے وقت پر یقیناً آ کر رہے گا۔ استہزاء و تکذیب کی راہ سے جلدی مچانا فضول ہے۔

ف۳ یعنی تمہارے ہزار برس اس کے یہاں ایک دن کے برابر ہیں۔ جیسے مجرم آج اس کے قبضہ میں ہے ہزار برس گزرنے کے بعد بھی اسی طرح اس کے قبضہ و اقتدار کے نیچے ہے۔ کہیں بھاگ کر نہیں جا سکتا۔ یا یہ مطلب کہ ہزار برس کا کام وہ ایک دن میں کر سکتا ہے۔ مگر کرتا وہی ہے جو اس کی حکمت و مصلحت کے موافق ہو کسی کے جلدی مچانے سے وہاں کچھ اثر نہیں ہوتا۔ یا یوں کہا جائے کہ اخروی عذاب کا وعدہ ضرور آ کر رہے گا۔ یعنی قیامت آئے گی اور تم کو پوری سزا ملے گی۔ آگے قیامت کے دن کا بیان ہوا کہ وہ ایک دن اپنی شدت و ہول کے لحاظ سے ہزار سال کے برابر ہوگا پھر ایسی مصیبت کو بلانے کے لیے کیوں جلدی مچاتے ہو۔

ف۴ یعنی کیا ڈھیل دینے سے وہ کہیں نکل کر بھاگ گئیں، آخر سب کو لوٹ کر ہماری ہی طرف آنا پڑا اور ہم نے ان کو پکڑ کر تباہ کر دیا۔

ف۵ یعنی میرا کام آگاہ و ہوشیار کر دینا ہے۔ عذاب کا لے آنا میرے قبضہ میں نہیں خدا ہی کے قبضہ میں ہے کہ سب مطیع و عاصی کا فیصلہ کرے گا اور ہر ایک کو اس کے مناسب حال جگہ پر پہنچائے۔

ف۶ یعنی جنت میں میوے پھل اور عمدہ عمدہ الوان نعمت اور حق تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوگا۔

تسلیۂ رسالت مآب وتہدید کفار براستعجال عذاب ووعدۂ مغفرت ورزق کریم برائے اہل طاعت ووعید عذاب جحیم برائے اہل معصیت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی : ﴿وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ ... الی ... اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ﴾

ربط: ...... گزشتہ آیات میں کفار کے جدال وقتال اوران کی ایذاءرسانی کی بناء پر مسلمانوں کو جہاد وقتال کی اجازت دی گئی اب ان آیات میں آنحضرت ﷺ کی تسلی فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ ان کفار کی مخالفت اور تکذیب اور عداوت سے ملول نہ ہوں ہمیشہ سے عام انبیاء کی تکذیب ہوتی چلی آئی ہے اور کافروں نے اس کا نتیجہ دیکھ لیا اور یہ کافر ملک شام کو جاتے ہوئے راستہ میں ان مقامات سے گزرتے ہیں جہاں ان پر عذاب نازل ہوا تھا پھر بھی عبرت نہیں پکڑتے کیا ان کی آنکھیں اندھی ہوگئی ہیں اوراس درجہ دلیر ہوگئے ہیں کہ جلدی عذاب کی خواہش کرتے ہیں اور آپ ﷺ سے مجادلہ اور مخاصمہ کرتے ہیں آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ میں تو ڈرانے والا ہوں۔ عذاب کا نازل کرنا میرے اختیار میں نہیں وہ تو اللہ کے اختیار میں ہے۔ عذاب ضرور آئیگا مگر اپنے وقت پر آئیگا جس کا علم اللہ ہی کو ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اوراگر یہ کفار آپ کی تکذیب کریں اوراپنی موجودہ قوت وکثرت کے گھمنڈ میں یہ کہیں کہ آپ ﷺ جوان فقراء مہاجرین کو تمکین فی الارض کی خبر دے رہے ہیں یہ سب جھوٹ اور غلط ہے اور ناممکن اور محال ہے اور محض ایک خواب وخیال ہے تو آپ ﷺ ان کی تکذیب کی پرواہ نہ کریں اوران سرداران مکہ سے پہلے قوم نوح نے نوح علیہ السلام کی اور قوم عاد نے ہود علیہ السلام کی اور قوم ثمود نے صالح علیہ السلام کی اور قوم ابراہیم نے ابراہیم علیہ السلام کی اور قوم لوط نے لوط علیہ السلام کی اور اصحاب مدین نے شعیب علیہ السلام کی اور موسیٰ علیہ السلام جیسے صاحب معجزات کی بھی تکذیب کی گئی پھر میں نے ان منکروں کو فوراً نہیں پکڑا بلکہ مہلت دی پھر جب حد سے گزر گئے اور حجت ان پر پوری ہوگئی تو میں نے ان کو عذاب میں پکڑا، پس دیکھ لو کہ میری گرفت کیسی سخت ہوئی کہ کوئی نکل نہ سکا اور کس طرح رسوا ہوئے۔ "نکیر" کے معنی انکار کے ہیں پس یا تو نکیر سے عذاب منکر یعنی عذاب شدید مراد ہے جیسا کہ دوسری جگہ آیا ہے۔ ﴿فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا﴾ کہ شدت اور سختی کی وجہ سے اس عذاب کو منکر کہا گیا کہ وہ عذاب ایسا تھا کہ جس کو کوئی جانتا اور پہچانتا ہی نہ تھا۔ یا نکیر کے معنی الٹ دینے اور بدل دینے کے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی حیات کو موت سے اوران کی آبادی کو بربادی سے بدل دیا اور جس حالت پر تھے اس کو بری حالت سے متغیر اور متبدل کر دیا۔ پس آیت میں نکیر سے بایں معنی انکار مراد ہے اور یہ معنی نہیں کہ زبان سے انکار کر دیا الغرض کفار خدا تعالیٰ کی چند روزہ مہلت سے غرہ میں پڑ گئے۔ بالآخر گرفتار ہو کر سخت عذاب میں مبتلا ہوئے۔ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے پھر جب اس کو پکڑتا ہے تو وہ چھوٹ نہیں سکتا اور پھر آپ ﷺ نے یہ آیت ﴿وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ ۭ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ﴾ تلاوت فرمائی۔

سو جان لو کہ ہم نے کتنی ہی بستیوں کو ہلاک کر دیا اور وہ بستیاں بڑی ظالم تھیں۔ خدا کے رسولوں کی تکذیب پر تلی ہوئی تھیں پس وہ بستیاں اب اپنی چھتوں پر گر پڑی ہیں کوئی ان میں رہنے والا اور بسنے والا نہیں انبیاء کی تکذیب کرنے والوں کا نام ونشان نہیں رہا اور کتنے ہی کنوئیں ہیں جو بیکار پڑے ہیں یعنی جن کنوؤں پر بھیڑ رہتی تھی اب وہاں کوئی پانی

بھرنے والا اور ڈول ڈالنے والا نظر نہیں آتا۔ اور کتنے ہی اونچے اور قلعی چونہ سے بنے ہوئے مضبوط محل ہیں جو کھنڈر بنے پڑے ہیں جن میں کوئی آدم اور آدم زاد، دکھائی نہیں دیتا پس کیا اہل مکہ نے ملک کی سیر نہیں کی اور یہ مواضع عبرت ان کی نظروں سے نہیں گزرے تا کہ ہوتے ان کے لیے ایسے دل جن سے وہ ان مکذبین کے انجام کو سمجھ لیتے یا ایسے کان ہوتے جن سے وہ گزشتہ مکذبین کے انجام کو سنتے اور ہوش میں آ جاتے، پس حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں تو اندھی نہیں ہوتیں ولیکن وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں کے اندر ہیں یعنی جب یہ مکذبین گزشتہ مکذبین کی بستیوں کو دیکھتے ہیں اور عبرت نہیں پکڑتے تو معلوم ہوا کہ یہ دل کے اندھے ہیں۔ بصارت رکھتے ہیں مگر بصیرت نہیں رکھتے اور اصل اندھا وہی ہے جو دل کا اور عقل کا اندھا ہو اور یہ دل کے نابینا آنحضرت ﷺ کی تکذیب اور عداوت میں ایسے اندھے ہو چکے ہیں کہ آپ سے جلد عذاب طلب کرتے ہیں اور اب یہ تقاضا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اچھا جس عذاب کے نازل کرنے کا اللہ نے آپ ﷺ سے وعدہ کیا ہے وہ جلد لے آؤ اور ان کو جان لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کو نہیں ٹالے گا عذاب اپنے وقت پر آ کر رہے گا۔ ان کا جلدی مچانا فضول ہے اور دنیا کے دن تو چھوٹے ہیں اور تحقیق ایک دن تیرے پروردگار کے نزدیک ان ہزار برس کے برابر ہے جو تم شمار کرتے ہو۔ وہ حلیم وکریم اگر تم کو اپنے علم سے ایک ہزار سال کی بھی مہلت دیدے تو اس کی قدرت کے اعتبار سے ایک دن کی مہلت اور ایک ہزار سال کی مہلت برابر ہے۔ عذاب کی تاخیر سے اس کی قدرت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ لوگوں کے نزدیک جو مدت طویل ہے وہ خدا کے نزدیک قصیر ہے۔ ﴿إِنَّهُمْ يَرَوْنَهُ بَعِيدًا ۝ وَنَرَاهُ قَرِيبًا﴾ وہ اس کو دور دیکھتے ہیں اور ہم اس کو قریب دیکھتے ہیں اس کی قدرت کے اعتبار سے ایک دن اور ہزار برس برابر ہے اور اس کی قدرت کے اعتبار سے وقوع عذاب میں استعجال اور تاخیر یکساں ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان پر فضل فرمایا کہ ان کو مہلت دی پس اگر وہ قادر مطلق کسی کو اپنے حلم سے ایک ہزار سال کی بھی مہلت دے تو اس کے نزدیک بمنزلہ ایک روز کے ہے وہ اپنے حلم سے جتنی چاہے طویل سے طویل مہلت دے دے مگر کوئی چیز اس کے قبضہ قدرت سے نکل نہیں سکتی۔ وہ جب چاہے پکڑ سکتا ہے۔ بادشاہ لوگ مجرم کے پکڑنے میں اس لیے جلدی کرتے ہیں کہ مجرم کہیں نکل کر بھاگ نہ جائے مگر اللہ کے قبضہ قدرت سے نکل کر کوئی بھاگ نہیں سکتا اس لیے خدا تعالیٰ کو کوئی جلدی نہیں کہ وہ اپنے مجرم کو فوراً پکڑے۔ پس سمجھ لو کہ خدا تعالیٰ کا مہلت دینا عجز کی بنا پر نہیں بلکہ حکمت ومصلحت کی بنا پر ہے اس کی ذات والا صفات زمان اور مکان سے پاک اور منزہ ہے اس کے نزدیک زمانہ کا وجود اور عدم اور مدت کی قلت اور کثرت سب برابر ہے پھر یہ نادان کس لیے عذاب میں جلدی کرتے ہیں پس اگر خدا تعالیٰ اپنی کسی حکمت اور مصلحت سے ایک ہزار سال بھی عذاب کو مؤخر کر دے تو تمہارے حساب سے تو ایک ہی دن کی تاخیر ہوئی اور ایک دن کی تاخیر کوئی تاخیر نہیں۔

یہ تمام تشریح تفسیر کبیر: ۶/۱۹۱ اور حاشیہ شیخ زادہ علیٰ تفسیر البیضاوی: ۳/۳۸۸ سے ماخوذ ہے حضرات اہل علم اصل کی مراجعت فرمائیں اور بعض مفسرین نے یہ کہا کہ آیت میں عذاب سے عذاب آخرت مراد ہے اور دن سے روز قیامت مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ وہاں کا ایک دن ہزار سال کے برابر ہوگا مگر یہ تفسیر سیاق وسباق کے بالکل خلاف ہے۔ ظاہر نظم قرآنی کا اقتضاء یہ ہے کہ اس جگہ عذاب سے عذاب دنیوی مراد ہے۔ (دیکھو تفسیر ابوالسعود وتفسیر روح المعانی)

خلاصۂ کلام یہ کہ اہل مکہ اور نضر بن حارث وغیرہ آپ ﷺ سے جلدی عذاب کا مطالبہ کرتے ہیں تو خوب سمجھ لیں کہ اللہ نے اپنے نبی سے جو وعدہ کیا ہے وہ قطعی ہے ہرگز اس میں خلاف نہ ہوگا اور اس کی تاخیر سے خدا کی قدرت میں کوئی فرق نہیں آتا، اس کے نزدیک قصیر مدت اور طویل مدت سب برابر ہیں اور اس کی طرف سے جو مہلت مل رہی ہے وہ اس کا حلم اور اس کا فضل وکرم ہے۔ ہماری ڈھیل سے یہ نہ سمجھیں کہ ہم پکڑنے پر قادر نہیں اور ان سے پہلے ہم نے بہت سی بستیوں کو ڈھیل دی اور وہ بھی ان کی طرح نافرمان تھی مگر ہم نے اس کو مہلت دی اور فوراً نہیں پکڑا حالانکہ وہ بھی عذاب میں جلدی کرتے تھے پھر بالآخر جب ان کے جرم کا پیمانہ لبریز ہوگیا تو میں نے ان کو پکڑا اور وہ ہماری ڈھیل دینے سے کہیں نکل کر بھاگ نہیں سکے اور آخرت میں سب کو میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے اور وہاں اپنی جزا کو پہنچیں گے اے نبی آپ ﷺ ان مکذبین اور مستعجلین سے کہہ دیجئے کہ اے لوگو میں تم کو اللہ کی نافرمانی کے نتیجہ بد سے صاف صاف ڈرانے والا ہوں اور اختیار سب اللہ کو ہے۔ اللہ کی اس مہلت سے یہ نہ سمجھو کہ وہ تمہارے پکڑنے سے عاجز ہے بلکہ اس مہلت کو غنیمت جانو کہ اس نے اپنی رحمت سے تم کو حق کی طرف رجوع کرنے کا موقع دیا پس جو لوگ ایمان لے آئے اور انہوں نے نیک کام کیے تو ان کے لیے آخرت میں گناہوں کی مغفرت ہے اور عزت کی روزی ہے اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کے مٹانے میں کوشش کی اور اس گمان میں رہے کہ ہم اللہ پاک کو عاجز کردیں گے اور اس کے عذاب سے نکل کر کہیں بھاگ جائیں گے اور اس کی گرفت سے چھوٹ جائیں گے۔ زجاج رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ﴿مُعٰجِزِيْنَ﴾ سے وہ لوگ مراد ہیں کہ جن کا عقیدہ یہ ہے کہ بعثت اور حشر ونشر کوئی چیز نہیں اور مرنے کے بعد اللہ کو ہم پر کوئی قدرت نہیں (تفسیر قرطبی: ۱۲/۷۹) کما قال تعالیٰ ﴿اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّسْبِقُوْنَا ۭ سَاۗءَ مَا يَحْكُمُوْنَ﴾.

یا یہ معنی ہیں کہ جن لوگوں نے یہ کوشش کی کہ خدا کی آیتوں کو مٹا دیں اور مقابلہ کر کے اہل حق کو عاجز کردیں کہ وہ حق پر نہ چل سکیں مطلب یہ ہے کہ معاجزین سے مخالفین اسلام مراد ہیں جو لوگوں کو دین اسلام میں داخل ہونے سے روکتے ہیں (تفسیر قرطبی: ۱۲/۷۸) انکا گمان یہ ہے کہ ان کی کوشش سے اسلام مٹ جائیگا تو ایسے لوگ اہل دوزخ ہیں نہ ان کے لئے مغفرت ہے اور نہ رزق کریم ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ

اور جو رسول بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے یا نبی سو جب لگا خیال باندھنے شیطان نے ملا دیا اس کے خیال میں

اور جو رسول بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے، یا نبی، سو جب لگا خیال باندھنے، شیطان نے ملا دیا اس کے خیال میں۔

فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۲﴾ لِّيَجْعَلَ

پھر اللہ مٹا دیتا ہے شیطان کا ملایا ہوا پھر پکی کردیتا ہے اپنی باتیں اور اللہ سب خبر رکھتا ہے حکمتوں والا ف۱ اس واسطے کہ

پھر اللہ مٹاتا ہے شیطان کا ملایا، پھر پکی کرتا ہے اپنی باتیں۔ اور اللہ سب خبر رکھتا ہے حکمتوں والا۔ اس واسطے کہ

ف۱ آیت کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ مترجم محقق قدس اللہ روحہ نے اپنے پیشرو حضرت شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ کی روش اختیار فرمائی ہے جس کی طرف حضرت شاہ =

= ولی اللہ قدس سرہٗ نے بھی ”حجۃ اللہ البالغہ“ کے آخر میں اشارہ کیا ہے۔حضرت شاہ صاحب ”موضح القرآن“ میں لکھتے ہیں” نبی کو ایک حکم (یا ایک خبر) اللہ کی طرف سے آتی ہے۔اس میں ہرگز ذرہ بھر تفاوت نہیں ہوسکتا۔اور ایک اپنے دل کا خیال (اور رائے کا اجتہاد) وہ کبھی ٹھیک پڑتا ہے کبھی نہیں۔جیسے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا (اور نبی کا خواب وحی ہوتا ہے) کہ آپ مدینہ سے مکہ تشریف لے گئے اور عمرہ کیا۔خیال میں آیا کہ شاید امسال ایسا ہوگا (چنانچہ عمرہ کی نیت سے سفر شروع کیا لیکن درمیان میں احرام کھولنا پڑا) اور اگلے سال خواب کی تعبیر پوری ہوئی یا وعدہ ہوا کہ کافروں پر غلبہ ہوگا۔خیال آیا کہ اب کی لڑائی میں۔اس میں نہ ہوا، بعد کو ہوا۔پھر اللہ جتلا دیتا ہے کہ جتنا حکم یا وعدہ تھا اس میں سر مو تفاوت نہیں۔“ ہاں نبی کے ذاتی خیال و اجتہاد میں تفاوت ہوسکتا ہے۔گو نبی اصل پیشگوئی کے ساتھ ملا کر اپنے ذاتی خیال کی اشاعت نہیں کرتا بلکہ دونوں کو الگ رکھتا ہے۔باقی اس صورت میں ”القا“ کی نسبت شیطان کی طرف ویسی ہوگی جیسے ﴿وَمَآ اَنْسٰىنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ﴾ میں ”انساء“ کی نسبت اس کی طرف کی گئی ہے۔واللہ اعلم۔احقر کے نزدیک بہترین اور سہل ترین تفسیر وہ ہے جس کی مختصر اصل سلف سے منقول ہے۔یعنی "تَمَنّٰى" کو بمعنی قراءت وتلاوت یا تحدیث کے اور "اُمْنِيَّتِهٖ" کو بمعنی متلو یا حدیث کے لیا جائے۔مطلب یہ ہے کہ قدیم سے یہ عادت رہی ہے کہ جب کوئی نبی یا رسول کوئی بات بیان کرتا یا اللہ کی آیات پڑھ کر سناتا ہے۔شیطان اس بیان کی ہوئی بات یا آیت میں طرح طرح کے شبہات ڈال دیتا ہے۔یعنی بعض باتوں کے متعلق بہت لوگوں کے دلوں میں وسوسہ اندازی کر کے شکوک وشبہات پیدا کر دیتا ہے۔مثلاً نبی نے آیت ﴿اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ﴾ الخ پڑھ کر سنائی، شیطان نے شبہ ڈالا کہ دیکھو اپنا مارا ہوا تو حلال اور اللہ کا مارا ہوا حرام کہتے ہیں۔یا آپ نے ﴿اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ﴾ پڑھا۔اس نے شبہ ڈالا کہ "مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ" الخ میں حضرت مسیح وعزیر اور ملائکۃ اللہ بھی شامل ہیں۔یا آپ نے حضرت مسیح کے متعلق پڑھا ﴿وَكَلِمَتُهٗٓ اَلْقٰىهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ﴾ شیطان نے سجھایا کہ اس سے حضرت مسیح کی ابنیت والوہیت ثابت ہوتی ہے۔اس لقا شیطانی کے ابطال ورد میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی وہ آیات سناتے ہیں جو بالکل صاف اور محکم ہوں اور ایسی پکی باتیں بتلاتے ہیں جن کو سن کر شک وشبہ کی قطعاً گنجائش نہ رہے۔گویا ”متشابہات“ کی ظاہری سطح کو لے کر شیطان جو اغواء کرتا ہے ”آیات محکمات“ اس کی جڑ کاٹ دیتی ہیں جنہیں سن کر تمام شکوک وشبہات ایک دم کافور ہو جاتے ہیں۔یہ دو قسم کی آیتیں کیوں اتاری جاتی ہیں؟ شیاطین کو اتنی وسوسہ اندازی اور تصرف کا موقع کیوں دیا جاتا ہے؟ اور آیات کا جو احکام بعد کو کیا جاتا ہے ابتداہی سے کیوں نہیں کر دیا جاتا؟ یہ سب امور حق تعالیٰ کی غیر محدود علم وحکمت سے ناشی ہوئے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو علماً وعملاً دار امتحان بنایا ہے۔چنانچہ اس قسم کی کارروائی میں بندوں کی جانچ ہے کہ کون شخص اپنے دل کی بیماری یا سختی کی وجہ سے پادر ہوا شکوک وشبہات کی دلدل میں پھنس کر رہ جاتا ہے اور کون سمجھ دار آدمی اپنے علم وتحقیق کی قوت سے ایمان وجنّات کے مقام بلند پر پہنچ کر دم لیتا ہے، سچ تو یہ ہے کہ آدمی نیک نیتی اور ایمانداری سے سمجھنا چاہے تو اللہ تعالیٰ دستگیری فرما کر اس کو سیدھی راہ پر قائم فرما دیتے ہیں۔رہے منکرین ومشککین ان کو قیامت تک اطمینان حاصل نہیں ہوسکتا۔” ہرچہ گیرد علتی علت شود“۔ہماری اس تقریر میں دور تک کئی آیتوں کا مطلب بیان ہوگیا۔سمجھ دار آدمی اس کے اجزاء کو آیات کے اجزاء پر بے تکلف منطبق کرسکتا ہے یہ آیات جیسا کہ ہم نے سورۃ ” آل عمران“ کے شروع میں بیان کیا تھا۔﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ﴾ الخ سے بہت مشابہ ہیں۔﴿اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ﴾ میں متشابہات کا اور ﴿ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ﴾ میں ”محکمات“ کا ذکر ہوا۔اور ﴿لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً﴾ الخ میں زائغین کی دو قسمیں مذکور ہوئیں۔جن میں ﴿الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ﴾ کا کام ابتغا تاویل، اور ﴿الْقَاسِيَةِ﴾ ﴿قُلُوْبُهُمْ﴾ کی غرض ابتغاء فتنہ ہے۔آگے ﴿وَّلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ﴾ کو آیت ﴿وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ﴾ کی جگہ سمجھو اور وہاں جو دعا ﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا﴾ سے کی تھی یہاں اس کی اجابت کا ذکر ﴿وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ میں کیا گیا اور ﴿رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ﴾ کے مناسب ﴿وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ﴾ الی قولہ ﴿يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ﴾ ہوئی۔

(تنبیہ) آیت حاضرہ کے تحت مفسرین نے جو قصہ غرانیق کا ذکر کیا ہے اس پر بحث کا یہاں موقع نہیں۔شاید سورۂ نجم میں کچھ لکھنے کی نوبت آئے۔ہم نے شرح صحیح مسلم میں بہت بسط سے اس پر کلام کیا ہے۔بہرحال آیت کا مطلب سلف کی تفسیر کے موافق بالکل صاف ہے گویا یہ تفصیل اس کی ہوئی جو اوپر ﴿وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ﴾ میں ابطال آیات اللہ کی سعی کا ذکر تھا۔

مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاِنَّ

جو کچھ شیطان نے ملایا اس سے جانچے ان کو کہ جن کے دل میں روگ ہیں اور جن کے دل سخت ہیں اور گنہ گار تو ہیں

اس شیطان کے ملائے سے جانچے ان کو جن کے دل میں روگ ہے، اور جن کے دل سخت ہیں۔ اور گنہگار تو ہیں

الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ ۙ﴿۵۳﴾ وَّلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ

مخالفت میں دور جا پڑے اور اس واسطے کہ معلوم کرلیں وہ لوگ جن کو سمجھ ملی ہے کہ یہ تحقیق ہے تیرے رب کی طرف سے

مخالفت میں دور پڑے۔ اور اس واسطے کہ معلوم کریں جن کو سمجھ ملی ہے، کہ یہ تحقیق ہے تیرے رب کی طرف سے،

فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰى صِرَاطٍ

پھر اس پر یقین لائیں نرم ہوجائیں اس کے آگے ان کے دل اور اللہ سمجھانے والا ہے یقین لانے والوں کو راہ

پھر اس پر یقین لائیں اور وہیں اس کے آگے ان کے دل۔ اور اللہ سوجھانے والا ہے، یقین لانے والوں کو، راہ

مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۴﴾ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً اَوْ

سیدھی ف۱ اور منکروں کو ہمیشہ رہے گا اس میں دھوکا جب تک کہ آپہنچے ان پر قیامت بے خبری میں یا

سیدھی۔ اور منکروں کو ہمیشہ رہے گا اس میں دھوکا، جب تک آپہنچے ان پر قیامت بے خبر، یا

يَاْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيْمٍ ﴿۵۵﴾ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

آپہنچے ان پر آفت ایسے دن کی جس میں راہ نہیں خلاصی کی ف۲ راج اس دن اللہ کا ہے ان میں فیصلہ کرے گا ف۳ سو جو یقین لائے

آپہنچے ان کو آفت ایک دن کی جس میں راہ نہیں خلاصی کی۔ راج اس دن اللہ کا ہے۔ ان میں چکوتی (فیصلہ) کرے گا۔ سو جو یقین لائے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۵۶﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ

اور کیں بھلائیاں نعمت کے باغوں میں ہیں اور جو منکر ہوئے اور جھٹلائیں ہماری باتیں سو ان کے لیے ہے

اور کیں بھلائیاں نعمت کے باغوں میں ہیں۔ اور جو منکر ہوئے اور جھٹلائیں ہماری باتیں، سو ان کو ہے

عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۵۷﴾

ذلت کا عذاب

ذلت کی مار۔

ف۱ "موضح القرآن" میں ہے۔ "یعنی اس میں گمراہ بھٹکتے ہیں سو ان کا کام ہے بہکنا، اور ایمان والے اور زیادہ مضبوط ہوتے ہیں کہ اس کلام میں بندہ کا دخل نہیں۔ اگر ہوتا تو یہ بھی بندہ کے خیال کی طرح کبھی صحیح کبھی غلط نکلتا۔ اور جس کی نیت اعتقاد پر ہو۔ اللہ اس کو یہ بات سمجھاتا ہے۔" حضرت شاہ صاحب نے یہ فائدہ اپنے مذاق کے موافق لکھا ہے۔ ہمارا جو خیال ہے اس کی تقریر گذشتہ فائدہ میں گزر چکی۔ واللہ اعلم۔

ف۲ یعنی نفس قیامت کا ہولناک حادثہ اچانک آپہنچے یا اسی قیامت کے دن کا عذاب سامنے آجائے۔ اور ممکن ہے "عذاب یوم مقیم" سے دنیا کا عذاب مراد ہو۔ یعنی دنیا ہی میں سزا مل جائے جس سے کوئی رستگاری کی شکل نہیں۔

ذکر فتنہ شیطان برائے امتحان مخلصان ومنافقان

قَالَ اللهُ تَعَالٰی: ﴿وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ وَّلَا نَبِیٍّ ... الی ... فَاُولٰٓئِكَ لَهُمۡ عَذَابٌ مُّهِیۡنٌ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات ﴿وَالَّذِیۡنَ سَعَوۡا فِیۡۤ اٰیٰتِنَا مُعٰجِزِیۡنَ﴾ میں اس بات کا بیان تھا کہ مجادلین اور معاندین ہمیشہ آیات خداوندی کے ابطال کی سعی میں اور دین حق کی تخریب کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ اب آئندہ آیات میں یہ بتلاتے ہیں ابطال آیات کی سعی اور اس میں جدوجہد ان مجادلین اور معاندین کی ندیمی عادت ہے اور اس سلسلہ میں شیطان طرح طرح کے فتنے برپا کرتا رہتا ہے اور لوگوں کے دلوں میں طرح طرح کے شبہے ڈالتا رہتا ہے جو کافروں اور ضعیف الایمان لوگوں کے لیے فتنہ بن جاتے ہیں۔ اے نبی آپ ﷺ اس قسم کے فتنے سے رنجیدہ اور غمگین نہ ہوں۔ ہر نبی اور رسول کے زمانہ میں اسی قسم کا فتنہ پیش آیا ہے، جب کبھی کسی نبی اور رسول نے اللہ کی آیتوں کو پڑھ کر سنایا تو شیطان نے آیات الٰہیہ میں طرح طرح کے شبہات لوگوں کے دلوں میں ڈال دیئے جس سے لوگ شبہات کے دلدل میں پھنس گئے بعد میں اللہ تعالیٰ آیات محکمات کو نازل کرتا ہے جس سے تمام شیطانی شکوک اور شبہات کی جڑ کٹ جاتی ہے اور حکم خداوندی ایسا صاف اور واضح ہو جاتا ہے کہ اس میں میں کسی شک اور شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ یہ سب شیطان کا فتنہ ہے جس سے اللہ کا مقصود مخلصین اور منافقین کا امتحان اور آزمائش ہے لہٰذا اے نبی آپ ﷺ اس قسم کے فتنہ کو دیکھ کر رنجیدہ اور ملول نہ ہوں۔

شانِ نزول:...... مفسرین نے اس آیت کے شان نزول میں ایک قصہ ذکر کیا ہے جو اشکال کا سبب بنا اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آیت کی تفسیر سے پہلے اس قصہ کو ذکر کر دیا جائے وہ قصہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ مکہ میں آنحضرت ﷺ نے سورۂ نجم ایک مجلس میں پڑھی جس میں مشرکین مکہ بھی حاضر تھے جب آپ ﷺ اس آیت یعنی ﴿اَفَرَءَیۡتُمُ اللّٰتَ وَالۡعُزّٰی ⑲ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الۡاُخۡرٰی﴾ پر پہنچے تو شیطان نے اس کے ساتھ آپ کی طرف سے یہ الفاظ پڑھ دیئے۔

تلك الغرانيق العلیٰ وان شفاعتهن لترتجی۔

یہ شہباز (بت) بڑے بلند پرواز اور معظم و محترم ہیں اور ان کی سفارش قبول ہونے کی امید کی جاتی ہے۔

شیطان نے یہ عبارت آپ ﷺ کے لہجے میں آپ ﷺ کے کلام کے ساتھ اس طرح ملا کر پڑھی جس سے لوگوں نے یہ سمجھا کہ یہ الفاظ آپ ﷺ ہی کی زبان سے نکلے ہیں، کافر ان الفاظ کو سن کر بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ آج محمد ﷺ ہمارے موافق ہو گئے کہ بتوں کی تعریف میں آپ ﷺ کی زبان سے یہ الفاظ نکلے اور اس قدر خوش ہوئے کہ جب مسلمانوں نے اس سورت کے ختم پر سجدہ کیا تو مشرکین نے بھی سجدہ کیا اور کافروں میں کوئی ایسا نہ رہا جس نے سجدہ نہ کیا ہو۔ سوائے ولید بن مغیرہ کے اس نے سجدہ نہ کیا اور ایک مٹھی سنگریزوں کی بھر لی اور اس پر سجدہ کیا۔ مکہ میں جب یہ خبر مشہور ہوئی تو قریش بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ اب محمد ﷺ نے اپنے آبائی دین کی طرف رجوع کیا ہے آنحضرت ﷺ کو جب اس کا علم ہوا تو آپ ﷺ بہت رنجیدہ ہوئے کہ میری اثناء تلاوت میں وہ چیز بھی پڑھ دی گئی جو اللہ کی طرف سے مجھ پر نازل نہیں ہوئی تھی اور

= **ف ۳** یعنی قیامت کے دن اکیلے خدا کی بادشاہت کام کرے گی۔ کسی کی ظاہری ومجازی حکومت برائے نام بھی باقی نہ رہے گی۔ اس وقت سب دنیا کا بیک وقت عملی فیصلہ ہو جائے گا۔ جس کی تفصیل آگے مذکور ہے۔

خوف زدہ اور پریشان ہوگئے۔اس پر آپ ﷺ کی تسلی کے لیے یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

یہ قصہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے مروی ہے جس کو امام قرطبی اور حافظ ابن کثیر اور جلال الدین سیوطی رحمہم اللہ نے اپنی تفاسیر میں ذکر کیا ہے۔

اس قصہ کے بارہ میں علما کے دو گروہ

چونکہ یہ قصہ بظاہر منصب نبوت اور شان عصمت کے خلاف معلوم ہوتا ہے کہ شیطان کو یہ قدرت حاصل ہوجائے کہ نبی کی اثنا تلاوت میں اپنی طرف سے کوئی آمیزش کرسکے اس لیے اس قصہ کی روایت کے بارے میں علماء کے دو گروہ ہوگئے۔علما کی ایک جماعت یہ کہتے ہے کہ یہ قصہ بالکل باطل اور بے اصل اور موضوع ہے اور علما کی دوسری جماعت یہ کہتی ہے کہ یہ قصہ بالکل بے اصل نہیں بلکہ فی الجملہ کسی درجہ میں اس کا ثبوت ملتا ہے جس کو روایت کی تفصیل دیکھنا منظور ہو وہ تفسیر درمنثور کو دیکھے۔

بہر حال اس قصہ کی روایت کے بارے میں علما کے دو گروہ ہوگئے اور ہر گروہ نے اپنے اپنے مسلک کی بنا پر آیت کی اس طرح تفسیر کی کہ جو منصب نبوت اور عصمت کے خلاف نہ ہو کیونکہ عصمت انبیا کا مسئلہ دین کے اصول مسلمہ میں سے ہے جس پر تمام امت کے علما کا اجماع ہے۔علما کا جو گروہ کسی درجہ میں فی الجملہ اس قصہ کے ثبوت کا قائل ہے عصمت انبیا کے اجماعی مسئلہ سے وہ بھی غافل نہیں یہ گروہ کثرت طرق اور تعدد اسانید سے مجبور ہو کر اس قصہ کو فی الجملہ ثابت ماننے کے بعد آیت کی ایسی تفسیر کرتا ہے کہ جو عصمت نبوت کے منافی نہ رہے جیسا کہ عنقریب ان شاء اللہ واضح ہوجائے گا۔

گروہ اول:...... امام بیہقی اور امام ابن خزیمہ اور قاضی عیاض اور امام رازی اور امام بزار اور امام ابو منصور ماتریدی وغیرہ وغیرہ رحمہم اللہ اور دیگر حضرات محققین یہ فرماتے ہیں کہ یہ قصہ بالکل باطل ہے اور ملاحدہ اور زنادقہ (بے دین لوگوں) کا بنایا ہوا گھڑا ہوا ہے۔

امام رازی قدس اللہ سرہٗ تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں کہ اس قصہ کا موضوع اور باطل ہونا دلائل نقلیہ اور براہین عقلیہ سے ثابت ہے۔

(۱) قال اللہ تعالیٰ ﴿وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ۝ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ۝ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ﴾

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اگر بالفرض پیغمبر ہماری نسبت کوئی غلط بات کہے تو یقیناً ہم ان کو پکڑتے اور ہلاک کر ڈالتے۔

معلوم ہوا کہ نبی کی زبان سے خدا کی نسبت غلط بات کا نکلنا محال ہے۔اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس تقول (افتراء) کو بصیغہ لو تعبیر فرمایا ہے جو محالات اور ناممکنات کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

(۲) ﴿قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ﴾

اے نبی آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ میرے لیے یہ ممکن نہیں کہ اس قرآن میں اپنی طرف سے ذرہ برابر تغیر و

تبدل کرسکوں میں تو صرف اللہ کی وحی کا تابع ہوں۔

یعنی میں خدا کے کلام میں ایک شوشہ کا بھی تغیر وتبدل نہیں کرسکتا۔

(۳)﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾.

خدا کی قسم آپ ﷺ اپنی نفسانی خواہش سے کوئی بات نہیں کہتے آپ جو کہتے ہیں وہ محض خالص اللہ کی وحی ہوتی ہے جو اللہ کی طرف سے آپ کو بھیجی جاتی ہے۔

یعنی آپ کی زبان مبارک سے جو نکلتا ہے وہ سرتاپا وحی ہوتا ہے اور نفسانی اور شیطانی آمیزش سے بالکل یہ پاک ہوتا ہے یہ سورۂ نجم کی آیت ہے جس کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قسم ہے ستارہ کی کہ تمہارا پیغمبر کبھی گمراہ اور بے راہ نہیں ہوا کوئی بات اس کی زبان سے ہوائے نفسانی سے نہیں نکلتی وہ جو بولتا ہے وہ وحی الٰہی ہوتی ہے جو خدا کی طرف سے بھیجی جاتی ہے۔

پس جب اسی سورت میں خدا تعالیٰ نے قسم کھا کر آپ ﷺ کی نزاہت اور عصمت کو بیان فرمایا تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ اس سورت کے اثناء تلاوت میں شیطان لعین آپ ﷺ پر کچھ القا کرے اور بتوں کی مدح کے الفاظ اس میں ملا دے اور آپ ﷺ کی زبان مبارک سے نکلوا دے۔ معاذ اللہ۔ معاذ اللہ۔

ایک صحیح حدیث میں عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میرا طریقہ یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے جو نکلتا وہ میں لکھ لیا کرتا تھا۔ قریش مجھے منع کرتے اور کہتے کہ رسول اللہ بشر ہیں کبھی حالت رضا میں ہوتے ہیں اور کبھی حالت غضب میں ہوتے ہیں۔ سوتم آپ ﷺ کی ہر بات نہ لکھا کرو معلوم نہیں کہ غصہ کی حالت میں زبان سے کیا نکل جائے۔ عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ حال آنحضرت ﷺ سے بیان کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا اے عبداللہ جو کچھ مجھ سے سنا کرو لکھ لیا کرو قسم ہے اس ذات مبارک کی کہ جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اس زبان سے سوائے حق کے کچھ نہیں نکلتا اور اپنی زبان مبارک کی طرف اشارہ فرمایا۔ پس جب آپ کی زبان مبارک سے سوائے حق کے اور کچھ نہیں نکل سکتا تو پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ آپ کی زبان مبارک سے بتوں کی تعریف میں کوئی لفظ نکل سکے۔

(۴) نیز اسی سورت میں شرک اور مشرکین کی مذمت مذکور ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ اسی سورت کی اثناء تلاوت میں بتوں کی مدح کے متعلق آپ ﷺ کی زبان مبارک سے الفاظ نکلیں۔

(۵) نیز نبی تو توحید کی دعوت اور کفر وشرک سے زجر اور ممانعت کے لیے مبعوث ہوتا ہے اس کی زبان سے بتوں کی مدح میں کسی لفظ کا نکلنا قطعاً محال اور ناممکن ہے۔ امام [1] رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی کی زبان سے ایسے الفاظ کا نکلنا جن میں بتوں کی تعظیم اور مدح ہو بلاشبہ محال اور ناممکن ہے۔ ایسا کلمہ تو نبی کی زبان سے نہ قصداً نکل سکتا ہے۔ اور نہ سہواً اور نہ نسیاناً نکل سکتا ہے اور نہ جبراً وقہراً نکل سکتا ہے کہ نفس اور شیطان آپ کو اس کلمہ کے تلفظ پر مجبور کردے جس میں بتوں کی تعظیم اور مدح ہو۔ قصداً اور عمداً تو ایسا کلمہ نبی کی زبان سے اس لیے نہیں نکل سکتا کہ قصداً بتوں کی تعظیم اور اس کی مدح کفر اور شرک ہے اور نبی

[1] دیکھو تفسیر کبیر: ۶/ ۱۹۵

کی زبان سے قصداً تو کیا سہواً بھی کفر وشرک کا کلمہ نکلنا قطعاً محال ہے اور جو شخص نبی کی زبان پر بتوں کی تعظیم اور مدح کو جائز قرار دے وہ بلاشبہ کافر ہے۔ نبی کی تمام تر سعی اور جدوجہد شرک اور بت پرستی کے مٹانے کے لیے ہے نہ کہ ان کی مدح اور تعظیم کے لیے۔ [1] اور سہواً اس وجہ سے محال ہے کہ تلاوت وحی اور امور تبلیغیہ میں نبی سے سہو اور نسیان اور غفلت کا صدور ناممکن اور محال ہے حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے۔

﴿سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسَىٰٓ ۙ اِلَّا مَا شَاۗءَ اللّٰهُ﴾۔

ہم آپ کو یہ قرآن پڑھائیں گے پس آپ اس میں سے کوئی حرف نہیں بھولیں گے مگر یہ کہ خدا تعالیٰ ہی کسی حکمت اور مصلحت سے اس لفظ کو باقی نہ رکھنا چاہے۔

حدیث میں ہے کہ جب جبریل امین علیہ السلام وحی لیکر آتے تو حضور پرنور ﷺ بھی جبریل علیہ السلام کے ساتھ ساتھ پڑھتے کہ کہیں کوئی حرف بھول نہ جاؤں اس پر یہ آیت نازل ہوئی ﴿لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۝ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۝ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ﴾۔ یعنی جب جبریل علیہ السلام وحی قرآنی آپ ﷺ کے سامنے پڑھا کریں تو آپ ان کے ساتھ ساتھ نہ پڑھا کریں بلکہ خاموش رہیں اور غور سے سنیں۔ قرآن کا آپ ﷺ کے سینہ میں بتمام وکمال جمع کر دینا اور اس کا محفوظ کر دینا ہمارے ذمہ ہے آپ ﷺ بےفکر رہئے قرآن کا کوئی لفظ آپ ﷺ بھول نہیں سکتے۔

غرض یہ کہ تلاوت وحی اور دعوت وتبلیغ میں نبی کو سہو ونسیان کا پیش آجانا بالاجماع ناممکن اور محال ہے البتہ نبی کو اپنے ذاتی افعال میں جیسے نماز وغیرہ میں سہو ونسیان کا لاحق ہونا ممکن ہے جیسا کہ نماز ظہر یا عصر میں آپ ﷺ نے بھولے سے دو رکعت یا تین پر سلام پھیر دیا اور بعد یاد آنے کے سجدہ سہو کیا تو یہ سہو ونسیان بھی حکمت ومصلحت پر مبنی تھا جس سے سجدہ سہو کی تشریع مقصود تھی کہ اگر نماز میں سہو پیش آجائے تو امت کو کیا کرنا چاہئے۔ اور لیلۃ التعریس میں جو حضور پرنور ﷺ کی نماز فوت ہوئی تو اس سے قضاء فائتہ کی تشریع مقصود تھی کہ اگر بھولے سے نماز قضا ہو جائے تو کس طرح اس کی قضا کی جائے یہ سہو ونسیان جو آپ ﷺ کو پیش آیا اس کا وحی رسالت اور تبلیغ شریعت سے کوئی تعلق نہ تھا۔

(۳) اور یہ بھی ممکن نہیں کہ شیطان جبراً وقہراً کسی بہانہ یا دھوکہ سے آپ ﷺ کی زبان مبارک سے اس قسم کے الفاظ نکلوا دے اس لیے کہ حق جل شانہ کا ارشاد ہے۔ ﴿اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ﴾۔ اے شیطان میرے خالص بندوں پر تیرا کوئی غلبہ اور زور نہیں اور دوسری جگہ ارشاد ہے۔ ﴿اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ﴾ اور شیطان کا خود اقرار ہے ﴿اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ﴾۔ اے پروردگار میرا اغوا تیرے عباد مخلصین پر نہیں چل سکے گا اور آنحضرت ﷺ تو سید المخلصین تھے۔ آپ ﷺ پر شیطان کے کسی زور اور زور کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ کہ وہ جبراً بلا اختیار آپ کی زبان مبارک پر ایسے کفر وشرک کے الفاظ جاری کر سکے اگر خدانخواستہ شیطان کو یہ قدرت ہوتی تو کوئی کلمہ حق آپ ﷺ کی زبان سے جاری نہ ہونے دیتا پھر یہ کہ جب شیطان کو آپ ﷺ پر یہ قدرت حاصل ہوگئی تو خدا کے خاص اور مخلص بندے کون ہیں جن پر شیطان

[1] اس تمام تفصیل کی اصل بنیاد تو امام رازی رحمہ اللہ کا کلام ہے لیکن تفصیل میں دلائل کا کچھ اضافہ ہو گیا ہے وہ تفسیر روح المعانی وغیرہ سے ماخوذ ہے منہ عفا اللہ عنہ۔

کو قدرت اور غلبہ نہیں۔ معاذ اللہ معاذ اللہ۔ اگر نبی اور رسول پر بھی شیطان کا زور چل سکے تو پھر نبی اور غیر نبی میں فرق ہی کیا رہا۔ نیز نزول وحی کے وقت فرشتوں کا پہرہ ہوتا ہے اس وقت کسی شیطان کی مجال نہیں کہ وہاں کوئی پر مار سکے یا اس کے قریب سے گزر سکے جیسا کہ سورۂ جن میں ہے ﴿اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ۝ لِّيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ﴾ یعنی جب وحی الٰہی کا نزول ہوتا ہے تو ہر طرف سے فرشتوں کا پہرہ ہوتا ہے اور وحی الٰہی کی حفاظت کے زبردست انتظامات ہوتے ہیں کہ کوئی شیطان قریب یا بعید سے وحی ربانی میں کوئی القا نہ کر سکے اور مقصود یہ ہوتا ہے کہ اللہ کا رسول اللہ کے پیغام کو بلا کم و کاست بندوں تک پہنچا دے پس اگر نبی القا شیطانی سے محفوظ نہ رہے تو پھر فرشتوں کی رصد اور ان کے پہروں کا کیا فائدہ (دیکھو روح المعانی: ۱۷ / ۱۶۴۔ ۱۶۵)

نیز قرآن میں ہے۔ ﴿وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ۝ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ۭ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ﴾۔ یعنی اس کتاب عزیز کی حفاظت کا حق تعالیٰ خود ذمہ دار ہے کسی باطل کی مجال نہیں کہ وہ آگے یا پیچھے سے وہاں آسکے بہر حال یہ امر قطعاً محال ہے کہ آنحضرت ﷺ شیطان کے القا سے کسی چیز کا تلفظ کر دیں اور آپ کو القا شیطانی اور وحی جبریل علیہ السلام میں اور قرآن اور غیر قرآن میں تمیز نہ ہو اور معاذ اللہ آپ ﷺ کی زبان سے قرآن میں کوئی حرف اور کوئی لفظ زیادہ ہو جائے جو اللہ نے آپ ﷺ پر نازل نہیں کیا اور شیطان وحی خداوندی میں کوئی آمیزش کر دے اور آپ ﷺ کو اس پر تنبیہ نہ ہو اور آپ ﷺ یہ نہ سمجھ سکیں کہ وحی ربانی تو یہ ہے اور یہ مزید القا شیطانی ہے۔ غرض یہ کہ امر ناممکن ہے کہ نبی کو وحی اور غیر وحی میں کوئی اشتباہ لاحق ہو جائے۔ اشتباہ کا واقع ہونا علامت ہے قلت بصیرت کی اور اللہ کا نبی اس سے پاک اور منزہ ہے۔

(۶) نیز اگر اس واقعہ کو صحیح مان لیا جائے تو علاوہ اس کے کہ یہ واقعہ آیات مذکورہ کے خلاف ہے ایک خرابی یہ لازم آئے گی کہ قرآن کریم اور وحی الٰہی سے وثوق اور اعتماد اٹھ جائیگا اور امان اور اطمینان زائل ہو جائے گا اس لیے کہ اس واقعہ کی طرح دوسری جگہ بھی القا شیطانی سے وحی الٰہی اور پیغام خداوندی میں کمی اور زیادتی کا جواز اور امکان نکل جائیگا کہ ممکن ہے کہ دوسرے مواقع پر بھی القا شیطانی سے احکام الٰہیہ اور پیغامات خداوندی میں اسی قسم کی کمی اور زیادتی اور تغیر اور تبدل پیش آیا ہو اور لازم آئے گا کہ حسب حکم خداوندی ﴿يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ﴾ احکام خداوندی کی پوری پوری اور صحیح صحیح تبلیغ نہ ہوئی ہو ایسی صورت میں وحی الٰہی پر یقین نہیں رہ سکتا کہ بالیقین یہ پوری اور صحیح وحی ہے اور بعینہٖ وہی پوری وحی ہے جو اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہے ممکن ہے کہ القا شیطانی کی وجہ سے اس میں غیر وحی کی آمیزش ہو گئی ہو غرض یہ کہ ایسی صورت میں وحی الٰہی پر اعتماد اور یقین نہیں رہتا بلکہ وحی الٰہی مشکوک اور مشتبہ ہو جاتی ہے۔ (دیکھو تفسیر کبیر: ۶ / ۱۹۴ و روح المعانی: ۱۷ / ۱۶۱)

(۷) نیز ایک خرابی یہ لازم آئے گی کہ نظم قرآنی باہم متضاد اور متناقض اور مختلف ہو جائے گی اس لیے کہ ﴿اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى﴾ الخ سے تو بتوں کی مذمت مقصود ہے اور تلک الغرانیق العلیٰ سے بتوں کی مدح مقصود ہے تو سوال یہ ہے کہ ایسا صریح اختلاف اور واضح تناقض و تضاد حاضرین مجلس پر اور خاص کر نبی اکرم ﷺ پر کیسے مخفی رہا یہ

ناممکن ہے کہ صاحب نبوت پر یہ اختلاف اور تضاد مخفی رہے۔

(۸) نیز ایک خرابی یہ لازم آئے گی کہ تلك الغرانیق العلیٰ ایک معمولی عبارت ہے اور نظم قرآنی حد اعجاز کو پہنچی ہوئی ہے دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے کیا حاضرین مجلس پر ان دو مختلف النوع کلاموں کا تفاوت مخفی رہا اور وہ اس فرق پر متنبہ نہ ہوئے اور اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ حضور پرنور ﷺ پر وحی الٰہی مشتبہ ہوگئی اور آپ ﷺ کو وحی رحمانی اور وحی شیطانی میں فرق نہ معلوم ہوا اور قرآن اور غیر قرآن اور منزل من اللہ اور غیر منزل من اللہ میں آپ ﷺ کو فرق نہ معلوم ہوا اور فرشتہ اور شیطان آپ پر کیسے ملتبس اور مشتبہ ہوگئے اور ملک معصوم اور شیطان خبیث میں آپ ﷺ نے فرق نہ کیا اور توحید اور شرک اور فرشتہ اور شیطان کا فرق آپ ﷺ پر ملتبس ہوگیا (روح المعانی: ۱۷/ ۱۶۵)

(۹) نیز اس آیت کا سیاق وسباق بتارہا ہے کہ یہ آیت حضور پرنور ﷺ کی تسلی کے لیے نازل ہوئی نہ کہ عتاب اور تنبیہ کے لیے مقصود آیت آنحضرت ﷺ کو تسلی دینا ہے کہ آپ ﷺ ان معاجزین اور معاندین کی سعی فی ابطال الآیات سے رنجیدہ نہ ہوں پس اگر واقعہ مذکورہ صحیح ہوتا تو آپ ﷺ پر عتاب نازل ہوتا۔

(۱۰) نیز حدیث متواتر سے یہ ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ من رانی فی المنام فقد رانی حقا فان الشیطن لا یتمثل بی۔ یعنی جس شخص نے مجھ کو خواب میں دیکھا اس نے حقیقتاً مجھ کو خواب میں دیکھا اس لیے کہ شیطان کو یہ قدرت نہیں کہ وہ میری صورت بنا سکے اور کسی کے سامنے میری شکل میں ظاہر ہو سکے۔ پس جب شیطان عام مومنین کے لیے بشکل نبی متمثل اور متشکل نہیں ہوسکتا تا کہ اہل ایمان مجھے خواب میں دیکھ کر کسی اشتباہ میں نہ پڑیں تو شیطان کا خود آنحضرت ﷺ کے لیے بشکل جبرئیل متمثل اور متشکل ہونا بدرجہ اولیٰ محال اور ناممکن ہوگا۔ دیکھو تفسیر روح المعانی: ۱۷/ ۱۶۸ (فتلك عشرۃ کاملۃ) پس یہ دس دلیلیں جو زیادہ تر امام رازی رحمہ اللہ کی تفسیر کبیر اور علامہ آلوسی رحمہ اللہ کی تفسیر روح المعانی سے ماخوذ ہیں اور کچھ حصہ شروح بیضاوی سے بھی ماخوذ ہے۔ ہم نے نہایت اختصار کے ساتھ ہدیۂ ناظرین کردیا ہے۔ حضرات اہل علم تفاسیر مذکورہ بالا کی مراجعت فرمالیں۔ دلائل مذکورہ کے علاوہ اور بھی دلائل ملیں گے جن کو ہم نے اختصار کی بنا پر چھوڑ دیا۔

بہر حال اس قصہ کا موضوع اور باطل ہونا دلائل نقلیہ اور عقلیہ سے ثابت ہے اور صحیح روایتوں میں صرف اس قدر مذکور ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سورۂ نجم کی تلاوت فرمائی اور مسلمانوں کے ساتھ مشرکین نے بھی سجدہ کیا سب نے سجدہ کیا مگر قریش کے ایک شیخ نے مٹھی بھر کنکریاں لیں اور ان کو اپنی پیشانی پر اٹھایا اور ان پر سجدہ کیا۔ صرف اتنی روایت صحیح ہے اور باقی موضوع اور باطل ہے۔ تمام روایات صحیحہ میں واقعہ غرانیق العلیٰ کا کہیں ذکر نہیں۔

آمدیم برسر مطلب

اب ہم آیت ہذا کی تفسیر کی طرف متوجہ ہوتے ہیں لیکن تفسیر آیت سے پہلے یہ بتلا دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ اس آیت میں دو لفظ مذکور ہیں ایک "تمنی" دوسرا "القاء" آیت تفسیر سے پہلے ان دونوں لفظوں کی تشریح ضروری معلوم ہوتی ہے۔

لفظ ﴿تمنٰی﴾ :...... سوجاننا چاہیے کہ لفظ ﴿تمنٰی﴾ دو معنوں میں مستعمل ہوتا ہے ایک بمعنی قراءت وتلاوت جس کے معنی پڑھنے کے ہیں اور دوسرے معنی دلی آرزو اور تمنا کرنے کے ہیں۔ یہ لفظ کلام عرب میں دونوں معنی میں مستعمل ہوا ہے سورۂ نجم میں ہے۔﴿اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰی﴾ یہاں سے ﴿تمنّٰی﴾ سے دلی خواہش اور آرزو کے معنی مراد ہیں اور سورۂ بقرہ میں ﴿وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ﴾ یہاں امنیہ سے صرف زبان سے الفاظ توریت پڑھنے کے معنی مراد ہیں۔

لفظ القا:...... لفظ القا کے اصل معنی ڈالنے کے ہیں اس میں دو احتمال ہیں ایک تو یہ آیت میں القا سے لفظ کے اعتبار سے القا مراد ہے یعنی شیطان ایسے الفاظ القا کرتا ہے جن کو سن کر لوگ فتنہ میں پڑ جائیں یا معنی کے اعتبار سے القا مراد ہے یعنی شیطان کفار کے دلوں میں کوئی ایسی چیز القا کرے جو ان کے فتنہ کا سبب بن جائے تو آیت میں تمنی اور القا کے دونوں معنوں میں جونسے معنی بھی مراد لیے جائیں تو آیت کا مطلب صحیح اور درست ہو سکتا ہے۔

تفسیر اول

اکثر مفسرین کے نزدیک تمنی کے معنی قراءت کے ہیں اور القا سے القا معنوی مراد ہے یعنی جب کبھی کسی نبی نے اللہ کی وحی کی قراءت کی تو شیطان نے ان کی قراءت اور تلفظ میں کافروں کے دلوں میں طرح طرح کے شکوک اور شبہات ڈال دیئے پس اگر اس آیت میں تمنی سے تلاوت اور قراءت کے معنی مراد لیے جائیں اور امنیہ کو بمعنی متلو اور مقروء لیا جائے یعنی وہ الفاظ مراد لیے جائیں جن کو نبی نے پڑھا ہے اور القا سے باعتبار معنی کے القا مراد لیا جائے یعنی شیطان نے انبیا کی قراءت کے بعد لوگوں کے دلوں میں کچھ شبہ اور وسوسہ ڈال دیا جس سے وہ وحی متلو اور مقرو لوگوں پر مشتبہ ہوگئی تو اس صورت میں آیت کی صحیح تفسیر اس طرح ہوگی اور اے نبی آپ ﷺ ان کفار معاجزین یعنی معاندین کے مجادلہ سے رنجیدہ اور ملول نہ ہوں اور یہ لوگ جو ابطال آیات کی سعی اور جدوجہد میں لگے ہوئے ہیں اس کی فکر میں نہ پڑیئے یہ کوئی نئی بات نہیں ہم نے آپ ﷺ سے پہلے کوئی رسول اور کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا کہ جس کے ساتھ یہ واقعہ پیش نہ آیا ہو کہ جب کبھی اس نے لوگوں کو کوئی حکم خداوندی پڑھ کر سنایا یا اللہ کی آیتوں کو پڑھ کر سنایا تو اس وقت شیطان نے اس کی تلاوت کردہ چیز کے بارہ میں لوگوں کے دل میں بذریعہ وسوسہ کچھ شکوک اور شبہات ڈال دیئے جس سے لوگ نبی کی تلاوت کردہ یعنی اس کی پڑھی ہوئی اور سنائی ہوئی چیز کے بارے میں شک اور شبہ میں پڑ گئے مطلب یہ ہے کہ قدیم سے یہ عادت رہی ہے کہ جب کبھی اللہ کے کسی رسول اور نبی نے کوئی آیت تلاوت کی یا اللہ کا کوئی حکم پڑھ کر سنایا یا کوئی بات بیان کی تو شیطان نے اللہ کے حکم اور اللہ کی بات اور نبی کی بیان کردہ چیز کے متعلق لوگوں کے دلوں میں بذریعہ وسوسہ، شکوک اور شبہات ڈال دیئے بعد ازاں کفار شیاطین کے انہی القاء کردہ شبہات اور اعتراضات کی بنا پر انبیا و رسل سے مجادلہ کرتے تھے اور اپنے اس مجادلہ باطلہ سے انبیا و رسل کی بیان کردہ چیزوں کے ابطال اور محو کی سرتوڑ کوشش کرتے تھے مگر نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ ان کی سعی اور جدوجہد ناکام ہوتی تھی۔ کما قال اللہ تعالیٰ ﴿وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ﴾ وقال اللہ تعالیٰ ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا﴾۔

پس اسی قسم کے شبہات سے کفار مکہ آیات خداوندی کے ابطال کی سعی میں لگے ہوئے ہیں جیسا کہ ﴿وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ﴾ میں اس کا ذکر ہو چکا ہے۔

(۱) مثلاً جب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے آیت ﴿اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ﴾ پڑھ کر سنائی تو شیطان نے لوگوں کے دلوں میں یہ شبہ ڈالا کہ دیکھو مسلمان اپنی ماری (یعنی ذبیحہ) کو تو حلال بتاتے ہیں اور خدا کی ماری ہوئی چیز (یعنی میتہ اور مردار) کو حرام بتاتے ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ قول نازل کر کے اس کو منسوخ یعنی زائل اور باطل کر دیا یعنی ﴿وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ﴾ اور ﴿فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ﴾ نازل کر کے ان کے شبہ کو زائل کر دیا اور بتلا دیا کہ جس جانور پر ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا جائے وہ حلال ہے اور جس پر اللہ کا نام نہ لیا جائے وہ حرام ہے۔ باقی مارنے والا اور جان نکالنے والا ہر حال میں اللہ ہی ہے۔ جان ڈالنا اور جان نکالنا یہ اللہ ہی کے اختیار میں ہے بندہ کا کام ذبح کرنا یعنی چھری چلانا ہے اس کا قانون اور ضابطہ یہ ہے کہ اللہ کا نام لے کر چھری چلاؤ تو جانور حلال ہے ورنہ حرام ہے۔

(۲) اور مثلاً جب آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھ کر سنائی ﴿اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ﴾ تو شیطان نے اس میں یہ شبہ القا کیا کہ ﴿وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ میں تو حضرت مسیح اور حضرت عزیر اور ملائکہ کرام ﷺ بھی داخل ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اس شیطانی شبہ کے ازالہ کے لئے یہ آیت نازل فرمائی ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ﴾ مطلب یہ تھا کہ ﴿اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ﴾ میں کلمہ "ما" سے ان کے اصنام اور بت مراد ہیں۔ خدا کے برگزیدہ بندے سے مراد نہیں۔ دیکھو حاشیہ شیخ زادہ بر تفسیر بیضاوی: ۳/۳۹۰)

پس اس طرح اللہ تعالیٰ اس القا شیطانی کو مٹا دیتا ہے یعنی شیطان کے ڈالے ہوئے شبہات اور اعتراضات کو محکم اور قطعی دلائل سے اور کافی و شافی جوابات سے دور کر دیتا ہے اور ان کو بالکل نیست و نابود کر دیتا ہے جیسا کہ قاعدہ ہے کہ قطعی دلیل اور محکم جواب کے بعد شبہ اور اعتراض کی بیخ و بُن بھی باقی نہیں رہتی پس حق جل شانہ کے اس قول ﴿فَيَنْسَخُ اللّٰهُ﴾ میں نسخ سے لغوی معنی مراد ہیں شرعی معنی مراد نہیں۔ نسخ کے لغوی معنی محو اور ازالہ کے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ القا شیطانی کی تاثیر کو باطل اور زائل کر دیتا ہے اور شیطانی خلط و ملط کو مٹا دیتا ہے۔ لغت کے اعتبار سے نسخ کی حقیقت رفع اور ازالہ ہے سو آیت میں نسخ سے لغوی معنی مراد ہیں عرفی اور اصطلاحی معنی مراد نہیں اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے پاس سے جو وحی نازل کرتا ہے اس کی حفاظت اور حراست کرتا ہے اور اگر کوئی دوسری چیز اس میں خلط ملط ہو جائے تو اس کو زائل کر دیتا ہے اور مٹا دیتا ہے تاکہ کوئی اشتباہ باقی نہ رہے۔ (دیکھو تفسیر کبیر: ۶/۱۹۷)

پھر شیطان کے ڈالے ہوئے شبہات کے ازالہ کے بعد اللہ تعالیٰ اپنی ان آیات بینات کے مضامین کو جن کو نبی ﷺ نے پڑھ کر سنایا تھا پہلے سے زیادہ محکم اور مضبوط بنا دیتا ہے وہ آیتیں اگرچہ پہلے سے محکم اور مضبوط تھیں مگر قطعی اور شافی جواب کے بعد ان کا استحکام اور زیادہ روشن ہو جاتا ہے جس سے القا شیطانی کی جڑ ہی کٹ جاتی ہے اور شیطان کے القا کردہ شکوک و شبہات یکلخت کافور ہو جاتے ہیں اور خدا تعالیٰ کے جواب کے بعد کسی شک و شبہ کی ذرہ برابر گنجائش باقی نہیں

رہتی اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے یعنی شیطان نے جو القا کیا۔ اللہ اس کو خوب جانتا ہے اور شیطان کو جو اس القا پر قدرت دی اس میں اللہ کی حکمتیں اور مصلحتیں ہیں اس کا ہر حکم اور ہر کام حق ہوتا ہے اور حکمتوں پر مبنی ہوتا ہے، پس اللہ تعالیٰ شیطان کو اس القا کی اس لیے قدرت دیتا ہے تا کہ اللہ تعالیٰ شیطان کی القا کو وہ چیز کو ان لوگوں کے لیے ایک فتنہ اور آزمائش بنائے جن کے دلوں میں شک اور نفاق کی بیماری ہے اور تردد اور تذبذب کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں اور نیز ان لوگوں کے لیے بھی آزمائش بنائے جن کے دل بالکل ہی سخت ہیں یعنی کھلم کھلا کافر ہیں اور اپنے کفر پر پختگی سے قائم ہیں اللہ تعالیٰ نے اس عالم کو دار ابتلا اور دار امتحان بنایا ہے۔ شیطان کے ذریعہ لوگوں کا امتحان کرتا ہے اللہ نے شیطان کو پیدا ہی بندوں کے ابتلاء اور آزمائش کے لیے کیا ہے۔ ﴿الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ﴾ سے وہ لوگ مراد ہیں جو ابھی شک اور شبہ میں پڑے ہوئے ہیں جیسے منافقین اور مذبذبین جو تا ہنوز حیرت میں پڑے ہوئے ہیں اور ﴿وَالْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ﴾ سے وہ سخت دل اور سنگ دل لوگ مراد ہیں جو باطل پر جمے ہوئے ہیں اور ان کے دل بالکل سیاہ پتھر کی طرح سخت ہو چکے ہیں۔ سو القاء شیطانی کا یہ فتنہ ان دونوں گروہوں کی آزمائش کے لیے ہے تا کہ خبیث اور طیب ایک دوسرے سے ممتاز اور جدا ہو جائیں اور حق اور باطل کا فرق واضح ہو جائے۔ اور بلاشبہ یہ دونوں مذکورہ گروہ ① منافقین جو دل کے بیمار ہیں اور ② کفار مجاہرین جو سنگ دل ہیں۔ واقعی یہ دونوں ظالم گروہ حد درجہ کی مخالفت میں ہیں جو حق سے بہت دور دراز نکل گئے ہیں ظاہر اسباب میں حق کی طرف ان کی واپسی بہت بعید ہے اور اسی طرح القاء شیطانی میں ایک حکمت یہ ہے کہ تا کہ وہ لوگ جن کو من جانب اللہ صحیح علم اور صحیح فہم عطا کیا گیا ہے اس بات کو جان لیں اور یقین کر لیں کہ وہی حق ہے جو تیرے پروردگار کی طرف سے نازل ہوا اور جو کچھ جتنی مقدار میں انہوں نے آپ ﷺ کی زبان مبارک سے سنا ہے اور سمجھا ہے صرف اتنا ہی حق ہے اور اس کے سوا جو کچھ بھی ہے وہ سب غلط ہے پس جو نبی سے سنیں اور سمجھیں اس پر ایمان لائیں اور اسی کو حق جانیں۔ ایمان تو پہلے ہی سے تھا۔ مراد یہ ہے کہ ان کا ایمان اور مضبوط ہو جائے پھر نبی نے جو ان کو پڑھ کر سنایا ہے اس کے سامنے اس کے دل جھک جائیں اور دل وجان سے اس کے حکم کی تعمیل کریں پس اس القا شیطانی اور اس کے ازالہ کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ اہل ایمان کا ایمان اور ایقان پہلے سے زیادہ محکم اور مضبوط ہو گیا اور یہی صراط مستقیم ہے جو نہایت باریک ہے اور اس پر قائم رہنا بہت مشکل ہے اور بیشک اللہ تعالیٰ سیدھی راہ پر انہیں بندوں کو چلاتا ہے جو اسکی باتوں کو مانتے ہیں اور اس پر یقین رکھتے، اس آیت میں اہل ایمان کی صراط مستقیم کی طرف ہدایت کرنے سے ان کی استقامت اور حفاظت مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل حق کو ہدایت پر محفوظ اور مستقیم رکھتا ہے اور معاندین اور مجادلین اور معاجزین کو اپنی توفیق سے سرفراز نہیں کرتا۔

یہاں تک آیت کی پہلی تفسیر ختم ہوئی اور یہ تمام تفسیر اس صورت میں تھی کہ آیت میں تمنی سے قراءت اور تلاوت یعنی پڑھنے کے معنی مراد لیے جائیں اور القا سے از روئے معنی القا مراد لیا جائے یعنی وسوسہ شیطانی مراد لیا جائے۔ اس صورت میں آیت کا خلاصہ مطلب یہ نکلا کہ شیطان کی قدیم عادت یہ ہے کہ جب کوئی پیغمبر کوئی چیز لوگوں کو پڑھ کر سناتا تو شیطان لوگوں کے دلوں میں اپنی تاویلات فاسدہ اور شبہات واہیہ کا القاء کرتا جس سے نبی کی تلاوت کردہ چیز لوگوں پر مشتبہ ہو جاتی اور لوگ شبہ میں پڑ جاتے۔ بعد میں اللہ تعالیٰ تاویلات باطلہ، تسویلات مہملہ کو منسوخ یعنی نیست اور نابود کر دیتا ہے جس سے وہ تمام القا

شیطانی باطل اور زائل ہو جاتا ہے اور حق پہلے سے زیادہ واضح اور مستحکم ہو جاتا ہے۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے روح المعانی میں اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے۔

آیت کی دوسری تفسیر

اور اگر آیت میں تمنی کے معنی بجائے پڑھنے کے دل سے تمنا اور آرزو کرنے کے لیے جائیں اور القا سے معنوی القا مراد لیا جائے تو پھر آیت کی صحیح تفسیر دوسری ہوگی جس کو حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اور حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی قدس سرہما نے اختیار فرمایا ہے جس کو اب ہم ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ موضح القرآن میں اس آیت کی تفسیر اس طرح فرماتے ہیں جس کو ہم ذرا وضاحت کے ساتھ پیش کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ نبی کو اللہ کی طرف سے کوئی حکم آتا ہے اس میں ذرہ برابر بھی ہرگز کوئی تفاوت نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ اللہ کی بات ہوتی ہے اور ایک نبی کی طرف سے اس کے دل کا طبعی میلان اور خیال ہوتا ہے۔ اور اس کی دلی آرزو ہوتی ہے وہ کبھی ٹھیک پڑتا ہے اور کبھی نہیں کیونکہ وہ نبی کی طبعی اور ذاتی آرزو ہوتی ہے اللہ کی طرف سے نہیں ہوتی اس لیے اس میں فرق ہوسکتا ہے کہ پوری نہ ہو۔

مثلاً آنحضرت ﷺ نے خواب میں دیکھا کہ آپ ﷺ مکہ سے مدینہ تشریف لے گئے اور عمرہ کیا۔ خواب تو صرف اسی قدر تھا جس میں کسی وقت کا ذکر نہ تھا مگر دلی آرزو اور شوق کی بناء پر یہ خیال آیا کہ شاید اسی سال ایسا ہو جائے۔ اسی آرزو اور خیال کی بنا پر عمرہ کی نیت سے مکہ کا سفر اختیار فرمایا مگر اس سال آپ ﷺ عمرہ نہ کر سکے۔ اور واپس آ گئے اور اگلے سال خواب کی تعبیر پوری ہوئی۔

یا مثلاً اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے وعدہ فرمایا کہ آپ کو کافروں پر غلبہ دے گا آپ کو خیال آیا کہ شاید اسی لڑائی میں فتح ہوگی مگر اس لڑائی میں آپ ﷺ کو غلبہ نہ ہوا بعد میں ہوا۔

غرض یہ کہ اس طرح گاہ بگاہ اصل وعدہ الٰہی کے ساتھ نبی کے خیال اور آرزو کی آمیزش ہو جاتی ہے اور لوگوں کے لیے فتنہ بن جاتی ہے جس سے لوگ شبہ میں پڑ جاتے ہیں کہ نبی نے جو کہا تھا وہ پورا نہیں ہوا حالانکہ وہ نبی کی آرزو تھی وہ اگر پوری نہ ہو تو اس سے نبوت میں کوئی خلل نہیں پڑتا۔ تو جب لوگ نبی کی آرزو پوری نہ ہونے کی وجہ سے فتنہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور شبہ میں پڑ جاتے ہیں تو اللہ اس آمیزش کو دور کر دیتا ہے اور بتلا دیتا ہے کہ اللہ کا حکم اور اللہ کا وعدہ صرف اس قدر تھا وہ سرتاپا حق ہے اس میں سرمو فرق اور تفاوت نہیں اور اس قدر اس میں نبی کا ذاتی خیال اور دلی آرزو تھی۔ نبی نے کسی چیز کی خبر نہیں دی تھی اور نبی کی آرزو اور اس کے طبعی خیال میں فرق نکل سکتا ہے کہ پورا نہ ہو۔ غرض یہ کہ جب اس قسم کا کوئی شبہ پیش آ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ بذریعۂ وحی کے بتلا دیتے ہیں کہ اصل حکم الٰہی اور اصل وعدہ خداوندی صرف اس قدر تھا اور اس کے علاوہ نبی کی دلی تمنا اور آرزو تھی جو اس کے ساتھ مل گئی تھی کوئی خبر اور پیشینگوئی نہ تھی، اللہ تعالیٰ وحی نازل کر کے اصل وعدہ اور اصل حکم کو نبی کی طبعی آرزو سے جدا اور الگ کر دیتا ہے تاکہ دونوں چیزیں الگ الگ ہو جائیں اس سے اللہ کی بات کی مضبوطی ثابت

ہو جاتی ہے کہ وہ ہو بہو پوری ہو اور بلا شبہ اللہ کی بات ضروری پوری ہو کر رہتی ہے البتہ نبی کی تمنا اور دلی آرزو کبھی کبھی پوری نہیں ہوتی اور اس سے پیغمبری میں کوئی خلل نہیں آتا۔ اللہ نے پیغمبروں کو علم غیب عطاء نہیں کیا۔ پیغمبر با قتضاء بشریت اپنے دل سے کچھ خیال باندھ لیتے ہیں اور وہ کبھی کبھی پورا نہیں ہوتا۔ پیغمبر کے ہر خیال اور آرزو کا پورا ہونا ضروری نہیں ہاں یہ ناممکن اور محال ہے کہ نبی کسی چیز کی خبر دے اور وہ غلط نکلے۔ خبر اور چیز ہے اور خیال اور آرزو اور چیز ہے آنحضرت ﷺ کی آرزو تو یہ تھی کہ سب ایمان لے آئیں مگر یہ آرزو پوری نہیں ہوئی ﴿وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ﴾ آپ کی دلی تمنا اور آرزو یہ تھی کہ ابو طالب ایمان لے آئیں مگر پوری نہیں ہوئی اور یہ آیت نازل ہوگئی۔ ﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ﴾۔ رہا یہ امر کہ اس صورت میں القا کی نسبت شیطان کی طرف کیوں کی گئی۔ سو جاننا چاہئے کہ اس آیت میں القا کی نسبت شیطان کی طرف ویسی ہے جیسا کہ ﴿وَمَآ اَنْسٰىنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ﴾ میں انساء (بھلا دینے) کی نسبت شیطان کی طرف کی گئی ہے اور سہو و نسیان نہ عصمت کے منافی ہے نہ نبوت کے منافی ہے۔ انبیا سے بمقتضائے بشریت کبھی بھول چوک ہو جاتی ہے تو ادب خداوندی کی بنا پر اس کو شیطان کی طرف نسبت کر دیتے ہیں واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ یہ تمام کلام حضرت شاہ عبد القادر دہلوی قدس اللہ سرہٗ کے کلام کی توضیح وتشریح ہے۔ جو اس آیت کی تفسیر میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قلم حقیقت رقم سے موضح القرآن میں نکلا ہے اور شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ کے والد بزرگوار حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی قدس اللہ سرہٗ نے بھی اسی معنی کو اختیار فرمایا ہے۔ چنانچہ فتح الرحمان میں لکھتے ہیں۔

مترجم گوید مثلاً آنحضرت ﷺ بخواب دیدند کہ ہجرت کردہ اند بزمینے کہ نخل بسیار دارد پس وہم بجانب یمامہ وہجر رفت در نفس الامر مدینہ بود۔ ومثلاً آنحضرت ﷺ بخواب دیدند کہ بمکہ در آمدہ اند وحلق وقصر می کنند پس وہم آمد کہ در ہماں سال ایں معنی واقع شود در نفس الامر بعد از سال ہائے چند متحقق شد و در امثال ایں صورت امتحان مخلصان ومنافقان درمیان می آید۔ واللہ اعلم (فتح الرحمن)

یعنی آنحضرت ﷺ نے ہجرت سے پہلے خواب میں دیکھا کہ آپ ﷺ نے ایسی سرزمین کی طرف ہجرت کی ہے کہ جہاں کھجور کے درخت کثرت سے ہیں آپ کو خیال آیا کہ عجب نہیں کہ وہ سرزمین ہجر یا یمامہ ہو۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ بستی مدینہ ہے جس قدر وحی آسمانی تھی وہ حق تھی اس میں سرمو تفاوت نہیں ہوا۔ البتہ آپ ﷺ کے خیال اور وہم وگمان میں فرق نکلا اور پورا نہ ہوا اور آپ ﷺ نے ہجر اور یمامہ کی بابت جو خیال فرمایا تھا وہ بھی غلط نہ تھا کیونکہ جو خواب آپ ﷺ کو دکھلایا گیا تھا اس میں کسی بستی کی تعیین نہ تھی۔ صرف اس قدر تھا کہ آپ ﷺ نے ایسی بستی کی طرف ہجرت کی جہاں کھجور کے درخت بکثرت ہیں چونکہ ہجر اور یمامہ میں بھی بکثرت کھجور کے درخت تھے اس لیے آپ کا خیال اس طرح گیا کہ شاید وہ بستی ہجر یا یمامہ ہو بعد میں یہ نکلا کہ وہ بستی مدینہ منورہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کی بات میں کبھی فرق نہیں نکلتا اور نہ نکل سکتا ہے۔ البتہ نبی کے طبعی خیال اور دلی آرزو میں بایں معنی فرق نکل سکتا ہے کہ پوری نہ ہو اور اگر نبی کی کوئی آرزو پوری نہ ہو تا اس سے نبوت میں کوئی خلل نہیں پڑتا۔ نبی بمقتضائے بشریت کبھی کوئی آرزو کرتا ہے مگر کسی حکمت غیبی سے وہ پوری نہیں ہوتی تو یہ نبوت کے منافی نہیں۔ ابتدا میں اللہ کی طرف سے جو وعدہ ہوا وہ مجمل تھا اور اجمالی کی وجہ سے متعدد معانی کا اس میں احتمال تھا اللہ کی

طرف سے کوئی تعیین نہ تھی۔ ایسے مجمل اور محتمل وعدہ میں نبی کا خیال اور اس کی آرزو کسی ایک معنی کی طرف چلی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ بذریعہ وحی کے بتلا دیتے ہیں کہ اس مجمل اور محتمل سے ہماری مراد فلاں معنی ہیں۔ سو یہ نہ کوئی خطا ہے اور نہ کوئی غلطی ہے اور نبوت اور عصمت کے منافی ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ اگر تمنا سے پہلے معنی یعنی پڑھنے کے معنی مراد لیے جائیں اور القا سے باعتبار معنی کے القا مراد ہو تو آیت کی وہ تفسیر ہوگی جسکو سب سے پہلے ہم نے جمہور مفسرین سے نقل کیا اور اگر تمنا سے آرزو اور دلی خواہش کے معنی مراد ہوں تو آیت کی وہ تفسیر ہوگی جو ہم نے شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ اور شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ سے نقل کی اور یہ دوسری تفسیر تھی اور یہاں ایک تیسری تفسیر بھی ہے وہ یہ ہے۔

تیسری تفسیر

بعض علما یہ کہتے ہیں کہ آیت میں تمنی سے اپنی قوم کے ایمان کی حرص اور تمنا مراد ہے یعنی ہر نبی اپنی قوم کے ایمان اور ہدایت کی تمنا کرتا ہے مگر شیطان اپنے دوستوں کے دلوں میں طرح طرح کے شبہ ڈال دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان شبہات کا ازالہ فرما دیتے ہیں۔

آیت ہذا کی تفسیر میں علماء کا دوسرا گروہ:...... ابتدا کلام میں ہم یہ بتلا چکے ہیں کہ قصہ غرانیق علی کے بارے میں علماء کے دو گروہ ہیں ایک گروہ وہ ہے جو اس قصہ کو بالکل باطل اور موضوع قرار دیتا ہے جمہور کا یہی مسلک ہے اور گزشتہ تین تفسیریں اسی قول پر مبنی تھیں جو گزر گئیں دوسرا گروہ علما کا وہ ہے جو یہ کہتا ہے کہ یہ قصہ اگرچہ پورا صحیح نہیں مگر بالکلیہ باطل اور بے اصل بھی نہیں بلکہ فی الجملہ ثبوت رکھتا ہے۔ حافظ عسقلانی رحمہ اللہ اور جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کا میلان اسی طرف ہے اس لیے کہ یہ قصہ متعدد اسانید سے منقول ہے اگرچہ ان میں سے بعض روایتیں مرسل ہیں اور بعض منقطع ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ کی کچھ نہ کچھ اصل ہے اس گروہ کے نزدیک بھی آیت ہذا کی تفسیر میں مختلف اقوال ہو گئے ہیں جن کو امام قرطبی [1] رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں ذکر فرمایا ہے پھر اخیر میں فرماتے ہیں کہ اگر کسی درجہ میں اس قصہ کو ثابت مانا جائے تو بر تقدیر ثبوت آیت کی تفسیر میں سب سے بہتر قول یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک مرتبہ مجلس میں سورۂ نجم پڑھی تو وہاں بشکل انسان شیطان بھی حاضر تھا جب آپ ﷺ پڑھتے پڑھتے ﴿وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى﴾ پر پہنچے تو آپ ﷺ نے حسب عادت سکوت فرمایا اس لیے کہ آپ کی عادت یہ تھی کہ آپ ﷺ ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے تھے شیطان نے آپ کے اس وقفہ کو غنیمت اور فرصت جانا اور آپ ﷺ کی آواز میں آواز ملا کر آپ ﷺ کی قراءت کے متصل ان الفاظ کو یعنی تلك الغرانیق العلیٰ کو پڑھ دیا۔ نیز قریش کا یہ طریقہ تھا جب آپ ﷺ قرآن پڑھتے تو بہت شور وغل مچاتے تاکہ آپ ﷺ کی قراءت کسی کو سنائی نہ دے۔ پس ایسی حالت میں شیطان نے آپ کی آواز بنا کر یہ الفاظ پڑھ دیئے جو کفار اور مشرکین شیطان کے قریب تھے انہوں نے ان الفاظ کو سنا اور گمان کیا کہ یہ الفاظ حضور ہی کے ہیں اور حضور پرنور ﷺ نے اسی طرح پڑھا ہے مشرکین ان الفاظ کو سن کر خوش ہو گئے

---

[1] قال الامام القرطبی واما الماخذ الثانی فھو مبنی علی تسلیم الحدیث لو صح۔ الی قولہ وھذا التاویل احسن ما قیل فی ھذا۔ (قرطبی: ۱۲/۸۲)

کہ آج تو ہمارے بتوں کی تعریف کی گئی اور تمام مکہ میں اس کو مشہور کر دیا اور شیطان کی یہ آواز صرف ان چند کفار نے سنی جو شیطان کے قریب تھے باقی مسلمانوں نے صرف اسی قدر سنا جو آپ ﷺ نے ان کو پڑھ کر سنایا اس کے سوا کچھ نہیں سنا۔ مشرکین کی مشہور کردہ خبر کو جب مسلمانوں نے سنا تو تعجب اور حیرت میں پڑ گئے کہ ہم نے تو یہ الفاظ حضور ﷺ کی زبان سے نہیں سنے اور آنحضرت ﷺ کو جب اس شہرت کا علم ہوا کہ مکہ میں آپ ﷺ کے متعلق یہ مشہور ہے کہ آج آپ ﷺ نے اس طرح پڑھا ہے تو آپ ﷺ بہت رنجیدہ اور غمگین ہوئے اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی تسلی کے لیے یہ آیتیں نازل کیں کہ اے نبی کہ یہ کوئی نئی بات نہیں ہم نے آپ ﷺ سے پہلے کسی پیغمبر کو نہیں بھیجا مگر اس کے ساتھ اسی قسم کا واقعہ پیش آیا کہ جب اللہ کے پیغمبر نے خدا کی طرف سے کوئی بات بیان کی تو شیطان نے موقع پا کر وحی الٰہی کے ساتھ اپنی طرف سے کوئی بات ملا دی اور اپنی جانب سے اس میں کچھ الفاظ کا اضافہ کر دیا تا کہ اس کے ذریعہ لوگوں کو گمراہ کر دے مگر شیطان کا یہ فتنہ وقتی اور عارضی ہوتا ہے جب کبھی ایسا فتنہ پیش آتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس القا شیطانی کی نیست و نابود کر دیتا ہے یعنی اپنے بندوں پر ظاہر کر دیتا ہے کہ اتنا حصہ القا شیطانی ہے اور اتنا حصہ وحی ربانی اور القا آسمانی ہے پس اس طرح وحی ربانی۔ القا شیطانی سے جدا اور ممتاز ہو جاتی ہے اور دونوں کا فرق لوگوں پر واضح ہو جاتا ہے اور اس وقتی خلط ملط اور عارضی آمیزش سے جو اشتباہ ہوا تھا وہ دور ہو جاتا ہے۔ (دیکھو تفسیر مظہری[1]: ۶/۳۳۹)

اسی طرح آنحضرت ﷺ نے جب مجلس میں سورۂ نجم پڑھی تو شیطان نے موقع پا کر آپ کی آواز میں آواز ملا کر اس قسم کا کلام ان مشرکین کے کانوں میں ڈالا جو اسکے قریب تھے جس سے انہوں نے یہ خیال کیا کہ یہ کلام بھی آنحضرت ﷺ کی زبان سے نکلا ہے حالانکہ نفس الامر میں ایسا نہ تھا بلکہ وہ شیطان کی کاری گری تھی۔ اور شیطان کی عادت ہے کہ وہ اس قسم کے جھوٹ کے لئے موقع کا متلاشی رہتا ہے اور انسان کی صورت میں ظاہر ہو کر کفار کی مجالس میں حاضر ہوتا ہے۔ اور ان کو مشورے دیتا ہے۔ مثلاً مشرکین دار الندوہ میں حضور پر نور ﷺ کے قتل کے مشورہ کے لیے جمع ہوئے تو شیطان شیخ نجدی کی صورت میں ظاہر ہوا اور ان کو مشورہ دیا۔

اور اسی طرح جب قریش جنگ بدر میں جانے کے ارادہ کر رہے تھے تو اس موقع پر شیطان سراقہ بن مالک کی صورت میں ظاہر ہوا اور ان کو غلبہ اور کامیابی کا اطمینان دلایا کما قال اللہ تعالیٰ ﴿وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَاءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ﴾ تو اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ آپ ﷺ کی مجلس میں آپ کی قراءت کے وقت شیطان کسی انسان کی صورت میں ظاہر ہوا ہو اور وہاں بیٹھ کر یہ الفاظ پڑھے ہوں۔ دیکھو حاشیہ شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی: ۳/۳۹۰۔

[1] قال القاضی ثناء اللہ الفانی فتی رحمہ اللہ قال بعضهم ان الرسول لم یقرأہ ولا سمع منه اصحابه منه اصحابه ولکن الشیطان الشیطان القی ذلک بین قراءته فی اسماع المشرکین فظن المشرکون ان الرسول صلی اللہ علیه وسلم قرأہ او جری علی لسانه . . . وهو یخل بالوثوق بالقرآن۔ قلنا قد تکفل اللہ الوثوق بقوله فینسخ اللہ ما یلقی الشیطان ای یبطله ویظهر علی الناس انه من القاء الشیطن ثم یحکم اللہ آیاته ای یثبته او یحفظها من لحوق الزیادة من الشیطان (کذا فی التفسیر المظهری: ۶/۳۳۹)

غرض یہ کہ یہ الفاظ حضور پرنور ﷺ نے ہرگز اپنی زبان مبارک سے نہیں پڑھے بلکہ حضور ﷺ کو تو اس کا علم بلکہ تصور بھی نہ تھا شیطان نے آپ کی آواز میں آواز ملا کر پڑھ دیئے جن کو کفار نے سن کر مشہور کر دیا جو فتنہ کا سبب بن گیا۔ آنحضرت ﷺ کو جب اس خبر کا علم ہوا تو بہت رنجیدہ ہوئے اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی بتلا دیا کہ یہ سب القا شیطانی تھا وحی ربانی نہ تھی اور بتلا دیا کہ ہماری یہ قدیم عادت ہے کہ ہم شیطان کو اسی قسم کے القا پر اول قدرت دیتے ہیں اور بعد میں اس کا ازالہ کر دیتے ہیں اور ہمارا مقصود اس سے ایک قسم کا امتحان اور آزمائش ہوتا ہے جس سے سچے اور پکے ایمان والوں اور بذبذب اور کچے ایمان والوں کا حال ظاہر کر دیا جاتا ہے لہٰذا اے نبی آپ ﷺ اس سے رنجیدہ اور ملول نہ ہوں۔ حضرات اہل علم تفسیر قرطبی: ۱۲/ ۸۲۔ اور احکام القرآن لابن العربی: ۳/ ۲۹۱۔ اور احکام القرآن للجصاص: ۳/ ۲۴۷ اور حاشیہ شیخ زادہ ❶ علی تفسیر البیضاوی: ۳/ ۳۸۹ ضرور دیکھیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ اس آیت کی تفسیر میں علما کے دو مسلک ہیں ایک مسلک تو جمہور علما کا ہے وہ یہ ہے کہ یہ قصہ مذکورہ بالکل باطل ہے، اول کی تین تفسیریں اس مسلک پر مبنی ہیں۔ اور دوسرا مسلک یہ ہے کہ یہ قصہ بالکل بے اصل نہیں بلکہ فی الجملہ کسی درجہ میں کچھ اصلیت اور ثبوت رکھتا ہے۔ اس دوسرے مسلک کی بنا پر صرف ایک تفسیر ہے جس کو قاضی ابوبکر بن عربی رحمۃ اللہ علیہ اور قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس عنوان سے ذکر کیا کہ اگر بالفرض والتقدیر کثرت طرق اور اسانید پر نظر کر کے اس واقعہ کو کسی درجہ میں ثابت مان لیا جائے تو پھر آیت کی تفسیر اس طرح کی جائے جو ہم ان حضرات سے نقل کر چکے ہیں اس تفسیر سے اگرچہ پورے اشکالات دور نہ ہوں گے مگر ان شاء اللہ اکثر اشکالات تو ضرور دور ہو جائیں گے اور امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ اور قاضی ابوبکر بن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی فرمایا ہے کہ اگر بالفرض والتقدیر اس قصہ کو کسی درجہ میں ثابت مان لیا جائے تو آیت کی اس طرح تفسیر کی جائے تاکہ کوئی اشکال لازم نہ آئے۔

دوسری اور تیسری تفسیر

جن لوگوں نے اس قصہ کو بدرجہ مجبوری کسی درجہ میں ثابت مانا تو بعض نے اس قصہ کی یہ تاویل کی ہے کہ غرانیق علی سے ملائکہ مقربین مراد ہیں۔ بت مراد نہیں اور بعض نے یہ کہا ہے کہ یہاں حرف استفہام مقدر ہے اور مطلب یہ ہے کہ اے قریش کیا یہ غرانیق جو تمہارے نزدیک بڑے عالی مرتبہ ہیں کیا ان سے کسی شفاعت کی امید کی جا سکتی ہے ہرگز نہیں، مگر یہ دونوں قول سراسر تکلف ہیں جن سے قلب مطمئن نہیں ہوتا (واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم)

تتمہ بیان سابق

اب اس کے بعد آئندہ آیات بیان سابق کا تتمہ ہیں جن میں یہ بتلاتے ہیں کہ کفار مجادلین اور معاجزین ہمیشہ

---

❶ قال البیضاوی وھو (ای ما روی عن قصۃ الغرانیق) مردود عند المحققین وان صح فابتلاء یتمیز بہ الثابت علی الایمان من المتزلزل فیہ وقال ابن الشیخ والظاھر ان مبنی الصحۃ ان یتکلم بہ الشیطان عند سکوتہ علیہ السلام بعد قولہ ﴿وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرٰى﴾ فانہ اقرب الاحتمالات المذکورۃ الی الصحۃ فیکون المعنی ما من رسول ولا نبی قبلك الا امکنا الشیطان ان یلقی فی قراءتھم مثل ما القی فی قراءتك عند ما تمنیت فلا تھتم لذلك فانا نجعل ذلك لاضلال قوم وھدایۃ آخرین بین الثابت علی الایمان والمتزلزل فیہ انتھیٰ کلام شیخ زادہ حاشیۃ البیضاوی۔

آپ ﷺ کی نبوت ورسالت میں شک کرتے رہیں گے اور آپ سے مجادلہ کرتے رہیں گے اور ابطال آیات کی سعی کرتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ قیامت آجائے یا ان کو موت آجائے اس لیے فرماتے ہیں اور ہمیشہ پڑے رہیں گے وہ لوگ جو ایمان نہیں لائے قرآن کی طرف سے یا القاء شیطانی کی وجہ سے شک [1] اور شبہ ہی میں یا ہمیشہ جدال وخصام میں لگے رہیں گے یہاں تک کہ آپہنچے ان پر ناگہانی قیامت کبری یا قیامت صغریٰ یعنی ان پر موت آجائے یا آپہنچے ان پر ایک منحوس دن کی آفت "منحوس دن" سے جنگ بدر کا دن مراد ہے یا قحط کا زمانہ مراد ہے۔ "عقیم" اس چیز کو کہتے ہیں کہ جس میں کوئی خیر نہ ہو۔ گویا کہ وہ دن بانجھ عورتوں کی طرح ہے جو کسی خیر اور بھلائی کو نہیں جنے گا۔ مطلب یہ ہے کہ معاجزین اور معاندین اپنے کفر اور عناد اور جدال وخصام پر سختی سے جمے ہوئے ہیں۔ بغیر مشاہدہ عذاب کے کفر اور عناد سے باز نہ آئیں گے مگر اس وقت کا باز آنا نفع نہ دے گا۔ اس دن یعنی قیامت کے دن بادشاہی اللہ ہی کی ہوگی آج تو بادشاہوں کو اپنی سلطنت اور بادشاہت کا دعویٰ ہے مگر اس روز سوائے خدا کی بادشاہت اور حکومت کے کسی کی حکومت کا ظاہری اور مجازی طور پر بھی نام ونشان نہ رہے گا۔ اور بادشاہ حقیقی کی حکومت سب پر ظاہر ہوجائے گی۔ اس دن وہ بادشاہ حقیقی ان کے درمیان فیصلہ کرے گا اور وہ فیصلہ ان دو فریق کے حق میں ہوگا۔ جن کی تفصیل آئندہ آیت میں ہے سو جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے وہ نعمت کے باغوں میں آرام سے ہوں گے اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا تو ان کے لیے ذلت وخواری کا عذاب ہوگا۔ اس روز لوگوں کے درمیان اس طرح فیصلہ کر دیا جائے گا کہ جن متکبرین نے انبیا کا مقابلہ کیا سو ان کے استکبار کے مقابلہ میں ان کو ذلت وخواری کا عذاب دیا جائے گا۔ حق اور اہل حق کے ذلیل کرنے والے اس دن ذلیل اور رسوا ہوں گے۔

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ۭ

اور جو لوگ گھر چھوڑ آئے اللہ کی راہ میں پھر مارے گئے یا مرگئے البتہ ان کو دے گا اللہ روزی خاصی

اور جو لوگ گھر چھوڑ آئے اللہ کی راہ میں، پھر مارے گئے یا مر گئے پھر البتہ ان کو دے گا اللہ روزی خاصی۔

وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝ لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ

اور اللہ ہے سب سے بہتر روزی دینے والا البتہ پہنچائے گا ان کو ایک جگہ جس کو پسند کریں گے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے

اور اللہ ہے سب سے بہتر روزی دیتا۔ البتہ پہنچاوے گا ان کو ایک جگہ جس کو پسند کریں گے۔ اور اللہ سب جانتا ہے

حَلِيْمٌ ۝ ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ

تحمل والا ف۱ یہ سن چکے اور جس نے بدلہ لیا جیسا کہ اس کو دکھ دیا تھا پھر اس پر کوئی زیادتی کرے تو البتہ اس کی مدد کرے گا اللہ ف۲ بیشک اللہ

تحمل والا۔ یہ سن چکے! اور جس نے بدلہ دیا جیسا اس سے کیا تھا، پھر اس پر کوئی زیادتی کرے، تو البتہ اس کی مدد کرے گا اللہ۔ بیشک اللہ

ف۱ مومنین کا انجام پہلے بتلایا تھا، یہاں ان میں سے ایک ممتاز جماعت کا خصوصی طور پر ذکر فرمایا۔ یعنی جو لوگ خدا کے راستہ میں گھربار چھوڑ کر نکل کھڑے ہوئے =

[1] اشارہ اس طرف ہے کہ مِرْيَة کے دو معنی آتے ہیں ایک شک اور شبہ کے اور دوسرے معنی مراء اور جدال کے یعنی مجادلہ اور مخاصمت کے آتے ہیں۔ آیت میں ہر معنی صحیح اور درست ہے۔ (واللہ اعلم)

اللهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ⑥ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَاَنَّ اللهَ

درگزر کرنے والا بخشنے والا ہے ف۱ یہ اس واسطے کہ اللہ لے لیتا ہے رات کو دن میں اور دن کو رات میں ف۲ اور اللہ

درگزر کرتا ہے بخشتا۔ یہ اس واسطے کہ اللہ پیٹھاتا (داخل کرتا) ہے رات کو دن میں اور دن کو رات میں، اور اللہ

سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ⑥ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللهَ

سنتا دیکھتا ہے ف۳ یہ اس واسطے کہ اللہ وہی ہے صحیح اور جس کو پکارتے ہیں اس کے سوا وہی ہے غلط اور اللہ

سنتا ہے دیکھتا۔ یہ اس واسطے، کہ اللہ وہی ہے صحیح، اور جس کو پکارتے ہیں اس کے سوا وہی ہے غلط، اور اللہ

هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ⑥

وہی ہے سب سے اوپر بڑا ف۴

وہی ہے اوپر بڑا۔

بشارت مہاجرین ومجاہدین ونعمائے آخرت ووعدۂ فتح ونصرت وتنبیہ برکمال قدرت وحکمت

قَالَ اللهُ تَعَالٰی: ﴿وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ ... الی ... وَاَنَّ اللهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ﴾

=خواہ وہ لڑائی میں شہید ہوں یا طبعی موت سے مریں دونوں صورتوں میں اللہ کے ہاں ان کی خاص مہمانی ہوگی۔ کھانا پینا، رہنا سہنا سب ان کی مرضی کے موافق ہوگا۔ اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ کس چیز سے راضی ہوں گے اور یہ بھی جانتا ہے کہ کن لوگوں نے خالص اس کے راستہ میں اپنا گھربار ترک کیا ہے۔ ایسے مہاجرین و مجاہدین کی فروگزاشتوں پر حق تعالیٰ تحمل کرے گا۔ اور شان عفو سے کام لے گا یا "علیم" و"حلیم" کی صفات اس غرض سے ذکر کیں کہ اللہ سب کو جانتا ہے ان کو بھی جنہوں نے ایسے مخلص بندوں کو تکلیفیں دے کر گھر چھوڑنے پر مجبور کیا۔ لیکن اپنی بردباری کی وجہ سے فوراً سزا نہیں دیتا۔

ف۲ یعنی مظلوم اگر ظالم سے واجبی بدلہ لے لے۔ پھر از سر نو ظالم اس پر زیادتی کرے تو وہ پھر مظلوم ٹھہر گیا۔ حق تعالیٰ پھر مدد کرے گا جیسا کہ اس کی عادت ہے کہ مظلوم کی آخر حمایت کرتا ہے۔ وَاتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ فَاِنَّهٗ لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللهِ حِجَابٌ۔

بترس از آہِ مظلوماں کہ ہنگامِ دعا کرد
ناجابت از درِ حق بہر استقبال می آید

ف۱ یعنی بندوں کو بھی چاہیے کہ اپنے ذاتی اور معاشرتی معاملات میں عفو و درگزر کی عادت سیکھیں۔ ہر وقت بدلہ لینے کے درپے نہ ہوں۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں۔ "یعنی واجبی بدلہ لینے والے کو خدا عذاب نہیں کرتا اگرچہ بدلہ نہ لینا بہتر تھا" بدر" کی لڑائی میں مسلمانوں نے بدلہ لیا کافروں کی ایذا کا۔ "احد" و "احزاب" میں زیادتی کرنے کو آئے۔ پھر اللہ نے پوری مدد کی۔"

ف۲ یعنی وہ اتنی بڑی قدرت والا ہے کہ رات دن کا الٹ پلٹ کر اور گھٹانا بڑھانا اسی کے ہاتھ میں ہے اسی کے تصرف سے کبھی کے دن بڑے کبھی کی راتیں بڑی ہوتی ہیں۔ پھر کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ ایک مظلوم قوم یا شخص کو امداد دے کر ظالموں کے پنجہ سے نکال دے بلکہ ان پر غالب و مسلط کر دے۔ پہلے مسلمان مہاجرین کا ذکر تھا اس آیت میں اشارہ فرما دیا کہ عنقریب حالات رات دن کی طرح پلٹا کھانے والے ہیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ رات کو دن میں لے لیتا ہے اسی طرح کفر کی سرزمین کو اسلام کی آغوش میں داخل کر دے گا۔

ف۳ یعنی مظلوم کی فریاد سنتا اور ظالم کے کرتوت دیکھتا ہے۔

ف۴ یعنی اللہ کے سوا ایسے عظیم الشان انقلابات اور کس سے ہو سکتے ہیں۔ واقع میں صحیح اور سچا خدا تو وہی ایک ہے باقی اس کو چھوڑ کر خدائی کے جو دوسرے پاکھنڈ پھیلائے گئے ہیں سب غلط جھوٹ اور باطل ہیں۔ اسی کو خدا کہنا اور معبود بنانا چاہیے جو سب سے اوپر اور سب سے بڑا ہے اور یہ شان بالا تفاق اسی ایک اللہ کی ہے۔

ربط:...... گزشتہ آیات میں عام مومنین صالحین کی فضیلت بیان فرمائی ان آیات میں خاص مہاجرین ومجاہدین کی فضیلت بیان فرماتے ہیں آیت مذکورہ بالا ﴿أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۚ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ﴾ میں مہاجرین کو جہاد کی اجازت اور فتح ونصرت کی بشارت سناتے ہیں کہ ہم دنیا میں بھی ان مہاجرین کی ضرور مدد کریں گے اس لیے کہ یہ مظلوم ہیں اور یہ بتلاتے ہیں کہ لوگوں کو چاہئے کہ ان مہاجرین کی بے سروسامانی کی طرف نظر نہ کریں بلکہ اللہ کی قدرت کی طرف نظر کریں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کی مدد پر قادر ہے جیسا کہ وہ گزشتہ آیت میں بتلا چکا ہے۔ ﴿وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ﴾۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی اور خدا کے لیے اپنے اہل وعیال کو اور خویش واقارب کو اور اپنے گھر کو اور وطن کو چھوڑا جن کا ذکر گزشتہ آیت۔ ﴿الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ﴾ میں ہو چکا ہے پھر وہ لوگ جہاد میں قتل اور شہید ہوئے یا ویسے ہی اپنی موت سے مر گئے بیشک اللہ تعالیٰ ان کو متروکہ اموال کے بدلہ میں ایک عمدہ رزق دیگا اور بیشک اللہ تعالیٰ بہترین روزی دینے والا ہے وہ ہر جگہ بہتر سے بہتر روزی دینے پر قادر ہے اور متروکہ مکانات کے بدلہ میں البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ ان کو ایسے مقام پر پہنچا دے گا جس کو یہ لوگ نہایت پسند کریں گے اور ایسی نعمتیں ملیں گی جو کبھی خواب وخیال میں بھی نہ گزری ہوں گی اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ ان لوگوں نے خدا کی راہ میں کتنی مشقت برداشت کی اور وہ بڑا بردبار ہے کہ دشمنوں پر عذاب نازل کرنے میں جلدی نہیں کرتا یہ بات [1] تو ہو گئی اب دوسری سنو اور وہ یہ ہے کہ جس مظلوم نے ظالم سے اپنا بدلہ لے لیا بمقدار اس کے کہ جتنی اس پر تعدی اور زیادتی کی گئی تھی کہ صرف اس قدر بدلہ لیا کہ جس قدر اس پر ظلم اور زیادتی کی گئی تھی یعنی اس مظلوم نے اپنا واجبی بدلہ لیا۔ بدلہ لینے میں اس نے کوئی ظلم اور زیادتی نہیں کی اس طرح دونوں برابر ہو گئے پھر اس مظلوم پر اس ظالم دشمن کی طرف سے از سر نو دوبارہ زیادتی کی گئی یعنی وہ ظالم پھر بھی اپنے ظلم سے باز نہ آیا اور دوبارہ اس نے ظلم کیا تو اللہ تعالیٰ اس مظلوم کی ضرور مدد کریگا اور اب کی بار ظالم کو گزشتہ کی طرح مہلت نہ دے گا اس لیے کہ یہ مظلوم پہلی بار بھی مظلوم تھا اور اب دوبارہ پھر مظلوم ہوا۔ اور اس نے انتقام لینے میں کوئی ظلم اور زیادتی نہ کی تھی تو اللہ تعالیٰ اس مظلوم کی ضرور مدد کرے گا اور ایسی مدد کرے گا کہ ظالم سر اٹھانے کے قابل نہ رہے گا

بیشک اللہ تعالیٰ بڑا معاف کرنے والا بخشنے والا ہے یعنی مظلوم کو ظالم سے انتقام لینے کی جو اجازت دی گئی تھی اس میں مماثلت کی قید تھی لیکن بعض اوقات باوجود حتی الامکان کوشش کے انتقام میں مماثلت نہیں رہتی بلکہ سہواً اور نسیاناً کچھ زیادتی بھی ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف کرنے والا ہے ایسی غفلت پر اللہ کی طرف سے مؤاخذہ نہیں اور نہ اس کی وجہ سے وعدہ نصرت میں کوئی خلل پڑتا ہے ایسی کوتاہی معاف ہے۔

یہ مظلوم کی مدد اس وجہ سے ہے کہ اللہ ہر شئے پر قادر ہے اور منجملہ اس کی قدرت کے یہ ہے کہ وہ رات کو دن

[1] قال الزجاج ای الامر ما قصصنا علیك من انجاز الوعد للمهاجرین الذین قتلوا او ماتوا تفسیر کبیر: ۶/ ۲۰۰۔ زجاج رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ذلك کے معنی یہ ہیں کہ بات یہ ہے کہ جو ہم نے بیان کردی کہ خاص مہاجرین کے لیے ہم نے وعدہ کیا ہے اس کو ضرور پورا کریں گے خواہ وہ جہاد میں شہید ہوں یا اپنی موت سے مریں مطلب یہ ہے کہ ذلك خبر ہے مبتداء محذوف کی اور مابعد کا کلام کلام مستانف ہے دوسری صورت یہ ہے کہ ذلك کو مبتدا بنایا جائے اور خبر محذوف مانی جائے۔

میں داخل کر دیتا ہے اور دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے حالانکہ وہ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ پس وہ اپنی قدرت سے کسی کو غلبہ دیتا ہے اور کسی کو پست کرتا ہے پس اسی طرح وہ اس پر بھی قادر ہے کہ بندوں میں سے جس کو چاہے زیروزبر کرے اور بیشک اللہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے وہ سب کی آوازیں سن سکتا ہے اور کوئی حال اس سے پوشیدہ نہیں۔ ظالم اور مظلوم سب اس کی نظروں کے سامنے ہیں یہ سب اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ تو خدائے برحق ہی ہے کسی میں یہ قدرت نہیں کہ اس کی قدرت اور مشیت میں مزاحمت کر سکے اور یہ بے عقل جس کو پکارتے ہیں وہی باطل ہیں یعنی جن بتوں کو یہ پکارتے ہیں وہ سب غلط ہے وہ نہ کسی کو نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ نفع۔ اور اللہ وہی ہے جو بلند اور برتر ہے اور سب اس کے سامنے ذلیل اور حقیر ہیں وہ جس کو چاہے بلند کرے اور جس کو چاہے پست کرے یہ شان تو اللہ ہی کی ہے۔ بتوں میں یہ قدرت کہاں ہے اور اللہ اس پر قادر ہے کہ حق کو بلند کرے اور باطل کو پست کرے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۡ فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِیْفٌ

تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے اتارا آسمان سے پانی پھر زمین ہوجاتی ہے سرسبز ف۱ بیشک اللہ جانتا ہے

تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے اتارا آسمان سے پانی، پھر صبح کو زمین ہوجاتی ہے سبز۔ بیشک اللہ چھپی تدبیریں جانتا ہے

خَبِیْرٌ ﴿۶۳﴾ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ ﴿۶۴﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ

چھپی تدبیریں خبردار ہے ف۲ اسی کا ہے جو کچھ ہے آسمان اور زمین میں اور اللہ وہی ہے بے پروا تعریفوں والا ف۳ تو نے نہ دیکھا کہ

خبردار۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمان و زمین میں ہے۔ اور اللہ وہی ہے بے پروا، سب خوبیوں سراہا۔ تو نے نہ دیکھا کہ

اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ؕ وَیُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ

اللہ نے بس میں کر دیا تمہارے جو کچھ ہے زمین میں اور کشتی کو جو چلتی ہے دریا میں اس کے حکم سے اور تھام رکھتا ہے آسمان کو اس سے کہ

اللہ نے بس میں دیا تمہارے جو کچھ ہے زمین میں، اور کشتی چلتی دریا میں اس کے حکم سے۔ اور تھام رکھتا ہے آسمان کو اس سے کہ

تَقَعَ عَلَی الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴿۶۵﴾ وَهُوَ الَّذِیْٓ

گر پڑے زمین پر مگر اس کے حکم سے بیشک اللہ لوگوں پر نرمی کرنے والا مہربان ہے ف۴ اور اسی نے

گر پڑے زمین پر، مگر اس کے حکم سے مقرر۔ اللہ لوگوں پر نرمی کرتا ہے مہربان۔ اور اسی نے

ف۱ اسی طرح کفر کی خشک و ویران زمین کو اسلام کی بارش سے سبزہ زار بنا دے گا۔

ف۲ وہی جانتا ہے کہ کس طرح بارش کے پانی سے سبزہ اگ آتا ہے۔ قدرت اندر ہی اندر ایسی تدبیر و تصرف کرتی ہے کہ خشک زمین پانی وغیرہ کے اجزاء کو اپنے اندر جذب کر کے سرسبز و شاداب ہو جائے اسی طرح وہ اپنی مہربانی، لطیف تدبیر و تربیت، اور کمال خبرداری و آگاہی سے قلوب بنی آدم کو فیوض اسلام کا مینہ برسا کر سرسبز و شاداب بنا دے گا۔

ف۳ یعنی آسمان و زمین کی تمام چیزیں جب اسی کی مملوک و مخلوق ہیں اور سب کو اس کی احتیاج ہے وہ کسی کا محتاج نہیں تو ان میں جس طرح چاہے تصرف اور ادل بدل کرے، کوئی مانع و مزاحم نہیں ہو سکتا۔ البتہ باوجود غنائے تام اور اقتدار کامل کے کرتا وہی ہے جو سراپا حکمت و مصلحت ہو۔ اس کے تمام افعال محمود ہیں اور اس کی ذات تمام خوبیوں اور صفات حمیدہ کی جامع ہے۔

اَحْیَاکُمْ ۫ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَکَفُوْرٌ ﴿۶۶﴾

تم کو جلایا پھر مارتا ہے پھر زندہ کرے گا ف۱ بے شک انسان ناشکرا ہے ف۲

تم کو جلایا، پھر مارتا ہے، پھر جلا دے گا۔ بیشک انسان ناشکر ہے۔

بیان بعض دلائل کمال قدرت وحکمت بالغہ وکمال تسخیر

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ ... الی ... اِنَّ الْاِنْسَانَ لَکَفُوْرٌ﴾

ربط:......گزشتہ آیات کی طرح ان آیات میں بھی اپنی کمال قدرت اور کمال حکمت اور کمال تسخیر کے کچھ دلائل بیان کرتے ہیں جو چھ دلائل قدرت بھی ہیں اور دلائل نعمت بھی۔

دلیل اول

﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۫ فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِیْفٌ خَبِیْرٌ﴾

اے مخاطب تو نے یہ نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا پھر اس سے زمین سرسبز اور تروتازہ ہو جاتی ہے یعنی ہر قسم کے نباتات اگاتی ہے بیشک اللہ بڑا مہربان ہے کہ اس نے بندوں کی زندگی کا سامان اگایا اور بیشک وہ خبردار ہے بندوں کا حال اور ان کی ضرورتوں کو خوب جانتا ہے یہ سب اللہ کی نعمت ہے اور اس کے کمال قدرت کی دلیل ہے کہ یہ سارا کارخانہ اس کی مشیت سے چل رہا ہے جس میں کسی کا کچھ دخل نہیں۔ پس اس سے تم اس کی معرفت حاصل کرو۔

دلیل دوم

﴿لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ﴾

اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کی ملک ہے اور سب اسی کے قبضہ قدرت میں مقہور اور مسخر ہیں اور اس کے زندہ رکھنے سے زندہ ہیں اور اسی کے حرکت دینے سے متحرک ہیں اور اسی کے ساکن رکھنے سے ساکن ہیں اور بیشک اللہ ہی سب سے بے نیاز ہے اسے کسی کی حاجت نہیں اور سب اس کے محتاج ہیں اور ہر شان میں اور ہر آن میں وہی مستحق حمد وستائش ہے اسے اپنے دوستوں کی مدد کرنا اور ان کو غلبہ دینا کیا مشکل ہے۔

دلیل سوم

﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ﴾

= ف۹ یعنی اس کو تمہاری یا کسی کی کیا پرواتھی۔ محض شفقت ومہربانی دیکھو کس طرح خشکی اور تری کی چیزوں کو تمہارے قابو میں کر دیا۔ پھر اسی نے اپنے دست قدرت سے آسمان، چاند، سورج اور ستاروں کو اس فضائے ہوائی میں بدون کسی ظاہری کھمبے یا ستون کے تھام رکھا ہے جو اپنی جگہ سے نیچے نہیں سرکتے۔ ورنہ گر کر اور بکھر کر تمہاری زمین کو پاش پاش کر دیتے۔ جب تک اس کا حکم نہ ہو یہ کرات یوں ہی اپنی جگہ قائم رہیں گے مجال نہیں کہ ایک انچ سرک جائیں۔ "اِلَّا بِاِذْنِهٖ" کا استثناء محض اثبات قدرت کی تاکید کے لیے ہے۔ یا شاید قیامت کے واقعہ کی طرف اشارہ ہو۔ واللہ اعلم۔

ف۱ اسی طرح کفر وجہل سے جو قوم روحانی موت مر چکی تھی، ایمان ومعرفت کی روح سے اس کو زندہ کر دے گا۔

ف۲ یعنی اتنے احسانات وانعامات دیکھ کر بھی اس کا حق نہیں مانتا منعم حقیقی کو چھوڑ کر دوسروں کے سامنے جھکنے لگتا ہے۔

اے منکر توحید کیا تو نے یہ نہیں دیکھا کہ اللہ ہی نے تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے جو کچھ زمین میں ہے کہ جس طرح چاہو اس میں تصرف کرو اور اس سے منافع حاصل کرو ایک ضعیف انسان کو اتنی بڑی زمین اور اس کی چیزوں میں تصرف کرنے کی قدرت آخر کس نے دی پس جس ذات نے اس کرہ ارضی کو تمہارے بس میں کر دیا وہی تمہارا خدا ہے۔

دلیل چہارم

﴿وَالْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ﴾

اور اس خدا نے کشتی کو تمہارے لیے مسخر کر دیا جو اسی کے حکم سے دریا میں چلتی ہے یہ بھی اسکی نعمت ہے اور اسکی قدرت کا کرشمہ ہے۔

دلیل پنجم

﴿وَيُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾

اور منجملہ دلائل قدرت کے یہ ہے کہ وہ آسمان جیسے عظیم کو تھامے ہوئے ہے اور زمین پر گرنے سے اس کو روکے ہوئے ہے اور اسی کی مشیت سے وہ اپنے مقام پر قائم ہے زمین پر گرتا نہیں مگر یہ کہ اس کا حکم ہو جائے تو فوراً گر پڑے اور بندے ہلاک ہو جائیں۔ دیکھو یہ اللہ کی کیسی رحمت ہے۔ بیشک اللہ اپنے بندوں پر بڑا شفیق اور مہربان ہے۔ قیامت کے دن یہ زمین و آسمان سب لپیٹ دیئے جائیں گے۔

دلیل ششم

﴿وَهُوَ الَّذِيْٓ اَحْيَاكُمْ ۡ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ۭ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ﴾

اور وہ وہ ہے کہ جس نے تم کو زندگی بخشی اور عدم کے بعد تم کو وجود عطا کیا اور تم میں جان ڈالی پھر جب تمہاری اجل آجائے گی تو تم کو موت دیگا اور دن رات تم اسکا مشاہدہ کرتے رہتے ہو کہ اس عالم میں اب کوئی آ رہا ہے۔ اور کوئی جا رہا ہے پھر قیامت میں تم سب کو جزا سزا کے لیے زندہ کریگا پس سمجھ لو کہ وہ موت اور حیات اور وجود اور عدم کا مالک ہے پس اس کی قدرت پر نظر کرو اور جہالت اور حماقت سے قیامت کا انکار نہ کرو۔ بیشک انسان بڑا ناشکرا ہے کہ اس کو اس قدر کثیر نعمتیں دی ہیں مگر وہ ہماری ان نعمتوں کا شکر نہیں کرتا اور ہمارا احسان نہیں مانتا اور ہماری الوہیت اور وحدانیت کا قائل نہیں ہوتا۔

لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ ۭ

ہر امت کے لیے ہم نے مقرر کر دی ایک راہ بندگی کی کہ وہ اسی طرح کرتے ہیں بندگی سو چاہیے تجھ سے جھگڑا نہ کریں اس کام میں اور تو بلائے جا اپنے رب کی طرف

ہر فرقے کو ہم نے ٹھہرا دی ہے ایک راہ بندگی کی، کہ وہ اس طرح کرتے ہیں بندگی، سو چاہئے تجھ سے جھگڑا نہ کریں اس کام میں اور تو بلائے جا اپنے رب کی طرف،

اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ ۞ وَاِنْ جٰدَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۞ اَللّٰهُ

بیشک تو ہے سیدھی راہ پر سوجھ والا اور اگر تجھ سے جھگڑنے لگیں تو تو کہہ اللہ بہتر جانتا ہے جو تم کرتے ہو اللہ

بیشک تو ہے سیدھی راہ سوجھا۔ اور اگر جھگڑنے لگیں تو تو کہہ، اللہ بہتر جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔ اللہ

يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۶۹﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا

فیصلہ کرے گا تم میں قیامت کے دن جس چیز میں تمہاری راہ جدا جدا تھی ف۱ کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ جانتا ہے جو

چکوتی کریگا تم میں قیامت کے دن، جس چیز میں تم کئی راہ تھے۔ کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ جانتا ہے جو

فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ فِيْ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۷۰﴾ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ

کچھ ہے آسمان اور زمین میں یہ سب لکھا ہوا ہے کتاب میں یہ اللہ پر آسان ہے ف۲ اور پوجتے ہیں

کچھ ہے آسمان و زمین میں۔ یہ ہے لکھا کتاب میں۔ یہ اللہ پر آسان ہے۔ اور پوجتے ہیں

دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّمَا لَيْسَ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ

اللہ کے سوا اس چیز کو جس کی سند نہیں اتاری اس نے اور جس کی خبر نہیں ان کو ف۳ اور بےانصافوں کا کوئی نہیں

اللہ کے سوا، جس کی سند نہیں اتاری اس نے اور جس کی خبر نہیں ان کو۔ اور بےانصافوں کا کوئی نہیں

نَّصِيْرٍ ﴿۷۱﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ ؕ

مددگار ف۴ اور جب سنائے ان کو ہماری آیتیں صاف تو پہچانے تو منکروں کے منہ کی بری شکل

مددگار۔ اور جب سنائیے ان کو ہماری آیتیں صاف، تو پہچانے منکروں کے منہ بری شکل۔

يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ؕ قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ

نزدیک ہوتے ہیں کہ حملہ کر پڑیں ان پر جو پڑھتے ہیں ان کے پاس ہماری آیتیں ف۵ تو کہہ میں تم کو بتلاؤں ایک چیز اس سے بدتر

ف۱ تمام انبیاء اصول دین میں متفق رہے ہیں۔ البتہ ہر امت کے لیے اللہ تعالیٰ نے بندگی کی صورتیں مختلف زمانوں میں مختلف مقرر کی ہیں۔ جن کے موافق وہ امتیں خدا کی عبادت بجالاتی رہیں۔ اس امت محمدی کے لیے بھی ایک خاص شریعت بھیجی گئی لیکن اصل دین ہمیشہ سے ایک ہی رہا۔ بجز اللہ کے کبھی کسی دوسری چیز کی عبادت مقرر نہیں کی گئی۔ اس لیے توحید وغیرہ کے ان متفق علیہ کاموں میں جھگڑا کرنا کسی کو کسی حال زیبا نہیں۔ جب ایسی کھلی ہوئی چیز میں بھی حجتیں نکالی جائیں تو آپ کچھ پروا نہ کریں۔ آپ جس سیدھی راہ پر قائم ہیں لوگوں کو اسی طرف بلاتے رہیے۔ اور خواہ مخواہ کے جھگڑے نکالنے والوں کا معاملہ خدائے واحد کے سپرد کیجئے۔ وہ خود ان کی تمام حرکات سے واقف ہے۔ قیامت کے دن ان کے تمام اختلافات اور جھگڑوں کا عملی فیصلہ کر دے گا۔ آپ دعوت وتبلیغ کا فرض ادا کر کے ان کی فکر میں زیادہ دردسری نہ اٹھائیں۔ ایسے ضدی معاندین کا علاج خدا کے پاس ہے۔

(تنبیہ) ﴿فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ﴾ کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب ہر امت کے لیے اللہ تعالیٰ نے جداگانہ دستور العمل مقرر کیا ہے، پھر اس پیغمبر کی امت کے لیے نئی شریعت آئی تو جھگڑنے کی کیا بات ہے۔ بعض مفسرین نے "مَنْسَك" کے معنی ذبح وقربانی کے لیے ہیں، مگر اقرب وہی ہے جو مترجم محقق قدس اللہ روحہ نے اختیار فرمایا۔ واللہ اعلم۔

ف۲ یعنی کچھ ان کے اعمال پر منحصر نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا علم تو زمین وآسمان کی تمام چیزوں کو محیط ہے اور بعض مصالح اور حکمتوں کی بناء پر اسی علم کے موافق تمام واقعات "لوح محفوظ" میں اور بنی آدم کے تمام اعمال ان کے اعمالناموں میں لکھ بھی دیے گئے ہیں۔ اس کے موافق قیامت کے دن فیصلہ ہو گا۔ اور اتنی بیشمار چیزوں کا ٹھیک ٹھیک جاننا اور لکھ دینا اور اسی کے مطابق ہر ایک کا فیصلہ کرنا، ان میں سے کوئی بات اللہ کے ہاں مشکل نہیں، جس میں کچھ تکلیف یا دقت اٹھانی پڑے۔

ف۳ محض باپ دادوں کی کورانہ تقلید میں ایسا کرتے ہیں، کوئی نقلی یا عقلی دلیل نہیں رکھتے۔

=

نزدیک ہوتے ہیں کہ دوڑ پڑیں ان پر جو پڑھتے ہیں ان کے پاس ہماری آیتیں۔ تو کہہ، میں تم کو بتاؤں ایک چیز اس سے بری!

اَلنَّارُ ؕ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۷۲﴾

وہ آگ ہے اس کا وعدہ کر دیا ہے اللہ نے منکروں کو اور وہ بہت بری ہے پھر جانے کی جگہ ف۱

وہ آگ ہے۔ اس کا وعدہ دیا ہے اللہ نے منکروں کو۔ اور بہت بری ہے پھر جانے کی جگہ۔

تہدید مجادلین در بارۂ احکام شریعت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا ... الی ... وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ﴾

ربط: ...... گزشتہ آیات میں دلائل الوہیت کو بیان کیا، اب ان آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ قرون ماضیہ میں ہر امت کو ایک خاص شریعت عطاء کی گئی جو اس زمانے کے مناسب تھی اور اب اخیر میں آپ کو یہ شریعت عطا کی گئی تمام شریعتیں اپنے اپنے وقت میں حق تھیں اور واجب الاتباع تھیں اب اخیر زمانہ میں یہ شریعت کاملہ ہے جو آخری شریعت ہے سب پر اس کا اتباع واجب ہے کسی کو اس میں مجادلہ اور منازعت کا حق نہیں چنانچہ فرماتے ہیں، ہر امت کے لئے ہم نے ایک شریعت اور بندگی کی ایک راہ مقرر کر دی جس پر وہ چلتے ہیں اسی طرح ہم نے آپ کو ایک شریعت عطا کی پس لوگوں کو چاہئے کہ دین کی کسی بات میں آپ سے جھگڑا نہ کریں اور طمع میں نہ پڑیں کہ آپ ﷺ کو اپنی طرف کھینچ لیں اور اپنی جگہ سے آپ ﷺ کو پھسلا دیں بلکہ چاہئے کہ آپ کی شریعت کی پیروی کریں اور آپ ﷺ ان کی منازعت کی طرف التفات نہ کریں۔ آپ ﷺ حق پر ہیں اور آپ ﷺ سے منازعت کرنے والے باطل پر ہیں۔ پس آپ ﷺ اپنے حق پر قائم رہیئے اور اسی پر جمے رہیئے اور لوگوں کو اپنے پروردگار کے دین کی طرف ملاطفت اور نرمی کے ساتھ دعوت دیتے رہیں۔ اور ان کی منازعت کی طرف التفات نہ کیجئے، بیشک آپ سیدھی راہ پر ہیں جس میں کسی طرح کی کجی نہیں توحید اور اصول دین میں تمام انبیا متفق رہے، البتہ ہر امت کے لیے عبادت اور بندگی کے طریقے بدلتے رہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک خاص شریعت عطاء کی ہے جس کی پیروی قیامت تک سب پر لازم ہے لیکن اصول دین ہمیشہ ایک ہی رہا کہ ایک اللہ کی عبادت کریں اور یہی سیدھی راہ ہے جس میں کسی کا اختلاف نہیں اور آپ ﷺ لوگوں کو سیدھی راہ کی طرف بلا رہے ہیں پھر یہ لوگ آپ ﷺ سے کیوں جھگڑا لگاتے ہیں۔ توحید تو ایک مسلم امر ہے جس میں کسی کا اختلاف نہیں اور اسکا حق ہونا روز روشن کی طرف واضح ہے اور اگر باوجود اس کے وہ آپ سے جھگڑا کریں تو آپ ﷺ ان کے جواب میں فقط

= ف۴ سب سے بڑا ظلم اور بے انصافی یہ ہے کہ خدا کا کوئی شریک ٹھہرایا جائے۔ سو ایسے ظالم اور بے انصاف لوگ خوب یاد رکھیں کہ ان کے شرکاء مصیبت پڑنے پر کچھ کام نہ آئیں گے نہ اور کوئی اس وقت مدد کر سکے گا۔

ف۵ یعنی قرآن کی آیتیں (جو توحید وغیرہ کے صاف بیانات پر مشتمل ہیں) سن کر کفار و مشرکین کے چہرے بگڑ جاتے اور مارے ناخوشی کے تیوریاں بدل جاتی ہیں۔ حتی کہ شدت غیظ و غضب سے پاگل ہو کر چاہتے ہیں کہ آیات سنانے والوں پر حملہ کر دیں۔ چنانچہ بعض اوقات کر بھی گزرتے ہیں۔

ف۱ یعنی تمہارے اس غیظ و غضب اور ناگواری سے بڑھ کر جو آیات اللہ کے پڑھے جانے پر پیدا ہوتی ہے، ایک سخت بری ناگوار چیز اور ہے جس پر کسی طرح صبر ہی نہ کر سکو گے اور وہ دوزخ کی آگ ہے جس کا وعدہ کافروں سے کیا جا چکا ہے۔ دونوں کا موازنہ کر کے فیصلہ کر لو کہ کونسا تلخ گھونٹ پینا تم کو نسبتاً آسان ہوگا۔

اتنا کہہ دیجئے کہ اللہ خوب جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔ وہ تم کو تمہارے اعمال کی سزا دیگا اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمہارے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کر دے گا جن میں اختلاف کرتے ہو اس روز تمہیں معلوم ہو جائیگا کہ کون حق پر ہے اور کون باطل پر۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں "منسک" سے شریعت اور منہاج یعنی طریقہ عبادت کے معنی مراد ہیں لفظ منسک نسک سے ماخوذ ہے جس کے معنی عبادت کے ہیں اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ منسک سے ذبح اور قربانی کے معنی مراد ہیں مگر راجح قول یہ ہے کہ منسک سے شریعت اور مطلق طریقہ عبادت مراد ہے جس کے عموم میں ذبائح بھی داخل ہیں۔ (دیکھو تفسیر کبیر: ۶/ ۲۰۳ اور روح المعانی: ۱۷/ ۱۷۸)

اب آئندہ آیات میں اثبات توحید اور ابطال شرک کے لیے اپنے کمال علم کو بیان کرتے ہیں کہ اللہ کا علم آسمان اور زمین کی تمام چیزوں کو محیط ہے چنانچہ فرماتے ہیں اے مخاطب کیا تو نے نہیں جانا کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور یہ سب کچھ لوح محفوظ میں لکھا ہوا موجود ہے تحقیق یہ یعنی آسمان و زمین کی تمام چیزوں کا جاننا اور از روئے علم انکا احاطہ کرنا اور لوح محفوظ میں انکا ثبت کرنا اللہ پر بہت ہی آسان ہے۔ اللہ کا علم اور اس کی قدرت غیر محدود و متناہی بالفعل ہے وہاں کسی دقت اور مشقت کا کوئی امکان ہی نہیں اب آگے مشرکین کی جہالت اور حماقت کو بیان کرتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور یہ مشرک لوگ اللہ کے سوا ایسی چیزوں کو پوجتے ہیں جن کے معبود ہونے کی اللہ نے کوئی دلیل نہیں نازل کی۔ بے دلیل ان کو پوجتے ہیں اور اس چیز کی عبادت کرتے ہیں جس کی بابت ان کو کوئی علم نہیں۔ یعنی محض جہالت کی بناء پر ان کی عبادت کرتے ہیں کسی عقلی یا نقلی دلیل کی بناء پر نہیں کرتے غرض یہ کہ جن بتوں کو انہوں نے معبود بنایا ہوا ہے ان کے پاس نہ کوئی نقلی دلیل ہے اور نہ کوئی عقلی دلیل ہے۔

اور ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہیں کہ جو قیامت کے دن ان کو عذاب سے بچا سکے یا چھڑا سکے اور ان ظالموں کے ظلم اور عناد کا حال یہ ہے کہ جب ان پر ہماری صاف اور واضح آیتیں پڑھی جاتی ہیں جو اس کی الوہیت اور وحدانیت کی روشن دلیلیں ہوتی ہیں تو اے دیکھنے والے تو اس وقت ان کافروں میں ناگواری کو اچھی طرح پہچان لے گا کہ اس قسم کی آیات بینات کو سنتے ہی انکے تیور بدل جاتے ہیں اور ناگواری اور ترش روئی سے بڑبڑانے لگتے ہیں اور کمال نفرت سے حال یہ ہوتا ہے کہ قریب ہوتا ہے ان لوگوں پر حملہ کر بیٹھیں جو ان پر ہماری آیتیں پڑھتے ہیں یعنی غیظ و غضب میں آ کر اس کے قریب ہو جاتے ہیں کہ حضور پر نور ﷺ پر اور آپ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم پر حملہ کر دیں اور یہی حالت ان کی جہالت کی واضح دلیل ہے۔ اے نبی آپ ان سے کہہ دیجئے کہ کیا میں تم کو اس سے بری اور ناگوار چیز کی خبر نہ دوں۔ وہ آگ ہے جس کا اللہ نے کافروں سے وعدہ کیا ہے اور وہ بہت بری جگہ ہے تو اس قرآن سے کیا ناخوش ہوتے ہو۔ ناگواری اور ناخوشی کی چیز تو وہ آگ ہے جو تمہارے لیے مہیا ہے اس ناگواری کی کچھ فکر کرو اور سوچو کہ یہ قرآن تمہارے حق میں زیادہ برا ہے یا وہ آگ زیادہ بری ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا

اے لوگو ایک مثل کہی ہے سو اس پر کان رکھو ف۱ جن کو تم پوجتے ہو اللہ کے سوائے ہرگز نہ بنا سکیں گے

لوگو ! ایک کہاوت کہی ہے اس کو کان رکھو۔ جن کو تم پوجتے ہو اللہ کے سوائے، ہرگز نہ بنا سکیں

ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ۭ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـــًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ۭ ضَعُفَ

ایک مکھی اگرچہ سارے جمع ہوجائیں اور اگر کچھ چھین لے ان سے مکھی چھڑا نہ سکیں وہ اس سے بودا ہے

ایک مکھی اگرچہ سارے جمع ہوں۔ اور اگر کچھ چھین لے ان سے مکھی، چھڑا نہ سکیں وہ اس سے۔ بودا ہے

الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ۝۷۳ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝۷۴ اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ

چاہنے والا اور جن کو چاہتا ہے ف۲ اللہ کی قدر نہیں سمجھے جیسی اس کی قدر ہے بیشک اللہ زور آور ہے زبردست ف۳ اللہ چھانٹ لیتا ہے

چاہنے والا اور جن کو چاہتا ہے۔ اللہ کی قدر نہیں سمجھی جیسی اس کی قدر ہے۔ بیشک اللہ زورآور ہے زبردست۔ اللہ چھانٹ لیتا ہے

مِنَ الْمَلٰۗىِٕكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ۝۷۵ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ

فرشتوں میں پیغام پہنچانے والے اور آدمیوں میں ف۴ اللہ سنتا دیکھتا ہے ف۵ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے

فرشتوں میں پیغام پہنچانے والے اور آدمیوں میں۔ اللہ سنتا ہے دیکھتا۔ جانتا ہے جو ان کے آگے

وَمَا خَلْفَهُمْ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝۷۶

اور جو کچھ ان کے پیچھے اور اللہ تک پہنچ ہے ہر کام کی ف۶

اور جو ان کے پیچھے۔ اور اللہ تک پہنچ ہے ہر کام کی۔

ف۱ یہ توحید کے مقابلہ میں شرک کی شناعت و قبح ظاہر کرنے کے لیے مثال بیان فرمائی جسے کان لگا کر سننا اور غور و فکر سے سمجھنا چاہیے تاکہ ایسی رکیک و ذلیل حرکت سے باز رہو۔

ف۲ یعنی مکھی بہت ہی ادنیٰ اور حقیر جانور ہے۔ جن چیزوں میں اتنی بھی قدرت نہیں کہ سب مل کر ایک مکھی پیدا کر دیں، یا مکھی ان کے چڑھاوے وغیرہ میں سے کوئی چیز لے جائے تو اس سے واپس لے سکیں ان کو "خالق السموات والارضین" کے ساتھ معبودیت اور خدائی کی کرسی پر بٹھا دینا کس قدر بے حیائی، حماقت اور شرمناک گستاخی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ مکھی بھی کمزور مکھی سے زیادہ ان کے بت کمزور اور بتوں سے بڑھ کر ان کا پوجنے والا کمزور ہے جس نے ایسی حقیر اور کمزور چیز کو اپنا معبود و حاجت روا بنالیا۔

ف۳ سمجھتے تو ایسی گستاخی کیوں کرتے۔ کیا اللہ کی شان رفیع اور قدر و منزلت اتنی ہے کہ ایسی کمزور چیزوں کو اس کا ہمسر بنا دیا جائے؟ (العیاذ باللہ) اس کی قوت و عزت کے سامنے تو بڑے بڑے مقرب فرشتے اور پیغمبر بھی مجبور و بے بس ہیں۔ آگے ان کا ذکر کیا ہے۔

ف۴ یعنی بعض فرشتوں سے پیغامبری کا کام لیتا ہے (مثلاً جبرائیل علیہ السلام) اور بعض انسانوں سے جن کو خدا اس منصب کے لیے انتخاب فرمائے گا۔ ظاہر ہے ان کا درجہ دوسری تمام خلائق سے اعلیٰ ہونا چاہیے۔

ف۵ یعنی ان کی تمام باتوں کو اور ان کے ماضی و مستقبل کے تمام احوال کو دیکھتا ہے اس لیے وہ ہی حق رکھتا ہے کہ جس کے احوال و استعداد پر نظر کر کے منصب رسالت پر فائز کرنا چاہیے فائز کر دے۔ ﴿اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ﴾ (انعام، رکوع ۱۵) حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "یعنی ساری خلق میں بہتر وہ لوگ ہیں پیغام پہنچانے والے، فرشتوں میں بھی وہ فرشتے اعلیٰ ہیں۔ ان کو (یعنی ان کی ہدایات کو) چھوڑ کر بتوں کو مانتے ہو" کس قدر بے تکی بات ہے۔

ف۶ یعنی وہ بھی اختیار نہیں رکھتے، اختیار ہر چیز میں اللہ کا ہے (کذا فی الموضح)

بیان مثال معبودات باطلہ برائے ابطال شرک

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی : ﴿یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ ... الی ... وَاِلَی اللّٰہِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں مشرکین کی جہالت کو بیان کیا کہ جن چیزوں کی یہ لوگ پرستش کرتے ہیں ان کے پاس اس کی کوئی دلیل اور سند نہیں اب ان آیات میں شرک کی شناعت اور قباحت کو اور مشرکین کی حماقت کو ایک مثال کے ذریعہ واضح کرتے ہیں کہ جن چیزوں کو یہ معبود بنائے ہوئے ہیں وہ چیزیں قابل عبادت نہیں۔ عبادت کے لائق تو وہ ذات ہے کہ جو قادر مطلق ہو اور یہ بت تو عاجز مطلق ہیں۔ ان میں کسی چیز کے پیدا کرنے کی قدرت نہیں یہ تو اس قدر عاجز ہیں کہ اپنے اوپر سے مکھی دفع کرنے کی بھی قدرت نہیں رکھتے۔ چنانچہ فرماتے ہیں، اے انسانو! تمہارے سمجھنے کے لئے ایک مثال بیان کی جاتی ہے تو اس مثال کو کان کھول کر خوب غور سے سنو۔ تحقیق جن بتوں کو تم اللہ کے سوا اپنی مدد کے لیے پکارتے ہو وہ ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے حالانکہ وہ ایک نہایت حقیر وصغیر جانور ہے اگرچہ وہ سب اس کام کے لیے جمع بھی ہو جائیں اور متفق ہو کر پیدا کرنا چاہیں تو مکھی جیسی چھوٹی اور حقیر چیز کو بھی پیدا نہیں کر سکیں گے اور پیدا کرنا تو درکنار ان کی عاجزی کا حال تو یہ ہے کہ اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے جائے تو اس سے چھڑا نہیں سکتے مشرکین اپنے بتوں پر زعفران لگاتے اور ان کے سامنے کھانے اور مٹھائیاں رکھتے تو مکھیاں جمع ہو جاتیں اور اس میں سے لے جاتیں تو یہ بت ان مکھیوں سے بھی بدتر ہوئے اور وہ مکھیاں ان بتوں سے بہتر ہوئیں کہ وہ ان سے چھین لے جاتی ہیں اور یہ بت ان سے کچھ نہیں چھین سکتے۔ طالب اور مطلوب دونوں ہی ضعیف اور ناتواں ہیں۔ "طالب" سے عابد اور بت پرست مراد ہے اور "مطلوب" سے انکا معبود یعنی بت مراد ہے افسوس کہ ان نادانوں نے اللہ کی قدر نہ جانی۔ جیسا کہ اس کا حق تھا، جہالت اور حماقت کی حد ہے کہ خالق السموت والارض کے ساتھ ان بتوں کو معبودیت میں شریک بنالیا کہ جو ایک مکھی کے سامنے بھی عاجز اور لاچار ہیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ قوت والا اور عزت والا ہے، عبادت تو اس کا حق ہے۔ قوی اور عزیز کو چھوڑ کر ایک حقیر و کمزور چیز کو خدا بنانا پرلے درجہ کی حماقت ہے اور انسانیت کو خاک میں ملا دیتا ہے۔ بندہ میں یہ قدرت نہیں کہ وہ اللہ کو صحیح طور پر پہچان سکے اس لیے اللہ تعالیٰ بندوں کی ہدایت کے لیے رسول بھیجتا ہے کہ وہ لوگوں کو خدا کی ذات وصفات سے آگاہ کریں بندے اس بات سے عاجز ہیں کہ وہ محض اپنی عقل سے خدا کو پہچان سکیں، اس لیے آئندہ آیت میں نبوت کا مسئلہ بیان فرماتے ہیں اللہ ہی انتخاب کرتا ہے فرشتوں میں سے پیغام پہنچانے والے اور اسی طرح لوگوں میں سے پیغمبروں کو اپنے پیغامات اور احکام پہنچانے کے لیے منتخب کرتا ہے مطلب یہ ہے کہ پیغام پہنچانے کے لیے انتخاب کرنا اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے وہ اپنا پیغام دیکر ملائکہ کو انبیا کی طرف بھیجتا ہے اور انبیا کو لوگوں کی طرف بھیجتا ہے۔ پیغام لے جانے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ فرشتہ ہی ہو خدا کو اختیار ہے کہ فرشتہ کے ذریعہ بھیجے یا بشر کے ذریعہ۔

بیشک اللہ تمہارے اقوال کو سننے والا اور تمہارے افعال کو دیکھنے والا ہے تمہارا کوئی حال اس سے پوشیدہ نہیں اور وہ سمیع وبصیر خوب جانتا ہے جو ان کے روبرو اور سامنے ہے اور جو ان کے پس پشت اور پیچھے ہے یعنی اللہ تعالیٰ فرشتوں اور

پیغمبروں اور تمام احوال سے اور ان کے ماضی اور حال اور استقبال سے پورا پورا باخبر ہے۔ اس کو اختیار ہے کہ جس کو چاہے اپنی رسالت کے لیے منتخب کرے ﴿اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ﴾۔ اور تمام امور کا مرجع اللہ ہی کی ذات بابرکات ہے، ہر چیز کا اختیار اسی کو ہے اللہ کے سوا اختیار کسی کو نہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ

اے ایمان والو رکوع کرو اور سجدہ کرو اور بندگی کرو اپنے رب کی اور بھلائی کرو تاکہ تمہارا

اے ایمان والو ! رکوع کرو اور سجدہ کرو اور بندگی کرو اپنے رب کی، اور بھلائی کرو شاید تم

تُفْلِحُوْنَ ۝۷۷ وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي

بھلا ہو ف۱ اور محنت کرو اللہ کے واسطے جیسی کہ چاہیے اس کے واسطے محنت ف۲ اس نے تم کو پسند کیا ف۳ اور نہیں رکھی تم پر

بھلا پاؤ۔ اور محنت کرو اللہ کے واسطے، جو چاہیے اس کی محنت۔ اس نے تم کو پسند کیا اور نہیں رکھی تم پر

الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ

دین میں کچھ مشکل ف۴ دین تمہارے باپ ابراہیم کا ف۵ اسی نے نام رکھا تمہارا مسلمان پہلے سے اور اس

دین میں کچھ مشکل۔ دین تمہارے باپ ابراہیم کا۔ اس نے نام رکھا تمہارا مسلمان حکم بردار۔ پہلے سے اور اس

هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۚۖ فَاَقِيْمُوا

قرآن میں ف۶ تاکہ رسول ہو بتانے والا تم پر اور تم ہو بتانے والے لوگوں پر ف۷ سو قائم رکھو

قرآن میں، تا رسول ہو بتانے والا تم پر، اور تم ہو بتانے والے لوگوں پر۔ سو کھڑی رکھو

ف۱ شرک کی تقبیح اور مشرکین کی تفضیح کے بعد مومنین کو خطاب فرماتے ہیں کہ تم اکیلے اپنے رب کی بندگی پر لگے رہو۔ اسی کے آگے جھکو، اسی کے حضور میں پیشانی ٹیکو، اور اسی کے لیے دوسرے بھلائی کے کام کرو۔ تاکہ دنیا اور آخرت میں تمہارا بھلا ہو۔

ف۲ اپنے نفس کو درست رکھنے اور دنیا کو درستی پر لانے کے لیے پوری محنت کرو جو اتنے بڑے اہم مقصد کے شایان شان ہو۔ آخر دنیاوی مقاصد میں کامیابی کیلئے کتنی محنتیں اٹھاتے ہو۔ یہ تو دین کا اور آخرت کی دائمی کامیابی کا راستہ ہے جس میں جس قدر محنت برداشت کی جائے انصافاً تھوڑی ہے۔

(تنبیہ) لفظ "مجاہدہ" میں ہر قسم کی زبانی، قلمی، مالی، بدنی کوشش شامل ہے۔ اور "جہاد" کی تمام قسمیں (جہاد مع النفس، جہاد مع الشیطان، جہاد مع الکفار، جہاد مع البغات، جہاد مع المبطلین) اس کے نیچے مندرج ہیں۔

ف۳ کہ سب سے اعلیٰ و افضل پیغمبر دیا اور تمام شرائع سے اکمل شریعت عنایت کی تمام دنیا میں خدا کا پیغام پہنچانے کے لیے تم کو چھانٹ لیا اور سب امتوں پر فضیلت بخشی۔

ف۴ دین میں کوئی ایسی مشکل نہیں رکھی جس کا اٹھانا کٹھن ہو۔ احکام میں ہر طرح کی رخصتوں اور سہولتوں کا لحاظ رکھا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ تم خود اپنے اوپر ایک آسان چیز کو مشکل بنالو۔

ف۵ ابراہیم علیہ السلام چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں ہیں اس لیے ساری امت کے باپ ہوئے، یا یہ مراد ہو کہ عربوں کے باپ ہیں کیونکہ اولین مخاطب قرآن کے وہی تھے۔

ف۶ یعنی اللہ نے پہلی کتابوں میں اور اس قرآن میں تمہارا نام "مسلم" رکھا (جس کے معنی حکم بردار اور وفا شعار کے ہیں) یا ابراہیم علیہ السلام نے پہلے تمہارا یہ نام رکھا تھا جب کہ دعا میں کہا ﴿وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ﴾ (بقرہ، رکوع ۱۵) اور اس قرآن میں شاید ان ہی کے مانگنے سے یہ نام پڑا ہو۔ بہر حال تمہارا نام "مسلم" ہے۔ گو اور امتیں بھی مسلم تھیں مگر لقب یہ تمہارا ہی ٹھہرا ہے سو اس کی لاج رکھنی چاہیے۔ .... =

الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ؕ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ

نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ اور مضبوط پکڑو اللہ کو وہ تمہارا مالک ہے سو خوب مالک ہے اور خوب

نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ، اور گٹھ پکڑو اللہ کو۔ وہ تمہارا صاحب ہے۔ سو خوب صاحب ہے اور خوب

النَّصِيْرُ ﴿۷۸﴾

مددگار ؏

مددگار۔

خاتمۂ سورت بر ترغیب اعمال و تاکید اعتصام بملت اسلام

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا ... الی ... وَنِعْمَ النَّصِيْرُ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں شرک کا ابطال اور توحید و رسالت کا اثبات فرمایا اب ان آیات میں مسلمانوں کو اعمال خیر کی ترغیب اور دین اسلام پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہنے کی تاکید اکید فرماتے ہیں جو نجات اور فلاح کا ذریعہ ہیں اور اعمال خیر میں تمام خیرات وصدقات اور مکارم اخلاق اور محاسن سب داخل ہیں بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے جہاد کا حکم دیا جو اعمال خیر میں ایک بہترین اور افضل ترین عمل ہے اور ساتھ ساتھ یہ بتلایا کہ دین اسلام بہت آسان دین ہے اس پر عمل کرنا کوئی مشکل نہیں لہٰذا تم کو چاہئے کہ دن رات سرگرم عبادت رہو۔ اور ملت ابراہیمی پر قائم و دائم رہو اور اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑے رہو تا کہ مولائے برحق کی حمایت اور نصرت تمہارے ساتھ رہے اور ملت ابراہیمی اور ملت اسلام تمام اصول وفروع کے مجموعہ کا نام ہے اس پر قائم رہنے کا مطلب یہ ہے کہ دین اسلام پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہو۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے مضامین کو ملت ابراہیمی کے اتباع کے حکم پر ختم فرمایا۔ چنانچہ فرماتے ہیں اے مسلمانو جو انبیاء کی ہدایت سے ہماری باتوں پر ایمان لائے

= ف۷ یعنی پسند کیا تم کو اس واسطے کہ تم اور امتوں کو سکھاؤ اور رسول تم کو سکھائے۔ اور یہ امت جو سب سے پیچھے آئی یہی غرض ہے کہ تمام امتوں کی غلطیاں درست کرے اور سب کو سیدھی راہ بتائے۔ گویا جو مجد و شرف اس کو ملا ہے اسی وجہ سے ہے کہ یہ دنیا کے لیے معلم بنے اور تبلیغی جہاد کرے۔

(تنبیہ) دوسرے مفسرین نے ﴿شَهِيْدًا﴾ اور ﴿شُهَدَآءَ﴾ کو بمعنی "گواہ" لیا ہے۔ قیامت کے دن جب دوسری امتیں انکار کریں گی کہ پیغمبروں نے ہم کو تبلیغ نہیں کی اور پیغمبروں سے گواہ مانگے جائیں گے تو وہ امت محمدیہ کو بطور گواہ پیش کریں گے، یہ امت گواہی دے گی کہ بیشک پیغمبروں نے دعوت وتبلیغ کر کے خدا کی حجت قائم کر دی تھی۔ جب سوال ہوگا کہ تم کو کیسے معلوم ہوا۔ جواب دیں گے کہ ہمارے نبی نے اطلاع کی جس کی صداقت پر خدا کی محفوظ کتاب (قرآن کریم) گواہ ہے۔ گویا یہ فضل و شرف اس لیے دیا گیا کہ تم کو ایک بڑے عظیم الشان مقدمہ میں بطور معزز گواہ کے کھڑا ہونا ہے۔ لیکن تمہاری گواہی کی سماعت اور وقعت بھی تمہارے پیغمبر کے طفیل میں ہے کہ وہ تمہارا تزکیہ کریں گے۔

ف۱ یعنی انعامات الٰہیہ کی قدر کرو، اپنے نام ولقب اور فضل و شرف کی لاج رکھو، اور سمجھو کہ تم بہت بڑے کام کے لیے کھڑے کیے گئے ہو۔ اس لیے اول اپنے کو نمونہ مکمل بناؤ۔ نماز، زکوٰۃ (بالفاظ دیگر بدنی ومالی عبادات) میں کوتاہی نہ ہونے پائے، ہر کام میں اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑے رہو۔ ذرا بھی قدم جادۂ حق سے ادھر ادھر نہ ہو۔ اس کے فضل و رحمت پر اعتماد رکھو۔ تمام کمزور سہارے چھوڑ دو، تنہا اسی کو اپنا مولیٰ اور مالک سمجھو، اس سے اچھا مالک و مددگار اور کون ملے گا؟ "رَبِّ اجْعَلْنَا مِنْ مُقِيْمِي الصَّلٰوةِ وَمُؤْتِي الزَّكٰوةِ وَالْمُعْتَصِمِيْنَ بِكَ وَالْمُتَوَكِّلِيْنَ عَلَيْكَ فَاَنْتَ مَوْلَانَا وناصِرُنَا فَنِعْمَ الْمَوْلٰى اَنْتَ وَنِعْمَ النَّصِيْرُ" تم سورۃ الحج بفضلہ ومنہ فللّٰہ الحمد وعلی نبیہ الصلوٰۃ والتسلیم۔

اگر تم ہماری رضا اور خوشنودی حاصل کرنا چاہتے ہو تو ہماری عبادت اور بندگی کو اختیار کرو۔ رکوع اور سجدہ کرو اور دن رات اپنے پروردگار کی بندگی میں لگے رہو اور عبادت کے علاوہ ہر خیر اور نیکی کا کام کرو جو خدا کے نزدیک نیکی اور بھلائی ہے امید ہے کہ تم فلاح پاؤ گے۔ اس آیت پر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سجدہ ہے اس سورت میں جو پہلا سجدہ گزرا وہ تو متفق علیہ ہے اور یہ دوسرا سجدہ مختلف فیہ ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ سورۂ حج میں دو سجدے ہیں جیسا کہ ترمذی اور ابو داؤد کی ایک حدیث میں ہے کہ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ کیا سورۂ حج میں دو سجدے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں اور جو شخص دو سجدے نہ کرے وہ اس سورت کو نہ پڑھے۔

اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ اس آیت پر سجدہ نہیں۔ کیونکہ اس سجدہ کا ذکر رکوع کے ساتھ ہوا ہے لہٰذا یہ سجدہ نماز کا ہے۔ تلاوت کا نہیں۔

اور اگر تم قرب اور رضا کے بلند مقام پر پہنچنا چاہتے ہو تو اللہ کی راہ میں جہاد کرو جو حق ہے اس کے جہاد کا۔ ظاہری دشمن یعنی کافروں اور مشرکوں سے بھی جہاد کرو اور باطنی دشمن یعنی نفس امارہ اور نفسانی خواہشوں کے لشکر سے اور شیطان کے لشکر سے بھی جہاد کرو اور ایسا جہاد کرو کہ جہاد کا حق ادا ہو جائے۔ خدائے برحق نے تم کو اپنی عبودیت اور اپنے دین کی خدمت کے لیے منتخب کیا ہے اور اسی لیے تم کو منتخب کیا ہے کہ تم اس کی عبودیت اور اس کے دین کی خدمت میں اپنی جان و مال اور جدوجہد کو پانی کی طرح بہا دو۔ اور خدا کے ظاہری اور باطنی دشمنوں کا مقابلہ کرو اور دین کے بارہ میں اللہ نے تم پر کوئی تنگی اور سختی نہیں رکھی۔ خدا نے تم کو کوئی حکم ایسا نہیں دیا کہ جو تمہاری طاقت سے باہر ہو اور ضرورت کے وقت تم کو رخصتیں عطا کیں جیسے سفر میں نماز کا قصر کرنا اور بیماری کی حالت میں تیمم کرنا اور سفر اور بیماری کی وجہ سے روزہ نہ رکھنا غرض یہ کہ اللہ نے فرائض اور واجبات میں طرح طرح کی رخصتیں اور سہولتیں رکھی ہیں جیسا کہ حدیث میں آیا ہے الدین یسر دین اسلام بہت آسان ہے لہٰذا تم اپنے باپ ابراہیم کی ملت کو لازم پکڑو ❶ جو نہایت آسان ہے اور حدیث میں ہے بعثت مع الحنيفية السمحة میں ابراہیم حنیف علیہ السلام کی ملت اور آسان شریعت دیکر بھیجا گیا ہوں اور ابراہیم علیہ السلام اکثر عرب کے باپ تھے اور ان کی حیات جسمانی کے سبب تھے اور ان کی ملت جو آپ علیہ السلام لیکر آئے ہیں، وہ قیامت تک کے لئے تمام عالم کے روحانی حیات کا سبب ہے۔ اللہ تعالیٰ ❷ نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے اس قرآن کے نازل ہونے سے پہلے گزشتہ کتابوں میں اور اس قرآن میں بھی تمہارا نام مسلمان رکھا اور "مسلم" اور "مسلمان" کے معنی فرمانبردار اور وفادار کے ہیں تو تم کو چاہیے کہ اس نام کی لاج رکھو اور اپنے آپ کو اس کے حوالہ اور سپرد کرو اور اس کے حکم کے سامنے گردن ڈال دو۔ اسلام کے معنی لغت میں تسلیم کے ہیں یعنی اپنے آپ کو کسی کے سپرد کر دینے اور اس کے سامنے گردن ڈال دینے کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اور اگلی

❶ اشارہ اس طرف ہے کہ ملة ابيكم منصوب على الاغراء یعنی الزموا مقدر کا مفعول ہے اور زجاج رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ معنی یہ ہیں اتبعوا ملة ابيكم ابراهيم۔ اور فراء رحمہ اللہ یہ کہتے ہیں کہ منصوب بنزع الخافض ہے یعنی كملة ابيكم ابراهيم وغیرہ وغیرہ۔

❷ اشارہ اس طرف ہے کہ ﴿هُوَ سَمّٰىكُمُ﴾ کی ضمیر هو خدا تعالیٰ کی طرف راجع ہے اور بعض کہتے ہیں کہ ضمیر ابراہیم علیہ السلام کی طرف راجع ہے۔ (دیکھو تفسیر کبیر: ۶/۲۱۰)

کتابوں میں تمہارا نام مسلمین اور مومنین اور عباد اللہ رکھا ہے۔ پس فرمانبردار بندہ بن کر دکھاؤ تا کہ اسم مسمیٰ کا مصداق بن سکو اور اللہ تعالیٰ نے دنیا میں تم کو یہ شرف اور امتیاز اس لیے عطاء کیا تا کہ قیامت کے دن رسول خدا تم پر گواہ ہوں اور تم تمام امتوں پر گواہ بنو۔ قیامت کے دن جب تمام امتیں اور ان کے رسول جمع ہونگے تو وہ امتیں یہ کہیں گی کہ ہم کو پیغمبروں نے تبلیغ نہیں کی۔ پیغمبر کہیں گے کہ ہم نے ان کو تبلیغ کر دی تھی، اللہ تعالیٰ پیغمبروں سے گواہ مانگے گا تو وہ امت محمدیہ کو بطور گواہ پیش کریں گے۔ امت محمدیہ گواہی دے گی کہ پیغمبروں نے امتوں کو اللہ کا پیغام پہنچا دیا تھا تو اس وقت امت محمدیہ سے سوال ہوگا کہ تم کو کیسے معلوم ہوا۔ جواب دیں گے کہ ہم کو محمد رسول اللہ ﷺ نے اس کی خبر دی تھی۔ بعد ازاں آنحضرت ﷺ اس کی تصدیق فرمائیں گے۔

پس اے مسلمانو! اللہ نے تم کو جو تمام امتوں میں سے منتخب کیا اور تم کو خیر الامم بنایا اور تمہارا نام ہی مسلمان رکھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قیامت کے ایک بڑے مقدمہ میں تم کو بطور گواہ کھڑا کرنا ہے تا کہ تمہاری شہادت سے تمام امتوں کے مقابلہ میں تمہاری عدالت اور فضیلت ظاہر ہو۔ پس اس عزت وکرامت کی لاج رکھنا اور خدا کی فرمانبرداری اور وفاداری میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھنا۔ پس جب خدا تعالیٰ نے تم کو یہ فضل وشرف عطا کیا ہے تو تم نماز کو ٹھیک ٹھیک قائم رکھو اور زکوٰۃ وخیرات دیتے رہو اور ہر حال میں اللہ کے دین کو مضبوط پکڑے رہو۔ وہی تمہارا آقا ہے سو کیا ہی اچھا آقا ہے اور کیا ہی اچھا مددگار ہے۔ لہٰذا اسی پر بھروسہ رکھو اور کسی پر نظر نہ کرو۔ اس سے تعلق رکھنے والا بندہ کبھی ذلیل وخوار نہیں ہو سکتا۔ فلاح دارین کا دارومدار اس سے وابستگی اور تعلق پر ہے اس کے بعد سورۂ مومنون آتی ہے جس کے شروع میں ان اعمال خیر کا ذکر ہے جن سے انسان کو فلاح حاصل ہوتی ہے۔

سبحان ربك رب العزة عما يصفون وسلام على المرسلين والحمد لله رب العالمين۔

الحمد للہ آج بتاریخ ۱۸ محرم الحرام سنہ ۱۳۹۱ھ روز سہ شنبہ بعد ازان ظہر بمقام جامعہ اشرفیہ لاہور۔ سورۂ حج کی تفسیر سے فراغت ہوئی۔ اے اللہ اپنی رحمت سے بقیہ قرآن کی تفسیر بھی مکمل فرما۔ آمین یا رب العالمین۔ اور قبول فرما۔

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم وتب علينا انك انت التواب الرحيم۔

❁❁❁

تفسیر سورۂ مومنون

یہ سورت بالاتفاق مکی ہے۔ اس میں ایک سو اٹھارہ یا ایک سو انیس آیتیں اور چھ رکوع ہیں چونکہ اس سورت کی ابتدا مومنوں کے اوصاف سے ہوئی اس لیے اس سورت کا نام مومنون ہو گیا اور یہ اوصاف درحقیقت ایمان کے اہم شعبے ہیں۔

ربط:...... گزشتہ سورت کے آخر میں اعمال خیر کے کرنے کا حکم مذکور تھا ﴿وَافْعَلُوا الْخَيْرَ﴾ جس میں فلاح کا وعدہ فرمایا تھا ﴿لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ اب اس سورت کا آغاز فلاح سے فرماتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ فلاح کا دار و مدار ایمان اور ایمان کے شعبوں پر ہے اور گزشتہ سورت کے اخیر میں جن اعمال خیر کرنے کا حکم تھا اس سے یہی ایمان کے شعبے مراد ہیں جو ان کو بجالائے گا وہ فلاح پائے گا۔

نیز سورۂ حج کی اس آیت ﴿فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ﴾ میں انسان کی پیدائش کا ذکر تھا۔ ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ﴾ الی اٰخر الایات۔

۲۲ سُوْرَةُ الْمُؤْمِنُوْن مَكِّيَّةٌ ۷۴ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — ایاتہا ۱۱۹ رکوعاتہا ۶

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ﴿۱﴾ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۙ﴿۲﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ

کام نکال لے گئے ایمان والے جو اپنی نماز میں جھکنے والے ہیں ف۱ اور جو نکمی بات پہ

کام نکال گئے ایمان والے، جو اپنی نماز میں نوے ہیں، اور جو نکمی بات پر

مُعْرِضُوْنَ ۙ﴿۳﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۙ﴿۴﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۙ﴿۵﴾ اِلَّا

دھیان نہیں کرتے ف۲ اور جو زکوٰۃ دیا کرتے ہیں ف۳ اور جو اپنی شہوت کی جگہ کو تھامتے ہیں مگر

دھیان نہیں کرتے۔ اور جو زکوٰۃ دیا کرتے ہیں۔ اور جو اپنی شہوت کی جگہ تھامتے ہیں۔ مگر

ف۱ "خشوع" کے معنی ہیں کسی کے سامنے خوف و ہیبت کے ساتھ ساکن اور پست ہونا، چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے "خَاشِعُوْنَ" کی تفسیر "خائفون ساکنون" سے کی ہے۔ اور آیت ﴿تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ﴾ بھی دلالت کرتی ہے کہ "خشوع" میں ایک طرح کا سکون و تذلل معتبر ہے۔ قرآن کریم میں "خشوع" کو وجوہ، ابصار، اصوات وغیرہ کی صفت قرار دیا ہے۔ اور ایک جگہ آیت ﴿اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ﴾ میں قلب کی صفت بتلائی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اصل خشوع قلب کا ہے اور اعضائے بدن کا خشوع اس کے تابع ہے۔ جب نماز میں قلب خاشع و خائف اور ساکن و پست ہوگا تو خیالات ادھر ادھر بھٹکتے نہیں پھریں گے، ایک ہی مقصود پر جم جائیں گے۔ پھر خوف و ہیبت اور سکون و خضوع کے آثار بدن پر بھی ظاہر ہوں گے مثلاً بازو اور سر جھکانا، نگاہ پست رکھنا، ادب سے دست بستہ کھڑا ہونا، ادھر ادھر نہ تاکنا، کپڑے یا ڈاڑھی وغیرہ سے نہ کھیلنا، انگلیاں نہ چٹخانا، اور اسی قسم کے بہت سے افعال و احوال لوازم خشوع میں سے ہیں۔ احادیث میں حضرت عبد اللہ بن زبیر اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ نماز میں ایسے ساکن ہوتے تھے جیسے ایک بے جان لکڑی، اور کہا جاتا تھا کہ یہ نماز کا خشوع ہے فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا نماز بدون خشوع کے صحیح و مقبول ہوتی ہے یا نہیں۔ صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ خشوع اجزائے صلوٰۃ کے لیے شرط نہیں۔ ہاں قبول صلوٰۃ کے لیے شرط ہے میرے نزدیک یوں کہنا بہتر ہوگا کہ حسن قبول کے لیے شرط ہے۔ واللہ اعلم۔ یہاں تفصیل کا موقع نہیں۔ احیاء العلوم اور اس کی شرح میں تفصیل ملاحظہ کی جائے بہرحال انتہائی فلاح اور اعلیٰ کامیابی ان ہی مومنین کو حاصل ہوگی جو خشوع و خضوع کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں اور ان اوصاف سے موصوف ہیں جو آگے بیان کیے گئے ہیں۔

ف۲ یعنی فضول و بیکار مشغلوں میں وقت ضائع نہیں کرتے کوئی دوسرا شخص لغو اور نکمی بات کہے تو ادھر سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ ان کو وظائف عبودیت سے اتنی فرصت =

عَلٰۤى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۚ﴿۶﴾ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ

اپنی عورتوں پر یا اپنے ہاتھ کے مال باندیوں پر سو ان پر نہیں کچھ الزام پھر جو کوئی ڈھونڈے اس کے سوا

اپنی عورتوں پر، یا اپنے ہاتھ کے مال پر، سو ان پر نہیں اُلاہنا۔ پھر جو کوئی ڈھونڈے اس کے سوا،

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۚ﴿۷﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۙ﴿۸﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ

سو وہی ہیں حد سے بڑھنے والے ف۱ اور جو اپنی امانتوں سے اور اپنے قرار سے خبردار ہیں ف۲ اور جو

وہی ہیں حد سے بڑھنے والے۔ اور جو اپنی امانتوں سے اور اپنے اقرار سے خبردار ہیں۔ اور جو

عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۘ﴿۹﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۙ﴿۱۰﴾ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ؕ هُمْ

اپنی نمازوں کی خبر رکھتے ہیں ف۳ وہ ہی ہیں میراث لینے والے جو میراث پائیں گے باغ ٹھنڈی چھاؤں کے ف۴ وہ

اپنی نماز سے خبردار ہیں۔ وہی ہیں میراث لینے والے، جو میراث پاویں گے باغ ٹھنڈی چھاؤں کے، وہ

=ہی نہیں ہوتی کہ ایسے بے فائدہ جھگڑوں میں اپنے کو پھنسائیں۔

چہ خوش گفت بہلول فرخندہ خو
چو بگذشت بر عارف جنگجو
گر ایں مدعی دوست بشناختے
بہ پیکار دشمن نہ پرداختے

ف۳ یعنی ان کی عادت ہے کہ ہمیشہ زکوٰۃ ادا کرتے رہتے ہیں۔ ایسا نہیں کہ کبھی دی کبھی نہ دی، غالباً اسی لیے "یُؤْدُوْنَ الزَّکٰوۃَ" کی جگہ "لِلزَّکٰوۃِ فٰعِلُوْنَ" کی ترکیب اختیار فرمائی۔ گویا بتلا دیا کہ زکوٰۃ ادا کرنا ان کا مستمر کام ہے۔ مترجم محقق قدس اللہ روحہ نے" دیا کرتے ہیں' کہہ کر ادھر اشارہ کر دیا۔ بعض مفسرین نے یہاں زکوٰۃ کو "طہارت" (پاکیزگی) یا تزکیہ نفس کے معنی میں لیا ہے۔ گویا آیت حاضرہ کو ﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى﴾ اور ﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا﴾ کے مشابہ قرار دیا ہے۔ اگر یہ مراد ہو تو اس کے مفہوم کو عام رکھا جائے جس میں بدن کا، دل کا اور مال کا پاک رکھنا سب داخل ہو۔ زکوٰۃ و صدقات بھی ایک قسم کی مالی تطہیر ہے۔ ﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا﴾ (توبہ، رکوع ۱۳) یہ کہنا کہ آیت مکی ہے اور مکہ میں زکوٰۃ فرض نہ ہوئی تھی، ابن کثیر نے اس کا جواب دیا ہے کہ اصل زکوٰۃ کی مشروعیت مکہ میں ہو چکی تھی۔ ہاں مقادیر ونصب وغیرہ کی تشخیص مدینہ پہنچ کر ہوئی واللہ اعلم۔

ف۱ یعنی اپنی منکوحہ عورت یا باندی کے سوا کوئی اور راستہ قضائے شہوت کا ڈھونڈے، وہ حلال کی حد سے آگے نکل جانے والا ہے۔ اس میں زنا، لواطت اور استمنا بالید وغیرہ سب صورتیں آ گئیں، بلکہ بعض مفسرین نے حرمت متعہ پر بھی اس سے استدلال کیا ہے وفیہ کلام طویل لایسعہ المقام۔ راجع روح المعانی تحت ھذہ الایۃ الکریمہ۔

ف۲ یعنی امانت اور قول و قرار کی حفاظت کرتے ہیں، خیانت اور بدعہدی نہیں کرتے نہ اللہ کے معاملہ میں نہ بندوں کے۔

ف۳ نمازیں اپنے اوقات پر آداب و حقوق کی رعایت کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ بندوں کے معاملات میں پڑ کر عبادت الٰہی سے غافل نہیں ہوتے۔ یہاں تک مومنین مفلحین کی چھ صفات و خصال بیان کیں۔ (۱) خشوع و خضوع سے نمازیں پڑھنا، یعنی بدن اور دل سے اللہ کی طرف جھکنا۔ (۲) باطل لغو اور نکمی باتوں سے علیحدہ رہنا۔ (۳) زکوٰۃ یعنی مالی حقوق ادا کرنا یا اپنے بدن، نفس اور مال کو پاک رکھنا۔ (۴) شہوات نفسانی کو قابو میں رکھنا۔ (۵) امانت و عہد کی حفاظت کرنا گویا معاملات کو درست رکھنا۔ (۶) اور آخر میں پھر نمازوں کی پوری طرح حفاظت کرنا کہ اپنے وقت پر آداب و شروط کی رعایت کے ساتھ ادا ہوں، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نماز کا حق تعالیٰ کے یہاں کیا درجہ ہے اور کس قدر مہتم بالشان چیز ہے کہ اس سے شروع کر کے اسی پر ختم فرمایا۔

ف۴ جنت کے میراث ہونے پر پہلے کسی جگہ ہم لکھ چکے ہیں۔

فِيهَا خَٰلِدُونَ ⑪

اسی میں ہمیشہ رہیں گے

اسی میں رہ پڑے۔

صفات مومنین مفلحین

قال تعالیٰ: ﴿قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ... الی ... هُمْ فِيهَا خَٰلِدُونَ﴾

ربط:...... گزشتہ سورت کے اخیر میں اعمال خیر کا حکم اور فلاح کی امید کا ذکر تھا۔ اب ان آیات میں مومنین صالحین کے لیے وقوع فلاح کی خبر دیتے ہیں کہ بلاشبہ وہ مسلمان کامیاب ہیں جن میں یہ سات صفتیں پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق فلاح پائی اہل ایمان نے جس کی پہلے ہی سے اہل ایمان کو امید اور توقع تھی۔ اہل ایمان سے اہل تصدیق اور اہل اطمینان مراد ہے۔ اب اس بشارت کے بعد ان مومنین کی صفات بیان کرتے ہیں

اول صفت: خشوع

ان میں سے پہلی صفت یہ ہے جو اپنی نماز میں خشوع اور خضوع اور عجز و زاری کرنے والے ہیں یعنی ان کے دل میں اللہ کی عظمت اور ہیبت اور اس کا ادب ایسا ہے کہ جس کا اثر ظاہر پر نمایاں ہوتا ہے کہ جب نماز پڑھتے ہیں تو لرزاں اور ترساں ہوتے ہیں گویا کہ اپنے خدا کو دیکھ رہے ہیں۔

دوسری صفت: اعراض عن اللغو

اور دوسری صفت یہ ہے کہ یہ مسلمان اور اہل ایمان لغو یعنی بیکار باتوں سے اعراض کرنے والے اور منہ پھیرنے والے ہیں یعنی جس چیز کا خدا تعالیٰ سے تعلق نہ ہو اور آخرت میں کام نہ آئے اس سے اعراض کرنے والے ہیں۔

تیسری صفت: اداء زکوٰۃ

اور تیسری صفت یہ ہے کہ وہ زکوٰۃ ادا کرنے والے ہیں یعنی مالی حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں کرتے اصل زکوٰۃ مکہ مکرمہ میں شروع ہو چکی تھی۔ البتہ زکوٰۃ کی مقدار اور نصاب کی تعیین مدینہ پہنچ کر ہوئی۔

چوتھی صفت: عفت و عصمت

اور چوتھی صفت یہ ہے کہ اپنی شرمگاہوں کی ناجائز شہوت رانی سے حفاظت کرنے والے ہیں سوائے اپنی منکوحہ یا مملوکہ [1] عورتوں کے کسی اور جگہ اپنی شرمگاہوں کو استعمال نہیں کرتے سو ایسوں پر بلاشبہ کوئی ملامت اور الزام نہیں سو جس نے ان کے سوا یعنی اپنی بیویوں اور باندیوں کے سوا اپنی شہوت پوری کرنے کے لیے کوئی اور راہ ڈھونڈی سو ایسے لوگ حد

[1] اشارہ اس طرف ہے کہ ﴿مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ﴾ باندیاں مراد ہیں اگرچہ ﴿مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ﴾ کے ظاہری عموم میں غلام بھی داخل ہیں مگر وہ با جماع مراد نہیں اس لیے کہ لواطت بالا جماع حرام ہے۔ ۱۲

سے گزر جانے والے ہیں اور عصمت اور عفت کے دائرہ سے باہر نکلنے والے ہیں کہ حلال کی حدود سے نکل کر حرام کی حدود میں داخل ہو گئے۔ ایسے لوگ بلاشبہ قابل ملامت ہیں۔ شریعت نے جب تم کو بیوی اور باندی سے قضاء حاجت کی اجازت دے دی تو ضرورت پوری ہو گئی۔ اس کے بعد قضائے شہوت کے لیے کوئی راہ ڈھونڈنا جیسے زنا اور متعہ اور جلق اور وطی بہائم وغیرہ وغیرہ یہ سب حد سے گزرنا ہے۔

فائدہ:...... اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ متعہ حرام ہے کیونکہ زن متعہ نہ تو بیوی ہے اور نہ لونڈی ہے بیوی تو اس لیے نہیں کہ مرد پر اس کا نان ونفقہ نہیں اور نہ اس کے لیے طلاق ہے اور نہ عدت ہے اور نہ میراث ہے اور باندی اس لیے نہیں کہ اس کی بیع وشرا اور ہبہ اور عتق صحیح نہیں اور جب زن متعہ نہ ازواج میں سے ہے اور نہ ﴿مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ﴾ سے ہے تو لامحالہ ﴿فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ﴾ کسی عورت سے متعہ کرنا حدود شریعت سے تجاوز کرنا اور حلال کو چھوڑ کر حرام میں پڑنا ہوگا۔ جن کی تفصیل پارہ پنجم کے شروع میں گزر چکی ہے۔ غرض یہ کہ متعہ والی عورت نہ بیوی ہے نہ باندی اس لیے حسب آیت مذکورہ لامحالہ وہ حرام ہوگی اور اسی پر تمام صحابہ وتابعین کا اجماع ہے کہ متعہ حرام ہے اور اسی پر چاروں اماموں کا اتفاق ہے۔ اگر حسب زعم شیعہ، متعہ کسی قسم کا نکاح ہوتا یا کوئی خیر و برکت کی چیز ہوتی تو نکاح کی طرح متعہ کے لیے بھی دعوتی خطوط اور ولیمہ وغیرہ بھی ہونا چاہئے تھا اور اعزا اور اقارب اور احباب کو نکاح متعہ کی شرکت کے لیے مدعو کیا جاتا اور ہر طرف سے مبارکباد کی آوازیں آتیں اور سننے والے اس پر آمین کہتے۔ متعہ کو چھپا کر کرنا اور اس کے اعلان کو باعث ندامت سمجھنا یہ اس امر کی واضح دلیل ہے کہ متعہ شیعوں کے نزدیک بھی جرم ہے جس کو چھپایا جاتا ہے۔

پانچویں اور چھٹی صفت: اداء امانت اور ایفاء عہد

اور پانچویں صفت یہ ہے کہ جو اپنی امانتوں کی حفاظت کرنے والے ہیں وہ امانت خواہ اللہ کی ہو یا بندوں کی ہو اور چھٹی صفت یہ ہے کہ جو اپنے عہد اور پیمان کی پوری رعایت اور نگہبانی کرنے والے ہیں امانت میں خیانت نہیں کرتے اور عہد کا پاس رکھتے ہیں عہد اور پیمان کر کے اسے توڑتے نہیں بلکہ اس پر قائم رہتے ہیں۔

آنکھ اور کان اور اعضا اور جوارح سب اللہ کی امانتیں ہیں ان کو خلاف حکم خداوندی استعمال کرنا امانت میں خیانت کرنا ہے وقال اللہ تعالیٰ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ﴾ ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا﴾ ﴿وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْــُٔوْلًا﴾.

ساتویں صفت: نماز کی پابندی

اور ساتویں صفت یہ ہے کہ جو اپنی پنجگانہ نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں یعنی نمازوں سے غفلت نہیں کرتے بلکہ ان پر قائم اور ثابت قدم رہتے ہیں اور اپنے وقت پر ان کو ادا کرتے ہیں۔ شروع کلام میں نماز کا ذکر فرمایا تا کہ معلوم ہو جائے کہ فلاح کا زیادہ تر دارومدار نماز پر ہے۔ ایسے ہی اہل ایمان جن میں ایمان کے یہ شعبے اور یہ صفتیں جمع ہوں۔ فردوس بریں

کے وارث ہوں گے جو جنت میں سب سے اعلیٰ مقام ہے اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے نہ مریں گے اور نہ وہاں سے نکالے جائیں گے اور یہی فلاح اور کامیابی کا بلندترین مقام ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سورۂ مومنون مکی ہے اور شروع سورت میں جن مومنین مخلصین کی صفات فاضلہ کو بیان کیا گیا ہے اس کے اولین مصادق مہاجرین اولین اور خلفاء راشدین تھے جن کو دینی اور دنیوی فوز وفلاح سے نوازا گیا۔ (ازالۃ الخفاء)

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۝١٢ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۝١٣

اور ہم نے بنایا آدمی کو چنی ہوئی مٹی سے ف۱ پھر ہم نے رکھا اس کو پانی کی بوند کر کے ایک جمے ہوئے ٹھکانہ میں ف۲

اور ہم نے بنایا ہے آدمی، چن لی مٹی سے۔ پھر رکھا اس کو بوند کر کر، ایک جمے ٹھہراؤ میں۔

ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا

پھر بنایا اس بوند سے لہو جما ہوا پھر بنائی اس لہو جمے ہوئے سے گوشت کی بوٹی پھر بنائیں اس بوٹی سے ہڈیاں پھر پہنایا

پھر بنائی اس بوند سے پھٹکی، پھر بنائی اس پھٹکی سے بوٹی، پھر اس بوٹی سے ہڈیاں، پھر پہنایا

الْعِظٰمَ لَحْمًا ۗ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ۭ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ۝١٤ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ

ان ہڈیوں پر گوشت ف۳ پھر اٹھا کھڑا کیا اس کو ایک نئی صورت میں ف۴ سو بڑی برکت اللہ کی جو سب سے بہتر بنانے والا ہے ف۵ پھر تم اس کے بعد

ان ہڈیوں پر گوشت، پھر اٹھا کھڑا کیا اس کو ایک نئی صورت میں، سو بڑی برکت اللہ کی جو سب سے بہتر بنانے والا۔ پھر تم اس کے پیچھے

ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ۝١٥ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ۝١٦ وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ

مرو گے ف۶ پھر تم قیامت کے دن کھڑے کیے جاؤ گے ف۷ اور ہم نے بنائے ہیں تمہارے اوپر سات

مرو گے۔ پھر تم قیامت کے دن کھڑے کیے جاؤ گے۔ اور ہم نے بنائی ہیں تمہارے اوپر سات

ف۱ کیونکہ سب کے باپ حضرت آدم علیہ السلام منتخب مٹی سے پیدا ہوئے اور ویسے بھی تمام بنی آدم نطفہ سے پیدا ہوتے ہیں اور نطفہ بھی مٹی سے نکلی ہوئی غذاؤں کا خلاصہ ہے۔

ف۲ یعنی رحم مادر میں جہاں سے کہیں ہل نہ سکے۔

ف۳ یعنی کچھ حصہ گوشت کا سخت کر کے ہڈیاں بنا دیں۔ اور ہڈیوں کے ڈھانچے پر پھر گوشت پوست منڈھ دیا۔ سورۂ "حج" میں اسی کے قریب کیفیت تخلیق انسان کی بیان ہو چکی ہے۔

ف۴ یعنی روح حیات پھونک کر ایک جیتا جاگتا انسان بنا دیا۔ جس پر آگے چل کر بچپن، جوانی، کہولت اور بڑھاپے کے بہت سے احوال وادوار گزرتے ہیں۔

ف۵ جس نے نہایت خوبصورتی سے تمام اعضاو قویٰ کو بہترین سانچے میں ڈھالا اور اس کی ساخت عین حکمت کے موافق نہایت موزوں متناسب بنائی۔

ف۶ یعنی تمہارا وجود ذاتی اور خانہ زاد نہیں، مستعار اور دوسرے کا عطیہ ہے۔ چنانچہ موت آ کر سب نقشہ بگاڑ دیتی ہے۔ تم اس وقت اس کے زبردست پنجہ سے اپنی ہستی کو نہیں بچا سکتے۔ یقیناً کوئی اور قاہر طاقت تمہارے اوپر ہے جس نے وجود کی باگ اپنے ہاتھ میں تھام رکھی ہے جب چاہے ڈھیلی چھوڑ دے، جب چاہے کھینچ لے۔

ف۷ جس نے پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا وہی دوبارہ بنا کر کھڑا کرے گا۔ تاکہ پہلے وجود کی مستور قوتیں اور اعمال کے نتائج اپنی کامل ترین صورتوں میں ظاہر ہو کر ثابت کر دیں کہ یہ اتنا بڑا کارخانہ کوئی بیکار اور بے نتیجہ ڈھونگ نہیں بنایا گیا تھا۔

طَرَآئِقَ ۖ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷﴾ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِي

رستے ف۱ اور ہم نہیں ہیں خلق سے بے خبر ف۲ اور اتارا ہم نے آسمان سے پانی ماپ کر ف۳ پھر اس کو ٹھہرا دیا

راہیں، اور ہم نہیں ہیں خلق سے بے خبر۔ اور اتارا ہم نے آسمان سے پانی ماپ کر، پھر اس کو ٹھہرا دیا

الْاَرْضِ ۖ وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۢ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ

زمین میں ف۴ اور ہم اس کو لے جائیں تو لے جاسکتے ہیں ف۵ پھر اگا دیے تمہارے واسطے اس سے باغ کھجور

زمین میں، اور ہم اس کو لے جاویں تو سکتے ہیں۔ پھر اگا دیئے تم کو اس سے باغ کھجور

وَّاَعْنَابٍ ۘ لَكُمْ فِيْهَا فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ

اور انگور کے تمہارے واسطے ان میں میوے ہیں بہت اور انہی میں سے کھاتے ہو ف۶ اور وہ درخت جو نکلتا ہے

اور انگور کے، تم کو ان سے میوے ہیں اور انہی میں سے کھاتے ہو۔ اور وہ درخت جو نکلتا ہے

سَيْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۭ نُسْقِيْكُمْ

سینا پہاڑ سے لے اگتا ہے تیل اور روٹی ڈبونا کھانے والوں کے واسطے ف۷ اور تمہارے لیے چوپایوں میں دھیان کرنے کی بات ہے پلاتے ہیں ہم تم کو

سینا پہاڑ سے، لے اگتا ہے تیل، اور روٹی ڈبونا کھانے والوں کو۔ اور تم کو چوپایوں میں دھیان کرنا ہے۔ پلاتے ہیں تم کو

مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهَا وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ

ان کے پیٹ کی چیز سے اور تمہارے لیے ان میں بہت فائدے ہیں اور بعضوں کو کھاتے ہو ف۸ اور ان پر اور کشتیوں پر لدے

ان کے پیٹ کی چیز سے، اور تم کو ان میں بہت فائدے ہیں، اور بعضوں کو کھاتے ہو، اور ان پر اور کشتی پر لدے

ف۱ "طرائق" کے معنی بعض مفسرین ولغویین کے نزدیک طبقات کے ہیں۔ یعنی آسمان کے ساتھ طبقے اوپر نیچے بنائے۔ فھذا کما قال "كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا" (نوح، رکوع ۱) اور بعض نے طرائق کو راستوں کے معنی میں لیا ہے۔ یعنی سات آسمان بنائے جو فرشتوں کی گزرگاہیں ہیں۔ بعض معاصر مصنفین نے "سبع طرائق" سے سات سیاروں کے مدارات مراد لیے ہیں۔ واللہ اعلم۔

ف۲ ہر چیز پورے انتظام و احکام اور خبر داری سے بنائی ہے اور اس کی حفاظت و بقا کے طریقوں سے ہم پورے باخبر ہیں۔ اجرام سماویہ اور مخلوقات سفلیہ میں کوئی چیز نہیں جو ہمارے احاطۂ علم و قدرت سے باہر ہو۔ ورنہ سارا انتظام ہی درہم برہم ہو جائے۔ ﴿يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا﴾ الخ

ف۳ نہ اس قدر زیادہ کہ دنیا بے وقت اور بے موقع تباہ ہو جائے۔ اور نہ اتنا کم کہ ضروریات کو کافی نہ ہو۔

ف۴ یعنی بارش کا پانی زمین اپنے اندر جذب کر لیتی ہے جس کو ہم کنواں وغیرہ کھود کر نکالتے ہیں۔

ف۵ یعنی نہ اتارنا چاہیں تو نہ اتاریں اور اتارنے کے بعد تم کو اس سے منتفع ہونے کی دسترس نہ دیں مثلاً اس قدر گہرا کر دیں کہ تم نکالنے میں کامیاب نہ ہوسکو، یا خشک کر کے ہوا میں اڑا دیں، یا کھاری اور کڑوا کر دیں، تو ہم سب کچھ کر سکتے ہیں۔

ف۶ یعنی ان کی بہار دیکھ کر خوش ہوتے ہو اور بعض کو بطور تفکہ اور بعض کو بطور غذا استعمال کرتے ہو۔

ف۷ یعنی زیتون کا درخت جس میں سے روغن نکلتا ہے جو مالش وغیرہ کے کام آتا ہے اور بہت ملکوں کے لوگ سالن کی جگہ اس کا استعمال کرتے ہیں۔ اس درخت کا ذکر خصوصیت سے فرمایا کیونکہ اس کے فوائد کثیر ہیں اور خاص فضل و شرف رکھتا ہے۔ اسی لیے سورۂ "تین" میں اس کی قسم کھائی گئی۔ جبل طور کی طرف =

تُحْمَلُوْنَ ﴿٢٢﴾ ع

پھرتے ہو ف١

پھرتے ہو۔

ذکر مبدأ و معاد و دلائل توحید

قَالَ اللهُ تَعَالٰی: ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ... الى ... وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں اہل سعادت اور اہل فلاح کا ذکر تھا۔ اب آئندہ آیات میں ان کے مبدأ اور معاد کو بیان کرتے ہیں۔

ربط دیگر:...... کہ گزشتہ آیات میں مومنین مفلحین کے لیے جنت الفردوس کا وعدہ تھا تو منکرین حشر اس بات کو نہیں مانتے تھے اس لیے آئندہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی ابتدائی پیدائش کا حال ذکر فرمایا تاکہ اس کی کمال قدرت ثابت ہو اور قیامت کے لیے دلیل بنے اور انسان کو اپنا مبدأ اور معاد معلوم ہو جائے۔

ربط دیگر:...... کہ گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت اور بندگی کو فلاح اور کامیابی کا دار و مدار بتلایا۔ اب آئندہ آیات میں اپنی الوہیت اور وحدانیت کے دلائل بیان کرتے ہیں جس سے عابد کو اپنے معبود کی معرفت کاملہ حاصل ہو اس سلسلہ حق جل شانہ نے چار قسم کے دلائل ذکر فرمائے۔

(اول) انسان کی پیدائش کو اور مختلف اطوار اور ادوار سے اس کے گزرنے کو اور پھر مرنے کے بعد اس کے دوبارہ زندہ ہونے کو بیان فرمایا۔

(دوم) آسمانوں کی عجائب صنعت کو ذکر فرمایا کما قال اللہ تعالیٰ ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ﴾۔

(سوم) آسمان سے پانی نازل کرنا کما قال اللہ تعالیٰ ﴿وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ﴾

(چہارم) حیوانات مختلفۃ الاوضاع اور مختلف المنافع کا پیدا کرنا بیان کیا کما قال اللہ تعالیٰ ﴿وَاِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً﴾ الخ تاکہ ان دلائل سے حق تعالیٰ کی کمال قدرت خوب واضح ہو جائے اور یقین کرلے کہ خدا تعالیٰ کو دوبارہ

=نسبت کرنا بھی اس کی فضیلت و برکت ظاہر کرنے کے لیے ہے۔ وہاں اس کی پیداوار زیادہ ہوتی ہوگی۔

ف۸ نباتات کے بعد یہ حیوانات کا ذکر ہوا، یعنی جانوروں کا دودھ ہم اپنی قدرت سے تم کو پلاتے ہیں۔ اور بہت کچھ فائدے تمہارے لیے ان کی ذات میں رکھ دیے ہیں۔ حتیٰ کہ بعض جانوروں کا گوشت کھانا بھی حلال کر دیا۔

ف١ یعنی خشکی میں جانوروں کی پیٹھ پر اور دریا میں جہازوں اور کشتیوں پر سوار ہو کر کہیں سے کہیں نکل جاتے ہو اور بڑے بڑے وزنی سامان ان پر بار کرتے ہو۔ کشتی کی مناسبت سے آگے نوح علیہ السلام کا قصہ ذکر فرماتے ہیں کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے ان سے کشتی بنوائی جو طوفان عظیم کے وقت مومنین کی نجات کا ذریعہ بنی۔ پھر نوح علیہ السلام کی مناسبت سے بعض دوسرے انبیا کے واقعات بھی ذکر فرمادیئے۔ شاید یہاں ان قصص کے بیان میں یہ بھی اشارہ ہوگا کہ جس طرح اوپر کی آیات میں تمہاری جسمانی ضروریات کا انتظام مذکور تھا اسی طرح خداوند رحمان نے تمہاری روحانی حوائج و ضروریات کا سرانجام کرنے کے لیے ابتدائے دنیا سے وحی و رسالت کا سلسلہ بھی قائم فرمادیا۔ یا یوں کہو کہ اوپر قدرت کے نشانات بیان فرما کر توحید کی طرف متوجہ کرنا تھا۔ اس کی تکمیل کے لیے یہاں سے سلسلہ نبوت کا بیان شروع کر دیا۔ جس کے ضمن میں انبیا اور ان کے متبعین کی خوش انجامی اور مکذبین و معاندین کی بدانجامی بھی ذہن نشین کر دی گئی۔

زندہ کرنا کوئی مشکل نہیں چنانچہ فرماتے ہیں۔

قسم اول

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ... الی... ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ﴾

اور بیشک ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ سے پیدا کیا۔ پھر ہم نے اس کو نطفہ بنا کر ایک محفوظ قرارگاہ میں یعنی رحم میں رکھا پھر ہم نے نطفہ کو جما ہوا خون بنایا پھر اس جمے ہوئے خون کو گوشت کا لوتھڑا بنایا پھر اس گوشت کے ٹکڑے کو ہم نے ہڈیاں بنایا پھر ان ہڈیوں کو ہم نے گوشت کا لباس پہنایا پھر ہم نے اس میں روح پھونک کر اس کو ایک نئی صورت میں کھڑا کیا یعنی پھر ہم نے اس کو انسانی صورت وشکل عطا کی جس سے اس کی خلقت اور پیدائش ہی دوسری ہوگئی کہ روح پھونکنے سے وہ حرکت کرنے لگا اور سمجھنے لگا۔ جمادیت سے نباتیت میں داخل ہوا اور پھر نباتیت سے حیوانیت میں داخل ہوا اور پھر حیوانیت سے انسانیت میں داخل ہوا۔ ان عجیب وغریب تغیرات اور انقلابات میں ذرا غور کرو کہ دوسری حالت پہلی حالت سے بالکل مغایر ومباین ہے۔

اور پھر پیدائش کے بعد سے بڑھاپے تک جو تغیرات پیش آتے ہیں وہ سب تمہاری نظروں کے سامنے ہیں تو کیا یہ تغیرات خود بخود پیش آتے ہیں یا کسی بےشعور مادہ اور نیچر کا طبعی اقتضا ہے یا محض کوئی اتفاقی امر ہے یہ کچھ نہیں بلکہ صرف ایک علیم وقدیر کی کاریگری اور اس کی قدرت کاملہ کا کرشمہ ہے۔ پس بڑا ہی بزرگ ہے اللہ جو سب کاریگروں میں سب سے بہتر ہے کہ کسی صناع کی صنعت اور کاریگری اس کی صنعت اور کاریگری کو نہیں پہنچ سکتی۔ ع

کہ کرد است برآب صورت گری

اس آیت میں "خالقین" سے خالق حقیقی کے معنی مراد نہیں تاکہ یہ شبہ کیا جائے کہ خالق حقیقی متعدد ہوسکتے ہیں بلکہ خالق کے معنی صناع اور کاریگری کے ہیں۔

پھر اس پیدائش کے کچھ عرصہ بعد بلاشبہ تم مردہ ہوجاتے ہو اور تمہارا سارا حسن و جمال خاک میں مل جاتا ہے، مطلب یہ ہے کہ اس پیدائش کے بعد تمہارا انجام موت ہے، پھر تم قیامت کے دن حساب وکتاب کے لیے اسی مٹی سے زندہ کرکے اٹھائے جاؤ گے۔ پہلی پیدائش بھی تمہاری مٹی سے ہوئی تھی اور پھر دوسری پیدائش بھی اسی مٹی سے ہوگی، پس جو ذات اجزاء نطفہ کو انسان بنانے پر قادر ہے وہ اس اجزاء منتشرہ کو جمع کرکے اس میں دوبارہ جان ڈالنے پر بطریق اولیٰ قادر ہے۔ انسان کا مبدأ ہی اس کے معاد کی دلیل ہے جو فلاسفہ حشر اجساد کو ناممکن سمجھتے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے مبداء ہی کو نہیں سمجھے ہوئے ہیں جو ذات اجزاء نطفہ میں انسان ہونے کی استعداد اور صلاحیت پیدا کرنے پر قادر ہے وہ انسان کے اجزاء منتشرہ میں دوبارہ انسان ہونے کی استعداد اور صلاحیت پیدا کرنے پر کیوں قادر نہیں پس جب وہ ایک مشت خاک اور قطرہ منی سے ایک زندہ انسان اور متکلم انسان بنانے پر قادر ہے تو ایک زندہ اور متکلم ہستی کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ اور متکلم بنانا کیا مشکل ہے۔ لہٰذا جو ذات تمہاری موت اور حیات کی اور تمہارے وجود اور عدم کی مالک ہے وہی تمہارا خدا ہے جس طرح

اس نے تم کو پہلی مرتبہ پیدا کیا اسی طرح تم کو وہ دوبارہ مرنے کے بعد پیدا کرے گا۔ اور یقین رکھو کہ تم کیسے ہی توانا اور دانا اور فلسفی اور سائنسدان بن جاؤ مگر انجام تمہارا موت ہے اور سمجھ لو کہ اس جہان کی زندگی اس جہان کی زندگی کا نمونہ ہے، سفر در پیش ہے تیاری کر لو۔ فلسفہ اور سائنس موت سے نہیں بچا سکتا۔

قسم دوم

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ ۖ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ﴾

اور البتہ تحقیق ہم نے تمہارے اوپر راستوں والے سات طبق پیدا کیے یعنی سات آسمان پیدا کیے ایک طبقہ کے اوپر دوسرا طبقہ جس میں فرشتوں کی آمد ورفت کی راہیں ہیں اور وہ راہیں اس قدر بلند ہیں کہ نگاہیں ان کے ادراک سے قاصر ہیں اور چونکہ آسمان زمین سے پانسو میل کے راہ پر ہے اس لیے دوربین بھی وہاں کام نہیں دیتے اور کسی چیز کا دوربین وغیرہ سے نظر آنا یہ اس شئے کے معدوم ہونے کی دلیل نہیں ہوسکتا اور کسی چیز کا محض اس بنا پر انکار کر دینا کہ یہ چیز ہمارے دائرہ ادراک اور احساس سے خارج ہے۔ جہالت اور حماقت ہے۔

جن چیزوں کا انسان ادراک کر سکا وہ محدود اور قلیل مقدار میں ہیں اور جن چیزوں تک انسان کی رسائی نہیں ہوئی وہ غیر محدود اور غیر متناہی ہیں اور محدود تجربہ کی بنا پر غیر محدود چیزوں پر حکم لگانا یہ غیر محدود جہالت اور غیر متناہی حماقت کی دلیل ہے۔

اور ہم اپنی مخلوق سے غافل اور بے خبر نہیں آسمان اور زمین کا کوئی حال ہم سے پوشیدہ نہیں یہ تمام کائنات اس کے علم اور قدرت سے قائم اور محفوظ ہیں یہ سب ہماری مخلوق ہے ہم سے کیسے پوشیدہ رہ سکتی ہے۔

قسم سوم

﴿وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ ... الى ... وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ﴾

اور ہم نے ایک اندازہ کے ساتھ آسمان سے پانی اتارا پھر ہم نے اس کو زمین میں ٹھہرایا تاکہ وہ پانی تمہاری حیات اور زندگی کا سامان بنے اور جس طرح ہم اس پانی کے نازل کرنے پر قادر ہیں بلاشبہ اسی طرح ہم اس پانی کے لے جانے پر قادر ہیں کہ زمین کو خشک اور بنجر بنا دیں۔ اور تم پیاسے مرجاؤ پھر ہم نے اپنے اس نازل کردہ پانی سے تمہارے لیے کھجوروں اور انگوروں کے باغات پیدا کیے۔ تمہارے لیے ان باغات میں کھجوروں اور انگور اور بھی بہت سے میوے ہیں۔ جن سے تم لذت حاصل کرتے رہو، اور ان باغات میں سے کھاتے بھی ہو اور ہم نے اسی پانی سے تمہارے لیے زیتون کا درخت پیدا کیا جو طور سینا سے بکثرت اگتا ہے جو تیل کو اور کھانے والوں کے لیے سالن کو لے کر اگتا ہے۔ وہ زیتون کا درخت ہے جس سے روغن نکلتا ہے جو سینہ کے امراض کے لیے غایت درجہ مفید ہے اور کھانے والوں کے لیے وہ سالن کا کام دیتا ہے یہ بڑا مبارک درخت ہے جس کے منافع کثیر ہیں اس لیے خصوصیت سے اس کا ذکر فرمایا۔

قسم چہارم

قَالَ تَعَالٰى: ﴿وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ... الى ... وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ﴾

نباتات کے بعد حیوانات میں اپنی قدرت اور اپنی نعمت کا ذکر کرتے ہیں کہ تم ان کے گوشت اور پوست اور ان کے دودھ سے اور ان کی سواری سے نفع اٹھاتے ہو ان نعمتوں سے اپنے منعم حقیقی کو پہچانو۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اے لوگو! تحقیق ان چوپایوں میں تمہارے لیے بڑی عبرت اور نصیحت کا سامان ہے اگر تم ان میں غور و فکر کرو تو خدا کی قدرت کو اور اس کی نعمت کو سمجھ سکتے ہو ہم ان کے پیٹوں میں سے جو خالص دودھ نکالتے ہیں اس میں سے ہم تم کو پلاتے ہیں خدا کی عجیب قدرت ہے کہ وہ خدا فرث اور دم یعنی گوبر اور خون کے درمیان سے تمہارے لیے ایک نہایت خوش ذائقہ اور خوشگوار اور لذیذ غذا نکالتا ہے جس میں گوبر اور خون کی کوئی آمیزش نہیں ہوتی یعنی دودھ جو تمہاری غذا بھی ہے اور دوا بھی ہے اور کھانا بھی ہے اور پینا بھی ہے سوائے خدا تعالیٰ کے کون ایسا کر سکتا ہے۔ (اس مضمون کی زیادہ تفسیر سورۂ نحل میں گزر چکی ہے) اور اس کے علاوہ اور بھی تمہارے لیے ان چوپایوں میں بہت سے فوائد ہیں۔ ان کے گھی اور مکھن اور صوف اور اون وغیرہ تمہارے کام آتے ہیں اور یہ جانور تمہارے زراعت میں کام دیتے ہیں اور ان میں سے بعض جانوروں کو تم کھاتے ہو یعنی ان کا گوشت کھاتے ہو اور خشکی میں تم ان جانوروں پر سوار ہوتے ہو اور ان سے بار برداری کا کام لیتے ہو اور تری میں تم کشتیوں پر لدے لدے پھرتے ہو، اور ان پر سوار ہو کر ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ جاتے ہو، یہ سب اللہ کی نعمتیں ہیں اور اس کی قدرت کے کرشمے ہیں۔

اب آگے کشتی کی مناسبت سے نوح علیہ السلام کا قصہ ذکر فرماتے ہیں جن سے کشتی کی صنعت کا آغاز ہوا اور اس کے بعد دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے واقعات ذکر فرماتے ہیں جن میں یہ بات بتلاتے ہیں کہ انبیاء کرام ہمیشہ توحید کی دعوت دیتے رہے اور یہ بتلاتے ہیں کہ منکرین توحید اور مکذبین رسل کا کیا انجام ہوا لہٰذا ان کے واقعات سے عبرت پکڑو۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ اَفَلَا

اور ہم نے بھیجا نوح کو اس کی قوم کے پاس تو اس نے کہا اے قوم بندگی کرو اللہ کی تمہارا کوئی حاکم نہیں اس کے سوائے کیا تم

اور ہم نے بھیجا نوح کو اس کی قوم کے پاس، تو اس نے کہا: اے قوم بندگی کرو اللہ کی، تمہارا کوئی حاکم نہیں اس کے سوا، کیا تم کو

تَتَّقُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ یُرِیْدُ اَنْ

ڈرتے نہیں تب بولے سردار جو کافر تھے اس کی قوم میں یہ کیا ہے آدمی ہے جیسے تم ف۱ چاہتا ہے کہ

ڈر نہیں؟ تب بولے سردار جو منکر تھے، اس کی قوم کے، یہ کیا ہے، ایک آدمی ہے جیسے تم، چاہتا ہے کہ

یَّتَفَضَّلَ عَلَیْكُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً ۖۚ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِیْۤ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِیْنَ ﴿۲۴﴾

بڑائی کرے تم پر اور اگر اللہ چاہتا تو اتارتا فرشتے ف۲ ہم نے یہ نہیں سنا اپنے اگلے باپ دادوں میں ف۳

بڑائی کرے تم پر، اور اگر اللہ چاہتا تو اتارتا فرشتے۔ ہم نے یہ نہیں سنا اپنے اگلے باپ دادوں میں۔

ف۱ یعنی اس میں اور تم میں فرق کیا ہے جو یہ رسول بن جائے تم نہ بنو۔

ف۲ یعنی بڑا بن کر رہنا چاہتا ہے اس لیے یہ سب ڈھونگ بنایا ہے۔ ورنہ خدا کسی کو رسول بنا کر بھیجتا تو کیا یہی اس کام کے لیے رہ گیا تھا۔

ف۳ یعنی ہم نے ایسی عجیب بات کبھی نہیں سنی کہ ایک ہماری طرح کا معمولی آدمی خدا کا رسول بن جائے اور تمام دیوتاؤں کو ہٹا کر تنہا ایک خدا کی حکومت منوانے لگے۔

اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿٢٥﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿٢٦﴾

اور کچھ نہیں یہ ایک مرد ہے کہ اس کو سودا ہے سو راہ دیکھو اس کی ایک وقت تک ف۱ بولا اے رب تو مدد کر میری کہ انہوں نے مجھ کو جھٹلایا ف۲

اور کچھ نہیں یہ ایک مرد ہے کہ اس کو سودا ہے، سو راہ دیکھو اس کی ایک وقت تک۔ بولا اے رب! تو مدد کر میری کہ انہوں نے مجھ کو جھٹلایا۔

فَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ

پھر ہم نے حکم بھیجا اسکو کہ بناکشتی ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہمارے حکم سے پھر جب

پھر ہم نے حکم بھیجا اس کو کہ بنا کشتی ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہمارے حکم سے،

فَاسْلُكْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۚ

پہنچے ہمارا حکم اور ابلے تنور تو تو ڈال لے کشتی میں ہر چیز کا جوڑا دو دو اور اپنے گھر کے لوگ ف۳ مگر جس کی قسمت میں پہلے سے ٹھہر چکی ہے بات ف۴

پھر جب پہنچے ہمارا حکم اور ابلے تنور تو تو ڈال لے اس میں ہر چیز کا جوڑا دوہرا، اور اپنے گھر کے لوگ مگر جس کی قسمت میں آگے پڑ چکی بات

وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿٢٧﴾ فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ

اور مجھ سے بات نہ کر ان ظالموں کے واسطے بیشک ان کو ڈوبنا ہے۔ ف۵ پھر جب چڑھ چکے تو اور جو تیرے ساتھ ہے

اور نہ کہہ مجھ سے ان ظالموں کے واسطے، ان کو ڈوبنا ہے۔ اور پھر جب چڑھ چکے تو اور جو تیرے ساتھ ہے

عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ نَجّٰىنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٢٨﴾ وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِيْ

کشتی پر تو کہہ شکر اللہ کا جس نے چھڑایا ہم کو گناہ گار لوگوں سے ف۶ اور کہہ اے رب اتار مجھ کو

کشتی پر۔ تو کہہ، شکر اللہ کا جس نے چھڑایا ہم کو گنہگار لوگوں سے۔ اور کہہ اے رب! اتار مجھ کو

مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴿٢٩﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ وَّاِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِيْنَ ﴿٣٠﴾

برکت کا اتارنا اور تو ہے بہتر اتارنے والا ف۷ اس میں نشانیاں ہیں اور ہم ہیں جانچنے والے ف۸

برکت کا اتارنا، اور تو ہے بہتر اتارنے والا۔ اس میں نشانیاں ہیں اور ہم ہیں جانچنے والے۔

ف۱ معلوم ہوتا ہے کہ اس غریب کا دماغ چل گیا۔ بھلا ساری قوم کے خلاف اور اپنے باپ دادوں کے خلاف ایسی بات زبان سے نکالنا جو کوئی شخص باور نہ کر سکے کھلا جنون نہیں تو اور کیا ہوگا بہتر ہے چند روز صبر کرو اور انتظار کرو، شاید کچھ دنوں کے بعد اسے ہوش آ جائے اور جنون کے دورہ سے افاقہ ہو یا یوں ہی مر مرا کر قصہ ختم ہو جائے۔ (العیاذ باللہ)

ف۲ یعنی جب نوح کی ساری کوششیں بیکار ثابت ہوئیں، ساڑھے نو سو برس سختیاں جھیل کر بھی ان کو راہ راست پر لانے میں کامیاب نہ ہوئے تو خدا سے فریاد کی کہ اب ان اشقیا کے مقابلہ میں میری مدد فرمایئے۔ کیونکہ بظاہر یہ لوگ میری تکذیب سے باز آنے والے نہیں۔ اوروں کو بھی خراب کریں گے۔

ف۳ طوفان نوح۔ یہ قصہ پہلے سورۂ "ھود" وغیرہ میں گزر چکا ہے۔ وہاں ان الفاظ کی تفسیر ملاحظہ ہو۔

ف۴ یعنی کافروں کو، خواہ تیرے کنبہ کے ہوں سوار مت کر۔

ف۵ یعنی حکم قطعی عذاب کا ہو چکا۔ یہ فیصلہ اٹل ہے۔ ضرور ہو کر رہے گا۔ اب ظالموں میں سے کسی کو بچانے کے لیے ہم سے سعی سفارش نہ کرنا۔

ف۶ یعنی ہم کو ان سے علیحدہ کر کے عذاب سے مامون رکھ۔

=

قصۂ نوح علیہ السلام

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی : ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ ... الی ... وَاِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِيْنَ﴾

اور البتہ تحقیق ہم نے نوح علیہ السلام کو اس کی قوم کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا تو اس نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم ایک اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارے لئے کوئی معبود نہیں جو عبادت کا مستحق ہو اس لیے کہ وہی تمہارا خالق ہے کیا پس تم ڈرتے نہیں کہ اپنے خالق کے ساتھ دوسرے کو عبادت میں شریک کرتے ہو کہیں وہ خالق تم کو تباہ نہ کر دے۔ اس پر اس کی قوم کے سرداروں اور صاحب ثروت لوگوں نے عام لوگوں سے یہ کہا نہیں ہے یہ شخص جو تم کو توحید کی طرف بلاتا ہے مگر تم ہی جیسا ایک آدمی ہے پیغمبری کا دعوی کر کے تم پر اپنی فضیلت اور برتری حاصل کرنا چاہتا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ سردار بن کر تم کو اپنا تابع اور محکوم بنائے اور اگر اللہ تعالیٰ بندوں کو اپنا پیغام بھیجنا چاہتا تو فرشتوں کو اتار دیتا۔ علاوہ ازیں یہ انوکھی بات ہم نے اپنے باپ دادوں میں کبھی نہیں سنی کہ آدمی بھی مخلوق کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا جاتا ہے یہ تو کچھ بھی نہیں صرف ایک آدمی ہے جس کو جنون آ لگا ہے، ساری دنیا کے خلاف یہ کہتا ہے کہ معبود صرف ایک ہے سو ایک وقت تک انتظار کرو۔ یا تو مر جائے اور قصہ ختم ہو یا جنون سے ہوش میں آ جائے۔ نوح علیہ السلام نے جب دیکھا کہ ان کی دعوت اور نصیحت کارگر نہیں ہوئی اور اسی کشمکش میں نو سو سال گزر گئے تو ان کے ایمان سے مایوس ہو کر بارگاہ خداوندی میں عرض کیا اے میرے پروردگار میری مدد کیجئے اور میرا بدلہ لے لیجئے کہ انہوں نے مجھے جھٹلایا اور طرح طرح کی ایذائیں پہنچائیں یعنی ان کو غارت کر کہ میرے جھٹلانے کی سزا پائیں پس ہم نے ان کی دعا قبول کی اور ان پر وحی نازل کی کہ تم ہماری نگرانی میں اور ہمارے حکم کے مطابق کشتی بناؤ کہ اب عنقریب طوفان آنے والا ہے لہٰذا ایک کشتی تیار کر و تا کہ تم اور تمہارے متبعین اسی کشتی میں سوار ہو کر غرق سے نجات پائیں۔ پس جب ہمارا حکم عذاب کے متعلق آ پہنچے تو تنور جوش میں آ جائے، یعنی تنور میں سے پانی ابلنے لگے تو اس وقت اس کشتی میں ہر قسم کے حیوانات سے ایک جوڑا یعنی نر مادہ، دو عدد، بٹھلا لینا جس کی انسان کو ضرورت ہوتی ہے اور اپنے گھر والوں کو بھی سوار کر لو مگر ان گھر والوں میں سے جس کی بابت اس کے کفر کے باعث ڈوبنے کا حکم صادر ہو چکا ہے۔ اس کو سوار مت کرو۔ اشارہ نوح علیہ السلام کے بیٹے کنعان اور اس کی بیوی کی طرف ہے جو باوجود سمجھانے کے کفر پر قائم رہے اور یہ بھی سن لو کہ مجھ سے ان لوگوں کے بارہ میں کوئی بات نہ کرنا جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا یعنی کفر کیا ان کی نجات کے بارے میں کوئی حرف سفارش کا زبان پر نہ لانا تحقیق یہ لوگ ضرور غرق کیے جائیں گے۔ ان کافروں کے لیے نجات کی دعا نہ کرنا ممکن ہے کہ ان کی ہلاکت کو دیکھ کر بمقتضائے شفقت و رحمت آپ علیہ السلام ان کے لیے دعا مانگنے لگیں تو ایسا نہ کرنا یہ لوگ دریائے ضلالت میں تو پہلے ہی غرق ہو چکے ہیں اب وقت آ گیا کہ ان کو دریائے ہلاکت میں بھی غرق کر دیا جائے۔ پھر جب عذاب الٰہی کے ظہور کے وقت تو اور جو ایمان والے تیرے ساتھ ہیں۔ اطمینان کے ساتھ سب کشتی میں سوار ہو جائیں تو اللہ کا شکر بجا لانا اور یہ کہنا کہ شکر ہے اس خدا کا جس نے نجات دی ہم کو ظالم قوم سے کہ ان کے درمیان سے

ف۷ یعنی کشتی میں اچھی آرام کی جگہ دے اور کشتی سے جہاں اتارے جائیں وہاں بھی کوئی تکلیف نہ ہو۔ ہر طرح اور ہر جگہ تیری رحمت و برکت شامل حال رہے۔

ف۸ کہ کون ان نشانوں کو سن کر عبرت و نصیحت حاصل کرتا ہے کون نہیں کرتا۔ کما قال تعالیٰ ﴿وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَآ اٰيَةً فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾ (قمر، رکوع ۱)

ہم کو نکال لیا، کافروں کے درمیان میں رہنا ایک مصیبت ہے اور خدا کے دشمنوں سے علیحدہ ہو جانا اللہ کی عظیم نعمت ہے جس کا شکر واجب ہے۔

با محبان باش دائم ہمنشیں تا توانی روئے اعدا را مبیں

حضرت نوح علیہ السلام کے اصحاب واحباب طوفان آنے سے پہلے ہی باطنی طور پر ایمان اور اعتقاد صحیح کے کشتی پر سوار ہو چکے تھے اس لیے صرف اہل ایمان کو کشتی میں سوار کرنے کا حکم دیا گیا۔ اور اے نوح علیہ السلام یہ دعا تو ہم نے تم کو کشتی پر سوار ہونے کے وقت بتلائی تھی اور اب جب تم کشتی سے اترنے لگو تو یہ کہنا اے میرے پروردگار مجھے کشتی سے زمین پر اتار مبارک اتارنا، یعنی اترنا بھی برکت کے ساتھ ہو اور جس جگہ اتروں وہ بھی برکت والی ہو۔ نزول بھی بابرکت ہو اور منزل بھی بابرکت ہو اور اے پروردگار! تو تو سب سے بہتر اتارنے والا اور ٹھکانا دینے والا ہے، آپ کی مہمانی میں داخل ہونے کے بعد تو کوئی خطرہ ہی نہیں بیشک نوح علیہ السلام کے اس واقعہ میں اور اس معاملہ میں جو قوم نوح علیہ السلام کے ساتھ ہوا۔ عبرت کی بڑی نشانیاں ہیں اور ہم تو امتحان کرنے والے تھے، اس تمام ماجرے سے مقصود امتحان اور آزمائش تھا۔ سو دکھلا دیا کہ ایمان اور کفر کا کیا نتیجہ نکلتا ہے، ایمان نجات کی کشتی ہے اور کفر ہلاکت کا طوفان اور سیلاب ہے۔

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿۳۱﴾ فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ

پھر پیدا کی ہم نے ان سے پیچھے ایک جماعت اور ف۱ پھر بھیجا ہم نے ان میں ایک رسول ان میں کا ف۲ کہ بندگی کرو اللہ کی

پھر اٹھائی ہم نے ان سے پیچھے، ایک سنگت اور۔ پھر بھیجا ہم نے ان میں ایک رسول ان میں کا، کہ بندگی کرو اللہ کی،

مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا

کوئی نہیں تمہارا حاکم اس کے سوا پھر کیا تم ڈرتے نہیں اور بولے سردار اس کی قوم کے جو کافر تھے اور جھٹلاتے تھے

کوئی نہیں تمہارا حاکم اس کے سوا، پھر کیا تم کو ڈر نہیں۔ اور بولے سردار اس کی قوم کے، جو منکر تھے اور جھٹلاتے تھے

بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يَاْكُلُ مِمَّا

آخرت کی ملاقات کو اور آرام دیا تھا ان کو ہم نے دنیا کی زندگی میں ف۳ اور کچھ نہیں یہ ایک آدمی ہے جیسے تم، کھاتا ہے جس قسم سے

آخرت کی ملاقات کو۔ اور آرام دیا تھا ان کو ہم نے دنیا کے جیتے۔ اور کچھ نہیں یہ ایک آدمی ہے جیسے تم، کھاتا ہے جس قسم سے

تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ ۙ اِنَّكُمْ اِذًا

تم کھاتے ہو اور پیتا ہے جس قسم سے تم پیتے ہو ف۴ اور کہیں تم چلنے لگے کہنے پر ایک آدمی کے اپنے برابر کے تو تم بیشک

تم کھاتے ہو، اور پیتا ہے جس قسم سے تم پیتے ہو۔ اور کبھی تم چلے کہے پر ایک آدمی کے اپنے برابر کے تو تم بیشک

ف۱ یہ ذکر "عاد" کا ہے یا "ثمود" کا۔

ف۲ یعنی حضرت ہود یا حضرت صالح علیہما السلام۔

ف۳ یعنی اس کے معتقد نہ تھے کہ مرنے کے بعد ایک دن خدا سے ملنا ہے۔ بس دنیا کی زندگی اور اس کا عیش و آرام ہی ان کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ =

لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۳۴﴾ اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ﴿۳۵﴾

خراب ہوئے ف۱ کیا تم کو وعدہ دیتا ہے کہ جب تم مرجاؤ اور ہوجاؤ مٹی اور ہڈیاں تو تم کو نکلنا ہے

خراب ہوئے۔ کیا تم کو وعدہ دیتا ہے کہ جب تم مر گئے اور ہوگئے مٹی اور ہڈیاں، کہ تم کو نکالنا ہے۔

هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۶﴾ اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ

کہاں ہوسکتا ہے جو تم سے وعدہ ہوتا ہے ف۲ اور کچھ نہیں یہی جینا ہے ہمارا دنیا کا مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہم کو

کہاں ہوسکتا ہے، کہاں ہوسکتا ہے! جو تم کو وعدہ ملتا ہے؟ اور کچھ نہیں، یہی جینا ہے ہمارا دنیا کا، مرتے ہیں اور جیتے ہیں، اور ہم کو

بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿۳۷﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلُ ٱفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا وَّمَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۸﴾ قَالَ رَبِّ

پھر اٹھنا نہیں ف۳ اور کچھ نہیں یہ ایک مرد ہے باندھ لایا ہے اللہ پر جھوٹ ف۴ اور اس کو ہم نہیں ماننے والے بولا اے رب

پھر اٹھنا نہیں۔ اور کچھ نہیں یہ ایک مرد ہے۔ باندھ لایا اللہ پر جھوٹ، اور ہم اس کو نہیں ماننے والے۔ بولا اے رب!

انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۳۹﴾ قَالَ عَمَّا قَلِيْلٍ لَّيُصْبِحُنَّ نٰدِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ

میری مدد کر کہ انہوں نے مجھ کو جھٹلایا ف۵ اب تھوڑے دنوں میں صبح کو رہ جائیں گے پچھتانے ف۶ پھر پکڑا ان کو چنگھاڑ نے

میری مدد کر، انہوں نے مجھ کو جھٹلایا۔ فرمایا۔ اب تھوڑے دنوں میں صبح کو رہ جاویں گے پچھتاتے۔ پھر پکڑا ان کو چنگھاڑ نے،

بِالْحَقِّ فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَاۗءً ۚ فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۱﴾

تحقیق ف۷ پھر کر دیا ہم نے ان کو کوڑا ف۸ سو دور ہوجائیں گناہ گار لوگ ف۹

تحقیق پھر کر دیا ہم نے ان کو کوڑا۔ سو دور ہو جاویں گنہگار لوگ۔

=ف۴ یعنی بظاہر کوئی بات اس میں تم سے سوا نہیں۔

ف۱ یعنی اس سے بڑی خرابی اور ذلت کیا ہوگی کہ اپنے جیسے ایک معمولی آدمی کو خواہ مخواہ مخدوم و مطاع ٹھہرالیا جائے۔

ف۲ یعنی کس قدر بعید از عقل بات کہتا ہے کہ ہڈیوں کے ریزے مٹی کے ذرات میں مل جانے کے بعد پھر قبروں سے آدمی بن کر اٹھیں گے؟ ایسی مہمل بات ماننے کو کون تیار ہوگا۔

ف۳ یعنی کہاں کی آخرت، اور کہاں کا حساب کتاب۔ ہم تو جانیں یہ ہی ایک دنیا کا سلسلہ اور یہ ہی ایک مرنا اور جینا ہے جو سب کی آنکھوں کے سامنے ہوتا رہتا ہے۔ کوئی پیدا ہوا، کوئی فنا ہوگیا آگے کچھ نہیں۔

ف۴ کہ میں اس کا پیغمبر ہوں اور وہ مردوں کو دوبارہ زندہ کر کے عذاب و ثواب دے گا۔ یہ دونوں دعوے ایسے ہیں جن کو ہم کبھی تسلیم نہیں کر سکتے۔ خواہ مخواہ جھکونے اور دردسری کرنے سے کیا فائدہ؟

ف۵ یعنی آخر پیغمبر نے کفار کی طرف سے ناامید ہو کر دعا کی۔

ف۶ یعنی عذاب آیا چاہتا ہے جس کے بعد پچھتائیں گے، اور وہ پچھتانا نفع نہ دے گا۔

ف۷ اس سے بظاہر مترشح ہوتا ہے کہ یہ قصہ "ثمود" کا ہے کہ وہ چنگھاڑ سے مرے ہیں۔ واللہ اعلم۔

ف۸ جیسے سیلاب خس و خاشاک کو بہالے جاتا ہے، اس طرح عذاب الٰہی کے سیل میں بہے چلے گئے۔

ف۹ یعنی خدائی رحمت سے۔

قصہ قوم عاد یا قوم ثمود

قَالَ اللهُ تَعَالیٰ: ﴿ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِیْنَ ... الی ... فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ﴾

ربط:...... ان آیات میں بھی امم سابقہ قصہ بیان کرتے ہیں۔ مگر ان آیات میں اس بات کا ذکر نہیں کہ یہ کس نبی اور کس قوم کا ذکر ہے بعض کہتے ہیں کہ ہود علیہ السلام کا ذکر ہے اور بعض کہتے ہیں کہ قوم ثمود علیہ السلام کا ذکر ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ شعیب علیہ السلام کی قوم کا ذکر ہے۔ یہ قصے پہلے گزر چکے ہیں جن کے مطالب واضح ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں پھر ہم نے قوم نوح علیہ السلام کے بعد ابتلا اور آزمائش کے لیے دوسری قوم کو پیدا کیا۔ بعض کہتے ہیں کہ قوم عاد مراد ہے اور بعض کہتے ہیں کہ قوم ثمود مراد ہے پھر ہم نے ان میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا۔ ہود علیہ السلام مراد ہیں یا صالح علیہ السلام مراد ہیں۔ اور بدیں حکم بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا تمہارے لیے کوئی معبود نہیں پس کیا شرک کر کے تم کو ڈر نہیں کہ تم پر اللہ کا کوئی عذاب آ جاوے، یہ تو اللہ کے رسول نے ان کو ہدایت اور نصیحت کی اب آگے ان کی قوم کا جواب مذکور ہوتا ہے اور ان کی قوم کے سرداروں نے جنہوں نے کفر کیا تھا اور آخرت کی ملاقات یعنی حشر و نشر کو جھٹلایا تھا اور ہم نے ان کو دولت و ثروت دے کر دنیاوی زندگانی کے عیش و عشرت میں ایسا غرق کر دیا تھا کہ اترانے لگے تھے۔ تو ان متکبرین نے اپنے رسول کی بات سن کر یہ کہا کہ نہیں ہے یہ شخص مگر تم ہی جیسا ایک آدمی ہے جس چیز سے تم کھاتے ہو اسی سے یہ کھاتا ہے اور جس سے تم پیتے ہو اسی سے یہ پیتا ہے یہ شخص تم سے کس بات میں بڑھا ہوا ہے جو نبوت و رسالت کا دعویٰ کرتا ہے اور اگر تم اپنے جیسے آدمی کے مطیع اور فرمانبردار بن گئے تو ایسی حالت میں بلاشبہ تم بڑے گھاٹے میں رہو گے یہ ان کافروں کی حماقت تھی کہ آخر دنیا کے حاکم اور سردار بھی تو تمہاری ہی طرح کھاتے اور پیتے ہیں، پھر کیوں ان کی اطاعت کرتے ہو۔ اور اس سے بڑھ کر حماقت یہ کہ اپنے جیسے بشر کی اطاعت کو تو عیب جانا اور شجر اور حجر اور بت کی عبادت کو عیب نہ جانا جو اپنے سے مکھی کو بھی دفع نہیں کر سکتے۔ اپنے سے بدتر پتھروں کے بندے بننے میں تو عار نہ آئی اور بشر کو رسول ماننے سے عار آئی اور باجود آیات بینات کے دیکھنے کے دل ان کی اطاعت پر آمادہ نہ ہوا۔ یہ بات تو کافروں نے انبیاء کرام علیہم السلام کے متعلق کہی کہ اپنے جیسے معمولی آدمی کو اپنا مخدوم اور مطاع بنا لینا بڑی ذلت ہے، اب آگے قیامت کے متعلق اپنا خیال ظاہر کرتے ہیں کہ کیا یہ پیغمبر تم کو اس کا وعدہ دیتا ہے کہ جب تم مر جاؤ گے اور مٹی اور ہڈی ہو جاؤ گے تو تم حساب و کتاب کے لیے دوبارہ زندہ کر کے قبروں سے نکالے جاؤ گے بہت بعید ہے۔ بہت بعید ہے وہ بات جس کا تم کو وعدہ دیا جا رہا ہے قیامت کا قائم ہونا اور مردوں کا قبروں سے اٹھنا بعید از عقل و امکان ہے جس کا وقوع کبھی نہیں ہو سکتا۔ نہیں ہے کوئی زندگی مگر یہی ہماری دنیاوی زندگی قدیم سے اسی طرح سلسلہ جاری ہے کہ ہم مرتے ہیں اور زندہ ہوتے ہیں اور یہ سلسلہ ہمیشہ اسی طرح جاری رہے گا۔ اور ہم نہیں ہیں کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے قبروں سے اٹھائے جائیں یہ شخص تو کچھ بھی نہیں مگر ایک آدمی ہے جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے یعنی یہ کہتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور کہتا ہے کہ مرنے کے بعد آدمی دوبارہ زندہ ہوگا۔ یہ سب جھوٹ ہے اور ہم تو ہرگز اس بات کو ماننے والے نہیں اور ہمیں اس شخص کی خبر کا بالکل یقین نہیں۔ اس پر رسول نے کہا اے میرے پروردگار ان کی تکذیب اور عداوت کے مقابلہ میں میری مدد فرما۔ اللہ

تعالیٰ نے فرمایا۔ گھبراؤ نہیں۔ عنقریب یہ لوگ اپنے کفر اور تکذیب پر سخت نادم ہوں گے۔ ہم نے ان کو جو مہلت دی ہے وہ ذرا پوری ہو جائے۔ چنانچہ جب وہ مہلت پوری ہوگئی تو ایک کرخت آواز نے ان کو وعدہ برحق کے موافق پکڑ لیا کہ جبریل امین علیہ السلام نے ایک سخت آواز دی جس سے ان کے دل اور جگر پھٹ گئے پس ہم نے ان کو خس و خاشاک کی طرح ریزہ ریزہ کر دیا۔ پس پھٹکار ہو ظالموں پر۔ جس طرح سیلاب خس و خاشاک کو بہا لے جاتا ہے، اسی طرح عذاب الٰہی کا سیلاب ان کو بہا کر لے گیا اور اللہ کی رحمت سے دور ہو گئے۔

فائدہ:...... ﴿فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ﴾ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قصہ قوم ثمود کا ہے اس لیے کہ صیحہ یعنی کرخت آواز اور چنگھاڑ سے وہی لوگ ہلاک کیے گئے۔ (واللہ اعلم)

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿۴۲﴾ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ﴿۴۳﴾

پھر پیدا کیں ہم نے ان سے پیچھے جماعتیں اور نہ آگے جائے کوئی قوم اپنے وعدہ سے اور نہ پیچھے رہے ف۱

پھر اٹھائیں ہم نے ان سے پیچھے سنگتیں۔ اور نہ پہلے جاوے کوئی قوم اپنے وعدہ سے، نہ پیچھے رہیں۔

ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ؕ كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا

پھر بھیجتے رہے ہم اپنے رسول لگا تار جہاں پہنچا کسی امت کے پاس ان کا رسول اس کو جھٹلا دیا پھر چلاتے گئے ہم ایک کے پیچھے دوسرے

پھر بھیجتے رہے ہم اپنے رسول لگا تار، جہاں پہنچا کسی امت پاس ان کا رسول، اس کو جھٹلا دیا۔ پھر چلاتے گئے ہم ایک کے پیچھے دوسری۔

وَّجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ ۚ فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۴﴾

اور کر ڈالا ان کو کہانیاں ف۲ سو دور ہو جائیں جو لوگ نہیں مانتے ف۳

اور کر ڈالا ان کو کہانیاں، سو دور ہو جاویں جو لوگ نہیں مانتے۔

قصۂ بعض دیگر امم سابقہ بطریق اجمال

قَالَ اللهُ تَعَالٰی: ﴿ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِيْنَ... الی... فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ﴾

ربط:...... ان آیات میں اجمالاً حضرت صالح اور حضرت لوط اور حضرت شعیب اور حضرت یونس اور حضرت ایوب علیہم السلام کے قصوں کی طرف اشارہ ہے چنانچہ ان سب کا قصہ اسی ترتیب کے ساتھ سورۂ اعراف میں گزر چکا ہے۔ پھر قوم عاد یا ثمود کے ہلاک ہونے کے بعد ہم نے دوسری امتیں پیدا کیں انہوں نے بھی رسولوں کی تکذیب کی اور مدت مقررہ پر ہلاک ہوئی۔

ف۱ یعنی ہر ایک قوم جس نے پیغمبروں کی تکذیب کی ٹھیک اپنے اپنے وعدہ پر ہلاک کی جاتی رہی، جو میعاد کسی قوم کی تھی ایک منٹ اس سے آگے پیچھے نہ ہوئی۔

ف۲ یعنی رسولوں کا تانتا باندھ دیا یکے بعد دیگرے پیغمبر بھیجتے رہے اور مکذبین میں بھی ایک کو دوسرے کے پیچھے چلتا کرتے رہے۔ ادھر پیغمبروں کی بعثت کا لو ادھر ہلاک ہونے والوں کا نمبر لگا دیا۔ چنانچہ بہت قومیں ایسی تباہ و برباد کی گئیں جن کے قصے کہانیوں کے سوا کوئی چیز باقی نہیں رہی۔ آج ان کی داستانیں محض عبرت کے لیے پڑھی اور سنی جاتی ہیں۔

ف۳ یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے۔

کوئی امت اپنی میعاد ہلاکت سے نہ آگے جاسکتی ہے اور نہ اس سے پیچھے رہ سکتی ہے بلکہ ٹھیک اس وقت ہلاک ہوئے جو خدا نے ان کے لیے مقرر کر دیا تھا پھر ان کے بعد ہم نے پے در پے اپنے رسول بھیجے جب کبھی کسی امت کے پاس اس کا رسول آیا تو انہوں نے اس کو جھٹلایا تو ہم نے بھی ان کو ہلاکت میں ایک دوسرے کے پیچھے لگا دیا۔ یعنی تباہی اور بربادی میں ان کا تانتا باندھ دیا اور ہلاک ہونے والوں کا نمبر لگایا اور ان کی پچھلی امتوں کے لیے قصہ اور افسانہ بنا دیا وہ تو ختم ہوئے اور ان کی داستانیں عبرت کے لیے باقی رہ گئیں پس لعنت اور پھٹکار ہوا یسی قوم پر جو ایمان نہیں لائی، جو ایمان لایا وہ اللہ کی رحمت سے قریب ہوا۔ اور جس نے کفر کیا وہ اللہ کی رحمت سے دور ہوا۔

ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَاَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۵﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ

پھر بھیجا ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی ہارون کو اپنی نشانیاں دے کر اور کھلی سند فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس،

پھر بھیجا ہم نے موسیٰ اور اس کا بھائی ہارون، اپنی نشانیاں دے کر اور کھلی سند۔ فرعون اور اس کے سرداروں پاس،

فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ ﴿۴۶﴾ فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا

پھر لگے بڑائی کرنے اور وہ لوگ زور پر چڑھ رہے تھے ف۱ سو بولے کیا ہم مانیں گے اپنے برابر کے دو آدمیوں کو اور ان کی قوم

پھر بڑائی کرنے لگے اور تھے وہ لوگ چڑھ رہے۔ سو وہ بولے کیا ہم مانیں گے ایک دو آدمیوں کو ہمارے برابر کے، اور ان کی قوم کرتی ہیں

عٰبِدُوْنَ ﴿۴۷﴾ فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ ﴿۴۸﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ

ہمارے تابعدار ہیں ف۲ پھر جھٹلایا ان دونوں کو پھر ہو گئے غارت ہونے والوں میں اور ہم نے دی موسیٰ کو کتاب تاکہ وہ

ہماری بندگی ؟ پھر جھٹلایا ان دونوں کو، پھر ہوئے کھپنے والوں میں۔ اور ہم نے دی موسیٰ کو کتاب شاید وہ

يَهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾

راہ پائیں ف۳

راہ پاویں۔

قصہ موسیٰ و ہارون علیہما الصلوٰۃ والسلام

قَالَ اللهُ تَعَالٰى: ﴿ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَاَخَاهُ هٰرُوْنَ... الى... لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ﴾

ربط:...... ان آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حال اور فرعون اور اس کی قوم کی تکذیب اور ان کا غارت ہونا بیان کیا، چنانچہ فرماتے ہیں پھر ان کے بعد ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی ہارون کو اپنی نشانیاں اور کھلا غلبہ دے کر فرعون اور اس کے ملک کے سرداروں کی طرف بھیجا تو انہوں نے ایمان لانے سے تکبر کیا اور وہ بڑے سرکش لوگ تھے حق کے سامنے جھکنے پر تیار نہ

ف۱ اس لیے خدائی پیغام کو خاطر میں نہ لائے۔ کبر وغرور کے نشہ نے ان کے دماغوں کو بالکل مختل کر رکھا تھا۔

ف۲ یعنی موسیٰ و ہارون کی قوم (بنی اسرائیل) تو ہماری غلامی کر رہی ہے ان میں کے دو آدمیوں کو ہم اپنا سردار کس طرح بنا سکتے ہیں۔

ف۳ یعنی فرعونیوں کی ہلاکت کے بعد ہم نے ان کو تورات شریف مرحمت کی تاکہ لوگ اس پر چل کر جنت اور رضائے الٰہی کی منزل تک پہنچ سکیں۔

ہوئے تو بولے۔ تو کیا ہم نے اپنے جیسے دو آدمیوں پر ایمان لے آئیں حالانکہ ان کی کل قوم ہماری غلام اور تابعدار رہی ہے۔ ہمیں کیا ضرورت ہے کہ ان کے تابعدار بنیں پس فرعون اور اس کی قوم نے موسیٰ اور ہارون دونوں کی تکذیب کی پس ہو گئے وہ غارت شدہ لوگوں میں سے۔ اس تکذیب کہ وجہ سے بحر قلزم میں غرق کر دیئے گئے اور ان کے ہلاک ہونے کے بعد ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب یعنی توراۃ عطا کی تاکہ بنی اسرائیل ہدایت پاویں اور احکام شریعت پر عمل کر کے خدا تعالیٰ تک پہنچیں۔

وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ آيَةً وَآوَيْنَاهُمَا إِلَى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَمَعِينٍ ﴿۵۰﴾ ع ۳

اور بنایا ہم نے مریم کے بیٹے اور اس کی ماں کو ایک نشانی ف ۱ اور ان کو ٹھکانا دیا ایک ٹیلہ پر جہاں ٹھہرنے کا موقع تھا اور پانی نتھرا ف ۲

اور بنایا ہم نے مریم کا بیٹا۔ اور اس کی ماں ایک نشانی، اور ان کو ٹھکانا دیا ایک ٹیلے پر جہاں ٹھہراؤ تھا اور پانی نتھرا۔

قصہ مریم وعیسیٰ علیہما السلام

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ آيَةً وَآوَيْنَاهُمَا إِلَى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَمَعِينٍ﴾

ربط:...... اس آیت میں حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کی والدہ مریم صدیقہ علیہا السلام کا نہایت اختصار کے ساتھ حال بیان کیا کہ خدا تعالیٰ نے ان کو اپنی قدرت کی نشانی بنایا اور بغیر باپ کے ان کو پیدا کیا چنانچہ فرماتے ہیں اور ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ کو اور ان کی ماں مریم علیہا السلام کو اپنی قدرت کی نشانی بنایا کہ مریم علیہا السلام کے بغیر شوہر بچہ جننے سے اور عیسیٰ علیہ السلام کے بغیر باپ کے پیدا ہونے سے خدا تعالیٰ کی قدرت عیاں ہے اور ہم نے ان دونوں کو ایک بلند اور اونچی زمین پر ٹھکانہ دیا جو ٹھہرنے کے قابل تھی اور چشموں والی تھی یعنی سرسبز وشاداب تھی جہاں پانی کے چشمے جاری تھے۔ یہ مقام شام یا فلسطین میں واقع ہے

ف ۱ یعنی قدرت الٰہیہ کی نشانی ہے کہ تنہا ماں سے بن باپ کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا کر دیا۔ جیسا کہ "آل عمران" اور سورۂ "مریم" میں اس کی تقریر کی جا چکی۔

ف ۲ شاید یہ وہ ہی ٹیلہ یا اونچی زمین ہو جہاں وضع حمل کے وقت حضرت مریم تشریف رکھتی تھیں۔ چنانچہ سورۂ مریم کی آیات ﴿فَنَادَاهَا مِن تَحْتِهَا أَلَّا تَحْزَنِي قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا وَهُزِّي إِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسَاقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا﴾ دلالت کرتی ہیں کہ وہ جگہ بلند تھی۔ نیچے چشمہ یا نہر بہہ رہی تھی۔ اور کھجور کا درخت نزدیک تھا۔ (کذا فسرہ ابن کثیر رحمہ اللہ) لیکن عموماً مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ حضرت مسیح کے بچپن کا واقعہ ہے۔ ایک ظالم بادشاہ ہیرودس نامی نجومیوں سے سن کر کہ حضرت عیسیٰ کو سرداری ملے گی، لڑکپن ہی میں ان کا دشمن ہو گیا تھا اور قتل کے درپے تھا۔ حضرت مریم الہام ربانی سے ان کو لے کر مصر چلی گئیں اور اس ظالم کے مرنے کے بعد پھر شام واپس چلی آئیں۔ چنانچہ "انجیل متی" میں بھی یہ واقعہ مذکور ہے اور مصر کا اونچا ہونا باعتبار رود نیل کے ہے ورنہ غرق ہو جاتا اور "ماء معین" رود نیل ہے بعض نے "ربوہ" (اونچی جگہ) سے مراد شام یا فلسطین لیا ہے۔ اور کچھ بعید نہیں کہ جس ٹیلہ پر ولادت کے وقت موجود تھیں وہیں اس خطرہ کے وقت بھی پناہ دی گئی ہو۔ واللہ اعلم۔ بہرحال اہل اسلام میں کسی نے "ربوہ" سے مراد کشمیر نہیں لیا۔ نہ حضرت مسیح علیہ السلام کی قبر کشمیر میں بتلائی۔ البتہ ہمارے زمانہ کے بعض زائغین نے "ربوہ" سے کشمیر مراد لیا ہے اور وہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر بتلائی ہے۔ جس کا کوئی ثبوت تاریخی حیثیت سے نہیں۔ محض کذب و دروغبافی ہے۔ محلہ "خان یار" شہر سری نگر میں جو قبر "یوز آسف" کے نام سے مشہور ہے اور جس کی بابت "تاریخ اعظمی" کے مصنف نے محض عام افواہ نقل کی ہے کہ "لوگ اس کو کسی نبی کی قبر بتاتے ہیں وہ کوئی شہزادہ تھا اور دوسرے ملک سے یہاں آیا" اس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر بتلانا پرلے درجہ کی بے حیائی اور سفاہت ہے۔ ایسی اٹکل پچوں قیاس آرائیوں سے حضرت مسیح علیہ السلام کی حیات کو باطل ٹھہرانا بجز خبط اور جنون کے کچھ نہیں۔ اگر اس قبر کی تحقیق مطلوب ہو اور یہ کہ "یوز آسف" کون تھا تو جناب منشی حبیب اللہ صاحب امرتسری کا رسالہ دیکھو جو خاص اس موضوع پر نہایت تحقیق و تدقیق سے لکھا گیا ہے۔ اور جس میں اس مہمل طیاں کی دھجیاں بکھیر دی گئی ہیں۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ عنا وعن سائر المسلمین احسن الجزاء۔

غالباً اس سے وہ ٹیلہ مراد ہے جہاں یا جس کے قریب حضرت مریم علیہا السلام کی ولادت ہوئی تھی اور آپ نے اس پر پناہ لی تھی۔ قادیان کے دھقان اول تو یہ کہتے ہیں کہ ربوہ سے کشمیر مراد ہے اور اب ان لوگوں نے اپنی ایک خاص آبادی کا نام ہی ربوہ رکھ لیا ہے جو کھلی ڈھٹائی اور بے حیائی ہے، اب اگر کوئی دیوانہ دو مسجدیں بنائے اور ایک کا نام مسجد حرام اور دوسری کا نام مسجد اقصیٰ رکھے تو بلاشبہ مجنون اور دیوانہ ہے اور جو اس کو مانے وہ اس سے بڑھ کر خبطی اور دیوانہ ہے۔ ایبٹ آباد اور کوہ مری میں سرسبز ٹیلوں کی کیا کمی ہے۔ ممکن ہے کہ وہاں بھی کوئی اس قسم کا خبطی پیدا ہو جائے اور دعویٰ کرنے لگے کہ میں بھی مسیح موعود ہوں اور یہ میرا ربوہ ہے۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلرُّسُلُ كُلُوا۟ مِنَ ٱلطَّيِّبَٰتِ وَٱعْمَلُوا۟ صَٰلِحًا ۖ إِنِّى بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴿٥١﴾ وَإِنَّ

اے رسولو کھاؤ ستھری چیزیں اور کام کرو بھلا ف۱ جو تم کرتے ہو میں جانتا ہوں ف۲ اور یہ

اے رسولو! کھاؤ ستھری چیزیں اور کام کرو بھلا، جو کرتے ہو میں جانتا ہوں۔ اور یہ

هَٰذِهِۦٓ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَٰحِدَةً وَأَنَا۠ رَبُّكُمْ فَٱتَّقُونِ ﴿٥٢﴾ فَتَقَطَّعُوٓا۟ أَمْرَهُم بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۖ كُلُّ

لوگ ہیں تمہارے دین کے سب ایک دین پر اور میں ہوں تمہارا رب سو مجھ سے ڈرتے رہو پھر پھوٹ ڈال کر کر لیا اپنا کام آپس میں ٹکڑے ٹکڑے ف۳ ہر

لوگ ہیں تمہارے دین کے، سب ایک دین پر، اور میں ہوں تمہارا رب، سو مجھ سے ڈرتے رہو۔ پھر پھوٹ کر کر لیا اپنا کام آپس میں ٹکڑے ٹکڑے۔ ہر

حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ﴿٥٣﴾ فَذَرْهُمْ فِى غَمْرَتِهِمْ حَتَّىٰ حِينٍ ﴿٥٤﴾ أَيَحْسَبُونَ أَنَّمَا

فرقہ جو ان کے پاس ہے اس پر ریجھ رہے ہیں ف۴ سو چھوڑ دے ان کو ان کی بیہوشی میں ڈوبے ایک وقت تک ف۵ کیا وہ خیال کرتے ہیں کہ یہ

فرقہ جو ان کے پاس ہے اس پر ریجھ رہے ہیں۔ سو چھوڑ دے ان کو اپنی بیہوشی میں ڈوبے ایک وقت تک۔ کیا خیال رکھتے ہیں کہ یہ

ف۱ یعنی سب پیغمبروں کے دین میں یہ ہی ایک حکم رہا کہ حلال کھانا حلال راہ سے کما کر۔ اور نیک کام کرنا۔ نیک کام سب خلق جانتی ہے۔ چنانچہ تمام پیغمبر نہایت مضبوطی اور استقامت کے ساتھ اکل حلال، صدق مقال اور نیک اعمال پر مواظبت اور اپنی امتوں کو اسی کی تاکید کرتے رہے۔ قرآن کریم میں دوسری جگہ اسی طرح کا حکم جو یہاں رسولوں کو ہوا، عامہ مومنین کو دیا گیا ہے۔ اس میں نصاریٰ کی رہبانیت کا بھی رد ہو گیا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذکر سے خاص مناسبت رکھتا ہے۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس کا کھانا پینا، حرام کا ہو، اسے اپنی دعا کے قبول ہونے کی توقع نہیں رکھنا چاہیے۔ اور بعض احادیث میں ہے کہ جو گوشت حرام سے اگا ہو، دوزخ کی آگ اس کی زیادہ حق دار ہے۔ العیاذ باللہ۔

ف۲ یعنی حلال کھانے اور نیک کام کرنے والوں کو یہ خیال رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ان کے تمام کھلے چھپے احوال و افعال سے باخبر ہے۔ اسی کے موافق ہر ایک سے معاملہ کرے گا۔ یہ رسولوں کو خطاب کر کے امتوں کو سنایا۔

ف۳ یعنی اصول کے اعتبار سے تمام انبیاء کا دین وملت ایک اور سب کا خدا بھی ایک ہے جس کی نافرمانی سے ہمیشہ ڈرتے رہنا چاہیے۔ لیکن لوگوں نے پھوٹ ڈال کر اصل دین کو پارہ پارہ کر دیا اور جدی جدی راہیں نکال لیں۔ اس طرح آراء و اہوا کا اتباع کر کے سینکڑوں فرقے اور مذہب بن گئے۔ یہ تفریق انبیاء نے نہیں سکھلائی۔ ان کے یہاں ازمنہ و امکنہ وغیرہ کے اختلاف سے صرف فروعی اختلاف تھا۔ اصول دین میں سب بالکلیہ متفق رہے ہیں۔ عموماً مفسرین نے آیت کی تقریر اسی طرح کی ہے۔ لیکن حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ "ہر پیغمبر کے ہاتھ اللہ تعالیٰ نے جو اس وقت کے لوگوں میں بگاڑ تھا، اس کا سنوار فرمایا۔ پیچھے لوگوں نے جانا ان کا حکم جدا جدا ہے۔ آخر ہمارے پیغمبر کی معرفت سب بگاڑ کا سنوار (اور سب خرابیوں کا علاج) اکٹھا بتا دیا اب سب دین مل کر ایک دین ہو گیا۔" اور سب قومیں ایک جھنڈے تلے جمع کر دی گئیں۔

ف۴ یعنی سمجھتے ہیں کہ ہم ہی حق پر ہیں اور ہماری ہی راہ صحیح ہے۔

نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ﴿۵۵﴾ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۶﴾

جو ہم ان کو دیے جاتے ہیں مال اور اولاد سو دوڑ دوڑ کر پہنچا رہے ہیں ہم ان کو بھلائیاں ف۱ یہ بات نہیں وہ سمجھتے نہیں ف۲

جو ہم ان کو دیئے جاتے ہیں مال اور اولاد، دوڑ دوڑ ملاتے ہیں ان کو بھلائیاں ؟ کوئی نہیں ان کو بوجھ نہیں۔

اتحادرسل در بارۂ حکم توحید وتقویٰ واکل حلال ومحاسن اعمال وتحذیر وتخویف ازمخالفت پیغمبران وذم متکبرین وہواپرستاں

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿يٰۤاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ... الى... بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ﴾

ربط:......گزشتہ رکوعات میں انبیاورسل کے واقعات بیان کئے جن میں یہ بیان تھا کہ تمام انبیاء ورسل توحید وتقویٰ اور ایک خدائے برحق کی عبادت کے داعی تھے، اب ان آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ توحید اور تقویٰ اور اکل حلال اور نیک اعمال کی دعوت بھی تمام انبیا کا دین ہے اور یہی تمام پیغمبروں کی راہ ہے اور سب رسولوں نے اس کی تعلیم دی لیکن متکبرین اور ہوا پرستوں نے نفسانی خواہشوں کی بنا پر پیغمبروں کی مخالفت کی اور دین کو پارہ پارہ کیا اور ہر ایک نے اپنا دین جدا جدا بنالیا اور جس فرقہ نے جو طریقہ نکال لیا وہ اس پر ریجھ رہا ہے خوب سمجھ لو کہ ہر زمانہ میں اللہ نے ہر رسول کو یہی حکم دیا ہے مگر ان کی امتوں نے اس میں اختلاف کیا اور مال و دولت کے نشہ میں اپنے تراشیدہ خیالات اور نفسانی خواہشوں کے پیرو بن گئے اور نئے نئے مذاہب نکال لیے۔ انبیاء کرام ﷺ میں اختلاف نہیں البتہ تمہاری نفسانی خواہشیں مختلف ہیں اور یہی خرابی کا باعث ہیں۔ ان لوگوں نے انبیاء کرام ﷺ کی پیروی کو تو برا سمجھا اور اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی ان کو لذیذ معلوم ہوئی اس لیے مختلف فرقے بن گئے اور ہر فرقہ اپنے زعم پر نازاں اور فرحاں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں بتلادیا کہ لوگوں کو چاہئے کہ حق کا اتباع کریں اور اپنی نفسانی خواہش کا اتباع نہ کریں، بالفرض اگر حق لوگوں کی نفسانی خواہشوں کے تابع ہوجائے تو آسمان وزمین تباہ ہوجائیں۔ لہٰذا لوگوں کو چاہئے کہ جس چیز پر تمام انبیا متفق رہے اس کو مضبوطی کے ساتھ پکڑیں اور اس پر عمل کریں اور جن لوگوں نے نفسانی خواہشوں کا اتباع کیا ان کے طریقہ پر نہ چلیں اس لیے ان آیات میں حق سے اختلاف کرنے والوں کی مذمت کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ ہم نے ہر زمانہ میں پیغمبروں کو یہ حکم دیا کہ اے رسولو! تم پاکیزہ چیزیں کھایا کرو اور کہا کہ اللہ کا شکر کیا کرو اور شریعت کے مطابق نیک

= ف۵ یعنی جن لوگوں نے انبیا کی متفقہ ہدایات میں رخنے ڈال کر الگ الگ فرقے اور ملتیں قائم کردیں ہر فرقہ اپنے ہی عقائد وخیالات پر دل جمائے بیٹھا ہے۔ کسی طرح اس سے ہٹنا نہیں چاہتا، خواہ آپ کتنی ہی نصیحت فرمائیں تو آپ بھی ان کے غم میں زیادہ نہ پڑیے بلکہ تھوڑی سی مہلت دیجئے کہ یہ اپنی غفلت وجہالت کے نشہ میں ڈوبے رہیں۔ یہاں تک کہ وہ گھڑی آپہنچے جب ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں۔ یعنی موت یا عذاب الٰہی ان کے سروں پر منڈلانے لگے۔

ف۱ یہ ہی خیال ان کا تھا۔ چنانچہ کہتے تھے ﴿نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۙ وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ﴾ (سبا، رکوع ۴) یعنی ہم اگر خدا کے ہاں مردود ومبغوض ہوتے تو یہ مال و دولت اور اولاد وغیرہ کی بہتات کیوں ہوتی۔

ف۲ یعنی سمجھتے نہیں کہ مال واولاد کی یہ افراط ان کی فضیلت وکرامت کی وجہ سے نہیں امہال واستدراج کی بنا پر ہے۔ جتنی ڈھیل دی جارہی ہے اسی قدر ان کی شقاوت کا پیمانہ لبریز ہو رہا ہے۔ ﴿سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ وَاُمْلِيْ لَهُمْ ۭ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ﴾ (اعراف، رکوع ۲۳)

کام کیا کرو۔ بیشک میں تمہارے اعمال سے پورا باخبر ہوں یعنی اللہ نے ہر زمانہ میں اپنے رسولوں کو یہ حکم دیا کہ جو چیزیں اللہ کے نزدیک پاکیزہ یعنی حلال ہیں وہ کھاؤ اور حرام سے بچو اور نیک عمل کرو۔ اکل طیبات کے حکم میں اشارہ اس طرف ہے کہ دین اسلام میں رہبانیت نہیں اور نصاریٰ کی طرف تعریض ہے کہ وہ ترک لذائذ وطیبات کو قرب الٰہی کا ذریعہ سمجھتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اس پر رد فرمایا اور قرب الٰہی کا دارومدار توحید اور تقویٰ اور اکل حلال اور حسن اعمال پر ہے اور ان باتوں پر تمام انبیا کا اتفاق ہے نیز اس حکم میں اشارہ اس طرف بھی ہے کہ کھانا اور پینا نبوت کے منافی نہیں۔ کفار یہ کہتے تھے کہ پیغمبر ہماری طرح کھاتے اور پیتے ہیں ان کو ہم پر کیا فضیلت ہے کہ جو ہم ان کی اطاعت کریں جیسا کہ نوح علیہ السلام کے قصہ میں گزرا۔ ﴿فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ﴾ اس لیے بتا دیا کہ فضیلت کا دارومدار توحید اور اعمال صالح پر ہے اور اکل حلال اعمال میں مد اور معاون ہے اور کھانا پینا لوازم بشریت میں سے ہے نبوت کے منافی نہیں۔

اور اے رسولو! تحقیق یہ ہے کہ تمہاری ملت ایک ملت ہے ہے یعنی ہر ملت میں توحید اور تقویٰ اور اکل حلال اور نیک اعمال کا حکم ہے تم سب کا دین ایک ہے اگرچہ شریعتیں مختلف ہیں۔

یا یہ معنی ہیں کہ اے گروہ انبیاء تم سب ایک جماعت ہو۔ ایمان اور توحید اور تقویٰ اور اکل حلال اور صدق مقال اور نیک افعال پر تم سب متفق ہو۔ لفظ امت جس طرح جماعت پر بولا جاتا ہے اسی طرح جماعت کے دین اور ملت پر بھی بولا جاتا ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ ﴿اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ﴾ (ای علیٰ دین وملة) لہٰذا اس آیت میں لفظ امت سے ملت کے معنی مراد لینا بھی صحیح ہے اور جماعت مراد لینا بھی صحیح ہے۔ اور میں ہی تنہا تمہارا رب ہوں سو مجھ سے ہی ڈرو اور میرے سوا کسی طرف نظر نہ کرو پس لوگوں کو چاہئے تھا کہ سب اسی ایک دین اور ایک ملت پر متفق ہو جاتے لیکن لوگ دین کے بارے میں مختلف اور متفرق ہو گئے اور آپس میں ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ اور خوب اختلاف کیا اور ہر ایک نے اپنا دین الگ الگ بنا لیا اور ہر فرقہ اور گروہ اس دین پر خوش ہے جو اس کے پاس ہے، ہر فرقہ یہ سمجھتا ہے کہ ہم حق پر ہیں اور اس پر خوش اور نازاں ہے حالانکہ از اول تا آخر سب غلط ہے۔ اور گمراہی ہے پس اے نبی آپ ﷺ کو ان جاہلوں سے جھگڑنے کی ضرورت نہیں آپ ان کو ایک زمانہ تک ان کی غفلت اور جہالت میں چھوڑ دیجئے وقت آنے پر ان کو اپنی جہالت کی حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ خدا تعالیٰ کی ڈھیل کی وجہ سے دھوکہ میں مبتلا ہیں کیا ان منکرین کا یہ گمان ہے کہ ہم ان کو جو کچھ مال اور اولاد سے مدد دیتے چلے جا رہے ہیں تو کیا ہم ان کے لیے بھلائیوں کو پہنچانے میں جلدی کر رہے ہیں اور طرح طرح سے ان کو نفع پہنچا رہے ہیں۔ یہ بات نہیں بلکہ وہ سمجھتے نہیں کہ بات کیا ہے۔

یہ لوگ مال و اولاد کی کثرت کو اپنی فضیلت کی دلیل سمجھے ہوئے ہیں۔ بات یہ نہیں بلکہ وہ در حقیقت استدراج ہے خدا کی طرف سے ڈھیل دی جا رہی ہے تا کہ ناؤ پوری بھر کر ڈوبے مگر کافر اس بات کو سمجھتے نہیں۔ حق تعالیٰ نے کافروں کو خوب کھانے پینے کو دیا۔ کھا پی کر مست ہو گئے اور سمجھے کہ ہم اللہ کے چہیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا ﴿بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ﴾ یعنی یہ لوگ اللہ کے چہیتے نہیں بلکہ خدا کے نزدیک مثل بہائم کے ہیں، سمجھتے نہیں کہ ہم کو یہ چارہ اور گھانس دانہ

کیوں خوب دیا جارہا ہے۔ مقصود ذبح کرنا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ هُم مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِم مُّشْفِقُونَ ﴿۵۷﴾ وَالَّذِينَ هُم بِآيَاتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ ﴿۵۸﴾

البتہ جو لوگ اپنے رب کے خوف سے اندیشہ رکھتے ہیں ف۱ اور جو لوگ اپنے رب کی باتوں پر یقین کرتے ہیں ف۲

البتہ جو لوگ اپنے رب کے خوف سے اندیشہ رکھتے ہیں۔ اور جو لوگ اپنے رب کی باتیں یقین کرتے ہیں۔

وَالَّذِينَ هُم بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُونَ ﴿۵۹﴾ وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوا وَّقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ أَنَّهُمْ إِلَىٰ

اور جو لوگ اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں مانتے ف۳ اور جو لوگ کہ دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں اور ان کے دل ڈر رہے ہیں اس لیے کہ

اور جو لوگ اپنے رب کے ساتھ شریک نہیں ٹھہراتے۔ اور جو لوگ دیتے ہیں، جو دیتے ہیں اور ان کے دلوں میں ڈر ہے کہ ان کو

رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ ﴿۶۰﴾ أُولَٰئِكَ يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سَابِقُونَ ﴿۶۱﴾

ان کو اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے ف۴ وہ لوگ دوڑ دوڑ کر لیتے ہیں بھلائیاں اور وہ ان پر پہنچے سب سے آگے ف۵

اپنے رب کی طرف پھرجانا ہے۔ وہ دوڑ دوڑ لیتے ہیں بھلائیاں، اور وہ ان پر پہنچے سب سے آگے۔

ذکر صفات اہل صدق وایمان

قَالَ اللّٰهُ تَعَالَىٰ: ﴿إِنَّ الَّذِينَ هُم مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِم مُّشْفِقُونَ ... الی ... وَهُمْ لَهَا سَابِقُونَ﴾

ربط: ...... اوپر کی آیتوں میں ان اہل جہالت وضلالت کا ذکر تھا کہ جو شرور اور معاصی میں مسارعت کرنے والے تھے اب ان آیات میں ان اہل صدق اور اہل ایمان کی صفات بیان کرتے ہیں کہ جو خیرات اور اعمال صالحہ میں مسارعت کرنے والے ہیں ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان کی پانچ صفتیں بیان فرمائیں۔

(۱) اللہ سے ڈرتے ہیں۔ (۲) اللہ کے احکام پر ایمان رکھتے ہیں۔ (۳) شرک نہیں کرتے۔ (۴) نیکیاں کرتے ہیں مگر باوجود اس کے ان کو اپنے ایمان اور عمل پر ناز نہیں بلکہ ان کو ہر وقت اس بات کا خوف لگا رہتا ہے کہ معلوم نہیں کہ ہمارا عمل قبول ہوگا یا نہیں۔ (۵) ان کو آخرت کا یقین ہے ایسے لوگ حق تعالیٰ کے نزدیک مقبول اور محبوب ہیں اور سابقین اولین

ف۱ یعنی باوجود ایمان واحسان کے کفار ومغرورین کی طرح "مکر اللہ" سے مامون نہیں ہمہ وقت خوف خدا سے لرزاں وترساں رہتے ہیں کہ نہ معلوم دنیا میں جو انعامات ہو رہے ہیں استدراج تو نہیں۔ حسن بصری کا مقولہ ہے۔ "إِنَّ الْمُؤْمِنَ جمع إِحْسَانًا وَّشَفْقَةً وَّإِنَّ الْمُنَافِقَ جَمَعَ إِسَاءَةً وَّأَمْنًا۔" (مومن نیکی کرتا اور ڈرتا رہتا ہے اور منافق بدی کرکے بے فکر ہوتا ہے)

ف۲ یعنی آیات کونیہ وشرعیہ دونوں پر یقین رکھتے ہیں کہ جو کچھ ادھر سے پیش آئے عین حکمت اور جو خبر دی جائے بالکل حق اور جو حکم ملے وہ بہمہ وجوہ صواب ومعقول ہے۔

ف۳ یعنی خالص ایمان وتوحید پر قائم ہیں۔ ہر ایک عمل صدق واخلاص سے ادا کرتے ہیں۔ شرک جلی یا خفی کا شائبہ بھی نہیں آنے دیتے۔

ف۴ یعنی کیا جانے وہاں قبول ہوا یا نہ ہوا، آگے کام آئے یا نہ آئے۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرکے یہ کھٹکا لگا رہتا ہے، اپنے عمل پر مغرور نہیں ہوتے، نیکی کرنے کے باوجود ڈرتے ہیں۔

ف۵ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ کما قال تعالیٰ ﴿فَآتَاهُمُ اللَّهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْآخِرَةِ﴾ (ال عمران، رکوع ۱۵) تو درحقیقت اصلی بھلائی اعمال صالحہ، اخلاق حمیدہ اور صفات فاضلہ میں ہوئی نہ کہ اموال واولاد میں، جیسے کفار کا گمان تھا۔

میں سے ہیں۔

چنانچہ فرماتے:

(۱) تحقیق جو لوگ اپنے پروردگار کے خوف سے لرزاں اور ترساں رہتے ہیں حق جل شانہ کی خشیت اور اس کی عظمت وہیبت نے ان کو مضطرب اور بے چین بنا رکھا ہے۔

(۲) اور وہ لوگ اپنے پروردگار کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔

(۳) اور وہ ایسے مخلص ہیں کہ وہ اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے۔ سرتاپا اخلاص اور صدق ہیں ان کی عبادت جلی اور خفی شرک اور ریا اور نفاق کے شائبہ سے پاک ہے۔

(۴) اور وہ لوگ ایسے ہیں کہ دیتے ہیں خدا کی راہ میں جو کچھ بھی دیتے ہیں اور باوجود اس کے ان کے دل ڈرتے رہتے ہیں کہ ان کی خیرات وصدقات یا ان کے اعمال خیر رد نہ ہو جائیں اور آخرت میں ان کو نفع نہ دیں۔

(۵) اور خوف کی وجہ یہ ہے کہ ان کو یقین ہے کہ وہ بلاشبہ اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں یعنی ان کو قیامت کا یقین ہے۔ ایسے ہی لوگ جو ان صفات کے ساتھ موصوف ہیں نیکیوں بھلائیوں میں دوڑتے ہیں یعنی بصدق شوق ورغبت اعمال صالحہ کو بجالاتے ہیں اور اس کوشش میں رہتے ہیں کہ کوئی اطاعت ان سے نہ رہ جائے اور نیکیوں میں سبقت کرنے والے اور سب سے آگے نکل جانے والے ہیں ایسے ہی لوگوں کے لیے حق تعالیٰ کی سعادت سابق ہو چکی ہے۔

وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ بَلْ

اور ہم کسی پر بوجھ نہیں ڈالتے مگر اس کی گنجائش کے موافق اور ہمارے پاس لکھا ہوا ہے جو بولتا ہے سچ اور ان پر ظلم نہ ہوگا ف۱ کوئی نہیں

اور ہم کسی پر بوجھ نہیں ڈالتے مگر جو اس کی سمائی ہے۔ اور ہمارے پاس لکھا ہے جو بولتا ہے سچ۔ اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔ کوئی نہیں،

قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ ۝ حَتّٰٓى اِذَآ

ان کے دل بے ہوش ہیں اس طرف سے اور ان کو اور کام لگ رہے ہیں اس کے سوا کہ وہ ان کو کر رہے ہیں ف۲ یہاں تک کہ جب

ان کے دل بے ہوش ہیں اس طرف سے۔ اور ان کو اور کام لگے ہیں اس کے سوا کہ وہ ان کو کر رہے ہیں۔ یہاں تک کہ جب

ف۱ یعنی اوپر جو اعمال وخصال بیان کیے گئے کوئی ایسے مشکل کام نہیں جن کا اٹھانا انسانی طاقت سے باہر ہو۔ ہماری یہ عادت نہیں کہ لوگوں کو تکلیف مالا یطاق دی جائے۔ یہ سب باتیں وہ ہیں جن کو اگر تو جہ کرو تو بخوبی حاصل کر سکتے ہو۔ اور جو لوگ سابقین کاملین کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتے انہیں بھی اپنی وسعت وہمت کے موافق پوری کوشش کرنی چاہیے کہ وہ اسی کے مکلف ہیں۔ ہمارے یہاں صحائف اعمال میں درجہ بدرجہ ہر ایک کے اعمال لکھے ہوئے موجود ہیں جو قیامت کے دن سب کے سامنے کھول کر رکھ دیئے جائیں گے اور ان ہی کے موافق جزا دی جائے گی جس پر رتی برابر ظلم نہ ہوگا نہ کسی کی نیکی ضائع ہوگی۔ نہ اجرم کیا جائے گا، نہ بے وجہ بے قصور دوسرے کا بوجھ اس پر ڈالا جائے گا۔

ف۲ یعنی آخرت کے حساب کتاب سے یہ لوگ غافل ہیں اور دنیا کے دوسرے دھندوں میں پڑے ہیں جن سے نکلنے کی فرصت ہی نہیں ہوتی جو آخرت کی طرف توجہ کریں۔ یا یہ مطلب ہے کہ ان کے دل شک وتردد اور غفلت وجہالت کی تاریک موجوں میں غرقاب ہیں۔ بڑا گناہ تو یہ ہوا، باقی اس سے ورے اور بہت سے گناہ ہیں جن کو وہ سمیٹ رہے ہیں۔ ایک دم کو ان سے جدا نہیں ہوتے، اور جدا بھی کیونکر ہوں، جو کام ان کی سوء استعداد کی بدولت مقدر ہو چکے ہیں وہ کر کے رہیں گے اور لا محالہ ان کا خمیازہ بھی اٹھانا پڑے گا۔

اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ يَجْـَٔرُوْنَ ﴿۶۴﴾ لَا تَجْـَٔرُوا الْيَوْمَ اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا

پکڑیں گے ہم ان کے آسودہ لوگوں کو آفت میں تبھی وہ لگیں گے چلانے مت چلاؤ آج کے دن تم ہم سے چھوٹ

پکڑیں گے ہم ان کے آسودہ لوگوں کو آفت میں، تبھی وہ لگیں گے چلانے۔ مت چلاؤ! آج کے دن تم ہم سے چھڑائے

تُنْصَرُوْنَ ﴿۶۵﴾ قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ ﴿۶۶﴾

نہ سکو گے ف۱ تم کو سنائی جاتی تھیں میری آیتیں تو تم ایڑیوں پر الٹے بھاگتے تھے

نہ جاؤ گے۔ تم کو سنائی جاتیں میری آیتیں، تو تم ایڑیوں پر الٹے بھاگتے تھے۔

مُسْتَكْبِرِيْنَ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ ﴿۶۷﴾

اس سے تکبر کر کے ف۲ ایک قصہ گو کو چھوڑ کر چلے گئے ف۳

اس سے بڑائی کر کر ایک کہانی والے کو چھوڑ کر چلے گئے۔

ترغیب بر اعمال خیر و بیان حال و مآل اہل طغیان

قَالَ تَعَالٰی: ﴿وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ... الی ... سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ﴾

ربط: ...... گزشتہ آیات میں جن اعمال خیر کی مدح فرمائی تھی اب ان آیات میں ان کی ترغیب دیتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ وہ افعال و اعمال جو خدا کے نزدیک پسندیدہ ہیں کچھ دشوار نہیں بلکہ آسان ہیں اور جن لوگوں کو ان نیکیوں کی طرف رغبت نہیں اس کی وجہ یہ نہیں کہ احکام اسلام سخت اور دشوار ہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ تکبر اور غرور کی وجہ سے ان کے دلوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں جب خدا کا عذاب دیکھتے ہیں تب ہوش آتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور جن اعمال خیر میں اہل ایمان مسارعت اور مسابقت کر رہے ہیں، یہ اعمال کچھ دشوار نہیں بلکہ آسان ہیں اس لیے کہ ہم کسی شخص کو اس کی وسعت اور طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے۔ مثلاً جو شخص کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھ سکے وہ بیٹھ کر پڑھ لے وغیرہ وغیرہ یعنی ہم بندہ کو اسی کام کا حکم دیتے

ف۱ یعنی جب دنیاوی یا اخروی عذاب میں پکڑے جائیں گے تو چلائیں گے اور شور مچائیں گے کہ ہمیں اس آفت سے بچاؤ۔ بھلا وہاں بچانے والا کون؟ حکم ہو گا کہ چلاؤ نہیں، یہ سب چیخ پکار بیکار ہے۔ آج کوئی تمہاری مدد کو نہیں پہنچ سکتا نہ ہمارے عذاب سے چھڑا سکتا ہے۔ چنانچہ اس عذاب کا ایک نمونہ کفار مکہ کو بدر میں دکھلایا گیا جہاں ان کے بڑے بڑے سردار مارے گئے یا قید ہو گئے۔ عورتیں مہینوں تک ان کا نوحہ کرتی رہیں، سر کے بال کٹوا کر ماتم کیے گئے، روئے پیٹے، چیخے چلائے، کچھ بن نہ پڑا۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مظالم سے تنگ آ کر بددعا فرمائی تو سات سال کا قحط مسلط ہوا مردار کی ہڈیاں اور چمڑے کھانے اور خون پینے کی نوبت آ گئی، آخر رحمۃ للعالمین سے رحم کا واسطہ دے کر دعا کی درخواست کی۔ تب اللہ تعالیٰ نے وہ عذاب اٹھایا۔ اس وقت نہ "لات و منات" کام آئے نہ ہبل و نائلہ۔

ف۲ یعنی اب کیوں شور مچاتے ہو، وہ وقت یاد کرو جب خدا کے پیغمبر آیات پڑھ کر سناتے تھے تو تم الٹے پاؤں بھاگتے تھے، سننا بھی گوارا نہ تھا۔ تمہاری شیخی اور تکبر اجازت نہ دیتا تھا کہ حق کو قبول کرو اور پیغمبروں کی بات پر کان دھرو۔

ف۳ یعنی پیغمبر کی مجلس سے ایسے بھاگتے تھے گویا کسی فضول قصہ گو کو چھوڑ کر چلے گئے یا سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ کا مطلب یہ ہے کہ رات کے وقت حرم میں بیٹھ کر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کی نسبت باتیں بناتے اور طرح طرح کے قصے گھڑتے تھے، کوئی جادو کہتا تھا، کوئی شاعری، کوئی کہانت، کوئی کچھ اور۔ اسی طرح کی بکواس اور بے ہودہ ہذیان کیا کرتے تھے۔ آج اس کا مزہ چکھو۔ چیخنے چلانے سے کچھ حاصل نہیں۔

ہیں جس کی وہ قدرت اور طاقت رکھتا ہے اور ہمارے پاس ایک کتاب ہے یعنی ہر شخص کا نامہ اعمال ہمارے پاس محفوظ ہے جو قیامت کے دن لوگوں کا حال سچائی کے ساتھ ٹھیک ٹھیک بیان کر دے گی خلاف واقع اس میں کچھ نہیں لکھا ہے اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ بایں طور کہ جو انہوں نے نہیں کیا وہ لکھ دیا جائے اور جو کیا ہے اس کو نہ لکھا جائے "کتاب" سے اس جگہ نامہائے اعمال مراد ہیں جن کو قیامت کے دن خود پڑھ لیں گے جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ ﴿هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ۚ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ اور نطق سے مراد بیان اور اظہار ہے اور مطلب یہ ہے کہ نامہ اعمال قیامت کے دن تمہارے سب کاموں کو ٹھیک ٹھیک بتلا دے گا اور بدون کمی اور زیادتی تمہارے اعمال کو ظاہر کر دے گا کوئی بات اس میں خلاف واقع نہ ہوگی۔

خلاصۂ کلام یہ کہ حق تعالیٰ نے نامہائے اعمال کی شہادت کے متعلق جو خبر دی ہے وہ حق اور صدق ہے کفار یہ باتیں سن کر خیرات یعنی نیکیوں اور بھلائیوں کی طرف رغبت نہیں کرتے بلکہ ان کے دل اس طرف سے غفلت اور حیرت میں پڑے ہوئے ہیں اور ان لوگوں کے لیے سوائے کفر اور شرک اور انکار قرآن کے اور بھی برے عمل ہیں جن کو یہ کرتے رہتے ہیں اور اسی طرح برابر شک اور غفلت میں پڑے رہیں گے یہاں تک کہ جب ہم ان کے دولتمند اور آسودہ حال لوگوں کو آفت اور مصیبت میں پکڑیں گے تو فوراً بلبلائیں گے۔ اور گریہ وزاری کریں گے اس وقت غفلت کا پردہ آنکھوں سے اٹھے گا اور غرور و نخوت کا سارا نشہ کافور ہو جائے گا اس وقت ان کو ہماری طرف سے یہ کہا جائے گا آج تم بلبلاؤ نہیں اس میں شک نہیں آج تم ہماری طرف سے مدد نہ دیئے جاؤ گے یعنی تمہارا یہ بلبلانا اور گڑگڑانا بے سود ہے اور تم ہمارے عذاب سے رہائی نہیں پاؤ گے۔ کیونکہ تم پر ہماری آیتیں پڑھی جاتی تھیں تو تم ان کو حقارت اور نفرت سے سنتے تھے اور تم اپنی ایڑیوں پر لوٹ جاتے تھے تکبر کرتے ہوئے اور اکڑتے ہوئے اور قرآن کو افسانہ اور مشغلہ بناتے ہوئے اور قرآن اور صاحب قرآن کی شان میں بیہودہ باتیں بکتے ہوئے ایسوں کا عذاب سے بچنا ممکن نہیں جو قرآن سے اعراض کریں اور افسانوں اور ناولوں میں مشغول رہیں۔

اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ يَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۶۸﴾ اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا

سو کیا انہوں نے دھیان نہیں کیا اس کلام میں ف ۱ یا آئی ہے ان کے پاس ایسی چیز جو نہ آئی تھی ان کے پہلے باپ دادوں کے پاس ف ۲ یا پہچانا نہیں انہوں نے

سو کیا دھیان نہیں کی یہ بات، یا آیا ہے ان پاس جو نہ آیا تھا ان کے پہلے باپ دادوں پاس۔ یا پہچانا نہیں انہوں نے

ف ۱ یعنی قرآن کی خوبیوں میں غور و فکر نہیں کرتے۔ ورنہ حقیقت حال منکشف ہو جاتی کہ بلاشبہ یہ کلام اللہ جل شانہ، کا ہے جس میں ان کی بیماریوں کا صحیح علاج بتلایا گیا ہے۔

ف ۲ یعنی نصیحت کرنے والے ہمیشہ ہوتے رہے ہیں، پیغمبر ہوئے یا پیغمبر کے تابع ہوئے۔ آسمانی کتابیں بھی برابر اترتی رہی ہیں۔ کبھی کہیں، کبھی کہیں۔ سو یہ کوئی انوکھی بات نہیں جس کا نمونہ پیشتر سے موجود نہ ہو۔ ہاں جو اکمل ترین و اشرف ترین کتاب اب آئی اس شان و مرتبہ کی پہلے نہ آئی تھی تو اس کا مقتضی یہ تھا کہ اور زیادہ اس نعمت کی قدر کرتے اور آگے بڑھ کر اس کی آواز پر لبیک کہتے۔ جیسا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہی۔

(تنبیہ) شاید یہاں "آباء اولین" سے آباء ابعدین مراد ہوں۔ اور سورۂ "یٰس" میں جو آیا ہے۔ "لتنذر قوما ما انذر اباؤھم" وہاں آباء اقربین کا ارادہ کیا گیا ہو۔ واللہ اعلم۔

رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۶۹﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ وَاَكْثَرُهُمْ

اپنے پیغام لانے والے کو سو وہ اس کو اوپرا سمجھتے ہیں ف۱ یا کہتے ہیں اس کو سودا ہے کوئی نہیں وہ تو لایا ہے ان کے پاس

اپنا پیغام لانے والا۔ سو اس کو اوپری سمجھتے ہیں؟ یا کہتے ہیں اس کو سودا ہے۔ کوئی نہیں وہ لایا ہے ان کے پاس

لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ

سچی بات اور ان بہتوں کو سچی بات بری لگتی ہے ف۲ اور اگر سچا رب چلے ان کی خوشی پر تو خراب ہو جائیں آسمان اور زمین اور جو کوئی

سچی بات، اور بہتوں کو سچی بات بری لگتی ہے۔ اور اگر سچا رب چلے ان کی خوشی پر تو خراب ہوں آسمان و زمین اور جو کوئی

فِيْهِنَّ ؕ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۱﴾ اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ خَرْجًا

ان میں ہے ف۳ کوئی نہیں ہم نے پہنچائی ہے ان کو ان کی نصیحت ف۴ سو وہ اپنی نصیحت کو دھیان نہیں کرتے ف۵ یا تو ان سے مانگتا ہے کچھ محصول

ان کے بیچ ہے۔ کوئی نہیں، ہم نے پہنچائی ہے ان کو نصیحت، سو وہ اپنی نصیحت کو دھیان نہیں کرتے۔ یا تو ان سے مانگتا ہے کچھ حاصل؟

فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۖ وَّهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۷۲﴾ وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۷۳﴾

سو محصول تیرے رب کا بہتر ہے اور وہ ہے بہتر روزی دینے والا ف۶ اور تو تو بلاتا ہے ان کو سیدھی راہ پر

سو حاصل تیرے رب کا بہتر ہے، اور وہ ہے بہتر روزی دینے والا۔ اور تو تو بلاتا ہے ان کو سیدھی راہ پر۔

وَاِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوْنَ ﴿۷۴﴾ وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَكَشَفْنَا مَا

اور جو لوگ نہیں مانتے آخرت کو راہ سے ٹیڑھے ہو گئے ہیں ف۷ اور اگر ہم ان پر رحم کریں اور کھول دیں جو

اور جو لوگ نہیں مانتے پچھلا گھر، راہ سے ٹیڑھے ہوئے ہیں۔ اور اگر ہم ان کو رحم کریں، اور کھول دیں جو

ف۱ یعنی کیا اس لیے اعراض و تکذیب پر تلے ہوئے ہیں کہ ان کو پیغمبر کے احوال سے آگاہی نہیں، حالانکہ سارا عرب جانتا ہے کہ آپ بچپن سے صادق و امین اور عفیف و پاکباز تھے۔ چنانچہ حضرت جعفر نے بادشاہ حبشہ کے سامنے، حضرت مغیرہ ابن شعبہ نے نائب کسریٰ کے آگے اور ابوسفیان نے بحالت کفر قیصر روم کے دربار میں اسی چیز کا اظہار کیا۔ پھر ایسے مشہور و معروف راست باز بندہ کی نسبت کیسے گمان کیا جا سکتا ہے کہ وہ (العیاذ باللہ) خدا تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے لگے۔

ف۲ یعنی سودائیوں اور دیوانوں کی باتیں کہیں ایسی کھری اور سچی ہوتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ لوگ بھی محض زبان سے کہتے تھے، دل ان کا جانتا تھا کہ بیشک جو کچھ آپ لائے ہیں حق ہے۔ پر حق بات چونکہ ان کی اغراض و خواہشات کے موافق نہ تھی۔ اس لیے بری لگتی تھی اور قبول کرنے کے لیے آمادہ نہ ہوتے تھے۔

ف۳ یعنی سچی بات بری لگتی ہے تو لگنے دو۔ سچائی ان کی خوشی اور خواہش کے تابع نہیں ہو سکتی۔ اگر سچا خدا ان کی خوشی اور خواہش ہی پر چلا کرے تو وہ خدا ہی کہاں رہے۔ معاذ اللہ بندوں کے ہاتھ میں ایک کٹھ پتلی بن جائے۔ ایسی صورت میں زمین و آسمان کے یہ محکم انتظامات کیونکر قائم رہ سکتے ہیں۔ اگر ایک چھوٹے سے گاؤں کا انتظام محض لوگوں کی خواہشات کے تابع کر دیا جائے، وہ بھی چار دن قائم نہیں رہ سکتا چہ جائیکہ زمین و آسمان کی حکومت۔ کیونکہ عام خواہشات نظام عقلی کے مزاحم اور باہم دگر بھی متناقض واقع ہوئی ہیں۔ عقل و ہویٰ کی کشمکش اور اہوائے مختلفہ کی لڑائی میں سارے انتظامات درہم برہم ہو جائیں گے۔

ف۴ جس کی وہ تمنا کیا کرتے تھے۔ ﴿لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ﴾ (صافات، رکوع ۵)

ف۵ جب آ گئی اور ایسی آئی جس سے ان کو قومی حیثیت سے عظیم الشان فخر و شرف حاصل ہوا، تو اب منہ پھیرتے ہیں اور ایسے اعلیٰ فضل و شرف کو ہاتھ سے گنوا رہے ہیں۔

ف۶ یعنی آپ دعوت و تبلیغ اور نصیحت و خیر خواہی کر کے ان سے کسی معاوضہ کے بھی طلبگار نہیں۔ خدا تعالیٰ نے دارین کی جو دولت آپ کو مرحمت فرمائی ہے وہ اس معاوضہ سے کہیں بہتر ہے۔

=

بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝ وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا

تکلیف پہنچی ان کو تو بھی برابر لگے رہیں گے اپنی شرارت میں بہکے ہوئے ف۱ اور ہم نے پکڑا تھا ان کو آفت میں پھر نہ عاجزی کی

تکلیف ہے ان پر، مقرر لگے جائیں اپنی شرارت میں بہکے۔ اور ہم نے پکڑا تھا انکو آفت میں۔ پھر نہ دبے

لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ ۝ حَتّٰٓى اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ اِذَا هُمْ فِيْهِ

اپنے رب کے آگے نہ گڑگڑائے ف۲ یہاں تک کہ جب کھول دیں ہم ان پر دروازہ ایک سخت آفت کا تب اس میں ان کی

اپنے رب کے آگے، اور نہیں گڑگڑاتے۔ یہاں تک کہ جب کھولیں گے ہم ان پر دروازہ ایک سخت آفت کا، تب اس میں ان کی

مُبْلِسُوْنَ ۝ ع

آس ٹوٹے گی ف۳

آس ٹوٹے گی۔

بیان اسباب جہالت وضلالت متکبرین ومعرضین

قَالَ اللهُ تَعَالٰى: ﴿اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ ... الى ... اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ﴾

ربط [1]: ...... گزشتہ آیات میں متکبرین کی جہالت اور ضلالت کا اجمالی بیان تھا، اب ان آیات میں ان کی جہالت اور ضلالت کے اسباب کو تفصیل کے ساتھ بیان کر کے ان کا رد فرماتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ یہ لوگ کن وجوہ اور اسباب کی بنا پر کفر اور انکار پر آمادہ ہوئے ان آیات میں حق تعالیٰ نے یہ بتلایا کہ ان لوگوں کی گمراہی کا سبب ان پانچ باتوں میں سے کوئی ایک بات ہے۔

(۱) یا تو یہ وجہ ہے کہ انہوں نے قرآن کریم میں غور وفکر نہیں کیا جو آپ ﷺ کی نبوت کی روشن دلیل ہے۔ اور ہر شان میں توریت اور انجیل سے کہیں بلند اور برتر ہے اور فصحاء عالم اس کے معارضہ سے عاجز ہیں۔

= ف۷ یعنی آپ کے صدق وامانت کا حال سب کو معلوم ہے۔ جو کلام آپ لائے اس کی خوبیاں اظہر من الشمس ہیں۔ معاذ اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خلل دماغ نہیں، ان سے کسی معاوضہ کے طالب نہیں، جس راستہ کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم بلاتے ہیں بالکل سیدھا اور صاف راستہ ہے۔ جس کو ہر سیدھی عقل والا بسہولت سمجھ سکتا ہے کوئی اینچ پیچ نہیں ٹیڑھا ترچھا نہیں۔ ہاں اس پر چلنا ان ہی کا حصہ ہے جو موت کے بعد دوسری زندگی مانتے ہوں اور اپنی بدانجامی سے ڈرتے ہوں، جسے انجام کا ڈر اور عاقبت کی فکر ہی نہیں وہ کب سیدھے راستہ پر چلے گا، یقیناً ٹیڑھا رہے گا۔ اور سیدھی سی بات کو بھی اپنی کج روی سے کج بنا لے گا۔

ف۱ یعنی تکلیف سے نکال کر آرام دیں۔ تب بھی احسان نہ مانیں اور شرارت وسرکشی سے باز نہ آئیں۔ حضرت کی دعا سے ایک مرتبہ مکہ والوں پر قحط پڑا تھا، پھر حضرت ہی کی دعا سے کھلا۔ شاید یہ اسی کو فرمایا، یا یہ مطلب ہے کہ اگر ہم اپنی رحمت سے ان کے نقصان کو دور کر دیں۔ یعنی قرآن کی سمجھ دے دیں۔ تب بھی یہ لوگ اپنے ازلی خسران اور سوء استعداد کی وجہ سے اطاعت وانقیاد اختیار کرنے والے نہیں کما قال تعالیٰ ﴿وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ﴾ (انفال، رکوع ۳)

ف۲ مثلاً قحط وغیرہ آفات مسلط ہوئیں۔ تب بھی عاجزی کر کے خدا کی بات نہ مانی۔

ف۳ اس سے یا تو آخرت کا عذاب مراد ہے یا شاید وہ دروازہ لڑائیوں کا کھلا جس میں تھک کر عاجز ہوئے۔

[1] یہ تمام کلام تفسیر کبیر اور حاشیہ شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی کے کلام کی تفصیل ہے۔ ۱۲ منہ عفا اللہ عنہ

(۲) یا یہ وجہ ہے کہ ان لوگوں نے آپ ﷺ کی بعثت کو بدعت اور امر غریب جانا۔

(۳) یا یہ وجہ ہے کہ یہ لوگ آپ ﷺ کے حال سے اور آپ ﷺ کے صدق اور امانت سے واقف نہیں کہ امی ہیں۔ پڑھا لکھا کچھ نہیں مگر علم اور حکمت کے چشمے ان کی زبان فیض ترجمان سے جاری ہیں ذرا غور تو کریں۔

(۴) یا یہ وجہ ہے کہ ان لوگوں کا اعتقاد یہ ہے کہ معاذ اللہ حضور پرنور ﷺ مجنون اور دیوانہ ہیں۔ دیکھتے نہیں کہ حضور پرنور ﷺ تو عقل مجسم ہیں جس نے آپ ﷺ کو دیکھ لیا گویا اس نے عقل کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔

(۵) یا یہ وجہ ہے کہ ان لوگوں کا خیال یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ ان لوگوں سے کچھ مالی منفعت کے امیدوار اور طلب گار ہیں۔

حق جل شانہ نے کفار کی ان باتوں کو نقل کر کے سب کا جواب دیا اور بتلا دیا کہ ان کے ایمان نہ لانے کی اصل وجہ یہ نہیں کہ یہ لوگ قرآن کریم کے ظاہری اور معنوی اعجاز سے واقف نہیں یا آپ کی صداقت اور امانت سے یا آپ کی فہم و فراست سے واقف نہیں یا آپ کو پہچانتے نہیں یا آپ ان سے کسی مالی منفعت کے امیدوار ہیں ان میں سے انکار کی کوئی بھی وجہ نہیں بلکہ وجہ یہ ہے کہ حسد اور بغض کی وجہ سے انکار کرتے ہیں اور غرور اور تکبر کی وجہ سے حق کے سامنے جھکنے کو تیار نہیں اور بجائے اس کے کہ وہ حق کا اتباع کریں چاہتے یہ ہیں کہ حق ان کی خواہشوں کے تابع ہو جائے، بالفرض اگر حق ان کی خواہشوں کے تابع ہو جائے تو کارخانہ عالم درہم برہم ہو جائے۔ یہ لوگ بڑے سرکش ہیں بغیر کسی عذاب اور بلاء آسمانی کے حق کے سامنے جھکنے والے نہیں۔ (دیکھو حاشیہ شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی: ۳/ ۴۰۷ وحاشیہ صاوی علی تفسیر جلالین)

چنانچہ فرماتے ہیں کیا یہ لوگ جو قرآن اور صاحب قرآن کی تکذیب کر رہے ہیں اور کفر اور انکار پر تلے ہوئے ہیں آخر اس کا کیا سبب ہے پس یا تو اس کی تکذیب کی وجہ[1] یہ ہے کہ انہوں نے اس قرآن میں غور نہیں کیا تا کہ قرآن کا لفظی اور معنوی اعجاز ان پر ظاہر ہو جاتا اور جان لیتے کہ یہ اللہ کا کلام ہے اور سرتا پا حق اور صدق ہے اور دلائل توحید اور دلائل نبوت پر مشتمل ہے۔

یا تکذیب کی وجہ[2] یہ ہے کہ ان کے پاس ایسی انوکھی چیز آئی ہے جو ان کے اگلے باپ دادوں کے پاس نہیں آئی تھی تا کہ یہ عذر کریں کہ ہمیں کتاب اور پیغمبر کی کوئی خبر ہی نہیں ان سے پہلے پیغمبر بھی آچکے ہیں اور ان پر اللہ کی کتابیں بھی نازل ہو چکی ہیں۔

یا تکذیب کہ وجہ[3] یہ ہے کہ انہوں نے اپنے رسول کو نہیں پہچانا اور اس کی امانت اور صداقت اور فہم و فراست کو نہیں جانا پس اس لیے وہ اس کے منکر ہیں۔ سو یہ غلط ہے یہ سب لوگ آپ ﷺ کو اور آپ کے حسب و نسب کو اور صدق و راستی اور امانت کو پہچانتے ہیں اور خوب جانتے ہیں۔ پھر انکار کی کیا وجہ۔ سوائے حسد کے کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ اور علماء بنی اسرائیل تو آپ ﷺ کو اپنے بیٹوں کی طرح پہچانتے ہیں ﴿يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ﴾ اور ہرقل شاہ روم کا آپ ﷺ کے حسب و نسب اور صدق اور امانت کے متعلق سوال کرنا اور ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا جواب دینا معروف و مشہور ہے۔

یا تکذیب کی وجہ[4] یہ ہے کہ یہ لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ معاذ اللہ آپ ﷺ کو جنون ہے سو یہ امر بالکل مشاہدہ

کے خلاف ہے جن مکارم اخلاق اور محاسن اعمال کے ساتھ آپ ﷺ آراستہ ہیں اور جن کا آپ ﷺ دوسروں کو حکم دیتے ہیں یہ سب آپ ﷺ کے کمال عقل اور کمال حکمت کی روشن دلیل ہے اور مکارم اخلاق اور محاسن اعمال کی باتوں کو جنون اور دیوانگی بتلانا یہ خود جنون اور دیوانگی ہے یہ سب باتیں غلط ہیں بلکہ تکذیب کی اصل وجہ یہ ہے کہ یہ نبی ان کے پاس حق بات لے کر آیا ہے جس کی صحت اور حسن اور خوبی میں کسی عاقل کو کلام نہیں، اور ان میں سے اکثر لوگ حق سے متنفر اور بیزار ہیں کیونکہ وہ حق بات ان کی نفسانی خواہشوں اور طبعی آرزوؤں کے خلاف ہے اور نفس پرستوں کا کسی چیز سے ناخوش ہونا بھی اس کے حق ہونے کی دلیل ہے عقل کا فتویٰ یہ ہے کہ حق کا پیرو بنے اور اپنی نفسانی خواہشوں کو حق کے تابع کردے۔ اور اگر بالفرض حق ان کی نفسانی خواہشوں کے تابع ہوجائے تو آسمان و زمین اور جو کوئی ان میں ہے۔ سب تباہ و برباد ہوجائیں یہ کارخانہ عالم عجیب و غریب حکمتوں اور مصلحتوں پر چل رہا ہے اور لوگوں کی خواہش اور اغراض مختلف ہیں اور عالم میں جو بھی فساد ہے وہ نفسانی خواہشوں کی بنا پر ہے پس ہم نے ان کو ایسی چیز نہیں دی جو ان کی تباہی اور بربادی کا سبب بنے بلکہ ہم ان کے پاس ان کی نصیحت کی چیز لائے ہیں۔ یعنی ان کے پاس ایسی کتاب لائے ہیں جس میں ان کے لیے وعظ و نصیحت ہے یا یہ معنی ہیں کہ ہم ان کے پاس ان کی عزت اور شرف کی چیز لائے ہیں پس وہ لوگ اپنی نصیحت کی چیز سے یا اپنی عزت و شرف کی چیز سے منہ موڑنے والے ہیں اور ظاہر ہے کہ اپنی نصیحت سے اور اپنی عزت اور شرف کی چیز سے روگردانی سخت حماقت ہے۔

یا تکذیب کی وجہ[۵] یہ ہے کہ آپ ان سے کچھ مال حاصل کرنا چاہتے ہیں یا تبلیغ رسالت پر آپ ان سے اجرت چاہتے ہیں اس وجہ سے آپ ﷺ پر حرص اور طمع کی تہمت رکھتے ہیں پس ان لوگوں کو جان لینا چاہئے کہ ان کی اجرت کی اور ان کے مال و دولت کی ذرہ برابر ضرورت نہیں تیرے پروردگار کا مال و دولت اور اس کا عطیہ سب سے بہتر ہے، آسمان و زمین کے خزانے تیرے پروردگار کے ہاتھ میں ہیں اور وہی سب سے بہتر روزی دینے والا ہے آپ ﷺ ان سے کیا اجرت مانگتے، آپ ﷺ تو علی الاعلان فرماتے تھے ﴿قُل لَّآ اَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَيۡهِ اَجۡرًا﴾ ﴿قُلۡ مَاۤ اَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَيۡهِ مِنۡ اَجۡرٍ وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُتَكَلِّفِيۡنَ﴾۔

اور تحقیق آپ ﷺ تو ان کو سیدھے راستہ کی دعوت دیتے ہیں آپ ﷺ کا مقصود تو آخرت ہے معاذ اللہ اجرت آپ ﷺ کا مقصود نہیں اور آپ ﷺ کی راہ ایسی سیدھی ہے کہ تمام عقول سلیمہ گواہی دیتی ہیں کہ وہ راہ راست ہے، اس میں کسی طرح کی کجی نہیں۔

اور تحقیق جو لوگ دنیا کی لذتوں پر فریفتہ ہیں اور آخرت پر یقین نہیں رکھتے وہ سیدھے راستے سے منحرف ہیں۔ اور گمراہی کی طرف دوڑے جارہے ہیں۔ آخرت کے راستہ سے بھاگ رہے ہیں اور آنکھ بند کرکے دنیا کے راستہ پر چلے جارہے ہیں۔ اور طرح طرح کی آسمانی آفتیں اور مصیبتیں سامنے آرہی ہیں مگر ہوش میں نہیں آتے۔

اور اگر ہم ان پر رحم کریں اور قحط کی تکلیف اور سختی جو ان پر پہنچ رہی ہے اس کو دور کردیں تو تب بھی احسان نہ مانیں اور برابر اپنی سرکشی میں سرگرداں رہیں اور مصیبت کے وقت جو خدا سے وعدے کیے تھے وہ سب طاق نسیان میں رکھ دیئے۔ کما قال اللہ تعالیٰ ﴿وَاِذَا مَسَّ الۡاِنۡسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا﴾ وقال اللہ تعالیٰ ﴿فَاِذَا رَكِبُوۡا فِى الۡفُلۡكِ دَعَوُا اللّٰهَ

مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۔

اور البتہ تحقیق ہم نے ان کو بعض اوقات آفت اور مصیبت اور سختی میں بھی پکڑا۔ پھر بھی یہ سرکش اپنے رب کی طرف نہ جھکے اور نہ نرم پڑے اور نہ عاجزی اور زاری کی بلکہ برابر اپنی غفلت میں غرق رہے اور کفر اور مخالفت پر جمے رہے یہاں تک کہ جب ہم نے ان پر ایک سخت عذاب کا دروازہ کھولا تو فوراً اس میں ناامید اور آس توڑنے والے ہو گئے اور دل کی ساری امیدیں ختم ہوئیں۔

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝ وَهُوَ الَّذِيْ

اور اسی نے بنا دیے تمہارے کان اور آنکھیں اور دل تم بہت تھوڑا حق مانتے ہو ف۱ اور اسی نے تم کو

اور اسی نے بنا دیئے تم کو کان اور آنکھیں اور دل۔ تم بہت تھوڑا حق مانتے ہو۔ اور اسی نے تم کو

ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ وَهُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّيْلِ

پھیلا رکھا ہے زمین میں اور اسی کی طرف جمع ہو کر جاؤ گے ف۲ اور وہی ہے جلاتا اور مارتا اور اسی کا کام ہے بدلنا رات

بکھیر رکھا ہے زمین میں، اور اسی کی طرف جمع ہو کر جاؤ گے۔ اور وہی ہے جلاتا اور مارتا۔ اور اسی کا کام ہے بدلنا رات

وَالنَّهَارِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ ۝ قَالُوْٓا ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا

اور دن کا سو کیا تم کو سمجھ نہیں ف۳ کوئی بات نہیں یہ تو وہی کہہ رہے ہیں جیسا کہا کرتے تھے پہلے لوگ کہتے ہیں کیا جب ہم مر گئے

اور دن کا۔ سو کیا تم کو بوجھ نہیں؟ کوئی نہیں، یہ وہی کہتے ہیں جیسے کہہ چکے ہیں پہلے۔ کہتے ہیں، کیا جب ہم مر گئے

تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۝ لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَاۗؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ

اور ہو گئے مٹی اور ہڈیاں کیا ہم کو زندہ ہو کر اٹھنا ہے وعدہ دیا جاتا ہے ہم کو اور ہمارے باپ دادوں کو یہی پہلے سے اور کچھ بھی نہیں یہ

اور ہو گئے مٹی اور ہڈیاں، کیا ہم کو جلا اٹھانا ہے؟ وعدہ مل چکا ہم کو اور ہمارے باپ دادوں کو یہی پہلے سے، اور کچھ نہیں یہ

اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ

نقلیں ہیں پہلوں کی ف۴ تو کہہ کس کی ہے زمین اور جو کوئی اس میں ہے بتاؤ اگر تم جانتے ہو اب کہیں گے

نقلیں ہیں پہلوں کی۔ تو کہہ کس کی ہے زمین اور جو کوئی اس کے بیچ ہے، بتاؤ اگر تم جانتے ہو؟ اب کہیں گے

ف۱ کانوں سے اس کی آیات تنزیلیہ کو سنو اور آنکھوں سے آیات تکوینیہ کو دیکھو اور دلوں سے دونوں کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ ان نعمتوں کا شکریہ تھا کہ اللہ کی دی ہوئی قوتوں کو ان کے کام میں لاتے لیکن ایسا نہ ہوا۔ اکثر آدمیوں نے اکثر اوقات میں ان قوتوں کو بے جا خرچ کیا۔

ف۲ وہاں ہر ایک کو شکر گزاری اور ناشکری کا بدلہ مل جائے گا۔ اس وقت کوئی شخص یا کوئی عمل غیر حاضر نہ ہو سکے گا۔ جس نے پھیلایا اس کو سمیٹنا کیا مشکل ہے۔

ف۳ زندہ سے مردہ اور مردہ سے زندہ، یا اندھیرے سے اجالا اور اجالے سے اندھیرا کر دینا جس کے قبضہ میں ہے اس کی قدرت عظیمہ کے سامنے کیا مشکل ہے کہ تم کو دوبارہ زندہ کر دے اور آنکھوں کے آگے سے ظلمت جہل کے پردے اٹھا دے۔ جس کے بعد حقائق اشیا ٹھیک ٹھیک منکشف ہو جائیں، جیسا کہ قیامت میں ہوگا۔ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ۔

ف۴ یعنی عقل و فہم کی بات کچھ نہیں محض پرانے لوگوں کی اندھی تقلید کیے چلے جا رہے ہیں، وہی دقیانوسی شکوک پیش کرتے ہیں جو ان کے پیشرو کیا کرتے ہیں =

لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۵﴾ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۸۶﴾

سب کچھ اللہ کا ہے تو کہہ پھر تم سوچتے نہیں ف۱ تو کہہ کون ہے مالک ساتوں آسمان کا اور مالک اس بڑے تخت کا

اللہ کو۔ تو کہہ، پھر تم سوچ نہیں کرتے ؟ تو کہہ کون ہے مالک سات آسمانوں کا۔ اور مالک اس بڑے تخت کا ؟

سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۸۷﴾ قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا

اب بتائیں گے اللہ کو، تو کہہ پھر تم ڈرتے نہیں ف۲ تو کہہ کس کے ہاتھ میں ہے حکومت ہر چیز کی اور وہ بچا لیتا ہے اور اس سے

بتاویں گے اللہ کو۔ تو کہہ پھر تم ڈر نہیں رکھتے ؟ تو کہہ، کس کے ہاتھ ہے حکومت ہر چیز کی ؟ اور وہ بچا لیتا ہے اور اس سے

يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۸﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ﴿۸۹﴾ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ

کوئی بچ نہیں سکتا بتاؤ اگر تم جانتے ہو اب بتائیں گے اللہ کو ف۳ تو کہہ پھر کہاں سے تم پر جادو آ پڑتا ہے ف۴ کوئی نہیں ہم نے ان کو پہنچایا

کوئی نہیں بچا سکتا۔ بتاؤ اگر تم جانتے ہو۔ اب بتاویں گے اللہ کو۔ تو کہہ، پھر کہاں سے تم پر جادو پڑ جاتا ہے۔ کوئی نہیں، ہم نے ان کو پہنچایا

بِالْحَقِّ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۹۰﴾ مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ

سچ اور وہ البتہ جھوٹے ہیں ف۵ اللہ نے کوئی بیٹا نہیں کیا اور نہ اس کے ساتھ کسی کا حکم چلے یوں ہوتا تو لے جاتا ہر حکم

سچ۔ اور وہ البتہ جھوٹے ہیں۔ اللہ نے کوئی بیٹا نہیں کیا اور نہ اس کے ساتھ کسی کا حکم چلے۔ یوں ہوتا تو لے جاتا ہر حکم

اِلٰهٍۭ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۹۱﴾ عٰلِمِ الْغَيْبِ

والا اپنی بنائی چیز کو اور چڑھائی کرتا ایک پر ایک ف۶ اللہ نرالا ہے ان کی بتلائی باتوں سے ف۷ جاننے والا چھپے

والا اپنے بنائے کو اور چڑھ جاتا ایک پر ایک۔ اللہ نرالا ہے ان کے بتانے سے۔ جاننے والا چھپے

وَالشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۹۲﴾ ع ۱۵

اور کھلے کا وہ بہت اوپر ہے اس سے جس کو شریک بتلاتے ہیں ف۸

اور کھلے کا، وہ بہت اوپر ہے اس سے جو یہ شریک بناتے ہیں۔

= یعنی مٹی میں مل کر اور ریزہ ریزہ ہو کر ہم کیسے زندہ کیے جائیں گے؟ ایسی دور از عقل باتیں جو ہم کو سنائی جا رہی ہیں پہلے ہمارے باپ دادوں سے بھی کہی گئی تھیں۔ لیکن ہم نے تو آج تک خاک کے ذروں اور ہڈیوں کے ریزوں کو آدمی بنتے نہ دیکھا۔ ہو نہ ہو یہ سب قصے کہانیاں ہیں جو پہلے لوگ گھڑ گئے تھے۔ اور اب ان ہی کی نقل کی جا رہی ہے۔

ف۱ کہ جس کا قبضہ ساری زمین اور زمینی چیزوں پر ہے۔ کیا تمہاری مشت خاک اس کے قبضہ سے باہر ہو گی؟

ف۲ کہ اتنا بڑا شہنشاہ مطلق تمہاری ان گستاخیوں اور نافرمانیوں پر تم کو دھر گھسیٹے۔ کیا یہ انتہائی گستاخی نہیں کہ اس شہنشاہ مطلق کو ایک ذرہ بے مقدار سے عاجز قرار دینے لگے۔

ف۳ یعنی ہر چیز پر اسی کا اختیار چلتا ہے جس کو چاہے وہ پناہ دے سکتا ہے۔ لیکن کوئی دوسرا اس کے مجرم کو پناہ نہیں دے سکتا۔

ف۴ جس سے مسحور ہو کر تم ہوش و حواس کھو بیٹھتے ہو کہ ایسی موٹی باتیں بھی نہیں سمجھ سکتے جب تمام زمین و آسمان کا مالک وہی ہوا اور ہر چیز اسی کے زیر تصرف واقتدار ہوئی، تو آخر تمہارے بدن کی ہڈیاں اور ریزے اس کے قبضہ اقتدار سے نکل کر کہاں چلے جائیں گے کہ ان پر وہ قادر مطلق اپنی مشیت نافذ نہ کر سکے گا۔

ف۵ یعنی دلائل و شواہد سے ظاہر کر دیا گیا کہ جو کچھ ان سے کہا جا رہا ہے سو بالکل صحیح اور حق ہے اور وہ لوگ محض جھوٹے خیالات کی پیروی کر رہے ہیں۔ =

تذکیر انعامات وذکر دلائل قدرت برائے اثبات قیامت

قَالَ اللهُ تَعَالٰی: ﴿وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ... الی ... فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾

ربط: ......گزشتہ آیات میں کفار کے اسباب جہالت وضلالت کا بیان تھا اور ان سب کا اصل منشا حشر ونشر کا انکار تھا کہ یہ لوگ جزا اور سزا اور قیامت کے قائل نہ تھے۔ اس لئے اب آئندہ آیات میں اپنی نعمتوں کو یاد دلاتے ہیں تاکہ اس کا شکر کریں اور اپنی قدرت کاملہ کے آثار کو ذکر کرتے ہیں تاکہ مردوں کو دوبارہ زندہ کیے جانے میں شک نہ کریں اور قیامت اور جزا اور سزا پر ایمان لے آئیں کہ جس خدا کی قدرت کے یہ کرشمے ہیں اس کے نزدیک مردوں کا زندہ کرنا کیا بڑی بات ہے اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے چار دلائل بیان فرمائے جو دلائل وحدانیت بھی ہیں اور دلائل قیامت بھی ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

دلیل اول

اور وہ اللہ وہ ہے جس نے پیدا کئے تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل۔ اگر حق تعالیٰ تمہارے لیے یہ اعضا پیدا نہ کرتے تو تم نہ سن سکتے اور نہ دیکھ سکتے۔ اور نہ سمجھ سکتے ان کے بغیر زندگی موت سے بدتر ہے تم کو یہ عجیب وغریب نعمتیں اس لیے عطا کیں کہ تم خدا کا خوب ہی شکر کرو۔ لیکن تم بہت ہی کم شکر کرتے ہو تو کیا ایسا ناشکرا اس کا مستحق نہیں کہ اس پر سخت عذاب کا دروازہ کھول دیا جائے۔

دلیل دوم

اور وہ ہے جس نے تم کو زمین میں پیدا کیا اور پھیلایا اور تمہاری حاجتوں اور ضرورتوں کو زمین میں بکھیر دیا کہ ان کے لیے ادھر سے ادھر جا رہے ہو اور پھر قیامت کے دن اسی کی طرف اکٹھے کیے جاؤ گے اور تم سے سوال ہوگا کہ تم نے ہماری نعمتوں کا کیا شکر کیا۔ یہ خدا کی رحمت اور نعمت بھی ہے اور کرشمہ قدرت بھی ہے۔

دلیل سوم

اور وہ وہ ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے یعنی موت اور حیات اور تمہارا وجود اور عدم سب اس کے ہاتھ میں ہے۔

دلیل چہارم

اور اسی کے قبضہ قدرت میں ہے دن رات کی آمد ورفت یعنی ان کا روشنی اور تاریکی میں مختلف ہونا اور ان کا گھٹنا اور

= ف٦ یعنی زمین وآسمان اور ذرہ ذرہ کا تنہا مالک ومختار وہی ہے نہ اسے بیٹے کی ضرورت نہ مددگار کی، نہ اس کی حکومت وفرمانروائی میں کوئی شریک جسے ایک ذرہ کا مستقل اختیار ہو۔ ایسا ہوتا تو ہر ایک بااختیار حاکم اپنی رعایا کو لے کر علیحدہ ہو جاتا اور اپنی جمعیت فراہم کرکے دوسرے پر چڑھائی کر دیتا اور عالم کا یہ مضبوط ومحکم نظام چند روز بھی قائم نہ رہ سکتا۔ سورۂ انبیا کی آیت ﴿لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا﴾ کے فوائد میں اس کی تقریر کی جا چکی ہے ملاحظہ کر لی جائے۔

ف٧ کیا خدا کی شان یہ ہوتی ہے کہ اس کے آگے کوئی دم مار سکے یا ایک ذرہ اس کے حکم سے باہر ہو سکے۔

ف٨ یعنی جس کی قدرت عامہ وتامہ کا حال پہلے بیان ہو چکا اور علم محیط ایسا کہ کوئی ظاہر وباطن اور غیب وشہادت اس سے پوشیدہ نہیں۔ اس کی حکومت میں کیا وہ چیزیں شریک ہوں گی جن کی قدرت اور علم وغیرہ سب صفات محدود ومستعار ہیں؟ استغفر اللہ۔

بڑھنا یہ سب اسی کے ارادہ اور اختیار سے ہے سو کیا تم سمجھتے نہیں کہ یہ کارخانہ کسی قادر مختار کے اختیار سے جاری ہے اور کیا ان دلائل قدرت کو دیکھ کر بھی بعث اور حشر ونشر کا انکار کرتے ہو، لیکن ان لوگوں نے اس عجیب وغریب کرشمہ کو دیکھ کر عقل سے کام نہیں لیا بلکہ انہوں نے وہی بات کہی جو اگلوں نے کہی تھی۔ عقل کو تو بالائے طاق رکھ دیا اور بولے بھلا جب ہم مر گئے اور مٹی اور ہڈیاں ہو گئے تو کیا ہم دوبارہ زندہ کئے جائیں گے۔ ان کا یہ کلام خالی خیال ہی خیال تھا کوئی دلیل عقلی نہ تھی جس سے دوبارہ زندگی کا محال ہونا معلوم ہو اور بولے یہی وعدہ یعنی دوبارہ زندہ ہونے کا وعدہ ہم سے پہلے ہمارے باپ دادوں کے ساتھ کیا جاتا رہا۔ مگر ہم نے اس کی کوئی اصلیت نہیں دیکھی اور اب تک یہ وعدہ پورا نہیں ہوا۔ یہ تو کچھ بھی نہیں صرف اگلوں کے افسانے اور من گھڑت قصے ہیں، انہی کی نقل یہ نبی بھی کرتا ہے۔ اے نبی آپ ﷺ ان منکرین بعث سے جو مٹی سے انسان کے پیدا ہونے کو محال سمجھتے ہیں یہ سوال کیجئے کہ اچھا یہ بتلاؤ کہ یہ زمین اور جو مخلوق اس میں آباد ہے وہ کس کی ملک ہے اور کون اس کا خالق اور موجد ہے اگر جانتے ہو تو بتلاؤ۔ عنقریب مجبور ہو کر یہی کہیں گے کہ سب زمین مع اپنی مخلوقات اور عجائبات کے اللہ ہی کی ملک ہے اور اسی کی پیدا کی ہوئی ہے پس جب وہ یہ اقرار کرلیں تو آپ ان سے یہ کہیں کہ پھر دھیان کیوں نہیں کرتے یعنی جب تم اس کو ابتداء خالق مانتے ہو تو دوبارہ پیدا کرنے پر کیوں قادر نہیں مانتے نیز آپ ان منکرین بعث سے یہ بھی دریافت کیجئے کہ اچھا بتلاؤ کہ سات آسمانوں کا پروردگار اور عرش عظیم کا پروردگار کون ہے۔ سو اس کے جواب میں بھی ضرور وہ یہی کہیں گے کہ یہ سب اللہ ہی کا ہے تو پھر آپ ﷺ ان سے یہ کہئے کہ پھر تم خدا سے ڈرتے کیوں نہیں کہ تم اس کو دوبارہ زندہ کرنے سے عاجز بتلاتے ہو، جس ذات کی قدرت کی یہ شان ہو اسے مردوں کو دوبارہ زندہ کرنا کیا مشکل ہے نیز اے نبی آپ ان منکرین بعث سے یہ بھی دریافت کیجئے کہ بتلاؤ کہ وہ کون ہے کہ جس کے ہاتھ میں ہر شئے کی بادشاہی اور حکومت ہے اور اس کے ہاتھ میں ہر شئے کا اختیار ہے اور وہ جس کو چاہتا ہے پناہ دیتا ہے اور اس کے برخلاف پناہ نہیں دی جاسکتی۔ بتلاؤ اگر تم کچھ جانتے ہو وہ اس کے جواب میں بھی یہی کہیں گے کہ سب صفتیں تو اللہ ہی کے لیے خاص ہیں تو آپ ان سے یہ کہیئے کہ اچھا بتلاؤ کہ پھر تم کہاں سے جادو کر دیئے گئے ہو یعنی ان واضح دلائل کے بعد تمہاری عقلیں کہاں چلی گئیں کہ اس کی قدرت میں شک کرنے لگے اور اس کی وحدانیت میں شرک کرنے لگے اور باوجود اس علم اور اقرار کے اس کے غیر کو پوجنے لگے، خوب سمجھ لو کہ اللہ ایک ہے اور بعث حق ہے اور یہ ﴿اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ﴾ نہیں بلکہ ہم ان کے پاس حق اور صدق لے کر آئے ہیں۔ اس کے حق اور سچ ہونے میں کوئی شبہ نہیں اور بلاشبہ یہ مشرکین ہی جھوٹے ہیں جو خدا کے لیے شریک اور اولاد ٹھہراتے ہیں اور اس بارے میں ان کے پاس کوئی دلیل اور برہان نہیں اللہ تو وحدہ لاشریک ہے کوئی اس کا ہم جنس نہیں اس لیے کہ اللہ نے کسی کو اولاد نہیں ٹھہرایا۔ نہ بیٹا اور نہ بیٹی اور نہ اس کے ساتھ کوئی دوسرا خدا ہے بالفرض اگر ایسا ہوتا تو ہر خدا اپنی مخلوق کو الگ لے جاتا یعنی خدائی تقسیم ہو جاتی اور ہر خدا اپنی مخلوق کو دوسرے خدا کی مخلوق سے جدا کر لیتا تاکہ اس کی قدرت اور سلطنت کا علم ہو اور لوگ جانیں کہ یہ فلانے خدا کی مخلوق ہے اور ہرگز پسند نہ کرتا کہ اس کی مخلوق دوسرے خدا کی مخلوق کے ساتھ رل مل جاوے، اس لیے کہ جب دو خدا ہوتے تو ان کی مخلوق بھی دو حصوں میں منقسم ہوتی اور ہر ایک خدا اپنی سلطنت اور ملکیت کو علیحدہ کر لیتا تاکہ دوسرا خدا اس خدا کی حدود ملکیت و سلطنت میں مداخلت نہ کر سکے ایک بادشاہ کبھی بھی اس بات پر راضی نہیں ہو سکتا کہ اس کی حدود سلطنت دوسرے کی حدود

سلطنت کے ساتھ رل مل جائیں۔ ہر کارخانہ کا نشان اور مہر الگ ہوتی ہے تاکہ اس کارخانہ کی چیز دوسرے کارخانہ کی چیز سے ملتبس نہ ہو سکے۔ غرض یہ کہ ایک خدا کبھی اس پر راضی نہیں ہوسکتا کہ دوسرا خدا اس کی ملک اور اس کے ملک میں شریک اور دخیل ہو سکے اور ایک خدا ہرگز یہ گوارا نہیں کرتا کہ اس کی مخلوق دوسرے کی طرف منسوب ہو سکے، تمام دنیا کی سلطنتوں کا قاعدہ ہے کہ ایک بادشاہ کی حدود سلطنت دوسرے بادشاہ کی حدود سلطنت سے جدا اور ممتاز ہوتی ہیں اور ہر سلطنت کا امتیازی نشان علیحدہ ہوتا ہے پس اسی طرح اگر دو خدا ہوتے تو ہر ایک کی مخلوق اور ہر ایک کی حدود سلطنت دوسرے سے جدا اور ممتاز ہوتے۔ لیکن مخلوقات میں کوئی علامت فرق کی نظر نہیں آتی کہ یہ مخلوق اس خدا کی ہے اور وہ مخلوق اس خدا کی ہے معلوم ہوا کہ خدا ایک ہی ہے اس کے ساتھ کوئی دوسرا خدا نہیں اور اگر دو خدا ہوتے تو آخر کار ان دو خداؤں میں لڑائی اور جھگڑا ہوتا اور ایک دوسرے پر چڑھائی کرتا اور ہر ایک اپنا غلبہ چاہتا۔ اور اپنی جمعیت اور طاقت فراہم کر کے دوسرے پر ہلہ بول دیتا اور پھر اس لڑائی میں لامحالہ ایک دوسرے پر غالب آتا اور زور آور کمزور کو دبا لیتا۔ اور اس کا ملک اس سے لے لیتا اور دوسرا مغلوب ہو جاتا، جیسا کہ لڑائی کا انجام ہے۔ اور جو مغلوب ہو جاتا وہ خدائی کے قابل نہ رہتا اور جو ایک غالب ہوتا وہی خدا ہوتا اور ظاہر ہے کہ دو خداؤں کی لڑائی سے نظام عالم درہم برہم ہو جاتا اور سارا جہاں تہہ و بالا ہو جاتا اور دو خداؤں کی جنگ میں عالم کا یہ محکم نظام ایک دن بھی قائم نہ رہتا۔ مگر سب دیکھتے ہیں کہ نظام عالم میں کوئی خلل اور فساد نہیں۔ اور نہ کوئی علامت فرق کی نظر آتی ہے کہ یہ چیز اس خدا کی مخلوق ہے اور وہ چیز فلاں خدا کی مخلوق ہے اور نہ کسی مخلوق پر کسی خدا کی خاص علامت ہے کہ یہ فلانے خدا کی ہے۔ پس جب ہم دیکھتے ہیں کہ ایک خدا کی مخلوق دوسرے خدا کی مخلوق سے جدا اور ممتاز نہیں اور نہ آپس میں کوئی لڑائی اور جھگڑا ہے تو معلوم ہوا کہ سارا کارخانہ ایک ہی خدا کے اختیار سے چل رہا ہے اور سارے عالم کا خالق ایک ہی خدا ہے اور یہ سارا عالم ایک ہی خدا کی مخلوق ہے کوئی دوسرا اس میں شریک نہیں اسے نہ بیٹے کی ضرورت ہے اور کسی شریک کی۔ (دیکھو تفسیر کبیر: ۶/۲۳۶) اور اس دلیل کی مفصل تقریر سورۂ انبیا کی آیت ﴿لَوْ كَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا﴾ میں گزر چکی ہے وہاں دیکھ لی جائے۔

اللہ منزہ ہے ان باتوں سے جو یہ ظالم اس کے لئے بتاتے ہیں یعنی نہ اس کے لیے اولاد ہے اور نہ کوئی اس کا شریک ہے۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ خدا اول تو علو اور غلبہ کو چاہے گا کہ دوسرے پر غالب آ جاؤں اور اگر بالفرض ایک خدا سے دوسرے خدا پر چڑھائی ممکن نہ ہوئی تو کم از کم وہ اپنی مخلوق کو دوسرے خدا کی مخلوق سے جدا اور علیحدہ تو ضرور کرے گا شریک اور خلط ملط پر ہرگز راضی نہ ہوگا۔

دلیل دیگر

وہ تو غیب اور حاضر سب کا جاننے والا ہے کوئی ذرہ اس سے پوشیدہ نہیں اور ظاہر ہے کہ خدا کے سوا کوئی غیب اور شہادت کا جاننے والا نہیں۔ پس معلوم ہوا کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اس لیے کہ اگر دو خدا ہوں تو لامحالہ دونوں عالم الغیب ہوں گے اور ہر ایک کا علم اپنے ماسوا کو محیط ہوگا تو لازم آئے گا کہ ہر خدا ایک ہی اعتبار سے محیط بھی ہوا اور محاط بھی اور یہ بات عقلاً محال ہے۔ پس وہ بالا اور برتر ہے اس سے جس کو وہ اس کا شریک بناتے ہیں۔ اس لیے کہ اس کی قدرت بھی غیر محدود ہے

اور اس کا علم بھی غیر محدود ہے۔ کوئی اس کا شریک نہیں۔

قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ ﴿۹۳﴾ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَاِنَّا عَلٰٓى

تو کہہ اے رب اگر تو دکھانے لگے مجھ کو جو ان سے وعدہ ہوا ہے تو اے رب مجھ کو نہ کریو ان گناہ گار لوگوں میں ف۱ اور ہم کو

تو کہہ، اے رب ! کبھی تو دکھاوے مجھ کو جو ان کو وعدہ ملتا ہے۔ تو اے رب مجھ کو نہ کریو ان گنہگار لوگوں میں۔ اور ہم کو

اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۹۵﴾ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ؕ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا

قدرت ہے کہ تجھ کو دکھلا دیں جو ان سے وعدہ کر دیا ہے۔ بری بات کے جواب میں وہ کہہ جو بہتر ہے۔ ہم خوب جانتے ہیں جو یہ

قدرت ہے کہ تجھ کو دکھاویں جو ان کو وعدہ دیتے ہیں۔ بری بات کے جواب میں وہ کہہ جو بہتر ہے۔ ہم خوب جانتے ہیں جو یہ

يَصِفُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ﴿۹۷﴾ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ

بتاتے ہیں ف۲ اور کہہ اے رب میں تیری پناہ چاہتا ہوں شیطان کی چھیڑ سے ف۳ اور پناہ تیری چاہتا ہوں

بتاتے ہیں۔ اور کہہ، اے رب ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں شیطانوں کی چھیڑ سے۔ اور پناہ تیری چاہتا ہوں،

يَّحْضُرُوْنِ ﴿۹۸﴾ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿۹۹﴾ لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا

اے رب اس سے کہ میرے پاس آئیں ف۴ یہاں تک کہ جب پہنچے ان میں کسی کو موت کہے گا اے رب مجھ کو پھر بھیج دو شاید کچھ میں بھلا کام کر لوں

اے رب! اس سے کہ میرے پاس آویں۔ یہاں تک کہ جب پہنچے ان میں کسی کو موت، کہے گا اے رب مجھ کو پھر بھیجو، شاید کچھ میں بھلا کام کروں،

فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ؕ وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

اس میں جو پیچھے چھوڑ آیا ف۵ ہرگز نہیں یہ ایک بات ہے کہ وہی کہتا ہے ف۶ اور ان کے پیچھے پردہ ہے اس دن تک کہ اٹھائے جائیں ف۷

اس میں جو پیچھے چھوڑ آیا۔ کوئی نہیں، یہ بات ہے کہ وہ کہتا ہے۔ اور ان کے پیچھے اٹکاؤ ہے جس دن تک اٹھائے جاویں۔

ف۱ یعنی حق تعالیٰ کی جناب میں ایسی گستاخی کی جاتی ہے تو یقیناً کوئی سخت آفت آ کر رہے گی۔ اس لیے ہر مومن کو ہدایت ہوئی کہ اللہ کے عذاب سے ڈر کر یہ دعاء مانگے کہ جب ظالموں پر عذاب آئے تو الٰہی مجھ کو اس کے ذیل میں شامل نہ کرنا۔ جیسا کہ حدیث میں آیا "وَاِذَآ اَرَدْتَ بِقَوْمٍ فِتْنَةً فتوننی غَيْرَ مَفْتُوْنٍ" کا مطلب یہ ہے کہ خداوندا ہم کو ایمان و احسان کی راہ پر مستقیم رکھ۔ کوئی ایسی تقصیر نہ ہو کہ العیاذ باللہ تیرے عذاب کی لپیٹ میں آ جائیں۔ جیسے دوسری جگہ ارشاد ہوا۔ ﴿وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً﴾ (انفعال، رکوع ۳) یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب بنا کر دوسروں کو سناتا ہے اور یہ قرآن کریم کی عام عادت ہے۔

ف۲ یعنی ہم کو قدرت ہے کہ تمہاری آنکھوں کے سامنے دنیا ہی میں ان کو سزا دے دیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام بلند اور اعلیٰ اخلاق کا مقتضی یہ ہے کہ ان کی برائی کو بھلائی سے دفع کریں جہاں تک اس طرح دفع ہو سکتی ہے۔ اور ان کی بے ہودہ بکواس سے مشتعل نہ ہوں۔ اس کو ہم خوب جانتے ہیں، وقت پر کافی سزا دی جائے گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اغماض اور نرم برتاؤ کا اثر یہ ہوگا کہ بہت سے لوگ گرویدہ ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھکیں گے اور دعوت و اصلاح کا مقصود حاصل ہوگا۔

ف۳ پہلے شیاطین الانس کے ساتھ برتاؤ کرنے کے طریقہ بتلایا تھا۔ لیکن شیاطین الجن اس طریقہ سے متاثر نہیں ہو سکتے۔ کوئی تدبیر یا نرمی ان کو رام نہیں کر سکتی۔ اس کا علاج صرف استعاذہ ہے یعنی اللہ کی پناہ میں آ جانا، تا وہ قادر مطلق ان کی چھیڑ خانی اور شر سے محفوظ رکھے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ شیطان کی چھیڑ یہ ہے کہ دین کے سوال و جواب میں بے موقع غصہ چڑھے اور لڑائی ہو پڑے۔ اسی پر فرمایا کہ برے کا جواب دے اس سے بہتر۔ =

فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿١٠١﴾ فَمَنْ ثَقُلَتْ

پھر جب پھونک ماریں صور میں تو نہ قرابتیں ہیں ان میں اس دن اور نہ ایک دوسرے کو پوچھے ف۱ سو جس کی بھاری ہوئی

پھر جس وقت پھونک مارے صور میں تو نہ ذاتیں ہیں ان میں اس دن، نہ آپس میں پوچھنا، سو جس کی بھاری ہوئیں

مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿١٠٢﴾ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا

تول تو وہی لوگ کام لے نکلے اور جس کی ہلکی نکلی تول سو وہی لوگ ہیں جو ہار بیٹھے

تولیں، وہی لوگ کام لے نکلے۔ اور جس کی ہلکی ہوئیں تولیں، سو وہی ہیں جو ہار بیٹھے

اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿١٠٣﴾ تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ ﴿١٠٤﴾ اَلَمْ

اپنی جان دوزخ ہی میں رہا کریں گے جھلس دے گی ان کے منہ کو آگ اور وہ اس میں بدشکل ہو رہے ہوں گے ف۲ کیا تم کو

اپنی جان، دوزخ میں رہا کریں گے۔ مارتی ہے ان کے منہ پر آگ اور وہ اس میں بدشکل ہو رہے ہیں۔ تم کو

=ف۴ یعنی کسی حال میں بھی شیطان کو میرے پاس نہ آنے دیجئے کہ مجھ پر وہ اپنا وار کر سکے۔

ف۵ یعنی آپ ان کفار کی برائیوں کو بھلے طریقہ سے دفع کرتے رہیے۔ اور جو باتیں یہ بناتے ہیں ان کو ہمارے حوالہ کیجئے یہاں تک کہ ان میں سے بعض کی موت کا وقت آ پہنچے اور نزع کی حالت میں مبادی عذاب کا معائنہ کر کے پچھتاوا شروع ہو۔ اس وقت تمنا کریں گے کہ اے پروردگار! قبر کی طرف لے جانے کے بجائے ہم کو پھر دنیا کی طرف واپس کر دو۔ تا کہ گزشتہ زندگی میں جو تقصیرات ہم نے کی ہیں اب نیک عمل سے ان کی تلافی کر سکیں۔ آئندہ ہم ایسی خطائیں ہرگز نہیں کریں گے۔ کما قال تعالیٰ ﴿وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ (منافقون، رکوع ۲)

ف۶ یعنی اجل آ جانے کے بعد اس کام کے لیے ہرگز واپس نہیں کیا جا سکتا اور بالفرض واپس کر دیا جائے تو ہرگز نیک کام نہ کرے گا۔ وہ ہی شرارتیں پھر سوجھیں گی۔ ﴿وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ﴾ (انعام، رکوع ۳) یہ محض اس کی بات ہے جو زبان سے بنا رہا ہے اور غلبۂ حسرت وندامت کی وجہ سے خاموش نہیں رہ سکتا وہ ہی اپنی طرف سے یہ بات کہتا ہے، کہتا رہے، ہمارے یہاں شنوائی نہیں ہوگی۔

ف۷ یعنی ابھی کیا دیکھا ہے۔ موت ہی سے اس قدر گھبرا گیا۔ آگے اس کے بعد ایک اور عالم برزخ آتا ہے۔ جہاں پہنچ کر دنیا والوں سے پردہ میں ہو جاتا ہے اور آخرت بھی سامنے نہیں آتی۔ ہاں عذاب آخرت کا تھوڑا سا نمونہ سامنے آتا ہے جس کا مزہ قیامت تک پڑا چکھتا رہے گا۔

ف۱ یعنی عالم برزخ کے بعد قیامت کی گھڑی ہے۔ دوسری مرتبہ صور پھونکنے کے بعد تمام خلائق کو ایک میدان میں لا کھڑا کریں گے۔ اس وقت ہر ایک شخص اپنی فکر میں مشغول ہوگا۔ اولاد ماں باپ سے، بھائی بھائی سے اور میاں بیوی سے سروکار نہ رکھے گا۔ ایک دوسرے سے بیزار ہوں گے۔ کوئی کسی کی بات نہ پوچھے گا۔ ﴿يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ﴾ (عبس، رکوع ۱) اس کے بعد دوسرے وقت ممکن ہے بعض قرابتوں سے کچھ نفع پہنچ جائے کما قال تعالیٰ ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ﴾ (طور، رکوع ۱)

(تنبیہ) بعض احادیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن سارے نسب اور دامادی کے تعلقات منقطع ہو جائیں گے (یعنی کام نہ دیں گے) "اِلَّا نَسَبِيْ وَصِهْرِيْ" (بجز میرے نسب اور صہر کے) معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلقات عموم سے مستثنیٰ ہیں۔ اسی حدیث کو سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ام کلثوم بنت علی بن ابی طالب سے نکاح کیا، اور چالیس ہزار درہم مہر باندھا۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں۔ "وہاں باپ بیٹا ایک دوسرے کو شامل نہیں، ہر ایک سے اس کے عمل کا حساب ہے۔"

ف۲ جلتے جلتے بدن سوج جائے گا، نیچے کا ہونٹ لٹک کر ناف تک اور اوپر کا پھول کر کھوپڑی تک پہنچ جائے گا، اور زبان باہر نکل کر زمین میں لٹکتی ہوگی جسے دوزخی پاؤں سے روندیں گے (اللھم احفظنا منه ومن سائر انواع العذاب)

تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا

سنائی نہ تھیں ہماری آیتیں پھر تم ان کو جھٹلاتے تھے ف۱ بولے اے رب زور کیا ہم پر ہماری کم بختی نے

سناتے نہ تھے ہماری آیتیں ؟ پھر تم ان کو جھٹلاتے تھے۔ بولے اے رب ! زور کیا ہم پر ہماری کم بختی نے

وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ ﴿۱۰۶﴾ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ قَالَ اخْسَــُٔوْا

اور رہے ہم لوگ بہکے ہوئے اے ہمارے رب نکال لے ہم کو اس میں سے اگر ہم پھر کریں تو ہم گناہ گار ف۲ فرمایا پڑے رہو

اور رہے ہم لوگ بہکے۔ اے رب ! نکال لے ہم کو اس میں سے، اگر ہم پھر کریں تو ہم گنہگار۔ فرمایا، پڑے رہو

فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ﴿۱۰۸﴾ اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا

پھٹکارے ہوئے اس میں اور مجھ سے نہ بولو ایک فرقہ تھا میرے بندوں میں جو کہتے تھے اے رب ہمارے ہم یقین لائے، سو معاف کر ہم کو

پھٹکارے اس میں اور مجھ سے نہ بولو۔ ایک فرقہ تھا میرے بندوں میں، جو کہتے تھے، اے رب ہمارے ! ہم یقین لائے، سو معاف کر ہم کو

وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰٓى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ وَكُنْتُمْ

اور رحم کر ہم پر، اور تو سب رحم والوں سے بہتر ہے ف۳ پھر تم نے ان کو ٹھٹھوں میں پکڑا یہاں تک کہ بھول گئے ان کے پیچھے میری یاد اور تم

اور مہر کر ہم پر، اور تو سب مہر والوں سے بہتر ہے۔ پھر تم نے ان کو ٹھٹھوں میں پکڑا، یہاں تک کہ بھولے ان کے پیچھے میری یاد، اور تم

مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ اِنِّيْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْٓا ۙ اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ قٰلَ

ان سے ہنستے رہے ف۴ میں نے آج دیا ان کو بدلہ ان کے صبر کرنے کا کہ وہی ہیں مراد کو پہنچنے والے ف۵ فرمایا

ان سے ہنستے رہے۔ میں نے آج دیا انکو بدلہ ان کے سہنے کا، کہ وہی ہیں مراد کو پہنچے۔ فرمایا،

كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْـَٔلِ

تم کتنی دیر رہے زمین میں برسوں کی گنتی سے بولے ہم رہے ایک دن یا کچھ دن سے کم تو پوچھ لے

تم کتنی دیر رہے زمین میں، برسوں کی گنتی سے ؟ بولے، ہم رہے ایک دن یا کچھ دن سے کم، تو پوچھ لے

ف۱ یعنی اس وقت ان سے یوں کہیں گے۔ گویا جن باتوں کو دنیا میں جھٹلایا کرتے تھے، اب آنکھوں سے دیکھ لو سچی تھیں یا جھوٹی؟

ف۲ یعنی اعتراف کریں گے کہ بیشک ہماری بدبختی نے دھکا دیا جو سیدھے راستہ سے بہک کر اس ابدی ہلاکت کے گڑھے میں آ پڑے۔ اب ہم نے سب کچھ دیکھ لیا۔ از راہ کرم ایک دفعہ ہم کو یہاں سے نکال دیجئے۔ پھر کبھی ایسا کریں تو گنہگار، جو سزا چاہیے دیجئے گا۔

ف۳ یعنی بک بک مت کرو، جو کیا تھا اب اس کی سزا بھگتو۔ آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جواب کے بعد پھر فریاد منقطع ہو جائے گی۔ بجز زفیر و شہیق کے کچھ کلام نہ کر سکیں گے۔ العیاذ باللہ۔

ف۴ یعنی دنیا میں مسلمان جب اپنے رب کے آگے دعا و استغفار کرتے تو تم کو ہنسی سوجھتی تھی۔ اس قدر ٹھٹھا کرتے اور ان کی نیک خصلتوں کا اتنا مذاق اڑاتے تھے کہ ان کے پیچھے پڑ کر تم نے مجھے بھی یاد نہ رکھا، گویا تمہارے سر پر کوئی حاکم ہی نہ تھا جو کسی وقت ان حرکتوں پر نوٹس لے اور ایسی سخت شرارتوں کی سزا دے سکے۔

ف۵ بیچارے مسلمانوں نے تمہاری زبانی اور عملی ایذاؤں پر صبر کیا تھا، آج دیکھتے ہو تمہارے بالمقابل ان کو کیا پھل ملا۔ ان کو ایسے مقام پر پہنچا دیا گیا جہاں وہ ہر طرح کامیاب اور ہر قسم کی لذتوں اور مسرتوں سے ہمکنار ہیں۔

الْعَآدِّیْنَ ﴿۱۱۳﴾ قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا لَّوْ اَنَّکُمْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۱۴﴾

گنتی والوں سے ف۱ فرمایا تم اس میں بہت نہیں تھوڑا ہی رہے ہو اگر تم جانتے ہوتے ف۲

گنتی والوں سے۔ فرمایا تم اس میں بہت نہیں تھوڑا ہی رہے اگر تم جانتے ہو۔

تلقین دعا وآداب تبلیغ ودعوت وذکر احوال

واحوال آخرت برائے تخویف اہل شقاوت

قَالَ اللہُ تَعَالٰی: ﴿قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِیَنِّیْ مَا یُوْعَدُوْنَ... الی... لَّوْ اَنَّکُمْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾

ربط:...... اوپر کی آیتوں میں کفار کے عناد وطغیان کا بیان تھا کہ وہ بطور تمسخر یہ کہتے تھے کہ آپ ﷺ کے منکرین پر عذاب کب آئے گا۔ اب ان آیات میں آنحضرت ﷺ کو ایک مناسب وقت دعا کی تلقین فرماتے ہیں کہ کافروں کی ایذا رسانی اور بدکلامی سے رنجیدہ اور ملول نہ ہوں بلکہ ان کی بدی کا نیکی سے جواب دیں اور یقین رکھیں کہ جس عذاب کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے وہ بدیر یا بسویر ضرور آکر رہے گا اور اس کے بعد قیامت کے احوال اور اہوال بیان کیے کہ اس دن ہماری آیات کے ساتھ ان کے تمسخر کا انجام ان کے سامنے آجائے گا۔ چنانچہ فرماتے ہیں اے نبی آپ ﷺ حق تعالیٰ سے یہ دعا کیجئے کہ اے میرے پروردگار اگر مجھ کو میری زندگی میں اس عذاب کا مشاہدہ کرا دیں جس کا ان کافروں سے وعدہ کیا جا رہا ہے تو اے میرے پروردگار مجھ کو ان ظالموں میں نہ شامل کرنا یعنی اگر وہ عذاب میری زندگی اور میری موجودگی میں نازل ہو تو مجھے اس عذاب سے محفوظ رکھنا۔ اللہ کے رسول کا ظالموں کے ساتھ عذاب میں شامل ہونا قطعاً ناممکن ہے لیکن اظہار عبودیت کے لئے ایسی دعا فرمائی۔ بظاہر خطاب نبی کریم ﷺ کو ہے لیکن مقصود دوسروں کو سنانا ہے کہ خدا کے عذاب سے ہر وقت ڈرتے رہنا چاہئے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ظلم کی نحوست سے عذاب عام آتا ہے جس کی لپیٹ میں بے قصور بھی آجاتے ہیں جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ ﴿وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِیْبَنَّ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْکُمْ خَآصَّةً﴾۔

اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ یہ دعا مانگا کرتے تھے۔ واذا اردت بقوم فتنة فتوفنی غیر مفتون یعنی اے پروردگار جب آپ کسی قوم کو فتنہ میں مبتلا کرنے کا ارادہ کریں تو مجھ کو فتنہ سے محفوظ رکھنا اور مجھ کو ایسی حالت میں اپنے پاس بلا لینا کہ میں فتنہ میں مبتلا نہ ہوں۔

غرض یہ کہ اس دعا کی تلقین سے تواضع اور کسر نفسی کی تلقین ہے کہ بندہ کو چاہئے کہ ہر وقت اللہ کے عذاب سے ڈرتا رہے بعض مرتبہ کفر اور ظلم کی نحوست بے گناہ کو بھی پہنچ جاتی ہے۔ عذاب تو نازل ہوگا بدوں پر۔ لیکن اندیشہ ہے کہ عذاب کی کوئی چنگاری کسی بے گناہ کو نہ جا لگے اشارہ اس طرف ہے کہ اگر ان ظالموں پر عذاب آیا تو وہ بڑا ہولناک ہوگا معلوم نہیں کہ اس کے

ف۱ یعنی فرشتوں سے۔ جنہوں نے ہر نیکی بدی گن رکھی ہے یہ بھی گنا ہوگا۔" زمین میں رہنا" یعنی قبر میں رہنا یا دنیا کی عمر یہ بھی وہاں تھوڑی نظر آئے گی۔ یہ پوچھنا اس واسطے کہ دنیا میں عذاب کی شتابی کیا کرتے تھے، اب جانا کہ شتاب ہی آیا۔ (کذافی موضح القرآن)

ف۲ یعنی واقعی دنیا کی عمر تھوڑی ہی تھی۔ لیکن اگر اس بات کو پیغمبروں کے کہنے سے دنیا میں سمجھ لیتے تو کبھی اس متاع فانی پر مغرور ہو کر انجام سے غافل نہ ہوتے اور وہ گستاخیاں اور شرارتیں نہ کرتے جن کا دنیا کی زائل وفانی لذتوں میں پڑ کر ارتکاب کیا۔

شرارے اور چنگارے کہاں کہاں پہنچیں سب کو اس سے پناہ مانگنی چاہئے۔

اور بلاشبہ ہم اس بات پر قدرت رکھتے ہیں کہ جس عذاب کا ہم ان کافروں سے وعدہ کر رہے ہیں۔ وہ آپ کو آپ ﷺ کی زندگی ہی میں دکھا دیں۔ اور آپ ﷺ اپنی آنکھوں سے اپنے دشمنوں کی ذلت وخواری کو دیکھ لیں۔ لیکن جب تک عذاب نہ آوے اس وقت تک آپ ﷺ کو یہ حکم دیتے ہیں کہ ان کی بدی اور برائی کا نیک خصلت کے ساتھ مقابلہ کیجئے یعنی دشمنوں کی ایذا دہی کا مقابلہ حلم وصبر اور عفو اور درگزر کے ساتھ کیجئے ہم خوب جانتے ہیں جو بیہودہ بکواس وہ تیری اور میری شان میں کرتے ہیں۔ آپ ﷺ کو شاعر اور ساحر بتلاتے ہیں اور مجھ کو صاحب اولاد بتلاتے ہیں اور اگر بمقتضائے بشریت ان کی باتوں پر غصہ آجائے تو اس طرح دعا کیجئے کہ اے میرے پروردگار میں پناہ لیتا ہوں تیری اس بات سے کہ شیاطین میرے پاس آئیں اور مجھے کچھ ضرر پہنچائیں اور اپنا کوئی تیر مجھ پر چلائیں۔ آگے پھر انہی کافروں کا حال بد مآل بیان کرتے ہیں کہ یہ اس طرح اپنی غفلت میں رہیں گے اور کفر اور عناد سے باز نہیں آئیں گے۔ یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے سر پر موت آکھڑی ہوتی ہے اور عالم آخرت اسے نظر آنے لگتا ہے اس وقت اس کی آنکھ کھلتی ہے اور نادم ہو کر یہ کہتا ہے اے میرے رب مجھ کو دنیا میں واپس بھیج دے تاکہ جس دنیا کو میں چھوڑ آیا ہوں وہاں جا کر نیک عمل کروں۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں ہرگز ایسا نہیں ہوسکتا اور اگر بالفرض اس کو واپس بھی کر دیا جائے تو تب بھی یہی کرے گا جواب تک کرتا رہا۔ کما قال اللہ تعالیٰ ﴿وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ﴾۔

یہ اس کی ایک بات ہے جو کہے جا رہا ہے اور غلبہ حسرت وندامت کی وجہ سے زبان سے کہے چلا جا رہا ہے کہ مجھے دنیا میں واپس کر دو۔ مگر ہمارے یہاں اس کی کوئی شنوائی نہیں اور ابھی کیا دیکھا ہے ابھی تو موت ہی آئی ہے جسے دیکھ کر اس قدر گھبرا گیا اس کے بعد ایک اور عالم برزخ آرہا ہے جو عالم دنیا اور عالم آخرت کے درمیان ایک پردہ ہے وہاں پہنچ کر اس پر عذاب شروع ہوگا۔ جو عذاب آخرت کا ایک نمونہ ہوگا جس کا مزہ قیامت تک چکھتا رہے گا یعنی اس دن تک کہ جب مردے قبروں سے زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے موت سے لے کر قیامت تک جو زمانہ ہے وہ برزخ ہے۔

فائدہ:...... "برزخ" کے اصل معنی یہ ہیں کہ جو چیز دو چیزوں کے درمیان حائل ہو اس کو برزخ کہتے ہیں اسی طرح سمجھو کہ اس عالم دنیا اور عالم آخرت کے درمیان میں یہ عالم برزخ ہے موت سے لے کر حشر تک کا جو درمیانی زمانہ ہے وہ برزخ ہے اور اس کو عالم قبر بھی کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مرنے کے بعد سے اور قیامت سے پہلے ایک نیا جہان بسایا ہے اور وہ جہان دنیا سے اتنا زیادہ وسیع ہے جتنی دنیا ماں کے پیٹ سے زیادہ وسیع ہے، یہاں ایمان اور کفر کی اور اعمال کی جانچ پڑتال ہوتی ہے اور عذاب آخرت کا کچھ نمونہ دکھلا دیا جاتا ہے۔ عالم برزخ کی تکلیفیں تو بطور ماحضر کے ہیں اصل عذاب اور پوری پوری سزا تو قیامت کے دن حساب وکتاب کے بعد ہوگی۔

پس عالم برزخ کے بعد جب قیامت قائم ہوگی اور دوبارہ صور پھونکا جائے گا اور مردے قبروں سے نکل کر میدان حشر میں جمع ہوں گے تو اس دن جس مصیبت کا سامنا ہوگا وہ بیان سے باہر ہے۔ اس دن لوگوں کے درمیان کسی قسم کا رشتہ ناطہ باقی نہیں رہے گا اور نہ ایک دوسرے کا حال پوچھ سکیں گے اس روز نہ کوئی قرابت باقی رہے گی اور نہ محبت ایک دوسرے سے

بالکل اجنبی ہو جائیں گے، اس روز سوائے ایمان اور عمل صالح کے کوئی چیز کام نہ دے گی، اس دن ایک میزان (ترازو) قائم کی جائے گی جس میں ایمان اور عمل کا وزن ہوگا، سو جس کی نیکیوں کا پلہ بھاری ہوگا تو ایسے لوگ کامیاب ہوں گے یہ اہل ایمان کا گروہ ہوگا اور جن کی نیکیوں کا پلہ ہلکا ہوگا جیسے کفار اور مشرکین تو ایسے ہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو خسارہ میں ڈالا اور یہ لوگ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے اور ان کے مونہوں کو آگ جھلس لے گی اور وہ اس میں نہایت بدشکل ہوں گے، دانت باہر نکلے ہوئے ہوں گے اوپر کا ہونٹ سکڑ کر سر کی کھوپڑی سے جا ملے گا اور نیچے کا ہونٹ لٹک کر ناف تک آ لگے گا جیسا کہ احادیث میں آیا ہے اس وقت حق تعالیٰ ان سے فرمائے گا۔ کیا یہ بات نہیں تھی کہ دنیا میں تمہارے سامنے میرے قرآن کی آیتیں بار بار پڑھی جاتی تھیں۔ پس تم ان کو جھٹلاتے تھے ان کا مذاق اڑاتے تھے اس لیے تم عذاب کے مستحق ہوئے اور یہ اس کی سزا تم کو مل رہی ہے تو وہ کہیں گے کہ پروردگار ہم پر ہماری بدبختی غالب آ گئی تھی اور بیشک ہم گمراہ لوگ تھے کہ تیرے پیغمبروں پر ایمان نہ لائے۔ اے ہمارے پروردگار اب ہماری درخواست یہ ہے کہ آپ ہم کو اس آگ سے نکال دیجئے اور ہم کو دوبارہ دنیا میں بھیج دیجئے۔

پس اگر ہم دنیا میں جانے کے بعد پھر ایسے ہی کام کریں تو بیشک ہم ظالم ہیں اس وقت جو چاہیں سزا دینا۔ مگر اس وقت تو چھوڑ دیجئے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا دور ہو جاؤ اور ذلت و خواری کے ساتھ اسی آگ میں پڑے رہو اور بولو بھی نہیں۔ اب تمہیں بولنے کی بھی اجازت نہیں۔ کیا تمہیں یاد نہیں رہا کہ تحقیق دنیا میں میرے بندوں میں سے اہل ایمان کا ایک گروہ تھا جو یہ کہا کرتا تھا کہ اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لے آئے ہیں، پس تو ہم کو بخش دے اور ہم پر رحم فرما تو سب رحم کرنے والوں سے بہتر رحم کرنے والا ہے، یہ گروہ ہمارے خاص محبین اور مخلصین کا گروہ تھا۔ پس تم نے ان درویشان اسلام کا جو ہم سے مغفرت اور رحمت کی دعا مانگا کرتے تھے مسخرہ اور مضحکہ بنایا اور تم ان کے ساتھ مسخرہ پن اور عیب جوئی میں یہاں تک پہنچے کہ ان کے اس مشغلہ نے تم کو میری یاد بھی بھلا دی سو ایسے مسخروں کو جو خدا سے دعا مانگنے والوں کے ساتھ مسخرہ پن کریں آج ان کی کوئی دعا قبول نہیں۔ اے نابکارو دور ہو جاؤ آج تمہیں بولنے کی بھی اجازت نہیں اور تم وہی ہو جو مسلمانوں کو دیکھ کر ہنسا کرتے تھے تمہارے اس مسخرہ پن اور ہنسی سے اہل ایمان کا کچھ نہیں بگڑا۔ صبر کیا چند روز کی تکلیف تھی گزر گئی، تحقیق آج میں ان درویشان اسلام کو ان کے صبر کی جزا دوں گا۔ جو انہوں نے تمہاری ہنسی پر کیا تھا اور وہ جزا یہ ہے کہ یہی لوگ مراد کو پہنچنے والے ہیں اور تم ہنسنے والے سب ناکام اور نامراد ہو۔ حق کی تکذیب اور اس کا تمسخر ایسا عظیم جرم ہے کہ وہ کسی طرح قابل معافی نہیں۔ یہ آیت بلال اور عمار اور صہیب اور خباب رضی اللہ عنہم وغیرہ فقراء مہاجرین کے بارے میں نازل ہوئی جن سے سرداران قریش تمسخر کیا کرتے تھے اور دلدادگان مغربیت جو اپنے کو مسلمان کہتے ہیں وہ سیدھے سادے اور پرانے وضع قطع کے مسلمانوں کے مذاق اڑانے میں کچھ کم نظر نہیں آتے۔

بعد ازاں کافروں سے بطور توبیخ اور ملامت سوال ہوگا تاکہ ان کی ذلت و حسرت میں اور شدت ہو۔ چنانچہ خدا تعالیٰ کفار سے پوچھے گا تم زمین میں کتنے سال رہے اور کتنے سال ٹھہرے۔ تمہارا گمان یہ تھا کہ دنیا ہمیشہ رہے گی اور کبھی فنا نہ ہوگی اور جو لوگ دنیا کو فانی بتلاتے تھے ان کا تم مذاق اڑاتے تھے اب بتلاؤ کہ دنیا کی زمین پر کتنے برس زندہ رہے اور پھر قبر کی

زمین میں کتنے برس مردہ رہے تو جواب میں یہ بولیں گے کہ ہم دنیا میں ایک دن یا ایک دن سے بھی کم ٹھہرے۔ ہمیں تو اچھی طرح یاد نہیں پس آپ شمار کرنے والوں سے پوچھ لیجئے، یعنی فرشتوں سے دریافت کر لیجئے جو اعمال بنی آدم کے کاتب اور ان کی عمروں کے شمار کرنے والے ہیں۔ آخرت کے ہولناک منظر نے دنیا کی طویل وعریض زندگی کو یکلخت بھلا دیا۔ خدا تعالیٰ فرمائے گا بہرحال تم نہیں ٹھہرے دنیا میں مگر بہت تھوڑے آخرت کے مقابلہ میں تمام دنیا کی زندگی قلیل ہے۔ کاش اگر تم دنیا کے قلیل اور فانی ہونے کو جانتے تو فانی کو باقی کے مقابلہ میں اختیار کرتے۔

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱۵﴾ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ

سو کیا تم خیال رکھتے ہو کہ ہم نے تم کو بنایا کھیلنے کو اور تم ہمارے پاس پھر کر نہ آؤ گے ف۱ سو بہت اوپر ہے اللہ وہ بادشاہ سچا

سو کیا تم خیال رکھتے ہو کہ ہم نے تم کو بنایا کھیلنے کو، اور تم ہمارے پاس پھر نہ آؤ گے؟ سو بہت اوپر ہے اللہ وہ بادشاہ سچا،

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ﴿۱۱۶﴾ وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ

کوئی حاکم نہیں اس کے سوائے مالک اس عزت کے تخت کا ف۲ اور جو کوئی پکارے اللہ کے ساتھ دوسرا حاکم جس کی سند نہیں اس کے

کوئی حاکم نہیں اس کے سوا۔ مالک اس خاصے تخت کا۔ اور جو کوئی پکارے اللہ کے ساتھ دوسرا حاکم، جس کی سند نہیں اس کے

بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ

پاس، سو اس کا حساب ہے اس کے رب کے نزدیک ف۳ بیشک بھلا نہ ہوگا منکروں کا اور تو کہہ اے رب معاف کر اور رحم کر اور تو ہے

پاس، سو اس کا حساب ہے اس کے رب کے نزدیک۔ بیشک بھلا نہ پاویں گے منکر۔ اور تو کہہ، اے رب! معاف کر اور مہر کر، اور تو ہے

خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۱۸﴾

ع ۶

بہتر سب رحم والوں سے ف۴

بہتر سب مہر والوں سے۔

خاتمۂ سورت بر تہدید اہل غفلت از حساب آخرت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا ... الی ... وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ﴾

ف۱ یعنی دنیا میں تو نیکی بدی کا پورا نتیجہ نہیں ملتا۔ اگر اس زندگی کے بعد دوسری زندگی نہ ہو تو گویا یہ سب کارخانہ محض کھیل تماشہ اور بے نتیجہ تھا۔ سو حق تعالیٰ کی جناب اس سے بہت بلند ہے کہ اس کی نسبت ایسا رکیک خیال کیا جائے۔

ف۲ جب وہ بالا و برتر شہنشاہ، مالک علی الاطلاق ہے تو ہو نہیں سکتا کہ وفاداروں اور مجرموں کو یوں کسمپرسی کی حالت میں چھوڑ دے۔

ف۳ یعنی وہاں حساب ہو کر مقدار جرم کے موافق سزا دی جائے گی۔

ف۴ یعنی ہماری تقصیرات سے درگزر فرما اور اپنی رحمت سے دنیا و آخرت میں سرفراز کر۔ تیری رحمت بے نہایت کے سامنے کوئی چیز مشکل نہیں۔

"افحسبتم" سے ختم سورت تک کی یہ آیتیں بہت بڑی فضیلت اور تاثیر رکھتی ہیں، جس کا ثبوت بعض احادیث سے ہوا ہے اور مشائخ نے تجربہ کیا ہے۔ چاہیے کہ ان آیات کا ورد رکھا جائے، خاتمہ پر وہ دعا تبرکا و تفاؤلاً نقل کرتا ہوں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق کو تلقین فرمائی کیونکہ اس کے الفاظ ان آیات کے مناسب ہیں۔ "اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ ظُلْمًا كَثِيْرًا وَّاِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْ لِيْ مَغْفِرَةً مِّنْ عِنْدِكَ وَارْحَمْنِيْ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ۔" تم سورۃ المومنون بفضلہ ومنہ وحسن توفیقہ ونرجو منہ اکمال بقیۃ الفوائد۔

ربط:...... اب سورت کو اہل غفلت کی تنبیہ اور تہدید پر ختم کرتے ہیں کہ جن لوگوں کا گمان یہ ہے کہ مرنے کے بعد کوئی زندہ نہیں کیا جائے گا اور کسی کو کوئی جزا اور سزا نہیں ملے گی یہ گمان بالکل غلط ہے اور ﴿اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ سے بتلا دیا کہ قیامت کے دن کافروں کو کوئی فلاح نصیب نہ ہوگی۔ اس روز فلاح ان اہل ایمان کو نصیب ہوگی جو اللہ پر ایمان رکھتے تھے اور خشوع و خضوع کے ساتھ ایک اللہ کی عبادت کرتے تھے وغیرہ وغیرہ۔

اس سورت کی ابتدا ﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ سے فرمائی اور ﴿اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ پر اس سورت کو ختم فرمایا۔ شروع سورت میں اہل ایمان کے فلاح اور کامیابی کی خبر دی اور اخیر سورت میں کافروں کی ناکامی اور فلاح سے محرومی کی خبر دی۔ اور ﴿وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰحِمِیْنَ﴾ سے اس طرف اشارہ فرمایا کہ فلاح کا اصل دار و مدار اللہ کی رحمت اور اس کی مغفرت پر ہے۔ لہٰذا اگر فلاح چاہتے ہو تو توبہ استغفار کی راہ اختیار کرو۔

چنانچہ فرماتے ہیں کیا تم لوگ حساب و کتاب اور جزا اور سزا کے منکر ہو اور کیا تم نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ہم نے تم کو یوں ہی لغو اور بے کار بغیر کسی حکمت اور مصلحت کے پیدا کیا اور کیا تم نے یہ خیال کر لیا ہے کہ مرنے کے بعد پھر ہماری طرف واپس نہیں آؤ گے اور نیکی اور بدی کی تم کو سزا نہیں ملے گی۔ تمہارے دونوں خیال غلط ہیں۔ تمام اہل عقل اور دانش جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس عالم کو عبث یعنی بے فائدہ اور خالی از حکمت نہیں پیدا کیا۔ اہل عقل کہتے ہیں۔ ﴿رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا﴾۔

اور تمہارا یہ خیال بھی غلط ہے کہ قیامت کے دن تم ہمارے پاس نہیں آؤ گے اور جزا و سزا کچھ نہیں۔ دلائل عقلیہ اور قطعیہ سے حشر و نشر کا امکان ہے اور کل انبیا مرسلین نے اس کے وقوع کی خبر دی ہے جن کا صدق دلائل قطعیہ سے واضح ہے۔

پس اللہ تعالیٰ بڑا عالی شان ہے اور بادشاہ برحق ہے کہ کوئی چیز عبث اور بے فائدہ پیدا کرے۔ اور بادشاہ اور سلطنت کے وفاداروں اور اطاعت شعاروں کو انعام ملنا اور بادشاہ سلطنت کے باغیوں اور غداروں اور مجرموں کو سزا ملنا لوازم سلطنت میں سے ہے اور عین حکمت اور مصلحت ہے اور کسی حکومت میں یہ آزادی نہیں کہ جس کا جو جی چاہے کرے۔ قانون کی پابندی سب پر لازم ہے۔

اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ رب ہے عرش عظیم کا۔ جو تمام آسمانوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے پس جو عرش کا مالک ہے وہ ہر چیز کا مالک ہے اور جو شخص اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو معبود سمجھ کر پکارے۔ جس کے معبود ہونے کی اس کے پاس بھی کوئی دلیل نہیں تو ایسے مشرک کا اللہ کے یہاں ضرور حساب و کتاب ہوگا اور ضرور اس کو اس کی سزا ملے گی کہ جس خدا کی وحدانیت کے بے شمار دلائل تھے اس کے ساتھ بے دلیل کسی کو شریک ٹھہرا لیا۔ ایسے شخص سے ضرور حساب لیا جائے گا اور ضرور سزا دی جائے گی۔ بلاشبہ کافروں کو فلاح اور کامیابی نہیں بلکہ ابد الآباد تک عذاب میں مبتلا رہیں گے اور کبھی چھٹکارا نہیں پائیں گے۔

شروع سورت میں اہل ایمان کے لیے فلاح کو ثابت کیا اور اخیر سورت میں کافروں سے فلاح کی نفی کی۔ اے نبی آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے متبعین ہمیشہ یہ دعا مانگا کریں۔ اے میرے پروردگار ہمارا قصور معاف فرما اور ہم پر اپنی خاص رحمت فرما یعنی ہم کو اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرما اور ایمان پر قائم رکھ اور تو سب رحم کرنے والوں سے بہتر رحم کرنے والا ہے۔ کہ تیری رحمت کے بعد کسی کی رحمت کی حاجت نہیں رہتی۔

مقصود امت کو تعلیم ہے کہ اس طرح دعا مانگا کریں۔ گناہوں سے استغفار بھی فلاح کا ذریعہ ہے اگر اعمال صالحہ میں کوتاہی ہو تو استغفار سے گریز نہ کرے۔ قال اللہ تعالیٰ ﴿وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ﴾ ﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ﴾۔

فائدہ جلیلہ:...... ﴿أَفَحَسِبْتُمْ﴾ سے لے کر ختم سورت تک یہ آیتیں بڑی فضیلت رکھتی ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جہاد کے لیے ایک سریہ (چھوٹا لشکر) روانہ فرمایا اور یہ حکم دیا کہ صبح و شام یہ آیتیں پڑھا کریں یعنی ﴿أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا﴾ الخ۔

صحابہ ؓ کہتے ہیں کہ ہم نے حسب الارشاد یہ آیتیں پڑھیں تو ہم صحیح سالم مال غنیمت لے کر واپس آئے اخرجہ ابن السنی وابن مندہ وابو نعیم بسند حسن۔ (روح المعانی: ۱۸/ ۶۵)

حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کا ایک مصیبت زدہ شخص پر گزر ہوا جس کے کان میں تکلیف تھی عبداللہ بن مسعود ؓ نے ﴿أَفَحَسِبْتُمْ﴾ سے لے کر آخر سورت تک آیتیں پڑھ کر اس کے کان میں دم کیں تو وہ اچھا ہو گیا۔

آنحضرت ﷺ کو جب اس کا علم ہوا تو یہ فرمایا کہ قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ اگر یقین والا مرد اس کو پہاڑ پر پڑھ دے تو وہ اپنی جگہ سے ہٹ جائے اخرجہ الحکیم الترمذی وابن المنذر وابو نعیم فی الحلیۃ واخرون عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ۔ (روح المعانی: ۱۸/ ۶۵) و تفسیر قرطبی: ۱۲/ ۱۵۷۔

الحمد للہ! آج بتاریخ ۱۶ ربیع الاول سنہ ۱۳۹۱ھ یوم چہار شنبہ کو بوقت عصر سورۂ مومنون کی تفسیر سے فراغت ہوئی۔

فلله الحمد والمنة۔ اللهم اجعلنا من عبادك المومنين المفلحين الذين هم فی صلاتهم خاشعون والذين هم عن اللغو معرضون والذين هم للزكوة فاعلون والذين هم لفروجهم حافظون والذين هم لاماناتهم وعهدهم راعون والذين هم على صلواتهم يحافظون والذين هم للفردوس وارثون آمين يا رب العالمين۔ رب اغفر وارحم وانت خير الرحمين وصلى الله تعالىٰ على خير خلقه سيدنا ومولانا محمد وعلى اله و اصحابه اجمعين وعلينا معهم يا ارحم الراحمين۔

تفسیر سورۃ النور

یہ سورت مدنی ہے اس میں چونسٹھ آیتیں اور نو رکوع ہیں اس سورت سے زیادہ مقصود عفت اور پاکدامنی اور ستر اور نظر کے احکام بیان کرنا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہل کوفہ کے نام یہ فرمان جاری کیا۔

علموا نساء کم سورۃ النور۔

اپنی عورتوں کو سورۂ نور سکھاؤ تاکہ عورتوں کو معلوم ہو جائے کہ عفت اور پاکدامنی نور ہے اور بدکاری ظلمت اور تاریکی ہے۔

اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا یہ فرمایا کرتی تھیں:

لا تنزلوا النساء الغرف ولا تعلموهن الكتابة وعلموهن سورة النور والغزل۔ (تفسیر قرطبی: ۱۵۸/۱۲)

عورتوں کو بالا خانوں میں نہ اتارو اور نہ ان کو لکھنا سکھاؤ یعنی ان کو تعلیم یافتہ نہ بناؤ اور ان کو سورۂ نور سکھاؤ (تاکہ اپنی عفت اور پاکدامنی کی حفاظت کریں بے حیائی سے محفوظ رہیں) اور ان کو سوت کاتنا سکھاؤ۔

خلاصہ وربط:...... گزشتہ سورت کے شروع میں مومنین کے اوصاف اور ایمان کے شعبوں کا ذکر فرمایا جن میں ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ﴾ سے شعبہ عفت و پاکدامنی کو ذکر فرمایا جو ایمان کا ایک عظیم شعبہ ہے اور اس کے ساتھ فرمایا تھا ﴿فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ﴾ جس میں اشارہ اس طرف تھا کہ جو اپنی منکوحہ یا اپنی کنیز پر قناعت نہ کرے وہ حدود الٰہیہ سے تجاوز کرنے والوں میں سے ہے اب اس سورت میں اول زیادہ تر ان احکام کا بیان ہے جو زنا اور عفت اور پاکدامنی اور پاک نظری اور معاشرہ سے متعلق ہیں تاکہ بندہ حد سے نہ نکل جائے اور اخروی فلاح سے اور جنت الفردوس کی وراثت سے محروم نہ ہو جائے، اب اس سورت میں حد سے گزرنے والوں کی سزا کا بیان ہے اور یہ بتلانا ہے کہ جب بندہ عفت کی حد سے نکل جاتا ہے تو اس کے دل سے نور نکل جاتا ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ جب بندہ زنا کرتا ہے تو اس سے ایمان کا نور نکل جاتا ہے اس لیے اس سورت کا نام "سورۃ النور" ہوا کہ عفت اور پاکدامنی سے اور نگاہ اور شرمگاہ کی حفاظت سے دل میں نور پیدا ہوتا ہے جو آدمی کو دار غرور (دنیا) سے متنفر اور بیزار اور دار بقا کا مشتاق اور عاشق زار بنا کر چھوڑتا ہے اور یہی نور ایمانی قیامت کے دن پل صراط پر اس کی رہنمائی کرے گا۔

کما قال تعالیٰ ﴿نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ﴾ اور پل صراط پر جب منافقین کا نور بجھ جائے گا تو اہل ایمان کو ڈر ہوگا کہ کہیں ہمارا نور ایمان نہ بجھ جائے اس لیے وہ اس نور کے اتمام کی دعا کریں گے اور یہ کہیں گے۔ ﴿رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾۔

اس لیے ان احکام عفت وعصمت کے بیان کے بعد۔ ﴿اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ سے نور ہدایت کو بیان فرمایا اور بعد ازاں یہ بتلایا کہ وہ نور کہاں ملتا ہے اور کس طرح حاصل ہوتا ہے یعنی مسجدوں میں اللہ کے ذکر سے اور اس کی

عبادت سے ملتا ہے۔ اس کے بعد ﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ﴾ سے کفر کی ظلمتوں اور تاریکیوں کو بیان کیا۔ کیونکہ نور کی ضد ظلمت ہے۔ اہل ایمان کے اعمال نورانی ہیں اور کافروں اور منافقوں کے اعمال ظلماتی ہیں۔ اس کے بعد ﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ الخ سے کچھ دلائل توحید بیان کئے جس سے اشارہ اس طرف فرمایا کہ باطنی ظلمتوں کے ازالہ کے لیے توحید اور تسبیح وتحمید سے بڑھ کر کوئی نسخہ نہیں۔ بعد ازاں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا حکم دیا۔ کما قال تعالیٰ ﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ﴾ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اول ایمان اور اطاعت کی اخروی کامیابی کو بیان فرمایا اور اس کے بعد ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ﴾ میں ایمان اور اعمال صالحہ کے دنیوی ثمرہ کو بیان کیا کہ ہم مومنین صالحین کو اپنے نبی کا جانشین کریں گے اور روئے زمین کی خلافت اور بادشاہت ان کو عطا کریں گے۔ اس کے بعد چند آداب معاشرت اور آداب مجلس کی تعلیم دی جس میں اللہ کے رسول کے ادب اور احترام کو ملحوظ رکھنے کی خاص طور پر تاکید فرمائی اور پھر توحید اور آخرت کی یاد دہانی پر سورت کو ختم فرمایا، یہ اس سورت کے مضامین کا اجمالی بیان ہے اور اس سورت میں عفت اور پاکدامنی کی ذیل جو احکام بیان فرمائے ان میں وہ حصہ جس کا تعلق حضرت عائشہ صدیقہ ؓ بنت صدیق ؓ کے قصہ افک سے ہے وہ ایک خاص شان امتیازی رکھتا ہے، اور حضرت عائشہ صدیقہ ؓ کے اس قصہ کی وہی شان ہے جو حضرت مریم صدیقہ علیہا السلام کے قصہ کی شان ہے جس کی تفصیل سورۂ مریم میں گزری اور جس طرح حضرت مریم صدیقہ علیہا السلام کی عفت وعصمت پر ایمان لانا فرض ہے اور اس میں شک کرنا کفر ہے اسی طرح عائشہ صدیقہ ؓ بنت صدیق ؓ کی عفت وعصمت پر ایمان لانا فرض ہے اور عائشہ صدیقہ ؓ کی عصمت اور نزاہت میں شک کرنا کفر اور ارتداد ہے دونوں کی عفت وعصمت نص قرآنی سے ثابت ہے اور نص قرآنی کا انکار کفر اور ارتداد ہے۔

۲۴ سُوْرَةُ النُّوْرِ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۲ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — ایاتها ۶۵ رکوعاتها ۹

سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِيْهَآ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ①

یہ ایک سورت ہے کہ ہم نے اتاری اور ذمہ پر لازم کی اور اتاریں اس میں باتیں صاف تاکہ تم یاد رکھو ف۱

ایک سورت ہے ہم نے اتاری، اور ذمہ پر لازم کی، اور اتاری اس میں باتیں صاف شاید تم یاد رکھو۔

ف۱ یہ سورت بعض نہایت ضروری احکام وحدود، امثال ومواعظ، حقائق توحید اور بہت ہی اہم تنبیہات واصلاحات پر مشتمل ہے اس کا سب سے زیادہ ممتاز اور سبق آموز حصہ وہ ہے جس کا تعلق قصہ "افک" سے ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر منافقین نے جو جھوٹی تہمت لگائی تھی اس میں بعض سادہ دل اور مخلص مسلمانوں کے پائے استقامت کو بھی قدرے لغزش ہوگئی تھی۔ جس کا خطرناک اثر نہ صرف عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی پوزیشن پر پڑتا تھا، بلکہ ایک حیثیت سے خود پیغمبر علیہ السلام کی بارگاہ مجد وشرف تک پہنچتا تھا، اس لیے ضروری ہوا کہ قرآن کریم پورے اہتمام اور قوت سے ایسی خوفناک غلط کاری یا غلط فہمی کی اصلاح کرے اور ہمیشہ کے لیے ایمانداروں کے کان کھول دے کہ آئندہ کبھی دشمنوں کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر ایسی ٹھوکر نہ کھائیں۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ رفیع یا امہات المومنین کی پاک ومحترم حیثیت ایسی نہیں جس کے سمجھنے اور یاد رکھنے میں کوئی مسلمان کسی وقت بھی ذرا سا تساہل روا رکھے۔ شاید اسی لیے سورت کا آغاز ان الفاظ سے فرمایا۔ ﴿سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا﴾ الخ تا مخاطبین سمجھ لیں کہ اس کے مضامین ایک خاص اہمیت رکھتے ہیں اور بہت زیادہ محفوظ رکھنے اور لازم پکڑنے کے مستحق ہیں۔ اور جو صاف صاف نصیحتیں اور کھری کھری باتیں اس سورت میں بیان فرمائی گئی ہیں، اس لائق ہیں کہ ہر مسلمان ان کو حرز جان =

تمہید اجمالِ احکامِ سورت در بارۂ عفت وعصمت

قَالَ اللهُ تَعَالیٰ: ﴿سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِيْهَآ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾

یہ ایک سورت ہے جس کو ہم نے اتارا ہے۔ جو عفت اور عصمت کے احکام پر مشتمل ہے، جیسے حدزنا اور حد قذف اور حکم لعان اور حکم استیذان اور حکم غض بصر۔ یعنی نظر اور بصر کو نامحرموں کو دیکھنے سے محفوظ رکھنے کا حکم وغیرہ وغیرہ۔ اور ہم نے ان احکام کو مقرر کیا ہے۔ یعنی یہ احکام ہمارے نازل کردہ اور مقرر کردہ ہیں ان میں کوتاہی نہ کرنا، یا یہ معنی ہیں کہ ان احکام کو ہم نے فرض اور لازم کیا ہے۔ تم پر ان احکام کی تعمیل لازم ہے اور ہم نے اس سورت میں تمہارے لیے واضح اور روشن آیتیں نازل کیں جو ایسی ہدایتوں اور نصیحتوں پر مشتمل ہیں کہ ان پر عمل کرنے سے تمہارا دل منور ہو جائے۔ شاید نصیحت پکڑو اور سمجھو کہ بدکاریوں اور بے حیائیوں سے دل کا نور رخصت ہو جاتا ہے اور جانو کہ نفس کی تطہیر بغیر ان حدود اور تعزیرات کے ممکن نہیں کہ جو تم کو اس سورت میں بتلادی گئیں اللہ تعالیٰ نے تم کو اس سورت میں معاشرہ کا دستور العمل بتلادیا کہ زنا سے بچو اور عورتوں کو بے حجابی سے بچاؤ اور بے دھڑک اور بغیر اجازت کے کسی کے گھر میں داخل نہ ہو۔ معلوم نہیں کہ کوئی شخص اپنے گھر میں کس حال میں ہے یہ چیزیں معاشرہ اور تمدن کو خراب کرنے والی ہیں۔ اب اس تمہید کے بعد احکام کی تفصیل شروع فرماتے ہیں اور چونکہ تمام رذائل میں خبیث ترین اور سب سے زیادہ گندہ فعل زنا ہے اس لیے اس سورت کے احکام کی ابتدا حکم زنا سے فرمائی کیونکہ زنا سے حسب ونسب کا نظام درہم وبرہم ہو جاتا ہے اور قرابتوں کا فرق ملتبس اور مشتبہ ہو جاتا ہے جس پر نکاح اور میراث کا دارومدار ہے، دینی اور دنیوی فلاح اور کامیابی ❶ بغیر عفت اور پاکدامنی کے حاصل نہیں ہوسکتی۔

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۪ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ

بدکاری کرنے والی عورت اور مرد سو مارو ہر ایک کو دونوں میں سے سو سو درے ف۱ اور نہ آوے تم کو ان پر ترس

بدکاری کرنے والی عورت اور مرد سو مارو ایک ایک کو دونوں میں سے، سو چوٹ کچی۔ اور نہ آوے تم کو ان پر ترس،

= بنائے اور یاد رکھے۔ ایک منٹ کے لیے اس سے غفلت نہ کرے ورنہ دین ودنیا کی تباہی ہے۔

ف۱ یہ سزا اس زانی اور زانیہ کی ہے جو آزاد، عاقل، بالغ ہو اور نکاح کیے ہوئے نہ ہوں یا نکاح کرنے کے بعد ہم بستری نہ کر چکے ہوں اور جو آزاد نہ ہو اس کے پچاس درے لگتے ہیں، اس کا حکم پانچویں پارہ کے اول رکوع کے ختم پر مذکور ہے۔ اور جو عاقل یا بالغ نہ ہو وہ مکلف ہی نہیں اور جس مسلمان میں تمام صفتیں موجود ہوں (حریت، بلوغ، عقل، نکاح اور ہم بستری سے فراغ) ایسے شخص کو "محصن" کہتے ہیں۔ اس کی سزا "رجم" (سنگسار کرنا) ہے جیسا کہ سورۂ مائدہ میں "تورات" کے حوالہ سے فرمایا ﴿وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ﴾ الخ اور وہ حکم اللہ رجم تھا جیسا کہ وہاں کے فوائد میں گزر چکا۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کے موافق فیصلہ کیا اور فرمایا "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَوَّلُ مَنْ اَحْيَا اَمْرَكَ اِذْ اَمَاتُوْهُ" (خدایا! میں پہلا شخص ہوں جس نے تیرے حکم کو زندہ کیا جبکہ وہ اسے مٹا چکے تھے) پھر نہ صرف ان یہود کو بلکہ جس قدر واقعات اس قسم کے پیش آئے ان سب میں زانی محصن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی رجم کی سزا دی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل برابر اسی قانون رجم پر رہا۔ بلکہ اہل السنت والجماعت میں کسی ایک شخص نے بھی اس سے اختلاف کی جرأت نہ کی۔ گویا سنت متواترہ اور اجماع اہل حق نے بتلادیا کہ اس مسئلہ میں شریعت محمدیہ نے تورات کے حکم کو باقی رکھا ہے جیسا کہ قتل عمد کی سزا قتل ہونا قرآن کریم نے بحوالہ تورات بیان فرمایا تھا ﴿وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ﴾ الخ اور مرتدین کے قتل کا بنی اسرائیل کو حکم دینا سورۂ =

❶ اس تعبیر میں سورۂ مؤمنون کے آغاز ﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ الخ اور اس کے خاتمہ ﴿لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ کے ساتھ ربط کی طرف اشارہ ہے۔ منہ عفا اللہ عنہ۔

دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ

اللہ کے حکم چلانے میں اگر تم یقین رکھتے ہو اللہ پر اور پچھلے دن پر ف۱ اور دیکھیں ان کا مارنا کچھ

اللہ کے حکم چلانے میں۔ اگر تم یقین رکھتے ہو اللہ پر اور پچھلے دن پر۔ اور دیکھیں ان کا مارنا کوئی

الْمُؤْمِنِيْنَ ②

لوگ مسلمان ف۲

لوگ مسلمان۔

حکم اول حد زنا

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ ... الى ... طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾

زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والا مرد سوان دونوں کا حکم یہ ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک کو سو سو درے مارو۔ اور اے مسلمانو! تم کو اللہ کے حکم کی تعمیل میں ان دونوں پر رحم اور ترس نہ آنا چاہئے کہ رحم کھا کر ان کو چھوڑ دو یا ان کی سزا میں کچھ کمی کر دو دنیا کی سزا آخرت کے عذاب سے آسان ہے۔

اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لائے ہوئے ہو تو حکم الٰہی کو پوری طرح جاری کرو اور اس میں نرمی اور سستی نہ کرو ورنہ خدا تعالیٰ آخرت میں تم سے سوال کرے گا کہ تم نے ہمارے قانون کے جاری کرنے میں لوگوں کی رعایت سے سستی اور

="بقرہ" میں بیان کیا گیا۔ ﴿فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ﴾ پھر ان ہی احکام کو امت محمدیہ کے حق میں بھی قائم رکھا گیا۔ شاید رجم محصن اور مسئلہ قصاص کو نقل کرنے کے بعد جو بڑی شدت و تاکید سے ترک حکم بما انزل اللہ کی برائی بیان فرمائی اور آخر میں ارشاد ہوا ﴿وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ اس سے یہ ہی غرض ہو کہ تورات کے یہ احکام اب قرآن کے زیر حفاظت ہیں جن کے قائم رکھنے میں پیغمبر کو کسی کی اہواء و آراء کی پروا نہیں کرنی چاہیے۔ چنانچہ نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پروا کی نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفا نے۔ حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب رجم محصن کے متعلق یہ اندیشہ ہوا بلکہ مکشوف ہو گیا کہ آگے چل کر بعض زائغین اس کا انکار کرنے لگیں گے (چنانچہ خوارج نے اور ہمارے زمانے کے ایک ممسوخ فرقہ نے کیا) تو آپ نے منبر پر چڑھ کر صحابہ و تابعین کے مجمع میں اس حکم خداوندی کا بہت شد و مد سے اعلان فرمایا اور اس میں قرآن کی ایک آیت کا حوالہ دیا جس میں رجم محصن کا صریح حکم تھا اور جس کی تلاوت گو بعد میں منسوخ ہو گئی مگر حکم برابر باقی رہا۔

(تنبیہ) کسی آیت کا محض منسوخ التلاوت ہونا اور حکم باقی رہنا یہ ایک مستقل مسئلہ ہے جس کی تحقیق ان مختصر فوائد میں درج نہیں ہو سکتی۔ ان شاء اللہ العزیز اگر مستقل تفسیر قرآن لکھنے کی نوبت آئی تو وہاں لکھا جائے گا۔

ف۱ یعنی اگر اللہ پر یقین رکھتے ہو تو اس کے احکام و حدود جاری کرنے میں کچھ پس و پیش نہ کرو۔ ایسا نہ ہو کہ مجرم پر ترس کھا کر سزا بالکل روک لو یا اس میں کمی کرنے لگو یا سزا دینے کی ایسی ہلکی اور غیر موثر طرز اختیار کرو کہ سزا سزا نہ رہے۔ خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ حکیم مطلق اور تم سے زیادہ اپنے بندوں پر مہربان ہے اس کا کوئی حکم سخت ہو یا نرم مجموعہ عالم کے حق میں حکمت و رحمت سے خالی نہیں ہو سکتا۔ اگر تم اس کے احکام و حدود کے اجرا میں کوتاہی کرو گے تو آخرت کے دن تمہاری پکڑ ہو گی۔

ف۲ یعنی سزا تنہائی میں نہیں، مسلمانوں کے مجمع میں دینی چاہیے کیونکہ اس رسوائی میں سزا کی تکمیل و تشہیر اور دیکھنے سننے والوں کے لیے سامان عبرت ہے۔ اور شاید یہ بھی غرض ہو کہ دیکھنے والے مسلمان اس کی حالت پر رحم کھا کر عفو و مغفرت کی دعا کریں گے۔ واللہ اعلم۔

بزدلی دکھلائی۔ اللہ کا حق یہ تھا کہ اس کی تعمیل میں ہمت اور دلیری سے کام لیتے اور جب تم یوم آخر پر ایمان رکھتے ہو تو تمہیں اس دن کی باز پرس سے ڈرنا چاہئے تھا۔ حاصل کلام یہ کہ اللہ کی مقرر کردہ حد کو بلا کسی رعایت کے پوری طرح جاری کرو اور چاہئے کہ ان دونوں کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت حاضر رہے۔ تا کہ لوگوں کو عبرت اور نصیحت ہو۔ مطلب یہ ہے کہ اس سزا کی تشہیر بھی ضروری ہے تا کہ اس فضیحت کو دیکھ کر لوگ عبرت پکڑیں۔ اگر کسی بند مکان میں یہ سزا جاری کی گئی تو یہ مقصد حاصل نہ ہوگا۔ اور یہ سزا اس زانی اور زانیہ کی ہے جو آزاد عاقل اور بالغ اور غیر شادی شدہ ہو۔ ایسے شخص کو اصطلاح شریعت میں "غیر محصن" کہتے ہیں اور جو شخص شادی شدہ ہو اور ہمبستری بھی کر چکا ہو ایسے شخص کو "محصن" کہتے ہیں اس آیت میں غیر محصن یعنی غیر شادی شدہ کی سزا کا ذکر ہے کہ اس کے سو کوڑے مارے جائیں اور جو شخص محصن ہو یعنی جس کا نکاح ہوا ہو اور وہ ہمبستری بھی کر چکا ہو تو اس کی سزا رجم سنگسار کرنا ہے یعنی سب کے سامنے اس کے پتھر مارے جائیں یہاں تک کہ وہ مرجائے جیسا کہ سورۂ مائدہ میں بحوالہ توریت یہ گزر چکا ہے۔ ﴿وَ كَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ﴾ کہ آنحضرت ﷺ نے ایک یہودی مرد اور ایک یہودی عورت پر جو شادی شدہ تھے زنا کی سزا میں ان کو بحکم تورات رجم و سنگسار کیا اور سب نے طوعاً و کرہاً اس کو قبول کیا کہ تورات میں شادی شدہ زنا کار کا حکم رجم و سنگسار کرنا ہے اور علی الاعلان رجم کی سزا جاری کی گئی اور اسی بارے میں سورۂ مائدہ کی آیت نازل ہوئی جس میں رجم کی سزا کو حکم اللہ کہا گیا اور جب آنحضرت ﷺ نے یہود کے بارے میں رجم کا فیصلہ فرمایا تو یہ ارشاد فرمایا اللھم انی اول من احیا امرك اذا اماتوہ خدایا میں پہلا شخص ہوں جس نے تیرے حکم (رجم) کو زندہ کیا جب کہ وہ مٹا چکے تھے بہر حال آنحضرت ﷺ نے بحکم خداوندی شادی شدہ زانیوں کو رجم کی سزا دی اور اللہ تعالیٰ نے اس کو "حکم اللہ" فرمایا اور پھر اس واقعہ یہود کے بعد جس قدر واقعات اس قسم کے پیش آئے ان سب میں آپ ﷺ نے زانی محصن کو رجم کی سزا دی اور اس بارہ میں اس قدر احادیث مروی ہیں کہ ان کا قدر مشترک بلاشبہ تواتر معنوی کو پہنچا ہوا ہے اور حضور پرنور ﷺ کے بعد خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا بھی یہی عمل رہا اور تمام امت کا اس پر اجماع ہے۔

آنحضرت ﷺ کے عمل نے اور خلفاء راشدین کے عمل نے یہ واضح کر دیا کہ تورات میں جو رجم کا حکم تھا وہ شریعت محمدیہ میں حسب سابق باقی ہے جیسا کہ قتل عمد کی سزا میں قتل کا حکم قرآن حکیم میں بحوالہ تورات بیان کیا گیا ہے ﴿وَ كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ﴾ اسی طرح رجم کے حکم کو سمجھو۔

خلاصۂ کلام یہ کہ آیت میں جو سو کوڑے لگانے کا حکم مذکور ہے وہ اس بدکار مرد اور عورت کا ہے کہ جو غیر شادی شدہ ہوں اور جو مرد اور عورت شادی شدہ ہوں اور وہ بدکاری کریں تو ان کا حکم رجم (یعنی سنگسار) کرنا ہے۔ جیسا کہ احادیث صریحہ اور متواترہ سے اور خلفاء راشدین اور صحابہ کے اجماع سے ثابت ہے جس میں نہ مجال انکار کی ہے اور نہ تاویل کی گنجائش ہے (دیکھو احکام [1]

[1] قال ابوبکر وقد انکرت طائفۃ شاذۃ لا تعد خلافا للرجم وھم الخوارج وقد ثبت الرجم عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم بفعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم وبنقل الکافۃ والجزء الشائع المستفیض الذی لا مساغ للشك فیہ۔ واجمعت الامۃ علیہ فروی الرجم ابوبکر وعمر وعلی وجابر بن عبداللہ وابوسعید الخدری وابوھریرۃ وبریدۃ الاسلمی وزید بن خالد فی آخرین من الصحابۃ وخطب عمر فقال لولا ان یقول الناس زاد عمر فی کتاب اللہ لاثبتُہ فی المصحف اھ۔ کذا فی احکام القرآن: ۳/۲۶۳۔

القرآن للجصاص: ۳؍۲۶۳)

بخاری اور مسلم وغیرہ میں ہے کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے آخری حج سے واپسی کے بعد اور اپنی شہادت سے ایک ماہ قبل طویل خطبہ دیا جس میں یہ ارشاد فرمایا۔

ان الله بعث محمدا صلی الله علیه وسلم بالحق وانزل علیه الکتاب فکان مما انزل الله اية الجم فقرأناها وعقلناها ووعيناها رجم رسول الله صلی الله علیه وسلم ورجمنا بعده فاخشى ان طال بالناس زمان يقول قائل والله ما نجد اية الرجم فی کتاب الله فيضلوا بترك فريضة انزلها الله والرجم فی کتاب الله حق علی من زنی اذا احصن من الرجال والنساء اذا قامت البينة اوكان الحبل او الاعتراف۔ دیکھو فتح الباری: ۱۲؍۱۳۰ باب رجم الحبلیٰ من الزنا اذا احصنت۔

بیشک اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ ﷺ کو حق دیکر بھیجا اور ان پر قرآن اتارا اور اس قرآن میں اللہ تعالیٰ نے رجم کی آیت بھی اتاری پس ہم نے اس آیت رجم کو پڑھا اور اس کا مطلب سمجھا اور اس کو یاد رکھا۔ آنحضرت ﷺ نے اپنی زندگی میں رجم کے حکم پر عمل کیا اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد ہم لوگوں نے یعنی صحابہ نے رجم کے حکم پر عمل کیا اور اس حکم کو جاری کیا۔ سو میں ڈرتا ہوں کہ ایک مدت زمانہ گزر جانے کے بعد کوئی کہنے والا یہ نہ کہے کہ ہم کتاب اللہ میں رجم کی آیت نہیں پاتے، پھر گمراہ ہوں ایک فرض کے ترک سے جس کو اللہ تعالیٰ نے اتارا (یعنی آیت رجم کی تلاوت اگرچہ منسوخ ہوگئی مگر اس کا حکم باقی ہے) اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں جو رجم کا حکم نازل فرمایا وہ بالکل حق اور درست ہے اور یہ حکم اس شخص کے لیے ہے کہ جو مرد یا عورت شادی شدہ ہو۔ اور وہ زنا کرے اور وہ زنا گواہی سے ثابت ہوجائے یا حمل سے ظاہر ہوجائے یا مرد یا عورت کے اقرار سے ثابت ہوجائے تو ایسے زنا کار مرد اور عورت کا رجم از روئے کتاب الٰہیہ کے حق اور درست ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے اس خطبہ میں جس آیت رجم کا ذکر فرمایا پوری آیت اس طرح ہے:

"الشيخ والشيخة اذا زنيا فارجموهما البتة نكالا من الله والله عزيز حكيم"

اخرجه النسائی وصححه الحاکم دیکھو فتح الباری: ۱۲؍۱۲۷، باب الاعتراف بالزنا۔

شادی شدہ مرد یا عورت جب زنا کریں تو ان دونوں کو رجم یعنی سنگسار کر ڈالو قطعی طور پر اور یہ رجم کا حکم اللہ کی طرف سے بطور عبرت ہے تاکہ اس عبرتناک سزا کو دیکھ کر لوگ زنا سے باز آجائیں اور اللہ غالب ہے اور حکمت والا ہے۔

ایک اور روایت میں ہے:

ان عمر بن الخطاب خطب الناس فقال لا تشكوا فی الرجم فانه حق۔

(فتح الباری: ۱۲؍۱۲۷)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو خطبہ دیا اور فرمایا کہ رجم کے حکم میں شک نہ کرنا۔ اس لیے کہ رجم کا حکم بلاشبہ حق ہے۔

اور ایک روایت میں اتنا زیادہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ کہا کہ اگر یہ خوف نہ ہوتا کہ لوگ یہ کہیں گے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے قرآن میں اپنی طرف سے اضافہ کر دیا تو میں اپنے ہاتھ سے قرآن کے حاشیہ میں یہ آیت لکھ دیتا۔

الشیخ والشیخة اذا زنیا فارجموهما نکالا من الله والله عزیز حکیم۔ (دیکھو فتح الباری: ۱۲/ ۱۲۷)

بیشمار روایتوں سے ثابت ہے کہ آیت رجم جو اوپر مذکور ہوئی وہ اللہ کی طرف سے نازل ہوئی۔ تلاوت اگرچہ اس کی منسوخ ہوگئی مگر اس کا حکم بالاجماع باقی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کے موافق عمل کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خلفاء راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس پر عمل کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات سے پہلے بار بار رجم کے حکم کا اعلان فرمایا۔ مقصود یہ تھا کہ رجم کا حکم اللہ کی طرف سے قرآن میں نازل ہوا، اور اب اگرچہ اس آیت کی تلاوت منسوخ ہے مگر اس کا حکم بدستور باقی ہے اور اس حکم سے اعراض اور انحراف گمراہی ہے۔ (دیکھو زرقانی شرح موطا: ۴/ ۱۴۵)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ڈر یہ تھا کہ آئندہ چل کر کچھ لوگ ایسے پیدا نہ ہوں کہ جو رجم کے حکم کا انکار کریں اور بہانہ یہ بنائیں کہ رجم کا حکم صراحۃً قرآن میں موجود نہیں اس فتنہ کے انسداد کے لیے بار بار آیت رجم کا برسر منبر اعلان فرمایا تا کہ آئندہ چل کر کسی کو رجم کے انکار کی مجال نہ رہے۔

حضرات اہل علم تفصیل کے لیے فتح الباری باب الاعتراف بالزنا اور باب رجم الحبلی کی مراجعت کریں۔ حافظ عسقلانی رحمہ اللہ نے ابواب کی شرح میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خطبہ کے بارے میں جو روایتیں وارد ہوئی تھیں ان کو تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

نیز زرقانی شرح مؤطا امام مالک: ۴/ ۱۴۵، کتاب الحدود دیکھیں جس میں آیت رجم کا ذکر ہے۔ اور امام بخاری نے جامع صحیح میں کتاب المحاربین کے ذیل میں رجم پر مختلف ابواب اور تراجم قائم فرمائے۔ تا کہ معلوم ہو جائے کہ رجم محصن کا حکم قطعی اور یقینی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جو خطرہ تھا کہ آئندہ زمانہ میں کوئی شخص یہ نہ کہے کہ ہم رجم کا حکم صراحۃً کتاب اللہ میں نہیں پاتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ گمان صحیح نکلا اور خارجیوں نے یہی کہہ کر رجم کے حکم کا انکار کیا کہ قرآن میں تو صرف جلد یعنی کوڑے مارنے کا حکم ہے۔ رجم، سنگسار کرنے کا حکم مذکور نہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے نور بصیرت سے پہلے ہی اس فتنہ کو دیکھ لیا اور اس کا انسداد فرما دیا اور اس شدت کے ساتھ حکم رجم کا اعلان فرمایا کہ آئندہ چل کر کسی کو انکار کی مجال نہ رہے۔

نکتہ:...... شریعت کے جس طرح تمام احکام حکمت اور مصلحت پر مبنی ہیں اسی طرح زنا کے بارے میں جو حکم دیا گیا وہ بھی سراسر حکمت و مصلحت پر مبنی ہے۔

زنا کے بدترین خصلت ہونے میں تو کسی عاقل کو شبہ ہی نہیں۔ شریعت نے اس بے حیائی کے انسداد کے لیے یہ حکم دیا کہ اگر زنا کار غیر شادی شدہ ہے تو اس کو اس نفسانیت کی سزا میں سو کوڑے لگائے جائیں مگر اس کو مارا نہ جائے بلکہ سزا دے کر اسے زندہ رہنے دیا جائے اور اگر یہ حرام کار شادی شدہ ہے تو اب اس کے لیے کوئی وجہ نہیں کہ وہ حرام کاری میں مبتلا ہو اس لیے شریعت نے ایسے شخص کے رجم کا حکم دیا تا کہ ایسے خبیث کے وجود سے اللہ کی زمین ہی پاک ہو جائے۔

اَلزَّانِیْ لَا یَنْكِحُ اِلَّا زَانِیَةً اَوْ مُشْرِكَةً٘ وَّالزَّانِیَةُ لَا یَنْكِحُهَاۤ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ۝

بدکار مرد نہیں نکاح کرتا مگر عورت بدکار سے یا شرک والی سے اور بدکار عورت سے نکاح نہیں کرتا مگر بدکار مرد یا مشرک ف۱

بدکار مرد نہیں بیاہتا مگر عورت بدکار یا شریک والی۔ اور بدکار عورت کو بیاہ نہیں لیتا مگر بدکار مرد یا شریک والا۔

وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ ③

اور یہ حرام ہوا ہے ایمان والوں پر ف۲

اور یہ حرام ہوا ہے ایمان والوں پر۔

حکم دوم: نکاح زانی وزانیہ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿اَلزَّانِیْ لَا یَنْكِحُ اِلَّا زَانِیَةً ... الی ... وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ﴾

ربط: ...... گزشتہ آیت میں زنا کی سزا کو بیان کیا اب آئندہ آیت میں زنا کے متعلق ایک دوسرا حکم بیان کرتے ہیں، آئندہ آیت میں اول زنا کی شناعت اور قباحت کو بیان کرتے ہیں کہ زنا ایسی خبیث اور گندی چیز ہے جس سے آدمی کی طبیعت ہی خبیث اور گندی بن جاتی ہے کہ خبیث ہی چیزوں سے رغبت کرنے لگتی ہے اور اس کے بعد زنا کے متعلق یہ حکم بیان کیا کہ مومنوں کے لیے زانیہ اور مشرکہ سے نکاح کرنا حرام ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں زانی مرد نہیں نکاح کرتا مگر زنا کرنے والی عورت سے جو زنا کو برا نہیں سمجھتی یا مشرک عورت سے اور زنا کرنے والی عورت سے کوئی نکاح نہیں کرنا چاہتا مگر زنا کرنے والا مرد یا

ف۱ زنا کی سزا ذکر کرنے کے بعد اس فعل کی غایت شناعت بیان فرماتے ہیں۔ یعنی جو مرد یا عورت اس عادت شنیع میں مبتلا ہیں حقیقت میں وہ اس لائق نہیں رہتے کہ کسی عفیف مسلمان سے ان کا تعلق ازدواج وہمبستری قائم کیا جائے ان کی پلید طبیعت اور میلان کے مناسب تو یہ ہے کہ ایسے ہی کسی بدکار و تباہ حال مرد عورت سے یا ان سے بھی بدتر کسی مشرک ومشرکہ سے ان کا تعلق ہو۔ کما قال تعالیٰ ﴿اَلْخَبِیْثٰتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ وَالْخَبِیْثُوْنَ لِلْخَبِیْثٰتِ وَالطَّیِّبٰتُ لِلطَّیِّبِیْنَ وَالطَّیِّبُوْنَ لِلطَّیِّبٰتِ﴾ (سورۂ نور) کند ہم جنس باہم جنس پرواز۔ کبوتر با کبوتر باز با باز۔ ان کی حرکت کا اصلی اقتضا تو یہ ہی تھا۔ اب یہ جداگانہ امر ہے کہ حق تعالیٰ نے دوسری مصالح وحکم کی بنا پر کسی نام نہاد مسلمان کا مشرک ومشرکہ سے عقد جائز نہیں رکھا۔ یا مثلاً بدکار مرد کا پاکباز عورت سے نکاح ہو جائے تو بالکل باطل نہیں ٹھہرایا۔

(تنبیہ) آیت کی جو تقریر ہم نے کی وہ بالکل سہل اور بے تکلف ہے اس میں "لاینکح" کے معنی وہ لیے گئے جو "اَلسُّلْطَانُ لَا یَكْذِبُ" وغیرہ محاورات میں لیے جاتے ہیں۔ یعنی نفی لیاقت فعل کو نفی فعل کی حیثیت دے دی گئی۔ فَافْهَمْ وَاسْتَقِمْ۔

ف۲ یعنی زنا مومنین پر حرام ہے۔ ایک مومن مومن رہتے ہوئے یہ حرکت کیسے کرے گا۔ حدیث میں ہے "لَا یَزْنِی الزَّانِیْ حِیْنَ یَزْنِیْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ" یا یہ مطلب ہو کہ زانیہ سے نکاح کرنا ان پاکباز مردوں پر حرام کر دیا گیا ہے جو صحیح اور حقیقی معنوں میں مومنین کہلانے کے مستحق ہیں۔ یعنی تکوینی طور پر ان کے پاک نفوس کو ایسی گندی جگہ کی طرف مائل ہونے سے روک دیا گیا ہے۔ اس وقت "حرم" کے معنی وہ ہوں گے جو ﴿حَرَّمْنَا عَلَیْهِ الْمَرَاضِعَ﴾ میں، یا ﴿وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْیَةٍ اَهْلَكْنٰهَاۤ﴾ میں لیے گئے ہیں۔ واللہ اعلم۔

مشرک مرد جس کے دل میں زنا اور شرک کی نفرت نہ رہی ہو مطلب یہ ہے کہ زنا ایسی بری خصلت ہے کہ اس کی وجہ سے زنا اور شرک سے نفرت نہیں رہتی اور یہ کام یعنی زانیہ اور مشرکہ سے نکاح کرنا مسلمانوں پر حرام کر دیا گیا ہے ایک مومن، مومن رہتے ہوئے یہ کیسے گوارا کر سکتا ہے کہ جان بوجھ کر ایک بدکار عورت یا کافرہ عورت سے جو اپنی بدکاری اور کفر پر مصر اور قائم ہو، ازدواجی تعلق قائم کرے جب اس کو یہ علم ہے کہ عورت بدکار ہے اور اپنی بدکاری پر قائم ہے اور اس بدکاری سے باز نہیں آتی تو ایسی عورت سے نکاح کرنے کے معنی یہ ہیں کہ یہ بے غیرت اس بات پر راضی ہے کہ اس کی عورت بدکاری کرتی رہے اور یہ اسے کچھ نہ کہے۔ شریعت میں اس بے غیرتی کے جواز کی کوئی صورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں نکاح کے حلال اور جائز ہونے کی شرط یہ بتلائی ہے کہ وہ عورتیں عفیف اور پاکدامن ہوں بدکار اور زناکار اور آشنا بنانے والی نہ ہوں۔ کما قال تعالیٰ ﴿وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ﴾ ﴿مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ﴾۔

قال الامام النسفی واصح الاقاویل فی ھذہ الایۃ الشریفۃ انھا تزھید فی حق نکاح البغایا وتاویل ذلك ان اھل الاسلام والایمان سیبتلیھم ان لا یرغبوا الا فی المسلمات العفیفات واما الزانی فانما یمیل الیٰ کل من کان علیٰ مذھبہ فی الزنا والیٰ من لا یعتقد الایمان فضلا عن ان تفکر فی التعفف والزانیۃ ایضا انما تمیل الی احد الرجلین اما زان اوالیٰ مشرك شر منھا۔ حاشیہ شیخ زادہ علیٰ تفسیر البیضاوی: ۱۴۲/۳۔

امام نسفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کی تفسیر میں سب سے زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ اس آیت کا مقصود بدکار اور زناکار عورتوں سے نکاح کرنے سے نفرت دلانا ہے اور مطلب یہ ہے کہ اہل ایمان اور اہل اسلام کا طریقہ یہ ہے کہ سوائے مسلمان پاکدامن عورتوں کے کسی عورت سے نکاح کی طرف راغب نہ ہوں۔ اس لیے کہ زانی اور بدکار مرد کا میلان اور رغبت اسی عورت کی طرف ہوتا ہے کہ جو زنا اور بدکاری میں اس کے مذہب پر ہو یا اس عورت کی طرف اس کا میلان ہوتا ہے جو سرے سے ایمان ہی کی قائل نہ ہو۔ چہ جائیکہ وہ عفت اور پاکدامنی میں کچھ غور و فکر کرے اور علیٰ ہذا القیاس زانیہ اور بدکار عورت کا میلان دو شخصوں میں سے کسی ایک شخص کی طرف ہوتا ہے یا تو زانی مرد کی طرف یا کسی کافر اور مشرک مرد کی طرف جو زانی سے بھی بدتر ہے اور کسی حلال و حرام کا قائل نہیں۔

مسئلہ:...... اس آیت کے ظاہر کی بنا پر امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اس طرف گئے کہ پارسا مرد کا نکاح زانیہ عورت سے صحیح نہیں اور اسی طرح پارسا عورت کا نکاح زانی اور فاجر مرد سے جائز نہیں یہاں تک کہ وہ صحیح توبہ کرے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ و جمہور علما کا مذہب یہ ہے کہ زانیہ اور فاجرہ عورت سے جو زنا پر مصر ہو نکاح کرنا تو ناجائز اور حرام ہے لیکن اگر وہ نکاح کرے تو وہ نکاح فی حد ذاتہٖ درست ہے۔

اور بعض روایات میں یہ آیا ہے کہ ایک بدکار عورت نے جس کا نام ام مہزول تھا اس نے ایک مسلمان سے نکاح کرنا

چاہا تو اس مسلمان نے آنحضرت ﷺ سے اجازت چاہی۔ تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

عجب نہیں کہ جس طرح ابتداء اسلام میں مشرکہ سے نکاح جائز تھا اسی طرح زانیہ سے بھی نکاح جائز ہو مگر اس آیت کے نزول سے زانیہ سے نکاح کرنا حرام اور ناجائز ہوا حرمت اور بطلان میں فرق ہے حرام ہونے سے باطل ہونا لازم نہیں آتا۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے نزدیک زانیہ سے نکاح باطل ہے اور جمہور علما کے نزدیک زانیہ اور اہل کتب کی کافرہ سے نکاح کرنا تو ناجائز ہے لیکن اگر نکاح کرلیا تو وہ نکاح درست ہوجائے گا۔ شاید یہ نکاح اس زانیہ کی عفت اور پاکدامنی کا سبب بن جائے جیسے یہودیہ اور نصرانیہ سے بلاضرورت نکاح کرنا جائز نہیں لیکن اگر کرلیا تو نکاح درست ہوجائیگا شاید یہ نکاح اس یہودیہ اور نصرانیہ کے اسلام کا سبب بن جائے اور اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کی تفصیل سورۂ مائدہ میں گزر چکی۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً

اور جو لوگ عیب لگاتے ہیں حفاظت والیوں کو پھر نہ لائیں چار مرد شاہد ف۱ تو مارو ان کو اسی درے

اور جو لوگ عیب لگاتے ہیں قید والیوں کو۔ پھر نہ لائے چار مرد شاہد، تو مارو ان کو اسی چوٹ چھڑی کی،

وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ④ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ

اور نہ مانو ان کی کوئی گواہی کبھی ف۲ اور وہ ہی لوگ ہیں نافرمان ف۳ مگر جنہوں نے توبہ کرلی اس کے پیچھے

اور نہ مانو ان کی کوئی گواہی کبھی۔ اور وہی لوگ ہیں بےحکم۔ مگر جنہوں نے توبہ کی اس پیچھے

ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑤

اور سنور گئے تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے ف۴

اور سنوار پکڑی۔ تو اللہ بخشتا ہے مہربان۔

حکم سوم حد قذف

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ... الی ... فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾

ف۱ یعنی ایسی پاکدامن عورتوں کو زنا کی تہمت لگائیں جن کا بدکار ہونا کسی دلیل یا قرینہ شرعیہ سے ثابت نہیں۔ اس کی سزا بیان فرماتے ہیں اور یہ ہی حکم پاکباز مردوں پر تہمت لگانے کا ہے۔ چونکہ یہ آیات ایک عورت کے قصہ میں نازل ہوئیں اس لیے ان ہی کا ذکر فرمایا۔ اگر چار گواہ پیش کر دیے اور ان کی شہادت بقاعدہ شریعت پوری اتری تو مقذوف یا مقذوفہ پر حد زنا جاری کی جائے گی۔

ف۲ یہ سزا قاذف (تہمت لگانے والے) کی ہوئی کہ (مقذوف کے مطالبہ پر) اسی درے لگائے جائیں اور آئندہ ہمیشہ کے لیے (معاملات) میں مردود الشہادت قرار دیا جائے۔ حنفیہ کے نزدیک توبہ کے بعد بھی اس کی شہادت معاملات میں قبول نہیں کی جاسکتی۔

ف۳ اگر واقعی جان بوجھ کر جھوٹی تہمت لگائی تھی تب تو ان کا فاسق و نافرمان ہونا ظاہر ہے اور اگر واقعی سچ بیان کیا تھا لیکن جانتے تھے کہ چار گواہوں سے ہم اپنا دعویٰ ثابت نہیں کرسکیں گے تو ایسی بات کا اظہار کرنے سے بجز ایک مسلمان کی آبروریزی اور پردہ دری کے کیا مقصود ہوا جو بجائے خود ایک مستقل گناہ ہے اور علماء نے اس کو کبائر میں شمار کیا ہے۔

ف۴ یعنی توبہ اور اصلاح حال کے بعد اللہ کے نافرمان بندوں میں اس کا شمار نہ رہے گا گو پچھلے قذف کی سزا میں مردود الشہادت پھر بھی رہے۔ یہ ہی مذہب سلف میں سے قاضی شریح اور ابراہیم نخعی، سعید بن جبیر، مکحول، عبدالرحمن بن زید بن جابر، حسن بصری، محمد بن سیرین اور سعید بن المسیب رحمہم اللہ کا ہے۔ کما فی الدر المنثور وابن کثیر۔

گزشتہ آیت میں زانیہ سے نکاح کی حرمت بیان کی اب اس آیت میں کسی پر زنا کی تہمت لگانے والے کا حکم بیان کرتے ہیں کہ جو کسی پر بغیر ثبوت کے زنا کی تہمت لگائے اس کی کیا سزا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور جو لوگ پاکدامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگائیں پھر ان کے زنا کے ثبوت پر چار گواہ نہ لاسکیں تو ایسے لوگوں کو اسی کوڑے لگاؤ اور آئندہ ان کی کوئی گواہی قبول نہ کرو ایسے ہی لوگ خدا کے نزدیک فاسق ہیں کہ انہوں نے ایک پاکدامن کو بے آبرو کیا اور بلا ثبوت کے اس پر زنا کی تہمت لگائی مگر جن لوگوں نے تہمت لگانے کے بعد توبہ کرلی اور اپنی حالت کی اصلاح کرلی تو بیشک اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔ توبہ کرنے سے اللہ تعالیٰ نے اپنا حق معاف کردیا اور فسق کا نام ان سے اٹھ گیا مگر توبہ کرنے سے حد ساقط نہ ہوگی اس لیے کہ وہ بندہ کا حق ہے توبہ کرنے سے اس کو یہ فائدہ پہنچا کہ اب اس کو فاسق نہیں کہا جائے گا۔ اس لیے کہ قذف یعنی تہمت لگانے کا جو گناہ اس کے ذمہ تھا۔ وہ توبہ سے رفع ہوگیا۔ باقی رہی حد، سو یہ اس کی دنیوی سزا ہے کہ تم نے کسی پاکدامن کو بلا ثبوت کے کیوں بے آبرو اور خوار کیا یہ اسی کوڑے بلا ثبوت تہمت کی دنیوی سزا ہے جس سے مقصود دوسروں کو عبرت دلانا ہے۔ یہ سزا توبہ کرنے سے بالاجماع ساقط نہیں ہوسکتی۔ البتہ اختلاف اس میں ہے کہ بعد فسق کے دائرہ سے تو باہر ہوجائے گا مگر اس کی شہادت اور گواہی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مردود رہے گی اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ یہ فرماتے ہیں کہ توبہ کے بعد اس کے فسق کا حکم بھی ختم ہوجائے گا اور عدم قبول شہادت کا حکم بھی اس سے اٹھ جائے گا۔

فائدہ:...... جاننا چاہئے کہ اس آیت میں قاذف یعنی تہمت لگانے والے کے تین حکم مذکور ہیں۔ ایک ﴿ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً﴾ یعنی اسی کوڑے لگانا۔ دوم ﴿لَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا﴾ یعنی اس کی کوئی گواہی کبھی قبول نہ کرو۔ سوم ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ ایسے لوگ فاسق ہیں۔ اب تین حکموں کے بعد تائبین کا استثنا فرمایا ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا﴾ تو علما نے اختلاف کیا کہ یہ استثنا تین حکموں میں سے کس حکم کی طرف راجع ہے پس اس پر ائمہ اربعہ کا اجماع ہے کہ یہ استثنا پہلے حکم یعنی اسی کوڑے مارنے کی طرف راجع نہیں تہمت لگانے والے پر حد قذف یعنی اسی کوڑوں کی مار بالاجماع جاری ہوگی چاہے وہ توبہ کرے یا نہ کرے اب باقی رہے دو جملے ایک ﴿لَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا﴾ یعنی ان کی شہادت قبول نہ کرو اور دوسرا جملہ ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ یہ لوگ فاسق ہیں اب اخیر میں ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا﴾ کا استثنا مذکور ہے تو امام مالک اور امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ کے نزدیک اس استثنا کا تعلق دونوں جملوں سے ہے یعنی توبہ کرنے سے اس کی گواہی بھی قبول ہوگی۔ اور فسق کا حکم بھی اس سے دور ہوجائے گا اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ یہ فرماتے ہیں کہ اس استثنا کا تعلق صرف اخیر جملہ ہے پس توبہ سے اس کا فسق تو دور ہوجائے گا مگر شہادت اس کی ہمیشہ کے لئے مردود رہے گی اور قاضی شریح اور ابراہیم نخعی اور سعید بن جبیر اور مکحول اور ابن زید رحمہم اللہ بھی اسی طرف گئے ہیں اور یہی مذہب سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اور قواعد عربیت کا اقتضا بھی یہی ہے کہ جب تین جملوں کے بعد کوئی استثناء آرہا ہے یا تو تینوں سے متعلق کرو۔ یا صرف اخیر جملہ سے اس کو متعلق کرو۔ اور اس آیت میں یہ استثنا بالاجماع پہلے جملہ کی طرف راجع نہیں کیونکہ توبہ کرلینے سے بالاجماع حد ساقط نہیں ہوتی اور یہ امر بھی متعین ہے کہ یہ استثنا جملہ اخیرہ کی طرف ضرور راجع ہے اب درمیانی جملہ ﴿لَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا﴾ محتمل رہا۔ اور ظاہر یہی ہے کہ یہ استثنا اخیر جملہ کی طرف راجع کیا جائے۔ کیونکہ وہ اس کے قریب ہے اور متصل ہے نیز قرآن اور حدیث

میں جہاں کہیں توبہ کا ذکر ہے اس کا تعلق حقوق اللہ اور احکام آخرت سے ہے۔ نہ کہ دنیوی احکام سے۔ اس لیے مناسب یہ ہے کہ یہ استثنا فقط ﴿أُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾ سے متعلق اور مربوط ہے کیونکہ فسق کا تعلق احکام آخرت سے ہے۔ اور درمیانی جملہ ﴿وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً﴾ کا مضمون احکام دنیا سے متعلق ہے جیسا کہ پہلے جملہ کا حکم ثمانین جلدۃ احکام دنیا سے متعلق ہے، پس بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ﴿وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا﴾ کو ﴿فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً﴾ کا تتمہ اور تکملہ قرار دیا جائے اور تائبین کے استثنا کو فقط اخیری جملہ ﴿وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾ سے متعلق رکھا جائے۔ نیز ﴿وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ﴾ کی جزا تو ﴿فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا﴾ پر پوری ہوئی اور ﴿وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾ جملہ مستانفہ ہے جو قذف کے جزا اور سزا بیان کرنے کے بعد لایا گیا ہے اور اسلوب کلام بھی بدلا ہوا ہے اس لیے کہ ﴿فَاجْلِدُوهُمْ﴾ اور ﴿وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً﴾ دونوں خطاب کے صیغے ہیں اور دونوں جملے، جملہ انشائیہ میں ایک امر ہے اور ایک نہی ہے اور جملہ ﴿وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾ مستقل جملہ ہے جو سابق خطاب کے ختم کے بعد لایا گیا ہے اور یہ جملہ خبریہ اسمیہ ہے۔ پہلے دو جملوں کی طرح جملہ انشائیہ فعلیہ نہیں۔ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ اس جملہ اسمیہ خبریہ کا عطف یعنی ﴿وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾ کا عطف شروع جملہ اسمیہ خبریہ یعنی ﴿وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ﴾ پر کیا جائے اور ﴿وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا﴾ جو کہ جملہ انشائیہ فعلیہ ہے اس پر اس کا عطف نہ ہو کیونکہ جملہ انشائیہ فعلیہ پر جملہ اسمیہ خبریہ یعنی ﴿وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾ کا عطف باعتبار قواعد بلاغت جائز ہی نہیں یا مناسب نہیں۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حضرات اہل علم اس مقام پر حاشیہ شیخ زادہ وحاشیہ قونوی علی تفسیر البیضاوی ملاحظہ فرما دیں۔

وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُن لَّهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ

اور جو لوگ عیب لگائیں اپنی جوروؤں کو ف۱ اور شاہد نہ ہوں ان کے پاس سوائے ان کی جان کے تو ایسے شخص کی گواہی کی یہ

اور جو عیب لگاویں اپنی جوروؤں کو اور شاہد نہ ہوں ان کے پاس سوا اپنی جان، تو ایسے کسی کی گواہی یہ کہ

أَرْبَعُ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ ۙ إِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ ۝ وَالْخَامِسَةُ أَنَّ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَيْهِ إِن كَانَ

صورت ہے کہ چار بار گواہی دے اللہ کی قسم کھا کر کہ مقرر وہ شخص سچا ہے اور پانچویں بار یہ کہ اللہ کی پھٹکار ہو اس شخص پر اگر ہو

چار گواہی دیوے اللہ کے نام کی، مقرر یہ شخص سچا ہے۔ اور پانچویں یہ کہ اللہ کی پھٹکار ہو اس شخص پر اگر وہ

مِنَ الْكَاذِبِينَ ۝ وَيَدْرَأُ عَنْهَا الْعَذَابَ أَن تَشْهَدَ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ ۙ إِنَّهُ لَمِنَ

وہ جھوٹا اور عورت سے ٹل جائے گی مار یوں کہ وہ گواہی دے چار گواہی اللہ کی قسم کھا کر کہ مقرر وہ شخص

ہو جھوٹا۔ اور عورت سے ٹلتی ہے مار یوں کہ گواہی دے چار گواہی اللہ کے نام کی، مقرر وہ شخص

ف۱ یعنی زنا کی تہمت لگائے یا اپنے بچہ کو کہے کہ یہ میرے نطفہ سے نہیں۔

الْكٰذِبِیْنَ ۝۸ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَیْهَاۤ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۝۹ وَلَوْلَا فَضْلُ

جھوٹا ہے اور پانچویں یہ کہ اللہ کا غضب آئے اس عورت پر اگر وہ شخص سچا ہے **ف۱** اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل

جھوٹا ہے۔ اور پانچویں یہ کہ اللہ کا غضب آوے اس عورت پر اگر وہ شخص سچا ہے۔ اور کبھی نہ ہوتا اللہ کا فضل

اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِیْمٌ ۝۱۰ ع

تمہارے اوپر اور اس کی رحمت اور یہ کہ اللہ معاف کرنے والا ہے حکمتیں جاننے والا تو کیا کچھ نہ ہوتا **ف۲**

تمہارے اوپر اور اس کی مہر، اور یہ کہ اللہ معاف کرنے والا ہے، حکمتیں جانتا (تو کیا کچھ ہوتا۔)

حکم چہارم لعان

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ ... الی ... وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِیْمٌ﴾

ربط:...... پہلی آیت میں اجنبی عورتوں پر تہمت لگانے کا حکم بیان فرمایا تھا، اب ان آیات میں اپنی بیوی پر تہمت لگانے کا حکم بیان کرتے ہیں۔ جس کو اصطلاح شریعت میں لعان کہتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور جو لوگ اپنی منکوحہ بیوی پر زنا کی تہمت لگائیں اور ان کے پاس بجز ان کی ذات کے اور کوئی گواہ نہ ہوں۔ جس کے لئے چار عدد گواہوں کا ہونا ضروری ہے تو ایسے شخص کی شہادت جو اس کو حد قذف اور سزاء حبس سے بچالے یہ ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر یہ شہادت دے کہ وہ بلاشبہ

ف۱ یعنی جو اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے اولاً اس سے چار گواہ طلب کیے جائیں گے، اگر پیش کر دے تو عورت پر حد زنا جاری کر دی جائے گی۔ اگر گواہ نہ لا سکا تو اس کو کہا جائے گا کہ چار مرتبہ قسم کھا کر بیان کرے کہ وہ اپنے دعوے میں سچا ہے (یعنی جو تہمت اپنی بیوی پر لگائی ہے اس میں جھوٹ نہیں بولا) گویا چار گواہوں کی جگہ خود اس کی یہ چار حلفیہ شہادتیں ہوئیں اور آخر میں پانچویں مرتبہ یہ الفاظ کہنے ہوں گے کہ" اگر وہ اپنے دعوے میں جھوٹا ہو تو اس پر خدا کی لعنت اور پھٹکار" اگر الفاظ مذکورہ بالا کہنے سے انکار کرے تو حبس کا کیا جائے گا اور حاکم اس کو مجبور کرے گا کہ یا اپنے جھوٹے ہونے کا اقرار کرے، تو حد قذف لگے گی جو اوپر گزری۔ اور یا پانچ مرتبہ وہ ہی الفاظ کہے جو اوپر مذکور ہوئے۔ اگر کہہ لیے تو پھر عورت سے کہا جائے گا کہ وہ چار مرتبہ قسم کھا کر بیان کرے کہ" یہ مرد تہمت لگانے میں جھوٹا ہے" اور پانچویں دفعہ یہ الفاظ کہے کہ" اللہ کا غضب آوے اس عورت پر اگر یہ مرد اپنے دعوے میں سچا ہو" تاوقتیکہ عورت یہ الفاظ کہے گی اس کو قید میں رکھیں گے اور مجبور کریں گے کہ یا صاف طور پر مرد کے دعوے کی تصدیق کرے تب تو حد زنا اس پر جاری ہوگی، اور یا بالفاظ مذکورہ بالا اس کی تکذیب کرے۔ اگر اس نے بھی مرد کی طرح یہ الفاظ کہہ دیے اور" لعان" سے فراغت ہوئی تو اس عورت سے صحبت اور دائمی صحبت سب حرام ہو گئے۔ پھر اگر مرد نے اس کو طلاق دے دی فبہا ورنہ قاضی ان میں تفریق کر دے۔ گو دونوں رضامند نہ ہوں۔ یعنی زبان سے کہہ دے کہ میں نے ان میں تفریق کی۔ اور یہ تفریق طلاق بائن کے حکم میں ہوگی۔

(تنبیہ) زوجین سے اس طرح الفاظ کہلوانے کو شریعت میں" لعان" کہتے ہیں اور لعان صرف قذف ازواج کے ساتھ مخصوص ہے عام محصنات کے قذف کا وہ ہی حکم ہے جو اوپر کی آیات میں مذکور ہو چکا۔

ف۲ یعنی اگر یہ حکم لعان مشروع نہ ہوتا تو قذف کے عام قاعدہ کے موافق زوج پر حد قذف آتی اور یا ساری عمر خون کے گھونٹ پیتا۔ کیونکہ ممکن ہے وہ سچا ہو۔ بخلاف غیر شوہر کے کہ وہ اظہار میں مضطر نہیں، اس لیے اس کے قانون میں ان امور کی رعایت ضروری نہیں۔ دوسری طرف اگر محض خاوند کے قسمیں کھانے پر زنا کا ثبوت ہو جایا کرتا تو عورت کی سخت مصیبت تھی، حالانکہ ممکن ہے وہ ہی سچی ہو۔ اسی طرح اگر عورت کو قسمیں کھانے پر یقیناً بری سمجھ لیا جاتا تو مرد پر حد قذف واجب ہو جاتی باوجودیکہ اس کے صادق ہونے کا بھی مساوی احتمال موجود ہے پس ایسے طور پر لعان کا مشروع کرنا کہ سب کی رعایت رہے۔ یہ اثر ہے حق تعالیٰ کے فضل و رحمت اور حکمت کا کیونکہ فریقین میں سے جو سچا ہو وہ بے محل سزا سے بچ گیا۔ اور جھوٹے کی دنیا میں پردہ پوشی کر کے مہلت دی گئی کہ شاید توبہ کرے۔ پھر اس کی توبہ کا قبول کر لینا یہ اثر صفت توابیت کا ہوا۔

سچوں میں سے ہے اور پانچویں بار وہ یہ کہے کہ اس پر اللہ کی لعنت ہو اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو۔ یہ مرد کا لعان ہوا۔ جس سے مرد سے حد قذف ساقط ہوئی۔

چونکہ زنا کے ثبوت کے لئے چار گواہوں کا پیش کرنا ضروری ہے اور اپنے گھر کے معاملہ میں شہادت کا فراہم کرنا بہت مشکل ہے۔ اس لئے شریعت نے یہ حکم دیا کہ اگر مرد اپنی بیوی کو زنا کے ساتھ متہم کرے تو بجائے چار گواہوں کے چار حلفیہ شہادتیں دے دے تو یہ چار حلفیہ شہادتیں قائم مقام چار گواہوں کے ہو جائیں گی۔ اس طرح شوہر خاندانی ذلت سے بچ جائے گا ورنہ شوہر کے لئے چار گواہوں کا میسر آنا بہت دشوار ہے اور اس کے بعد عورت کا لعان ہے کہ وہ بھی پانچ مرتبہ اسی طرح کہے۔ چنانچہ عورت سے حد زنا اور قید کو دور کرنے والی چیز یہ ہے کہ وہ عورت اللہ کی قسم کھا کر چار مرتبہ گواہی دے کہ بے شک اس کا شوہر جھوٹوں میں سے ہے جو اس نے میری بابت کہا ہے اور پانچویں مرتبہ یہ گواہی دے کر مجھ پر اللہ کا غضب ہو اگر میرا خاوند سچوں میں سے ہو۔ مرد اور عورت کا اس طرح کہنا یہ "لعان" ہے اور لعان سے فراغت کے بعد میاں بیوی کے درمیان فرقت واقع ہو جاتی ہے اور وہ عورت ہمیشہ کے لئے اس پر حرام ہو جاتی ہے۔ پھر کبھی وہ اس کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتا۔ لعان کے بعد مرد یا اس کو طلاق دے دے یا قاضی ان کے درمیان تفریق کر دے اور اگر اس عورت سے کوئی بچہ پیدا ہو تو وہ اس باپ کے نام سے نہ پکارا جائے۔

اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی اور اللہ توبہ قبول کرنے والا اور حکمت والا نہ ہوتا تو لعان کا حکم نازل نہ کرتا اور تم کو تہمت لگانے پر فوراً ہی سزا دے دیا کرتا مگر چونکہ اس کا تم پر بڑا فضل و کرم ہے اس لئے اس نے تمہاری پردہ پوشی کے لئے لعان کا حکم نازل کر دیا اور مرد سے حد قذف کو اور عورت سے حد زنا کو ساقط کر دیا۔ یہ اس کی عنایت اور حکمت کا تقاضا ہے کہ اس نے شوہر کو چار گواہوں کی گواہی پیش کرنے کا پابند نہیں کیا بلکہ لعان سے معاملہ ختم کر دیا اس لئے کہ اپنی بیوی پر تہمت لگانے میں خود اس کی بے عزتی ہے اس لئے بغیر کسی قوی دلیل اور بغیر اپنے مشاہدہ کے کوئی سلیم الطبع اپنی بیوی پر ایسا الزام نہیں لگا سکتا اور ایسے موقع پر چار گواہوں کا فراہم کرنا بہت دشوار ہے۔ شریعت نے طرفین کی رعایت کر کے لعان کا حکم دیا۔

اختلاف روایات در شان نزول

اس آیت کے شان نزول میں مختلف روایتیں آئی ہیں ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت بلال بن امیہ صحابی رضی اللہ عنہ کے بارے میں اتری اور بعض کہتے ہیں کہ عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔

حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دونوں قصے صحیح روایتوں میں آئے ہیں اور ایک ہی زمانہ میں پیش آئے ہیں، اس لئے دونوں قصوں کو آیت کا شان نزول کہنا درست ہے اور قرآن کریم میں اس قسم کی بہت سی آیتیں ہیں کہ ایک ہی قسم کے کئی قصے گزرنے کے بعد وہ آیتیں نازل ہوئی لہٰذا ان چند قصوں کا مجموعہ آیت کا شان نزول ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ جَاءُو بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنكُمْ ۚ لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُم ۖ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ

جو لوگ لائے ہیں یہ طوفان ف۱ تمہیں میں ایک جماعت ہیں ف۲ تم اس کو نہ سمجھو برا اپنے حق میں

جو لوگ لائے ہیں یہ طوفان تمہی میں ایک جماعت ہیں۔ تم ان کو نہ سمجھو برا اپنے حق میں۔ بلکہ یہ بہتر ہے تمہارے حق میں۔

لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُم مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ ۚ وَالَّذِي تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ

بلکہ یہ بہتر ہے تمہارے حق میں ف۳ ہر آدمی کے لیے ان میں سے وہ ہے جتنا اس نے گناہ کمایا اور جس نے اٹھایا ہے اس کا بڑا بوجھ اس کے واسطے بڑا

ہر آدمی کو ان میں سے پہنچتا ہے، جتنا کمایا گناہ، اور جس نے اٹھایا ہے اس کا بڑا بوجھ، اس کو بڑی

ف۱ یہاں سے اس طوفان کا ذکر ہے جو حضرت عائشہ صدیقہ پر اٹھایا گیا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ۶ ھ میں غزوہ بنی المصطلق سے واپس مدینہ تشریف لا رہے تھے، حضرت عائشہ صدیقہ بھی ہمراہ تھیں، ان کی سواری کا اونٹ علیحدہ تھا، وہ ہودہ میں پردہ چھوڑ کر بیٹھ جاتیں۔ جمال ہودے کو اونٹ پر باندھ دیتے۔ ایک منزل پر قافلہ ٹھہرا ہوا تھا، کوچ سے ذرا پہلے حضرت عائشہ کو قضاء حاجت کی ضرورت پیش آئی۔ جس کے لیے قافلہ سے علیحدہ ہو کر جنگل کی طرف تشریف لے گئیں، وہاں اتفاق سے ان کا ہار ٹوٹ کر گر گیا۔ اس کی تلاش میں دیر لگ گئی۔ یہاں پیچھے کوچ ہو گیا۔ جمال حسب عادت اونٹ پر ہودہ باندھنے آئے، اور اس کے پردے پڑے رہنے سے گمان کیا کہ حضرت عائشہ اس میں تشریف رکھتی ہیں۔ اٹھاتے وقت بھی شبہ نہ ہوا۔ کیونکہ ان کی عمر تھوڑی تھی اور بدن بہت ہلکا پھلکا تھا۔ غرض جمالوں نے ہودہ باندھ کر اونٹ کو چلتا کر دیا۔ حضرت عائشہ واپس آئیں تو وہاں کوئی نہ تھا۔ نہایت استقلال سے انہوں نے یہ رائے قائم کی کہ یہاں سے اب جانا خلاف مصلحت ہے۔ جب آگے جا کر میں نہ ملوں گی تو یہیں تلاش کرنے آئیں گے۔ آخر وہیں قیام کیا۔ رات کا وقت تھا، نیند کا غلبہ ہوا وہیں لیٹ گئیں حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ گرے پڑے کی خبر گیری کی غرض سے قافلہ کے پیچھے کچھ فاصلہ سے رہا کرتے تھے، وہ اس موقع پر صبح کے وقت پہنچے۔ دیکھا کوئی آدمی پڑا سوتا ہے۔ قریب آ کر پہچانا کہ حضرت عائشہ ہیں (کیونکہ پردہ کا حکم آنے سے پہلے انہوں نے ان کو دیکھا تھا) دیکھ کر گھبرا گئے اور "إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ" پڑھا۔ جس سے ان کی آنکھ کھل گئی فوراً چہرہ چادر سے ڈھانک لیا۔ حضرت صفوان نے اونٹ ان کے قریب لا کر بٹھلا دیا۔ یہ اس پر پردہ کے ساتھ سوار ہو گئیں۔ انہوں نے اونٹ کی نکیل پکڑ کر دوپہر کے وقت قافلہ سے جا ملایا۔ عبداللہ بن ابی بڑا خبیث، بدباطن، اور دشمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا، اسے ایک بات ہاتھ لگ گئی اور بدبخت نے واہی تباہی بکنا شروع کیا۔ اور بعض بھولے بھالے مسلمان بھی (مثلاً مردوں میں سے حضرت حسان، حضرت مسطح، اور عورتوں میں سے حضرت حمنہ بنت جحش) منافقین کے مغویانہ پراپیگنڈا سے متاثر ہو کر اس قسم کے افسوس ناک تذکرے کرنے لگے۔ عموماً مسلمانوں کو اور خود جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قسم کے واہیات تذکروں اور شہرتوں سے سخت صدمہ تھا۔ ایک مہینہ تک یہی چرچا رہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سنتے اور بغیر تحقیق کچھ نہ کہتے، مگر دل میں خفا رہتے۔ ایک ماہ بعد ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اس شہرت کی اطلاع ہوئی شدت غم سے بیتاب ہو گئیں اور بیمار پڑ گئیں۔ شب و روز روتی تھیں۔ ایک منٹ کے لیے آنسو نہ تھمتے تھے۔ اسی دوران میں بہت سے واقعات پیش آئے اور گفتگوئیں ہوئیں جو صحیح بخاری وغیرہ میں مذکور ہیں اور پڑھنے کے قابل ہیں۔ آخر حضرت صدیقہ کی براءت میں خود حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں سورۂ "نور" کی یہ آیتیں ﴿إِنَّ الَّذِينَ جَاءُو بِالْإِفْكِ﴾ الخ سے دور تک نازل فرمائیں جس پر عائشہ صدیقہ فخر کیا کرتی تھیں اور بلاشبہ جتنا فخر کریں تھوڑا تھا۔

ف۲ یعنی طوفان اٹھانے والے خیر سے وہ لوگ ہیں جو جھوٹ یا سچ اسلام کا نام لیتے اور اپنے کو مسلمان بتلاتے ہیں۔ ان میں سے چند آدمیوں نے مل کر یہ سازش کی اور کچھ لوگ نادانستہ ان کی عیارانہ سازش کا شکار ہو گئے۔ تاہم خدا کا احسان ہے کہ جمہور مسلمان ان کے جال میں نہیں پھنسے۔

ف۳ یہ خطاب ان مسلمانوں کی تسلی کے لیے ہے جنہیں اس واقعہ سے صدمہ پہنچا تھا بالخصوص عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور ان کے گھرانا کہ ظاہر ہے وہ سخت غمزدہ اور پریشان تھے۔ یعنی گو بظاہر یہ چرچا بہت مکروہ، رنجیدہ اور ناخوشگوار تھا۔ لیکن فی الحقیقت تمہارے لیے اس کی تہہ میں بڑی بہتری چھپی ہوئی تھی۔ آخر اتنی مدت تک ایسے جگر خراش حملوں اور ایذاؤں پر صبر کرنا کیا خالی جا سکتا ہے۔ کیا یہ شرف تھوڑا ہے کہ خود حق تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں تمہاری نزاہت و براءت اتاری۔ اور دشمنوں کو رسوا کیا اور قیامت تک کے لیے تمہارا ذکر خیر قرآن پڑھنے والوں کی زبان پر جاری کر دیا۔ اور مسلمانوں کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج و اہل بیت کا حق پہچاننے کے لیے ایسا سبق دیا جو کبھی فراموش نہ ہو سکے۔ فَلِلّٰهِ الحمد علی ذٰلك۔

عَظِيۡمٌ ﴿۱۱﴾ لَوۡلَاۤ اِذۡ سَمِعۡتُمُوۡهُ ظَنَّ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتُ بِاَنۡفُسِهِمۡ خَيۡرًا ۙ وَّقَالُوۡا

عذاب ہے ف۱ کیوں نہ جب تم نے اس کو سنا تھا خیال کیا ہوتا ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں نے اپنے لوگوں پر بھلا خیال اور کہا

مار ہے۔ کیوں نہ، جب تم نے اس کو سنا تھا، خیال کیا ہوتا ایمان والے مردوں نے اور عورتوں نے اپنے لوگوں پر بھلا خیال۔ اور کہا

هٰذَاۤ اِفۡكٌ مُّبِيۡنٌ ﴿۱۲﴾ لَوۡلَا جَآءُوۡ عَلَيۡهِ بِاَرۡبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَاِذۡ لَمۡ يَاۡتُوۡا بِالشُّهَدَآءِ

ہوتا یہ صریح طوفان ہے ف۲ کیوں نہ لائے وہ اس بات پر چار شاہد پھر جب نہ لائے شاہد

ہوتا یہ صریح طوفان ہے؟ کیوں نہ لائے وہ اس بات پر چار شاہد؟ پھر جب نہ لائے شاہد،

فَاُولٰٓئِكَ عِنۡدَ اللّٰهِ هُمُ الۡكٰذِبُوۡنَ ﴿۱۳﴾ وَلَوۡلَا فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ وَرَحۡمَتُهٗ فِى الدُّنۡيَا

تو وہ لوگ اللہ کے یہاں وہی ہیں جھوٹے ف۳ اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر اور اس کی رحمت دنیا

تو وہ لوگ اللہ کے ہاں وہی ہیں جھوٹے۔ اور کبھی نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر اور اس کی مہر دنیا

وَالۡاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمۡ فِىۡ مَاۤ اَفَضۡتُمۡ فِيۡهِ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ ﴿۱۴﴾ۚ اِذۡ تَلَقَّوۡنَهٗ بِاَلۡسِنَتِكُمۡ

اور آخرت میں تو تم پر پڑتی اس چرچا کرنے میں کوئی آفت بڑی ف۴ جب لینے لگے تم اس کو اپنی زبانوں پر

اور آخرت میں، البتہ تم پر پڑتی اس چرچا کرنے پر کوئی آفت بڑی۔ جب لینے لگے تم اس کو اپنی زبانوں پر

ف۱ یعنی جس شخص نے اس فتنہ میں جس قدر حصہ لیا اسی قدر گناہ سمیٹا اور سزا کا مستحق ہوا۔ مثلاً بعض خوش ہو کر اور خوب مزے لے کر ان واہیات باتوں کا تذکرہ کرتے تھے۔ بعض اظہار افسوس کے طرز میں، بعض چھیڑ کر مجلس میں چرچا اٹھا دیتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود چپکے سنا کرتے۔ بعض سن کر تردد میں پڑ جاتے، بہت سے خاموش رہتے اور بہت سے سن کر جھٹلا دیتے۔ ان پچھلوں کو پسند فرمایا اور سب کو درجہ بدرجہ کم و بیش الزام دیا۔ اور بڑا بوجھ اٹھانے والا منافقوں کا سردار عبداللہ بن ابی تھا جیسا کہ روایات کثیرہ میں تصریح ہے۔ یہ ہی خبیث لوگوں کو جمع کرتا اور ابھارتا اور نہایت چالاکی سے خود دامن بچا کر دوسروں سے اس کی اشاعت کرایا کرتا تھا۔ اس کے لیے آخرت میں بڑا عذاب تو ہے ہی، دنیا میں بھی ملعون خوب ذلیل و رسوا ہوا اور قیامت تک اسی ذلت و خواری سے یاد کیا جائے گا۔

ف۲ مسلمان کو چاہیے کہ اپنے مسلمان بھائی بہنوں کے ساتھ حسن ظن رکھے۔ اور جب سنے کہ لوگ ایک نیک شخص پر یوں ہی رجماً بالغیب بری تہمتیں لگاتے ہیں تو اپنے دل میں ایسے خیالات کو راہ نہ دے بلکہ ان کو جھٹلائے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی پیٹھ پیچھے بھائی مسلمان کی مدد کرے۔ اللہ پیٹھ پیچھے اس کی مدد کرے گا۔ بے تحقیق تہمتیں تراشا ایمان سے بعید ہے۔ چاہیے کہ آدمی خود اپنی آبرو پر دوسروں کی آبرو کو قیاس کر لے۔ جیسا کہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ وغیرہ نے قصہ "افک" میں کیا۔ ایک روز ان کی بیوی نے کہا کہ لوگ عائشہ صدیقہ کی نسبت ایسا کہتے ہیں، انہوں نے فرمایا کہ جھوٹے ہیں۔ کیا ایسا کام تو کر سکتی ہے؟ بولی ہرگز نہیں۔ فرمایا پھر (صدیق کی بیٹی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی) عائشہ صدیقہ تجھ سے کہیں بڑھ کر پاک و صاف اور طاہر و مطہر ہیں، ان کی نسبت بے وجہ ایسا گمان کیوں کیا جائے۔

ف۳ یعنی اللہ کے حکم اور اس کی شریعت کے موافق وہ لوگ جھوٹے قرار دیے گئے ہیں۔ جو کسی پر بدکاری کی تہمت لگا کر چار گواہ پیش نہ کر سکیں اور بدون کافی ثبوت کے ایسی سنگین بات زبان سے بکتے پھریں۔

ف۴ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس امت کو پیغمبر کے طفیل دنیا کے عذابوں سے بچایا ہے۔ نہیں تو یہ بات قابل تھی عذاب کے۔ (موضح القرآن) نیز تم میں سے مخلصین کو توبہ کی توفیق دے کر خطا معاف کر دی ورنہ منافقین کی طرح وہ بھی قیامت کے دن عذاب عظیم میں گرفتار ہوتے۔ (العیاذ باللہ)

وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ

اور بولنے لگے اپنے منہ سے جس چیز کی تم کو خبر نہیں اور تم سمجھتے ہو اس کو ہلکی بات اور یہ اللہ کے یہاں بہت

اور بولنے لگے اپنے منہ سے جس چیز کی تم کو خبر نہیں، اور تم سمجھتے ہو اس کو ہلکی بات۔ اور یہ اللہ کے ہاں بہت

عَظِيْمٌ ⑮ وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ هٰذَا

بڑی ہے ف۱ اور کیوں نہ جب تم نے اس کو سنا تھا کہا ہوتا ہم کو نہیں لائق کہ منہ پر لائیں یہ بات اللہ تو پاک ہے یہ

بڑی ہے۔ اور کیوں نہ جب تم نے اس کو سنا تھا، کہا ہوتا ہم کو نہیں لائق کہ منہ پر لاویں یہ بات؟ اللہ تو پاک ہے، یہ

بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ⑯ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ⑰ وَيُبَيِّنُ

تو بڑا بہتان ہے ف۲ اللہ تم کو سمجھاتا ہے کہ پھر نہ کرو ایسا کام کبھی اگر تم ایمان رکھتے ہو ف۳ اور کھولتا ہے

بڑا بہتان ہے۔ اللہ تم کو سمجھاتا ہے کہ پھر نہ کرو ایسا کام کبھی، اگر تم یقین رکھتے ہو۔ اور کھولتا ہے

اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ⑱ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي

اللہ تمہارے واسطے پتے کی باتیں اور اللہ سب جانتا ہے حکمت والا ہے ف۴ جو لوگ چاہتے ہیں کہ چرچا ہو بدکاری کا

اللہ تمہارے واسطے پتے، اور اللہ سب جانتا ہے حکمت والا۔ جو لوگ چاہتے ہیں کہ چرچا ہو بدکاری کا

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا

ایمان والوں میں ف۵ ان کے لیے عذاب ہے دردناک دنیا اور آخرت میں ف۶ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں

ایمان والوں میں، ان کو دکھ کی مار ہے دنیا اور آخرت میں۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں

ف۱ یعنی عذاب عظیم کے مستحق کیوں نہ ہوتے جبکہ تم ایسی بے تحقیق اور ظاہر البطلان بات کو ایک دوسرے کی طرف چلتا کر رہے تھے۔ اور زبان سے وہ اُس پچو باتیں نکالتے تھے جن کی واقعیت کی تمہیں کچھ خبر نہ تھی۔ پھر طرفہ یہ ہے کہ ایسی سخت بات کو (یعنی کسی محصنہ خصوصاً پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ اور مومنین کی روحانی والدہ کو متہم کرنا) جو اللہ کے نزدیک بہت بڑا سنگین جرم ہے محض ایک ہلکی اور معمولی بات سمجھنا، یہ اصل جرم سے بھی بڑھ کر جرم تھا۔

ف۲ یعنی اول تو حسن ظن کا اقتضاء یہ تھا کہ دل میں بھی یہ خیال نہ گزرنے پائے۔ جیسا کہ اوپر ارشاد ہوا۔ لیکن اگر شیطانی اغواء سے فرض کیجئے کسی کے دل میں کوئی برا وسوسہ گزرے تو پھر یہ جائز نہیں کہ ایسی ناپاک بات زبان پر لائی جائے۔ چاہیے کہ اس وقت مومن اپنی حیثیت اور دیانت کو ملحوظ رکھے اور صاف کہہ دے کہ ایسی بے سروپا بات کا زبان سے نکالنا مجھ کو زیب نہیں دیتا۔ اے اللہ تو پاک ہے۔ کسی طرح لوگ ایسی نامعقول بات منہ سے نکالتے ہیں۔ بھلا جس پاکباز خاتون کو تو نے سید الانبیاء اور راس المتقین کی زوجیت کے لیے چنا، کیا وہ (معاذ اللہ) خود بے آبرو ہو کر پیغمبر کی آبرو کو بٹہ لگائے گی (حاشاھا ثم حاشاھا) ہو نہ ہو دشمنوں نے ایک بے قصور پر بہتان باندھا ہے۔

ف۳ یعنی مومنین کو پوری طرح چوکس اور ہوشیار رہنا چاہیے۔ بدباطن منافقین کے چکموں میں کبھی نہ آئیں۔ ہمیشہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کی عظمت شان کو ملحوظ رکھیں۔

ف۴ یعنی پتہ اس کا کہ یہ طوفان اٹھایا کس نے۔ معلوم ہوا کہ منافقین نے جو ہمیشہ چھپے دشمن تھے۔ اگلی آیت میں پتہ بتلا دیا۔ (کذافی الموضح) عموماً مفسرین نے آیات سے مراد احکام، نصائح، حدود اور قبول توبہ وغیرہ کے مضامین لیے ہیں۔ اس وقت صفات علم و حکمت کے ذکر سے یہ غرض ہوگی کہ اللہ تعالیٰ تم میں سے مخلصین کی ندامت قلبی کا حال خوب جانتا ہے۔ اس لیے توبہ قبول کی اور چونکہ حکیم مطلق ہے اس لیے نہایت حکمت و دانائی کے ساتھ تمہاری سیاست کی گئی۔

ع۱۰ تَعْلَمُوْنَ ﴿١٩﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿٢٠﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ

جانتے ف۱ اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر اور اس کی رحمت اور یہ کہ اللہ نرمی کرنے والا ہے مہربان تو کیا کچھ نہ ہوتا ف۲ اے

جانتے۔ اور کبھی نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر اور اس کی مہر، اور یہ کہ اللہ نرمی کرنے والا ہے مہربان، (تو کیا کچھ ہوتا۔) اے

اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ

ایمان والو نہ چلو قدموں پر شیطان کے اور جو کوئی چلے گا قدموں پر شیطان کے سو وہ تو یہی بتلائے گا بے حیائی

ایمان والو! نہ چلو قدموں پر شیطان کے، اور جو کوئی چلے گا قدموں پر شیطان کے، سو وہ یہی بتاوے گا بے حیائی

بِالْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ ۭ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ

اور بری بات ف۳ اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر اور اس کی رحمت تو نہ سنورتا تم میں ایک

اور بری بات۔ اور کبھی نہ ہوتا فضل اللہ کا تم پر اور اس کی مہر، نہ سنورتا تم میں ایک

اَبَدًا ۙ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢١﴾ وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ

شخص بھی کبھی ولیکن اللہ سنوارتا ہے جس کو چاہے اور اللہ سب کچھ سنتا جانتا ہے ف۴ اور قسم نہ کھائیں بڑے درجہ والے

شخص کبھی۔ ولیکن اللہ سنوارتا ہے جس کو چاہے، اور اللہ سب سنتا ہے جانتا۔ اور قسم نہ کھاویں بڑائی والے

= ف۵ یعنی بدکاری پھیلے یا بدکاری کی خبریں پھیلیں۔ یہ چاہنے والے منافقین تھے۔ لیکن ان کا تذکرہ کر کے مومنین کو بھی متنبہ فرما دیا کہ اگر فرض کرو کسی کے دل میں ایک بری بات کا خطرہ گزرا اور بے پروائی سے کوئی لفظ زبان سے بھی کہہ گزرا تو چاہیے کہ اب ایسی مہمل بات کا چرچا کرتا نہ پھرے۔ اگر خواہی نہ خواہی کسی مومن کی آبروریزی کرے گا تو خوب سمجھ لے کہ اس کی آبرو بھی محفوظ نہ رہے گی۔ حق تعالیٰ اسے ذلیل و خوار کر کے چھوڑے گا۔ کما فی حدیث احمد رحمہ اللہ۔

ف۶ دنیا میں حد قذف، رسوائی اور قسم قسم کی سزائیں اور آخرت میں دوزخ کی سزا۔

ف۱ یعنی ایسے فتنہ پردازوں کو خدا خوب جانتا ہے گو تم نہ جانتے ہو۔ اور یہ بھی اسی کے علم میں ہے کہ کس کا جرم کتنا ہے اور کس کی کیا غرض ہے۔

(تنبیہ) جب شیوع فاحشہ، حسد و کینہ وغیرہ کی طرح اعمال قلبیہ میں سے ہے مراتب قصد میں سے نہیں۔ اس لیے اس پر ماخوذ ہونے میں اختلاف نہ ہونا چاہیے۔ فتنبہ لہ۔

ف۲ یعنی یہ طوفان تو ایسا اٹھا تھا کہ نہ معلوم کون کون اس کی نذر ہوتے، لیکن اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و رحمت اور شفقت و مہربانی سے تم سے تائبین کی توبہ کو قبول فرمایا اور بعض کو حد شرعی جاری کر کے پاک کیا اور جو زیادہ خبیث تھے ان کو ایک گونہ مہلت دی۔

ف۳ یعنی شیطان کی چالوں سے ہوشیار رہا کرو۔ مسلمان کا یہ کام نہیں ہونا چاہیے کہ شیاطین الانس والجن کے قدم بقدم چلنے لگے۔ ان ملعونوں کا تو مشن ہی یہ ہے کہ لوگوں کو بے حیائی اور برائی کی طرف لے جائیں۔ تم جان بوجھ کر کیوں ان کے بھرے میں آتے ہو۔ دیکھ لو شیطان نے ذرا سا چرکا لگا کر کتنا بڑا طوفان کھڑا کر دیا اور کئی سیدھے سادے مسلمان کس طرح اس کے قدم پر چل پڑے۔

ف۴ یعنی شیطان تو سب کو بگاڑ کر چھوڑتا ایک کو بھی سیدھے راستہ پر نہ رہنے دیتا۔ یہ تو خدا کا فضل اور اس کی رحمت ہے کہ وہ اپنے مخلص بندوں کی دستگیری فرما کر بہتیروں کو محفوظ رکھتا ہے اور بعض کو مبتلا ہو جانے کے بعد توبہ کی توفیق دے کر درست کر دیتا ہے۔ یہ بات اسی خدائے واحد کے اختیار میں ہے اور وہ ہی اپنے علم محیط اور حکمت کاملہ سے جانتا ہے کہ کون بندہ سنوارے جانے کے قابل ہے اور کس کی توبہ قبول ہونی چاہیے۔ وہ سب کی توبہ وغیرہ کو سنتا اور ان کی قلبی کیفیات سے پوری طرح آگاہ ہے۔

مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْۤا اُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ

تم میں سے، اور کشائش والے اس پر کہ دیں قرابتیوں کو اور محتاجوں کو اور وطن چھوڑنے والوں کو اللہ کی راہ میں

تم میں، اور کشائش والے، اس سے کہ دیویں ناتے والوں کو اور محتاجوں کو اور وطن چھوڑنے والوں کو اللہ کی راہ میں،

وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ۭ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۲۲ اِنَّ

اور چاہیے کہ معاف کریں اور درگزر کریں کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تم کو معاف کرے اور اللہ بخشنے والا ہے مہربان ف۱ جو

اور چاہئے معاف کریں اور درگزر کریں۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تم کو معاف کرے؟ اور اللہ بخشنے والا ہے مہربان۔ جو

الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۠ وَلَهُمْ

لوگ عیب لگاتے ہیں حفاظت والیوں بے خبر ایمان والیوں کو ان کو پھٹکار ہے دنیا میں اور آخرت میں اور ان کے لیے ہے

لوگ عیب لگاتے ہیں قید والی بے خبر ایمان والیوں کو، ان کو پھٹکار ہے دنیا میں اور آخرت میں، اور ان کو

عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۲۳ۙ يَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا

بڑا عذاب ف۲ جس دن کہ ظاہر کردیں گی ان کی زبانیں اور ہاتھ اور پاؤں جو کچھ

بڑی مار۔ جس دن بتاویں گی ان کی زبانیں اور ہاتھ اور پاؤں، جو کچھ

يَعْمَلُوْنَ ۲۴ يَوْمَىِٕذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ ۲۵

وہ کرتے تھے ف۳ اس دن پوری دے گا ان کو اللہ ان کی سزا جو چاہیے اور جان لیں گے کہ اللہ وہی ہے سچا کھولنے والا ف۴

کرتے تھے۔ اس دن پوری دے گا ان کو اللہ ان کی سزا جو چاہیئے، اور جانیں گے کہ اللہ وہی ہے سچا کھولنے والا۔

ف۱ حضرت عائشہ پر طوفان اٹھانے والوں میں بعض مسلمان بھی نادانی سے شریک ہو گئے۔ ان میں سے ایک حضرت مسطح تھے جو ایک مفلس مہاجر ہونے کے علاوہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بھانجے یا خالہ زاد بھائی ہوتے ہیں۔ قصہ "افک" سے پہلے حضرت صدیق اکبر ان کی امداد اور خبر گیری کیا کرتے۔ جب یہ قصہ ختم ہوا اور عائشہ صدیقہ کی براءت آسمان سے نازل ہو چکی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قسم کھائی کہ آئندہ مسطح کی امداد نہ کروں گا۔ شاید بعض دوسرے صحابہ کو بھی ایسی صورت پیش آئی ہو۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ یعنی تم میں سے جن کو اللہ تعالیٰ نے دین کی بزرگی اور دنیا کی وسعت دی ہے انھیں لائق نہیں کہ ایسی قسم کھائیں ان کا ظرف بہت بڑا اور ان کے اخلاق بہت بلند ہونے چاہیں بڑی جوانمردی تو یہ ہے کہ برائی کا بدلہ بھلائی سے دیا جائے۔ محتاج رشتہ داروں اور خدا کے لیے وطن چھوڑنے والوں کی اعانت سے دست کش ہو جانا بزرگوں اور بہادروں کا کام نہیں۔ اگر قسم کھالی ہے تو ایسی قسم کو پورا مت کرو۔ اس کا کفارہ ادا کردو۔ تمہاری شان یہ ہونی چاہیے کہ خطا کاروں کی خطا سے اغماض اور درگزر کرو۔ ایسا کرو گے تو حق تعالیٰ تمہاری کوتاہیوں سے درگزر کرے گا۔ کیا تم حق تعالیٰ سے عفو و درگزر کی امید اور خواہش نہیں رکھتے؟ اگر رکھتے ہو تو تم کو اس کے بندوں کے معاملہ میں یہی خو اختیار کرنی چاہیے۔ گویا اس میں "تخلق باخلاق اللہ" کی تعلیم ہوئی۔ احادیث میں ہے کہ حضرت ابوبکر نے جب سنا ﴿اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ﴾ (کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تم کو معاف کرے؟) تو فوراً بول اٹھے۔ "بَلٰى يَا رَبَّنَا اِنَّا نُحِبُّ" (بیشک اے ہمارے پروردگار! ہم ضرور چاہتے ہیں) یہ کہہ کر مسطح کی جو امداد کرتے تھے بدستور جاری فرمادی، بلکہ بعض روایات میں ہے کہ پہلے سے دگنی کر دی۔ رضی اللہ عنہ

ف۲ صحیحین کی حدیث میں ہے۔ "اِجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوْبِقَاتِ الشِّرْكُ بِاللّٰهِ وَقَتْلَ النَّفْسِ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَكْلَ الرِّبٰوا وَاَكْلَ مَالِ الْيَتِيْمِ وَالتَّوَلِّيْ يَوْمَ الزَّحْفِ وَقَذْفَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ الْغَافِلَاتِ۔" اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قذف محصنات مطلقاً مہلکات میں سے ہے۔ پھر ان میں سے بھی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن بالخصوص ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قذف تو کس درجہ کا گناہ ہوگا۔ علماء نے تصریح کی ہے کہ ان =

اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ

گندیاں ہیں گندوں کے واسطے اور گندے واسطے گندیوں کے اور ستھریاں ہیں ستھروں کے واسطے اور ستھرے واسطے

گندیاں ہیں گندوں کے واسطے اور گندے واسطے گندیوں کے۔ اور ستھریاں ہیں واسطے ستھروں کے اور ستھرے واسطے

لِلطَّيِّبٰتِ ۚ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ ۗ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۲۶﴾ ع

ستھریوں کے ف۱ وہ لوگ بے تعلق ہیں ان باتوں سے جو یہ کہتے ہیں ف۲ ان کے واسطے بخشش ہے اور روزی ہے عزت کی ف۳

ستھریوں کے۔ وہ لوگ بے لگاؤ ہیں ان باتوں سے، جو کہتے ہیں، ان کو بخشنا ہے اور روزی ہے عزت کی۔

بیان براءت ونزاہت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا از افک وتہمت ونصیحت مومنین وفضیحت منافقین

قَالَ اللهُ تَعَالٰى : ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ... الی ... لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں مطلق محصنات یعنی عام مسلمان اور پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے کی شناعت اور قباحت کو بیان فرمایا۔ اب ان آیات میں ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے کی شناعت اور قباحت کو بیان کرتے ہیں اس لئے کہ آپ کا رتبہ بوجہ ام المومنین ہونے کے اور بوجہ زوجہ سید المرسلین ﷺ ہونے کے تمام محصنات مومنات سے بہت بلند اور برتر ہے۔ یہاں سے یعنی ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ﴾ سے لے کر اٹھارہ آیتوں تک یعنی ﴿اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا

= آیات کے نزول کے بعد جو شخص عائشہ صدیقہ یا ازواج مطہرات میں سے کسی کو متہم کرے وہ کافر، مکذب قرآن اور دائرہ اسلام سے خارج ہے اور طبرانی کی ایک حدیث میں ہے۔ "قَذْفُ الْمُحْصَنَةِ يَهْدِمُ عَمَلَ مِائَةِ سَنَةٍ" (محصنہ پر تہمت لگانا سو برس کے عمل کو ڈھا دیتا ہے)۔ العیاذ باللہ۔

ف۳ یعنی مجرم منہ سے بولنا اور ظاہر کرنا نہ چاہے گا۔ مگر خود زبان اور ہاتھ پاؤں بولیں گے اور ان میں سے ہر عضو اس عمل کو ظاہر کرے گا جو اس کے ذریعہ سے کیا گیا تھا (لطیفہ) قاذف نے زبان سے تہمت لگائی تھی اور چار گواہوں کا اس سے مطالبہ تھا جو پورا نہ کر سکا۔ اس کے بالمقابل یہاں یہی پانچ چیزیں ذکر ہوئیں۔ ایک زبان جو قذف کا اصلی آلہ ہے اور چار ہاتھ پاؤں جو اس کی شرارت کے گواہ ہوں گے۔

ف۴ جو رتی رتی عمل کھول کر سامنے رکھ دیتا ہے اور جس کا حساب بالکل صاف ہے اس کے ہاں کسی طرح کا ظلم و تعدی نہیں۔ یہ مضمون قیامت کے دن سب کو مکشوف و مشہود ہو جائے گا۔

ف۱ یعنی بدکار اور گندی عورتیں گندے اور بدکار مردوں کے لائق ہیں۔ اسی طرح بدکار اور گندے مرد اس قابل ہیں کہ ان کا تعلق اپنے جیسی گندی اور بدکار عورتوں سے ہو۔ پاک اور ستھرے آدمیوں کا ناپاک بدکاروں سے کیا مطلب۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ پیغمبر کی عورت بدکار (زانیہ) نہیں ہوتی، یعنی اللہ تعالیٰ ان کی ناموس کی حفاظت فرماتا ہے۔ نقلہ فی موضح القرآن۔

(تنبیہ) آیت کا یہ مطلب تو ترجمہ کے موافق ہوا۔ مگر بعض مفسرین سلف سے یہ منقول ہے کہ "الخبیثات" اور "الطیبات" سے یہاں عورتیں مراد نہیں۔ بلکہ اقوال و کلمات مراد ہیں۔ یعنی گندی باتیں گندوں کے لائق ہیں۔ اور ستھری باتیں ستھرے آدمیوں کے۔ پاکباز اور ستھرے مرد و عورت ایسی گندی تہمتوں سے بری ہوتے ہیں جیسا کہ آگے ﴿اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ﴾ سے ظاہر ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ گندی باتیں گندوں کی زبان سے نکلا کرتی ہیں تو جنہوں نے کسی پاکباز کی نسبت گندی بات کہی، سمجھ لو کہ وہ خود گندے ہیں۔

ف۲ یعنی ستھرے آدمی ان باتوں سے بری ہیں جو یہ گندے لوگ بکتے پھرتے ہیں۔

ف۳ یعنی برا کہنے سے وہ برے نہیں ہو جاتے، بلکہ جب وہ اس پر صبر کرتے ہیں تو یہ چیز ان کی خطاؤں یا لغزشوں کا کفارہ بنتی ہے۔ اور یہاں مفسد لوگ جس قدر ان کو ذلیل کرنا چاہتے ہیں وہاں اس کے بدلے میں عزت کی روزی ملتی ہے۔

﴿يَقُوْلُوْنَ. لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ﴾ تک یہی مضمون چلا گیا ہے جن میں عائشہ صدیقہ ؓ کی براءت اور نزاہت کو بیان کیا تا کہ معلوم ہو جائے کہ ام المومنین اور زوجہ سید المرسلین ﷺ پر تہمت لگانا کفر اور نفاق ہے۔ عام محصنات مومنات پر تہمت لگانے والا فاسق اور فاجر اور مردود الشہادۃ ہے مگر ام المومنین عائشہ صدیقہ ؓ اور دیگر ازواج مطہرات پر تہمت لگانے والا کافر اور منافق ہے اور ان آیات کے خاتمہ پر حق تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ ﴿اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ﴾ اس بارے میں نص صریح ہے کہ جو شخص حق تعالیٰ کی اس براءت اور نزاہت کی شہادت کے بعد بھی عائشہ صدیقہ ؓ اور دیگر ازواج مطہرات کے بارہ میں بدگمانی کرے وہ بلا شبہ کافر ہے اور حق تعالیٰ کی اس شہادت کا منکر ہے، (دیکھو صاوی [1] حاشیہ جلالین: ۱۲۹/۳) اور تمام مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیتیں عائشہ صدیقہ ؓ کی براءت اور نزاہت کے بارہ میں نازل ہوئیں جو منافقین نے آپ پر تہمت لگائی تھی۔

صحیح بخاری اور دیگر کتب حدیث میں یہ قصہ تفصیل کے ساتھ مذکور ہے خلاصہ اس کا یہ ہے۔ آنحضرت ﷺ ۶ھ میں غزوہ بنی المصطلق سے واپس آ رہے تھے اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ ؓ آپ ﷺ کے ہمراہ تھیں اور ان کی سواری کا اونٹ علیحدہ تھا اور اس پر ایک ہودج تھا۔ اسی ہودج میں ام المومنین سوار کی جاتی تھیں اور اسی ہودج میں اتاری جاتی تھیں۔ واپسی میں ایک منزل پر نزول ہوا کوچ سے پہلے حضرت عائشہ صدیقہ ؓ قضا حاجت کے لئے پڑاؤ سے باہر چلی گئیں وہاں اتفاق سے ان کے گلے میں جو منکوں کا ہار تھا ٹوٹ کر گر گیا اس کی تلاش میں دیر لگ گئی یہاں پیچھے کوچ ہو گیا جو لوگ اونٹ پر ہودج کسا کرتے تھے انہوں نے یہ خیال کر کے کہ ام المومنین ہودج ہی میں ہیں۔ ہودج کو اونٹ پر کس دیا چونکہ اس زمانہ میں عورتیں نہایت ہلکی پھلکی ہوتی تھیں، موٹی تازی نہیں ہوتی تھیں۔ اور اس وقت حضرت عائشہ ؓ کی عمر بھی کم تھی اس لئے ہودج کسنے والوں کو کچھ شبہ بھی نہ ہوا اور اونٹ کو لے کر قافلہ کے ساتھ روانہ ہو گئے جب لشکر روانہ ہو گیا تب عائشہ صدیقہ ؓ کو ہار مل گیا اور آپ پڑاؤ پر آئیں۔ دیکھا کہ وہاں کوئی نہیں۔ قافلہ کوچ کر چکا ہے آخر یہ سوچ کر کہ آنحضرت ﷺ جب منزل پر پہنچ کر مجھے نہیں پائیں گے تو تلاش کے لئے یہیں کسی کو روانہ کریں گے یہ خیال کر کے وہیں بیٹھ گئیں۔ وہاں بیٹھے بیٹھے ان پر نیند نے غلبہ کیا اور سو گئیں۔ لشکر کے پیچھے گری پڑی چیز کی حفاظت اور نگہداشت کے لئے ایک شخص صفوان بن معطل سلمی ؓ رہا کرتا تھا وہ لشکر کے پیچھے آ رہا تھا۔ علی الصبح سویرے ہی سویرے حضرت عائشہ ؓ کی منزل کے قریب آ پہنچا اور دور سے دیکھ کر یہ سمجھا کہ کوئی شخص پڑا سوتا ہے جب قریب پہنچا تو اس نے عائشہ صدیقہ ؓ کو دیکھ کر پہچان لیا کیونکہ نزول حجاب سے پہلے انہوں نے عائشہ صدیقہ ؓ کو دیکھا تھا جب اس نے ام المومنین عائشہ ؓ کو اس طرح دیکھا تو غایت تاسف سے ﴿اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ﴾ پڑھا اس پڑھنے کی آواز سے حضرت عائشہ ؓ کی آنکھ کھل گئی اور فوراً چادر سے منہ

---

[1] قال الصاوی قوله تعالىٰ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ﴾ الخ شروع فی ذکر الآیات المتعلقة بالافك وهی ثمانية عشر تنتهی بقوله ﴿اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ. لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ﴾ ومناسبة هذه الآيات لما قبلها ان الله تعالىٰ لما ذكر ما فی الزنا من الشناعة والقبح وذكر ما يترتب على من رمى غيره به وذكر انه لا يليق بآحاد الامة فضلا عن زوجة سيد المرسلين صلى الله عليه وسلم ذكر ما يتعلق بذلك انتهى كلامه۔

ڈھانک لیا حضرت صفوان ؓ نے اونٹ کو لا کر ان کے قریب بٹھلا دیا ام المومنین پردہ کے ساتھ اس اونٹ پر سوار ہو گئیں اور وہ اونٹ کی مہار پکڑ کر اس کو کھینچتے ہوئے پاپیادہ آگے آگے چلے یہاں تک کہ عین دوپہر کے وقت قافلہ سے جا ملے۔ اتنی سی بات پر منافقوں نے بہتان طرازی شروع کر دی اور اس معمولی سے واقعہ کا ایک افسانہ بنا دیا۔ جس کا سرغنہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی منافق تھا۔ اس خبیث دشمن کو ایک بات ہاتھ لگ گئی اور طرح طرح سے واہی تباہی بکنا شروع کیا۔ اصل فتنہ پرداز تو منافقین تھے، لیکن بعض بھولے بھالے مسلمان بھی سنی سنائی باتوں کا تذکرہ کرنے لگے، جیسے حضرت حسان ؓ اور مسطح ؓ اور حمنہ بنت جحش جو ام المومنین زینب بنت جحش ؓ کی بہن تھیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ ؓ وہاں پہنچ کر بیمار ہو گئیں۔ جب ان کو اس کی خبر ہوئی تو زار و قطار روئیں اور ہچکیاں بندھ گئیں اور بیماری میں اور اضافہ ہوا۔ آنحضرت ﷺ سے اجازت لے کر اپنے باپ کے گھر آ گئیں۔ شب و روز روتی تھیں اور آنسو نہیں تھمتے تھے، اسی دوران میں بہت سے واقعات پیش آئے جو صحیح بخاری میں مذکور ہیں اور ہم نے تفصیل کے ساتھ ان کو سیرۃ المصطفیٰ میں ذکر کر دیا ہے۔ بالآخر جب حضرت عائشہ ؓ کا صدمہ حد سے گزر گیا اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرح ﴿فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ۖ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ﴾ کا کلمہ زبان پر جاری ہوا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت عائشہ ؓ کی براءت میں یہ آیتیں ﴿إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ﴾ سے لے کر ﴿أُولَٰئِكَ مُبَرَّءُونَ مِمَّا يَقُولُونَ ۖ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ﴾ تک نازل ہوئیں۔ جن سے حضرت عائشہ صدیقہ ؓ کی براءت اور نزاہت پر قیامت تک کے لئے مہر لگ گئی اور کسی منافق کی مجال نہیں رہی کہ وہ عائشہ صدیقہ ؓ کی شان میں کوئی لفظ اپنی زبان سے نکال سکے، چنانچہ فرماتے ہیں۔ تحقیق جو لوگ اس بہتان کو بنا کر لائے ہیں وہ تم ہی میں کا ایک چھوٹا سا گروہ ہے، یعنی بظاہر وہ مسلمانوں کی ایک جماعت ہے خیر سے نام اسلام کا لیتے ہیں خواہ وہ سچ ہو یا جھوٹ ہو۔ اصل سازش تو منافقوں کی ہے اور چند مسلمان نادانستہ طور پر ان کی اس عیارانہ سازش کا شکار ہو گئے باقی ان چند کے سوا جمہور اہل اسلام اس سازش میں نہیں پھنسے۔ اصل فتنہ کا بانی مبانی تو عبداللہ بن سلول منافق تھا اور اس کے ساتھ منافقین کی جماعت تھی اس کے علاوہ چند مخلص مسلمان جیسے حسان ؓ اور مسطح ؓ اور حمنہ ؓ وہ صرف کسی غلط فہمی یا سادہ لوحی کی وجہ سے منافقین کے جال میں پھنس گئے مومنین مخلصین میں سے صرف یہ تین تھے باقی منافقین تھے اور عام اہل اسلام اس خبر سے غایت درجہ رنجیدہ اور ملول تھے۔ اس لئے ان آیات میں ان کی تسلی فرماتے ہیں کہ اے مسلمانو! تم اس بہتان کو اپنے حق میں برا نہ سمجھو۔ ظاہر میں اگرچہ برا معلوم ہوتا ہے مگر حقیقت میں برا نہیں بلکہ وہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ خود برات کا متولی اور کفیل بنا اور آسمان سے عائشہ صدیقہ ؓ کی براءت میں اور اہل ایمان کی مدح میں اور منافقین کی فضیحت اور مذمت میں اٹھارہ آیتیں نازل کیں جو قیامت تک اہل علم کے سینوں میں محفوظ رہیں گی اور مسجدوں اور محرابوں میں زبانیں ان کی تلاوت کرتی رہیں گی یہ تو لسان صدق ہے، دنیا اور آخرت میں جس سے تمہاری بزرگی اور عظمت شان سب پر ظاہر ہو گئی اور دشمنان اسلام ہمیشہ کے لئے ذلیل و خوار ہو گئے سو یہ بہتان تمہارے حق میں برا نہیں ہوا بلکہ ان کے حق میں برا ہوا اور ان کی ایذا اور بدزبانی پر صبر کا اجر اس کے علاوہ رہا۔ یہ

خطاب ان مسلمانوں کی تسلی کے لئے ہے جنہیں اس واقعہ سے صدمہ پہنچا تھا بالخصوص یہ خطاب آنحضرت ﷺ اور عائشہ صدیقہ ؓ اور ابوبکر صدیق ؓ اور ان کے گھر والوں کو ہے جن پر صدمہ کا پہاڑ آ گرا۔ یہ آیتیں نازل کر کے ان کو تسلی بخشی اور دنیا کو متنبہ کر دیا کہ پیغمبر علیہ السلام کی ازواج مطہرات کا اور خاص کر عائشہ صدیقہ ؓ کا کیا مرتبہ ہے۔

ان میں سے ہر شخص کے لئے اسی قدر سزا ہے جس قدر اس نے گناہ کمایا ہے۔ جس شخص نے جس قدر اس فتنہ میں حصہ لیا۔ بقدر حصہ وہ سزا کا مستحق ہے۔ اس لئے کہ بعضے اس خبر کو سن کر ہنستے تھے اور بعض نے کچھ زبان سے بھی کہا تھا بعض خاموش رہے مگر بولنے والے کو منع نہ کیا۔ اس مختصر جملہ میں اس قسم کے تمام لوگوں پر عتاب ہے اور وہ شخص جس نے اس میں بڑا حصہ لیا اس کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے اس سے مراد عبداللہ بن ابی منافق ہے دنیا کی ذلت کے علاوہ آخرت میں ذلیل اور خوار ہوگا۔ اس آیت میں منافقین کے سرغنہ عبداللہ بن ابی کو تہدید فرمائی۔ اب آئندہ آیات میں ان مومنین کو نصیحت فرماتے ہیں کہ جو نادانستہ طور پر منافقین کی اس سازش کا شکار ہو گئے تھے بعض اس خبر کو سن کر خاموش ہو گئے اور بعض نے اس خبر کو نقل کیا اگر چہ وہ اس خبر کو سچا نہیں سمجھتے تھے لیکن نقل کرنے سے ایک درجہ میں منافقین کے معاون بنے اس لئے آئندہ آیت میں اس قسم کے مسلمانوں کو نصیحت اور ملامت فرماتے ہیں کہ جب تم نے اس بات کو سنا تو ایمان والے مردوں نے جن میں حسان ؓ اور مسطح ؓ بھی آ گئے اور ایمان والی عورتوں نے جن میں حمنہ ؓ بھی آ گئیں اپنے بھائی بہنوں کے متعلق نیک گمان کیوں نہ کیا۔ اور سنتے ہی فوراً زبان سے یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ یہ تو کھلا جھوٹ ہے یعنی مسلمانوں کو چاہئے تھا کہ اپنے بھائی بہنوں کے ساتھ نیک گمان رکھتے اور اپنے جیسا ان کو سمجھتے اور صاف کہہ دیتے کہ یہ تو کھلا جھوٹ ہے۔ حضرت عائشہ ؓ کی طہارت اور نزاہت اور ان کا ام المومنین ہونا اور ان کا ذات اطہر ﷺ کی زوجیت میں ہونا اور صفوان ؓ کا مرد صالح اور متقی ہونا اور عبداللہ بن ابی کا منافق ہونا اور دشمن رسول ہونا اور اس کا جھوٹا ہونا یہ سب باتیں تمہارے سامنے تھیں۔ پھر دشمنان رسول کی ایک جھوٹی افواہ پر تم نے کیسے کان لگایا۔ ابوایوب انصاری ؓ کے سامنے جب اس بات کا ذکر آیا تو سنتے ہی کہہ دیا کہ سب جھوٹ ہے صدیق ؓ کی بیٹی اور نبی کی بیوی کے متعلق ایسا گمان نہیں کیا جا سکتا۔

غرض یہ کہ ان آیات میں قاذفین منافقین کے علاوہ ان مومنین اور مومنات پر ناصحانہ ملامت ہے جنہوں نے اس خبر کو سن کر خاموشی اختیار کی یا تردد میں رہے یا بطور تذکرہ اس خبر کو نقل کیا ان لوگوں کو چاہئے تھا کہ سنتے ہی کہہ دیتے ﴿هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ﴾ یہ صریح بہتان ہے۔

اہل افک اپنی اس بات پر چار گواہ کیوں نہ لائے کیونکہ اثبات گناہ کے لئے چار گواہوں کا ہونا شرط ہے۔ پس جب یہ لوگ اس پر چار گواہ نہ لا سکے تو ایسے لوگ قانون شریعت کے موافق اللہ کے نزدیک جھوٹے ہیں۔ کیونکہ شریعت نے جب یہ قاعدہ اور یہ قانون مقرر کر دیا کہ ثبوت گناہ کے لئے چار گواہوں کا ہونا شرط ہے۔ دعوے میں ذاتی معاینہ کافی نہیں بلکہ ثبوت کے لئے چار عینی شاہدوں کی شہادت ضروری ہے پس جو شخص کسی پر بدکاری کی تہمت لگائے اور چار گواہ نہ پیش کر سکے تو قانون شریعت کے مطابق وہ شخص جھوٹا ہے۔ اگر چہ اس نے اپنی آنکھ سے مشاہدہ کیا ہو لیکن عدالتی ثبوت کے لئے چار عینی شاہدوں کی

شہادت ضروری ہے بغیر ثبوت کے ایسی سنگین بات کا زبان سے نکالنا جرم ہے۔ پس معلوم ہوا کہ آیت میں عند اللہ کے معنی فی علم اللہ کے نہیں بلکہ فی حکم اللہ اور فی قانون اللہ کے معنی مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ جو شخص دعوائے زنا میں چار گواہ نہ پیش کر سکے تو وہ قانون خداوندی اور ضابطہ شریعت کے اعتبار سے جھوٹا ہے گو واقعہ میں وہ سچا ہو اس لئے کہ بغیر ثبوت فراہم ہوئے اس کو اجازت نہ تھی کہ زبان سے ایسی بات نکالے اس لئے قانون شہادت اور ضابطہ گواہی کے اعتبار سے اس کو کاذب کہنا جائز ہے اگرچہ وہ فی الواقع اور فی علم اللہ صادق ہے لیکن عدالت میں تو قانون شہادت کے اعتبار سے اس کے صدق اور کذب کو جانچا جائے گا جو شخص کسی پر زنا کا دعویٰ کرے اور چار عینی گواہ نہ پیش کر سکے تو وہ از روئے قانون جھوٹا ہے۔

اور اے مسلمانو! اگر دنیا اور آخرت میں تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو جس چیز کے چرچے میں تم پڑے تھے تو اس میں تم کو بڑا بھاری عذاب پہنچتا۔ اللہ نے تم کو ایمان کی برکت سے توبہ کی توفیق دی اور تمہارا قصور معاف کیا اور عذاب سے بچا لیا اور یہ عذاب عظیم تم کو اس وقت پہنچتا جبکہ تم اپنی زبانوں سے باہم اس بات کو نقل کرتے تھے، اور مونہوں سے وہ بات کہتے تھے جس کی تمہیں خبر نہیں اور تم اس کو ہلکی اور معمولی بات سمجھتے ہو اور یہ خیال کرتے ہو کہ اس میں کچھ گناہ نہیں، حالانکہ وہ اللہ کے یہاں بہت بڑی اور بھاری ہے خاص کر ام المومنین کی شان میں ایسی صریح البطلان چیز کو زبان پر لانا جرم عظیم ہے اور چونکہ اس بات کا جرم عظیم ہونا بالکل واضح ہے تو تم نے سنتے ہی یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ ہماری مجال نہیں کہ ایسی ناپاک بات زبان سے نکالیں۔ سبحان اللہ۔ یہ تو بہت ہی بڑا بہتان ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے منزہ ہے کہ اس کے رسول اعظم کی بیوی فاجرہ ہو۔ کسی درجہ میں کافرہ تو نبی کی بیوی بن سکتی ہے مگر فاجرہ اور زانیہ عورت ہرگز ہرگز کسی نبی کی بیوی نہیں بن سکتی، حضرت نوح علیہ السلام اور لوط علیہ السلام کی بیبیاں کافرہ تھیں مگر معاذ اللہ فاجرہ نہ تھیں۔ معاذ اللہ معاذ اللہ۔ جو خبیث کسی نبی کی زوجہ کو فاجرہ بتلاتا ہے وہ درپردہ نبی کو دیوث بتاتا ہے چنانچہ سورۂ تحریم کی اس آیت ﴿كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتَاهُمَا﴾ کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے ما بغت امراۃ نبی قط یعنی کسی نبی کی بیوی نے کبھی بدکاری کا ارتکاب نہیں کیا، اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ اپنے پیغمبروں کے ناموس کی حفاظت کی ہے۔ شروع اسلام میں کافرہ اور مشرکہ سے نکاح کی اجازت رہی جو بعد میں منسوخ ہو گئی لیکن بدکار عورت سے کسی حال میں نکاح کی اجازت نہیں دی گئی الا یہ کہ وہ زنا سے توبہ کرے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ منافقین جو بک رہے ہیں وہ ایسا صریح اور واضح بہتان ہے کہ جس میں غور و فکر کی بھی گنجائش نہیں۔

لہٰذا اے مسلمانو! اللہ تعالیٰ تم کو نصیحت کرتا ہے کہ آئندہ ایسی بات نہ کرو اگر تم ایماندار ہو تو خبردار اور ہوشیار ہو جاؤ اور اللہ تمہارے لئے احکام اور آداب کو بیان کرتا ہے اور اللہ خوب جاننے والا حکمت والا ہے۔ اس کو عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور صفوان رضی اللہ عنہ کا حال خوب معلوم ہے

اب آئندہ آیات میں مسلمانوں کی تادیب کے لئے ان لوگوں کی مذمت فرماتے ہیں جو اس قسم کے فواحش اور بے حیائیوں کی نشر و اشاعت کو پسند کرتے ہیں۔ تحقیق جو لوگ یہ پسند کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں بے حیائی کا چرچا ہو ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے اور ایسے فتنہ پردازوں کو اللہ خوب جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ اس لئے اللہ تم کو

نصیحت کرتا ہے اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور کرم نہ ہوتا اور یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ بلاشبہ بڑا نرمی کرنے والا اور مہربان ہے۔ تو فوراً تم پر عذاب نازل کرتا لیکن اس نے اپنے فضل اور محبت سے تم کو تنبیہ اور تادیب کردی اور توبہ اور استغفار کا موقع دے دیا اور تمہاری توبہ قبول کی اور حد شرعی جاری کر کے تم کو پاک کردیا اور جو زیادہ خبیث تھے، ان کو نہ توبہ کی توفیق دی اور نہ ان پر حد جاری کر کے ان کو پاک کیا بلکہ ان کو مہلت دی۔ اب آگے پھر تائبین کو نصیحت فرماتے ہیں اے ایمان والو۔ ایمان کا مقتضی یہ ہے کہ شیطان کو اپنا دشمن سمجھو اور شیطان کے نشان قدم پر نہ چلو یعنی افک کے متعلق جو کچھ کہا سنا جارہا ہے۔ وہ سب شیطانی وسوسے ہیں ان کی پیروی نہ کرو اور جو شیطان کے قدموں پر چلے گا تو لامحالہ شیطان اس کو بے حیائی اور بری بات کا حکم دے گا۔ جو اس کی تباہی اور بربادی کا سامان ہوگا۔

اور اے مسلمانو! اگر تم پر اللہ کا فضل و کرم نہ ہوتا تو وہ تم میں سے کبھی کسی کو اس جرم سے پاک نہ کرتا یعنی تم میں سے کسی کو توبہ کی توفیق نہ دیتا اور نہ اس کی توبہ قبول کرتا لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے تو توبہ قبول کر کے اس کو گناہ سے پاک کردیتا ہے یہ وعدہ مومنین سے ہے جیسے حضرت حسان رضی اللہ عنہ اور مسطح رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن ابی منافق اور اس کے اتباع سے نہیں۔ ان کے لئے آخرت کا عذاب عظیم ہے اور اللہ تمہارے اقوال کا سننے والا ہے اور تمہاری نیتوں کا جاننے والا ہے۔ ان مومنین مخلصین میں مسطح رضی اللہ عنہ بھی تھے جو نادانی سے اس قصہ میں شریک ہوگئے۔ یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خالہ زاد بھائی تھے اور نادار تھے، قصہ افک سے پہلے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کو خرچ دیا کرتے تھے جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت نازل ہوگئی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مسطح رضی اللہ عنہ کی طرف سے رنج ہوا اور قسم کھائی کہ آئندہ مسطح رضی اللہ عنہ کی مدد نہ کروں گا تو آئندہ آیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تنبیہ کے لئے نازل ہوئی کہ اہل فضل اور اہل کرم کی شان کے مناسب نہیں کہ وہ ایسی قسم کھائیں عوام کے لئے ایسی قسم اگرچہ جائز ہو مگر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شان فضل کے شایان نہیں۔ عجب نہیں کہ بمقتضائے بشریت غصہ میں آکر کسی صدقہ نافلہ سے ہاتھ روک لینا کسی درجہ میں خطوات الشیطن کا اتباع ہو اس لئے اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ شیطان کے قدموں کے اس معمولی گرد و غبار سے بھی محفوظ رہیں۔ اس لئے آئندہ آیت نازل فرمائی۔

اور جو لوگ تم میں سے صاحبان فضل اور مقدرت ہیں ان کو اپنے رشتہ داروں اور مسکینوں اور راہ خدا میں ہجرت کرنے والوں کو نہ دینے کی قسم نہ کھانی چاہئے یا بمقتضائے بشریت کسی ناراضگی کی بنا پر ان کی امداد اور اعانت میں کمی نہ کرنی چاہئے یہ شان فضل و وسعت کے خلاف ہے اشارہ مسطح رضی اللہ عنہ کی طرف ہے کہ وہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا رشتہ دار ہے ان کا خالہ زاد بھائی ہے اور مسکین ہے اور مہاجر ہے نادانی سے اس قصہ میں مبتلا ہوگیا اور اہل فضل و وسعت کو چاہئے کہ قصور معاف کریں اور درگزر کریں اور کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہارے قصور کو معاف کرے اور اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔ یعنی جب تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ تمہارے قصور معاف کرے تو تم بھی دوسروں کے قصور معاف کرو۔ تخلق باخلاق الٰہیہ کا یہی مقتضا ہے کہ عفو اور مسامحت اختیار کرو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس آیت کو ابوبکر رضی اللہ عنہ پر پڑھا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا بیشک میں یہ چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری مغفرت کردے اور مسطح رضی اللہ عنہ کا وظیفہ جاری کردیا بلکہ پہلے سے دگنا کردیا اور قسم کھائی کہ بخدا اب کبھی بند نہ کروں گا۔ اور اپنی گزشتہ قسم کا کفارہ ادا کیا۔

اب آئندہ آیات میں عام عنوان سے پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے والوں پر لعنت اور عذاب آخرت کا ذکر کرتے ہیں جس سے اصل مقصود عائشہ صدیقہ ؓ پر تہمت لگانے والے پر دنیا اور آخرت کی لعنت اور عذاب عظیم کو بیان کرنا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق جو لوگ ان پاکدامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں جو ایسی سیدھی سادی اور بھولی بھالی ہیں کہ انہیں ایسی باتوں کی خبر بھی نہیں اور وہ ایمان والیاں ہیں تو ایسے لوگوں پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی گئی ہے اور ان کے لئے بڑا بھاری عذاب ہے جس دن ان کے برخلاف ان کی زبانیں گواہی دیں گی اور ان کے ہاتھ اور پیر بھی گواہی دیں گے ان اعمال پر جو وہ دنیا میں کیا کرتے تھے یعنی قیامت کے دن ان کے مونہوں پر تو مہر لگا دی جائے گی مگر ان کی زبانیں خود بخود بولیں گی اور ان کے ہاتھ اور پیر بھی بولیں گے اور ان کے اقوال اور اعمال کی شہادت دیں گے، دنیا میں انسان اپنے ارادہ اور اختیار سے بولتا ہے اور زبان اس کے ارادہ کی ترجمان ہوتی ہے اور اس کے ارادہ کے تابع ہوتی ہے مگر قیامت کے دن زبان خود بخود بولے گی اور سچ سچ بولے گی اور زبان کا بولنا اس کے ارادہ کے تابع نہ ہوگا۔

نکتہ:...... "قاذف" نے زبان سے تہمت لگائی تھی تو اس سے چار گواہوں کا مطالبہ ہوا جو نہ پیش کر سکا اس لئے آخرت میں اس کے بالمقابل پانچ چیزیں گواہی دیں گی۔ زبان کے مقابلہ میں تو زبان بولے گی اور سچ سچ کہہ دے گی اور چار گواہوں کے مقابلہ میں دو ہاتھ اور دو پیر اس کے جھوٹ کی گواہی دیں گے اس طرح اس کے جھوٹ پر چار گواہ قائم کئے جائیں گے اور لعنت اور عذاب کی سزا اس کے لئے ثابت ہو جائے گی۔

اس دن اللہ تعالیٰ ان کو ان کے اعمال کی پوری پوری حق حق جزا دے گا۔ اور اس وقت جان لیں گے کہ اللہ ہی حق ہے جو حق اور صدق کو ظاہر کرنے والا ہے جس میں ذرہ برابر بھی غلطی کا امکان نہیں۔

اب ام المومنین کی طہارت و نزاہت کے بیان کو خبیثین کی مذمت اور طیبین کی تعریف پر ختم فرماتے ہیں جس کو بطور قاعدہ کلیہ بیان کیا تاکہ اس کے عموم سے خاص عائشہ صدیقہ ؓ کی پاکیزگی پر استدلال کیا جائے چنانچہ فرماتے ہیں کہ گندی اور بدکار عورتیں۔ گندے اور بدکار ہی مردوں کے لائق ہیں اور گندے مرد۔ گردی عورتوں کے لائق ہیں اور پاکیزہ اور ستھری عورتیں پاکیزہ اور ستھرے مردوں کے لائق ہیں، اور پاکیزہ اور ستھرے مرد پاکیزہ اور ستھری عورتیں کے لائق ہیں اور رسول اللہ ﷺ نہایت طیب اور طاہر ہیں اسی طرح آپ ﷺ کی حرم محترم بھی غایت درجہ کی طیبہ اور طاہرہ ہیں اور منافقین جیسے خود خبیث ہیں ایسی ہی ان کی عورتیں بھی خبیث ہیں۔

ذرہ ذرہ کاندریں ارض و سما است — جنس خود را ہمچو کاہ و کہربا است
ناریاں مرناریاں را جاذب اند — نوریاں مر نوریاں را طالب اند
اہل باطل باطلاں رامی کشند — اہل حق از اہل حق ہم سر خوشند
طیبات آمد زبہر طیبین — للخبیثات الخبیثون است یقین

فائدہ:...... نوح علیہ السلام اور لوط علیہ السلام کی بیبیاں کافرہ تو تھیں مگر زانیہ اور بدکار نہ تھیں۔ حدیث میں ہے ما بغت امراۃ نبی قط کسی نبی کی بیوی نے کبھی زنا نہیں کیا ایسے پاکیزہ لوگ ان باتوں سے بری ہیں جو یہ خبیثین ان کے بارے میں کہہ رہے ہیں ان

لوگوں کے لئے تو خدا کی طرف سے مغفرت ہے اور عزت کی روزی ہے۔ خبیثین کی بدزبانی سے ان کی عزت میں کوئی فرق نہیں آتا۔

یہاں تک کلام الٰہی کی آیتیں ام المومنین عائشہ صدیقہ بنت صدیق رضی اللہ عنہا کی براءت اور نزاہت کے بیان میں ختم ہوئیں اور عجیب شان سے ختم ہوئیں کہ اب اس کے بعد کوئی درجہ باقی نہیں رہا۔ قرآن مجید کی ان آیات سے جو عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عنداللہ قدر و منزلت ثابت ہوئی وہ روز روشن سے زیادہ واضح ہے۔ حق جل شانہ کی اس شہادت کے بعد بھی اگر کوئی بدباطن عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائے تو بالاتفاق علماء امت وہ کافر ہے اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے والے کا وہی حکم ہے جو مریم صدیقہ پر تہمت لگانے والے کا ہے۔ حضرت مسروق (جو کبار علماء تابعین میں سے ہیں) ان کی یہ عادت تھی جب وہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے تو یوں کہتے کہ مجھ سے صدیقہ بنت صدیق رضی اللہ عنہا۔ حبیبہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم مبراۃ من السماء نے اس طرح بیان کیا۔

نکتہ:..... خاتمہ پر ﴿اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ﴾ بصیغہ جمع ذکر فرمایا۔ سو اس عموم میں اشارہ اس طرف ہے کہ یہ حکم فقط عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ یہی حکم تمام ازواج مطہرات کو بھی شامل ہے۔

(واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى

اے ایمان والو مت جایا کرو کسی گھر میں اپنے گھروں کے سوائے جب تک بول چال نہ کرلو، اور سلام کرلو ان

اے ایمان والو! مت جایا کرو کسی گھروں میں اپنے گھروں کے سوا جب تک نہ بول چال کرو اور سلام دے لو اس

اَهْلِهَا ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا

گھر والوں پر یہ بہتر ہے تمہارے حق میں تاکہ تم یاد رکھو ف۱ پھر اگر نہ پاؤ اس میں کسی کو تو اس میں نہ

گھر والوں پر۔ یہ بہتر ہے تمہارے حق میں، شاید تم یاد رکھو۔ پھر اگر نہ پاؤ اس میں کوئی، تو اس میں نہ

تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ

جاؤ جب تک کہ اجازت نہ ملے تم کو ف۲ اور اگر تم کو جواب ملے کہ پھر جاؤ تو پھر جاؤ اس میں خوب ستھرائی ہے تمہارے لیے ف۳ اور اللہ

جاؤ، جب تک پروانگی نہ ہو تم کو۔ اور اگر تم کو کہے کہ پھر جاؤ، تو پھر جاؤ، اسی میں خوب ستھرائی ہے تمہاری، اور اللہ

ف۱ یعنی خاص اپنے ہی رہنے کا جو گھر ہو اس کے سوا کسی دوسرے کے رہنے کے گھر میں یوں ہی بے خبر نہ گھس جائے کیا جانے وہ کس حال میں ہو اور اس وقت کسی کا اندر آنا پسند کرتا ہے یا نہیں۔ لہٰذا اندر جانے سے پہلے آواز دے کر اجازت حاصل کرے اور سب سے بہتر آواز سلام کی، حدیث میں ہے کہ تین مرتبہ سلام کرے اور اجازت داخل ہونے کی لے۔ اگر تین بار سلام کرنے کے بعد بھی اجازت نہ ملے تو واپس چلا جائے۔ فی الحقیقت یہ ایسی حکیمانہ تعلیم ہے کہ اگر اس کی پابندی کی جائے تو صاحب خانہ اور ملاقاتی دونوں کے حق میں بہتر ہے۔ مگر افسوس آج مسلمان ان مفید ہدایات کو ترک کرتے جاتے ہیں۔ جن کو دوسری قومیں ان ہی سے سیکھ کر ترقی کر رہی ہیں۔ (ربط) شروع سورت سے احکام زنا و قذف وغیرہ بیان ہوئے تھے۔ چونکہ بسا اوقات بلا اجازت کسی کے گھر میں چلا جانا ان امور کی طرف مفضی ہو جاتا ہے۔ اس لیے ان آیات میں مسائل استیذان کو بیان فرمایا۔

ف۲ اگر یہ معلوم ہوا ہو کہ گھر میں کوئی موجود نہیں تب بھی دوسرے کے گھر میں بدون مالک و مختار کی اجازت کے مت جاؤ۔ کیونکہ ملک غیر میں بدون اجازت =

بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸﴾ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا

جو تم کرتے ہو اس کو جانتا ہے ف۱ نہیں گناہ تم پر اس میں کہ جاؤ ان گھروں میں جہاں کوئی نہیں بستا اس میں

جو کرتے ہو جانتا ہے۔ نہیں گناہ تم پر اس میں کہ جاؤ ان گھروں میں جہاں کوئی نہیں بستا اس میں

مَتَاعٌ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۲۹﴾

کچھ چیز ہو تمہاری ف۲ اور اللہ کو معلوم ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو ف۳

کچھ چیز ہو تمہاری۔ اور اللہ کو معلوم ہے جو کھولتے ہو اور جو چھپاتے ہو۔

حکم پنجم استیذان

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ ... الی ... وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں زنا کی تہمت کے احکام بیان کئے اب اس آیت میں کسی کے گھر میں بغیر اطلاع اور بغیر اجازت داخل ہونے کی ممانعت فرماتے ہیں تا کہ زنا اور بدگمانی اور تہمت کا دروازہ ہی بند ہو جائے۔ اے ایمان والو اپنے خاص رہائشی مکان کے سوا دوسرے گھروں میں جس میں دوسرے لوگ بھی رہتے ہوں داخل نہ ہو۔ یہاں تک کہ ان سے اجازت طلب کرو اور اجازت لینے سے پہلے ان گھروں کے رہنے والوں پر سلام کرو یعنی داخل ہونے سے پہلے یہ کہو۔ السلام علیکما ادخل۔ سلام ہو تم پر۔ کیا میں آسکتا ہوں۔ یہ اجازت لے کر اندر جانا یہی تمہارے لئے بہتر ہے۔ بغیر اجازت لئے اندر گھس جانا کسی طرح مناسب نہیں معلوم نہیں کہ آدمی اپنے گھر میں کس حال میں ہے اور کیا کر رہا ہے، یہ بات تم کو اس لئے بتادی گئی تا کہ تم نصیحت پکڑو۔ اور اس ہدایت پر عمل کرو۔

پھر اگر تم ان گھروں میں کسی کو نہ پاؤ جو تم کو آنے کی اجازت دے خواہ اس میں کوئی نہ ہو یا کوئی ہو اور اجازت نہ دے تو ایسے گھروں میں مت داخل ہونا یہاں تک کہ تم کو صاحب خانہ کی طرف سے داخل ہونے کی اجازت نہ دی جائے اور اگر اجازت لینے کے وقت تم سے یہ کہا جائے کہ لوٹ جاؤ تو تم لوٹ جاؤ نہ وہاں ٹھہرو اور نہ دروازہ پر بیٹھو یہ بات یعنی

=تصرف کا کوئی حق نہیں۔ نہ معلوم بے اجازت چلے جانے سے کیا جھگڑا پیش آ جائے ہاں صراحتاً یا دلالۃً اجازت ہو تو جانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

ف۳ یعنی ایسا کہے سے برا نہ مانو۔ بسا اوقات آدمی کی طبیعت کسی سے ملنے کو نہیں چاہتی یا حرج ہوتا ہے یا کوئی ایسی بات کر رہا ہے جس پر غیر کو مطلع کرنا پسند نہیں کرتا تو تم کو کیا ضرورت ہے کہ خواہ مخواہ اس پر بوجھ ڈالو۔ اس طرح بار خاطر بننے سے تعلقات صاف نہیں رہتے۔

ف۱ وہ تمہارے تمام اعمال قلبیہ و قالبیہ سے باخبر ہے جیسا کچھ کرو گے اور جس نیت سے کرو گے حق تعالیٰ اس کے مناسب جزا دے گا۔ اور اس نے اپنے علم محیط سے تمام امور کی رعایت کر کے یہ احکام دیے ہیں۔

ف۲ یعنی جن مکانوں میں کوئی خاص آدمی نہیں رہتا، نہ کوئی روک ٹوک ہے مثلاً مسجد، مدرسہ، خانقاہ، سرائے وغیرہ۔ اگر وہاں تمہاری کوئی چیز ہے یا تم کو چندے اس کے برتنے کی ضرورت ہے تو بیشک وہاں جا سکتے ہو اور اس کے لیے استیذان کی ضرورت نہیں۔ اس طرح کے مسائل کی تفصیل فقہ میں دیکھی جائے۔

ف۳ اس نے تمہارے تمام کھلے چھپے حالات کی رعایت سے یہ احکام مشروع کیے ہیں جن سے مقصود فتنہ و فساد کے مداخل کو بند کرنا ہے۔ مومن کو چاہیے کہ اپنے دل میں اسی غرض کو پیش نظر رکھ کر عمل کرے۔

واپس آنا ہی تمہارے لئے بہتر ہے کسی کے انتظار میں اس کے دروازہ پر بیٹھ جانا یا دروازہ کے درازوں سے جھانکنا بہت برا ہے بلکہ اجازت لینے والے کو چاہئے کہ دروازہ کے سامنے نہ کھڑا ہو بلکہ دائیں یا بائیں طرف کھڑا ہو۔ مبادا کہ اہل خانہ پر نظر پڑ جائے اور اجازت لینے کا حکم نظر اور بصر ہی کی حفاظت کے لئے ہے اور احادیث میں گھر میں جھانکنے کی سخت ممانعت آئی ہے۔

اللہ خوب جانتا ہے جو تم کرتے ہو تمہارا ظاہر باطن اس سے مخفی نہیں جس نیت سے جو کام کرو گے اسی کے مناسب اجر ملے گا۔ یہاں تک ان بیوت (گھروں) کا حکم بیان کیا کہ جو مسکونہ ہوں۔ یعنی ان گھروں میں کوئی رہتا ہو اور جو بیوت غیر مسکونہ ہوں یعنی ان گھروں میں کوئی رہتا نہ ہو تو آئندہ آیت میں ایسے گھروں میں داخل ہونے کا حکم بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ تمہارے لیے ایسے مکانات میں بغیر اجازت داخل ہونے میں کوئی گناہ نہیں جن میں کوئی نہ رہتا ہو اور ان میں تمہاری کوئی ضرورت اور منفعت ہو یا ان میں تمہارا کوئی سامان رکھا ہوا ہو تو ایسے مکانات میں بغیر اجازت کے داخل ہونا جائز ہے جیسے سرائے یا خانقاہ یا مدرسہ یا مسجد اس قسم کے مکانات میں جانے کے لئے خاص اجازت کی ضرورت نہیں جیسے لوگ مسافر خانے بنا دیتے ہیں اگر وہ خالی ہوں تو وہاں اترنے کے لئے اجازت کی ضرورت نہیں اس لئے کہ اذن کی ضرورت وہاں ہے کہ جہاں کسی عورت پر نظر پڑ جانے کا اندیشہ ہو یا صاحب خانہ کی کسی راحت یا مصلحت میں خلل پڑنے کا خطرہ ہو اور جب یہ بات نہیں تو اذن کی ضرورت نہیں اور اللہ خوب جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو کہ کسی کے مکان میں تمہارے داخل ہونے سے تمہاری کیا نیت ہے اور اگر تم اجازت بھی لے لو تو اس اجازت لینے میں تمہاری کیا نیت ہے۔ ان آیات میں معاشرہ اور تمدن کے احکام کی تفصیل فرمائی۔ افسوس کہ مسلمان ان آیات اور احادیث پر نظر نہیں کرتے اور غیر قوموں نے تمہارے دین سے جو چند باتیں چرائی ہیں ان کی تعریف کرتے ہیں۔

یک سبد نانے ترا بر فرق سر   تو ہمی جوئی لب نان در بدر

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۭ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ

کہہ دے ایمان والوں کو نیچی رکھیں ذری اپنی آنکھیں ف۱ اور تھامتے رہیں اپنے ستر کو ف۲ اس میں خوب ستھرائی ہے ان کے لیے بیشک اللہ کو

کہہ دے ایمان والوں کو، نیچی رکھیں ٹک اپنی آنکھیں، اور تھامتے رہیں اپنے ستر۔ اس میں خوب ستھرائی ہے ان کی۔ اللہ کو

ف۱ بدنظری عموماً زنا کی پہلی سیڑھی ہے۔ اسی سے بڑے بڑے فواحش کا دروازہ کھلتا ہے۔ قرآن کریم نے بدکاری اور بے حیائی کا انسداد کرنے کے لیے اول اسی سوراخ کو بند کرنا چاہا۔ یعنی مسلمان مرد و عورت کو حکم دیا کہ بدنظری سے بچیں اور اپنی شہوات کو قابو میں رکھیں۔ اگر ایک مرتبہ بے ساختہ مرد کی کسی اجنبی عورت پر یا عورت کی کسی اجنبی مرد پر نظر پڑ جائے تو دوبارہ ارادہ سے اس طرف نظر نہ کرے۔ کیونکہ یہ دوبارہ دیکھنا اس کے اختیار سے ہوگا، جس میں وہ معذور نہیں سمجھا جا سکتا۔ اگر آدمی نگاہ نیچی رکھنے کی عادت ڈال لے اور اختیار و ارادہ سے ناجائز امور کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھا کرے تو بہت جلد اس کے نفس کا تزکیہ ہو سکتا ہے چونکہ پہلی مرتبہ دفعتاً جو بے ساختہ نظر پڑتی ہے از راہ شہوت و نفسانیت نہیں ہوتی۔ اس لیے حدیث میں اس کو معاف رکھا گیا ہے۔ شاید یہاں بھی من ابصارھم میں من کو تبعیضیہ لے کر اسی طرف اشارہ ہو۔

ف۲ یعنی حرام کاری سے بچیں اور ستر کسی کے سامنے نہ کھولیں۔ اِلَّا عِنْدَ مَنْ اَبَاحَه الشَّارِعُ مِنَ الْاَزْوَاجِ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ۔

خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝۳۰ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ

خبر ہے جو کچھ کرتے ہیں ف۱ اور کہہ دے ایمان والیوں کو نیچی رکھیں ذرا اپنی آنکھیں اور تھامتی رہیں اپنے ستر کو

خبر ہے جو کرتے ہیں۔ اور کہہ دے ایمان والیوں کو، نیچی رکھیں تک اپنی آنکھیں اور تھامتی رہیں اپنے ستر،

وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ۠ وَلَا يُبْدِيْنَ

اور نہ دکھلائیں اپنا سنگار مگر جو کھلی چیز ہے اس میں سے ف۲ اور ڈال لیں اپنی اوڑھنی اپنے گریبان پر ف۳ اور نہ کھولیں

اور نہ دکھاویں اپنا سنگھار مگر جو کھلی چیز ہے اس میں سے، اور ڈال لیں اپنی اوڑھنی اپنے گریبان پر۔ اور نہ کھولیں

زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ

اپنا سنگار مگر اپنے خاوند کے آگے یا اپنے باپ کے ف۴ یا اپنے خاوند کے باپ کے یا اپنے بیٹے کے یا اپنے خاوند کے بیٹے کے یا

اپنا سنگھار، مگر اپنے خاوند کے آگے یا اپنے باپ کے یا خاوند کے باپ کے، یا اپنے بیٹے کے یا خاوند کے بیٹے کے، یا

ف۱ یعنی آنکھ کی چوری اور دلوں کے بھید اور نیتوں کا حال اس کو سب معلوم ہے لہٰذا اس کا خیال کر کے بدنگاہی اور ہر قسم کی بدکاری سے بچو۔ ورنہ وہ اپنے علم کے موافق تم کو سزا دے گا۔ ﴿یَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْیُنِ وَمَا تُخْفِی الصُّدُوْرُ﴾ (مومن، رکوع ۲) حضرت شاہ صاحب نے "مایصنعون" سے مراد غالباً جاہلیت کی بے اعتدالیاں لی ہیں۔ یعنی جو بے اعتدالیاں پہلے سے کرتے آ رہے ہو اللہ کو سب معلوم ہے اسی لیے اب اس نے اپنے پیغمبر کے ذریعہ سے یہ احکام جاری کیے تاکہ تمہارا تزکیہ ہو سکے۔

ف۲ سنگھار عرف میں خارجی اور کسبی آرائش کو کہتے ہیں جو مثلاً لباس یا زیور وغیرہ سے حاصل ہو۔ احقر کے نزدیک یہاں "زینت" کا ترجمہ "سنگھار" کے بجائے "زیبائش" کیا جاتا تو زیادہ جامع اور مناسب ہوتا۔ زیبائش کا لفظ ہر قسم کی خلقی اور کسبی زینت کو شامل ہے، خواہ وہ جسم کی پیدائشی ساخت سے متعلق ہو یا پوشاک وغیرہ خارجی ٹیپ ٹاپ سے۔ خلاصہ مطلب یہ ہے کہ عورت کو کسی قسم کی خلقی یا کسبی زیبائش کا اظہار بجز محارم کے جن کا ذکر آگے آتا ہے کسی کے سامنے جائز نہیں۔ ہاں جس قدر زیبائش کا ظہور ناگزیر ہے اور اس کے ظہور کو بسبب عدم قدرت یا ضرورت کے روک نہیں سکتی، اس کے بمجبوری یا بضرورت کھلا رکھنے میں مضائقہ نہیں (بشرطیکہ فتنہ کا خوف نہ ہو) حدیث و آثار سے ثابت ہوتا ہے کہ چہرہ اور کفین (ہتھیلیاں) ﴿اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ میں داخل ہیں۔ کیونکہ بہت سی ضروریات دینی و دنیاوی ان کے کھلا رکھنے پر مجبور کرتی ہیں۔ اگر ان کے چھپانے کا مطلقاً حکم دیا جائے تو عورتوں کے لیے کاروبار میں سخت تنگی اور دشواری پیش آئے گی۔ آگے فقہاء نے قدمین کو بھی ان ہی اعضا پر قیاس کیا ہے اور جب یہ اعضا مستثنیٰ ہوئے تو ان کے متعلقات مثلاً انگوٹھی، چھلا یا مہندی، کاجل وغیرہ کو بھی استثناء میں داخل ماننا پڑے گا۔ لیکن واضح رہے کہ "اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا" سے صرف عورتوں کو بضرورت ان کے کھلا رکھنے کی اجازت ہوئی۔ نامحرم مردوں کو اجازت نہیں دی گئی کہ وہ آنکھیں لڑایا کریں اور ان اعضا کا نظارہ کیا کریں۔ شاید اسی لیے اس اجازت سے پیشتر ہی حق تعالیٰ نے غض بصر کا حکم مومنین کو سنا دیا ہے۔ معلوم ہوا کہ ایک طرف سے کسی عضو کے کھولنے کی اجازت اس کو مستلزم نہیں کہ دوسری طرف سے اس کو دیکھنا بھی جائز ہو۔ آخر مرد جن کے لیے پردہ کا حکم نہیں اسی آیت بالا میں عورتوں کو ان کی طرف دیکھنے سے منع کیا گیا۔ نیز یاد رکھنا چاہیے کہ ان آیات میں محض ستر کا مسئلہ بیان ہوا ہے یعنی اس سے قطع نظر کرتے ہوئے کہ اپنے گھر کے اندر ہو یا باہر، عورت کو کس حصہ بدن کا کس کے سامنے کن حالات میں کھلا رکھنا جائز ہے۔ باقی مسئلہ "حجاب" یعنی شریعت نے اس کو کن حالات میں گھر سے باہر نکلنے اور سیر و سیاحت کرنے کی اجازت دی، یہاں مذکور نہیں۔ اس کی کچھ تفصیل ان شاء اللہ سورۂ احزاب میں آئے گی۔ اور ہم نے فتنہ کا خوف نہ ہونے کی جو شرط بڑھائی وہ دوسرے دلائل اور قواعد شرعیہ سے ماخوذ ہے جو ادنیٰ تامل اور مراجعت نصوص سے دریافت ہو سکتی ہیں۔

ف۳ بدن کی خلقی زیبائش میں سب سے زیادہ نمایاں چیز سینہ کا ابھار ہے، اس کے مزید تستر کی خاص طور پر تاکید فرمائی اور جاہلیت کی رسم کو مٹانے کی صورت بھی بتلا دی۔ جاہلیت میں عورتیں خمار (اوڑھنی) سر پر ڈال کر اس کے دونوں پلے پشت پر لٹکا لیتی تھیں۔ اس طرح سینہ کی ہیئت نمایاں رہتی تھی۔ یہ گویا حسن کا مظاہرہ تھا۔ قرآن کریم نے بتلا دیا کہ اوڑھنی کو سر پر سے لا کر گریبان پر ڈالنا چاہیے تاکہ اس طرح کان، گردن اور سینہ پوری طرح مستور رہے۔

ف۴ چچا اور ماموں کا بھی یہی حکم ہے اور ان محارم میں پھر فرق مراتب ہے، مثلاً جو زینت خاوند کے آگے ظاہر کر سکتی ہے دوسرے محارم کے سامنے نہیں =

إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي أَخَوَاتِهِنَّ أَوْ نِسَائِهِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ أَوِ

اپنے بھائی کے یا اپنے بھتیجوں کے یا اپنے بھانجوں کے یا اپنی عورتوں کے ف۱ یا اپنے ہاتھ کے مال کے ف۲ یا

اپنے بھائی کے یا اپنے بھتیجوں کے یا اپنے بھانجوں کے، یا اپنی عورتوں کے، یا اپنے ہاتھ کے مال کے، یا

التَّابِعِينَ غَيْرِ أُولِي الْإِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ أَوِ الطِّفْلِ الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا عَلَىٰ عَوْرَاتِ

کاربار کرنے والوں کے جو مرد کہ کچھ غرض نہیں رکھتے ف۳ یا لڑکوں کے جنہوں نے ابھی نہیں پہچانا عورتوں کے

کمیروں کے جو مرد کچھ غرض نہیں رکھتے، یا لڑکوں کے جنہوں نے نہیں پہچانے عورتوں کے

النِّسَاءِ ۖ وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِنْ زِينَتِهِنَّ ۚ وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ

بھید کو ف۴ اور نہ ماریں زمین پر اپنے پاؤں کو کہ جانا جائے جو چھپاتی ہیں اپنا سنگار ف۵ اور توبہ کرو اللہ کے آگے

بھید۔ اور نہ دھمکائیں اپنے پاؤں سے کہ جانا پڑے جو چھپاتی ہیں اپنا سنگھار۔ اور توبہ کرو اللہ کے آگے

جَمِيعًا أَيُّهَ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٣١﴾

سب مل کر اے ایمان والو تاکہ تم بھلائی پاؤ ف۶

سب مل کر، اے ایمان والو! شاید تم بھلائی پاؤ۔

حکم ششم متعلق بہ نظر و بصر

قَالَ اللهُ تَعَالَىٰ: ﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ ... الى ... لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾

ربط: ...... یہ چھٹا حکم ہے جو مرد کا عورت کو دیکھنے سے اور عورت کا مرد کو دیکھنے سے متعلق ہے اور نگاہ کی حفاظت کا حکم عفت اور

= کرسکتی۔ ابدائے زینت کے درجات ہیں جن کی تفصیل تفاسیر اور کتب فقہ میں دیکھنی چاہیے۔ یہاں صرف یہ بتلانا ہے کہ جس قدر تستر کا اہتمام اجنبیوں سے تھا، اتنا محارم سے نہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ ہر ایک عضو کو ان میں سے ہر ایک کے آگے کھول سکتی ہے۔

ف۱ یعنی جو عورتیں اس کے پاس اٹھنے بیٹھنے والی ہیں بشرطیکہ نیک چلن ہوں۔ بدراہ عورتوں کے سامنے نہیں۔ اور بہت سے سلف کے نزدیک اس سے مسلمان عورتیں مراد ہیں۔ کافر عورت اجنبی مرد کے حکم میں ہے۔

ف۲ یعنی اپنی لونڈیاں (باندیاں) اور بعض سلف کے نزدیک مملوک غلام بھی اس میں داخل ہے اور ظاہر قرآن سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ لیکن جمہور ائمہ اور سلف کا یہ مذہب نہیں۔

ف۳ یعنی کمیرے خدمت گار جو محض اپنے کام سے کام رکھیں اور کھانے سونے میں غرق ہوں، شوخی نہ رکھتے ہوں یا فاتر العقل پاگل جن کے حواس وغیرہ بھی ٹھکانے نہ ہوں، محض کھانے پینے میں گھر والوں کے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔

ف۴ یا جن لڑکوں کو ابھی تک نسوانی سرائر کی کوئی تمیز نہیں، نہ نفسانی جذبات رکھتے ہیں۔

ف۵ یعنی چال ڈھال ایسی نہ ہونی چاہیے کہ زیور وغیرہ کی آواز سے اجانب کو ادھر میلان اور توجہ ہو۔ بسا اوقات اس قسم کی آواز صورت دیکھنے سے بھی زیادہ نفسانی جذبات کے لیے محرک ہو جاتی ہے۔

ف۶ یعنی پہلے جو کچھ حرکات ہو چکیں ان سے توبہ کرو اور آئندہ کے لیے ہر مرد و عورت کو خدا سے ڈر کر اپنی تمام حرکات و سکنات اور چال چلن میں انابت اور تقوی کی راہ اختیار کرنی چاہیے۔ اس میں دارین کی بھلائی اور کامیابی ہے۔

پاکدامنی کی حفاظت کا بے مثال سامان ہے۔ گزشتہ آیات میں زنا کی سزا اور زنا کی تہمت لگانے کے احکام کا بیان تھا۔ اب ان آیات میں اسباب زنا کے احکام بیان کرتے ہیں۔ یعنی ان چیزوں کی ممانعت کرتے ہیں کہ جو زنا کا سبب اور ذریعہ بنتی ہیں تاکہ ان پر عمل کرنے سے خود زنا سے محفوظ رہ سکے اور بندوں کے اتہام اور اشتباہ سے محفوظ رہ سکے مثلاً مرد کا عورت کو دیکھنا اور عورت کا مرد کو دیکھنا ایک عظیم فتنہ ہے کیونکہ کسی کا چہرہ دیکھنے سے اس کا حسن و جمال معلوم ہو جاتا ہے تو طبعی طور پر اس کی رغبت پیدا ہوتی ہے اور نفس کو اس کی طرف کشش ہوتی ہے اور پھر یہ کشش نفس کو کوشش پر آمادہ کرتی ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے۔ ع

برق نگاہ یار میرا کام کر گئی

اس لئے ان آیات میں اہل ایمان کو نظر اور بصر کے احکام اور آداب بتلاتے ہیں تاکہ اس فتنہ سے محفوظ رہیں اور اس بارے میں مردوں کے حکم کو مقدم کیا کہ وہ اصل طالب اور متقاضی ہیں اور عورتیں بوجہ حیا کے ان سے کم ہیں (نیز) گزشتہ آیات میں کسی کے گھر میں بغیر اجازت داخل ہونے کی ممانعت تھی۔ سو اس کی وجہ یہی تھی کہ کسی کے زنانہ اور گھرانہ پر تمہاری نظر نہ پڑے اور یہ ناگہانی نظر آئندہ چل کر کسی فتنہ کا سبب نہ بن جائے جیسا کہ حدیث میں ہے **انما جعل الاستیذان من اجل البصر** یعنی کسی کے گھر میں کسی کی نگاہ داخل ہوگئی تو پھر اجازت ہی کی کیا ضرورت رہی۔ اس لیے آئندہ آیات میں مرد اور عورت کو علیحدہ علیحدہ نظر نیچی رکھنے کا صراحۃً حکم دیتے ہیں۔

چنانچہ فرماتے ہیں۔ اے نبی آپ اہل ایمان سے کہہ دیجئے کہ اگر وہ اپنے نور ایمان کی حفاظت چاہتے ہیں تو اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔ یعنی جن چیزوں کا دیکھنا حلال نہیں ان کی طرف نظر نہ اٹھائیں۔ پس جن چیزوں کا مطلقاً دیکھنا ناجائز ہے ان کو بالکل نہ دیکھیں اور جن چیزوں کا فی حد ذاتہ دیکھنا جائز ہے مگر شہوت کے ساتھ دیکھنا جائز نہیں تو ان کو نظر شہوت سے نہ دیکھیں۔ ناجائز نظر دیباچۂ زنا ہے اور اگر اتفاق سے نظر پڑ جائے تو اس کو دوسری طرف پھیر لیں۔ غرض یہ کہ نظر اور بصر میں درجات ہیں، بعض صورتوں میں معاف ہے اور بعض صورتوں میں حرام ہے اس لئے ﴿مِنْ اَبْصَارِهِمْ﴾ میں "مِنْ" تبعیضیہ انہی درجات اور مراتب کے فرق کی طرف اشارہ کرنے کے لئے بڑھایا گیا۔

اور اہل ایمان کو چاہئے کہ اپنی شرمگاہوں کی بھی حفاظت کریں یعنی اپنی شہوت کو ناجائز فعل میں استعمال نہ کریں اس میں زنا اور لواطت سب آگئے یا یہ معنی ہیں کہ ہر وقت اپنی شرمگاہوں کو مستور رکھیں مطلب یہ ہے کہ حفاظت ستر یعنی ان کا مستور رکھنا مراد ہے اور خلوت اور تنہائی میں بھی اپنی شرمگاہ کی طرف نظر رکھنا ممنوع ہے۔ حدیث میں ہے کہ اگرچہ تو تنہا ہو جب بھی اپنی شرمگاہ کو نہ دیکھنا اللہ تعالیٰ زیادہ احق ہے کہ اس سے حیا کی جائے۔

یہ یعنی آنکھ اور نگاہ کی اور شرمگاہ کی حفاظت ان کے حق میں بڑی ستھرائی ہے اور پاکیزہ ترین خصلت ہے جو ان کے ظاہر و باطن کو زنا کی نجاست اور گندگی سے پاک رکھنے والی چیز ہے اور یہ پاکیزگی مومنین کو مشرکین سے اور مومنات کو کافرات سے ممتاز کرنے والی ہے۔

اور بیشک اللہ اس چیز سے باخبر ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ تمہاری نگاہ کس طرف اور کس لئے اٹھ رہی ہے۔ پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے آنکھ کے زنا کی ممانعت فرمائی اور دوسری آیت میں شرمگاہ کے زنا کی

ممانعت فرمائی اس لئے کہ نامحرم کی طرف نظر کرنا یہ زنا کا پیش خیمہ ہے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى﴾ زنا کے قریب بھی مت جاؤ۔ نامحرم کو دیکھنا یہ زنا کے قریب جانا ہے یہ آنکھ کا زنا ہے جو شرمگاہ کے زنا کا پیش خیمہ ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ہر کام سے باخبر ہے۔ جدھر بھی نظر اٹھاؤ گے تمہاری نظر اس چیز پر بعد میں پڑے گی اور اللہ کی نظر تم پر پہلے پہنچ جائے گی لہٰذا تم کو ڈرتے اور بچتے رہنا چاہئے۔

اب آئندہ آیات میں عورتوں کو بھی یہی حکم دیتے ہیں کہ نگاہیں نیچی رکھیں اور شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ مگر عورتوں کے حق میں اس کے علاوہ بعض دیگر احکام کا اضافہ ہے اور اسی طرح اے نبی آپ ایمان والی عورتوں سے بھی کہہ دیجئے کہ اگر بمقتضائے ایمان تم کو اپنی عفت اور عصمت کی حفاظت درکار ہے تو فقط مردوں کے نیچی نگاہ کرنے کو کافی نہ سمجھیں بلکہ عورتوں کو بھی چاہئے کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور غیروں کے دیکھنے سے اپنی آنکھوں کو بند رکھیں اور جس چیز کی طرف نظر کرنے کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے اس کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھیں۔ اجنبی کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنا یہ شیطان کا زہریلا تیر ہے۔ شیطان کا مقولہ ہے کہ جو تیر میں عورت کے ذریعہ چلاتا ہوں وہ تیر کبھی خطا نہیں جاتا اور بزرگوں کا قول ہے کہ نگاہِ بد زنا کا ڈاکیہ ہے اور فسق و فجور کا قاصد ہے۔

گزشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے مردوں کو نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم دیا تھا۔ اب آیات میں عورتوں کو نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم دیتے ہیں کہ اے ایمان والی عورتو۔ تم کو چاہئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھو خواہ وہ مرد تم کو دیکھے یا نہ دیکھے جو مرد تمہارے سامنے ہے اگرچہ وہ نابینا ہے مگر تم تو نابینا نہیں جیسا کہ مسند احمد اور سنن ابی داؤد اور ترمذی میں ام سلمہ ؓ سے روایت ہے کہ ایک دن وہ اور حضرت میمونہ ؓ یہ دونوں بیبیاں آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر تھیں اتنے میں عبد اللہ بن ام مکتوم ؓ (جو نابینا تھے) آ گئے آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا تم دونوں پردہ میں ہو جاؤ۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ وہ تو نابینا ہیں ہم کو دیکھ بھی نہیں سکتے، آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ کیا تم بھی نابینا ہو اور تم ان کو نہیں دیکھ سکتیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نابینا سے بھی پردہ واجب ہے اگرچہ کسی فتنہ کا احتمال نہ ہو، خاص کر جب کہ شوہر بھی گھر میں موجود ہو غرض یہ کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت دونوں کو علیحدہ علیحدہ نیچی نگاہ رکھنے کا حکم دیا۔ تاکہ دونوں طرف سے فتنہ کی روک تھام ہو جائے اور ایمان والیوں کو چاہئے کہ اپنی شرمگاہوں کی پوری پوری حفاظت کریں کہ کوئی ان کو دیکھ بھی نہ سکے حتی کہ وہ خود بھی اپنی خلوت اور اپنی تنہائی میں بے ضرورت اپنی شرمگاہ کو نہ دیکھیں۔ میاں بیوی کو اگرچہ باہم صحبت اور مباشرت کی اجازت ہے مگر بلا ضرورت ایک دوسرے کی شرمگاہ کی طرف نظر کرنے کی اجازت نہیں۔ امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شرمگاہ کی طرف دیکھنے سے نگاہ کمزور ہوتی ہے، جیسا کہ یہ مضمون ایک حدیث میں بھی آیا ہے۔

غرض یہ کہ زنا سے حفاظت کی ایک تدبیر اور ایک صورت تو یہ ہوئی کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور دوسری تدبیر جس سے زنا سے محفوظ رہ سکیں یہ ہے کہ ایمان والی عورتیں اپنی آرائش اور زیبائش کو ظاہر نہ کریں مگر زیب و زینت کی وہ چیز جو عادتاً اور غالباً کھلی رہتی ہے یعنی جس کا چھپانا اور پوشیدہ رکھنا عادۃً ممکن نہیں جیسے چہرہ اور دونوں ہاتھ کہ ہر وقت ان کو چھپائے رکھنا بہت دشوار ہے بغیر منہ کھولے عورت گھر میں چل پھر نہیں سکتی اور بغیر ہاتھوں کے گھر کا کام کاج نہیں کر سکتی۔ تو جس زینت کا چھپانا اور اس کو مستور رکھنا ممکن نہیں تو ایسی زینت کے کھلا رکھنے میں مضائقہ نہیں اور جب ابداء زینت یعنی اظہار زینت حرام

ہوا تو اس کی نقیض اور ضد یعنی اخفاء زینت فرض اور واجب ہوگی۔ مطلب یہ ہے کہ عورت کا تمام بدن ستر ہے اپنے گھر میں بھی اس کو مستور اور پوشیدہ رکھنا فرض اور لازم ہے مگر چہرہ اور دونوں ہاتھ کہ ہر وقت ان کو چھپائے رکھنا بہت دشوار ہے۔ اس لئے یہ اعضا ستر سے خارج ہیں اپنے گھر میں ان اعضا کو کھلا رکھنا جائز ہے۔ ضروریات زندگی ان اعضا کے کھلے رکھنے پر مجبور کرتی ہیں اگر مطلقا ان اعضا کے چھپانے کا بھی حکم دیا جاتا تو عورتوں کے لئے اپنے کاروبار میں سخت تنگی اور دشواری پیش آتی اس لئے شریعت نے ان اعضا کو ستر سے خارج کر دیا۔ ان اعضا کے علاوہ عورت کا تمام بدن ستر ہے جس کا ہر وقت پوشیدہ رکھنا واجب ہے اور یہ مطلب ہرگز نہیں کہ عورت کو اپنے چہرہ کے حسن و جمال کو نامحرم مردوں کے سامنے کھلا رکھنے کی اجازت ہے اور نہ اجنبی مردوں کو اس کی اجازت ہے کہ وہ عورتوں کے حسن و جمال کا نظارہ کیا کریں اور ان سے آنکھیں لڑایا کریں۔ شریعت کی طرف سے کسی عورت کو کسی عضو کے کھولنے کی اجازت دینا اس کو مستلزم نہیں کہ مرد کو اس کی طرف دیکھنا بھی جائز ہو، شریعت مطہرہ اس بات سے پاک اور منزہ ہے کہ مرد اور عورت کو اس قسم کی بے حیائی کی اجازت دے اور مرد عورت کو زنا کی دہلیز پر قدم رکھنے کی اجازت دے۔ حاشا وکلا عورت کے لئے اپنی زیبائش یعنی مواضع زینت کا اظہار سوائے محارم کے جن کا ذکر آئندہ آیت میں آرہا ہے اور کسی کے سامنے ہرگز ہرگز جائز نہیں اور محارم کے سامنے آنے کی بھی یہی شرط ہے کہ کسی فتنہ کا اندیشہ نہ ہو۔ اور یہ سامنے آنا از راہ شفقت قرابت ہو نہ کہ بطریق شہوت ہو۔ بطریق شہوت تو محارم کے سامنے آنا بھی ناجائز ہے اور حرام ہے۔ غرض یہ کہ ان آیات میں محض ستر کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے یعنی فی حد ذاتہٖ عورت کو خواہ اپنے گھر کے اندر ہو یا باہر ہو کس حصہء بدن کا مستور رکھنا واجب ہے اور کس حصہء بدن کا کھلا رکھنا جائز ہے، اس جملہ میں اس سے بحث نہیں کہ کس سے اپنا چہرہ چھپائیں اور کس کے سامنے ظاہر کریں اس کی تفصیل آئندہ آیت میں آنے والی ہے۔ غرض یہ کہ اس آیت میں فقط یہ بتلانا ہے کہ بدن کا کتنا حصہ فی ذاتہٖ اور فی نفسہٖ قابل ستر ہے اور کتنا حصہ قابل کشف واظہار ہے، اس آیت میں فقط عورتوں کا مسئلہ بیان کیا گیا۔ معاذ اللہ۔ معاذ اللہ نامحرم مردوں کو عورتوں کے دیکھنے کی اجازت نہیں دی گئی، کسی مسئلہ میں عورتوں کی کسی اجازت سے مردوں کی اجازت کا مسئلہ نکالنا حماقت ہے۔

باقی رہا مسئلہ حجاب (پردہ) یعنی عورت کو گھر میں رہنا کس درجہ لازم ہے اور کن حالات میں اس کو گھر سے باہر نکلنا جائز ہے اور اگر بضرورت نکلے تو کس حالت میں نکلے سو اس مسئلہ کی تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ سورۂ احزاب میں آئے گی یعنی ﴿وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ﴾ کی تفسیر میں آئے گی۔ مرد کا ستر صرف ناف سے گھٹنوں تک ہے مرد کے لئے صرف اتنے حصۂ بدن کو ہر وقت مستور رکھنا واجب ہے اس کے علاوہ مرد کے لئے تمام بدن کھلا رکھنا جائز ہے اور عورت کا تمام بدن ستر ہے سوائے چہرہ اور دونوں ہاتھ اور دونوں قدموں کے۔ ہر وقت تمام بدن کا مستور رکھنا واجب ہے باقی یہ امر کہ عورت اپنا چہرہ کس مرد کے سامنے کھول سکتی ہے سو آئندہ آیت میں اس کی پوری تفصیل آرہی ہے۔ ﴿وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآىِٕهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآىِٕهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآىِٕهِنَّ﴾ الآیۃ یعنی عورتوں کے لئے شوہر اور باپ دادا اور پوتے اور بھانجے اور بھتیجے ان اشخاص مذکورہ کے علاوہ کسی کے سامنے اپنا منہ کھولنا جائز نہیں۔

تنبیہ:...... آیت میں دو حکم بیان کئے گئے ایک مرد کے لئے اور ایک عورت کے لئے۔ شریعت نے ضرورت کی بنا پر منہ کھولنے کی اجازت دی ہے اس اجازت سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسروں کو بھی اس کے چہرہ کی طرف نظر کرنا جائز ہو۔ مرد کے لئے پردہ کا حکم نہیں مگر کسی عورت کو دیکھنے کی اور کسی گھر میں جھانکنے کی ہرگز اجازت نہیں۔ بے شمار آیات اور احادیث سے اس کی ممانعت ثابت ہے۔ غرض یہ کہ دو حکم علیحدہ علیحدہ ہیں پس اگر کسی صورت میں عورت کو کسی عضو کے کھولنے کی اجازت ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مرد کو بھی اس کا دیکھنا جائز ہو

زینت کے معنی:...... زینت کے معنی آرائش اور زیبائش کے ہیں خواہ وہ خلقی اور قدرتی ہو۔ جیسے چہرہ اور دونوں ہاتھ اور ہتھیلیاں یا مصنوعی اور اختیاری ہو جیسے پوشاک اور زیور یہ سب چیزیں زینت ظاہرہ یعنی ﴿اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ میں داخل ہیں جن کا اظہار سوائے محارم کے کسی کے سامنے جائز نہیں جن کا ذکر آئندہ آیت میں آنے والا ہے اور تیسری تدبیر جو زنا سے حفاظت کا ذریعہ ہے وہ یہ کہ ایمان والی عورتوں کو یہ بھی لازم ہے کہ اپنے گریبانوں پر اپنی اوڑھنیاں ڈال لیں تا کہ ان کے سر اور گردنیں اور سینے چھپے رہیں اور سینہ اور پستان کا ابھار کسی پر ظاہر نہ ہو۔ زمانہ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ اس زمانہ کی عورتیں سینہ کھول کر اور گردن اور بالیوں کو ظاہر کر کے چلتی پھرتی تھیں اور سینہ کھولے ہوئے مردوں کے سامنے سے گزرتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان والی عورتوں کو سینہ اور گردن کے پوشیدہ رکھنے کا حکم دے دیا۔ کما قال تعالیٰ ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ﴾۔

نکتہ:...... آیت میں بجائے لفظ القاء کے لفظ ضرب استعمال کیا گیا اور ﴿وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ﴾ فرمایا گیا جس سے مقصود مبالغہ ہے کہ خوب اچھی طرح اوڑھنیاں اپنے اوپر ڈال لیں اور ان کو خوب چپکا لیں کہ بدن اچھی طرح چھپ جائے کھلا نہ رہے۔

غرض یہ کہ اس آیت میں جو حکم تھا وہ صرف فی نفسہ عورت کے اعضا اور مواضع زینت سے متعلق تھا کہ کن اعضا کا عورت کے لئے اظہار اور کشف جائز ہے اور کتنے حصہ بدن کا مستور رکھنا واجب ہے یہ مسئلہ ستر کا تھا جو عورت کی ذات سے متعلق تھا۔ اب آئندہ آیت میں دوسروں کے سامنے ان اعضا اور مواضع زینت کے کھولنے کا حکم بیان کرتے ہیں کہ کس کے سامنے زینت کا ظاہر کرنا جائز ہے اور کس سے پردہ کرنا لازم ہے عورت کو جن کے سامنے آنے کی اجازت دی گئی وہ بارہ ہیں جن کی آیت تفصیل ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور چوتھی تدبیر جس سے زنا سے حفاظت ہو سکے یہ ہے کہ نہ ظاہر کریں ایمان والی عورتیں اپنی آرائش و زیبائش کو یعنی مواضع زینت کو یعنی اپنے چہرہ اور ہاتھ پاؤں کو کسی کے سامنے نہ کھولیں اور کسی کے سامنے ان اعضا کو ظاہر نہ ہونے دیں مگر ان بارہ اشخاص کے سامنے۔ اپنے شوہروں کے سامنے کہ ان سے تو کسی چیز کا اخفاء واجب نہیں البتہ بلا ضرورت شرمگاہ کی طرف نظر کرنا شوہر کے لئے بھی ممنوع ہے۔ جیسا کہ ابن عباس ؓ سے مرفوعا مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

اذا جامع احدکم زوجہ او جاریتہ فلا ینظر الی فرجھا فان ذلک یورث العمی۔ قال ابن الصلاح جید الاسناد کذا فی شرح الجامع الصغیر۔

جب کوئی اپنی بیوی یا باندی سے جماع کرے، تو اس کی شرمگاہ کی طرف نظر نہ کرے یہ دیکھنا نابینائی پیدا کرتا ہے۔ ابن صلاح رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کی سند نہایت عمدہ ہے۔

(۲) یا اپنے باپ دادوں کے سامنے (۳) یا اپنے شوہروں کے باپوں کے سامنے کہ شوہروں کے باپ بمنزلہ تمہارے باپ کے ہیں (۴) یا اپنے بیٹوں کے سامنے (۵) یا اپنے شوہروں کے بیٹوں کے سامنے جو دوسری بیوی سے ہوں (۶) یا اپنے بھائیوں کے سامنے (۷) یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں کے سامنے (۸) یا اپنی بہنوں کے بیٹوں کے سامنے، یہ سب بمنزلہ اولاد کے تمہارے ساتھ ہیں، ہر وقت ان کی آمد و رفت ہے اور ان کی طرف سے فتنہ کا اندیشہ نہیں، یہ سب محارم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے محارم کی فطرت میں ایک طبعی نفرت رکھ دی ہے کہ مرد اپنی ماں اور خالہ اور بہن کو دیکھتا ہے مگر دل میں برا خیال نہیں آتا۔ اور ان محارم کی طرف سے فتنہ کا بھی اندیشہ نہیں۔ مگر یہ زمانہ فتنہ و فساد کا ہے اور انگریزی تعلیم نے اور انگریزی تمدن نے فطرت انسانی کو خراب کر دیا ہے۔ اس لئے اس زمانہ میں محارم کے بارے میں بھی احتیاط ضروری ہے۔ فقہاء کرام نے تصریح کر دی ہے کہ محارم کے سامنے آنا بھی اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہو۔

امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ حدثنا علی ثنا عبد اللہ حدثنی معاویۃ عن علی عن ابن عباس قولہ تعالیٰ ﴿وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ قال والزینۃ الظاهرۃ الوجہ وکحل العین وخضاب الکف والخاتم فھذا تظھر فی بیتھا لمن دخل من الناس علیھا۔ (تفسیر ابن جریر: ۸۳/۱۸)

اس آیت کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ فرمانا۔ فھذا تظھر فی بیتھا لمن دخل من الناس علیھا کہ عورت اپنی زینت صرف اپنے گھر میں ان لوگوں کے سامنے ظاہر کر سکتی ہے جن کو اس کے سامنے آنے اور گھر میں داخل ہونے کی شرعاً اجازت ہے، اس سے صاف ظاہر ہے کہ آیت میں ابداء زینت سے اپنے گھر میں فی حد ذاتہ زینت کا ظاہر کرنا اور ان لوگوں کے سامنے آنا مراد ہے جن کو اس کے گھر میں آنے کی اجازت ہے یعنی محارم۔ معاذ اللہ سڑکوں اور بازاروں میں زینت کا ظاہر کرنا مراد نہیں اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ جن مردوں کو اس کے گھر میں آنے کی شرعاً اجازت ہے، جیسے باپ اور بھائی۔ تو ان کے سامنے اپنی زینت (چہرہ اور ہاتھ) کے ظاہر کرنے اور کھولنے میں مضائقہ نہیں۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سوائے محارم کے کسی کے سامنے عورت کو اپنی زینت کا کھولنا جائز نہیں (تفسیر[1] ابن جریر)۔

یا اپنی خاص رشتہ دار یا خاص خدمت گزار عورتوں کے سامنے اگر اپنی زینت (چہرہ اور ہاتھوں) کو کھلا رکھیں تو یہ بھی جائز ہے اور اپنی عورتوں سے وہ عورتیں مراد ہیں جو قریبی رشتہ دار ہوں یا ان کی خدمت گزار ہوں اس کے پاس اٹھنے بیٹھنے والی ہوں۔ بشرطیکہ نیک چلن ہوں اور بہت سے سلف کے نزدیک اپنی عورتوں سے مسلمان عورتیں مراد ہیں جو ان کی دینی بہنیں ہیں ان کے سامنے آنا جائز ہے۔ کیونکہ کافر عورتیں اجنبی مردوں کے حکم میں ہیں جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد رحمہ اللہ سے مروی ہے (درمنثور) کافرہ عورت مسلمان عورت کے حق میں بمنزلہ اجنبی مرد ہے، اس لئے صحابہ

[1] قال ابن جریر قولہ تعالیٰ ﴿وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ﴾ یقول جل ذکرہ ولا یظھرن للناس الذین لیسوا بمحارم زینتھن اھ۔

اور تابعین کی ایک جماعت کے نزدیک مسلمان عورت کو کافر عورت سے پردہ کرنا واجب ہے۔

یا ان کے سامنے آنا بھی جائز ہے جن کے تمہارے ہاتھ مالک ہیں یعنی اپنی باندیاں یا اپنا غلام اگرچہ وہ نامحرم ہو اس کے سامنے آنا بھی جائز ہے بشرطیکہ وہ غلام نیک چلن اور پاک دامن ہو ورنہ نہیں۔ جمہور علماء کے نزدیک ﴿مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ﴾ میں لونڈی اور غلام دونوں داخل ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے صرف باندیاں مراد ہیں۔ اور غلام مراد نہیں جیسا کہ سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ وہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ آیت النور تم کو دھوکہ میں نہ ڈال دے، اس آیت میں ﴿مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ﴾ سے صرف باندیاں مراد ہیں۔ اور غلام مراد نہیں اور یہی قول عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور مجاہد اور عطاء اور حسن اور ابن سیرین اور شعبی رحمہ اللہ کا ہے اور یہی قول احتیاط کے زیادہ قریب ہے خاص کر اس زمانہ میں۔

مسئلہ:...... کسی بیگم کا تنہا موٹر میں بیٹھ کر کہیں جانا جب کہ ان کا شوہر یا باپ یا بھائی ان کے ساتھ نہ ہو اور فقط موٹر چلانے والا اس موٹر میں موجود ہو تو یہ خلوت بالاجنبیہ ہے اور بلاشبہ حرام ہے اور ڈرائیور کو نیک سمجھنا حماقت ہے، ایسے وقت میں تو نفس اور شیطان ولی کو بھی شیطان بنا دیتا ہے یا ان کے ساتھ رہنے والے مردوں کے سامنے آنا بھی جائز ہے جو تم سے وابستہ ہیں اور تمہارا کاروبار کرتے ہیں مگر شرط یہ ہے کہ وہ مرد ایسے ہوں کہ عورتوں کی حاجت نہ رکھتے ہوں یعنی ایسا آدمی ہو جسے عورت کی خواہش ہی نہ ہو مثلاً وہ نامرد ہو تو وہ خدمت کے لئے آسکتے ہیں یا وہ چھوٹے لڑکے جو ابھی عورتوں کے حال اور بھید سے واقف نہیں اور جانتے بھی نہیں کہ مباشرت کیا چیز ہے تو عورتوں کو ایسے بے خبر لڑکوں کے سامنے آجانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ ہاں جب سمجھنے لگیں گے اور ہوشیار ہو جائیں گے تو ان کو منع کر دیا جائے گا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ پہلی آیت ﴿وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ﴾ میں ستر اور کشف عورت کے مسئلہ کا بیان تھا کہ عورت کو فی حد ذاتہٖ کن مواضع زینت اور کن اعضا کا کھلا رکھنا جائز ہے اور کن اعضا کا چھپانا واجب ہے اور اس کے بعد والی آیت یعنی ﴿وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ﴾ الخ یہ مسئلہ بیان فرمایا کہ عورت کو کس کے سامنے آنا جائز ہے۔ سو بتلا دیا کہ سوائے محارم کے کسی کے سامنے اپنا چہرہ کھولنا قطعاً حرام ہے اور حکم سابق سے جن صورتوں کو مستثنیٰ فرمایا وہ بارہ ہیں۔ خلاصہ یہ کہ جن سے نکاح جائز ہے وہ سب اجنبی کے حکم میں ہیں۔ پھر یہ کہ شوہر کے سوا دیگر محارم کے سامنے آنے کے لئے بھی یہ شرط ہے کہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہو تو پھر محارم کے سامنے آنا بھی ناجائز ہوگا اور شوہر طلاق دینے کے بعد اجنبی مرد کے حکم میں ہو جاتا ہے شہوت کے ساتھ تو ماں بیٹی کی طرف بھی نظر کرنا حرام ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عورت کے محارم کا ذکر فرمایا اور بتلایا کہ عورت کے لئے اپنی زینت کو ان محارم کے سامنے ظاہر کرنا اور کھولنا جائز ہے مگر شرط یہ ہے کہ محارم کے سامنے بھی اس کشف و اظہار سے اپنے حسن و جمال کا اظہار مقصود نہ ہو۔ دیکھو تفسیر [1] ابن کثیر: ۳/ ۲۸۴۔

یہاں تک اللہ تعالیٰ نے زنا سے حفاظت کی چار تدبیریں بتلائیں۔ اب آگے پانچویں تدبیر بتاتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ ایمان والی عورتوں کو چاہئے کہ پردہ کا اس درجہ اہتمام کریں کہ چلنے کی حالت میں اپنے پیر زمین پر زور سے نہ ماریں

[1] قال ابن کثیر (بعد ذکر هذه الآية) کل هؤلاء محارم للمرأة يجوز لها ان تظهر بزينتها ولكن من غير تبرج۔ اھ ۳/ ۲۸۴۔

تا کہ ان کا پوشیدہ زیور لوگوں کو معلوم ہو جائے۔ زجاج رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ زینت کی آواز زینت سے زیادہ محرک شہوت ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں عورت جب راستہ چلتی اور اس کے پاؤں میں پازیب وغیرہ ہوتے تو اپنے پاؤں کو زمین پر مارتی تا کہ مرد اس کی آواز سن لیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان والی عورتوں کو ایسی حرکت کرنے سے منع کر دیا کہ جس سے ان کے زیوروں کی آواز مردوں تک پہنچے اور مرد ان کی آواز سن کر ان کی طرف راغب ہوں۔ گزشتہ آیت میں زینت کے اظہار کی ممانعت تھی اب اس آیت میں زینت کی آواز کے اظہار کی ممانعت فرمائی کہ جس طرح زینت کا اظہار موجب فتنہ ہے اسی طرح زینت کی آواز کا اظہار بھی موجب فتنہ ہے اور ممنوع ہے اور ظاہر ہے کہ خود عورت کی آواز زیور کی آواز سے زیادہ موجب فتنہ ہے۔ لہٰذا عورت کی آواز۔ زینت کی آواز سے زیادہ حرام ہوگی جیسا کہ سورۂ احزاب کی یہ آیت ﴿فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ﴾ اس بارے میں نص صریح ہے۔ مقصود یہ ہے کہ عورتوں کو چاہئے کہ چلتے وقت ایسی حرکت نہ کریں جس سے مردوں کو عورتوں کے جانے اور چلنے کا علم ہو جائے اور ان کے پازیب کی آواز مردوں کی شہوت کو برانگیختہ کرنے کا سبب بنے اور اسی قسم سے ہے کہ عورت اپنے گھر سے خوشبو لگا کر نہ نکلے اگر چہ وہ برقع اوڑھے ہوئے ہو جیسا کہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو عورت عطر لگا کر گھر سے نکلے اور کسی مجلس پر گزرے تو وہ ایسی اور ایسی ہے یعنی زانیہ اور بدکار ہے۔ رواہ ابو داؤد والنسائی والترمذی وقال هذا حديث حسن صحيح۔

فائدہ:...... پس جب عورت کے لئے اپنے زیور کی آواز کا نکالنا ناجائز اور حرام ہوا۔ تو عورت کا خود اپنی آواز کا نکالنا مثلاً کسی اجنبی مرد سے باتیں کرنا یا گانا بجانا وہ بدرجہ اولیٰ حرام ہوگا۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اجنبی عورت کا تو قرآن سننا بھی حرام ہے اور عورت کی اذان اور اقامت بھی بالاجماع ناجائز ہے۔ معلوم ہوا کہ عورت کی آواز بھی عورت ہے جس کا پردہ واجب ہے پس جب عورت کی اذان اور اقامت ناجائز ہے تو جلسہ عام میں عورت کی تقریر بدرجہ اولیٰ حرام اور ناجائز ہوگی۔

اور اے ایمان والو اگر تم سے ان احکام میں کوئی کوتاہی ہو جائے تو فوراً اللہ کے سامنے توبہ کرو اور امید رکھو کہ تم کو فلاح اور کامیابی ہو جائے گی، کیونکہ غفلت اور معصیت کے بعد فلاح کا ذریعہ صرف توبہ اور استغفار ہے، حق تعالیٰ نے اپنی رحمت سے گنہگار کو توبہ کا حکم دیا تا کہ آخرت کی رسوائی سے بچ سکے۔

چو رسوا نہ کردی بچندیں خطا ۔۔۔ دریں عالم پیش شاہ وگدا
درآں عالم ہم پیش ہر خاص وعام ۔۔۔ بیا مرزو رسوا مکن والسلام

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ ﴿تُوبُوا﴾ میں رسوم جاہلیت سے توبہ کرنا مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ اے ایمان والو ان کاموں سے بچو کہ جو لوگ زمانہ جاہلیت میں کیا کرتے تھے۔

غرض یہ کہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے زنا سے بچنے کی پانچ تدبیروں کو بیان فرما دیا۔ باقی تدبیروں کا بیان ان شاء اللہ تعالیٰ سورۂ احزاب میں آئے گا کہ عورت بلا ضرورت اپنے گھر سے باہر نہ نکلے اور اگر ضرورت اور مجبوری کی بنا پر نکلے تو برقع اوڑھ کر اور سر اور سینہ چھپا کر نکلے۔

لطائف ومعارف

(۱) ان آیات میں جس قدر احکام مذکور ہیں وہ سب زنا کی انسدادی تدابیر ہیں جو عصمت وعفت کی حفاظت میں تریاق اور اکسیر کا حکم رکھتی ہیں اور تہذیب اور اخلاق اور تزکیہ باطن کے بارے میں بے مثال اور بے نظیر ہیں جن کی آنکھوں پر شہوت اور نفسانیت کا پردہ پڑا ہوا ہے ان کو ان احکام کا حسن و جمال نظر نہیں آتا۔

(۲) دلدادگان مغربیت اور اسیران نفسانیت جو اس قانون عفت کی پردہ دری کرنا چاہتے ہیں وہ ﴿اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ جوان عورتوں کے لئے شارع عام پر چہرہ کھول کر پھرنا اور گھومنا جائز ہے اس لئے کہ ﴿اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ کی تفسیر صحابہ وتابعین کی ایک جماعت سے یہ منقول ہے کہ ﴿مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ سے چہرہ اور دونوں ہاتھ مراد ہیں، یہ سب مغالطہ اور دھوکہ ہے کہ جو یہ کہتے ہیں قرآن میں یا حدیث میں اس طرح آیا ہے اس لئے ہم اس حکم شرعی پر عامل ہیں۔ اصل منشا اس کا یورپ کی کورانہ تقلید اور مذہب سے آزادی ہے۔

بحمدہ تعالیٰ ہم نہایت وضاحت کے ساتھ یہ بتلا چکے ہیں کہ ﴿اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ سے صرف اتنا بتلانا ہے کہ عورتوں کو فی نفسہ اور فی ذاتہ چہرہ اور ہاتھوں کے کھولے رکھنے کی اجازت ہے کیونکہ بہت سی دینی اور دنیوی ضرورتیں ان کے کھلا رکھنے پر مجبور کرتی ہیں اس لئے ان اعضا کے کھلا رکھنے میں مضائقہ نہیں اور اس آیت میں دوسروں کے سامنے منہ اور ہاتھوں کے کھولنے کے جواز اور عدم جواز سے کوئی تعرض نہیں۔ اس کا ذکر آنے والی آیت میں ہے کہ عورت کو اپنی زینت (چہرہ اور ہاتھ) کے ظاہر کرنے کی اجازت کن کن مردوں کے سامنے ہے اسی ﴿اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ کے متصل جو آیت آرہی ہے یعنی ﴿وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ﴾ الخ اس میں حصر اور قصر کے ساتھ اس امر کی تصریح ہے کہ سوائے ان محارم کے کسی اور کے سامنے عورت کو چہرہ کھولنے کی اجازت نہیں۔

پس اگر ان دالدادگان مغربیت کے خیال کے مطابق ﴿اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ سے عورتوں کو مردوں کے سامنے چہرہ کھولنے کی اجازت ہوتی۔

۱- تو آئندہ آیت میں ان محارم باپ اور بیٹا اور بھائی کے استثنا کی کیا ضرورت تھی اس لئے کہ جب عورت کو عام مردوں کے سامنے چہرہ کھولنے کی اجازت ہوگئی تو باپ اور بیٹا اور بھائی کے سامنے چہرہ کھولنے کی اجازت بدرجہ اولیٰ ہو جائے گی۔

۲- اور اس سے پہلی آیت میں عورتوں کو غض بصر کے حکم دینے کی کیا ضرورت تھی جو خاص طور پر ان کو حکم دیا گیا ﴿وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ﴾۔

۳- نیز اگر عام طور پر عورتوں کو چہرہ کھول کر پھرنا جائز ہوتا تو پھر کسی کے زنانخانہ میں داخل ہونے کے لئے اجازت لینا فرض اور واجب نہ ہوتا جیسا کہ گزشتہ آیت ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا﴾ یہ حکم صراحۃً گزر چکا ہے۔

۴- نیز قرآن کریم میں عورتوں کے متعلق یہ حکم آیا ہے ﴿وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُوْلٰى﴾ یعنی اپنے گھروں میں قرار پکڑو اور پہلے زمانہ جاہلیت کی طرح اپنی زیب و زینت کا اظہار نہ کرو۔ اگر عورتوں کو کھلے منہ پھرنے کی اجازت ہوتی تو پھر اس حکم کی کیا ضرورت تھی۔

۵- نیز قرآن کریم میں ایک حکم آیا ہے:

﴿وَإِذَا سَأَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ ذٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ﴾

اور جب تم عورتوں سے کوئی ضرورت کی چیز مانگو تو پردہ کے پیچھے کھڑے ہو کر مانگو اسی میں تمہارے دلوں کی خوب ستھرائی اور پاکیزگی ہے۔

معلوم ہوا کہ پردہ کے پیچھے سے مانگنا دونوں کے لئے طہارت قلب کا سبب ہے اور کھلے منہ سامنے آ کر مانگنا نجاست قلب کا سبب ہے۔

۶- نیز اگر عورت کسی ضرورت کی بنا پر کسی غیر مرد سے پس پردہ کلام کرے تو اس کے لئے حکم یہ ہے۔

﴿فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا﴾

ان سے نرم لہجہ میں بات نہ کرو مبادا جس کے دل میں نفسانیت اور شہوانیت کا روگ اور بیماری ہے وہ تمہاری نرم بات سے تمہاری ذات ہی کے لالچ میں نہ پڑ جائے۔

پس اگر کھلے منہ کسی غیر مرد کے سامنے آنا جائز ہوتا تو اس حکم کی کیا ضرورت تھی۔

۷- نیز اس سلسلۂ کلام میں ایک حکم یہ آیا ہے:

﴿وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ﴾

اور عورتوں کو چاہئے کہ چلتے وقت اپنے پاؤں زور سے زمین پر نہ ماریں جس سے لوگوں کو ان کے پوشیدہ زیور کی آواز معلوم ہو سکے اس لئے کہ زیور وغیرہ کی آواز سے اجانب کو اس کی طرف میلان اور رغبت پیدا ہوتی ہے جو فتنہ کا سبب ہے۔

پس جب عورت کے زیور کی آواز فتنہ ہے تو خود عورت کی ذاتی آواز کس درجہ فتنہ ہوگی۔ امام غزالی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ عورت کا تو قرآن سننا بھی ناجائز اور حرام ہے اور تمام فقہا اور ائمہ کا اجماع ہے کہ عورت کی اذان اور اقامت قطعاً ناجائز ہے پس معلوم ہوا کہ عورت کا کھلے منہ جلسوں میں آنا اور تقریر کرنا اور مردوں کی پارٹیوں میں کھلے منہ شرکت کرنا اور اپنی تصویر اتروانا اور اس کا اخباروں میں چھپوانا بلاشبہ حرام ہوگا۔ جب عورت کے زیور کی آواز فتنہ ہے اور اس کا اظہار ناجائز ہے تو خود عورت کی تصویر اور اس کی آواز کیسے فتنہ نہ ہوگی اور اس کا اظہار اور اشتہار کیوں حرام نہ ہوگا۔ خوب سمجھ لو کہ عورت کی تقریر اور عورت کی تصویر یہ سب زنا کے دروازے ہیں۔ شریعت مطہرہ ان کو بند کرنا چاہتی ہے مگر یہ دلدادگان مغربیت اس فکر میں ہیں کہ بے پردگی اس درجہ بام عروج پر پہنچ جائے کہ نفس پرستوں کو نکاح ہی کی ضرورت نہ ہو۔

۸- نیز احادیث میں عورت کو اجنبی مرد کے ساتھ خلوت کی ممانعت آئی۔

۹- اور عورت کو بغیر محرم کے سفر کرنے کی ممانعت آئی ہے۔

۱۰- اور عورت کو بغیر شوہر کی اجازت کے مسجد وغیرہ میں جانے کی ممانعت آئی ہے۔ اس ممانعت کی علت صرف یہی فتنہ شہوت ونفسانیت ہے جس کا شریعت مطہرہ سد باب کرنا چاہتی ہے اور یہ نفس کے بندے کھلے بندوں اس کو توڑنے کی فکر میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے شر سے مسلمانوں کو خصوصاً اور دنیا کو عموماً محفوظ رکھے۔ آمین۔ ثم آمین۔

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ ؕ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ

اور نکاح کردو رانڈوں کا اپنے اندر ف۱ اور جو نیک ہوں تمہارے غلام اور لونڈیاں ف۲ اگر وہ ہوں گے مفلس

اور بیاہ دو رانڈوں کو اپنے اندر، اور جو نیک ہوں تمہارے غلام اور لونڈیاں۔ اگر وہ ہوں گے مفلس

يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۲﴾ وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا

اللہ ان کو غنی کردے گا اپنے فضل سے ف۳ اور اللہ کشائش والا ہے سب کچھ جانتا ہے ف۴ اور اپنے آپ کو تھامتے رہیں جن کو نہیں ملتا سامان نکاح کا

اللہ ان کو غنی کرے گا اپنے فضل سے۔ اور اللہ سمائی والا ہے سب جانتا۔ اور آپ کو تھامتے رہیں جن کو نہیں ملتا بیاہ،

حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ

جب تک مقدور دے ان کو اللہ اپنے فضل سے ف۵

جب تک مقدور دے ان کو اللہ اپنے فضل سے۔

حکم ہفتم - وحکم ہشتم

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ ... الى ... حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ﴾

ف۱ اوپر استیذان غض بصر اور تستر وغیرہ کے احکام بیان ہوئے تھے، تاکہ بے حیائی اور بدکاری کی روک تھام کی جائے۔ اس آیت میں یہ حکم دیا کہ جن کا نکاح نہیں ہوا یا ہو کر بیوہ اور رنڈوے ہو گئے تو موقع مناسب ملنے پر ان کا نکاح کر دیا کرو۔ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے علی! تین کاموں میں دیر نہ کر، نماز فرض کا جب وقت آ جائے، جنازہ جب موجود ہو، اور رانڈ عورت جب اس کا کفو مل جائے۔" جو قومیں رانڈوں کے نکاح پر ناک بھوں چڑھاتی ہیں سمجھ لیں کہ ان کا ایمان سلامت نہیں۔

ف۲ یعنی لونڈی غلام کو اگر اس لائق سمجھو کہ حقوق زوجیت ادا کر سکیں گے اور نکاح ہو جانے پر مغرور ہو کر تمہاری خدمت نہ چھوڑ بیٹھیں گے تو ان کا بھی نکاح کر دو۔

ف۳ بعض لوگ نکاح میں اس لیے پس وپیش کیا کرتے ہیں کہ نکاح ہو جانے کے بعد بیوی بچوں کا بار کیسے اٹھے گا۔ انہیں سمجھا دیا کہ ایسے موہوم خطرات پر نکاح سے مت رکو۔ روزی تمہاری اور بیوی بچوں کی اللہ کے ہاتھ میں ہے کیا معلوم ہے کہ خدا چاہے تو ان ہی کی قسمت سے تمہارے رزق میں کشائش کر دے۔ نہ مجرد رہنا غنا کا موجب ہے اور نہ نکاح کرنا فقر وافلاس کو مستلزم ہے۔ یہ باتیں حق تعالیٰ کی مشیت پر ہیں۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا۔ ﴿وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَآءَ﴾ (توبہ، رکوع ۴) اور ظاہری اسباب کے اعتبار سے بھی یہ چیز معقول ہے کہ نکاح کر لینے یا ایسا ارادہ کرنے سے آدمی پر بوجھ پڑتا ہے اور وہ پہلے سے بڑھ کر کمائی کے لیے جدوجہد کرتا ہے۔ ادھر بیوی اور اولاد ہو جائے تو وہ بلکہ بعض اوقات بیوی کے کنبہ والے بھی کسب معاش میں اس کا ہاتھ بٹاتے ہیں۔ بہرحال روزی کی تنگی یا وسعت نکاح یا تجرد پر موقوف نہیں۔ پھر یہ خیال نکاح سے مانع کیوں ہو۔

ف۴ جس کے حق میں مناسب جانتا ہے کشائش کر دیتا ہے۔

ف۵ یعنی جن کو فی الحال اتنا بھی مقدور نہیں کہ کسی عورت کو نکاح میں لا سکیں تو جب تک خدا تعالیٰ مقدور دے چاہیے کہ اپنے نفس کو قابو میں رکھیں۔ اور عفیف رہنے کی کوشش کریں۔ کچھ بعید نہیں کہ اسی ضبط نفس اور عفت کی برکت سے حق تعالیٰ ان کو غنی کر دے اور نکاح کے بہترین مواقع مہیا فرما دے۔

ربط:...... گزشتہ آیات میں ہر طرف سے نفسانی خواہشوں اور زنا کی روک تھام کا انتظام تھا۔ اب آئندہ آیات میں نکاح کا حکم دیتے ہیں جو عفت کا سامان ہے اور زنا سے بچنے کا عمدہ ذریعہ ہے، ان آیتوں میں نا کتخدا یعنی غیر شادی شدہ مرد اور عورت کے متعلق دو حکم مذکور ہیں۔ ایک حکم تو یہ ہے کہ جن میں نکاح کی استطاعت ہو ان کا نکاح کر دیا جائے۔ کما قال تعالیٰ ﴿وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ﴾ یہ سورت کا ساتواں حکم ہے اور دوسرا حکم یہ ہے کہ جن میں نکاح کی استطاعت نہ ہو وہ صبر کریں اور ضبط نفس سے کام لیں، یعنی روزے رکھیں یہ روزہ ان کے لئے باعث حفاظت ہوگا۔ اور عجب نہیں کہ اس عفت اور حفاظت کی برکت سے حق تعالیٰ ان کو غنائے ظاہری بھی عطا فرما دیں کما قال تعالیٰ ﴿وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ﴾۔ یہ اس سورت کا آٹھواں حکم ہے۔

حکم ہفتم - بابت نکاح مجرداں

اور جو تم میں سے مجرد اور غیر شادی شدہ ہیں خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہو اور خواہ ابتدا سے مجرد ہو یا بیوی کی وفات یا طلاق سے مجرد ہو گیا ہو تو تم ان کا نکاح کر دیا کرو اور اسی طرح تمہارے غلاموں اور باندیوں میں سے جو نکاح کے لائق ہیں۔ ان کا بھی نکاح کر دیا کرو تاکہ نکاح سے ان کو طہارت اور پاکیزگی حاصل ہو جائے گی اور فقر اور تنگدستی سے نہ ڈرو۔ اگر وہ فقیر اور محتاج بھی ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے غنی اور تونگر بنا دے گا۔ اور اللہ بہت دینے والا اور سب کے حال کا جاننے والا ہے۔ اگر تم طہارت اور نزاہت کی نیت سے نکاح کرو گے تو اللہ تمہاری تنگ دستی کو فراخی سے بدل دے گا اور اللہ اس پر قادر ہے، جو شخص عفت اور پاکدامنی حاصل کرنے کی نیت سے اور بدکاری سے بچنے کی نیت سے نکاح کرے گا اس سے اللہ کا وعدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو فراخی عطا فرمائے گا۔

حکم ہشتم - صبر وضبط نفس برائے حفاظت عفت

اور جو لوگ ایسے ہیں کہ جن کو اسباب نکاح میسر نہیں ان کو چاہئے کہ اپنی عفت اور پاکدامنی کی حفاظت کریں۔ اور حتی المقدور صبر اور ضبط نفس سے کام لیں اور انتظار کریں اور روزے رکھیں جیسا کہ حدیث میں آیا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے غنا اور فراخی عطا کرے پھر نکاح کریں۔

وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ۖ

اور جو لوگ چاہیں لکھت آزادی کی مال دے کر ان میں سے کہ جو تمہارے ہاتھ کے مال ہیں تو ان کو لکھ کر دے دو اگر سمجھو ان میں کچھ نیکی ف ا

اور جو لوگ چاہیں لکھا تمہارے ہاتھ کے مال میں، تو ان کو لکھا دو اگر سمجھو ان میں کچھ نیکی۔

ف ا یعنی کسی کا غلام یا لونڈی کہے یا مزید توثیق کے لیے لکھوانا چاہے کہ میں اتنی مدت میں اس قدر مال تجھ کو کما دوں تو مجھے آزاد کر دے، تو مالک کو چاہئے کہ قبول کرلے اور لکھ دے (اس معاملہ کو "مکاتبت" کہتے ہیں اور یہ غلاموں کے آزاد کرانے کی ایک خاص صورت ہے) لیکن یہ مالک کو اس وقت قبول کرنا چاہئے جبکہ وہ سمجھے کہ واقعی اس غلام یا لونڈی کے حق میں آزادی بہتر ہوگی۔ قید غلامی سے چھوٹ کر چوری یا بدکاری یا اور طرح کی بدمعاشیاں کرتا نہ پھرے گا۔ اگر یہ اطمینان ہو تو بیشک اس کو آزادی کا موقع دینا چاہئے۔ تاکہ وہ آزاد ہو کر اپنی فلاح کے میدانوں میں خوب ترقی کر سکے اور کہیں نکاح کرنا چاہے تو باختیار خود نکاح کرلے۔ غلامی کی وجہ سے میدان تنگ نہ ہو۔

وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ ۭ

اور دو ان کو اللہ کے مال سے جو اس نے تم کو دیا ہے ف۱

اور دو ان کو اللہ کے مال سے، جو تم کو دیا ہے۔

حکم نہم - مکاتبت و اعانت مملوک

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ... الى ... مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ﴾

ربط:...... یہ نواں حکم ہے کہ جن غلاموں میں تم کسب معاش اور تجارت کی صلاحیت دیکھو تو ان کو مکاتب بنا دو اور ان کی مدد کرو۔ تا کہ آزاد ہو کر وہ اپنی حسب منشاء نکاح کر سکیں اور اپنا گھر آباد کر سکیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور جو تمہارے مملوک ہیں خواہ غلام ہوں یا باندیاں اگر وہ تم سے مکاتبت چاہیں یعنی مال دے کر تم سے اپنی آزادی کی تحریر لکھوانا چاہیں تو ان کو مکاتب بنا دو یعنی ان کو تحریر دے دو اگر کوئی لونڈی یا غلام اپنے مالک سے یہ کہے کہ میں تم کو محنت اور مزدوری کر کے اتنی قسطوں میں اتنا روپیہ ادا کر دوں گا تو تم مجھے ایک تحریر لکھ دو کہ اتنا روپیہ لے کر تم مجھ کو آزاد کر دو گے اور مالک ایسا لکھ دے تو اصطلاح شریعت میں اس کو "مکاتبت" کہتے ہیں تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آقاؤں کو حکم دیا کہ اگر تمہارے غلام ایسی درخواست کریں تو تم ان کو مکاتب بنا دو۔ بشرطیکہ تم ان میں نیکی اور صلاحیت کو جانو کہ اس میں اتنی صلاحیت ہے کہ کما کر اتنا مال ادا کر سکے گا اور سچا اور امانت دار ہے، نیک چلن ہے، بد چلن نہیں۔ جمہور علما کے نزدیک یہ امر استحبابی ہے اور بعض کے نزدیک ایجابی ہے۔ اور اگر تم ان کو نیک اطوار پاؤ اور ان میں نیکی کے آثار دیکھو تو تم ان کو اللہ کے مال سے بھی کچھ دے دو جو تم کو اللہ نے دے رکھا ہے تا کہ اس مال کی مدد سے وہ جلد آزاد ہو سکیں کیونکہ جب شروع ہی میں غلام کو کچھ مال مل جائے گا تو کمانا شروع کر دے گا اور قسطوں کا ادا کرنا اس پر آسان ہو جائے گا۔

وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ

اور نہ زبردستی کرو اپنی چھوکریوں پر بدکاری کے واسطے اگر وہ چاہیں قید سے رہنا کہ تم کمانا چاہو اسباب دنیا کی زندگانی کا ف۲

اور نہ زور کرو اپنی چھوکریوں پر بدکاری کے واسطے، اگر وہ چاہیں قید میں رہنا، کہ کمایا چاہو اسباب دنیا کی زندگانی کا۔

ف۱ یہ دولت مند مسلمانوں کو فرمایا کہ ایسی لونڈی غلام کی مالی امداد کرو خواہ زکوٰۃ سے یا عام صدقات و خیرات وغیرہ سے، تا کہ وہ جلدی آزادی حاصل کر سکیں، اور اگر مالک بدل کتابت کا کوئی حصہ معاف کر دے، یہ بھی بڑی امداد ہے۔

(تنبیہ) مصارف زکوٰۃ میں جو وفی الرقاب کا ایک مد رکھا ہے وہ ان ہی غلاموں کے آزاد کرانے کا فنڈ ہے۔ خلفائے راشدین کے عہد میں بیت المال سے ایسے غلاموں کی امداد ہوتی تھی۔

ف۲ جاہلیت میں بعض لوگ اپنی لونڈیوں سے کسب کراتے تھے۔ عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین کے پاس کئی لونڈیاں تھیں جن سے بدکاری کرا کر روپیہ حاصل کرتا تھا۔ ان میں بعض مسلمان ہو گئیں تو اس فعل شنیع سے انکار کیا۔ اس پر وہ ملعون زدوکوب کرتا تھا، یہ آیت اسی قصہ میں نازل ہوئی۔ اور اسی شان نزول کی رعایت سے مزید تقبیح کے لیے ﴿اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا﴾ اور ﴿لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ کی قیود بڑھائی ہیں ورنہ لونڈیوں سے بدکاری کرانا بہر حال حرام ہے اور اس طرح جو کمائی کریں سب ناپاک ہے۔ خواہ لونڈیاں یہ کام رضا و رغبت سے کریں یا زبردستی اور ناخوشی سے۔ ہاں اگر لونڈیاں نہ چاہیں اور یہ محض دنیا کے حقیر فائدے کے لیے زبردستی مجبور کرے تو اور بھی زیادہ وبال اور انتہائی وقاحت اور بے شرمی کی دلیل ہے۔

وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۳۳

اور جو کوئی ان پر زبردستی کرے گا تو اللہ ان کی بے بسی کے پیچھے بخشنے والا مہربان ہے ف۱

اور جو کوئی ان پر زور کرے تو اللہ ان کی بے بسی پیچھے بخشنے والا مہربان ہے۔

حکم دہم - ممانعت از اکراہ واجبار علی الزنا

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَاۗءِ... الی... غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾

ربط: ...... یہ دسواں حکم ہے۔ عرب میں یہ دستور تھا کہ اپنی باندیوں کو زنا پر مجبور کرتے اور ان پر ٹیکس لگاتے کہ ماہانہ اتنی رقم ہم کو دیا کرو تا کہ وہ باندیاں اس طرح سے ان کی آمدنی کا ذریعہ بنیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو سختی سے منع فرما دیا، چنانچہ فرماتے ہیں اور اپنی باندیوں کو زنا اور بدکاری پر مجبور نہ کرو۔ خاص کر جب کہ وہ پاک دامن رہنا چاہیں۔ بدکاری پر کسی کو مجبور کرنا تو ہر حال میں برا ہے اور خاص کر اس حال میں کہ جب وہ لونڈی پاکدامنی کی طلب گار ہو تو اور بھی برا ہے اور یہ امر نہایت ہی قبیح اور شرمناک ہے کہ تم اپنی باندیوں کو اس لئے بدکاری پر مجبور کرو تا کہ اس کے ذریعہ تم اپنی زندگی کا کچھ فائدہ حاصل کر سکو اور ان کی حرام کمائی سے کچھ روپیہ تم کو مل جائے، اس لالچ پر کسی کو زنا اور بدکاری پر مجبور کرنا بہت ہی شرمناک کام ہے اور جو شخص ان کو زنا کاری پر مجبور کرے باوجودیکہ وہ اس سے بچنا چاہیں تو بیشک اللہ تعالیٰ اس اکراہ اور اجبار کے بعد بخشنے والا اور مہربان ہے، مجبوری اور بے کسی کی حالت میں اگر گناہ کیا جائے تو اس کے واسطے اللہ سے مغفرت کی امید ہے۔

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً

اور ہم نے اتاریں تمہاری طرف آیتیں کھلی ہوئی اور کچھ حال ان کا جو ہو چکے تم سے پہلے اور نصیحت

اور ہم نے اتاریں تمہاری طرف آیتیں کھلی، اور ایک دستور ان کا جو ہو چکے ہیں تم سے آگے اور نصیحت

لِّلْمُتَّقِيْنَ ۳۴ ع ۸

ڈرنے والوں کو ف۲

ڈر والوں کو۔

ف۱ یعنی زنا ایسی بری چیز ہے جو جبر واکراہ کے بعد بھی بری رہتی ہے لیکن حق تعالیٰ محض اپنی رحمت سے "مُکرَہ" کی بے بسی اور بیچارگی کو دیکھ کر درگزر فرماتا ہے۔ اس صورت میں مُکرِہ (زبرستی کرنے والے) پر سخت عذاب ہوگا اور مُکرَہ پر (جس پر زبردستی کی گئی) رحم کیا جائے گا۔

ف۲ یعنی قرآن میں سب کچھ نصیحتیں، احکام اور گزشتہ اقوام کے عبرتناک واقعات بیان کر دیے گئے ہیں تا کہ خدا کا ڈر رکھنے والے سن کر نصیحت و عبرت حاصل کریں اور اپنے انجام کو سوچیں۔ یا مثلاً من الذین خلوا سے مراد یہ ہو کہ پہلی امتوں پر بھی اسی طرح کی حدود اور احکام جاری کیے گئے تھے جو اس سورت میں مذکور ہوئے۔ اور بعض قصے بھی اسی قصہ "افک" کے مشابہ پیش آئے جو سورت ہذا میں بیان کیا گیا ہے۔ پس جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم صدیقہ اور حضرت یوسف صدیق کی دشمنوں کے بہتان سے براءت ظاہر فرمائی، عائشہ صدیقہ بنت الصدیق کی براءت اور بزرگی بھی تا قیام قیامت صادقین کے قلوب میں نقش فی الحجر کر دی۔ اور دشمنوں کا منہ کالا کیا۔

خاتمۂ احکام عشرۂ مذکورہ بر امتنان ہدایت ونصیحت

قَالَ اللهُ تَعَالٰی : ﴿وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ... الی... وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ﴾

ربط:...... یہاں تک نفس کو رذائل اور خبائث سے پاک کرنے کے لئے دس احکام بیان فرمائے اب ان کے خاتمہ پر بندوں پر امتنان اور اظہار احسان فرماتے ہیں کہ ہم نے تمہاری ہدایت اور نصیحت کے لئے یہ احکام نازل کئے تاکہ تم رذائل اور خبائث اور گندگیوں سے پاک ہو جاؤ اور تمہارے دل منور اور روشن ہو جائیں۔ اور تم عفیف اور پاکدامن بن جاؤ۔ اور ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ﴾ کے زمرہ میں داخل ہو کر اس فلاح کے مستحق ہو جاؤ جس کا اللہ تعالیٰ نے ﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ میں وعدہ کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور البتہ تحقیق ہم نے تمہاری ہدایت کے لئے تمہاری طرف واضح اور روشن احکام نازل کئے جس سے تم پر حلال اور حرام اور خبیث اور طیب کا فرق واضح ہو جائے۔ اور جو لوگ تم سے پہلے گزرے ہیں ان کی مثالیں اور حکایتیں بیان کیں کہ جن گزشتہ امتوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام کی مخالفت کی اور بے حیائیوں کے مرتکب ہوئے ان کا حال اور مآل تمہارے سامنے بیان کیا تاکہ اس سے عبرت پکڑو اور خدا سے ڈرنے والوں کے لئے نصیحت اتار دی تاکہ وہ اللہ کی نصیحتوں سے فائدہ اٹھائیں اور خدا کے پرہیزگار بندے بن جائیں اور خبیثین کے طریقہ کو چھوڑ کر طیبین کا طریقہ اختیار کریں۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے تین صفتیں بیان کیں۔

(۱) ﴿اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ﴾ (۲) ﴿وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ (۳) ﴿وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ﴾۔

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ

اللہ روشنی ہے آسمانوں کی اور زمین کی ف۱ مثال اس کی روشنی کی جیسے ایک طاق اس میں ہو ایک چراغ وہ چراغ دھرا ہو ایک

اللہ روشنی ہے آسمانوں کی اور زمین کی، کہاوت اس کی روشنی کی جیسے ایک طاق اس میں ایک چراغ۔ چراغ دھرا ایک

زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ

شیشہ میں وہ شیشہ ہے جیسے ایک تارہ چمکتا ہوا تیل جلتا ہے اس میں ایک برکت کے درخت کا وہ زیتون ہے نہ مشرق کی طرف ہے

شیشہ میں۔ شیشہ جیسے ایک تارا ہے جھمکتا، تیل جلتا ہے اس میں ایک درخت برکت سے، وہ زیتون ہے، نہ سورج نکلنے کی طرف

ف۱ یعنی اللہ سے رونق اور ہستی ہے زمین اور آسمان کی، اس کی مدد نہ ہو تو سب ویران ہو جائیں (موضح القرآن) سب مخلوق کو نور وجود اسی سے ملا ہے۔ چاند، سورج، ستارے، فرشتے اور انبیاء اولیا میں جو ظاہری یا باطنی روشنی ہے اسی منبع النور سے مستفاد ہے۔ ہدایت ومعرفت کا جو چمکارا کسی کو پہنچتا ہے اسی بارگاہ رفیع سے پہنچتا ہے۔ تمام علویات وسفلیات اس کی آیات تکوینیہ وتنزیلیہ سے منور ہیں۔ حسن وجمال یا خوبی وکمال کی کوئی چمک اگر کہیں نظر پڑتی ہے وہ اسی کے وجہ منور اور ذات مبارک کے جمال وکمال کا ایک پرتو ہے۔ سیرت ابن اسحاق میں ہے کہ طائف میں جب لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ستایا تو یہ دعا زبان پر تھی۔ "اَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْهِكَ الَّذِيْ اَشْرَقَتْ لَهُ الظُّلُمَاتُ وَصَلُحَ عَلَيْهِ اَمْرُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ اَنْ يَّحِلَّ بِيْ غَضَبُكَ اَوْ يَنْزِلَ بِيْ سَخَطُكَ لَكَ الْعُتْبٰى حَتّٰى تَرْضٰى وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ" رات کی تاریکی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کو "انت نور السموات والارض" کہہ کر پکارا کرتے اور اپنے کان، آنکھ، دل، ہر ہر عضو بلکہ بال بال میں اس سے نور طلب فرماتے تھے اور اخیر میں بطور خلاصہ فرماتے۔ "واجعلنی نورا" یا" وَاَعْظِمْ لِيْ نُوْرًا" یا "وَاجْعَلْنِيْ نُوْرًا" یعنی میرے نور کو بڑھا بلکہ مجھے نوری نور بنا دے۔ اور ایک حدیث میں ہے۔ "اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ خَلْقَهٗ فِيْ ظُلْمَةٍ ثُمَّ اَلْقٰى عَلَيْهِمْ مِنْ نُوْرِهٖ فَمَنْ اَصَابَهٗ مِنْ نُوْرِهٖ يَوْمَئِذٍ اهْتَدٰى وَمَنْ اَخْطَاهُ ضَلَّ" (فتح الباری ص ۱۳۰/۶) یعنی جس کو اس وقت اللہ کے نور (توفیق) سے حصہ ملا وہ=

وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ۭ نُوْرٌ عَلٰي نُوْرٍ ۭ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ

اور نہ مغرب کی طرف قریب ہے اس کا تیل کہ روشن ہو جائے اگرچہ نہ لگی ہو اس میں آگ روشنی پر روشنی اللہ راہ دکھلا دیتا ہے اپنی روشنی کی

نہ ڈوبنے کی طرف، لگتا ہے اس کا تیل کہ سلگ اٹھے، ابھی نہ لگی ہو اس کو آگ۔ روشنی پر روشنی، اللہ راہ دیتا ہے اپنی روشنی کی

مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ

جس کو چاہے اور بیان کرتا ہے اللہ مثالیں لوگوں کے واسطے اور اللہ سب چیز کو جانتا ہے ف۱ ان گھروں میں کہ

جس کو چاہے۔ اور بتاتا ہے اللہ کہاوتیں لوگوں کو۔ اور اللہ سب چیز جانتا ہے۔ ان گھروں میں کہ

اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ ۙ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۝ رِجَالٌ ۙ لَّا

اللہ نے حکم دیا ان کو بلند کرنے کا ف۲ اور وہاں اس کا نام پڑھنے کا ف۳ یاد کرتے ہیں اس کی وہاں صبح اور شام ف۴ وہ مرد کہ نہیں

اللہ نے حکم دیا انکو بلند کرنے کا اور وہاں اس کا نام پڑھنے کا، یاد کرتے ہیں اس کی وہاں صبح اور شام۔ وہ مرد کہ نہیں

= ہدایت پر آیا اور جو اس سے چوکا گمراہ رہا۔ واضح رہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی دوسری صفات مثلاً سمع بصر وغیرہ کی کوئی کیفیت بیان نہیں کی جا سکتی۔ ایسے ہی صفت نور بھی ہے ممکنات کے نور پر قیاس نہ کیا جائے تفصیل کے لیے امام غزالی کا رسالہ "مشکوٰۃ الانوار" دیکھو۔

ف۱ یعنی یوں تو اللہ تعالیٰ کے نور سے تمام موجودات کی نمود ہے۔ لیکن مومنین مہتدین کو نور الٰہی سے ہدایت و عرفان کو جو خصوصی حصہ ملتا ہے اس کی مثال ایسی سمجھو گویا مومن قانت کا جسم ایک طاق کی طرح ہے جس کے اندر ایک ستارہ کی طرح چمکدار شیشہ (قندیل) رکھا ہو۔ یہ شیشہ اس کا قلب ہوا جس کا تعلق عالم بالا سے ہے۔ اس شیشہ (قندیل) میں معرفت و ہدایت کا چراغ روشن ہے، یہ روشنی ایسے صاف وشفاف اور لطیف تیل سے حاصل ہو رہی ہے جو ایک نہایت ہی مبارک درخت (زیتون) سے نکل کر آیا ہے اور زیتون بھی وہ جو کسی حجاب سے نہ مشرق میں ہو نہ مغرب میں یعنی کسی طرف دھوپ کی روک نہیں کھلے میدان میں کھڑا ہے جس پر صبح وشام دونوں وقت کی دھوپ پڑتی ہے۔ تجربہ سے معلوم ہوا کہ ایسے زیتون کا تیل اور بھی زیادہ لطیف وصاف ہوتا ہے۔ غرض اس کا تیل اس قدر صاف اور چمکدار ہے کہ بدون آگ دکھلائے ہی معلوم ہوتا ہے کہ خود بخود روشن ہو جائے گا۔ یہ تیل میرے نزدیک ایک اسی حسن استعداد اور نور توفیق کا ہوا جو نور مبارک کے القا سے بدء فطرت میں مومن کو حاصل ہوا تھا۔ جیسا کہ اوپر کے فائدہ میں گزر چکا اور جس طرح شجرہ مبارکہ کو "لَا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ" فرمایا تھا وہ نور ربانی بھی جہت کی قید سے پاک ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ مومن کا شیشۂ دل نہایت صاف ہوتا ہے اور خدا کی توفیق سے اس میں قبول حق کی ایسی زبردست استعداد پائی جاتی ہے کہ بدون دیا سلائی دکھائے ہی جل اٹھنے کو تیار ہوتا ہے۔ اب جہاں ذرا آگ دکھائی یعنی وحی وقرآن کی تیز روشنی نے اس کو مس کیا فوراً اس کی فطری روشنی بھڑک اٹھی۔ اسی کو "نُوْرٌ عَلٰي نُوْرٍ" فرمایا۔ باقی یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے، جس کو چاہے اپنی روشنی عنایت فرمائے اور وہ ہی جانتا ہے کہ کس کو یہ روشنی ملنی چاہیے کس کو نہیں۔ ان عجیب وغریب مثالوں کا بیان فرمانا بھی اسی غرض سے ہے کہ استعداد رکھنے والوں کو بصیرت کی ایک روشنی حاصل ہو۔ حق تعالیٰ ہی تمثیل کے لیے مناسب موقع ومحل کو پوری طرح جانتا ہے، کسی دوسرے کو قدرت کہاں کہ ایسی موزوں وجامع مثال پیش کر سکے۔ آگے فرمایا کہ وہ روشنی ملتی ہے اس سے کہ جن مسجدوں میں کامل لوگ صبح وشام بندگی کرتے ہیں وہاں دھیان لگا رہے۔

(تنبیہ) مفسرین نے تشبیہ کی تقریر بہت طرح کی ہے، حضرت شاہ صاحب نے بھی موضح القرآن میں نہایت لطیف وعمیق تقریر فرمائی ہے مگر بندہ کے خیال میں جو توجیہ آئی وہ درج کر دی۔ وللناس فیما یعشقون مذاهب۔ واضح رہے کہ "یوقد" اور "وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ" میں جس نار کی طرف اشارہ ہے میں نے مشبہ میں اس کی جگہ وحی وقرآن کو رکھا ہے۔ اس کا ماخذ وہ فائدہ ہے جو حضرت شاہ صاحب نے ﴿مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا﴾ پر لکھا ہے اور جس کی تائید صحیحین کی ایک حدیث سے ہوتی ہے جس میں آپ نے یہ الفاظ فرمائے ہیں۔ "اِنَّمَا مَثَلِي وَمَثَلُ النَّاسِ كَرَجُلٍ اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا اَضَاءَتْ مَا حَوْلَهٗ جَعَلَ الْفَرَاشُ وَهٰذِهِ الدَّوَابُّ الَّتِي يَقَعْنَ فِيْهَا الخ"

ف۲ ان کی تعظیم وتطہیر کا حکم دیا یعنی ان کی خبر گیری کی جائے اور ہر قسم کی گندگی اور لغو افعال واقوال سے پاک رکھا جائے۔ مساجد کی تعظیم میں یہ بھی داخل ہے کہ وہاں پہنچ کر دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھے۔

=

تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللهِ وَإِقَامِ الصَّلٰوةِ وَإِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ ۙ يَخَافُوْنَ يَوْمًا

غافل ہوتے سودا کرنے میں اور نہ بیچنے میں اللہ کی یاد سے اور نماز قائم رکھنے سے اور زکوٰۃ دینے سے ف۱ ڈرتے رہتے ہیں اس دن سے

غافل ہوتے سودا کرنے میں نہ بیچنے میں اللہ کی یاد سے، اور نماز کھڑی رکھنے سے اور زکوٰۃ دینے سے، ڈر رکھتے ہیں اس دن کا،

تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ﴿۳۷﴾ لِيَجْزِيَهُمُ اللهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ

جس میں الٹ جائیں گے دل اور آنکھیں ف۲ تاکہ بدلہ نہ دے ان کو اللہ ان کے بہتر سے بہتر کاموں کا اور زیادتی دے ان کو اپنے

جس میں الٹے جائیں گے دل اور آنکھیں۔ کہ بدلہ دے ان کو اللہ ان کے بہتر سے بہتر کاموں کا اور بڑھتی دے ان کو اپنے

فَضْلِهٖ ؕ وَاللهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۸﴾

فضل سے ف۳ اور اللہ روزی دیتا ہے جس کو چاہے بیشمار ف۴

فضل سے۔ اور اللہ روزی دیتا ہے جس کو چاہے بے شمار۔

آیتِ نور در بارۂ تمثیل نور ہدایت وظلمت فسق وفجور وانوار قلوب اہل ہدایت وظلمت قلوب اہل ضلالت

قَالَ اللهُ تَعَالٰى: ﴿اَللهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ... الى... مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾

ربط:...... ابتداء سورت سے یہاں تک احکام ہدایت اور کلمات حکمت وموعظت کا ذکر ہوا اور گزشتہ آیات میں یہ فرمایا کہ ہم نے روشن آیتیں نازل کیں جس سے مقصود یہ تھا کہ لوگ گمراہی کی ظلمت سے نکل کر نور ہدایت میں آجائیں۔ اس لئے ان آیات میں اول نور ہدایت اور ظلمت ضلالت کی مثال بیان کرتے ہیں اور پھر اہل ہدایت اور اہل ضلالت کا حال اور مآل بیان کرتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ دلائل ایمان وہدایت نور مبین کی طرح روشن ہیں اور ادیان کفر انتہائی ظلمت اور تاریکی میں ہیں گزشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا تھا۔ ﴿وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ﴾ کہ ہم نے لوگوں کی ہدایت کے لئے آیات بینات کو نازل کیا اور ظاہر ہے کہ اللہ کی آیتیں بلاشبہ انوار ہیں اور یہ قرآن اللہ کا نازل کردہ نور ہے۔ کما

= ف۱ تسبیح وتہلیل اور تلاوت قرآن وغیرہ سب اذکار اس میں شامل ہیں۔

ف۲ یعنی تمام مناسب اوقات میں خدا کو یاد کرتے ہیں۔ بعض مفسرین نے کہا کہ "غدو" سے صبح کی نماز مراد ہے اور "آصال" میں باقی چاروں نمازیں داخل ہیں۔ کیونکہ اصیل زوال شمس سے صبح تک کے اوقات پر بولا جاتا ہے۔

ف۱ یعنی معاش کے دھندے ان کو اللہ کی یاد اور احکام الٰہیہ کی بجا آوری سے غافل نہیں کرتے۔ بڑے سے بڑا بیوپار یا معمولی خرید وفروخت کوئی چیز خدا کے ذکر سے نہیں روکتی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہی شان تھی۔

ف۲ یعنی اس روز دل وہ باتیں سمجھ لیں گے جو ابھی تک نہ سمجھے تھے اور آنکھیں وہ ہولناک واقعات دیکھیں گی جو کبھی نہ دیکھے تھے۔ قلوب میں کبھی نجات کی توقع پیدا ہوگی کبھی ہلاکت کا خوف۔ اور آنکھیں کبھی داہنے کبھی بائیں دیکھیں گی کہ دیکھئے کس طرف سے پکڑے جائیں، یا کس جانب سے اعمالنامہ ہاتھ میں دیا جائے۔

ف۳ یعنی اچھے کاموں کا جو صلہ مقرر ہے وہ ملے گا۔ اور حق تعالیٰ کے فضل سے اور زیادہ دیا جائے گا جس کی تفصیل وتعیین ابھی نہیں کی جاسکتی۔

ف۴ یعنی اس کے ہاں کیا کمی ہے، اگر جنتیوں کو بے حد وحساب عنایت فرمائے تو کچھ مشکل نہیں۔

قال تعالیٰ ﴿فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِیْٓ اَنْزَلْنَا﴾ وقال تعالیٰ ﴿قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْكُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا﴾۔

اس لئے اب آئندہ آیات میں نور ہدایت کی مثال بیان کرتے ہیں۔ اللہ نور ہے آسمانوں کا اور زمین کا تمام کائنات کو جو نور وجود ملا ہے وہ سب اسی نور السمٰوٰت والارض کے نور کا ایک عکس اور پرتو ہے حق جل شانہ نور حق اور نور مطلق ہے۔ آسمان اور زمین کے تمام انوار حسیہ وعقلیہ پر قاہر اور غالب ہے آسمان وزمین کی حدود میں جو ظاہری اور باطنی اور حسی اور معنوی روشنی ہے وہ سب اسی نور برحق اور نور مطلق کا فیض اور عطیہ ہے آسمان اور زمین کے تمام انوار محدود اور متناہی ہیں اور حق جل شانہ نور الانوار ہے اور اس کا نور غیر محدود اور غیر متناہی ہے، خدا تعالیٰ کا نور اصلی ہے اور مخلوقات کا نور عارضی ہے اور خدا کا عطیہ ہے اور اس کا پیدا کیا ہوا ہے اگر وہ پیدا نہ کرتا تو دنیا کی کوئی چیز دکھائی نہ دیتی۔ اسی نے اپنی قدرت سے آسمان وزمین کو عدم کی ظلمت سے نکال کر وجود کا لباس پہنایا اور ان کو ظاہر اور آشکارا کیا۔

در ظلمت عدم ہمہ بودیم بے خبر نور وجود سہ شہود از تو یافتم

آسمان اور زمین میں جس قدر بھی انوار اور سامان ظہور ہیں وہ سب اسی نور السمٰوٰت والارض کے پیدا کردہ ہیں۔

(۱) مثلاً نور آفتاب و ماہتاب اور نجوم وکواکب ان چیزوں کا نور اور ان کی روشنی عالمگیر ہے۔

(۲) اور نور بصر یعنی چشم سر کا نور اور اس کی روشنی جس سے سامنے کی چیزیں ظاہر ہو جاتی ہیں۔

(۳) اور نور بصیرت یعنی چشم دل اور نور عقل جس کے ذریعہ حسی اور عقلی چیزوں کا ظہور ہوتا ہے یہ سب اسی کی مخلوق ہیں۔

اور اللہ کا نور جو اس کی صفت ہے وہ قدیم اور ازلی ہے اور بے چون وچگون ہے وہاں کسی کم اور کیف کا گزر نہیں اور اللہ نور السموات والارض میں جو نور، اللہ کی طرف مضاف کیا گیا ہے وہ اللہ کی صفت ہے اور یہ انوار حسیہ اور انوار عقلیہ جن سے آسمان وزمین بھرے ہوئے ہیں وہ سب اس کے نور قدیم کا ایک ادنیٰ سا پرتو ہیں اس لئے نور کو آسمان اور زمین کی طرف مضاف کیا کہ یہ آسمان وزمین اسی کے جمال بے مثال کے ایک ادنیٰ پرتو سے روشن ہیں۔ کما قال تعالیٰ ﴿وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا﴾۔

اور اللہ تعالیٰ نے بندوں کی ہدایت کے لئے جو آیات بینات نازل فرمائیں وہ سب انوار غیبیہ اور باطنیہ ہیں جن سے حق اور باطل کا فرق ظاہر ہوتا ہے اور معنوی طور پر آیات بینات کا نور، آفتاب اور ماہتاب کے نور سے کہیں زیادہ روشن ہے۔ جس طرح نور عقل۔ نور آفتاب سے بڑھ کر ہے، اسی طرح نور وحی۔ نور عقل سے بڑھ کر ہے۔ نور آفتاب سے صرف محسوسات کا ظہور ہوتا ہے اور نور عقل سے محسوسات اور معقولات کے ظاہر و باطن کا ظہور اور انکشاف ہوتا ہے اور نور وحی سے ان چیزوں کا ظہور ہوتا ہے کہ جو وراء عقل ہیں جہاں نور عقل کی رسائی نہیں۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نور کی حقیقت یہ ہے کہ جو شے بذات خود ظاہر ہو اور دوسروں کو ظاہر کرنے والی ہو۔ پس نور اصل صفت حق جل شانہ کی ہے اور وہ بذاتہ ظاہر ہے اور اس کے سوا جو بھی ظاہر ہے وہ اسی کے ظاہر کرنے سے ظاہر ہوا ہے۔ جہاں کہیں بھی کوئی ظاہری یا باطنی روشنی ہے وہ اسی نور السموات والارض کے حسن و جمال کا اور اس کے فضل وکمال کا ایک

پرتو ہے تمام ممکنات ظلمت کدہ عدم میں پڑی ہوئی تھیں اور باہم کوئی امتیاز نہ تھا اس لئے کہ جب اندھیرا ہوتا ہے تو ساکن اور متحرک اور بلند اور پست میں کوئی امتیاز نہیں ہوتا، کچھ پتہ نہیں چلتا کہ کون اوپر ہے اور کون نیچے ہے، جب نور اور اجالا آتا ہے اور اندھیرا دور ہوتا ہے تب حقیقتیں اور کیفیتیں کھلتی ہیں اور اچھے اور برے اور جوہر اور عرض میں تمیز ہوتی ہے اسی طرح سمجھو کہ عدم ظلمت اور تاریکی ہے اور نور وجود اور ظہور ہے اگر وہ نور السموات والارض ممکنات کو نور وجود اور نور ہستی عطا نہ کرتا تو تمام ممکنات عدم کی ظلمت اور تاریکی میں پڑی رہتیں۔ اور بلندی اور پستی کا کوئی امتیاز نہ ہوتا اور آنکھ اور عقل میں بھی روشنی نہ ہوتی تو ادراک کیسے ہوتا۔ ادراک بھی تو آخر ظلمت ہی میں ہوتا، پھر کہاں سے ہوتا جس طرح زمین اپنی ذات سے تاریک۔ اور بے نور ہے، آفتاب کے عکس اور پرتو سے اس میں روشنی آئی اور زمین کی چیزیں نظر آنے لگیں۔ اندھیری رات میں کچھ پتہ نہیں چلتا کہ کون زید ہے اور کون عمرو ہے، اسی طرح ممکنات کی ظلمت عدم کو سمجھو کہ وہ اپنی ذات سے اندھیرے میں ہیں جب نور السموات والارض کی تجلی سے نور وجود کا کوئی پرتو ان پڑ جاتا ہے تو ظاہر ہو جاتے ہیں۔

ہستی کہ بذات خود ہویدا ست چو نور ذرات مکونات ازو یافت ظہور
ہر چیز کہ از فروغ او افتد دور در ظلمت نیستی بماند مستور

آفتاب اور ماہتاب ظاہری نور ہیں جن سے دنیا کی چیزیں ظاہر ہوتی ہیں اور بصر (چشم سر) بھی ایک ظاہری نور ہے جس سے رنگتوں کا فرق ظاہر ہوتا ہے اور بصیرت (چشم دل) ایک باطنی نور ہے جسے نور عقل بھی کہتے ہیں اس سے حقائق اشیا کا ظہور ہوتا ہے آسمان آفتاب اور ماہتاب اور ستاروں کی روشنی سے روشن ہے اور زمین انبیا اور علما اور اولیا کے انوار علم اور انوار ذکر وتسبیح سے منور ہے۔ الغرض آسمان وزمین میں جس قدر انوار حسیہ اور انوار عقلیہ موجود ہیں وہ سب اسی نور السموات والارض کی مخلوق ہیں جس طرح نور، اشیا کے ظہور کا سبب ہے اسی طرح سمجھو کہ وہ نور السموات والارض آسمانوں اور زمینوں کے ظہور کا سبب ہے کہ اس کی وجہ سے یہ سارا کون ومکان اور یہ زمین وآسمان ظہور میں آیا۔

اور چونکہ خدا تعالیٰ کی ہستی سب ہستیوں سے زیادہ ظاہر اور روشن ہے اور سب ہستیوں کا ظہور اسی کی وجہ سے ہے، اسی وجہ سے فرمایا۔ ﴿اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ اللہ نور ہے آسمانوں کا اور زمین کا۔ یعنی آسمان اور زمین اور ان کی تمام چیزیں اسی کے ظاہر کرنے سے ظہور میں آئیں۔

ہمہ عالم بنور اوست پیدا کجا او گردد از عالم ہویدا
زہے ناداں کہ او خورشید تاباں بنور شمع جوید در بیاباں

پس جس طرح نور، اللہ کی صفت ہے اسی طرح ظہور بھی اللہ کی صفت ہے ﴿هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ﴾۔

خلاصۂ کلام یہ کہ حق جل شانہ نے اس جملہ میں یعنی ﴿اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ میں اول اپنے نور عام کا ذکر فرمایا جو اس کی صفت ہے جو تمام کائنات کو محیط ہے اب آئندہ آیت میں اپنے نور خاص کا یعنی نور ہدایت اور نور توفیق کا ذکر فرماتے ہیں جو اس کی صفت فعل ہے کیونکہ ہدایت دینا اور توفیق دینا اللہ تعالیٰ کا ایک فعل ہے اور اس کا ایک فضل ہے اور بندہ کو

جونور ہدایت ملتا ہے وہ اس کے فعل کا مفعول بہ اور مخلوق اور مجعول ہے اور اس کے خوان فضل وکرم کا ایک لقمہ اور نوالہ ہے۔ جس کو مل گیا وہ جی اٹھا پس آئندہ آیات میں اس کے پیدا کردہ اور عطا فرمودہ نور ہدایت اور نور توفیق کی مثال بیان فرماتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اللہ کے نور ہدایت کی مثال جو اس کی طرف سے مومن [1] کے دل میں ڈالا گیا ہے اس کی عجب شان ہے۔ اور وہ شان ایسی ہے جیسے ایک طاق میں چراغ رکھا ہوا ہے تاکہ اس کی روشنی منتشر نہ ہو۔

اور وہ چراغ شیشہ کے ایک صاف وشفاف قندیل میں رکھا ہوا ہے جس سے اس کی روشنی دوبالا ہو جاتی ہے اور وہ شیشہ گویا کہ ایک روشن اور چمکدار ستارہ ہے اور وہ چراغ ایک مبارک درخت کے تیل سے روشن کیا جا رہا ہے اور مبارک درخت زیتون کا ہے۔ جو نہ سمت مشرق میں ہے نہ سمت مغرب میں ہے۔ بلکہ ایک کھلے میدان میں ہے جس کو ہر طرف سے دھوپ پہنچ رہی ہے ایسے درخت کا روغن نہایت صاف وشفاف اور روشن ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ درخت کسی پہاڑ یا غار کی آڑ میں نہیں۔ اس میں اور آفتاب میں کوئی چیز حائل نہیں ایسے درخت کا تیل نہایت صاف اور چمکتا ہوا ہوتا ہے، آگے فرماتے ہیں کہ اس کا تیل اس قدر صاف وشفاف ہے کہ قریب ہے کہ وہ تیل خود بخود جل اٹھے اور روشن ہو جائے اگرچہ اس کو آگ نہ لگی ہو یعنی وہ تیل اس قدر صاف وشفاف ہے کہ جلتا ہوا نظر آتا ہے اور جب اس کو آگ لگ گئی تو پھر وہ نور علی نور ہے یعنی نور پر نور ہے۔ ایک نور تیل کا اور ایک نور آگ کا جب دونوں جمع ہو جائیں تو نور پر نور اور روشنی پر روشنی ہے۔ آیت میں جو مثال ذکر کی گئی وہ نور ایمان اور نور ہدایت کی مثال ہے جو مومن کے دل میں ہے ایک نور تو ہے فطرت سلیمہ کا اور دوسرا نور وحی کا ہے اور مقصود یہ ہے کہ وہ نور بڑا ہی عظیم الشان ہے اور یہ مطلب نہیں کہ فقط دو ہی نور ہیں۔

عبداللہ [2] بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اسی طرح مومن کا دل فطری طور پر ہدایت پر عمل کرنے لگتا ہے اور اپنی فطرت سلیمہ اور جبلت صحیحہ سے راہ راست پر چلنے لگتا ہے قبل اس کے کہ اس کو ہدایت کا علم ہو پھر جب اس کو علم آجاتا ہے تو اس کی ہدایت میں اور زیادتی ہو جاتی ہے اور ایک ہدایت پر دوسری ہدایت ہو جاتی ہے۔ دیکھو تفسیر ابن جریر: ۱۸/۹۶۔ سورۃ النور اور دیکھو تفسیر [3] کبیر للعلامۃ الرازی: ۶/۳۲۱)

یعنی اول تو مومن کا دل خود روشن تھا جب اوپر سے اس کو نور ہدایت آ گیا تو نور علی نور ہو گیا۔

یحیٰی بن سلام رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مومن قانت کا دل بتلانے سے پہلے ہی حق کو پہچان لیتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ مومن کی فراست سے ڈرو اس لئے کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

[1] جیسا کہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ اس طرح پڑھا کرتے تھے۔ مثل نور من آمن بہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما یوں پڑھا کرتے تھے مثل نور من آمن باللہ۔

[2] عن عبداللہ بن عباس مثل نورہ کمشکوۃ قال مثل ھداہ فی قلوب المؤمنین کما یکاد الزیت الصافی یضیئ قبل ان تمسہ النار فاذا مستہ النار ازداد ضوء علی ضوء کذلک یکون قلب المومن یعمل بالھدی قبل ان یاتیہ العلم فاذا جاءہ العلم ازداد ھدی علی ھدی ونورا علی نور اھ تفسیر ابن جریر: ۱۸/۹۶۔

[3] قال یحیی بن سلام قلب المؤمن یعرف الحق قبل ان یبین لہ لموافقۃ لہ وھو المراد من قولہ علیہ الصلاۃ والسلام اتقوا فراسۃ المؤمن فانہ ینظر بنور اللہ۔ تفسیر کبیر: ۶/۳۲۱۔

پس مومن قانت کا جسم یا اس کا سینہ بمنزلہ طاق کے ہے اور مومن کا دل بمنزلہ صاف و شفاف شیشہ اور قندیل کے ہے جو شکوک و شبہات کے زنگ سے پاک وصاف ہے اور نور معرفت اور نور بصیرت اور نور ہدایت یا نور ایمان اور نور عرفان یا نور قرآن بمنزلہ مصباح (چراغ اور شمع) کے ہے جو مومن کے دل میں روشن ہے اور مومن قانت کی فطرت سلیمہ اور اس کی فطری صلاحیت اور حسن استعداد بمنزلہ تیل کے ہے جو بدء فطرت سے من جانب اللہ مومن کو عطا کیا جاتا ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے۔ ﴿فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا﴾ اور یہی فطری سلامتی اور حسن استعداد اس کے چراغ معرفت کا مادہ ہے اور جیسا کہ حدیث میں ہے کل مولود یولد علی الفطرۃ اور دوسری حدیث ہے خلقت عبادی کلھم حنفاء اور شجرہ مبارکہ سے شجرہ صدق و اخلاص مراد ہے کہ جو نہ شرقی ہے اور نہ غربی۔ بلکہ حقیقت میں وہ جنت کا درخت ہے ایسا مومن مخلص جس قلب چراغ ہدایت و معرفت سے منور ہو تو ایسے مومن کا دل بوجہ نورانیت کے بسا اوقات اپنے وجدان اور نور معرفت سے حق تک پہنچ جاتا ہے۔ اگر چہ ابھی تک اس کو اس حق کا علم نہ ہوا ہو وہ دل کی شہادت سے جان لیتا ہے کہ یہ بات حق ہے اور یہ بات ناحق ہے اس قسم کے لوگ نور جبلی اور عنایت ازلی کے باعث بھلے اور برے میں تمیز کر کے محاسن اور فضائل کی طرف توجہ اور رغبت کرتے ہیں اور طبعی طور پر ذمائم اور قبائح سے نفرت کرتے ہیں، جیسا کہ بعض اوقات فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا قلب نزول وحی سے پہلے ہی حق کی طرف پہنچ جاتا تھا اور اپنے رائے اور بصیرت سے حق اور باطل کے فرق کو سمجھ لیتا تھا اور بعد میں اسی کی موافقت میں وحی کا نزول ہوتا تھا اور نزول وحی کے بعد ان کے نور معرفت اور نور بصیرت میں زیادتی ہو جاتی تھی اور اس نور باطنی کے ساتھ جب نور وحی بھی مل جاتا تو نور علیٰ نور ہو جاتا۔ ایک نور اندر کا اور ایک نور باہر کا۔

الغرض مومن قانت پہلے ہی اپنی فطرت سلیمہ اور خداداد قلب سلیم سے اجمالی طور پر حق پہچان لیتا ہے اور یکلخت اس کے دل میں ایسا جوش اٹھتا ہے کہ اس کام کے کرنے پر آمادہ بلکہ مجبور کر دیتا ہے، پھر جب حکم خداوندی کو سنتا ہے تو تفصیلی طور پر حق کو جان لیتا ہے اور اس کے ایقان اور اطمینان میں اور اضافہ ہو جاتا ہے، جب نور فطرت کے ساتھ نور شریعت بھی مل جاتا ہے تو نور علی نور کا مصداق ہو جاتا ہے اور اسی باطنی کیفیت کو اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ شرح صدر سے تعبیر فرمایا ہے قال اللہ تعالیٰ ﴿أَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ﴾ وقال تعالیٰ ﴿فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ أَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْإِسْلَامِ﴾ ایسا شخص اگر چہ کسی کام کے جواز اور عدم جواز کو نہ جانتا ہو مگر طبعی طور پر اس کا دل حلال کے کھانے پر تیار ہو جاتا ہے اور حرام کے کھانے کے لئے تیار نہیں ہوتا بلکہ اس سے نفرت کرتا ہے اور ظاہری طور پر اس چیز کے حرام اور حلال ہونے کا اس کو بالکل علم نہیں ہوتا۔ یہ القا غیبی ہوتا ہے اس قسم کے لوگوں کو اصطلاح شریعت میں محدث من اللہ اور ملھم من اللہ کہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے اولیاء اللہ کو کوئی بات پیش آتی ہے اور اس بارے میں ان کو حکم شرعی کا علم نہیں ہوتا مگر نور باطنی کی وجہ سے ان کو امر حق کے متعلق شرح صدر ہو جاتا ہے اور وہ پہلے ہی سے اس کو اختیار کر لیتے تھے وجہ اس کی یہ ہے کہ ان کی فطرت سلیمہ میں قبول حق کی استعداد اس درجہ قوی تھی کہ قریب تھا کہ بدون دیا سلائی دکھائے ہی جل اٹھے۔ اب ذرا اس کو دیا سلائی دکھائی اور ذرا آگ لگائی تو فوراً اس کی فطری روشنی بھڑک اٹھی۔ لہٰذا اس نور فطرت کے ساتھ اگر نور شریعت بھی لگ جائے تو یہ روشنی اس قدر تیز ہو جائے کہ نور علی نور کا مصداق بن جائے اور حدیث میں آیا

ہے۔ استفت قلبك وان افتاك المفتون یعنی جب تجھے کوئی بات پیش آئے تو اپنے دل سے فتویٰ لے لے اگرچہ مفتی فتویٰ دیا کریں سو یہ حکم ان لوگوں کے لئے ہے جن کا قلب آئینہ کی طرح صاف اور شفاف ہو اور نفسانی ظلمتوں اور کدورتوں سے پاک ہو۔ تو ایسوں کے لئے جائز ہے کہ اپنے قلب سلیم سے استفتا کر لیا کریں، باقی جو چراغ دل، مشرقی یا مغربی شہوانی درختوں کے کشید کردہ تیل سے جل رہا ہو اس سے استفتا جائز نہیں۔

غرض یہ کہ نور ہدایت جو مومن قانت کو عطا ہوتا ہے وہ اللہ کی خاص رحمت اور خاص عنایت ہے، اللہ جس کو چاہتا ہے اس کو اپنے اس خاص نور کی راہ دکھاتا ہے جو اسے منزل مقصود تک پہنچا دیتا ہے یہ نور محض اس کا فضل اور احسان ہے جس کو چاہے اپنے فضل سے نواز دے اس نور کی ابتدا بھی اسی کی طرف سے ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ ﴿اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ اور اس نور کی انتہاء اور تکمیل بھی اسی کی مشیت پر ہے جیسا کہ اسی آیت میں فرمایا ﴿يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ﴾ اس آیت میں نور ہدایت سے نور توفیق مراد ہے جو ان لوگوں کو عطا ہوتا ہے۔ جن پر اللہ کی خاص نظر عنایت ہوتی ہے۔

اور اللہ تعالیٰ لوگوں کی ہدایت کے لئے یہ مثالیں بیان کرتا ہے تا کہ ان پر حق اور باطل کا فرق واضح ہو جائے اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے کہ کون اس نور کے لائق ہے اور کون نہیں۔ جو دینے والا ہے وہ جاننے والا بھی ہے، اللہ تعالیٰ کو تمام کائنات کا ان کے وجود سے پہلے علم تام اور علم محیط تھا۔ اس آیت میں ہدایت عامہ کا بیان ہے جس میں تمام لوگ شریک ہیں جیسا کہ لفظ للناس عموم پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ ضرب امثال پر جو ہدایت مرتب ہوتی ہے وہ ہدایت عامہ ہے اور گزشتہ آیات یعنی ﴿يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ﴾ میں ہدایت خاصہ کا بیان تھا کیونکہ وہاں لفظ ﴿مَنْ يَّشَاۗءُ﴾ موجود تھا جو خصوص پر دلالت کرتا ہے۔

بہر حال جمہور علما کے نزدیک اس آیت میں نور مومن کی مثال ذکر کی گئی ہے کہ اس کے آئینہ دل میں ہدایت اور معرفت کا ایک چراغ روشن ہے۔ اور بعض علما یہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں آنحضرت ﷺ کے نور کی مثال ذکر کی گئی ہے کہ مشکوٰۃ سے حضور ﷺ کا سینہ مبارک مراد ہے اور زجاجہ سے آپ ﷺ کا قلب منور مراد ہے جو نور الٰہی سے روشن اور منور ہے۔ جس کا اصل مادہ ملت ابراہیمیہ حنیفیہ ہے اور شجرہ مبارکہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام مراد ہیں جو شجرۃ الانبیا کے لقب سے معروف ہیں۔ یہ تفسیر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے (دیکھو تفسیر قرطبی: ۱۲/ ۲۶۳)

اور پہلی تفسیر عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول تھی، اب آگے یہ بتلاتے ہیں کہ وہ اہل ہدایت کون لوگ ہیں اور وہ نور ہدایت یعنی کہ وہ روشنی کہاں ملتی ہے۔ سو بتلاتے ہیں کہ وہ روشنی مسجدوں اور خانقاہوں میں ملتی ہے۔ جہاں صبح وشام اللہ کا ذکر ہوتا ہے اور ان لوگوں کو ملتی ہے جو صبح وشام اللہ کے ذکر میں اور اس کی تسبیح میں لگے رہتے ہیں اور ان رجال آخرت کی صحبت اور ہم نشینی میں ملتی ہے کہ جو بظاہر دنیوی تجارت میں لگے ہوئے ہیں اور در پردہ اور بباطن آخرت کی تجارت میں غرق اور سرگرداں ہیں۔ یہ لوگ اہل ہدایت ہیں جن کے دل نور ہدایت سے منور ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اے لوگو! ہم نے تمہارے سمجھانے کے لئے یہ مثال بیان کر دی پس اگر تم نور ہدایت کو حاصل کرنا چاہتے ہو تو وہ نور ایسے گھروں میں ملے گا جن کے ادب اور احترام اور بلند کرنے کا اور ان کی تعظیم کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ اور اس بات کا حکم دیا ہے کہ ان گھروں میں اللہ کا نام لیا جائے

اس میں تسبیح وتہلیل اور تلاوت قرآن اور دیگر اذکار سب داخل ہیں ان گھروں سے مسجدیں اور خانقاہیں مراد ہیں جن میں دن رات اللہ کا نام لیا جائے ہدایت کے چراغ تم کو مسجدوں میں ملیں گے۔ وہاں جاؤ۔

اوران گھروں میں صبح وشام اللہ کی تسبیح پڑھتے ہیں ایسے مردان ہمت جن کی صفت یہ ہے کہ کوئی دنیاوی تجارت اور کوئی خرید وفروخت ان کو اللہ کی یاد سے اور نماز کے قائم کرنے سے اور زکوۃ دینے سے غافل نہیں کرتی یعنی یہ لوگ اگر چہ بظاہر دنیوی تجارت میں مشغول ہیں لیکن درحقیقت یہ لوگ ایسے باہمت اور مردان شجاعت ہیں کہ اصل مقصود ان کا آخرت کی تجارت ہے دنیا کی تجارت ان کو آخرت سے غافل نہیں ہونے دیتی ان کا اصل مقصود دین ہے اور دنیا اس کی تابع ہے اگر دنیا مقصود ہوتی تو اس طرح فرماتے لا یلھیھم ذکر اللہ عن التجارۃ یعنی اللہ کا ذکر ان کو تجارت سے غافل نہیں کرتا جس سے صاف ظاہر ہے کہ اصل مقصود دین ہے۔

نکتہ:...... اللہ تعالیٰ نے ہر عمل کرنے والے کو مرد نہیں کہا بلکہ ایسے لوگوں کو مرد کہا کہ جو دنیا کی تجارت میں پڑ کر آخرت سے غافل نہ ہوں۔ اشارہ اس طرف ہے کہ جو ایسا نہ ہو وہ مرد نہیں۔

از دروں شو آشنا وز بروں بیگانہ باش ایں چنیں زیبا روش کم می بود اندر جہاں

اوران رجال آخرت اور مردان ہمت کی ایک صفت یہ ہے کہ یہ مردان ہمت اس دن سے ڈرتے ہیں کہ اس میں دل اور آنکھیں الٹ پلٹ ہو جائیں گی، اس دن حیران اور پریشان ہوں گے کہ دیکھئے آج کیا ہو جائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ باوجود عبادت کے پھر خوف ہے۔ عجب اور خود پسندی نہیں وہ اپنے اعمال کو ہیچ سمجھتے ہیں جیسا کہ یہی مضمون دوسری آیت میں ہے۔ ﴿وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ﴾ غرض یہ کہ ان رجال آخرت پر آخرت کا خوف غالب ہے اس لئے یہ مردان خدا لہو ولعب میں نہیں پڑتے۔ بلکہ ہمہ تن آخرت کی طرف متوجہ رہتے ہیں تاکہ اللہ ان کو ان کے اعمال کا بہترین بدلہ عطا فرمائے۔ اور اپنے فضل سے ان کو زیادہ بھی دے، یعنی وعدہ کے علاوہ بلا استحقاق اپنے فضل سے زیادہ عطا فرمائے گا جس کا ان کو وہم وگمان بھی نہ ہو یا زیادتی فضل سے دیدار خداوندی مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جزاء اعمال کے علاوہ مزید اپنے دیدار پر انوار سے مشرف فرمائے۔ کما قال تعالیٰ ﴿لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ﴾۔ اس آیت میں "زیادت" سے دیدار خداوندی مراد ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے اور اللہ جس کو چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے، اس کے جود وکرم کی کوئی حد نہیں وہ مالک مطلق ہے اسے کوئی روکنے والا نہیں جس کو جو چاہے اور جتنا چاہے۔ دے۔ وہ اس کا فضل ہے ذاتی استحقاق کسی کا نہیں۔

فائدہ:...... اس آیت سے معلوم ہوا کہ عبادت اور تجارت دونوں ایک ساتھ جمع ہو سکتی ہیں اور دین۔ دنیا کے منافی نہیں لہٰذا جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ دین کا کام کرنے سے آدمی دنیا سے جاتا رہتا ہے۔ بالکل غلط ہے اللہ اور اس کے رسول نے تجارت اور زراعت اور صنعت وحرفت کو فرض قرار دیا جس پر دنیا کا دارومدار ہے جیسا کہ حدیث میں ہے۔ کسب الحلال فریضۃ یعنی کسب حلال فرض ہے البتہ دنیا کی محبت ممنوع ہے جیسا کہ حدیث میں ہے۔ حب الدنیا راس کل خطیئۃ دنیا کی محبت تمام برائیوں کی جڑ ہے شریعت نے حلال طریقہ سے ضروریات معاش کی تحصیل کو فرض قرار دیا ہے البتہ اس کے

احکام بتلائے ہیں اور عقلاً یہ درست ہے دنیا کی کون سی حکومت ہے جس میں تجارت اور زراعت وغیرہ کے متعلق احکام موجود نہ ہوں اور یہ احکام دنیا کی متمدن اور مہذب حکومتوں کے احکام سے ہزار درجہ بڑھ کر آسان ہیں۔ لہٰذا یہ کہنا کہ علماء شریعت، کسب دنیا سے منع کرتے ہیں بالکل غلط ہے، قرآن اور حدیث میں اور کتب فقہ میں ضروریات معاش کی تحصیل کو فرض قرار دیا ہے اور اس کے احکام بتلائے ہیں اور بے کاری کو ناجائز قرار دیا ہے کیونکہ افلاس بعض دفعہ کفر تک پہنچا دیتا ہے۔ حدیث میں ہے۔ کاد الفقر ان یکون کفرا قریب ہے کہ تنگدستی کفر تک پہنچا دے۔

شریعت نے کہیں یہ نہیں کہا کہ تم دنیا کو بالکل چھوڑ دو اور حقوق کو معطل کر کے بیٹھ رہو بلکہ شریعت یہ کہتی ہے کہ حلال طریقہ سے دنیا کماؤ اور اس کے حقوق ادا کرو اور کسی حالت میں قانون شریعت کے دائرہ سے باہر نہ نکلو۔ دنیا کی وہ کون سی متمدن حکومت ہے کہ جہاں کے باشندے تجارت اور زراعت اور صنعت وحرفت میں قانون حکومت سے آزاد ہوں۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۢ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءَهٗ لَمْ

اور جو لوگ منکر ہیں ان کے کام جیسے ریت جنگل میں پیاسا جانے اس کو پانی یہاں تک کہ جب پہنچا اس پر

اور جو لوگ منکر ہیں، ان کے کام جیسے ریت جنگل میں، پیاسا جانے اس کو پانی، یہاں تک کہ جب پہنچا اس پر

يَجِدْهُ شَيْـــــًٔا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ؀ اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ

اس کو کچھ نہ پایا اور اللہ کو پایا اپنے پاس پھر اس کو پورا پہنچا دیا اس کا لکھا، اور اللہ جلد لینے والا ہے حساب ف۱ یا جیسے اندھیرے

اس کو کچھ نہ پایا، اور اللہ کو پایا اپنے پاس، پھر اس کو پورا پہنچا دیا اس کا لکھا۔ اور اللہ جلد لینے والا ہے حساب۔ یا جیسے اندھیرے

بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰـىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ۭ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ

گہرے دریا میں چڑھی آتی ہے اس پر ایک لہر اس پر ایک اور لہر اس کے اوپر بادل اندھیرے ہیں ایک پر

گہرے دریا میں، چڑھی آتی ہے اس پر ایک لہر، اس پر ایک لہر، اس کے اوپر ایک بدلی۔ اندھیرے ہیں ایک پر

بَعْضٍ ۭ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ۭ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ؀

ایک ف۲ جب نکالے اپنا ہاتھ لگتا نہیں کہ اس کو وہ سوجھے ف۳ اور جس کو اللہ نے نہ دی روشنی اس کے واسطے کہیں نہیں روشنی ف۴

ایک۔ جب نکالے اپنا ہاتھ لگتا نہیں کہ اس کو سوجھے۔ اور جس کو اللہ نے نہ دی روشنی اس کو کہیں نہیں روشنی۔

ف۱ کافر دو قسم کے ہیں ایک وہ جو اپنے زعم اور عقیدہ کے موافق کچھ اچھے کام کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ مرنے کے بعد کام آئیں گے۔ حالانکہ اگر کوئی کام بظاہر اچھا بھی ہو تو کفر کی شامت سے وہ عند اللہ مقبول ومعتبر نہیں۔ ان فریب خوردہ کافروں کی مثال ایسی سمجھو کہ دوپہر کے وقت جنگل میں ایک پیاسے کو دور سے پانی دکھائی دیا اور وہ حقیقت میں چمکتی ہوئی ریت تھی۔ پیاسا شدت تشنگی سے بیتاب ہو کر وہاں پہنچا، دیکھا تو پانی وانی کچھ نہ تھا، ہاں ہلاکت کی گھڑی سامنے تھی اور اللہ تعالیٰ عمر بھر کا حساب لینے کے لیے موجود تھا، چنانچہ اسی اضطراب وحسرت کے وقت اللہ نے اس کا سب حساب ایک دم میں چکا دیا۔ کیونکہ وہاں حساب کرتے کیا دیر لگتی ہے۔ ہاتھوں ہاتھ عمر بھر کی شرارتوں اور غفلتوں کا بھگتان کر دیا گیا۔ دوسرے وہ ہیں جو سر سے پاؤں تک دنیا کے مزوں میں غرق اور جہل وکفر، ظلم وعصیان کی اندھیروں میں پڑے غوطے کھا رہے ہیں ان کی مثال آگے بیان فرمائی۔ ان کے پاس روشنی کی اتنی بھی چمک نہیں جتنی سراب پر دھوکہ کھانے والے کو نظر آتی تھی۔ یہ لوگ خالص اندھیروں اور تہ بر تہ ظلمات میں بند ہیں کسی طرف سے روشنی کی شعاع اپنے تک نہیں پہنچنے دیتے۔ نعوذ باللہ منہا۔=

اعمال کفار کی دو مثالیں

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ... الی... فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ﴾

ربط:...... گزشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے نور ہدایت کی مثال بیان فرمائی اور اس کو نور علیٰ نور فرمایا۔ اب آئندہ آیات میں کافروں کے مظالم اور تاریک اعمال کی دو مثالیں بیان فرماتے ہیں جو ظلمات پر ظلمات اور اندھیرے پر اندھیرا ہیں۔ کافر دو قسم کے ہیں ایک قسم تو وہ ہیں کہ جو معاد کے قائل ہیں اور اپنے زعم کے مطابق کچھ اچھے کام کرتے ہیں اور یہ گمان کرتے ہیں کہ مرنے کے بعد یہ اعمال ہمارے کام آئیں گے اور دوسری قسم کافروں کی وہ ہے کہ جو معاد اور جزا اور سزا کے منکر ہیں اور دنیاوی لذات وشہوات میں غرق ہیں ان آیات میں ان دو قسموں کے کافروں کے اعمال کی دو مثالیں ذکر کرتے ہیں۔ جیسا کہ سورۂ بقرہ کے شروع میں منافقوں کے اعمال کی دو مثالیں ذکر فرمائیں ایک ناری اور ایک آبی جیسا کہ سورۂ رعد میں بھی دو مثالیں ذکر فرمائیں ایک آبی اور ایک آتشی۔ اسی طرح یہاں بھی دو مثالیں ذکر فرماتے ہیں۔

مثال اول:...... اور پہلی قسم کے کافروں کے اعمال کی مثال ایسی ہے جیسے چٹیل میدان میں ایک چمکتا ہوا ریت کہ پیاسا آدمی اس کو دور سے پانی گمان کرتا ہے اور اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ پیاسا اسے پانی سمجھ کر وہاں پہنچتا ہے تو اپنے گمان اور تصور کی کوئی چیز نہیں پاتا اور بجائے پانی کے اپنے پاس اللہ کے قہر اور غضب کو پاتا ہے پھر اللہ اس کے حساب کو پورا کر دیتا ہے اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔ اسے حساب لینے میں کوئی دیر نہیں لگتی اسے کیا مشکل ہے۔ یہ مثال ان کافروں کے اعمال کی ہے جنھوں نے دنیا میں کچھ صدقہ اور خیرات کیا اور کچھ نیک کام کیے اور ان کو ذریعۂ آخرت خیال کیا کہ ہم نے کچھ نیکی حاصل کی اور ہمیں اس کا ثواب ملے گا۔ تو یہ کافر دنیا میں اپنے اعمال کو پانی کی طرح سمجھتا رہا کہ وقت پر میرے کام آئیں گے حالانکہ وہ کفر اور شرک کی نحوست کی وجہ سے حقیقت میں پانی نہ تھے بلکہ ظاہری طور پر صورۃً وہ پانی کے مشابہ تھے اور درحقیقت وہ سراب تھے چمکتے ہوئے ریت کے مشابہ تھے۔ جب تشنگی سے بیتاب ہو کر وہاں پہنچا تو کچھ نہ پایا اور اس وقت تو حقیقت کھلی اور امید پر پانی پھر گیا اور بصد ہزار حسرت وغم پیاسا مر گیا۔ اس کو امید تھی کہ اللہ میرے ان اعمال سے راضی ہوگا، جب مر کر خدا کے پاس پہنچا تو بجائے آب حیات کے اسے آتش غضب الٰہی نظر آئی اور عمر بھر کی بد اعمالیوں کا حساب کر دیا گیا اور ہمیشہ کے لئے عذاب میں مبتلا ہوا اور تباہ وبرباد ہوا۔

دوسری مثال:...... یا کافروں کے اعمال کی مثال مثل بڑے گہرے سمندر کی تاریکیوں کی طرح ہے جس پر موج سوار ہے اور موج کے اوپر ایک اور موج ہے اور پھر اس کے اوپر ایک بادل کہ جو ستاروں کی روشنی کو بھی چھپائے ہوئے ہے یہ

= ف۲ یعنی سمندر کی تہ میں خود دریا کا اندھیرا، اس پر طوفانی لہریں جو ایک پر ایک چڑھی آتی ہیں۔ پھر سب کے اوپر گھنا بادل کا اندھیرا، اور رات کا وقت فرض کیا جائے تو ان اندھیریوں میں اور اضافہ ہو جائے گا۔

ف۳ یعنی اپنا ہاتھ اٹھا کر آنکھوں سے قریب کر کے دیکھے تو اندھیرے کی وجہ سے نظر نہ آئے جس کو ہمارے یہاں کہتے ہیں کہ ہاتھ کو ہاتھ نہیں پہنچانتا۔

ف۴ اوپر مومنین کے ذکر میں جو ﴿يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ﴾ فرمایا تھا، یہ جملہ اس کے مقابل ہوا یعنی جس کو خدا تعالیٰ نور توفیق نہ دے اسے اور کون روشنی پہنچا سکتا ہے۔ ان کی استعداد خراب تھی توفیق نہ ملی۔ اور دریا کی تہ میں گر کر انہوں نے سب دروازے روشنی کے اپنے اوپر بند کر لیے۔ پھر نور آئے تو کدھر سے آئے۔

تاریکیاں ہیں ایک دوسرے پر تہہ بہ تہہ ہیں۔ اندھیری پر اندھیری ہے غرض یہ کہ غایت درجہ کی اندھیری ہے، جب وہ اپنے ہاتھ کو باہر نکال کر دیکھنا چاہتا ہے جو سب اعضا میں اس کے قریب ہے اور قریب سے دکھائی دیتا ہے تو تاریکیوں کی شدت کی وجہ سے اپنے ہاتھ کو بھی نہیں دیکھ سکتا، پس جب وہ اپنے ہاتھ کو نہیں دیکھ سکتا جو آنکھ کے بالکل قریب ہے تو اور چیزوں کو بدرجہ اولیٰ نہیں دیکھ سکے گا یہ دوسری تمثیل ان کافروں کے اعمال کی ہے جو دن رات نفسانی شہوتوں اور دنیاوی لذتوں میں غرق ہیں اور برے اعمال کی تاریکیوں اور اندھیروں میں چھپے ہوئے ہیں کہ ان سے نکلنا ممکن نہیں۔ کفر اور جہالت کے تاریک اور عمیق سمندر میں غرق ہیں جہاں روشنی کا کوئی نام ونشان نہیں ہر طرف تاریکی ہی تاریکی ہے۔ اعتقاد بھی تاریک اور قول بھی تاریک اور عمل بھی تاریک ان لوگوں کے پاس روشنی کی اتنی بھی چمک نہیں جتنی کہ سراب کو دیکھ کر نظر آتی ہے یہ لوگ تو ہر طرف سے ہی تاریکیوں میں گھرے ہوئے ہیں روشنی کا کہیں نام ونشان بھی نہیں۔ اور جسے اللہ روشنی نہ دے تو اس کے لئے کہیں روشنی نہیں۔ روشنی تو دین اسلام میں ہے کفر میں کہاں سے روشنی آئی۔ کافروں کی مثال کے اخیر میں یہ جملہ ایسا ہے جیسے مومنین کی مثال کے اخیر میں یہ ارشاد فرمایا تھا۔ ﴿يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَاءُ﴾ یہاں اس کے مقابل یہ فرمایا۔ ﴿وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ﴾ مومن کی حالت تو روشن ہے اور نور پر نور ہے اور کافر کی حالت ظلمتیں یعنی اندھیریاں ہیں اور اندھیریوں پر اندھیریاں ہیں حاصل کلام یہ کہ کافروں کے اعمال اگر بظاہر نیک ہوں تو مثل سراب کے ہیں اور اگر بد ہوں تو مثل ظلمات کے ہیں۔

لطائف الاشارات

جاننا چاہئے کہ ابتدا آیت میں نور ہدایت اور نور توفیق کا ذکر کیا بعد ازاں یہ بتلایا کہ وہ نور ہدایت اتباع شریعت اور التزام مساجد میں منحصر ہے اور ﴿فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ﴾ سے یہی مساجد مراد ہیں کہ جن کی تعظیم واجب ہے، بعد ازاں یہ بتلایا کہ نور ہدایت کے لئے دوام ذکر اور دوام تسبیح اور رجال آخرت کی صحبت ضروری ہے ﴿يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ﴾ دوام ذکر اور دوام تسبیح کی طرف اشارہ ہے اور ﴿رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ﴾ الخ سے رجال آخرت کی صحبت کی طرف اشارہ ہے۔ کما قال تعالیٰ ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ بعد ازاں ﴿لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا﴾ سے تاجران آخرت کی طرف اشارہ ہے اور ﴿وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ﴾ سے محبین اور مخلصین اور اولیاء عاشقین کی طرف اشارہ ہے۔

بعد ازاں ان لوگوں کا ذکر فرمایا جو نور ہدایت اور نور توفیق سے محروم رہے۔ ﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ﴾ الخ سے انہی لوگوں کا ذکر ہے جن کو نور ہدایت میں سے کوئی حصہ نہیں ملا۔

بعض ازاں کافروں کے اعمال کی دو مثالیں بیان کیں اس لئے کہ کافروں کے اعمال دو قسم کے ہیں ایک وہ ہیں جو بظاہر مستحسن اور پسندیدہ ہیں جیسے صدقہ اور صلہ رحمی اور خیرات اور عدل وانصاف اور ظلم اور ایذا رسانی سے پرہیز۔ اس قسم کے اعمال بظاہر خیر اور حسن ہیں مگر ان کے قبول کے لئے ایمان شرط ہے اس لئے ایسے اعمال کو سراب سے تشبیہ دی ہے کہ دور سے

تشنہ اور پیاسا اس سے امید وابستہ کرتا ہے اور جب اس کے پاس پہنچتا ہے تو سوائے حسرت کے کچھ نہیں ملتا۔

اور دوسری قسم اعمال کی وہ ہے کہ جو ظاہر میں بھی قبیح ہیں جیسے بت پرستی اور ظلم وغیرہ وغیرہ اس قسم کے اعمال کو ظلمات سے تشبیہ دی گئی۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ

کیا تو نے نہ دیکھا کہ اللہ کی یاد کرتے ہیں جو کوئی ہیں آسمان و زمین میں اور اڑتے جانور پر کھولے ہوئے ف۱ ہر ایک نے جان رکھی ہے

تو نے نہ دیکھا، کہ اللہ کی یاد کرتے ہیں جو کوئی ہیں آسمان و زمین میں، اور اڑتے جانور پر کھولے؟ ہر ایک نے جان رکھی

صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۞ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ

اپنی طرح کی بندگی اور یاد ف۲ اور اللہ کو معلوم ہے جو کچھ کرتے ہیں ف۳ اور اللہ کی حکومت ہے آسمان اور زمین میں

اپنی طرح کی بندگی اور یاد۔ اور اللہ کو معلوم ہے جو کرتے ہیں۔ اور اللہ کی حکومت ہے آسمان و زمین میں،

وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ۞ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا

اور اللہ ہی تک پھر جانا ہے ف۴ تو نے نہ دیکھا کہ اللہ ہانک لاتا ہے بادل کو پھر ان کو ملا دیتا ہے پھر ان کو رکھتا ہے تہہ بر تہہ

اور اللہ ہی تک پھر جانا ہے۔ تو نے نہ دیکھا کہ اللہ ہانک لاتا ہے بادل، پھر ان کو ملاتا ہے، پھر ان کو رکھتا ہے تہہ بہ تہہ

فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْۢ بَرَدٍ

پھر تو دیکھے مینہ نکلتا ہے اس کے بیچ سے ف۵ اور اتارتا ہے آسمان سے اس میں جو پہاڑ ہیں اولوں کے

پھر تو دیکھے مینہ نکلتا ہے اس کے بیچ سے، اور اتارتا ہے آسمان سے اس میں جو پہاڑ ہیں اولوں کے،

فَيُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَيَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ ؕ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ۞

پھر وہ ڈالتا ہے جس پر چاہے اور بچا دیتا ہے جس سے چاہے ف۶ ابھی اس کی بجلی کی کوند لے جائے آنکھوں کو ف۷

پھر وہ ڈالتا ہے جس پر چاہے اور بچا دیتا ہے جس سے چاہے۔ ابھی اس کی بجلی کی کوند لے جاوے آنکھیں۔

ف۱ شاید اڑتے جانوروں کا علیحدہ ذکر اس لیے کیا کہ وہ اس وقت آسمان اور زمین کے بیچ میں معلق ہوتے ہیں۔ اور ان کا اس طرح ہوا میں اڑتے رہنا قدرت کی بڑی نشانی ہے۔

ف۲ یعنی حق تعالیٰ نے ہر ایک چیز کو اس کے حال کے مناسب جو طریقہ انابت و بندگی اور تسبیح خوانی کا الہام فرمایا اس کو سمجھ کر وہ اپنا وظیفہ ادا کرتی رہتی ہے۔ لیکن افسوس و تعجب کا مقام ہے کہ بہت سے انسان کہلانے والے غرور و غفلت اور ظلمت جہالت میں پھنس کر مالک حقیقی کی یاد اور ادائے وظیفہ عبودیت سے بے بہرہ ہیں۔

(تنبیہ) مخلوقات کی تسبیح کے متعلق پندرھویں پارہ میں ربع کے قریب کچھ مضمون گزر چکا۔ وہاں دیکھ لیا جائے۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو تسبیح کی وصیت کی اور فرمایا۔ "وانّھا لِصَلٰوۃُ الْخَلْقِ" (یہی باقی مخلوق کی نماز ہے)

ف۳ یعنی ان کی بندگی اور تسبیح کو خواہ تم نہ سمجھو، لیکن حق تعالیٰ کو سب معلوم ہے کہ کون کیا کرتا ہے۔

ف۴ یعنی جیسے اس کا علم سب کو محیط ہے، اس کی حکومت بھی تمام علویات و سفلیات پر حاوی ہے اور سب کو آخر کار اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔ آگے اپنے حاکمانہ اور قادرانہ تصرفات کو بیان فرماتے ہیں۔ =

يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ۝۴۴ وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَاۗبَّةٍ

اللہ بدلتا ہے رات اور دن کو ف۱ اس میں دھیان کرنے کی جگہ ہے آنکھ والوں کو ف۲ اور اللہ نے بنایا ہر پھرنے والے کو

اللہ بدلتا ہے رات اور دن۔ اس میں دھیان کی جگہ ہے آنکھ والوں کو۔ اور اللہ نے بنایا ہر پھرنے والا

مِّنْ مَّاۗءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰي بَطْنِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰي رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ

ایک پانی سے ف۳ پھر کوئی ہے کہ چلتا ہے اپنے پیٹ پر ف۴ اور کوئی ہے کہ چلتا ہے دو پاؤں پر ف۵ اور کوئی ہے کہ

ایک پانی سے۔ پھر کوئی ہے کہ چلتا ہے اپنے پیٹ پر، اور کوئی ہے کہ چلتا ہے دو پاؤں پر، اور کوئی ہے کہ

مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓي اَرْبَعٍ ۭ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۴۵ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ

چلتا ہے چار پر ف۶ بناتا ہے اللہ جو چاہتا ہے بیشک اللہ ہر چیز کرسکتا ہے ف۷ ہم نے اتاریں

چلتا ہے چار پر۔ بناتا ہے اللہ جو چاہتا ہے۔ بیشک اللہ ہر چیز کرسکتا ہے۔ ہم نے اتار دیں

اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ۭ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝۴۶

آیتیں کھول کھول کر بتلانے والی اور اللہ چلائے جس کو چاہے سیدھی راہ پر ف۸

آیتیں کھول بتانے والی۔ اور اللہ لاوے جس کو چاہے سیدھی راہ پر۔

= ف۵ یعنی ابتداء میں بادل کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے اٹھتے ہیں پھر مل کر بڑا بادل بن جاتا ہے۔ پھر بادلوں کی تہہ پر تہہ جمادی جاتی ہے۔

ف۶ یعنی جیسے زمین میں پتھروں کے پہاڑ ہیں، بعض سلف نے کہا کہ اسی طرح آسمان میں اولوں کے پہاڑ ہیں۔ مترجم رحمہ اللہ نے اسی کے موافق ترجمہ کیا ہے۔ لیکن زیادہ راجح اور قوی یہ ہے کہ "سماء" سے بادل مراد ہو۔ مطلب یہ ہے کہ بادلوں سے جو کثیف اور بھاری ہونے میں پہاڑوں کی طرح ہیں، اولے برساتا ہے جس سے بہتوں کو جانی یا مالی نقصان پہنچ جاتا ہے اور بہت سے محفوظ رکھے جاتے ہیں۔ مشہور ہے کہ اولے کی چھال بیل کے ایک سینگ پر پڑتی ہے اور دوسرا سینگ خشک رہ جاتا ہے۔

ف۷ یعنی بجلی کی چمک اس قدر تیز ہوتی ہے کہ آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں، قریب ہے کہ بینائی جاتی رہے۔

ف۱ یعنی دن کے بعد رات اور رات کے بعد دن اسی کی قدرت سے آتا ہے۔ وہ ہی کبھی رات کو کبھی دن کو گھٹاتا بڑھاتا رہتا ہے، اور ان کی گرمی کو سردی سے، سردی کو گرمی سے تبدیل کرتا ہے۔

ف۲ یعنی چاہیے کہ قدرت کے ایسے عظیم الشان نشانات دیکھ کر آدمی بصیرت و عبرت حاصل کرے اور اس شہنشاہِ حقیقی کی طرف سچے دل سے رجوع ہو جس کے قبضہ میں ان تمام تصرفات و تقلبات کی باگ ہے۔

ف۳ اس کے لیے سترھویں پارہ کے تیسرے رکوع میں آیت ﴿وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاۗءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ﴾ کا فائدہ دیکھنا چاہیے۔

ف۴ جیسے سانپ اور مچھلی۔

ف۵ جیسے آدمی اور طیور۔

ف۶ جیسے گائے بھینس وغیرہ۔

ف۷ یعنی کسی جانور کو چار سے زائد پاؤں دیے ہوں تو بعید نہیں۔ اس کی لامحدود قدرت و مشیت کو کوئی محصور نہیں کرسکتا۔

ف۸ یعنی آیات تکوینیہ و تنزیلیہ تو اس قدر واضح ہیں کہ انھیں دیکھ کر اور سن کر چاہیئے کوئی آدمی نہ بہکے لیکن سیدھی راہ پر چلتا وہی ہے جسے خدا تعالیٰ نے ہدایت کی توفیق دی ہو۔ لاکھوں آدمی یہ کھلی کھلی نشانیاں دیکھتے ہیں پر توجہ کے اعتبار سے ان کا دیکھنا نہ دیکھنا برابر ہے۔

ذکر تسبیح کائنات عالم

قال اللہ تعالیٰ: ﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ... الی... يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾

ربط:...... اوپر کی آیتوں میں رجال آخرت اور مردان ہمت کی تسبیح اور نماز کا ذکر تھا۔ اب ان آیات میں تمام مخلوقات کی تسبیح اور نماز اور نیاز کا ذکر کرتے ہیں کہ تمام مخلوق اللہ کی پاکی بیان کرتی ہے، مگر یہ لوگ جہالت کے مظلم اور تاریک سمندر کی گہرائیوں میں غرق ہیں اور خدا کی تسبیح اور نماز و نیاز سے غافل ہیں۔ اور سراب کو آب سمجھے ہوئے ہیں۔

ربط دیگر:...... کہ گزشتہ آیات میں قلوب مومنین کے انوار کا اور قلوب کفار کی ظلمات کا بیان تھا۔ اب آئندہ آیات میں دلائل توحید کو بیان کرتے ہیں جو اہل بصیرت کے لئے انوار ہدایت ہیں اس ذیل میں اللہ تعالیٰ نے تین قسم کے دلائل بیان فرمائے جن سے خدا تک پہنچنے کا راستہ نظر آئے پس اے لوگو اگر ظلمتوں اور اندھیریوں سے نکل کر نور میں داخل ہونا چاہتے ہو تو خدا تعالیٰ کے دلائل قدرت وعظمت میں غور کرو۔

قسم اول

﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ... الی... وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ﴾

اے مخاطب کیا تو نے یہ نہیں دیکھا کہ جو کوئی آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے اور سب پرندے درآنحالیکہ وہ ہوا میں اپنے پروں کو پھیلائے ہوئے اڑتے ہیں۔ سب اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں۔ ہر ایک نے اپنی نماز کو اور تسبیح کو جان رکھا ہے جو اس کے لائق ہے خدا تعالیٰ نے جس کو جو طریقہ الہام کیا اسی کے موافق وہ اللہ کی تسبیح کرتا ہے اور اللہ کو معلوم ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں، کوئی فعل اور کوئی ذرہ اس پر پوشیدہ نہیں غرض یہ کہ تمام کائنات اپنے اپنے حال کے لائق اور موافق اللہ کی تسبیح کرتے ہیں اگرچہ ہم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔ کما قال تعالی ﴿وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ﴾ اور اللہ ہی کے لئے ہے سلطنت آسمانوں اور زمین کی اس کے سوا اور کوئی ذرہ بھر چیز کا بھی مالک نہیں اور اللہ ہی کی طرف سب کا رجوع ہے، یعنی ایک دن سب کو فناء ہے اور سب کو اسی کی طرف لوٹنا ہے۔

قسم دوم

﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا... الی... لِّاُولِي الْاَبْصَارِ﴾

اے انسان کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ بادل کو ہنکاتا ہے اور ابتدا میں اس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہوتے ہیں۔ پھر اللہ ان ٹکڑوں کو باہم ملا دیتا ہے یعنی ان کے متفرق ٹکڑوں کو جوڑ دیتا ہے پھر اس کو تہہ بہ تہہ گاڑھا بادل بنا دیتا ہے پھر تو دیکھتا ہے کہ بارش اس بادل کے بیچ میں سے نکلتی ہے اور زمین پر گرتی ہے اور اس کو سیراب کرتی ہے۔ اور آسمان میں یا بادل میں جو اولے کے بڑے بڑے پہاڑ ہیں، اللہ تعالیٰ ان سے اولے برساتا ہے آسمان میں اولوں کے اتنے بڑے بڑے ٹکڑے ہیں جو پہاڑوں جیسے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے آسمان سے یا ابر سے پانی یا اولے برساتا ہے پھر جس پر

چاہتا ہے وہ بارش یا اولا گراتا ہے اور جس سے چاہتا ہے اس سے روک لیتا ہے قریب ہے کہ اس کی بجلی کی چمک نگاہوں کو اچک لے جائے یعنی وہ بجلی اس قدر تیز ہے کہ قریب ہے کہ بینائی جاتی رہے، اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے رات اور دن کو پھیرتا ہے اور بدلتا رہتا ہے۔ رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات آتی ہے، کبھی دن چھوٹا اور کبھی رات چھوٹی یہ سب اس کی قدرت کے کرشمے ہیں بیشک ان باتوں میں اہل بصیرت کے لئے عبرت ہے، ان سب امور سے خدا تعالیٰ کی قدرت اور وحدانیت ظاہر ہوتی ہے۔

قسم سوم

اور اللہ نے ہر جاندار کو پانی سے پیدا کیا، ہر حیوان کا اصل مادہ اور جوہر پانی ہے سو ان میں سے بعض تو وہ ہیں جو اپنے پیٹ پر چلتے ہیں جیسے سانپ اور مچھلی وغیرہ اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو دو پاؤں پر چلتے ہیں، جیسے آدمی اور بہت سے پرندے جبکہ ہوا میں نہ ہوں اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو چار پاؤں پر چلتے ہیں۔ بہائم اور درندے اونٹ گائے بکری وغیرہ۔ اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اس کی قدرت کے اعتبار سے سب برابر ہیں کسی کے لئے پیٹ کو چلنے کا ذریعہ بنایا اور کسی کے لئے دو پیر اور کسی کے لئے چار بنائے۔ تاکہ لوگ اللہ کی قدرت کے کرشموں کو دیکھیں اور سمجھیں اور ہم نے اپنی قدرت کے واضح دلائل بیان کر دیئے تاکہ لوگ ان کو دیکھ کر راہ حق پر آجائیں لیکن ہدایت کی توفیق اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جس کو چاہتا ہے سیدھے راستہ پر لگاتا ہے، یہی مذہب ہے اہل سنت والجماعت کا کہ ہدایت اور توفیق سب اسی کے قبضۂ قدرت ہے۔

وَيَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَآ

اور لوگ کہتے ہیں ہم نے مانا اللہ کو اور رسول کو اور حکم میں آ گئے پھر پھر جاتا ہے ایک فرقہ ان میں سے اس کے پیچھے اور وہ

اور لوگ کہتے ہیں ہم نے مانا اللہ کو، اور رسول کو اور حکم میں آئے، پھر پھرا جاتا ہے ایک فرقہ ان میں اس پیچھے۔ اور وہ

اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ

لوگ نہیں ماننے والے ف۱ اور جب ان کو بلائیے اللہ اور رسول کی طرف کہ ان میں قضیہ چکائے تبھی ایک فرقہ کے لوگ ان میں

لوگ نہیں ماننے والے۔ اور جب ان کو بلائیے اللہ اور رسول کی طرف کہ ان میں قضیہ چکا دے، تب ہی ایک فرقہ ان میں

مُّعْرِضُوْنَ ۝ وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْٓا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ ۝ اَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ

منہ موڑتے ہیں اور اگر ان کو کچھ پہنچتا ہو تو چلے آئیں اس کی طرف قبول کر کر ف۲ کیا ان کے دلوں میں روگ ہے ف۳

منہ موڑتے ہیں۔ اور اگر ان کو کچھ پہنچتا ہو تو چلے آویں اس کی طرف قبول کر کر۔ کیا ان کے دل میں روگ ہے یا

ف۱ یہ منافقین کا ذکر ہے۔ وہ زبان سے دعوائے ایمان و اطاعت کیا کرتے تھے اور جب عمل کا وقت آتا تو پھر جاتے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے دلوں میں شروع سے ایمان و انقیاد موجود ہی نہ تھا۔ جو کچھ زبانی جمع خرچ تھا امتحان و ابتلاء کے وقت اس کی بھی قلعی کھل جاتی تھی۔

ف۲ یعنی اگر ان کا جھگڑا کسی سے ہو گیا اور سمجھتے ہوں کہ ہم ناحق پر ہیں اس وقت اگر دوسرا فریق کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چل کر اس =

اَمْ فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْٓا اَمْ يَخَافُوْنَ اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُوْلُهٗ ۭ بَلْ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۵۰ ع ۱۲

یا دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں، یا ڈرتے ہیں کہ بے انصافی کرے گا ان پر اللہ اور اس کا رسول؟ کچھ نہیں وہ ہی لوگ بے انصاف ہیں ف۱

دھوکے میں پڑے ہیں یا ڈرتے ہیں کہ بےانصافی کریگا ان پر اللہ اور رسول اس کا ؟ کوئی نہیں، وہی لوگ بےانصاف ہیں۔

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا

ایمان والوں کی بات یہی تھی کہ جب بلائیے ان کو اللہ اور رسول کی طرف فیصلہ کرنے کو ان میں تو کہیں ہم نے

ایمان والوں کی بات یہ تھی، جب بلائے ان کو اللہ اور رسول کی طرف، فیصلہ کرنے کو ان میں کہ کہیں ہم نے

سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۵۱ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ

سن لیا اور حکم مان لیا اور وہ لوگ کہ انہی کا بھلا ہے ف۲ اور جو کوئی حکم پر چلے اللہ کے اور اس کے رسول کے اور ڈرتا ہے اللہ سے

سنا اور مانا۔ اور وہ لوگ انہی کا بھلا ہے۔ اور جو کوئی حکم پر چلے اللہ کے اور اس کے رسول کے اور ڈرتا ہے اللہ سے

وَيَتَّقْهِ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ۝۵۲ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَىِٕنْ اَمَرْتَهُمْ

اور بچ کر چلے اس سے سو وہ ہی لوگ ہیں مراد کو پہنچنے والے ف۳ اور قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی اپنی تاکید کی قسمیں کہ اگر تو حکم کرے تو سب کچھ

اور بچ کر چلے اس سے، سو وہی لوگ ہیں مراد کو پہنچے۔ اور قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی اپنی تاکید کی قسمیں کہ اگر تو حکم کرے تو سب کچھ

لَيَخْرُجُنَّ ۭ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا ۚ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۵۳ قُلْ

چھوڑ کر نکل جائیں، تو کہہ قسمیں نہ کھاؤ حکم برداری چاہیے جو دستور ہے البتہ اللہ کو خبر ہے جو تم کرتے ہو ف۴ تو کہہ

چھوڑ نکلیں، تو کہہ قسمیں نہ کھاؤ۔ حکم برداری چاہیئے جو دستور ہے۔ البتہ اللہ کو خبر ہے جو کرتے ہو۔ تو کہہ

= معاملہ کو طے کرالو تو یہ منافق رضامند نہیں ہوتے، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر یقیناً بلا رو رعایت حق کے موافق فیصلہ کریں گے۔ جو ان کے مفاد کے خلاف پڑے گا۔ حالانکہ پہلے سے یہ دعویٰ کر رہے تھے کہ ہم اللہ و رسول پر ایمان لانے اور ان کا حکم ماننے کو تیار ہیں۔ اب وہ دعویٰ کہاں گیا۔ ہاں فرض کیجئے اگر کسی معاملہ میں حق ان کی جانب ہو تو اس وقت بہت جلدی سے گردن جھکا کر بارگاہ نبوت میں حاضر ہو جائیں اور فیصلہ کا انحصار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک پر کر دیں گے۔ کیونکہ سمجھتے ہیں عدالت سے ہمارے موافق فیصلہ ہوگا۔ تو یہ ایمان و اسلام کیا ہوا، محض ہوا پرستی ہوئی۔

ف۳ روگ یہ کہ خدا اور رسول کو سچ مانا لیکن حرص نہیں چھوڑتی کہ کہے پر چلیں جیسے بیمار چاہتا ہے چلے اور پاؤں نہیں اٹھتا۔

ف۱ یعنی خدا اور رسول کی بابت کوئی دھوکہ لگا ہوا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت یا اللہ کے وعدہ وعید میں کوئی شک و شبہ ہے؟ یا یہ گمان ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ان کے معاملات کا خلاف انصاف فیصلہ کریں گے؟ اس لیے ان کی عدالت میں مقدمہ لے جانے سے کتراتے ہیں۔ سو یاد رکھو وہاں تو ظلم و بے انصافی کا احتمال ہی نہیں۔ ہاں خود ان ہی لوگوں نے ظلم پر کمر باندھ رکھی ہے۔ چاہتے ہیں کہ اپنا حق پورا وصول کرلیں اور دوسروں کا ایک پیسہ نہ دیں۔ اسی لیے ان معاملات کو خدائی عدالت میں لانے سے گھبراتے ہیں جن میں سمجھتے ہیں کہ رسول کا منصفانہ فیصلہ ہمارے مطلب کے خلاف ہوگا۔ یہ تو منافقین کا ذکر تھا، آگے ان کے بالمقابل مخلصین کی اطاعت و فرمانبرداری کو بیان فرماتے ہیں۔

ف۲ یعنی سچے مسلمان کا کام یہ ہوتا ہے اور یہ ہونا چاہیے کہ جب کسی معاملہ میں ان کو خدا اور رسول کی طرف بلایا جائے خواہ اس میں بظاہر ان کا نفع ہو یا نقصان۔ ایک منٹ کا توقف نہ کریں۔ فی الفور "سمعاً وطاعۃ" کہہ کر حکم ماننے کے لیے تیار ہو جائیں۔ اسی میں ان کی اصلی بھلائی اور حقیقی فلاں کا راز مضمر ہے۔

ف۳ یعنی جو فی الحال فرمانبردار ہو، گزشتہ تقصیرات پر نادم ہو کر اور خدا سے ڈر کر توبہ کرے اور آئندہ برے راستہ سے بچ کر چلے، اسی کے لیے دنیا و آخرت کی کامیابی ہے۔ =

اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا

حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا پھر اگر تم منہ پھیرو گے تو اس کا ذمہ ہے جو بوجھ اس پر رکھا اور تمہارا ذمہ ہے جو

حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا۔ پھر اگر تم منہ پھیرو گے، تو اس کا ذمہ ہے جو بوجھ اس پر رکھا اور تمہارا ذمہ ہے جو

حُمِّلْتُمْ ؕ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ؕ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝

بوجھ تم پر رکھا اور اگر اس کا کہا مانو تو راہ پاؤ اور پیغام لانے والے کا ذمہ نہیں مگر پہنچا دینا کھول کر ف۱

بوجھ تم پر رکھا۔ اور اگر اس کا کہا مانو تو راہ پاؤ۔ اور پیغام والے کا ذمہ نہیں مگر پہنچا دینا کھول کر۔

ذکر مہتدین وغیر مہتدین یعنی مخلصین ومنافقین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَيَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ... الى ... وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ﴾

ربط:...... گزشتہ آیت میں یہ فرمایا کہ راہ حق روشن اور واضح ہے مگر توفیق اور ہدایت اللہ کے ہاتھ میں ہے کما قال ﴿وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ اللہ جس کو چاہتا ہے اس کو صراط مستقیم کی ہدایت فرماتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعض کو ہدایت ہوگی اور بعض کو نہیں ہوگی اس لئے آئندہ آیت میں ہر دو فریق کی قدرے تفصیل فرماتے ہیں کہ ان میں سے بعض تو ایسے ہیں کہ زبان سے تو دعویٰ ایمان اور اطاعت کا ذکر کرتے ہیں مگر ان کے دل اطاعت اور یقین سے خالی ہیں، یہ گروہ منافقین کا ہے کہ باوجود واضح نشانیوں کے راہ راست پر نہیں چلتے اور رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ پر دل سے راضی نہیں اور ان ہی کا ذکر پہلے کیا۔

اور بعض وہ ہیں کہ جو دل وجان سے اللہ اور اس کے رسول کے وفادار اور اطاعت شعار ہیں یہ گروہ مخلصین کا ہے۔ ان کا ذکر بعد میں کیا۔ اب ان آیات میں ان لوگوں کی مذمت کرتے ہیں اور یہ منافق لوگ زبان سے تو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور رسول پر ایمان لائے اور ہم نے اطاعت قبول کی۔ پھر اس اقرار کے بعد ان میں کا ایک فریق اللہ اور رسول کی اطاعت سے منہ موڑ لیتا ہے اور یہ لوگ دل سے مومن نہیں، یہ آیت بشر نامی منافق کے بارے میں نازل ہوئی اس کا ایک یہودی کے ساتھ ایک زمین کے متعلق جھگڑا تھا یہودی نے کہا کہ ہم اپنا فیصلہ محمد ﷺ کے پاس لے جاتے ہیں جو وہ فیصلہ کریں

=ف۴۲ یعنی منافقین بڑی سخت تاکیدی قسمیں کھا کر آپ کو یقین دلانا چاہتے ہیں کہ ہم کو آپ حکم دیں تو سب گھربار چھوڑ کر خدا کے راستہ میں نکل جانے کے لیے تیار ہیں ذرا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اشارہ فرمائیں تو سب مال و دولت اللہ کے راستہ میں لٹا کر الگ ہو جائیں۔ اس پر فرمایا کہ اس قدر منہ بھر کر لمبی چوڑی قسمیں کھانے کی ضرورت نہیں۔ تمہاری فرمانبرداری کی حقیقت سب معلوم ہو چکی کہ زبان سے دعوے بہت کیا کرتے ہو۔ اور عمل کا وقت آئے تو آہستہ سے کھسک جاتے ہو۔ چاہیے کہ سچے مسلمانوں کے دستور کے موافق حکمبرداری کر کے دکھلاؤ زبانی قسمیں کھانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ فرض کرو تم قسمیں کھا کر بندوں کو اپنی بات کا یقین دلا دو لیکن اللہ کے آگے کسی کی چالاکی اور فریب نہیں چل سکتا۔ وہ تو تمام ظاہر اور پوشیدہ باتوں کی خبر رکھتا ہے۔ آگے چل کر تمہاری مکاری کا پردہ فاش کر دے گا۔

ف۱ یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر خدا کی طرف سے تبلیغ کا جو بوجھ رکھا گیا ہے، سو اس نے پوری طرح ادا کر دیا۔ اور تم پر جو بوجھ ڈالا گیا وہ تصدیق و قبول حق کا ہے، اور یہ کہ اس کے ارشاد کے موافق چلو۔ اگر تم اپنی ذمہ داری کو محسوس کر کے اس کے احکام کی تعمیل کرو گے تو کامیابی دارین کی راہ پاؤ گے اور دنیا و آخرت میں خوش رہو گے ورنہ پیغمبر کا کچھ نقصان نہیں۔ تمہاری شرارت و سرکشی کا خمیازہ تم کو ہی بھگتنا پڑے گا۔ پیغمبر تو اپنا فرض ادا کر کے عند اللہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو چکے۔ آگے اطاعت رسول کے بعض ثمرات بیان فرماتے ہیں جن کا سلسلہ دنیا ہی میں شروع ہو جائے گا۔

ہمیں منظور ہے اور بشر نے کہا نہیں۔ ہم اپنا فیصلہ کعب بن اشرف یہودی کے پاس لے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ایسے وقت میں ان کے دعوائے ایمان کی قلعی کھل جاتی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں اور ان لوگوں کی سرتابی کا یہ حال ہے کہ جب ان کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ اللہ کا رسول ان کے درمیان فیصلہ کردے تو ان میں سے ایک فریق منہ موڑنے والا ہو جاتا ہے، یعنی جب ان کے ذمہ کسی کا حق نکلتا ہے تو رسول کے فیصلہ سے منہ موڑتے ہیں اور اگر اتفاق سے حق ان کے لئے ہوا تو سر تسلیم خم کرتے ہوئے آپ ﷺ کی طرف چلے آتے ہیں کیونکہ ان کو یقین ہوتا ہے کہ آپ ﷺ جو فیصلہ فرمائیں گے وہ حق پر ہوگا۔ اور ہم کو آپ ﷺ کے فیصلہ سے حق مل جائے گا۔ ایسے لوگ جو ایمان اور اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں وہ خوب سمجھ لیں کہ یہ ایمان اور اسلام نہیں بلکہ خود غرضی اور ہوا پرستی ہے۔

اب آگے ان کے اعراض اور روگردانی کے اسباب بطور تردید بیان کرتے ہیں جس سے مقصود ان کی توبیخ ہے۔ کیا ان کے دلوں میں کفر اور نفاق کی بیماری ہے یا حرص اور طمع اور مال کی محبت کی بیماری ہے اس وجہ سے آپ ﷺ کے پاس آنے سے اعراض کرتے ہیں یہ بیماری ان کے دلوں میں ایسی مستحکم ہو چکی ہے کہ اس کے زائل ہونے کی امید نہیں۔

یا دین اسلام کی طرف سے شک میں پڑے ہوئے ہیں، اس لئے اسلامی عدالت میں مقدمہ لانے سے کتراتے ہیں یا اس بات سے ڈرتے ہیں کہ اللہ اور اس کا رسول ان کے ساتھ بے انصافی کرے گا۔ اللہ اور اس کا رسول تو اس سے منزہ اور مبرا ہیں بلکہ یہی لوگ ظالم اور بے انصاف ہیں کہ حرص اور طمع اور خود غرضی میں مبتلا ہیں اس لئے رسول ﷺ کے پاس فیصلہ لانے سے گھبراتے ہیں کہ اس کی بارگاہ میں حرص اور طمع اور خود غرضی کا گزر نہیں۔

یہ تو منافقین کا حال تھا اب آگے مومنین مخلصین کی اطاعت اور فرمانبرداری کا حال ذکر کرتے ہیں کہ ان کے دل اور زبان میں کوئی فرق نہیں۔ مومنوں کا قول تو بس یہ ہوتا ہے کہ جب ان کو کسی مقدمہ میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ رسول ان کے درمیان فیصلہ کردے تو ان کا قول یہی ہوتا ہے کہ ہم نے دل وجان سے آپ ﷺ کا ارشاد سنا اور بسروچشم آپ ﷺ کی اطاعت منظور کی ادھر سنا اور ادھر فرمانبرداری کے لئے تیار۔ اس لئے کہ ان کو یقین ہے کہ رسول کا قول حق اور صدق ہے سوائے سمع اور اطاعت کے کوئی گنجائش ہی نہیں اور ایسے ہی لوگ آخرت میں فلاح پانے والے ہیں۔ جنہوں نے اپنی ہوائے نفسانی کو نبی کے حکم کے تابع کر دیا۔ اور ان کو دنیوی نفع ونقصان سے کوئی سروکار نہیں۔ اور ہمارے یہاں کا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جو شخص خوشی سے اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر چلے اور اللہ کی ناراضی سے ڈرتا رہے اور اس کی نافرمانی سے بچتا رہے تو ایسے ہی لوگ مراد کو پہنچنے والے ہیں۔ یعنی کامرانی اور کامیابی کا دارومدار تین چیزوں پر ہے۔

(اول) اطاعت یعنی احکام شریعت کی دل وجان سے بجا آوری۔

(دوم) خشیت یعنی دل سے اللہ کی عظمت اور ہیبت۔

(سوم) تقویٰ یعنی معصیت سے اجتناب۔

ایسے لوگ فائز المرام ہیں جن کے لئے ازل سے سعادت اور فلاح مقدر ہو چکی ہے۔ اب آئندہ آیت میں منافقین کی جھوٹی قسموں کا ذکر کرتے ہیں اور ان منافقین نے اپنی پوری کوشش سے اللہ کی قسمیں کھائیں کہ وہ تو ایسے فرمانبردار ہیں

کہ اللہ کی قسم کھا کر یہ کہتے کہ البتہ اگر آپ ان کو ان کے گھروں سے نکلنے کا حکم دیں تو وہ بلا توقف اسی وقت اپنا مال ومتاع چھوڑ کر گھروں سے نکل جائیں گے، منافقین اپنی وفاداری جتلانے کے لئے حضور پر نور ﷺ سے کہتے کہ اگر آپ ہم کو حکم دیں تو ہم سب گھر بار چھوڑ کر نکلنے کے لئے اور آپ ﷺ کے ساتھ جانے کے لئے تیار ہیں۔ ذرا حضور ﷺ کے اشارہ کی دیر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے نبی آپ ان منافقوں سے کہہ دیجئے۔ بس تم قسمیں نہ کھاؤ۔ دستور کے مطابق فرمانبرداری تم سے مطلوب ہے۔ زبانی اطاعت سے کام نہیں چلتا۔ یا یہ معنی ہیں کہ ہمیں تمہاری اطاعت اور فرمانبرداری کی حقیقت خوب معلوم ہے۔ مسلمانوں کو خوش کرنے کے لئے تم جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں کما قال تعالیٰ ﴿یَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ﴾ ﴿اِتَّخَذُوْٓا اَیْمَانَهُمْ جُنَّةً﴾۔ بیشک اللہ خبردار ہے اس چیز سے جو تم کرتے ہو۔ اسے تمہارے قول وقرار کی اور تمہاری قسموں کی حقیقت خوب معلوم ہے۔ اے نبی ﷺ آپ ان منافقوں کو کہہ دیجئے کہ جھوٹی قسمیں نہ کھاؤ بلکہ صدق دل سے اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو ظاہر وباطن کو یکساں کرو، اس میں تمہاری بہتری ہے پس اگر تم اس بات سے روگردانی کرو تو رسول کا ذمہ تو صرف اس قدر ہے جس قدر اس پر بوجھ رکھا گیا۔ یعنی تبلیغ احکام خداوندی۔ مطلب یہ ہے کہ نبی کے ذمہ حکم کا پہنچانا ہے اور اس کی اطاعت اور تعمیل تمہارے ذمہ ہے۔ اس کے جواب دہ تم ہو۔ اور اگر بجائے روگردانی کے تم دل وجان سے بصد شوق ورغبت رسول کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پاؤ گے تمہاری نافرمانی اور روگردانی سے ہمارا کچھ بھی نقصان نہیں۔ اور رسول کے ذمہ صرف کھول کر پہنچا دینا ہے اور بس۔ رسول تو اللہ کا حکم پہنچا کر سبکدوش ہو گئے۔ اب تم جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔ انجام کو سوچ لو۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ كَمَا

وعدہ کرلیا اللہ نے ان لوگوں سے جو تم میں ایمان لائے ہیں اور کیے ہیں انہوں نے نیک کام، البتہ پیچھے حاکم کر دے گا ان کو ملک میں جیسا

وعدہ دیا اللہ نے جو لوگ تم میں ایمان لائے ہیں اور کئے ہیں نیک کام، البتہ پیچھے حاکم کریگا ان کو ملک میں، جیسا

اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۪ وَلَیُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِیْنَهُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَهُمْ

حاکم کیا تھا ان سے اگلوں کو اور جمادے گا ان کے لیے دین ان کا جو پسند کردیا ان کے واسطے

حاکم کیا تھا ان سے اگلوں کو۔ اور جما دے گا ان کو دین ان کا، جو پسند کردیا ان کو

وَلَیُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِكُوْنَ بِیْ شَیْــٴًـا ؕ وَمَنْ كَفَرَ

اور دے گا ان کو ان کے ڈر کے بدلے میں امن۔ میری بندگی کریں گے شریک نہ کریں گے میرا کسی کو ف۱ اور جو کوئی ناشکری کرے گا

اور دیگا ان کو ان کے ڈر کے بدلے امن۔ میری بندگی کریں گے۔ شریک نہ کریں گے میرا کوئی۔ اور جو کوئی ناشکری کریگا

ف۱ یہ خطاب فرمایا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت کے لوگوں کو یعنی جو ان میں اعلیٰ درجہ کے نیک اور رسول کے کامل متبع ہیں رسول کے بعد ان کو زمین کی حکومت دے گا اور جو دین اسلام خدا کو پسند ہے ان کے ہاتھوں سے دنیا میں ان کو قائم کرے گا۔ گویا جیسا کہ لفظ استخلاف میں اشارہ ہے وہ لوگ محض دنیاوی بادشاہوں کی طرح نہ ہوں گے۔ بلکہ پیغمبر کے جانشین ہو کر آسمانی بادشاہت کا اعلان کریں گے اور دین حق کی بنیادیں جمائیں گے اور خشکی وتری میں اس کا =

بَعۡدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ ﴿۵۵﴾ وَاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيۡعُوا

اس کے پیچھے سو وہ ہی لوگ ہیں نافرمان ف۱ اور قائم رکھو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ اور حکم پر چلو

اس پیچھے، سو وہی لوگ ہیں بےحکم۔ اور کھڑی رکھو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ، اور حکم میں چلو

الرَّسُوۡلَ لَعَلَّكُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ﴿۵۶﴾ لَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مُعۡجِزِيۡنَ فِى الۡاَرۡضِ ۚ

رسول کے تاکہ تم پر رحم ہو ف۲ نہ خیال کر کہ یہ جو کافر ہیں تھکا دیں گے بھاگ کر ملک میں

رسول کے، شاید تم پر رحم ہو۔ نہ خیال کر کہ یہ جو منکر ہیں تھکا دیں گے بھاگ کر ملک میں۔

وَمَاۡوٰىهُمُ النَّارُ ؕ وَلَبِئۡسَ الۡمَصِيۡرُ ﴿۵۷﴾

اور ان کا ٹھکانا آگ ہے اور وہ بری جگہ ہے پھر جانے کی ف۳

اور ان کا ٹھکانہ آگ ہے، اور بری جگہ ہے پھر جانے کی۔

=سکہ بٹھلا دیں گے۔ اس وقت مسلمانوں کو کفار کا خوف مرعوب نہ کرے گا وہ کامل امن واطمینان کے ساتھ اپنے پروردگار کی عبادت میں مشغول رہیں گے اور دنیا میں امن وامان کا دور دورہ ہوگا۔ اور ان مقبول ومعزز بندوں کی ممتاز شان یہ ہوگی کہ وہ خالص خدائے واحد کی بندگی کریں گے جس میں ذرہ برابر شرک کی آمیزش نہ ہوگی۔ شرک جلی کا تو وہاں ذکر کیا ہے شرک خفی کی ہوا بھی ان کو نہ پہنچے گی۔ صرف ایک خدا کے غلام ہوں گے، اسی سے ڈریں گے اسی سے امید رکھیں گے۔ اسی پر بھروسہ کریں گے اسی کی رضا میں ان کا جینا اور مرنا ہوگا۔ کسی دوسری ہستی کا خوف دہراس ان کے پاس نہ پھٹکے گا۔ نہ کسی دوسرے کی خوشی ناخوشی کی پروا کریں گے۔ الحمدللہ۔ کہ یہ وعدۂ الٰہی چاروں خلفاء رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں پر پورا ہوا۔ اور دنیا نے اس عظیم الشان پیشین گوئی کے ایک ایک حرف کا مصداق اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ خلفائے اربعہ کے بعد بھی کچھ بادشاہان اسلام وقتاً فوقتاً اس نمونہ کے آتے رہے اور جب اللہ چاہے گا آئندہ بھی آئیں گے۔ احادیث سے معلوم ہوا کہ آخری خلیفہ حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ ہوں گے جن کے متعلق عجیب وغریب بشارات سنائی گئی ہیں۔ وہ خدا کی زمین کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے اور خارق عادت جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعہ سے اسلام کا کلمہ بلند کریں گے۔ "اَللّٰهُمَّ احۡشُرۡنَا فِىۡ زُمۡرَتِهٖ وَارۡزُقۡنَا شَهَادَةً فِىۡ سَبِيۡلِكَ اِنَّكَ وَاسِعُ الۡمَغۡفِرَةِ وَذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِيۡمِ۔"

(تنبیہ) اس آیت استخلاف سے خلفائے اربعہ کی بڑی بھاری فضیلت ومنقبت نکلتی ہے۔ ابن کثیر نے اس کے تحت میں عہد نبوت سے لے کر عہد عثمانی تک کی فتوحات کو درجہ بدرجہ بیان کیا ہے اور آخر میں یہ الفاظ لکھے ہیں: "وَجُبِىَ الۡخَرَاجُ مِنَ الۡمَشَارِقِ وَالۡمَغَارِبِ اِلٰى حَضۡرَةِ اَمِيۡرِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ عُثۡمَانَ بۡنِ عَفَّانَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنۡهُ وَذٰلِكَ بِبَرۡكَةِ تِلَاوَتِهٖ وَدِرَاسَتِهٖ وَجَمۡعِهِ الۡاُمَّةَ عَلٰى حِفۡظِ الۡقُرۡاٰنِ وَلِهٰذَا ثَبَتَ فِى الصَّحِيۡحِ اَنَّ رَسُوۡلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ اِنَّ اللّٰهَ زَوٰى لِىَ الۡاَرۡضَ فَرَاَيۡتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا وَسَيَبۡلُغُ مُلۡكُ اُمَّتِىۡ مَا زُوِىَ لِىۡ مِنۡهَا فَهَا نَحۡنُ نَتَقَلَّبُ فِيۡمَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ فَنَسۡئَالُ اللّٰهَ الۡاِيۡمَانَ بِهٖ وَبِرَسُوۡلِهٖ وَالۡقِيَامَ بِشُكۡرِهٖ عَلَى الۡوَجۡهِ الَّذِىۡ يُرۡضِيۡهِ عَنَّا۔"

ف۱ یعنی ایسے انعامات عظیمہ کے بعد ناشکری کرنا بہت ہی بڑے نافرمان اور ہیکڑ مجرم کا کام ہے حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ جو کوئی خلفائے اربعہ کی خلافت (اور ان کے فضل وشرف) سے منکر ہوا۔ ان الفاظ سے اس کا حال سمجھا گیا۔ ﴿رَبَّنَا اغۡفِرۡ لَنَا وَلِاِخۡوَانِنَا الَّذِيۡنَ سَبَقُوۡنَا بِالۡاِيۡمَانِ وَلَا تَجۡعَلۡ فِىۡ قُلُوۡبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا رَبَّنَاۤ اِنَّكَ رَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ﴾

ف۲ یعنی خدا کی رحمت سے حصہ لینا چاہتے ہو تم بھی ان ہی مقبول بندوں کی روش اختیار کرو۔ اور روش یہی ہے نمازیں قائم کرنا، زکوٰۃ دیتے رہنا اور تمام شعب زندگی میں رسول کے احکام پر چلنا۔ "اَللّٰهُمَّ ارۡزُقۡنَا مُتَابَعَةَ رَسُوۡلِكَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ وَتَوَفَّنَا عَلَيۡهَا وَاَلۡحِقۡنَا بِالصَّالِحِيۡنَ۔" آمین۔

ف۳ یہ نیک بندوں کے بالمقابل مردود ومغضوب لوگوں کا انجام بتلایا۔ یعنی جبکہ نیکوں کو ملک کی حکومت اور زمین کی خلافت عطا کی جاتی ہے۔ کافروں اور جاہلوں کی ساری مکاریاں اور تدبیریں شکست ہو جاتی ہیں۔ اللہ کے ارادہ کو کوئی روک نہیں سکتا۔ اگر تمام خدائی میں ادھر ادھر بھاگتے پھریں تب بھی وہ خدائی=

بشارت حکومت ووعدۂ خلافت برائے اہلِ ایمان واطاعت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی : ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ... الی ... وَلَبِئْسَ الْمَصِیْرُ﴾

ربط: ......گزشتہ آیات میں اول منافقین کا حال بیان کیا جو دن رات مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے رہتے تھے پھر اس کے بالمقابل مؤمنین مخلصین کی اطاعت شعاری اور فرمانبرداری کا اور عنداللہ ان کی کامیابی اور کامرانی اور فائز المرامی کا ذکر فرمایا۔ اب ان آیات میں اہل ایمان اور اہل طاعت کو دینی اور دنیوی نعمتوں اور کرامتوں اور سعادتوں کی بشارت دیتے ہیں تاکہ ایمان اور اعمال صالحہ کی راہ میں اہلِ اسلام کو جو مشکلات پیش آئیں ان کا ازالہ ہو جائے اور مؤمنین صالحین سے وعدہ فرماتے ہیں کہ تم کفار اور منافقین کی چیرہ دستی سے رنجیدہ اور ملول نہ ہو تم سے وعدہ کرتے ہیں کہ اسی دنیا میں ہم تم کو رسول کی وفات کے بعد اپنے نبی کا جانشین بنائیں گے اور زمین کی حکومت تم کو عطا کریں گے اور دشمنانِ اسلام پر تم کو غلبہ دیں گے اور تم کو زمین کا مالک اور فرمانروا بنائیں گے جسے دیکھ کر یہ سازش کرنے والے دنگ اور حیران رہ جائیں گے، اللہ تم کو عزت دے گا اور تمہارے دشمنوں کو تمہارے ہاتھ سے ذلیل وخوار کرے گا اور دین اسلام جو خدا کے نزدیک پسندیدہ دین ہے جس کے مٹانے پر یہ کفار اور منافقین تلے ہوئے ہیں اس دین کو اللہ تعالیٰ اپنے نبی کے جانشینوں کے ہاتھوں سے مضبوط اور مستحکم کرے گا اور آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے خلفا کو کفار اور منافقین کی سرکوبی پر مسلط اور مقرر کرے گا اور دین اسلام کے بارے میں کفار اور منافقین کی ریشہ دوانیوں کو ختم کر دے گا۔

اور اس وقت اہلِ اسلام کو جو دشمنانِ اسلام سے خوف لگا رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو امن سے بدل دے گا حق جل شانہ کا یہ وعدہ ان مؤمنین صالحین سے تھا جو نزول آیت کے وقت حاضر اور موجود تھے جیسا کہ لفظ مِنْكُمْ بصیغۂ خطاب صراحۃً اس معنی پر دلالت کرتا ہے۔

آنحضرت ﷺ جب تک مکہ مکرمہ میں رہے، سو وہ زمانہ ایسا خوف کا تھا کہ مسلمان دین کا کوئی کام کھلم کھلا نہیں کر سکتے تھے ہجرت کے بعد بھی ایک عرصہ تک کافروں کا خوف رہا۔ مہاجرین اور انصار دن رات کمر بستہ اور ہتھیار بند رہتے تھے نامعلوم کس وقت کوئی مدینہ پر چڑھ آئے۔ چنانچہ طبرانی اور حاکم نے بسند صحیح ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ جب آنحضرت ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو تمام عرب دشمن ہو گیا، مسلمان خوف کے مارے ہر وقت ہتھیار بند رہتے تھے ایک مرتبہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کبھی ایسے دن بھی آئیں گے کہ ہم آرام سے رات کو سویا کریں گے اور سوائے خدا کے اور کسی کا خوف ہم کو نہ ہوگا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی تسلی کے لیے یہ آیت نازل فرمائی اور بادشاہت اور نبی کی خلافت اور جانشینی کی بشارت دے کر ان کی تسکین فرمادی۔ اور بتلا دیا کہ یہ ہمارا وعدہ ہے جو ضرور بالضرور پورا ہو کر رہے گا تم کیوں گھبراتے ہو تمہیں سلطنت ملنے والی ہے اور اللہ تم کو زمین کا حکمران بنائے گا۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ اللہ نے وعدہ دے دیا ہے ان لوگوں کو جو تم میں سے ایمان لائے اور نیک کام کیے کہ ان کو اس ایمان اور عمل صالح کی برکت سے

= سزا سے اپنے کو نہیں بچا سکتے۔ یقیناً ان کو جہنم کے جیل خانہ میں جانا پڑے گا۔

اپنی زمین میں ضرور خلیفہ یعنی بادشاہ بنائے گا جس طرح اس نے اگلے لوگوں کو اسی ایمان کی بدولت زمین میں خلیفہ اور بادشاہ بنایا تھا۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد یوشع علیہ السلام کو ان کا خلیفہ اور جانشین بنایا اور حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو زمین میں اپنا خلیفہ یعنی بادشاہ اور فرمانروا بنایا تھا مطلب یہ ہے کہ جس طرح پہلے لوگوں کو سلطنت عظیمہ اور جاہ وجلال عطا کیا تھا کما قال تعالیٰ ﴿وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا﴾ ایسے ہی اس امت کو ایسی عظیم سلطنت ملے گی جو قوت اور شوکت میں ضرب المثل ہوگی۔ لفظ "مِنْكُمْ" میں حرف من اگر بیانیہ ہو تو ترجمہ اس طرح کیا جائے گا کہ اللہ نے وعدہ کیا ہے مؤمنین صالحین سے یعنی اے حاضرین تم سے اس لیے کہ اس وقت تم ہی مؤمنین صالحین کا مصداق ہو اور اگر مِن تبعیضیہ ہو تو ترجمہ اس طرح ہوگا۔ اے افرادِ عالم اور اے ابنائے آدم تم میں سے جو مؤمنین صالحین اس وقت روئے زمین پر موجود ہیں ان سے ہمارا یہ وعدہ ہے کہ ہم دنیا میں ان کو نعمتیں عطا فرمائیں گے۔ اول استخلاف فی الارض یعنی زمین میں ان کو نبی کا جانشین اور بادشاہ بنائیں گے۔ اور دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ ضرور بہ ضرور ان کے لیے مضبوط اور مستحکم کر دے گا ان کے دین کو جس کو خدا نے ان کے لیے پسند کیا ہے مراد پسندیدہ دین اسلام ہے۔ کما قال تعالیٰ ﴿وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ﴾ الخ اور مطلب یہ ہے کہ ان کو حکومت اور بادشاہت دینے سے مقصود یہ ہوگا کہ دینِ اسلام ایسا مضبوط اور مستحکم ہو جائے کہ دنیا کی کوئی طاقت اس کو ہلا نہ سکے۔ اور بے خوف وخطر اس دین پر عمل کریں گے اور دینِ اسلام تمام دینوں پر قاہر اور غالب ہوگا۔ کما قال اللہ تعالیٰ ﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ﴾ اور سوم یہ کہ اللہ تعالیٰ ضرور بضرور بدل دے گا۔ ان کے خوف وہراس کو امن وامان اور سکون اور اطمینان سے یعنی مسلمانوں کے دلوں سے کافروں کا خوف نکل جائے گا اور اہلِ اسلام کو امن وامان اور سکون اور اطمینان حاصل ہو جائے گا یعنی پہلے مسلمانوں کو کافروں سے خوف اور اندیشہ رہا کرتا تھا۔ اب اللہ تعالیٰ ان کو امن دے گا۔ یہ اللہ کے تین وعدے ہیں جن کی بطور پیشین گوئی خبر دی گئی ہے۔ صبح کی سفیدی کی طرح یہ وعدے ظہور میں آئے اور آنحضرت ﷺ کی نبوت ورسالت کی دلیل بنے کہ آپ ﷺ نے اپنے خادموں کے متعلق جس نعمت اور کرامت کی خبر دی تھی وہ ہوبہو ظاہر ہوئی۔

اور یہ لوگ سلطنت اور بادشاہت مل جانے کے بعد محض دنیوی بادشاہوں کی طرح نہ ہوں گے۔ بلکہ پیغمبر کے جانشین اور قائم مقام ہوں گے میری عبادت اور بندگی میں لگے رہیں گے اور میری عبادت میں ذرہ برابر کسی چیز کو میرا شریک نہیں ٹھہرائیں گے نہ شرک جلی کریں گے اور نہ شرک خفی۔

خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں عبادت کا بازار خوب گرم ہوا اور کفر وشرک خوب ذلیل وخوار ہوا۔ اسلام کی جڑیں مضبوط ہو گئیں اور کفر وشرک بیخ وبن سے اکھڑ گیا۔

اور ظاہر ہے کہ ایسی بادشاہت کہ جس سے دین بھی مضبوط اور مستحکم ہو جائے حق جل شانہ کی ایک نعمت کبریٰ ہے لہٰذا جو شخص اس نعمت کے بعد ناشکری کرے تو ایسے لوگ اعلیٰ درجہ کے فاسق ہیں کہ نعمت ملنے کے بعد طاعت سے باہر نکل گئے۔ اصلی فاسق ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں اور اس ناشکری کا آغاز حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں خارجیوں سے ہوا کہ ان

لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر خروج کیا۔

اور ظاہر ہے کہ ایسی بادشاہت اور سلطنت کے ساتھ تمکین دین یعنی غلبۂ اسلام اور اہل اسلام کے لیے کامل امن و امان بھی جمع ہوئے تو وہ خلافت راشدہ ہے اور خلیفہ راشد وہ فرمانروا ہے کہ جو مؤمن صالح اور خدا پرست ہو اور نظام مملکت قانون شریعت کے مطابق ہو۔

اور اے مسلمانو جب تم نے ایمان اور عمل صالح کے ثمرات اور برکات کو سن لیا تو تم کو چاہیے کہ نماز کے پابند رہو اور زکوۃ دیا کرو اور ہر بات میں دل و جان سے رسول کی اطاعت کیا کرو تاکہ تم پر خاص الخاص رحم کیا جائے۔ یہ جو کچھ تم کو دیا جا رہا ہے وہ سب ایمان اور عمل صالح اور رسول کی اطاعت کا ثمرہ ہے اس سے غافل نہ ہونا۔ نبی کے بعد اس کے خلفاء راشدین اور اس کے سچے جانشینوں کی دل و جان سے اطاعت کرو۔

(اے مخاطب) تو ان کافروں کی نسبت ہرگز یہ خیال نہ کرنا کہ وہ کہیں زمین میں بھاگ کر ہم کو عاجز کرنے والے ہو جائیں گے یعنی یہ ممکن نہیں کہ یہ کافر ہمارے قہر سے بچ کر کہیں نکل سکیں گے۔ مقصود کافروں کو سنانا ہے کہ کفار یہ خیال نہ کریں کہ مسلمان بہت قلیل ہیں اور کمزور ہیں اور بے سروسامان ہیں، ان کو یہ قوت و شوکت کہاں میسر آ سکتی ہے کہ وہ بڑی بڑی طاقتوں پر غالب آ جائیں اس لیے بتلا دیا کہ کفار اپنی قوت و شوکت کے گھمنڈ میں نہ رہیں، اللہ تعالیٰ ہر لمحہ اور ہر لحظہ ان کے پکڑنے پر قادر ہے اس نے اپنی کسی حکمت سے کافروں کو مہلت دے رکھی ہے آخر انجام ان کا دنیا میں گرفتاری اور ذلت و خواری ہے اور آخرت میں ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بہت بری جگہ ہے اور دنیا کی یہ راحت اور عیش و عشرت جو ان کو اس وقت ملی ہوئی ہے وہ چند روزہ ہے اور آنی جانی ہے اس پر مغرور نہ ہوں دوزخ سے بچنے کی فکر کریں۔

یہ آیت عرف میں آیتِ استخلاف کے نام سے مشہور ہے اس لیے کہ آیت میں خلیفہ بنانے کا ذکر ہے یہ آیت اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی تسلی کے لیے نازل فرمائی جس میں اللہ تعالیٰ نے تین نعمتوں کا وعدہ فرمایا۔

(اول) استخلاف فی الارض، یعنی آسمانی بادشاہت اور نبوت کی خلافت عطا کریں گے یعنی وہ محض دنیاوی بادشاہت نہ ہوگی بلکہ نبوت کی خلافت اور نیابت ہوگی اور وہ سلطنت حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کی خلافت و سلطنت کے ہمرنگ ہوگی۔

(دوم) تمکین دینِ متین، یعنی جو دین اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے یعنی دین اسلام، وہ خلفا کے ہاتھوں اس قدر مضبوط اور مستحکم ہو جائے گا کہ دنیا کی کوئی طاقت اس کی نشر و اشاعت اور اس کی تبلیغ و دعوت اور اس کے احکام کے اجرا و تنفیذ میں مزاحم نہیں ہو سکے گی اور چار دانگ عالم میں دینِ اسلام کا ڈنکا بج جائے گا۔

(سوم) تبدیل خوف بامن، یعنی دشمنوں کا خوف امن سے بدل جائے گا۔ اہلِ اسلام کو سوائے خدا کے کسی کا ڈر نہ رہے گا بلکہ اس کے برعکس روئے زمین کے کافر مسلمانوں کی قوت و شوکت سے لرزاں اور ترساں ہوں گے۔

یہ تین وعدے حق سبحانہ وتعالیٰ نے ان لوگوں سے فرمائے جو نزول آیت کے وقت زمین پر موجود تھے اور نزول آیت سے پہلے ایمان اور عمل صالح سے آراستہ ہو چکے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ تین وعدے فرمائے کہ ہم تم کو دنیاوی

زندگی میں یہ تین نعمتیں عطا کریں گے۔ سو الحمد للہ یہ وعدۂ الٰہی حرف بحرف پورا ہوا۔ صدق اللہ وعدہ ونصر عبدہ وھزم الاحزاب وحدہ اللہ تعالیٰ نے جنگ احزاب کے بعد آنحضرت ﷺ کو دشمنوں پر کھلم کھلا غلبہ عطا فرمایا اور آپ ﷺ کی وفات سے پہلے ہی مکہ مکرمہ اور خیبر اور بلاد یمن اور بحرین اور طائف وغیرہ وغیرہ سب فتح ہو گئے اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد اللہ کے یہ تینوں وعدے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے ہاتھ پر پورے ہوئے جن کا دنیا نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا اور کسی منکر کو انکار کی جرأت نہ ہوئی۔

پہلا وعدہ:...... استخلاف فی الارض کا تھا یعنی زمین میں تم کو خلافت اور سلطنت عطا کریں گے سو اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو ایسی بادشاہت عطا کی کہ قیصر و کسریٰ کی سلطنتیں ان کے ہاتھ آئیں اور اس وقت روئے زمین پر یہی دو سلطنتیں سب سے بڑی تھیں۔ عہدِ فاروقی میں دونوں زیر و زبر ہو گئیں اور آپ ﷺ کے زمانہ میں بلادِ شام اور بلادِ عراق اور بلادِ مصر اور اکثر اقلیم فارس فتح ہو گئے اور دن بدن دائرہ فتوحات کا وسیع تر ہوتا چلا گیا۔ دنیا میں جو سلطنت باقی رہ گئی وہ اس قابل نہ تھی کہ اسلامی حکومت کے مقابلہ میں سر اٹھا سکے اور اسی کا نام اقتدار اعلیٰ ہے۔

دوسرا وعدہ:...... تمکین دین متین کا تھا یعنی جو دین خدا کے نزدیک پسندیدہ ہو گا وہ مضبوط اور مستحکم ہو جائے گا سو اس کی یہ کیفیت ہوئی کہ مشرق سے مغرب تک اسلام پھیل گیا اور ہر جگہ قاضی اور مفتی مقرر ہو گئے یعنی ہر جگہ اسلامی عدالتیں قائم ہو گئیں۔ غرض یہ کہ ان حضرات کے زمانہ میں دین اسلام کے قدم روئے زمین پر ایسے جمے کہ ظاہر اسباب میں ان کا اکھاڑنا ناممکن ہو گیا۔ اور بظاہر کوئی قوت ایسی نہ رہی کہ اسلام اور مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے میں کامیاب ہو سکے۔

تیسرا وعدہ:...... اعطاء امن بعد الخوف تھا وہ بھی بحمدہ تعالیٰ پورا ہوا اور مسلمانوں کو اندرونی اور بیرونی ہر قسم کے دشمنوں سے نجات ملی اور امن وامان کی یہ کیفیت ہوئی کہ خلفائے راشدین کے دورِ خلافت میں اور خاص کر صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں مسلمانوں کو کافروں کا کوئی خوف وخطر نہ تھا۔ معاملہ برعکس تھا۔ بجائے مسلمانوں کے کافر خوف زدہ ہو گئے جس طرح مسلمانوں کا خوف امن سے بدل گیا۔ اسی طرح کافروں کا امن خوف سے بدل گیا۔ بحمد للہ، اللہ تعالیٰ کے یہ تینوں وعدے خلفائے راشدین کے ہاتھوں پورے ہوئے۔

حجاز اور نجد اور یمن اور بحرین تک کا تمام علاقہ تو آنحضرت ﷺ کی زندگی میں اسلام کے زیر نگیں آ چکا تھا اور اس دنیا میں سب سے بڑی سلطنتیں دو ہی تھیں۔ ایران میں مجوسیوں کی سلطنت تھی اور شام اور روم میں عیسائیوں کی سلطنت تھی اور دونوں سلطنتیں فوج اور خزانہ کے اعتبار سے بے مثل تھیں اور مسلمان تعداد کے اعتبار سے بھی تھوڑے تھے اور تنگدست بھی تھے۔ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد فتنۂ ارتداد کھڑا ہو گیا، جس سے اسلام کی بنیادیں ہل گئیں۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خلیفہ ہونے کے بعد سب سے پہلا کام یہ کیا کہ فتنۂ ارتداد کا قلع قمع کیا۔ ایک سال میں جب اسلام کی بنیادیں استوار ہو گئیں تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے قیصر و کسریٰ پر فوج کشی کا ارادہ فرمایا اور فوجیں روانہ کیں اور مصر و شام کے کچھ سرحدی علاقے فتح ہوئے اتنے میں پیغامِ خداوندی آ پہنچا اور دنیا سے رخصت ہوئے اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین بنا گئے۔ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے خلیفہ ہونے کے بعد کام وہیں سے شروع کیا جہاں ابوبکر رضی اللہ عنہ چھوڑ گئے تھے اور قیصر و کسریٰ کے مقابلہ کے لیے فوجیں روانہ

گیں چنانچہ ان کے زمانۂ خلافت میں سارا شام اور سارا مصر اور اکثر ملک فارس مسلمانوں کے قبضہ میں آیا اور کسریٰ شاہ فارس نے بہت کوشش کی مگر سوائے کسر شوکت و اقبال کچھ نہ دیکھا اور قیصر روم نے بہتیرے ہاتھ پیر مارے مگر سوائے قصور طالع کے کچھ نہ دیکھا اور دونوں سلطنتوں کے بے شمار خزانے اور بے حساب اسباب مسلمانوں پر تقسیم ہوئے اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں اسلامی سلطنت کی حدود جانب مغرب میں اندلس اور قبرص اور قیروان اور بحر محیط تک پہنچیں اور مشرق میں بلادِ چین تک تمام علاقہ فتح ہو گیا اور خراسان اور راہواز اور بلخ تک تمام علاقہ فتح ہو کر اسلام کے زیر نگیں آ گیا اور مسلمانوں نے ترکوں سے سخت قتال کیا اور خاقانِ چین ذلیل و خوار ہوا اور اس نے خراج بھیجا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہی کے دورِ خلافت میں کسریٰ کی حکومت کا نام و نشان بھی نہ رہا اور ۳۰ھ میں کسریٰ مارا گیا۔ اور مدینہ کے بیت المال میں مشارق اور مغارب سے خراج آنے لگا اور اسلام مستحکم اور مضبوط ہو گیا اور مسلمانوں کو کسی دشمن کا خوف و خطر نہ رہا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ وعدۂ خداوندی کے مطابق اس قلیل عرصہ میں صدیوں کی حکومتوں کا خاتمہ ہوا اور اسلام باوجود بے سروسامانی کے ان پر فتح یاب ہوا۔ اور دنیا کی ان دو عظیم ترین سلطنتوں کی بے شمار فوجوں کے مقابلہ میں لشکرِ اسلام مظفر و منصور ہوا اور اسلام کا کلمہ بلند ہوا اور مشارق و مغارب کا خراج مدینہ کے خزانہ میں آیا۔ ایسی فتح مبین اور ایسی تمکین دین نہ کبھی دیکھی گئی اور نہ کبھی سنی گئی۔

چراغے را کہ ایزد بر فروزد ہر آنکہ تف زند ریشش بسوزد

الحمد للہ اس طرح اللہ کا وعدہ حرف بحرف پورا ہوا خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے بعد کچھ بادشاہانِ اسلام وقتاً فوقتاً اس نمونہ کے آتے رہے اور آئندہ بھی اگر خدا نے چاہا تو آئیں گے اور روئے زمین کے آخری امام مہدی علیہ الرضوان ہوں گے جو آخر زمانہ میں ظاہر ہوں گے اور ان کی خلافت اسی شان کی ہوگی۔

مسند احمد اور سنن ابی داؤد اور ترمذی اور نسائی میں حضرت سفینہ [1] مولیٰ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے بعد خلافت تیس برس رہے گی اس کے بعد ملک عضوض ہوگا۔ معلوم ہوا کہ یہ وعدہ حاضرین اور موجودین سے تھا، لہٰذا بعض شیعوں کا یہ کہنا کہ اس وعدہ کے مصداق امام مہدی علیہ الرضوان ہیں جو اخیر زمانہ میں ظاہر ہوں گے بالکل غلط ہے اس لیے کہ امام مہدی علیہ الرضوان اس وقت موجود نہ تھے۔ وعدہ تو حاضرین سے ہو اور مراد اس سے وہ شخص ہو کہ جو حاضرین موعودین کے گزر جانے کے صدہا قرن بعد پیدا ہو یہ سراسر مہمل اور غیر معقول ہے۔

اہلِ سنت والجماعت کے نزدیک چاروں خلیفہ اس وعدۂ الٰہی کے مصداق ہیں، خوارج حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس سے خارج سمجھتے ہیں اور شیعہ خلفاء ثلاثہ کو خارج سمجھتے ہیں اور یہ دونوں قول باطل ہیں۔ حق یہ ہے کہ چاروں خلفا کی خلافت، خلافتِ نبوت تھی اور بلاشبہ ان چاروں حضرات کی خلافت علی منہاج النبوت تھی اور اسی خلافتِ حقہ راشدہ کی مصداق تھی جس کا اس آیت میں وعدہ کیا گیا ہے۔ فرق اتنا ہے کہ خلفاء ثلاثہ کا جہاد و قتال تنزیل قرآن پر تھا یعنی ان لوگوں سے تھا کہ جو نزول قرآن منکر تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قتال تاویل قرآن پر تھا یعنی ان لوگوں سے تھا کہ جو بظاہر

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام۔ ۱۲

نزول قرآن کو تو مانتے تھے مگر تاویلات فاسدہ کر کے اصل مقصد کو فنا کر دیتے تھے۔ خلیفۂ اول نے کفر اور ارتداد کے فتنہ کا مقابلہ کیا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نہ ہوتے تو ہم کو باغیوں کے احکام نہ معلوم ہوتے۔

فوائد ولطائف

۱- استخلاف کے معنی خلیفہ بنانے کے ہیں جس سے عرفِ عام میں بادشاہ بنانا مراد لیا جاتا ہے جیسا کہ ﴿يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ﴾ اس آیت میں لفظ خلیفہ سے حضرت داؤد علیہ السلام کا بادشاہ اور فرمانروا بنانا مراد ہے اور حدیث میں ہے، سیکون فی اخر الزمان خلیفة یحثوا المال حثیا الحدیث لہٰذا اللہ تعالیٰ نے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ وعدہ کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو زمین کا بادشاہ بنائیں گے۔

۲- اور ﴿لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ ان میں کی ایک جماعت کو خلیفہ بنائے گا اس کی مثال ایسی ہے جیسے یہ کہتے ہیں کہ فلاں قوم حاکم یا تاجدار یا مالدار ہے حالانکہ خلیفہ اور حاکم اور مالداران میں سے معدودے چند ہی ہوتے ہیں نہ کہ سب مگر مجازاً سب کی طرف نسبت کی جاتی ہے کیونکہ حکومت اور دولت میں سب ہی شریک ہوتے ہیں اور جس قوم کی حکومت ہوتی ہے اس کا ہر فرد بادشاہ ہی کہلاتا ہے کما قال تعالیٰ ﴿جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَاۗءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا﴾ اور وہ سلطنت تمام قوم کی سلطنت کہلاتی ہے۔

۳- آیت میں استخلاف کو حق تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ ہی ان کو خلیفہ بنانے والا ہوگا۔ اشارہ اس طرف تھا کہ وہ استخلاف بغیر اسباب ظاہری کے ظہور میں آئے گا۔ جس کی صورت یہ ہوئی کہ مدبر حقیقی نے امت کے قلوب میں القا کر دیا کہ وہ متفقہ طور پر ایک شخص کو اپنا خلیفہ بنالیں۔

بظاہر یہ خلیفہ بنانا امت کا فعل تھا لیکن در پردہ دستِ قدرت کارفرما تھا اسی لیے یوں عظیم الشان کام بلا اسباب ظاہری کے سہولت سے انجام پا گیا۔ اس لیے آیت میں استخلاف کو حق تعالیٰ کی طرف منسوب کیا گیا جیسا کہ آیت کریمہ ﴿فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ﴾ میں اور آیت کریمہ ﴿وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ﴾ میں قتل اور رمی کو محض ظاہر کے اعتبار سے بندوں کی طرف منسوب کیا۔ مگر حقیقت کے اعتبار سے اس کی نفی فرمادی اور اپنی طرف نسبت کرنے میں اشارہ اس طرف ہے کہ وہ خلیفہ جو اس وعدہ کی بنا پر ظہور میں آئے گا۔ وہ در پردہ خدا تعالیٰ کا مقرر کردہ ہوگا۔ اور لوگوں پر دل وجان سے اس کی اطاعت اور تابعداری فرض ہوگی۔

اور خدا تعالیٰ کے خلیفہ بنانے کا یہ مطلب نہیں کہ آسمان سے کوئی آواز آئے گی بلکہ مطلب یہ ہے کہ من جانب اللہ ایسے ایسے اسباب اور سامان فراہم ہو جائیں گے کہ ان حضرات کی خلافت منعقد ہو جائے گی اور انعقادِ خلافت کے من جانب اللہ ایسے اسباب فراہم ہو جائیں گے جن کو دیکھ کر دیکھنے والے سمجھ جائیں گے کہ یہ سب من جانب اللہ ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب سقیفۂ بنی ساعدہ میں اجتماع ہوا تو کسی نے نہ آیت استخلاف کا ذکر کیا اور نہ

کسی کے نام کا ذکر کیا بلکہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سوابق اسلامیہ کا ذکر کیا۔ اس وقت انعقاد خلافت اگرچہ اہل حل وعقد کے اتفاق سے ہوا، لیکن جب خلفا کے ہاتھوں پر آیت استخلاف میں مذکورہ تین نعمتوں کا ظہور ہوا، تو سب کی آنکھیں کھل گئیں۔ اور سب نے روزِ روشن کی طرح دیکھ لیا کہ اللہ نے جن تین نعمتوں کا ہم سے وعدہ فرمایا تھا وہ آج پورا ہو گیا اور سب پر یہ امر منکشف ہوا کہ یہ فعل کسی جماعت کا نہ تھا بلکہ وعدۂ خداوندی تھا جو پردۂ غیب سے اس طرح نمودار ہوا۔ اور جب خلفائے ثلاثہ کے زمانہ میں فتوحات عظیمہ اور غلبۂ اسلام کا ظہور ہوا جس کا اللہ نے آیت استخلاف میں وعدہ فرمایا تھا تو لوگ سمجھ گئے کہ اس آیت سے یہی لوگ مراد ہیں، جب لوگوں نے یہ دیکھ لیا کہ تائیدِ الٰہی اور نصرت غیبی اور حفاظت بیضۂ اسلام اور اظہارِ دین اور غلبۂ اسلام اور ذلت مخالفین ومعاندین ان کے ہمراہ ہے تو سمجھ گئے کہ یہ سب من جانب اللہ ہے۔

۴- لفظ ﴿مِنْكُمْ﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وعدہ آنحضرت ﷺ سے نہ تھا بلکہ یہ وعدہ آپ ﷺ کے متبعین وحاضرین سے تھا۔ غائبین سے نہ تھا یعنی ان لوگوں سے تھا کہ جو نزول آیت کے وقت موجود تھے اور نزول سے پیشتر ایمان لا چکے تھے اور عمل صالح کر چکے تھے اور مطلب یہ ہے کہ اے افراد موجودۂ عالم۔ نزول آیت کے وقت تم میں سے جو لوگ روئے زمین پر موجود اور حاضر ہیں اور ہمارے رسول پر ایمان لا چکے ہیں اور عمل صالح کر چکے ہیں ان سے ہمارا یہ وعدہ ہے کہ ان کو زمین پر حاکم اور بادشاہ بنائیں گے اور یہ امر سراسر خلافِ عقل ہے کہ جو حضرات وعدۂ الٰہی کے صراحۃً مخاطب ہوں وہ تو اس سے مراد نہ ہوں اور صیغۂ خطاب بول کر صرف غائبین مراد ہوں۔ لہٰذا فقط امام مہدی علیہ الرضوان کا روئے زمین پر تسلط اس وعدۂ الٰہی کا مصداق نہ ہوگا کیونکہ امام مہدی علیہ الرضوان نزول آیت کے وقت موجود نہ تھے ہاں یہ صحیح ہے کہ چونکہ وعدۂ استخلاف مؤمنین صالحین سے ہے سو اس وعدہ کے اولین مصداق تو خلفاء اربعہ ہیں اور آخری زمانہ میں آخری مصداق امام مہدی علیہ الرضوان ہوں گے۔

نیز ﴿لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ﴾ کا لام حالیت کو مؤکد کر کے استقبال کی نفی کرتا ہے اور کسی زبان کا یہ قاعدہ نہیں کہ صیغۂ حاضر بول کر حاضرین کا کوئی فرد مراد نہ ہو بلکہ صرف آئندہ کے غائبین مراد ہوں۔ وعدہ تو حاضرین سے اور مراد ہوں آئندہ زمانہ کے غائبین۔ سو یہ دھوکہ اور فریب ہے جس سے اللہ کا کلام منزہ ہے۔

۵- ﴿الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ کی قید سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وعدہ آپ ﷺ کے ان متبعین سے ہے جو ایمان اور عمل صالح کے ساتھ موصوف تھے اور مرتے دم تک ایمان اور عمل صالح پر قائم رہیں گے۔ مرتدین اور منافقین سے یہ وعدہ نہیں تھا بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ وعدۂ استخلاف کی علت ہی ایمان اور عمل صالح ہے اور اس وعدہ کا باعث اور موجب صرف ایمان اور عمل صالح ہے اس لیے کہ جب مشتق پر حکم لگایا جاتا ہے تو مبدأ اشتقاق اس حکم کی علت ہوتا ہے۔ لہٰذا جو اس صفت میں اول نمبر ہوگا اس کو یہ انعام (خلافت) اول دیا جائے گا اور تقسیم انعام کا طریقہ بھی یہی ہے کہ جو اول نمبر ہوتا ہے اس کو انعام میں مقدم رکھا جاتا ہے اور چونکہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اس صفت میں سب سے اول اور مقدم تھے اس لیے انعام خلافت میں بھی وہ مقدم ہوئے اور اس بات کا علم کہ ایمان اور عمل صالح میں سب سے اول اور مقدم کون ہے، صحابہ کرام سے بڑھ کر کسی کو نہیں ہو سکتا۔ اس لیے صحابہ نے جس کو ایمان اور عمل صالح میں اول سمجھا، اس کو خلیفہ بنایا اور جس کو دوم اور سوم

اور چہارم سمجھا اس کو خلیفہ دوم وسوم و چہارم بنایا۔ نیز اس قید سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وعدۂ خلافت ایمان اور عمل صالح کی بنا پر ہے نہ کہ قرابت کی بنا پر۔ ورنہ قرابت میں سب سے اول حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا ہیں اور پھر امام حسن رضی اللہ عنہ اور پھر امام حسین رضی اللہ عنہ اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ یا حضرت عباس رضی اللہ عنہ۔ پس اگر خلافت بربنائے قرابت مانی جائے تو اس اعتبار سے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفۂ چہارم بنتے ہیں۔ اہل سنت نے کیا قصور کیا جوان کو خلیفہ چہارم بنانے سے مطعون کیا جارہا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اگر خلیفۂ چہارم بھی بنے تو وہ مہاجرین اور انصار ہی کے بنانے سے بنے۔ شیعوں کی طرف سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کچھ بھی نہ ملا اور اگر عباس رضی اللہ عنہ کی قرابت کا لحاظ کیا جائے کہ وہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے اور چچا بمنزلہ باپ کے ہوتا ہے تو اس اعتبار سے شاید حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفۂ چہارم نہ بن سکتے۔

۶- اور لفظ ﴿فِي الْاَرْضِ﴾ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ استخلاف سے بادشاہت اور سلطنت ظاہری اور حسی تسلط مراد ہے کیونکہ تمکین دین اور تبدیل خوف بامن بدون حکومت کے ممکن نہیں۔

اور حضرات شیعہ جو اپنے ائمہ سے نقل کرتے ہیں کہ استخلاف سے استخلاف اور تمکین فی العلم مراد ہے۔ وہ سراسر کذب اور افترا ہے کیونکہ آیت میں استخلاف مقید بقید فی الارض وارد ہوا ہے جو بغیر سلطنت اور ظاہری تسلط کے حاصل نہیں ہوسکتا اور اگر بخاطر شیعہ یہ تسلیم کرلیا جائے کہ استخلاف سے علمی اور دینی حکومت مراد ہے تو وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حاصل تھی اس میں جھگڑنے کی ضرورت نہیں۔ بقدر علم ہر شخص کو علمی حکومت اور علمی اقتدار حاصل ہے وہ اللہ کے عطا پر ہے۔ بندوں کو اس کا کوئی اختیار نہیں اس معنی کر شیعوں کا سارا جھگڑا ختم ہوجاتا ہے۔

۷- اور کلمہ ﴿كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بلادِ شام کی فتح کا وعدہ فرمایا مگر اس وعدہ کا ظہور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانۂ باسعادت میں نہیں ہوا بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد ان کے خلیفہ حضرت یوشع علیہ السلام کے ہاتھ پر ہوا اور اسی شہر حضرت یوشع علیہ السلام کے عہد خلافت میں فتح ہوئے اور بنی اسرائیل کو امن اور اطمینان حاصل ہوا۔

اسی طرح حق جل شانہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو بلادِ شام اور بلادِ عجم کا وعدہ کیا تھا۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفا کے ہاتھ پر پورا ہوا۔ اور ان کے عہد خلافت میں مسلمانوں کو امن اور اطمینان نصیب ہوا۔ جس طرح یوشع علیہ السلام کی خلافت بلافصل تھی اسی طرح ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت بلافصل تھی آیت میں استخلاف سے وہ استخلاف مراد ہے جو متصلاً اور متتابعاً ہو۔

۸- آیت کریمہ ﴿وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ ان کی سعی اور کوشش سے دین اسلام کو تمکین اور تقویت حاصل ہوگی اور تائید بھی ان کے شاملِ حال رہے گی اور ان کی سعی اور کوشش کے نتائج وہم وگمان سے بڑھ کر ظہور پذیر ہوں گے۔

۹- اور کلمہ ﴿دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ﴾ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس دین کو اس زمانہ میں تمکین اور قوت حاصل ہوگی وہی دین اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہوگا کیونکہ اس دین کو تمکین اور قوت دینے والا خدا تعالیٰ ہوگا اور وہ خدا کے نزدیک

پسندیدہ ہوگا اور جس دین کو اس زمانہ میں ظہور اور رواج حاصل ہوگا، وہی دین حق ہوگا اور جو دین پوشیدہ رہے گا۔ وہ پسندیدۂ خداوندی نہ ہوگا۔

حضرات شیعہ کے نزدیک جو دین پسندیدہ تھا وہ ہمیشہ پوشیدہ رہا اور ائمہ اہل بیت ہمیشہ تقیہ کرتے رہے اور اپنے دین کو چھپاتے رہے اپنے دین کے ظاہر کرنے پر قادر نہ ہوئے معلوم ہوا کہ جو دین پوشیدہ رہا وہ حق تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ نہ تھا اس لیے کہ اگر وہ دین پسندیدہ ہوتا تو حسبِ وعدۂ خداوندی اس کو تمکین اور قوت حاصل ہوتی اور ظاہر و باہر ہوتا۔

نیز اس لفظ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس زمانہ میں جو فتویٰ شائع ہوا ہے وہ حجت شرعیہ ہے اس لیے کہ وہ دین مرتضیٰ کا مصداق ہے اسی وجہ سے فقہاء کرام کا فتویٰ یہ ہے کہ جو شخص خلفاء راشدین کے فتوے کو حجت نہ سمجھے وہ اہل سنت والجماعت میں سے نہیں۔ نیز چونکہ یہ استخلاف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اس لیے اس کا مفاد یہ ہوگا کہ منجانب اللہ لوگوں پر اس خلیفہ کی اطاعت واجب ہوگی اس لیے کہ بادشاہ کا یہ کہنا کہ ہم نے فلاں شخص کو وزیر اور والی بنایا۔ اس کا مطلب ہی یہ ہے کہ اس کے احکام کو ماننا رعایا پر واجب ہے۔ کیونکہ جب شروع آیت میں وعدہ کی اسناد اللہ کی طرف ہے اور بعد میں ﴿لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ﴾ میں بھی استخلاف کی اسناد اللہ کی طرف ہے کہ اللہ خلیفہ بنائے گا تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ خلیفہ اللہ کا بنایا ہوا اور اس کا مقرر کردہ ہوگا اور اس کا ظہور اس وعدہ کے مطابق ہوگا اور جس کو خدا تعالیٰ خلیفہ مقرر کرے اس کی اطاعت بلاشبہ واجب ہے۔

۱۱- اور کلمہ ﴿وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ تمکین دین اور تبدیل خوف بامن کے کفیل اور ذمہ دار خود حق تعالیٰ ہیں اس لیے کہ ان افعال کی اسناد باری تعالیٰ کی طرف ہے اور یہ بات خلافتِ راشدہ ہی میں ممکن ہے۔ خلافت جابرہ اور خلافتِ جائرہ میں ممکن نہیں اور یہ تمام باتیں خلفاء ثلاثہ کے زمانہ میں علی وجہ الکمال والتمام حاصل ہوئیں جب کسریٰ اور قیصر کی سلطنتیں ختم ہوئیں تو دین اسلام کو تمکین اور استقرار حاصل ہوا۔ اور عرب اور عجم میں دین اسلام پھیل گیا اور بلادِ عرب و عجم ان کے زیر فرمان آئے اور اسلام کے قدم روئے زمین میں جم گئے اور مسلمانوں کا خوف امن سے بدل گیا اور اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی نہایت مامون اور بے خوف وخطر تھے اور خلفاء ثلاثہ کے زمانہ میں کفر سے مقابلہ رہا۔ یہاں تک کہ کفر اتنا ذلیل وخوار ہوا کہ سر اٹھانے کے قابل نہ رہا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانۂ خلافت میں بدعت نے سر اٹھایا اور خارجیوں کا فتنہ ظاہر ہوا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس فتنہ کا مقابلہ کیا اور بدعت کو خوب ذلیل اور رسوا فرمایا حتیٰ کہ اسی جہاد میں شہید ہوئے۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔ اور شیعیت اور رافضیت کے فتنہ کا آغاز بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی کے زمانہ میں ہوا مگر چونکہ یہ فتنہ خارجیوں کے فتنہ کی طرح ظہور پذیر نہ ہوا تھا۔ اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کھلم کھلا اس کے مقابلہ کی ضرورت نہ سمجھی بلکہ یہ کافی سمجھا کہ برسرِ منبر اپنے خطبات میں شیخین رضی اللہ عنہما کے فضائل اور مناقب بیان فرمائیں اور لوگوں کو یہ خوب سمجھا دیں کہ امت میں شیخین رضی اللہ عنہما سے بڑھ کر کسی کا درجہ نہیں۔ سو الحمد للہ افضلیت شیخین کے مسئلہ کو بھی اس قدر واضح فرما گئے کہ حضرات شیعہ کے لیے کوئی گنجائش نہ چھوڑی۔ غرض یہ کہ خارجیت اور شیعیت، ان دونوں متقابل بدعتوں کا خاتمہ فرما گئے اور شریعت میں باب البغاۃ یعنی باغیوں کا باب تشنہ اور محتاج تھا۔ باغیوں کے ساتھ کیا معاملہ ہونا چاہیے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے طرز عمل نے اس باب کی تفصیل کر دی۔

شیخین رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں قتالِ کفار کے مسائل کی توضیح اور تشریح ہوئی۔ جزیہ اور خراج کے مسائل معلوم ہوئے اور ختنین (یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ) کے زمانہ میں قتالِ بغاۃ کے مسائل کی تشریح اور تفصیل ہوئی اسی وجہ سے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نہ ہوتے تو ہم کو بغاۃ یعنی باغیوں کے احکام نہ معلوم ہوتے، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے طرزِ عمل نے مسائل بغاۃ کے استخراج اور استنباط میں فقہاء کرام کی رہنمائی کی۔

القصہ نعمتِ خلافت بالاصالت چار یار کو ملی اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اس میں شریک رہے اور حسب لیاقت اس سے بہرہ ور ہوئے۔ یہ ہے عقیدہ اہل سنت والجماعت کا۔ کہ خلفاء ثلاثہ کی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بھی خلافتِ راشدہ تھی اور ان کو تمکین دین حاصل تھی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے جو اختلاف تھا، وہ ایک بھائی کی دوسرے بھائی سے برادرانہ شکر رنجی تھی۔ کفر کے مقابلہ میں سب ایک تھے۔

اور حضرات شیعہ کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تمکین دین حاصل نہ تھی اور نہ ان کو کفار کے شر سے امن حاصل تھا وہ ہمیشہ دشمنوں سے ڈرتے اور لرزتے رہے اور اپنے دین کو چھپاتے رہے اور اپنے اصل مذہب کے اظہار پر کبھی قادر نہیں ہوئے اور اپنے دورِ خلافت میں متعہ کی حلت اور تراویح اور جمعہ کی اذانِ ثانی کی ممانعت کا فتویٰ نہ دے سکے اور جو احکامِ قرآنی متروک ہو چکے ان کو جاری نہ کر سکے اور حضرت سیدہ کے وارثوں کو فدک نہ دلا سکے، حتیٰ کہ اصل قرآن کو بھی ظاہر نہ کر سکے بلکہ جو قرآن شیخین رضی اللہ عنہما نے جمع کر دیا تھا۔ اس کی تلاوت کرتے رہے اور نمازوں میں بھی اسی کو پڑھتے رہے اور جو قوانین خلفاء ثلاثہ کے زمانہ میں جاری ہو چکے تھے اسی کے پابند رہے۔ روایات شیعہ کی بنا پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تمکین دین حاصل تھی اور نہ امن حاصل تھا۔ اور جو خلافت ان کو ملی تھی وہ برائے نام تھی اور باقی ائمہ اثنا عشر کو تو سرے سے حکومت ہی نہیں ملی۔ اسی وجہ سے شیعوں کے شہید ثانی قاضی نور اللہ شوستری نے علامہ ابن روز بہائی کے اس اعتراض کے جواب میں کہ اگر متعہ حلال تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے محض اپنی رائے سے اس کو حرام کر دیا تھا تو حضرت امیر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں کیوں نہ اس کی حلت کا اعلان فرمایا۔ اس اعتراض کے جواب میں قاضی نور اللہ شوستری احقاق الحق میں لکھتے ہیں:

"والحاصل ان امر الخلافة ما وصل اليه الا بالاسم دون المعنى وكان عليه السلام معارضا منازعا مبغضا فى ايام ولايته وكيف يامن فى ولايته الخلاف على المتقدمين عليه وكل من بايعه وجمهورهم شيعة اعدائه ومن يرى انهم مضوا على اعدل الامور وافضلها وان غاية امر من بعدهم ان يتبع طرائقهم ويقتضى أثارهم۔"

حاصل یہ کہ حضرت امیر کی خلافت برائے نام تھی۔ خلافت کا نام تھا معنی اور حقیقت نہ تھی زمانہ خلافت کے لوگ ان سے معارضہ اور مناقشہ کرتے تھے اور وہ مبغوض تھے اپنے زمانہ خلافت میں اپنے پیش رو خلفاء کی مخالفت نہیں کر سکتے تھے جن لوگوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی تھی وہ سب ان کے دشمنوں کے گروہ تھے اور ان کا عقیدہ یہ تھا کہ خلفاء ثلاثہ نہایت عدل وانصاف اور افضل حالت میں گزرے اور ان کے بعد آنے والے خلیفہ کی انتہائی معراج یہ ہے کہ قدم بقدم انہیں کے راستہ پر چلے۔

خلاصہ کلام یہ کہ اہل سنت کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی تمکین دین حاصل تھی مگر شیعوں کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کوئی تمکین حاصل نہیں ہوئی کیونکہ دین شیعہ اس زمانہ میں بھی مخفی رہا اور حضرت امیر رضی اللہ عنہ کو تقیہ ہی کرنا پڑا۔ اور برسرِ منبر شیخین رضی اللہ عنہما کی تعریف کرنی پڑی اور علیٰ ہذا شیعوں کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کفار کے شر سے بھی امن حاصل نہ ہوا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہمیشہ ان کو تنگ کرتے رہے اور اکثر ملک ان کے ہاتھ سے نکل گیا۔

۱۲- اس آیت میں آنے والے خلفا کی مدح اور ثنا ہے کہ وہ روئے زمین کی بادشاہت اور سلطنت ملنے کے بعد عام بادشاہوں کی طرح نہ ہوں گے بلکہ خدا کے عبادت گزار بندے ہوں گے اور وہ اس عبادت میں سرتا پا صدق اور اخلاص ہوں گے ﴿لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا﴾ یعنی ان کی عبادت میں ذرہ برابر شرک جلی اور شرک خفی کا شائبہ بھی نہ ہوگا وہ اللہ کے مُخلِص اور مُخلَص بندے ہوں گے ان کا ہر کام خالص اللہ کے لیے ہوگا دنیا کا اس میں کوئی شائبہ نہ ہوگا، اس مدحیہ جملہ سے صاف ظاہر ہے کہ صحابہ کرام نہ منافق تھے اور نہ وہ مرتد ہوئے۔ لہٰذا اب اس خبر کے بعد کسی کے لیے یہ گنجائش نہیں رہی کہ یہ کہہ سکے کہ صحابہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں منافق تھے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مرتد ہو گئے تھے، انعامِ خلافت کا وعدہ انہیں لوگوں کے لیے کیا جا رہا ہے جن کا ایمان اور اخلاص بارگاہِ خداوندی میں مسلّم ہے، غرض یہ کہ اس جملہ نے یعنی جملہ ﴿يَعْبُدُوْنَنِيْ﴾ نے صحابہ کے ارتداد کے احتمال کو جڑ اور بنیاد سے اکھاڑ کر پھینک دیا ہے کیونکہ اس جملہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کے آخری حال تک خبر دے دی ہے اور اللہ کا علم اور اس کی خبر غلط نہیں ہو سکتی۔

۱۳- ﴿وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾

اس آیت میں جو لفظ "کَفَرَ" واقع ہوا ہے بعض علما تو یہ کہتے ہیں کہ اس سے کفر حقیقی اور ارتداد کے معنی مراد ہیں کہ جو شخص اسلام کے اس عظیم الشان اور بے مثال غلبہ کو دیکھ کر بھی اسلام کی طرف راغب نہ ہو اور کفر پر قائم رہے وہ اعلیٰ درجہ کا نافرمان اور بدکار ہے۔

اور بعض علما یہ کہتے ہیں کہ کفر سے ناشکری کے معنی مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ جو شخص ان نعمتوں کے ملنے کے بعد بھی ان کی ناشکری اور ناقدری کرے وہ اعلیٰ درجہ کا فاسق ہے اور بدکار ہے جمہور مفسرین نے اسی معنی کو اختیار کیا ہے اور ﴿وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ﴾ کا مصداق اعداء خلفا رضی اللہ عن الخلفاء ہیں جنہوں نے اس نعمت کا کفران کیا۔

اور آیتِ استخلاف کے اخیر میں یہ لفظ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی خلافت کی حقیت کی تاکید کے لیے لایا گیا ہے اور اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ یہ خلافت موعودہ حق تعالیٰ کی ایک نعمتِ غیر مترقبہ ہے جس کا شکر واجب ہے اور جو شخص اس نعمت کی ناشکری اور ناقدری کرے وہ فاسق و فاجر ہے۔ سب سے پہلے اس نعمت کی ناشکری کرنے والے قاتلین عثمان ہیں۔ اول کفرانِ نعمت کے مرتکب خوارج اور نواصب ہیں جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر خروج کیا اور ان کے بعد یہ فرقۂ امامیہ ہے جو تین خلافتوں کی ناشکری کرنے والے ہیں غرض یہ کہ ﴿فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ یعنی اصل فاسق یہی خوارج اور روافض ہیں۔ اور قاتل خلیفۂ ثانی اور خلیفۂ ثالث اور قاتل حضرت امیر ہیں جو اس نعمت کے کفران میں سب سے اول نمبر پر ہیں ان کے سوا اور کوئی نظر نہیں آتا۔ مطلب یہ ہے کہ اخیر آیت میں جن کو فاسقون کہا گیا ہے اس کے اصل مصداق خوارج اور روافض

ہیں اس نعمت عظمیٰ کے کفران اور ناشکری اور ناقدری میں اصل فاسق یہی لوگ ہیں ان کے برابر اور کوئی فاسق نہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ فرمایا تھا۔ وہ پورا کر دیا۔ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد حضرت صدیق اور حضرت فاروق اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے اخیر زمانہ تک امن قائم رہا۔ یہاں تک کہ جب مسلمانوں کے ایک گروہ نے اس نعمت کا کفران کیا اور ناشکری کی تو اللہ تعالیٰ نے ایک تغیر عظیم پیدا کر دیا اور موجودہ حالت کو تبدیل کر دیا اور خوف کو پھر ان پر مسلط کر دیا۔ (ازالۃ الخفاء)

۱۴- ﴿وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾

شروع آیت میں ایمان اور عمل صالح کی بنا پر استخلاف کا وعدہ فرمایا اب اخیر سورت میں پھر عبادت اور اعمال صالحہ اور اطاعت رسول کا حکم دیتے ہیں اور اس بات پر متنبہ کرتے ہیں کہ اگر دینی اور دنیوی رحمتیں اور برکتیں چاہتے ہو تو رسول ﷺ کی اطاعت کو لازم پکڑو۔

۱۵- ﴿لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ﴾

اس آیت میں منافقین کو تہدید ہے کہ تم ان باتوں کو جن کا خدا تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے۔ محال نہ سمجھنا۔ اللہ تعالیٰ کافروں اور منافقوں کے پکڑنے سے عاجز نہیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ وعدہ فرمایا کہ آپ ﷺ کے متبعین کو روئے زمین کی خلافت اور بادشاہت ملے گی اور یہ ناممکن ہے کہ اللہ کا وعدہ پورا نہ ہو۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ﴾ ﴿فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ﴾ ﴿مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ﴾ اور یہ بھی ناممکن ہے کہ اللہ کے وعدہ کو کوئی شخص غصب کرے یا اس کی مخالفت کر سکے۔ قال اللہ تعالیٰ ﴿وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا﴾ ﴿لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ﴾ ﴿وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ﴾ اس لیے کہ وعدۂ خداوندی ایک امر تکوینی ہے، جس کی مخالفت عقلاً محال اور ناممکن ہے۔ البتہ امر تشریعی میں حکم خداوندی کی مخالفت کرنا ممکن ہے جیسے کسی کو حکم ہو کہ نماز پڑھو اور وہ نماز نہ پڑھے۔ ورنہ اگر وعدۂ خداوندی میں غصب ممکن ہو تو معاذ اللہ خدا کا مغلوب ہونا اور شخص غاصب کا غالب ہونا لازم آئے گا اور یہ قطعاً محال ہے۔

غرض یہ کہ حق تعالیٰ شانہ نے جو آنحضرت ﷺ کے متبعین سے وعدہ فرمایا تھا وہ حرف بحرف خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں پر پورا ہوا۔ اور اگر بالفرض والتقدیر خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی خلافت، خلافتِ موعودہ فی القرآن کا مصداق نہ تھی تو لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا نہیں فرمایا۔ اور نہ آئندہ اس کے ایفا کا کوئی امکان ہے، اس لیے کہ یہ وعدہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے تھا اور وہ گزر گئے۔

خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے دورِ خلافت میں جو فتوحات بلادِ عجم و شام حاصل ہوئیں وہ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سعادت سے لے کر اس وقت تک کسی کو حاصل نہیں ہوئی تھیں اور وہ تالیف قلوب اور تمکین و توسیع دین متین علی وجہ الکمال والتمام جس کا عشر عشیر کسی دین و ملت کو نصیب نہیں ہوا۔ انہیں حاصل ہوئی پس اگر ان بزرگانِ دین کی خلافت، وعدۂ الٰہی کا مصداق نہ تھی تو بتلایا جائے کہ پھر اور کس کی خلافت وعدۂ الٰہی کا مصداق بن سکے گی۔ خاص کر خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں

بولنے کی گنجائش نہیں اس لیے کہ خلفا کے اوصاف میں یہ فرمایا ﴿يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا﴾ یہ جملہ خبریہ ہے جس میں خلفا کے اوصاف کی خبر دی گئی ہے اور اس جملہ سے صاف ظاہر ہے کہ وہ اعلیٰ درجہ کے مخلصین ہوں گے ان کی عبادت اور اطاعت میں ذرہ برابر شرک کا شائبہ نہ ہوگا۔ اور جب خلفا کا عباد مخلصین سے ہونا ثابت ہو گیا تو یہ بات نصوص قرآنیہ سے ثابت ہے کہ عباد مخلصین پر شیطان کا کوئی قابو نہیں چلتا۔ کما قال تعالیٰ ﴿اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ﴾ اور ﴿اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ﴾۔

پس حق تعالیٰ نے خلفاء کے اوصاف میں جملہ ﴿يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا﴾ اس لیے زیادہ فرمایا تا کہ کسی کو صحابہ کے بارے میں نفاق اور ارتداد کا احتمال بھی باقی نہ رہے اس لیے کہ خدا تعالیٰ نے جب ان کے اخلاص کی شہادت دی اور ان کے جاری کردہ دین کو اپنا پسندیدہ قرار دے دیا تو اب نفاق اور ارتداد کے احتمال کی بیخ و بنیاد ہی اکھڑ گئی کیونکہ اس جملہ میں حق تعالیٰ نے ان کے اخیر حال تک کی خبر دے دی جو کبھی غلط نہیں ہو سکتی۔

تاویلِ سوم:...... آیت استخلاف میں اللہ تعالیٰ نے خود خلیفہ بنانے کا وعدہ فرمایا ہے اور خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم مہاجرین اور انصار رضی اللہ عنہم کے مشورہ سے خلیفہ بنے ہیں خدا نے ان کو خلیفہ نہیں بنایا۔

جواب:...... اللہ تعالیٰ کے خلیفہ بنانے کا وہی مطلب ہے جو ﴿نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ﴾ اور ﴿اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ﴾ کا مطلب ہے چونکہ تمام اسباب و وسائل بھی خدا ہی کے پیدا کیے ہوئے ہیں اس لیے اسباب و ذرائع سے جو رزق ملتا ہے وہ خدا ہی کا دیا ہوا رزق سمجھا جاتا ہے البتہ جو نعمت بندہ کو ایسی حاصل ہو کہ جس میں اس کے کسب اور اختیار کو دخل ہو وہ ظاہراً بندہ کی طرف منسوب کی جاتی ہے اور جس نعمت میں ظاہری اسباب کا بالکل دخل نہ ہو وہ نعمت حق تعالیٰ کی طرف منسوب کی جاتی ہے۔

کما قال تعالیٰ ﴿فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۠ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى﴾۔

اسی طرح یہ استخلاف فی الارض بھی بطور خرق عادت تھی۔ حضرات خلفا رضی اللہ عنہم کو جس قسم کی حکومت اور بادشاہت عطا ہوئی وہ اسباب سے کہیں بالا اور برتر تھی۔ باوجود بے سروسامانی کے قیصر و کسریٰ کی سلطنت کا تختہ الٹ دیا یہ محض قدرتِ خداوندی کا کرشمہ تھا اس لیے ﴿لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ﴾ میں حق تعالیٰ نے استخلاف کو اپنی طرف منسوب فرمایا تا کہ اس طرف اشارہ ہو جائے کہ اس وعدہ کا ظہور بطور خرق عادت ہوگا۔ ظاہری اسباب اور سامان کو اس میں داخل نہ ہوگا۔ دوسرا اشارہ اس طرف ہے کہ یہ خلافت اور حکومت جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دی جائے گی وہ اللہ کے نزدیک محبوب اور پسندیدہ ہوگی۔ جیسا کہ لفظ ''عبادی'' اور ''بیت اللہ'' اور ﴿نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ﴾ میں حق تعالیٰ شانہ کی طرف اضافت کمال تشریف اور غایت رضا پر دلالت کرتی ہے۔

فائدۂ جلیلہ:...... اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ استخلاف فی الارض سے اصل مقصود تمکین دین ہے۔ دین کے استحکام اور مضبوطی کے لیے حکومت اور سلطنت عطا کی گئی۔ اسلامی حکومت وہ حکومت ہے کہ جس میں قانونِ شریعت کو برتری اور بالادستی حاصل ہو۔

اعتراض:...... شیعہ یہ کہتے ہیں کہ انتظام ملکی اور ملکی فتوحات خلافتِ حقہ کی دلیل نہیں بن سکتے۔

جواب:...... اس آیت میں خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی نشانی یہ بتائی ہے کہ وہ زمین کے خلیفہ ہوں گے اور بزورِ شمشیر وسلطنت دینِ متین کو مضبوط اور مستحکم کر دیں گے۔ ہاں اگر خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں ترقی اسلام نہ ہوئی ہوتی بلکہ مثل تیمور فقط ملک گیری ہوتی تب تو کچھ گنجائش تھی لیکن جب کہ عرب سے لے کر ایران تک انہیں کی بدولت غلبۂ اسلام جاری ہوا پھر تو ان کی خلافت کے حق ہونے میں کیا شبہ ہوسکتا ہے۔ (دیکھو اجوبہ اربعین: ۲/ ۱۵)

جب دنیوی شان وشوکت اور ظاہری غلبہ کے ساتھ دین اسلام بھی ادیان پر غالب اور سربلند ہو جائے اور کفر کو اسلام کے مقابلہ میں سر اٹھانے کی طاقت نہ رہے تو ایسے فرمانرواؤں کی خلافت راشدہ اور خلافت حقہ ہونے میں کیا شائبہ ہوسکتا ہے۔

خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے دورِ خلافت میں جو بلاد اور اقالیم مفتوح ہوئے وہ اسلامی بلاد بن گئے اور اسلام کا رنگ ان پر غالب آ گیا اور شعائر اسلام کامل طور پر ظہور میں آئے اور اسلام اور علوم اسلامیہ تمام علوم پر غالب آ گئے ہر گلی اور کوچہ سے اور ہر در و دیوار سے اسلام کی آوازیں آنے لگیں۔ اسلام سربلندی میں آسمان کو پہنچا اور کفر ذلیل اور خوار اور سرنگوں ہوا۔ جو بلاد بعد میں فتح ہوئے اگرچہ وہ سلاطین اسلام کے ہاتھ سے فتح ہوئے مگر ان کے دورِ حکومت میں اسلام کو وہ عزت اور سربلندی نصیب نہیں ہوئی کہ جو خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے دور حکومت میں ہوئی۔

نیز خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے دورِ حکومت میں حکومت وسلطنت کا تمام کارخانہ قانونِ شریعت کے مطابق چلا۔ جزیہ اور خراج تمام محصولات ملکی اور تقسیم غنائم اور جہادات اور ملکی فتوحات سب شریعت کے مطابق لیا گیا۔ ذرہ برابر کتاب وسنت سے عدول نہیں کیا گیا۔

نیز تمام روئے زمین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دو بادشاہتوں پر منقسم تھی۔ کسریٰ اور قیصر، روئے زمین میں سب سے بڑے فرمانروا بھی دو تھے اور باقی ملوک اور فرمانروا انہی دو میں سے کسی کے ماتحت اور اس کے باج گزار تھے، پس خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا ان دو بادشاہوں کو شکست دے دینا درحقیقت تمام روئے زمین کی فتح کے مترادف اور ہم معنی تھا۔ پس کیا ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کا دس بارہ سال کی مدت میں باوجود بے سروسامانی کے آدھی آدھی دنیا کی دو منظم طاقتوں کو جن کی مال ودولت اور قوت وشوکت میں روئے زمین پر کوئی نظیر نہ تھی۔ بیک وقت ان کو شکست فاش دے دینا اور ان کے خزانوں اور مال ودولت اور جواہرات کو لا کر مسجد نبوی کے صحن میں ڈال دینا اور مسجد کے پرانے بوریے پر بیٹھ کر فقراء مسلمین پر ان کو تقسیم کر دینا کیا یہ اس کی دلیل قطعی نہیں کہ تائید غیبی ان کے ساتھ ہے اور حق شانہ نے نبی اُمی فداہ نفسی وامی سے جو وعدے کیے تھے کہ تیرے خادموں اور غلاموں کو داؤد اور سلیمان اور ذوالقرنین جیسی حکومت عطا کروں گا وہ وعدہ ہائے خداوندی ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں پورے ہو گئے۔ (دیکھو قرۃ العینین ص: ۲۲۲)

مصطفیٰ را وعدہ کرد الطاف حق گر بمیری تو نمیرد ایں سبق
چاکر انت شہر ہا گیرند وجاہ دین تو گیر زماہی تا بماہ

حجاز اور نجد اور یمن اور بحرین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں اہل اسلام کے قبضہ میں آ گیا تھا اور نواحی عرب

میں جو بت پرستی رائج تھی اس کا خاتمہ ہوگیا تھا خیبر جو یہودیوں کا اڈہ تھا وہ ختم ہو چکا تھا۔ اور حجر کے مجوسی اور نواحی شام کے کچھ عیسائی جزیہ گزار ہو گئے تھے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں فارس کے کچھ علاقے اور بُصریٰ اور ملک شام کے کچھ علاقے مسلمانوں کے تصرف میں آئے اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں تمام ملک شام اور تمام ملک مصر اور فارس کا اکثر ملک مسلمانوں کے قبضہ میں آیا اور کسریٰ شاہِ فارس نے ہر چند کوشش کی لیکن سوائے کسر شوکت و اقبال کچھ نہ ملا اور قیصرِ روم نے بہتیرے ہاتھ پیر مارے لیکن سوائے قصور طالع کے کچھ نہ دیکھا اور ان دونوں سلطنتوں کے بے شمار خزانے اور بے حساب اسباب مسلمانوں میں تقسیم ہوئے اور ان تمام اقالیم میں اسلام کا ڈنکا بج گیا اور بے خوف و خطر توحید حق پھیل گئی اور کفر و شرک اور مجوسیت اور عیسائیت کا بعض جگہوں سے بالکل خاتمہ ہوگیا اور بعض جگہ مقہور و مغلوب ہوگئی اور عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں اسلام کی حکومت مغرب کی جانب میں اندلس اور قیروان اور بحرِ محیط تک اور مشرق میں چین تک کا علاقہ مفتوح ہوگیا۔

اور ۳۰ھ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں کسریٰ مارا گیا اور کسریٰ کی سلطنت کا نام ونشان بھی باقی نہ رہا اور مشرق و مغرب کا خراج مدینہ منورہ آنے لگا۔

حاصلِ کلام یہ کہ حسب وعدۂ خداوندی اتنے قلیل عرصہ میں اتنی بڑی بڑی اور مضبوط اور پائیدار سلطنتیں جو صدہا سال سے دنیا پر چھائی ہوئی تھیں اور فوج اور خزانوں کی جن کے پاس کمی نہ تھی وہ ان تین درویشوں اور مسجد نبوی کے اماموں (ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم) کی بے سروسامان فوجوں کے ہاتھ ختم ہوئیں۔

اور مسجد کے بوریے پر بیٹھ کر ان سلطنتوں کے خزانے فقیروں میں تقسیم کیے گئے اور ہر بستی اور ہر شہر میں اسلام کا ڈنکا بج گیا اور ملک سے بے حیائی اور بدکاری اور رقص و سرود اور شراب خواری کا خاتمہ ہوا۔ اس طرح حق جل شانہ کا وعدہ پورا ہوا کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے خادموں کو ایسی آسمانی بادشاہت عطا ہوئی کہ جس سے دین و اسلام کو تمکین اور استحکام حاصل ہوا اور تائید آسمانی اور اقبال غیبی اور غلبۂ اسلام اور ذلت و رسوائی مخالفین و معاندین اسلام کا دنیا نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرلیا۔ اور علماء یہود و نصاریٰ نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ بلاشبہ یہ خلافت راشدہ، حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کی سلطنت کا نمونہ ہے اور ﴿كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ کا یہی مطلب ہے کہ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی خلافت، حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کی خلافت کے مشابہ اور ہمرنگ ہوگی اور یہ سب منجانب اللہ تھا اور دائرۂ اسباب سے بالا اور برتر تھا۔

تتمہ:...... حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دورِ خلافت میں اگرچہ کوئی ملک فتح نہیں ہوا۔ مگر کفر اور کافر کی یہ مجال نہ ہوئی کہ اسلام کی طرف کوئی نظر بد سے دیکھ سکے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اگرچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اختلاف تھا مگر کفر اور کافر کے مقابلہ میں دونوں ایک تھے، دو بھائی اگرچہ باہم کچھ اختلاف رکھتے ہوں مگر دشمن کے مقابلہ میں دونوں ایک ہوتے ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ

اے ایمان والو اجازت لے کر آئیں تم سے جو تمہارے ہاتھ کے مال ہیں ف۱ اور جو کہ نہیں پہنچے تم میں عقل کی

اے ایمان والو ! پروانگی مانگ کر آویں تم میں سے جو تمہارے ہاتھ کا مال ہیں، اور جو نہیں پہنچے تم میں عقل کی

مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ؕ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ

حد کو تین بار فجر کی نماز سے پہلے اور جب اتار رکھتے ہو اپنے کپڑے دوپہر میں

حد کو تین بار۔ فجر کی نماز سے پہلے، اور جب اتار رکھتے ہو اپنے کپڑے دوپہر میں

وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ۗ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ

اور عشا کی نماز سے پیچھے یہ تین وقت بدن کھلنے کے ہیں تمہارے ف۲ کچھ تنگی نہیں تم پر اور نہ ان پر

اور عشا کی نماز سے پیچھے، یہ تین وقت کھلنے کے ہیں تمہارے۔ کچھ گناہ نہیں تم پر نہ ان پر

بَعْدَهُنَّ ؕ طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ؕ

ان وقتوں کے پیچھے پھرا ہی کرتے ہو ایک دوسرے کے پاس ف۳ یوں کھولتا ہے اللہ، تمہارے آگے باتیں

ان کے پیچھے، پھرا ہی کرتے ہو ایک دوسرے پاس۔ یوں کھولتا ہے اللہ تمہارے آگے باتیں،

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۸﴾ وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ

اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے اور جب پہنچیں لڑکے تم میں کے عقل کی حد کو تو ان کو ویسی ہی اجازت لینی چاہیے جیسے لیتے رہے ہیں

اور اللہ سب جانتا ہے حکمت والا۔ اور جب پہنچیں لڑکے تم میں عقل کی حد کو تو ویسی پروانگی لیں جیسے لیتے رہے ہیں

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۹﴾

ان سے اگلے ف۴ یوں کھول کر سناتا ہے اللہ تم کو اپنی باتیں اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے۔

ان سے اگلے۔ یوں کھول سناتا ہے اللہ تم کو اپنی باتیں۔ اور اللہ سب جانتا ہے حکمت والا۔

ف۱ یعنی لونڈی، غلام، چار رکوع پہلے مسئلہ استیذان (اجازت لینے) کا ذکر تھا۔ یہ اسی کا تتمہ ہے۔ درمیان میں خاص خاص مناسبتوں سے دوسرے مضامین آگئے۔

ف۲ ان تین وقتوں میں عموماً زائد کپڑے اتار دیے جاتے ہیں یا سونے جاگنے کا لباس تبدیل کیا جاتا ہے اور بیوی کے ساتھ مصاحبت بھی بیشتر ان ہی اوقات میں ہوتی ہے۔ کبھی فجر سے قبل یا دوپہر کے وقت آدمی غسل کرنے کا ارادہ کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ کوئی مطلع نہ ہو۔ اس لیے حکم دیا کہ ان تین وقتوں میں نابالغ لڑکوں اور لونڈی غلام کو بھی اجازت لے کر آنا چاہیے۔ باقی وقتوں میں ان کو اجانب کی طرح اجازت طلب کرنے کی حاجت نہیں۔ الایہ کہ کوئی شخص اپنی مصلحت سے دوسرے اوقات میں بھی استیذان کی پابندی عائد کردے۔

ف۳ یعنی اوقات مذکورہ بالا کو چھوڑ کر باقی جن اوقات میں عادۃً ایک دوسرے کے پاس بے روک ٹوک آتے جاتے ہیں ان میں نابالغ لڑکوں یا لونڈی غلام کو ہر مرتبہ اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ ایسا پابند کرنے میں بہت تنگی اور کاروبار کا تعطل ہے جو حق تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے۔

ف۴ یعنی لڑکا جب تک نابالغ ہے تین وقتوں کے سوا باقی اوقات میں بلا اجازت لیے آ جا سکتا ہے۔ جس وقت حد بلوغ کو پہنچا پھر اس کا حکم ان ہی مردوں جیسا =

حکم یازدہم متعلق بہ استیذان

قَالَ اللهُ تَعَالٰی: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ...الی... وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾

ربط: ......آغاز سورت میں عفت وعصمت وآداب معاشرت کے متعلق احکام کا ذکر تھا جن میں ایک حکم استیذان کا تھا کہ کسی گھر میں بغیر اجازت کے داخل نہ ہو، اب پھر انہی احکام کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ان آیات میں غلاموں اور نابالغ بچوں کو اجازت لے کر داخل ہونے کا حکم ہے اور شروع سورت میں جو اجازت لینے کے احکام مذکور تھے وہ اجنبیوں کے متعلق تھے کہ کسی کے مکان میں بغیر اجازت داخل ہونے کی ممانعت تھی، اب یہ آیتیں اسی گزشتہ حکم استیذان کا تتمہ اور تکملہ ہیں کہ جو لونڈی اور غلام اور نابالغ بچے گھر میں رہتے ہیں۔ تین وقتوں میں ان کو بھی تمہارے کمرہ میں اجازت لے کر آنا چاہئے۔ یہ اوقات خلوت واستراحت کے ہیں۔ بسا اوقات انسان سے سوتے وقت اس کا کپڑا اتر جاتا ہے اور ستر کھل جاتا ہے۔ لہٰذا ان تین اوقات میں غلاموں اور کنیزوں کو بھی بغیر اجازت کے اندر داخل نہ ہونا چاہئے۔ باقی اوقات میں ان کو اجازت کی ضرورت نہیں۔

چنانچہ فرماتے ہیں۔ اے ایمان والو۔ چاہئے کہ اجازت لے کر آیا کریں تم سے وہ کہ جن کے مالک ہیں تمہارے ہاتھ یعنی لونڈی اور غلام اور وہ لڑکے جو تم میں سے حد بلوغ کو نہیں پہنچے وہ تین وقت میں تم سے آنے کی اجازت لیا کریں، یعنی تین وقتوں میں بغیر اجازت لئے تمہارے پاس نہ آیا کریں ایک تو نماز فجر سے پہلے اور دوسرے دوپہر کے وقت جب تم قیلولہ کے لئے اپنے کپڑے اتار کر رکھتے ہو اور تیسرے نماز عشاء کے بعد جب آدمی اپنی اہلیہ کے ساتھ تخلیہ میں ہوجاتا ہے۔ یہ تین وقت تمہارے لئے پردے کے ہیں۔

اس لئے ان تین وقتوں میں بغیر اجازت لئے تمہارے پاس نہ آیا کریں اور بعد ان تین وقتوں کے بغیر اجازت لئے تمہارے پاس آنے میں نہ تم پر کوئی گناہ ہے اور نہ ان پر کیونکہ وہ تم پر گھومتے رہتے ہیں۔ یعنی بکثرت اور بار بار تمہارے پاس آتے جاتے رہتے ہیں ایک دوسرے کے پاس۔ اس لئے ہر دفعہ میں اجازت لینے میں دشواری ہے۔ یوں اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اپنے احکام بیان کرتا ہے۔ اور اللہ بندوں کی مصلحتوں کو جاننے والا ہے۔ اس کا ہر حکم حکمت اور مصلحت پر مبنی ہے اور جب تم میں کے لڑکے حد بلوغ کو پہنچیں یعنی بالغ ہوجائیں یا قریب بلوغ ہوجائیں تو تمہارے پاس آنے کے لئے تم سے جملہ اوقات میں اجازت لیا کریں جیسا کہ اجازت مانگتے ہیں وہ لوگ جو ان سے پہلے بالغ ہو چکے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ لڑکا جب تک نابالغ ہے تو تین وقتوں کے سوا باقی اوقات میں بغیر اجازت لئے اندر آسکتا ہے اور جب حد بلوغ کو پہنچ گیا تو پھر اس کا حکم انہی مردوں جیسا ہے جو اس سے پہلے بالغ ہو چکے ہیں اور ان کا حکم پیشتر آیت ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَهْلِهَا﴾ میں گزر چکا ہے۔ یوں اللہ تعالیٰ تمہارے لئے احکام بیان کرتا ہے اور اللہ اپنے بندوں کی مصلحتوں کو جاننے والا ہے اس کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں۔

= ہو گیا جو اس سے پہلے بالغ ہو چکے ہیں اور جن کا حکم پیشتر آیت ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَهْلِهَا﴾ میں گزر چکا ہے۔

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَیْسَ عَلَیْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ یَّضَعْنَ

اور جو بیٹھ رہی ہیں گھروں میں تمہاری عورتوں میں سے جن کو توقع نہیں رہی نکاح کی ان پر گناہ نہیں کہ اتار رکھیں

اور جو بیٹھ رہی ہیں تمہاری عورتوں میں، جن کو توقع نہیں بیاہ کی، ان پر گناہ نہیں کہ اتار رکھیں

ثِیَابَهُنَّ غَیْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِیْنَةٍ ؕ وَاَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ خَیْرٌ لَّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۞

اپنے کپڑے یہ نہیں کہ دکھاتی پھریں اپنا سنگھار اور اس سے بھی بچیں تو بہتر ہے ان کے لیے ف۱ اور اللہ سب باتیں سنتا جانتا ہے ف۲

اپنے کپڑے، یہ نہیں کہ دکھاتی پھریں اپنا سنگھار۔ اور اس سے بھی بچیں تو بہتر ہے ان کو۔ اور اللہ سب سنتا ہے جانتا۔

حکم دوازدہم متعلق بہ تستر

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِكَاحًا ... الی ... وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ﴾

ربط:...... شروع سورت میں عورتوں کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں۔ کما قال تعالیٰ ﴿لَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ﴾۔ اب ان آیات میں بوڑھی عورتوں کے متعلق حکم بیان کرتے ہیں کہ ان کے لئے اس درجہ تستر ضروری نہیں جتنا کہ جوان عورتوں کے لئے تستر ضروری ہے۔ عورت کا جب زمانہ شباب گزر گیا اور بڑھاپے کی اس منزل کو پہنچ گئی کہ نکاح کی اس کو حاجت نہ رہی تو ایسی حالت میں اگر وہ اپنے گھر میں تھوڑے کپڑوں میں بھی رہے تو درست ہے اور بہتر یہ ہے کہ پورا پردہ رکھیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور بڑی عمر والی عورتیں جن کو نکاح کی امید نہیں رہی اور گھر میں بیٹھی رہتی ہیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ اپنے گھر میں زائد کپڑے اتار کر رکھ دیں۔ جیسے چادر اور برقع۔ بشرطیکہ وہ اس سے اپنی زینت کا اظہار کرنے والی نہ ہوں یعنی چادر اور برقع کے اتار دینے سے مقصود غیر مردوں کو اپنے محاسن کا دکھلانا نہ ہو تو پھر زائد کپڑے اتار دینے میں کوئی گناہ نہیں اور اگر وہ اس سے بھی بچیں، یعنی اپنے زائد کپڑے بھی نہ اتاریں تو ان کے لئے اور زیادہ بہتر ہے اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔ یعنی ان کے قول کو سنتا ہے اور ان کی نیتوں کو جانتا ہے۔

لَیْسَ عَلَی الْاَعْمٰی حَرَجٌ وَّلَا عَلَی الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَی الْمَرِیْضِ حَرَجٌ وَّلَا عَلٰٓی

نہیں ہے اندھے پر کچھ تکلیف اور نہ لنگڑے پر تکلیف اور نہ بیمار پر تکلیف ف۳ اور نہیں تکلیف تم

نہیں اندھے پر کچھ تکلیف، اور نہ لنگڑے پر تکلیف، اور نہ بیمار پر تکلیف، اور نہیں تکلیف تم

ف۱ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "یعنی بوڑھی عورتیں گھر میں تھوڑے کپڑوں میں رہیں تو درست ہے اور پورا پردہ رکھیں تو اور بہتر" اور گھر سے باہر نکلتے وقت بھی زائد کپڑے مثلاً برقع وغیرہ اتار دیں تو کچھ مضائقہ نہیں۔ بشرطیکہ اس زینت کا اظہار نہ ہو جس کے چھپانے کا حکم آیت ﴿وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ﴾ الخ میں دیا جا چکا ہے۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ جوان عورتوں کے تستر کے متعلق قرآن کریم کا منشا کیا ہے۔

ف۲ یعنی یہ تو فتنہ کی روک تھام کے ظاہری انتظامات ہیں باقی پردہ کے اندر جو باتیں کی جاتی ہیں اور فتنے اٹھائے جاتے ہیں یاد رہے کہ خدا تعالیٰ ان سب کو سنتا اور جانتا ہے۔ اسی کے موافق ہر ایک سے معاملہ کرے گا۔

ف۳ یعنی جو کام تکلیف کے ہیں وہ ان کو معاف ہیں مثلاً جہاد، حج، جمعہ اور جماعت اور ایسی چیزیں۔ (کذافی الموضح) یا یہ مطلب ہے کہ ان معذور محتاج لوگوں کو تندرستوں کے ساتھ کھانے میں کچھ حرج نہیں۔ جاہلیت میں اس قسم کے محتاج و معذور آدمی اغنیاء اور تندرستوں کے ساتھ کھانے سے رکتے تھے انھیں خیال گزرتا =

اَنۡفُسِكُمۡ اَنۡ تَاۡكُلُوۡا مِنۡۢ بُيُوۡتِكُمۡ اَوۡ بُيُوۡتِ اٰبَآئِكُمۡ اَوۡ بُيُوۡتِ اُمَّهٰتِكُمۡ اَوۡ بُيُوۡتِ

لوگوں پر کہ کھاؤ اپنے گھروں سے یا اپنے باپ کے گھر سے یا اپنی ماں کے گھر سے یا اپنے بھائی کے گھر سے

لوگوں پر کہ کھالو اپنے گھروں سے، یا اپنے باپ کے گھروں سے، یا اپنی ماں کے گھر سے،

اِخۡوَانِكُمۡ اَوۡ بُيُوۡتِ اَخَوٰتِكُمۡ اَوۡ بُيُوۡتِ اَعۡمَامِكُمۡ اَوۡ بُيُوۡتِ عَمّٰتِكُمۡ اَوۡ بُيُوۡتِ

یا اپنی بہن کے گھر سے یا اپنے چچا کے گھر سے یا اپنی پھوپھی کے گھر سے یا اپنے

یا اپنے بھائی کے گھر سے، یا اپنی بہن کے گھر سے، یا اپنے چچا کے گھر سے، یا اپنی پھوپھی کے گھر سے، یا اپنے

اَخۡوَالِكُمۡ اَوۡ بُيُوۡتِ خٰلٰتِكُمۡ اَوۡ مَا مَلَكۡتُمۡ مَّفَاتِحَهٗۤ اَوۡ صَدِيۡقِكُمۡ ؕ لَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ

ماموں کے گھر سے یا اپنی خالہ کے گھر سے یا جس گھر کی کنجیوں کے تم مالک ہو یا اپنے دوست کے گھر سے ف۱ نہیں

ماموں کے گھر سے، یا اپنی خالہ کے گھر سے، یا جس کی کنجیوں کے مالک ہوئے ہو، یا اپنے دوست کے گھر سے، نہیں

جُنَاحٌ اَنۡ تَاۡكُلُوۡا جَمِيۡعًا اَوۡ اَشۡتَاتًا ؕ

گناہ تم پر کہ کھاؤ آپس میں مل کر یا جدا ہو کر۔

گناہ تم پر کہ کھاؤ مل کر یا جدا۔

حکم سیزدہم متعلق باہمی اکل وشرب

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿لَيۡسَ عَلَى الۡاَعۡمٰى حَرَجٌ... الی... اَنۡ تَاۡكُلُوۡا جَمِيۡعًا اَوۡ اَشۡتَاتًا﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں جو احکام بیان کئے گئے وہ آداب معاشرۃ سے متعلق تھے اب آیات میں باہمی اکل وشرب کے آداب کو بیان کرتے ہیں جب حق جل شانہ نے قرآن کریم میں یہ حکم نازل کیا۔ ﴿لَا تَاۡكُلُوۡۤا اَمۡوَالَكُمۡ بَيۡنَكُمۡ بِالۡبَاطِلِ﴾ آپس میں ناحق ایک دوسرے کا مال نہ کھاؤ تو مسلمانوں نے احتیاط کی بنا پر اپنے رشتہ داروں اور عزیزوں کے گھروں کا کھانا کھانا بھی چھوڑ دیا اور خیال کیا کہ بلاضرورت کسی کے گھر کا کھانا حلال نہیں حتی کہ اندھوں اور لنگڑوں اور بیماروں نے بھی اپنے اعزاء اور اقارب کے گھر جانے میں تنگی محسوس کی اور خیال کیا کہ شاید ہماری معذوری اور ہماری بیماری دوسروں کے لئے باعث

=تھا کہ شاید لوگوں کو ہمارے ساتھ کھانے سے نفرت ہو اور ہماری بعض حرکات واوضاع سے ایذا پہنچتی ہو، اور واقعی بعضوں کو نفرت ووحشت ہوتی بھی تھی۔ نیز بعض مومنین کو غایت اتقاء سے یہ خیال پیدا ہوا کہ ایسے معذوروں اور مریضوں کے ساتھ کھانے میں شاید اصول عدل ومساوات قائم نہ رہ سکے۔ اندھے کو سب کھانے نظر نہیں آتے لنگڑا ممکن ہے دیر میں پہنچے اور مناسب نشست سے نہ بیٹھ سکے۔ بیمار کا تو پوچھنا ہی کیا ہے اس بنا پر ساتھ کھلانے میں احتیاط کرتے تھے کہ ان کی حق تلفی نہ ہو۔ دوسری ایک اور صورت پیش آتی تھی کہ یہ معذور محتاج لوگ کسی کے پاس گئے، وہ شخص استطاعت نہ رکھتا تھا، از راہ بے تکلفی ان کو اپنے باپ، بھائی، بہن، چچا، ماموں وغیرہ کسی عزیز وقریب کے گھر لے گیا۔ اس پر ان حاجت مندوں کو خیال ہوتا تھا کہ ہم تو آئے تھے اس کے پاس، یہ دوسرے کے ہاں لے گیا۔ کیا معلوم وہ ہمارے کھلانے سے کارہ اور ناخوش تو نہیں۔ ان تمام خیالات کی اصلاح آیت حاضرہ میں کر دی گئی کہ خواہی نخواہی اس طرح کے اوہام ووساوس میں مت پڑو۔ اللہ تعالیٰ نے اس معاملہ میں وسعت رکھی ہے پھر تم خود اپنے اوپر تنگی کیوں کرتے ہو۔

ف۱ یعنی تمہارے زیر تصرف دیا گیا ہو۔ مثلاً کسی نے اپنی چیز کا وکیل یا محافظ بنا دیا اور بقدر معروف اس میں سے کھانے پینے کی اجازت دے دی۔

گرانی ہو۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

فرمایا۔ نہ نابینا پر کچھ گناہ ہے اور نہ لنگڑے پر کچھ گناہ ہے اور نہ مریض پر کچھ گناہ ہے اور نہ تم پر کچھ گناہ ہے اس بات میں کہ تم اپنے گھروں سے کھانا کھاؤ۔ اس میں اہل وعیال اور آل اولاد کے گھر بھی آ گئے یا اپنے باپوں کے گھروں سے یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموں کے گھروں سے یا ان گھروں سے جن کی کنجیوں کے تم مالک ہو۔ یعنی جن کے تم متولی ہو اور وہ مکان تمہارے زیر تصرف ہوں مثلاً کسی نے تم کو اپنے مکان کا وکیل اور متولی اور محافظ بنا دیا ہے اور بقدر ضرورت تم کو اس سے کھانے کی اجازت دی ہے یا اپنے سچے دوست [1] کے گھر سے جو تمہارا سچا دوست ہے۔ جسے تمہارے کھانے سے خوشی ہوتی ہے اور تمہارا جانا اس پر شاق اور گراں نہ گزرتا ہو۔ تو ان لوگوں کے گھروں سے کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ یہ کھانا ناحق کھانا نہیں جس کی اللہ تعالیٰ نے ﴿لَا تَأْكُلُوٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾ میں ممانعت کی ہے۔ یہ آیتیں نازل کر کے اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا کہ تمہیں اس بارے میں رخصت اور وسعت ہے تنگی کی ضرورت نہیں۔

نیز بعض معذور مثلاً نابینا اور لنگڑا تندرستوں کے ساتھ کھانا کھانے سے گھبراتے تھے کہ شاید ہماری بعض حرکات اور اطوار سے لوگوں کو تکلیف پہنچے اور بعضوں کو واقعی ان کے ساتھ کھانے سے وحشت ہوتی تھی نیز بعض مومنین کو غایت اتقا کی وجہ سے یہ خیال پیدا ہوا کہ شاید ایسے معذوروں کے ساتھ کھانے میں ہم سے کوئی ظلم اور زیادتی نہ ہو جائے اس لئے کہ نابینا کو سب کھانے نظر نہیں آتے اور بیمار آدمی بہت آہستہ کھاتا ہے، اس لئے ان لوگوں کو اندیشہ ہوا کہ شاید ان لوگوں کے ساتھ کھانے میں ان کی حق تلفی ہو جائے اس بنا پر ان کے ساتھ کھانے میں احتیاط برتتے تھے اور بعض مرتبہ یہ صورت پیش آتی تھی کہ کوئی معذور اور بیمار کسی کے پاس ملنے گیا اور وہ شخص اس معذور کو اپنے باپ یا بھائی بہن یا پھوپھی یا خالہ کے گھر لے جاتا تو ان معذورین کو یہ خیال گزرتا ہے کہ ہم آئے تو تھے اس کے پاس اور یہ ہم کو دوسروں کے گھر لے جا رہا ہے اور ساتھ جانے میں تامل کرتے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کر کے تمام خیالات کی اصلاح کر دی اور بتلا دیا کہ اللہ کی طرف سے وسعت ہے لہٰذا تم اپنے اوپر تنگی نہ کرو۔ تندرستوں کو مریضوں سے اور مریضوں کو تندرستوں سے پرہیز کرنے کی ضرورت نہیں اور خویش و اقارب کے یہاں کھانا کھانے میں کوئی حرج نہیں۔

نیز بعض انصار پر جود و کرم کا اس قدر غلبہ تھا کہ وہ لوگ بے مہمان کے تنہا کھانا گوارا نہیں کرتے اور اپنی جان پر مشقت گوارا کرتے اور مہمان کا انتظار کرتے ان کے بارہ میں آئندہ آیت اتری۔ تم پر کچھ گناہ نہیں کہ تم ایک جگہ جمع ہو کر اور مل کر کھانا کھاؤ یا الگ الگ اور اکیلے اکیلے کھاؤ اور دل میں یہ خیال نہ کرو کہ کس نے کم کھایا اور کس نے زیادہ۔ اکیلے اکیلے کھانا بھی جائز ہے مگر مل کر کھانے میں برکت زیادہ ہے۔

[1] یہ قید اس لیے لگائی کہ صدیق، صدق سے مشتق ہے جس کے معنی سچے دوست کے ہیں۔ سیاسی دوست کو لغت میں صدیق نہیں کہتے۔

فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ۭ كَذٰلِكَ

پھر جب کبھی جانے لگو گھروں میں تو سلام کہو اپنے لوگوں پر نیک دعا ہے اللہ کے یہاں سے برکت والی ستھری یوں

پھر جب جانے لگو کبھی گھروں میں تو سلام کہو اپنے لوگوں پر نیک دعا ہے اللہ کے ہاں سے برکت کی ستھری۔ یوں

يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٦١﴾ ع

کھولتا ہے اللہ تمہارے آگے اپنی باتیں تا کہ تم سمجھ لو ف ا

کھولتا ہے اللہ تمہارے آگے باتیں، شاید تم بوجھ رکھو۔

حکم چہاردہم متعلق بہ سلام اہل خانہ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ ... الی ... لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾

ربط: ...... گزشتہ آیات میں یہ بتلا دیا کہ کن کن گھرانوں میں کھانے پینے کی اجازت ہے اور اس کا کیا طریقہ ہے، یہ تمام تر آداب اکل کا بیان تھا۔ اب کسی مکان میں داخل ہونے کا ادب سکھلاتے ہیں کہ جب اپنے اعزا اور اقارب کے گھروں میں داخل ہوا کرو تو سلام کیا کرو جو ان کے لئے سلامتی کی دعا ہے۔ داخلہ کا آغاز دعا خیر و سلامتی سے موجب صد خیر و برکت ہے۔

اور اس طرح گھر میں داخل ہونا موجب خیر و برکت بھی ہے اور موجب مسرت بھی ہے کہ گھر والوں نے تمہاری زبان سے دعا خیر و سلامتی سنی۔ چنانچہ فرماتے ہیں پھر جب تم اپنے گھروں میں داخل ہونے لگو تو اپنوں پر یعنی اپنے گھر والوں پر سلام کیا کرو۔ دعا کے طور پر جو اللہ کی طرف سے مقرر ہے بہت خیر و برکت والی اور پاکیزہ دعا جس سے سننے والے کا دل خوش ہو جائے، یعنی گھروں میں داخل ہوتے وقت السلام علیکم کہنا یہ اللہ کی تعلیم کی ہوئی دعا ہے جو نہایت عمدہ اور بابرکت ہے جس کو سنتے ہی دل خوش ہو جاتا ہے کہ یہ داخل ہونے والا میری خیر اور سلامتی چاہتا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لئے احکام کو بیان کرتا ہے تا کہ تم اس کے حکموں کو سمجھو اور ان پر عمل کرو۔ خدا تعالیٰ نے تم کو گھر میں داخل ہونے اور کھانا کھانے کے آداب بتلا دیئے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ

ایمان والے وہ ہیں جو یقین لائے ہیں اللہ پر اور اس کے رسول پر اور جب ہوتے ہیں اس کے ساتھ کسی جمع ہونے کے کام میں تو

ایمان والے وہ ہیں جو یقین لائے ہیں اللہ پر اور اس کے رسول پر، اور جب ہوتے ہیں اس کے ساتھ کسی جمع ہونے کے کام میں، تو

ف ا یعنی اپنایت کے علاقوں میں کھانے کی چیز کو ہر وقت پوچھنا ضروری نہیں۔ نہ کھانے والا حجاب کرے نہ گھر والا دریغ کرے۔ مگر عورت کا گھر اگر اس کے خاوند کا ہو۔ اس کی مرضی حاصل کرنی چاہیے اور مل کر کھاؤ یا جدا یعنی اس کی تکرار دل میں نہ رکھے کہ کسی نے کم کھایا کس نے زیادہ۔ سب نے مل کر پکایا سب نے مل کر کھایا۔ اور اگر ایک شخص کی مرضی نہ ہو تو پھر کسی کی چیز کھانی ہرگز درست نہیں اور تقید فرمایا سلام کا آپس کی ملاقات میں۔ کیونکہ اس سے بہتر دعا نہیں۔ جو لوگ اس کو چھوڑ کر اور الفاظ گھڑتے ہیں اللہ کی تجویز سے ان کی تجویز بہتر نہیں ہو سکتی۔

(تنبیہ) آیت سے تنہا کھانے کا جواز بھی نکلا۔ بعض حضرات کو لکھا ہے کہ جب تک کوئی مہمان ساتھ نہ ہو کھانا نہ کھاتے تھے۔ معلوم ہوا یہ غلو ہے۔ البتہ اگر کئی کھانے والے ہوں اور اکٹھے بیٹھ کر کھائیں تو موجب برکت ہوتا ہے۔ کما ورد فی الحدیث۔

يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ

چلے نہیں جاتے جب تک اس سے اجازت نہ لے لیں جو لوگ تجھ سے اجازت لیتے ہیں وہ ہی ہیں جو مانتے ہیں اللہ کو

چلے نہیں جاتے جب تک اس سے پروانگی نہ لیں۔ جو لوگ تجھ سے پروانگی لیتے ہیں، وہی ہیں جو مانتے ہیں اللہ کو

وَرَسُوْلِهٖ ۚ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ

اور اس کے رسول کو ف۱ پھر جب اجازت مانگیں تجھ سے اپنے کسی کام کے لیے تو اجازت دے جس کو ان میں سے تو چاہے اور معافی مانگ ان کے واسطے

اور اس کے رسول کو۔ پھر جب پروانگی مانگیں تجھ سے اپنے کسی کام کو تو دے پروانگی جس کو ان میں تو چاہے، اور معافی مانگ ان کے واسطے

لَهُمُ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۶۲﴾ لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ

اللہ سے، اللہ بخشنے والا مہربان ہے ف۲ مت کرلو بلانا رسول کا اپنے اندر برابر اس کے جو بلاتا ہے

اللہ سے، اللہ بخشنے والا ہے مہربان۔ مت ٹھہراؤ بلانا رسول کا اپنے اندر برابر اس کے جو بلاتا ہے

بَعْضِكُمْ بَعْضًا ؕ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ

تم میں ایک دوسرے کو ف۳ اللہ جانتا ہے ان لوگوں کو تم میں سے جو کھسک جاتے ہیں آنکھ بچا کر ف۴ سو ڈرتے رہیں وہ لوگ

تم میں ایک کو ایک۔ اللہ جانتا ہے ان لوگوں کو تم میں جو سٹک جاتے ہیں آنکھ بچا کر۔ سو ڈرتے رہیں جو لوگ

يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۳﴾ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي

جو خلاف کرتے ہیں اس کے حکم کا اس سے کہ آن پڑے ان پر کچھ خرابی یا پہنچے ان کو عذاب دردناک ف۵ سنتے ہو اللہ ہی کا ہے جو کچھ ہے

خلاف کرتے ہیں اس کے حکم کا، کہ پڑے ان پر کچھ خرابی یا پہنچے ان کو دکھ کی مار۔ سنتے ہو اللہ کا ہے جو کچھ ہے

ف۱ اوپر کی آیتوں میں آنے کے وقت استیذان (اجازت طلب کرنے) کا ذکر تھا۔ یہاں جانے کے وقت استیذان کی ضرورت بتائی ہے یعنی پورے ایمان والے وہ ہیں جو رسول کے بلانے پر حاضر ہوتے ہیں اور جب کسی اجتماعی کام میں شریک ہوں مثلاً جمعہ، عیدین، جہاد اور مجلس مشاورت وغیرہ میں تو بدون اجازت کے اٹھ کر نہیں جاتے۔ یہی لوگ ہیں جو کامل اور صحیح معنی میں اللہ اور رسول کو مانتے ہیں۔

ف۲ یعنی غور و فکر کے بعد جس کو مناسب سمجھیں اجازت دے دیں۔ اور چونکہ اس اجازت پر عمل کرنا بھی فی الجملہ صحبت نبوی سے حرمان اور صورت تقدیم الدنیا علی الدین کا شائبہ اپنے اندر رکھتا ہے اس لیے ان مخلصین کے حق میں استغفار فرمائیں تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے استغفار کی برکت سے اس نقص کا تدارک ہو سکے۔

ف۳ یعنی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے پر حاضر ہونا فرض ہو جاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بلانا اوروں کی طرح نہیں کہ چاہے اس پر "لبیک" کہے یا نہ کہے۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے پر حاضر نہ ہو تو آپ کی بددعا سے ڈرنا چاہیے کیونکہ آپ کی دعا معمولی انسانوں جیسی نہیں۔ نیز مخاطبات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب و عظمت کا پورا خیال رکھنا چاہیے۔ عام لوگوں کی طرح "یا محمد" وغیرہ کہہ کر خطاب نہ کیا جائے "یا نبی اللہ" اور "یا رسول اللہ" جیسے تعظیمی القاب سے پکارنا چاہیے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ "حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے سے فرض ہوتا تھا حاضر ہونا جس کام کو بلائیں۔ پھر یہ بھی تھا کہ وہاں سے بے اجازت اٹھ کر چلے نہ جائیں۔ اب بھی سب مسلمان کو اپنے سرداروں کے ساتھ یہ برتاؤ کرنا چاہیے۔"

ف۴ یہ منافقین تھے جن کو مجلس نبوی میں بیٹھنا اور پند و نصیحت سننا شاق گزرتا تھا۔ وہ اکثر موقع پا کر اور آنکھ بچا کر مجلس سے بلا اجازت کھسک جاتے تھے۔ حتیٰ کوئی مسلمان اجازت لے کر اٹھا، یہ بھی اس کی آڑ میں ہو کر ساتھ ساتھ چل دیئے۔ اس کو فرمایا کہ تم پیغمبر سے کیا چھپاتے ہو، خدا تعالیٰ کو تمہارا سب کا حال معلوم ہے۔

ف۵ یعنی اللہ و رسول کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو ڈرتے رہنا چاہیے کہ کہیں ان کے دلوں میں کفر و نفاق وغیرہ کا فتنہ ہمیشہ کے لیے جڑ نہ پکڑ جائے۔ اور =

السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ قَدۡ یَعۡلَمُ مَاۤ اَنۡتُمۡ عَلَیۡہِ ؕ وَیَوۡمَ یُرۡجَعُوۡنَ اِلَیۡہِ فَیُنَبِّئُہُمۡ بِمَا

آسمانوں اور زمین میں اس کو معلوم ہے جس حال پر تم ہو اور جس دن پھیرے جائیں گے اس کی طرف تو بتائے گا ان کو جو کچھ انہوں نے

آسمان وزمین میں۔ اس کو معلوم ہے جس حال میں تم ہو۔ اور جس دن پھیرے جاویں گے اس کی طرف تو بتادے گا ان کو جو انہوں نے

عَمِلُوۡا ؕ وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ﴿۶۴﴾ ع ۱۵

کیا، اور اللہ ہر ایک چیز کو جانتا ہے ف۱

کیا۔ اور اللہ سب چیز جانتا ہے۔

حکم پانزدہم متعلق بآداب مجلس نبوی

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِاللّٰہِ وَرَسُوۡلِہٖ ... الی ... وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ﴾

ربط: ...... گزشتہ آیات میں عام مجالس کے آداب کا اور عام استیذان کا ذکر تھا اب ان آیات میں خاص مجلس نبوی کے آداب بیان کرتے ہیں کہ مجلس نبوی سے جاتے وقت استیذان واجازت لینے کی ضرورت ہے اور آپ ﷺ کے بلانے کے وقت حاضری واجب ہے اور آپ ﷺ کی مجلس سے بغیر اجازت لئے اٹھ کر چلے جانا یا آپ ﷺ کے بلانے پر حاضر نہ ہونا یہ منافقین کا شیوہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی تعظیم اور آپ ﷺ کا ادب اور احترام ایمان کا جزء ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ جز ایں نیست کہ کامل ایمان دار تو وہی ہیں جو صدق دل سے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں اور جب آپ کے ساتھ ایسے کام پر ہوتے ہیں جس کے لئے مجمع کیا گیا ہے یعنی جس میں جمع ہونے کی ضرورت ہوتی ہے مثلاً نماز جمعہ یا نماز عید یا جہاد یا غزوہ یا کوئی مشورہ اور اتفاقاً وہاں سے جانے کی ضرورت پڑ جائے تو یہ لوگ جب تک آپ سے اجازت نہ لے لیں اس وقت تک آپ ﷺ کی مجلس سے اٹھ کر نہیں جاتے۔

صحیح الایمان لوگوں کا طریقہ یہی تھا کہ آپ ﷺ کی مجلس سے بغیر اجازت کے اٹھ کر نہیں جاتے تھے مگر منافق لوگ آنکھ بچا کر بغیر اجازت لیے نکل جاتے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور بتلادیا کہ اجازت لینا صدق اور اخلاص کی دلیل ہے اور ادب اور تعظیم کی علامت ہے کہ اپنی ضرورت کو آپ ﷺ کی اجازت پر موقوف رکھا اور استاد اور مرشد کی مجلس کا بھی یہی حکم ہے۔ بیشک جو لوگ اپنی ضروریات میں جانے کے لئے آپ سے اجازت طلب کرتے ہیں تو ایسے ہی لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان رکھنے والے ہیں کہ جو بغیر آپ ﷺ کی اجازت کے آپ کی مجلس سے اٹھنا گوارا

= اس طرح دنیا کی کسی سخت آفت یا آخرت کے دردناک عذاب میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ العیاذ باللہ۔

ف۱ یعنی ممکن ہے مخلوق سے آنکھ بچا کر کوئی کام کر گزرو، لیکن حق تعالیٰ سے تمہارا کوئی حال پوشیدہ نہیں رہ سکتا نہ اس کی زمین و آسمان میں سے نکل کر کہیں بھاگ سکتے ہو۔ وہ جس طرح تمہارے احوال موجودہ سے باخبر ہے ایسے ہی اس دن کی کیفیت مجازات سے بھی پورا آگاہ ہے۔ جب تمام مخلوق حساب وکتاب کے لیے اس کی طرف لوٹائی جائے گی اور ہر ایک کے سامنے اس کا ذرہ ذرہ عمل کھول کر رکھ دیا جائے گا۔ ایسے علیم الکل اور مالک الکل کی سزا سے مجرم کس طرح اپنے کو بچا سکتا ہے۔ "تَمَّ سُوۡرَۃُ النُّوۡرِ بِفَضۡلِ اللّٰہِ وَتَوۡفِیۡقِہٖ اَللّٰھُمَّ نَوِّرۡ قُلُوۡبَنَا بِالۡاِیۡمَانِ وَالۡاِحۡسَانِ وَنَوِّرۡ قُبُوۡرَنَا وَاَتۡمِمۡ لَنَا نُوۡرَنَا وَاغۡفِرۡ لَنَا اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ وَبِالۡاِجَابَۃِ جَدِیۡرٌ۔"

نہیں کرتے پس جب یہ اہل ایمان اپنے کسی ضروری کام کے لئے آپ سے جانے کی اجازت طلب کریں تو آپ ان میں سے جس کو چاہیں اجازت دے دیں یعنی جس کو اجازت دینا مناسب سمجھیں۔ اسے اجازت دے دیں اور چاہے نہ دیں آپ ﷺ کو اختیار ہے اور اجازت دینے کے بعد ان کے لئے دعا مغفرت کیجئے، اس لئے کہ اگرچہ ان کا عذر صحیح ہو لیکن آپ ﷺ کی مجلس مبارک سے مفارقت میں یہ ایہام ضرور ہے کہ انہوں نے آپ ﷺ کی مجلس پر کسی دوسری مجلس کو ترجیح دی گویا کہ دنیا کو آخرت پر ترجیح دی۔ پس اے نبی کریم ﷺ آپ ان مخلصین کے حق میں دعا مغفرت فرمایئے تاکہ آپ کی استغفار سے ان کی اس تقصیر اور کوتاہی کی تلافی ہو جائے۔ بیشک اللہ تعالیٰ مخلصین کی فروگزاشت کو معاف کرنے والا اور ان پر مہربان ہے، پھر اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی تعظیم اور ادب کی تعلیم فرماتے ہیں تم رسول اللہ ﷺ کے بلانے کو ایسا مت خیال کرو جیسے تم میں سے بعض۔ بعض کو بلاتے ہیں۔ چاہے جواب دیا، چاہے نہ دیا۔ رسول ﷺ کے بلانے پر تمہیں حاضر ہونا فرض ہے جب رسول ﷺ تم کو بلائیں تو سب کام چھوڑ دو اور لبیک کہہ کر فوراً حاضر ہو جاؤ۔

(یا یہ معنی ہیں) کہ تم رسول ﷺ کو اس طرح نہ پکارا کرو جس طرح تم آپس میں بعض۔ بعض کو پکارتے ہو، یعنی جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کو نام لے کر پکارتے ہو، اس طرح رسول ﷺ کو اس کا نام لے کر نہ پکارو بلکہ یا رسول اللہ یا نبی اللہ کہہ کر پکارو۔ یعنی تعظیمی الفاظ سے آپ کو خطاب کیا کرو۔ ہر حال میں رسول ﷺ کے ادب اور اس کی تعظیم کو ملحوظ رکھو اور بلا اجازت آپ ﷺ کی مجلس سے ہرگز نہ اٹھو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو تم میں سے آپ کی مجلس سے کھسک جاتے ہیں چھپے چھپے کسی کی آڑ میں ہو کر۔ منافقین کا شیوہ یہ تھا کہ جب کسی جمعہ یا مجمع میں آپ ﷺ کے ساتھ ہوتے تو آپس میں بعض بعض کی آڑ میں ہو جاتے تاکہ جب موقع ملے تو چھپ کر نکل جائیں۔

پس ان لوگوں کو ڈرنا چاہئے کہ جو پیغمبر کے حکم کے خلاف کرتے ہیں کہ کہیں دنیا ہی میں ان پر کوئی آفت نہ آ پڑے یا آخرت میں ان کو دکھ کی مار نہ پہنچے۔ یہ تردید بطور منع خلو ہے ورنہ جمع ہونا دونوں کا جائز ہے کہ دنیا میں بھی مصیبت آئے اور آخرت میں بھی دردناک عذاب ان کو پہنچے جان لو کہ اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہی سب کا مالک، اس لئے کہ وہی سب کا خالق ہے خوب جانتا ہے جس حالت پر تم ہو، یعنی تمہارے ایمان اور نفاق سے خوب واقف ہے اور جس دن یہ لوگ اس کی طرف لوٹائے جائیں گے یعنی قیامت کے دن وہ ان کو ان کے برے بھلے اعمال سے آگاہ کر دے گا اور ہر ایک کو اس کے موافق جزا دے گا اور اللہ تو ہر چیز کو جانتا ہے اس پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔

آنکس کہ بیافرید پیدا و نہاں ۔۔۔ چوں نشناسد نہاں و پیدا بجہاں

الحمد للہ آج چہار شنبہ بوقت اذان عصر بتاریخ ۳۰ ربیع الاول ۱۳۹۱ھ سورۂ نور کی تفسیر سے فراغت ہوئی۔ اے اللہ باقی تفسیر کو بھی اس احقر کے ہاتھ سے مکمل فرما اور ہمارے قلوب نور ایمان اور نور ہدایت سے منور فرما اور ہماری قبروں کو منور فرما۔ آمین یا رب العالمین

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین و صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سید و مولانا محمد وعلی الہ واصحابہ اجمعین وعلینا معھم یا ارحم الراحمین۔

تفسیر سورۃ الفرقان

ربط سورۃ:...... یہ سورت مکی ہے اس میں ستر آیتیں اور چھ رکوع ہیں۔فرقان کے معنی دو چیزوں میں فرق کرنے کے ہیں۔ اس سورت کا نام فرقان اس لئے ہوا کہ حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے والی ہے اور ایسے مضامین پر مشتمل ہے کہ جس سے حق اور باطل کے آخری فیصلہ کا علم ہوجاتا ہے اور گزشتہ سورت کا نام سورۂ نور تھا اور نور سے دو چیزوں کا فرق واضح ہوتا ہے۔ نیز گزشتہ سورت میں نور کا ذکر تھا ﴿مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ﴾ اور اس سورت میں ظل کا ذکر ہے۔﴿اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ﴾ اور نور ظل سے مقدم ہے اس لئے اس سورت کو سورۃ نور سے موخر لایا گیا۔

نیز اس نام سے مشرکین کے اس شبہ کے جواب کی طرف اشارہ ہے جو یہ کہتے ہیں۔﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً﴾ کہ یہ قرآن دفعۃً کیوں نازل نہیں کیا گیا بلکہ تھوڑا تھوڑا متفرقاً نازل کیا گیا۔عنقریب آیت مذکورہ کی تفسیر میں جواب کی تفصیل آجائے گی۔

یہ سورت اگرچہ توحید اور رسالت اور قیامت کے مضامین پر مشتمل ہے لیکن زیادہ تر منکرین نبوت کے شبہات اور اعتراضات کے جوابات پر مشتمل ہے۔ اول توحید کا مضمون ذکر کیا بعد ازاں منکرین رسالت کے ایک ایک اعتراض کو نقل فرماتے ہیں اور پھر اس کا جواب دیتے ہیں اور جابجا عذاب آخرت سے ڈراتے ہیں، اس لئے کہ موت اور قیامت کے تصور سے عقل ٹھکانے آجاتی ہے، دور تک سلسلۂ کلام اس طرح چلا گیا کہ اول منکرین نبوت کے اعتراض کو نقل کیا اور پھر اس کا جواب دیا۔ منکرین نبوت کے اعتراضات کے جوابات کے بعد اللہ تعالیٰ نے چند حضرات انبیا کے واقعات مختصر طور پر نقل کئے تا کہ منکرین نبوت ان سے عبرت پکڑیں کہ منکرین نبوت کا کیا انجام ہوا اور انکار نبوت سے باز آجائیں اور ایمان لے آئیں۔ ﴿اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ﴾ سے چند دلائل توحید ذکر فرمائے تا کہ مشرکین شرک سے باز آجائیں، پھر اخیر میں اہل ایمان اور اہل طاعت کی صفات اور خصال خیر کا ذکر فرمایا تا کہ ان کو دیکھ کر اپنے برے اعمال سے تائب ہوجائیں اور اپنے اعمال اور خصال کا ان کے اعمال اور خصال سے موازنہ کریں تا کہ ہدایت اور ضلالت اور سعادت اور شقاوت کا فرق ان کی نظروں کے سامنے آجائے۔

۲۵ سُوْرَةُ الْفُرْقَانِ مَكِّيَّةٌ ۴۲ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | ایاتھا ۷۷ رکوعاتھا ٦

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرَا ۙ﴿۱﴾ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ

بڑی برکت ہے اس کی جس نے اتاری فیصلہ کی کتاب ف۱ اپنے بندہ پر ف۲ تا کہ رہے جہان والوں کے لیے ڈرانے والا ف۳ وہ کہ جس کی ہے سلطنت

بڑی برکت ہے اس کی جس نے اتارا فیصلہ اپنے بندے پر کہ رہے جہان والوں کو ڈر۔ اور وہ جس کی ہے سلطنت

ف۱ "فرقان" (فیصلہ کی کتاب) قرآن کریم کو فرمایا جو حق و باطل کا آخری فیصلہ اور حرام وحلال کو کھلے طور پر ایک دوسرے سے جدا کرتا ہے۔ یہ ہی کتاب ہے جس نے اپنے اتارنے والے کی عظمت شان علو صفات اور اعلیٰ درجہ کی حکمت ورافت کو انتہائی مشکل میں پیش کیا اور تمام جہان کی ہدایت واصلاح کا تکفل اور ان کو خیر کثیر اور غیر منقطع برکت عطا کرنے کا سامان بہم پہنچایا۔......... =

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ

آسمان اور زمین میں اور نہیں پکڑا اس نے بیٹا اور نہیں کوئی اس کا ساجھی سلطنت میں اور بنائی ہر چیز

آسمان اور زمین کی، اور نہیں پکڑا اس نے بیٹا، اور نہیں کوئی اس کا ساجھی راج میں، اور بنائی ہر چیز،

فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ② وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا

پھر ٹھیک کیا اس کو ناپ کر ف۱ اور لوگوں نے پکڑ رکھے ہیں اس سے ورے کتنے حاکم جو نہیں بناتے کچھ چیز اور وہ خود بنائے گئے ہیں اور نہیں

پھر ٹھیک کیا اس کو ماپ کر۔ اور لوگوں نے پکڑے ہیں اس سے ورے کتے حاکم جو نہیں بناتے کچھ چیز اور آپ بنتے ہیں، اور نہیں

يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ③

مالک اپنے حق میں برے کے اور نہ بھلے کے اور نہیں مالک مرنے کے اور نہ جینے کے اور نہ جی اٹھنے کے ف۲

مالک اپنے حق میں برے کے نہ بھلے کے، اور نہیں مالک مرنے کے نہ جینے کے اور نہ جی اٹھنے کے۔

توحید ورسالت وقیامت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ... الی... وَّلَا نُشُوْرًا﴾

ربط:...... اس سورت کی ابتداء حق جل شانہ نے اپنی صفت برکت سے فرمائی اور برکت اس خیر وخوبی کو کہتے ہیں کہ جو قائم اور دائم ہو اور صفت برکت کی دلیل اور برہان میں فرقان یعنی قرآن کی تنزیل کو ذکر فرمایا۔ کیونکہ یہ قرآن حق اور باطل میں فرق کرنے کے لئے نازل کیا گیا ہے۔ اور حق اور باطل میں تمیز اور فرق سے بڑھ کر کوئی برکت اور خیر کثیر نہیں اس لئے فرماتے ہیں۔ بڑی ہی برکت والی ہے وہ ذات جس نے اپنے برگزیدہ بندہ محمد ﷺ پر فرقان کو نازل کیا یعنی حق اور باطل میں فرق

=ف۲ یعنی اپنے اس کامل واکمل بندہ (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) پر، جن کا امتیازی لقب ہی کمال عبودیت کی وجہ سے "عبداللہ" ہو گیا۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہ۔

ف۳ یعنی قرآن کریم سارے جہان کو کفر وعصیان کے انجام بد سے آگاہ کرنے والا ہے۔ چونکہ سورت ہذا میں مکذبین ومعاندین کا ذکر بکثرت ہوا ہے، شاید اسی لیے یہاں صفت "نذیر" کو بیان فرمایا۔ "بشیر" کا ذکر نہیں کیا۔ اور "للعالمین" کے لفظ سے بتلا دیا کہ یہ قرآن صرف عرب کے امیوں کے لیے نہیں اترا بلکہ تمام جن وانس کی ہدایت واصلاح کے واسطے آیا ہے۔

ف۱ یعنی ہر چیز کو ایک خاص اندازہ میں رکھا کہ اس سے وہی خواص وافعال ظاہر ہوتے ہیں جن کے لیے پیدا کی گئی ہے اپنے دائرہ سے باہر قدم نہیں نکال سکتی نہ اپنی حدود میں عمل وتصرف کرنے سے قاصر رہتی ہے۔ غرض ہر چیز کو ایسا ناپ تول کر پیدا فرمایا کہ اس کی فطری موزونیت کے لحاظ سے ذرا کمی بیشی یا انگلی رکھنے کی گنجائش نہیں چھوڑی۔ بڑے بڑے سائنس داں حکمت کے دریا میں غوطہ لگاتے ہیں اور آخر کار ان کو یہی کہنا پڑتا ہے۔ ﴿صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْۤ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ﴾ اور ﴿فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ﴾۔

ف۲ یعنی کس قدر ظلم اور تعجب وحیرت کا مقام ہے کہ ایسے قادر مطلق، مالک الکل، حکیم علی الاطلاق کی زبردست ہستی کو کافی نہ سمجھ کر دوسرے معبود اور حاکم تجویز کر لیے گئے جو گویا خدا کی حکومت میں حصہ دار ہیں۔ حالانکہ ان بے چاروں کا خود اپنا وجود بھی اپنے گھر کا نہیں۔ نہ وہ ایک ذرہ کے پیدا کرنے کا اختیار رکھتے ہیں، نہ مارنا جلانا ان کے قبضہ میں ہے، نہ اپنے مستقل اختیار سے کسی کو ادنیٰ ترین نفع نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ بلکہ خود اپنی ذات کے لیے بھی ذرہ برابر فائدہ حاصل کرنے یا نقصان سے محفوظ رہنے کی قدرت نہیں رکھتے ایسی عاجز ومجبور ہستیوں کو خدا کا شریک ٹھہرانا کس قدر سفاہت اور بے حیائی ہے۔ (ربط) یہ تو قرآن نازل کرنے والے کی صفات وشئون کا ذکر تھا اور اس کے متعلق مشرکین جو بے تمیزی کر رہے تھے اس کی تردید تھی۔ آگے خود قرآن اور حامل قرآن کی نسبت سفیہانہ نکتہ چینیوں کا جواب ہے۔

کرنے والا کلام نازل کیا جس سے بڑھ کر کوئی برکت والی چیز نہیں تا کہ نذیر ہو تمام جہانوں کے لئے یعنی یعنی تمام جن وانس کے لئے عذاب الٰہی سے ڈرانے والا ہو۔ یا یہ معنی ہیں کہ یہ قرآن ہر زمانہ میں ہر قرن والوں کے لئے ان باتوں سے ڈرانے والا ہو جو اللہ کی ناراضی اور غصہ کا سبب ہیں۔

ف:...... "للعالمین" کے لفظ سے معلوم ہوا کہ ہمارے نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت اور بعثت عام ہے اور آپ ﷺ جن وانس سب کے نبی اور رسول ہیں یہ رتبہ آپ ﷺ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیا گیا۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ مجھ سے پہلے جو بھی رسول بھیجا گیا وہ صرف اپنی قوم کی طرف بھیجا گیا اور میں تمام لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہوں جیسا کہ حق جل شانہ کا ارشاد ہے ﴿قُلْ يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا﴾ یعنی آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ اے لوگو میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ پس وہ ذات بابرکات جس نے مجھ کو تمام جہانوں کے لئے رسول بنا کر بھیجا وہ وہ ذات ہے جس کی ایک صفت یہ ہے کہ اسی کے لئے سلطنت آسمانوں اور زمین کی وہ ان کا خالق اور مالک ہے جس طرح چاہے ان میں تصرف کرے اور دوسری صفت اس کی یہ ہے کہ اس نے اپنے لئے کوئی اولاد اور فرزند نہیں بنایا کیونکہ فرزند باپ کے ہم جنس ہوتا ہے اور اس کے برابر ہوتا ہے اور خدا مماثلت اور برابری سے پاک اور منزہ ہے خدا تو بے مثل اور بے چون وچگوں ہے ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ﴾ اور تیسری صفت اس کی یہ ہے کہ بادشاہت میں کوئی اس کا شریک نہیں اور چوتھی صفت اس کی یہ ہے کہ وہ خالق الکل ہے اسی نے ہر چیز کو پیدا کیا اس کی قدرت غیر متناہی ہے کوئی ذرہ اس کی قدرت سے باہر نہیں ایسی ذات کا کون شریک اور سہیم ہو سکتا ہے اس خالق الکل نے کائنات کی انواع واقسام کو پیدا کیا پھر اس نے ہر چیز کا ایک اندازہ ٹھہرایا۔ اس سے وہ چیز نہ کم ہو اور نہ زیادہ۔ ہر چیز کی صورت اور صفت اور خاصیت الگ الگ بنائی اور ان نادانوں کو دیکھو کہ قادر مطلق اور عاجز مطلق میں فرق نہیں کرتے۔ اور ان مشرکوں نے خدا کے سوا ایسے معبود ٹھہرائے ہیں کہ جو ایک چیز کے پیدا کرنے پر بھی قادر نہیں اور حال یہ ہے کہ وہ خود ایک خاص مقدار اور اندازہ پر پیدا کئے گئے ہیں کہ ایک لمحہ کے لئے اس اندازہ سے باہر نہیں ہو سکتے۔ اور ہر مخلوق اپنی ہستی میں خالق کا محتاج ہے اور محتاجگی خدائی کے لائق نہیں پس ان کے ہاتھ کے خود تراشیدہ بت کہاں خدائی کے لائق ہو سکتے ہیں اور وہ خالق تو کیا ہوتے وہ تو مالکیت کی صفت سے بھی عاری اور خالی ہیں اور اس درجہ عاجز ہیں کہ وہ اپنی ذات کے لئے بھی کسی ضرر اور نفع کے مالک نہیں۔ وہ اپنے سے ضرر کے رفع کرنے کی اور اپنے لئے نفع حاصل کرنے کی قدرت نہیں رکھتے۔ حالانکہ خدا کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ نافع اور ضار ہو یعنی نفع اور ضرر کا مالک ہو اور نہ وہ موت اور زندگی کے مالک ہیں کہ کسی میں جان ڈال دیں یا اس کی جان نکال لیں۔ موت اور حیات تو بڑی چیز ہے۔ یہ تو اپنے خواب اور بیداری کے بھی مالک نہیں سونا اور جاگنا کسی کے اختیار میں نہیں اور نہ کسی مردہ کو دوبارہ زندہ کرنے پر قدرت رکھتے ہیں اور معبود وہ ہے کہ جو جان نکالنے اور جان ڈالنے پر قادر ہو۔ بندہ اگر چہ کسی کے قتل پر قادر ہے مگر جان نکالنے پر قادر نہیں۔ قتل اور چیز ہے اور جان نکالنا اور چیز ہے۔ مطلب یہ ہے کہ معبود وہ ہونا چاہئے کہ جو ان صفات کے ساتھ متصف ہو خالق الکل اور مالک الکل ہو اور نفع اور ضرر اور موت اور حیات کا مالک ہو یعنی کائنات کا وجود اور عدم اس کے اختیار میں ہو اور عاجز اور بے جان کو خدائی کا رتبہ دینا کمال حماقت ہے اور قرآن کریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزہ احیاء موتی کا ذکر آیا

ہے سواس کا یہ مطلب نہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام موت اور حیات کے مالک تھے بلکہ بحکم خداوندی پرندوں میں پھونک مارتے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تو وہ مردہ باذن اللہ یعنی بحکم خداوندی زندہ ہو جاتا۔ اہل اسلام کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا سے مردوں کا زندہ ہونا یہ ان کا معجزہ تھا جو ان کی نبوت ورسالت کی دلیل تھا کہ یہ اللہ کے مقبول اور برگزیدہ بندہ ہیں کہ ان کی دعا سے خدا تعالیٰ مردہ کو زندہ کر دیتا ہے۔ نصاریٰ نے اس قسم کے معجزات کو ان کی الوہیت کی دلیل سمجھا اور غلط سمجھا بقول نصاریٰ، عیسیٰ علیہ السلام موت اور حیات کے مالک تھے تو جب یہود نے ان کو صلیب پر لٹکایا تو وہ اپنے سے موت کا پیالہ کیوں نہ ہٹا سکے اور صلیب پر ایلی ایلی لما سبقتانی کہہ کر جان دے دی، پس اس عجز اور لاچارگی کے ساتھ کسی کو معبود بنانا کمال حماقت ہے۔ معلوم ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام موت اور زندگی کے مالک نہ تھے۔ نصاریٰ کو شرمانا چاہئے کہ وہ خدا ہی کیا ہو جس کو اس کے بندے پکڑ کر پھانسی دے سکیں اور اہل اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا تعالیٰ کے برگزیدہ بندہ اور رسول برحق تھے اور باذن اللہ اور بحکم خداوندی ان کے ہاتھ سے ان کی دعا کے بعد مردے زندہ ہو جاتے بذات خود تو وہ اپنی موت اور حیات کے بھی مالک نہ تھے اور جب یہود نے ان کے قتل کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندہ کو اسی جسم عنصری کے ساتھ صحیح سالم زندہ آسمان پر اٹھا لیا۔ اور ان کے دشمن دیکھتے ہی رہ گئے۔ قرآن نے اسی جسم عنصری کے رفع کی خبر دی ہے جس جسم عنصری کو وہ قتل کرنا چاہتے تھے اور روح کو پکڑنا اور اس کے قتل کا ارادہ کرنا یہ دیوانہ اور مجنون کی بڑ ہے جیسا کہ سورۂ نساء کے اخیر میں آیت ﴿وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ﴾ اور ﴿وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۝ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ﴾ کی تفسیر میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ جو اپنے لئے بھی نفع اور نہ ضرر کا مالک نہ ہو اور موت اور حیات اس کے اختیار میں نہ ہو اس کو خدا کا شریک اور فرزند ٹھہرانا کمال ابلہی ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ ِۨ افْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ فَقَدْ جَآءُوْ

اور کہنے لگے جو منکر ہیں اور کچھ نہیں ہے یہ مگر طوفان باندھ لایا ہے اور ساتھ دیا ہے اس کا اس میں اور لوگوں نے ف۱ سو آ گئے

اور کہنے لگے جو منکر ہیں اور کچھ نہیں یہ مگر جھوٹ باندھ لایا ہے اور ساتھ دیا ہے اس کا اس میں اور لوگوں نے۔ سو آئے

ظُلْمًا وَّزُوْرًا ۝۴

بے انصافی اور جھوٹ پر ف۲

بے انصافی اور جھوٹ پر۔

ف۱ یعنی یہ سب کہنے کی باتیں ہیں کہ قرآن اللہ کی کتاب ہے۔ معاذ اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے چند یہودیوں کی مدد سے ایک کلام تیار کر لیا اور اس کو جھوٹ طوفان خدا کی طرف منسوب کر دیا۔ پھر ان کے ساتھی لگے اس کی اشاعت کرنے، بس کل حقیقت اتنی ہے۔

ف۲ یعنی اس سے بڑھ کر ظلم اور جھوٹ کیا ہوگا کہ ایسے کلام معجز اور کتاب حکیم کو جس کی عظمت وصداقت آفتاب سے زیادہ روشن ہے، کذب وافترا کہا جائے۔ بھلا چند یہودی غلاموں کی مدد سے ایسا کلام بنایا جا سکتا ہے جس کے مقابلہ میں تمام دنیا کے فصیح وبلیغ عالم وحکیم بلکہ جن وانس ہمیشہ کے لیے عاجز رہ جائیں۔ اور جس کے علوم ومعارف کی تھوڑی سی جھلک بڑے بڑے عالی دماغ عقلاء وحکماء کی آنکھوں کو خیرہ کر دے۔

منکرین نبوت کے اعتراضات اور ان کے جوابات

منکرین نبوت کا پہلا شبہ اور اس کا جواب

قَالَ اللہُ تَعَالٰی : ﴿وَقَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اِنۡ ھٰذَاۤ اِلَّاۤ اِفۡکُ ۨافۡتَرٰىہُ وَاَعَانَہٗ عَلَیۡہِ قَوۡمٌ اٰخَرُوۡنَ ۚ فَقَدۡ جَآءُوۡ ظُلۡمًا وَّزُوۡرًا﴾

ربط :...... گزشتہ آیات میں توحید ورسالت پر کلام تھا۔ اب آئندہ آیات میں منکرین نبوت کے شبہات کو نقل کر کے ان کے جواب دیتے ہیں، منکرین نبوت کا پہلا شبہ یہ تھا کہ وہ قرآن کو آپ ﷺ کا افترا یعنی آپ ﷺ کی تصنیف بتلاتے تھے کہ جو آپ ﷺ نے دوسروں کی امداد سے تیار کی ہے، ان نادانوں کو حجر اور شجر کے معبود بنانے میں تو کوئی شبہ پیش نہ آیا اور ایک بشر کے نبی اور رسول ہونے میں ان کو شبہات لاحق ہو گئے۔ شبہات کیا ہیں۔ نادانوں اور بیوقوفوں کی جہالتیں اور حماقتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ فرقان مجید حق اور باطل میں فرق اور تمیز کے لئے اتارا مگر یہ نادان اندھے ہوئے اور بولے یہ کافر کہ یہ قرآن تو کچھ بھی نہیں نرا جھوٹ ہے جس کو اس شخص نے یعنی محمد ﷺ نے خود بنا لیا ہے اور اس کے بنانے میں دوسرے لوگوں نے مدد کی ہے یعنی اہل کتاب سے مدد لے کر آپ ﷺ نے بنا لیا ہے اور منسوب کرتا ہے اس کو اللہ کی طرف۔ اللہ تعالیٰ ان کے جواب میں فرماتے ہیں پس یہ بات کہہ کر یہ لوگ صریح بے انصافی اور کھلے جھوٹ پر آپہنچے ہیں کیا ایسا کلام جس کے معارضہ سے تمام جن اور انس عاجز ہوں اس کی نسبت یہ کہنا کہ چند یہودی غلاموں کی مدد سے بنا لیا گیا ہے۔ صریح بے انصافی اور بہتان اور طوفان نہیں تو کیا ہے اور جس کے علوم اور معارف سے دنیا دنگ اور حیران ہے اس کی نسبت یہ کہنا کہ یہ کسی کی مدد سے تیار کیا گیا ہے سراسر دروغ بے فروغ ہے آخر وہ اہل کتاب جن کی مدد سے آپ ﷺ نے یہ کلام تیار کیا ہے تمہارے تو جانی دوست اور محمد رسول اللہ ﷺ کے جانی دشمن ہیں۔ انہوں نے یہ کلام تیار کر کے حضور پر نور ﷺ کو دے دیا اور تم کو نہ دیا آخر اس کی کیا وجہ ہے تم بھی ان سے مدد لے کر ایسا کلام بنا لاؤ۔ نیز وہ اہل کتاب جن کا تم نام لیتے ہو وہ تمہارے ہی تو غلام ہیں تم سے کیا انکار کر سکتے ہیں جس کو ذرہ بھی عقل ہے وہ ایسے برملا جھوٹ سے بلا شبہ نفرت کرے گا اور دوسری جگہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿لِسَانُ الَّذِیۡ یُلۡحِدُوۡنَ اِلَیۡہِ اَعۡجَمِیٌّ وَّھٰذَا لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُّبِیۡنٌ﴾ یعنی جس شخص کی طرف اس قرآن بنانے کی نسبت کرتے ہیں اس کی زبان تو عجمی ہے اور اس قرآن کی زبان فصیح وبلیغ عربی ہے۔

وَقَالُوۡۤا اَسَاطِیۡرُ الۡاَوَّلِیۡنَ اکۡتَتَبَہَا فَہِیَ تُمۡلٰی عَلَیۡہِ بُکۡرَۃً وَّاَصِیۡلًا ⑤ قُلۡ اَنۡزَلَہُ الَّذِیۡ

اور کہنے لگے یہ نقلیں ہیں پہلوں کی جن کو اس نے لکھ رکھا ہے، سو وہی لکھوائی جاتی ہیں اس کے پاس صبح اور شام ف۱ تو کہہ اس کو اتارا ہے اس نے جو

اور کہنے لگے، یہ نقلیں ہیں اگلوں کی، جو لکھ لایا ہے، سو وہی لکھوائی جاتی ہیں اس پاس صبح وشام۔ تو کہہ، اس کو اتارا ہے اس شخص نے جو

ف۱ یعنی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اہل کتاب سے کچھ قصے کہانیاں سن کر نوٹ کر لی ہیں۔ یا کسی سے نوٹ کرا لی ہیں۔ وہ ہی شب وروز ان کے سامنے پڑھی اور رٹی جاتی ہیں۔ نئے نئے اسلوب سے ان ہی کا الٹ پھیر رہتا ہے اور کچھ بھی نہیں۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ "اول نماز کے دو وقت مقرر تھے صبح اور شام۔ مسلمان حضرت کے پاس جمع ہوتے جو نیا قرآن اترا ہوتا لکھ لیتے یاد کرنے کو۔ اس کو کافروں کہنے لگے۔"

يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ⑥

جانتا ہے چھپے ہوئے بھید آسمانوں میں اور زمین میں ف۱ بیشک وہ بخشنے والا مہربان ہے ف۲

جانتا ہے چھپے بھید آسمانوں میں اور زمین میں، مقرر وہ بخشنے والا مہربان ہے۔

منکرین نبوت کا دوسرا شبہ اور اس کا جواب

قَالَ اللهُ تَعَالٰی : ﴿وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا ... الی ... اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾

ربط:...... یہ منکرین نبوت کا دوسرا شبہ بلکہ دوسرا بہتان ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ قرآن منجانب اللہ نہیں بلکہ اگلے لوگوں کے قصوں اور کہانیوں کا ایک مجموعہ ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور ایک جھوٹ ان لوگوں نے یہ بولا کہ یہ قرآن تو پہلے لوگوں کے قصے اور افسانے ہیں جن کو اس نبی نے اپنے لئے لکھوالیا ہے کیونکہ وہ خود تو لکھ نہیں سکتے اس لئے دوسروں سے لکھوا لیے ہیں پس وہ نوشتے صبح و شام اس پر پڑھے جاتے ہیں تاکہ سن سن کر وہ ان کو یاد کرے، چنانچہ جب وہ آپ ﷺ کو یاد ہو جاتا ہے تو اس کو پڑھ کر ہمیں سنا دیتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ اللہ کی وحی ہے۔ اے نبی آپ ﷺ ان کے جواب میں کہہ دیجئے کہ یہ قرآن کسی کا ساختہ اور نوشتہ نہیں بلکہ اس کو اس ذات نے اتارا ہے جو آسمان اور زمین کے پوشیدہ بھیدوں کو خوب جانتا ہے یعنی یہ اس ذات کا اتارا ہوا کلام ہے جو عالم الغیب ہے اور یہ کلام عجیب و غریب نصیحتوں اور عبرتوں اور اخبار غیبیہ اور اسرار مکنونہ پر مشتمل ہے جہاں عقل اور فہم کی رسائی نہیں اور علم غیب اللہ کا خاصہ ہے بندہ میں یہ قدرت نہیں کہ کسی کو غیب کی باتیں لکھ کر دے دے اور وہ نوشتہ اس کو یاد کرا دے اور ان کی اس گستاخانہ اور بے باکانہ بات کا تقاضا یہ تھا کہ اس قسم کی بیہودہ باتوں پر فوراً عذاب سے ہلاک کر دیئے جائیں لیکن ان پر عذاب نہ آنے کی وجہ یہ ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور مہربان ہے عذاب نازل کرنے میں جلدی نہیں کرتا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ اس قرآن کا اخبار غیبیہ اور اسرار مکنونہ پر مشتمل ہونا اس کی دلیل ہے کہ یہ کلام علام الغیوب کا نازل کردہ ہے نہ کہ کسی کا ساختہ اور نوشتہ ہے اس لئے کہ غیب کا علم سوائے خدا کے کسی کو ممکن نہیں۔ نیز یہ کہ قرآن تو فرقان ہے حق اور باطل کے فرق کو خوب واضح کرتا ہے اس میں تو کسی شک اور شبہ کی گنجائش ہی نہیں۔

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ

اور کہنے لگے یہ کیسا رسول ہے کھاتا ہے کھانا اور پھرتا ہے بازاروں میں ف۳ کیوں نہ اترا اس کی طرف کوئی فرشتہ

اور کہنے لگے یہ کیسا رسول ہے کھاتا ہے کھانا اور پھرتا ہے بازاروں میں۔ کیوں نہ اترا اس کی طرف کوئی فرشتہ

ف۱ یعنی کتاب خود بتلا رہی ہے کہ وہ کسی ایک انسان یا کمیٹی کی بنائی ہوئی نہیں، بلکہ اس خدا کی اتاری ہوئی ہے جس کے احاطۂ علمی سے زمین و آسمان کی کوئی چیز باہر نہیں ہو سکتی۔ اس کلام کی معجزانہ فصاحت و بلاغت، علوم و معارف، اخبار غیبیہ، احکام و قوانین اور وہ اسرار مکنونہ جن کی تہ تک بدون توفیق الٰہی کے عقول و افہام کی رسائی نہیں ہو سکتی صاف ظاہر کرتے ہیں کہ یہ کسی محدود علم والے آدمی یا سازشی جماعت کا کلام نہیں۔

ف۲ یعنی اپنی بخشش اور مہر سے ہی یہ قرآن اتارا (موضح القرآن) پھر جو لوگ ایسی روشن حقیقت کے منکر ہیں باوجود ان کے جرائم کا تفصیلی علم رکھنے کے فوراً سزا نہیں دیتا۔ یہ بھی اس کی بخشش اور مہر ہی کا پرتو ہے۔ =

فَيَكُونَ مَعَهُ نَذِيرًا ۝٧ أَوْ يُلْقَىٰ إِلَيْهِ كَنزٌ أَوْ تَكُونُ لَهُ جَنَّةٌ يَأْكُلُ مِنْهَا ۚ وَقَالَ

کہ رہتا اس کے ساتھ ڈرانے کو یا آ پڑتا اس کے پاس خزانہ یا ہو جاتا اس کے لیے ایک باغ کہ کھایا کرتا اس میں سے ف۱ اور کہنے لگے

کہ رہتا اس کے ساتھ ڈرانے کو؟ یا اترتا اس کے پاس خزانہ، یا ہو جاتا اس کو ایک باغ، کہ کھایا کرتا اس میں سے۔ اور کہنے لگے

الظَّالِمُونَ إِن تَتَّبِعُونَ إِلَّا رَجُلًا مَّسْحُورًا ۝٨ انظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوا لَكَ الْأَمْثَالَ فَضَلُّوا

بے انصاف تم پیروی کرتے ہو اس ایک مرد جادو مارے کی ف۲ دیکھ کیسی بٹھلاتے ہیں تجھ پر مثلیں سو بہک گئے

بے انصاف، تم ساتھ پکڑتے ہو یہ ایک مرد جادو مارے کا۔ دیکھ کیسی بٹھائیں تجھ پر کہاوتیں اور بہکے،

فَلَا يَسْتَطِيعُونَ سَبِيلًا ۝٩ تَبَارَكَ الَّذِي إِن شَاءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّن ذَٰلِكَ جَنَّاتٍ

اب پا نہیں سکتے راستہ ف۳ بڑی برکت ہے اس کی جو چاہے تو کر دے تیرے واسطے اس سے بہتر باغ

اب پا نہیں سکتے راہ۔ بڑی برکت ہے اس کی جو اگر چاہے کر دے تجھ کو اس سے بہتر، باغ،

تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَيَجْعَل لَّكَ قُصُورًا ۝١٠ بَلْ كَذَّبُوا بِالسَّاعَةِ ۖ وَأَعْتَدْنَا لِمَن

کہ نیچے بہتی ہیں ان کے نہریں اور کر دے تیرے واسطے محل ف۴ کچھ نہیں وہ

نیچے بہتی نہریں، اور کر دے تجھ کو محل۔ کوئی نہیں، وہ جھٹلاتے ہیں قیامت کو، اور ہم نے تیار کی ہے جو کوئی

= ف۱۳ یعنی جب ہماری طرح کھانا کھائے اور ہماری طرح خرید و فروخت کے لیے بازاروں میں جائے تو ہم میں اس میں فرق کیا رہا۔ اگر واقعی رسول تھا تو چاہیے تھا کہ فرشتوں کی طرح کھانے پینے اور طلب معاش کے بکھیڑوں سے فارغ ہوتا۔

ف۱ یعنی اگر فرشتوں کی فوج نہیں تو کم از کم خدا کا ایک آدھ فرشتہ ان کو سچا ثابت کرنے اور رعب جمانے کے لیے ساتھ رہتا جسے دیکھ کر خواہ مخواہ لوگوں کو جھکنا پڑتا۔ یہ کیا کہ کس مپرسی کی حالت میں اکیلے دعویٰ کرتے پھر رہے ہیں۔ یا اگر فرشتے بھی ہمراہ نہ ہوں تو کم از کم آسمان سے سونے چاندی کا کوئی غیبی خزانہ مل جاتا کہ لوگوں کو بے دریغ مال خرچ کر کے ہی اپنی طرف کھینچ لیا کرتے۔ اور خیر یہ بھی نہ سہی معمولی رئیسوں اور زمینداروں کی طرح انگور کھجور وغیرہ کا ایک باغ تو ان کی ملک میں ہوتا جس سے دوسروں کو نہ دیتے تو کم از کم خود بے فکری سے کھایا پیا کرتے جب اتنا بھی نہیں تو کس طرح یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ نے رسالت کے عہدہ جلیلہ پر معاذ اللہ ایسی معمولی حیثیت کے آدمی کو مامور کیا ہے۔

ف۲ یعنی میاں کی یہ پوزیشن اور اتنے اونچے دعوے؟ بجز اس کے کیا کہا جائے کہ عقل کھوئی گئی ہے یا کسی نے جادو کے زور سے دماغ مختل کر دیا ہے۔ جو ایسی بہکی بہکی باتیں کرتے ہیں۔ (العیاذ باللہ)

ف۳ یعنی کبھی کہتے ہیں کہ ان کی باتیں محض مفتریات ہیں۔ کبھی دعوے کرتے ہیں کہ نہیں دوسروں سے سیکھ کر اپنے سانچے میں ڈھال لی ہیں کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسحور بتلاتے ہیں کبھی ساحر، کبھی کاہن، کبھی شاعر، کبھی مجنوں، یہ اضطراب خود بتلاتا ہے کہ ان میں سے کوئی چیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر منطبق نہیں ہوتی۔ اسی لیے کسی ایک بات پر قرار نہیں۔ اور الزام لگانے کا کوئی راستہ ہاتھ نہیں آتا۔ جو لوگ انبیا کی جناب میں اس طرح کی گستاخیاں کر کے گمراہ ہوتے ہیں ان کے راہ راست پر آنے کی کوئی توقع نہیں۔

ف۴ یعنی اللہ کے خزانہ میں کیا کمی ہے، وہ چاہے تو ایک باغ کیا، بہت سے باغ اس سے بہتر عنایت فرما دے جس کا یہ لوگ مطالبہ کرتے ہیں۔ بلکہ اس کو قدرت ہے کہ آخرت میں جو باغ اور نہریں اور حور و قصور ملنے والے ہیں وہ سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابھی دنیا میں عطا کر دے۔ لیکن حکمت الٰہی بالفعل اس کو مقتضی نہیں۔ اور معاندین کے سارے مطالبات اور فرمائشیں بھی اگر پوری کر دی جائیں تب بھی یہ حق و صداقت کو قبول کرنے والے نہیں ہیں۔ باقی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت ثابت کرنے کے لیے جو دلائل و معجزات پیش کیے جا چکے وہ کافی سے زیادہ ہیں۔

كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا ﴿۱۱﴾ إِذَا رَأَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّزَفِيْرًا ﴿۱۲﴾

جھٹلاتے ہیں قیامت کو اور ہم نے تیار کی ہے اس کے واسطے کہ جھٹلاتا ہے قیامت کو آگ ف۱ جب وہ دیکھے گی ان کو دور کی جگہ سے سنیں گے اس کا جھنجھلانا اور چلانا ف۲

جھٹلاوے قیامت کو اس کے واسطے آگ۔ جب وہ دیکھے گی ان کو، دور جگہ سے سنیں گے اس کا جھنجھلانا اور چلانا۔

وَإِذَآ أُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ﴿۱۳﴾ لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا

اور جب ڈالے جائیں گے اس کے اندر ایک جگہ تنگ میں ایک زنجیر میں کئی کئی بندھے ہوئے پکاریں گے اس جگہ موت کو ف۳ مت پکارو آج ایک

اور جب ڈالے جاویں گے اس میں ایک جگہ تنگ، ایک زنجیر میں کئی بندھے پکاریں گے اس جگہ موت کو۔ مت پکارو آج ایک

وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا ﴿۱۴﴾ قُلْ أَذٰلِكَ خَيْرٌ أَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ

مرنے کو اور پکارو بہت سے مرنے کو ف۴ تو کہہ بھلا یہ چیز بہتر ہے یا باغ ہمیشہ رہنے کا جس کا وعدہ ہو چکا پرہیزگاروں سے ف۵

مرنے کو اور پکارو بہت سے مرنے کو۔ تو کہہ بھلا یہ چیز بہتر ہے یا باغ ہمیشہ رہنے کا جس کا وعدہ ملا پرہیزگاروں کو۔

كَانَتْ لَهُمْ جَزَآءً وَّمَصِيْرًا ﴿۱۵﴾ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ خٰلِدِيْنَ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ وَعْدًا

وہ ہوگا ان کا بدلہ اور پھر جانے کی جگہ ان کے واسطے وہاں ہے جو وہ چاہیں ف۶ رہا کریں ہمیشہ ہو چکا تیرے رب کے ذمہ وعدہ

وہ ہوگا ان کا بدلہ اور پھر جانے کی جگہ۔ ان کو وہاں ہے جو چاہیں، رہا کریں ہمیشہ۔ ہو چکا تیرے رب کے ذمے وعدہ

مَّسْئُوْلًا ﴿۱۶﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَقُوْلُ ءَأَنْتُمْ أَضْلَلْتُمْ

مانگا ملتا ف۷ اور جس دن جمع کر بلائے گا ان کو اور جن کو وہ پوجتے ہیں اللہ کے سوائے پھر ان سے کہے گا کیا تم نے بہکایا

مانگا پہنچتا۔ اور جس دن جمع کر بلاوے گا ان کو اور جن کو پوجتے ہیں اللہ کے سوا، پھر ان سے کہے گا یہ تم نے بہکایا

ف۱ یعنی یہ لوگ جن چیزوں کا مطالبہ کر رہے ہیں، فی الحقیقت طلب حق کی نیت نہیں۔ محض شرارت اور تنگ کرنے کے لیے ہے۔ اور شرارت کا سبب یہ ہے کہ انھیں ابھی تک قیامت اور سزا و جزا پر یقین نہیں آیا۔ سو یاد رکھنا چاہیے کہ ان کے جھٹلانے سے کچھ نہیں بنتا، قیامت آ کر رہے گی اور ان مکذبین کے لیے آگ کا جو جیل خانہ تیار کیا گیا ہے اس میں ضرور رہنا پڑے گا۔

ف۲ یعنی دوزخ کی آگ محشر میں جہنمیوں کو دور سے دیکھ کر جوش میں بھر جائے گی اور اس کی غضبناک آوازوں اور خوفناک پھنکاروں سے بڑے بڑے دلیروں کے پتے پانی ہو جائیں گے۔

ف۳ یعنی دوزخ میں ہر مجرم کے لیے خاص جگہ ہوگی جہاں سے ہل نہ سکے گا۔ اور ایک نوعیت کے کئی کئی مجرم ایک ساتھ زنجیروں میں جکڑے ہوں گے۔ اس وقت مصیبت سے گھبرا کر موت کو پکاریں گے کہ کاش موت آ کر ہماری ان دردناک مصائب کا خاتمہ کر دے۔

ف۴ یعنی ایک بار مریں تو چھوٹ جائیں۔ دن میں ہزار بار مرنے سے بدتر حال ہوتا ہے۔ (موضح القرآن)

ف۵ یعنی مکذبین کا انجام سن لیا۔ اب خود فیصلہ کر لو کہ یہ پسند ہے یا وہ جس کا وعدہ مومنین متقین سے کیا گیا۔

ف۶ اور چاہیں گے وہی جو ان کے مرتبہ کے مناسب ہوگا۔

ف۷ "وَعْدًا مَّسْئُوْلًا" سے مراد حتمی وعدہ ہے جو خدا تعالیٰ نے محض فضل و عنایت سے اپنے ذمہ لازم کر لیا۔ یا یہ مطلب کہ اس وعدہ کے ایفا کا متقین سوال کریں گے۔ جو یقیناً پورا کیا جائے گا جیسا کہ دعا میں ہے۔ ﴿رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ﴾

عِبَادِيْ هٰٓؤُلَاۗءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ ۝۱۷ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ

میرے ان بندوں کو یا وہ آپ بہکے راہ سے ف۱ بولیں گے تو پاک ہے ہم سے بن نہ آتا تھا کہ پکڑلیں کسی کو تیرے بغیر

میرے ان بندوں کو یا وہ آپ بہکے راہ سے۔ بولیں گے پاک ہے ہم کو نہ آتا تھا کہ پکڑیں تیرے بغیر

مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَاۗءَ وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَاۗءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ ۚ وَكَانُوْا قَوْمًۢا

رفیق ف۲ لیکن تو ان کو فائدہ پہنچاتا رہا اور ان کے باپ دادوں کو یہاں تک کہ بھلا بیٹھے تیری یاد اور یہ تھے لوگ

کوئی رفیق، لیکن تو نے ان کو برتنے دیا، اور ان کے باپ دادوں کو، یہاں تک کہ بھول گئے یاد۔ اور یہ تھے لوگ

بُوْرًا ۝۱۸ فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ ۙ فَمَا تَسْتَطِيْعُوْنَ صَرْفًا وَّلَا نَصْرًا ۚ وَمَنْ يَّظْلِمْ

تباہ ہونے والے ف۳ سو وہ تو جھٹلا چکے تم کو تمہاری بات میں ف۴ اب نہ تم لوٹا سکتے ہو اور نہ مدد کر سکتے ہو ف۵ اور جو کوئی تم میں گناہ گار ہے

کھپنے والے۔ سو وہ تو جھٹلا چکے تم کو تمہاری بات میں اب تم نہ پھیر دے سکتے ہو، نہ مدد کر سکتے ہو۔ اور جو کوئی تم میں گنہگار ہے

مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا ۝۱۹ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ

اس کو ہم چکھائیں گے بڑا عذاب ف۶ اور جتنے بھیجے ہم نے تجھ سے پہلے رسول سب کھاتے تھے

اس کو ہم چکھاویں گے بڑی مار۔ اور جتنے بھیجے ہم نے تجھ سے پہلے رسول، سب کھاتے تھے

الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ۭ اَتَصْبِرُوْنَ ۚ وَكَانَ

کھانا اور پھرتے تھے بازاروں میں ف۷ اور ہم نے رکھا ہے تم میں ایک دوسرے کے جانچنے کو دیکھیں ثابت بھی رہتے ہو ف۸ اور

کھانا، اور پھرتے تھے بازاروں میں۔ اور ہم نے رکھا ہے تم میں ایک دوسرے کے جانچنے کو دیکھیں ثابت رہتے ہو؟ اور

ف۱ یعنی عابدین کو سنا کر معبودوں سے دریافت کیا جائے گا کہ کیا تم نے ان کو شرک کی اور اپنی پرستش کرانے کی ترغیب دی تھی یا یہ خود اپنی حماقت و جہالت اور غفلت و بے توجہی سے گمراہ ہوئے۔

ف۲ یعنی ہماری کیا مجال تھی کہ تجھ سے ہٹ کر کسی دوسرے کو اپنا رفیق و مددگار سمجھتے۔ پھر جب ہم اپنے نفس کے لیے تیرے سوا کوئی سہارا نہیں رکھتے تو دوسروں کو کیسے حکم دیتے کہ ہم کو اپنا معبود اور حاجت روا سمجھیں۔

ف۳ یعنی اصل یہ ہے کہ یہ بدبخت اپنی سوء استعداد سے خود ہی تباہ ہونے کو پھر رہے تھے ہلاکت ان کے لیے مقدر ہو چکی تھی، ظاہری سبب اس کا یہ ہوا کہ عیش و آرام میں پڑ کر اور غفلت کے نشہ میں چور ہو کر آپ کی یاد کو بھلا بیٹھے، کسی نصیحت پر کان نہ دھرا، پیغمبروں کی ہدایت و ارشاد کی طرف سے بالکل آنکھیں بند کر لیں اور دنیاوی تمتع پر مغرور ہو گئے۔ آپ نے اپنی نوازش سے جس قدر ان کو اور ان کے باپ دادوں کو دنیا کے فائدے پہنچائے، یہ اسی قدر غفلت و نسیان میں ترقی کرتے گئے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ انعامات الٰہیہ کو دیکھ کر منعم حقیقی کی بندگی اور شکر گزاری اختیار کرتے، الٹے مغرور و مفتون ہو کر کفر و عصیان پر تل گئے۔ گویا جو امرت تھا، بدبختی سے ان کے حق میں زہر بن گیا۔

ف۴ یعنی حق تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہو گا کہ لو! جن کی امانت پر تم کو بڑا بھروسہ تھا وہ خود تمہارے دعاوی کو جھٹلا رہے ہیں اور تمہاری حرکات سے علانیہ بیزاری کا اظہار کر رہے ہیں۔

ف۵ یعنی اب نہ عذاب الٰہی کو پھیر سکتے ہو نہ بات کو پلٹ سکتے ہو نہ ایک دوسرے کی مدد کر سکتے ہو، جس کو جو سزا ملنے والی ہے اس کا بڑے مزہ چکھتے رہو۔

ف۶ شاید ظلم سے مراد یہاں شرک ہو، اور ممکن ہے ہر قسم کا ظلم و گناہ مراد لیا جائے۔

ف۷ یہ جواب ہوا ﴿مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ﴾ کا۔ یعنی آپ سے پہلے جتنے پیغمبر دنیا میں آئے سب آدمی تھے۔ آدمیوں کی طرح کھاتے پیتے اور =

رَبُّكَ بَصِيْرًا ۝۲۰

تیرا رب سب کچھ دیکھتا ہے ف ١

تیرا رب سب دیکھتا ہے۔

منکرین نبوت کا تیسرا شبہ اور اس کا جواب

قَالَ اللهُ تَعَالٰی: ﴿وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْأَسْوَاقِ...الی...وَيَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا﴾

ربط:...... منکرین نبوت کا یہ تیسرا شبہ ہے۔ منکرین نبوت یہ کہتے ہیں کہ یہ مدعی نبوت پانچ صفتوں کے ساتھ موصوف ہے اور یہ پانچوں صفتیں نبوت کے منافی ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ شخص ہماری طرح کھانا کھاتا ہے۔ دوم یہ کہ یہ شخص ہماری طرح بازاروں میں چلتا پھرتا ہے، پھر اس کو کیا فضیلت اور برتری کہ یہ ہمارا نبی بنے۔ سوم یہ کہ آپ ﷺ کے ہمراہ خدا کا کوئی فرشتہ نہیں جو لوگوں کو آپ ﷺ سے ڈرائے۔ چہارم یہ کہ آپ کے پاس آسمان سے کوئی خزانہ نہیں اترتا۔ جسے آپ لوگوں پر بے دریغ خرچ کر کے لوگوں کو اپنی طرف مائل کریں۔ اور اپنے پیروؤں کو بھوک اور فاقہ سے بچائیں۔ پنجم یہ کہ اگر آپ ﷺ کے پاس آسمان سے کوئی خزانہ اترتا تو کم از کم آپ کے پاس ایک باغ تو ہوتا جس سے آپ بے فکری سے کھالیا کرتے، جب آپ ﷺ میں کوئی شان امتیازی نہیں تو ہم کیسے یقین کریں کہ آپ اللہ کے نبی اور رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ان خیالات مہملہ کو نقل کر کے بتلا دیا کہ یہ سب نادانی اور جہالت کی باتیں ہیں اور اس قسم کے خیالات کی اصل وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ قیامت پر ایمان نہیں رکھتے، جزا اور سزا کے قائل نہیں اس لئے احکام اور قوانین کی پابندی ان پر شاق اور گراں ہے۔ جب قیامت آئے گی تو پچھتائیں گے اور حسرتوں سے ہاتھ ملیں گے اور عذاب کا مزہ چکھیں گے۔ پھر اخیر ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ میں ان کے تمام شبہات کا مختصر طور پر ایک الزامی جواب دیا کہ دیکھو کہ اگلے پیغمبر بھی کھاتے اور پیتے تھے اور بشری ضرورتوں کے لئے بازاروں میں چلتے پھرتے تھے اور نہ کسی کے ساتھ کوئی فرشتہ تھا اور نہ کسی کے پاس آسمان سے کوئی خزانہ اترا تھا اور نہ کوئی باغ اور زمین و جائیداد کا مالک تھا۔ معلوم ہوا کہ جو باتیں تم کہتے ہو وہ نبوت و رسالت کے منافی نہیں اور نہ شان نبی کے خلاف ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور کہا سرداران قریش نے جیسے ابوجہل اور عتبہ اور امیہ وغیرہم نے کہ کیا حال ہے اس رسول کا کہ دعویٰ تو رسالت کا کرتا ہے اور لوگوں کی طرح کھانا کھاتا ہے اور طلب معاش کے لئے اوروں کی طرح بازاروں میں چلتا پھرتا ہے تو اس کو ہم پر کیسے فضیلت حاصل ہوگئی اور یہ نبی کیسے ہوگیا یہ شخص تو ہم جیسا آدمی ہے، چاہئے تو یہ تھا کہ فرشتہ ہوتا خیر اگر یہ خود فرشتہ نہیں تو اس کی طرف کوئی فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا۔ جس کو ہم بھی اپنی آنکھوں سے دیکھتے

= معاشی ضروریات کے لیے بازار بھی جاتے تھے۔ ان کو فرشتہ بنا کر نہیں بھیجا جو کھانے پینے اور حوائج بشریہ سے مستغنی ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے لیے بازاروں میں پھرنا شان تقدس اور بزرگی کے منافی نہیں۔ بلکہ اگر بازار نہ جانے کا منشا کبر و خود بینی ہو تو یہ بزرگی کے خلاف ہے۔

ف ٨ یعنی پیغمبر میں کافروں کا ایمان جانچنے کو۔ اور کافر میں پیغمبروں کا صبر جانچنے کو۔ اب دیکھیں کافروں کے سفیہانہ طعن و تشنیع اور لغو اعتراضات سن کر تم کس حد تک صبر و استقلال دکھاتے ہو۔

ف ١ یعنی کافروں کو کفر و ایذا دہی اور صابروں کا صبر و تحمل سب اس کی نظر میں ہے۔ ہر ایک کو اس کے کیے کا پھل دے کر رہے گا۔

پس وہ اس کی نبوت کی گواہی دیتا اور اس کے ساتھ ہو کر لوگوں کو اس کی مخالفت سے ڈرانے والا ہوتا یا یہی ہوتا کہ اس پر آسمان سے کوئی خزانہ ڈال دیا جاتا تا کہ تحصیل معاش کے لئے بازاروں میں جانے سے مستغنی ہو جاتا اور لوگوں کو داد و دہش کرتا اور لوگ اس کی طرف رجوع کرتے اور اس کی اس خصوصیت کو دیکھ کر لوگ اس کو رسول مان لیتے یا ادنیٰ درجہ یہ ہوتا کہ اس کے پاس کوئی باغ ہوتا جس سے یہ کھاتا اور کسب معاش کا محتاج نہ رہتا ان لوگوں نے نبوت و رسالت کو دنیاوی ریاست پر قیاس کیا اور نبی اور رسول میں دنیاوی امیروں اور رئیسوں کی طرح دنیاوی سامان عیش و عشرت کے طلبگار اور جویا بنے اور ان ظالموں نے تو ظلم و ستم کی حد ہی کر دی کہ مسلمانوں سے یہ کہا کہ بس تم تو ایسے شخص کے پیرو بن گئے ہو کہ جس پر جادو کر دیا گیا ہے اور وہ بہکی بہکی باتیں کرتا ہے اور وہ عجیب عجیب قسم کی باتوں سے تم کو اپنے جال میں پھنسا لیتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مشرکین مکہ یہ کہتے کہ اس مدعی رسالت کو کوئی شان امتیازی حاصل نہیں، ہماری طرح یہ بھی کھاتا اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے اور جب آپ ﷺ سے معجزات دیکھتے تو یہ کہتے کہ یہ شخص جادوگر ہے اور کبھی کہتے کہ یہ شاعر ہے اور کبھی کہتے کہ کاہن ہے اور کبھی کہتے کہ مجنون ہے۔ ان کا یہ اضطراب اس بات کی دلیل ہے کہ جو کہتے وہ آپ ﷺ پر منطبق نہیں ہوتا تھا کسی بات پر قرار نہیں تھا کبھی کچھ کہتے اور کبھی کچھ کہتے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے نبی دیکھئے تو سہی کہ ان ظالموں نے کیسی کیسی مثالیں آپ کے لئے بنائی ہیں جو ان کے اضطراب اور سراسیمگی کی دلیل ہیں کسی بات پر ان کو قرار نہیں پس یہ لوگ حق سے بہک گئے پس اب راہ راست پر نہیں آسکتے بھٹکتے پھرتے ہیں اور پریشان باتیں بکتے ہیں کسی بات پر قائم نہیں ایسے کو راہ حق کہاں ملتی ہے۔

تفصیلی جواب

یہاں تک کافروں کے شبہ کا اجمالی جواب دیا، اب آئندہ آیات میں اس کا تفصیلی جواب ارشاد فرماتے ہیں۔ بڑی ہی برکت والا ہے وہ خدا جس نے آپ ﷺ کو رسول بنا کر بھیجا ہے اور آپ ﷺ پر یہ مبارک کتاب نازل کی ہے وہ اگر چاہے تو دنیا میں آپ کو اس سے بہتر چیزیں عطا کرے۔ جن کی کفار آپ ﷺ سے فرمائش کرتے ہیں یعنی دنیا ہی میں آپ کو ایسے باغات دے دے جن کے درختوں کے نیچے نہریں جاری ہوں اور دنیا ہی میں آپ کو ایسے عالیشان محل دے دے جو دنیا میں کسی فرمانروا نے دیکھے ہی نہ ہوں جن چیزوں کو کفار عجیب و غریب سمجھتے ہیں وہ خدا تعالیٰ کی قدرت کے اعتبار سے بہت حقیر ہیں۔ مال داران قریش نے جب حضرت رسالت پناہ ﷺ کو فقر و فاقہ کی وجہ سے حقیر سمجھا تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ مجھ سے میرے پروردگار نے کہا کہ اگر تو چاہے تو میں تیرے لئے مکہ کے پتھروں کو سونا بنا دوں میں نے عرض کیا کہ پروردگار میں یہ نہیں چاہتا۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ ایک دن پیٹ بھروں اور ایک دن بھوکا رہوں۔ جب بھوکا رہوں تو تیری طرف رجوع کروں اور گڑگڑاؤں اور تجھے یاد کروں اور جب پیٹ بھروں تو تیری تعریف کروں اور شکر کروں اور اس قسم کی بیشمار حدیثیں ہیں جن میں آپ نے فقیری کو امیری پر ترجیح دی ان سب سے مقصود امت کی تعلیم و تفہیم تھی دنیاوی ثروت فتنہ ہے اس میں نہ پڑیں بلکہ آخرت کی فکر کریں۔

تنبیہ بر منشاء انکار رسالت

وبیان بعض احوال واھوال روز قیامت

﴿بَلْ كَذَّبُوا بِالسَّاعَةِ ... الى ... وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيرًا﴾

اب آئندہ آیات میں ان منکرین رسالت اور معترضین نبوت کے انکار کا منشا بیان کرتے ہیں کہ آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ یہ لوگ آپ ﷺ کی تکذیب پر اس درجہ تلے ہوئے ہیں تو بتلاتے ہیں کہ ان شبہات اور اعتراضات کا منشا یہ نہیں کہ آپ ﷺ کی شان درویشی وفقیری ان کے ایمان اور ہدایت سے مانع بنی ہوئی ہے بلکہ اصلی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ قیامت کو جھوٹ سمجھتے ہیں جس سے آپ ان کو ڈراتے ہیں پس انکار نبوت اور تکذیب رسالت کا اصل منشاء تکذیب قیامت ہے۔ ان کی نظر صرف اسی حطام دنیا پر مقصور ہے ان کا گمان یہ ہے کہ عزت وکرامت کا دارومدار اسی دنیا کی مال ودولت پر ہے یہ لوگ آخرت کے ثواب اور عذاب کے قائل نہیں اور حالانکہ قیامت حق ہے اور جزاو سزا حق ہے ہم نے قیامت کے جھٹلانے والوں کے لئے دہکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ دوزخ کے ایک طبقہ کا نام "سعیر" ہے اور اس دوزخ کی صفت یہ ہے کہ جب وہ ان منکرین قیامت کو دور سے دیکھے گی۔ یعنی سو برس کی مسافت کے فاصلہ سے دیکھے گی تو ان کو دیکھتے ہی جوش غضب سے بھڑک اٹھے گی اور یہ منکرین قیامت اس جہنم کے جوش غضب کو اور اس کے چلانے کی آواز کو دور سے سنیں گے۔ جیسے غصہ والا چلاتا ہے اور شیر غراتا ہے، اسی طرح جہنم ان منکرین قیامت کے دیکھ کر جوش میں آجائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے جہنم میں ایک قسم کی حیات اور ایک قسم کا شعور رکھا ہے۔ قیامت کے دن جب کافروں کو دیکھے گی تو غیظ وغضب سے بھڑک اٹھے گی۔ کما قال تعالیٰ ﴿إِذَا أُلْقُوا فِيهَا سَمِعُوا لَهَا شَهِيقًا وَهِيَ تَفُورُ ۞ تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ﴾ الآیۃ۔

اور یہ منکرین قیامت جب زنجیروں میں جکڑے ہوئے جہنم کی کسی تنگ وتاریک جگہ میں ڈال دیئے جائیں گے تو وہاں ہلاکت اور موت کو پکاریں گے کہ اے موت اور اے ہلاکت تو کہاں ہے یہ وقت نہایت مصیبت کا ہے تو آجا تا کہ یہ بلا ہم سے ٹلے اور اس مصیبت کا خاتمہ ہو۔ حاصل یہ کہ منکرین قیامت جب کسی تنگ جگہ میں ٹھونس دیئے جائیں گے تو اس وقت اپنی ہلاکت اور حسرت کو آواز دیں گے، اس وقت ان سے کہا جائے گا کہ ایک موت کو نہ پکارو بلکہ بہت سی موتوں کو پکارو کیونکہ ایک موت کے پکارنے سے تمہاری مصیبت کا خاتمہ نہ ہوگا کیونکہ وہاں انواع واقسام عذاب کی کوئی شمار نہیں جو ایک موت اور ایک ہلاکت سے ختم ہو جائیں لہٰذا تم ہزاراں ہزار بار موت اور ہلاکت کو پکارتے رہو۔ کتنا ہی پکارو۔ تمہاری سب پکار بے فائدہ اور بے کار ہے۔

اے نبی آپ ان منکرین قیامت کو یہ حال اور مآل سنا کر کہہ دیجئے کہ تم نے مکذبین کا انجام سن لیا اب تم فیصلہ کرلو کہ یہ ذلت اور مصیبت بہتر ہے جو تمہارے انکار اور تکذیب کا نتیجہ ہے یا وہ جنت الخلد بہتر ہے جس کا اہل ایمان اور اہل تقویٰ سے وعدہ ہو چکا ہے یہ جنت الخلد ان کے اعمال کا صلہ ہے اور ان کا آخری ٹھکانہ ہے ان کے لئے وہاں وہ سب کچھ ہے جو وہ چاہیں گے اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے وہاں کسی نعمت کو زوال نہ ہوگا۔ اے پیغمبر یہ تیرے پروردگار کا ایک وعدہ

ہے جو اس کے ذمہ ہے جو وعدہ کے مطابق اس سے مانگا جائے گا۔ اہل ایمان اس سے درخواست کریں گے ﴿رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِكَ﴾ اور فرشتے بھی اہل ایمان کے لئے درخواست کریں گے ﴿رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ الَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ﴾۔

اب آئندہ آیات میں قیامت کے دن مشرکوں کی ملامت اور ندامت کا بیان ہے اور اے نبی آپ ﷺ ان کافروں کے سامنے اس دن کا ذکر کیجئے کہ جس دن اللہ تعالیٰ ان کو اور ان کے معبودوں کو جنہیں وہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں۔ میدان حشر میں سب کو جمع کرے گا پھر ان معبودوں سے پوچھے گا کہ کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا یا وہ خود ہی راہ حق سے گمراہ ہوئے تو وہ معبودین عرض کریں گے ہم تیری پاکی بیان کرتے ہیں تو شریک سے پاک اور منزہ ہے کوئی تیرا شریک نہیں ہوسکتا، ہم تیرے بندے ہیں تیری تقدیس اور تنزیہہ سے خوب واقف ہیں۔ ہمارے لئے یہ لائق نہیں کہ ہم تیرے سوا کسی کو دوست بنائیں۔ چہ جائیکہ تیرے سوا کسی کو معبود ٹھہرائیں ہماری کیا مجال تھی کہ ہم تیرے سوا کسی کو اپنا یار و مددگار بناتے۔ یہ بات حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور عزیز علیہ السلام اور فرشتے وغیرہ وغیرہ سب کہیں گے۔ مطلب جواب کا یہ ہے کہ ہم نے ان کو گمراہ نہیں کیا اور نہ ان کو گمراہی کی دعوت دی بلکہ یہ لوگ خود گمراہ ہوئے۔ حاصل یہ کہ خدا کی پیش فرمودہ دو شقوں میں سے جواب کے لئے ﴿اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ﴾ کی شق کو اختیار کیا یعنی اے پروردگار یہ لوگ خود ہی تیری راہ سے بہک گئے ہم ان کی گمراہی کا سبب نہیں بنے ولیکن تو نے ان لوگوں کو اور ان کے باپ دادوں کو دنیا میں طول عمر اور صحت اور نعمت کے ساتھ نفع پہنچایا یہاں تک کہ یہ لوگ دنیوی نعمتوں اور لذتوں میں پڑکر تیری یاد کو بھول گئے اور اس طرح یہ لوگ ہلاک ہونے والے ہو گئے یعنی تیری نعمت اور احسان کا مقتضا یہ تھا، یہ لوگ اپنے منعم حقیقی کو پہچانتے اور اس کا شکر اور اطاعت بجالاتے مگر وہ نفسانی شہوتوں اور لذتوں میں ایسے غرق ہوئے کہ اسباب شکر کو اسباب کفر بنالیا اور اے پروردگار تیرے علم ازلی میں پہلے ہی سے یہ لوگ ہلاک ہونے والے تھے چونکہ اس سوال و جواب سے مشرکین کی توبیخ اور ملامت مقصود ہوگی اس لئے اس جواب کے بعد مشرکین کو مخاطب بنا کر کہا جائے گا اے مشرکو! یہ تمہارے معبود ہیں تم نے ان کا جواب سن لیا۔ سو یہ معبود تم کو تمہارے قول میں جھٹلا چکے اور تمہارے منہ پر تم کو جھوٹا ٹھہرا دیا اور تمہاری حرکات سے اپنی بیزاری ظاہر کردی جس سے تمہارا جرم پوری طرح واضح ہوگیا پس اب تم نہ از خود عذاب کو اپنے اوپر سے دفع کر سکتے ہو اور نہ ایک دوسرے کی مدد کر سکتے ہو اب تو وقت سزا کا ہے جس کا مزہ چکھنا پڑے گا۔ اور تم میں سے جو کافر ہے یعنی مشرک ہے ہم اس کو بڑا عذاب چکھائیں گے کوئی شخص اس عذاب کا ظالموں سے پھیر نہیں سکے گا۔ اب آئندہ آیات میں مشرکین کے پھر اس طعن کا جواب دیتے ہیں کہ یہ کیسے رسول ہیں کہ جو کھانا کھاتے ہیں اور بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں اس کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں۔ اے نبی ہم نے آپ سے پہلے جتنے پیغمبر بھیجے سب کی یہی شان اور صفت تھی کہ وہ کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ کھانا پینا اور بازاروں میں ضرورت کے لئے جانا منصب نبوت کے منافی نہیں، پس مشرکین کا آپ ﷺ پر یہ طعن کرنا کہ یہ کیسا رسول ہے کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں جاتا ہے بالکل بے جا ہے اللہ کی سنت تمام نبیوں میں یہی رہی۔

اور ہم نے بعض کو بعض کے لئے آزمائش بنایا ہے امیروں کی آزمائش غریبوں سے ہے کہ وہ ان کو نظر حقارت سے نہ

دیکھیں اور غریبوں کی آزمائش امیروں سے ہے کہ وہ ان پر حسد نہ کریں، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انبیاء کی صورت بشریہ اور حوائج انسانیہ کو لوگوں کے لئے آزمائش بنایا کہ لوگ ان کے ظاہر کو دیکھ کر یہ خیال کریں کہ ان میں اور ہم میں کیا فرق ہے۔ ظاہری صورت کے اعتبار سے تو ایک نادان اور حکیم لقمان میں کوئی فرق نہیں۔

اے مسلمانو۔ کیا تم کافروں کی اس طعن و تشنیع پر صبر کرو گے۔ کافروں کی یہ طعن و تشنیع تمہارے لئے آزمائش ہے۔ دیکھیں کس حد تک صبر کرتے ہو اور تیرا رب سب کچھ دیکھنے والا ہے وہ کافروں کی ایذا اور طعن و تشنیع کو بھی دیکھ رہا ہے اور تمہارے صبر و تحمل کو بھی دیکھ رہا ہے ہر ایک کو اس کے مطابق اجر دے گا۔

الحمد للہ اٹھارہویں سپارے کی تفسیر مکمل ہوئی۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ۭ لَقَدِ

اور بولے وہ لوگ جو امید نہیں رکھتے کہ ہم سے ملیں گے کیوں نہ اترے ہم پر فرشتے یا ہم دیکھ لیتے اپنے رب کو ف۱

اور بولے جو لوگ امید نہیں رکھتے کہ ہم سے ملیں گے، کیوں نہ اترے ہم پر فرشتے ؟ یا ہم دیکھتے اپنے رب کو۔

اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا ﴿۲۱﴾ يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ

بہت بڑائی رکھتے ہیں اپنے جی میں اور سر چڑھ رہے ہیں بڑی شرارت میں ف۲ جس دن دیکھیں گے فرشتوں کو، کچھ خوشخبری نہیں اس دن

بہت بڑائی رکھتے ہیں اپنے جی میں، اور سر چڑھ رہے ہیں بڑی شرارت میں۔ جس دن دیکھیں گے فرشتے، کچھ خوشخبری نہیں اس دن

لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۲۲﴾ وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً

گناہ گاروں کو اور کہیں گے کہیں روک دی جائے کوئی آڑ ف۳ اور ہم پہنچے ان کے کاموں پر جو انہوں نے کیے تھے پھر ہم نے کر ڈالا اس کو

گنہگاروں کو، اور کہیں گے، کہیں روکی جائے کوئی اوٹ۔ اور ہم پہنچے ان کے کاموں پر، جو کیے تھے، پھر کر ڈالا اس کو

مَّنْثُوْرًا ﴿۲۳﴾ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا ﴿۲۴﴾ وَيَوْمَ تَشَقَّقُ

خاک اڑتی ہوئی ف۴ بہشت کے لوگوں کا اس دن خوب ہے ٹھکانا اور خوب ہے جگہ دوپہر کے آرام کی ف۵ اور جس دن پھٹ جائے

خاک اڑتی۔ بہشت کے لوگ اس دن خوب رکھتے ہیں ٹھکانا، اور خوب جگہ دوپہر کے آرام کی۔ اور جس دن پھٹ جاوے

ف۱ یعنی جن کو یہ امید نہیں کہ ایک روز ہمارے رو برو حاضر ہو کر حساب وکتاب دینا ہے وہ سزا کے خوف سے بالکل بے فکر ہو کر معاندانہ اور گستاخانہ کلمات زبان سے بکتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح ہم پر فرشتے وحی لے کر کیوں نہ اترے۔ یا خدا تعالیٰ سامنے آ کر ہم سے ہمکلام کیوں نہیں ہو گیا۔ کم از کم فرشتے تمہاری تصدیق ہی کے لیے آ جاتے یا خود خداوند رب العزت کو ہم دیکھتے کہ سامنے ہو کر تمہارے دعوے کی تائید وتصدیق کر رہا ہے کما فی موضع آخر۔ ﴿قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ﴾ (انعام، رکوع ۱۵) وفی سورۃ الاسراء ﴿اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا﴾ (اسراء، رکوع ۱۰)

ف۲ یعنی انہوں نے اپنے دل میں اپنے کو بہت بڑا سمجھ رکھا ہے جو وحی اور فرشتوں کے آنے کی تمنا رکھتے ہیں شرارت وسرکشی کی حد ہو گئی کہ باوجود ایسی سیاہ کاریوں کے دنیا میں ان آنکھوں سے خداوند قدوس کو دیکھنے اور شرف ہم کلامی سے مشرف ہونے کا مطالبہ کریں۔

ف۳ یعنی گھبراؤ نہیں، ایک دن آنے والا ہے جب فرشتے تم کو نظر پڑیں گے، لیکن ان کے دیکھنے سے تم جیسے مجرموں کو کچھ خوشی حاصل نہ ہوگی، بلکہ سخت ہولناک مصائب کا سامنا ہوگا۔ حتی کہ جو لوگ اس وقت فرشتوں کے نزول کا مطالبہ کرنے والے ہیں اس وقت "حِجْرًا مَّحْجُوْرًا" کہہ کر پناہ طلب کریں گے، اور چاہیں گے کہ ان کے اور فرشتوں کے درمیان کوئی سخت روک قائم ہو جائے کہ وہ ان تک نہ پہنچ سکیں لیکن خدا کا فیصلہ کب رک سکتا ہے۔ فرشتے بھی ﴿حِجْرًا مَّحْجُوْرًا﴾ کہہ کر بتلا دیں گے کہ آج مسرت وکامیابی ہمیشہ کے لیے تم سے روک دی گئی ہے۔

(تنبیہ) ممکن ہے یہ تذکرہ احتضار (موت) کے وقت کا ہو۔ کما قال تعالیٰ ﴿وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا ۙ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ﴾ (انفال، رکوع ۷) وقال تعالیٰ ﴿وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ﴾ (انعام، رکوع ۱۱) گویا یہ کیفیت اس کے بالمقابل ہوگی۔ جو دوسری جگہ مومنین کی بیان ہوئی ہے۔ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ﴾ (حم السجدۃ، رکوع ۴) اور ممکن ہے یہاں قیامت کے دن کا ذکر ہو۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ف۴ یعنی وہ ہم کو بلاتے تھے تو ہم بھی آ پہنچے، مگر ان کی عزت بڑھانے کو نہیں، بلکہ اس لیے کہ انہوں نے اپنے زعم باطل کے موافق جو بھلے کام کیے تھے جن پر بڑا بھروسہ تھا انہیں ہم قطعاً ملیامیٹ کر دیں اور اس طرح بے حقیقت کر کے اڑا دیں جیسے خاک کے حقیر ذرات ہوا میں ادھر ادھر اڑ جایا کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ =

السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا ﴿۲۵﴾ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ؕ وَكَانَ

آسمان بادل سے اور اتارے جائیں فرشتے تار لگا کر ف۱ بادشاہی اس دن سچی ہے رحمان کی اور ہے وہ دن منکروں پر مشکل ف۲ اور جس

آسمان بدلی سے، اور اتارے فرشتے اتار لگا کر۔ راج اس دن سچا ہے رحمٰن کا۔ اور ہے وہ دن منکروں پر مشکل۔ اور جس

يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا ﴿۲۶﴾ وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ

دن کاٹ کاٹ کھائے گا گناہ گار اپنے ہاتھوں کو کہے گا اے کاش کہ میں نے پکڑا ہوتا

دن کاٹ کاٹ کھاوے گا گنہگار اپنے ہاتھ، کہے گا: کسی طرح میں نے پکڑی ہوتی

مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ﴿۲۷﴾ يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ﴿۲۸﴾ لَقَدْ اَضَلَّنِيْ عَنِ

رسول کے ساتھ رستہ ف۳ اے خرابی میری کاش کہ نہ پکڑا ہوتا میں نے فلانے کو دوست ف۴ اس نے تو بہکا دیا مجھ کو

رسول کے ساتھ راہ۔ اے خرابی میری کہیں نہ پکڑی ہوتی میں نے فلانے کی دوستی۔ اس نے بہکا دیا مجھ کو

الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِيْ ؕ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ﴿۲۹﴾ وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ

نصیحت سے مجھ تک پہنچ چکنے کے پیچھے اور ہے شیطان آدمی کو وقت پر دغا دینے والا ف۵ اور کہا رسول نے اے میرے رب

نصیحت سے، مجھ تک پہنچے پیچھے۔ اور ہے شیطان آدمی کو وقت پر دغا دینے والا۔ اور کہا رسول نے، اے رب میرے!

=اعمال روح اخلاص وایمان سے یکسر خالی یا طریق حق کے بالکل متضاد واقع ہوئے ہیں۔ قال تعالیٰ ﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ِۨ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ﴾ (ابراہیم، رکوع ۲) وغیرہ ذلک من الآیات۔

ف۵ یعنی یہ لوگ تو اس روز اس مصیبت میں گرفتار ہوں گے اور جن کی ہنسی اڑایا کرتے تھے وہ جنت میں خوب عیش وآرام کے مزے لوٹیں گے۔

ف۱ قیامت کے دن آسمانوں کے پھٹنے کے بعد اوپر سے بادل کی طرح کی ایک چیز اترتی نظر آئے گی جس میں حق تعالیٰ کی ایک خاص تجلی ہوگی۔ اسے ہم چتر شاہی سے تعبیر کیے لیتے ہیں۔ شاید یہ وہی چیز ہو جسے ابورزین کی حدیث میں "عَمَاء" سے اور نسائی کی ایک روایت میں جو معراج سے متعلق ہے "غَيَابَة" سے تعبیر کیا ہے۔ واللہ اعلم۔ اس کے ساتھ بیشمار فرشتوں کا ہجوم ہوگا اور آسمانوں کے فرشتے اس روز لگا تار مقام محشر کی طرف نزول فرمائیں گے۔ دوسرے پارہ کے نصف کے قریب آیت ﴿هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ﴾ الخ میں بھی اسی طرح کا مضمون گزر چکا ہے۔

ف۲ یعنی ظاہراً و باطناً، صورۃً معنیً، من کل الوجوہ اکیلے رحمان کی بادشاہت ہوگی اور صرف اسی کا حکم چلے گا۔ ﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ؕ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ (مومن، رکوع ۲) پھر جب رحمان کی حکومت ہوئی تو جو مستحق رحمت ہیں ان کے لیے رحمت کی کیا کمی، بے حساب رحمتوں سے نوازے جائیں گے مگر باوجود ایسی لامحدود رحمت کے کافروں کے لیے وہ دن بڑی سخت مشکل اور مصیبت کا ہوگا۔

که بازار چندان که آگنده تر　　　　تهی دست را دل پراگنده تر

ف۳ یعنی مارے حسرت وندامت کے اپنے ہاتھ کاٹے گا اور افسوس کرے گا کہ میں نے کیوں دنیا میں رسول خدا کا راستہ اختیار نہ کیا اور کیوں شیاطین الانس والجن کے بہکائے میں آ گیا جو آج یہ روز بد دیکھنا پڑا۔

ف۴ یعنی جن کی دوستی اور اغواء سے گمراہ ہوا تھا یا گمراہی میں ترقی کی تھی، اس وقت پچھتائے گا کہ افسوس ایسوں کو میں نے اپنا دوست کیوں سمجھا۔ کاش میرے اور ان کے درمیان کبھی دوستی اور رفاقت نہ ہوئی ہوتی۔

(تنبیہ) مفسرین نے یہاں عقبہ بن ابی معیط اور ابی بن خلف کا جو واقعہ نقل کیا ہے، کچھ ضرورت نہیں کہ آیت کے مدلول کو اس پر مقصور کیا جائے۔ ہاں جو تقریر ہم نے کی ہے اس میں وہ بھی داخل ہے۔

ف۵ یعنی پیغمبر کی نصیحت مجھ کو نہیں پہنچ چکی تھی جو ہدایت کے لیے کافی تھی، اور امکان تھا کہ میرے دل میں گھر کرلے۔ مگر اس کم بخت کی دوستی نے تباہ کیا اور=

قَوْمِي اتَّخَذُوا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ۝۳۰ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ

میری قوم نے ٹھہرایا ہے اس قرآن کو جھک جھک ف۱ اور اسی طرح رکھے ہیں ہم نے ہر نبی کے لیے دشمن

میری قوم نے ٹھہرایا اس قرآن کو جھک جھک۔ اور اسی طرح رکھے ہیں ہم نے ہر نبی کے دشمن،

الْمُجْرِمِيْنَ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا ۝۳۱

گناہ گاروں میں سے ف۲ اور کافی ہے تیرا رب راہ دکھلانے کو اور مدد کرنے کو ف۳

گنہگاروں میں سے۔ اور بس ہے تیرا رب راہ دکھانے کو، اور مدد کرنے کو۔

منکرین نبوت کا چوتھا شبہ اور اس کا جواب

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ... الی ... هَادِيًا وَّنَصِيْرًا﴾

ربط: ...... منکرین نبوت کا چوتھا شبہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے فرشتے کیوں نہیں نازل کیے جو ہمارے سامنے آ کر آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کی شہادت دیتے کہ یہ شخص دعوائے نبوت میں صادق ہے یا ہم بلا واسطہ اللہ کو دیکھتے اور بلا واسطہ خود اللہ تعالیٰ سے آپ کی بابت پوچھ لیتے اور اللہ تعالیٰ ہم کو خود بتلا دیتا کہ یہ شخص میرا نبی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس جاہلانہ اور احمقانہ اور گستاخانہ اور مغرورانہ سوال کے جواب میں یہ ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ بڑے ہی سرکش اور متکبر ہیں کہ وہ اپنے آپ کو اس مرتبہ کا سمجھتے ہیں کہ خود اللہ تعالیٰ کو دیکھیں اور خود اللہ تعالیٰ سے آپ کی بابت دریافت کر لیں یا کوئی فرشتہ اللہ کا پیغام لے کر ان کے پاس آئے خوب سمجھ لیں کہ فرشتے ان کے پاس اللہ کا پیغام لے کر نہیں آئے گا بلکہ عذاب الٰہی لیکر آئے گا اس وقت غرور کا سارا نشہ کافور ہو جائے گا، چنانچہ فرماتے ہیں اور کہا ان لوگوں نے جو ہمارے سامنے پیش ہونے کی امید نہیں رکھتے یعنی جو قیامت اور جزا و سزا کے قائل نہیں اور اسی وجہ سے وہ نبوت کے منکر ہیں انہوں نے کہا کہ ہم پر فرشتے کیوں نہیں اتارے گئے جو ہم سے آ کر اللہ کا پیغام پہنچا دیتے کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں یا ہم خود اپنے پروردگار کو دیکھ لیتے اور وہ خود ہم سے کہہ دیتا کہ یہ ہمارا رسول

= دل کو ادھر متوجہ نہ ہونے دیا۔ بیشک شیطان بڑا دغاباز ہے آدمی کو عین وقت پر دھوکا دیتا اور بری طرح رسوا کرتا ہے۔

ف۱ یعنی ضدی معاندین نے جب کسی طرح نصیحت پر کان نہ دھرا، تب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے بارگاہ الٰہی میں شکایت کی کہ خداوند میری قوم نہیں سنتی، انہوں نے قرآن کریم جیسی عظیم الشان کتاب کو (العیاذ باللہ) بکواس قرار دیا ہے، جب قرآن پڑھا جاتا ہے تو خوب شور مچاتے اور بک بک جھک جھک کرتے ہیں۔ تاکہ کوئی شخص سن اور سمجھ نہ سکے۔ اس طرح ان اشقیا نے قرآن جیسی قابل قدر کتاب کو بالکل متروک و مہجور کر چھوڑا ہے۔

(تنبیہ) آیت میں اگرچہ مذکور صرف کافروں کا ہے تاہم قرآن کی تصدیق نہ کرنا، اس میں تدبر نہ کرنا، اس پر عمل نہ کرنا اس کی تلاوت نہ کرنا، اس کی صحیح قراءت کی طرف توجہ نہ کرنا، اس سے اعراض کر کے دوسری لغویات یا حقیر چیزوں کی طرف متوجہ ہونا، یہ سب صورتیں درجہ بدرجہ ہجران قرآن کے تحت میں داخل ہو سکتی ہے۔ فنسال اللہ الکریم المنان القادر علی ما یشاء ان یخلصنا مما یسخطہ ویستعملنا فیما یرضیہ من حفظ کتابہ وفهمہ والقیام بمقتضاہ اناء اللیل واطراف النهار علی الوجہ الذی یحبہ ویرضاہ انہ کریم وھاب۔

ف۲ جو نبی کی بات ماننے میں رکاوٹیں ڈالتے ہیں اور لوگوں کو قبول حق سے روکتے ہیں۔

ف۳ یعنی کافر پڑے بہکایا کریں، جس کو اللہ چاہے گا راہ پر لے آئے گا یا یہ مطلب ہے کہ اللہ جس کو چاہے گا ہدایت کر دے گا اور جن کو ہدایت نصیب نہ ہو گی ان کے سب کے مقابلہ میں تیری مدد کرے گا۔ یا یہ کہ حق تعالیٰ تیری مدد کر کے مقام مطلوب تک پہنچا دے گا۔ کوئی رکاوٹ مانع نہ ہو سکے گی۔

ہے۔ تحقیق ان لوگوں نے اپنے زعم میں اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھا کہ اپنے آپ کو اس لائق خیال کیا کہ خدا تعالیٰ ان سے بالمشافہ کلام کرے یا فرشتوں کو اپنا پیغام دیکر ان کے پاس بھیجے اور سرکشی کی سخت سرکشی کرنا کہ اپنے گندے اور خبیث نفسوں کے لیے ایسے بلند مقام کے طالب ہوئے جو خدا تعالیٰ کے خالص الخالص برگزیدہ بندوں کے لئے مخصوص ہے۔ خیر خدا تعالیٰ کے دیکھنے کے تو کیا لائق ہوتے البتہ یہ لوگ فرشتوں کے دیکھنے کے مشتاق ہیں سو اس کی صورت یہ ہوگی کہ جس دن یہ لوگ فرشتوں کو دیکھیں گے یعنی قیامت کے دن یا مرنے کے وقت تو اس دن مجرموں کے لیے کوئی بشارت اور خوشی کا وقت نہ ہوگا بلکہ ذلت و خواری اور غضب الٰہی کے سنانے اور دکھلانے کا وقت ہوگا اور فرشتے اس وقت کافروں سے کہیں گے کہ آج تم پر فلاح اور خوبی حرام اور ممنوع قرار دی گئی۔ یعنی آج کے روز تم پر راحت و آرام سب حرام ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ ﴿یَقُوْلُوْنَ﴾ کی ضمیر مجرمین کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ مجرمین ملائکہ عذاب کو دیکھ کر کہیں گے پناہ پناہ ہے یعنی ہم کو پناہ دو اور چھوڑ دو لیکن ان کو پناہ کچھ نہیں ملے گی بہرحال مطلب یہ ہے کہ کفار یہ چاہتے ہیں کہ ان پر فرشتے اتریں اور وہ ظاہر طور پر ان کو دیکھیں۔ سو جان لینا چاہئے کہ فرشتے ان کو موت کے وقت نظر آئیں گے اور ان کے مونہوں پر اور ان کے سروں پر گرز ماریں گے جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ ﴿وَلَوْ تَرٰٓی اِذْ یَتَوَفَّی الَّذِیْنَ کَفَرُوا الْمَلٰٓئِکَۃُ یَضْرِبُوْنَ وُجُوْھَھُمْ وَاَدْبَارَھُمْ﴾۔

اور علیٰ ہذا یہ مجرمین قیامت کے دن بھی فرشتوں کو دیکھیں گے مگر بشارت اور مسرت کا کوئی سامان نہ ہوگا بلکہ ذلت اور خواری کا سامان ہوگا۔ بخلاف اہل ایمان کے کہ موت کے وقت فرشتے ان پر نازل ہونگے اور خیرات و مسرات کی ان کو خوشخبری سنائیں گے۔ کما قال تعالیٰ ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝ نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُکُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ ۚ وَلَکُمْ فِیْھَا مَا تَشْتَھِیْٓ اَنْفُسُکُمْ وَلَکُمْ فِیْھَا مَا تَدَّعُوْنَ ۝ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِیْمٍ﴾۔

خلاصۂ کلام یہ کہ اب تو تم فرشتوں کو دیکھنے کی تمنا کر رہے ہو اور جب وہ فرشتے آئیں گے تو تم پناہ مانگو گے تم اس قابل نہیں کہ تم پر اللہ کا فرشتہ اللہ کا پیغام لے کر آئے بلکہ تم اس قابل ہو کہ تم پر اللہ کا فرشتہ اللہ کا قہر اور عذاب لے کر نازل ہو اور پھر اس روز ہم ان کے ان اعمال کی طرف متوجہ ہونگے جن کو دنیا میں انہوں نے نیک کام سمجھ کر کیا تھا جیسے صلہ رحمی اور مہمان داری اور مظلوموں کی دادرسی اور یتیموں کی خبر گیری۔ سو ہم ان کو ہوا میں بکھرا ہوا غبار کر دیں گے یعنی بکھرے ہوئے غبار کی طرح ان کو رائیگاں اور بیکار کر دیں گے مطلب یہ ہے کہ ان کے اعمال کو حبط اور بے کار کر دیں گے اس لیے کہ وہ اعمال اگرچہ ظاہری صورت کے اعتبار سے اچھے اور خوشنما تھے مگر بے جان اور بے روح تھے اعمال کی روح ایمان اور اخلاص ہے لہٰذا جو عمل ایمان اور اخلاص سے خالی ہو وہ بے روح اور بے جان ہے اور شریعت میں قبول اعمال کے لیے ایمان اور اخلاص شرط ہے اور ایمان ان کو نصیب نہ تھا ایسے اعمال جو ایمان سے خالی ہوں وہ آخرت کے لائق نہیں آخرت میں ان کا کوئی وجود ہی نہ ہوگا اور کافروں کے ایسے اعمال کا عوض ان کو دنیا ہی میں دیا جاتا ہے آخرت کا ثواب ان اعمال پر ملتا ہے جو ایمان پر مبنی ہوں اور کافروں کے اعمال ایمان نہ ہونے کی وجہ سے بے جان ہیں لہٰذا کفار آخرت میں خالی ہاتھ ہوں گے اور ان کے تمام اعمال نیست و نابود اور ملیامیٹ کر دیئے جائیں گے۔ برخلاف اہل ایمان کے کہ ان کا حال ان کے برعکس ہوگا۔ ان کو ان کے اعمال کا صلہ ملے گا اس روز اہل جنت قیامگاہ اور قرارگاہ

کے اعتبار سے بہت اچھے اور بلحاظ خواب گاہ اور آرام گاہ کے بھی بہت عمدہ ہونگے "مستقر" کے معنی قرار گاہ یعنی ٹھکانہ کے ہیں آدمی اکثر رہتا ہو اور "مقیل" کے معنی قیلولہ یعنی دوپہر کی استراحت اور آرام کی جگہ کے ہیں۔ جہاں خاص اوقات میں اپنی ازواج کے ساتھ راحت حاصل کرتا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ اہل ایمان کو عیش وراحت کے تمام سامان حاصل ہونگے حق جل شانہ کے اس قول

کے ساتھ راحت حاصل کرتا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ اہل ایمان کو عیش وراحت کے تمام سامان حاصل ہونگے حق جل شانہ کے اس قول

﴿يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ﴾۔ میں روز قیامت کی عظمت وہیبت کا بیان تھا۔ اب آئندہ آیت میں پھر روز قیامت کے ہول ودہشت کو بیان کرتے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں اور منجملہ امور عظیمہ کے جو قیامت کے دن پیش آئیں گے آسمان کا شق ہو جانا اور فرشتوں کا نازل ہونا ہے جس دن آسمان بدلی سے پھٹ جائیگا یعنی آسمان پھٹے گا اور اس سے ایک بادل نمودار ہوگا یہ حق جل شانہ کی ایک خاص تجلی ہوگی اس وقت اللہ جل شانہ ثقلین کے حساب وکتاب کے لیے تجلی فرمائیں گے اور بکثرت فرشتے اتارے جائیں گے اور ان کے ہاتھوں میں مخلوق کے نامہائے اعمال ہوں گے، نازل ہو کر سب مخلوق کو گھیر لیں گے۔

اس آیت کا مضمون تقریباً وہی ہے جو پارہ دوم کے نصف کے قریب ﴿هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ﴾۔

غمام کے معنی سفید بادل کے ہیں ابن کثیر فرماتے [1] ہیں کہ آیت میں غمام سے نور عظیم کا سائبان مراد ہے جس سے آنکھیں چکا چوند ہو جائیں اور غالباً اسی نورانی بادل کو ابورزین رضی اللہ عنہ کی حدیث میں عماء سے اور نسائی کی ایک روایت میں جو معراج سے متعلق ہے غیابۃ سے تعبیر کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ شب معراج میں سدرۃ المنتہیٰ سے ایک بادل میں اوپر تشریف لے گئے۔ واللہ اعلم۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے اس آیت کو یعنی ﴿يَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا﴾ کو پڑھا اور پھر فرمایا کہ جب قیامت کے دن تمام جن اور انس اور وحوش وطیور میدان حشر میں جمع ہو جائیں گے تو اول آسمان دنیا شق ہو گیا اور اس سے فرشتے نازل ہونگے پھر بقیہ ساتوں آسمان شق ہونگے اور فرشتے نازل ہو کر تمام خلائق کا احاطہ کرلیں گے بعد ازاں ابر کے سائبانوں میں حق جل شانہ کا نزول اجلال ہوگا تا کہ بندوں کے اعمال کا حساب وکتاب کر دیا جائے اور ان کی جزا وسزا کا فیصلہ سنا دیا جائے (دیکھو تفسیر ابن کثیر)

تنبیہ [2]: ...... جاننا چاہئے کہ قرآن اور حدیث میں جو حق تعالیٰ کی نسبت آنا اور اترنا مذکور ہوا ہے سو اس سے حق جل شانہ کی تجلی اور اس کا ظہور مراد ہے جو اس کی شان کے لائق ہے جس طرح حق تعالیٰ کی ذات بے چون وچگوں ہے اور جسمانی مشابہت اور مماثلت سے پاک اور منزہ ہے اسی طرح اس کی صفات اور اس کے افعال مخلوق کی مشابہت سے پاک ہیں جیسے

[1] قال ابن کثیر یخبر تعالیٰ من هول یوم القیامة وما یکون فیه من الامور العظیمة فمنها انشقاق السماء وتفطرها وانفراجها بالغمام وهو ظُلَلُ النور العظیم الذی یبهر الابصار ونزول ملٰئکة السمٰوات یومئذ فیحیطون بالخلائق فی مقام المحشر ثم یجی الرب تبارك وتعالیٰ لفصل القضاء۔ تفسیر ابن کثیر: ۳/۳۱۵۔

[2] قال الامام القرطبی ویاتی الرب جل وعز فی الثمانیة الذین یحملون العرش لفصل القضاء علی ما یجوز ان یحمل علیه اتیانه لا علی ما تحمل علیه صفات المخلوقین من الحرکة والانتقال۔ تفسیر قرطبی: ۱۳/۲۴۔

﴿قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ﴾ ۔ میں حق کے آنے سے حق کا ظہور مراد ہے اور باطل کے جانے سے اس کا فنا اور زوال مراد ہے جس کی طرح آنا اور جانا مراد نہیں کہ جس طرح جسم کے آنے اور جانے سے انتقال مکانی مراد ہوتا اس قسم کا انتقال مکانی مراد نہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ کے نزول اجلال کو سمجھو۔

اس روز یعنی جس دن آسمان شق ہوگا ظاہراً و باطناً سلطنت رحمن ہی کی ہوگی۔ صرف اسی کا حکم چلے گا ظاہری اور مجازی بادشاہت بھی کسی کو حاصل نہ ہوگی۔ اس جگہ آیت میں لفظ رحمن کا ہے اور دوسری آیت میں لفظ قہار کا آیا ہے کما قال ﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ ۔ شاید اس آیت میں رحمن کا لفظ اہل ایمان کی تسلی کے لیے لایا گیا ہو کہ وہ خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہوں۔ اور یہ دن کافروں پر بہت ہی سخت ہوگا اور رہے مومن تو ان پر سخت نہ ہوگا۔ کما قال تعالیٰ ﴿لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ﴾ الآیہ اور جس دن ظالم کو اپنی بدکاری یاد آوے گی اور حسرت وندامت سے اپنے دونوں ہاتھوں پر دانت مارے گا کہ انکو چبا جائے جیسے حسرت کرنیوالا کیا کرتا ہے اس آیت میں ظالم سے عقبہ بن ابی معیط مراد ہے جو مسلمان ہوگیا تھا۔ یا مائل بہ اسلام ہوگیا تھا مگر ابی بن خلف کے کہنے سے اسلام سے برگشتہ ہوگیا اور بار بار کہے گا کہ کاش میں دنیا میں رسول کے ساتھ راہ بنالیتا۔ ہائے میری ہلاکت اور بربادی، کاش میں دنیا میں فلاں شخص کو یعنی ابی بن خلف کو اپنا دوست نہ بناتا بیشک اسی فلانے دوست نے مجھ کو نصیحت اور ہدایت سے بہکایا جب کہ وہ نصیحت اور ہدایت میرے پاس آچکی تھی۔ اور شیطان تو انسان کو وقت پر دغا دینے والا ہے اور محمد رسول اللہ ﷺ اس دن یہ کہیں گے کہ اے میرے پروردگار میری قوم قریش نے اس قرآن کو متروک یعنی چھوڑا ہوا بنا دیا کہ اس قرآن کی طرف توجہ نہ کہ نہ خود سنا اور نہ دوسروں کو سننے دیا جب میں ان کے سامنے پڑھتا تھا تو شور وغل مچا دیتے تھے۔ کما قال تعالیٰ ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ﴾ ۔

اب آگے آپ کی تسلی فرماتے ہیں اور اے نبی آپ ﷺ ان کی باتوں سے رنجیدہ اور ملول نہ ہوں جس طرح ہم نے تیری قوم کے کافروں کو تیرا دشمن بنایا ہے اسی طرح ہم مجرم لوگوں میں سے ہر نبی کے دشمن بناتے رہے ہیں اور وہ صبر کرتے رہے ہیں اسی طرح آپ ﷺ بھی صبر کیجئے اور تیرا پروردگار کافی ہادی اور مددگار ہے تو تسلی رکھ تیرا پروردگار تجھ سے ہدایت جاری کریگا اور دشمنوں کے مقابلہ میں تیری نصرت اور یاوری کرے گا۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ

اور کہنے لگے وہ لوگ جو منکر ہیں کیوں نہ اترا اس پر قرآن سارا ایک جگہ ہو کر ف۱ اسی طرح اتارا تاکہ ثابت رکھیں ہم اس سے

اور کہنے لگے وہ لوگ جو منکر ہیں، کیوں نہ اترا اس پر قرآن سارا ایک جگہ۔ اسی طرح اتارنا تھا تا ثابت رکھیں ہم اس سے

ف۱ یعنی نبی کے دشمن لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے ایسے ایسے اعتراض چھانٹتے ہیں کہ صاحب! دوسری کتابوں کی طرح پورا قرآن ایک ہی دفعہ کیوں نہ اتارا گیا، برسوں میں جو تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا، کیا اللہ میاں کو کچھ سوچنا پڑتا تھا، اس سے تو شبہ ہوتا ہے کہ خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم سوچ سوچ کر بناتے ہیں۔ پھر موقع مناسب دیکھ کر تھوڑا تھوڑا سناتے رہتے ہیں۔

فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ﴿۳۲﴾ وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ﴿۳۳﴾

تیرا دل اور پڑھ سنایا ہم نے اس کو ٹھہر ٹھہر کر ف۱ اور نہیں لاتے تیرے پاس کوئی مثل کہ ہم نہیں پہنچا دیتے تجھ کو ٹھیک بات اور اس سے بہتر کھول کر ف۲

تیرا دل، اور پڑھ سنایا ہم نے اس کو ٹھہر ٹھہر کر۔ اور نہیں لاتے تجھ پاس کوئی کہاوت کہ ہم نہیں پہنچاتے تجھ کو ٹھیک بات، اور اس سے بہتر کھول کر۔

ع ۳ اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اِلٰى جَهَنَّمَ ۙ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۳۴﴾

جو لوگ کہ گھیر کر لائے جائیں گے اوندھے پڑے ہوئے اپنے منہ پر دوزخ کی طرف انہی کا برا درجہ ہے اور بہت بہکے ہوئے ہیں راہ سے ف۳

جو لوگ گھیرے آویں گے اوندھے پڑے منہ پر دوزخ کی طرف، انہی کا برا درجہ ہے اور بہت بہکے ہیں راہ سے۔

منکرین نبوت کا پانچواں شبہ اور اس کا جواب

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ... الی ... وَّاَضَلُّ سَبِيْلًا﴾

ربط: ...... قرآن مجید کے منجانب اللہ ہونے کے متعلق کفار کا ایک شبہ یہ تھا کہ توریت اور انجیل کی طرح ایک ہی مرتبہ کیوں نہ نازل کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ اسے مقصود اپنے رسول کے قلب کی تقویت ہے اور اس کے علاوہ اور بھی فوائد ہیں جو دوسری آیتوں میں مذکور ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور کافروں نے کہا کہ اس شخص پر یہ قرآن ایک ہی مرتبہ کیوں نہ نازل کیا گیا۔ اگر یہ قرآن اللہ کا کلام ہوتا تو تدریجاً نازل کرنے کی کیا ضرورت تھی اس تدریج سے شبہ ہوتا ہے کہ یہ قرآن محمد ﷺ کی تصنیف ہے سوچ سوچ کر تھوڑا تھوڑا بنا لیتے ہیں جیسا کہ طریقہ ہے۔ آئندہ آیت میں اللہ تعالیٰ اس شبہ کا جواب دیتے ہیں کہ ہم نے اس قرآن کو اسی طرح تھوڑا تھوڑا متفرق طور پر آیت آیت کر کے اس لئے اتارا تا کہ اس کے ذریعہ تیرے دل کو قوت دیں اور اس کو ثابت اور مضبوط کر دیں اس لیے کہ قرآن اللہ کا کلام اور پیغام ہے اور تقویت قلب کا سامان ہے اور روح القدس کی بار بار آمد یہ بھی تائید اور تقویت کا سامان ہے اور یہ قرآن آپ کے قلب مبارک پر نازل ہوتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے تھوڑا تھوڑا کر کے یہ قرآن آپ کے قلب پر نازل کیا تا کہ اس تدریجی نزول سے بتدریج قلب مبارک اس درجہ قوی اور مضبوط

ف۱ یعنی یہ کیا ضروری ہے کہ تھوڑا تھوڑا کر کے اتارنا اس سبب سے ہو جو تم نے سمجھا۔ اگر غور کرو گے تو اس طرح نازل کرنے میں بہت سے فوائد ہیں جو دفعتاً نازل کرنے کی صورت میں پوری طرح حاصل نہ ہوتے۔ مثلاً اس صورت میں قرآن کا حفظ کرنا زیادہ آسان ہوا، سمجھنے میں سہولت رہی، کلام پوری طرح منضبط ہوتا رہا اور جن مصالح وحکم کی رعایت اس میں کی گئی تھی، لوگ موقع بہ موقع ان کی تفاصیل پر مطلع ہوتے رہے۔ ہر آیت کی جداگانہ شان نزول کو دیکھ کر اس کا صحیح مطلب متعین کرنے میں مدد ملی۔ ہر ضرورت کے وقت ہر بات کا بروقت جواب ملتے رہنے سے پیغمبر اور مسلمانوں کے قلوب تسکین پاتے رہے اور ہر آیت کے نزول پر گویا دعویٰ اعجاز کی تجدید ہوتی رہی۔ اس سلسلہ میں جبرائیل کا بار بار آنا جانا ہوا جو ایک مستقل برکت تھی، وغیر ذلك من الفوائد۔ ان ہی میں سے بعض فوائد کی طرف یہاں اشارہ فرمایا ہے۔

ف۲ یعنی کفار جب کوئی اعتراض قرآن پر یا کوئی مثال آپ پر چسپاں کرتے ہیں تو قرآن اس کے جواب میں ٹھیک ٹھیک بات بتلا دیتا ہے جس میں کسی قسم کا ہیر پھیر نہیں ہوتا۔ بلکہ صاف واضح، معتدل اور بے ٹل وغش بات ہوتی ہے ہاں جن کی عقل اوندھی ہو گئی ہو وہ سیدھی اور صاف بات کو بھی ٹیڑھی سمجھیں، یہ الگ چیز ہے۔ ایسوں کا انجام اگلی آیت میں بیان فرمایا۔

ف۳ یہ وہی لوگ ہیں جن کی عقل اوندھی ہو گئی اور علویات کو چھوڑ کر سفلی خواہشات پر جھک پڑے۔ آگے ایسی چند اقوام کا جو حشر ہوا عبرت کے لیے اس کو بیان فرماتے ہیں۔

ہوجائے کہ جس کلام الٰہی کی تجلی کو پہاڑ برداشت نہ کر سکے اس کو آپ ﷺ کا قلب مبارک بسہولت برداشت کر سکے چنانچہ جب (۱) کبھی کوئی جدید وحی نازل ہوتی تو آپ ﷺ کی بصیرت اور قوت قلب میں اور زیادتی ہوجاتی باران رحمت کا آسمان سے تھوڑا تھوڑا نازل ہونا کھیتی کی درستگی اور پختگی کا سامان ہے یہی وجہ ہے کہ جب کوئی جدید آیت نازل ہوتی تو صحابہ ﷺ کے ایمان میں اور زیادتی ہوجاتی۔ (۲) نیز وقتاً فوقتاً آیات کا حسب موقع اور حسب واقعہ اور حسب ضرورت نازل ہونا مزید بصیرت کا سبب ہے جس سے یقین اور معرفت میں اور اضافہ ہوجاتا ہے اور مراد کے سمجھنے میں سہولت ہوجاتی ہے (۳) نیز وقتاً فوقتاً جبریل امین علیہ السلام کا آنا فقط آپ کے قلب مبارک کی تسلی اور تسکین کا باعث نہ تھا بلکہ سب کے لئے موجب صد خیر و برکت تھا۔ (۴) کفار دشمنی اور عداوت پر تلے ہوئے تھے جب کوئی نیا عناد دیکھتے تو آپ ﷺ پریشان ہوجاتے تو آپ ﷺ کی تسلی کے لئے کوئی آیت نازل ہوجاتی جو آپ کی تقویت قلب کا باعث ہوتی۔ (۵) علاوہ ازیں قرآن کریم میں ایسے احکام بھی ہیں جن میں ناسخ اور منسوخ بھی ہیں جنکا تعلق مختلف اوقات سے ہے اور ظاہر ہے کہ ناسخ و منسوخ دونوں کا بیک وقت نازل ہونا اور آن واحد میں دونوں کا جمع ہونا غیر معقول ہے۔ (۶) نیز قرآن کریم کی بہت سے آیتیں مشرکین کے اعتراضات کے جوابات میں نازل ہوئیں اور ظاہر ہے کہ جواب سوال اور اعتراض کے بعد ہوتا ہے اور اعتراض کے بعد شافی جواب کامل جانا خاص بصیرت اور معرفت کا سبب ہوتا ہے۔ نیز بہت سی آیتیں نئے واقعات کے فیصلہ کے متعلق نازل ہوئیں اور ظاہر ہے کہ فیصلہ تو واقعہ کے وقوع کے بعد ہی ہوگا (۷) نیز قرآن تھوڑا تھوڑا نازل ہوتا تھا اور آپ ﷺ کفار سے یہ کہتے کہ اگر تم کو اس کے کلام الٰہی ہونے میں شبہ ہے تو ایک آیت اس کے مثل بنالاؤ جب کوئی آیت نازل ہوتی تو ہر بار قرآن کا اعجاز اور انکا عجز ظاہر ہوتا تو ثابت ہوگیا کہ جب بلغاء عرب ایک آیت کے مثل لانے سے عاجز ہیں تو پورے قرآن کے مثل لانے سے بدرجہ اُولیٰ عاجز ہیں۔ مختصر یہ کہ مشرکین کا یہ اعتراض محض بے حاصل ہے قرآن چاہے دفعۃً نازل ہو یا تھوڑا تھوڑا وہ ہر حال میں معجز ہے کسی طرح نازل ہو۔ اس کے اعجاز میں فرق نہیں آتا۔ قرآن کریم کا نزول ایک دفعہ ہو یا متفرق طور پر وہ بہر صورت معجز ہے، یہ تمام کلام امام رازی رحمہ اللہ کے کلام کی تشریح ہے۔ حضرات اہل علم تفسیر کبیر: ۶/ ۲۷۳ کی مراجعت کریں اور اسی وجہ سے ہم نے ٹھہر ٹھہر کو آپ کو یہ قرآن پڑھ کر سنایا۔ تاکہ جب ہر بات کا جواب آپ کو وقت پر ملتا رہے تو آپ کا قلب ثابت رہے اور مسلمانوں کو بھی تسکین ہوتی رہے۔ اسی مصلحت کے لیے ہم نے اس قرآن کو تیئس سال کی مدت میں ٹھہر ٹھہر کر اتارا۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ چند روز طبیب کے پاس رہ کر علاج کرایا جائے اور جیسے جیسے حالات بدلتے رہیں اس کے مطابق نسخہ میں تغیر اور تبدل ہوتا رہے ایک ہی مرتبہ نسخہ بتلا دینے میں مریض کا اتنا فائدہ نہیں جتنا کہ تدریجی علاج میں ہے اور چونکہ شرائع سابقہ چند روزہ تھیں اور ایک خاص قوم اور جماعت کے لیے تھیں اس لیے ان میں ان مصالح کی رعایت نہیں کی گئی۔

اور اے نبی نہیں لائیں گے یہ کافر کوئی مثال جو تجھ پر ڈھالیں جس سے تجھ پر یا اس قرآن پر اعتراض کریں مگر ہم اس کے جواب میں تیرے پاس امر حق کو لائیں گے جس سے ان کی وہ مثال باطل ہوجائیگی اور حق ثابت ہوجائے گا اور اس کے مقابلہ میں نہایت صاف اور واضح بیان لیکر آئیں گے جس سے انکا اعتراض اور شبہ ایسا دور ہوجائیگا کہ بولنے کی گنجائش ہی نہ رہے اِلاّ یہ کہ جس کی عقل ہی اندھی ہوگئی ہو اب آئندہ آیت میں ایسوں کا انجام فرماتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں کہ جو اپنے

مونہوں کے بل دوزخ کی طرف ہنکائے جائیں گے دنیا میں اندھی اور اوندھی چال چل رہے تھے اسی طرح وہ آخرت میں بجائے پیروں کے منہ کے بل چلائے جائیں گے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ کفار قیامت کے دن اوندھے منہ کے بل چلائے جائیں گے اور اپنے منہ سے راستہ کے کانٹے کو ہٹائیں گے کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ قیامت کے دن کافر کس طرح منہ کے بل چلے گا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو خدا اس کو دنیا میں پیروں کے بل چلانے پر قادر ہے وہ قیامت کے دن منہ کے بل چلانے پر بھی قادر ہے یعنی سر کے بل چلانا اور پیروں کے بل چلانا خدا کی قدرت کے لحاظ سے یکساں ہے۔

نکتہ:...... امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس طرح کفار کے دل دنیا میں اندھے ہو گئے اور زمین اور پستی کی طرف مائل ہو گئے اور بلندی سے اعراض کیا اس لیے انکا حشر اسی ہیئت کے ساتھ ہو گا ایسے ہی لوگ جو قلب اور عقل کے اندھے اور اوندھے۔ باعتبار مکان کے یا باعتبار مرتبہ کے بدترین خلائق ہیں اور سب سے زیادہ گمراہ ہیں اس لیے انکا حشر منہ کے بل ہو گا۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنَا مَعَهٗٓ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِيْرًا ﴿۳۵﴾ فَقُلْنَا اذْهَبَآ اِلَى

اور ہم نے دی موسیٰ کو کتاب اور کر دیا ہم نے اس کے ساتھ اس کا بھائی ہارون کام بٹانے والا پھر کہا ہم نے تم دونوں جاؤ

اور ہم نے دی موسیٰ کو کتاب اور ٹھہرایا اس کے ساتھ اس کا بھائی ہارون کام بٹانے والا۔ پھر کہا ہم نے، تم دونوں جاؤ

الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِيْرًا ﴿۳۶﴾

ان لوگوں کے پاس جنہوں نے جھٹلایا ہماری باتوں کو ف۱ پھر دے مارا ہم نے ان کو اکھاڑ کر۔

ان لوگوں پاس جنہوں نے جھٹلائیں ہماری باتیں۔ پھر دے مارا ہم نے ان کو اکھاڑ کر۔

ذکر قصص انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام

یہاں تک منکرین نبوت کے شبہات اور اعتراضات کے جوابات کا ذکر تھا اب اس کے بعد مختصراً چند انبیاء کرام کے واقعات کا ذکر کرتے ہیں تا کہ کفار کو تنبیہ ہو جائے کہ منکرین نبوت کس ذلت و خواری کے ساتھ ہلاک ہوئے تا کہ اہل عرب ان سے عبرت پکڑیں اور محمد رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی سے باز آجائیں اور یہ واقعات آنحضرت ﷺ کی تسلی اور تقویت قلب کا باعث بنیں جیسا کہ ﴿لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ﴾ میں اس کا ذکر فرمایا تھا کہ مقصود تثبیت قلب نبوی ہے کہ آپ ﷺ سے پہلے بھی بہت سے لوگوں نے پیغمبروں کی تکذیب کی ہے۔ آپ ﷺ غمگین نہ ہوں اس میں اللہ کی حکمت بالغہ ہے۔ ﴿وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً﴾۔

قصہ اوّل: موسیٰ علیہ السلام با قوم او

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ ... الى ... فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِيْرًا﴾

اور البتہ تحقیق ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے غرق ہونے کے بعد کتاب یعنی تورات عطا کی جو بڑی جلیل القدر

ف۱ یعنی آیات تکوینیہ کو جو اللہ کی توحید وغیرہ پر دال ہیں اور انبیائے سابقین کے متفقہ بیانات کو جن کا تھوڑا بہت چرچا پہلے سے چلا آتا تھا، جھٹلا کر خدائی کے دعوے کرنے لگے تھے۔

کتاب تھی جس میں ہدایت اور نور تھا اور ہم نے ان کے ساتھ ان کے بھائی ہارون کو انکا وزیر یعنی انکا معین اور مددگار بنا دیا جو دعوت اور تبلیغ میں ان کی مدد کریں۔ پھر ہم نے ان دونوں کو حکم دیا کہ تم ان لوگوں کی طرف جاؤ جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہے چنانچہ یہ دونوں گئے اور قوم فرعون کو جا کر دعوت دی مگر انہوں نے ان دونوں کو بھی جھٹلایا تو ہم نے ان کو بحر قلزم میں غرق کر کے ہلاک کر دیا پوری طرح ہلاک کرنا یعنی انکو بالکل نیست اور نابود کر دیا اور ان کی املاک کا بنی اسرائیل کو وارث کر دیا۔

وَقَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ وَجَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰيَةً ۭ وَاَعْتَدْنَا

اور نوح کی قوم کو جب انہوں نے جھٹلایا پیغام لانے والوں کو ف۱ ہم نے ان کو ڈبا دیا اور کیا ان کو لوگوں کے حق میں نشانی، اور تیار کر رکھا ہے ہم نے

اور نوح کی قوم کو، جب انہوں نے جھٹلایا پیغام لانے والوں کو، ہم نے ان کو ڈبو دیا اور کیا ان کو لوگوں کے حق میں نشانی۔ اور رکھی ہے ہم نے

لِلظّٰلِمِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝۳۷ۚ

گناہ گاروں کے واسطے عذاب دردناک

گنہگاروں کے واسطے دکھ کی مار۔

دوسرا قصہ: قوم نوح علیہ السلام

﴿وَقَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ ... الی ... عَذَابًا اَلِيْمًا﴾

اور موسیٰ علیہ السلام سے پہلے ہم نے قوم نوح کو طوفان میں غرق کیا جبکہ انہوں نے رسولوں کو جھٹلایا اور ہم نے ان کے واقعہ کو لوگوں کے لیے نشانی بنا دیا تا کہ اس سے عبرت پکڑیں اور آخرت میں ان ظالموں کے لئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ قوم نوح نے حضرت نوح علیہ السلام کی تکذیب کی جو ان سے پہلے گزرے تھے جیسے حضرت شیث علیہ السلام اور حضرت ادریس علیہ السلام ان کی بھی تکذیب کی یا یہ معنی ہیں کہ ایک رسول کی تکذیب سارے رسولوں کی تکذیب کے مساوی ہے یا یہ معنی ہیں کہ مطلقاً بعثت رسل کا انکار کیا۔

وَّعَادًا وَّثَمُوْدَا۟ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ وَقُرُوْنًۢا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا ۝۳۸ وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ

اور عاد کو اور ثمود کو اور کنوئیں والوں کو ف۲ اور اس کے بیچ میں بہت سی جماعتوں کو اور سب کو کہہ سنائیں ہم نے

اور عاد کو اور ثمود کو اور کنوئیں والوں کو، اور کتنی سنگتیں اس بیچ میں بہت۔ اور سب کو کہہ سنائیں ہم نے

الْاَمْثَالَ ۡ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا ۝۳۹

مثالیں اور سب کو کھود دیا ہم نے غارت کر کر ف۳

کہاوتیں، اور سب کو کھود دیا ہم نے کھپا کر۔

ف۱ ایک پیغمبر کا جھٹلانا سب کا جھٹلانا ہے۔ کیونکہ اصول دین میں سب انبیا متحد ہیں۔

ف۲ "اصحاب الرس" (کنوئیں والے) کون تھے؟ اس میں سخت اختلاف ہوا ہے۔ "روح المعانی" میں بہت سے اقوال نقل کر کے لکھا ہے۔ "وَمُلَخَّصُ الْاَقْوَالِ اَنَّهُمْ قَوْمٌ اَهْلَكَهُمُ اللّٰهُ بِتَكْذِيْبِ مَنْ اَرْسَلَ اِلَيْهِمْ" (یعنی خلاصہ یہ ہے کہ وہ کوئی قوم تھی جو اپنے پیغمبر کی تکذیب کی پاداش میں ہلاک =

قصہ سوم مشتمل بر ذکر قصہ قوم عاد وثمود واصحاب رس ودیگر امم

﴿وَّعَادًا وَّثَمُوْدَا۟ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ ... الی ... وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا﴾

اور اسی تکذیب کی وجہ سے ہم نے قوم عاد کو بادصرصر سے ہلاک کیا جو ہود علیہ السلام کی قوم تھی اور قوم ثمود کا صالح علیہ السلام کی تکذیب کی وجہ سے صیحہ سے ہلاک کیا جس سے ان کے کلیجے پھٹ گئے اور کنوئیں والوں کو شعیب علیہ السلام کی تکذیب کی وجہ سے ہلاک کیا اور "رس" ایک کنوئیں کا نام ہے یا کسی بستی کا نام ہے جن کی طرف شعیب علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یہ کسی اور نبی کی قوم تھی جنہوں نے اپنے پیغمبر کو کنوئیں میں بند کردیا۔ ان پر اللہ کا عذاب آیا اور ہلاک ہوئے اور وہ رسول خلاص ہوا اور اسی تکذیب کی وجہ سے ان کے درمیان بہت سی امتوں کو ہلاک کیا جن کو سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا اور ہر ایک کی نصیحت اور ہدایت کے لیے ہم نے مثالیں بیان کیں تاکہ حق کو اچھی طرح سمجھ جائیں اور کوئی شبہ نہ رہے مگر وہ لوگ پھر بھی حق کی طرف متوجہ نہ ہوئے اور جب تکذیب اور انکار پر تل گئے تو پھر ہم نے ہر ایک کو غارت کردیا اچھی طرح غارت کرنا کہ قصہ ہی ختم کردیا۔

وَلَقَدْ اَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِيْٓ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ ۭ اَفَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرَوْنَهَا ۚ بَلْ كَانُوْا

اور یہ لوگ ہو آئے ہیں اس بستی کے پاس جن پر برسا برا برساؤ ف۱ کیا دیکھتے نہ تھے اس کو ف۲ نہیں

اور یہ لوگ ہو آئے ہیں اسی بستی پاس جن پر برسا برا برساؤ۔ کیا دیکھتے نہ تھے اس کو ؟ نہیں،

لَا يَرْجُوْنَ نُشُوْرًا ۝۴۰

پر امید نہیں رکھتے جی اٹھنے کی ف۳

پر امید نہیں رکھتے جی اٹھنے کی۔

قصہ چہارم: قوم لوط علیہ السلام

اور البتہ تحقیق یہ اہل مکہ ملک شام کو آتے جاتے اس بستی پر گزرے ہیں جس پر پتھروں کی بری بارش برسائی گئی، اس سے قوم لوط کی بستی سدوم مراد ہے کیا گزرتے وقت ان بستیوں کو دیکھا نہیں کہ عذاب کے آثار دیکھ کر عبرت پکڑتے سو عبرت پکڑنے کی یہ وجہ نہیں کہ ان بستیوں کو دیکھا نہیں بلکہ اصل وجہ یہ ہے کہ ان کو حشر ونشر کی کوئی امید نہیں اور نہ ان کو ڈر ہے یعنی یہ لوگ حشر ونشر کے قائل ہی نہیں جو عذاب سے ڈریں۔

=ہوئی) حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "ایک امت نے اپنے رسول کو کنوئیں میں بند کیا پھر ان پر عذاب آیا تب وہ رسول خلاص ہوا۔"

ف۳ یعنی پہلے سب کو اچھی طرح سمجھایا۔ جب کسی طرح نہ مانا تو تختہ الٹ دیا۔

ف۱ یعنی قوم لوط کی بستیاں جن کے کھنڈرات پر سے مکہ والے "شام" کے سفر میں گزرتے تھے۔

ف۲ یعنی کیا ان کے کھنڈرات کو عبرت کی نگاہ سے نہ دیکھا۔

ف۳ یعنی عبرت کہاں سے ہوتی جب ان کے نزدیک یہ احتمال ہی نہیں کہ مرنے کے بعد پھر جی اٹھنا اور خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے۔ عبرت تو وہ ہی حاصل کرتا ہے جس کے دل میں تھوڑا بہت ڈر ہو اور انجام کی طرف سے بالکل بے فکر نہ ہو۔

اس زمانہ کے بعض ملحد یہ کہتے ہیں کہ اسی قطعہ زمین کے نیچے گندھک اور کوئلہ کی کان تھی، ان کے باہم ملنے سے آگ پیدا ہوئی اور زمین پھٹ کر پتھر برسنے لگے اور بستی تہہ و بالا ہوگئی۔

یہ سب گپ ہے اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی خبر دے دی تھی کہ فلاں وقت عذاب آئے گا۔ حسب خبر خداوندی لوط علیہ السلام مع مسلمانوں کے وہاں سے نکل گئے اور عذاب الٰہی سے بچ گئے اور باقی عذاب الٰہی سے ہلاک ہوئے حتیٰ کہ جو کوئی اس قوم کا فرد کہیں باہر تھا وہ بھی آسمانی پتھر سے ہلاک ہوا۔

وَاِذَا رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِيْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ۝۴۱ اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا

اور جہاں تجھ کو دیکھیں کچھ کام نہیں ان کو تجھ سے مگر ٹھٹھے کرنے کیا یہی ہے جس کو بھیجا اللہ نے پیغام دے کر یہ تو ہم کو بچلا ہی دیتا ہمارے

اور جہاں تجھ کو دیکھا کچھ کام نہیں تجھ سے مگر ٹھٹھے کرنے۔ کیا یہی ہے جس کو بھیجا اللہ نے پیغام دے کر؟ یہ تو لگا ہی تھا کہ بچلا دے ہم کو ہمارے

عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْلَاۤ اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا ؕ وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ حِيْنَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ

معبودوں سے اگر ہم نہ جمے رہتے ان پر ف۱ اور آگے جان لیں گے جس وقت دیکھیں گے عذاب کہ کون بہت بچلا ہوا ہے

ٹھاکروں سے، کبھی ہم نہ ثابت رہتے ان پر۔ اور آگے جانیں گے جس وقت دیکھیں گے عذاب کو کون بہت بچلا ہے

سَبِيْلًا ۝۴۲ اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ؕ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ۝۴۳ اَمْ تَحْسَبُ

راہ سے ف۲ بھلا دیکھ تو اس شخص کو جس نے پوجنا اختیار کیا اپنی خواہش کا کہیں تو لے سکتا ہے اس کا ذمہ ف۳ یا تو خیال رکھتا ہے کہ

راہ سے۔ بھلا دیکھ تو، جس نے پوجنا پکڑا اپنی چاؤ کا۔ کہیں تو لے سکتا ہے اس کا ذمہ؟ یا تو خیال رکھتا ہے کہ

اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ ؕ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ۝۴۴ ع

بہت سے ان میں سنتے یا سمجھتے ہیں اور کچھ نہیں وہ برابر ہیں چوپایوں کے بلکہ وہ زیادہ بہکے ہوئے ہیں راہ سے ف۴

بہت ان میں سنتے یا سمجھتے ہیں؟ اور کچھ نہیں، وہ برابر ہیں چوپایوں کے، بلکہ وہ بہکے ہیں بہت راہ سے۔

ف۱ یعنی بجائے عبرت حاصل کرنے کے ان کا مشغلہ تو یہ ہے کہ پیغمبر سے ٹھٹھا کیا کریں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر استہزاء کہتے ہیں کہ کیا یہ ہی بزرگ ہیں جن کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا؟ بھلا یہ حیثیت اور منصب رسالت؟ کیا ساری خدائی میں سے یہ ہی اکیلے رسول بننے کے لیے رہ گئے تھے؟ آخر کوئی بات تو ہو۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ان کی تقریر جادو کا اثر رکھتی ہے۔ قوت فصاحت اور زور تقریر سے رنگ تو ایسا جمایا تھا کہ بڑے بڑوں کے قدم پھسل گئے ہوتے۔ قریب تھا کہ اس کی باتیں ہم کو ہمارے معبودوں سے برگشتہ کر دیتیں۔ وہ تو ہم پکے ہی ایسے تھے کہ برابر جمے رہے ان کی کسی بات کا اثر قبول نہ کیا۔ ورنہ یہ ہم سب کو کبھی کا گمراہ کر کے چھوڑتے (العیاذ باللہ)

ف۲ یعنی عذاب الٰہی کو آنکھوں سے دیکھیں گے تب ان کو پتہ لگے گا کہ واقع میں کون گمراہی پر تھا۔

ف۳ یعنی آپ ایسے ہوا پرستوں کو راہ ہدایت پر لے آنے کی کیا ذمہ داری کر سکتے ہیں جن کا معبود ہی محض خواہش ہو کہ جدھر خواہش لے گئی ادھر ہی جھک پڑے جو بات خواہش کے موافق ہوئی قبول کر لی، جو خلاف ہوئی رد کر دی۔ آج ایک پتھر اچھا معلوم ہوا اسے پوجنے لگے کل دوسرا اس سے خوبصورت مل گیا پہلے کو چھوڑ کر اس کے آگے سر جھکا دیا۔

ف۴ یعنی کیسی ہی نصیحتیں سنائیے، یہ تو چوپائے جانور ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر۔ انہیں سننے یا سمجھنے سے کیا واسطہ چوپائے تو بہر حال اپنے پرورش کرنے والے مالک کے سامنے گردن جھکا دیتے ہیں۔ اپنے محسن کو پہچانتے ہیں۔ نافع و مضر کی کچھ شناخت رکھتے ہیں کھلا چھوڑ دو تو اپنی چراگاہ اور پانی پینے کی جگہ پہنچ جاتے =

تشنیع کفار بر استہزاء سید الابرار

قَالَ اللهُ تَعَالٰى: ﴿وَإِذَا رَأَوْكَ إِن يَتَّخِذُونَكَ إِلَّا هُزُوًا ... الى ... بَلْ هُمْ أَضَلُّ سَبِيلًا﴾

ربط:......او پر سے سلسلۂ کلام کفار کے اعتراضات اور ان کے جوابات کا چلا آ رہا تھا جس سے مقصود کفار کی تشنیع اور ملامت تھی اب آئندہ آیات میں پھر کفار کے ذمائم اور شنائع قولیہ اور فعلیہ کو بیان کرتے ہیں کہ یہ منکرین نبوت آپ ﷺ کو غایت درجہ حقیر سمجھتے ہیں اور آپ کے ساتھ تمسخر کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اگر ہم اپنے دین پر مضبوطی کے ساتھ قائم نہ رہتے تو یہ شخص ہم کو کبھی کا گمراہ کر چکا ہوتا حق تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ عنقریب یعنی مرنے کے بعد معلوم ہو جائے گا کہ کون گمراہ تھا۔

اور یہ منکرین نبوت تکذیب اور انکار میں اس حد تک پہنچ چکے ہیں کہ جب آپ کو دیکھتے ہیں تو ان کو سوائے اس کے کچھ کام نہیں کہ تیرا ٹھٹھا کرتے ہیں اور تیری ہنسی اڑاتے ہیں حالانکہ آپ کی شان امانت اور صدق مقال اور حسن افعال اور مکارم اخلاق ان کو سب معلوم ہے اور بطور تمسخر اور مذاق یہ کہتے ہیں کہ کیا یہی وہ شخص ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا ہے حالانکہ معجزات اور دلائل نبوت ان کی آنکھوں کے سامنے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ بیشک یہ شخص قریب تھا کہ اپنی دلفریب باتوں سے ہم کو ہمارے معبودوں سے گمراہ کر دیتا۔ اور ہم کو ان کی عبادت سے بچلا دیتا اگر ہم ان معبودوں کی عبادت پر مضبوطی کے ساتھ نہ جمے رہتے آپ ﷺ دن رات ان کے سامنے دلائل توحید اور دلائل نبوت بیان کرتے اور یہ نادان توحید کو گمراہی اور شرک اور بت پرستی کو ہدایت سمجھتے اللہ تعالیٰ ان کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں اور عنقریب جان لیں گے یہ لوگ جب عذاب کو دیکھیں گے کہ کون بڑا گمراہ ہے یعنی جب عذاب الٰہی کو دیکھیں گے یا جب مریں گے تب پتہ چلے گا کہ کون گمراہ تھا، اے نبی بھلا آپ نے اس شخص کو بھی دیکھا ہے جس نے اپنے نفس کی خواہش کو اپنا معبود بنا لیا ہے دلیل اور حجت سے اسے کوئی بحث نہیں جدھر اس کو اس کے نفس کی خواہش لے جاتی ہے اسی طرف دوڑنے لگتا ہے۔ آج ایک پتھر اچھا معلوم ہوا اسے پوجنے لگے کل دوسرا پتھر اس سے زیادہ خوبصورت مل گیا پہلے کو چھوڑ کر اس کے سامنے سر جھکا دیا۔ پس کیا آپ ایسے ہوا پرست کے کفیل اور ذمہ دار ہو سکتے ہیں کہ اس کو راہ راست پر لے آئیں یعنی جس شخص نے نفس کی خواہش کو اپنا معبود بنا لیا ہو اسے کوئی ہدایت پر نہیں لا سکتا۔ اے نبی کیا آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ ان میں اکثر لوگ آپ کی بات کو سنتے ہیں یا سمجھتے ہیں۔ آپ ﷺ کتنے ہی دلائل توحید بیان کریں مگر اکثر ان میں سے ایسے ہیں کہ نہ سنتے ہیں اور نہ سمجھتے ہیں۔

نہیں ہیں یہ لوگ مگر جانوروں کی مانند۔ نہ سنیں اور نہ سمجھیں مثل چوپایوں کے ہیں ان کے سامنے دلائل عقلیہ اور معجزات قاہرہ سب بے کار ہیں۔ بلکہ یہ لوگ چوپایوں سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔ جانور اپنے مالک کو پہچانتے ہیں مالک کے

= ہیں، لیکن ان بدبختوں کا حال یہ ہے کہ نہ اپنے خالق و رازق کا حق پہچانا، نہ اس کے احسانات کو سمجھا، نہ بھلے برے کی تمیز کی، نہ دوست دشمن میں فرق کیا، نہ غذائے روحانی اور چشمۂ ہدایت کی طرف قدم اٹھایا۔ بلکہ اس سے کوسوں دور بھاگے اور جو قوتیں خدا تعالیٰ نے عطا کی تھیں ان کو معطل کیے رکھا بلکہ بے موقع صرف کیا۔ اگر ذرا بھی عقل و فہم سے کام لیتے تو اس کارخانۂ قدرت میں بیشمار نشانیاں موجود تھیں جو نہایت واضح طور پر اللہ تعالیٰ کی توحید و تنزیہ اور اصول دین کی صداقت و حقانیت کی طرف رہبری کر رہی ہیں جن میں سے بعض نشانیوں کا ذکر آئندہ آیات میں کیا گیا ہے۔

سامنے گردن جھکا دیتے ہیں اپنے نفع اور مضرت کی چیز کی کچھ شناخت رکھتے ہیں۔ جانوروں کو اس بات کا علم ہوتا ہے کہ کون سا گھاس ہمارے لیے نفع بخش ہے اور کونسا مضر ہے جانور اپنے چراگاہ اور گھاٹ پر چلے بھی جاتے ہیں مگر یہ بدبخت اپنے مالک کے سامنے گردن جھکانے کے لیے تیار نہیں اور چشمۂ ہدایت سے ایک قطرہ آب پینے پر آمادہ نہیں، ہزار دلائل قدرت اور ہزار براہین رسالت ان کے سامنے بیان کریں تو انکا سننا بھی ان کو گوارا نہیں اس لیے آئندہ آیات میں ان چند دلائل قدرت اور آیات وحدانیت کو بیان کرتے ہیں جو ہر وقت ان کی نظروں کے سامنے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ

تو نے نہیں دیکھا اپنے رب کی طرف کیسے دراز کیا سایہ کو اور اگر چاہتا تو اس کو ٹھہرا رکھتا پھر ہم نے مقرر کیا سورج کو

تو نے نہ دیکھا اپنے رب کی طرف کیسی لمبی کی پرچھائیں؟ اور اگر چاہتا اس کو ٹھہرا رکھتا، پھر ہم نے ٹھہرایا سورج

عَلَيْهِ دَلِيْلًا ﴿۴۵﴾ ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا ﴿۴۶﴾ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِبَاسًا

اس کا راہ بتلانے والا پھر کھینچ لیا ہم نے اس کو اپنی طرف سہج سہج سمیٹ کر ف۱ اور وہی ہے جس نے بنا دیا تمہارے واسطے رات کو اوڑھنا

اس کا راہ بتانے والا۔ پھر کھینچ لیا اس کو اپنی طرف سہج سہج سمیٹ کر۔ اور وہی ہے جس نے بنادی تم کو رات اوڑھنا

وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا ﴿۴۷﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ بُشْرًا ۢ بَيْنَ يَدَيْ

اور نیند کو آرام اور دن کو بنادیا اٹھ نکلنے کے لیے ف۲ اور وہی ہے جس نے چلائیں ہوائیں خوشخبری لانے والیاں اس کی رحمت

اور نیند آرام، اور دن بنادیا اٹھ نکلنا۔ اور وہی ہے جس نے چلائیں باویں، خوشخبریاں لائیں اس کی مہر

رَحْمَتِهٖ ۚ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا ﴿۴۸﴾ لِّنُحْیِۦَ بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا وَّنُسْقِيَهٗ مِمَّا خَلَقْنَآ

سے آگے اور اتارا ہم نے آسمان سے پانی پاکی حاصل کرنے کا کہ زندہ کردیں اس سے مرے ہوئے دیس کو اور پلائیں اس کو اپنے پیدا کیے ہوئے

سے آگے۔ اور اتارا ہم نے آسمان سے پانی ستھرائی کرنے کا۔ کہ جلادیں اس سے مر گئے دیس کو، اور پلادیں اس کو اپنے بنائے

ف۱ صبح سے طلوع شمس تک سب جگہ سایہ رہتا ہے اگر حق تعالیٰ سورج کو طلوع نہ ہونے دیتا تو یہی سایہ قائم رہتا، مگر اس نے اپنی قدرت سے سورج نکالا جس سے دھوپ پھیلنی شروع ہوئی اور سایہ بتدریج ایک طرف کو سمٹنے لگا۔ اگر دھوپ نہ آتی تو سایہ کو ہم سمجھ بھی نہ سکتے۔ کیونکہ ایک ضد کے آنے سے ہی دوسری ضد پہچانی جاتی ہے۔ ﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ﴾ الخ (قصص، رکوع ۷) حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ "اول ہر چیز کا سایہ لمبا پڑتا ہے۔ پھر جس طرف سورج چلتا ہے اس کے مقابل سایہ گھٹتا جاتا ہے جب تک کہ جڑ میں آ لگے۔" "اپنی طرف کھینچ لیا" کا یہ مطلب ہے کہ اپنی اصل کو جا لگتا ہے۔ سب کی اصل اللہ ہے۔" (موضح القرآن) پھر زوال کے بعد سے ایک طرف سے دھوپ سمٹنا شروع ہوتی ہے اور دوسری طرف سایہ لمبا ہونے لگتا ہے حتیٰ کہ آخر نہار میں دھوپ غائب ہو جاتی ہے۔ یہی مثال دنیا کی ہستی کی سمجھو۔ اول عدم تھا، پھر نور وجود آیا، پھر آخرکار کتم عدم میں چلی جائے گی۔ اور اسی جسمانی نور وظل کے سلسلہ پر روحانی نور وظلمت کو قیاس کرلو۔ اگر کفر وعصیان اور جہل وطغیان کی ظلمات میں آفتاب نبوت کی روشنی اللہ تعالیٰ نہ بھیجتا تو کسی کو معرفت صحیحہ کا راستہ ہاتھ نہ آتا۔

ف۲ یعنی رات کی تاریکی چادر کی طرح سب پر محیط ہو جاتی ہے جس میں لوگ کاروبار چھوڑ کر آرام کرتے ہیں، پھر دن کا اجالا ہوتا ہے تو نیند سے اٹھ کر ادھر ادھر چلنے پھرنے لگ جاتے ہیں۔ اسی طرح موت کی نیند کے بعد قیامت کی صبح آئے گی جس میں سارا جہان دوبارہ اٹھ کھڑا ہوگا اور یہ حالت اس وقت پیش آتی ہے جب انبیاء علیہم السلام وحی والہام کی روشنی سے دنیا میں اجالا کرتے ہیں، تو جہل وغفلت کی نیند سے سوئی ہوئی مخلوق ایک دم آنکھیں مل کر اٹھ بیٹھتی ہے۔

أَنْعَامًا وَّأَنَاسِيَّ كَثِيرًا ﴿٤٩﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنَاهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوا فَأَبَىٰ أَكْثَرُ النَّاسِ إِلَّا

بہت سے چوپایوں اور آدمیوں کو ف۱ اور طرح طرح سے تقسیم کیا ہم نے اس کو ان کے بیچ میں تاکہ دھیان رکھیں پھر بھی نہیں رہتے بہت لوگ بدون

بہت چوپایوں اور آدمیوں کو۔ اور طرح طرح بانٹا اس کو ان کے بیچ میں تا دھیان رکھیں۔ پھر نہیں رہتے بہت لوگ بن

كُفُورًا ﴿٥٠﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيرًا ﴿٥١﴾ فَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَجَاهِدْهُم بِهِ

ناشکری کیے ف۲ اور اگر ہم چاہتے تو اٹھاتے ہر بستی میں کوئی ڈرانے والا سو تو کہنا مت مان منکروں کا اور مقابلہ کر ان کا

ناشکری کیے۔ اور اگر ہم چاہتے اٹھاتے ہر بستی میں کوئی ڈرانے والا۔ سو تو کہا نہ مان منکروں کا، اور مقابلہ کر ان کا

جِهَادًا كَبِيرًا ﴿٥٢﴾ وَهُوَ الَّذِي مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هَٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَهَٰذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ

اس کے ساتھ بڑے زور سے ف۳ اور وہی ہے جس نے ملے ہوئے چلائے دو دریا یہ میٹھا ہے پیاس بجھانے والا اور یہ کھاری ہے کڑوا

اس سے بڑے زور سے۔ اور وہی ہے جس نے ملے چلائے دو دریا، یہ میٹھا ہے پیاس بجھاتا، اور یہ کھاری ہے کڑوا۔

وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَحِجْرًا مَّحْجُورًا ﴿٥٣﴾ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا

اور رکھا ان دونوں کے بیچ پردہ اور آڑ روکی ہوئی ف۴ اور وہی ہے جس نے بنایا پانی سے آدمی پھر ٹھہرایا اس کے لیے جد

اور رکھا ان دونوں کے بیچ پردا اور اوٹ روکی۔ اور وہی ہے جس نے بنایا ہے پانی سے آدمی، پھر ٹھہرایا اس کا جد

وَصِهْرًا ۗ وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيرًا ﴿٥٤﴾ وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ ۗ

اور سسرال اور تیرا رب سب کچھ کرسکتا ہے اور پوجتے ہیں اللہ کو چھوڑ کر وہ چیز جو نہ بھلا کرے ان کا نہ برا

اور سسرال۔ اور ہے تیرا رب سب کرسکتا۔ اور پوجتے ہیں اللہ کو چھوڑ کر وہ چیز، کہ نہ بھلا کرے ان کا نہ برا۔

ف۱ یعنی اول برساتی ہوائیں بارش کی خوشخبری لاتی ہیں، پھر آسمان کی طرف سے پانی برستا ہے جو خود پاک اور دوسروں کو پاک کرنے والا ہے۔ پانی پڑتے ہی مردہ زمینوں میں جان پڑ جاتی ہے، کھیتیاں لہلہانے لگتی ہیں جہاں خاک اڑ رہی تھی وہاں سبزہ زار بن جاتا ہے۔ اور کتنے جانور اور آدمی بارش کا پانی پی کر سیراب ہوتے ہیں۔ اسی طرح قیامت کے دن ایک غیبی بارش کے ذریعہ مردہ جسموں کو جو خاک میں مل چکے تھے زندہ کر دیا جائے گا اور دنیا میں بھی اسی طرح جو دل جہل وعصیان کی موت سے مر چکے تھے، وحی الٰہی کی آسمانی بارش ان کو زندہ کر دیتی ہے جو روحیں پلیدی میں پھنس گئی تھیں۔ روحانی بارش کے پانی سے دھل کر پاک وصاف ہو جاتی ہیں اور معرفت ووصول الی اللہ کی پیاس رکھنے والے اس کو پی کر سیراب ہوتے ہیں۔

ف۲ یعنی بارش کا پانی تمام زمینوں اور آدمیوں کو یکساں نہیں پہنچتا بلکہ کہیں کم کہیں زیادہ، کہیں جلد کہیں بدیر، جس طرح اللہ کی حکمت مقتضی ہو پہنچتا رہتا ہے۔ تاکہ لوگ سمجھیں کہ اس کی تقسیم کسی قادر مختار وحکیم کے ہاتھ میں ہے۔ لیکن بہت لوگ پھر بھی نہیں سمجھتے اور نعمت الٰہی کا شکر ادا نہیں کرتے۔ الٹے کفر اور ناشکری پر اتر آتے ہیں۔ یہی حال روحانی بارش کا ہے کہ جس کو اپنے استعداد اور ظرف کے موافق جتنا حصہ ملنا تھا مل گیا اور بہت سے اس نعمت عظمیٰ کا کفران ہی کرتے رہے۔

ف۳ یعنی نبی کا آنا تعجب کی چیز نہیں۔ اللہ چاہے تو اب بھی نبیوں کی کثرت کر دے کہ ہر بستی میں علیحدہ نبی ہو۔ مگر اس کو منظور یہی ہوا کہ اب آخر میں سارے جہان کے لیے اکیلے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی بنا کر بھیجے۔ سو آپ کافروں کے احمقانہ طعن وتشنیع اور سفیہانہ نکتہ چینیوں کی طرف التفات نہ فرمائیں۔ اپنا کام پوری قوت اور جوش سے انجام دیتے رہیں اور قرآن ہاتھ میں لے کر ان منکرین کا مقابلہ زور وشور کے ساتھ کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو کامیاب کرنے والا ہے۔

ف۴ بیان القرآن میں دو معتبر بنگالی علما کی شہادت نقل کی ہے کہ "ارکان" سے "چاٹگام" تک دریا کی شان یہ ہے کہ اس کی دو جانبیں بالکل الگ الگ نوعیت کے دو دریا نظر آتے ہیں، ایک کا پانی سفید ہے، ایک کا سیاہ، سیاہ میں سمندر کی طرح طوفانی تلاطم اور تموج ہوتا ہے اور سفید بالکل ساکن رہتا ہے کشتی سفید میں چلتی =

وَكَانَ الْكَافِرُ عَلٰى رَبِّهٖ ظَهِيْرًا ۝ وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ قُلْ مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ

اور ہے کافر اپنے رب کی طرف سے پیٹھ پھیر رہا ف۱ اور تجھ کو ہم نے بھیجا یہی خوشی اور ڈر سنانے کے لیے تو کہہ میں نہیں مانگتا

اور ہیں منکر اپنے رب کی طرف سے پیٹھ دے رہا۔ اور تجھ کو ہم نے بھیجا، یہی خوشی اور ڈر سنانے کو۔ تو کہہ، میں نہیں مانگتا

عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ۝ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا

تم سے اس پر کچھ مزدوری مگر جو کوئی چاہے کہ پکڑ لے اپنے رب کی طرف راہ ف۲ اور بھروسہ کر اوپر اس زندہ کے جو نہیں

تم سے اس پر کچھ مزدوری، مگر جو کوئی چاہے کہ لے رکھے اپنے رب کی طرف راہ۔ اور بھروسہ کر اس جیتے پر جو نہیں

يَمُوْتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ؕ وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا ۝ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

مرتا ف۳ اور یاد کر اس کی خوبیاں اور وہ کافی ہے اپنے بندوں کے گناہوں سے خبردار ف۴ جس نے بنائے آسمان

مرتا، اور یاد کر اس کی خوبیاں۔ اور وہ بس ہے اپنے بندوں کے گناہوں سے خبردار۔ جس نے بنائے آسمان

= ہے اور دونوں کے بیچ میں ایک دھاری سی برابر چلی گئی ہے جو دونوں کا ملتقی ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ سفید پانی میٹھا ہے اور سیاہ کڑوا۔ اور مجھ سے "باریسال" کے بعض طلبہ نے بیان کیا کہ ضلع "باریسال" میں دو ندیاں ہیں جو ایک ہی دریا سے نکلی ہیں۔ ایک کا پانی کھاری بالکل کڑوا، اور ایک کا نہایت شیریں اور لذیذ ہے۔ یہاں گجرات میں راقم الحروف جس جگہ آجکل مقیم ہے (ڈابھیل سملک ضلع سورت) سمندر تقریباً دس بارہ میل کے فاصلہ پر ہے ادھر کی ندیوں میں برابر مدوجزر (جوار بھاٹا) ہوتا رہتا ہے۔ بکثرت ثقات نے بیان کیا کہ مد کے وقت جب سمندر کا پانی ندی میں آ جاتا ہے تو میٹھے پانی کی سطح پر کھاری پانی بہت زور سے چڑھ جاتا ہے لیکن اس وقت بھی دونوں پانی مختلط نہیں ہوتے۔ اوپر کھاری رہتا ہے، نیچے میٹھا، جزر کے وقت اوپر سے کھاری اتر جاتا اور میٹھا جوں کا توں باقی رہ جاتا ہے واللہ اعلم۔ ان شواہد کو دیکھتے ہوئے آیت کا مطلب بالکل واضح ہے۔ یعنی خدا کی قدرت دیکھو کہ کھاری اور میٹھے دونوں دریاؤں کے پانی کہیں نہ کہیں مل جانے کے باوجود بھی کس طرح ایک دوسرے سے ممتاز رہتے ہیں۔ یا یہ مطلب ہو کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں دریا الگ الگ اپنے اپنے مجریٰ میں چلائے اور دونوں کے بیچ میں بہت جگہ زمین حائل کر دی، اس طرح آزاد نہ چھوڑا کہ دونوں زور لگا کر درمیان سے زمین کو ہٹا دیتے اور اس کی ہستی کو تباہ کر دیتے، پھر دونوں میں ہر ایک کا جو مزہ ہے وہ اسی کے لیے لازم ہے۔ یہ نہیں کہ میٹھا دریا کھاری، یا کھاری میٹھا بن جائے۔ گویا باعتبار اوصاف کے ہر ایک دوسرے سے بالکل الگ رہنا چاہتا ہے۔ وقیل غیر ذالك والراجح عندی هوالاول۔ واللہ اعلم۔

ف۱ دیکھو لو! کس طرح اپنی قدرت کاملہ سے ایک قطرہ آب کو عاقل و کامل آدمی بنا دیا۔ پھر آگے اس سے نسلیں چلائیں اور دامادی اور سسرال کے تعلقات قائم کیے۔ ایک ناچیز قطرہ کو کیا سے کیا کر دیا اور کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ لیکن یہ حضرت تھوڑی ہی دیر میں اپنی اصل کو بھول گئے اور رب قدیر کو چھوڑ کر عاجز مخلوق کو خدا کہنے لگے۔ اپنے پروردگار کا حق تو کیا پہچانتے اس سے منہ موڑ کر اور پیٹھ پھیر کر شیطان کی فوج میں جا شامل ہوئے۔ تاکہ اغوا و اضلال کے مشن میں اس کی مدد کریں اور مخلوق کو گمراہ کرنے میں اس کا ہاتھ بٹائیں۔ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا۔

ف۲ یعنی آپ کا کام خدا تعالیٰ کی وفاداری پر بشارات سنانا اور غداروں کو خراب نتائج و عواقب سے آگاہ کر دینا ہے۔ آگے کوئی مانے یا نہ مانے، آپ کو کچھ نقصان نہیں۔ آپ ان سے کچھ فیس یا مزدوری تھوڑی طلب کر رہے تھے کہ ان کے نہ ماننے سے اس کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو۔ آپ تو ان سے صرف اتنا ہی چاہتے ہیں کہ جو کوئی چاہے خدا کی توفیق پا کر اپنے رب کا راستہ پکڑ لے۔ اسی کو چاہو فیس کہہ لو یا مزدوری۔

ف۳ یعنی آپ تنہا خدا پر بھروسہ کر کے اپنا فرض (تبلیغ و دعوت وغیرہ) ادا کیے جائیے۔ کسی کی مخالفت یا موافقت کی پروا نہ کریں۔ فانی چیزوں کا کیا سہارا۔ سہارا تو اسی کا ہے جو ہمیشہ زندہ رہے کبھی نہ مرے۔

ف۴ یعنی اسی پر توکل رکھیے اور اسی کی عبادت اور حمد و ثنا کرتے رہیے۔ ان مجرموں سے وہ خود نبٹ لے گا۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ

وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ اَلرَّحْمٰنُ فَسْئَلْ بِهٖ

اور زمین اور جو کچھ ان کے بیچ میں ہے چھ دن میں پھر قائم ہوا عرش پر ف۱ وہ بڑی رحمت والا سو پوچھ اس سے جو اس کی

اور زمین اور جو کچھ ان کے بیچ ہے چھ دن میں، پھر قائم ہوا تخت پر۔ وہ بڑی مہر والا، سو پوچھ اس سے جو اس کی

خَبِيْرًا ﴿۵۹﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ ۚ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا

خبر رکھتا ہو ف۲ اور جب کہیے ان سے سجدہ کرو رحمان کو کہیں رحمان کیا ہے کیا سجدہ کرنے لگیں ہم جس کو تو فرمائے

خبر رکھتا ہو۔ اور جب کہیئے ان کو، سجدہ کرو رحمٰن کو۔ کہیں، رحمٰن کیا ہے؟ کیا سجدہ کرنے لگیں گے ہم جس کو تو فرماوے گا؟

وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا ﴿۶۰﴾ تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا

اور بڑھ جاتا ہے ان کا بدکنا ف۳ بڑی برکت ہے اس کی جس نے بنائے آسمان میں برج ف۴ اور رکھا اس میں چراغ ف۵ اور چاند

اور بڑھتا رہے ان کا بدکنا۔ بڑی برکت ہے اس کی جن نے بنائے آسمان میں برج، اور رکھا اس میں چراغ اور چاند

مُّنِيْرًا ﴿۶۱﴾ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ﴿۶۲﴾

اجالا کرنے والا اور وہی ہے جس نے بنائے رات اور دن بدلتے سدلتے ف۶ اس شخص کے واسطے کہ چاہے دھیان رکھنا یا چاہے شکر کرنا ف۷

اجالا کرنے والا۔ اور وہی ہے جس نے بنائے رات اور دن، بدلنے، اس کے واسطے جو چاہے دھیان رکھنا یا شکر کرنا۔

ف۱ اس کا بیان سورۂ اعراف میں گزر چکا ہے۔

ف۲ یعنی اللہ تعالیٰ کی شانوں اور رحمتوں کو کسی جاننے والے سے پوچھو۔ یہ جاہل مشرک اسے کیا جانیں۔ ﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ﴾ اپنی شئون وکمالات کا پوری طرح جاننے والا تو خدا ہی ہے۔ "اَنْتَ كَمَآ اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ" لیکن مخلوق میں سب سے بڑے جاننے والے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کی ذات گرامی میں حق تعالیٰ نے اولین وآخرین کے تمام علوم جمع کر دیئے، خدا تعالیٰ کی شانوں کو کوئی ان سے پوچھے۔

ف۳ یعنی یہ جاہل مشرک رحمان کی عظمت شان کو کیا سمجھ سکتے ہیں جن کو اس نام سے بھی چڑ ہے۔ جب یہ نام سنتے ہیں تو انتہائی جہل یا بے حیائی اور تعنت سے ناواقف بن کر کہتے ہیں کہ رحمان کون ہے۔ جس کو ہم سے سجدہ کراتا ہے کیا محض تیرے کہہ دینے سے ایسی بات مان لیں؟ بس تم نے ایک نام لے دیا اور ہم سجدہ میں گر پڑے۔ غرض جس قدر انھیں رحمان کی اطاعت وانقیاد کی طرف توجہ دلائے اسی قدر زیادہ بدکتے اور بھاگتے ہیں۔

ف۴ یعنی بڑے بڑے ستارے، یا آسمانی قلعے جن میں فرشتے پہرہ دیتے ہیں یا ممکن ہے سورج کی بارہ منزلیں مراد ہوں جو اہل ہیئت نے بیان کی ہے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ آسمان کے بارہ حصے ان کا نام برج، ہر ایک پر ستاروں کا پتہ، یہ حدیں رکھی ہیں حساب کو۔ (موضح)

ف۵ یعنی سورج، شاید نور وحرارت کے جمع ہونے اور صفت احراق رکھنے کی وجہ سے اس کو چراغ فرمایا۔ ﴿وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا﴾ (نوح، رکوع ۱)

ف۶ گھٹنے بڑھنے یا آنے جانے کو بدلنا سدلنا فرمایا، یا یہ مطلب ہے کہ ایک کو دوسرے کا بدل بنایا ہے۔ مثلاً دن کا کام رہ گیا، رات کو کر لیا، رات کا وظیفہ رہ گیا، دن میں پورا کر دیا۔ كما ورد في الحديث۔

ف۷ یعنی چاند سورج وغیرہ کا الٹ پھیر اور رات دن کا ادل بدل اس لیے ہے کہ اس میں دھیان کر کے لوگ خداوند قدیر کی معرفت کا سراغ لگائیں کہ یہ سب تصرفات وتقلبات عظیمہ اسی کے دست قدرت کی کارسازیاں ہیں۔ اور رات دن کے فوائد وانعامات کو دیکھ کر اس کی شکر گزاری کی طرف متوجہ ہوں۔ چنانچہ رحمان کے مخلص بندے جن کا ذکر آگے آتا ہے، ایسا ہی کرتے ہیں۔

ذکر دلائل توحید وعجائب قدرت وصنعت

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی : ﴿اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّکَ کَیْفَ مَدَّ الظِّلَّ ... الی ... لِمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّذَّکَّرَ اَوْ اَرَادَ شُکُوْرًا﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین اور منکرین نبوت کی جہالت بیان فرمادی اور ان کی گمراہی ظاہر کردی اب آئندہ آیات میں منکرین وحدانیت کی تشنیع کے لیے اپنی قدرت کے آثار اور توحید کے چند دلائل بیان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اشیاء متضادہ اور مختلفہ کے پیدا کرنے پر قدرت تامہ رکھتا ہے جو خدا تعالیٰ کے قادر مطلق اور واحد قہار ہونے کی دلیل ہے اور ایسی چیزیں ہیں کہ کفار دن رات اسکا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں اگر ذرا غور کریں تو اللہ کی قدرت اور وحدانیت ان پر واضح ہوجائے۔ اس سلسلہ میں حق جل شانہ نے پانچ قسم کے دلائل ذکر فرمائے۔

قسم اول: استدلال بنظر در حالت سایہ

﴿اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّکَ کَیْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَہٗ سَاکِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَیْہِ دَلِیْلًا ﴿۴۵﴾ ثُمَّ قَبَضْنٰہُ اِلَیْنَا قَبْضًا یَّسِیْرًا﴾

دلائل توحید کی پہلی قسم یہ ہے کہ سایہ کی حالت میں غور کرو کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے سایہ کو دراز کیا اگر وہ چاہتا تو اس کو ایک حال اور ایک انداز پر ٹھہرا دیتا پھر اس نے آفتاب کو سایہ کے پہچاننے کے لیے دلیل بنایا کہ آفتاب کی شعاعوں سے سایہ پہچانا گیا اور پھر اس سایہ کو آہستہ آہستہ اپنی طرف کھینچا۔ صبح صادق سے طلوع آفتاب تک سایہ کا دراز ہونا اور پھر آفتاب کا طلوع ہونا اور زمین پر اس کی شعاعوں کا پڑنا اور پھر بتدریج سایہ کا سمٹنا یہ سب اس کی قدرت کے دلائل ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اے دیکھنے والے کیا تو نے اپنے پروردگار کے اس کرشمۂ قدرت اور عجوبہ صنعت کی طرف نہیں دیکھا کہ اس نے محض اپنی قدرت سے طلوع فجر یعنی صبح صادق سے لیکر طلوع آفتاب تک کس طرح سایہ کو تان دیا اور لمبا اور دراز کر دیا اور زمین پر اس کو پھیلا دیا، یہ سب اس کی قدرت کا کرشمہ ہے ذرا نظر اٹھا کر تو دیکھ صبح صادق سے اور خاص کر اِسفار کے بعد سے سورج نکلنے تک سایہ ہی سایہ رہتا ہے نہ سورج کی شعاع ہوتی ہے اور نہ رات کی سی تاریکی ہوتی ہے دھوپ اور تاریکی کے درمیان ایک بین بین حالت ہوتی ہے اور یہی ظل یعنی سایہ کی حقیقت ہے امام رازی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں۔ ظل یعنی [1] سایہ حقیقت میں ایک ایسی ہی درمیانی چیز کا نام ہے جو خالص روشنی اور خالص تاریکی کے درمیان میں ہو اور یہ درمیانی کیفیت اور متوسط حالت نہایت عمدہ وقت اور بہترین زمانہ ہے اس لیے کہ خالص تاریکی طبعاً مکروہ اور ناگوار ہے۔ طبیعت اس سے نفرت کرتی ہے اور آنکھ کی بینائی اس سے معطل ہوجاتی ہے کوئی چیز نظر نہیں آتی اور آفتاب کی شعاعوں سے نظر خیرہ ہوجاتی ہے اور اس کی روشنی سے آنکھ پراگندہ ہوجاتی ہے اور ہوا گرم ہوجاتی ہے اور صبح صادق اور اِسفار سے لیکر طلوع آفتاب تک جو وقت ہوتا ہے اس میں یہ دونوں باتیں نہیں ہوتیں اسی وجہ سے جنت کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ظل ممدود بھی ہے جنت میں ایسا ہی سایہ ہوگا۔ غرض یہ کہ سایہ بندوں کے لیے اللہ کی عجیب رحمت ہے اور اس کی قدرت کی عجیب وغریب صفت ہے نہ خالص

[1] ظل کی حقیقت میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ سب امام رازی کے کلام کی تشریح ہے حضرات اہل علم تفسیر کبیر: ۶/ ۷۷۳ دیکھیں۔

تاریکی ہے جس سے طبیعت کو نفرت ہو اور نہ تیز روشنی ہے جس سے نگاہ پراگندہ ہو اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اس سایہ کو ٹھہرائے رکھتا کہ وہ سایہ ایک ہی حال پر اور ایک ہی انداز پر ٹھہرا رہتا یعنی یہی ظل کیفیت دائم اور مستمر رہتی کہ آفتاب طلوع نہ ہوتا یا اگر طلوع بھی ہوتا تو خدا کی قدرت اور مشیت سے۔ آفتاب اس سایہ کو زائل نہ کرسکتا اور باوجود طلوع آفتاب کے یہ سایہ اپنے حال پر رہتا۔ سایہ ہو یا آفتاب ہو کسی کی بھی حرکت خود اس کے اختیار میں نہیں۔ اللہ جس کو چاہے متحرک کرے اور جس کو چاہے ساکن کرنے اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اس سایہ کو ساکن کر دیتا۔ آفتاب کا طلوع اور غروب خود اس کی اختیاری چیز نہیں کہ وہ جو حالت چاہے اپنے لیے اختیار کرے۔ جب چاہے چل پڑے اور جہاں چاہے ٹھہر جائے۔ آفتاب کی حرکت اور اس کا سکون خود اس کے اختیار میں نہیں کہ جو چاہے اپنے لیے اختیار کرے اسی طرح سایہ کا گھٹنا اور بڑھنا اور ٹھہرنا خود سایہ کے اختیار میں نہیں بلکہ سب اللہ کے اختیار میں ہے۔

یہ سایہ جو طلوع فجر سے لیکر سورج نکلنے تک رہتا ہے جنت کے سایہ کا ایک نمونہ ہے۔ جنت میں آفتاب کی دھوپ نہ ہوگی۔ یہی سایہ ہوگا۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو یہ سایہ اسی طرح ٹھہرا رہتا اور آفتاب طلوع ہی نہ ہوتا جس طرح اللہ کی قدرت سے جنت میں ہمیشہ سایہ ہوگا اور دھوپ نہ ہوگی اسی طرح اللہ کو قدرت ہے کہ اگر وہ چاہتا تو دنیا میں بھی اس سایہ کو قائم رکھتا اور آفتاب طلوع ہی نہ ہوتا یا طلوع ہوتا تو تب بھی وہ اس سایہ کو قائم رکھتا۔ خدا تعالیٰ کی قدرت دنیا اور آخرت میں سب جگہ یکساں ہے۔ پھر ہم نے اپنی قدرت کا ایک اور کرشمہ دکھلایا کہ سورج کو پیدا کیا اور مشرق سے اس کو نکالا جس سے دھوپ پھیلنی شروع ہوئی اس طرح ہم نے سورج کو اس سایہ کے پہچاننے کی ایک دلیل یعنی ایک علامت اور نشانی بنایا کہ سورج نکلنے سے سایہ پہچانا گیا۔ اس طرح آفتاب سایہ کے وجود کی دلیل بنا۔ اگر دھوپ نہ ہوتی تو کوئی شخص سایہ کو نہ پہچان سکتا کہ سایہ کیا چیز ہے جب آفتاب نکلا تب سایہ نظر آیا اور اس وقت سایہ کی شناخت ہوئی کہ سایہ ایسا ہوتا ہے اور دھوپ ایسی ہوتی ہے اس لیے کہ ایک ضد کی شناخت دوسری ضد سے ہوتی ہے وبضدھا تتبین الاشیاء۔ اچھے سے برے کی تمیز ہوتی ہے اور سفید سے کالے کی تمیز ہوتی ہے اور نور سے ظلمت کی شناخت ہوتی ہے اور جس چیز سے کسی چیز کی حقیقت واضح ہو وہی اس کی دلیل ہے۔

اس اعتبار سے آیت میں طلوع آفتاب کو وجود ظل کی دلیل [1] قرار دیا۔ طلوع آفتاب سے پہلے کسی جسم کا مثلاً انسان کا یا حیوان یا دیوار کا کوئی سایہ نہیں ہوتا۔ صبح صادق اور طلوع آفتاب کے درمیان جو ظلی کیفیت ہوتی ہے اس حالت میں جسم کی صرف دو چیزیں دکھائی دیتی ہیں ایک جسم کا وجود اور دوسرا اس کا رنگ۔ البتہ طلوع آفتاب کے بعد جب دھوپ نمودار ہو جاتی ہے تو اس وقت تین چیزیں نظر آتی ہیں۔ (۱) ایک جسم کا وجود (۲) اور دوسرا جسم کا رنگ یہ دو چیزیں طلوع آفتاب سے پہلے بھی دکھائی دیتی تھیں۔ (۳) اور تیسری چیز جو طلوع آفتاب کے بعد دکھائی دیتی ہے وہ اس جسم کا سایہ ہے جو پہلے نظر نہیں آتا تھا۔ طلوع آفتاب کے بعد زمین پر جسم کا سایہ بھی نظر آتا ہے طلوع آفتاب سے پہلے سایہ کا وجود نہ تھا۔ طلوع آفتاب کے بعد جب دھوپ نکلی تب اس تیسری چیز کے وجود کا علم ہوا اس لیے فرمایا کہ ہم نے طلوع آفتاب کو سایہ کے لیے دلیل بنایا جس کو ذریعہ

[1] طلوع آفتاب کو سایہ کے لیے جو دلیل فرمائی سو وہ دلیل انی ہے دلیل لمی نہیں۔ طلوع آفتاب ظہور ظل اور اس کی معرفت کی دلیل ہے ظل کے نفس وجود کی دلیل نہیں۔ دیکھو حاشیہ شہاب خفاجی علی تفسیر البیضاوی: ۶/۴۴۷۔

سایہ پہچانا گیا۔ اگر آفتاب کی روشنی نہ ہوتی تو دیکھنے والے کو فقط دو چیزیں نظر آتیں۔ ایک جسم کا وجود اور دوسرا اسکی رنگت اور ہیئت مگر تیسری چیز یعنی جسم کا سایہ اس کو نظر نہ آتا۔ سایہ کا احساس اور اس کی شناخت آفتاب کے دھوپ کے ذریعہ ہوئی اگر سورج نہ نکلتا اور دھوپ نہ ہوتی تو ہم سایہ کو سمجھ بھی نہ سکتے کہ سایہ کیا چیز ہے۔ ایک ضد کے آنے سے دوسری ضد سمجھ میں آئی۔

کما قال تعالیٰ ﴿قُلۡ اَرَءَیۡتُمۡ اِنۡ جَعَلَ اللّٰہُ عَلَیۡکُمُ الَّیۡلَ سَرۡمَدًا اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ مَنۡ اِلٰہٌ غَیۡرُ اللّٰہِ یَاۡتِیۡکُمۡ بِضِیَآءٍ﴾ دیکھو تفسیر کبیر: ۶/ ۳۷۷ حاشیہ شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی: ۳/ ۴۴۵ وروح المعانی: ۱۹/ ۲۵۔

قتادہ رحمہ اللہ اور سدی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ آفتاب کی دلیل ہونے کے معنی یہ ہیں کہ آفتاب اس سایہ کے پیچھے لگا آرہا ہے۔ یہاں تک کہ پورے سایہ پر چھا جاتا ہے۔

اور بعض کہتے ہیں کہ دلیل کے معنی رہبر کے ہیں کہ آفتاب سایہ کا رہبر ہے اور سایہ آفتاب کا تابع ہے اس لیے کہ سایہ کی کمی اور بیشی اور اسکا پھیلنا اور سمٹنا آفتاب کی حرکت کے تابع ہے۔

پھر سورج نکلنے کے بعد ہم نے اس سایہ کو آہستہ آہستہ اور تھوڑا تھوڑا اپنی طرف سمیٹا۔ اللہ ہی کی قدرت اور مشیت سے اصل ظل کا ظہور ہوا تھا پھر اس کی قدرت اور مشیت سے اس ظل کو آہستہ آہستہ قبض کرنے سے تعبیر کیا۔ طلوع صادق سے لیکر طلوع آفتاب تک سایہ تمام روئے زمین پر پھیلا ہوا ہوتا ہے پھر جب سورج نکلتا ہے تو تھوڑا تھوڑا گھٹنا شروع ہوتا ہے جس قدر سورج اوپر چڑھتا جاتا ہے اسی قدر سایہ کم ہوتا جاتا ہے اور رفتہ رفتہ آفتاب کی روشنی اور اس کی شعاع سایہ کی جگہ قائم ہوتی جاتی ہے اور زمین چمک اٹھتی ہے۔ طلوع آفتاب سے لے کر غروب آفتاب تک یہی حال رہتا ہے اور اس طرح بتدریج سایہ کے سمٹنے میں بڑی حکمتیں اور منفعتیں ہیں اوقات اور ساعات کی تعیین اسی طرح بتدریج سایہ کے گھٹنے اور بڑھنے سے ہوتی ہے جیسا کہ حق جل شانہ کا ارشاد ہے۔ ﴿یَسۡـَٔلُوۡنَکَ عَنِ الۡاَہِلَّۃِ ؕ قُلۡ ہِیَ مَوَاقِیۡتُ لِلنَّاسِ وَالۡحَجِّ﴾ الآیۃ۔

صبح سے لیکر شام تک سایہ اور دھوپ ایک حال پر نہیں رہتا بلکہ بدلتا رہتا ہے اس تغیر اور تبدل سے اور اس کمی اور زیادتی سے دین اور دنیا کے کاروبار کے لیے اوقات معین کیے جاتے ہیں اگر صبح سے لیکر شام تک ایک ہی حالت رہتی تو ساعات اور اوقات کی تعیین ناممکن تھی پانچ نمازوں کے اوقات کیسے متعین ہوتے اور بازاروں اور دفتروں کے کھلنے اور بند ہونے کے اوقات کیسے مقرر ہوتے۔

غرض یہ کہ سایوں کا اس طرح آہستہ آہستہ گھٹنا اور ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہونا حق جل شانہ کے کمال قدرت کی دلیل ہے اور ہر تغیر بندوں کے حق میں نعمت ہے۔ اگر سایہ ایک بار ہی لے لیا جاتا تو لوگوں کے جو کام سایہ سے متعلق ہیں وہ معطل ہو جاتے۔ ﴿وَلَوۡ شَآءَ لَجَعَلَہٗ سَاکِنًا﴾۔ درمیانِ کلام میں جملہ معترضہ ہے جس سے مقصود یہ بتلانا ہے کہ سایہ کا دراز ہونا اور اس کا سمٹنا محض اللہ کی قدرت اور اس کی مشیت سے ہے اسباب عادیہ اور امور مادیہ کو اس میں دخل نہیں آفتاب کا افق کے قریب ہونا اور پھر افق شرقی سے اسکا طلوع ہونا اس میں کسی مادہ اور طبیعت کو اور کسی نیچر اور فطرت کو دخل نہیں آفتاب کی حرکت اور اس کا طلوع اور غروب سب اللہ کی مشیت کے تابع ہے۔

آیت ہذا کی تفسیر میں دوسرا قول

اور بعض علما یہ کہتے ہیں کہ ﴿ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ﴾ میں ظل سے اجسام کثیفہ کا وہ سایہ مراد ہے جو طلوع آفتاب کے بعد شروع دن میں نمودار ہوتا ہے اور دیکھنے والوں کو نظر آتا ہے۔ کما قال تعالیٰ ﴿ اَوَلَمْ یَرَوْا اِلٰی مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ یَّتَفَیَّؤُا ظِلٰلُهٗ ﴾۔ اور مطلب یہ ہے کہ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ جب آفتاب افق سے طلوع کرتا ہے تو کھڑی ہوئی چیزوں کا سایہ لمبا اور دراز پڑتا ہے پھر جوں جوں سورج چڑھتا جاتا ہے تو اس کے مقابل مغرب کی جانب سے سایہ گھٹتا جاتا ہے، یہاں تک کہ ٹھیک دوپہر کے وقت ہر شئی کا سایہ اس کی جڑ میں لگ جاتا ہے تو سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے سایہ کو اپنی طرف کھینچ لیا پھر زوال کے بعد ایک طرف سے دھوپ سمٹنی شروع ہوتی ہے اور دوسری طرف سایہ لمبا ہونے لگتا ہے آخر جب آفتاب غروب ہو جاتا ہے تو دھوپ غائب ہو جاتی ہے اور تاریکی چھا جاتی ہے اور سایہ فنا ہو جاتا ہے اور سایہ کے اس طرح تدریجاً فنا ہو جانے کو اپنے پاس آنے سے تعبیر کیا کہ وہ تمہاری نظروں سے فنا ہو کر ہمارے پاس پہنچ گیا۔ بہر حال سایہ ہو یا دھوپ ہو اسی کے حکم سے پردۂ عدم سے نکل کر وجود میں آیا تھا۔ اور اسی کے حکم سے عدم کے پردہ میں چلا گیا اگر اللہ چاہتا تو ہر چیز کے سایہ کو اسی کے ساتھ لازم اور قائم کر دیتا اور ایک حالت پر اس کو ٹھہرا دیتا اور سایہ کے لیے لمبے دراز ہونے سے مخلوق کو جو نفع پہنچ رہا ہے وہ نفع نہ پہنچتا۔

غرض یہ کہ سایہ اور دھوپ کا تغیر اور تبدل اور کمی اور زیادتی اور ان کا فنا اور زوال یہ سب اس بات کی دلیل ہے کہ یہ سب چیزیں حادث ہیں اور ان کے تغیرات اور انقلابات کی باگ کسی علیم و قدیر کے ہاتھ میں ہے کہ جو ان تغیرات سے اپنی قدرت کا تماشا دکھا رہا ہے۔ کہ دیکھو کہ وجود اور عدم کا تماشا اس طرح دکھلایا جاتا ہے اور دھوپ اور سایہ جو کارخانۂ عالم کا تانا اور بانا اس کو قدرت اور مشیت کی انگلیوں پر اس طرح نچایا جاتا ہے اور سایہ اور دھوپ کے ان تغیرات میں اور ان کھیل اور تماشوں میں بندوں کے لیے نعمتوں اور راحتوں کے عجیب عجیب سامان ہیں جن کے شکر سے زبان قاصر ہے۔ دیکھو تفسیر کبیر: ۶/۸۷ و حاشیہ شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی: ۳/۴۵۵۔

خلاصۂ کلام یہ کہ آیت ہذا کی تفسیر میں یہ دو قول مشہور ہیں جو ہم نے ذکر کیے۔

قول اول:...... جمہور علما تفسیر کا قول یہ ہے کہ ﴿ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ﴾ میں ظل سے وہ سایہ مراد ہے کہ جو صبح صادق سے یا وقت اسفار سے لے کر طلوع آفتاب تک رہتا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس اور عبد اللہ بن عمر ؓ اور ابو العالیہ اور ابو مالک اور مسروق اور مجاہد اور سعید بن جبیر اور ابراہیم نخعی اور ضحاک اور قتادہ اور حسن بصری ؒ سے یہی مروی ہے کہ "ظل" سے وہ سایہ مراد ہے کہ جو طلوع فجر اور طلوع آفتاب کے درمیان ہے۔ دیکھو تفسیر ابن کثیر: ۳/۳۲۰ اور ﴿ ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا ﴾۔ کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے طلوع آفتاب کو اس سایہ کی دلیل بنایا اس لیے کہ طلوع آفتاب سے یہ معلوم ہوا کہ صبح صادق سے لیکر طلوع آفتاب تک جو اجالا تھا۔ وہ آفتاب کا اثر تھا اور اس کی آمد آمد کا نشان تھا اگر خدا چاہتا تو سورج کو نہ نکالتا اور وہ سایہ اسی حال پر برقرار رہتا جس حال پر وہ طلوع آفتاب سے پہلے تھا لیکن اس نے اپنی قدرت سے سورج کو نکالا اور آہستہ آہستہ اس سایہ کو ختم کیا یہ سب اس کی

قدرت کا کرشمہ ہے۔

دوسرا قول:......اور دوسرا قول اس آیت کی تفسیر میں یہ ہے کہ ظل سے کھڑی ہوئی چیزوں کا سایہ مراد ہے کہ یہ طلوع آفتاب سے لیکر زوال تک اور پھر زوال سے لیکر غروب آفتاب تک رہتا ہے۔ دیکھو صاوی حاشیہ جلالین: ۱۶۰/۳۔

کیونکہ عرف میں ظل کا اطلاق اس سایہ پر آتا ہے کہ جو شروع دن میں ہوتا ہے فئی کے اصل معنی رجوع کے ہیں کہ جب آفتاب مشرق سے مغرب کی طرف رجوع کرتا ہے۔ ابن السکّیت کہتے ہیں کہ ظل وہ سایہ ہے کہ جس کو آفتاب منسوخ کردے اور فئی وہ سایہ جو آفتاب کو یعنی اس کی دھوپ کو منسوخ کردے بہر حال ظل سے جو معنی بھی مراد لیے جائیں وہ کمال قدرت اور کمال صنعت کے بیان سے خالی نہیں جو اللہ جل شانہ کی وحدانیت اور کمال صنعت کی دلیل ہے اور علاوہ ازیں غایت رحمت اور نہایت نعمت کی بھی دلیل ہے کہ اللہ نے بندوں کی راحت کے لیے سایہ اور دھوپ کو پیدا کیا۔

(۱) ظل یعنی سایہ کو دراز کرنا (۲) طلوع آفتاب کو اس پر دلیل بنانا اور (۳) قبض یسیر یعنی سایہ کو آہستہ آہستہ سمیٹنا یہ سب اس کی قدرت کے کرشمے ہیں۔ سایہ کا دراز ہونا اور اس کا سمٹنا یہ سایہ کا خود اختیاری فعل نہیں اور علی ہذا طلوع۔ یہ آفتاب کا فعل اختیاری نہیں بلکہ خدا کی قدرت اور مشیت کے تابع ہے۔ غرض یہ کہ ان آیات میں جن عجائب قدرت کا ذکر کیا ہے بلاشبہ وہ اس کی الوہیت اور وحدانیت کے دلائل ہیں۔

آیت ہذا کی تفسیر میں تیسرا قول:......آیت ہذا کی تفسیر میں علما کے کئی قول ہیں جو دو قول ان میں سے زیادہ مشہور تھے وہ ہدیۂ ناظرین کر دیئے گئے۔ اب دل چاہتا ہے کہ آیت ہذا کی تفسیر میں ایک تیسرا قول اور بھی ہدیۂ ناظرین کر دیا جائے یہ تیسرا قول اگرچہ غیر مشہور ہے لیکن باعتبار معنی کے وہ بھی لطیف ہے وہ یہ ہے کہ ظل سے رات کا اندھیرا مراد ہے اور **قبضنا** کی ضمیر دلیل کی طرف راجع ہے اور معنی یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ نے رات کے وقت زمین کا سایہ پھیلا دیا اور سارا عالم تاریک کر دیا مگر اس تاریکی کو ہمیشگی نہیں دی بلکہ آفتاب کے طلوع کو اس کی شناخت کی دلیل بنایا اس لیے کہ سب چیزیں اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہیں اچھے سے برے کی تمیز ہوتی ہے اور گورے سے کالے کی تمیز ہوتی ہے اور دن کو بھی ہمیشہ کے لیے نہیں بنایا بلکہ غروب کر کے اس کی روشنی کو لے لیا۔ یہاں تک کہ پھر رات آگئی اور یہ دونوں وقت مخلوق کی آسائش اور آرائش کے لیے معین فرمائے۔

قسم دوم از دلائل توحید

قَالَ اللهُ تَعَالٰی: ﴿وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا﴾

اور وہ خدا وہ ہے جس نے تمہارے لیے رات کو لباس بنایا اور نیند کو تمہارے لیے آرام بنایا چونکہ رات کی تاریکی لباس کی طرح ہر شئے کو چھپا لیتی ہے اس لیے رات کو لباس فرمایا اور نیند کو تمہاری راحت کا سامان بنایا جس سے بدن کا تعب اور مشقت سب ختم ہو جاتی ہے کیونکہ "سبت" کے معنی اصل میں قطع کرنے کے ہیں۔ سونے کی حالت میں چلنا پھرنا سب قطع ہو جاتا ہے۔ اس لئے نیند کو سبات کہتے ہیں کہ اس سے جسم کی حرکت قطع ہو جاتی ہے۔

اور بنایا اس نے دن کو تمہارے منتشر ہونے کے لیے رات جب آتی ہے تو لوگ سو جاتے ہیں اور مردہ کی طرح بے حس و حرکت ہو جاتے ہیں جب دن نکلتا ہے تو پھر زندہ ہو کر اٹھ جاتے ہیں اور اپنے کام کاج کے لیے ادھر ادھر پھیل جاتے ہیں، یہ خدا کی قدرت بھی ہے اور اس کی نعمت بھی ہے۔ رات کو نیند بھی اللہ کی نعمت ہے اور صبح کی بیداری بھی اللہ کی نعمت ہے اور سونے کے بعد صبح کی بیداری حشر و نشر کا نمونہ ہے جس طرح انسان سو کر اٹھتا ہے اسی طرح مر کر پھر جئے گا اور منتشر ہو گا۔

قسم سوم از دلائل توحید

قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَهُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ بُشْرًۢا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ... الی ... وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِیْرًا﴾

اور وہ خدا وہ ہے جو باران رحمت سے پہلے بشارت دینے والی ہوائیں بھیجتا ہے بارش اللہ کی رحمت ہے اور اس سے پہلے ہواؤں کا چلنا یہ بشارت ہے کہ عنقریب بارش نازل ہونے والی ہے اور ہم نے اپنی رحمت سے آسمان سے ایسا پانی نازل کیا جو خود بھی پاک ہے اور دوسرے کو بھی پاک کرنے والا ہے تاکہ ہم اس پانی کے ذریعہ مردہ یعنی خشک زمین کو زندہ کریں یعنی خشک زمین سے قسم قسم کی نباتات اگا دیں۔ اس طرح قیامت کے قریب ایک غیبی بارش نازل ہو گی جس سے مردے زندہ ہو جائیں گے اور تاکہ اس پانی سے اپنی مخلوقات میں سے چو پایوں کو اور بہت سے آدمیوں کو سیراب کریں۔ گزشتہ آیت میں پانی سے زمین کی سیرابی کا ذکر تھا اور اس آیت میں پانی سے حیوان اور انسان کی سیرابی کا ذکر ہے۔ بہت سے آدمی تو آسمان کے پانی سے سیراب ہوتے ہیں اور بہت سے آدمی زمین کے چشموں اور کنوؤں کے پانی سے سیراب ہوتے ہیں۔

اور البتہ تحقیق ہم نے اس بارش کے پانی کو لوگوں کے درمیان تقسیم کر دیا کبھی کہیں برساتے ہیں اور کبھی کہیں۔ کہیں کم اور کہیں زیادہ تاکہ لوگ اس سے نصیحت پکڑیں اور سمجھیں کہ بارش کی تقسیم اللہ کے ہاتھ میں ہے جہاں چاہتا ہے اور جتنا چاہتا ہے برساتا ہے ہر سال کی بارش کا پیمانہ اور وزن اسی کو معلوم ہے پس باوجود اس نعمت اور عبرت کے واضح ہونے کے بغیر ناشکری سے باز نہ رہے اور بجائے اسکے کہ اس نعمت عظمیٰ کا شکر کرتے کفران نعمت میں جا پڑے۔ مینہ تو خدا تعالیٰ نے برسایا مگر یہ ناشکرا اس بارش کی ستاروں اور برجوں کی طرف نسبت کرتا ہے۔ یہ شخص خدا کا کفر کرتا ہے اور ستاروں پر ایمان رکھتا ہے اور ان کا شکر کرتا ہے۔

اور بعض علما یہ کہتے ہیں کہ ﴿وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ﴾ کی ضمیر قرآن کریم کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ ہم نے اس قرآن میں لوگوں کو طرح طرح سے نصیحت کی تاکہ وہ اس کو قبول کریں مگر اکثر لوگوں نے ان نصیحتوں کو قبول نہیں کیا۔

لہٰذا آپ ﷺ ان لوگوں کے کفر و تکذیب سے ہمت نہ ہاریں اور تن تنہا برابر تبلیغ اور دعوت میں لگے رہیں اور اگر ہم چاہتے تو آپ ﷺ کے علاوہ ہر بستی میں ایک ڈرانے والا یعنی پیغمبر بھیج دیتے مگر ہم نے ایسا نہیں کیا بلکہ اے نبی ہم نے تمہاری شان اور مرتبہ بلند کرنے کے لئے قیامت تک کے لیے سارے جہان کا تم کو پیغمبر بنایا اور نبوت کو تم پر ختم کیا اور تمام عالم کے لیے آپ ﷺ کو باران رحمت بنایا تاکہ قیامت تک آنے والے اہل ایمان اور اہل ہدایت کا اجر آپ ﷺ کے نامۂ اعمال میں لکھا جائے اور تمام انبیا پر آپ کی فضیلت ظاہر ہو پس جب خدا نے آپ کو یہ فضیلت اور یہ شان عطا کی ہے تو آپ

ان کافروں کی پرواہ کیجئے اور نہ کسی بات میں انکا کہنا مانئے جس سے یہ خوش ہوں اور دلائل قرآن کے ساتھ انکا پورا مقابلہ کیجئے، چونکہ یہ سورت مکی ہے اس لیے اس آیت میں جہاد سے قرآن اور دلیل اور برہان کے ذریعہ جہاد کرنا مراد ہے اس لیے کہ سیف وسناں سے جہاد کرنے کا حکم مدینہ میں نازل ہوا۔

قسم چہارم از دلائل توحید

﴿وَهُوَ الَّذِيْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ﴾

اور وہ خدا وہ ہے جس نے اپنی قدرت بالغہ اور حکمت سابقہ سے دو دریاؤں کو ملا کر رواں کیا ان میں سے ایک تو یہ شریں اور خوش ذائقہ اور تشنگی کو دفع کرنے والا اور پیاس بجھانے والا ہے اور ایک یہ دوسرا کھاری ہے کڑوا ہے اور ان کے درمیان اپنی قدرت سے ایک آڑ اور مضبوط روک رکھ دی کہ ایک کا پانی دوسرے سے ملنے نہ پاوے۔ مراد ان دو دریاؤں سے وہ مواقع ہیں جہاں شیریں دریا اور نہریں بہتے بہتے سمندر میں آ کر گرتی ہیں۔ جیسے دریائے دجلہ کا پانی نہایت شیریں ہے جب اس کا پانی سمندر میں گرتا ہے تو دور تک دونوں کی موجیں اور دھاریں الگ الگ نظر آتی ہیں ادھر کا پانی نہایت شریں اور ادھر کا پانی نہایت تلخ میلوں تک یہی کیفیت رہتی ہے۔ ایک پانی دوسرے پانی سے ملنے نہیں پاتا اور اس قرب اور اتصال کی وجہ سے کسی پانی کے مزہ میں فرق نہیں آتا۔

قدرت نے دونوں کے درمیان ایک ایسی آڑ رکھ دی ہے جو آنکھوں سے نظر نہیں آتی اور دریائے دجلہ اگرچہ عرف میں سمندر نہیں کہلاتا مگر جب وہ جا کر سمندر میں گرا تو وہ بھی سمندر ہو گیا۔ مقصود اس سے حق جل شانہ کی کمال قدرت کو بیان کرنا ہے کہ دو مختلف قسم کے پانی ہیں اور دونوں ساتھ مل کر چل رہے ہیں اور بہہ رہے ہیں مگر ایک دوسرے سے ملنے نہیں پاتے حالانکہ پانی بالطبع سیال اور بہنے والی چیز ہے اس کا طبعی اقتضا اختلاط اور امتزاج ہے مگر خدا کی قدرت ہے کہ ایک پانی کو دوسرے پانی کے ساتھ ملنے سے روکے ہوئے ہے اور ہندوستان کے متعدد علاقوں میں ایسے کنوئیں موجود ہیں جن میں ایک طرف کا پانی میٹھا ہے اور دوسری طرف کا پانی کھارا ہے ایک طرف کے پانی سے چیز عمدہ پکتی ہے اور دوسری طرف کے پانی سے دال بھی نہیں گلتی۔

اور حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب رحمہ اللہ نے بروایت مولانا محمد اسحاق بردوانی رحمہ اللہ بنگال کے دو معتبر عالموں مولانا عبدالغفور ارکانی اور مولانا روشن علی ارکانی کی شہادت سے نقل کیا ہے کہ ارکان اور چاٹگام کے درمیان جو دریا بہتا ہے۔ اس کی شان یہ ہے کہ اس کی ایک جانب کا پانی سفید ہے اور دوسری جانب کا پانی سیاہ ہے۔ سیاہ میں سمندر کی طرح تلاطم اور تموج ہوتا ہے اور سفید بالکل ساکن رہتا ہے کشتی سفید میں چلتی ہے اور دونوں کے درمیان ایک دھاری سی چلی گئی ہے جو دونوں کا ملتقی یعنی حد اتصال ہے لوگ کہتے ہیں کہ سفید کا پانی میٹھا ہے اور سیاہ کا پانی کڑوا ہے مطلب یہ ہے کہ خدا کی قدرت کو دیکھو کہ دو دریا ہیں ایک میٹھا اور ایک کھاری دونوں ساتھ ساتھ بہہ رہے ہیں مگر باہم ملنے نہیں پاتے۔

جدید اور قدیم فلاسفہ بتلائیں کہ یہ کس مادہ اور طبیعت کا اقتضا ہے۔

آیت ہذا کی دوسری تفسیر:...... اور بعض علما نے آیت کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں دو قسم کے دریا جاری کیے بعض شیریں اور بعض تلخ اور زمین کو دونوں کے درمیان حائل کر دیا تا کہ دونوں آپس میں ملنے نہ پادیں اور برزخ اور حجر محجور سے بیابانوں کا پردہ مراد ہے کہ جو دو دریاؤں کے درمیان حائل ہے۔

بہر حال دو قسم کے دریاؤں کا پیدا کرنا یہ بھی اس کی قدرت کا کرشمہ ہے اور دو مختلف قسم کے پانیوں میں قدرتی طور پر ایک محسوس حد فاصل بنا دینا یہ بھی اس کی قدرت کا کرشمہ ہے۔

قسم پنجم از دلائل: توحید استدلال بہ خلقت انسانی

﴿وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ۭ وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا﴾

اور وہ وہ ہے جس نے پانی سے یعنی نطفہ سے انسان کو پیدا کیا۔ پھر اس کو خاندان اور دامادی قرابت بنایا یعنی اللہ کی کتنی بڑی قدرت ہے کہ ایک ہی قسم کے نطفہ سے وہ کبھی تو مرد پیدا کرتا ہے اور کبھی عورت۔ نسب سے مراد مرد ہے کیونکہ نسب مردوں سے یعنی باپ دادا سے چلتا ہے اور صہر سے مراد عورت ہے کیونکہ نکاح کا تعلق عورت سے قائم ہوتا ہے غرض یہ کہ باہمی محبت ومروت کے دو طریقے پیدا کیے۔ ایک نسب اور دوسرا مصاہرت یعنی دامادی۔

اور تیرا پروردگار بڑی ہی قدرت والا ہے۔ ایک قطرہ آب یعنی نطفہ سے مذکر اور مؤنث کا اور مختلف شکلوں اور مختلف عقلوں کا پیدا ہونا خدا تعالیٰ کی کمال قدرت کی دلیل ہے۔

دہد نطفہ را صورتے چوں پری　　　که کردست برآب صورت گری

مقصود یہ ہے کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ کافروں کی طعن وتشنیع کی پروانہ کریں اپنے پروردگار کی قدرت اور رحمت پر نظر رکھیں۔

بیان جہالت مشرکین ومنکرین نبوت

قَالَ اللہُ تَعَالٰی: ﴿وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ ... الی ... وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں دلائل توحید وقدرت بیان کیے اب آئندہ آیات میں مشرکین اور منکرین نبوت کی جہالتوں اور خصال بد کو بیان کرتے ہیں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ایک مادہ سے بشر کو پیدا کیا اور دو قسم کا بنایا، ایک مذکر اور دوم مؤنث۔ جن کے اعضا اور طبائع اور شکل وصورت میں بہت فرق ہے اسی طرح اس نے مومن اور کافر کو پیدا کیا جن کی طبیعتوں میں بے انتہا فرق ہے۔

اور جس طرح خدا نے دو قسم کے دریا بنائے، ایک شیریں اور دوم تلخ، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے کسی کو شیریں اور خوشگوار اخلاق پر پیدا کیا اور کسی کو تلخ اور بدمزاج بنایا یہ اس کی قدرت اور وحدانیت کی دلیل ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور منجملہ دلائل قدرت کے یہ مشرکین اور منکرین نبوت کا ایک گروہ ہے کہ جو رب قدیر کے سامنے تو سر جھکانے کو تیار نہیں اور اللہ کو چھوڑ کر ایسی ایسی چیزوں کی پرستش میں لگے ہوئے ہیں جو ان کو نہ کچھ نفع پہنچا سکے اور نہ کچھ نقصان پہنچا سکے۔ اور یہ کافر اور منکر خدا

کے مقابلہ اور مخالفت پر اور شیطان کی اطاعت پر تلا ہوا ہے اور خدا کے مقابلہ میں شیطان کی پشت و پناہ اور معین و مددگار بنا ہوا ہے اور نبی برحق جو توحید اور مکارم اخلاق کے داعی ہیں انکا دشمن بنا ہوا ہے، حالانکہ آپ ﷺ سے عداوت کی کوئی وجہ نہیں اس لیے کہ اے نبی نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر نیکوں کو بشارت دینے والا اور بدوں کو عذاب الٰہی سے ڈرانے والا جس میں سراسر انہی گمراہوں کا فائدہ تھا اور ایسے شخص کی محبت اور اطاعت تو عقلاً فرض اور لازم ہے کہ جو اللہ کے ثواب دائم کی بشارت سنائے اور عقاب دائم سے ڈرائے اے نبی آپ ان سے یہ کہہ دیجئے کہ میں دنیا میں تمہارا مزاحم نہیں میں اس دعوت و نصیحت پر تم سے کوئی اجرت اور مزدوری نہیں مانگتا یعنی میں تم سے یہ نہیں چاہتا کہ تم اپنے اموال میں مجھے کچھ دے دو بلکہ خالص اللہ ہی کے لئے تم کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں لیکن تمہیں اختیار ہے جس کا جی چاہے اپنے پروردگار کی طرف راہ پکڑے میں جو کچھ کہہ رہا ہوں تمہارے فائدہ کے لیے کہہ رہا ہوں۔ میں تم سے کوئی دنیوی فائدہ نہیں چاہتا اور اگر باوجود اس بات کے پھر بھی آپ ﷺ کے ساتھ دشمنی کریں تو آپ اس زندہ خدا پر بھروسہ کیجئے کہ جسے کبھی موت نہیں وہ تیرے لیے کافی ہے اور جب تیرا مددگار حیی لا یموت ہے تو سمجھ لے کہ اس کی مدد بھی دائم ہوگی جس پر کبھی موت نہیں آئے گی جس زندہ پر بھی بھروسہ کیا جائے اس کے مرنے کے بعد سہارا باقی نہیں رہتا مگر خداوند ذوالجلال حیی لا یموت ہے آپ کے کسی دشمن میں یہ طاقت نہیں کہ اس سہارے کو ختم کر سکے اور آپ ﷺ ان کی دشمنی کی وجہ سے پریشان نہ ہوں۔ اطمینان کے ساتھ اللہ کی تسبیح میں لگے رہیے۔ اور سبحانك اللھم وبحمدك یاسبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔ پڑھتے رہیے اللہ کے ذکر اور تسبیح کی یہ خاصیت ہے کہ اس سے قلب کو اطمینان حاصل ہوتا ہے ﴿اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ﴾۔ اور دل کی پریشانی دور ہوتی ہے لہٰذا آپ ﷺ تبلیغ بھی کرتے رہیے اور تسبیح بھی پڑھتے رہیے اور ان دشمنوں کی دشمنی کی پروانہ کیجئے اس لیے کہ خدا اپنے بندوں کے گناہوں سے کافی خبردار ہے وہ ان کو ان کے گناہوں کی سزا دیگا۔ مجرمین خواہ کتنے ہی بیشمار کیوں نہ ہوں مگر کوئی اس سے پوشیدہ نہیں اس لیے کہ وہ خداوند وہ ہے کہ جس نے چھ دن کی مقدار میں آسمانوں کو اور زمین کو اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کو پیدا کیا ہے اور یہ ناممکن ہے کہ خالق کو اپنی مخلوق کا علم اور اس کی خبر نہ ہو۔ پھر وہ عرش پر قائم ہوا جو اس کی شان کے لائق ہے اور تمام مخلوقات میں سب سے بڑی مخلوق چیز وہ عرش مجید ہے جو تمام آسمانوں سے بلند اور برتر ہے اور تمام عالم کو محیط ہے عرش لغت میں بادشاہ کے تخت کو کہتے ہیں اور اس جگہ عرش سے وہ جسم عظیم مراد ہے جو تمام عالم کو محیط ہے اور خداوند ذوالجلال کا جلوہ گاہ ہے وہیں سے فرشتوں پر اللہ کے پیغام اور احکام نازل ہوتے ہیں اس کا بیان سورۂ اعراف کے رکوع ہفتم کے شروع میں اور سورۂ یونس کے شروع میں گزر چکا ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔

اور وہی خدا رحمن ہے جس کی رحمت تمام مخلوقات کو محیط ہے پس اس کے متعلق کسی جاننے والے سے پوچھ لو کہ خداوند مہربان کی کیا شان ہے یہ جاہل مشرک کیا جانیں اور ان کی جہالت کا حال تو یہ ہے کہ جب ان سے یہ کہا جائے کہ رحمن کو سجدہ کرو جو بڑا رحم کرنے والا ہے اور اس کی رحمت تمام عالم کو محیط ہے تو یہ نادان یہ کہتے ہیں کہ رحمن کیا ہے جس کے سامنے آپ ﷺ ہم کو سجدہ کرنے کا حکم دیتے ہیں، یہ جاہل خدا کی ذات و صفات سے بالکل بے خبر ہیں۔ بے حیائی اور ڈھٹائی کے ساتھ یہ کہتے ہیں کہ کیا ہم اس چیز کو سجدہ کریں جس کے سجدہ کرنے کا تو ہم کو حکم دیتا ہے اور رحمن کا نام یا رحمن کے سامنے سجدہ

کرنے کا حکم ان کی نفرت کو اور بڑھا دیتا ہے یہ نام سن کر ایمان سے اور راہ حق سے اور بھاگنے لگتے ہیں۔ یہ مقام، بالا اجماع، مقامِ سجدہ ہے امام اعظم رحمہ اللہ کے قول پر یہ دسواں سجدہ ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے قول پر آٹھواں سجدہ ہے۔فتوحات مکیہ میں ہے کہ یہ سجدہ، سجدہ نفور وانکار ہے مومن جب یہ آیت پڑھ کر سجدہ کرتا ہے تو سجدہ سے نفرت کرنے والوں اور بھاگنے والوں سے ممتاز اور جدا ہو جاتا ہے اس لیے اس سجدہ کو سجدۂ امتیاز بھی کہہ سکتے ہیں۔

تتمۂ دلائل توحید

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی : ﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِيْهَا ... الى ... اَرَادَ شُكُوْرًا﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں دلائل قدرت کا بیان تھا اب پھر بعض عجائب قدرت کو ذکر کرتے ہیں۔ بہت ہی بڑی برکت والی ہے وہ ذات پاک جس نے اپنی قدرت سے آسمان میں برج بنائے اور رکھا آسمان میں ایک چراغ یعنی آفتاب جو تمام دنیا کے لیے چراغ ہے اگر یہ نہ ہوتا تو جہان میں اندھیرا ہو جاتا اور بنایا اس میں ایک چاند روشن یا روشن کرنے والا جو روشنی میں آفتاب سے کم ہے، دونوں کا یہ تفاوت بھی اس کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ ایک کو زیادہ روشن بنایا اور ایک کو کم۔ ایک دن میں نکلتا ہے اور ایک رات میں۔

مجاہد اور سعید بن جبیر ابوصالح اور حسن بصری اور قتادہ رحمہم اللہ سے مروی ہے کہ بروج سے بڑے بڑے ستارے مراد ہیں۔ برج کے اصل معنی ظہور کے ہیں چونکہ بڑے بڑے ستارے ظاہر ہیں اس لیے ان کو برج فرمایا اور بعض کہتے ہیں کہ بروج سے آسمانی قلعے مراد ہیں جہاں فرشتے پہرہ دیتے ہیں جیسا کہ حضرت علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہم اور محمد بن کعب اور ابراہیم نخعی اور سلیمان بن مہران اعمش رحمہم اللہ سے منقول ہے کہ یہ پہرہ دینے والے فرشتوں کے ٹھکانے ہیں۔ دیکھو تفسیر ابن کثیر: ۳/ ۳۲۲۔

اور بعض کہتے ہیں کہ بروج سے آسمان کی وہ بارہ منزلیں مراد ہیں جو اہل ہیئت بیان کرتے ہیں جن کے نام یہ ہیں:
۱- حمل، ۲-ثور، ۳- جوزاء، ۴- سرطان، ۵- اسد۔ جس کو لیث بھی کہتے ہیں۔ ۶- سنبلہ، ۷- میزان، ۸- عقرب، ۹- قوس، ۱۰- جدی، ۱۱- دلو، ۱۲- حوت۔

آسمان میں ستاروں کے اجتماع سے مختلف صورتیں پیدا ہوگئیں۔ کہیں شیر کی اور کہیں ترازو کی اور کہیں بیل کی اور کہیں بچھو کی کہیں مچھلی کی۔ اور آفتاب جب ایک برج سے دوسرے برج میں جاتا ہے تو موسم بدل جاتا ہے یہ بھی خدا کی قدرت کا کرشمہ ہے اس لیے وہ ان ناموں سے موسوم ہوئے، حکمانے آسمان کو خیالی طور پر اس طرح تقسیم کیا ہے کہ جس طرح خربوزہ کی قاشیں ہوتی ہیں اور اس نام کے ساتھ اس کو نامزد کیا کہ جو صورت اس میں نمودار ہوئی۔

مطلب آیت کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین سے لے کر آسمان تک اپنی مخلوق کے لیے ایک عالی شان مکان بنایا جس کو آفتاب اور ماہتاب اور کواکب اور نجوم سے روشن اور مزین کیا اور سامانِ معیشت مہیا کیا یہ سب اسی رحمان کی رحمت کا کرشمہ اور جلوہ ہے جس کے لیے سجدہ کرنے سے یہ نفرت کرتے ہیں کیا اس کی قدرت نہیں کہ اس نے چاند اور سورج کو پیدا کیا

اور ہر ایک کی نورانیت اور حرارت میں فرق رکھا اور اس اختلاف سے دنیا کے فوائد کو مربوط کر دیا۔ اب اس کے بعد اپنی قدرت اور رحمت کا ایک اور کرشمہ ذکر کرتے ہیں کہ اس نے دن اور رات بنائے چنانچہ فرماتے ہیں اور وہ وہی ہے جس نے دن اور رات کو ایک دوسرے کا خلیفہ اور جانشین بنایا کہ ایک کو دوسرے کے پیچھے لگا دیا۔ رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات آرہی ہے اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ ایک دوسرے کا قائم مقام ہو سکتا ہے کہ آدمی رات کا کام دن میں اور دن کا کام رات میں کر سکتا ہے لہٰذا اگر کسی سے رات کا وِرد فوت ہو گیا ہو تو دن میں اس کی تلافی کرے جیسا کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، بہر حال یہ پے در پے آمد و رفت اور ایک سال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہونا تذکرہ اور نصیحت ہے اس شخص کے لیے کہ جو نصیحت پکڑنا چاہے۔ اگر غور کرے تو سمجھ سکتا ہے کہ لیل و نہار کی یہ آمد محض اس کی قدرت کا کرشمہ ہے یا اس شخص کے لیے جو شکر گزاری کرنا چاہے۔ اگر ذرا غور کرے تو سمجھ لے کہ رات دن کا آگے پیچھے آنا رحمن کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے اور اس کی رحمتوں میں سے ایک رحمت ہے جس کا شکر واجب ہے۔ ان آیات میں تو رحمن سے نفرت کرنے والوں کا ذکر تھا اب آئندہ آیات میں رحمن کے مخلص بندوں کے اوصاف کا ذکر ہے۔

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا

اور بندے رحمن کے وہ ہیں جو چلتے ہیں زمین پر دبے پاؤں ف۱ اور جب بات کرنے لگیں ان سے بے سمجھ لوگ تو کہیں

اور بندے رحمن کے وہ ہیں جو چلتے ہیں زمین پر دبے پاؤں، اور جب بات کرنے لگیں ان سے بے سمجھ لوگ کہیں

سَلٰمًا ﴿۶۳﴾ وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ﴿۶۴﴾ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ

صاحب سلامت ف۲ اور وہ لوگ جو رات کاٹتے ہیں اپنے رب کے آگے سجدہ میں اور کھڑے ف۳ اور وہ لوگ کہ کہتے ہیں اے رب ہٹا ہم سے

صاحب سلامت۔ اور وہ جو رات کاٹتے ہیں اپنے رب کے آگے سجدے میں اور کھڑے۔ اور وہ جو کہتے ہیں، اے رب! ہٹا ہم سے

عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ﴿۶۵﴾ اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿۶۶﴾

دوزخ کا عذاب بیشک اس کا عذاب چمٹنے والا ہے وہ بری جگہ ہے ٹھہرنے کی اور بری جگہ رہنے کی ف۴

دوزخ کا عذاب، بیشک اس کا عذاب بڑی چٹی ہے۔ وہ بری جگہ ہے ٹھہراؤ کی، اور بری جگہ رہنے کی۔

ف۱ یعنی مشرکین کی طرح رحمن کا نام سن کر ناک بھوں نہیں چڑھاتے بلکہ ہر فعل و قول سے بندگی کا اظہار کرتے ہیں۔ ان کی چال ڈھال سے تواضع، متانت، خاکساری اور بے تکلفی ٹپکتی ہے۔ متکبروں کی طرح زمین پر اکڑ کر نہیں چلتے۔ یہ مطلب نہیں کہ ریا و تصنع سے بیماروں کی طرح قدم اٹھاتے ہیں۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جو رفتار احادیث میں منقول ہے، اس کی تائید نہیں کرتی۔

ف۲ یعنی کم عقل اور بے ادب لوگوں کی بات کا جواب عفو و صفح سے دیتے ہیں۔ جب کوئی جہالت کی گفتگو کرے تو ملائم بات اور صاحب سلامت کہہ کر الگ ہو جاتے ہیں۔ ایسوں سے منہ نہیں لگتے۔ نہ ان میں شامل ہوں نہ ان سے لڑیں۔ ان کا شیوہ وہ نہیں جو جاہلیت میں کسی نے کہا تھا۔

اَلَا لَا يَجْهَلَنْ اَحَدٌ عَلَيْنَا   فَنَجْهَلَ فَوْقَ جَهْلِ الْجَاهِلِيْنَا

یہ تو رحمان کے ان مخلص بندوں کا دن تھا، آگے رات کی کیفیت بیان فرماتے ہیں۔

ف۳ یعنی رات کو جب غافل بندے نیند اور آرام کے مزے لوٹتے ہیں، یہ خدا کے آگے کھڑے اور سجدہ میں پڑے ہوئے گزارتے ہیں۔ رکوع چونکہ قیام و سجود کے درمیان واقع ہے، شاید اسی لیے اس کو علیحدہ ذکر نہیں کیا۔ گویا ان ہی دونوں کے بیچ میں آ گیا۔

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴿۶۷﴾ وَالَّذِيْنَ لَا

اور وہ لوگ کہ جب خرچ کرنے لگیں نہ بے جا اڑائیں اور نہ تنگی کریں اور ہے اس کے بیچ ایک سیدھی گزران ف۱ اور وہ لوگ کہ نہیں

اور وہ کہ جب خرچ کرنے لگیں، نہ اڑائیں اور نہ تنگی کریں، اور ہے اس کے بیچ ایک سیدھی گزران۔ اور وہ جو نہیں

يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ

پکارتے اللہ کے ساتھ دوسرے حاکم کو اور نہیں خون کرتے جان کا جو منع کر دی اللہ نے مگر جہاں چاہیے ف۲ اور بدکاری نہیں کرتے

پکارتے اللہ کے ساتھ اور حاکم کو اور نہیں خون کرتے جان کا جو منع کی اللہ نے، مگر جہاں چاہیے، اور بدکاری نہیں کرتے،

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ﴿۶۸﴾ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ﴿۶۹﴾

اور جو کوئی کرے یہ کام وہ جا پڑا گناہ میں ف۳ دونا ہوگا اس کو عذاب قیامت کے دن اور پڑا رہے گا اس میں خوار ہو کر ف۴

اور جو کوئی کرے یہ کام وہ بھڑے گناہ سے۔ دونا ہو اس کو عذاب دِن قیامت کے، اور پڑا رہے اس میں خوار ہو کر۔

اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ۭ

مگر جس نے توبہ کی اور یقین لایا اور کیا کچھ کام نیک سو ان کو بدل دے گا اللہ برائیوں کی جگہ بھلائیاں

مگر جس نے توبہ کی اور یقین لایا اور کیا کچھ کام نیک، سو ان کو بدل دیگا اللہ برائیوں کی جگہ بھلائیاں۔

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۷۰﴾ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ﴿۷۱﴾

اور ہے بخشنے والا مہربان ف۵ اور جو کوئی توبہ کرے اور کرے کام نیک سو وہ پھر آتا ہے اللہ کی طرف پھر آنے کی جگہ ف۶

اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان۔ اور جو کوئی توبہ کرے اور کرے کام نیک، سو وہ پھر آتا ہے اللہ کی طرف پھر آنے کی جگہ۔

= ف۳ یعنی اتنی عبادت پر اتنا خوف بھی ہے۔ یہ نہیں کہ تہجد کی آٹھ رکعت پڑھ کر خدا کے عذاب وقہر سے بے فکر ہو گئے۔

ف۱ یعنی موقع دیکھ بھال کر میانہ روی کے ساتھ خرچ کرتے ہیں۔ نہ مال کی محبت نہ اس کی اضاعت۔ کما قال تعالیٰ ﴿وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ﴾ الخ (بنی اسرائیل، رکوع ۳)

ف۲ مثلاً قتل عمد کے بدلہ قتل کرنا، یا بدکاری کی سزا میں زانی محصن کو سنگسار کرنا، یا جو شخص دین چھوڑ کر جماعت سے علیحدہ ہو جائے اس کو مار ڈالنا، یہ سب صورتیں "الا بالحق" میں شامل ہیں۔ کما ورد فی الحدیث۔

ف۳ یعنی بڑا سخت گناہ کیا جس کی سزا مل کر رہے گی۔ بعض روایات میں آیا کہ "آثام" جہنم کی ایک وادی کا نام ہے جس میں بہت ہی ہولناک عذاب بیان کیے گئے ہیں۔ اعاذنا اللہ منہا۔

ف۴ یعنی اور گناہوں سے یہ گناہ بڑے ہیں۔ عذاب بھی ان پر بڑا ہوگا اور دم بدم بڑھتا رہے گا۔

ف۵ یعنی گناہوں کی جگہ نیکیوں کی توفیق دے گا اور کفر کے گناہ معاف کرے گا۔ یا یہ کہ بدیوں کو مٹا کر توبہ اور عمل صالح کی برکت سے ان کی تعداد کے مناسب نیکیاں ثبت فرمائے گا۔ کما یظھر من بعض الاحادیث۔

ف۶ پہلے ذکر تھا کافر کے گناہوں کا جو پیچھے ایمان لے آیا۔ یہ ذکر ہے اسلام میں گناہ کرنے کا۔ وہ بھی جب توبہ کرے یعنی پھر برے کام سے تو اللہ کے یہاں جگہ پائے۔ معلوم ہوا کہ سورۂ نساء میں جو فرمایا ﴿وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا﴾ (نساء، رکوع ۱۳) وہ غیر تائب کے حق میں ہے۔ واللہ اعلم۔

وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ۝ وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا

اور جو لوگ شامل نہیں ہوتے جھوٹے کام میں ف۱ اور جب گزرتے ہیں کھیل کی باتوں پر نکل جائیں بزرگانہ ف۲ اور وہ لوگ کہ جب ان کو سمجھائے

اور وہ جو شامل نہیں ہوتے جھوٹے کام میں، اور جب ہو نکلیں کھیل کی باتوں پر نکل جائیں بزرگی رکھ کر۔ اور وہ کہ جب ان کو سمجھایئے

بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ۝ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ

ان کے رب کی باتیں نہ پڑیں ان پر بہرے اندھے ہو کر ف۳ اور وہ لوگ جو کہتے ہیں اے رب دے ہم کو

ان کے رب کی باتیں، نہ ہو پڑیں ان پر بہرے اندھے۔ اور وہ جو کہتے ہیں، اے رب! دے ہم کو

اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ۝ اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا

ہماری عورتوں کی طرف سے اور اولاد کی طرف سے آنکھ کی ٹھنڈک ف۴ اور کر ہم کو پرہیزگاروں کا پیشوا ف۵ ان کو بدلہ ملے گا کوٹھوں کے جھروکے

ہماری عورتوں کی طرف سے اور اولاد کی طرف سے آنکھ کی ٹھنڈک اور کر ہم کو پرہیزگاروں کے آگے۔ ان کو بدلہ ملے گا کوٹھوں کے جھروکے،

صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ۝

اس لیے کہ وہ ثابت قدم رہے اور لینے آئیں گے ان کو وہاں دعا اور سلام کہتے ہوئے ف۶ سدا رہا کریں ان میں خوب جگہ ہے ٹھہرنے کی اور خوب جگہ رہنے کی ف۷

اس پر کہ ٹھہرے رہے، اور لینے آئیں گے ان کو وہاں دعا اور سلام کہتے۔ رہا کریں ان میں۔ خوب جگہ ہے ٹھہراؤ کی، اور خوب جگہ رہنے کی۔

قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَاۗؤُكُمْ ۚ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا ۝ ع ۶

تو کہہ پروا نہیں رکھتا میرا رب تمہاری اگر تم اس کو نہ پکارا کرو ف۸ سو تم تو جھٹلا چکے اب آگے کو ہونی ہے مٹھ بھیڑ ف۹

تو کہہ، پروا نہیں رکھتا میرا رب تمہاری، اگر تم اس کو نہ پکارا کرو۔ سو تم جھٹلا چکے، اب آگے ہوتا ہے بھینٹا۔

ف۱ یعنی نہ جھوٹ بولیں نہ جھوٹی شہادت دیں۔ نہ باطل کاموں اور گناہ کی مجلسوں میں حاضر ہوں۔

ف۲ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں ”یعنی گناہ میں شامل نہیں، اور کھیل کی باتوں کی طرف دھیان نہیں کرتے نہ اس میں شامل نہ ان سے لڑیں۔“

ف۳ بلکہ نہایت فکر و تدبر اور دھیان سے سنیں اور سن کر متاثر ہوں مشرکین کی طرح پتھر کی مورتیں نہ بن جائیں۔

ف۴ یعنی بیوی بچے ایسے عنایت فرما جنہیں دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی اور قلب مسرور رہو۔ اور ظاہر ہے مومن کامل کا دل اسی وقت ٹھنڈا ہوگا۔ جب اپنے اہل وعیال کو طاعت الٰہی کے راستہ پر گامزن اور علم نافع کی تحصیل میں مشغول پائے۔ دنیا کی سب نعمتیں اور مسرتیں اس کے بعد ہیں۔

ف۵ یعنی ایسا بنا دے کہ لوگ ہماری اقتدا کر کے متقی بن جایا کریں۔ حاصل یہ کہ ہم نہ صرف بذات خود مہتدی، بلکہ دوسروں کے لیے ہادی ہوں۔ اور ہمارا خاندان تقویٰ وطہارت میں ہماری پیروی کرے۔

ف۶ یعنی جنت میں اوپر کے درجے ملیں گے اور فرشتے دعا و سلام کہتے ہوئے ان کا استقبال کریں گے اور آپس کی ملاقاتوں میں یہ ہی کلمات سلام و دعا ان کی تکریم و عزت افزائی کے لیے استعمال ہوں گے۔

ف۷ یعنی ایسی جگہ تھوڑی دیر ٹھہرنا ملے تو بھی غنیمت ہے ان کا تو وہ گھر ہوگا۔

ف۸ یعنی تمہارے نفع نقصان کی باتیں سمجھا دیں۔ بندہ کو چاہیے مغرور اور بیباک نہ ہو، خدا کو اس کی کیا پروا، ہاں اس کی التجا پر رحم کرتا ہے۔ نہ التجا کرو گے اور ڈٹے بنے رہو گے تو مٹھ بھیڑ کے لیے تیار ہو جاؤ جو عنقریب ہونے والی ہے۔

ف۹ یعنی کافر جو حق کو جھٹلا چکے۔ یہ تکذیب عنقریب ان کے گلے کا ہار بنے گی۔ اس کی سزا سے کسی طرح چھٹکارا نہ ہوگا۔ آخرت کی ابدی ہلاکت تو ہے ہی، دنیا میں =

مدح عبادرحمٰن وذکر شمائل اہلِ ایمان وعرفان

قَالَ اللہُ تَعَالٰی: ﴿وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا ... الی ... فَسَوْفَ یَكُوْنُ لِزَامًا﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں رحمان سے نفرت کرنے والوں کا ذکر تھا، اب آئندہ آیات میں عبادرحمٰن یعنی رحمان کے خاص بندوں کے اوصاف کا ذکر ہے جس سے مقصود یہ بتلانا ہے کہ رحمٰن کے بندے رحمٰن کی رحمتوں اور اس کی نعمتوں کا عملی طور پر کس طرح اور کس صورت میں شکر کرتے ہیں لہٰذا جو شخص رحمٰن کے آثار رحمت ونعمت کے تشکر کا ارادہ کرے اور رحمٰن کے آثار قدرت وعجائب صنعت میں تفکر اور تدبر کا ارادہ کرے تو اس کو چاہئے کہ وہ رحمٰن کے شکرگزار بندوں کے نقش قدم پر چلے اور اگر بربنائے غفلت اس سے کوئی معصیت سرزد ہوجائے تو توبہ کرے، رحمٰن اپنی رحمت سے اس کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دے گا پھر اخیر میں عبادرحمٰن کے درجات رفیعہ اور منازل عالیہ کا ذکر کیا اور بتلادیا کہ جو رحمٰن سے نفرت کرے تو خدا کو اس کی کوئی پرواہ نہیں، وہ سب سے غنی اور بے نیاز ہے بارگاہِ رحمٰن میں تقرب اور خصوصیت کا دارومدار محض عبدیت پر ہے۔

ربط دیگر:...... حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی قدس اللہ سرہ ازالۃ الخفا میں فرماتے ہیں۔ تمام قرآن میں حق جل شانہ کی یہ سنت جاری ہے کہ اللہ تعالیٰ جا بجا اہل ہدایت اور اہل ضلالت کو میزان عدل پر رکھ کر تولتے ہیں۔ اور ان کے اوصاف بیان کرتے ہیں ایک فرق کو عذاب کا وعدہ دیتے ہیں ایک فریق کو نعمائے جنت کی بشارت سناتے ہیں اور دونوں فریق کے ان اوصاف کا ذکر کرتے ہیں جن کے ساتھ وہ معروف ومشہور ہوں پس اسی قاعدہ کے مطابق سورۂ فرقان میں بھی اللہ تعالیٰ نے کفار کے شبہات واعتراضات اور ان کے جاہلانہ خصائل وعادات کا ذکر کرکے ان کی پاداش کا ذکر کیا بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے اپنے عباد مقربین اور ان کی صفات ثابتہ ومشہورہ کا بیان کیا اور وہ صفات یہ ہیں۔

(۱) حلم اور تواضع۔ (۲) مداومت برنماز تہجد (۳) خوف از عذابِ آخرت (۴) اعتدال واقتصاد۔ (۵) توحید اور اخلاص فی العبادت۔ (۶) ترک کشت وخون یعنی فتنہ وفساد سے دور رہنا۔ (۷) اجتناب از زنا۔ (۸) احتراز از مجالس کذب ودروغ۔ (۹) تذکر بوقت استماع وعظ۔ (۱۰) بارگاہِ الٰہی میں دعا کرتے رہنا۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو اس وقت جو اہل ایمان حاضر تھے وہ مہاجرین اولین تھے لہٰذا یہ آیت مہاجرین کی فضیلت کے لئے کافی ہے اور بس۔ (ازالۃ الخفا)

چنانچہ فرماتے ہیں اور رحمٰن کے خاص الخاص بندے وہ ہیں جو ان صفات کے ساتھ موصوف ہیں۔

(۱) جو زمین پر آہستگی کے ساتھ چلتے ہیں یعنی بغیر تکبر اور سرکشی کے چلتے ہیں۔ تواضع ان پر ایسی غالب ہے کہ ان کی چال سے تواضع اور عاجزی نظر آتی ہے زمین پر آہستہ آہستہ قدم رکھنے کا یہ مطلب نہیں کہ سست رفتاری سے چلے بلکہ مطلب یہ ہے کہ متکبرانہ چال سے نہ چلے اگرچہ تیز رفتاری سے چلے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک نوجوان کو دیکھا کہ بہت آہستہ آہستہ چلتا ہے تو فرمایا کہ اے تو کیا بیمار ہے اس نے عرض کیا اے امیر المومنین نہیں۔ تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس پر درہ اٹھایا اور حکم دیا کہ قوت سے چلے جیسا کہ آج کل عیش پرستوں کا طریقہ ہے کہ اظہار نزاکت کے لئے آہستہ آہستہ چلتے ہیں۔

= بھی اب جلدی مڈبھیڑ ہونے والی ہے۔ یعنی لڑائی جہاد۔ چنانچہ غزوۂ "بدر" میں اس مڈبھیڑ کا نتیجہ دیکھ لیا۔ تم سورۃ الفرقان وللہ الحمد والمنہ

(۲) اور دوسری صفت ان کی یہ ہے کہ بڑے سلیم الطبع اور حلیم الطبع ہیں۔ ان کا طریقہ یہ ہے کہ جب نادان لوگ ان سے کوئی جہالت اور نادانی کی بات کرتے ہیں۔ جس میں جھگڑے اور فساد کا اندیشہ ہو تو یہ لوگ صاحب سلامت کر کے ان سے رخصت ہو جاتے ہیں۔ یعنی اگر کوئی نادان ان کو ناشائستہ بات کہے تو اس کے جواب میں نرم اور ملائم بات کہہ کے الگ ہو جاتے ہیں۔ ان سے لڑتے نہیں اور ان سے منہ ہی نہیں لگتے تا کہ جھگڑے کی نوبت نہ آئے مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی نادان ان سے الجھنا چاہے تو وہ پہلو بچا کر نکل جاتے ہیں۔

(۳) اور عباد رحمن کا دن تو اس طرح گزرا اور رات میں ان کی حالت یہ ہے کہ وہ اپنے پروردگار کے لئے سجدہ اور قیام کی حالت میں رات گزارتے ہیں۔ یعنی نماز میں کبھی کھڑے ہوتے ہیں اور کبھی سر بسجود ہیں۔ کما قال تعالیٰ ﴿كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ﴾ ﴿تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ﴾۔

(۴) اور ایک صفت ان کی یہ ہے کہ باوجود شب بیداری کے ان پر خوف خداوندی اس قدر غالب ہے کہ وہ یہ دعا مانگتے رہتے ہیں۔ اے ہمارے پروردگار ہم سے عذاب جہنم کو پھیر دیجئے۔ بیشک عذاب جہنم دائم اور لازم ہے اس سے خلاصی ممکن نہیں جس طرح قرض خواہ قرض دار کو چمٹ جاتا ہے اور اس کا پیچھا نہیں چھوڑتا اس طرح دوزخ کا عذاب گناہ گاروں کو چمٹے گا گویا وہ اس کے مقروض ہیں۔ نیز وہ دوزخ بلاشبہ بری قرار گاہ اور بری قیام گاہ ہے جو ہر قسم کی مصیبت اور ہر قسم کی ذلت کا مخزن ہے اس سے برا ٹھکانہ کوئی نہیں۔ دوزخ گنہگاروں کے لئے چندروزہ قرار گاہ ہے اور کافروں کے لئے دائمی قیام گاہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان عباد رحمن پر خدا کا خوف اس درجہ غالب ہے کہ دوزخ کے عذاب سے پناہ مانگتے ہیں ان کو نہ اپنے پر وثوق ہے اور نہ ناز ہے۔ نازکی بجائے غلبہ نیاز کا ہے۔

(۵) اور نعمت مال کے استعمال میں عباد الرحمن کی صفت یہ ہے کہ جب وہ خرچ کرتے ہیں تو وہ نہ بے جا خرچ کرتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں اور ان کا خرچ اسراف اور بخل کے بین بین ہے۔ اسراف کے معنی حد سے تجاوز کرنے کے ہیں اور اصطلاح شریعت میں حدود شریعت سے تجاوز کرنے کے ہیں کہ جس جگہ شریعت نے خرچ کرنے کی ممانعت کی ہے۔ وہاں خرچ کرنا یہ اسراف ہے مثلاً گناہ کے کاموں میں خرچ کرنا یا نام ونمود کے لئے خرچ کرنا یہ اسراف ہے اور تنگی اور کمی کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مال کے حقوق واجبہ نہ ادا کرے اور شریعت نے ان دونوں باتوں کو یعنی اسراف اور بخل کو ممنوع قرار دیا ہے جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ ﴿وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ﴾ پسندیدہ امر اعتدال اور توسط ہے مسند احمد میں ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من فقه الرجل قصده فی معیشة۔ اپنی معیشت میں توسط اور اعتدال کو ملحوظ رکھنا آدمی کی دانائی ہے۔

اور مسند احمد میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ما عال من اقتصد۔ محتاج نہیں ہوا وہ شخص جس نے خرچ میں اعتدال اور میانہ روی کو ملحوظ رکھا۔

یہاں تک اللہ تعالیٰ نے عباد رحمن کی پانچ صفتیں ذکر کیں اور یہ پانچوں صفتیں، طاعتیں تھیں جن کو وہ بجالاتے تھے۔

اب آئندہ آیت میں معاصی کا ذکر کرتے ہیں کہ یہ لوگ شرک اور معصیت سے بچتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں۔

(۶) اور عباد رحمن کی ایک صفت یہ ہے کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے یعنی شرک نہیں کرتے صرف ایک اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ شرک سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں اور توحید اور اخلاص سے بڑھ کر کوئی عبادت نہیں۔ غیر اللہ کو معبود ٹھہرانا قوت وہمیہ کا اثر ہے۔ اور قتلِ ناحق قوتِ غضبیہ کا اثر ہے اور زنا قوتِ شہویہ کا اثر ہے جیسا کہ آئندہ آیت میں ان دونوں کا ذکر آتا ہے۔

(۷) اور عباد رحمن کی ایک صفت یہ ہے کہ وہ نہیں مار ڈالتے اس جان کو جس کے مارنے کو اللہ نے حرام کیا ہے۔ جیسے مسلمان کی جان یا کافر ذمی کی جان مگر حق کے ساتھ۔ یعنی کسی کو ناحق قتل نہیں کرتے مگر حق کے مطابق قتل کرتے ہیں۔ حق کے مطابق قتل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جس قتل کی شریعت نے اجازت دی ہو وہ قتل حق ہے، جیسے مرتد کا قتل کرنا اور بطورِ قصاص کسی کو قتل کرنا اور رہزنوں اور فتنہ پردازوں کو قتل کر دینا اور پھانسی دینا اور شادی شدہ زانی کا قتل کرنا اور جہاد میں کافروں کو قتل کرنا وغیرہ وغیرہ یہ سب قتل حق ہیں۔ بحق شرع ان کے قتل کرنے کا حکم ہے یہ قتل معصیت نہیں بلکہ عبادت ہے۔ بلا وجہ شرعی کسی کو مارنا یہ قتلِ ناحق ہے۔

کہ بے شرع آب خوردن خطا است ۔۔۔ وگر خوں بفتویٰ بریزی رواست

(۸) اور عباد رحمن کی ایک صفت یہ ہے کہ وہ زنا نہیں کرتے، کسی کی عورت سے زنا کرنا گناہ کبیرہ ہے اور ہمسایہ کی عورت سے زنا کرنا بدترین گناہ ہے۔

اب آئندہ آیت میں ان افعال قبیحہ کے مرتکب کو سزا کی وعید سناتے ہیں اور توبہ کرنے والوں سے معاف کرنے کا وعدہ کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور جو شخص یہ کام کرے جن کا اوپر ذکر ہوا یعنی شرک کرے یا قتل ناحق کرے یا زنا کرے تو اپنے کیے ہوئے کے وبال کو پاوے گا۔ اور اس کی سزا بھگتے گا۔ اور اپنے فعل کی سزا پاوے گا۔ قیامت کے دن اس کو دوہرا عذاب دیا جائے گا اور وہ ذلیل ہو کر ہمیشہ اسی عذاب میں رہے گا۔ قرآن کریم کی دوسری آیتوں میں آیا ہے کہ کفار کے حق میں عذاب دم بدم زیادہ ہوتا رہے گا کما قال تعالیٰ ﴿زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ﴾۔

مگر جس نے کفر اور شرک اور معصیت سے توبہ کی یعنی اپنے کیے پر نادم اور شرمندہ ہوا اور آئندہ کے لیے عہد کیا کہ اب آئندہ کبھی ایسا نہیں کروں گا۔ اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آیا اور نیک کام کیے سب سے بڑا نیک کام یہ ہے کہ یہ عزم مصمم کرے کہ تاحیات شریعت پر عمل کروں گا۔ تو ایسے لوگوں کے لیے جہنم کا دائمی عذاب نہ ہوگا بلکہ اللہ تعالیٰ ان کی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دے گا جب اس نے اپنی برائیوں کو ندامت اور شرمساری سے بدلا تو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے اس کی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دیا اور ان کے عذاب کو ثواب سے بدل دیا۔ قیامت کے دن توبہ کرنے والے کو خدا کے فضل و رحمت سے ہر بدی کے بدلے نیکی ملے گی اور یہ مضمون متعدد احادیث سے ثابت ہے، یا بدل دینے کا مطلب یہ ہے کہ گناہوں کے بدلے نیکیوں کی توفیق عطا کرے گا اور گزشتہ گناہوں کو معاف کر دے گا یا یہ معنی ہیں کہ سچی توبہ کی برکت سے خدا تعالیٰ اس کا مزاج ہی بدل دیگا کہ بجائے گناہوں کے نیکیوں کی طرف دوڑنے لگے گا۔ جو نافرمان غلام جرم کے بعد اپنے کیے پر شرمسار ہو کر آقا کے قدموں پر جا گرے تو ساری ناراضی مبدل برضا و خوشنودی ہو جاتی ہے مگر شرط یہ ہے کہ وہ توبہ حقیقی توبہ ہو۔ سیاسی توبہ نہ ہو کہ محض زبان سے یہ کہے کہ میں اپنے الفاظ کو واپس لیتا ہوں اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے جس درجہ کی توبہ اور ندامت ہوگی اسی درجہ کی مغفرت اور رحمت ہوگی۔

ان آیات میں کافر کے گناہوں کا ذکر تھا جو اس نے بحالت کفر کیے اور پھر ایمان لے آیا اب آئندہ حالت اسلام میں گناہوں کا ذکر کرتے ہیں کہ جو حالت اسلام میں گناہ کر بیٹھے تو جب بھی توبہ کرے گا تو اللہ اس کے گناہوں کو معاف کر دے گا چنانچہ فرماتے ہیں اور جو بھی گناہوں سے توبہ کرے اور نیک کام کرے تو وہ بیشک رجوع ہوتا ہے اللہ کی طرف اچھا رجوع ہونا اور ظاہر ہے جو نور السموات والارض کی طرف رجوع کرے گا تو اس کی ظلمتیں مبدل بانوار ہو جائیں گی۔ گزشتہ آیات میں کافر کی توبہ کا ذکر تھا اور اس آیت میں مومن کی توبہ کا ذکر فرمایا۔ جس سے توبہ کا مضمون مکمل ہو گیا اور عباد رحمن کے اوصاف کا تتمہ ہو گیا کہ یہ خدا کے خاص بندے اگرچہ طاعات کے بجالانے والے اور معصیت سے بچنے والے ہیں لیکن اگر بمقتضائے بشریت ان سے گناہ سرزد ہو جاتا ہے تو توبہ کر لیتے ہیں اب آگے پھر انہی عباد رحمن کے اوصاف بیان کرتے ہیں۔

(۹) اور منجملہ ان کے اوصاف یہ ہیں کہ وہ لوگ جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔ یا یہ معنی ہیں کہ وہ کسی بیہودہ اور باطل اور خلاف شرع کام کی مجلس میں حاضر نہیں ہوتے۔ جیسے یہود اور نصاریٰ اور کافروں کی عیدوں میں یا ان کے میلوں میں یا ناچ گانے کی مجلسوں میں حاضر نہیں ہوتے۔ اور نہ کسی نوحہ اور ماتم کی مجلس کے قریب جاتے ہیں یعنی خود گناہ کرنا تو در کنار گناہ کی مجلس میں بھی شامل نہیں ہوتے۔ گناہ کو دیکھنا اور گناہ گاروں کو دیکھنا یہ بھی گناہ ہے جس طرح خلاف قانون کمیٹی میں شرکت ممنوع ہے اسی طرح خلاف شریعت مجلس میں بھی شرکت اور حاضری ممنوع ہے اور اگر اتفاقاً بلا قصد کسی لغو اور بیہودہ چیز کے پاس سے گزرتے ہیں تو کریمانہ انداز سے گزر جاتے ہیں تاکہ اس لغو و باطل کا میل کچیل یا اس کا گرد و غبار ان کے لباس تقویٰ کو آلودہ نہ کر دے۔ ایسی جگہ ٹھہرتے بھی نہیں اعراض کرتے ہوئے گزر جاتے ہیں۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ یعنی گناہ میں شامل نہیں ہوتے اور کھیل کی باتوں کی طرف دھیان نہیں کرتے نہ اس میں شامل نہ ان سے لڑیں (موضح القرآن) کما قال تعالیٰ ﴿وَإِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ أَعْرَضُوا عَنْهُ﴾۔

(۱۰) اور وہ بندگان حق وہ لوگ ہیں کہ جب ان کو ان کے پروردگار کے قرآن کی آیتوں سے نصیحت کی جاتی ہے تو وہ ان پر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گرتے یعنی غور و تدبر کے ساتھ ان کو سنتے ہیں اور ان کو سن کر روتے ہوئے سجدہ میں گر جاتے ہیں اندھے اور بہروں کی طرح نہیں سنتے کہ نہ یاد رکھیں اور نہ سمجھیں۔ برخلاف کافروں کے کہ ان پر آیات الٰہیہ کا کچھ اثر نہیں ہوتا بلکہ ان کے کفر اور طغیان اور سرکشی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ کافر تو اندھے اور بہروں کی طرح ہیں کہ گویا کہ انہوں نے آیات الٰہیہ کو نہ کچھ سنا اور نہ کچھ دیکھا اور نہ کچھ سمجھا اور عباد رحمن کا حال یہ ہے کہ آیات الٰہیہ کو خوب غور اور تامل سے سنتے ہیں اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کافروں کی طرح اندھے اور بہرے نہیں بلکہ آیات الٰہیہ کو گوش ہوش سے سنتے ہیں اور چشم بصیرت سے ان کے جلوہ کو دیکھتے ہیں۔

اور بعض علما نے آیت کا یہ مطلب بیان کیا کہ وہ آیتوں کو سن کر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گرتے یعنی ان کا گرنا بے سمجھے بوجھے نہیں ہوتا بلکہ ان کا سمجھنا اور بوجھنا ان کے گرنے کا باعث ہوا۔ وعظ و نصیحت نے ان کے دل میں جو اثر کیا اس کا منشا یہ تھا کہ انہوں اللہ کی باتوں کو خوب سمجھا مومن کو چاہیے کہ اپنے ہر کام میں بیداری اور بصیرت پر ہو۔

(۱۱) اور عباد رحمن کی ایک صفت یہ ہے کہ جب خود ان کو کمال حاصل ہو گیا تو اپنے متعلقین کی تکمیل کی فکر میں

پڑے کہ جو کمالات اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا کیے وہ ان کی ذات تک محدود نہ رہیں بلکہ وہ دوسروں تک بھی متعدی ہوں اس لئے وہ عباد رحمن یہ دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو ہماری بیبیوں کی طرف سے اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما یعنی ہم کو بیویاں اور اولاد نیک عطاء فرما جن کو دیکھ کر ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں، مؤمن کی آنکھوں کی ٹھنڈک یہ ہے کہ وہ اپنی بیوی اور اولاد کو اللہ کی طاعت میں دیکھے اللہ کی طاعت سے بڑھ کر کوئی چیز آنکھوں کی ٹھنڈک نہیں باقی دنیا کی تمام نعمتیں اور مسرتیں سب اس کے بعد ہیں۔

اور یہ دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ ہم کو پرہیزگاروں کا پیشوا بنادے یعنی ہم کو ایسا کامل متقی اور پرہیزگار بنادے کہ دوسرے لوگ نیکی اور تقویٰ میں ہماری پیروی کریں تاکہ ہمارا وجود دوسروں کی ہدایت کا ذریعہ بنے تاکہ تیری بارگاہ میں ہمارے درجے اور بلند ہوں۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ اے اللہ ہم کو اور ہمارے خاندان کو خود بھی ہدایت ہو اور دوسروں کے لئے ہم کو ہادی بنادے کہ مجھ کو اور میرے خاندان کو دیکھ کر لوگ تقویٰ اور طہارت میں پیروی کریں ہماری ہدایت ہماری ذات تک محدود نہ رہے بلکہ غیروں تک بھی پہنچے تاکہ تیری بارگاہ سے بیش از بیش اجر و انعام حاصل کرسکیں۔ صحیح مسلم میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب آدمی مرجاتا ہے تو اس کے اعمال منقطع ہوجاتے ہیں مگر تین چیزوں سے:

ایک فرزند صالح جو اس کے لئے دعا کرے، دوسرے علم کہ جس سے اس کی موت کے بعد نفع اٹھایا جاوے (جیسے تصنیف و تالیف) اور تیسرے صدقہ جاریہ (جیسے وقف اور مسجد اور مدرسہ دینیہ اور کنواں اور مسافر خانہ اور قرآن شریف اور دینی کتابیں) ان کا ثواب مرنے کے بعد بھی ملتا رہتا ہے۔

یہاں تک عباد رحمن کے اوصاف کو بیان کیا اب آگے ان کی حسن جزا اور درجات عالیہ کا ذکر فرماتے ہیں جو آخرت میں ان کو عطا ہوں گے۔ چنانچہ فرماتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن کو ارحم الراحمین کے فضل اور رحمت سے بہشت میں رہنے کے لئے بالاخانے عطا کیے جائیں گے بوجہ اس کے کہ وہ اللہ کے دین اور اس کی طاعت پر ثابت قدم رہے اس صبر کے صلہ میں ان کو عالی شان محل اور بالاخانے ملیں گے کہ ان لوگوں نے دنیا میں بڑا صبر کیا۔ طاعات کی مشقتوں پر اور شہوات کے چھوڑنے پر صبر و تحمل سے کام لیا۔ اس صبر کے صلہ میں ان کو جزا ملے گی اور پائیں گے وہ بہشت میں دعا زندگی اور سلامتی کو یعنی جنت میں بڑی تعظیم و تکریم کے ساتھ داخل ہوں گے فرشتے ان کا استقبال کریں گے اور ان کو دعا دیں گے اور سلام کریں گے۔ ﴿سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ﴾۔ یعنی فرشتے ان کو مبارکباد دیں گے اور سلام کریں گے اور ان کو لے کر جنت میں پہنچادیں گے اور بعض کہتے ہیں کہ تحیہ تعظیم دعا تو فرشتوں کی جانب سے ہوگا اور سلام حق تعالیٰ کی جانب سے ہوگا ہمیشہ اسی بہشت میں رہیں گے اور بلاشبہ نہایت عمدہ آرام گاہ اور قیامگاہ ہے اے نبی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان مشرکوں سے یہ کہہ دیجئے کہ عباد رحمن طاعت اور عبادات اور اعمال صالحہ کے سبب سے ان مراتب اور منازل تک پہنچے۔ میرا پروردگار تمہاری کیا پرواہ کرے گا اگر تم اس کی عبادت نہ کرو اور نہ اس سے دعا اور التجا کرو۔

پس جب تم کو خدا کی پرواہ نہیں تو خدا کو تمہاری کیا پرواہ ہے خدا سے لاپرواہی تکبر ہے جس پر سزا کا ملنا لازمی ہے۔ پس تم اس رسول کی تکذیب کرچکے ہو پس عنقریب یہ تکذیب تم کو وبال جان بن کر چمٹے گی خواہ اس دنیا میں جیسا کہ بدر وغیرہ میں تم کو

اس کی سزا ملے گی یا آخرت میں۔ اور وہ ظاہر ہے اور آخرت کی سزا سے تو کسی طرح چھٹکارا ہی نہ ہوگا ظاہر یہ ہے کہ "لزام" سے آخرت کا عذاب مراد ہے اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ منقول ہے کہ لزام سے دنیوی عذاب مراد ہے جیسا کہ بدر کے دن ستر سرداران قریش رسول اللہ ﷺ کے مقابلہ میں مارے گئے اور ذلت اور حقارت کے ساتھ بدر کے کنوئیں میں ڈال دیئے گئے۔

الحمد للہ کہ آج بروز سہ شنبہ ۱۴ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۳۹۱ھ بوقت اذان ظہر سورۂ فرقان کی تفسیر سے فراغت پائی۔

اے اللہ اپنی رحمت سے باقی تفسیر کے لکھنے کی بھی توفیق عطا فرما، آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد وعلیٰ الہ واصحاب اجمعین۔ وعلینا معھم یا ارحم الراحمین۔

سورۃ الشعرا

سورت شعرا مکی ہے اس میں دو سو ستائیس آیتیں اور گیارہ رکوع ہیں چونکہ اس سورت میں شعرا کا ذکر ہے اس لیے یہ سورت اسی نام سے موسوم ہوئی۔ شعرا کا ذکر اس لیے کیا تا کہ شعرا اور انبیا میں فرق ظاہر ہو جائے کہ نبی منبع ہدایت ہوتا ہے اور شاعر مصدر غلوات ہوتا ہے گزشتہ سورت کی طرح یہ سورت بھی مکی ہے۔ گزشتہ سورت میں مشرکین اور منکرین نبوت کے اعتراضات نقل کر کے ان کے جواب دیئے مشرکین کے اعتراضات اگرچہ جاہلانہ اور معاندانہ تھے مگر آنحضرت ﷺ کو بمقتضائے شفقت ورأفت انکے اس معاندانہ رویہ سے رنج اور صدمہ ہوتا آپ کی تمنا یہ تھی کہ کسی طرح یہ لوگ راہ راست پر آجائیں۔ اس لیے اس سورت کے شروع میں آنحضرت ﷺ کو تسلی دی گئی کہ اگر یہ لوگ ایمان نہ لائیں تو کیا آپ ﷺ اس غم اور صدمہ میں گھٹ گھٹ کر اپنے آپ کو ہلاک کر دیں گے۔ بعد ازاں آپ ﷺ کی تسلی کے لیے چند انبیا الوالعزم کا اور ان کی سرکش امتوں کا تذکرہ کیا اور بتلا دیا کہ ان سرکشوں کی اس قسم کی معاندانہ باتیں نئی باتیں نہیں۔ پہلے پیغمبروں کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوتا رہا ہے اسی لیے اس سورت کے شروع میں قرآن کریم کی حقانیت بیان کی اور آنحضرت ﷺ کو تسلی دی اور معاندین اور مستہزئین کی تہدید کے لیے انبیاء کرام علیہم السلام کے قصص اور مواعظ بلیغہ ذکر فرمائے۔

اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے شروع میں آپ کی نبوت و رسالت کے اثبات کے لئے حقانیت قرآن کا ذکر فرمایا جو آپ ﷺ کی نبوت کی سب سے روشن دلیل ہے اور پھر آپ ﷺ کی تسلی کے لیے اور منکرین نبوت کی تہدید کے لئے سات پیغمبروں کے قصے ذکر فرمائے پھر اخیر سورت میں قرآن کی حقانیت کا ذکر فرمایا کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جو بواسطۂ جبریل علیہ السلام آپ ﷺ کے قلب مبارک پر نازل ہوئی پھر اس کی حقانیت پر دلیل یہ بیان فرمائی کہ علما اہل کتاب اس کتاب اس کتاب کی حقیقت کو خوب اچھی طرح جانتے ہیں۔ ان کو معلوم ہے کہ اس کتاب کا ذکر زبر اولین اور صحائف انبیاء سابقین میں مذکور اور موجود ہے پھر قرآن کے عربی زبان میں نازل ہونے کی وجہ بیان فرمائی۔ پھر یہ بیان فرمایا کہ یہ قرآن وحی ربانی ہے نہ کہ القاء شیطانی اور اس کی دو وجہ بیان فرمائی ہیں۔ اول یہ کہ ملاء اعلیٰ تک جو محل نفاذ احکام الٰہیہ ہے شیاطین وہاں تک پہنچنے سے محروم ہیں۔ لہٰذا یہ قرآن نہ شعر ہے اور نہ سحر ہے اور نہ کہانت ہے بلکہ کلام الٰہی ہے جس کو خدا تعالیٰ نے نازل کیا ہے اور ایک روشن کتاب ہے جس سے حق اور باطل واضح

ہوتا ہے اور ہدایت خلق اور اصلاح اخلاق واعمال کے لئے نازل ہوئی اور شعر کو اور سحر کو ہدایت اور اصلاح اخلاق واعمال سے کیا تعلق؟

(۲۶) سورۃ الشعرآء مکیۃ (۴۷) بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ایاتھا ۲۲۸ رکوعاتھا ۱۱

طٰسٓمّٓ ① تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ② لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ③

یہ آیتیں ہیں کھلی کتاب کی ف۱ شاید تو گھونٹ مارے اپنی جان اس بات پر کہ وہ یقین نہیں کرتے ف۲

یہ آیتیں ہیں کھول سنائی کتاب کی۔ شاید تو گھونٹ مارے اپنی جان اس پر کہ وہ یقین نہیں کرتے۔

اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ ④ وَمَا يَاْتِيْهِمْ

اگر ہم چاہیں اتاریں ان پر آسمان سے ایک نشانی پھر رہ جائیں ان کی گردنیں اس کے آگے نیچی ف۳ اور نہیں پہنچتی

اگر ہم چاہیں اتار دیں ان پر آسمان سے ایک نشانی، پھر رہ جاویں ان کی گردنیں اس کے آگے نیچی۔ اور نہیں پہنچتی

مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِيْنَ ⑤ فَقَدْ كَذَّبُوْا فَسَيَاْتِيْهِمْ

ان کے پاس کوئی نصیحت رحمٰن سے نئی جس سے منہ نہیں موڑتے ف۴ سو یہ تو جھٹلا چکے اب پہنچے گی

ان پاس کوئی نصیحت رحمٰن سے نئی، جس سے منہ نہیں موڑتے۔ سو یہ جھٹلا چکے، اب پہنچے گی

اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ⑥ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ

ان پر حقیقت اس بات کی جس پر ٹھٹھے کرتے تھے ف۵ کیا نہیں دیکھتے وہ زمین کو کتنی اگائیں ہم نے اس میں ہر ایک قسم کی

ان پر حقیقت اس بات کی جس پر ٹھٹھے کرتے تھے۔ کیا نہیں دیکھتے زمین کو، کتنی اگائی ہم نے اس میں ہر بھانت بھانت

زَوْجٍ كَرِيْمٍ ⑦ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ⑧ وَاِنَّ رَبَّكَ

خاصی چیزیں اس میں البتہ نشانی ہے اور ان میں بہت لوگ نہیں ماننے والے ف۶ اور تیرا رب

چیزیں خاصی؟ اس میں البتہ نشان ہے۔ اور وہ بہت لوگ نہیں ماننے والے۔ اور تیرا رب

ف۱ یعنی اس کتاب کا اعجاز کھلا ہوا ہے۔ احکام واضح ہیں اور حق کو باطل سے الگ کرنے والی ہے۔

ف۲ یعنی ان بدبختوں کے غم میں اپنے کو اس قدر گھلانے کی ضرورت نہیں کیا ان کے پیچھے آپ اپنی جان کو ہلاک کر کے رہیں گے۔ دلسوزی اور شفقت کی بھی آخر ایک حد ہے۔

ف۳ یعنی یہ دنیا ابتلا کا گھر ہے جہاں بندوں کے انقیاد و تسلیم اور سرکشی کو آزمایا جاتا ہے۔ اسی لیے حکمت الٰہی مقتضی نہیں کہ ان کا اختیار بالکل سلب کر لیا جائے۔ ورنہ خدا چاہتا تو کوئی ایسا آسمانی نشان دکھلاتا کہ اس کے آگے زبردستی سب کی گردنیں جھک جاتیں۔ بڑے بڑے سرداروں کو بھی انکار و انحراف کی قدرت باقی نہ رہتی۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا تو نہیں کیا، ہاں وہ نشان بھیجے جنہیں دیکھ کر آدمی حق کو سمجھنا چاہے تو بآسانی سمجھ سکے۔ اور کبھی کبھی مغلوب ہو کر گردن جھکانے سے مفر بھی نہ ملے۔

ف۴ یعنی آپ جن کے غم میں پڑے ہیں ان کی حالت یہ ہے کہ رحمان اپنی رحمت و شفقت سے جب ان کی بھلائی کے لیے کوئی پند و نصیحت بھیجتا ہے یہ ادھر متوجہ نہیں ہوتے بلکہ منہ پھیر کر بھاگتے ہیں گویا کوئی بہت بری چیز سامنے آ گئی۔

ف۵ یعنی صرف معمولی اعراض ہی نہیں۔ تکذیب و استہزا بھی ہے سو عنقریب دنیا اور آخرت میں اپنی کرتوت کی سزا بھگتیں گے۔ تب اس چیز کی حقیقت کھلے گی جس کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔ =

لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝۹

وہی ہے زبردست رحم والا ف۱

وہی ہے زبردست رحم والا۔

ذکر حقانیت کتاب مبین وتہدید معاندین ومستہزئین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿طٰسٓمّٓ ۝۱ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ... الی ... وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ﴾

ربط:...... گزشتہ سورت کا آغاز حقانیت قرآن سے ہوا اور اختتام مکذبین کی وعید پر ہوا اسی طرح اس سورت کا آغاز حقانیت قرآن اور مکذبین کی وعید اور تہدید سے فرماتے ہیں طسم واللہ اعلم بمرادہ۔ یہ آیتیں ہیں روشن کتاب کی جس کا اعجاز اور سرچشمۂ ہدایت ہونا روز روشن کی طرح واضح ہے۔

اے نبی اگر یہ بدنصیب ایمان نہیں لاتے تو آپ ﷺ ان کے غم میں کیوں گھٹے جاتے ہیں بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید آپ اپنی جان کو اس گھٹن میں ہلاک کر دیں کہ یہ لوگ ایمان لانے والے کیوں نہیں بنتے جو شخص اپنے خویش و اقارب کو آگ میں گرتا ہوا دیکھے تو لامحالہ اس کا دل بے چین ہو جائیگا۔ اسی طرح اللہ کا نبی جب یہ دیکھتا کہ یہ لوگ کفر کر کے جہنم میں گر رہے ہیں تو بے اختیار دل پر صدمہ ہوتا تو آپ ﷺ کو تسلی کے لیے یہ آیتیں نازل ہوئیں کہ آپ ﷺ ان لوگوں کے ایمان نہ لانے سے رنجیدہ نہ ہوں۔ اللہ کا ارادہ اور اس کی مشیت یہ نہیں کہ سب ایمان لے آئیں۔ ﴿وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا﴾۔ لہٰذا آپ ﷺ اس حسرت میں اپنے آپ کو ہلاک نہ کریں۔ ﴿فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ﴾ ﴿فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا﴾ بیشک بمقتضائے شفقت ورحمت دل چاہتا ہے لیکن ایمان لانے پر مجبور کر دینا وہ آپ ﷺ کے اختیار میں نہیں وہ ہمارے اختیار میں ہے اگر ہم چاہیں تو ان پر آسمان سے اپنے جلال اور قہر کی کوئی نشانی اتار دیں پھر ان گردن کشوں کی گردنیں اس نشانی کے سامنے جھکی ہی رہیں۔ یعنی ان کو مان لیں اور اس سے گردنیں نہ پھیر سکیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر ہم چاہیں تو ایسی نشانی نازل کر دیں کہ اس کو دیکھ کر ایمان لانے پر مجبور ہو جائیں لیکن قضائے الٰہی جاری ہو چکی ہے کہ ایسی نشانی نازل نہیں کی جائے گی جو ایمان لانے پر مجبور کر دے، خلاصہ یہ کہ اللہ کی مشیت ان کے ایمان کے ساتھ متعلق نہیں ہوئی ہے۔ لہٰذا

= ف۶ یعنی یہ مکذبین اگر ایک پیش پا افتادہ زمین ہی کے احوال میں غور کرتے تو مبدأ و معاد کی معرفت حاصل کرنے کے لیے کافی ہو سکتی تھی۔ کیا دیکھتے نہیں کہ اسی کرکری اور حقیر مٹی سے کیسے عجیب وغریب رنگ برنگ پھول پھل اور قسم قسم کے غلے اور میوے ایک مضبوط نظام تکوین کے ماتحت پیدا ہوتے ہیں۔ کیا یہ اس کی دلیل نہیں کہ کسی لامحدود قوت وحکمت رکھنے والے صانع نے اس پر رونق چمن کی گلکاریاں کی ہیں جس کے قبضہ میں وجود کی باگ ہے اور وہی جب چاہے اسے ویران کر سکتا اور ویرانی کے بعد دوبارہ آباد کر سکتا ہے۔ پھر ان آیات تکوینیہ کو سمجھ لینے کے بعد آیات تنزیلیہ کی تصدیق میں کیا اشکال رہ جاتا ہے۔ ہاں ماننا ہی منظور نہ ہو تو الگ بات ہے۔

ف۱ یعنی زبردست تو ایسا ہے کہ نہ ماننے پر فوراً عذاب بھیج سکتا تھا، مگر رحم کھا کر تاخیر کرتا ہے کہ ممکن ہے اب بھی مان لیں۔ آگے عبرت کے لیے مکذبین کے چند واقعات بیان فرماتے ہیں جن سے ظاہر ہوگا کہ خدا نے ان کو کہاں تک ڈھیل دی، جب کسی طرح نہ مانے تو پھر کیسے تباہ و برباد کیا۔ ان میں پہلا قصہ قوم فرعون کا ہے جو پیشتر سورۂ "اعراف" اور سورۂ "طٰہٰ" وغیرہ میں بالتفصیل گزر چکا۔ وہاں کے فوائد ملاحظہ کر لیے جائیں۔

آپ ﷺ کا ان کے ایمان کی حرص اور طمع میں پڑنا بے سود ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ان کے عناد کا حال یہ ہے کہ ان کے پاس خدائے رحمن کی طرف سے جو بھی نئی نصیحت آتی ہے تو یہ معاندین اس سے منہ پھیرنے والے ہو جاتے ہیں سو ان کا یہ اعراض اور یہ روگردانی شبہ کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ تحقیق یہ لوگ قرآن کو اور رسول کو جھٹلا چکے ہیں اور اس کو کھیل اور تمسخر بنا چکے ہیں اور اپنی تکذیب پر مصر ہیں پس عنقریب ان کے پاس اس چیز کی حقیقت ان کے سامنے آجائے گی جس کی یہ ہنسی اڑایا کرتے تھے یعنی ان کو اپنے استہزا اور تمسخر کا نتیجہ معلوم ہو جائے گا اور اگر ان لوگوں کو خدا کی وحدانیت اور کمال عظمت وقدرت میں کوئی تردد ہے تو کیا ان ہنسی اڑانے والوں نے زمین کی طرف نظر نہیں کی کہ ہم نے محض اپنی قدرت سے ہر قسم کے عمدہ اور قابل قدر گھاس اگائے ہیں۔ کسی مادہ یا ایتھر میں یہ قوت نہیں کہ وہ زمین سے مختلف قسم کے گھاس اگا سکے یہ سب خداوند کریم کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ اس نے ان انواع واقسام کو پیدا کیا۔ بیشک زمین سے اس طرح اگانے میں اللہ کے کمال قدرت وحکمت کی بڑی عظیم الشان نشانی ہے جو ہر وقت ان کی نظروں کے سامنے ہے۔

اسی طرح سمجھو کہ خدا تعالیٰ کو قدرت ہے کہ تمہاری زمین قلب میں جو استہزا کا تخم موجود ہے، اللہ تعالیٰ اس خبیث تخم سے تمہارے لئے ذلت اور مصیبت کا کوئی درخت پیدا کر دے جیسے تخم کے مطابق زمین سے قسم قسم کی چیزیں ظاہر ہوتی ہیں اسی طرح ان کی زمین قلب سے ان کے عقائد اور اعمال کے مناسب نتائج ظاہر ہوتے ہیں اور خدا کی قدرت کی یہ نشانی نظروں سے مخفی نہیں ولیکن ان معاندین میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں اللہ کے علم میں وہ قطعی کافر ٹھہر چکے ہیں اور بیشک تیرا پروردگار بڑا غالب اور قاہر ہے وہ اس بات پر قادر ہے کہ کافروں پر کوئی بلا نازل کرے اور اپنے پیغمبروں کے دشمنوں سے انتقام لے اور وہ اپنے دوستوں پر بڑا مہربان ہے کہ باوجود بے سروسامانی کے ان کو عزت اور غلبہ دے لہٰذا جب حقیقت حال یہ ہے تو آپ ﷺ اللہ پر بھروسہ رکھیں اور کافروں کے کفر کو اللہ کی حکمت اور اس کی مشیت کے حوالہ کریں اور ان پر کچھ غم اور حسرت نہ کریں۔

اس کے بعد آپ کی تسلی کے لیے سات پیغمبروں کے قصے بیان کرتے ہیں کہ ان معاندین کا حال پہلی قوموں کے معاندین جیسا ہے ان کو کیسی ہی نشانیاں دکھلاؤ یہ لوگ ہرگز ایمان لانے والے نہیں لہٰذا آپ ﷺ ان کے ایمان نہ لانے سے رنجیدہ اور غمگین نہ ہوں۔

(۱) حضرت نوح علیہ السلام نہایت درجہ کے صاحب صبر وتحمل تھے۔

(۲) اور حضرت ابراہیم علیہ السلام صاحب جود وکرم تھے اور اللہ کے عشق اور محبت میں فنا تھے۔

(۳) اور حضرت داؤد علیہ السلام اصحاب شکر میں سے تھے کہ اللہ کی ظاہری اور باطنی اور دینی اور دنیاوی نعمتیں ان پر مبذول ہوئیں مگر باوجود اس کے وہ شکر خداوندی میں غرق رہے اور منعم حقیقی سے غافل نہ ہوئے۔

اور حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام اصحاب زہد میں سے تھے اور نفس اور شہوت پر غالب اور قاہر تھے اور دنیائے حلال سے بھی کنارہ کش تھے اور حضرت یوسف علیہ السلام شکر اور صبر دونوں کے جامع تھے۔ ضرّاء

میں صبر کیا اور سراء میں شکر کیا اور حضرت یونس علیہ السلام صاحب تضرع و تخشع تھے۔ بارگاہِ خداوندی میں گریہ وزاری اور توجہ اور مراقبہ اور ذکر و تسبیح ان کی خاص شان تھی۔

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام صاحب جاہ و جلال اور صاحب ہمت و شجاعت تھے بارگاہ خداوندی میں ان کو خاص وجاہت اور قرب خاص اور اختصاص حاصل تھا۔ اور حضرت ہارون علیہ السلام فصاحت و بلاغت کے ساتھ صاحب رفق ولین بھی تھے مزاج میں غایت درجہ نرمی تھی اور ہمارے نبی اکرم سرور عالم سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام فضائل وکمالات کے جامع تھے۔

فبلغ العلم فیہ انہ بشر وانہ خیر خلق اللہ کلھم

اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو معجزات عطاء فرمائے جوان کی نبوت کی دلیل بنے اور ان کی صداقت اور امانت کے شاہد اور گواہ بنے مگر انبیاء سابقین کے معجزات ان کی نفس نبوت کے علاوہ تھے جو ان کی نبوت کی دلیل اور برہان تھے اور ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے جو معجزات عطا کیے وہ بھی اکثر و بیشتر اسی قبیل سے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوائے نبوت کی دلیل اور برہان تھے مگر معجزہ قرآن (جس کے ذکر سے اس سورت کا آغاز ہوا) جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوا اور عین نبوت بھی تھا اور دلیل نبوت بھی تھا دیگر معجزات گزر گئے مگر معجزۂ قرآن اور علیٰ ہذا معجزۂ شریعت وہ تاہنوز اسی طرح باقی ہے اور قیامت تک باقی رہے گا۔

وَاِذْ نَادٰی رَبُّکَ مُوْسٰۤی اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ⑩ قَوْمَ فِرْعَوْنَ ؕ اَلَا یَتَّقُوْنَ ⑪ قَالَ

اور جب پکارا تیرے رب نے موسیٰ کو کہ جا اس قوم گناہ گار کے پاس قوم فرعون کے پاس، کیا وہ ڈرتے نہیں ف۱ بولا

اور جب پکارا تیرے رب نے موسیٰ کو، جا اس قوم گنہگار پاس۔ قوم فرعون پاس۔ کیا اس کو ڈر نہیں۔ بولا

رَبِّ اِنِّیْۤ اَخَافُ اَنْ یُّکَذِّبُوْنِ ⑫ وَیَضِیْقُ صَدْرِیْ وَلَا یَنْطَلِقُ لِسَانِیْ فَاَرْسِلْ اِلٰی

اے رب میں ڈرتا ہوں کہ مجھ کو جھٹلائیں اور رک جاتا ہے میرا جی اور نہیں چلتی ہے میری زبان سو پیغام دے

اے رب ! میں ڈرتا ہوں کہ مجھ کو جھٹلادیں۔ اور رک جاتا ہے میرا جی، اور نہیں چلتی میری زبان، سو پیغام دے

هٰرُوْنَ ⑬ وَلَهُمْ عَلَیَّ ذَنْۢبٌ فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ ⑭ قَالَ كَلَّا ۚ فَاذْهَبَا بِاٰیٰتِنَاۤ اِنَّا

ہارون کو ف۲ اور ان کو مجھ پر ہے ایک گناہ کا دعویٰ ف۳ سو ڈرتا ہوں کہ مجھ کو مار ڈالیں ف۴ فرمایا کبھی نہیں تم دونوں جاؤ لے کر ہماری نشانیاں ہم

ہارون کو۔ اور ان کو مجھ پر ہے ایک گناہ کا دعویٰ سو ڈرتا ہوں کہ مجھ کو مار ڈالیں۔ فرمایا کوئی نہیں ! تم دونوں جاؤ لے کر ہماری نشانیاں، ہم

ف۱ تم جا کر انھیں خدا کے غصہ سے ڈراؤ۔

ف۲ یعنی پوری بات سننے سے پہلے یہ جھٹلانا شروع کر دیں گے اور مجلس میں کوئی تائید کرنے والا نہ ہوگا ممکن ہے اس وقت ملول اور حزین ہو کر طبیعت رک جائے، دل نہ کھلے، اور زبان میں کچھ لکنت پہلے ہی سے ہے۔ تنگدل ہو کر بولنے میں زیادہ رکاوٹ پیدا نہ ہو جائے اس لیے میری تقویت و تائید کے لیے اگر ہارون کو جو مجھ سے زیادہ فصیح اللسان ہیں، میرا شریک حال کر دیا جائے تو بڑی مہربانی ہو۔

ف۳ یعنی ایک قبطی کے خون کا دعویٰ جس کی تفصیل سورۂ قصص میں آئے گی۔

ف۴ یعنی دعوت و تبلیغ سے پہلے ہی میرا کام تمام نہ کر دیں کہ یہ وہ ہی شخص ہے جو ہمارے آدمی کا خون کر کے بھاگا تھا۔ ایسی صورت میں فرض تبلیغ کس طرح ادا ہوگا۔

مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ ﴿۱۵﴾ فَاْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَاۤ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶﴾ اَنْ اَرْسِلْ

ساتھ تمہارے سنتے ہیں ف۱ سو جاؤ فرعون کے پاس اور کہو ہم پیغام لے کر آئے ہیں پروردگار عالم کا، یہ کہ بھیج دے ہمارے

ساتھ تمہارے سنتے ہیں۔ سو جاؤ فرعون پاس اور کہو، ہم پیغام لائے ہیں جہان کے صاحب کا۔ کہ چلادے ہمارے

مَعَنَا بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۷﴾ قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا وَّلَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ

ساتھ بنی اسرائیل کو ف۲ بولا کیا نہیں پالا ہم نے تجھ کو اپنے اندر لڑکا سا ف۳ اور رہا تو ہم میں اپنی عمر میں

ساتھ بنی اسرائیل کو۔ بولا، ہم نے پالا نہیں تجھ کو اپنے اندر لڑکا سا؟ اور رہا تو ہم میں اپنی عمر میں سے

سِنِيْنَ ﴿۱۸﴾ وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِيْ فَعَلْتَ وَاَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹﴾ قَالَ فَعَلْتُهَاۤ اِذًا وَّاَنَا

کئی برس تک ف۴ اور کر گیا تو اپنی وہ کرتوت جو کر گیا ف۵ اور تو ہے ناشکر ف۶ کہا کیا تو تھا میں نے وہ کام اور میں

کئی برس۔ اور کر گیا تو اپنا وہ کام جو کر گیا، اور تو ہے ناشکر۔ کہا، کیا تو ہے میں نے وہ اور میں

مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۲۰﴾ فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِيْ رَبِّيْ حُكْمًا وَّجَعَلَنِيْ مِنَ

تھا چوکنے والا ف۷ پھر بھاگا میں تم سے جب تمہارا ڈر دیکھا پھر بخشا مجھ کو میرے رب نے حکم اور ٹھہرایا مجھ کو

تھا چوکنے والا۔ پھر بھاگا میں تم سے، جب تمہارا ڈر دیکھا، پھر بخشا مجھ کو میرے رب نے حکم، اور ٹھہرایا مجھ کو

الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۱﴾ وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۲۲﴾

پیغام پہنچانے والا ف۸ اور کیا وہ احسان ہے جو تو مجھ پر رکھتا ہے کہ غلام بنایا تو نے بنی اسرائیل کو ف۹

پیغام پہنچانے والا۔ اور وہ احسان ہے جو تو مجھ پر رکھے غلام کر لیے تو نے بنی اسرائیل۔

ف۱ یعنی کیا مجال ہے کہ ہاتھ لگا سکیں۔ جاؤ اپنی استدعا کے موافق ہارون کو بھی ساتھ لو اور ہمارے دیے ہوئے معجزات ونشانات لے کر وہاں پہنچو۔ ان نشانات کے ساتھ ہوتے ہوئے تم کو کیا ڈر، اور نشان کیا ہم خود ہر موقع پر تمہارے ساتھ ہیں اور فریقین کی گفتگو سن رہے ہیں۔

ف۲ "بنی اسرائیل" کا وطن حضرت ابراہیم کے زمانہ سے ملک شام تھا۔ حضرت یوسف کے سبب سے مصر میں آ رہے، وہاں ایک مدت گزری۔ اب ان کو حق تعالیٰ نے ملک شام دینا چاہا۔ فرعون ان کو نہ چھوڑتا تھا کیونکہ ان سے غلاموں کی طرح بیگار میں کام لیتا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کی آزادی کا مطالبہ فرمایا۔

ف۳ یعنی تو وہی نہیں جس کو ہم نے اپنے گھر میں بڑے ناز ونعم سے پالا پوسا اور پرورش کر کے اتنا بڑا کیا۔ اب تیرا یہ دماغ ہو گیا کہ ہم ہی سے مطالبات کرتا اور اپنی بزرگی منواتا۔

ف۴ اتنے برسوں تک کبھی یہ دعوے نہ کیے، اب یہاں سے نکلتے ہی رسول بن گئے۔

ف۵ یعنی جو کرتوت کر کے بھاگا تھا (قبطی کا خون) اسے ہم بھولے نہیں۔

ف۶ یعنی ہمارے سب احسانات بھلا کر لگا پیغمبری کے دعوے کرنے اس وقت تو بھی (العیاذ باللہ) ان ہی میں کا ایک تھا جن کو آج کافر بتلاتا ہے۔

ف۷ یعنی قبطی کا خون میں نے دانستہ نہیں کیا تھا۔ غلطی سے ایسا ہو گیا مجھے کیا خبر تھی کہ ایک مکا مارنے میں جو تادیب کے لیے تھا اس کا دم نکل جائے گا ﴿فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ﴾ (قصص، رکوع ۲)

ف۸ یعنی بیشک میں خوف کھا کر یہاں سے بھاگا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ مجھے نبوت وحکمت عطا فرمائے۔ اس نے اپنے فضل سے مجھے سرفراز کیا اور رسول بنا کر تمہاری طرف بھیجا۔ یہ بجائے خود میری صداقت کی دلیل ہے کہ جو شخص تم سے خوف کھا کر بھاگا ہو، پھر اس طرح بے خوف وخطر تنہا تمہارے سامنے آ کر ڈٹ جائے۔ =

قصہ: اول حضرت موسیٰ علیہ السلام

قَالَ اللهُ تَعَالٰى: ﴿وَاِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰٓى اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ... الى ... اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ﴾

یہاں سے حضرات انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے قصے ذکر کرتے ہیں سب سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور قوم فرعون کا قصہ ذکر کرتے ہیں۔ جو مختلف مضامین پر مشتمل ہے مثلاً اثبات الوہیت و ربوبیتِ خداوندی اور اثباتِ نبوت و رسالتِ موسوی اور پھر اہل ایمان کی عجیب طریقے سے نجات اور کفار کی عبرتناک ہلاکت کے بیان پر مشتمل ہے۔

ذکر عطائے منصب نبوت ورسالت وحکمِ تبلیغ ودعوت

یہ قصہ اگرچہ سورۂ اعراف اور سورۂ طٰہٰ میں بالتفصیل گزر چکا ہے لیکن یہاں پر ایک نئی شان سے اس قصہ کو ذکر فرماتے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی ان مستہزئین کی تہدید اور عبرت کے لیے اس وقت کا قصہ ذکر کیجئے جبکہ تیرے پروردگار نے موسیٰ علیہ السلام کو پکارا اور یہ حکم دیا کہ اے موسیٰ ظالم قوم فرعون کے پاس جا۔ جنہوں نے کفر کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور خدا کے ماننے والوں یعنی بنی اسرائیل کو غلام یا جن کا جرم صرف اتنا تھا کہ وہ خدا کو کیوں مانتے ہیں اور پیغمبروں کے حکم پر کیوں چلتے ہیں کیا یہ ظالم اللہ کے عذاب سے ڈرتے نہیں۔ اس لیے اے موسیٰ علیہ السلام تم کو ان کی طرف بھیجا جاتا ہے کہ تم جا کر ان کو حق کی دعوت دو اور اللہ کے عذاب سے ان کو ڈراؤ۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار یہ ظالم تو کیا ڈرتے اے میرے رب تحقیق میں ڈرتا ہوں کہ یہ لوگ مجھ کو جھٹلائیں اور یہ کہیں کہ ہم تو رب العالمین ہی کے قائل نہیں اس کے لیے کسی رسول اور پیغمبر کے کیسے قائل ہو سکتے ہیں اور طبعی طور پر میرا سینہ گھٹا جاتا ہے کہ ایسے سنگدلوں کو اللہ کا پیغام کس طرح پہنچاؤں اور علاوہ ازیں میری زبان بھی اچھی طرح نہیں چلتی اس میں کچھ لکنت ہے اور میرا بھائی ہارون مجھ سے زیادہ فصیح اللسان ہے پس آپ بذریعۂ جبرئیل علیہ السلام نبوت ورسالت کا پیغام ہارون کے پاس بھیج دیجئے اور ان کو میرا وزیر بنا دیجئے۔ تاکہ وہ تبلیغ رسالت میں مری مدد کریں اور علاوہ ازیں میرے خوف کی ایک وجہ یہ بھی ہے انکا مجھ پر ایک گناہ کا دعویٰ ہے میں نے ان کے ایک آدمی کو مار ڈالا ہے جس کا قصہ سورۂ قصص میں آئیگا سو اس لیے مجھ کو اندیشہ ہے کہ وہ تبلیغ رسالت سے پہلے ہی مجھ کو اس قبطی کے عوض میں قتل نہ کر ڈالیں ایسی حالت میں کس طرح تیرا پیغام پہنچاؤں گا۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے جواب میں فرمایا یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ کوئی تم کو قتل کر ڈالے لہٰذا تم ہرگز نہ ڈرو۔ پس تم دونوں ہماری نشانیوں کو ساتھ لیکر فرعون کے پاس جاؤ۔ نشانیوں سے وہ معجزات مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا کیے تھے جیسے عصا اور ید بیضا کہ جو موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کی دلیل اور صداقت کے نشان تھے پس ان نشانات کو لیکر بے خوف وخطر تم روانہ ہو جاؤ بیشک ہم اپنے لطف وعنایت وحمایت وحفاظت سے تمہارے ساتھ ہیں اور جو بات تمہارے اور فرعون کے درمیان میں ہوگی وہ ہم سے پوشیدہ نہ ہوگی ہم

=ف۹ یعنی بچپن میں میری پرورش کا احسان جتلانا تجھے زیب نہیں دیتا کیا ایک اسرائیلی بچہ کی تربیت سے اس کا جواب ہو سکتا ہے کہ تو نے اس کی ساری قوم کو غلام بنا رکھا ہے۔ بالخصوص جبکہ اس بچہ کی تربیت بھی خود تیرے زہرہ گداز مظالم کے سلسلہ ہی میں وقوع پذیر ہوئی ہو۔ نہ تو "بنی اسرائیل" کے بچوں کو ذبح کرتا، نہ خوف کی وجہ سے میری والدہ تابوت میں رکھ کر مجھے دریا میں چھوڑتی، نہ تیرے محل سرا تک رسائی ہوتی، ان حالات کا تصور کر کے تجھ کو ایسا احسان جتلاتے ہوئے شرمانا چاہیے اور صاف بات یہ ہے کہ جس پروردگار نے تجھ جیسے دشمن کے گھر میں میری پرورش کرائی اسی نے آج تیری خیر خواہی کے لیے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے۔

اس کے خوب سننے والے ہیں جو تم کہو گے وہ بھی سنیں گے اور جو وہ کہے گا وہ بھی سنیں گے۔ پس تم دونوں بے خوف وخطر فرعون کے پاس جاؤ اور اس کے سوالات سے مت گھبراؤ اور اس سے کہو کہ ہم دونوں رب العالمین کے رسول اور پیغمبر ہیں اس کا پیغام لیکر تیرے پاس آئے ہیں۔ لہٰذا سب سے پہلے تو رب العالمین کی ربوبیت پر اور اس کے رسولوں کی رسالت پر ایمان لا اور بعد ازاں بنی اسرائیل کو کہ جو رب العالمین کی ربوبیت اور اس کے رسولوں کی رسالت پر ایمان لائے ہوئے ہیں اور محض اس ایمان کی وجہ سے تو نے ان کو اپنے ظلم وستم کا تختہ مشق بنایا ہوا ہے اس ظلم سے باز آجا اور ان سے دست بردار ہو جا اور ان کو ہمارے ساتھ بھیج دے تاکہ وہ اپنے آبائی اور جدی مقام یعنی سرزمین شام میں چلے جاویں۔

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا پیغام لیکر فرعون کے پاس گئے تو ایک سال تک فرعون کے دربار میں ان کو رسائی نہ ہوئی آخر فرعون کے دربار میں ایک سال کے بعد آپ کو رسائی ہوئی۔ دربان نے فرعون سے جا کر کہا کہ یہاں ایک انسان ہے وہ یہ کہتا ہے کہ وہ رب العالمین کا رسول ہے۔ فرعون نے کہا کہ اچھا اس کو اندر آنے کی اجازت دیدو۔ کچھ ہنسی اور دل لگی کرنے لگے چنانچہ موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام دونوں اندر داخل ہوئے اور اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا۔ دیکھو تفسیر قرطبی: ۱۳/ ۹۴۔

موسیٰ علیہ السلام نے چونکہ فرعون کے گھر میں پرورش پائی تھی اس لیے دیکھ کر ان کو پہچان لیا اور بچشم حقارت ان کی طرف نظر کر کے بولا کیا ہم نے تجھ کو اپنے گھر میں نہیں پالا۔ درآنحالیکہ تو ایک نومولود بچہ تھا اور تو نے اپنی عمر کے سالہا سال ہم میں گزارے ہیں۔ اٹھارہ یا بیس سال۔ اور پھر تو نے وہ کردار کیا جو تو نے کیا یعنی جو تجھے معلوم ہے مطلب یہ تھا کہ تو نے ہمارے گھر میں پرورش پائی اور جوان ہوا اور پھر اس احسان کے بدلہ میں ہماری قوم کے ایک آدمی یعنی قبطی کو مار ڈالا اور احسان فراموشی کی اور تو ہماری نعمت کی ناشکری کرنے والوں میں سے ہے۔ اب تو ہمارے احسانات کو بھلا کر پیغمبری کا دعویٰ کرنے لگا ہے اور چاہتا ہے کہ ہم تجھ پر ایمان لے آئیں اور تیرے تابع اور فرمانبردار بن جائیں۔ فرعون نے اول موسیٰ علیہ السلام کو اپنا احسان یاد دلایا تاکہ وہ شرمائیں اور بعد ازاں انکا ایک جرم یعنی قبطی کو قتل کرنے کا واقعہ یاد دلایا تاکہ ڈریں اور گھبرائیں کہ میں فرعون کا مجرم بھی ہوں اور ممنون احسان بھی ہوں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی دوسری بات کا پہلے جواب دیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی اس ناسپاسی کے الزام میں کہا کہ بیشک میں نے وہ کام کیا اور میں اس وقت غلطی کرنے والوں میں سے تھا۔ یعنی میں نے اس قبطی کو قصداً قتل نہیں کیا۔ تنبیہ اور تادیب کی غرض سے اس کے ایک مکا مارا تھا جس سے دفعۃً وہ مر گیا مجھے یہ وہم وگمان بھی نہ تھا کہ وہ ہٹا کٹا ایک مکا لگتے ہی مر جائیگا وہ کام مجھ سے نادانستہ ہو گیا جان بوجھ کر میں نے نہیں کیا مجھے کیا خبر تھی کہ ایک مکا مارنے سے ایک دم اس کا دم نکل جائیگا۔ کما قال تعالیٰ ﴿فَوَكَزَهُ مُوسَىٰ فَقَضَىٰ عَلَيْهِ﴾۔

پس جب میں تمہارے ظلم وستم سے ڈرا تو تم میں سے بھاگ نکلا اور مدین چلا گیا حالانکہ جو فعل مجھ سے نادانستہ طور پر ہو گیا تھا وہ اس درجہ کا نہ تھا کہ اس سے ڈر کر بھاگا جائے لیکن تمہارے ظلم وستم اور جوش عداوت اور بے عقلی نے مجھ کو بھاگنے

پر مجبور کر دیا پس اللہ تعالیٰ نے مجھ کو تم ظالموں سے نجات دی۔ اللہ کا ایک انعام تو یہ ہوا اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھ پر دوسرا انعام یہ فرمایا کہ میرے پروردگار نے مجھ کو خاص علم وحکمت اور خاص فہم وفراست عطا کیا اور مجھ کو پیغمبروں میں سے بنایا کہ رب العالمین کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچاؤں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو علم وحکمت دیکر اور رسول بنا کر بندوں کی ہدایت کے لیے بھیجا اگر تو نے مانا تو سلامت رہے گا ورنہ ہلاک ہوگا۔

فرعون کے دوسرے الزام کا جواب

فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کا احسان جتلایا تھا۔ ﴿اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا﴾۔ اس کا جواب تو موسیٰ علیہ السلام نے وہ دیا کہ جو گزر گیا اب اس کے دوسرے الزام کا جواب دیتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور وہ تربیت اور پرورش جس کا تو ذکر کرتا ہے اور گمان کرتا ہے کہ وہ نعمت ہے اور نعمت کا احسان مجھ پر رکھتا ہے اس کو جتلا رہا ہے وہ درحقیقت نعمت اور احسان نہیں اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنایا اور ان کی نرینہ اولاد کو ذبح کرنے کا حکم دیا اس خوف سے میری ماں نے مجھ کو تابوت میں بند کر کے دریا میں ڈال دیا جو اتفاق سے تجھ تک پہنچ گیا اور تو نے مجھ کو لیکر اور بیٹا بنا کر پال لیا اس طرح کئی سال میں تیری پرورش میں رہا۔ تو اس تربیت کی اصل علت تیرا ظلم وستم اور شقاوت اور قساوت ہے اگر بنی اسرائیل کے بچوں کے ذبح کا حکم نہ دیتا تو میری ماں مجھ کو تابوت میں بند کر کے دریا میں نہ ڈالتی اور مجھے تیری پرورش کی ضرورت نہ ہوتی تمام بنی اسرائیل پر تیرا یہ بے مثال ظلم وستم ہے جو میری ولادت سے بھی مقدم ہے لہٰذا ایک فرد واحد کی تربیت پوری قوم کی عبدیت کے جواز کی کیسے دلیل بن سکتی ہے۔ تو نے مجھ کو اپنا بیٹا بنا کر میری پرورش تو بعد میں کی اور میری قوم کو میری پیدائش سے پہلے ہی غلام بنا چکا تھا، جس رب العالمین نے مجھ کو تیرے زہرہ گداز مظالم سے بچا کر تیرے ہی گھر میں میری پرورش کرائی ہے اسی رب العالمین نے مجھ کو تیری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے۔

در بہ بست و دشمن اندر خانہ بود   قصۂ فرعون زیں افسانہ بود

اور اسی رب العالمین کی طرف سے جو پیغام ہدایت لے کر تیرے پاس آیا ہوں وہ تیری روحانی تربیت بلکہ روحانی حیات اور دائمی زندگی کا سامان ہے جس کے سامنے وہ چند روز تربیت جس کا تو مجھ پر احسان جتلا رہا ہے۔ سچ ہے تو مردہ ہے میں تیرے لیے ہدایت کا تریاق لیکر آیا ہوں ایک گھونٹ پی لے زندہ ہو جائیگا۔

تو نے مجھے اپنا بیٹا بنا کر میری پرورش کی۔ مجھے تو تو نے چھوڑ دیا اور میرے سوا ساری قوم کو غلام بنالیا تو کیا اسی طرح کی اس چند روزہ پرورش سے میری نبوت ورسالت کو دفع کرنا چاہتا ہے میں نے اگر تیری چند روزہ نعمت تربیت کا کفران کیا ہے تو تو رب العالمین کی بیشمار نعمتوں کے کفران میں مبتلا ہے اور جس رب العالمین نے تجھ کو اور تیرے آباؤ اجداد کو پیدا کیا ہی تو تو اسی رب العالمین کا کافر اور منکر بنا ہوا ہے اور جس رب العالمین نے تیری روحانی تربیت اور ہدایت کے لیے رسول بھیجا ہے تو تو اسکی ہی تکذیب اور کفر پر تلا ہوا ہے اور رب العالمین نے جو مجھے آب حیات دے کر بھیجا ہے تو اس کا ایک گھونٹ بھی پینے کے لیے تیار نہیں کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی کفران نعمت ہو سکتا ہے۔

قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۲۳ قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ اِنْ

بولا فرعون کیا معنی پروردگار عالم کا ف۱ کہا پروردگار آسمان اور زمین کا اور جو کچھ ان کے بیچ میں ہے اگر

بولا فرعون، کیا معنی جہان کا صاحب ؟ کہا، صاحب آسمان و زمین کا، اور جو ان کے بیچ ہے۔ اگر

كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ۝۲۴ قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗٓ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ ۝۲۵ قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَاۗىِٕكُمُ

تم یقین کرو ف۲ بولا اپنے گرد والوں سے کیا تم نہیں سنتے ہو ف۳ کہا پروردگار تمہارا اور پروردگار تمہارے اگلے باپ

تم یقین کرو۔ بولا اپنے گرد والوں سے، تم نہیں سنتے ہو ؟ کہا، صاحب تمہارا، اور صاحب تمہارے اگلے باپ

الْاَوَّلِيْنَ ۝۲۶ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْٓ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ۝۲۷ قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ

دادوں کا ف۴ بولا تمہارا پیغام لانے والا جو تمہاری طرف بھیجا گیا ضرور باؤلا ہے ف۵ کہا پروردگار مشرق کا

دادوں کا۔ بولا تمہارا پیغام والا، جو تمہاری طرف بھیجا ہے، سو باؤلا ہے۔ کہا، رب مشرق

وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝۲۸ قَالَ لَىِٕنِ اتَّخَذْتَ اِلٰــهًا غَيْرِيْ

اور مغرب کا اور کچھ ان کے بیچ میں ہے اگر تم سمجھ رکھتے ہو ف۶ بولا اگر تو نے ٹھہرایا کوئی اور حاکم

اور مغرب کا، اور جو ان کے بیچ ہے۔ اگر تم بوجھ رکھتے ہو۔ بولا، اگر تو نے ٹھہرایا کوئی اور حاکم

ف۱ یعنی موسیٰ علیہ السلام نے ﴿فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ کے امتثال میں اپنے کو "رب العالمین" کا پیغمبر کہا، اس پر فرعون جحود، تعنت اور ہٹ دھرمی کی راہ سے بولا کہ (العیاذ باللہ) رب العالمین کیا چیز ہوتی ہے، میری موجودگی میں کسی اور رب کا نام لینا کیا معنی رکھتا ہے کیونکہ اس شقی ازلی کا دعویٰ تو اپنی قوم کے روبرو یہ تھا ﴿مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ﴾ (میں اپنے سوا تمہارے لیے کوئی معبود نہیں سمجھتا) اور ﴿اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى﴾ (تمہارا بڑا پروردگار میں ہوں) چنانچہ اس کی قوم کے لوگ بعض تو انتہائی جہل و بلادت سے اور بعض خوف یا طمع سے اسی کی پرستش کرتے تھے۔ گو دل میں اس ملعون کو بھی خدا کی ہستی کا یقین تھا۔ جیسا کہ ﴿قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَاۗءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَاۗىِٕرَ﴾ (بنی اسرائیل، رکوع ۱۲) سے ظاہر ہوتا ہے۔

ف۲ یعنی آسمان و زمین کی سب چیزیں جس کے زیر تربیت ہیں وہ ہی رب العالمین ہے۔ اگر تمہارے قلوب میں کسی چیز پر بھی یقین لانے کی استعداد موجود ہو تو فطرت انسانی سب سے پہلے اس چیز کا یقین دلانے کے لیے کافی ہے۔

ف۳ فرعون جان بوجھ کر بات کو رلانا چاہتا تھا۔ اپنے حوالی موالی کو ابھارنے اور موسیٰ علیہ السلام کی بات کو خفیف کرنے کے لیے کہنے لگا، سنتے ہو، موسیٰ کیسی دور از کار باتیں کر رہے ہیں۔ کیا تم میں کوئی تصدیق کرے گا کہ میرے سوا آسمان و زمین میں کوئی اور رب ہے؟

ف۴ یعنی او احمق! میں جس رب العالمین کا ذکر کر رہا ہوں، وہ ہے جس نے خود تم کو اور تمہارے باپ دادوں کو پیدا کیا۔ اور جب تمہارا بیج بھی نہ تھا اس وقت زمین و آسمان کی تربیت و تدبیر کر رہا تھا۔

ف۵ یعنی (العیاذ باللہ) کس دیوانہ کو رسول بنا کر بھیجا ہے، جو ہماری اور ہمارے باپ دادوں کی خبر لیتا ہے۔ اور ہماری شوکت و حشمت کو دیکھ کر ذرا نہیں جھجکتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا دماغ عقل سے بالکل خالی ہے۔

ف۶ حضرت موسیٰ نے پھر ایک بات کہی جس طرح کی حضرت ابراہیم نے نمرود کے سامنے آخر میں کہی تھی۔ یعنی رب العالمین وہ ہے جو مشرق و مغرب کا مالک اور تمام سیارات کے طلوع و غروب کی تدبیر ایک محکم و مضبوط نظام کے موافق کرنے والا ہے۔ اور تم میں ذرا بھی عقل ہو تو بتلا سکتے ہو کہ اس عظیم الشان نظام کا قائم رکھنے والا بجز خدا کے کون ہو سکتا ہے۔ کیا کسی کو قدرت ہے کہ اس کے قائم کیے ہوئے نظام کو ایک سیکنڈ کے لیے توڑ دے یا بدل ڈالے۔ یہ آخری بات سن کر فرعون بالکل مبہوت ہو گیا اور بحث و جدال سے گزر کر دھمکیوں پر اتر آیا۔ جیسا کہ آگے آتا ہے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ "حضرت موسیٰ ایک بات کہے جاتے تھے اللہ کی قدرتیں بتانے کو اور فرعون بیچ میں اپنے سرداروں کو ابھارتا تھا کہ ان کو یقین نہ آ جائے۔"

لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ﴿۲۹﴾ قَالَ اَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۰﴾ قَالَ فَأْتِ بِهٖٓ اِنْ

میرے سوا تو مقرر ڈالوں گا تجھ کو قید میں ف۱ کہا اور اگر لے کر آیا ہوں تیرے پاس ایک چیز کھول دینے والے ف۲ بولا تو وہ چیز لا اگر

میرے سوا، تو مقرر کر ڈالوں گا تجھ کو قید میں۔ کہا، اور جو لایا ہوں تیرے پاس ایک چیز کھول دینے والی ؟ بولا، تو وہ چیز لا اگر

كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۳۱﴾ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿۳۲﴾ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ

تو سچ کہتا ہے پھر ڈال دیا اپنا عصا، سو اسی وقت وہ اژدہا ہوگیا صریح اور اندر سے نکالا اپنا ہاتھ، سو

تو سچ کہتا ہے۔ پھر ڈال دی اپنی لاٹھی، تو اسی وقت وہ ناگ ہوگئی صریح۔ اور اندر سے نکالا اپنا ہاتھ، تو

بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۳۳﴾

اسی وقت وہ سفید تھا دیکھنے والوں کے سامنے۔

اسی وقت چٹا ہے دیکھنے والوں کے سامنے۔

ع ۲/۷

مکالمۂ موسیٰ علیہ السلام با فرعون

دربارۂ ربوبیت خداوندِ کون

قَالَ اللہُ تَعَالٰی : ﴿قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ... الی ... فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ﴾

فرعون اس گفتگو میں ذلیل وخوار ہوا تو اس نے موسیٰ علیہ السلام کے اس قول ﴿اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾۔ یعنی ہم دونوں اللہ رب العالمین کے پیغمبر ہیں یعنی ان کے دعوائے نبوت پر اعتراض شروع کیا۔ اور اللہ رب العالمین کی ربوبیت میں جھگڑا لگانے لگا چنانچہ فرعون بولا اچھا بتاؤ کہ وہ رب العالمین جس کے رسول ہونے کا تو مدعی ہے وہ کیا چیز ہے وہ کون ہے اور کیا ہے تمہارا دعویٰ یہ ہے کہ ہم رب العالمین کے رسول مرسل ہیں یعنی اس کے فرستادہ ہیں لہٰذا تم کو چاہیئے کہ اول اپنے مُرسِل (بھیجنے والے پروردگار) کو بتلاؤ کہ وہ کون ہے اور کیا چیز ہے چونکہ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو رب العالمین کی عبادت اور اطاعت کی طرف بلایا اس لیے اس لعین نے پہلے رب العالمین کے متعلق سوال شروع کیا کہ اول تو تم اس کی الوہیت اور ربوبیت کو ثابت کرو تمہاری نبوت اور رسالت کے بارہ میں تو بعد میں غور کیا جائیگا۔

فرعون دہری تھا سرے سے خدا کے وجود کا منکر تھا وہ یہ کہتا تھا۔ ﴿مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ﴾۔ میں اپنے سوا تمہارے لیے کوئی معبود نہیں جانتا اور ﴿اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى﴾ میں ہی تمہارا سب سے بڑا پروردگار ہوں۔ تمام ملک کے باشندے میرے محتاج ہیں لہٰذا میں ہی تمہارا خدا ہوں۔ فرعون دہری (منکر خدا) تھا کسی خدا اور خالق کا قائل نہ تھا اس احمق نے خدا کے معنی یہ سمجھ رکھے تھے۔ کہ لوگ جس کے محتاج ہوں وہی انکا خدا ہے جاہلوں کو یہ باور کرایا کہ ملک کا جو بادشاہ اور

ف۱ اس مرتبہ فرعون نے اپنا مطلب صاف کہہ دیا کہ یہاں "مصر" میں کوئی اور خدا نہیں۔ اگر میرے سوا کسی اور معبود کی حکومت مانی تو یاد رکھو قید خانہ تیار ہے۔

ف۲ یعنی فیصلہ میں ابھی جلدی نہ کر۔ یہ تو تیری باتوں کا جواب تھا اب ذرا وہ کھلے ہوئے نشان بھی دیکھ جن سے اللہ تعالیٰ کی قدرت اور میری صداقت دونوں کا اظہار ہو۔ اگر ایسے نشان دکھلاؤں تو کیا پھر بھی تیرا فیصلہ یہی رہے گا۔

فرمانروا ہے وہی رعایا کا رب اعلیٰ ہے۔ کما قال تعالیٰ ﴿فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ﴾۔ فرعون دہری تھا اس کا عقیدہ یہ تھا کہ آسمان وزمین اور یہ تمام عالم قدیم ہے ازل سے ہمیشہ اسی طرح سلسلہ چلا آرہا ہے اور ابدالآباد تک اسی طرح سلسلہ جاری رہے گا اور عالم میں موت اور حیات اور تغیرات جو سلسلہ جاری ہے وہ کواکب اور نجوم کی تاثیر سے ہے کسی قادر مختار کی قدرت اور ارادہ کو اس میں دخل نہیں زمانہ حال کے جدید فلاسفہ بھی اسی کے قریب قریب یہ کہتے ہیں کہ تنوعات عالم مادہ قدیمہ اور اس کی حرکت قدیمہ کا ثمرہ اور نتیجہ ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے خیال خام کا رد فرمایا۔

موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جواب

جب فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے یہ سوال کیا ﴿وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾۔ رب العالمین کیا چیز ہے اور وہ کون ہے اور اس کی حقیقت کیا ہے۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ وہ رب العالمین جس نے مجھ کو رسول بنا کر بھیجا ہے وہ وہ ذات ہے کہ جو آسمانوں اور زمین کا اور ان کے درمیان تمام چیزوں کا مربی اور مدبر ہے اگر تم یقین کرنے والے ہو تو یقین کرلو کہ جو میں نے کہا ہے وہ بالکل حق ہے کہ جو ذات عالم علوی اور عالم سفلی اور ان کے درمیان کائنات کی خالق اور مربی اور مدبر اور متصرف ہے وہی ذات رب العلمین ہے تم کو یقین ہے کہ یہ تمام اشیا تمہارے سامنے موجود ہیں اور نہایت بڑے بڑے اجسام ہیں اور کمیت اور کیفیت اور صفت اور حالت کے اعتبار سے غایت درجہ مختلف ہیں اور یہ تمام اجسام اس قدر عظیم اور جسیم ہیں کہ ان کے اجزا کی شمار عقلاً محال معلوم ہوتی ہے تو سوال یہ ہے کہ کیا بیشمار اجزا خود بخود مل کر خود بخود آسمان وزمین اور انسان اور حیوان بن گئے۔ عقل یہ کہتی ہے کہ ہر مرکب شئے کے لئے کوئی مُرکّب (ترکیب دینے والا چاہئے) پس جس ذات نے ان بیشمار اجزا کو ترکیب دے کر اس عالم علوی اور سفلی کو بنایا اور جو ان کا مدبر اور ان میں متصرف ہے وہی رب العالمین ہے اور اے فرعون تو تو ایک حقیر اور ذلیل ہستی ہے تیرا رب ہونا عقلاً محال ہے۔ فرعون نے خدا کی جنس اور ماہیت سے سوال کیا تھا اور موسیٰ علیہ السلام اس کی صفات اور آثار قدرت سے جواب دیا اس لیے فرعون یہ جواب سن کر حیران رہ گیا۔ فرعون چونکہ وجود صانع کا قائل نہ تھا اس لیے اس نے موسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا: ﴿وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس کا جواب دیا۔

فرعون کا جواب

فرعون موسیٰ علیہ السلام کا جواب سن کر اپنے پاس والوں سے بطور تمسخر کہنے لگا کہ سنتے بھی ہو کہ کیسا جواب ہے اور یہ شخص کیا کہہ رہا ہے بڑی عجیب بات کہہ رہا ہے کیا میرے سوا بھی تمہارا کوئی رب ہے اس شخص کا زعم یہ ہے کہ آسمان اور زمین کا بھی کوئی رب ہے حالانکہ آسمان اور زمین تو قدیم ہیں ہمیشہ سے اسی طرح چلے آئے ہیں اور ہمیشہ اسی طرح قائم رہیں گے اور حرکت کرتے رہیں گے اس کے لیے رب اور صانع کی ضرورت نہیں اور عالم کی تغیرات اور انقلابات نجوم اور کواکب کی حرکات مختلفہ کے آثار ہیں اس لیے عالم کے لیے مؤثر اور مدبر کی ضرورت نہیں جیسا کہ فرقہ دہریہ کا مذہب ہے۔ فرقہ دہریہ کا مذہب یہ ہے کہ آسمان اور زمین سب قدیم ہیں اسی طرح فرعون نے اپنے ارکان دولت سراپا جہالت سے کہا کہ کیا تم لوگ غور سے نہیں سنتے کہ یہ شخص آسمانوں اور زمین کا رب بتلاتا ہے حالانکہ آسمان وزمین سب قدیم ہیں انکا کوئی رب نہیں۔ یا کم از کم اب تک

ہمارے نزدیک آسمان وزمین کا کسی رب اور کسی مدبر اور مؤثر کی طرف محتاج ہونا ثابت نہیں ہوا۔ دیکھو تفسیر مظہری: ۷/۶۰ جدید فلاسفہ اور قدیم فلاسفہ دونوں گروہ، عالم کے قدیم ماننے میں شریک اور متفق ہیں۔ فرعون نے اپنی قوم کو مغالطہ دینے کے لئے یہ بات کہی تو موسیٰ علیہ السلام نے پھر دوسرا جواب دیا جس میں فرعون کا یہ مغالطہ نہ چل سکے۔

موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دوسرا جواب

موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی اس بات کے جواب میں یہ کہا کہ رب العالمین وہ ہے جو تمہارا اور تمہارے اگلے باپ داداوں کا رب ہے کہ آسمان وزمین کے بارے میں تو فرعون کا مغالطہ کچھ چل گیا کہ آسمان وزمین تو قدیم ہیں ہمیشہ ایک حال پر چلے آ رہے ہیں انہیں کسی رب اور کسی مؤثر اور مدبر کی ضرورت نہیں اس لیے کہ لوگوں کو زمین وآسمان کی پیدائش کا حال معلوم نہیں کہ کب پیدا ہوئے لیکن موسیٰ علیہ السلام نے دوسری بار ایسی دلیل پیش کی کہ جس میں ارکان دولت کو اور کسی سننے والے کو شک اور شبہ کی گنجائش ہی نہ رہے اس لیے دوسری بار یہ فرمایا کہ رب العالمین وہ ذات ہے کہ جو تمہارے اور تمہارے آباؤ اجداد کا رب ہے اس لیے کہ یہ امر مشاہدہ سے سب کو معلوم ہے کہ ایک وہ وقت تھا کہ نہ فرعون تھا اور نہ اسکی قوم کا وجود تھا اور نہ ان کے آباؤ اجداد کا وجود تھا یہ تمام آباؤ اجداد اول پیدا ہوئے اور پھر اپنی طبعی عمر پوری کر کے مر گئے۔ آسمان اور زمین کی طرح آباؤ اجداد کو تو قدیم نہیں کہا جا سکتا اور نہ کوئی ایسا کہنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ آسمان وزمین کی طرح آباؤ اجداد بھی قدیم ہیں۔ عدم سے وجود میں آئے تھے اور چند روز اس دنیا میں رہے اور اپنے وجود کی مدت پوری کر کے پھر پردہ عدم میں جا چھپے اور زمین میں دفن ہو گئے۔

لہٰذا آباء اولین کا قدیم اور واجب الوجود ہونا تو عقلاً بھی محال ہے اور مشاہدہ کے بھی خلاف ہے ان سب کا عدم کے بعد وجود میں آنا اور پھر چند روزہ وجود کے بعد عدم وجود میں چلے جانا سب کی نظروں کے سامنے ہے جس کی کوئی تکذیب نہیں کر سکتا۔ اور عدم سے وجود میں آنا بھی حقیقت حدوث کی ہے اور وجود کے بعد عدم میں چلا جانا بھی حقیقت فنا اور زوال کی ہے پس جس چیز کا حدوث اور فنا وزوال نظروں کے سامنے ہو اسکو قدیم اور واجب الوجود کہنی ہوئی حماقت ہے، آسمان وزمین کا حدوث اور انکا فنا وزوال عام نظروں سے پوشیدہ ہے اس لیے آسمان وزمین کو تو ظاہر میں قدیم کہنے کی گنجائش ہے بھی، لیکن آباء واجداد کا حدوث اور فنا وزوال تو سب کی نظروں کے سامنے ہے کوئی نادان سے نادان بھی آباء واجداد کو قدیم اور واجب الوجود کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا اور اے فرعون اسی طرح تو بھی پہلے زمانے میں معدوم تھا بعد میں پیدا ہوا اب چند روز بعد آباؤ اولین کی طرح تجھے بھی موت آنے والی ہے۔ لہذا تو بھی حادث ہے اور فانی ہے کس بوتے پر تو الوہیت اور ربوبیت کا دعوے دار بنا ہوا ہے خوب سمجھ لے کہ رب العالمین تو وہ ہے کہ جو دائم اور قدیم اور حیی لا یموت ہے جس کی بارگاہ میں عدم اور فنا کا کبھی گزر نہیں اے فرعون تجھے معلوم ہے کہ تو ایک طویل اور غیر محدود عدم کے بعد وجود میں آیا ہے۔ نو مہینے تو نے مادر شکم میں گزارے ہیں اور چند روزہ زندگی گزارنے کے بعد اپنے آباؤ اجداد کی طرح مر کر زمین میں دفن ہونے والا ہے تو پھر تو رب کیسے ہو سکتا ہے۔ تیرا اور تیرے آباؤ اجداد کا دائرہ سلطنت، مصر سے باہر نہ تھا۔ اور میں جس رب کی عبادت کی طرف تم کو بلا رہا

ہوں اسکی حکومت وسلطنت کا دائرہ مشرق ومغرب کو محیط ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ جب تیرا اور تیرے آباء واجداد کا حادث ہونا یعنی عدم سے وجود میں آنا ایسا واضح اور روشن ہے کہ جس کا تو انکار نہیں کرسکتا تو عقلاً ضروری ہے کہ ہر حادث کے لیے ایک محدث چاہیے کہ جو اس کو عدم سے نکال کر وجود میں لایا ہے کیونکہ یہ امر تو ظاہر ہے کہ یہ حادث چیزیں یعنی تو اور تیرے آباء واجداد خود بخود تو عدم سے نکل کر وجود میں نہیں آگئے پس اے فرعون جو ذات تجھ کو اور تیرے آباء اولین کو عدم سے نکال کر وجود میں لائی ہے وہی رب العالمین ہے اور اے فرعون تو اور تیرے آباء واجداد اجسام مرکبہ ہیں جو مختلف اجزا سے مل کر بنے ہیں اور ذی حیات ہیں اور صاحب عقل ہیں اور پیدائش کے وقت سے لے کر مرنے تک عجیب وغریب تغیرات ان کو لاحق ہوتے ہیں۔ تو کیا یہ تمام خود بخود بلا کسی مرکب (ترکیب دہندہ) کے خود بخود مرکب ہوگئے اور خود بخود مر گئے اور خود بخود جا کر قبروں میں لیٹ گئے۔ لامحالہ اس ہیئت ترکیبیہ کے لیے کوئی مرکب چاہیے اور ان تغیرات کے لیے کوئی مغیّر چاہیے اور ان تاثرات کے لئے کوئی مؤثر چاہیے پس جس ذات بابرکات کے ہاتھ میں تیرے اور تیرے آباء واجداد کے تغیرات اور تنوعات اور ان کے وجود اور عدم کی باگ ہے اور تیری اور تیرے آباء واجداد کی موت وحیات جس کے اختیار میں ہے وہی ذات رب العالمین ہے اور اسی رب العالمین نے مجھ کو رسول بنا کر تیری طرف بھیجا ہے اور جس طرح تیرے آباء واجداد کے اجسام حادث اور فانی ہیں اور اپنے حدوث اور وجود میں صانع کے محتاج ہیں اسی طرح آسمان وزمین بھی اجسام حادثہ اور فانیہ ہیں اپنے حدوث میں پروردگار کے محتاج ہیں اور فلسفۂ جدیدہ یہ کہتا ہے کہ زمانے کے تنوعات اور تغیرات مادہ اور ایتھر کی تدریجی حرکت سے ظہور میں آرہے ہیں۔ جدید فلسفہ کی تحقیق اور فرعون کے قول میں کچھ زیادہ فرق نہیں۔

فرعون کا جواب

فرعون موسیٰ علیہ السلام کا یہ جواب حکمت مآب سن کر گھبرا اٹھا اور اس کو ڈر ہوا کہ اس دلیل کو سن کر میری قوم شک میں نہ پڑ جائے تو اپنے حاشیہ نشینوں کو دھوکہ دینے کے لیے اور اپنا رعب جمانے کے لیے جھلا کر یہ بولا کہ اے لوگو بیشک تمہارا یہ رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے یعنی جو اپنے آپ کو رب العالمین کا رسول بتاتا ہے یہ یقین جانو کہ وہ بلاشبہ دیوانہ اور باؤلا ہے اسکی بات پر کان نہ دھرنا۔ حالانکہ رسول کے لیے ضروری ہے کہ وہ عقل الناس ہو اور یہ شخص تو بالکل مجنون ہے اور بے عقل ہے کہ موت اور حیات کو اور حوادث زمانہ کو خدا کی طرف منسوب کرتا ہے۔ ﴿نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ﴾۔

یعنی موت اور حیات کا سلسلہ قدیم سے اسی طرح چلا آرہا ہے اور یہ سب زمانہ کے تنوعات اور تغیرات اور انقلابات ہیں جو کواکب اور نجوم کی تاثیر سے اور بقول جدید فلاسفہ مادہ اور ایتھر کی تدریجی حرکت سے ظہور میں آرہے ہیں اور یہ دیوانہ ان تمام تغیرات اور تنوعات کو خدا کی طرف نسبت کرتا ہے۔

موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تیسرا جواب

موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ یہ شخص تو کواکب اور نجوم کی تاثیر پر شیدا اور فریفتہ ہے اور کواکب اور نجوم کی حرکات کو تغیرات

عالم کی علت سمجھتا ہے تو موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے مقابلہ میں اب تیسری حجت پیش کی کہ رب العالمین وہ ہے کہ جو رب ہے مشرق کا اور مغرب کا اور ان کے تمام درمیانی چیزوں کا یعنی رب العالمین وہ ہے کہ جو مشرق اور مغرب کا مالک ہے اور طلوع اور غروب کا انتظام اس کے ہاتھ میں ہے۔ طلوع آفتاب اور غروب سب اس قادر حکیم کی تقدیر محکم سے ہے جس سے عالم کا نظام قائم ہے۔ نادان سے نادان بھی ان حوادث یومیہ کو قدیم بالعرض اور قدیم بالزمان کہنے کی جرأت نہیں کرسکتا اگر تمہیں کچھ عقل ہے تو سمجھ لو کہ یہ فرعون جو مدعی ربوبیت بنا ہوا ہے ایک محدود خطہ زمین کا فرمانروا ہے جس کا حکم مدین میں بھی نہ چلتا ہو یہ کیسے رب ہوسکتا ہے۔ رب العالمین تو وہ ہے کہ جس کے حکم سے سورج مشرق سے نکلتا ہے اور مغرب میں غروب ہوتا ہے۔ اگر یہ فرعون اپنے دعوائے ربوبیت میں سچا ہے تو اسکا عکس کر کے دکھلا دے یا کم از کم طلوع اور غروب کے موجودہ نظام میں کچھ تغیر و تبدل ہی کر کے دکھلا دے عقل کی بات تو یہ ہے جو میں کہہ رہا ہوں اور تم ایسے بے عقل اور جاہل ہو کہ بتلانے اور سمجھانے سے بھی نہیں سمجھتے۔ موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کے مقابلہ میں یہ جواب ایسا ہے جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کے جواب میں یہ فرمایا تھا۔ ﴿فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ﴾۔ جدید فلسفہ یہ کہتا ہے کہ عالم کے انقلاب اور تغیرات مادہ کے ذرات بسیطہ کی دائمی حرکت اور باہمی امتزاج کے سبب سے نمودار ہوتے ہیں۔ یہ قول بھی فرعون کے قول سے ملتا جلتا ہے دونوں میں کچھ زیادہ فرق نہیں۔

فرعون کی حیرانی اور پریشانی اور مغرورانہ اور ظالمانہ تہدید

فرعون موسیٰ علیہ السلام کا جواب سن کر حیران اور دنگ رہ گیا اور گھبرا اٹھا اور دیکھا کہ میں اس حجت اور برہان کے جواب سے بالکل عاجز ہوں تو اپنی سلطنت کے زعم میں موسیٰ علیہ السلام کو دھمکانا شروع کیا اور یہ گمان نہ کیا کہ اس مغرورانہ تہدید سے معجزات قاہرات کے ظہور کا دروازہ کھلے گا اس لیے فرعون جب حضرت موسیٰ کی حجت قاہرہ کے جواب سے ناامید ہوا تو بولا کہ اے موسیٰ اگر تو نے میرے سوا کسی اور کو معبود ٹھہرایا تو میں تجھ کو قیدیوں میں سے بنادوں گا۔ موسیٰ علیہ السلام فرعون کو خدائی جیل خانہ (جہنم) سے ڈراتے تھے اس لیے فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنے قید خانہ سے ڈرایا۔ فرعون کا جیل خانہ قتل سے بھی بدتر تھا۔ فرعون نے ایک تنگ و تاریک جیل خانہ بنایا تھا کہ جو اس میں ڈالا جاتا تھا وہ وہیں مرجاتا تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ کسی کنوئیں میں قیدیوں کو ڈال کر اوپر سے منہ بند کردیتے تھے یہاں تک کہ وہ اس میں مرجاتے جیسا کہ ہندو راجاؤں کے عہد میں دستور تھا فرعون کا یہ جیل خانہ قتل سے بھی بدتر تھا۔ فرعون جب موسیٰ علیہ السلام کی بات کے جواب سے عاجز ہوا تو دھمکیوں پر اتر آیا۔

چو حجت نماند جفا جوئے را   بہ پرخاش برہم کشد روئے را

جیل خانہ کی دھمکی سے فرعون کا مقصد اپنی ربوبیت کی دلیل بیان کرنا ہے کہ چونکہ میں جیل خانہ میں ڈالنے پر قادر ہوں اس لیے میں تمہارا خدا اور رب اعلیٰ ہوں۔ سبحان اللہ کیا دلیل ہے جیل خانہ سے الوہیت اور ربوبیت تو ثابت نہیں ہوسکتی البتہ جہالت اور حماقت خوب ثابت ہوجاتی ہے جب فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو اس طرح دھمکایا تو موسیٰ علیہ السلام نے نرمی سے فرمایا کہ دلائل ربوبیت تو آپ نے سن لیے۔ اب دلائل رسالت سنیے اور اپنے اس فیصلہ میں ذرا جلدی نہ کیجئے کیا آپ مجھے

جیل خانہ میں ڈال دیں گے اگر چہ میں تیرے پاس ایسی واضح اور روشن چیز لیکر آیا ہوں جس سے صاف طور پر میری صداقت ظاہر ہوجائے اور رب العالمین کی ربوبیت اور الوہیت ظاہر ہوجائے تو کیا پھر بھی تیرا یہی فیصلہ رہے گا۔ موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں نرمی برتی اور باگ ڈھیلی چھوڑ دی تاکہ الوہیت اور ربوبیت کے مسئلہ کے بعد نبوت و رسالت کے مسئلہ میں مکالمہ اور مناظرہ کا دروازہ کھلے اور پہلے مسئلہ کی طرح دوسرے مسئلہ میں بھی وہ حجت اور برہان سے مغلوب اور مقہور ہوجائے اور کم از کم دل سے ماننے پر تو مجبور ہوجائے اس لیے فرمایا۔ ﴿اَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِيْنٍ﴾ اس جواب کے بعد یعنی کیا اگر میں اپنی رسالت کی کوئی روشن دلیل تیرے سامنے پیش کروں تو کیا تو میری رسالت کو قبول کرے گا۔ فرعون شرما کر بولا کہ اچھا وہ روشن دلیل لا اگر تو سچوں میں سے ہے اگر روشن دلیل سے تیری صداقت ظاہر ہوجائے تو ہم تجھے قید نہیں کریں گے پس موسیٰ علیہ السلام نے اپنی نبوت اور صداقت ثابت کرنے کے لیے دو معجزے دکھلائے ایک معجزہ عصا اور دوسرا کرشمہ ید بیضا۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا زمین پر ڈال دیا۔ پس وہ ڈالتے ہی صاف اور صریح اژدہا تھا۔ یعنی حقیقۃً اور بلاشبہ اژدہا بن گیا جب وہ عصا سانپ بن کر لہرانے لگا فرعون اور تمام درباری حواس باختہ ہوکر بھاگ اٹھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ پیشاب پاخانہ بھی خطا ہوگیا۔ دعوائے خدائی کی ساری قلعی کھل گئی موسیٰ نے ازراہ تلطف اپنے عصا کو زمین سے اٹھالیا تو وہ پہلے کی طرح پھر عصا ہوگیا۔ اس کے بعد جب ہوش و حواس کچھ واپس آئے تو بولا کیا اس کے سوا اور بھی کوئی معجزہ ہے تو موسیٰ علیہ السلام نے دوسرا معجزہ دکھلایا جس کا آئندہ آیت میں ذکر ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور بعد ازاں موسیٰ علیہ السلام نے اس کو ایک دوسرا معجزہ دکھلایا کہ اپنا ہاتھ بغل کے نیچے سے نکالا تو ناگاہ وہ سپید اور روشن تھا دیکھنے والوں کے لئے جس کو سب اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ آفتاب اور ماہتاب کی طرح روشن ہے۔ فرعون اور اس کے درباری یہ دونوں معجزے دیکھ کر دم بخود رہ گئے۔

معجزۂ عصاء اہل کفر اور اہل معصیت کی تنبیہ کے لئے تھا کہ مرنے کے بعد قبر میں کافروں کو اژدہا ڈسے گا اور معجزۂ ید بیضاء سینۂ موسوی کی نورانیت کا نمونہ اور کرشمہ دکھلانے کے لیے تھا مگر مشکل یہ ہے کہ جس کے دل کی آنکھ اندھی ہو اس کو آفتاب کی روشنی کس طرح دکھائی دے۔ معجزۂ عصا، معجزۂ قہر تھا اور معجزۂ ید بیضا معجزۂ نور اور معجزۂ مہر تھا۔ ﴿وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ﴾۔

قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗۤ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۴﴾ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ ۖ

بولا اپنے گرد کے سرداروں سے یہ تو کوئی جادوگر ہے پڑھا ہوا چاہتا ہے کہ نکال دے تم کو تمہارے دیس سے اپنے جادو کے زور سے،

بولا، اپنے گرد کے سرداروں سے، یہ کوئی جادوگر ہے پڑھا۔ چاہتا ہے کہ نکال دے تم کو تمہارے دیس سے اپنے جادو کے زور سے۔

فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ قَالُوْۤا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَابْعَثْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۳۶﴾ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ

سو اب کیا حکم دیتے ہو ف۱ بولے ڈھیل دے اس کو اور اس کے بھائی کو اور بھیج دے شہروں میں نقیب لے آئیں تیرے پاس جو بڑا

سو اب کیا حکم دیتے ہو؟ بولے ڈھیل دے اس کو اور اس کے بھائی کو، اور بھیج شہروں میں نقیب۔ لے آویں تیرے پاس جو بڑا

ف۱ یا تو خدائی کے دعوے تھے، یا اتنی جلد ایسا حواس باختہ ہوگیا کہ اپنے غلاموں اور پرستاروں کے احکام پر چلنے کے لیے آمادہ ہوگیا۔

سَحَّارٍ عَلِيمٍ ﴿٣٧﴾ فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ ﴿٣٨﴾ وَقِيلَ لِلنَّاسِ هَلْ أَنتُم

جادوگر ہو پڑھا ہوا پھر اکٹھے کیے جادوگر وعدہ پر ایک مقرر دن کے ف۱ اور کہہ دیا لوگوں کو کیا تم بھی

جادوگر ہو پڑھا۔ پھر اکٹھے کیے جادوگر، وعدہ پر ایک مقرر دن کے۔ اور کہہ دیا لوگوں کو، تم بھی

مُّجْتَمِعُونَ ﴿٣٩﴾ لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ إِن كَانُوا هُمُ الْغَالِبِينَ ﴿٤٠﴾ فَلَمَّا جَاءَ السَّحَرَةُ قَالُوا

اکٹھے ہو گے شاید ہم راہ قبول کریں جادوگروں کی اگر ہو ان کو غلبہ ف۲ پھر جب آئے جادوگر کہنے لگے

اکٹھے ہوتے ہو۔ شاید ہم راہ پکڑیں جادوگروں کی اگر ہوجاویں وہی زبر۔ پھر جب آئے جادوگر، کہنے لگے

لِفِرْعَوْنَ أَئِنَّ لَنَا لَأَجْرًا إِن كُنَّا نَحْنُ الْغَالِبِينَ ﴿٤١﴾ قَالَ نَعَمْ وَإِنَّكُمْ إِذًا لَّمِنَ

فرعون سے بھلا کچھ ہمارا حق بھی ہے اگر ہو ہم کو غلبہ بولا البتہ اور تم اس وقت مقربوں

فرعون سے بھلا کچھ ہمارا نیگ بھی ہے؟ اگر ہوجاویں ہم زبر۔ بولا البتہ! تم اس وقت نزدیک والوں

الْمُقَرَّبِينَ ﴿٤٢﴾ قَالَ لَهُم مُّوسَىٰ أَلْقُوا مَا أَنتُم مُّلْقُونَ ﴿٤٣﴾ فَأَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ

میں ہو گے ف۳ کہا ان کو موسیٰ نے ڈالو جو تم ڈالتے ہو ف۴ پھر ڈالیں انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں

میں ہو گے۔ کہا ان کو موسیٰ نے ڈالو جو تم ڈالتے ہو۔ پھر ڈالیں انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں،

وَقَالُوا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ إِنَّا لَنَحْنُ الْغَالِبُونَ ﴿٤٤﴾ فَأَلْقَىٰ مُوسَىٰ عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا

اور بولے فرعون کے اقبال سے ہماری ہی فتح ہے ف۵ پھر ڈالا موسیٰ نے اپنا عصا تبھی وہ نگلنے لگا جو سانگ انہوں نے

اور بولے، فرعون کے اقبال سے ہم ہی زبر رہے۔ پھر ڈالا موسیٰ نے اپنا عصا، پھر تبھی وہ نگلنے لگا جو سانگ انہوں نے

يَأْفِكُونَ ﴿٤٥﴾ فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سَاجِدِينَ ﴿٤٦﴾ قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٤٧﴾ رَبِّ مُوسَىٰ

بنایا تھا ف۶ پھر اوندھے گرے جادوگر سجدہ میں بولے ہم نے مان لیا جہان کے رب کو جو رب ہے موسیٰ

بنایا تھا۔ پھر اوندھے گرے جادوگر سجدہ میں۔ بولے، ہم نے مانا جہان کے رب کو۔ جو رب موسیٰ

ف۱ یعنی عید کے دن چاشت کے وقت۔

ف۲ یعنی سب کو اکٹھا ہونا چاہیے۔ امید قوی ہے کہ ہمارے جادوگر غالب آئیں گے۔ اس وقت ہم موسیٰ کی شکست اور مغلوبیت دکھلانے کے لیے اپنے ساحرین ہی کی راہ پر چلیں گے۔ تو یا یہ ظاہر کرنا تھا کہ اس میں ہماری کوئی خود غرضی نہیں۔ جب مقابلہ میں ہمارا پلہ بھاری رہے گا تو انصافاً کسی کو ہمارے طریقہ سے منحرف ہونے کی گنجائش نہیں رہ سکتی۔

ف۳ یعنی نہ صرف مالی انعام و اکرام، بلکہ تم میرے خاص مصاحبوں میں رہو گے۔ ان آیات کا مفصل بیان "اعراف" اور "طٰہٰ" میں گزر چکا ہے۔

ف۴ یعنی جب ساحرین نے کہا کہ موسیٰ پہلے اپنی لاٹھی ڈالتے ہو، یا ہم ڈالیں، اس کے جواب میں فرمایا کہ تم ہی اپنی قوت خرچ کر دیکھو۔

ف۵ بعض نے "بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ" کو قسم کے معنی میں لیا ہے۔ یعنی فرعون کے اقبال کی قسم ہم ہی غالب ہو کر رہیں گے۔

ف۶ شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ خالی رسیاں اور لاٹھیاں رہ گئیں جو سانپوں کی صورتیں انہوں نے بنائی تھیں، موسیٰ کا عصا ان کو نگل گیا۔

وَهٰرُوْنَ ﴿۴۸﴾ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ

اور ہارون کا بولا تم نے اس کو مان لیا ابھی میں نے حکم نہیں دیا تم کو مقرر وہ تمہارا بڑا ہے جس نے تم کو سکھایا

و ہارون کا۔ بولا تم نے اس کو مان لیا، ابھی میں نے حکم نہیں دیا تم کو۔ مقرر وہ تمہارا بڑا ہے، جس نے تم کو سکھایا

السِّحْرَ ۚ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۬ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ

جادو ف۱ سو اب معلوم کرلو گے البتہ کاٹوں گا تمہارے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں

جادو۔ سو اب معلوم کرو گے۔ البتہ کاٹوں گا تمہارے ہاتھ اور دوسرے پاؤں،

وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۹﴾ قَالُوْا لَا ضَيْرَ ۡ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۵۰﴾ اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ

اور سولی پر چڑھاؤں گا تم سب کو بولے کچھ ڈر نہیں ہم کو اپنے رب کی طرف پھر جانا ہے ف۲ ہم غرض رکھتے ہیں کہ

اور سولی چڑھاؤں تم سب کو۔ بولے کچھ ڈر نہیں، ہم کو اپنے رب کی طرف پھر جانا ہے۔ ہم غرض رکھتے ہیں کہ

يَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰيٰنَآ اَنْ كُنَّآ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۱﴾ ع ۱۸

بخش دے ہم کو رب ہمارا تقصیریں ہماری اس واسطے کہ ہم ہوئے پہلے قبول کرنے والے ف۳

بخشے ہم کو رب ہمارا تقصیریں ہماری، اس واسطے کہ ہم ہوئے پہلے قبول کرنے والے۔

ساحرانِ فرعون کا موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ

قَالَ اللہُ تَعَالٰی: ﴿قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗٓ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ... الی ... اَنْ كُنَّآ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾

فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے جب یہ دو معجزے (معجزہ عصا اور معجزہ ید بیضا) دیکھے تو اسکو ڈر ہوا کہ اہل دربار شبہ میں نہ پڑ جائیں اس لیے فرعون نے لوگوں کے سامنے اپنا بھرم رکھنے کے لئے یہ کہا کہ یہ کوئی خاص قسم کا سحر ہے اس لیے ملک کے جادوگروں کو جمع کر کے اسکا مقابلہ کرایا جائے اس کا خیال یہ تھا کہ ایک جادوگر ملک کے تمام جادوگروں کا مقابلہ نہیں کرسکتا اس لیے فرعون نے اپنی اندرونی حیرانی اور پریشانی پر پردہ ڈالنے کے لئے اپنی قوم کے سرداروں سے جو اس کے اردگرد بیٹھتے تھے یہ کہا کہ بیشک یہ شخص بڑا ماہر جادوگر ہے۔ علم سحر میں بڑی مہارت رکھتا ہے جو ایسے کرشمے دکھلا رہا ہے اور درباریوں کو موسیٰ علیہ السلام سے نفرت دلانے کے لیے یہ کہا کہ یہ شخص یہ چاہتا ہے کہ اپنے سحر سے تم پر غالب آجائے اور تمہارا بادشاہ بن جائے بتلاؤ اس بارے میں تمہاری کیا رائے ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جب یہ معجزات ظاہر ہوئے تو فرعون نے اہل

ف۱ یعنی موسیٰ تمہارا بڑا استاد ہے، آپس میں سازش کر کے آئے ہو کہ تم یہ کرنا، ہم یوں کہیں گے اور حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ "تمہارا بڑا" کہا رب کو" یعنی موسیٰ اور تم ایک استاد کے شاگرد ہو" واللہ اعلم۔

ف۲ یعنی بہرحال مر کر خدا کے یہاں جانا ہے، اس طرح مریں گے، شہادت کا درجہ ملے گا، یہ سب مضامین سورۃ "اعراف" وغیرہ میں گزر چکے ہیں۔ وہاں دیکھ لیا جائے۔

ف۳ یعنی موسیٰ علیہ السلام کی دعوت و تبلیغ کے بعد بھرے مجمع میں ظالم فرعون کے روبرو سب سے پہلے ہم نے قبولِ حق کا اعلان کیا۔ اس سے امید ہوتی ہے کہ حق تعالیٰ ہماری گزشتہ تقصیرات کو معاف فرمائے گا۔

دربار سے جو ارد گرد بیٹھتے تھے اپنا بھرم رکھنے کے لئے یہ کہا کہ یہ شخص کوئی بڑا ہی دانا جادوگر ہے۔ معجزۂ عصا اور معجزۂ ید بیضا کے دیکھنے سے فرعون کو ڈر ہوا کہ اہل دربار ان معجزات قاہرہ کو دیکھ کر کہیں موسیٰ کو صادق اور راستباز سمجھ کر اس پر ایمان نہ لے آویں اور اگر ایمان بھی نہ لائیں تو مبادا اس شخص کی طرف مائل نہ ہو جائیں جس سے میرے دعوائے ربوبیت میں زوال نہ آجائے اس لیے اہل دربار کو نرم کرنے کے لئے اول تو یہ کہا کہ یہ شخص خواہ کتنے ہی کرشمے ظاہر کردے لیکن ایک دانا جادوگر سے بڑھ کر نہیں اور یہ کرشمہ جو اس نے دکھلایا ہے وہ ایک خاص قسم کا جادو ہے یعنی معجزہ نہیں جس سے ڈرنے کی ضرورت نہیں اور دوسری بات فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے نفرت دلانے کے لئے اور ان سے ڈرانے کے لئے یہ کہی کہ اس جادوگر کا مقصد یہ ہے کہ اپنے جادو کے زور سے تم کو تمہاری سرزمین سے نکال دے اور اسکا مالک اور قابض اور رئیس بن جائے اور اپنی قوم کو لے کر بلا مزاحمت تم پر حکومت کرے۔ سو اس بارہ میں تم کیا حکم دیتے ہو یا کیا مشورہ دیتے ہو۔ اب فرعون اپنی شان تکبر و تحیر سے اتر کر لوگوں سے کہہ رہا ہے کہ بتلاؤ اس بارے میں تمہاری کیا رائے ہے اور تمہارا کیا مشورہ ہے کہ اس شخص کو فوری سزا دی جائے یا ڈھیل دی جائے۔ اصل بات یہ تھی کہ فرعون معجزہ موسوی دیکھ کر گھبرا گیا اور دعوائے ربوبیت کی بلندی سے اتر کر اپنے آپ کو مشاورت کی پستی میں ڈالا، زبان سے تو دعوائے ربوبیت ہے اور دل میں خوف ہے اخراج کا یعنی اس بات کا کہ یہ جادوگر مجھ کو ملک مصر سے نکال باہر نہ کرے اس لیے خدا صاحب اپنے بندوں سے یا اپنے نوکروں اور چاکروں سے مشورہ پوچھ رہے ہیں۔ سرداروں نے مشورہ دیا کہ معاملہ میں تاخیر بہتر ہے، اپنے ملک کے جادوگروں کو جمع کر کے مقابلہ کرایا جائے چنانچہ فرماتے ہیں کہ سب نے متفقہ طور پر یہی کہا کہ اس شخص کو اور اس کے بھائی کو چندے مہلت دے دو اور اپنے ملک کے سب شہروں میں نقیب بھیج دو کہ تیرے پاس ہر دانا جادوگر لا موجود کریں۔ ہماری رائے میں یہ تدبیر بہتر ہے۔ کیونکہ اگر بغیر مقابلہ اور بغیر ہرائے اور عاجز کیے اسکو قتل کرا دیا تو لوگوں کو اس کے بارے میں شبہ ہو جائے گا۔ مناسب ہے کہ جادوگروں سے مقابلہ کرایا جائے یہ شخص تو ایک ساحر ہے ملک کے تمام ساحروں کا کیسے مقابلہ کر سکتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے بھی مقابلہ کی صورت کو منظور کیا تا کہ کھلم کھلا اللہ کی حجت لوگوں پر واضح ہو جائے۔ کما قال تعالیٰ ﴿بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ﴾۔

پس وہ جادوگر ایک مقررہ دن پر جو ان کی عید کا دن تھا جمع کر دیئے گئے اور لوگوں کے لئے اعلان کرا دیا گیا کہ کیا تم اس موقع پر جمع ہو جاؤ گے۔ مقصود یہ تھا کہ سب کے سب موسیٰ علیہ السلام کا مغلوب ہونا دیکھ لیں گے۔ تا کہ اگر جادوگر غالب آجائیں جیسا کہ غالب توقع ہے تو جسب سابق ہم انہی کی پیروی کرتے رہیں گے یعنی انہی کے دین پر رہیں گے اتنا بھی ظاہری طور پر کہا ورنہ فی الحقیقت قوم فرعون کو اس بات کا یقین تھا کہ غلبہ ساحروں کا ہوگا۔ اہل عقل سمجھ سکتے ہیں کہ یہ ساری گفتگو فرعون کی عجز اور حماقت کی دلیل ہے۔ پھر جب سب جادوگر جمع ہو گئے تو انہوں نے فرعون سے کہا کہ بھلا ہم کو کچھ صلہ یعنی انعام بھی ملے گا اگر ہم ہی غالب رہے فرعون نے کہا ہاں صلہ اور انعام بھی ملے گا اور صلہ کے علاوہ تم میرے مقربوں میں بھی شامل کر لیے جاؤ گے، یہ کلام اس بات کی دلیل ہے کہ اہل دنیا کی زبان پر سب سے پہلے حرف طمع آتا ہے بعد ازاں ساحروں نے صف بندی کی اور مقابلہ پر آمادہ ہوئے اور موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ کیا آپ اپنا عصا پہلے ڈالیں گے یا ہم پہلے

ڈالیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا پہلے تم ہی ڈالو جو کچھ بھی تم ڈالنے والے ہو۔ اس پر انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں زمین پر ڈال دیں اور بولے قسم ہے فرعون کی عزت اور اقبال کی بلاشبہ ہم ہی غالب رہیں گے، پس جب وہ اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈال چکے تو موسیٰ علیہ السلام نے بحکمِ خداوندی اپنا عصا زمین پر ڈالا۔ ڈالتے ہی وہ اژدہا بن گیا اور اسی دم بنے بنائے ہوئے دھندے کو ہڑپ کرنے لگا اور جادوگروں کی تمام رسیوں اور لاٹھیوں کو نگل گیا اور ڈکار بھی نہ لی سو یہ منظر دیکھ کر جادوگر ایسے متاثر ہوئے کہ سب کے سب سجدہ میں ڈال دیئے گئے۔ توفیق ایزدی اور رحمت خداوندی نے جبراً وقہراً ان کو سجدہ میں ڈال دیا۔ معجزہ دیکھ کر انکو یقین ہوگیا کہ یہ کوئی جادو نہیں بلکہ کرشمہ قدرت ہے جس کا کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا۔ سحر سے سحر کا مقابلہ ہوسکتا ہے مگر کرشمہ قدرت یعنی معجزہ کا مقابلہ نہیں ہوسکتا۔ اور سمجھ گئے کہ یہ دونوں ہماری طرح جادوگر نہیں بلکہ حقیقۃً رب العالمین کے رسول ہیں اس لیے بولے کہ ہم ایمان لائے رب العالمین پر جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے یہ لفظ انہوں نے اس لیے کہا کہ فرعون بھی اپنے آپکو رب اعلیٰ اور جہان کا پروردگار کہلاتا تھا۔ ساحروں نے جب یہ حال دیکھا تو جان لیا کہ یہ رب العالمین کی قدرت کا کرشمہ ہے۔ بشر کی کوئی صنعت نہیں اور نہ ساحروں کی تمویہ اور تخیل ہے اس لیے سب اللہ رب العالمین پر ایمان لے آئے اور سجدہ میں گر پڑے اور موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کو قبول کیا اور ان کی نبوت و رسالت پر ایمان لے آئے۔ فرعون یہ دیکھ کر بہت گھبرایا کہ اگر سب لوگ مسلمان ہوگئے تو میری ربوبیت تو سب ختم ہوجائے گی اس لیے تہدید آمیز لہجہ میں جادوگروں سے یہ کہا کہ تم اس پر ایمان لے آئے ہو قبل اس کے کہ میں تم کو اس کی اجازت دوں میری اجازت کے بغیر تم نے اسکی کیسے تصدیق کی بیشک یہ تمہارا بڑا گرو ہے جو تم پر غالب آ گیا جس نے تم کو جادو سکھلایا ہے پس تم عنقریب جان لو گے کہ اس نافرمانی کی کیا سزا ہوتی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمہارا استاد ہے اور تم اس کے شاگرد ہو یہ سب تمہاری ملی بھگت ہے جیسا کہ سورۂ اعراف میں ہے ﴿اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا﴾۔ اور وہ سزا یہ ہے کہ البتہ تحقیق میں تمہارے ہاتھ اور پاؤں مخالف اور مقابل جانب سے کاٹ ڈالوں گا۔ یعنی ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا پاؤں اور تم سب کو سولی پر لٹکا دوں گا تاکہ دیکھنے والوں کو اس سے عبرت ہو مگر جادوگروں پر اس تہدید کا کوئی اثر نہیں ہوا اور بولے کہ کچھ مضائقہ نہیں یعنی ہم کو تیری اس دھمکی کی کچھ پروا نہیں بے شک ہم تو اپنے پروردگار کی طرف لوٹنے والے ہیں یعنی ہمیں تیرے قتل کی پروا نہیں شہید ہوکر اپنے پروردگار کے پاس پہنچ جائیں گے۔ ایمان لاتے ہی رب العالمین پر ایسا یقین آیا کہ دارِ فانی انکی نگاہ میں ہیچ ہوگیا اور لقائے خداوندی کے مشتاق ہوگئے اور بولے کہ بے شک ہم اس بات کی طمع اور آرزو رکھتے ہیں کہ ہمارا پروردگار ہماری تمام خطائیں بخش دے اس وجہ سے کہ ہم اپنے زمانہ میں سب سے پہلے مسلمان ہیں یعنی ہم اپنی قوم قبط میں سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں سبقت فی الایمان کی وجہ سے ہم کو خدا سے امید ہے کہ وہ ہمارے تمام گناہ معاف کردے ہمارا مقصود آخرت اور رضائے خداوندی ہے اس لیے ہم نے فرعون کے انعام واکرام پر لات ماری اور رب العالمین کے سامنے جھک گئے۔

نکتہ:...... اسی سبقت فی الایمان کی وجہ سے مہاجرین اولین کو دیگر صحابہ پر فضیلت حاصل ہے۔ کما قال تعالیٰ ﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ﴾۔ الآیۃ۔

قرآن کریم میں اس کی تصریح نہیں کہ ایمان لانے کے بعد فرعون نے ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ تفسیر [1] ابن کثیر رحمہ اللہ میں ہے کہ فرعون نے ان سب کو قتل کر ڈالا۔ واللہ اعلم۔

ابن کثیر کہتے ہیں کہ جادوگروں کی تعداد علی اختلاف الاقوال بارہ ہزار یا پندرہ یا بیس ہزار تھی اور بعض کہتے ہیں کی اسی ہزار تھی۔ حقیقت حال اللہ ہی کو معلوم ہے۔ تفسیر ابن کثیر: ۳/ ۳۳۴۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْٓ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۵۲﴾ فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِي الْمَدَآئِنِ

اور حکم بھیجا ہم نے موسیٰ کو کہ رات کو لے نکل میرے بندوں کو البتہ تمہارا پیچھا کریں گے ف ۱ پھر بھیجے فرعون نے شہروں میں

اور حکم بھیجا ہم نے موسیٰ کو، کہ رات کو لے نکل میرے بندوں کو، البتہ تمہارے پیچھے لگیں گے۔ پھر بھیجے فرعون نے شہروں میں

حٰشِرِيْنَ ﴿۵۳﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَاِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَاِنَّا لَجَمِيْعٌ

نقیب ف ۲ یہ لوگ جو ہیں سو ایک جماعت ہے تھوڑی سی ف ۳ اور وہ مقرر ہم سے دل جلے ہوئے ہیں ف ۴ اور ہم سارے

نقیب۔ یہ لوگ جو ہیں سو ایک جماعت ہیں تھوڑی سی۔ اور وہ مقرر ہم سے جی جلے ہیں۔ اور ہم سارے

حٰذِرُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۵۷﴾ وَّكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿۵۸﴾ كَذٰلِكَ ط

ان سے خطرہ رکھتے ہیں ف ۵ پھر نکال باہر کیا ہم نے ان کو باغوں اور چشموں سے اور خزانوں اور عمدہ مکانوں سے اسی طرح ف ۶

خطرہ رکھتے ہیں۔ پھر نکالا ہم نے ان کو باغ چھوڑ کر اور چشمے۔ اور خزانے اور گھر خاصے۔ اسی طرح!

وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۵۹﴾ فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ ﴿۶۰﴾ فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ

اور ہاتھ لگا دیں ہم نے یہ چیزیں بنی اسرائیل کے ف ۷ پھر پیچھے پڑے ان کے سورج نکلنے کے وقت پھر جب مقابل ہوئیں دونوں فوجیں کہنے لگے

اور ہاتھ لگائیں یہ چیزیں بنی اسرائیل کو۔ پھر پیچھے پڑے ان کے سورج نکلتے۔ پھر جب مقابل ہوئیں دونوں فوجیں، کہنے لگے

ف ۱ یعنی جب ایک مدت مدید تک سمجھانے اور آیات دکھلاتے رہنے کے بعد بھی فرعون نے حق کو قبول نہ کیا اور "بنی اسرائیل" کو ستانا نہ چھوڑا، تو ہم نے موسیٰ کو حکم دیا کہ اپنی قوم کو لے کر رات میں یہاں سے ہجرت کر جاؤ۔ اور دیکھنا یہ فرعونی لوگ تمہارا پیچھا کریں گے (گھبرانا نہیں)۔

ف ۲ تا تمام قبطیوں کو جمع کر کے بنی اسرائیل کا تعاقب کرے۔

ف ۳ یعنی ان تھوڑے سے آدمیوں نے تم کو تنگ کر رکھا ہے۔ حالانکہ ان کی ہستی کیا ہے جو تمہارے مقابلہ میں عہدہ برآ ہو سکیں۔ یہ باتیں قوم کو غیرت اور جوش دلانے کے لیے کہیں۔

ف ۴ یا ہم کو غصہ دلا رہے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے ان کی کم بختی نے دھکا دیا ہے۔

ف ۵ تو اس روز روز کے خطرہ کا قلع قمع ہی کر دو۔ بعض مفسرین نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ ہماری بڑی جمعیت ہے جو محتاط یا مسلح ہے تو یہ الفاظ دل بڑھانے کے لیے ہوں گے۔ واللہ اعلم۔

ف ۶ یعنی اس طرح قبطی گھربار، مال و دولت، باغ اور کھیتاں چھوڑ کر بنی اسرائیل کے تعاقب میں ایک دم نکل پڑے۔ جنہیں پھر لوٹنا نصیب نہ ہوا۔ گویا اس تدبیر سے اللہ تعالیٰ نے ان کو نکال باہر کیا۔

ف ۷ یا تو اس کے بعد ہی یہ چیزیں بنی اسرائیل کے ہاتھ لگیں اور یا ایک مدت بعد سلیمان علیہ السلام کے عہد میں ملک مصر بھی ان کی سلطنت میں شامل ہوا۔ =

[1] فقتلهم كلهم۔ تفسیر ابن کثیر: ۳/ ۳۳۵۔

مُوسٰۤى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ﴿٦١﴾ قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ﴿٦٢﴾ فَاَوْحَیْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰۤى اَنِ

موسیٰ کے لوگ ہم تو پکڑے گئے ف۱ کہا ہرگز نہیں میرے ساتھ ہے میرا رب وہ مجھ کو راہ بتلائے گا ف۲ پھر حکم بھیجا ہم نے موسیٰ کو کہ

موسیٰ کے لوگ ہم تو پکڑے گئے۔ کہا کوئی نہیں! میرے ساتھ ہے میرا رب، مجھ کو راہ بتادے گا۔ پھر حکم بھیجا ہم نے موسیٰ کو، کہ

اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ؕ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِیْمِ ﴿٦٣﴾ وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ

مار اپنے عصا سے دریا کو پھر دریا پھٹ گیا تو ہوگئی ہر پھانک جیسے بڑا پہاڑ ف۳ اور پاس پہنچا دیا ہم نے اسی جگہ

مار اپنے عصا سے دریا کو۔ پھر پھٹ گیا، تو ہوگئی ہر پھانک جیسے بڑا پہاڑ۔ اور پاس پہنچایا ہم نے اس جگہ

الْاٰخَرِیْنَ ﴿٦٤﴾ وَاَنْجَیْنَا مُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗۤ اَجْمَعِیْنَ ﴿٦٥﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِیْنَ ﴿٦٦﴾ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ

دوسروں کو اور بچا دیا ہم نے موسیٰ کو اور جو لوگ تھے اس کے ساتھ سب کو پھر ڈبا دیا ہم نے ان دوسروں کو ف۴ اس چیز میں

دوسروں کو۔ اور بچا دیا ہم نے موسیٰ کو، اور جو لوگ تھے اس کے ساتھ سارے۔ پھر ڈبا دیا ان دوسروں کو۔ اس چیز میں

لَاٰیَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿٦٧﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿٦٨﴾ ع

ایک نشانی ہے اور نہیں تھے بہت لوگ ان میں ماننے والے ف۵ اور تیرا رب وہی ہے زبردست رحم والا ف۶

ایک نشانی ہے۔ اور نہیں وہ بہت لوگ ماننے والے۔ اور تیرا رب وہی ہے زبردست رحم والا۔

وقال الذین

ذکر کرشمۂ قدرت خداوند جلیل درنجات بنی اسرائیل وغرقابی فرعون در دریائے نیل

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَاَوْحَیْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰۤى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِیْۤ ... الی ... وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ﴾

ربط:...... مقابلہ میں جب موسیٰ علیہ السلام غالب آگئے اور اللہ کی حجت اور برہان سب پر قائم ہوگئی مگر باوجود اس کے فرعون اور اسکی قوم عناد پر قائم رہی اور ایمان لانے والوں پر ظلم ڈھانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تو اب اتمام حجت کے بعد سوائے وبال ونکال

= واللہ اعلم۔ پہلے اس کے متعلق اختلاف گزر چکا ہے۔

ف۱ یعنی بحر قلزم کے کنارہ پہنچ کر بنی اسرائیل پار ہونے کی فکر کر رہے تھے کہ پیچھے سے فرعونی لشکر نظر آیا گھبرا کر موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ اب ان کے ہاتھ سے کیسے بچیں گے۔ آگے سمندر حائل ہے اور پیچھے سے دشمن دبائے چلا آرہا ہے۔

ف۲ یعنی گھبراؤ نہیں، اللہ کے وعدوں پر اطمینان رکھو، اس کی حمایت ونصرت میرے ساتھ ہے۔ وہ یقیناً ہمارے لیے کوئی راستہ نکال دے گا۔ ناممکن ہے کہ دشمن ہم کو پکڑ سکے۔

ف۳ پانی بہت گہرا تھا۔ بارہ جگہ سے پھٹ کر خشک راستے بن گئے۔ بارہ قبیلے بنی اسرائیل کے الگ الگ ان میں سے گزرے اور بیچ میں پانی کے پہاڑ کھڑے رہ گئے۔ (کذافی موضح القرآن)۔

ف۴ یعنی فرعونی لشکر بھی قریب آگیا اور دریا میں راستے بنے ہوئے دیکھ کر بنی اسرائیل کے بعد بے سوچے سمجھے گھس پڑا۔ جب تمام لشکر دریا کی لپیٹ میں آگیا، فوراً خدا کے حکم سے پانی کے پہاڑ ایک دوسرے سے مل گئے۔ یہ قصہ پہلے گزر چکا ہے۔

ف۵ یعنی جب اکثروں نے حق قبول نہ کیا تو آخر میں قدرت نے یہ نشان دکھلایا۔ جس سے صادقین اور مکذبین کے انجام کا دنیا ہی میں الگ الگ پتہ چل جاتا ہے۔

ف۶ یہ سنا دیا ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کہ مکہ کے فرعون بھی مسلمانوں کے پیچھے نکلیں گے لڑائی کو۔ پھر وطن سے باہر تباہ ہوں گے "بدر" کے دن، جیسے فرعون تباہ ہوا۔ (موضح القرآن)

اور عذاب وعقاب کے کچھ باقی نہ رہا تو مشیت ایزدی یہ ہوئی کہ اس ظالم سے انتقام لیا جائے اس لیے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ رات کے وقت بنی اسرائیل کو نکال لے جائیں اور بتلا دیا کہ تمہارے خروج کے بعد فرعون کا لشکر تمہارا تعاقب کریگا۔ اللہ تعالیٰ کا منشا یہ تھا کہ اہل ایمان خاص عزت وکرامت کے ساتھ نکل جائیں اور ان کے بعد جب فرعون کا لشکر دریا میں داخل ہو تو اسکو غرق کر دیا جائے اس طرح سے اسکو ملک سے نکال باہر کیا جائے اس لیے ان آیات میں بنی اسرائیل کی عجیب طرح نجات کی کیفیت اور عجیب طرح سے فرعون کی ہلاکت کا حال بیان کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ اس طرح کامیابی اور اس طرح کی غرقابی کرشمۂ قدرت تھا جو رب العالمین کی ربوبیت کی دلیل تھا اور موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا جو انکی صداقت اور رسالت کی دلیل تھا۔ یہ موسیٰ علیہ السلام کا تیسرا معجزہ تھا۔ اس کے بعد فرعون اور اس کی قوم پر طوفان اور خون وغیرہ کی بلائیں مسلط کی گئیں جن کا سورۂ اعراف میں ذکر ہو چکا ہے۔ ابتدا میں قوم پر یہ بلائیں اور آفتیں مسلط کی گئیں تاکہ ہوش میں آجائیں۔ لیکن کوئی نصیحت کارگر نہ ہوئی۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور جب فرعون کو اس واقعہ سے بھی ہدایت نہ ہوئی اور نہ دیگر مصائب سے عبرت ہوئی نہ بنی اسرائیل کے ظلم وستم سے وہ دست کش ہوا بلکہ جو ساحر ایمان لے آئے تھے انکو قتل کر کے پھانسی پر لٹکا دیا تو ہم نے موسیٰ علیہ السلام کے پاس حکم بھیجا کہ تم رات کے وقت بنی اسرائیل کو لیکر مصر سے چلے جاؤ اور یہ بھی بتلا دیا کہ تمہارا پیچھا کیا جائے گا یعنی جب فرعون کو تمہارے نکل جانے کی خبر ہوگی تو وہ تمہارا تعاقب کرے گا چنانچہ حسب حکم موسیٰ علیہ السلام راتوں رات بنی اسرائیل کو لے کر چل دیے جب صبح ہوئی تو یہ خبر مشہور ہوئی اور فرعون کو اسکا علم ہوا تو فرعون نے انکے تعاقب کا ارادہ کیا۔ جس کی تدبیر یہ کی کہ ملک کے مختلف شہروں میں لشکر جمع کرنے کے لیے آدمی بھیج دیئے جب جمع ہو گئے تو یہ منادی کرائی کہ تحقیق یہ لوگ یعنی بنی اسرائیل ایک چھوٹی سی جماعت ہے۔ شمار کے اعتبار سے بھی قلیل ہے اور ساز وسامان کے لحاظ سے بے سروسامان ہے جن کو ہماری فوج سے کوئی نسبت نہیں اور انہوں نے ہماری مخالفت کر کے ہم کو غصہ دلایا ہے اور بے شک ہم سب بڑے سلاح پوش اور ہتھیار بند لوگ ہیں یہ لوگ ہماری گرفت سے نہیں نکل سکتے۔ غرض یہ کہ دو تین روز میں سامان کر کے ان کے تعاقب میں نکلے اور یہ خبر نہ تھی کہ اب اسکو مصر لوٹنا نصیب نہ ہوگا۔ پس ہم نے ان بدکاروں کو ان کے باغوں اور چشموں اور خزانوں اور عمدہ مکانوں سے نکال دیا۔ یعنی ہم نے انکے دل میں نکلنے کا داعیہ پیدا کر دیا کہ خود بخود اپنے باغوں اور محلوں سے نکل کھڑے ہوئے دیکھو لو کہ خدا کا نکالنا ایسا ہوتا ہے کہ خود انکے دل میں نکلنے کا پختہ ارادہ پیدا کر دیا کہ سب چیزوں کو چھوڑ کر خود بخود نکل کھڑے ہوئے اور بعد چندے ہم نے ان محلوں اور باغوں کا وارث اور مالک بنی اسرائیل کو بنا دیا اور چند دنوں کے بعد وہ ان تمام اموال اور املاک پر قابض ہو گئے۔ یہ تو جملہ معترضہ تھا اب آگے باقی حصہ کا بیان ہے پس فرعون کے لشکر نے سورج نکلنے کے وقت بنی اسرائیل کا پیچھا کیا اور پیچھے سے انکو جا پکڑا یعنی ان کے قریب پہنچ گئے اور یہ وقت اشراق کا تھا۔ پس جب دونوں جماعتیں ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں تو موسیٰ علیہ السلام کے ہمراہیوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ لوگ تو ہمارے سر پر پہنچ گئے اب تو ہم پکڑ لیے گئے۔ یعنی اب فرعون ہمیں پکڑے گا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا ہرگز نہیں یعنی وہ تمہیں ہرگز نہیں پکڑ سکتے۔ اس لیے کہ تحقیق میرا پروردگار میرے ساتھ ہے اور جس کے ساتھ خدا ہو اسے کوئی نہیں پکڑ سکتا جیسا کہ ہجرت کے قصہ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ابوبکر سے فرمایا ﴿لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾۔ وہ عنقریب مجھے اس مخمصہ سے

خلاصی کی راہ بتائے گا تم گھبراؤ نہیں چونکہ دریا کے کنارے پر پہنچ چکے تھے۔ آگے دریا تھا اور پیچھے دشمن تھا اس لیے اصحاب موسیٰ علیہ السلام مضطرب تھے۔

آخر اب جانا کہاں ہے پس اس اضطراب اور پریشانی کے وقت میں ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اپنا عصا اس دریا پر مارو چنانچہ انہوں نے بحکم خداوندی اپنا عصا اس پر مارا۔ پس فوراً وہ دریا پھٹ گیا اور اس میں بارہ راستے بن گئے اور پانی کئی جگہ سے ادھر ادھر ہو گیا جس سے بارہ سڑکیں پیدا ہو گئیں۔ سو پانی کا ہر ایک ٹکڑا مثل ایک بڑے پہاڑ کے کھڑا ہو گیا اور بنی اسرائیل کے بارہ اسباط کے لیے بارہ راستے ہو گئے جو بحکم خداوندی سب خشک تھے کیچڑ نہ رہا اور اطمینان کے ساتھ ان راستوں سے گزر کر دریا سے پار ہو گئے۔ کما قال تعالیٰ ﴿فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۔ لَّا تَخَافُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى﴾ اور موسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے یہ حکم دیا کہ دریا کو اسی طرح خشک چھوڑ دو۔ ﴿وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا اِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ﴾ جو خدا خشکی میں راستے بنا سکتا ہے وہ تری میں بھی بنا سکتا ہے۔ اسکی قدرت کے اعتبار سے بر اور بحر سب برابر ہیں۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام تو ان دریائی راستوں کو خشک چھوڑ کر پار ہو گئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اور بعد ازاں ہم نے دوسرے لوگوں کو یعنی فرعونیوں کو اس جگہ کے قریب پہنچا دیا۔ چنانچہ فرعونیوں نے جب یہ دیکھا کہ ان کے لئے خشک راستے کھلے ہوئے ہیں تو شاداں و فرحاں ان میں گھس پڑے۔ پانی بحکم خداوندی رواں ہو گیا اور سارا لشکر اندر غرق ہو گیا اور یہ تمام رب العالمین کی قدرت کا کرشمہ تھا کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو بچا لیا اور صحیح سالم ان کو دریا سے پار کر دیا۔ پھر انکے پار ہو جانے کے بعد دوسروں کو دریا میں غرق کر دیا کہ جب فرعون اپنی قوم سمیت دریا میں داخل ہوا تو دریا کے تمام ٹکڑے آپس میں مل گئے اور سب غرق ہو گئے جو لوگ کواکب اور نجوم کی تاثیر کے قائل تھے غرق میں سب شریک ہوئے۔ حالانکہ ان کے طالع مختلف تھے۔ فرعون کو دریائے نیل اور مصر کی نہروں پر فخر تھا اور بطور فخر یہ کہا کرتا تھا ﴿اَلَيْسَ لِيْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ﴾۔ اس لیے من جانب اللہ اس کے قابل فخر دریا اور نہر میں اس کو غرق کیا گیا کہ دیکھ لے کہ وہ قابل فخر نہر یہ ہے اور بے شک اس واقعہ میں اللہ رب العالمین کی قدرت کی اور موسیٰ علیہ السلام کی صداقت نبوت کی اور اہل ایمان کی نصرت و حفاظت کی، اور متکبرین اور کافروں کی ہلاکت کی بہت بڑی نشانی ہے اور باوجود ان روشن نشانیوں کے قوم فرعون میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ ہوئے بے شک تیرا پروردگار جو ہے وہی غالب ہے اور بڑا مہربان ہے اسی انفلاق بحر کے واقعہ سے اسکی شان عزت و غلبہ اور شان رحمت ظاہر ہو گئی کہ اہل ایمان کو نجات دی اور اہل کفر و تکبر کو غرق کیا۔

لطائف و معارف

حق جل شانہ نے ان آیات میں موسیٰ علیہ السلام کے تین معجزوں کا ذکر فرمایا۔ معجزۂ عصا، اور معجزۂ ید بیضاء اور معجزۂ انفلاق بحر۔ فلاسفہ اور ملاحدہ اس قسم کے خوارق عادات معجزات اور کرامات کے منکر ہیں اور ان کو محال بتلاتے ہیں اور موجودہ زمانے کے نئے چہرے یہ کہتے ہیں کہ یہ چیزیں قانون فطرت کے خلاف ہیں۔

جواب: ...... سو جاننا چاہئے کہ فلاسفہ کا یہ دعویٰ کہ اس قسم کے معجزات کا وقوع عقلاً محال ہے، دعویٰ بلا دلیل ہے۔ آج تک کوئی

دلیل ان کے محال ہونے پر قائم نہ ہو سکی۔

جمادات اور نباتات کے اندر حیوانات کا پیدا ہو جانا اور زمین میں حشرات الارض کا پیدا ہونا روزمرہ کا مشاہدہ ہے پس اگر ایک نباتاتی چیز (یعنی عصا) بحکمِ خداوندی حیوان بن جائے تو عقلاً ممکن ہے بسا اوقات لکڑی کے اندر کیڑے پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور کسی جسم کا روشن ہو جانا عقلاً محال نہیں۔ آفتاب اور ماہتاب خدا کے پیدا کردہ جسم ہیں ان میں جو روشنی ہے وہ بھی خدا کی پیدا کردہ ہے آفتاب اور ماہتاب خود بخود اپنی طبیعت اور اپنے ارادہ اور مشیت سے روشن نہیں ہو گئے پس جس خدا نے آفتاب اور ماہتاب کو روشنی بخشی وہی خدا اپنے کلیم علیہ السلام کے ہاتھ کو بھی روشنی بخش سکتا ہے نفس جسمیت کے لحاظ سے آفتاب اور موسیٰ علیہ السلام کا ہاتھ برابر ہیں اور قدرتِ خداوندی کے اعتبار سے بھی سب یکساں ہیں اور علیٰ ہذا انفلاق بحر بھی عقلاً محال نہیں کیونکہ پانی بھی عام اجسام کی طرح بہت سے اجزاء سے مرکب ہے اور قابل انقسام ہے اور اس کے اجزاء میں باہمی اتصال اور انفلاق کی پوری صلاحیت اور استعداد موجود ہے جیسے موسم سرما میں بڑے بڑے دریا منجملہ ہو جاتے ہیں اور حیوانات ان پر سے گزرتے رہتے ہیں معلوم ہوا کہ پانی کا اتصال اور اس کا انفلاق اور انفصال پانی کی نفس ماہیت کا ذاتی اور طبعی اقتضا نہیں کہ جو ناقابل تغیر و تبدل ہو سب قدرتِ خداوندی سے ہے پس اگر قدرتِ خداوندی سے موسیٰ علیہ السلام کے لیے دریا کا پانی تھوڑی دیر کے لیے پھٹ جائے اور تھم جائے اور پھر ان کے گزر جانے کے بعد فوراً بہنے لگے تو یہ بات عقلاً محال نہیں البتہ خارق عادت ہونے کی وجہ سے عجیب و غریب ضرور ہے اگر یہ کوئی امر عجیب نہ ہوتا تو پھر معجزہ ہی کیوں کہلاتا۔ پس جو کرشمۂ قدرت خدا کے کسی برگزیدہ بندہ کے ہاتھ پر ظاہر ہو تو یہ اس نبی کا معجزہ کہلاتا ہے جو اس نبی کی صداقت اور حقانیت کی دلیل اور روشن علامت ہوتا ہے پس یہ واقعہ چند حیثیت سے معجزہ ہو گیا۔ (۱) محض عصا کے مارنے سے دریا کا پھٹ جانا۔ (۲) اور پھر اس میں بنی اسرائیل کے بارہ اسباط کے مطابق بارہ سڑکیں پیدا ہو جانا۔ (۳) پھر بنی اسرائیل کے گزر جانے کے بعد دریا کا رواں ہو جانا۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ ﴿۶۹﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۷۰﴾ قَالُوْا نَعْبُدُ

اور سنا دے ان کو خبر ابراہیم کی جب کہا اپنے باپ کو اور اس کی قوم کو تم کس کو پوجتے ہو ف۱ وہ بولے ہم پوجتے ہیں

اور سنا ان کو خبر ابراہیم کی۔ جب کہا اپنے باپ کو اور اس کی قوم کو، تم کیا پوجتے ہو؟ وہ بولے، ہم پوجتے ہیں

اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ ﴿۷۱﴾ قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ ﴿۷۲﴾ اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ

مورتوں کو پھر سارے دن انہی کے پاس لگے بیٹھے رہتے ہیں ف۲ کہا کچھ سنتے ہیں تمہارا کہا جب تم پکارتے ہو ف۳ یا کچھ بھلا کرتے ہیں تمہارا یا

مورتوں کو، پھر سارے دن اس پاس لگے بیٹھے رہیں۔ کہا، کچھ سنتے ہیں تمہارا؟ جب پکارتے ہو۔ یا بھلا کرتے ہیں تمہارا یا

ف۱ یعنی یہ چیز کیا ہے جسے تم پوجتے ہو؟

ف۲ یعنی تم ہمارے معبودوں کو جانتے نہیں، جو ایسی تحقیر سے سوال کر رہے ہو۔ ہم ان مورتوں کو پوجتے ہیں اور اس قدر وقعت و عقیدت ہمارے دل میں ہے کہ دن بھر آسن جما کر ان ہی کو لگے بیٹھے رہتے ہیں۔

ف۳ یعنی اتنا پکارنے پر کبھی تمہاری بات سنتے ہیں؟ اگر نہیں سنتے (جیسا کہ ان کے جماد ہونے سے ظاہر ہے) تو پکارنا فضول ہے۔

يَضُرُّوْنَ ﴿۷۳﴾ قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۴﴾ قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ

برا ف۱ بولے نہیں پر ہم نے پایا اپنے باپ دادوں کو یہی کام کرتے ف۲ کہا بھلا دیکھتے ہو جن کو

برا؟ بولے نہیں! پر ہم نے پائے اپنے باپ دادے یہی کرتے۔ کہا، بھلا دیکھتے ہو؟ جن کو

تَعْبُدُوْنَ ﴿۷۵﴾ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۷﴾ الَّذِيْ

پوجتے رہے ہو تم اور تمہارے باپ دادے اگلے ف۳ سو وہ میرے غنیم ہیں ف۴ مگر جہان کا رب ف۵ جس نے

پوجتے رہے ہو۔ تم اور تمہارے باپ دادے اگلے۔ سو وہ میرے غنیم ہیں، مگر جہان کا صاحب۔ جس نے

خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ ﴿۷۸﴾ وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ ﴿۷۹﴾ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ﴿۸۰﴾

مجھ کو بنایا سو وہی مجھ کو راہ دکھلاتا ہے ف۶ اور وہ جو مجھ کو کھلاتا ہے اور پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہوں تو وہی شفا دیتا ہے

مجھ کو بنایا، سو وہی مجھ کو سوجھ دیتا ہے۔ اور وہ جو مجھ کو کھلاتا ہے اور پلاتا ہے۔ اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی چنگا کرتا ہے۔

وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ ﴿۸۱﴾ وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓـَٔتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿۸۲﴾ رَبِّ

اور وہ جو مجھ کو مارے گا پھر جلائے گا ف۷ اور وہ جو مجھ کو توقع ہے کہ بخشے میری تقصیر انصاف کے دن ف۸ اے میرے رب

اور وہ جو مجھ کو مارے گا، پھر جلاوے گا۔ اور وہ جو مجھ کو توقع ہے کہ بخشے میری تقصیر دن انصاف کے۔ اے رب!

هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۸۴﴾

دے مجھ کو حکم اور ملا مجھ کو نیکوں میں ف۹ اور رکھ میرا بول سچا پچھلوں میں ف۱۰

دے مجھ کو حکم، اور ملا مجھ کو نیکوں میں۔ اور رکھ میرا بول سچا پچھلوں میں۔

ف۱ یعنی کیا پوجنے پر کچھ نفع یا نہ پوجنے کی صورت میں کچھ نقصان پہنچا سکتے ہیں؟ ظاہر ہے جو اپنے اوپر سے مکھی تک نہ اڑا سکیں وہ دوسرے کو کیا نفع نقصان پہنچا سکیں گے؟ پھر ایسی عاجز و لایعقل چیز کو معبود بنانا کہاں کی عقلمندی ہے۔

ف۲ یعنی ان منطقی بحثوں اور کج حجتیوں کو ہم نہیں جانتے، نہ ہماری عقیدت اور پرستش کا مدار ان باتوں پر ہے بس سو دلیلوں کی ایک دلیل یہ ہے کہ ہمارے بڑے اسی طرح کرتے چلے آئے۔ کیا ہم ان سب کو احمق سمجھ لیں۔

ف۳ یعنی ان کا پوجنا ایک پرانی حماقت ہے، ورنہ جس کے اختیار اور قبضہ میں ذرہ برابر نفع نقصان نہ ہو اس کی عبادت کیسی؟

ف۴ یعنی لو! میں بے خوف و خطر اعلان کرتا ہوں کہ تمہارے ان معبودوں سے میری لڑائی ہے۔ میں ان کی گت بنا کر رہوں گا۔ ﴿وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ﴾ (انبیاء، رکوع ۵) اگر ان میں کوئی طاقت ہے تو مجھ کو نقصان پہنچا دیکھیں۔ کما قال تعالیٰ فی موضع آخر ﴿وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّيْ شَيْـًٔا﴾ (انعام، رکوع ۹) وقال نوح علیہ السلام ﴿فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ﴾ (یونس، رکوع ۸) وقال ھود علیہ السلام ﴿فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ﴾ (ہود، رکوع ۵) اور بعض مفسرین نے کہا کہ یہ نہایت موثر و لطیف پیرایہ میں مشرکین پر تعریض ہے۔ یعنی جن کی تم عبادت کر رہے ہو میں ان کو اپنا دشمن سمجھتا ہوں۔ اگر نعوذ باللہ ان کی پرستش کروں تو سراسر نقصان ہے۔ اسی سے سمجھ لو کہ تم بھی ان کی عبادت کر کے نقصان اٹھا رہے ہو۔

ف۵ کہ وہی میرا معبود، دوست اور مددگار ہے۔

ف۶ یعنی فلاح دارین کی راہ دکھاتا اور اعلیٰ درجہ کے فوائد و منافع کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔

ف۷ یعنی کھلانا پلانا، مارنا جلانا اور بیماری سے اچھا کرنا، سب اسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔

=

وَاجْعَلْنِیْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِیْمِ ﴿۸۵﴾ وَاغْفِرْ لِاَبِیْۤ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّیْنَ ﴿۸۶﴾ وَلَا تُخْزِنِیْ

اور کر مجھ کو وارثوں میں نعمت کے باغ کے ف۱ اور معاف کر میرے باپ کو وہ تھا راہ بھولے ہوؤں میں ف۲ اور رسوا نہ کر مجھ کو

اور کر مجھ کو وارثوں میں نعمت کے باغ کے۔ اور معاف کر میرے باپ کو، وہ تھا راہ بھولوں میں۔ اور رسوا نہ کر مجھ کو

یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ ﴿۸۷﴾ یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ﴿۸۸﴾ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ ﴿۸۹﴾

جس دن سب جی کر اٹھیں جس دن نہ کام آئے کوئی مال اور نہ بیٹے مگر جو کوئی آیا اللہ کے پاس لے کر دل چنگا ف۳

جس دن جی کر اٹھیں۔ جس دن نہ کام آوے کوئی مال نہ بیٹے۔ مگر جو کوئی آیا اللہ پاس لے کر دل چنگا۔

وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِیْنَ ﴿۹۰﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِیْمُ لِلْغٰوِیْنَ ﴿۹۱﴾ وَقِیْلَ لَهُمْ اَیْنَ مَا كُنْتُمْ

اور پاس لائیں بہشت کو واسطے ڈر والوں کے اور نکالیں دوزخ کو سامنے بے راہوں کے ف۴ اور کہیں ان کو کہاں ہیں جن کو

اور پاس لائے بہشت واسطے ڈر والوں کے۔ اور نکالی دوزخ سامنے بے راہوں کے۔ اور کہئے ان کو کہاں ہیں ؟ جن کو

= ف۸ یعنی کسی معاملہ میں بھول چوک یا اپنے درجہ کے موافق خطا وتقصیر ہو جائے تو اس کی مہربانی سے معافی کی توقع ہو سکتی ہے، کوئی دوسرا معاف کرنے والا نہیں۔ آگے حق تعالیٰ کے کمالات اور مہربانیوں کا ذکر کرتے کرتے حضرت ابراہیم نے غلبہ حضور سے دعا شروع کر دی جو کمال عبدیت کے لوازم میں سے ہے۔

ف۹ یعنی مزید علم وحکمت اور درجات قرب وقبول مرحمت فرما، اور اعلیٰ درجہ کے نیکوں کے زمرہ میں (جو انبیاء علیہم السلام ہیں) شامل رکھ۔ کما قال نبینا صلی اللہ علیہ وسلم "اَللّٰهُمَّ فِی الرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی" اس دعا سے اپنی کامل احتیاج اور حق تعالیٰ کی غنا کا اظہار مقصود ہے یعنی نبی ہو یا ولی، اللہ تعالیٰ کسی کے معاملہ میں مجبور ومضطر نہیں، ہمہ وقت اس کے فضل ورحمت سے کام چلتا ہے۔

ف۱۰ یعنی ایسے اعمال مرضیہ اور آثار حسنہ کی توفیق دے کہ پیچھے آنے والی نسلیں ہمیشہ میرا ذکر خیر کریں اور میرے راستہ پر چلنے کی طرف راغب ہوں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آخر زمانے میں میرے گھرانے سے نبی ہو اور امت ہو، اور میرا دین تازہ کریں۔ چنانچہ یہی ہوا کہ حق تعالیٰ نے ابراہیم کو دنیا میں قبول عام عطا فرمایا۔ اور ان کی نسل سے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا جنہوں نے ملت ابراہیمی کی تجدید کی اور فرمایا کہ میں ابراہیم کی دعا ہوں، آج بھی ابراہیم کا ذکر خیر اہل ملل کی زبانوں پر جاری ہے اور امت محمدیہ تو ہر نماز میں "كَمَا صَلَّیْتَ عَلٰۤى اِبْرَاهِیْمَ" اور "كَمَا بَارَكْتَ عَلٰۤى اِبْرَاهِیْمَ" پڑھتی ہے۔

ف۱ یعنی جنت کا جو آدم کی میراث ہے۔

ف۲ ترجمہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دعا باپ کی موت کے بعد کی۔ مگر دوسری جگہ تصریح آ گئی کہ جب اس کا دشمن خدا ہونا ظاہر ہو گیا تو براءت اور بیزاری کا اظہار فرمایا۔ کما قال تعالیٰ ﴿وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِیْمَ لِاَبِیْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَاۤ اِیَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗۤ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ﴾ (توبہ، رکوع ۱۴) اور اگر ﴿اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّیْنَ﴾ میں "کان" کا ترجمہ "تھا" کے بجائے "ہے" سے کیا جائے، پھر کوئی اشکال نہیں۔ کیونکہ زندگی میں ایمان لے آنے کا امکان تھا۔ تو دعا کا حاصل یہ ہے کہ الٰہی اس کو ایمان سے مشرف فرما کر کفر کے زمانہ کی خطائیں معاف فرما دے۔ اس کی قدرے مفصل تحقیق پہلے کسی جگہ گزر چکی ہے۔ فلیراجع۔

ف۳ یعنی بھلا چنگا بے روگ دل جو کفر ونفاق اور فاسد عقیدوں سے پاک ہو گا وہی وہاں کام دے گا۔ نرے مال واولاد کچھ کام نہ آئیں گے۔ اگر کافر چاہے کہ قیامت میں مال واولاد فدیہ دے کر جان چھڑا لے، تو ممکن نہیں۔ یہاں کے صدقات وخیرات اور نیک اولاد سے بھی کچھ نفع کی توقع اسی وقت ہے جب اپنا دل کفر کی پلیدی سے پاک ہو۔

ف۴ یعنی محشر میں جنت مع اپنی انتہائی آرائش وزیبائش کے متقین کو قریب نظر آئے گی۔ جسے دیکھ کر داخل ہونے سے پہلے ہی مسرور ومحظوظ ہوں گے۔ اسی طرح دوزخ کو مجرموں کے پاس لے آئیں گے تا کہ داخل ہونے سے پیشتر ہی خوف کھا کر لرزنے لگیں۔

تَعۡبُدُوۡنَ ﴿۹۲﴾ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ ؕ ہَلۡ یَنۡصُرُوۡنَکُمۡ اَوۡ یَنۡتَصِرُوۡنَ ﴿۹۳﴾ فَکُبۡکِبُوۡا فِیۡہَا ہُمۡ

تم پوجتے تھے اللہ کے سوائے کیا کچھ مدد کرتے ہیں تمہاری یا بدلہ لے سکتے ہیں ف۱ پھر اوندھے ڈالیں اس میں ان کو

پوجتے تھے۔ اللہ کے سوا۔ کچھ مدد کرتے ہیں تمہاری یا بدلہ لے سکتے ؟ پھر اوندھے ڈالے اس میں وہ

وَالۡغَاوٗنَ ﴿۹۴﴾ وَجُنُوۡدُ اِبۡلِیۡسَ اَجۡمَعُوۡنَ ﴿۹۵﴾ قَالُوۡا وَہُمۡ فِیۡہَا یَخۡتَصِمُوۡنَ ﴿۹۶﴾ تَاللّٰہِ اِنۡ کُنَّا

اور سب بے راہوں کو اور ابلیس کے لشکر کو سبھوں کو ، کہیں گے جب وہ وہاں باہم جھگڑنے لگیں قسم اللہ کی ہم تھے

اور سب بے راہ۔ اور لشکر ابلیس کے سارے۔ کہیں گے جب وہ وہاں جھگڑنے لگیں۔ قسم اللہ کی ! ہم تھے

لَفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۹۷﴾ اِذۡ نُسَوِّیۡکُمۡ بِرَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۹۸﴾ وَمَاۤ اَضَلَّنَاۤ اِلَّا الۡمُجۡرِمُوۡنَ ﴿۹۹﴾ فَمَا

صریح غلطی میں جب ہم تم کو برابر کرتے تھے پروردگار عالم کے اور ہم کو راہ سے بہکایا سو ان گناہ گاروں نے پھر کوئی نہیں

صریح غلطی میں۔ جب تم کو برابر کرتے تھے جہان کے صاحب کے۔ اور ہم کو راہ سے بھلایا سو ان گنہگاروں نے۔ پھر کوئی نہیں

لَنَا مِنۡ شَافِعِیۡنَ ﴿۱۰۰﴾ وَلَا صَدِیۡقٍ حَمِیۡمٍ ﴿۱۰۱﴾ فَلَوۡ اَنَّ لَنَا کَرَّۃً فَنَکُوۡنَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۰۲﴾

ہماری سفارش کرنے والے اور نہ کوئی دوست محبت کرنے والا ف۲ سو کسی طرح ہم کو پھر جانا ملے تو ہم ہوں ایمان والوں میں ف۳

ہماری سفارش کرنے والا۔ اور نہ کوئی دوست محبت کرنے والا۔ سو کسی طرح ہم کو پھر جانا ہو، تو ہم ہوں ایمان والوں میں۔

اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً ؕ وَمَا کَانَ اَکۡثَرُہُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۰۳﴾ وَاِنَّ رَبَّکَ لَہُوَ الۡعَزِیۡزُ الرَّحِیۡمُ ﴿۱۰۴﴾ ع

اس بات میں نشانی ہے اور بہت لوگ ان میں نہیں ماننے والے ف۴ اور تیرا رب وہی ہے زبردست رحم والا۔

اس بات میں نشانی ہے۔ اور وہ بہت لوگ نہیں ماننے والے۔ اور تیرا رب وہی ہے زبردست رحم والا۔

قصۂ دوم: حضرت ابراہیم علیہ السلام با قوم او

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی : ﴿وَاتۡلُ عَلَیۡہِمۡ نَبَاَ اِبۡرٰہِیۡمَ ... الی ... وَاِنَّ رَبَّکَ لَہُوَ الۡعَزِیۡزُ الرَّحِیۡمُ﴾

ربط: ...... گزشتہ آیت میں حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے قصہ کا ذکر تھا اب اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد حضرت ابراہیم

ف۱ یعنی اب وہ فرضی معبود کہاں گئے کہ نہ تمہاری مدد کر کے اس عذاب سے چھڑا سکتے ہیں نہ بدلہ لے سکتے ہیں بلکہ خود اپنی بھی مدد نہیں کر سکتے۔

ف۲ یعنی بت اور بت پرست اور ابلیس کا سارا لشکر، سب کو دوزخ میں اوندھے منہ گرا دیا جائے گا۔ وہاں پہنچ کر آپس میں جھگڑیں گے۔ ایک دوسرے کو الزام دے گا اور آخر کار اپنی گمراہی کا اعتراف کریں گے کہ واقعی ہم سے بڑی سخت غلطی ہوئی کہ تم کو (یعنی بتوں کو یا دوسری چیزوں کو جنہیں خدائی کے حقوق و اختیار دے رکھے تھے) رب العالمین کے برابر کر دیا۔ کیا کہیں یہ غلطی ہم سے ان بڑے شیطانوں نے کرائی، اب ہم اس مصیبت میں گرفتار ہیں نہ کوئی بت کام دیتا ہے نہ شیطان مدد کو پہنچتا ہے۔ وہ خود ہی دوزخ کے کندے بن رہے ہیں۔ کوئی اتنا بھی نہیں کہ خدا کے یہاں ہماری سفارش کر دے یا کم از کم اس آڑے وقت میں کوئی دوست دلسوزی و ہمدردی کا اظہار کرے۔ سچ ہے ﴿اَلۡاَخِلَّآءُ یَوۡمَئِذٍۭ بَعۡضُہُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الۡمُتَّقِیۡنَ﴾ (زخرف، رکوع ۶)

ف۳ یعنی اگر ایک مرتبہ ہم کو پھر دنیا کی طرف واپس جانے کا موقع دیا جائے تو اب وہاں سے پکے ایماندار بن کر آئیں لیکن یہ کہنا بھی جھوٹ ہے۔ ﴿وَلَوۡ رُدُّوۡا لَعَادُوۡا لِمَا نُہُوۡا عَنۡہُ وَاِنَّہُمۡ لَکٰذِبُوۡنَ﴾ (انعام، رکوع ۳)

ف۴ یعنی ابراہیم کے اس قصہ میں توحید وغیرہ کے دلائل اور مشرکین کا عبرتناک انجام دکھلایا گیا ہے مگر لوگ کہاں مانتے ہیں۔

خلیل اللہ علیہ السلام کا قصہ ذکر کرتے ہیں کہ ان کو اپنی قوم کے مقابلہ میں کیا ابتلا پیش آیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے باپ کی گمراہی کا شدید رنج تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم بابل کے اطراف میں آباد تھی مذہباً صابی یعنی ستارہ پرست تھے اور بت پرست بھی تھے کواکب اور نجوم کی تاثیر کے قائل تھے۔ ابراہیم علیہ السلام نے دلائل سے حق واضح کر دیا اور اپنے لیے خدا تعالیٰ سے قسم قسم کی دعائیں مانگی۔ لہٰذا اے نبی آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہی طریقہ اختیار کیجئے چنانچہ فرماتے ہیں۔ اور اے نبی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کے سامنے ابراہیم علیہ السلام کا قصہ بیان کیجئے۔ تاکہ یہ لوگ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہونے پر فخر کرتے ہیں ان کو چاہئے کہ اخلاص اور توحید اور توکل میں انکا اقتداء کریں اور شرک سے بیزار ہوں اور ابراہیم علیہ السلام کا قصہ سن کر ان پر حجت لازم ہو۔ ابراہیم علیہ السلام نے اول ابطال شرک کے لیے بتوں کا عاجز ہونا بیان کیا۔ بعد ازاں اثبات توحید کے لیے رب العالمین کی صفات کمال کو بیان کیا کہ رب العالمین وہ ہے کہ بندوں کا پیدا کرنا اور انکو ہدایت دینا اور ان کو رزق دینا اور مارنا اور جلانا سب اس کے اختیار میں ہے جو ذات ان صفات کے ساتھ موصوف ہو وہ مستحق عبادت ہے اور اس کی نعمتوں کا شکر فرض اور لازم ہے۔

از دست و زبان کہ برآید | کز عہدہ شکرش بدر آید

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ یہ ہے کہ جب انہوں نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے یہ سوال کیا کہ تم کس بے حقیقت چیز کی پرستش کرتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ ہم بتوں کو پوجتے ہیں پھر ہم ان کی عبادت پر جمے ہوئے ہیں ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ کیا یہ بت تمہاری بات کو سنتے ہیں جب تم انہیں پکارتے ہو اور ان سے دعا مانگتے ہو یا تم کو کچھ نفع پہنچا سکتے ہیں یا اگر تم ان کو پوجنا چھوڑ دو تو وہ تم کو کچھ نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ پس جو چیز تمہاری پکار بھی نہ سنتی ہو اور نہ کسی نفع اور ضرر پر قادر ہو وہ کیسے قابل عبادت ہو سکتی ہے۔ بولے کہ یہ باتیں جو تم نے کہی ہیں وہ تو ہم نے ان میں نہیں پائی پر ہم نے اپنے بڑوں کو اسی طرح کرتے پایا۔ ہم تمہارے کہنے سے اپنے آبائی طریقے کو نہیں چھوڑ سکتے۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا بھلا تم نے جانا بھی ہے کہ جن چیزوں کو تم پوجتے رہتے ہو اور تمہارے بڑے بھی پوجتے چلے آئے۔ یہ میرے اور تمہارے دشمن ہیں سوائے رب العالمین کے کہ اس کی عبادت تو حق ہے اور اس کی سوا کسی اور چیز کی عبادت باعث مضرت ہے بلکہ باعث ہلاکت ہے اور دشمن کا کام نقصان پہنچانا ہے۔ اس لیے انہیں دشمن فرمایا۔ کیونکہ کسی دشمن سے اتنا ضرر نہیں پہنچ سکتا جتنا کہ بتوں کی عبادت سے پہنچتا ہے اور وہ رب العالمین جس کی عبادت کی طرف میں تم کو بلاتا ہوں اس کی شان یہ ہے کہ اس نے مجھ کو پیدا کیا۔ پس وہی مجھ کو راہ دکھاتا ہے اور سیدھے راستے پر لے جا رہا ہے پہلے جملہ میں اللہ کی وحدانیت کو بیان کیا کہ وہی میرا خالق ہے اور دوسرے جملہ میں مقام نبوت کو بیان کیا جدھر خدا مجھے لے جا رہا ہے میں ادھر جا رہا ہوں۔

ع می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

اور وہ جو مجھ کو کھلاتا ہے اور پلاتا ہے یعنی جس ذات نے پیدا کرنے کے بعد میرے لیے سامان زندگی بھی پیدا کیا۔ میرا وجود اور میری بقا سب اس کے اختیار میں ہے اور زندگی میں جو تغیرات اور انقلابات پیش آتے ہیں وہ بھی سب اس کے ہاتھ میں ہیں اور جب میں بیمار ہو جاتا ہوں تو وہ مجھ کو شفا دیتا ہے اور وہ ذات جس نے مجھ کو پیدا کیا وہی مجھ کو اپنے وقت پر موت دے گا۔ پھر قیامت کے دن مجھ کو زندہ کرے گا۔ مطلب یہ ہے کہ میں بھی حادث اور میری بیماری بھی حادث اور میری

صحت بھی حادث اور میری موت بھی حادث اور میری حیات بھی حادث اور وہ ذات ہے کہ جس سے میں طمع لگائے ہوئے ہوں کہ روز جزا میں میری خطا معاف کرے۔ یعنی میری خطا پر مواخذہ نہ کرے۔ ابراہیم علیہ السلام اللہ کے خلیل اور معصوم بندے تھے۔ مگر سہو ونسیان سے کوئی بشر خالی نہیں اس لیے بطور تواضع وادب اور لوگوں کی تعلیم کے لیے یہ فرمایا کہ لوگوں کو چاہیئے کہ اپنی خطاؤں اور کوتاہیوں پر نظر رکھیں اور بتلایا ہے کہ لوگ جان لیں کہ خطاؤں کو معاف کرنے والا صرف وہی رب العالمین ہے۔ ﴿وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ سعدی علیہ الرحمۃ نے کیا خوب کہا ہے۔

بندہ ھماں بہ کہ ز تقصیر خویش عذر بدرگاہ خدا آورد

ورنہ سزا وار خداوندیش کس نتواند کہ بجا آورد

یہاں تک ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے معبود برحق کی صفات بیان کیں کہ معبود برحق وہ ہے کہ جو ان صفات کے ساتھ موصوف ہو۔ تمہارے تراشیدہ بت قابل عبادت نہیں اور اللہ تعالیٰ کے انواع واقسام کے الطاف کا اعتراف کیا اب اس کے بعد ابراہیم علیہ السلام اپنی قوم سے منہ موڑ کر رب العالمین کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اس سے دعا مانگتے ہیں اے میرے پروردگار مجھ کو علم اور حکمت عطاء فرما اور مجھ کو اپنے خاص الخاص نیک بختوں میں شامل کر دے اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حق ادا ہونا کسی سے ممکن نہیں اس لیے حضرات انبیاء علیہم السلام سب سے زیادہ لرزاں اور ترساں رہتے ہیں۔ فقہ اکبر میں امام اعظم رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ کوئی مخلوق اللہ تعالیٰ کی ایسی عبادت جو اس عبادت کا حق ہے ادا نہیں کر سکتی لیکن بندہ اس کے حکم کی فرمانبرداری اور بجا آوری کرتا ہے "حکم" سے علم اور حکمت اور نبوت اور قوت علمیہ کا کمال مراد ہے اور صلاح سے قوت عملیہ کا کمال مراد ہے اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دونوں دعائیں قبول کیں۔ ان کو علم وحکمت اور رسالت اور خلت سے سرفراز فرمایا اور صالحین میں سے بنایا۔ کما قال تعالیٰ ﴿وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ اور اے میرے پروردگار میرا ذکر خیر سچائی کے ساتھ پچھلے لوگوں میں جاری رکھ کہ پچھلے لوگ میرے طریقے پر چلیں اور ان کی نیکیوں سے مجھ کو بھی حصہ ملے اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعا بھی قبول فرمائی۔ کما قال تعالیٰ ﴿وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝ سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ۝ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝﴾۔ جس قدر ادیان سماویہ ہیں سب میں ان کا ذکر خیر ہوتا ہے اور امت محمدیہ کو یہ حکم ہوا کہ التحیات میں جب درود پڑھا کریں تو اس کے ساتھ کما صلیت وبارك على ابراهيم وعلى ال ابراهيم۔ پڑھا کریں۔ اور اے الٰہی مجھ کو جنت النعیم کے وارثوں میں سے کر دے جو تیری نعمت اور کرامت کا باغ ہے یعنی بغیر تعب اور مشقت کے مجھ کو جنت عطا فرما۔ جیسے میراث، بدون تعب اور مشقت کے ملتی ہے اور اے اللہ میرے باپ کی مغفرت فرما دے وہ گمراہوں میں سے تھا۔ ابراہیم علیہ السلام نے ہجرت کی اور باپ کو چھوڑ کر چلے اور مطلب یہ تھا کہ اے اللہ اس کو ایمان اور ہدایت کی توفیق نصیب فرما تا کہ وہ تیری مغفرت کا مستحق ہو سکے۔ ان کو یہ امید تھی کہ شاید وہ زندگی میں اسلام لے آئے لیکن جب ان پر یہ بات کھل گئی کہ وہ اللہ کا دشمن ہے ایمان نہیں لائے گا یا یہ معلوم ہو گیا کہ اس کا خاتمہ کفر پر ہو گیا تو اس سے بیزار ہو گئے جیسا کہ سورۂ توبہ میں گزر چکا ہے۔ ﴿وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ﴾۔ ان آیات میں ابراہیم علیہ السلام کی ان دعاؤں کا ذکر تھا کہ جو مقام رجا وطمع سے متعلق ہیں اب آئندہ آیت

میں اس دعا کا ذکر کرتے ہیں جو مقام عظمت و ہیبت اور مقام خوف و خشیت سے متعلق ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اے پروردگار مجھے اس دن رسوا نہ کرنا جس دن مردے قبروں سے اٹھائے جائیں گے لفظ اِخْزَاء خِزْیٌ سے مشتق ہے خِزْیٌ کے معنی ذلت اور خواری کے ہیں اور خزایت کے معنی ندامت اور شرمساری کے ہیں آیت میں دونوں معنی درست ہیں سبحان اللہ جب ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا یہ حال ہے کہ وہ روز حشر کی رسوائی سے ڈرتے ہیں تو کسی کی کیا مجال ہے کہ وہ آخرت کی ذلت اور رسوائی سے بے فکر ہو جائے اور وہ دن بڑا ہولناک ہوگا جس دن نہ مال نفع دیگا اور نہ بیٹے لیکن اس دن کی پریشانی اور رسوائی سے وہ شخص بچ سکے گا جو اللہ کے پاس کفر اور شرک اور شکوک و شبہات سے دل سلامت لے کر حاضر ہوگا۔ جو شخص ایسا ہوگا تو لامحالہ اس نے اپنا مال خدا کی راہ میں لگایا ہوگا اور اپنی اولاد کو دین کی تعلیم دی ہوگی۔ ایسے شخص کو قیامت کے دن مال اور اولاد سے نفع پہنچے گا۔ جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "سلیم" کے معنی لغت میں مارگزیدہ کے ہیں مطلب یہ ہے کہ خوف خداوندی کی وجہ سے جس دل کی یہ کیفیت ہو کہ وہ مارگزیدہ کی طرح تلملاتا رہے تو وہ قیامت کے دن کامیاب ہوگا۔ اور وہ دن نہایت ہولناک اور ہیبت ناک ہوگا اس دن جنت میدان حشر میں متقیوں کے قریب کردی جائے گی جو خزانہ ہے منافع اور فوائد کا تاکہ اہل ایمان جنت میں جانے سے پہلے ہی جنت کو دیکھ کر خوش ہو جائیں کہ ہمیں اس مقام پر جانا ہے اور جہنم گمراہوں کے سامنے ظاہر کردی جائے گی جو مخزن ہے تمام مصیبتوں اور ذلتوں اور آفتوں کا تاکہ اس کو دیکھ کر غمزدہ ہوں کہ اب ہمیں یہاں جانا ہے اور یہ ہمارا دائمی ٹھکانہ ہے یہ دیکھ کر انکے خوف اور ناامیدی اور پریشانی میں اور زیادتی ہوگی۔ کما قال تعالیٰ ﴿فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً سِيْٓـَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾۔ اس طرح سے جنت کو قریب کرنا مسلمانوں کے سرور کا باعث ہوگا اور دوزخ کا قریب کرنا کافروں کے رنج و غم کا باعث ہوگا۔ (تفسیر کبیر: ۶/ ۴۱۸)

اور ذلت و مصیبت کا مخزن دکھلانے کے بعد گمراہوں کو ملامت کی جائے گی اور ان سے کہا جائیگا کہ کہاں ہیں تمہارے وہ معبود جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے تھے کیا وہ اس وقت تمہاری کچھ مدد کرسکتے ہیں یا اپنا ہی کچھ بچاؤ کرسکتے ہیں کیا اپنے آپ کو عذاب سے بچاسکتے ہیں پھر اس کہنے کے بعد وہ معبود یعنی بت وغیرہ اور بت پرست اور گمراہ اور ابلیس کا سب لشکر دوزخ میں اوندھے منہ ڈال دیئے جائیں گے سب کے سب دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے اور غوطے دیئے جائیں گے اور بت اور شیاطین اور گمراہیوں کے سردار جنہوں نے ان کو گمراہی پر آمادہ کیا تھا وہ اپنے پیروی کرنے والوں کی کوئی مدد نہیں کرسکیں گے اور نہ خود اپنے کو عذاب سے بچاسکیں گے نہ ناصر ہونگے اور نہ منتصر اور یہ عابد و معبود وہاں پہنچ کر آپس میں جھگڑیں گے۔ عابدین اپنے معبودین سے کہیں گے۔ خدا کی قسم ہم کھلی گمراہی اور صریح غلطی میں تھے کہ ہم تمہاری عبادت کرتے تھے اور تم کو جہانوں کے پروردگار کی برابر ٹھہراتے تھے۔ اور خدا کی طرح بے چون و چرا تمہارے حکم کو مانتے تھے اور نہیں گمراہی میں ڈالا ہم کو مگر ان بڑے مجرموں نے جو اس گمراہی کے بانی تھے ان مجرموں نے جو باتیں ہم کو سکھائی وہ ہم نے مانی جیسا کہ دوسری جگہ ہے۔ ﴿رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا﴾۔ بالآخر اس طرح سے وہ اپنی گمراہی کا اقرار کریں گے پس اس وقت حسرت سے یہ کہیں گے کہ افسوس ہمارا کوئی سفارشی نہیں جیسے مومنوں کے سفارشی فرشتے اور انبیاء ہیں اور نہ کوئی شفیق اور مہربان دوست ہے کہ دلسوزی اور اظہار ہمدردی ہی کرے۔

سو کاش ہم کو پھر ایک مرتبہ دنیا میں لوٹنا نصیب ہوجائے تو ہم ایمان لانے والوں میں سے ہوجائیں اور پکے ایماندار بن کر واپس آئیں ان کی یہ بات بھی جھوٹ ہے ﴿وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ﴾ یہاں تک ابراہیم علیہ السلام کی تقریر ختم ہوئی۔ اب آگے حق جل شانہ کا ارشاد ہے۔ بے شک ابراہیم علیہ السلام کے اس تمام قصہ میں اہل عقل کے لیے بڑی پرنشانی ہے اور عبرت اور نصیحت ہے اور حجت اور بصیرت ہے جو اللہ کی معرفت حاصل کرنا چاہے کیونکہ یہ قصہ ابطال شرک اور دلائل توحید اور گمراہوں کے عبرتناک انجام کے بیان پر مشتمل ہے کہ کفر اور شرک کا انجام دائمی عذاب ہے اور ایمان دائمی نجات کا سبب ہے اور باوجود اس کے قوم ابراہیم میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ ہوئے۔ اے نبی بے شک تیرا پروردگار ہی غالب ہے اور مہربان ہے یعنی وہ قادر ہے کہ اپنے دشمنوں سے فوری انتقام لے لے۔ لیکن وہ رحیم اور حلیم ہے کہ دشمنوں کو مہلت دیتا ہے۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ِۨ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ نُوْحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ اِنِّيْ لَكُمْ

جھٹلایا نوح کی قوم نے پیغام لانے والوں کو جب کہا ان کو ان کے بھائی نوح نے کیا تم کو ڈر نہیں میں تمہارے واسطے

جھٹلایا نوح کی قوم نے پیغام لانے والوں کو۔ جب کہا ان کو ان کے بھائی نوح نے، کیا تم کو ڈر نہیں؟ میں تمہارے واسطے

رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۰۷﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۰۸﴾ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا

پیغام لانے والا ہوں معتبر سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو ف۱ اور مانگتا نہیں میں تم سے اس پر کچھ بدلہ میرا بدلہ ہے اسی

پیغام لانے والا ہوں معتبر۔ سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو۔ اور مانگتا نہیں میں تم سے اس پر کچھ نیگ۔ میرا نیگ ہے اسی

عَلٰي رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۱۰﴾ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ

پروردگار عالم پر سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو ف۲ بولے کیا ہم تجھ کو مان لیں اور تیرے ساتھ ہو رہے ہیں

جہان کے صاحب پر۔ سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو۔ بولے کیا ہم تجھ کو مانیں؟ اور تیرے ساتھ ہو رہے ہیں

الْاَرْذَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ قَالَ وَمَا عِلْمِيْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰي رَبِّيْ لَوْ

کمینے ف۳ کہا مجھ کو کیا جاننا ہے اس کا جو کام وہ کر رہے ہیں ان کا حساب پوچھنا میرے رب کا ہی کام ہے اگر

کمینے۔ کہا مجھ کو کیا جاننا ہے جو کام وہ کر رہے ہیں۔ ان کا حساب پوچھنا میرے رب ہی کا کام ہے، اگر

تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۱۵﴾ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ

تم سمجھ رکھتے ہو اور میں ہانکنے والا نہیں ایمان لانے والوں کو ف۴ میں تو بس یہی ڈر سنا دینے والا ہوں کھول کر ف۵ بولے اگر تو نہ چھوڑے گا

تم سمجھ رکھتے ہو۔ اور میں ہانکنے والا نہیں ایمان لانے والوں کو۔ میں تو یہی ڈر سنا دینے والا ہوں کھول کر۔ بولے، اگر تو نہ چھوڑے گا،

ف۱ یعنی نہایت صدق و امانت کے ساتھ حق تعالیٰ کا پیغام بلا کم و کاست تم کو پہنچاتا ہوں لہٰذا واجب ہے کہ پیغام الٰہی سن کر خدا سے ڈرو۔ اور میرا کہا مانو۔

ف۲ یعنی ایک بے غرض اور بے لوث آدمی کی بات ماننی چاہیے۔

ف۳ یعنی تھوڑے سے کمینے اور نیچ قوم کے لوگ اپنی نمود کے لیے تیرے ساتھ ہو گئے ہیں۔ بھلا یہ کیا اونچے کام کریں گے اور ہمارا افضل و اشرف کب اجازت =

يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ ﴿۱۱۶﴾ قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوْمِيْ كَذَّبُوْنِ ﴿۱۱۷﴾ فَافْتَحْ بَيْنِيْ

اے نوح تو ضرور سنگسار کردیا جائے گا ف۱ کہا اے رب میری قوم نے تو مجھ کو جھٹلایا سو فیصلہ کر دے

اے نوح ! تو سنگسار ہوگا۔ کہا، اے رب ! میری قوم نے مجھ کو جھٹلایا۔ سو فیصلہ کر میرے

وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَّنَجِّنِيْ وَمَنْ مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ

میرے ان کے بیچ میں کس طرح کا فیصلہ ف۲ اور بچالے مجھ کو اور جو میرے ساتھ ہیں ایمان والے ف۳ پھر بچادیا ہم نے اس کو اور جو اس کے ساتھ تھے اس لدی

ان کے بیچ، کسی طرح کا فیصلہ۔ اور بچالے مجھ کو اور جو میرے ساتھ ہیں ایمان والے۔ پھر بچا دیا ہم نے اس کو اور جو اس کے ساتھ تھے اس لدی

الْمَشْحُوْنِ ﴿۱۱۹﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبٰقِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ

ہوئی کشتی میں پھر ڈبا دیا ہم نے اس کے پیچھے ان باقی رہے ہوؤں کو ف۴ البتہ اس بات میں نشانی ہے اور ان میں بہت لوگ نہیں ہیں

کشتی میں۔ پھر ڈبا دیا پیچھے ان رہے ہوؤں کو۔ البتہ اس بات میں نشانی ہے۔ اور وہ بہت لوگ نہیں

مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۲﴾

ماننے والے، اور تیرا رب وہی ہے زبردست رحم والا

ماننے والے۔ اور تیرا رب وہی ہے زبردست رحم والا۔

ع ۱۸/۱۰

وَقَالَ الَّذِيْنَ

قصہ سوم: حضرت نوح علیہ السلام با قوم او

قَالَ اللهُ تَعَالٰى: ﴿كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ الْمُرْسَلِيْنَ ... الى ... وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ﴾

یہ تیسرا قصہ نوح علیہ السلام کا ہے اس سے مقصود بھی آنحضرت ﷺ کی تسلی ہے کہ نوح علیہ السلام نے ایک طویل عرصہ تک اپنی قوم کی تکذیب پر صبر کیا۔ نوح علیہ السلام نے اول اپنی قوم کو خدا سے ڈرایا۔ ﴿اَلَا تَتَّقُوْنَ﴾۔ بعد ازاں اپنی رسالت اور امانت کو بتلایا۔ ﴿اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ﴾۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کی طرح نوح علیہ السلام بھی اپنی قوم میں امانت وصداقت کے ساتھ مشہور ومعروف تھے چنانچہ فرماتے ہیں قوم نوح علیہ السلام نے سارے رسولوں کو جھٹلایا۔ کیونکہ سب رسولوں کا دین ایک ہے اور ایک کا جھٹلانا سب کو جھٹلانا ہے جبکہ اس قوم کے نسبی بھائی نوح علیہ السلام نے بمقتضائے شفقت ان سے کہا کیا تم لوگ خدا سے

= دے سکتا ہے کہ ان کمینوں کے دوش بدوش تمہاری مجلس میں بیٹھا کریں، پہلے تو آپ ان کو اپنے یہاں سے کھسکائیے۔ پھر ہم سے بات کرنا۔

ف۴ یعنی مجھے ان کا صدق و ایمان قبول ہے، ان کے پیشے یا نیت اور اندرونی کاموں کے جاننے سے کیا مطلب۔ اس کا فیصلہ اور حساب تو پروردگار کے یہاں ہوگا۔ باقی میں تمہاری خاطر سے غریب ایمانداروں کو اپنے پاس سے دھکے نہیں دے سکتا۔

ف۵ یعنی میرا فرض تم کو آگاہ کر دینا تھا سو کر چکا، تمہاری لغو فرمائشیں پوری کرنا میرے ذمہ نہیں۔

ف۱ یعنی بس اب ہم کو اپنی نصیحت سے معاف رکھو، اگر اس روش سے باز نہ آئے تو سنگسار کیے جاؤ گے۔

ف۲ یعنی میرے اور ان کے درمیان عملی فیصلہ فرمادیجئے۔ اب ان کے راہ راست پر آنے کی توقع نہیں۔

ف۳ یعنی مجھ کو اور میرے ساتھیوں کو الگ کر کے ان کا بیڑا غرق کر۔

ف۴ اس قصہ کی تفصیل پہلے کئی جگہ گزر چکی۔

ڈرتے نہیں کہ شرک اور بت پرستی میں مبتلا ہو یہاں نسب کے اعتبار سے بھائی ہونا مراد ہے قوم اور وطن کے اعتبار سے بھائی ہونا مراد نہیں تحقیق میں تمہاری طرف خدا کا پیغام لے کر آیا ہوں اور امانت دار ہوں جیسا کہ تمہیں میری امانت وصداقت خوب معلوم ہے پس تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو شرک اور بت پرستی کو چھوڑو اور ایمان لاؤ۔ اور اس نصیحت میں میری کوئی غرض نہیں میں اس دعوت ونصیحت پر اور تبلیغ رسالت پر تم سے کوئی بدلہ اور معاوضہ نہیں چاہتا۔ میرا اجر تو صرف رب العالمین پر ہے میں تم سے کسی قسم کے نفع کا طلبگار نہیں میرا مقصود تو صرف تمہاری نصیحت اور خیر خواہی ہے پس تم اللہ کی نافرمانی اور اس کے عذاب سے ڈرو اور بے چون وچرا میری اطاعت کرو تاکہ عذاب جہنم سے بچ سکو اور ثواب جنت حاصل کر سکو۔ مگر بڑے سنگدل تھے کہ اس مشفقانہ اور ہمدردانہ نصیحت پر کان نہ دھرا اور بولے کیا ہم تجھ پر ایمان لے آئیں حالانکہ کمینوں اور رذیلوں نے تیرا اتباع کیا ہے۔ چند غریبوں اور چند پیشہ وروں نے تیری پیروی کی ہے جن کو دنیا کی کوئی عزت اور وجاہت حاصل نہیں یہ ناقدرے اور بے حیثیت لوگ ہیں ظاہر میں تیرے تابع ہیں اور باطن میں تیرے مخالف ہیں ایسے غریبوں اور ناداروں کے ساتھ بیٹھنے میں ہم جیسوں کو عار آتی ہے۔ نوح علیہ السلام نے کہا مجھے کیا معلوم کہ وہ کیا کرتے ہیں اخلاص کی راہ سے کرتے ہیں یا نفاق کی راہ سے میرا کام تو صرف اتنا ہے کہ میں لوگوں کو اللہ کی طرف بلاؤں مجھے ان کے باطن کی تحقیق کی ضرورت نہیں جو ظاہر میں ایمان لے آئے وہ میرے نزدیک مقبول ہے باقی ان کے باطن کا حساب سو وہ صرف میرے پروردگار کا کام ہے جو ان کے باطن پر مطلع ہے کاش تم یہ بات سمجھو۔ مطلب یہ ہے کہ مجھے ان کے اعمال وافعال سے بحث نہیں اور نہ مجھے ان کے باطنی اخلاص اور نفاق کی تحقیق کی ضرورت ہے۔ میرا حکم ظاہر پر چلتا ہے میرا کام تو حق کی دعوت دینا ہے جو ایمان لائے اور میری اطاعت کرے وہ میرا ہے اور میں اس کا ہوں خواہ وہ شریف ہو یا کمینہ، امیر ہو یا فقیر۔ آخرت کا معاملہ ایمان اور اطاعت پر ہے وہاں کسی پیشہ کے فرق کو دیکھ کر معاملہ نہ ہوگا۔ آخرت کی عزت وذلت ایمان اور کفر سے وابستہ ہے صنعت وحرفت اور مال ودولت سے اس کا کوئی تعلق نہیں اب رہی یہ بات کہ یہ لوگ اخلاص سے ایمان لائے یا کسی دنیاوی منفعت کے لیے سو یہ کام میرے متعلق نہیں دل کا حال اللہ ہی کو معلوم ہے اور وہی حساب لینے والا ہے۔ کفار کے اس کلام سے یہ مترشح ہوتا تھا کہ اگر آپ علیہ السلام ان رذیلوں اور کمینوں کو اپنے پاس سے نکال دیں یا ہٹا دیں تو ہم آپ علیہ السلام کی طرف توجہ کر سکتے ہیں اس لیے نوح علیہ السلام نے فرمایا اور میں ایمان لانے والوں کو اپنے پاس سے ہٹانے والا نہیں خواہ تم ایمان لاؤ یا نہ لاؤ۔ میں تو صرف ڈرانے والا اور حق کو واضح کرنے والا ہوں اللہ تعالیٰ نے مجھ کو حق کی دعوت کے لیے بھیجا ہے مجھے امیر اور فقیر سے کوئی بحث نہیں تو وہ کافر بولے کہ اے نوح علیہ السلام اگر تو اپنی دعوت اور تبلیغ سے باز نہ آیا تو ضرور سنگسار شدہ لوگوں میں سے ہو جائیگا یعنی تجھ کو ضرور سنگسار کر دیا جائیگا نوح علیہ السلام یہ بات سن کر ان کے ایمان سے ناامید ہو گئے تو یہ دعا مانگی اے میرے پروردگار میری قوم نے مجھ کو جھٹلایا اور اس درجہ تکذیب پر تل گئی ہے کہ اب اس کے بعد تصدیق اور ایمان کا کائی امکان نظر نہیں آتا۔ پس میرے اور ان کے درمیان فیصلہ کر دیجئے یعنی ان سے میرا انتقام لے لیجئے جیسا کہ دوسری جگہ ہے۔ ﴿أَنِّي مَغْلُوبٌ فَانتَصِرْ﴾۔ اور مجھ کو اور میرے ساتھ جو مسلمان ہیں ان کو اپنے قہر اور عذاب سے نجات دے تب ہم نے اس کو اور جو اس کے ساتھ بھری ہوئی کشتی میں تھے ان کو نجات دی پھر ان کے نجات دینے کے بعد ہم نے باقیوں کو غرق کر دیا بے شک اس

واقعہ میں خدا کی قدرت کی ایک زبردشت نشانی ہے اور قوم نوح میں اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں ہوئے اور اے نبی بے شک تیرا پروردگار وہی ہے زبردست مہربان کہ اس نے کافروں سے اپنے پیغمبر کا انتقام لے لیا اور مسلمانوں کو اپنی رحمت سے بچا لیا اور تمام کافر قہر الٰہی کے طوفان اور سیلاب میں بہا کر ہلاک کر دیئے گئے۔

كَذَّبَتْ عَادُ ۨالْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ

جھٹلایا عاد نے پیغام لانے والوں کو جب کہا ان کو ان کے بھائی ہود نے کیا تم کو ڈر نہیں میں تمہارے پاس پیغام لانے والا

جھٹلایا عاد نے پیغام لانے والوں کو۔ جب کہا ان کو ان کے بھائی ہود نے کیا تم کو ڈر نہیں؟ میں تمہارے پاس پیغام لانے والا ہوں

اَمِيْنٌ ﴿۱۲۵﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۲۶﴾ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى

معتبر ہوں سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو اور نہیں مانگتا میں تم سے اس پر کچھ بدلہ میرا بدلہ ہے اسی

معتبر۔ سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو۔ اور نہیں مانگتا میں تم سے اس پر کچھ نیگ۔ میرا نیگ ہے اسی

رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۷﴾ اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ

جہان کے مالک پر کیا بناتے ہو ہر اونچی زمین پر ایک نشان کھیلنے کو اور بناتے ہو کاریگریاں شاید تم

جہان کے صاحب پر۔ کیا بناتے ہو ہر ٹیلے پر ایک نشان کھیلنے کو؟ اور بناتے ہو کاریگریاں، شاید تم

تَخْلُدُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۳۱﴾ وَاتَّقُوا

ہمیشہ رہو گے ف۱ اور جب ہاتھ ڈالتے ہو تو پنجہ مارتے ہو ظلم سے سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو ف۲ اور ڈرو اس سے

ہمیشہ رہو گے۔ اور جب ہاتھ ڈالتے ہو تو پنجہ مارتے ہو ظلم سے۔ سو ڈرو اللہ سے، اور میرا کہا مانو۔ اور ڈرو اس سے

الَّذِيْٓ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۱۳۴﴾ اِنِّيْٓ

جس نے تم کو پہنچائیں وہ چیزیں جو تم جانتے ہو پہنچائے تم کو چوپائے اور بیٹے اور باغ اور چشمے میں

جس نے تم کو پہنچایا ہے جو کچھ جانتے ہو۔ پہنچائے تم کو چوپائے اور بیٹے۔ اور باغ اور چشمے۔ میں

اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۳۵﴾ قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ

ڈرتا ہوں تم پر ایک بڑے دن کی آفت سے ف۳ بولے ہم کو برابر ہے تو نصیحت کرے یا نہ بنے

ڈرتا ہوں تم پر ایک بڑے دن کی آفت سے۔ بولے، ہم کو برابر ہے تو نصیحت کرے یا نہ بنے

ف۱ ان لوگوں کو بڑا شوق تھا اونچے مضبوط منارے بنانے کا جس سے کچھ کام نہ نکلے، مگر نام ہو جائے اور رہنے کی عمارتیں بھی بڑے تکلف کی بناتے تھے مال ضائع کرنے کو۔ ان میں بڑی کاریگریاں دکھلاتے گویا یہ سمجھتے تھے کہ ہمیشہ یہیں رہنا ہے اور یہ یادگاریں اور عمارتیں کبھی برباد نہ ہوں گی۔ (لیکن آج دیکھو تو ان کے کھنڈر بھی باقی نہیں)

ف۲ یعنی ظلم و ستم سے زیر دستوں اور کمزوروں کو تنگ کر رکھا ہے۔ گویا انصاف اور نرمی کا سبق ہی نہیں پڑھا۔ خدا کی ضعیف مخلوق کو جبر و تعدی کا تختۂ مشق بنا رکھا ہے۔ سو اللہ سے ڈرو، ظلم و تکبر سے باز آؤ اور میری بات مانو۔ =

الْوٰعِظِيْنَ ﴿۱۳۶﴾ اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿۱۳۸﴾ فَكَذَّبُوْهُ

تو نصیحت کرنے والا اور کچھ نہیں یہ باتیں عادت ہے اگلے لوگوں کی اور ہم پر آفت نہیں آنے والی ف۱ پھر اس کو جھٹلانے لگے

نصیحت کرنے والا۔ اور کچھ نہیں یہ، عادت ہے اگلے لوگوں کی۔ اور ہم کو آفت نہیں آنے والی۔ پھر اس کو جھٹلانے لگے

فَاَهْلَكْنٰهُمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ

تو ہم نے ان کو غارت کر دیا ف۲ اس بات میں البتہ نشانی ہے اور ان میں بہت لوگ نہیں ماننے والے اور تیرا رب وہی ہے زبردست

تو ہم۔ ان کو کھپا دیا۔ اس بات میں البتہ نشان ہے، اور وہ لوگ بہت نہیں ماننے والے۔ اور تیرا رب وہی ہے زبردست

الرَّحِيْمُ ﴿۱۴۰﴾ ع ۱۸/۱۱

رحم والا۔

رحم والا۔

قصۂ چہارم: حضرت ہود علیہ السلام با قوم او

قَالَ تَعَالٰی: ﴿كَذَّبَتْ عَادُ الْمُرْسَلِيْنَ ... الی ... لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ﴾

یہ چوتھا قصہ حضرت ہود علیہ السلام کا ہے جو قوم عاد کی طرف مبعوث ہوئے یہ قوم بڑی مالدار اور صاحب سلطنت تھی۔ محض اپنی بڑائی اور نام آوری کے لیے بڑی بڑی عمارتیں بناتی تھی۔ ہود علیہ السلام نے ان کو دنیا کی بے ثباتی اور ناپائداری پر آگاہ کیا مگر وہ لوگ مال و دولت کے نشہ میں مست تھے کب سننے والے تھے بالآخر عذاب الٰہی سے نیست و نابود کر دیے گئے۔ چنانچہ فرماتے ہیں قوم عاد نے ایک ہود علیہ السلام کو کیا جھٹلا دیا۔ سارے پیغمبروں کو جھٹلایا جب ان کے نسبی بھائی ہود علیہ السلام نے ان سے کہا کیا تم کفر اور شرک کر کے اللہ کے قہر و عذاب سے نہیں ڈرتے۔ بے شک میں تمہارے لیے معتبر اور امانت دار پیغمبر ہوں تم کو بھی میری امانت اور صداقت معلوم ہے پس تم اللہ کی نافرمانی سے ڈرو اور میرا کہا مانو اور جس بات کی طرف تم کو بلاتا ہوں اس پر عمل کرو۔ اور میں تم کو خالص اللہ کے لئے نصیحت کرتا ہوں اس دعوت اور نصیحت پر تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا میرا اجر تو صرف پروردگار عالم کے ذمہ ہے کیا تم ہر بلند جگہ پر اپنی شان و شوکت کا نشان بناتے ہو تاکہ خوب بلندی سے نظر آئے محض عبث اور بے کار کام کرتے ہو۔ جس کی ضرورت نہیں محض نام و نمود کے لئے بناتے ہو یا یہ معنی ہیں کہ وہاں بیٹھ کر تم کھیل اور تماشہ کرتے ہو اور سر راہ چلنے والوں پر ہنستے ہو اور بڑے بڑے عالی شان محل یا مضبوط قلعے یا بڑی بڑی حوضیں یا زیر زمین

= ف۳ یعنی اتنا تو سوچو کہ آخر یہ سامان تم کو کس نے دیے ہیں؟ کیا اس منعم حقیقی کا تمہارے ذمہ کوئی حق نہیں۔ اگر تمہاری یہی شرارت اور سرکشی رہی تو مجھے اندیشہ ہے کہ پہلی قوموں کی طرح کسی سخت آفت میں گرفتار نہ ہو جاؤ۔ دیکھو! میں تم کو نصیحت کر چکا۔ اپنے انجام کو خوب سوچ لو۔

ف۱ یعنی تمہاری نصیحت بیکار ہے۔ یہ جادو ہم پر چلنے والا نہیں۔ قدیم سے یہ عادت چلی آتی ہے کہ کچھ لوگ نبی بن کر عذاب سے ڈرایا کرتے ہیں اور مرنے جینے کا سلسلہ بھی پہلے سے چلا آتا ہے تو اس سے ہم کو کیا اندیشہ ہو سکتا ہے رہا جو طریقہ ہمارا ہے وہی ہمارے اگلے باپ دادوں کا تھا۔ ہم اس سے کسی طرح ہٹنے والے نہیں۔ نہ عذاب کی دھمکیوں کو خاطر میں لا سکتے ہیں۔

ف۲ یعنی سخت آندھی بھیج کر۔ ان کا قصہ بھی پہلے "اعراف" وغیرہ میں مفصل گزر چکا ہے۔

پانی کی نہریں بناتے ہو گویا کہ تم اس دنیا میں اور ان مکانات میں ہمیشہ رہو گے اور تم کو کبھی موت نہیں آئے گی۔ کیونکہ ایسے محکم اور مضبوط مکانات بنانا طول امل اور غفلت پر دلالت کرتا ہے تم کو موت کی اور مابعد موت کی کوئی فکر نہیں اور تمہارے تکبر اور تجبر کا یہ حال ہے کہ جب تم کسی پر ہاتھ ڈالتے ہو اور اس کو پکڑتے ہو تو ظالم اور سرکش ہو کر اس کو پکڑتے ہو جس میں رحم و کرم کا نام ونشان نہیں ہوتا۔ پس اللہ سے ڈرو اور سرکشی کو چھوڑ دو اور میرا کہا مانو اور اس اللہ سے ڈرو جس نے تمہاری ان سے مدد کی جن کو تم جانتے ہو یعنی جس خدا نے تمہارے مویشیوں سے اور بیٹوں سے اور باغوں سے اور چشموں سے تمہاری مدد کی یعنی جس خدا نے تم کو یہ نعمتیں دی اس سے ڈرو کہ کہیں وہ اپنی نعمتیں تم سے چھین نہ لے مجھے تمہاری بداعمالیوں کی وجہ سے ایک بڑے سخت دن کے عذاب کا اندیشہ ہے۔ وہ لوگ بولے ہم پر برابر ہے کہ آپ نصیحت کریں یا نہ ہوں آپ نصیحت کرنے والوں میں سے ہم اپنا طریقہ نہیں چھوڑیں گے یہ صرف پرانے لوگوں کی باتیں ہیں اور انکی ڈالی ہوئی عادت ہے اور ہم کو کوئی عذاب نہیں آئے گا غرض یہ کہ ان لوگوں نے ہود علیہ السلام کو جھٹلایا پس ہم نے ان کو آندھی سے ہلاک کر دیا کہ انکا اور انکے محلوں اور قلعوں کا نام ونشان بھی نہ رہا۔ اور اس ماجرے میں اللہ کی بڑی نشانی ہے کہ نبی کی تکذیب کا کیا انجام ہوتا ہے اور قوم عاد میں کے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ ہوئے اور بے شک تیرا رب وہی بڑا زبردست عزت والا اور رحمت والا ہے کہ دشمنوں کو مہلت دیتا ہے۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۴۲﴾ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ

جھٹلایا ثمود نے پیغام لانے والوں کو جب کہا ان کو ان کے بھائی صالح نے کیا تم ڈرتے نہیں میں تمہارے پاس پیغام لانے والا ہوں

جھٹلایا ثمود نے پیغام لانے والوں کو۔ جب کہا ان کو ان کے بھائی صالح نے، کیا تم کو ڈر نہیں؟ میں تم پاس پیغام لانے والا ہوں

اَمِيْنٌ ﴿۱۴۳﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۴۴﴾ وَمَآ اَسْــَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى

معتبر سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو اور نہیں مانگتا میں تم سے اس پر کچھ بدلہ میرا بدلہ ہے اسی

معتبر۔ سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو۔ اور نہیں مانگتا میں تم سے اس پر کچھ نیگ۔ میرا نیگ ہے اسی

رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ اَتُتْرَكُوْنَ فِيْ مَا هٰهُنَآ اٰمِنِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۱۴۷﴾ وَّزُرُوْعٍ وَّنَخْلٍ

جہان کے پالنے والے پر کیا چھوڑے رکھیں گے تم کو یہاں کی چیزوں میں بے کھٹکے، باغوں میں اور چشموں میں اور کھیتوں میں اور کھجوروں میں

جہان کے صاحب پر۔ کیا چھوڑ دیں گے تم کو یہاں کی چیزوں میں نڈر؟ باغوں اور چشموں میں۔ اور کھیتوں میں اور کھجوروں میں

طَلْعُهَا هَضِيْمٌ ﴿۱۴۸﴾ وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۵۰﴾

جن کا گابھا ملائم ہے اور تراشتے ہو پہاڑوں کے گھر تکلف کے سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو ف۱

جن کا گابھا ملائم۔ اور تراشتے ہو پہاڑوں کے گھر تکلف سے۔ سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو۔

ف۱ یعنی کیا یہ خیال ہے کہ ہمیشہ اسی عیش و آرام اور باغ و بہار کے مزے لوٹو گے؟ اور پہاڑوں کو تراش کر جو تکلف کے مکان تیار کیے ہیں ان سے کبھی نہ نکلو گے؟ یا یہ مضبوط اور سنگین عمارتیں تم کو خدا کے عذاب سے بچالیں گی؟ اس سودائے خام کو دل سے نکال ڈالو۔ اور خدا تعالیٰ سے ڈر کر میرا کہا مانو۔ میں تمہارے =

وَلَا تُطِيعُوٓا أَمْرَ الْمُسْرِفِينَ ﴿١٥١﴾ الَّذِينَ يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ ﴿١٥٢﴾ قَالُوٓا

اور نہ مانو حکم بیباک لوگوں کا جو خرابی کرتے ہیں ملک میں اور اصلاح نہیں کرتے ف۱ بولے

اور نہ مانو حکم بےباک لوگوں کا۔ جو بگاڑ کرتے ہیں ملک میں اور سنوار نہیں کرتے۔ بولے،

إِنَّمَآ أَنتَ مِنَ الْمُسَحَّرِينَ ﴿١٥٣﴾ مَآ أَنتَ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۖ فَأْتِ بِـَٔايَةٍ إِن كُنتَ مِنَ

تجھ پر تو کسی نے جادو کیا ہے تو بھی ایک آدمی ہے جیسے ہم ف۲ سو لے آ کچھ نشانی اگر تو

تجھ پر کسی نے جادو کیا ہے۔ تو یہی ایک آدمی ہے جیسے ہم۔ سو لے آ کچھ نشانی، اگر تو

الصَّٰدِقِينَ ﴿١٥٤﴾ قَالَ هَٰذِهِۦ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ ﴿١٥٥﴾ وَلَا تَمَسُّوهَا

سچا ہے ف۳ کہا یہ اونٹنی ہے اس کے لیے پانی پینے کی ایک باری اور تمہارے لیے باری ایک دن کی مقرر ف۴ اور مت چھیڑیو اس کو

سچا ہے۔ کہا، یہ اونٹنی ہے! اس کو پانی پینے کی ایک باری، اور تم کو باری ایک دن کی مقرر۔ اور نہ چھیڑیو اس کو

بِسُوٓءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿١٥٦﴾ فَعَقَرُوهَا فَأَصْبَحُوا نَٰدِمِينَ ﴿١٥٧﴾ فَأَخَذَهُمُ

بری طرح سے، پھر پکڑ لے تم کو آفت ایک بڑے دن کی ف۵ پھر کاٹ ڈالا اس اونٹنی کو پھر کل کو رہ گئے پچھتاتے ف۶ پھر آ پکڑا ان کو

بری طرح، پھر پکڑے تم کو آفت ایک بڑے دن کی۔ پھر کاٹ ڈالی وہ اونٹنی، پھر کل کو رہ گئے پچھتاتے۔ پھر پکڑا ان کو

الْعَذَابُ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَـَٔايَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ ﴿١٥٨﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ

عذاب نے البتہ اس بات میں نشانی ہے اور ان میں بہت لوگ نہیں ماننے والے اور تیرا رب وہی ہے زبردست

عذاب نے، البتہ اس بات میں نشانی ہے، اور وہ بہت لوگ نہیں ماننے والے۔ اور تیرا رب وہی ہے زبردست

الرَّحِيمُ ﴿١٥٩﴾ ع ۸ / ۱۹ / ۱۲

رحم کرنے والا۔

رحم کرنے والا۔

= بھلے کی کہتا ہوں۔

ف۱ یہ عوام کو فرمایا کہ تم ان بڑے مفسد شیطانوں کے پیچھے چل کر تباہ نہ ہو۔ یہ تو زمین میں خرابی پھیلانے والے ہیں اصلاح کرنے والے اور نیک صلاح دینے والے نہیں۔

ف۲ یعنی ہم سے کون سی بات تجھ میں زائد ہے جو نبی بن گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے جادو کر دیا ہے جس سے تیری عقل ماری گئی (العیاذ باللہ)

ف۳ یعنی اگر نبی ہے اور ہم سے ممتاز درجہ رکھتا ہے تو اللہ سے کہہ کر کوئی ایسا نشان دکھلا جسے ہم بھی تسلیم کر لیں پھر فرمائش کی کہ اچھا پتھر کی اس چٹان میں سے ایک اونٹنی نکال دے جو ایسی اور ایسی ہو۔ حضرت صالح نے دعا فرمائی، حق تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے یہ نشان دکھلا دیا۔

ف۴ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "اونٹنی پیدا ہوئی پتھر میں سے اللہ کی قدرت سے، حضرت صالح کی دعا سے وہ چھوٹی پھرتی، جس جنگل میں چرنے یا جس تالاب پر پانی پینے جاتی سب مواشی بھاگ کر کنارے ہو جاتے۔ تب یوں ٹھہرا دیا کہ ایک دن اس پانی پر وہ جائے، ایک دن اوروں کے مواشی جائیں۔"

ف۵ یعنی اونٹنی کے ساتھ برائی سے پیش نہ آنا ورنہ بڑی سخت آفت ہو گی۔

ف۶ ایک بدکار عورت کے گھر مواشی بہت تھے، چارے اور پانی کی تکلیف سے اپنے ایک آشنا کو اکسایا، اس نے اونٹنی کے پاؤں کاٹ کر ڈال دیے، اس کے =

قصۂ پنجم صالح علیہ السلام با قوم ثمود

قَالَ اللہُ تَعَالٰی: ﴿كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ... الی... لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ﴾

یہ پانچواں قصہ قوم ثمود اور حضرت صالح علیہ السلام کا ہے یہ قوم عرب کے شمال کنارہ پر آباد تھی اور یہ خطہ نہایت سرسبز و شاداب تھا چشموں اور باغوں سے معمور تھا مگر یہ بدبخت قوم بت پرست تھی اور رہزنی اور دیگر فواحش میں مبتلا تھی۔ قیامت اور روز جزا کی منکر تھی۔ قوم ہود پر تو تکبر اور تجبر اور تعلی اور تفاخر کا غلبہ تھا کہ بڑی بلند عمارتیں بناتے تھے اور قوم صالح پر لذات حسیہ اور شہوات طبعیہ کا غلبہ تھا کھانے پینے کی طرف زیادہ راغب تھے۔ یہ لوگ بڑے آسودہ حال تھے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے ان کو اللہ کی اطاعت کا حکم دیا اور دنیاوی عیش و عشرت کی ناپائیداری بیان کی۔ انہوں نے آپ سے معجزہ طلب کیا انکی طلب کے مطابق ایک اونٹنی پتھر سے نمودار ہوئی انہوں نے اس اونٹنی کو ہلاک کر دیا اور مورد غضب الٰہی ہوئے چنانچہ فرماتے ہیں قوم ثمود نے ایک حضرت صالح علیہ السلام کو کیا جھٹلایا سارے رسولوں کو جھٹلایا جب ان سے ان کے نسبی بھائی صالح علیہ السلام نے کہا کیا تم اللہ کی نافرمانی سے نہیں ڈرتے میں تمہارے لیے رسول امین بن کر آیا ہوں۔ پس تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور میں تم سے اس تبلیغ و دعوت پر کوئی اجر نہیں مانگتا۔ میرا اجر تو رب العالمین کے ذمہ ہے کیا تمہارا یہ گمان ہے کہ تم ان نعمتوں میں جو یہاں (دنیا میں) تم کو حاصل ہیں اسی حالت میں بے فکری کے ساتھ چھوڑ دیئے جاؤ گے اور تم پر نہ کوئی آفت آئے گی اور نہ تم کو بیماری اور موت آئے گی۔ حالانکہ ان نعمتوں کا مقتضا یہ ہے کہ تم اپنے منعم حقیقی کو پہچانو اس منعم حقیقی نے تم کو باغوں اور چشموں میں اور کھیتوں میں اور کھجوروں میں جن کے خوشے نرم اور نازک اور پاکیزہ ہیں۔ رکھا ہے ان عظیم نعمتوں کا شکر تم پر واجب ہے اور کیا تم اس لیے بے فکر ہو کر پہاڑوں میں سے تراش کر مکانات بناتے ہو۔ درآنحالیکہ تم اتراتے ہو پس اللہ سے ڈرو وہ اس بات پر قادر ہے کہ تمہارے امن وامان کو خاک میں ملا دے اور میری اطاعت کرو تا کہ اللہ کے عذاب سے مامون ہو جاؤ اور ان لوگوں کی بات نہ مانو کہ جو نخوت کی وجہ سے دائرہ عبودیت سے باہر نکلنے والے ہیں جو لوگ زمین میں فساد کرتے ہیں اور تباہی مچاتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے فساد سے اللہ کی نافرمانی اور اصلاح سے اللہ کی فرمانبرداری مراد ہے وہ لوگ بولے کہ تجھ پر تو بس کسی نے جادو کر دیا ہے اسی لیے تو بہکی بہکی خارج از عقل باتیں کر رہا ہے تو تو کچھ بھی نہیں ہم ہی جیسا ایک آدمی ہے تو اللہ کا رسول کیسے ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ کا رسول ہوتا تو فرشتہ ہوتا ہم جیسا ہو کر رسول ہونے کا دعویٰ بے عقلی ہے اور بے دلیل ہے پس اگر تو سچوں میں ہے تو اپنے دعوائے نبوت پر کوئی دلیل لا صالح علیہ السلام نے کہا کہ اچھا کیا نشانی مانگتے ہو انہوں نے فرمائش کی کہ خاص اس پتھر میں سے ایک اونٹنی نکال حضرت صالح علیہ السلام نے نماز پڑھ کر دعا مانگی اسی وقت پہاڑ میں ایک پتھر مثل حاملہ عورت کے تھرایا اور شق ہو کر اس میں سے ایک اونٹنی برآمد ہوئی صالح علیہ السلام نے فرمایا یہ ہے اونٹنی جو تم نے مانگی تھی اور اس اونٹنی کے کچھ حقوق ہیں منجملہ انکے یہ ہے کہ پانی پینے کے لیے ایک باری اس کی ہے اور ایک مقرر دن تمہارے مویشی کے پانی پینے کی باری ہے اس کی باری کے دن تم اپنے جانوروں کو نہ پلانا اور تمہارے جانوروں کی باری کے دن یہ پانی نہیں

= تین دن بعد عذاب آیا (موضح القرآن) یہ قصہ بھی پہلے مفصل گزر چکا۔

پیئے گی اور ایک حق اس کا یہ ہے کہ اس کو برائی اور تکلیف دہی کی نیت سے ہاتھ بھی نہ لگانا مبادا تم کو کسی بڑے بھاری دن کا عذاب آ پکڑے سو انہوں نے باوجود معجزہ کے نہ تو صالح علیہ السلام کی رسالت کی تصدیق کی اور نہ اس اونٹنی کا حق ادا کیا بلکہ اس اونٹنی کو کاٹ ڈالا پھر جب آثار عذاب نمودار ہوئے تو اپنے کیے پر نادم ہوئے پھر پکڑ لیا انکو عذاب نے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا تھا زمین کو سخت زلزلہ آیا کہ گھٹنوں کے بل زمین پر گر پڑے اور جبرئیل امین نے ایک چیخ ماری جس سے ان کے جگر پھٹ گئے اور سب مر گئے۔ تحقیق ان قوم ثمود کی سرگزشت میں بڑی عبرت ہے اور ان میں کے اکثر ایمان لانے والے نہیں ہوئے اور بے شک تیرا رب عزیز اور رحیم ہے یعنی وہ غالب ہے کبھی مغلوب نہیں ہوتا اور مہربان ہے جب تک جرم کا پیمانہ لبریز نہ ہو جائے اس وقت تک عذاب نازل نہیں کرتا۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ ۨالْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۶۰﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ اِنِّيْ لَكُمْ

جھٹلایا لوط کی قوم نے پیغام لانے والوں کو جب کہا ان کو ان کے بھائی لوط نے کیا تم ڈرتے نہیں میں تمہارے لیے

جھٹلایا لوط کی قوم نے پیغام لانے والوں کو۔ اور جب کہا ان کو ان کے بھائی لوط نے، کیا تم کو ڈر نہیں؟ میں تم کو

رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۶۲﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۶۳﴾ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا

پیغام لانے والا ہوں معتبر، سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو اور مانگتا نہیں میں تم سے اس کا کچھ بدلہ میرا بدلہ ہے اسی

پیغام لانے والا ہوں معتبر۔ سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو۔ اور مانگتا نہیں میں تم سے اس پر کچھ نیگ، میرا نیگ ہے اسی

عَلٰي رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۴﴾ اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۵﴾ وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ

پروردگار عالم پر کیا تم دوڑتے ہو جہان کے مردوں پر ف۱ اور چھوڑتے ہو جو تمہارے واسطے بنادی ہیں

جہان کے صاحب پر۔ کیا دوڑتے ہو جہان کے مردوں پر؟ اور چھوڑتے ہو جو تم کو بنادیں

رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ﴿۱۶۶﴾ قَالُوْا لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ

تمہارے رب نے تمہاری جوروئیں بلکہ تم لوگ ہو حد سے بڑھنے والے ف۲ بولے اگر نہ چھوڑے گا تو اے لوط تو

تمہارے رب نے تمہاری جوروئیں؟ بلکہ تم لوگ ہو حد سے بڑھنے والے۔ بولے، اگر نہ چھوڑے گا تو، اے لوط! تو

مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ ﴿۱۶۷﴾ قَالَ اِنِّيْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ ﴿۱۶۸﴾ رَبِّ نَجِّنِيْ وَاَهْلِيْ مِمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾

تو نکال دیا جائے گا ف۳ کہا میں تمہارے کام سے البتہ بیزار ہوں ف۴ اے رب خلاص کر مجھ کو اور میرے گھر والوں کو ان کاموں سے جو یہ کرتے ہیں ف۵

تو نکالا جاوے گا۔ کہا، میں تمہارے کام سے البتہ بیزار ہوں۔ اے رب! خلاص کر مجھ کو اور میرے گھر والوں کو ان کاموں سے جو یہ کرتے ہیں۔

ف۱ یعنی سارے جہان میں سے مرد ہی تمہاری شہوت رانی کے لیے رہ گئے۔ یا یہ کہ سارے جہان میں سے تم ہی ہو جو اس فعل شنیع کے مرتکب ہوتے ہو۔

ف۲ یعنی یہ خلاف فطرت کام کر کے آدمیت کی حد سے بھی نکل چکے ہو۔

ف۳ یعنی یہ وعظ و نصیحت رہنے دو۔ اگر آئندہ ہمیں تنگ کرو گے تو تم کو بستی سے نکال باہر کریں گے۔

ف۴ اس لیے ضرور اس پر اظہار نفرت کروں گا اور نصیحت سے باز نہیں آ سکتا۔ .... =

فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اَجْمَعِيْنَ ﴿١٧٠﴾ اِلَّا عَجُوْزًا فِى الْغٰبِرِيْنَ ﴿١٧١﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿١٧٢﴾ وَاَمْطَرْنَا

پھر بچادیا ہم نے اس کو اور اس کے گھر والوں کو سب کو مگر ایک بڑھیا رہ گئی رہنے والوں میں ف ا پھر اٹھا مارا ہم نے ان دوسروں کو اور برسایا

پھر بچا دیا ہم نے اس کو اور اس کے گھر والوں کو سارے۔ مگر ایک بڑھیا رہی رہنے والوں میں۔ پھر اکھاڑ مارا ہم نے ان دوسروں کو۔ اور برسایا

عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿١٧٣﴾ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۖ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ

ان پر ایک برساؤ سو کیا برا برساؤ تھا ان ڈرائے ہوؤں کا ف ۲ البتہ اس بات میں نشانی ہے اور ان میں بہت لوگ نہیں تھے

ان پر ایک برساؤ، سو کیا برا برساؤ تھا ان ڈرائے ہوؤں کا۔ البتہ اس بات میں نشانی ہے۔ اور وہ بہت لوگ

مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٧٤﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿١٧٥﴾

ماننے والے اور تیرا رب وہی ہے زبردست رحم والا۔

نہیں ماننے والے۔ اور تیرا رب وہی ہے زبردست رحم والا۔

ع ۱۴

قصہ ششم: حضرت لوط علیہ السلام با قوم او

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ ِۨالْمُرْسَلِيْنَ ... الى ... وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ﴾

یہ چھٹا قصہ حضرت لوط علیہ السلام کا ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے جو سدوم کی طرف بھیجے گئے سدوم، شام کے جنوب اور مشرق میں واقع ہے یہاں کے لوگ بت پرست ہونے کے علاوہ شہوت پرستی میں غرق تھے اور خاص طور پر لواطت میں مبتلا تھے لوط علیہ السلام نے انکو نصیحت کی مگر ان بدبختوں نے ایک نہ سنی بالآخر سب ہلاک کر دیئے گئے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ لوط کی قوم نے بھی سارے پیغمبروں کو جھٹلایا جب ان کے بھائی لوط نے ان سے کہا کیا تم اللہ کے عذاب سے نہیں ڈرتے میں تمہارے لیے رسول امین بنا کر بھیجا گیا ہوں سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور میں تمہارا خیر خواہ اور بےغرض ناصح ہوں میں تم سے اس دعوت اور نصیحت پر کوئی اجرت نہیں مانگتا میری اجرت اور میرا اجر تو اللہ رب العالمین پر ہے کیا سارے جہان میں تم ہی ایسے ہو کہ مردوں اور لڑکوں سے قضاء شہوت کرتے ہو اور چھوڑتے ہو تم اپنی بیویوں کو جن کو تمہارے لیے تمہارے رب نے پیدا کیا ہے اور اس فعل شنیع کے ارتکاب سے تم فقط گناہ گار نہیں بلکہ حدود انسانیت سے تجاوز کرنے والے ہو بیبیوں کو چھوڑ کر مردوں سے مباشرت کرنا قضاء شہوت نہیں بلکہ اعلیٰ درجہ کی خباثت ہے اور سراسر شیطانیت ہے وہ لوگ جواب میں بولے اے لوط اگر تو ہمیں منع کرنے اور برا کہنے سے باز نہ آیا تو البتہ ہو جائے گا تو نکالے ہوئے لوگوں میں سے یعنی تجھ کو بستی سے نکال دیا جائے گا۔ لوط علیہ السلام نے فرمایا میں تمہاری اس دھمکی سے نہیں ڈرتا تحقیق میں تمہارے اس عمل بد سے بغض اور نفرت رکھنے والوں میں سے ہوں اور تمہارے کام سے بالکل بیزار ہوں اے میرے پروردگار مجھ کو اور میرے

= ف ۵ یعنی ان کی نحوست اور وبال سے ہم کو بچا اور انہیں غارت کر۔

ف ا یہ ان کی بیوی تھی جو ان بدمعاشوں سے مل رہی تھی۔ جب عذاب آیا تو یہ بھی ہلاک ہوئی۔

ف ۲ یعنی ان کی بستیاں الٹ دیں اور آسمان سے پتھروں کا برساؤ کیا۔ سو ڈھیر ہو کر رہ گئے۔ ان کا قصہ بھی مفصل اعراف وغیرہ میں گزر چکا۔

خاص متعلقین کو اس برے کام کے وبال اور عذاب سے بچا جو ان پر آنے والا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی پس نجات دی ہم نے اس کو اور اس کے سب متعلقین کو سوائے ایک بڑھیا کے جو حضرت لوط کی بدقسمت بی بی تھی کہ جو پیچھے رہنے والوں میں رہی پھر ہم نے دوسروں کو ہلاک اور تباہ کر دیا اور ان پر ایک خاص قسم کا برساؤ کیا یعنی پتھروں کا پس کیا ہی برا برساؤ کیا ان لوگوں کا جن کو عذاب الٰہی سے ڈرایا گیا۔ یعنی ان کی بستیاں زمین سے اوپر لے جا کر الٹ دی گئیں اور آسمان سے ان پر پتھروں کی بارش ہوئی۔ ڈھیر ہو کر رہ گئے۔ مفصل قصہ سورۂ اعراف میں گزر چکا ہے۔ بے شک اس قصہ میں نشانی اور عبرت ہے اور ان میں اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ ہوئے اور تیرا پروردگار زبردست ہے اور رحم کرنے والا ہے کہ دشمنوں کو ہلاک کیا اور لوط علیہ السلام کو اور ان کے ساتھیوں کو نجات دی۔

كَذَّبَ اَصۡحٰبُ لۡـَٔيۡكَةِ الۡمُرۡسَلِيۡنَ ۝۱۷۶ اِذۡ قَالَ لَهُمۡ شُعَيۡبٌ اَلَا تَتَّقُوۡنَ ۝۱۷۷ اِنِّىۡ لَكُمۡ

جھٹلایا بن کے رہنے والوں نے پیغام لانے والوں کو ف۱ جب کہا ان کو شعیب نے کیا تم ڈرتے نہیں میں تم کو

جھٹلایا بَن کے رہنے والوں نے پیغام لانے والوں کو۔ جب کہا ان کو شعیب نے، کیا تم کو ڈر نہیں؟ میں تم کو

رَسُوۡلٌ اَمِيۡنٌ ۝۱۷۸ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوۡنِ ۝۱۷۹ وَمَاۤ اَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَيۡهِ مِنۡ اَجۡرٍ‌ ۚ اِنۡ اَجۡرِىَ اِلَّا

پیغام پہنچانے والا ہوں معتبر سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو اور نہیں مانگتا میں تم سے اس پر کچھ بدلہ میرا بدلہ ہے اسی

پیغام لانے والا ہوں معتبر۔ سو ڈرو اللہ سے، اور میرا کہا مانو۔ اور نہیں مانگتا میں تم سے اس پر کچھ نیگ۔ میرا نیگ ہے اسی

عَلٰى رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۝۱۸۰ اَوۡفُوا الۡكَيۡلَ وَلَا تَكُوۡنُوۡا مِنَ الۡمُخۡسِرِيۡنَ‌ ۝۱۸۱ وَزِنُوۡا بِالۡقِسۡطَاسِ

پروردگار عالم پر پورا بھر کردو ناپ اور مت ہو نقصان دینے والے اور تولو سیدھی

جہان کے صاحب پر۔ پورا بھر دو ماپ اور نہ ہو نقصان دینے والے۔ اور تولو سیدھی

الۡمُسۡتَقِيۡمِ‌ ۝۱۸۲ وَلَا تَبۡخَسُوا النَّاسَ اَشۡيَآءَهُمۡ وَلَا تَعۡثَوۡا فِى الۡاَرۡضِ مُفۡسِدِيۡنَ‌ ۝۱۸۳

ترازو سے ف۲ اور مت گھٹادو لوگوں کو ان کی چیزیں اور مت دوڑو ملک میں خرابی ڈالتے ہوئے ف۳

ترازو۔ اور مت گھٹا دو لوگوں کو ان کی چیزیں، اور مت دوڑو ملک میں خرابی ڈالتے۔

وَاتَّقُوا الَّذِىۡ خَلَقَكُمۡ وَالۡجِـبِلَّةَ الۡاَوَّلِيۡنَ ۝۱۸۴ قَالُوۡۤا اِنَّمَاۤ اَنۡتَ مِنَ الۡمُسَحَّرِيۡنَ ۝۱۸۵ وَمَاۤ

اور ڈرو اس سے جس نے بنایا تم کو اور اگلی خلقت کو بولے تجھ پر تو کسی نے جادو کر دیا ہے اور تو بھی

اور ڈرو اس سے، جس نے بنایا تم کو اور اگلی خلقت کو۔ بولے، تجھ تو کو کسی نے جادو کیا ہے۔ اور تو

ف۱ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ "اصحاب ایکہ" وہی قوم مدین ہے۔ "ایکہ" ایک درخت تھا جسے یہ لوگ پوجتے تھے، اسی نسبت سے "اصحاب الایکہ" کہا گیا۔ اور اسی لیے شعیب کو "اَخُوھُم" سے تعبیر نہیں فرمایا۔ کیونکہ انبیاء کی اخوت محض قومی و نسبی تعلقات پر مبنی تھی۔ اگر "مدین" کہتے تو "اَخُوھُم" کہنا موزوں تھا۔ جب "اصحاب الایکہ" کہہ کر ایک مذہبی نسبت سے ذکر کیا تو اس حیثیت سے "اَخُوھُم" فرمانا حضرت شعیب کی شان کے مناسب نہ تھا۔ بہرحال "مدین" اور "اصحاب ایکہ" ایک قوم ہے اور شعیب اسی قوم کی طرف مبعوث ہوئے تھے پہلے بھی اس کے متعلق کچھ بحث گزر چکی۔ .... =

اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَاِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۱۸۶﴾ فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ

ایک آدمی ہے جیسے ہم اور ہمارے خیال میں تو تو جھوٹا ہے ف۱ سو گرا دے ہم پر کوئی ٹکڑا

بھی ایک آدمی ہے جیسے ہم، اور ہمارے خیال میں تو تو جھوٹا ہے۔ سو دے مار ہم پر کوئی ٹکڑا

السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۸۷﴾ قَالَ رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ فَكَذَّبُوْهُ

آسمان کا اگر تو سچا ہے ف۲ کہا میرا رب خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو ف۳ پھر اس کو جھٹلایا

آسمان کا، اگر تو سچا ہے۔ کہا، میرا رب خوب جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔ پھر اس کو جھٹلایا،

فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۸۹﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ

پھر پکڑ لیا ان کو آفت نے سائبان والے دن کی بیشک وہ تھا عذاب بڑے دن کا ف۴ البتہ اس بات میں نشانی ہے

پھر پکڑا ان کو آفت نے سائبان والے دن کی، بے شک وہ تھا عذاب بڑے دن کا۔ البتہ اس بات میں نشانی ہے۔

وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹۰﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۹۱﴾ ع ۱۰ / ۱۶

اور ان میں بہت لوگ نہیں ماننے والے اور تیرا رب وہی ہے زبردست رحم والا

اور وہ بہت لوگ نہیں ماننے والے۔ اور تیرا رب وہی ہے زبردست رحم والا۔

قصہ ہفتم: اصحاب الایکہ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْـَٔيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ ... الى ... وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ﴾

یہ ساتواں قصہ اصحاب ایکہ کا ہے جن کی طرف شعیب علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے یہ لوگ علاوہ شرک کے ناپ تول میں بہت کمی کرتے حضرت شعیب علیہ السلام نے بہت سمجھایا مگر انہوں نے نہ مانا بالآخر ہلاک ہوئے چنانچہ فرماتے ہیں ایکہ کے لوگوں نے شعیب علیہ السلام کو نہیں بلکہ سارے رسولوں کو جھٹلایا۔ ایکہ کے معنی بن کے ہیں۔ ایکہ ایک جنگل تھا جو مدین کے قریب تھا اس جنگل میں درخت اور پھل بہت تھے۔ ایکہ، مدین کے متصل ایک مقام کا نام ہے حضرت شعیب علیہ السلام من جانب اللہ دو قوموں کی طرف مبعوث ہوئے ایک اصحاب ایکہ کی طرف اور ایک مدین کی طرف یہ لوگ بت پرست ہونے کے علاوہ بدکار اور اوباش تھے کیل اور وزن میں کمی کرتے تھے جس پر بقاء باہمی کا دارومدار ہے جبکہ شعیب علیہ السلام نے ان سے کہا کہ کیا تم

= ف۴ یعنی معاملات میں خیانت اور بے انصافی مت کرو جس طرح لینے کے وقت پورا ناپ تول کر لیتے ہو دیتے وقت بھی پورا ناپ تول کر دو۔
ف۵ یعنی ملک میں ڈاکے مت ڈالو اور لوگوں کے حقوق نہ مارو۔
ف۱ یعنی دعوئے نبوت میں اور عذاب وغیرہ کی دھمکیوں میں۔
ف۲ اگر سچا ہے تو آسمان کا یا بادل کا کوئی ٹکڑا گرا کر ہم کو ہلاک کیوں نہیں کر دیتا۔
ف۳ یعنی وہی جانتا ہے کہ کس جرم پر کس وقت اور کتنی سزا ملنی چاہیے۔ عذاب دینا ہمارا کام نہیں۔ ہمارا کام ہوشیار کر دینا تھا، سو کر چکے۔
ف۴ سائبان کی طرح ابر آیا اس میں سے آگ برسی، نیچے سے زمین کو بھونچال آیا اور سخت ہولناک آواز آئی۔ اس طرح سب قوم تباہ ہوگئی۔ ان کا قصہ بھی پہلے مفصل گزر چکا ہے۔ ایک نظر وہاں کے فوائد پر ڈال لی جائے۔

اللہ سے ڈرتے نہیں میں تمہارے لیے رسول امین ہوں پس اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور تم سے اس وعظ اور تبلیغ پر کوئی مزدوری نہیں مانگتا میری مزدوری تو صرف رب العالمین پر ہے میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ اللہ کا حق ربوبیت ادا کرو اور بندوں کی حق تلفی نہ کرو۔ پیمانہ پورا بھر کر دیا کرو اور نقصان پہنچانے والوں اور حق کم کرنے والوں میں سے نہ ہو جاؤ اور سیدھی ترازو سے تولو اور لوگوں کی چیزوں میں کمی نہ کرو اور زمین میں فساد کرتے نہ پھرو۔ ناپ تول میں کمی کرنا یہ بھی ایک قسم کا فساد ہے بلکہ چوری اور رہزنی کا ایک نمونہ ہے اور اس خدائے برتر سے ڈرو جس نے اپنی قدرت کاملہ سے تم کو اور تم سے پہلی امتوں کو پیدا کیا اور تم کو عدم سے وجود میں لایا اور وہ تمہارے مٹانے اور فنا کرنے پر بھی قادر ہے لہٰذا تم پر اس کی فرمانبرداری لازم ہے۔ اہل ایکہ حضرت شعیب علیہ السلام کی اس نصیحت کے جواب میں بولے اور بطور حقارت ان سے یہ کہا کہ جز این نیست کہ تو ان لوگوں میں سے ہے کہ جن پر جادو کر دیا گیا اس لیے تو بہکی ہوئی باتیں کر رہا ہے۔ تو رسول الٰہی کیسے ہو سکتا ہے اور نہیں ہے تو مگر ہم ہی جیسا ایک آدمی ہے تجھے ہم پر کیا فضیلت حاصل ہے ان نادانوں نے ظاہری صورت و شکل کی مماثلت سے یہ سمجھا کہ ہم اور وہ برابر ہیں۔ اور یہ خیال نہ کیا کہ صورت اور شکل کے اعتبار سے تو عاقل اور غافل اور عالم اور جاہل میں بھی کوئی فرق نہیں ہوتا اور بولے کہ ہم تو بلاشبہ تجھ کو جھوٹوں میں سے سمجھتے ہیں پس اگر تو دعوائے نبوت میں سچا ہے تو آسمان کا یا بادل کا کوئی ٹکڑا ہم پر گرا دے تاکہ معلوم ہو جائے کہ تو سچا نبی ہے اور تیری تکذیب کی وجہ سے ہم پر یہ بلا نازل ہوئی شعیب علیہ السلام نے کہا میرا رب خوب جانتا ہے جو تم کر رہے ہو وہ تمہیں تمہارے اعمال کی سزا دے گا۔ مگر مجھے یہ معلوم نہیں کو وہ تم کو کیا سزا دے گا بالآخر ان کو یہی سزا مل گئی جو انہوں نے مانگی تھی۔ پس اس قوم نے شعیب علیہ السلام کو جھٹلایا پس پکڑ لیا ان کو سائبان والے دن کے عذاب نے سیاہ ابر سائبان کی شکل میں نمودار ہوا جس میں سے آگ برسی اور سب جل گئے۔

قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے شعیب علیہ السلام کو دو قوموں کی طرف بھیجا ایک اصحاب ایکہ کی طرف اور ایک اہل مدین کی طرف۔ اصحاب ایکہ کو اللہ تعالیٰ نے عذاب ظلہ سے ہلاک کیا اور اہل مدین پر جبرئیل امین نے ایک چیخ ماری جس سے سب کے کلیجے پھٹ گئے جیسا کہ سورۂ ہود میں اہل مدین کے عذاب کے بارے میں ہے ﴿وَاَخَذَتِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوا الصَّیْحَةُ﴾ کہ اہل مدین کو ایک چیخ اور چنگھاڑ نے پکڑ لیا۔ بے شک وہ بڑے سخت دن کا عذاب تھا اس قوم پر سات دن تک سخت گرمی پڑتی رہی کسی چیز سے ان کو تسلی نہیں ہوئی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایک بادل کا ٹکڑا بھیجا اس کو غنیمت سمجھ کر اس کے سائے میں آئے اور سب اس کے نیچے جمع ہو گئے۔ بادل میں سے آگ برسنی شروع ہوئی۔ سب جل کر مر گئے۔ اصحاب مدین قوم ثمود کی طرح صیحہ سے ہلاک ہو گئے اور اصحاب ایکہ، عذاب یوم ظلہ سے ہلاک ہوئے۔ بے شک قوم ایکہ کی اس سرگذشت میں اللہ کی قدرت کی بڑی نشانی ہے اور باوجود اس کے ان میں اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ ہوئے اور بے شک تیرا پروردگار وہی غالب اور مہربان ہے کہ اہل ایمان کا کافروں سے اس طرح سے انتقام لیتا ہے۔

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِیْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۹۲﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ ﴿۱۹۳﴾ عَلٰی قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ

اور یہ قرآن ہے اتارا ہوا پروردگار عالم کا لے کر اترا ہے اس کو فرشتہ معتبر، تیرے دل پر کہ تو ہو ڈر

اور یہ قرآن ہے اتارا جہان کے صاحب کا۔ لے اترا ہے اس کو فرشتہ معتبر۔ تیرے دل پر، کہ تو ہو ڈر

الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ﴿۱۹۵﴾ وَإِنَّهُ لَفِي زُبُرِ الْأَوَّلِيْنَ ﴿۱۹۶﴾ أَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ آيَةً أَنْ

سنا دینے والا ف۱ کھلی عربی زبان میں ف۲ اور یہ لکھا ہے پہلوں کی کتابوں میں ف۳ کیا ان کے واسطے نشانی نہیں یہ بات کہ اس کی

سنانے والا۔ کھلی عربی زبان سے۔ اور یہ لکھا ہے پہلوں کی کتابوں میں۔ کیا ان کو نشانی نہیں ہو چکی ؟ اس کی

يَّعْلَمَهُ عُلَمٰٓؤُا بَنِيْٓ إِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۹۷﴾ وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰى بَعْضِ الْأَعْجَمِيْنَ ﴿۱۹۸﴾ فَقَرَأَهُ عَلَيْهِمْ مَّا

خبر رکھتے ہیں پڑھے لوگ بنی اسرائیل کے ف۴ اور اگر اتارتے ہم یہ کتاب کسی اوپری زبان والے پر اور وہ اس کو پڑھ کر سناتا تو

خبر رکھتے ہیں پڑھے لوگ بنی اسرائیل کے۔ اور اگر اتارتے ہم یہ کتاب کسی اوپری زبان والے پر۔ اور وہ اس کو پڑھتا، تو

كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹۹﴾ كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۲۰۰﴾ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ حَتّٰى

بھی اس پر یقین نہ لاتے ف۵ اسی طرح گھسا دیا ہم نے اس انکار کو گناہ گاروں کے دل میں وہ نہ مانیں گے اس کو جب تک

بھی اس کو یقین نہ لاتے۔ اسی طرح پیٹھایا ہم نے اس کو گنہگاروں کے دل میں۔ وہ نہ مانیں گے اس کو، جب تک

ف۱ آغاز سورت میں قرآن کریم کا ذکر تھا اور اس کی تکذیب پر دھمکی دی گئی تھی، درمیان میں مکذبین حق کے واقعات بیان ہوئے، یہاں سے پھر مضمون سابق کی طرف عود کیا گیا ہے۔ یعنی قرآن کریم وہ مبارک اور عظیم الشان کتاب ہے جسے رب العالمین نے اتارا، جبرائیل امین لے کر اترے اور تیرے پاک وصاف قلب پر اتاری گئی کیونکہ یہ ہی قلب تھا جو اللہ کے علم میں اس بھاری امانت کو اٹھانے اور سنبھالنے کے لائق تھا، چنانچہ وحی قرآنی آئی اور سیدھی تیرے دل میں اترتی چلی گئی۔ تو نے اس کو اپنے سارے دل سے سنا اور سمجھا اور محفوظ رکھا، شاید "عَلٰى قَلْبِكَ" کے لفظ میں یہ بھی اشارہ ہو کہ نزول وحی کی جو دو کیفیتیں احادیث صحیحہ میں وارد ہوئی ہیں (یعنی کبھی "صلصلۃ الجرس" کی طرح آنا اور کبھی فرشتہ کا آدمی کی صورت میں سامنے آکر بات کرنا) ان میں سے قرآن کی وحی اغلباً پہلی کیفیت کے ساتھ آتی تھی۔ کیونکہ دونوں حالتوں میں محققین کے نزدیک فرق یہ تھا کہ پہلی حالت میں پیغمبر کو بشریت سے منخلع ہو کر ملکیت کی طرف جانا پڑتا تھا۔ گویا اس وقت آلات جسدانیہ کو بالکل معطل کر کے صرف روحی قوتوں اور قلبی حواس سے کام لیتے تھے، دل کے کانوں سے وحی کی آواز سنتے تھے اور دل کی آنکھوں سے فرشتہ کو دیکھتے تھے اور دل کی الٰہی قوتوں سے ان علوم کی تلقی کرتے تھے اور محفوظ رکھتے تھے بخلاف دوسری حالت کے کہ اس میں فرشتہ کو ملکیت سے نزول کر کے بشریت کی طرف آنا پڑتا تھا، اس وقت پیغمبر ان ہی ظاہری آنکھوں سے فرشتہ کو دیکھتے اور ان ہی ظاہری کانوں کے توسط سے آواز سنتے تھے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ وحی کی پہلی قسم کو احادیث میں فرمایا کہ "هُوَ اَشَدُّهٗ عَلَيَّ" (وہ مجھ پر بہت بھاری ہوتی ہے) کیونکہ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بشریت سے ملکیت کی طرف صعود کرنا پڑتا تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ف۲ یعنی اتارا نہایت فصیح، واضح اور شگفتہ عربی زبان میں۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ "عَلٰى قَلْبِكَ" سے مراد یہ نہیں کہ صرف مضامین قرآن کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں اتار دیے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے الفاظ میں ادا کر دیا۔ بلکہ الفاظ اور مضامین سب وحی ربانی سے قلب مبارک پر القاء کیے گئے۔

ف۳ یعنی قرآن کی اور اس کے لانے والے کی خبر پہلی آسمانی کتابوں میں موجود ہے۔ انبیائے سابقین برابر پیشین گوئی کرتے چلے آئے ہیں۔ چنانچہ باوجود بہت سی تحریف وتبدیلی کے اب تک بھی ایک ذخیرہ اس قسم کی پیشین گوئیوں کا پایا جاتا ہے۔ اور یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ اس قرآن کے بیشتر مضامین، اجمالاً یا تفصیلاً اگلی کتابوں میں پائے جاتے ہیں۔ خصوصاً قصص، توحید، رسالت، معاد وغیرہ مضامین جن پر تمام کتب سماویہ اور انبیاء ومرسلین کا اتفاق رہا ہے۔

ف۴ یعنی علمائے بنی اسرائیل خوب جانتے ہیں کہ یہ وہ ہی کتاب اور پیغمبر ہے جس کی خبر پہلے سے آسمانی صحیفوں میں دی گئی تھی۔ چنانچہ ان میں سے بعض نے علانیہ اور بعض نے اپنی خصوصی مجلسوں میں اس حق کا اقرار کیا ہے اور بعض انصاف پسند اسی علم کی بنا پر مسلمان ہو گئے۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن سلام وغیرہ، غرض ایک منصف فہیم کے لیے جس کا دل حق کی طلب رکھتا اور خدا سے ڈرتا ہو، اس چیز میں بڑی نشانی ہے کہ دوسرے مذاہب کے علما بھی اپنے دلوں میں قرآن کی حقانیت کو سمجھتے ہیں، گو کسی وجہ سے بعض اوقات اعلان واقرار کی جرأت نہ کر سکیں۔

ف۵ یعنی آپ تو فصحائے عرب میں سے ہیں۔ ممکن ہے مشرکین مکہ یوں کہہ دیں کہ قرآن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود تصنیف کر لیا ہوگا (حالانکہ قرآن اس حد اعجاز کو پہنچا ہوا ہے۔ جس کا مثل تمام جن وانس بھی بنا کر نہیں لا سکتے) تاہم کہنے کو یہ احتمال پیدا کر سکتے ہیں۔ لیکن ان کی ہٹ دھرمی، شقاوت اور بدبختی کا حال تو یہ=

يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ﴿٢٠١﴾ فَيَأْتِيَهُم بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٢٠٢﴾ فَيَقُولُوا هَلْ نَحْنُ

نہ دیکھ لیں گے عذاب دردناک ف۱ پھر آئے ان پر اچانک اور ان کو خبر بھی نہ ہو پھر کہنے لگیں کچھ بھی

نہ دیکھیں گے دکھ کی مار۔ پھر آوے ان پر اچانک اور ان کو خبر نہ ہو۔ پھر کہنے لگیں کچھ بھی

مُنظَرُونَ ﴿٢٠٣﴾ أَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُونَ ﴿٢٠٤﴾ أَفَرَأَيْتَ إِن مَّتَّعْنَاهُمْ سِنِينَ ﴿٢٠٥﴾ ثُمَّ جَاءَهُم

ہم کو فرصت ملے گی ف۲ کیا ہمارے عذاب کو جلد مانگتے ہیں بھلا دیکھ تو اگر فائدہ پہنچاتے رہیں ہم ان کو برسوں پھر پہنچے ان پر

ہم کو فرصت ملے۔ کیا ہماری مار جلد مانگتے ہیں؟ بھلا دیکھ تو! اگر برتنے دیا ہم نے ان کو کئی برس۔ پھر پہنچا ان پر

مَّا كَانُوا يُوعَدُونَ ﴿٢٠٦﴾ مَا أَغْنَىٰ عَنْهُم مَّا كَانُوا يُمَتَّعُونَ ﴿٢٠٧﴾ وَمَا أَهْلَكْنَا مِن قَرْيَةٍ إِلَّا

جس چیز کا ان سے وعدہ تھا تو کیا کام آئے گا ان کے جو کچھ فائدہ اٹھاتے رہے ف۳ اور کوئی بستی نہیں غارت کی ہم نے جس کے لیے

جس کا ان سے وعدہ تھا۔ کیا کام آوے گا ان کے جتنا برتتے رہے۔ اور کوئی بستی نہیں کھپائی ہم نے، جس کو

لَهَا مُنذِرُونَ ﴿٢٠٨﴾ ذِكْرَىٰ وَمَا كُنَّا ظَالِمِينَ ﴿٢٠٩﴾ وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيَاطِينُ ﴿٢١٠﴾ وَمَا

نہیں ہے ڈر سنا دینے والے یاد دلانے کو اور ہمارا کام نہیں ہے ظلم کرنا ف۴ اور اس قرآن کو نہیں لے کر اترے شیطان اور نہ ان سے

نہ تھے ڈر سنانے والے۔ یاد دلانے کو اور ہمارا کام نہیں ظلم کرنا۔ اور اس کو نہیں لے اترے شیطان۔ اور ان سے

يَنبَغِي لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيعُونَ ﴿٢١١﴾ إِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُولُونَ ﴿٢١٢﴾ فَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ

بن آئے اور نہ وہ کرسکیں ف۵ ان کو تو سننے کی جگہ سے دور کردیا ہے ف۶ سو تو مت پکار اللہ کے ساتھ

بن نہ آوے، اور وہ کر نہ سکیں۔ ان کو تو سننے کی جگہ سے کنارے کردیا ہے۔ سو تو مت پکار اللہ کے ساتھ

= ہے کہ اگر یہ قرآن فرض کرو ہم کسی غیر فصیح عرب یا عجمی انسان پر اتارتے جو ایک حرف عربی کا بولنے پر قادر نہ ہوتا، بلکہ بفرض محال کسی حیوان لا یعقل پر اتارا جاتا، تب بھی یہ لوگ اس کے ماننے والے نہ تھے۔ اس وقت کچھ اور احتمالات پیدا کرتے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں" کافر کہتے تھے کہ قرآن آیا ہے عربی زبان میں، اس نبی کی زبان بھی عربی ہے شاید آپ ہی کہہ لاتا ہو۔ اگر غیر زبان والے پر عربی قرآن اترتا تو یقین کرتے، فرمایا کہ دھوکہ والے کا جی کبھی نہیں ٹھہرتا۔ تب اور شبہ نکالتے کہ کوئی سکھا جاتا ہے۔" (موضح القرآن)

ف۱ یعنی جو آدمی جرائم اور گناہوں کا خوگر ہو جاتا ہے اور اپنے قویٰ کو شرارت اور سرکشی میں لگا دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اپنی عادت کے موافق ڈھیل چھوڑ دیتا ہے اور اس کے دل میں انکار و تکذیب کے اثر کو جا گزین کر دیتا ہے۔ یہ تقریر ترجمہ کے موافق ہوئی لیکن بہت سے مفسرین نے "سلکناہ" کی ضمیر قرآن کی طرف راجع کی ہے۔ یعنی قرآن کو ہم نے اس طرح مجرمین کے دل میں گھسا دیا ہے کہ وہ دل میں خوب سمجھتے ہیں کہ یہ کلام بشر نہیں ہوسکتا۔ پھر بھی ہٹ دھرمی سے ایمان نہیں لاسکتے اور تکذیب کیے چلے جاتے ہیں تاآنکہ دنیا یا آخرت میں دردناک عذاب کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرلیں، اس وقت مانیں گے کہ ہاں پیغمبر سچے تھے اور جو کتاب لائے تھے وہ سچی تھی، مگر اس وقت ماننا کچھ نفع نہ دے گا۔

ف۲ یعنی جب عذاب الٰہی ایک دم سر پر پہنچ جائے گا اس وقت کہیں گے کیا ہمیں تھوڑی سی مہلت دی جاسکتی ہے کہ اب توبہ کر کے اپنا چال چلن درست کرلیں اور پیغمبروں کا اتباع کر کے دکھلائیں۔ دنیا میں تو عذاب کی جلدی مچا رہے تھے اب مہلت طلب کرنے لگے۔

ف۳ یعنی سالہا سال کی ڈھیل اور مہلت بھی جو دی گئی تھی اس وقت کچھ کام نہ آئے گی۔ اس وقت یہ برسوں کی مہلت کالعدم معلوم ہوگی اور سمجھیں گے کہ واقعی بہت ہی جلدی پکڑے گئے۔ ﴿كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا عَشِيَّةً أَوْ ضُحَاهَا﴾ (نازعات، رکوع ۲) =

اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ ﴿۲۱۳﴾ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴿۲۱۴﴾ وَاخْفِضْ

دوسرا معبود پھر تو پڑے عذاب میں ف۱ اور ڈر سنا دے اپنے قریب کے رشتہ داروں کو ف۲ اور اپنے بازو

دوسرا حاکم، پھر تو تم پڑے عذاب میں۔ اور ڈر سنا دے اپنے نزدیک ناتے والوں کو۔ اور اپنے بازو

جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۱۵﴾ فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۱۶﴾

نیچے رکھ ان کے واسطے جو تیرے ساتھ ہیں ایمان والے ف۳ پھر اگر تیری نافرمانی کریں تو کہہ دے میں بیزار ہوں تمہارے کام سے ف۴

نیچے رکھ، ان کے واسطے جو تیرے ساتھ ہوں ایمان والے۔ پھر اگر تیری بے حکمی کریں، تو کہہ دے میں الگ ہوں تمہارے کام سے۔

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ﴿۲۱۷﴾ الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿۲۱۸﴾ وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ ﴿۲۱۹﴾

اور بھروسہ کر اس زبردست رحم والے پر ف۵ جو دیکھتا ہے تجھ کو جب تو اٹھتا ہے اور تیرا پھرنا نمازیوں میں ف۶

اور بھروسہ کر اس زبردست رحم والے پر۔ جو دیکھتا ہے تجھ کو، جب تو اٹھتا ہے۔ اور تیرا پھرنا نمازیوں میں۔

= ف۴ یعنی کسی قوم کا تختہ یوں ہی ایک دم نہیں الٹ دیا گیا۔ عذاب بھیجنے سے پہلے کافی مہلت دی گئی اور ہوشیار کرنے والے پیغمبر بھیجے گئے کہ لوگ غفلت میں نہ رہیں، جب کسی طرح نہ مانے آخر غارت کیے گئے العیاذ باللہ۔

ف۵ درمیان میں مکذبین کے احوال بیان فرما کر پھر اصل مضمون ﴿وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ﴾ کی تکمیل و تتمیم فرماتے ہیں۔ یعنی یہ کتاب خدا تعالیٰ کے ہاں سے جبرائیل امین لائے ہیں۔ شیاطین کی کھلائی ہوئی چیز نہیں۔ بھلا شیاطین سے کہاں ممکن ہے کہ ایسی کتاب بن آئے۔ ان کی طبائع کا خاصہ تو گمراہی، فساد، اور ظلمت پھیلانا ہے۔ اور یہ کتاب اول سے آخر تک رشد و صلاح اور نور ہدایت سے بھری ہوئی ہے۔ جس کی تعلیم سے وہ جماعت تیار ہوئی۔ جس سے زیادہ آسمان کے نیچے بجز انبیاء کے کوئی پاک باز، صادق، خدا ترس اور خدا پرست جماعت نہیں تو اس کتاب کے علوم اور شیاطین کی طبائع میں کوئی مناسبت نہیں۔ نہ وہ اس لائق ہیں کہ اس عظیم الشان، متبرک بار امانت کو اٹھا سکیں۔ ﴿لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ﴾ روایات میں ہے کہ بعض مشرکین کا خیال تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی جن آ کر یہ قرآن سکھلا جاتا ہے۔ بخاری میں ہے کہ ایک مرتبہ وحی آنے میں کچھ دیر ہوئی تو ایک عورت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا کہ تیرے شیطان نے تجھ کو چھوڑ دیا (نعوذ باللہ) ان آیات میں اسی خیال کی تردید ہے۔

ف۶ یعنی نزول قرآن کے زمانہ میں اس کی حفاظت کے لیے ایسے غیبی پہرے بٹھائے گئے ہیں کہ شیاطین پاس بھی نہیں پھٹک سکتے نہ ایک حرف اچک سکتے ہیں کما قال تعالیٰ ﴿وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا﴾ وقال تعالیٰ ﴿فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا﴾ وقال تعالیٰ ﴿لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ﴾۔

(تنبیہ) شیاطین کے غیبی خبریں سننے کی کوشش کرنے اور ناکام رہنے کے متعلق سورۃ حجر کے شروع میں مفصل کلام کیا جا چکا ہے وہاں مطالعہ کرنا چاہیے۔

ف۱ یہ فرمایا رسول کو اور سنایا اوروں کو یعنی جب یہ کتاب بلاشک وشبہ خدا کی اتاری ہوئی ہے، شیطان کا اس میں ذرہ بھر دخل نہیں تو چاہیے کہ اس کی تعلیم پر چلو جس میں اصل اصول توحید ہے۔ شرک و کفر اور تکذیب کی شیطانی راہ اختیار مت کرو۔ ورنہ عذاب الٰہی سے رستگاری کی کوئی سبیل نہیں۔

ف۲ یعنی اوروں سے پہلے اپنے اقارب کو تنبیہ کیجئے کہ خیر خواہی میں ان کا حق مقدم ہے اور ویسے بھی آدمی کی صداقت وحقانیت اقارب کے معاملہ سے پرکھی جاتی ہے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ "جب یہ آیت اتری۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سارے قریش کو پکار کر سنا دیا اور اپنی پھوپھی تک اور اپنی بیٹی تک اور چچا تک کہہ سنایا کہ اللہ کے ہاں اپنی فکر کرو۔ خدا کے ہاں میں تمہارا کچھ نہیں کر سکتا۔"

ف۳ یعنی شفقت میں رکھ ایمان والوں کو، اپنے ہوں یا پرائے۔

ف۴ یعنی خلاف حکم خدا جو کوئی کرے اس سے تو بیزار ہو جا، اپنا ہو یا پرایا۔

ف۵ یعنی نافرمانی کرنے والے کوئی ہوں اور کتنے ہی ہوں تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ سب سے بیزار ہو کر ایک خدا پر بھروسہ رکھ جو زبردست بھی ہے کسی کی اس کے مقابلہ میں چل نہیں سکتی، اور مہربانی فرمانے والا بھی۔ چنانچہ اپنی مہربانی سے تیرے حال پر ہر وقت نظر عنایت رکھتا ہے۔ =

اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ﴿۲۲۰﴾ هَلۡ اُنَبِّئُكُمۡ عَلٰى مَنۡ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيۡنُ ﴿۲۲۱﴾ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ

بیشک وہی ہے سننے والا جاننے والا میں بتلاؤں تم کو کس پر اترتے ہیں شیطان اترتے ہیں ہر

وہ جو ہے وہی ہے سنتا جانتا۔ میں بتاؤں تم کو کس پر اترتے ہیں شیطان۔ اترتے ہیں ہر

اَفَّاكٍ اَثِيۡمٍ ﴿۲۲۲﴾ يُّلۡقُوۡنَ السَّمۡعَ وَاَكۡثَرُهُمۡ كٰذِبُوۡنَ ﴿۲۲۳﴾ وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الۡغَاوٗنَ ﴿۲۲۴﴾

جھوٹے گناہ گار پر ف۱ لا ڈالتے ہیں سنی ہوئی بات اور بہت ان میں جھوٹے ہیں ف۲ شاعروں کی بات پر چلیں وہی جو بے راہ ہیں ف۳

جھوٹے گنہگار پر۔ لا ڈالتے ہیں سنی بات اور بہت ان میں جھوٹے ہیں۔ اور شاعروں کی بات پر چلیں وہی جو بے راہ ہیں۔

اَلَمۡ تَرَ اَنَّهُمۡ فِىۡ كُلِّ وَادٍ يَّهِيۡمُوۡنَ ﴿۲۲۵﴾ وَاَنَّهُمۡ يَقُوۡلُوۡنَ مَا لَا يَفۡعَلُوۡنَ ﴿۲۲۶﴾ اِلَّا الَّذِيۡنَ

تو نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر میدان میں سر مارتے پھرتے ہیں ف۴ اور یہ کہ وہ کہتے ہیں جو نہیں کرتے ف۵ مگر وہ لوگ

تو نہیں دیکھتا کہ وہ ہر میدان میں سر مارتے پھرتے ہیں۔ اور یہ کہ وہ کہتے ہیں جو نہیں کرتے۔ مگر جو

= ف۶ یعنی جب تو تہجد کو اٹھتا ہے اور متوسلین کی خبر لیتا ہے کہ خدا کی یاد میں ہیں یا غافل (موضح) یا تو جب نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے، اور جماعت کی نماز میں نقل و حرکت (رکوع و سجود وغیرہ) کرتا ہے، اور مقتدیوں کی دیکھ بھال رکھتا ہے اور بعض سلف نے کہا کہ ساجدین سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آبا مراد ہیں۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کا ایک نبی کی صلب سے دوسرے نبی کی صلب تک منتقل ہونا اور آخر میں نبی ہو کر تشریف لانا بلکہ بعض مفسرین نے اس لفظ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے ایمان پر استدلال کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

ف۱ یہاں پھر قرآن کے صدق اور عظمت شان پر تنبیہ فرمائی۔ یعنی ایسے ساجدی اور تہجد گزاروں کے امام کو جو اللہ کے معاملہ میں اپنے اور بیگانے کی کوئی پروا نہ کرے اور ساری دنیا سے ٹوٹ کر اکیلے خدا پر بھروسہ رکھے، کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ (معاذ اللہ) شیطان ان پر وحی لاتا تھا؟ آؤ! میں تم کو بتاؤں کہ شیطان کی وحی کس قسم کے لوگوں پر آتی ہے۔ وہ آتی ہے جھوٹوں پر، بدمعاشوں اور بدکاروں پر، کیونکہ شیطان سچے اور نیک آدمیوں سے بیزار ہے کہ یہ اس کو برا جانتے ہی۔ جھوٹے دغابازوں سے خوش ہے جو اس کی مرضی کے موافق ہیں۔ بھلا سب سچوں سے زیادہ سچے اور تمام نیکوں سے بڑھ کر نیک انسان کو شیطانی وحی سے کیا نسبت، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صدق و امانت، اتقا، پاکبازی، خدا ترسی تو وہ اوصاف ہیں جو بچپن سے لے کر دعوائے نبوت تک آپ کی ساری قوم کو تسلیم تھے۔ حتیٰ کہ "الصادق الامین" آپ کا لقب ہی پڑ گیا تھا۔

ف۲ یعنی شیاطین کوئی ایک آدھ ناتمام بات امور غیبیہ جزئیہ کے متعلق جو سن بھاگتے ہیں اس میں سو جھوٹ ملا کر اپنے کاہن دوستوں کو پہنچاتے ہیں، یہ حقیقت ان کی وحی کی ہے۔ برخلاف اس کے انبیا کی وحی کے کہ ایک حرف اور ایک شوشہ بھی جھوٹ نہیں ہو سکتا۔ بعض نے "يُلۡقُوۡنَ السَّمۡعَ" کے معنی یہ لیے ہیں کہ شیاطین ملاء اعلیٰ کی طرف کان لگاتے ہیں کہ کوئی غیبی بھنک کان میں پڑ جائے، یا جھوٹے گنہگار شیاطین کی طرف کان جھکائے رکھتے ہیں کہ کوئی چیز ادھر سے ہاتھ آئے تو چلتی کریں۔

ف۳ کافر لوگ پیغمبر کو کبھی کاہن بتاتے کبھی شاعر، سو فرمایا کہ شاعری کی باتیں محض تخیلات ہوتی ہیں تحقیق سے اس کو لگاؤ نہیں ہوتا، اس لیے اس کی باتوں سے بجز گرمی محفل یا وقتی جوش اور واہ واہ کے کسی کو مستقل ہدایت نہیں ہوتی حالانکہ اس پیغمبر کی صحبت میں قرآن سن سن کر ہزاروں آدمی نیکی اور پرہیزگاری پر آتے ہیں۔

ف۴ یعنی جو مضمون پکڑ لیا اسی کو بڑھاتے چلے گئے، کسی کی تعریف کی تو آسمان پر چڑھا دیا، مذمت کی تو ساری دنیا کے عیب اس میں جمع کر دیئے۔ موجود کو معدوم اور معدوم کو موجود ثابت کرنا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ غرض جھوٹ، مبالغہ اور تخیل کے جس جنگل میں نکل گئے، پھر مڑ کر نہیں دیکھا۔ اسی لیے شعر کی نسبت مشہور ہے۔ "اکذب او احسن"

ف۵ یعنی شعر پڑھو تو معلوم ہو کہ رستم سے زیادہ بہادر اور شیر سے زیادہ دلیر ہوں گے، اور جا کر ملو تو پرلے درجہ کے نامرد اور ڈرپوک کبھی دیکھو تو ہٹے کٹے ہیں اور اشعار پڑھو تو خیال ہو کہ نبضیں ساقط ہو چکیں، قبض روح کا انتظار ہے۔ حالی نے مسدس میں ان کے جھوٹ کا خوب نقشہ کھینچا ہے۔ غرض ایک پیغمبر خدا اور وہ بھی خاتم الانبیا کو اس جماعت سے کیا لگاؤ۔ اسی لیے فرمایا۔ ﴿وَمَا عَلَّمۡنٰهُ الشِّعۡرَ وَمَا يَنۡۢبَغِىۡ لَهٗ﴾ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو بات تھی پکی، نپی تلی باون تولے پاؤ رتی تحقیق کے ترازو میں تلی ہوئی۔ پھر جو بات زبان مبارک سے سنی جاتی تھی وہ ہی علم میں آنکھوں سے نظر آتی تھی۔ بھلا شاعر ایسے ہوتے ہیں؟ اور شاعری اسے =

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ؕ

جو یقین لائے اور کام کیے اچھے اور یاد کی اللہ کی بہت اور بدلہ لیا اس کے پیچھے کہ ان پر ظلم ہوا ف۱

یقین لائے، اور کیں نیکیاں، اور یاد کی اللہ کی بہت، اور بدلہ لیا اس پیچھے کہ ان پر ظلم ہوا۔

وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْۤا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ۝

اور اب معلوم کرلیں گے ظلم کرنے والے کہ کس کروٹ الٹتے ہیں ف۲

اور اب معلوم کریں گے ظلم کرنے والے، کس کروٹ الٹتے ہیں۔

خاتمۂ سورت مضمون حقانیت قرآن

برائے اثبات رسالت نبی آخر الزمان ﷺ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ... الى ... وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْۤا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ﴾

ربط:...... ابتداء سورت میں حقانیت قرآن کا مضمون تھا جس سے آنحضرت ﷺ کی رسالت کا ثابت کرنا مقصود تھا۔ اس وجہ سے منکرین نبوت اور مکذبین رسالت کے واقعات ذکر کیے۔ اب اخیر میں پھر اسی مضمون سابق کی طرف عود کرآتے ہیں کہ یہ قرآن اللہ کی نازل کردہ کتاب ہے اور آپ کی نبوت و رسالت کی روشن دلیل ہے۔ لہٰذا آپ اس کی تبلیغ اور دعوت میں لگے ہوئے ہیں اور اللہ پر بھروسہ رکھیئے اور ان مشرکین کی پروانہ کیجئے عنقریب ان ظالموں کو اپنے ظلم وستم کا انجام معلوم ہوجائے گا۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور بے شک یہ قرآن رب العالمین کا نازل فرمودہ ہے جس سے مقصود بندوں کی تربیت ہے روح الامین یعنی جبرئیل امین اللہ تعالیٰ کی طرف سے لے کر اس کو آپ ﷺ کے قلب پر اترے ہیں جو بندوں کے لیے روح ہدایت اور سامان حیات ہے جبرئیل اللہ کے امانت دار فرشتہ ہیں جس طرح انہوں نے کلام اور پیغام کو سنا بلا کم و کاست اسی طرح آپ ﷺ کے قلب پر اتارا۔ روح الامین نے اللہ کی یہ امانت آپ ﷺ کے قلب مبارک پر لاکر اتاری تاکہ کلام خداوندی کے انوار و برکات آپ کے قلب میں راسخ اور مرتکز ہوجائیں اور قلب مبارک اس قرآن کو اچھی طرح سمجھ لے اور خوب محفوظ کرلے کہ جس میں سہو اور نسیان اور بھول چوک کا امکان باقی نہ رہے۔ قرآن کریم کا نزول اول قلب مبارک پر ہوا اور پھر قلب سے حواس ظاہرہ اور حواس باطنہ اور باقی اعضا اور جوارح تک پہنچا۔ عقل اور ادراک کا منبع اور سرچشمہ دل ہے اور باقی اعضاء اس کے تابع ہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ﴾۔

= کہتے ہیں؟ حاشا ثم حاشا۔

ف۱ مگر جو کوئی شعر میں اللہ کی حمد کہے یا نیکی کی ترغیب دے، یا کفر کی مذمت یا گناہ کی برائی کرے یا کافر اسلام کی ہجو کریں یہ اس کا جواب دے، یا کسی نے اس کو ایذا پہنچائی اس کا جواب بحد اعتدال دیا، ایسا شعر عیب نہیں۔ چنانچہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ وغیرہ ایسے ہی اشعار کہتے تھے۔ اسی لیے حضور نے فرمایا کہ ان کافروں کا جواب دے اور روح القدس تیرے ساتھ ہے۔

ف۲ یہ ﴿مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا﴾ کی مناسبت سے فرمایا کہ ظالموں کو عنقریب اپنا انجام معلوم ہوجائے گا کہ کس کروٹ اونٹ بیٹھتا ہے سب سے بڑا ظلم یہ ہے کہ اللہ کی کتابوں اور پیغمبروں کو کاہن و شاعر کہہ کر جھٹلائے۔ تم سورۃ الشعراء وللہ الحمد والمنہ۔

اس لیے اللہ کا کلام آپ ﷺ کے قلب مبارک پر نازل ہوا اور یہ آنحضرت ﷺ کی خاص فضیلت ❶ ہے کہ قرآن پاک آپ ﷺ کے قلب پر نازل ہوا بخلاف دیگر انبیا و رسل کے انکی کتابیں بشکل الواح وصحف نازل ہوئیں پس ان کا نزول حضرات انبیا کی ظاہری صورتوں پر ہوا نہ کہ انکے قلوب پر۔ اور جبرئیل امین علیہ السلام یہ قرآن صاف اور واضح عربی زبان لیکر آپ کے قلب پر نازل ❷ ہوئے تا کہ آپ ڈرانے والوں میں سے ہو جائیں جس طرح انبیاء سابقین نے منکرین اور مکذبین کو خدا کے قہر سے ڈرایا۔ اسی طرح آپ ﷺ بھی نہ ماننے والوں کو ڈرائیں۔

قرآن اللہ کا کلام ہے اور اس کی صفت ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور بے چون وچگون ہے۔ بندوں کی ہدایت کے لیے اس کو حروف عربیہ کے لباس میں بارگاہ قدس سے نازل کیا۔ جبرئیل امین نے جن الفاظ اور حروف کے ساتھ اس کو سنا اسی طرح بعینہ اللہ کی امانت کو اللہ کے رسول تک پہنچا دیا۔ دیکھو حاشیہ شیخ زادہ ❸ علی تفسیر البیضاوی: ۳/۴۷۹ اور دیکھو تفسیر روح البیان: ۶/۳۰۶۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عربی زبان میں یہ قرآن آپ کے قلب پر نازل کیا ہے اور اس قرآن کے الفاظ اور معانی سب القاء ربانی ہیں۔

غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس قرآن کو عربی زبان میں نازل کیا تا کہ فصحاء عرب، نظم قرآنی کے اعجاز کو دیکھ کر سمجھ لیں کہ یہ قرآن رب العالمین کا نازل فرمودہ ہے کسی بشر کا کلام نہیں اور اگر باوجود اس واضح اعجاز کے کوئی کور باطن قرآن کی حقانیت اور کلام خداوندی ہونے کا انکار کرے تو آپ ﷺ یہ کہہ دیجئے کہ بلاشبہ اس قرآن کی اور اس کے لانے والے کی خبر پہلے لوگوں کی آسمانی کتابوں میں موجود ہے کہ یہ قرآن اخیر زمانہ میں پیغمبر آخر الزمان ﷺ پر نازل ہوگا۔ نزول قرآن سے قرنہا قرن پہلے انبیاء سابقین کی کتابوں میں اس خبر کا مذکور ہونا یہ اس امر کی واضح دلیل ہے کہ یہ قرآن منجانب اللہ اور منزل من اللہ ہے کسی سے پڑھ کر یا کسی سے سمجھ کر آپ ﷺ یہ آیتیں تلاوت نہیں کرتے۔ کیا یہ لوگ اس قرآن کی حقانیت اور صداقت کا انکار کرتے ہیں کیا ان کے پاس اس کی صداقت اور حقانیت کی یہ نشانی موجود نہیں کہ علماء بنی اسرائیل خوب جانتے ہیں کہ یہ وہی کتاب ہے اور یہ وہی پیغمبر ہیں جن کی بشارت ہماری کتابوں میں موجود ہے چنانچہ بہت سے یہود اور نصاریٰ اسی بنا پر مسلمان ہوئے کہ یہ وہی نبی ہیں جن کی خبر توریت اور انجیل اور زبور اور دیگر آسمانی کتابوں میں دی گئی جیسے عبداللہ بن سلام وغیرہ۔ اور بہت سے علماء یہود اور نصاریٰ اگرچہ ایمان نہیں لائے مگر اپنی خصوصی مجلسوں میں اس کا اقرار کرتے تھے کہ یہ وہی

---

❶ قال ابن الشیخ فهو علیه افضل الصلاة والسلام مختص بهذه الرتبة العلیة والکرامة السنیة من سائر الانبیاء فان کتبهم انزلت علیهم بالالواح والصحائف جملة واحدة فهی منزلة علی صورهم وظاهرهم علیٰ قلوبهم حاشیۂ شیخزاده علی تفسیر البیضاوی: ۳/۴۷۶ وکذافی روح المعانی: ۶/۳۰۶۔

❷ اشارہ اس طرف ہے کہ بلسان عربی تنزیل کے متعلق اور بعض علما نے اس کو من المنذرین کے متعلق کہا ہے والاول ہو الاظہر۔

❸ قال ابن الشیخ فالقرآن کلام اللّٰه وصفة القائمة به کساه کسوة الالفاظ المرکبة من الحروف العربیة ونزله الیٰ جبریل وجعله امینا لئلا یتصرف فی حقائقه ثم نزل به کما هو علی قلب رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم لیتعرفه ویتخلق بخلقه ویتنور بانواره ویتحلی بحقائقه ففهم وتمکن من تفهیمه یفسر۔ اه حاشیۂ شیخزاده: ۳/۴۷۹۔

نبی ہیں اور یہ وہی کتاب ہے کہ جس کے ظہور اور نزول کی خبر آسمانی صحیفوں میں دی جا چکی ہے۔ جن یہود و نصاریٰ میں ذرا بھی انصاف تھا۔ وہ اقرار کرتے تھے کہ قرآن اور آنحضرت ﷺ کی بشارت ہماری کتابوں میں موجود ہے اور زمانہ نزول میں کسی یہودی اور نصرانی کی یہ جرأت نہیں کہ وہ قرآن کے ان آیات کی تکذیب اور انکار کر سکے۔ توریت اور انجیل میں اگرچہ بہت کچھ تحریف ہو چکی ہے لیکن اب بھی ان میں قرآن کریم اور آنحضرت ﷺ کی بشارتیں موجود ہیں جن کو تفصیل کے ساتھ ہم نے سیرۃ المصطفیٰ کے حصہ چہارم میں ذکر کر دیا ہے اور بشائر النبیین لظہور خاتم الانبیا والمرسلین کے نام سے علیحدہ بھی طبع ہو چکی ہے چنانچہ توریت سفر استثنا کے اٹھارویں باب درس ۱۸ میں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ ''ان کے لیے (یعنی بنی اسرائیل) کے لئے ان کے بھائی میں سے (یعنی بنی اسمٰعیل میں سے) اے موسیٰ تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا''۔ انتھی اس بشارت میں موسیٰ جیسے نبی کے برپا کرنے سے آنحضرت ﷺ کے ظہور کی طرف اشارہ ہے اور اس کے منہ میں اپنا کلام ڈالنے سے نزول قرآن کی طرف اشارہ ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ علما بنی اسرائیل اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ اس قرآن کی خبر اگلی کتابوں میں موجود ہے اور ظاہر ہے کہ جب کسی مذہب کا عالم کسی بات کی گواہی دیتا ہے تو اس چیز کا یقین ہو جاتا ہے لہذا اہل مکہ کو اس بات کا یقین کر لینا چاہیئے کہ یہ قرآن اللہ کی نازل کردہ کتاب ہے اور ان کو چاہیے کہ اس پر ایمان لے آویں۔ لیکن یہ لوگ حد درجہ کے معاند ہیں۔ بالفرض اگر ہم اس عربی کتاب کو کسی عجمی شخص پر نازل کرتے جو عربی بولنے پر قادر نہ ہوتا۔ پھر وہ ان کو پڑھ کر سناتا جس سے اس کا اعجاز اور ظاہر ہو جاتا تو یہ عنادی لوگ تب بھی اس پر ایمان لانے والے نہ ہوتے۔ مشرکین عرب یہ کہتے تھے کہ یہ قرآن عربی زبان میں نازل ہوا ہے اور اس نبی کی زبان بھی عربی ہے ممکن ہے کہ اس شخص نے خود اس قرآن کو بنا لیا ہو تو اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ یہ لوگ ایسے ہٹ دھرم ہیں کہ اگر ہم اس قرآن عربی کو کسی عجمی شخص پر نازل کرتے جو عربی کا ایک حرف بولنے پر بھی قادر نہ ہوتا اور وہ اس قرآن کو ان پر نہایت صحیح طریقہ سے پڑھتا تو تب بھی عناد کی وجہ سے ایمان نہ لاتے حالانکہ اس وقت اس میں دو اعجاز جمع ہو جاتے۔ ایک اعجاز تو خود قرآن کا اور ایک اعجاز اس عجمی کی قراءت کا۔ کیونکہ عجمی شخص پر یہ شبہ نہیں ہو سکتا کہ اس عجمی نے خود اس نظم عربی کو بنا لیا ہے۔

اور بعض علما کہتے ہیں کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر ہم اس قرآن کو لغت عجم میں کسی عجمی پر اتارتے اور پھر وہ ان کو اپنی زبان میں پڑھ کر سناتا تو تب بھی ایمان نہ لاتے اور یہ کہتے کہ ہم اس زبان کو نہیں سمجھتے۔ جیسا کہ دوسری جگہ ہے۔ ﴿وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ﴾۔

غرض یہ کہ نہ ماننے کے سو بہانے لہذا اے نبی ﷺ آپ ان کے ایمان لانے کی امید نہ رکھیے دیکھ لیجئے کہ ہم مجرموں کے دلوں میں اس طرح انکار اور تکذیب کو اتار دیتے ہیں۔ یہ لوگ اس قرآن پر ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ پچھلی امتوں کی طرح دردناک عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ پھر وہ عذاب دنیا ہی میں ان پر اچانک آ جائے اور ان کو اس کے آنے کی خبر بھی نہ ہو۔ پھر کہنے لگے کہ کیا کچھ ہم مہلت دیئے جائیں گے کہ ایمان لا سکیں لیکن یہ وقت مہلت کا نہیں۔

مہلت کا وقت تو گزر چکا اب تو سر پر مصیبت آپہنچی یہ مجرمین پہلے یہ کہا کرتے تھے کہ ہم پر عذاب کیوں نازل نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ بطور تہدید اور استہزا ان کے جواب میں فرماتے ہیں۔ کیا یہ لوگ ہمارے عذاب میں جلدی مچاتے ہیں اور ہمارے نبی سے یہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ آپ کی تکذیب کر رہے ہیں۔ بتلایئے کہ ہم پر کب عذاب آئے گا اور کہتے ہیں کہ ﴿رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ یَوْمِ الْحِسَابِ﴾ اور ﴿اَمْطِرْ عَلَیْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَاءِ﴾ اور ﴿فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ﴾۔ اور حال یہ ہے کہ عذاب کو دیکھ کر مہلت مانگ رہے ہیں۔ عذاب کی تعجیل تو اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کی بات کو غلط سمجھتے ہیں اور مہلت مانگنا اس کی دلیل ہے کہ اپنی غلطی کا اقرار کر رہے ہیں اے نبی دیکھئے تو سہی اگر ہم ان کو عمر دراز دے کر سالہا سال بہرہ مند کر دیں۔ پھر مدت دراز کے بعد ان پر وہ عذاب آجائے۔ جس کا ان سے وعدہ تھا تو وہ سالہا سال کی بہرہ مندی ان کو کچھ کام نہ آئے گی۔ اور عذاب کو ان سے دفع نہ کر سکے گی۔ اور ایک لمحہ کا عذاب لاحق، سالہا سال کے عیش و عشرت اور سابق تمتع کو یکلخت ختم کر دے گا۔

اور ہم نے کسی بستی کو عذاب سے ہلاک نہیں کیا مگر وہاں لوگوں کو عذاب الٰہی سے ڈرانے والے موجود تھے۔ بطور نصیحت ان کو حق کی طرف بلاتے تھے جب حجت پوری ہوگئی تب عذاب آیا اور ہم ظالم نہیں کہ ڈرانے سے پہلے یکایک عذاب نازل کر دیں۔

ابطال کہانت

﴿وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّیٰطِیْنُ ﴿۲۱۰﴾ وَمَا یَنْۢبَغِیْ لَهُمْ وَمَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ﴿۲۱۱﴾ اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ﴾

گزشتہ آیات میں یہ بتلایا کہ یہ قرآن اللہ رب العالمین کا نازل فرمودہ ہے جس کو جبریل امین علیہ السلام لے کر آپ ﷺ کے قلب پر اترے ہیں۔ اب آگے ان لوگوں کے قول کا رد کرتے ہیں کہ جو یہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن جن اور شیاطین کا القا ہے۔ جیسے شیاطین کاہنوں پر القا کرتے ہیں یہ بھی اسی قسم کا کلام ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ اور اس قرآن کو شیاطین لے کر نہیں اترے جو کاہنوں کے پاس آیا کرتے تھے۔ جیسا کہ مشرکین کہتے ہیں بلکہ اس قرآن کو تو جبریل امین علیہ السلام خدا تعالیٰ کی طرف سے لے کر آئے ہیں اور نہ شیاطین کے لئے یہ سزاوار ہے کہ وہ ایسی کتاب ہدایت کو لے کر آئیں یہ کتاب تو سرچشمہ ہدایت ہے اور شیاطین سرچشمہ ضلالت و شقاوت ہیں وہ اس کو کس طرح اتار سکتے ہیں اور دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ اس پر قادر بھی نہیں کیونکہ تحقیق وہ فرشتوں کے کلام سننے سے دور رکھے گئے ہیں۔ ملاء اعلیٰ اور حظیرۃ القدس تک ان کی رسائی نہیں تو پھر وہ قرآن کو کس طرح سن سکتے ہیں۔ ترمذی میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ پہلے جنات آسمان پر جایا کرتے تھے اور وہاں سے کوئی بات سن کر آتے تھے تو ساحروں اور کاہنوں پر اترتے اور ان کو القا کرتے وہ اس میں سو جھوٹ ملا کر لوگوں سے بیان کرتے جب آنحضرت ﷺ نبی بنائے گئے اور آپ ﷺ پر نزول قرآن شروع ہوا تو آسمانوں پر پہرے لگا دیئے گئے کہ شیاطین وہاں جا کر کوئی حرف نہ سن سکیں اگر وہاں جاتے ہیں تو ان پر شعلے برسائے جاتے ہیں۔ کما قال تعالیٰ ﴿وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَاءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِیْدًا وَّشُهُبًا ﴿۸﴾ وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ؕ فَمَنْ یَّسْتَمِعِ

الا من یجد لہ شہابا رصدا﴾ وقال تعالیٰ ﴿فانہ یسلک من بین یدیہ ومن خلفہ رصدا﴾۔

ان غیبی پہروں کے ہوتے ہوئے شیاطین کا وہاں گزر نہیں تو پھر وہ کیسے کوئی حرف اچک سکتے ہیں۔ یہ قرآن القاء رحمانی ہے نہ کہ القاء شیطانی۔ اس لئے کہ جس بارگاہ سے یہ قرآن نازل ہو رہا ہے شیاطین وہاں تک پہنچنے سے محروم ہیں۔ دوم یہ کہ القاء شیطانی، نفوس خبیثہ پر ہوتا ہے نہ کہ نفوس قدسیہ پر۔

غرض یہ کہ قرآن کریم نہ سحر ہے اور نہ کہانت ہے شیاطین کے القاء سے بالکلیہ محفوظ ہے۔ سوائے نبی حسب ہدایت قرآن تم توحید کی دعوت میں لگے رہو اور خدا کے ساتھ کسی اور معبود کو نہ پکارو مبادا کہ تو عذاب پانے والوں میں سے ہو جائے آیت میں خطاب اگرچہ نبی کو ہے مگر مراد دوسرے لوگ ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ بفرض محال اگر نبی بھی شرک کرنے لگے تو اس پر بھی عذاب آئے تو دوسروں کی کیا حقیقت ہے اور اے نبی آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ہمارے عذاب سے ڈرایئے۔ چنانچہ آپ نے اپنے خویش و اقارب کو جمع کر کے عذاب الٰہی سے ڈرایا اور پوری طرح حکم خداوندی کی تعمیل کی اس آیت میں کفار اور مشرکین کو عذاب الٰہی سے ڈرانے کا حکم دیا۔ اب آئندہ آیت میں اہل ایمان کی مدارات اور ان کے ساتھ تواضع کرنے کا حکم دیتے ہیں اور اے نبی آپ اپنے بازو کو ان مسلمانوں کے لئے پست کر دیجئے جو آپ کے پیرو بن چکے ہیں۔ اور آپ کے نقش قدم پر آپ کے پیچھے پیچھے چلتے ہیں پس اگر آپ ﷺ کی قوم والے آپ کی نافرمانی کریں اور آپ کی دعوت کو قبول نہ کریں اور آپ پر ایمان نہ لائیں تو آپ کہہ دیجئے کہ میں بری اور بیزار ہوں اس کام سے جو تم کر رہے ہو اور ان کی طرف سے ایذا اور ضرر کا خطرہ دل میں نہ لایئے بلکہ اللہ پر بھروسہ رکھیئے جو غالب اور مہربان ہے اور آپ کا نگہبان ہے جو آپ کو دیکھتا ہے جب آپ نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں اور تہجد کے لئے اٹھتے ہیں اور نیز دیکھتا ہے وہ آپ کی نشست و برخاست کو سجدہ کرنے والوں میں یعنی جب آپ جماعت میں رکوع و سجود کرتے ہیں اللہ اس سے بھی واقف ہے اس سے جماعت کی فضیلت نکلتی ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ ارکان نماز میں سجدہ ایک خاص شان رکھتا ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو خاص طور پر دیکھتا ہے جب آپ تنہا نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں اور جب آپ جماعت میں ہوتے ہیں تب بھی آپ کو دیکھتا ہے اور نماز کے علاوہ اور حالات میں بھی آپ کو دیکھتا ہے غرض یہ کہ ہر حال میں آپ پر اس کی نظر عنایت ہے۔ بے شک وہی سننے والا اور جاننے والا ہے کوئی حالت اس کے علم محیط سے خارج نہیں۔

اور بعض سلف یہ کہتے ہیں کہ ساجدین سے حضور پرنور ﷺ کے آباؤ اجداد مراد ہیں اور یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور حوا علیہا السلام سے لے کر حضور ﷺ کے والدین تک آپ کی روح پاک کو ایک ساجد اور موحد سے دوسرے ساجد اور موحد کی طرف منتقل فرمایا اور آپ کے سلسلۂ نسب میں کوئی مشرک نہ تھا اس پر یہ اعتراض وارد ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد آزر تو بنص قرآنی مشرک تھے بعض نے اس کا یہ جواب دیا کہ آزر ابراہیم علیہ السلام کے والد نہ تھے بلکہ چچا تھے اور مجازاً چچا پر بھی باپ کا اطلاق کر دیا جاتا ہے اور بعض نے یہ کہا کہ آزر کے شرک کرنے سے پہلے نور نبوت منتقل ہو چکا تھا۔

تتمہ ابطال کہانت

گزشتہ آیات میں یہ بتلایا تھا کہ یہ قرآن کہانت نہیں اور آنحضرت ﷺ کاہن نہیں اب آئندہ آیت میں اسی کا تتمہ ہے کہ یہ قرآن وحی الٰہی ہے اس میں شیاطین کا کوئی دخل نہیں۔ اے نبی آپ ﷺ ان لوگوں سے واضح کہہ دیجئے کہ کیا میں تم کو خبر دوں کہ کس قسم کے شخص پر شیاطین نازل ہوتے ہیں تا کہ تم پر وحی ربانی اور وحی شیطانی کا فرق واضح ہو جائے۔ سو، سن لو شیاطین ہر جھوٹے فریبی بدکار پر اترتے ہیں جیسے مسیلمہ کذاب اور دیگر کاہن اس قسم کے جھوٹے اور مکار لوگوں پر شیاطین اترتے ہیں اور یہ شیاطین فرشتوں سے کوئی سنی ہوئی بات ان کاہنوں پر لا کر القاء کرتے ہیں اور ان کاہنوں میں کے اکثر لوگ جھوٹے ہوتے ہیں۔ کفار یہ کہتے ہیں کہ محمد ﷺ پر شیطان آتا ہے اور وہی ان کو یہ قرآن تعلیم کرجاتا ہے اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا کہ شیاطین تو جھوٹے بدکاروں پر آتے ہیں اور چوری چھپے جو کوئی ایک آدھی بات فرشتوں سے سن بھاگتے ہیں وہ ان کاہنوں پر القاء کر دیتے ہیں پھر وہ بدکار کاہن اس میں جھوٹ اپنی طرف سے ملا کر اس کو مشہور کر دیتے ہیں۔ راست بازوں اور حق پرستوں کے پاس شیاطین کا کیا کام۔ ان کے تو سایہ سے بھی وہ بھاگتے ہیں اور ہمارے نبی تو صدق مجسم ہیں ان کی زبان سے تو کوئی جھوٹ حرف نکل ہی نہیں سکتا پس معلوم ہوا کہ یہ قرآن شیاطین کا کلام نہیں۔ خدا کا کلام ہے۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں یلقون کی ضمیر ﴿افاکین﴾ کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ جھوٹے اور بدکار لوگ ہمہ تن شیاطین کی طرف کان لگائے رکھتے ہیں جو کچھ ان سے مل جاتا ہے اس میں سو جھوٹ ملا کر آگے چلتا کرتے ہیں اور برخلاف حضور پرنور ﷺ کے کہ آپ نے جو پیش گوئیاں کی ہیں اور آئندہ کی خبریں دی ہیں وہ حرف بحرف صحیح نکلیں ان میں ذرہ برابر جھوٹ کی ملاوٹ نہیں۔

ابطال شاعریت

کفار آنحضرت ﷺ کو کبھی کاہن بتاتے اور کبھی شاعر بتاتے۔ گزشتہ آیات میں آپ کے کاہن ہونے کی تردید کی اب آئندہ آیت میں آپ کے شاعر ہونے کی تردید کرتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ قرآن کو شعر کہنا اور حضور پرنور ﷺ کو شاعر کہنا مشرکین کی کھلی ہٹ دھرمی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور شاعروں کی پیروی کرتے ہیں، گمراہ لوگ جو خیالی اور نفسانی چیزوں کے دلدادہ ہوتے ہیں برخلاف محمد رسول اللہ ﷺ کے پیروی کرنے والوں کے، کہ وہ نہایت متقی اور پرہیزگار ہیں اور آخرت کے طلبگار اور دنیا سے بیزار ہیں۔

پس اگر محمد ﷺ شاعر ہوتے اور شاعروں کی طرح نفسانی اور خیالی باتیں کیا کرتے تو آپ ﷺ کے پیروی کرنے والے فسق و فجور سے بیزار نہ ہوتے پس معلوم ہوا کہ آپ شاعر نہیں اس لئے کہ آپ کا کلام ہادیانہ اور ناصحانہ ہے اور آپ ﷺ کے پیرو آخرت کے طلبگار ہیں اور فسق و فجور سے نفور اور بیزار ہیں۔ اے دیکھنے والے کیا تو نے نہیں دیکھا کہ یہ شاعر لوگ خیالی مضمون کے ہر جنگل میں حیران و سرگرداں ٹکریں مارتے پھرتے رہتے ہیں کبھی مدح اور کبھی قدح اور کبھی ہجو اور کبھی خوشامد اور کبھی عشق بازی اور ہر ایک میں جھوٹ اور مبالغہ کسی کی تعریف پر آئے تو اسے آسمان پر چڑھا دیا اور جس کی برائی پر

آئے اس میں دنیا بھر کے عیب ثابت کر دیئے۔ ہر وقت بیابان خیال میں گھومتے اور جھومتے رہتے ہیں۔ سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ بنانے کی دھن میں لگے رہتے ہیں۔ مقصد صرف اتنا ہوتا ہے کہ محفل گرم ہو جائے اور تھوڑی دیر کے لئے لوگوں کی زبان پر واہ واہ آجائے۔ غرض یہ کہ انواع کذب و دروغ میں کوئی نوع ایسے نہیں چھوڑتے جس میں نہ گھستے ہوں۔ جھوٹ کی گھاٹیوں میں سے ہر گھاٹی میں داخل ہوتے ہیں۔ ﴿فِیْ كُلِّ وَادٍ یَّهِیْمُوْنَ﴾ کا یہی مطلب ہے کہ فحش اور بے حیائی اور باطل اور بیہودگی کی ہر وادی میں حیران اور سرگرداں پھرتے ہیں اور اسی لئے شاعر لوگ زبان سے وہ بات کہتے ہیں جو کرتے نہیں یعنی اکثر اقوال میں جھوٹے ہوتے ہیں کیونکہ بسا اوقات شعرا اپنے اشعار میں تعلی کے طور پر ایسی باتیں کہتے ہیں جو واقعہ میں اس سے صادر نہیں ہوتیں چنانچہ صحیحین میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی کے پیٹ کا پیپ سے بھر کر خراب ہو جانا اس سے بہتر ہے کہ وہ شعر سے بھرا جائے۔

مقصود یہ ہے کہ یہ قرآن کلام الٰہی ہے اور جس پر یہ قرآن نازل ہوا ہے وہ اللہ کا رسول ہے نہ کاہن ہے اور نہ شاعر ہے کیونکہ آپ کا حال کاہنوں اور شاعروں کے بالکل خلاف ہے۔ کاہن تو مکار اور بدکار ہوتے ہیں جن پر شیاطین اترتے ہیں اور دروغ گو اور بدکار ہوتے ہیں جن کی پیروی کرنے والے گمراہ لوگ ہوتے ہیں جو ہر وادی خیال میں حیران اور سرگرداں ہوتے ہیں جو کہتے ہیں وہ کرتے نہیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ قرآن از قبیل شعر و اشعار نہیں کیونکہ شعرا کا کام مبالغہ اور افراط و تفریط ہے جس کو اصلاح اخلاق و اعمال سے مناسبت نہیں اور اس وحی الٰہی میں ہدایت اور اصلاح اخلاق و اعمال بدرجہ اتم و اکمل مرکوز ہے۔

حکایت

محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ اور محمد بن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الطبقات میں ذکر کیا ہے کہ امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے نعمان بن عدی رضی اللہ عنہ کو صوبہ بصرہ کے ضلع میسان کا عامل مقرر کر کے بھیجا اتفاق سے نعمان رضی اللہ عنہ شاعر تھے شعر کہا کرتے تھے انہوں نے یہ شعر کہے۔

الاهل اتى الحسناء ان خليلها　　　بميسان يسقى فى زجاج وحنتم

کیا اس حسینہ کو یہ خبر پہنچی ہے کہ اس کا دوست مقام میسان میں رہتا ہے اور اس کا حال یہ ہے کہ اس کو شیشہ میں اور سبز کوزے میں شراب پلائی جاتی ہے۔

اذا شئت غنتنى دهاقين قريةٍ　　　ورقاصة تحثوا على كل مبسم

جب میں چاہتا ہوں تو بستی کی عورتیں مجھے گانا سناتی ہیں اور ایک رقاصہ رقص کرتی ہے اور اس رقاصہ کے ناچنے کی کیفیت یہ ہے کہ وہ ہر ایک منہ پر خاک ڈالتی ہے۔

فان كنت ندمانى فبا لاكبر اسقنى　　　ولا تسقنى بالاصغر المتثلم

پس اگر تو میرا ندیم اور شراب میں ہم نشین بنتا ہے تو مجھ کو بڑے پیالہ سے شراب پلا اور چھوٹے پیالے سے جس میں

کوئی رخنہ پڑا ہوا ہو شراب نہ پلا۔

لعل امیر المومنین یسوءہ تناد منا بالجوسق المتھدم

مجھے ڈر ہے کہ شاید امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کو گری پڑی جھونپڑی میں ہماری یہ ہم نشینی ناگوار گزرے۔

اتفاق سے یہ شعر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو پہنچ گئے سنتے ہی فرمایا ای واللہ انہ لتسوئنی ومن لقیہ فلیخبرہ انی قد عزلتہ۔ ہاں خدا کی قسم یہ بات مجھے بری معلوم ہوئی اور جو شخص اس سے ملے تو اسے خبر کردے کہ میں نے اس کو معزول کر دیا اور ایک فرمان اس کے نام جاری کیا وہ یہ تھا۔

﴿بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ ﴿حٰمٓ ۝ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝ غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ۙ ذِي الطَّوْلِ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ﴾ اما بعد فقد بلغنی قولک۔

لعل امیر المومنین یسوءہ تنادمنا بالجوسق المتھدم

وایم اللہ انہ یسوئنی وقد عزلتک۔ انتھی

ان آیات کے لکھنے کے بعد لکھا ہے کہ مجھے تیرا یہ قول پہنچا لعل امیر المومنین یسوءہ خدا کی قسم مجھے تیرا یہ قول ناگوار گزرا اور میں نے تجھے معزول کیا۔

بعد ازاں نعمان بن عدی رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو اس شعر پر سخت ملامت کی۔ نعمان بن عدی رضی اللہ عنہ نے عذر کیا اور عرض کیا کہ قسم ہے خدا کی۔ میں نے کوئی قطرہ شراب کا نہیں پیا اور یہ شعر بطور لغو میری زبان سے نکل گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میرا گمان بھی یہی ہے لیکن واللہ اس کے بعد میرا عامل اور حاکم نہیں بن سکتا جبکہ تو کہہ چکا (تفسیر ابن کثیر: ۳/ ۳۵۴)

مطلب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس قسم کے بیباکانہ شعر کی وجہ سے اس کو عہدہ سے معزول تو کر دیا۔ لیکن یہ ثابت نہیں کہ ان پر حد شراب جاری کی یا نہیں حالانکہ اشعار میں شراب خوری کا اقرار موجود ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ اسی آیت میں شعرا کے متعلق یہ آیا ہے۔ ﴿وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ﴾۔ کہ شعرا اپنی زبان سے وہ بات کہتے ہیں کہ جو کرتے نہیں اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان پر حد نہیں لگائی فقط ملامت کی اور ان کو معزول کر دیا۔

شان نزول

جب یہ آیت ﴿وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ﴾۔ نازل ہوئی تو حسان بن ثابت اور عبد اللہ بن رواحہ اور کعب بن مالک رضی اللہ عنہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ ﴿وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ﴾۔ اور اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے تو کیا ہم بھی اس عموم میں داخل ہیں اس پر اللہ تعالیٰ نے آئندہ آیت یعنی ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتلا دیا کہ گزشتہ آیت کے عموم سے وہ شاعر مستثنیٰ ہیں جو ایمان لائے اور نیک کام کئے چنانچہ فرماتے ہیں کہ گزشتہ آیت میں جو حالت بیان کی گئی وہ حالت شعرا کفار بدکردار

کی ہے اوراس سے وہ شاعر مستثنیٰ ہیں کہ جو ایمان لائے اور انہوں نے اعمال صالحہ کیے وہ ہر وادی خیال میں نہیں گھومتے اور نہ ان کا قول ان کے فعل کے خلاف ہوتا ہے اور انہوں نے اللہ کو کثرت سے یاد کیا یعنی اپنے اشعار میں اللہ کی عظمت اور جلال کو ذکر کیا اور آخرت کو یاد کیا اور اگر اپنے اشعار میں کسی کی ہجو کی تو ذاتی عداوت کی بنا پر نہیں کی بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے دشمنان اسلام سے بدلہ لیا بعد اس کے کہ ان پر ظلم کیا گیا یعنی کفار نے جو اسلام اور مسلمانوں اور اللہ اور اس کے رسول کی ہجو کی تھی اس کا جواب دیا اور ظالم سے بدلہ لینا عقلاً وشرعاً جائز ہے اس لئے اس قسم کے شعرا اسلام حکم سابق سے مستثنیٰ ہیں چنانچہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے ان شعرا اسلام پر اس کی تلاوت فرمائی اور فرمایا کہ وہ تم ہو یعنی اس آیت میں جن مومنین صالحین اور ذاکرین اور منتصرین کا اللہ تعالیٰ نے استثنا فرمایا اس کے مصداق تم ہو۔ نہ تم گمراہ ہو اور نہ گمراہوں کے پیرو ہو بلکہ مظلوم ہو تم نے ظالموں سے اپنا انتقام لیا ہے اور عنقریب یہ ظالم جو آنحضرت ﷺ کی طرف شعر اور کہانت کی نسبت کرتے ہیں۔ جان لیں گے کہ وہ کس کروٹ پلٹتے ہیں اور ان کا کیا ٹھکانہ ہے یعنی عنقریب ان کو اپنے ظلم وستم کا انجام معلوم ہو جائے گا کہ ہم نے اللہ کے رسول اور اس کے ماننے والوں پر کیا ظلم کیا ان ظالموں کا ٹھکانہ آتش دوزخ ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

لطائف ومعارف

شروع سورت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی نبوت ورسالت کے اثبات کے لئے حقانیت قرآن کا ذکر فرمایا جو آپ کی نبوت ورسالت کی سب سے روشن دلیل ہے اور پھر آپ کی تسلی کے لئے اور منکرین نبوت کی تہدید کے لئے سات پیغمبروں کے قصے ذکر فرمائے اب خاتمۂ سورت پر اسی سابق مضمون کی طرف عود فرماتے ہیں اور قرآن کریم کی حقانیت کو بیان کرتے ہیں کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جو بواسطۂ جبریل امین علیہ السلام آپ کے قلب مبارک پر نازل کی گئی پھر اس کی حقانیت پر یہ دلیل بیان فرمائی کہ علماء اہل کتاب اس کتاب کی حقیقت کو خوب اچھی طرح جانتے اور پہچانتے ہیں اس کو خوب معلوم ہے کہ اس کتاب کے نزول کا ذکر زبر اولین یعنی انبیاء سابقین کے صحیفوں میں موجود ہے کہ نبی آخر الزمان پر ایسی اور ایسی کتاب نازل ہوگی جیسا کہ توریت اور انجیل میں نبی آخر الزمان کے بعثت کا ذکر ہے۔ کما قال تعالیٰ ﴿النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِندَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ﴾۔ اسی طرح توریت اور انجیل میں نزول قرآن کا بھی ذکر ہے پھر قرآن کے عربی میں نازل ہونے کی وجہ بیان فرمائی پھر یہ بیان فرمایا کہ یہ قرآن وحی ربانی ہے نہ کہ القاء شیطانی۔ اور اس کی دو وجہ بیان فرمائیں ہیں۔

اول یہ کہ ملاء اعلیٰ تک جو احکام الٰہیہ کے نزول اور نفاذ کا محل ہے وہاں تک شیاطین پہنچنے سے محروم ہیں۔

دوم یہ کہ سنت اللہ جاری ہے کہ القاء شیطانی نفوس خبیثہ پر ہوتا ہے نہ کہ نفوس قدسیہ پر کیونکہ مفید اور مستفید کے درمیان وجہ مناسبت ضروری ہے ورنہ افادہ واستفادہ محقق نہیں ہو سکتا اور آنحضرت ﷺ کا نفس عالی نفوس قدسیہ میں سے تھا جو غایت درجہ اخلاقی اور اعمالی طہارت کے ساتھ موصوف تھا۔

نیز یہ بیان فرمایا کہ قرآن مجید از قبیل اشعار نہیں کیونکہ شعرا کا کام افراط وتفریط ہے اس لئے وہ اصلاح اخلاق و اعمال اور ہدایت خلق اللہ سے فی الجملہ بھی مناسبت نہیں رکھتے اور وحی الٰہی میں ہدایت اور اصلاح اعمال و اخلاق بروجہ اتم مرکوز کی گئی ہے کما لا یخفی بعد ازاں یہ حکم دیا کہ بالخصوص اپنے خویش و اقارب کو اور قریبی قبائل کو عذاب الٰہی سے ڈرائیں اور جو لوگ آپ کے متبع اور پیرو ہیں ان کے ساتھ تلطف اور مدارات کا معاملہ فرمائی اور ان کے ساتھ تواضع سے پیش آئیں اور چونکہ سورۂ شعرا مکیہ ہے لہٰذا اس آیت میں مومنین سے بلحاظ نزول آیت وحی مہاجرین اولین مراد ہیں۔ وھو المقصود۔ (ماخوذ از ازالۃ الخفاء)

تمام امت کا یہ اجماعی عقیدہ ہے کہ ما بین دفتی المصحف کلام اللہ یعنی مصحف میں دو دفتوں کے درمیان اللہ کا کلام ہے اور جو شخص اس مصحف کو کلام اللہ نہ مانے وہ کافر ہے لیکن وہ اسی مصحف کے نقوش کتابیہ اور حروف مطبوعہ کو قدیم نہ مانے تو اس انکار سے وہ کافر نہ ہوگا۔ جن الفاظ قرآن کو اپنی زبانوں سے پڑھتے ہیں اور جن حروف قرآنیہ کو اپنے مصاحف میں لکھتے ہیں اگرچہ وہ حادث اور مخلوق ہیں لیکن ہمارے لئے یہ ہرگز ہرگز جائز نہیں کہ ہم مطلق قرآن کو یا کلام اللہ کو مخلوق اور حادث کہیں۔ کلام الٰہی جو ذات باری کے ساتھ قائم ہے اور اس کی صفت ہے کہ وہ بلاشبہ قدیم اور غیر مخلوق ہے لیکن ہماری قراءت اور سماعت اور کتابت یہ سب مخلوق اور حادث ہیں قرآن جس حیثیت سے بندہ سے متعلق ہے اس حیثیت سے اس کو حادث اور مخلوق کہہ سکتے ہیں تاکہ خدا کی صفت میں اور بندہ کی صفت میں فرق ہو جائے مطلقاً کلام اللہ اور قرآن کو مخلوق اور حادث کہنا جائز نہیں واللہ اعلم بالصواب۔

الحمد للہ تفسیر سورۂ شعرا بتاریخ ۹ ذی قعدۃ الحرام ۱۳۹۱ھ تمام ہوئی وللہ الحمد والمنۃ اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے اور تفسیر کے اتمام و اکمال کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

سورۃ النمل

سورۃ النمل مکیۃ وھی ثلث وتسعون ایۃ وسبع رکوعات

یہ سورت مکی ہے اس سورت میں ترانوے آیتیں اور سات رکوع ہیں۔ "نمل" عربی زبان میں چیونٹی کو کہتے ہیں چونکہ اس سورت میں چیونٹی کا قصہ مذکور ہے اس لئے یہ سورۃ "سورۃ النمل" کے نام سے موسوم ہوئی اور چیونٹی کا یہ قصہ سلیمان علیہ السلام کی نبوت کی دلیل ہے جیسے بوقت ہجرت غار ثور میں مکڑی کا جالا آنحضرت ﷺ کی نبوت کی دلیل تھی۔ ہدہد کے خط لے جانے کا واقعہ اور بلقیس کے تخت حاضر کرنے کا واقعہ وغیرہ وغیرہ یہ سب حضرت سلیمان علیہ السلام کی نبوت کی دلیل اور براہین تھے اور اس سورت میں سلیمان علیہ السلام کی دعوت اور تبلیغ کا طریقہ بھی ذکر کیا اور چیونٹی کے اس قصہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حیوانات کو بھی اس بات کا علم ہے کہ حضرات انبیا کرام اور ان کے اصحاب کرام اس سے منزہ ہیں کہ جان بوجھ کر کسی کو تکلیف پہنچائیں جیسا کہ نمل کے قصہ میں یہ آیت آنے والی ہے۔ ﴿قَالَتْ نَمْلَةٌ يَّاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ ۙ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ﴾۔

ربط:...... گزشتہ سورت کی طرح اس سورت کا آغاز بھی حقانیت قرآن و اثبات وحی رسالت سے ہوا اور اسی مناسبت سے بعض انبیاء سابقین کے قصے مذکور ہوئے۔ اثبات رسالت کے بعد توحید اور دلائل توحید کا مضمون بیان ہوا۔ جو قل الحمد اللہ سے شروع ہوا اثبات رسالت اور اثبات توحید کے بعد جو تیسرا مضمون بیان فرمایا وہ اثبات معاد اور اشراط ساعت یعنی علامات قیامت اور جزا و سزائے آخرت کے متعلق بیان فرمایا جو ﴿قُلۡ لَّا یَعۡلَمُ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ﴾ سے شروع ہو کر ختم سورت تک چلا گیا اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے پانچ قصے ذکر کئے اول: قصہ موسیٰ علیہ السلام، دوم: قصہ سلیمان علیہ السلام، سوم: قصہ ملکہ سبا، چہارم: قصہ صالح علیہ السلام، پنجم: قصہ لوط علیہ السلام۔

(۲۷ سُوۡرَةُ النَّمۡلِ مَکِّیَّةٌ ۴۸) بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ (ایاتها ۹۴ رکوعاتها ۷)

طٰسٓ ۟ تِلۡكَ اٰیٰتُ الۡقُرۡاٰنِ وَ كِتَابٍ مُّبِیۡنٍ ۙ﴿۱﴾ هُدًی وَّ بُشۡرٰی لِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ۙ﴿۲﴾ الَّذِیۡنَ

یہ آیتیں ہیں قرآن اور کھلی کتاب کی ہدایت اور خوشخبری ایمان والوں کے واسطے جو

یہ آیتیں ہیں قرآن اور کھلی کتاب کی۔ سوجھ اور خوشخبری ایمان والوں کو۔ جو

یُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوةَ وَ یُؤۡتُوۡنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمۡ بِالۡاٰخِرَةِ هُمۡ یُوۡقِنُوۡنَ ﴿۳﴾ اِنَّ الَّذِیۡنَ لَا

قائم رکھتے ہیں نماز کو اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور ان کو آخرت پر یقین ہے جو لوگ نہیں

کھڑی رکھتے ہیں نماز اور دیتے ہیں زکوٰۃ، اور وہ پچھلا گھر یقین جانتے ہیں۔ جو لوگ نہیں

یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَةِ زَیَّنَّا لَهُمۡ اَعۡمَالَهُمۡ فَهُمۡ یَعۡمَهُوۡنَ ؕ﴿۴﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِیۡنَ لَهُمۡ سُوۡٓءُ

مانتے آخرت کو اچھے دکھلائے ہم نے ان کی نظروں میں ان کے کام سو وہ بھٹکے پھرتے ہیں ف۱ وہی ہیں جن کے واسطے بری طرح کا

مانتے آخرت کو، ان کو بھلے دکھائے ہیں ہم نے ان کے کام، سو وہ بھٹکے۔ وہی ہیں جن کو بری طرح کی

الۡعَذَابِ وَ هُمۡ فِی الۡاٰخِرَةِ هُمُ الۡاَخۡسَرُوۡنَ ﴿۵﴾ وَ اِنَّكَ لَتُلَقَّی الۡقُرۡاٰنَ مِنۡ لَّدُنۡ حَكِیۡمٍ

عذاب ہے اور آخرت میں وہی ہیں خراب ف۲ اور تجھ کو تو قرآن پہنچتا ہے ایک حکمت والے خبردار کے

مار ہے، اور آخرت میں وہی ہیں خراب۔ اور تجھ کو تو قرآن ملتا ہے ایک حکمت والے

ف۱ یعنی جن کو انجام کی کوئی فکر اور مستقبل کا خیال نہ ہو، وہ اسی دنیائے فانی کی فکر میں ڈوبے رہتے ہیں۔ ان کی تمام کوشش کا مرکز یہی چند روزہ زندگی ہے جو کتاب یا پیغمبر ادھر سے ہٹا کر عاقبت کی طرف توجہ دلائے، اس پر کیوں کان دھرنے لگے۔ وہ دنیا کے عشق میں غرق ہو کر ہادیوں پر آوازیں کستے ہیں۔ آسمانی صحیفوں کو مورد طعن بناتے ہیں۔ پیغمبروں کے ساتھ ٹھٹھا کرتے ہیں۔ اور یہ ہی کام ہیں، جن کو اپنے نزدیک بہت اچھا سمجھ کر برابر گمراہی میں ترقی کرتے جاتے ہیں۔

(تنبیہ) تزیین کی نسبت حق تعالیٰ کی طرف اس حیثیت سے کی کہ خالق ہر چیز کا وہی ہے کسی سبب پر مسبب کا ترتب بدون اس کی مشیت و ارادہ کے نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ دوسرے مواضع میں اضلال و ختم و طبع وغیرہ کی نسبت اس کی طرف ہوئی ہے۔ سورۂ "نمل" کی ان ابتدائی آیات کا مضمون سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیات سے بہت مشابہ ہے ان کو ایک مرتبہ مطالعہ کر لیا جائے۔

ف۲ یعنی وہاں سب سے زیادہ خسارہ میں یہی لوگ ہوں گے۔

عَلِيْمٍ ⑥

پاس سے ف۱

خبر دار سے۔

حقانیت قرآن واثبات رسالت وترغیب براعمال آخرت

قَالَ اللہُ تَعَالٰی: ﴿طٰسٓ ۔ تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ ... الی ... وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ﴾

﴿طٰسٓ﴾ اس کے معنی اللہ ہی کو معلوم ہیں۔ یہ سورت۔ آیتیں ہیں قرآن کی اور کتاب مبین کی یعنی ایسی کتاب کہ جو حق اور باطل کو واضح کرنے والی ہے اور یہ آیتیں ہدایت اور بشارت ہیں ایمان والوں کے لئے حق کا راستہ بتلاتی ہیں اور جنت کی خوشخبری سناتی ہیں اور ان مومنین کی صفات یہ ہیں کہ وہ نماز ٹھیک ٹھیک ادا کرتے ہیں جو عبادت بدنیہ میں عظیم ترین عبادت ہے اور زکوٰۃ دیتے ہیں جو عبادات مالیہ میں عظیم ترین عبادت ہے اور ان کی حالت یہ ہے کہ وہ آخرت پر پورا پورا یقین رکھتے ہیں آخرت ہر وقت ان کی نظروں کے سامنے رہتی ہے اور خوف عاقبت ان کو دامنگیر رہتا ہے اور آخرت کا یقین اور اس کی فکر یہی تمام عقائد اور اعمال صالحہ کی روح رواں ہے البتہ جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے ان کا حال یہ ہے کہ ہم نے ان کی نظر میں ان کے اعمال قبیحہ کو مزین اور خوبصورت کر دیا ہے کہ وہ اپنے قبیح افعال کو اچھا سمجھتے ہیں یعنی برے اعمال کو ان کے لئے بالطبع مرغوب اور محبوب بنا دیا کہ وہ برے کام ان کو اچھے نظر آتے ہیں۔ پس یہ لوگ نفسانیت اور شہوانیت میں سرگرداں ہیں۔ نفسانیت اور شہوانیت نے ان کو اندھا بنا دیا ہے ایسے ہی لوگ ہیں جن کے لئے بہت بڑا عذاب ہے۔ دنیا کی محبت خود ایک مستقل عذاب ہے اور یہ لوگ آخرت میں تو بالکل ہی خسارہ میں ہوں گے جس کے بعد کسی کامیابی کی امید نہیں اور تحقیق آپ پر یہ قرآن القا کیا جاتا ہے ایسی ذات والا صفات کی طرف سے جو بڑا دانا اور حکمت والا ہے جس کا ہر حرف عین علم اور عین حکمت ہے جو شہوت پرستوں اور نفس پرستوں پر ناگوار ہے ہر نفس فرعون کا نمونہ ہے تکبر اور غرور کے نشہ میں چور ہے حق کو سننا نہیں چاہتا اور قرآن کریم کا اسرار علم وحکمت پر مشتمل ہونا بھی اسی حقانیت کی دلیل ہے اب اس کے بعد پانچ قصے ذکر فرماتے ہیں جو سب کے سب علم وحکمت پر مشتمل ہیں اور آپ ﷺ کی نبوت ورسالت کی دلیل ہیں۔

اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖٓ اِنِّیْٓ اٰنَسْتُ نَارًا ۭ سَاٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِيْكُمْ بِشِهَابٍ

جب کہا موسیٰ نے اپنے گھر والوں کو میں نے دیکھی ہے ایک آگ ف۲ اب لاتا ہوں تمہارے پاس وہاں سے کچھ خبر یا لاتا ہوں انگارا

جب کہا موسیٰ نے اپنے گھر والوں کو، میں نے دیکھی ہے آگ، اب لاتا ہوں تمہارے پاس وہاں سے کچھ خبر، یا لاتا ہوں انگارا

ف۱ یعنی اب بدبختوں کو تیہ ضلالت میں بھٹکنے دو۔ جب انہوں نے قرآن مبین کی قدر نہ پہچانی اور اس کی ہدایات و بشارات سے فائدہ نہ اٹھایا تو یہ ہی حشر ہونا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو خدا کا شکر کیجئے کہ اس علیم وحکیم کی سب سے زیادہ عظیم الشان کتاب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مرحمت کی گئی ہے جس سے ہر وقت تازہ بتازہ فوائد پہنچ رہے ہیں جس میں مومنین کے لیے بشارتیں ہیں اور مکذبین کو عبرتناک واقعات سنائے گئے ہیں تاکہ سچوں کا دل مضبوط وقوی ہو اور جھوٹ کی حمایت کرنے والے اپنی بدانجامی پر مطلع ہو جائیں۔ چنانچہ ان ہی اغراض کے لیے آگے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعونیوں کا قصہ سنایا جاتا ہے۔

ف۲ یہ "مدین" سے جاتے ہوئے وادی "طویٰ" کے قریب پہنچ کر کہا جبکہ سخت سردی کی اندھیری رات میں راستہ بھول گئے تھے مفصل واقعہ سورۃ "طٰہٰ" کے =

قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ۝۷ فَلَمَّا جَآءَهَا نُوْدِيَ اَنْۢ بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ

سلگا کر شاید تم سینکو ف۱ پھر جب پہنچا اس کے پاس آواز ہوئی کہ برکت ہے اس پر جو کوئی کہ آگ میں ہے اور جو اس کے آس پاس ہے ف۲

سلگا کر، شاید تم تاپو۔ پھر جب پہنچا اس پاس، آواز ہوئی، کہ برکت رکھتا ہے جو کوئی آگ میں ہے اور جو کوئی اس کے آس پاس ہے،

وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۸ يٰمُوْسٰۤى اِنَّهٗۤ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۹ وَاَلْقِ عَصَاكَ ؕ

اور پاک ہے ذات اللہ کی جو رب سارے جہان کا ف۳ اے موسیٰ وہ میں اللہ ہوں زبردست حکمتوں والا ف۴ اور ڈال دے لاٹھی اپنی

اور پاک ہے ذات اللہ کی جو صاحب سارے جہان کا۔ اے موسیٰ! وہ میں اللہ ہوں زبردست حکمتوں والا۔ اور ڈال دے لاٹھی اپنی۔

فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ؕ يٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ ۫ اِنِّيْ لَا يَخَافُ

پھر جب دیکھا اس کو پھن پھناتے جیسے سانپ کی سٹک ف۵ لوٹا پیٹھ پھیر کر اور مڑ کر نہ دیکھا ف۶ اے موسیٰ مت ڈر

پھر جب دیکھا اس کو پھن پھناتے جیسے سانپ کی سٹک، پھرا پیٹھ دے کر اور پیچھے نہ دیکھا۔ اے موسیٰ! ڈر نہ کھا،

لَدَيَّ الْمُرْسَلُوْنَ ۝۱۰ اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًۢا بَعْدَ سُوْٓءٍ فَاِنِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۱

میں جو ہوں تیرے پاس نہیں ڈرتے رسول ف۷ مگر جس نے زیادتی کی پھر بدلے میں نیکی کی برائی کے پیچھے تو میں بخشنے والا مہربان ہوں ف۸

میں جو ہوں میرے پاس نہیں ڈرتے رسول۔ مگر جس نے زیادتی کی، پھر بدل کر نیکی کی برائی کے پیچھے، تو میں بخشنے والا مہربان ہوں۔

=فوائد میں گزر چکا۔ ملاحظہ کر لیا جائے۔

ف۱ یعنی راستہ کی خبر لاتا ہوں اگر آگ کے پاس کوئی موجود ہو ورنہ کم از کم سینکنے تاپنے کے لیے ایک انگارا لے آؤں گا۔

ف۲ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ دنیا کی آگ نہیں، بلکہ غیبی اور نورانی آگ ہے، جس کے اندر نور الٰہی ظاہر ہو رہا تھا، یا اس کی بجلی چمک رہی تھی۔ شاید وہی ہو جس کو حدیث میں فرمایا "حِجَابُهُ النَّار" یا "حِجَابُهُ النُّوْرُ" پھر غیب سے آواز آئی۔ ﴿اَنْۢ بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا﴾ "یعنی زمین کا یہ ٹکڑا مبارک، آگ میں جو تجلی ہے وہ بھی مبارک، اور اس کے اندر یا اس کے آس پاس جو ہستیاں ہیں مثلاً فرشتے یا خود موسیٰ علیہ السلام وہ سب مبارک ہیں۔ یہ غالباً موسیٰ علیہ السلام کو مانوس کرنے کے لیے بطور اعزاز و اکرام کے فرمایا۔

ف۳ یعنی مکان، جہت، جسم، صورت اور رنگ وغیرہ سماعت حدوث سے اللہ کی ذات پاک ہے۔ آگ میں اس کی تجلی کے یہ معنی نہیں کہ معاذ اللہ اس کی ذات پاک آگ میں حلول کر آئی؟ آفتاب عالمتاب قلعی دار آئینہ میں متجلی ہوتا ہے لیکن کون احمق کہہ سکتا ہے کہ اتنا بڑا کرہ شمسی چھوٹے سے آئینہ میں سما گیا؟

ف۴ یعنی اس وقت تجھ سے کلام کرنے والا میں ہوں، یہ سب واقعہ مفصلاً سورۂ "طٰہٰ" میں گزر چکا۔

ف۵ شاید ابتدا میں پتلا ہوگا، یا سرعت حرکت میں تشبیہ ہوگی، صغر جثہ میں نہیں۔

ف۶ یہ خوف طبعی تھا جو منافی نبوت نہ تھا۔

ف۷ یعنی اس مقام حضور و اصطفاء میں پہنچ کر ایسی چیزوں سے ڈرنے کا کیا مطلب۔ مرسلین کو لائق نہیں کہ ہماری بارگاہ قرب میں پہنچ کر لاٹھی یا سانپ یا کسی مخلوق سے ڈریں۔ وہاں تو دل کو انتہائی سکون و طمانیت حاصل ہونا چاہیے۔

ف۸ یہ استثنا منقطع ہے یعنی خدا کے حضور میں پہنچ کر خوف و اندیشہ صرف اس کو ہونا چاہیے جو کوئی زیادتی یا خطا و تقصیر کر کے آیا ہو۔ اس کے متعلق بھی ہمارے ہاں یہ قاعدہ ہے کہ برائی کے بعد اگر دل سے توبہ کر کے اپنی روش درست کر لی اور نیکیاں کر کے برائی کا اثر مٹا دے تو حق تعالیٰ اپنی رحمت سے معاف فرمانے والا ہے حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "موسیٰ علیہ السلام سے چوک کر ایک کافر کا خون ہو گیا تھا اس کا ڈر تھا ان کے دل میں، ان کو وہ معاف کر دیا۔"

وَاَدْخِلْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ فِيْ تِسْعِ اٰيٰتٍ اِلٰى فِرْعَوْنَ

اور ڈال دے ہاتھ اپنا اپنے گریبان میں کہ نکلے سفید ہو کر نہ کسی برائی سے یہ دونوں مل کر نو نشانیاں لے کر جا فرعون

اور ڈال ہاتھ اپنا اپنے گریبان میں، کہ نکلے چٹا، نہ کچھ برائی سے۔ یہ مل کر نو نشانیاں فرعون

وَقَوْمِهٖ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ⑫ فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ اٰيٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ

اور اس کی قوم کی طرف بیشک وہ تھے لوگ نافرمان ف۱ پھر جب پہنچیں ان کے پاس ہماری نشانیاں سمجھانے کو بولے یہ جادو ہے

اور اس کی قوم کی طرف۔ بے شک وہ تھے لوگ بے حکم۔ پھر جب پہنچیں ان پاس ہماری نشانیاں سمجھانے کو بولے، یہ جادو ہے

مُّبِيْنٌ ⑬ وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ۭ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ

صریح اور ان کا انکار کیا اور ان کا یقین کر چکے تھے اپنے جی میں بے انصافی اور غرور سے، سو دیکھ لے کیسا ہوا

صریح۔ اور ان سے منکر ہوگئے، اور ان کو یقین جان چکے تھے اپنے جی میں بے انصافی اور غرور سے۔ سو دیکھ، کیسا ہوا

عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ⑭ ع

انجام خرابی کرنے والوں کا ف۲

آخر بگاڑنے والوں کا؟

قصۂ اول حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام

قَالَ اللہُ تَعَالٰی: ﴿اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖٓ اِنِّىْٓ اٰنَسْتُ نَارًا ... الی ... عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ﴾

ربط:...... اس سورت کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی نبوت و رسالت کو بیان فرمایا پھر اس کی تائید کے لئے پانچ قصے بیان فرمائے۔ (۱) قصۂ موسیٰ علیہ السلام با فرعون۔ (۲) قصۂ داؤد علیہ السلام مشتمل بر قصۂ نمل (چیونٹی) جس کو باوجود ایک حقیر جانور ہونے کے اللہ اور اس کے رسول کی معرفت حاصل تھی اور خدا کے رسول کی عصمت اور نزاہت کا یقین کامل تھا کہ وہ دیدہ و دانستہ کسی کے لئے باعث ایذا نہیں بن سکتے۔

(۳) قصۂ بلقیس بزبان ہدہد جو سلیمان علیہ السلام کے متعدد معجزات پر مشتمل ہے۔ (۴) قصۂ صالح علیہ السلام۔ (۵) قصۂ لوط علیہ السلام بعدہ چند حکمت اور موعظت کی باتیں بیان فرمائیں۔ اول موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ سناتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح ان کو

ف۱ نو نشانیوں کا بیان سورۂ "بنی اسرائیل" کی آیت ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ فَسْـَٔلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِذْ جَآءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّىْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا﴾ کے تحت میں دیکھو۔

ف۲ یعنی جب وقتاً فوقتاً ان کی آنکھیں کھولنے کے لیے وہ نشانیاں دکھلائی گئیں تو کہنے لگے کہ یہ سب جادو ہے حالانکہ ان کے دلوں میں یقین تھا کہ موسیٰ علیہ السلام سچے ہیں اور جو نشانیاں دکھلا رہے ہیں یقیناً خدائی نشان ہیں۔ جادو، شعبدہ اور نظر بندی نہیں مگر محض بے انصافی اور غرور و تکبر سے جان بوجھ کر اپنے ضمیر کے خلاف حق کی تکذیب اور سچائی کا انکار کر رہے تھے، پھر کیا ہوا چند روز بعد پتہ لگ گیا کہ ایسے ہٹ دھرم مفسدوں کا انجام کیسا ہوتا ہے۔ سب کو بحر قلزم کی موجوں نے کھا لیا کسی کو گور و کفن بھی نصیب نہ ہوا۔

رسالت کا منصب عطاء فرمایا اور کیسے معجزات قاہرہ ان کو عطا کئے تاکہ ان کی نبوت و رسالت کے دلائل اور براہین عام لوگوں کے سامنے آجائیں تاکہ معلوم ہو کہ مکذبین اور منکرین کا کیا انجام ہوتا ہے اس عبرتناک قصہ کو سن کر اہل ایمان کو تسلی ہوگی اور منکرین اور مکذبین کو عبرت ہوگی۔ چنانچہ فرماتے ہیں اے نبی اس وقت کا قصہ ذکر کیجئے کہ جب موسیٰ بن عمران علیہ السلام مدین سے واپس ہوئے اور مصر کی طرف متوجہ ہوئے اور رات کا وقت تھا اور سردی تھی اور بیوی صفورا بنت شعیب علیہ السلام ہمراہ تھیں۔ اور راستہ بھول گئے تھے اس وقت اپنی اہلیہ سے اور ساتھ والوں سے کہا کہ میں نے کوہ طور کی طرف ایک آگ دیکھی ہے ابھی جا کر میں وہاں سے یا تو راستہ کی کوئی خبر اور پتہ لے کر آؤں گا اگر کوئی اس آگ کے قریب ہوا تو اس سے راستہ کی خبر پوچھ لوں گا یا تمہارے پاس آگ کا شعلہ لے کر آؤں گا تاکہ تم اس سے تاپو اور گرمی حاصل کرو۔ پس موسیٰ علیہ السلام جب اس آگ کے پاس پہنچے تو من جانب اللہ ان کو ندا کی گئی یعنی آواز دی گئی کہ برکت دیا گیا وہ شخص کہ جو آگ کے مقام پر ہے یا آگ کی تلاش اور طلب میں ہے یعنی موسیٰ علیہ السلام اور برکت دیا گیا جو اس آگ کے آس پاس ہے یعنی جو فرشتے اس وقت وہاں آگ کے گرداگرد موجود اور حاضر تھے وہ بھی مبارک ہیں۔

اور بعض علما کا قول یہ ہے کہ ﴿مَنْ فِي النَّارِ﴾ سے وہ ملائکہ مراد ہیں جو اس آگ میں جلوہ افروز تھے۔ اور ﴿مَنْ حَوْلَهَا﴾ سے وہ اشخاص مراد ہیں جو آگ کے ارد گرد تھے جن میں موسیٰ علیہ السلام بھی داخل تھے۔ اور بعض علما یہ کہتے ہیں کہ ﴿مَنْ فِي النَّارِ﴾ سے وہ نورانی فرشتے مراد ہیں جو آگ کے اندر جلوہ افروز تھے اور ﴿مَنْ حَوْلَهَا﴾ سے وہ فرشتے مراد ہیں جو آگ کے قریب تھے اور آگ کے ارد گرد تھے اور یہ فرشتے ان فرشتوں سے کم درجہ والے تھے جو خاص اس آگ کے اندر تھے بہر حال جو بھی معنی ہوں موسیٰ علیہ السلام کو یہ ندا بطور سلام اور تحیۂ اکرام تھی جس سے ان کا اعزاز اور اکرام اور ان کی تسلی مقصود تھی کہ اے موسیٰ گھبراؤ نہیں مبارک ہو تم کو اور ملائکہ حاضرین کو۔ جیسے فرشتے جب ابراہیم علیہ السلام کے پاس گئے تو من جانب اللہ یہ کہا ﴿رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ﴾۔ یہ فرشتوں کی طرف سے سلام اور تحیہء اکرام تھا اور ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سعید بن جبیر اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہما سے یہ منقول ہے کہ ﴿مَنْ فِي النَّارِ﴾ سے اللہ پاک مراد ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا نور اس کی قدرت کا جلوہ مراد ہے اور ایک روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس طرح آیا ہے کہ وہ آگ درحقیقت آگ نہ تھی بلکہ وہ ایک نور تھا جو آگ کی صورت میں ظاہر ہوا اور اس روایت کی بنا پر آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ بابرکت ہے وہ ذات پاک جو اس آگ میں جلوہ فرما ہے اور جس کا نور اس آگ میں ظاہر ہو رہا ہے یہ نور الٰہی کی ایک تجلی تھی جو اس آگ کے آئینے میں ظاہر ہو رہی تھی جیسے آنکھ کی پتلی میں آسمان کا جلوہ نظر آجاتا ہے اور یہ مطلب نہیں کہ آنکھ میں آسمان سما گیا۔ غرض یہ کہ موسیٰ علیہ السلام نے جو دیکھا وہ نور الٰہی کی ایک تجلی تھی جو چمک رہی تھی اور وہ دنیا کی آگ نہ تھی بلکہ ایک نورانی اور غیبی آگ تھی جس میں نور الٰہی ظاہر ہو رہا تھا اور یہ ظاہری آگ نور الٰہی کا ایک حجاب اور ایک پردہ یا آئینہ تھی۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے حجابہ النار۔ اور ظاہر ہے کہ جو چیز کسی آئینہ میں ظاہر ہو وہ اس آئینہ کا عین نہیں ہوتی اور نہ آئینہ اس کا عین ہوتا ہے آئینہ اس چیز کا مظہر ہوتا ہے اور آئینہ میں ظاہر ہونے والی اصل ظاہر کا جلوہ ہوتا ہے اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ ﴿مَنْ فِي النَّارِ﴾ سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ مراد ہیں تو ممکن تھا کہ کسی نادان کو یہ وہم ہو کہ اللہ تعالیٰ کسی مکان اور کسی چیز میں سمایا ہوا ہے تو آئندہ آیت ﴿وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾۔ میں اس کی تنزیہہ وتقدیس پر متنبہ فرمایا جس کا مطلب یہ ہے اور اللہ جو جہانوں کا پروردگار ہے وہ مخلوقات کی مشابہت سے اور مکان سے اور سمت سے اور جہت سے اور کسی محل میں نزول اور حلول کرنے

سے پاک اور منزہ ہے اس آگ میں جو کچھ نظر آیا وہ اللہ کے نور کی ایک تجلی تھی جو آگ میں نمودار ہوئی جیسے آفتاب کسی آئینہ میں متجلی ہوسکتا ہے مگر اس میں سما نہیں سکتا اسی طرح سمجھو کہ اللہ تعالیٰ کسی مخلوق میں متجلی اور جلوہ افروز ہوسکتا ہے مگر اس میں سما نہیں سکتا۔ اس جملہ سے اللہ تعالیٰ نے متنبہ فرمایا کہ کوئی اس آگ کو اللہ کا مکان نہ سمجھے جس میں اس کا نور ظاہر ہو رہا ہے اور محل اور مظہر میں اہل عقل کے نزدیک فرق ظاہر ہے۔ محل کے معنی مکان کے ہیں جس کے اندر متمکن موجود ہوتا ہے۔ مظہر کے معنی جائے ظہور کے ہیں جیسے آئینہ اور ظاہر ہونے والی مظہر (آئینہ) کے اندر موجود نہیں ہوتی بلکہ اس سے باہر ہوتی ہے الحاصل یہ تجلی تھی۔ حلول اور نزول نہ تھا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ ندا سنی تو کہا کہ یہ ندا کرنے والا کون ہے تو پھر یہ ندا آئی کہ اے موسیٰ تحقیق یہ ندا کرنے والا اور تجھ سے خطاب اور کلام کرنے والا میں ہی ہوں اللہ جو تیرا پروردگار ہوں زبردست حکمتوں والا جس نے یہ ندا کر کے تجھ کو اپنی تکلیم سے عزت بخشی اور تجھ کو اپنا نبی اور رسول بنایا اور میرا ارادہ یہ ہے کہ تجھ کو کچھ معجزات بھی عطا کروں جو تمہاری نبوت اور رسالت کی دلیل و برہان بنیں۔ پس اے موسیٰ علیہ السلام تم اپنا عصا زمین پر ڈال دو۔ حسب الحکم جب موسیٰ علیہ السلام نے اس عصا کو اپنے ہاتھ سے زمین پر ڈال دیا تو وہ سانپ ہوگیا۔ پس جب موسیٰ علیہ السلام نے اس عصا کو سانپ کی طرح ہلتے اور چلتے دیکھا تو ڈر کے مارے پیٹھ پھیر کر بھاگے اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھا یہ خوف طبعی اور بشری تھا اس قسم کا خوف نبوت کے منافی نہیں۔ ارشاد ہوا کہ اے موسیٰ علیہ السلام کچھ خوف نہ کرو ہم نے تم کو پیغمبری دی ہے اور ہمارے حضور میں پیغمبر نہیں ڈرا کرتے ہم نے یہ معجزہ تم کو فرعون کے لئے دیا ہے۔ تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ اس قسم کے خوف سے میرے رسول بالکل مامون ہیں مگر وہ شخص کہ جس نے اپنا جان پر کسی قسم کا ظلم یا زیادتی کی ہو اور اللہ کی نافرمانی کی ہو وہ اگر ڈرے تو اس کا ڈرنا ٹھیک ہے پھر اگر اسی شخص نے برائی اور ظلم اور زیادتی کے بعد اپنی برائی کو نیکی سے بدل لیا ہو یعنی توبہ کر لی ہو تو اس پر بھی کوئی خوف وخطر نہیں۔ بلاشبہ میں بڑا بخشنے والا اور مہربان ہوں توبہ سے اس کا گناہ معاف کر دیتا ہوں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ خدا کے حضور میں اندیشہ صرف اس شخص کو ہے کہ جس نے کسی ظلم وستم یعنی کسی معصیت کا ارتکاب کیا ہو اور اس کے لئے بھی قاعدہ یہ ہے کہ اگر توبہ کر لے تو پھر اس کو خوف اور اندیشہ نہیں رہتا لہٰذا تم کو ڈرنے کی ضرورت نہیں اگر تم سے کوئی خطا بھی ہوئی ہے جس کی بنا پر تم ڈر رہے ہو تو ہم معاف کر دیں گے۔ جاننا چاہئے کہ اس آیت یعنی ﴿لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُوْنَ﴾۔ میں خوف مواخذہ کی نفی مراد ہے۔ اللہ کی عظمت وجلال کے خوف کی نفی مراد نہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ ﴿اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا﴾۔

نکتہ: ...... اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو عصا ڈالنے کا حکم اس لئے دیا کہ جب اس کرشمۂ قدرت اور خارق عادت کو دیکھیں تو پہچان لیں کہ یہ کلام کرنے والا اور ندا دینے والا رب العالمین ہے۔ ان آیات میں معجزہ عصا کا ذکر فرمایا اب اس کے بعد دوسرے معجزہ کے اظہار کا حکم دیتے ہیں۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور اے موسیٰ علیہ السلام اس معجزہ عصا کے سوا ایک اور بھی معجزہ ہے جو ہم تجھ کو عطا کرتے ہیں وہ یہ کہ تو اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈال اور پھر اس کو نکال تو وہ بلا کسی عیب اور بلا کسی مرض کے یعنی بلا برص وغیرہ کے نہایت سفید اور روشن ہو کر نکلے گا چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے ایسا ہی کیا کہ اپنا ہاتھ بغل کے نیچے لے جا کر نکالا تو نہایت دلکش نور کے ساتھ ظاہر ہوا کہ

آنکھوں کو اپنی طرف جذب کرتا تھا اور خوب لہلہاتا تھا آفتاب کی روشنی اگرچہ بہت تیز ہے مگر گرم ہے آنکھوں کو چندھیانے والی ہے کچھ دلچسپ نہیں اور ماہتاب کی روشنی اگرچہ ناگوار نہیں مگر اس میں ملاحت اور دلکشی نہیں۔

اے موسیٰ علیہ السلام ان دونوں نشانیوں کو من جملہ نو نشانیوں کے جو ہم نے تجھ کو عطاء کی ہیں ان کو لے کر فرعون اور اس کی قوم کی طرف لے جا یہ نشانات دیکھ کر تجھ کو فرعون اور اس کی قوم کی طرف بھیجا جاتا ہے۔ بلاشبہ وہ بڑے ہی بدکار لوگ تھے۔ اور حد سے نکل گئے تھے۔

نو نشانیوں کا بیان سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ﴾ کے تحت گزر چکا ہے اور ان کی تفصیل سورۂ اعراف میں گزر چکی ہے دو نشانیاں تو یہ ہوئیں۔ عصا اور ید بیضا۔ تیسری انفلاق بحر، دریا کا پھٹ جانا۔ چوتھی طوفان۔ پانچویں جراد یعنی ٹڈی چھٹی قمل یعنی چچڑیاں۔ ساتویں ضفادع یعنی مینڈک۔ آٹھویں دم یعنی خون۔ نویں طمس اموال کما قال اللہ تعالیٰ ﴿رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ﴾۔ دسویں جذب یعنی خشک سالی۔ گیارھویں نقصان اثمار و مزارع جن کا بیان سورۂ اعراف میں گزر چکا ہے۔

پس جب اس قوم کے پاس ہماری نشانیاں پہنچیں جس سے آنکھیں کھل جائیں تو بولے یہ تو کھلا جادو ہے اللہ تعالیٰ نے ابتداء دعوت میں موسیٰ علیہ السلام کو دو معجزے عطا فرمائے پھر وقتاً فوقتاً اور معجزات دیئے مگر ان معاندین نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے اور ان لوگوں نے از راہ ظلم و تکبر زبان سے ان معجزات کا انکار کیا لیکن ان کے دلوں نے اس بات کو یقین کر لیا کہ یہ نشانیاں اللہ کی طرف سے ہیں جادو نہیں یعنی فرعون کو اور اس کی قوم کو دل سے یقین کامل ہو گیا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام اللہ کے نبی اور رسول ہیں اور جادوگر نہیں مگر محض عناد اور سرکشی کی بناء پر انکار کرتے تھے۔ پس دیکھ لے کہ ان مفسدوں کا انجام کیا برا ہوا کہ سب بحر قلزم میں غرق ہوئے اور ساری سرکشی خاک میں مل گئی اور دنیا کا جاہ و جلال اور مال و منال سب ختم ہوا۔ متکبرین کو چاہئے کہ اس قصہ سے عبرت پکڑیں۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا ۚ وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ

اور ہم نے دیا داؤد اور سلیمان کو ایک علم ف۱ اور بولے شکر اللہ کا جس نے ہم کو بزرگی دی ف۲ اپنے بہت سے بندوں

اور ہم نے دیا داؤد اور سلیمان کو ایک علم۔ اور بولے شکر اللہ کا جس نے ہم کو بڑھایا اپنے بہت بندوں

عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ ⑮ وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ

ایمان والوں پر ف۳ اور قائم مقام ہوا سلیمان داؤد کا ف۴ اور بولا اے لوگوں ہم کو سکھائی ہے بولی اڑتے جانوروں کی ف۵

ایمان والوں پر۔ اور وارث ہوا سلیمان، داؤد کا، اور بولا، لوگو! ہم کو سکھائی ہے بولی اڑتے جانوروں کی،

ف۱ حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کے صاحبزادہ ہیں۔ باپ بیٹے میں سے ہر ایک کو اس کی شان کے لائق اللہ تعالیٰ نے علم کا خاص حصہ عطا فرمایا۔ شرائع و احکام اور اصول سیاست و حکمرانی وغیرہ کے علوم سب اس لفظ کے تحت میں داخل ہو گئے۔

ف۲ حق تعالیٰ نے جو علم داؤد و سلیمان علیہما السلام کو دیا تھا اسی کا اثر یہ تھا کہ حق تعالیٰ کے انعامات کا شکر ادا کرتے تھے۔ کسی نعمت الٰہی پر شکر ادا کرنا اصل نعمت سے بڑی نعمت ہے۔

وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ۭ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ ۝۱۶ وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ

اور دیا ہم کو ہر چیز میں سے ف ۱۳ بیشک یہی ہے فضیلت صریح اور جمع کیے گئے سلیمان کے پاس اس کے لشکر

اور دیا ہم کو ہر چیز میں سے۔ بے شک یہی ہے بڑائی صریح۔ اور جمع کئے سلیمان کے پاس اس کے لشکر،

=ف۳ "بہت سے" اس لیے کہا کہ بہت بندگان خدا کو ان پر فضیلت دی گئی ہے۔ باقی تمام مخلوق پر فضیلت کلی تو سارے جہان میں ایک ہی بندے کو حاصل ہوئی جن کا نام مبارک ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

ف۴ یعنی داؤد کے بیٹوں میں سے ان کے اصل جانشین حضرت سلیمان علیہ السلام ہوئے جن کی ذات میں اللہ تعالیٰ نے نبوت اور بادشاہت دونوں جمع کر دیں اور وہ ملک عطا فرمایا جو ان سے قبل یا بعد کسی کو نہ ملا۔ جن، ہوا، اور پرندوں کو ان کے لیے مسخر فرما دیا۔ جیسا کہ سورۂ "سبا" میں آئے گا۔

ف۵ اس بات کا انکار کرنا بداہت کا انکار ہوگا کہ پرندے جو بولیاں بولتے ہیں ان میں ایک خاص حد تک افہام وتفہیم کی شان پائی جاتی ہے۔ ایک پرند جس وقت اپنے جوڑے کو بلاتا یا دانہ دینے کے لیے اپنے بچوں کو آواز دیتا یا کسی چیز سے خوف کھا کر خبردار کرتا ہے، ان تمام حالات میں اس کی بولی اور لب و لہجہ یکساں نہیں ہوتا چنانچہ اس کے مخاطبین اس فرق کو بخوبی محسوس کرتے ہیں۔ اسی سے ہم سمجھتے ہیں کہ دوسرے احوال وضروریات کے وقت بھی ان کے چہچہوں میں (گو ہمیں کتنے ہی متشابہ ومتقارب معلوم ہوں) ایسا لطیف وخفیف تفاوت ہوتا ہوگا، جسے وہ آپس میں سمجھ لیتے ہوں گے۔ تم کسی پوسٹ آفس میں چلے جاؤ اور تار کی متشابہ کھٹ کھٹ گھنٹوں سنتے رہو، تمہارے نزدیک محض بے معنی حرکات واصوات سے زیادہ وقعت نہ ہوگی۔ لیکن ٹیلیگراف ماسٹر فوراً بتا دے گا کہ فلاں جگہ سے فلاں آدمی یہ مضمون کہہ رہا ہے یا فلاں لیکچرار کی تقریر انہی تاروں کی کھٹکھٹاہٹ میں صاف سنائی دے رہی ہے۔ کیونکہ وہ ان "فقرات تلغرافیہ" کی دلالت وضعیہ سے پوری طرح واقف ہے۔ علیٰ ہذا القیاس کیا بعید ہے کہ واضع حقیقی نے نغمات طیور کو بھی مختلف معانی ومطالب کے اظہار کے لیے وضع کیا ہو۔ اور جس طرح انسان کا بچہ اپنے ماں باپ کی زبان سے آہستہ آہستہ واقف ہوتا رہتا ہے، طیور کے بچے بھی اپنی فطری استعداد سے اپنے بنی نوع کی بولیوں کو سمجھنے لگتے ہوں اور بطور ایک پیغمبرانہ اعجاز کے حق تعالیٰ کسی نبی کو بھی ان کا علم عطا فرما دے۔ حیوانات کے لیے جزئی ادراکات کا حصول تو پہلے سے مسلم چلا آتا ہے لیکن یورپ کی جدید تحقیقات اب حیوانات کی عاقلیت کو آدمیت کی سرحد سے قریب کرتی جاتی ہے حتیٰ کہ حیوانات کی بولیوں کی "ابجد" تیار کی جا رہی ہے۔ قرآن کریم نے خبر دی تھی کہ "ہر چیز اپنے پروردگار کی تسبیح وتحمید کرتی ہے جسے تم سمجھتے نہیں اور ہر پرندہ اپنی صلوٰۃ وتسبیح سے واقف ہے۔" احادیث صحیحہ میں حیوانات کا تکلم، بلکہ جمادات محضہ کا بات کرنا اور تسبیح پڑھنا ثابت ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ اپنے خالق کی اجمالی مگر صحیح معرفت ہر چیز کی فطرت میں تہ نشین کر دی گئی ہے۔ پس ان کی تسبیح وتحمید یا بعض محاورات وخطابات پر بعض بندگان خدا کا بطور خرق عادت مطلع کر دیا جانا از قبیل محالات عقلیہ نہیں۔ ہاں عام عادت کے خلاف ضرور ہے۔ سو اعجاز وکرامت اگر عام عادت اور معمول کے موافق ہوا کرے تو اعجاز وکرامت ہی کیوں کہلائے (خوارق عادت پر ہم نے مستقل مضمون لکھا ہے اسے ملاحظہ کر لیا جائے) بہرحال اس رکوع میں کوئی معجزے اس قسم کے مذکور ہیں۔ جن میں زائغین نے عجیب طرح کی رکیک اور لچر تحریفات شروع کر دی ہیں، کیونکہ بعض طیور کا اپنی بولی میں آدمیوں کے بعض علوم کو ادا کرنا، چیونٹیوں کا آپس میں ایک دوسرے کو مخاطب بنانا اور سلیمان پیغمبر کا ان کو سمجھ لینا یہ سب باتیں ان کے نزدیک ایسی لغو اور احمقانہ ہیں جن پر ایک بچہ بھی یقین نہیں کر سکتا۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ لاکھوں محققین اور علمائے سلف وخلف کی نسبت خیال کرنا کہ وہ ایسی کچی، لغو اور بدیہی البطلان باتوں کو جنہیں ایک بچہ اور گنوار بھی نہیں مان سکتا تھا۔ بلا تردید وتکذیب بیان کرتے چلے آئے اور ان اوہام کو رد کر کے مضمون آیات کی صحیح حقیقت جو تم پر آج منکشف ہوئی ہے کسی نے بیان نہ کی؟ یہ خیال ان باتوں سے بھی بڑھ کر لغو اور احمقانہ ہے جن کی لغویت کو تم تسلیم کرانا چاہتے ہو۔ علما سے ہر زمانہ میں غلط فہمی یا خطا وتقصیر ہو سکتی ہے، مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ شب وروز کی جن محسوسات اور پیش پا افتادہ حقائق جن کو انسان کا بچہ بچہ جانتا ہے وہ صدیوں تک بڑے بڑے عقلمند اور محقق علما کو ایک دن بھی نظر نہ آئی ہوں۔ یاد رہے کہ ہم اسرائیلی خرافات کی تائید نہیں کر رہے۔ ہاں جس حد تک اکابر سلف نے بلا اختلاف کلام الٰہی کا مدلول بیان کیا ہے اس کو ضرور تسلیم کرتے ہیں خواہ وہ اسرائیلی روایات کے موافق پڑ جائیں یا مخالف۔

ف۱ یعنی ایسی عظیم الشان سلطنت ونبوت کے لیے جو چیزیں اور سامان درکار تھے وہ عطا فرمائے۔

الْجِنِّ وَالْإِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوزَعُونَ ﴿۱۷﴾ حَتَّىٰ إِذَا أَتَوْا عَلَىٰ وَادِ النَّمْلِ قَالَتْ نَمْلَةٌ

جن اور انسان اور اڑتے جانور پھر ان کی جماعتیں بنائی جاتیں ف۱ یہاں تک کہ پہنچے چیونٹیوں کے میدان پر ف۲ کہا ایک چیونٹی نے

جن اور انسان اور اڑتے جانور، پھر ان کی مثلیں بنیں۔ یہاں تک کہ جب پہنچے چیونٹیوں کے میدان پر، کہا، ایک چیونٹی نے،

يَا أَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوا مَسَاكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمَانُ وَجُنُودُهُ وَهُمْ لَا

اے چیونٹیو ! گھس جاؤ اپنے گھروں میں نہ پیس ڈالے تم کو سلیمان اور اس کی فوجیں اور ان کو

اے چیونٹیو ! گھس جاؤ اپنے گھروں میں۔ نہ پیس ڈالے تم کو سلیمان اور اس کے لشکر، اور ان کو

يَشْعُرُونَ ﴿۱۸﴾ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّن قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي

خبر بھی نہ ہو ف۳ پھر مسکرا کر ہنس پڑا اُس کی بات سے ف۴ اور بولا اے مرے رب میری قسمت میں دے کہ شکر کروں تیرے احسان کا جو

خبر نہ ہو۔ پھر مسکرا کر ہنس پڑا اس کی بات سے۔ اور بولا، اے رب ! میری قسمت میں دے کہ شکر کروں تیرے احسان کا جو

أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَدْخِلْنِي بِرَحْمَتِكَ فِي عِبَادِكَ

تو نے کیا مجھ پر اور میرے ماں باپ پر اور یہ کہ کروں کام نیک جو تو پسند کرے اور ملا لے مجھ کو اپنی رحمت سے اپنے

تو نے کیا مجھ پر اور میرے ماں باپ پر، اور یہ کہ کروں کام نیک جو تو پسند کرے اور ملا لے مجھ کو اپنی مہر سے اپنے

ف۱ یعنی سلیمان علیہ السلام جب کسی طرف کوچ کرتے تو جن، انس، طیور تینوں قسم کے لشکروں میں سے حسب ضرورت و مصلحت ساتھ لیے جاتے تھے۔ اور ان کی جماعتوں میں خاص نظم وضبط قائم رکھا جاتا تھا۔ مثلاً پچھلی جماعتیں تیز چل کر یا اڑ کر اگلی جماعتوں سے آگے نہیں نکل سکتی تھیں۔ نہ کوئی سپاہی اپنے مقام اور ڈیوٹی کو چھوڑ کر جاسکتا تھا۔ جس طرح آج بری، بحری اور ہوائی طاقتوں کو ایک خاص نظم وترتیب کے ساتھ کام میں لایا جاتا ہے۔

ف۲ یعنی سلیمان کا اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ ایسے میدان کی طرف گزر ہوا جہاں چیونٹیوں کی بڑی بھاری بستی تھی۔

(تنبیہ) جہاں چیونٹیاں مل کر خاص سلیقہ سے اپنا گھر بناتی ہیں اسے زبان عرب میں "قریۃ النمل" کہتے ہیں۔ (چیونٹیوں کی بستی) مفسرین نے مختلف بلاد میں کئی ایسی وادیوں کا پتہ بتلایا ہے جہاں چیونٹیوں کی بستیاں بکثرت تھیں، ان میں سے کسی ایک پر حسب اتفاق حضرت سلیمان علیہ السلام کا گزر ہوا۔

ف۳ یعنی یہ ایسے تو نہیں جو جان بوجھ کر تم کو ہلاک کریں، ہاں ممکن ہے بے خبری میں پس جاؤ۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں" چیونٹی کی آواز کوئی (آدمی) نہیں سنتا، انھیں (سلیمان علیہ السلام کو) معلوم ہوگئی" یہ ان کا معجزہ ہوا۔ (تنبیہ) علمائے حیوانات نے سالہا سال جو تجربے کیے ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حقیر ترین جانور اپنی حیات اجتماعی اور نظام سیاسی میں بہت ہی عجیب اور شؤون بشریہ سے بہت قریب واقعہ ہوا ہے۔ آدمیوں کی طرح چیونٹیوں کے خاندان اور قبائل ہیں ان میں تعاون باہمی کا جذبہ، تقسیم عمل کا اصول اور نظام حکومت کے ادارات نوع انسانی کے مشابہ پائے جاتے ہیں۔ محققین یورپ نے مدتوں ان اطراف میں قیام کر کے جہاں چیونٹیوں کی بستیاں بکثرت ہیں، بہت قیمتی معلومات بہم پہنچائی ہیں۔ افسوس ہے ان مختصر فوائد میں ان کی گنجائش نہیں۔ محض مقام کی مناسبت سے "دائرۃ المعارف المصریہ" کے آخری جملے نقل کرتا ہوں۔ " فَمَتٰی دَاهَمَ عَدُوٌّ قَرْيَةً لِلنَّمْلِ إِحْتَفَتِ النَّمْلَةُ وَخَرَجَتِ الْجُنُودُ لِلْقِتَالِ وَالنِّضَالِ فَيَخْرُجُ أَوَّلًا وَاحِدٌ مِّنْهَا لِلْإِسْتِطْلَاعِ ثُمَّ يَعُودُ مُخْبِرًا بِمَا رَاٰی وَبَعْدَ هُنَيْهَةٍ تَخْرُجُ ثَلَاثَةٌ أَوْ أَرْبَعَةٌ يَتْبَعُهَا عَدَدٌ كَثِيفٌ مِّنَ الْجُيُوشِ بَادِيَةٌ عَلَيْهِمْ عَلَائِمُ الْحَنَقِ فَتَلْدَغُ كُلَّ مَا صَادَفَتْهُ وَلَا تُفْلِتُ مَنْ تَلْدَغُهُ، وَلَوْ قُطِعَتْ إِرْبًا إِرْبًا فَإِذَا انْتَهَى الْقِتَالُ رَجَعَ الْفَعَلَةُ فَأَعَادُوْا بِنَاءَ مَا تَهَدَّمَ يَتَخَلَّلُهَا عَدَدٌ مِّنَ الْجُنُودِ لِلْحِرَاسَةِ لَا لِلْعَمَلِ۔ " متذکرہ جملوں میں بتلایا ہے کہ خطرہ کی آہٹ پا کر اول ایک چیونٹی باہر نکلتی اور واپس جا کر اپنی قوم کو اپنی معلومات سے آگاہ کرتی ہے۔ باقی سلیمان علیہ السلام کا پتہ لگا لینا اور سلیمان علیہ السلام کا اس کی بات پر مطلع ہو جانا بطریق خرق عادت تھا۔

=

ف۴ اس چیونٹی کی بات سمجھ کر تعجب ہوا اور فرط سرور ونشاط سے ادائے شکر کا جذبہ جوش میں آیا۔

الصّٰلِحِيْنَ ⑲

نیک بندوں میں۔ ف ۱

نیک بندوں میں۔

قصۂ دوم: داؤد علیہ السلام اجمالاً وسلیمان علیہ السلام تفصیلاً

قَالَ اللهُ تَعَالٰى: ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا ... الى ... وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ﴾

ان آیات میں حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا قصہ بیان کرتے ہیں اور ان دینی اور دنیوی احسانات اور انعامات کا ذکر کرتے ہیں جو منجانب اللہ ان دونوں پیغمبروں پر مبذول ہوئے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کو نبوت اور علم شریعت کے علاوہ سلطنت عطا کی اور خارق عادت طریقہ پر زرہ سازی کی صنعت بتلائی تا کہ کافروں سے جہاد میں مدد ملے۔ اور سلیمان علیہ السلام کو منطق الطیر اور تسخیر جن اور تسخیر ہوا کا معجزہ عطا فرمایا جن اور انس کو ان کا تابع فرمان بنایا اور چرند پرند کی زبان کا علم ان کو عطا فرمایا اور علاوہ ازیں یہ قصہ عجیب وغریب خوارق پر مشتمل ہے جو سب کے سب سلیمان علیہ السلام کے معجزات اور دلائل نبوت تھے منطق الطیر اور تسخیر ریاح اور تسخیر جنات اور واقعہ عرش بلقیس سلیمان علیہ السلام کے معجزات تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ان دونوں پیغمبروں کو نبوت کے ساتھ بے مثال سلطنت سے نوازا اور جس قسم کی سلطنت ان دونوں پیغمبروں کو عطا کی وہ درحقیقت ان دونوں کا معجزہ تھی۔ اور ان کی نبوت کی دلیل اور برہان تھی کہ لوگ اس بے مثال سلطنت کو دیکھ کر سمجھ لیں کہ یہ سلطنت اس قسم کی نہیں کہ جو دنیا کے بادشاہوں کو حاصل ہوتی ہے۔ بلکہ یہ من جانب اللہ ہے کہ جس میں دنیا اور آخرت اور نبوت اور بادشاہت دونوں جمع کر دی گئی ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور البتہ تحقیق ہم نے داؤد اور سلیمان علیہما السلام کو ایک خاص علم عطا کیا جو قانون شریعت اور قانون حکومت دونوں کا جامع تھا۔ اور دین وحکمت اور قضا وسیاست دونوں پر مشتمل تھا۔ اصل علم شریعت اور نبوت کا تھا اور حکومت اور سلطنت اس کی خادم تھی اور داؤد اور سلیمان نے اس نعمت عظمیٰ کے شکر میں یہ کہا۔ شکر ہے اس خدا کا جس نے ہم کو اپنے بہت سے ایمان والے بندوں پر فضیلت دی کہ نبوت ورسالت کے ساتھ سلطنت بھی عطا کی اور جنات اور شیاطین کو ہمارا مطیع اور فرمانبردار بنایا اور ہوا کو اور پرندوں کو ہمارے لئے مسخر کر دیا اور مزید برآں ہم کو ان نعمتوں کے شکر کی توفیق عطا فرمائی جو خود ایک مستقل نعمت ہے اور داؤد علیہ السلام کی وفات کے بعد ان کے بیٹے سلیمان علیہ السلام ان کے وارث ہوئے۔ داؤد علیہ السلام کے تمام بیٹوں میں سے صرف سلیمان علیہ السلام نے نبوت اور سلطنت کی وراثت پائی۔ نبوت کے ساتھ سلطنت بھی ملی جو کمالات باپ کو عطا ہوئے تھے وہی اس فرزند رشید یعنی سلیمان علیہ السلام کو بھی ملے اس آیت میں وراثت سے علم وحکمت اور کمالات نبوت کی وراثت مراد ہے مالی وراثت مراد نہیں کیونکہ باجماع اہل تاریخ داؤد علیہ السلام

= ف ۱ یعنی حیران ہوں تیرے انعامات عظیمہ کا شکر کس طرح ادا کروں، پس آپ ہی سے التجا کرتا ہوں کہ مجھے پورا شاکر بنا دیجئے زبان سے بھی اور عمل سے بھی۔ اور اعلیٰ درجہ کے نیک بندوں میں (جو انبیاء ومرسلین ہیں) محشور فرمائیے۔

کے انیس بیٹے تھے تو پھر سلیمان علیہ السلام کی کیا خصوصیت۔ مال و دولت کی وارث تو ساری ہی اولاد ہوتی ہے اس خبر دینے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ معلوم ہوا کہ وراثت سے علم و حکمت اور نبوت کی وراثت مراد ہے جس میں ان کے دوسرے بھائی شریک نہ تھے نیز بیٹا تو باپ کا وارث ہوا ہی کرتا ہے اس میں کوئی خاص فضیلت نہیں اور یہ جملہ۔ یعنی ﴿وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ﴾ الخ حضرت سلیمان علیہ السلام کی مدح اور تعریف کے لئے لایا گیا ہے پس اگر اس آیت میں مال و دولت کی وراثت مراد لی جائے تو پھر اس جملہ کا مقام مدح اور تعریف میں ذکر کرنا فضول ہے۔ ہر بیٹا اپنے باپ کا وارث ہوا ہی کرتا ہے۔ اس میں کمال ہی کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ آیت میں مال کی وراثت ہرگز ہرگز مراد نہیں جیسا کہ شیعوں کا گمان ہے بلکہ علم اور نبوت کی وراثت مراد ہے۔ باپ کے مرنے کے بعد یہ ضروری نہیں کہ بیٹا باپ کے علم و حکمت کا بھی وارث بنے۔ شیعہ لوگ لفظ وراثت کو مال کی وراثت کے ساتھ مخصوص سمجھتے ہیں سو یہ غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَ كُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ﴾۔ ہم ان کے وارث ہوئے تو کیا شیعوں کے نزدیک اللہ تعالیٰ بھی کسی کے مال و دولت کے وارث بنتے ہیں۔

غرض یہ کہ یہ ضروری نہیں کہ باپ کے مرنے کے بعد بیٹا باپ کے علم و حکمت کا وارث بنے اس لئے اس آیت ﴿وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ﴾ میں یہ بتلایا کہ سلیمان علیہ السلام اپنے باپ کے بعد ان کے علم و حکمت اور نبوت کے وارث ہوئے اور باپ کی طرح بیٹے کو بھی من جانب اللہ معجزات اور کرامات عطا ہوئے اس لئے سلیمان علیہ السلام نے اللہ کی نعمتوں کا شکر کیا اور اس کی حمد و ثنا کی اور بطور تحدیث نعمت سلیمان علیہ السلام نے کہا اے لوگو ہم کو پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے کہ پرندے جو آپس میں بولتے ہیں ہم ان کی بولی کو سمجھتے ہیں جو ہمارے علاوہ کسی اور کو میسر نہیں اور علاوہ ازیں ہم کو ہر قسم کی نعمت سے ایک خاص حصہ دیا گیا ہے۔ یعنی مجھ کو اور میرے والد داؤد علیہ السلام کو دنیا اور آخرت کی نعمتوں میں سے ہر قسم کی چیز دی گئی جس کی ہم کو ضرورت تھی یعنی نبوت اور علم و حکمت کے ساتھ سلطنت اور مال و دولت اور تسخیر جن و انس اور تسخیر طیر و ہوا بھی مجھ کو عطا ہوئی کہ سب میرے مطیع اور فرمانبردار ہیں اور عجیب عجیب صنعتوں کے لئے جنات کو میرے لئے مسخر کیا۔ بے شک یہ کھلا ہوا فضل الٰہی ہے جس شخص کو ذرا بھی عقل ہے جب وہ ان چیزوں پر نظر کرے تو اس پر ظاہر ہو جائے کہ یہ سب اللہ کا فضل ہے جس میں بندہ کے کسی کسب اور اختیار کو ذرہ برابر دخل نہیں مقصود یہ تھا کہ یہ جو کچھ مجھ کو دیا گیا ہے وہ سب فضل الٰہی ہے اور اکرام خداوندی ہے لہٰذا تم کو چاہئے کہ ان غیبی کرامتوں کو دیکھ کر مجھ پر ایمان لاؤ اور سلیمان علیہ السلام نے یہ کلمہ بطور تشکر کہا نہ کہ بطور فخر۔

پرندوں کی بولی سمجھ لینا عقلاً کوئی محال امر نہیں۔ قرآن کریم نے خبر دی ہے کہ ہر چیز اپنے پروردگار کی تسبیح و تحمید کرتی ہے مگر تم اس کی تسبیح و تحمید کو نہیں سمجھتے ﴿وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ﴾۔ اور ہر چرند و پرند اپنی تسبیح سے واقف ہے۔ ﴿كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ﴾۔ پس اگر خداوند قدیر اس علم میں کا کوئی حصہ اپنے کسی برگزیدہ بندہ کو عطا فرما دے تو کوئی محال نہیں۔ حیوانات کا تکلم اور جمادات کی تسبیح اور حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو شجر و حجر کا سلام کرنا

احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور سلیمان علیہ السلام کے پرندوں کی بولی سمجھنے کے واقعات کتب تفاسیر میں مذکور ہیں۔ غرض یہ کہ نبوت اور سلطنت دونوں چیزوں کا ملنا بلاشبہ فضل الٰہی ہے اور بڑی فضیلت اور بزرگی ہے۔

ذکر قصۂ شکر دیگر

اب آئندہ آیات میں سلیمان علیہ السلام کی دوسری نعمت پر شکر گزاری کا قصہ بیان فرماتے ہیں۔ اور سلیمان علیہ السلام کے لئے مختلف قسم کے لشکر جمع کئے گئے از قسم جن اور از قسم انسان اور از قسم پرند اور پھر روانگی سے قبل وہ ٹھہرائے جاتے تھے تاکہ پیچھے آنے والے بھی شامل ہو جائیں۔ کوئی رہ نہ جائے۔ اور سب باقاعدہ جمع ہو کر روانہ ہوں۔ دنیا میں اس قسم کی سلطنت نہ کسی نے دیکھی اور نہ سنی چنانچہ ایک مرتبہ سلیمان علیہ السلام اس شان سے اپنے لشکریوں کو لے کر روانہ ہوئے یہاں تک کہ جب وہ چیونٹیوں کے میدان پر پہنچے تو ایک چیونٹی نے دوسری چیونٹیوں سے یہ کہا اے چیونٹیو! اپنے بلوں میں گھس جاؤ ایسا نہ ہو کہ سلیمان علیہ السلام اور اس کا لشکر تم کچل دے اور ان کو خبر بھی نہ ہو اس چیونٹی کو یقین تھا کہ نبی اور اس کے اصحاب جان بوجھ کر کسی پر ظلم و زیادتی نہیں کر سکتے یہ چیونٹی رافضیوں سے زیادہ عقلمند تھی جو صحابہ کرام سے بدگمان ہیں اور ان کا عقیدہ یہ ہے کہ صحابہ کرام نے نبی کی آل و اولاد پر جان کر ظلم کیا۔ معلوم ہوا کہ حیوانات کو بھی اس کا علم ہے کہ انبیاء کرام اور ان کے اصحاب سے دیدہ و دانستہ کسی پر ظلم اور زیادتی ممکن نہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے دور سے اس کی آواز کو سن لیا اور سمجھ گئے پس سلیمان علیہ السلام اس کی اس بات سے مسکراتے ہوئے ہنسنے لگے اور خوش ہوئے کہ جانوروں کو بھی مجھ پر اطمینان ہے کہ میں اور میرے اصحاب ان پر ظلم نہیں کریں گے نیز جانوروں کی بولی سمجھ لینا حق جل شانہ کی ایک عظیم نعمت اور کرامت ہے اس ایک نعمت کو دیکھ کر اور نعمتیں یاد آ گئیں تو نعمت کو چھوڑ کر منعم حقیقی کی طرف متوجہ ہو گئے اور شکر اور مناجات میں مشغول ہو گئے اور کہنے لگے اے میرے پروردگار مجھے توفیق دے کہ میں تیرے احسان کا جو تو نے مجھ پر کیا اور میرے ماں باپ پر برابر ان کا شکر کرتا رہوں۔ آپ نے اپنی رحمت سے مجھ کو منطق الطیر کے علم جیسی نعمت عطا کی۔ اب درخواست یہ ہے کہ ان نعمتوں پر شکر کرنے کی توفیق بھی عطا فرما اور اس بات کی بھی توفیق دے کہ ایسے نیک کام کرتا رہوں جس سے آپ راضی ہوں۔ بغیر آپ کی رضا کے سب ہیچ ہے اور مجھ کو اپنی رحمت اور عنایت سے اپنے خاص نیک بندوں کے زمرہ میں داخل فرما یعنی تیری بارگاہ سے جو الطاف و عنایات عباد صالحین پر مبذول ہوئے ہیں مجھ کو بھی ان میں شریک فرما۔ نیک بندوں سے انبیاء کرام علیہم السلام مراد ہیں جیسے حضرت ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب علیہم الصلاۃ والسلام۔

نکتہ: ...... گزشتہ آیات میں ﴿فَهُمْ يُوزَعُونَ﴾ کا لفظ آیا ہے اور اس آیت میں ﴿رَبِّ أَوْزِعْنِي﴾ آیا ہے دونوں کا اصل مادہ ایک ہے دونوں لفظ وزع بمعنی منع سے مشتق ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ مجھ کو اپنی ناشکر سے روک دے اور تیرا شکر میرے پاس درکار ہے اور میں اس کو ایسا باندھ کر رکھوں کہ تیرا شکر میرے ہاتھ سے چھوٹ نہ جائے۔ کما فی الکشاف اجعلنی ازع شکر نعمتك عندی واکفه وارتبطه لاینفلت عنی حتی لا انفك شاکرا لك انتهی۔

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَآ أَرَى الْهُدْهُدَ ۖ أَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِينَ ۝٢٠ لَأُعَذِّبَنَّهُ

اور خبر لی اڑتے جانوروں کی تو کہا کیا ہے جو میں نہیں دیکھتا ہدہد کو یا ہے وہ غائب ف۱ اس کو سزا دوں گا

اور خبر لی اڑتے جانوروں کی، تو کہا، کیا ہے جو میں نہیں دیکھتا ہد ہد کو؟ یا ہو رہا وہ غائب۔ اس کو مار دوں گا

عَذَابًا شَدِيدًا أَوْ لَأَا۟ذْبَحَنَّهُۥٓ أَوْ لَيَأْتِيَنِّى بِسُلْطَٰنٍ مُّبِينٍ ۝٢١ فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيدٍ فَقَالَ

سخت سزا ف۲ یا ذبح کر ڈالوں گا یا لائے میرے پاس کوئی سند صریح ف۳ پھر بہت دیر نہ کی کہ آ کر کہا

زور کی یا ذبح کر ڈالوں گا، یا لاوے میرے پاس کوئی سند صریح۔ پھر بہت دیر نہ کی کہ آ کر کہا،

أَحَطتُ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهِۦ وَجِئْتُكَ مِن سَبَإٍۭ بِنَبَإٍ يَقِينٍ ۝٢٢ إِنِّى وَجَدتُّ ٱمْرَأَةً تَمْلِكُهُمْ

میں لے آیا خبر ایک چیز کی کہ تجھ کو اس کی خبر نہ تھی اور آیا ہوں تیرے پاس سبا سے ایک خبر لے کر تحقیقی ف۴ میں نے پایا ایک عورت کو جو ان پر بادشاہی کرتی ہے

میں لے آیا خبر ایک چیز کی کہ تجھ کو اس کی خبر نہ تھی، اور آیا ہوں تیرے پاس سبا سے ایک خبر لے کر۔ تحقیق میں نے پائی ایک عورت ان کے راج پر،

وَأُوتِيَتْ مِن كُلِّ شَىْءٍ وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيمٌ ۝٢٣ وَجَدتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُونَ لِلشَّمْسِ

اور اس کو ہر ایک چیز ملی ہے ف۵ اور اس کا ایک تخت ہے بڑا ف۶ میں نے پایا کہ وہ اور اس کی قوم سجدہ کرتے ہیں سورج کو

اور اس کو سب چیز ملی ہے، اور اس کا ایک تخت ہے بڑا۔ میں نے پایا کہ وہ اور اس کی قوم سجدہ کرتے ہیں سورج کو

مِن دُونِ ٱللَّهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ ٱلشَّيْطَٰنُ أَعْمَٰلَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ ٱلسَّبِيلِ فَهُمْ لَا

اللہ کے سوائے اور بھلے دکھلا رکھے ہیں ان کو شیطان نے ان کے کام پھر روک دیا ہے ان کو راستہ سے سو وہ

اللہ کے سوا، اور بھلے دکھائے ہیں ان کو شیطان نے ان کے کام، پھر روکا ہے ان کو راہ سے، سو وہ

ف۱ کسی ضرورت سے سلیمان علیہ السلام نے اڑنے والی فوج کا جائزہ لیا، ہدہد ان پر نظر نہ پڑا۔ فرمایا کیا بات ہے ہدہد کو میں نہیں دیکھتا۔ آیا پرندوں کے جھنڈ میں مجھ کو نظر نہیں آیا، یا حقیقت میں غیر حاضر ہے؟

(تنبیہ) پرندوں سے حضرت سلیمان مختلف کام لیتے تھے مثلاً ہوائی سفر میں ان کا پرے باندھ کر اوپر سایہ کرتے ہوئے جانا، یا ضرورت کے وقت پانی وغیرہ کا کھوج لگانا، یا نامہ بری کرنا وغیرہ۔ ممکن ہے اس وقت ہدہد کی کوئی خاص ضرورت پیش آئی ہو۔ مشہور ہے کہ جس جگہ زمین کے نیچے پانی قریب ہو ہدہد کو محسوس ہو جاتا ہے اور یہ کچھ مستبعد نہیں کہ حق تعالیٰ کسی جانور کو کوئی خاص حاسہ انسانوں اور دوسرے جانوروں سے تیز عنایت فرما دے۔ اسی ہدہد کی نسبت معتبر ثقات نے بیان کیا کہ زمین میں جس جگہ مٹی کے نیچے کینچوا ہو اسے محسوس کر کے فوراً نکال لیتا ہے حتیٰ کہ کبھی کبھی ایک دو بالشت زمین کھودتا ہے تب وہاں سے کینچوا نکلتا ہے۔

ف۲ مثلاً اس کے بال و پر نوچ ڈالوں گا۔

ف۳ یعنی اپنی غیر حاضری کا واضح عذر پیش کرے۔

ف۴ حضرت سلیمان کو اس ملک کا حال مفصل نہ پہنچا تھا۔ اب پہنچا۔ سبا ایک قوم کا نام ہے ان کا وطن عرب میں تھا "یمن" کی طرف (موضح القرآن) گویا ہدہد کے ذریعہ سے حق تعالیٰ نے متنبہ فرما دیا کہ بڑے سے بڑے انسان کا علم بھی محیط نہیں ہو سکتا دیکھو جن کی بابت خود فرمایا تھا ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ وَسُلَيْمَٰنَ عِلْمًا﴾ ان کو ایک جزئی کی اطلاع ہدہد نے کی۔

ف۵ ہر ایک چیز میں، مال، اسباب، فوج، اسلحہ، اور حسن و جمال سب آ گیا۔

ف۶ یعنی اس ملکہ کے بیٹھنے کا تخت ایسا مکلف و مرصع اور بیش قیمت تھا کہ اس وقت کسی بادشاہ کے پاس نہ تھا، مفسرین ملکہ کا نام "بلقیس" لکھتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

يَهْتَدُونَ ﴿٢٤﴾ أَلَّا يَسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا

راہ نہیں پاتے ف۱ کیوں نہ سجدہ کریں اللہ کو جو نکالتا ہے چھپی ہوئی چیز آسمانوں میں اور زمین میں اور جانتا ہے جو

راہ نہیں پاتے۔ کیوں نہ سجدہ کریں اللہ کو جو نکالتا ہے چھپی چیز آسمانوں میں اور زمین میں، اور جانتا ہے جو

تُخْفُونَ وَمَا تُعْلِنُونَ ﴿٢٥﴾ اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ۩ ﴿٢٦﴾ قَالَ سَنَنْظُرُ

چھپاتے ہو اور جو ظاہر کرتے ہو ف۲ اللہ ہے کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا پروردگار تخت بڑے کا ف۳ سلیمان نے کہا ہم اب دیکھتے ہیں تو نے

چھپاتے ہو اور جو کھولتے ہو۔ اللہ ہے! کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا صاحب تخت بڑے کا۔ کہا ہم دیکھیں گے تو نے

أَصَدَقْتَ أَمْ كُنْتَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ﴿٢٧﴾ اذْهَبْ بِكِتَابِي هَٰذَا فَأَلْقِهْ إِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ

سچ کہا یا تو جھوٹا ہے ف۴ لے جا میرا یہ خط اور ڈال دے ان کی طرف پھر ان کے پاس سے

سچ کہا یا تو جھوٹا ہے۔ لے جا میرا یہ خط اور ڈال دے ان کی طرف، پھر ان پاس سے

عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُونَ ﴿٢٨﴾ قَالَتْ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ إِنِّي أُلْقِيَ إِلَيَّ كِتَابٌ كَرِيمٌ ﴿٢٩﴾ إِنَّهُ

ہٹ آ پھر دیکھ وہ کیا جواب دیتے ہیں ف۵ کہنے لگی اے دربار والو میرے پاس ڈالا گیا ایک خط عزت کا وہ

ہٹ آ، پھر دیکھ وہ کیا جواب دیتے ہیں۔ کہنے لگی، اے دربار والو! میرے پاس ڈال دیا ہے ایک خط عزّت کا۔ وہ

مِنْ سُلَيْمَانَ وَإِنَّهُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ ﴿٣٠﴾ أَلَّا تَعْلُوا عَلَيَّ وَأْتُونِي مُسْلِمِينَ ﴿٣١﴾ ع

خط ہے سلیمان کی طرف سے ف۶ اور وہ یہ ہے شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے کہ زور نہ کرو میرے مقابلہ میں اور چلے آؤ میرے سامنے حکم بردار

خط ہے سلیمان کی طرف سے اور وہ ہے شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔ کہ زور نہ کرو میرے مقابل، اور چلے آؤ حکم بردار ہو کر۔

ف۱ یعنی وہ قوم مشرک آفتاب پرست ہے۔ شیطان نے ان کی راہ مار دی، اور مشرکانہ رسوم واطوار کو ان کی نظر میں خوبصورت بنا دیا۔ اسی لیے وہ راہ ہدایت نہیں پاتے۔ ہدہد نے یہ کہہ کر گویا سلیمان علیہ السلام کو اس قوم پر جہاد کرنے کی ترغیب دی۔

ف۲ غالباً یہ ہُدہُد کے کلام کا تتمہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جانور اپنے خالق کی صحیح معرفت فطرۃً رکھتے ہیں۔ یا بطور خرق عادت اسی ہدہد کو اس طرح کی تفصیلی معرفت عطا کی گئی ہو۔ خدا چاہے تو ایسی معرفت ایک خشک لکڑی میں پیدا کر دے۔ باقی جانوروں میں فطری طور پر اس قسم کی عقل و معرفت کا موجود ہونا جسے صدر شیرازی نے "اسفار اربعہ" میں "علم حضوری" یا "شعور بسیط" سے تعبیر کیا ہے اس کو مستلزم نہیں کہ ان کی طرف انبیا مبعوث ہوں۔ کیونکہ یہ فطری معرفت کسبی نہیں، جبلی ہے۔ اور بعث انبیا کا تعلق کسبیات سے ہوتا ہے نیز یہ صحیح نہیں کہ جس چیز میں کوئی درجہ عقل و شعور کا ہو وہ مکلف بھی ہو۔ مثلاً شریعت حقہ نے صبی کو مکلف قرار نہیں دیا۔ حالانکہ قبل از بلوغ اس میں خاصا درجہ عقل کا موجود ہے، اسی سے حیوانات کی عاقلیت کا اندازہ کر لو۔

(تنبیہ) حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ "ہدہد کی روزی ہے ریت سے کیڑے نکال نکال کر کھانا۔ نہ دانہ کھائے نہ میوہ۔ اس کو اللہ کی اسی قدرت سے کام ہے۔" شاید اسی لیے يُخْرِجُ الْخَبْءَ کا خاص طور پر ذکر کیا۔ واللہ اعلم۔

ف۳ یعنی اس کے عرش عظیم سے بلقیس کے تخت کو کیا نسبت۔

ف۴ یعنی تیرے جھوٹ سچ کا امتحان کرتا ہوں۔

ف۵ یعنی سلیمان نے ایک خط لکھ کر ہدہد کے حوالہ کیا کہ ملکہ "سبا" کو پہنچا دے اور جواب لے کر آ۔ اور دیکھنا خط پہنچا کر وہاں سے ایک طرف ہٹ جانا۔ کیونکہ قاصد کا وہیں سر پر کھڑا رہنا آداب شاہانہ کے خلاف ہے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "یعنی آپ کو چھپا لیکن وہاں کا ماجرا دیکھ، ہدہد خط لے گیا بلقیس جہاں اکیلی =

قَالَتْ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِيْ فِيْۤ اَمْرِيْ ۚ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ ۝۳۲ قَالُوْا

ہو کر ف۱ کہنے لگی اے دربار والو مشورہ دو مجھ کو میرے کام میں میں طے نہیں کرتی کوئی کام تمہارے حاضر ہونے تک ف۲ وہ بولے

کہنے لگی، اے دربار والو! مشورہ دو مجھ کو میرے کام کا۔ میں مقرر نہیں کرتی کوئی کام، جب تک تم حاضر نہ ہو۔ وہ بولے

نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّاُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ ۙ وَّالْاَمْرُ اِلَيْكِ فَانْظُرِيْ مَاذَا تَاْمُرِيْنَ ۝۳۳ قَالَتْ

ہم لوگ زور آور ہیں اور سخت لڑائی والے اور کام تیرے اختیار میں ہے سو تو دیکھ لے جو حکم کرے ف۳ کہنے لگی

ہم لوگ زورآور ہیں اور سخت لڑائی والے۔ اور کام تیرے اختیار ہے، سو تو دیکھ لے جو حکم کرے۔ کہنے لگی،

اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْۤا اَعِزَّةَ اَهْلِهَاۤ اَذِلَّةً ۚ وَكَذٰلِكَ

بادشاہ جب گھستے ہیں کسی بستی میں اس کو خراب کر دیتے ہیں اور کر ڈالتے ہیں وہاں کے سرداروں کو بے عزت اور ایسا ہی کچھ

بادشاہ جب پیٹھیں کسی بستی میں، اس کو خراب کریں اور کر ڈالیں وہاں کے سرداروں کو بے عزت۔ اور یہی کچھ

يَفْعَلُوْنَ ۝۳۴ وَاِنِّيْ مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ۝۳۵ فَلَمَّا جَآءَ

کریں گے اور میں بھیجتی ہوں ان کی طرف کچھ تحفہ پھر دیکھتی ہوں کیا جواب لے کر پھرتے ہیں بھیجے ہوئے ف۴ پھر جب پہنچا

کریں گے۔ اور میں بھیجتی ہوں ان کی طرف کچھ تحفہ، پھر دیکھتی ہوں کیا جواب لے کر پھرتے ہیں بھیجے ہوئے۔ پھر جب پہنچا

=سوتی تھی۔ روزن میں سے جا کر اس کے سینہ پر رکھ دیا۔" (موضح)

ف۶ بلقیس نے خط پڑھ کر اپنے مشیروں اور درباریوں کو جمع کیا۔ کہنے لگی کہ میرے پاس یہ خط عجیب طریقہ سے پہنچا ہے جو ایک بہت بڑے معزز و محترم بادشاہ (سلیمان) کی طرف سے آیا ہے۔ غالباً حضرت سلیمان کا نام اور ان کی بے مثال حکومت و شوکت کا شہرہ پہلے سے سن چکی ہوگی۔

ف۱ ایسا مختصر، جامع اور پر عظمت خط شاید ہی دنیا میں کسی نے لکھا ہو۔ مطلب یہ تھا کہ میرے مقابلہ میں زور آزمائی سے کچھ نہ ہوگا۔ خیریت اسی میں ہے کہ اسلام قبول کرو اور حکمبر دار ہو کر آدمیوں کی طرح سیدھی انگلیوں میرے سامنے حاضر ہو جاؤ۔ تمہاری شیخی اور تکبر میرے آگے کچھ نہ چلے گی۔

ف۲ یعنی مشورہ دو کیا جواب دیا جائے اور کیا کارروائی کی جائے جیسا کہ تمہیں معلوم ہے میں کسی اہم معاملہ کا فیصلہ بدون تمہارے مشورہ کے نہیں کرتی۔

ف۳ یعنی ہمارے پاس زور و طاقت اور سامان حرب کی کمی نہیں۔ نہ کسی بادشاہ سے دبنے کی ضرورت، تیرا حکم ہو تو ہم سلیمان سے جنگ کرنے کے لیے تیار ہیں۔ آگے تو مختار ہے سوچ سمجھ کر حکم دے۔ ہماری گردن اس کے سامنے خم ہوگی۔ معلوم ہوتا ہے کہ درباریوں کی صلاح لڑائی کرنے کی تھی مگر ملکہ نے اس میں تعجیل مناسب نہ سمجھی اور ایک بین بین صورت اختیار کی جس کا ذکر آگے آتا ہے۔

ف۴ معلوم ہوتا ہے کہ مضمون خط کی عظمت و شوکت اور دوسرے قرائن و آثار سے بلقیس کو یقین ہو گیا کہ اس بادشاہ پر ہم غالب نہیں آسکتے اور کم از کم اس کا قوی احتمال تو ضرور تھا۔ اس نے بتلایا کہ ایسی شان و شکوہ رکھنے والے بادشاہ سے لڑنا کھیل نہیں۔ اگر وہ غالب آگئے (جیسا کہ قوی امکان ہے) تو ملوک و سلاطین کی عام عادت کے موافق تمہارے شہروں کو تہ و بالا کر کے رکھ دیں گے۔ اور وہ انقلاب ایسا ہوگا جس میں بڑے عزت والے سرداروں کو ذلیل و خوار ہونا پڑے گا۔ لہٰذا میرے نزدیک بہتر ہے کہ ہم جنگ کرنے میں جلدی نہ کریں بلکہ ان کی طاقت، طبعی رجحانات، نوعیت حکومت اور اس بات کا پتہ لگائیں کہ ان کی دھمکیوں کی پشت پر کون سی قوت کارفرما ہے۔ اور یہ کہ واقعی طور پر وہ ہم سے کیا چاہتے ہیں، اگر کچھ تحائف و ہدایا دے کر ہم آنے والی مصیبت کو اپنے سر سے ٹال سکیں تو زیادہ اچھا ہوگا ورنہ جو کچھ رویہ معلوم ہو جائے گا ہم اس کے مناسب کارروائی کریں گے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں: "بلقیس نے چاہا کہ اس بادشاہ کا شوق دریافت کرے کس چیز سے ہے۔ مال، خوبصورت آدمی، یا نادر سامان، سب قسم کی چیزیں تحفہ میں بھیجی تھیں۔"

سُلَيْمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ ۫ فَمَآ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّآ اٰتٰىكُمْ ۚ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ

سلیمان کے پاس بولا کیا تم میری اعانت کرتے ہو مال سے، سو جو اللہ نے مجھ کو دیا ہے بہتر ہے اس سے جو تم کو دیا ہے بلکہ تم ہی اپنے تحفہ سے

سلیمان پاس، بولا کیا تم میری رفاقت کرتے ہو مال سے؟ سو جو اللہ نے مجھ کو دیا ہے بہتر ہے اس سے جو تم کو دیا۔ نہیں، تم اپنے تحفہ سے

تَفْرَحُوْنَ ﴿۳۶﴾ اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ

خوش رہو ف۱ پھر جا ان کے پاس اب ہم پہنچتے ہیں ان پر ساتھ لشکروں کے جن کا مقابلہ نہ ہو سکے ان سے اور نکال دیں گے ان کو وہاں سے

خوش رہو۔ پھر جا ان کے پاس، اب ہم پہنچتے ہیں ان پر ساتھ لشکروں کے، جن کا سامنا نہ ہو سکے ان سے، اور نکال دیں گے ان کو وہاں سے

اَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ قَالَ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ

بے عزت کر کر اور وہ خوار ہوں گے ف۲ بولا اے دربار والو تم میں کوئی ہے کہ لے آوے میرے پاس اس کا تخت پہلے اس سے کہ وہ آئیں میرے پاس

بے عزت کر کر، اور وہ خوار ہوں گے۔ بولا، اے دربار والو! تم میں کوئی ہے کہ لے آئے میرے پاس اس کا تخت، پہلے اس سے کہ آویں میرے پاس

مُسْلِمِيْنَ ﴿۳۸﴾ قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَاِنِّيْ

حکم بردار ہو کر ف۳ بولا ایک دیو جنوں میں سے میں لائے دیتا ہوں وہ تجھ کو پہلے اس سے کہ تو اٹھے اپنی جگہ سے ف۴ اور میں

حکم بردار ہو کر۔ بولا، ایک راکس جنوں میں سے، میں لا دیتا ہوں وہ تجھ کو، پہلے اس سے کہ تو اٹھے اپنی جگہ سے۔ اور میں

عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ ﴿۳۹﴾ قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ

اس پر زور آور ہوں معتبر ف۵ بولا وہ شخص جس کے پاس تھا ایک علم کتاب کا میں لائے دیتا ہوں تیرے پاس اس کو پہلے اس سے کہ پھر آئے

اس کے زور کا ہوں معتبر۔ بولا وہ شخص جس کے پاس تھا ایک علم کتاب کا، میں لا دیتا ہوں تجھ کو وہ پہلے اس سے کہ پھر آوے

ف۱ یعنی یہ تحفہ تمہیں ہی مبارک رہے، کیا تم نے مجھے محض ایک دنیاوی بادشاہ سمجھا جو مال و متاع کا لالچ دیتے ہو، تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ حق تعالیٰ نے جو روحانی و مادی دولت مجھے عطا فرمائی ہے وہ تمہارے ملک و دولت سے کہیں بڑھ کر ہے ان سامانوں کی ہمیں کیا پروا۔

ف۲ یعنی قیدی بنیں گے، جلاوطن ہوں گے اور ذلت و خواری کے ساتھ دولت و سلطنت سے دستبردار ہونا پڑے گا۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں" اور کسی پیغمبر نے اس طرح کی بات نہیں فرمائی۔ سلیمان کو حق تعالیٰ کی سلطنت کا زور تھا جو یہ فرمایا۔"

ف۳ قاصد نے واپس جا کر پیغام جنگ پہنچا دیا۔ بلقیس کو یقین ہو گیا کہ یہ کوئی معمولی بادشاہ نہیں ان کی قوت خدائی زور سے ہے۔ جدال و قتال سے کچھ فائدہ نہ ہو گا، نہ کوئی حیلہ اور زور ان کے روبرو چل سکتا ہے آخر اظہار اطاعت و انقیاد کی غرض سے بڑے ساز و سامان کے ساتھ حضرت سلیمان کی خدمت میں حاضری دینے کے لیے روانہ ہو گئی۔ جب ملک شام کے قریب پہنچی، حضرت سلیمان نے اپنے درباریوں سے فرمایا "کوئی ہے جو بلقیس کا تخت شاہی اس کے پہنچنے سے پیشتر میرے سامنے حاضر کر دے۔" اس میں بھی حضرت سلیمان کو کئی طرح بلقیس پر اپنی خداداد عظمت و قوت کا اظہار مقصود تھا۔ تا کہ وہ سمجھ لے کہ یہ نرے بادشاہ نہیں، کوئی اور فوق العادت باطنی طاقت بھی اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔

(تنبیہ) "قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ" سے معلوم ہوا کہ اسلام و انقیاد سے پہلے حربی کا مال مباح ہے۔

ف۴ حضرت سلیمان کا دربار روزانہ ایک معین وقت تک لگتا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ اس سے پہلے کہ آپ دربار سے اٹھ کر جائیں، میں تخت کو حاضر کر سکتا ہوں، مگر اس کو پھر کچھ عرصہ لگتا۔ حضرت سلیمان اس سے بھی زیادہ جلدی چاہتے تھے۔

ف۵ "زور آور" ہوں، یعنی اپنی قوت بازو سے بہت جلد اٹھا کر لا سکتا ہوں، اللہ نے مجھ کو قدرت دی ہے اور "معتبر ہوں" یعنی اس میں خیانت نہ کروں گا۔ کہتے =

إِلَيْكَ طَرْفُكَ ۚ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ ۖ لِيَبْلُوَنِیْٓ ءَاَشْكُرُ

تیری طرف تیری آنکھ ف۱ پھر جب دیکھا اس کو دھرا ہوا اپنے پاس کہا یہ میرے رب کا فضل ہے ف۲ میرے جانچنے کو کہ میں شکر کرتا ہوں

تیری طرف تیری آنکھ۔ پھر جب دیکھا وہ دھرا اپنے پاس کہا، یہ میرے رب کے فضل سے، میرے جانچنے کو، کہ میں شکر کرتا ہوں

اَمْ اَكْفُرُ ۖ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّیْ غَنِیٌّ كَرِيْمٌ ۝۴۰ قَالَ

یا ناشکری ف۳ اور جو کوئی شکر کرے، سو شکر کرے اپنے واسطے اور جو کوئی ناشکری کرے، سو میرا رب بے پروا ہے کرم والا ف۴ کہا

یا ناشکری۔ اور جو کوئی شکر کرے سو شکر کرے اپنے واسطے۔ اور جو کوئی ناشکری کرے، سو میرا رب بے پروا ہے نیک ذات۔ کہا،

نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ اَتَهْتَدِیْٓ اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِيْنَ لَا يَهْتَدُوْنَ ۝۴۱ فَلَمَّا جَآءَتْ

روپ بدل دکھلاؤ اس عورت کے آگے اس کے تخت کا ہم دیکھیں سمجھ پاتی ہے یا ان لوگوں میں ہوتی ہے جن کو سمجھ نہیں ف۵ پھر جب وہ آ پہنچی

روپ بدل دکھاؤ اس عورت کو اس کے تخت کا، ہم دیکھیں سوجھ پاتی ہے، یا ان لوگوں میں ہوتی ہے جن کو سوجھ نہیں۔ پھر جب آ پہنچی،

قِيْلَ اَهٰكَذَا عَرْشُكِ ۖ قَالَتْ كَاَنَّهٗ هُوَ ۚ وَاُوْتِيْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا

کسی نے کہا کیا ایسا ہی ہے تیرا تخت بولی گویا یہ وہی ہے ف۶ اور ہم کو معلوم ہو چکا پہلے سے اور ہم ہو چکے

کسی نے کہا، کیا ایسا ہی ہے تیرا تخت؟ بولی، یہ وہی ہے، اور ہم کو معلوم ہو چکا آگے سے، اور ہم ہو چکے

= یہ تخت بہت بیش قیمت تھا، سونے چاندی کا اور لعل و جواہر جڑے تھے۔

ف۱ راجح یہ ہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ شخص حضرت سلیمان کا صحابی اور وزیر آصف بن برخیا ہے جو کتب سماویہ کا عالم اور اللہ کے اسماء اور کلام کی تاثیر سے واقف تھا، اس نے عرض کیا کہ میں چشم زدن میں تخت کو حاضر کر سکتا ہوں۔ آپ کسی طرف دیکھئے، قبل اس کے آپ ادھر سے نگاہ ہٹائیں تخت آپ کے سامنے رکھا ہوگا۔

ف۲ یعنی یہ ظاہر کے اسباب سے نہیں آیا اللہ کا فضل ہے کہ میرے رفیق اس درجہ کو پہنچے، جن سے ایسی کرامات ظاہر ہونے لگیں۔ اور چونکہ ولی کی خصوصاً صحابی کی کرامت اس کے نبی کا معجزہ اور اس کے اتباع کا ثمرہ ہوتا ہے اس لیے حضرت سلیمان پر بھی اس کی شکر گزاری عائد ہوئی۔ (تنبیہ) معلوم ہوا کہ اعجاز و کرامت فی الحقیقت خداوند قدیر کا فعل ہے جو ولی یا نبی کے ہاتھ پر خلاف معمول ظاہر کیا جاتا ہے۔ پس جس کی قدرت سے سورج یا زمین کا کرہ ایک لحہ میں ہزاروں میل کی مسافت طے کر لیتا ہے اسے کیا مشکل ہے کہ تخت بلقیس کو پلک جھپکنے میں "مارب" سے "شام" پہنچا دے۔ حالانکہ تخت بلقیس کو سورج اور زمین سے ذرہ اور پہاڑ کی نسبت ہے۔

ف۳ حضرت سلیمان ہر ہر قدم پر حق تعالیٰ کی نعمتوں کو پہچانتے اور ہمہ وقت شکر گزاری کے لیے تیار رہتے تھے گویا یہ ﴿اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا﴾ کے حکم کی تعمیل تھی۔

ف۴ یعنی شکر گزاری کا نفع شاکر ہی کو پہنچتا ہے کہ دنیا و آخرت میں مزید انعامات مبذول ہوتے ہیں، ناشکری کرے گا تو خدا کا کیا نقصان، وہ ہمارے شکریوں سے قطعاً بے نیاز اور بذات خود کامل الصفات اور منبع الکمالات ہے۔ ہمارے کفران نعمت سے اس کی کسی صفت کمالیہ میں کمی نہیں آ جاتی۔ یہ بھی اس کا کرم ہے کہ ناشکروں کو فوراً سزا نہیں دیتا۔ ایسے کریم کی ناشکری کرنے والا پرلے درجہ کا بے حیا اور احمق ہے۔

ف۵ یعنی تخت کا رنگ روپ تبدیل کر دو۔ اور اس کی وضع و ہیئت بدل ڈالو، جسے دیکھ کر بلقیس بآسانی نہ سمجھ سکے۔ اس سے بلقیس کی عقل و فہم کو آزمانا تھا کہ ہدایت پانے کی استعداد اس میں کہاں تک موجود ہے۔

ف۶ نہ کہا کہ ہاں وہ ہی ہے اور نہ بالکل نفی کی، جو حقیقت تھی ٹھیک ٹھیک ظاہر کر دی تخت وہ ہی ہے مگر کچھ اوصاف میں فرق آ گیا۔ اور فرق چونکہ معتد بہ نہیں اس لیے کہہ سکتے ہیں کہ گویا وہ ہی ہے۔

مُسْلِمِيْنَ ﴿۴۲﴾ وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿۴۳﴾

حکم بردار ف۱ اور روک دیا اس کو ان چیزوں سے جو پوجتی تھی اللہ کے سوا البتہ وہ تھی منکر لوگوں میں ف۲

حکم بردار۔ اور بند کیا اس کو ان چیزوں سے جو پوجتی تھی اللہ کے سوا، البتہ وہ تھی منکر لوگوں میں۔

قِيْلَ لَهَا ادْخُلِى الصَّرْحَ ۚ فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ

کسی نے کہا اس عورت کو اندر چل محل میں پھر جب دیکھا اس کو خیال کیا کہ وہ پانی ہے گہرا اور کھولیں اپنی پنڈلیاں ف۳ کہا یہ تو ایک

کسی نے کہا اس عورت کو، اندر چل محل میں۔ پھر جب دیکھا اس کو، خیال کیا کہ وہ پانی ہے گہرا، اور کھولیں اپنی پنڈلیاں۔ کہا یہ تو ایک

صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ ؕ قَالَتْ رَبِّ اِنِّىْ ظَلَمْتُ نَفْسِىْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ

محل ہے جڑے ہوئے ہیں اس میں شیشے ف۴ بولی اے رب میں نے برا کیا ہے اپنی جان کا اور میں حکم بردار ہوئی ساتھ سلیمان کے اللہ کے آگے

محل ہے، جڑے ہوئے اس میں شیشے۔ بولی، اے رب! میں نے برا کیا ہے اپنی جان کا، اور حکم بردار ہوئی ساتھ سلیمان کے، اللہ کے آگے

رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۴﴾ ع

جو رب ہے سارے جہان کا ف۵

جو رب سارے جہان کا۔

ع ۳ ۱۲ ۱۸

قصۂ سوم: ملکۂ سبا بروایت ہدہد

قَالَ تَعَالٰى: ﴿وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِىَ لَاۤ اَرَى الْهُدْهُدَ ... الى ... وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ

ف۱ یعنی اس معجزہ کی حاجت نہ تھی، ہم کو پہلے ہی یقین ہو چکا تھا کہ سلیمان محض بادشاہ نہیں۔ اللہ کے مقرب بندہ ہیں اور اسی لیے ہم نے فرمانبرداری اور تسلیم وانقیاد کا راستہ اختیار کیا۔

ف۲ یعنی حق تعالیٰ نے یا سلیمان علیہ السلام نے حق تعالیٰ کے حکم سے ملکہ بلقیس کو آفتاب وغیرہ کی پرستش سے روک دیا۔ جس میں وہ بمعیت اپنی قوم کے مبتلا تھی۔ یا یہ مطلب ہے کہ سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہونے تک جو علانیہ اسلام کا اظہار نہیں کیا اس کا سبب یہ ہے کہ جھوٹے معبودوں کے خیال اور قوم کفار کی تقلید وصحبت نے اس کو ایسا کرنے سے روک رکھا تھا۔ نبی کی صحبت میں پہنچ کر وہ روک جاتی رہی۔ ورنہ سلیمان علیہ السلام کی صداقت کا اجمالی علم اس کو پہلے ہی ہو چکا تھا۔

ف۳ یعنی پانی میں گھسنے کے لیے پائنچے چڑھا لیے جیسے عام قاعدہ ہے کہ پانی کی گہرائی پوری طرح پر معلوم نہ ہو تو گھسنے والا شروع میں پائنچے چڑھا لیتا ہے۔

ف۴ حضرت سلیمان علیہ السلام دیوان خانہ میں بیٹھے تھے۔ اس میں پتھروں کی جگہ شیشے کا فرش تھا۔ صاف شیشہ دور سے نظر آتا کہ پانی لہرا رہا ہے۔ اور ممکن ہے شیشہ کے نیچے واقعی پانی ہو یعنی حوض کو شیشہ سے پاٹ دیا ہو۔ اس نے پانی میں گھسنے کے لیے پنڈلیاں کھولیں۔ سلیمان نے پکارا کہ یہ شیشے کا فرش ہے پانی نہیں۔ اس کو اپنی عقل کا قصور اور ان کی عقل کا کمال معلوم ہوا۔ سمجھی کہ دین میں بھی جو یہ سمجھتے ہیں وہی صحیح ہوگا۔ اور یہ بھی پتہ لگ گیا کہ جس ساز وسامان پر اس کی قوم کو ناز تھا، یہاں اس سے بڑھ کر سامان موجود ہے۔ گویا سلیمان علیہ السلام نے اس کو متنبہ فرما دیا کہ آفتاب وستاروں کی چمک پر مفتون ہو کر انہیں خدا سمجھ لینا ایسا دھوکہ ہے جیسے آدمی شیشہ کی چمک دیکھ کر پانی گمان کرلے۔

ف۵ یعنی اے پروردگار! میں تیری حکم بردار ہو کر سلیمان کا راستہ اختیار کرتی ہوں۔ اب تک میں نے اپنی جان پر بڑا ظلم کیا کہ شرک وکفر میں مبتلا رہی۔ اب اس سے تائب ہو کر تیری بارگاہ ربوبیت کی طرف رجوع کرتی ہوں۔

الْعٰلَمِيْنَ﴿

ربط:...... اب ان آیات میں ملکہ سبا کا قصہ ذکر کرتے ہیں جو بظاہر اس سورت کا تیسرا قصہ ہے مگر درحقیقت حضرت سلیمان علیہ السلام کا دوسرا قصہ ہے سلیمان علیہ السلام کے پاس تین قسم کے لشکر تھے ایک آدمیوں کا اور ایک جنوں کا اور ایک پرندوں کا۔ جو روانگی کے وقت سلیمان علیہ السلام کے تخت پر سایہ کرتے تھے۔ ایک دن سلیمان علیہ السلام نے پرندوں کے ایک لشکر کی جانچ پڑتال کی تو اس نے ہد ہد کو نہ پایا جو ہد ہدوں کا سردار تھا۔ فرمایا جب وہ آئے گا تو اس سے پوچھوں گا کہ کیوں غیر حاضر تھا اگر اس نے کوئی معقول وجہ بیان کی تو خیر ورنہ اس کو ذبح کر ڈالوں گا۔ ہد ہد۔ سلیمان علیہ السلام کا مہندس (انجینئر) تھا۔ سلیمان علیہ السلام جب بیابان میں ہوتے تو اس کو طلب فرماتے۔ ہد ہد زمین پر چونچ رکھ کر بتلا دیتا کہ پانی اتنی گہرائی پر ہے تو زمین کھود کر پانی نکال لیا جاتا۔ جنوں کو حکم دیتے وہ کھول کر پانی نکال لیتے۔ سلیمان علیہ السلام ایک بیابان میں تھے کہ ہد ہد کو نہ دیکھا تو دریافت فرمایا۔ چنانچہ جب وہ حاضر ہوا تو اس سے دریافت کیا اس نے بتایا کہ ملک سبا میں ایک ملکہ ہے جس کا نام بلقیس ہے میں نے اس ملکہ کو اور اس کی قوم کو سورج کا سجدہ کرتے دیکھا ہے اس خطہ کے لوگ مذہباً مجوسی تھے۔ شرک اور کواکب پرستی میں مبتلا تھے۔ سلیمان علیہ السلام کو اس خطہ کا حال معلوم نہ تھا۔ ہد ہد سے سن کر یہ حال معلوم ہوا۔ تو ملکہ سبا کے نام دعوت اسلام کا ایک خط لکھا کہ تو غیر اللہ کی پرستش چھوڑ دے اور مسلمان ہو کر میرے حضور میں حاضر ہو جا اور یہ خط دے کر ہد ہد کو روانہ کیا کہ یہ خط لے جا کر ملکہ سبا کو پہنچا دے گویا کہ بارگاہ نبوت سے ایک جانور کو سفارت کے فرائض کی انجام دہی کے لئے مقرر کیا جا رہا ہے یہ بارگاہ نبوت ہے۔ بادشاہت جس کی خادم اور غلام ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ہد ہد سلیمان علیہ السلام کا مہندس یعنی انجینئر تھا۔ زمین پر چونچ مار کر بتلا دیتا تھا کہ پانی اتنی گہرائی پر ہے اس کے بتلانے پر سلیمان علیہ السلام زمین کھدوا کر حسب ضرورت پانی نکلوا لیتے تھے۔ سبحان اللہ ایک پرند ہے جو بارگاہ نبوت کا مہندس یعنی انجینئر ہے اب اسی پرند کو سفیر بنا کر دوسرے ملک میں بھیجا جا رہا ہے اب ان آیات میں تفصیل کے ساتھ اسی قصہ کو بیان کرتے ہیں جو ایک اعتبار سے کرشمۂ قدرت ہے اور ایک اعتبار سے کرشمۂ نبوت ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور کسی مقام پر سلیمان علیہ السلام نے پرندوں کا یعنی اڑنے والی فوج کا جائزہ لیا تو ہد ہد کو نہ پایا تو فرمایا کہ مجھے کیا ہوا کہ میں ہد ہد کو نہیں دیکھ رہا ہوں۔ کیا میری نظر خطا کر رہی ہے یا وہ غائبین میں سے ہے یعنی وہ غیر حاضر ہے اس لئے دکھائی نہیں دیتا۔ البتہ میں اس کو سخت سزا دوں گا جس سے دوسرے پرندوں کو عبرت ہو یعنی اس کے بال و پر کاٹ دوں گا یا اس کو قفس میں بند کر دوں گا یا میں اس کو ذبح کر ڈالوں گا یا میرے سامنے کوئی واضح دلیل اور معقول عذر لے کر آئے تو پھر میں اس کو چھوڑ دونگا۔ پس کچھ زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ ہد ہد حاضر ہو گیا۔ سلیمان علیہ السلام نے پوچھا کہ تجھے کہاں دیر ہوئی تو اس نے عرض کیا کہ میں وہ بات معلوم کر کے آیا ہوں جو آپ کو معلوم نہیں یعنی میری غیر حاضری کسی غفلت کی بنا پر نہیں بلکہ آپ ہی کی خدمت اور مصلحت کے لئے تھی اور میں اس وقت آپ کے پاس شہر سبا سے ایک یقینی خبر لے کر آیا ہوں جس کا انتظام مقاصد نبوت سے اور لوازم سلطنت سے ہے وہ خبر یہ ہے کہ تحقیق میں نے ملک سبا میں ایک عورت کو لوگوں پر سلطنت کرتے پایا کہ وہ لوگوں پر بادشاہی کر رہی ہے اور اس ملکہ کو سلطنت کے متعلق ہر چیز دی گئی ہے اور اس ملکہ کا تخت بڑا عظیم الشان ہے جو سونے کا ہے اور جواہرات اور موتیوں سے جڑا ہوا ہے یہ تو اس کی دنیاوی شان وشوکت کا حال ہے اور اس کے دین کا حال یہ

ہے کہ میں نے اس ملکہ کو اور اس کی قوم کو اس حال میں پایا کہ وہ اللہ کو چھوڑ کر سورج کو سجدہ کرتے ہیں۔ بلقیس اور اس کی قوم مجوسی تھی جو سورج کو پوجتی تھی اور شیطان نے ان کے اعمال بد کو ان کی نظروں میں اچھا کر کے دکھلایا ہے پس اس طرح شیطان نے ان کو راہ حق سے روک دیا ہے پس وہ لوگ راہ یاب ہوتے نظر نہیں آتے۔ شیطان نے ان کے اعمال بد کو مزین کر دیا ہے کہ سارا عالم آفتاب سے روشن اور منور ہے لہٰذا وہ اس قابل ہے کہ اس کو سجدہ کیا جائے۔ آفتاب کے سجدہ کو ان کی نظروں میں خوب کر کے دکھایا ہے اور اس بات کو خوب کر کے دکھایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو سجدہ نہ کریں جو معبود حقیقی ہے جس کی شان یہ ہے کہ وہ آسمان اور زمین کی چھپی ہوئی چیزوں کو نکالتا ہے یعنی آفتاب کی چمک اور دمک پر تو نظر گئی مگر اس پر نظر نہ کی کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی برساتا ہے اور زمین سے نباتات اگاتا ہے یہ تو اس کی قدرت کا حال ہے اور اس کے علم کا حال یہ ہے کہ ان تمام چیزوں کو جانتا ہے کہ جن کو تم چھپاتے ہو اور جن کو ظاہر کرتے ہو پس ایسی چیز کو پوجنا چاہئے جس کی قدرت اور اس کا علم کامل اور محیط ہو اور سورج کو پوجنا بیکار ہے جسے نہ علم ہے اور نہ قدرت ہے۔ اللہ کے سوا کوئی لائق الوہیت اور مستحق عبادت نہیں وہ مالک ہے عرش عظیم کا۔ بلقیس کے تخت کو اس کے عرش عظیم سے کیا نسبت۔ ہدہد کا مطلب یہ تھا کہ یہ ملکہ اور اس کی قوم کفر اور شرک میں مبتلا ہے۔ اور توحید سے منحرف ہے ایسی قوم سے جہاد اور قتال واجب ہے۔ حیوانات کو اور چرند اور پرند کو اللہ کی معرفت حاصل ہے وہ توحید اور شرک کو خوب سمجھتے ہیں۔ اس لئے ہدہد نے اللہ تعالیٰ کے اوصاف بیان کئے جن سے اللہ کے کمال قدرت اور کمال علم کو ثابت کیا۔

فائدہ (۱):...... ہدہد کے قصہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انبیاء کرام کا علم محیط نہیں۔ اس جزئی واقعہ کی اطلاع ہدہد نے دی جس کا پہلے سے سلیمان علیہ السلام کو علم نہ تھا۔

فائدہ (۲):...... یہ آیت سجدہ ہے اس کے پڑھنے والے اور سننے والے پر سجدہ کرنا واجب ہے۔

جب ہدہد نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو بلقیس کے حال کی خبر دے دی تو سلیمان علیہ السلام نے اس کی بات سن کر یہ فرمایا کہ اچھا ہم دیکھیں گے اور اس بات کی تحقیق کریں گے کہ تو اپنے قول میں سچا ہے یا جھوٹوں میں سے ہے اور فرمایا کہ فی الحال تو میرا یہ خط لے کر جا اور لے جا کر ان کے سامنے ڈال دے پھر ان کے سامنے خط ڈال کر ذرا ان سے علیحدہ ہو جانا پھر دیکھنا کہ آپس میں کیا باتیں کرتے ہیں چنانچہ ہدہد سلیمان علیہ السلام کا سربمہر خط لے کر بلقیس کے پاس پہنچا اور دریچہ سے اس کے کمرہ میں داخل ہوا تو اس کو سوتے ہوئے دیکھا۔ ہدہد نے اس خط کو اس کے سینہ پر رکھ دیا اور حسب ہدایت ﴿ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ﴾ ادب اور احترام کے ساتھ ایک طرف ہو گیا۔ ملکہ بیدار ہو گئی دیکھا کہ ایک سربمہر خط اس کے سینہ پر رکھا ہوا ہے اور ایک پرند ادب واحترام کے ساتھ قریب میں کھڑا ہوا ہے۔ یہ واقعہ دیکھ کر حیران رہ گئی اور ڈر گئی دل میں ہول اور خوف سما گیا۔ خط کو اٹھایا اور اس کی مہر کھول کر اس کو پڑھا۔ تفسیر ابن کثیر: ۳/۳۶۱۔ اور ارکان دولت کو جمع کیا اور بولی اے اشراف قوم اور اے ارکان دولت میری طرف ایک بزرگ خط یعنی گرامی نامہ ڈالا گیا ہے جس کا حال عجیب ہے کہ اس کو ایک پرندہ لے کر آیا ہے اور وہ پرند نہایت مہذب اور مودب ہے کہ خط کو میرے سینہ پر رکھ کر ایک طرف کھڑا ہو گیا اور اس خط کا مضمون بھی عجیب ہے تحقیق وہ خط سلیمان علیہ السلام کی طرف سے ہے جس کے شروع میں ﴿بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ ہے اور اس کے بعد

یہ مضمون ہے کہ میرے مقابلہ میں تکبر اور سرکشی نہ کرو اور خدا کا فرمانبردار ہو کر گردن جھکائے ہوئے میرے سامنے حاضر ہو جاؤ یہ خط کمال فصاحت اور بلاغت کے ساتھ غایت درجہ مختصر تھا اور باوجود کمال اختصار کے تمام مقاصد کو شامل تھا ﴿بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ میں ذات الٰہی اور اس کی صفات کاملہ کو بیان کیا بعد ازاں تکبر اور سرکشی کی ممانعت فرمائی جو تمام برائیوں کی جڑ ہے اور پھر اسلام کا حکم دیا جو تمام فضائل اور شمائل اور خیرات و برکات کو جامع ہے۔

امام قشیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کتاب کو کتاب کریم اس لئے کہا کہ اس گرامی نامہ کا مضمون اللہ کے نام سے شروع ہوا ہے اور اس میں مالک الملک کی اطاعت اور فرمانبرداری کی دعوت دی گئی ہے اور اس میں اپنے لئے ملک اور سلطنت کی طمع کا کوئی شائبہ اور رائحہ بھی نہیں۔

نظم

اے نام تو بہترین سر آغاز بے نام تو نامہ کے کنم آغاز
آرائش نامہا است نامت آسائش سینہاست کلامت

غرض یہ کہ ملکۂ بلقیس نے جب یہ دیکھا کہ اس کتاب کریم کو ایک پرندہ لے کر آیا ہے جو نہایت شائستہ اور ادب سے آراستہ ہے تو سمجھ گئی کہ پرند جس کے مطیع اور فرمانبردار ہوں وہ شاہان عالم کی قسم کا بادشاہ نہیں وہ کوئی خاص برگزیدہ ہستی ہے اس لئے اس نے ارکان دولت کو جمع کر کے سلیمان علیہ السلام کا یہ گرامی نامہ سنایا تمام دربار ہل گیا اور گھبرا اٹھے۔ ملکۂ بلقیس نے کہا اے سرداران قوم اور اشراف ملک اس معاملہ میں مجھ کو فتویٰ دو۔ یعنی مشورہ دو۔ ملاء کے معنی اشراف قوم کے ہیں ملؤ سے مشتق ہے جس کے معنی بھر دینے کے ہیں چونکہ یہ لوگ اپنی عزت وثروت کی وجہ سے اپنی قوم کی آنکھوں میں بھرے ہوئے اور سمائے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس لئے اشراف قوم کے لئے لفظ ملاء استعمال ہوتا ہے اور فتویٰ کے معنی حکم قوی کے ہیں کہ جو کسی مشکل کے حل اور سلجھانے کے لئے دیا جائے لہٰذا مطلب یہ ہوا کہ ملکہ بلقیس نے اہل دربار سے یہ کہا کہ اے اشراف قوم مجھے اس مشکل میں ایسی محکم رائے دو جس سے یہ مشکل حل ہو جائے اور یہ عقدہ کھل جائے اور کہا تم کو معلوم ہے کہ گزشتہ زمانہ سے لے کر اب تک ہمیشہ میری یہ شان اور عادت رہی ہے کہ میں کسی معمولی بات کا بھی قطعی فیصلہ نہیں کیا کرتی جب تک تم لوگ حاضر نہ ہو جاؤ یعنی میں نے تو کسی معمولی اور حقیر کام میں بھی بغیر تمہارے مشورہ کے قطعی فیصلہ نہیں کیا اور یہ معاملہ تو بہت اہم ہے ارکان سلطنت ملکہ کے جواب میں بولے کہ ہم بڑی قوت والے ہیں اور سخت لڑائی لڑنے والے ہیں یعنی ہم کو قوت اور طاقت بھی حاصل ہے اور ہمت و شجاعت اور لشکری کثرت بھی حاصل ہے جنگ اور سامان جنگ کا ہمیں کوئی خطرہ نہیں ہم مقابلہ کے لئے ہر طرح حاضر اور مستعد ہیں اگر آپ ہم کو حکم دیں تو ہم ان سے لڑنے کے لئے تیار ہیں اور حکم اور اختیار سب آپ کے حوالہ ہے پس آپ جو حکم دینا چاہیں اس کو سوچ لیں ہم حضور کے تابع فرمان ہیں ہم آپ کے حکم کی اطاعت کریں گے خواہ صلح کیجئے یا جنگ کیجئے۔

نظم

اگر جنگ خواہی نبرد آوریم دل دشمنان را بدرد آوریم
وگر صلح جوئی ترا بندہ ایم بتسلیم حکمت سرافگندہ ایم

مطلب یہ تھا کہ ہم جنگ کے لئے تیار ہیں آگے آپ کو اختیار ہے ارکان دولت کا میلان جنگ کی طرف تھا۔ مگر ملکہ

نے جنگ میں تعجیل مناسب نہ سمجھی بلکہ صلح اور جنگ کے بین بین ایک صورت اختیار کی۔ بہرحال بلقیس نے ارکان دولت کے جواب سے سمجھ لیا کہ یہ لوگ جنگ پر آمادہ ہیں تو یہ رائے اس کو پسند نہ آئی اور بولی کہ فی الحال لڑنا مصلحت نہیں معلوم ہوتا اس لئے کہ تحقیق بادشاہوں کا طریقہ یہ ہے کہ بادشاہ لوگ جب کسی شہر میں بارادۂ جنگ داخل ہوتے ہیں تو اس شہر کو خراب اور برباد کر ڈالتے ہیں اور معززین کو ذلیل کرتے ہیں۔ بستی کو لوٹتے ہیں اور رعایا کو قید کرتے ہیں تاکہ ان کی حکومت قائم ہو اور اگر تم نے سلیمان علیہ السلام سے جنگ کی تو ممکن ہے کہ یہ بھی ایسا کریں اس لئے بے ضرورت لڑائی میں پڑنا مناسب نہیں معلوم ہوتا اور سردست مناسب یہ ہے کہ میں ان کی طرف ایک تحفہ اور ہدیہ بھیجتی ہوں پھر دیکھتی ہوں کہ قاصد کیا جواب لے کر آتے ہیں قاصدوں کی واپسی کے بعد دوبارہ غور کر لیا جائے گا میرے پاس ان سے زیادہ مال و دولت ہے مجھے اس کی حاجت نہیں کہ فوراً ان کی طاعت قبول کر لوں۔ ہدیہ بھیج کر سلیمان علیہ السلام کو آزماتی ہوں کہ وہ نبی ہے یا بادشاہ ہے اگر وہ بادشاہ ہے تو میرا ہدیہ قبول کر لے گا۔ اور جنگ کا ارادہ ملتوی کر دے گا اور اگر نبی ہے تو میرا ہدیہ قبول نہیں کرے گا اور جب تک ہم اس کا دین قبول نہ کر لیں وہ کبھی ہم سے راضی نہیں ہوگا چنانچہ ملکہ بلقیس نے بڑے بیش قیمت ہدیے اور تحفے بھیجے جن کی تفصیل کتب تفاسیر میں مذکور ہے جس کا اکثر حصہ اسرائیلیات سے ماخوذ ہے سب کا خلاصہ صرف اس قدر ہے کہ ملکہ بلقیس نے قسم قسم کے جواہرات اور موتی اور سونے اور چاندی کی اینٹیں بھیجیں جنہیں دیکھ کر آدمی حیران رہ جائے مگر سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کے ہدیہ اور تحفہ کی طرف کوئی توجہ نہیں فرمائی۔ وہ اللہ کے نبی تھے ان کی نظر میں تمام دنیا کا سونا اور چاندی اور جواہرات سب ہیچ تھے۔ چنانچہ ماتے ہیں۔ پھر جب وہ ایلچی حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس آیا اور ملکہ کی طرف سے تحفے اور ہدیے پیش کئے تو آپ نے اس طرف کچھ توجہ نہیں کی بلکہ اس حرکت پر ناخوشی اور ناگواری کا اظہار کیا اور فرمایا کیا تم لوگ مجھے اس دنیائے فانی کے مال سے مدد دینا چاہتے ہو سو جو کچھ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو عطا کیا ہے کہ جن وانس اور چرند اور پرند کو میرے لئے مسخر کیا ہے وہ اس سے بہت بڑھ کر ہے جو تم کو دیا ہے تمہارے پاس صرف تھوڑی سی دنیا ہے اور بحمد اللہ میرے پاس دین اور دنیا سب کچھ ہے بلکہ تم ہی اپنے اس ہدیہ پر خوش رہو۔ یہ ہدیہ تمہاری خوشی کے لائق ہے میری خوشی تو اس میں ہے کہ تم اسلام لے آؤ اور خدا کے سامنے گردن ڈال دو۔ بعد ازاں قاصدوں کے سردار کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا تو مع ان تحفوں اور ہدیوں کے اپنی ملکہ اور ارکان دولت کی طرف واپس لوٹ جا ہمیں اس کی کوئی پرواہ نہیں اور صاف فرما دیا کہ اب اگر وہ ایمان لے آویں تو فبہا۔ ورنہ ہم ان پر ضرور ایسے لشکروں کے ساتھ چڑھائی کریں گے جن کے مقابلہ کی ان میں طاقت نہیں اور ہم ان کو ملک سے ذلیل کر کے نکال دیں گے اور حکومت وسلطنت سے دستبردار ہونے کے بعد ذلیل وخوار ہوں گے مسلمانوں کی رعیت بن کر رہنا ہوگا۔ جب قاصد واپس ہوئے اور سبا پہنچ کر ملکہ کو بتلایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے تمام ہدیے اور تحفے واپس کر دیئے ہیں اور ان کا پیغام پہنچایا کہ یا تو اسلام لے آؤ ورنہ فوج کشی کے لئے تیار ہو جاؤ تو ملکہ اور تمام ارکان دولت کو یقین ہو گیا کہ یہ شخص کوئی بادشاہ نہیں بلکہ خدا کا کوئی برگزیدہ بندہ ہے خدا کی طاقت اور قوت سے بول رہا ہے اس کے مقابلہ میں کسی قوت اور طاقت کا زور نہیں چل سکتا سلامتی اس کی اطاعت اور فرمانبرداری میں ہے۔ چنانچہ ملکہ بڑے ساز وسامان کے ساتھ حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں اطاعت کے ارادہ سے حاضری کے لئے روانہ ہو گئی۔ سلیمان علیہ السلام کو بذریعۂ وحی کے یا کسی اور ذریعہ سے یہ

معلوم ہو گیا کہ ملکہ بلقیس ملک سبا سے اسلام میں داخل ہونے کے ارادہ سے روانہ ہو گئی تو یہ چاہا کہ بلقیس کا تخت جس کو وہ سات قفلوں میں مقفل کر کے آرہی ہے اس کے یہاں پہنچنے سے پہلے میرے سامنے حاضر کر دیا جائے تا کہ ملکہ یہاں آ کر اپنے تخت کو دیکھے تو سمجھ لے کہ یہ شخص دنیاوی بادشاہوں کی طرح محض بادشاہ نہیں بلکہ قدرت خداوندی اس کی پشت پناہ ہے اور یہ شخص خداوند قدیر کا برگزیدہ اور فرستادہ ہے جس کے ہاتھ پر ایسے عجائب قدرت کا ظہور ہو رہا ہے چنانچہ سلیمان علیہ السلام نے اہل دربار سے فرمایا اے اہل دربان کون شخص تم میں سے ایسا ہے کہ بلقیس کا تخت میرے سامنے لا کر حاضر کر دے قبل اس کے کہ وہ لوگ مسلمان ہو کر میرے پاس آویں وہ عرش یمن میں تھا اور سلیمان علیہ السلام اس وقت بیت المقدس میں تھے۔ مقصود یہ تھا کہ بلقیس پر حق تعالیٰ کی کمال قدرت کا اور سلیمان علیہ السلام کی نبوت کا معجزہ ظاہر ہو جائے اور اس غیبی کرشمہ کو دیکھ کر ملکہ یہ سمجھ جائے کہ بارگاہ نبوت کے سامنے بڑی سے بڑی سلطنت اور بڑی سے بڑی شان و شوکت ہیچ ہے اور دنیا سے اس کا دل بیزار ہو جائے اور تخت اور سلطنت سے اس کا دل خالی ہو جائے اس لئے تخت مذکور کے منگوانے کا ارادہ فرمایا۔ جنوں میں ایک دیو نے کہا کہ میں اس تخت کو آپ کے پاس لا موجود کروں گا قبل اس کے کہ آپ اپنی اس جگہ سے اٹھیں اور بے شک میں اس پر قادر ہوں اور امانت دار ہوں یعنی میں اس تخت کو آپ کے دربار برخاست کرنے سے پہلے لے آؤں گا اور جو جواہرات اس میں لگے ہوئے ہیں ان میں خیانت نہیں کروں گا۔ سلیمان علیہ السلام نے فرمایا میں اس سے بھی زیادہ جلدی چاہتا ہوں تو بولا وہ شخص جس کے پاس آسمانی کتاب کا علم تھا اور اسم اعظم جانتا تھا کہ مجھ میں اتنی طاقت ہے کہ میں اس تخت کو آپ کے پاس لا کر رکھ دوں قبل اس کے کہ آپ کی نگاہ آپ کی طرف واپس آئے یعنی آپ نظر اٹھا کر جہاں تک دیکھ سکتے ہیں دیکھئے اور آپ کی نظر اپنی جگہ واپس آنے سے پہلے ہی میں اس تخت کو آپ کے سامنے حاضر کر دوں گا اللہ نے مجھے اتنی قوت اور قدرت دی ہے کہ میں اس کو اس قدر جلد لا سکتا ہوں اور امین ہوں اللہ نے مجھ کو امانت کی صفت بھی عطا کی ہے میں اس تخت کے لعل و جواہر میں کسی قسم کی خیانت نہ کروں گا یہ شخص اولیاء اللہ میں سے تھا اللہ ہی کو معلوم ہے کہ وہ کون سی کتاب تھی اور کون سا علم تھا اس کی تحقیق ناممکن اور محال ہے اور نہ اس کی ضرورت ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ اس شخص کا نام آصف بن برخیا تھا جو سلیمان علیہ السلام کا صحابی اور ان کا وزیر تھا۔ جو کتب الٰہیہ کا عالم تھا اور اسماء الٰہیہ کے خواص اور تاثیرات سے واقف تھا۔ دیکھو تفسیر ابن کثیر: ۳/ ۳۶۴ و روح المعانی: ۱۹/ ۱۸۳۔

سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اچھا۔ اس نے عرض کیا کہ آپ اللہ کے نبی ہیں اور نبی کے بیٹے ہیں آپ اللہ سے دعا فرمایئے آپ اگر اللہ سے دعا کریں گے تو حاضر ہو جائے گا حضرت سلیمان علیہ السلام نے دعا کی تو فوراً تخت حاضر ہو گیا۔ دیکھو زاد المسیر: ۶/ ۱۷۵۔

پس سلیمان علیہ السلام نے جب اس تخت کو طرفۃ العین میں اپنے سامنے رکھا ہوا دیکھا تو کہا کہ یہ سب میرے پروردگار کا فضل اور احسان ہے کہ اس طرح طرفۃ العین میں میرے ایک خادم کے ذریعہ تخت میرے سامنے لا کر رکھ دیا گیا یہ محض اس کا فضل ہے جس میں اسباب ظاہری کو بالکل دخل نہیں تخت کا اس طرح یکدم حاضر ہو جانا سلیمان علیہ السلام کا معجزہ تھا اور ان کے ایک صحابی کی کرامت تھی اور یہ امر کوئی محال نہیں بلقیس کا تخت بے شک ایک بڑا جسم تھا مگر کرۂ آفتاب سے تو بڑا نہ تھا پس جو خدا کرۂ

شمس کو ایک لمحہ میں ہزاروں میل کی حرکت دے سکتا ہے تو اسے ایک تخت کو حرکت دینا کیا مشکل ہے کیونکہ تخت کو آفتاب سے وہ نسبت بھی نہیں جو ذرہ کو آفتاب سے ہے الغرض سلیمان علیہ السلام نے اس تخت کو سامنے رکھا ہوا دیکھ کر کہا کہ یہ محض اللہ کا فضل ہے۔

تاکہ میرا امتحان کرے کہ میں اس کی نعمت کا شکر کرتا ہوں یا ناشکری۔ اور جو شخص شکر کرے وہ اپنے فائدہ کے لئے کرے گا کیونکہ شکر سے نعمت زیادہ ہوتی ہے اور عاقبت میں اس کا صلہ بہشت ہے اور جو ناشکری کرے تو وہ میرے پروردگار کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا کیونکہ میرا پروردگار بے نیاز اور بے پرواہ ہے اسے کسی کے شکر کی حاجت نہیں اور وہ بڑا کرم کرنے والا ہے بلا کسی استحقاق کے کرم کرتا ہے۔

تخت کا اس طرح طرفۃ العین میں حاضر ہو جانا سلیمان علیہ السلام کا معجزہ تھا اور ان کے صحابی کی کرامت تھی کیونکہ صحابی کو یہ مرتبہ اپنے نبی کی متابعت سے ملا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ خود سلیمان علیہ السلام اس تخت کو لے آتے لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ کام ان کے خادم کے ہاتھ سے کرایا تاکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے مزید اعزاز و اکرام کا سبب بنے کہ یہ شخص اللہ کا اس درجہ مقبول بندہ ہے کہ اس کے خادم ایسے ہیں جن سے ایسی کرامتیں ظہور میں آرہی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اس طرح تخت کا سامنے لا کر رکھ دیا جانا اللہ کی عظیم نعمت تھی سلیمان علیہ السلام اسی وقت نعمت سے منعم کی طرف متوجہ ہو گئے اور اس کے شکر میں مشغول ہو گئے۔ اور یہ بتلا گئے کہ منعم حقیقی کو ہمارے شکر کی حاجت نہیں وہ تو غنی کریم ہے ہم جو شکر کر رہے ہیں وہ اپنے فائدہ کے لئے کر رہے ہیں اور جو نعمت مل رہی ہے وہ محض اس کا کرم ہے خدا پر کسی کا کوئی حق نہیں۔

فائدہ:...... اور طرفۃ العین میں اس طرح تخت کا حاضر ہو جانا عقلاً محال نہیں اور موجودہ سائنس کی تحقیق پر اجسام کی تیز رفتاری کی کوئی حد مقرر نہیں ابھی تک تو بندہ کی قدرت کا بھی صحیح اندازہ نہیں ہو سکا کہ کہاں تک پہنچے گی تو خدائے قادر مطلق کی قدرت کی کون حد مقرر کر سکتا ہے۔

پس جب وہ تخت ملکہ بلقیس کے پہنچنے سے پہلے حضرت سلیمان علیہ السلام کے حضور میں پہنچ گیا تو فرمایا کہ تخت کی وضع اور ہیئت کو بلقیس کے امتحان کے لئے بدل ڈالو تاکہ دیکھیں کہ آیا وہ اپنے تخت کو پہچان لیتی ہے یا ان لوگوں میں سے ہے جو اس قسم کے تغیر و تبدل سے شناخت نہیں کر سکتے دیکھیں کہ اس کی عقل کی رسائی ہوتی ہے یا نہیں۔

نکتہ:...... عرش اور تخت، سلطنت اور بادشاہت کی صورت ہے حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس تخت کی ہیئت بدلنے کا حکم دیا۔ اشارہ اس طرف تھا کہ سابق سلطنت کی ہیئت اب بدل چکی ہے۔ کفر کی گزشتہ سلطنت ختم ہوئی اب حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف سے بلقیس کو یہ جدید سلطنت عطا کی جارہی ہے کہ جو اسلامی ہے اور سلیمان علیہ السلام کے زیر سایہ ہے نجاشی رحمہ اللہ شاہ حبشہ کے مسلمان ہو جانے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بادشاہت کو برقرار رکھا۔ اسی طرح سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کے مسلمان ہو جانے کی وجہ سے اس کی سلطنت اور بادشاہت کو برقرار رکھا۔

پس جب بلقیس آگئی اور سلیمان علیہ السلام کے حضور میں پہنچ گئی تو اس سے پوچھا گیا کہ کیا تیرا تخت ایسا ہی ہے جس کو تو اپنے محل میں چھوڑ کر اور جس پر قفل لگا کر آئی ہے اور جس پر پہرے لگا کر آئی ہے تو بلقیس نے بہت ہوشیاری سے جواب دیا اور بولی گویا کہ وہی ہے نہ یہ کہا بعینہ وہی ہے اور نہ یہ کہا کہ یہ وہ نہیں۔ گویا کی قید اس لئے لگائی کہ بہمہ وجوہ وہی نہ تھا کیونکہ اس کی

ہیئت بدلی ہوئی تھی اس سے اس کی عقل اور فراست ثابت ہوئی کہ اہل دربار میں سے کوئی اس کو جھٹلا نہ سکے اگر وہ یہ کہہ دیتی کہ ایسا ہی ہے یا ایسا نہیں ہے تو لوگوں کو اس کے جھٹلانے کا موقع مل جاتا اس لئے اس نے یہ جواب دیا کہ گویا یہ وہی تخت ہے اور بعد ازاں یہ کہا اور ہم کو اس معجزہ سے پہلے ہی آپ علیہ السلام کی نبوت اور حقانیت کا اور خدا کی قدرت کا کہ وہ جہاں چاہے کسی کے تخت کو منتقل کر دے علم ہو چکا تھا ہمیں اس معجزہ کی چنداں حاجت نہ تھی۔ ہم کو آپ کی نبوت کا اور خدا کی قدرت اور وحدانیت کا پہلے ہی یقین ہو گیا تھا اور ہم دل سے مسلمان ہو چکے تھے یہ بھی اس کے فہم اور فراست کی دلیل ہے کہ اس نے معجزہ دیکھنے سے پہلے سمجھ لیا کہ یہ برگزیدہ ہستی خدا کا نبی ہے اور حاضری سے پہلے اس کی تصدیق کی اور اسلام لے آئی اور اب تک تو جو ایمان لانے میں دیر ہوئی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ غیر اللہ کی عبادت نے اور جھوٹے معبودوں کی پرستش نے اور قومی تقلید نے اس کو ایمان لانے سے باز رکھا۔ بے شک اب سے پہلے کافروں کی قوم سے تھی۔ قوم کو دیکھا کفر اور شرک میں مبتلا تھی مگر عاقل تھی جب تنبیہ کی گئی تو متنبہ ہو گئی اس کے بعد سلیمان علیہ السلام نے چاہا کہ بلقیس پر شان نبوت اور شان معجزہ کرامت تو ظاہر ہو چکی ہے لہٰذا اب اس کو سلطنت کی بھی شان و شوکت دکھلانی چاہئے تا کہ اس پر یہ واضح ہو جائے کہ میری سلطنت اس کی سلطنت کے سامنے ہیچ ہے چنانچہ ایک شیش محل تیار کرایا اور اس کا فرش صاف اور شفاف شیشہ کا بنوایا اور اس کے نیچے پانی بھر کر اس میں مچھلیاں چھوڑ دیں۔ چنانچہ صحن میں پانی ہی پانی دکھائی دیتا تھا اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب پانی ہے۔ درمیان صحن کے سلیمان علیہ السلام کا تخت رکھا گیا اور بلقیس کو اندر بلایا گیا بلقیس جب دروازہ پر پہنچی تو کہا گیا کہ اس محل میں داخل ہو پھر جب بلقیس نے اس صحن کو دیکھا تو خیال کیا کہ یہ گہرا پانی ہے یعنی پانی کا حوض ہے اس لئے اس نے اندر گھسنے کے لئے اپنے پائنچے اوپر اٹھائے اور اپنی دونوں پنڈلیاں کھولیں سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ تحقیق یہ محل ہے جو سفید شیشوں سے جڑا ہوا ہے پانی نہیں اس سے اس کو اپنی عقل کا قصور معلوم ہوا۔ اور یہ پتہ چلا کہ جس شاہانہ ساز و سامان پر مجھ کو ناز تھا یہاں اس سے ہزار درجہ بڑھ کر موجود ہے اور عجب نہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس شیشہ کے فرش سے اس کو متنبہ کیا ہو کہ آفتاب اور ستاروں کی چمک کو دیکھ کر ان کو خدا سمجھ لینا ایسا ہی دھوکہ ہے جیسا کہ آدمی شیشہ کی چمک کو دیکھ کر پانی گمان کرے۔ ﴿كَسَرَابٍ بِقِيعَةٍ يَحْسَبُهُ الظَّمْآنُ مَاءً﴾۔ شیشہ پانی نہ تھا بلکہ پانی کا مظہر تھا۔ اسی طرح آفتاب اور ماہتاب نور الٰہی کا مظہر اور آئینہ ہیں۔ معاذ اللہ خدا نہیں اس پر بلقیس بولی کہ اے میرے پروردگار بے شک میں نے سورج کو پوج کر اپنی جان پر ظلم کیا کہ اس کی ظاہری چمک کر دیکھ کر اس کو معبود بنا لیا اور اب میں کفر اور شرک سے تائب ہو کر سلیمان علیہ السلام کے ساتھ مل کر اللہ رب العالمین کی مطیع اور فرمانبردار بن گئی تا کہ اللہ کے نبی کی معیت اور مرافقت سے مجھ کو دین اور دنیا کی اور مزید نعمتیں ملیں۔

غرض یہ کہ ملکہ سبا مسلمان ہو گئی اور مسلمان ہونے کے بعد واپس چلی ہو گئی۔ یہاں تک حضرت سلیمان علیہ السلام کا قصہ ہوا باقی ملکہ سبا کے اسلام لانے کے بعد کیا ہوا تو قرآن و حدیث میں اس کی کوئی تصریح نہیں البتہ علماء تفسیر و سیر میں یہ مشہور[1] ہے کہ ملکہ سبا کے اسلام لانے کے بعد سلیمان علیہ السلام نے اس سے نکاح فرما لیا۔ ملکہ سبا غیر شادی شدہ تھی۔ اور نکاح کے بعد اس کو اپنے ملک جانے کی اجازت دے دی اور گاہے گاہے خود وہاں تشریف لے جاتے واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

[1] والمشهور انه عليه السلام تزوجها واليه ذهب جماعة من اهل الاخبار۔ تفسير روح المعانی: ۱۹/۱۸۹۔

لطائف ومعارف

حق جل شانہ نے اس قصہ میں سلیمان علیہ السلام کے جن معجزات اور کرامات کا ذکر فرمایا اس قسم کے معجزات نبی اکرم ﷺ کو بھی حق تعالیٰ نے عطا فرمائے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو بھی منطق الطیر کا علم عطا فرمایا۔ جانوروں کا آپ ﷺ سے کلام کرنا اور اونٹ کا آپ ﷺ سے شکایت کرنا اور درختوں اور پتھروں کا آپ ﷺ سے کلام کرنا۔

اور آپ کو السلام علیک یا رسول اللہ کہنا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔

اور اس قسم کی کرامتوں کا نمونہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو بھی عطا ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عین خطبہ میں یا ساریۃ الجبل الجبل کہنا اور حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ کا میدان کارزار میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آواز سننا روایات معتبرہ سے ثابت ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک بار زلزلہ آیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زمین پر پاؤں مارا اور کہا کہ اے زمین میں تجھ پر عدل اور انصاف کئے ہوئے ہوں اور تو حرکت کر رہی ہے زمین فوراً ساکن ہوگئی اور دریائے نیل کے نام حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایک پرچہ لکھنے کا بھی واقعہ مشہور ہے۔ دریائے نیل خشک ہوگیا تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ پرچہ ڈالتے ہی جاری ہوگیا۔ وغیرہ وغیرہ۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ فَاِذَا هُمْ فَرِيْقٰنِ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۵﴾

اور ہم نے بھیجا تھا ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو کہ بندگی کرو اللہ کی پھر وہ تو دو فرقے ہو کر لگے جھگڑنے ف۱

اور ہم نے بھیجا تھا ثمود کی طرف ان کا بھائی صالح کہ بندگی کرو اللہ کی، پھر وہ تو دو جتھے ہو کر لگے جھگڑنے۔

قَالَ يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۚ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ

کہا اے میری قوم کیوں جلدی مانگتے ہو برائی کو پہلے بھلائی سے کیوں نہیں گناہ بخشواتے اللہ سے شاید تم پر

کہا اے قوم! کیوں شتاب مانگتے ہو برائی پہلے بھلائی سے؟ کیوں نہیں گناہ بخشواتے اللہ سے؟ شاید تم پر

تُرْحَمُوْنَ ﴿۴۶﴾ قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ ۚ قَالَ طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ

رحم ہو جائے ف۲ بولے ہم نے منحوس قدم دیکھا تجھ کو اور تیرے ساتھ والوں کو ف۳ کہا تمہاری بری قسمت اللہ کے پاس ہے ف۴ کچھ نہیں تم لوگ

رحم ہو۔ بولے، ہم نے بد قدم دیکھا تجھ کو اور تیرے ساتھ والوں کو۔ کہا، تمہاری بری قسمت اللہ کے پاس ہے، کوئی نہیں، تم لوگ

ف۱ یعنی ایک ایمان والے اور ایک منکر، جیسے مکہ کے لوگ پیغمبر کے آنے سے جھگڑنے لگے۔ قوم "ثمود" کے جھگڑنے کی قدرے تفصیل سورۂ "اعراف" کی ان آیات میں گزر چکی۔ ﴿قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ﴾

ف۲ حضرت صالح علیہ السلام نے ان کو بہت سمجھایا۔ ہر طرح فرمائش کی اور آخر میں عذاب کی دھمکی دی۔ جس پر وہ کہنے لگے ﴿يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ یعنی سچا ہے تو عذاب الٰہی ہم پر لے آ، دیر کس بات کی ہے۔ حضرت صالح نے فرمایا کہ کم بختو! ایمان و توبہ اور بھلائی کی راہ تو اختیار نہیں کرتے جو دنیا و آخرت میں کام آئے۔ الٹے برائی طلب کرنے میں جلدی مچا رہے ہو۔ برا وقت آ پڑے گا تو ساری طمطراق ختم ہو جائے گی۔ ابھی موقع ہے کہ گناہوں سے توبہ کر کے محفوظ ہو جاؤ۔ کیوں توبہ و استغفار نہیں کرتے جو حق تعالیٰ عذاب کی جگہ اپنی رحمتیں تم پر نازل فرمائے۔

ف۳ یعنی جب سے تیرا منحوس قدم آیا ہے اور یہ باتیں شروع کی ہیں ہم پر قحط وغیرہ کی سختیاں پڑ رہی جاتی ہیں اور گھر گھر میں لڑائی جھگڑے شروع ہو گئے۔ =

تُفْتَنُوْنَ﴿۴۷﴾ وَكَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ﴿۴۸﴾

جانچے جاتے ہو ف۱ اور تھے اس شہر میں نو شخص کہ خرابی کرتے ملک میں اور اصلاح نہ کرتے ف۲

جانچے جاتے ہو۔ اور تھے اس شہر میں نو شخص، خرابی کرتے ملک میں، اور سنوار نہ کرتے۔

قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ

بولے کہ آپس میں قسم کھاؤ اللہ کی کہ البتہ رات کو جا پڑیں ہم اس پر اور اس کے گھر پر پھر کہہ دیں گے اس کے دعویٰ کرنے والے کو ہم نے نہیں دیکھا جب تباہ ہوا

بولے آپس میں قسم کھاؤ اللہ کی، مقرر رات کو پڑیں ہم اس پر اور اس کے گھر پر، پھر کہہ دیں گے اس کا دعویٰ کرنے والے کو، ہم نے نہیں دیکھا جب تباہ ہوا

اَهْلِهٖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ﴿۴۹﴾ وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ﴿۵۰﴾ فَانْظُرْ

اس کا گھر اور ہم بیشک سچ کہتے ہیں ف۳ اور انہوں نے بنایا ایک فریب اور ہم نے ایک فریب اور ان کو خبر نہ ہوئی ف۴ پھر دیکھ لے

اس کا گھر، اور ہم بے شک سچ کہتے ہیں۔ اور انہوں نے بنایا ایک فریب اور ہم نے بنایا ایک فریب، اور ان کو خبر نہیں۔ پھر دیکھ!

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ ۙ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ﴿۵۱﴾ فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ

کیسا ہوا انجام ان کے فریب کا کہ ہلاک کر ڈالا ہم نے ان کو اور ان کی قوم کو سب کو ف۵ سو یہ پڑے ہیں ان کے گھر

کیسا ہوا آخر ان کے فریب کا؟ کہ اکھاڑ مارا ہم نے ان کو اور ان کی قوم کو ساری۔ سو یہ پڑے ہیں ان کے گھر

خَاوِيَةًۢ بِمَا ظَلَمُوْا ۗ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ﴿۵۲﴾ وَاَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا

ڈھئے ہوئے سبب ان کے انکار کے ف۶ البتہ اس میں نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو جانتے ہیں ف۷ اور بچا دیا ہم نے ان کو جو یقین لائے تھے اور

ڈھے ہوئے ان کے انکار سے۔ البتہ اس میں نشانی ہے ایک لوگوں کو جو جانتے ہیں۔ اور بچا دیا ہم نے ان کو جو یقین لائے تھے، اور

ف۱۴ یعنی یہ سختیاں یا برائیاں میری وجہ سے نہیں۔ تمہاری بدقسمتی سے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے تمہاری شرارتوں اور بداعمالیوں کے سبب سے مقدر کی ہیں۔

ف۱ یعنی کفر کی شامت سے تم پر سختی پڑی ہے کہ دیکھیں سمجھتے ہو یا نہیں۔

ف۲ یہ نو شخص شاید نو جماعتوں کے سردار ہوں گے جن کا کام ملک میں فساد پھیلانے اور خرابی ڈالنے کے سوا کچھ نہ تھا۔ اصلاح و درستی کی طرف ان کا قدم کبھی نہ اٹھتا تھا۔ مکہ میں بھی کافروں کے نو سردار تھے جو ہمہ وقت اسلام کی بیخ کنی اور پیغمبر کی دشمنی میں ساعی رہتے تھے۔ بعض مفسرین نے ان کے نام لکھے ہیں۔

ف۳ یعنی آپس میں معاہدے اور حلف ہوئے کہ سب مل کر رات کو حضرت صالح کے گھر پر ٹوٹ پڑو اور کسی کو زندہ نہ چھوڑو۔ پھر جب کوئی ان کے خون کا دعویٰ کرنے والا ہو تو کہہ دینا ہمیں خبر نہیں۔ ہم سچ کہتے ہیں کہ اس کے گھر کی تباہی ہماری آنکھوں نے نہیں دیکھی۔ گویا ہم خود تو ایسی حرکت کیا کرتے اس وقت موقع پر موجود بھی نہ تھے۔ اس طرح کی متفقہ سازش اور دروغ گوئی سے ہم میں ایک بھی ملزم نہ ٹھہر سکے گا جس سے ان کے حمایتی خون بہا وصول کریں۔

ف۴ ان کا مکر تو وہ جھوٹی سازش تھی اور خدا کا مکر تھا ان کو ڈھیل دینا کہ خوب دل کھول کر اپنی شرارتوں کی تکمیل کر لیں تاکہ مستحق عذاب عظیم ہونے میں کوئی حجت و عذر باقی نہ رہے۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ ہم حضرت صالح کا قصہ ختم کر رہے ہیں، یہ خبر نہ تھی کہ اندر اندر ان ہی کی جڑ کٹ رہی ہے اور ان ہی کا قصہ ختم ہو رہا ہے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ "ان کی ہلاکت کے اسباب پورے ہونے تھے، شرارت جب تک حد کو نہ پہنچے ہلاکت نہیں آتی۔"

ف۵ ان نو اشخاص نے اول اتفاق کر کے اونٹنی کو ہلاک کیا۔ حضرت صالح نے فرمایا کہ اب تین دن سے زیادہ مہلت نہیں عذاب آ کر رہے گا۔ تب آپس میں ٹھہرایا کہ ہم تو خیر تین دن کے بعد ہلاک کیے جائیں گے ان کا تین دن سے پہلے ہی کام تمام کر دو۔ چنانچہ شب کے وقت حضرت صالح کے گھر پر چھاپہ مارنے اور ان کو مع اہل و عیال کے قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ یہ نو آدمی اس ناپاک مقصد کے لیے تیار ہو کر نکلے باقی کفار ان کے تابع یا معین تھے۔ حق تعالیٰ نے حضرت =

يَتَّقُوْنَ ﴿۵۳﴾

بچتے رہے تھے ف۱

بچتے رہے تھے۔

قصۂ چہارم حضرت صالح علیہ السلام با قوم او

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا... الی... وَاَنْجَیْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ﴾

ربط:...... حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد حضرت صالح علیہ السلام کا قصہ ذکر کرتے ہیں۔ اشارہ اس طرف ہے کہ ملکہ بلقیس باوجود ایک عورت تھی مگر اس کو ایک چھوٹے جانور یعنی ہدہد سے ہدایت ہوگئی اور قوم ثمود کو باوجود مرد ہونے کے ناقہ جیسے بڑے حیوان سے ہدایت نہ ہوئی کہ چند مفسدوں نے حضرت صالح علیہ السلام پر شبخون مارا اور سب کے سب ہلاک ہوگئے اس قصہ کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے اب آئندہ آیات میں لوگوں کی عبرت اور نصیحت کے لئے صالح علیہ السلام کا قصہ بیان کرتے ہیں اور ہم نے قوم ثمود کی طرف ان کے برادری کے بھائی صالح علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر اور یہ پیغام دے کر بھیجا کہ تم لوگ صرف ایک اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ سو چاہئے تو یہ تھا کہ سب کے سب ایمان لے آتے مگر خلاف توقع اچانک ان میں دو فریق ہوگئے جو دین کے بارہ جھگڑنے لگے ایک فریق کہتا تھا کہ صالح علیہ السلام اللہ کے رسول ہیں ان پر ایمان لے آنا چاہئے اور دوسرا فریق یہ کہتا تھا کہ یہ شخص جھوٹا ہے بہر حال ایک فریق ایمان لے آیا اور دوسرے فریق نے تکذیب کی۔ صالح علیہ السلام نے منکرین اور مکذبین کو عذاب الٰہی سے ڈرایا۔ سرکشوں نے کہا کہ وہ عذاب کہاں ہے جس سے تم ہم کو ڈراتے ہو جیسا کہ سورۂ اعراف میں گزرا۔ ﴿قَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ صالح علیہ السلام نے فریق مکذب سے کہا اے میری قوم بھلائی سے پہلے عذاب کے مانگنے میں کیوں جلدی کرتے ہو عقل کا تقاضہ یہ ہے کہ تم اللہ سے رحمت مانگو۔ بلا اور عذاب کیوں مانگتے ہو۔ استعجال عذاب کی بجائے استعجال رحمت کیوں نہیں کرتے تم لوگ اپنے کفر سے بارگاہ خداوندی میں توبہ اور استغفار کیوں نہیں کرتے تاکہ تم پر رحم کیا جائے اور تمہاری توبہ قبول ہو اور تم پر عذاب نازل نہ ہو۔ صالح علیہ السلام ان کو نصیحت کرتے جاتے تھے مگر وہ گمراہی میں بڑھتے جاتے تھے یہاں تک کہ وہ بولے کہ اے صالح ہم نے تجھ کو اور تیرے ساتھیوں کو منحوس پایا جب سے یہ مذہب نکلا ہے اس وقت سے قوم میں تفرقہ پڑ گیا اور قوم میں نااتفاقی ہوگئی جس کا اصل سبب تم ہو۔ تمہاری وجہ سے قوم میں پھوٹ پڑ گئی یا یہ

= صالح کی حفاظت فرمائی۔ فرشتوں کا پہرہ لگا دیا، آخر وہ تو عذاب سماوی سے تباہ ہوئے اور اپنے ساتھ قوم کو بھی تباہ کرایا۔

ف۶ مکہ والے شام کا سفر کرتے تو راستہ پر "وادی القریٰ" میں ثمود کی بستیوں کے کھنڈر دیکھتے تھے۔ ﴿فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةًۢ بِمَا ظَلَمُوْا﴾ میں ان ہی کی طرف اشارہ ہے۔

ف۷ یعنی جاننے والوں کو چاہیے کہ ان واقعات ہائلہ سے عبرت حاصل کریں۔

ف۱ یعنی حضرت صالح کے رفقاء جو ایمان لائے اور کفر و عصیان سے بچتے تھے۔ ہم نے ان کو عذاب کی لپیٹ سے بچا دیا۔ خدا کی قدرت ہے جو چن چن کر کافروں کو ہلاک کرتا ہے مومن کو نہیں چھوتا۔

معنی ہیں کہ تمہاری نحوست سے ہم قحط میں مبتلا ہو گئے۔ صالح علیہ السلام نے کہا تمہاری نحوست کا اصل سبب تو اللہ ہی کے علم میں ہے میں تو اللہ کی طرف سے حق اور ہدایت لے کر آیا ہوں اور ظاہر ہے کہ حق اور ہدایت تو سراسر موجب خیر و برکت ہے۔ البتہ حق اور ہدایت سے انحراف اور حق کی تکذیب اور اس کی مخالفت نحوست کا سبب ہے لہٰذا نحوست کا الزام مجھ پر اور اہل ایمان پر غلط ہے۔ نا اتفاقی وہ مذموم ہے کہ جو حق اور ہدایت کی مخالفت سے پیدا ہو۔ تمہاری ساری نحوست اور قحط کی مصیبت تمہارے اعمال کفریہ و شرکیہ کی وجہ سے ہے جو ایمان اور توبہ اور استغفار سے دور ہو سکتی ہے۔ ایمان اور ہدایت نحوست کا سبب نہیں بلکہ تم لوگ آزمائش میں ڈال دیئے گئے ہو کہ دیکھیں کہ تم توحید کو اختیار کرتے ہو یا شرک کو۔ بے شک مصائب تقدیر الٰہی کے موافق جاری ہوتے ہیں لیکن ان سے مقصود بندوں کی آزمائش اور امتحان ہوتا ہے۔ اور اس شہر میں کافر اور منکر تو بہت تھے لیکن کافروں کے سرغنہ اور سردار نو شخص تھے جو ملک میں فساد ڈالتے تھے اور ذرا بھی اصلاح نہیں کرتے تھے۔ اگر فساد کے ساتھ کچھ اصلاح بھی ملی ہوئی ہو تو کچھ امید کی جا سکتی ہے مگر یہ لوگ تو خالص مفسد تھے آپس میں کہنے لگے تم سب اللہ کی قسم کھا کر عہد کرو کہ ہم ضرور بالضرور رات میں صالح پر اور اس کے متعلقین اور متوسلین پر چھاپہ ماریں گے اور سب کو قتل کر ڈالیں گے پھر جب مقتول کا ولی اور وارث ہم سے خون کا مطالبہ کرے گا تو ہم اس سے یہ کہہ دیں گے کہ ہم وہاں موجود ہی نہ تھے اور قسم کھا کر یہ کہہ دیں گے کہ ہم بالکل سچے ہیں اور ان مفسدوں نے اس طرح سے ایک مکر کیا یعنی صالح علیہ السلام کے قتل کرنے کی ایک خفیہ سازش کی اور ہم نے بھی ان کے مقابلہ میں ایک تدبیر کی اور وہ ایسی خفیہ تھی کہ وہ بالکل اس سے آگاہی نہیں رکھتے تھے۔ "مکر" کے معنی لغت میں تدبیر خفی کے ہیں انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کے قتل کی تدبیر کی اور ہم نے اس کے برعکس ان کے ہلاک کرنے کی تدبیر کی۔ پس دیکھ لو کہ ان کے مکر اور تدبیر کا کیا انجام نکلا اور ان کی توقع کے بالکل خلاف نتیجہ نکلا کہ ہم نے ان کو اور تمام قوم کو ہلاک اور برباد کر دیا۔ یہ نو آدمی جو صالح علیہ السلام کی گھات میں بیٹھے تھے ان پر تو پہاڑ سے ایک پتھر آ کر گرا جس سے وہ سب ہلاک ہو گئے اور باقی قوم آسمانی عذاب سے یعنی فرشتہ کی چنگھاڑ سے ہلاک ہوئی۔

کما قال تعالیٰ ﴿فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ﴾ ﴿وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ﴾ پس دیکھ لو کہ یہ ان کے گھر ہیں جو ان کے کفر اور شرک کی نحوست کی وجہ سے خالی پڑے ہیں۔ بے شک اس واقعہ میں ان لوگوں کے لئے بڑی عبرت ہے جو ہماری قدرت کو کچھ جانتے ہیں اور ہم نے ان لوگوں کو بچا لیا جو صالح علیہ السلام پر ایمان لائے اور اللہ سے ڈرتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ چار ہزار تھے۔

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ﴿۵۴﴾ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ

اور لوط کو جب کہا اس نے اپنی قوم کو کیا تم کرتے ہو بے حیائی اور تم دیکھتے ہو ف۱ کیا تم دوڑتے ہو مردوں پر

اور لوط کو جب کہا اپنی قوم کو، کیا تم کرتے ہو بے حیائی ؟ اور تم دیکھتے ہو۔ کیا تم دوڑتے ہو مردوں پر

ف۱ یعنی دیکھتے ہو کیسا برا اور گندہ کام ہے۔

شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۵۵﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ

للچا کر عورتوں کو چھوڑ کر کوئی نہیں تم لوگ بے سمجھ ہو ف۱ پھر اور کچھ جواب نہ تھا اس کی قوم کا مگر یہی کہ

للچا کر، عورتیں چھوڑ کر۔ کوئی نہیں ! تم لوگ بے سمجھ ہو۔ پھر اور جواب نہ تھا اس کی قوم کا، مگر یہی کہ

قَالُوْٓا اَخْرِجُوْٓا اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا

کہنے لگے نکال دو لوط کے گھر کو اپنے شہر سے یہ لوگ ہیں ستھرے رہا چاہتے ف۲ پھر بچا دیا ہم نے اس کو اور اس کے گھر والوں کو ف۳ مگر اس کی عورت،

بولے، نکالو لوط کے گھر والوں کو اپنے شہر سے، یہ لوگ ہیں ستھرے رہا چاہتے۔ پھر بچا دیا ہم نے اس کو اور اس کے گھر کو، مگر اس کی عورت،

امْرَاَتَهٗ ۡ قَدَّرْنٰهَا مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۵۷﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۵۸﴾ ع

مقرر کر دیا تھا ہم نے اس کو، رہ جانے والوں میں ف۴ اور برسا دیا ہم نے ان پر برساؤ پھر کیا برا برساؤ تھا ان ڈرائے ہوؤں کا ف۵

ٹھہرا دیا تھا ہم نے اس کو رہ جانے والوں میں۔ اور برسایا ہم نے ان پر برساؤ۔ پھر کیا برا برساؤ تھا ان ڈرائے ہوؤں کا۔

قصہ پنجم: حضرت لوط علیہ السلام با قوم او

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ ... الی ... فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ﴾

ربط: ...... حضرت صالح علیہ السلام کے قصہ کے بعد حضرت لوط علیہ السلام کا قصہ ذکر کرتے ہیں کہ ان کی قوم بھی اپنے ارادہ میں کامیاب نہ ہوئی اور ناگہانی عذاب ان پر نازل ہوا جس سے سب ہلاک ہو گئے۔ لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کو عذاب الٰہی سے ڈرایا۔ جب باز نہ آئے تو ہلاک کر دیئے گئے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی آپ ﷺ لوگوں کے سامنے لوط علیہ السلام کا واقعہ ذکر کیجئے جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ کیا تم بے حیائی کے کام کرتے ہو حالانکہ تم اس بے حیائی کے کام کے وقت ایک دوسرے کو دیکھتے جاتے ہو۔ یہ بے حیائی کی حد ہے کہ کھلم کھلا ایک دوسرے کے سامنے اغلام اور لواطت کرتے ہو اور ذرا شرماتے نہیں۔ کیا تم از راہ شہوت عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے شہوت رانی کرتے ہو۔ جو سراسر عقل اور فطرت کے خلاف ہے جس کی قباحت اور خباثت میں کوئی شبہ نہیں۔ بلکہ تم جاہل قوم ہو۔ تم کو لذت کی حقیقت بھی معلوم نہیں۔ عورت سے جماع کرتے وقت رحم منی کو

ف۱ یعنی تم سمجھتے نہیں کہ اس بے حیائی کا انجام کیا ہونے والا ہے، پرلے درجہ کے جاہل اور احمق ہو۔

ف۲ یعنی اپنے کو بڑا پاک وصاف بنانا چاہتے ہیں۔ پھر ہم ناپاکوں میں ان کا کیا کام۔

ف۳ یعنی انہیں تباہ کر کے انھیں بچالیا۔

ف۴ یعنی حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی جو ان بدمعاشوں کی اعانت کرتی تھی وہ بھی ہلاک ہونے والوں کے ساتھ ڈھیر ہو گئی۔

ف۵ یعنی آسمان سے پتھر برسائے اور شہر کا تختہ الٹ دیا۔ حضرت شاہ صاحب مذکورہ بالا تین قصوں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضرت سلیمان کے قصہ میں فرمایا" ہم لائیں گے لشکر جس کا سامنا نہ کر سکیں گے، وہ ہی بات ہوئی رسول میں اور مکہ والوں میں۔ اور حضرت صالح پر نو شخص متفق ہوئے کہ رات کو جا پڑیں۔ اللہ نے ان کو بچایا اور ان کو غارت کیا۔ مکہ کے لوگ بھی یہ ہی چاہ چکے، لیکن نہ بن پڑا، جس رات حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی، کتنے کافر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گھر گھیرے بیٹھے تھے کہ صبح کو اندھیرے میں نکلیں تو سب مل کر ماریں (کسی ایک کو خون بہانہ دینا پڑے) حضرت صلی اللہ علیہ وسلم صاف بچ کر نکل گئے۔ ان کو نہ سوجھا۔ اور قوم لوط نے چاہا کہ پیغمبر کو شہر سے نکال دیں، یہ ہی مکہ والے بھی چاہ چکے۔ اللہ نے آپ سے نکلنا بتایا کہ خود اپنے اختیار سے شہر چھوڑ کر نکل جاؤ۔ اور اسی میں کام نکلا۔"

جذب کرتا ہے جو باعث لذت ہوتا ہے لواطت میں یہ انجذابی کیفیت نہیں ہوتی بلکہ محل نجاست ہونے کی وجہ سے موجب نفرت وکراہت ہے۔ پس کچھ نہیں تھا ان کی قوم کا جواب سوائے اس قول کے کہ نکال دو لوط کے کنبہ کو اس بستی سے یہ لوگ بہت پاک بنتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ محل نجاست میں قضاء حاجت کرنا طہارت اور نظافت کے خلاف ہے اور اپنے آپ کو پاکیزہ جانتے ہیں اور ہم کو ناپاک سمجھتے ہیں۔ پس ہم نے بھی اس بستی کی تطہیر کا ارادہ کر لیا کہ لوط کو اور ان کے متعلقین کو اس بستی سے نکال لیا سوائے ان کی بیوی کے کہ جس کے لئے ہم نے مقدر کر دیا تھا کہ وہ ان باقی رہنے والوں میں سے ہے جو عذاب میں مبتلا ہوئے اور ہم نے اس قوم پر ایک خاص قسم کی بارش برسائی یعنی ان پر پتھر برسائے پس بہت بری بارش ہوئی ان لوگوں پر جن کو نزول عذاب سے ڈرایا گیا۔ مگر انہوں نے اپنی جہالت اور بے عقلی کی وجہ سے نبی کے ڈرانے کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اس بستی کو ان کے ناپاک وجود سے پاک کر دیا۔

شروع سورت سے لے کر یہاں تک نبوت ورسالت اور دلائل نبوت اور براہین رسالت یعنی معجزات بحث تھی۔

اب آگے الوہیت اور وحدانیت کی بحث ہے جس میں نہایت اختصار کے ساتھ دلائل توحید کو بیان کیا گیا ہے۔

قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ؕ آٰللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۹﴾

تو کہہ تعریف ہے اللہ کو اور سلام ہے اس کے بندوں پر جن کو اس نے پسند کیا ف۱ بھلا اللہ بہتر ہے یا جن کو وہ شریک کرتے ہیں۔ ف۲

تو کہہ، تعریف ہے اللہ کو، اور سلام ہے اس کے بندوں پر جن کو اس نے پسند کیا۔ بھلا اللہ بہتر یا جن کو وہ شریک کرتے ہیں۔

خاتمہ قصص بر حمد وشکر بر ہلاکت اعداء انام وسلام بر برگزیدگان خداوند انام

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ؕ آٰللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾

یہاں تک اللہ تعالیٰ نے انبیاء ومرسلین کے دشمنوں کی ہلاکت اور بربادی کے چند واقعات ذکر کئے اب یہ حکم دیتے ہیں کہ اے مسلمانو! تم خدا کا شکر کرو کہ کفار اور مشرکین ہلاک اور برباد ہوئے خدا کے نافرمانوں کی ہلاکت اور بربادی اور اہل حق کی فتح ونصرت حق جل شانہ کی ایک عظیم نعمت ہے جس کا شکر واجب ہے اور سلام بھیجو خدا کے ان برگزیدہ بندوں پر جن کو اللہ نے عزت دی اور دشمنوں کے مقابلہ میں ان کو کامیاب فرمایا یہ لوگ اس قابل ہیں کہ ان پر سلام بھیجا جائے اور چونکہ یہ لوگ کفر اور شرک کی بنا پر ہلاک ہوئے اس لئے آئندہ آیات میں انواع واقسام کے دلائل توحید بیان کرتے ہیں۔ دیکھو صاوی: ۳/۲۰۱۔

ف۱ قصص سے فارغ ہو کر آگے "آٰللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ" سے توحید کا بیان فرمانا ہے۔ یہ الفاظ بطور خطبہ کے تعلیم فرمائے جو بیان شروع کرنے سے قبل ہونا چاہیے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ "اللہ کی تعریف اور پیغمبر پر سلام بھیج کر اگلی بات شروع کرنی لوگوں کو سکھلا دی۔" (موضح) اور بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے جو کمالات واحسانات اوپر بضمن قصص مذکور ہوئے ہیں ان پر پیغمبر کو حکم ہوا کہ اللہ کی حمد وثنا کریں اور شکر بجا لائیں اور اس کے مقبول بندوں پر جن میں سے بعضوں کا اوپر نام لیا گیا ہے۔ سلام بھیجیں۔

ف۲ یہاں سے توحید کا وعظ شروع کیا گیا ہے یعنی قصص مذکورہ بالا سن کر اور دلائل تکوینیہ وتنزیلیہ میں غور کر کے تم ہی بتلاؤ کہ ایک خدائے وحدہ لا شریک لہ کا ماننا بہتر اور نافع اور معقول ہے یا اس کی خدائی میں اس کی عاجز ترین مخلوق کو شریک ٹھہرانا۔ یہ مسئلہ اب کچھ ایسا مشکل تو نہیں رہا جس کا فیصلہ کرنے میں کچھ دقت ہو یا دیر لگے۔ تاہم مزید تذکیر وتنبیہ کی غرض سے آگے اللہ تعالیٰ کی بعض شئون وصفات بیان کی جاتی ہیں جو توحید پر دال ہیں۔

اس سورت کے نصف اول میں انبیاء کرام علیہم السلام کے قصے ذکر فرمائے اب اس کے بعد نصف دوم میں دعوت وتبلیغ کا طریقہ اور دلائل توحید اور مبداء اور معاد کو بیان کرتے ہیں۔

چنانچہ فرماتے ہیں اے نبی جب یہ واقعات آپ نے بیان کر دیئے اور ان کو سنا دیئے تو کہئے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جس نے اپنی قدرت سے کافروں کا قصہ تمام کیا اور اللہ کے ان بندوں پر سلام ہو جن کو اس نے منتخب کیا یعنی انبیا کرام پر اور ان کے اصحاب پر جن کی بدولت یہ گندگی اور نجاست دور ہوئی۔ ان واقعات میں غور کر کے بتلاؤ کہ کیا وہ خدا بہتر ہے جس کی قدرت کا یہ حال ہے یا وہ چیزیں بہتر ہیں جن کو تم الوہیت میں خدا کا شریک ٹھہراتے ہو یعنی ظاہر ہے کہ قادر مطلق بلاشبہ عاجز مطلق سے بہتر ہے پس اس عقلی دلیل سے بھی یہی ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی مستحق عبادت ہے اب آئندہ آیات میں چند کمالات قدرت کی تفصیل بیان کرتے ہیں کہ مشرکین ان میں غور کر کے بتلائیں کہ اللہ بہتر ہے یا یہ بت بہتر ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سورت میں قوم ثمود اور قوم لوط کے ہلاکت کا ذکر کر کے ارشاد فرماتے ہیں۔ اے پیغمبر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیجئے کہ اللہ دونوں جہان کی سلامتی ان لوگوں کو دیتا ہے کہ جو اس کی بارگاہ میں برگزیدہ اور پسندیدہ ہیں اور اس اصطفا اور برگزیدگی کے مدارج اور مراتب ہیں۔ مرتبہ اعلیٰ انبیاء ومرسلین کی برگزیدگی کا ہے بعد ازاں ان مسلمانوں کی برگزیدگی کا ہے جنہوں نے انبیاء ومرسلین کی مدد اور نصرت کر کے اعلاء کلمۃ اللہ کیا اور بالخصوص جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد اور نصرت کی اور اس کا اولین مصداق مہاجرین اولین ہیں پھر انصار کرام اور مہاجرین اولین کے مقابلہ میں وہ اشقیاء کفار ہیں جو اعلاء کلمۃ الکفر میں ساعی اور کوشاں رہے۔

الغرض اصطفاء کے درجات میں اصطفاء کا اعلیٰ درجہ حضرات انبیاء کرام کے لئے ہے اور دوسرا درجہ صحابہ کرام کے لئے کما قال اللہ تعالیٰ ﴿ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا﴾ الی اٰخر الآیۃ اس لئے اس قسم کے تمام آیتوں کی تفسیر سلف صالحین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے ساتھ کی ہے چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سفیان ثوری رحمہ اللہ سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا گیا ہے کہ ﴿وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى﴾ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب مراد ہیں۔ (ازالۃ الخفاء)

الحمد للہ کہ انیسیویں پارہ کی تفسیر سے اخیر ذی الحجۃ الحرام ۱۳۹۱ھ میں فراغت نصیب ہوئی۔

فللہ الحمد اولاً وآخراً۔

الحمد للہ پانچویں جلد مکمل ہوئی۔ چھٹی جلد بیسویں پارے سے شروع ہوگی۔

❀❀❀

سرٹیفکیٹ

تاریخ 15-07-17
حوالہ نمبر 47

سرٹیفکیٹ تصحیح

الحمدللہ بندہ قاری محمد اسلام نے مکتبہ حبیبیہ رشیدیہ اردو بازار لاہور سے شائع کی جانے والی تفسیر "معارف القرآن مع تفسیر عثمانی" جلد پنجم کے عربی متن، ترجمہ کو حرف بحرف بغور پڑھا ہے ۔ اور میں تصدیق کرتا ہوں کہ اب اسمیں کوئی لفظی و اعرابی غلطی نہیں ہے ۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

قاری محمد اسلام
رجسٹریشن نمبر 042
0306-6628331

مختارات

من أدب العرب

قسم النثر

مجموعة تمثل الأدب العربي الإسلامي في جميع مظاهره ومناحيه الأدبية والتاريخية والتهذيبية

من العصر الإسلامي الأول إلى القرن الرابع عشر الهجري

للأديب الأريب الأستاذ أبي الحسن علي الحسني الندوي رحمه الله

الجزء الأول

وضعه الحواشي: محمد شفيق حافظ آبادي

تلميذ الشيخ محمد موسى العراقي

تقديم و ترجمه

محمد ابو اسامه زبير

خريج جامعه دار العلوم كراتشي

تحت الإشراف

مولانا أنيس أحمد مظاهرى

استاذ الحديث مدرسه احسان القرآن والعلوم النبويه لاهور

مكتبه حبيبيه رشيديه

اردو بازار لاهور

بسم الله الرحمن الرحيم

ما شاء الله

شرح العقائد النسفية

للعلامة سعد الدين التفتازاني رحمه الله

٧٢٢-٧٩٢هـ

وبذيله

متن عجيب وشرح غريب كلاهما للشيخ التقي مولانا شاه عبد العزيز الدهلوي الموسوم بشرح

ميزان العقائد

تخريج الآيات والاحاديث

محمد أبو أسامة زيد داعي

ناشر

مكتبة حبيبية رشيدية

29LG هادية حليمه سنٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

0332-4377621 042-37242117

Email:maktabah.hr@gmail.com

مکتبۃ حبیبیۃ رشیدیۃ
29LG علمیہ سنٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور
0321-4102117-0332-4377621
Emall:maktabah.hr@gmall.com

مسند الامام الاعظم
نور الانوار
قمر الاقمار
جمع الفوائد
داڑھی کا وجوب
القراءة الراشدة
سکون قلب
الهداية